A High Class Religious Monthly Magazine.

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

(اے ہمارے پروردگار ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا)

پیشوا

ایک ماہوار مذہبی اور اصلاحی رسالہ

مدیر مسئول سید عزیز حسن بقائی

قیمت فی پرچہ ڈیڑھ آنہ

مقام اشاعت کوچہ چیلان دہلی

سالانہ چندہ ... روپیہ

قابل شوہر و بیوی

شب عروسی

مع رنگین تصاویر — قیمت ایک روپیہ

فہرست مضامین کتاب شب عروسی

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

نواں باب

دسواں باب

انسانی زندگی کا مرکز

حسن نسائیت کی تیسیں

دنیا میں بہترین عورت

اوقات مواصلت

۱۶۰ صفحے ضخامت

قیمت صرف ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: منیجر اورینٹل بک ڈپو پوسٹ بکس نمبر ۱۰۵ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تتمہ رسول نمبر

پیشوا دہلی

تتمہ رسول نمبر

جلد ۹ || ۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ ۸ اگست سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر

حضور سرورِ عالم کے خطبات عالیہ

(مترجمہ جناب [illegible] ایڈیٹر)

حسن خلق

خدا کی تسبیح و تقدیس کے بعد: یا ایہا الناس! میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے عمدہ اخلاق کی تعلیم کے لئے بھیجا ہے۔ یعنی میں صرف اس لئے آیا ہوں کہ حسن اخلاق کو پورا کروں پس تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عمدہ اخلاق اختیار کرو اور یاد رکھو! تم سب میں مجھے اس سے زیادہ محبت ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں اور میرے نزدیک تم میں وہ اشخاص بہتر ہیں جن کے اخلاق پاکیزہ ہیں اور بدخلقی اعمال کو اسی طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ اور جس شخص کے اخلاق پاکیزہ ہیں وہ "قائم اللیل" "صائم النہار" کے درجے میں ہیں یعنی وہ ان زاہدین کی مانند ہے جو راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور تم کیا سمجھتے ہو کہ عمدہ اخلاق کیا ہیں؟ یاد رکھو! ہر ایک کے ساتھ محبت سے پیش آنا اور عفو و درگذر کا اظہار کرنا، اکثر خاموش رہنا اور بکثرت خدا کو یاد کرنا اور بیہودہ باتوں سے نفرت کرنا اور ضعفاء کے معاملے میں قریب و بعید اور ادنیٰ و اعلیٰ اور بلند و پست کی رعایت نہ کرنا اور غرباء و مساکین کو حقیر نہ سمجھنا اور جاہلوں کی حرکات پر صبر کرنا اور خادموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور اپنے غریب رشتے داروں پر مہربانی کرنا یہ سب عمدہ اخلاق ہیں اور جو ان اخلاق سے متصف ہے وہ قابل احترام ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی چیز میزان عمل میں حسن خلق سے زیادہ وزن دار نہ ہوگی پس جہاں تک ہو سکے اچھے اخلاق اختیار کرو۔ اور اے حاضرینا! جو شخص لوگوں کو حسن خلق کی تعلیم دے اس کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا ان لوگوں کے لئے جو اس کی ترغیب سے ہدایت پائیں۔ اور جو شخص بدخلقی کی تعلیم دے اس کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جتنا ان لوگوں کے لئے جو اس کے کہنے سے بدخلقی اختیار کریں۔ اور میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جس شخص کی عمر دراز ہو اور اس کے اخلاق اچھے ہوں وہ بہترین شخص ہے اور جس کی عمر زیادہ ہو اور اس کے اخلاق برے ہوں وہ بدترین شخص ہے اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سلوک سے پیش آؤ اور ایک دوسرے کے دشمن نہ بنو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ رنج رکھے یعنی اگر اتفاقاً لڑائی ہو جائے تو واجب ہے کہ تین دن کے اندر ہی صلح کر لے اور جس نے ایک سال تک اپنے بھائی مسلمان سے صلح نہ کی اس پر اتنا گناہ جمع ہو گیا جتنا قتل کا گناہ ہے۔ اور جب تمہارا کوئی بھائی کسی تکلیف میں گرفتار ہو تو اس کی اعانت کرو اور جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اسے تسلی دو۔ اور اگر کسی سے کوئی قصور ہو تو اسے معاف کر دو لیکن حدود اللہ کے جاری کرنے میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور حلم و بردباری عمدہ خصلت ہے مگر ضلالت و عدوان کے مقابلے میں کبھی عاجزی ظاہر نہ کرو۔ اور فیاضی اور ایثار ضروری ہے۔ مگر اسراف سے محفوظ رہو۔ اور جرأت و شجاعت عمدہ جوہر ہے۔ مگر مظلوم اور مفتوح کے لئے سراپا لطف و کرم بن جاؤ اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اور جب کوئی تم سے ملاقات کے لئے آئے تو اس کی تعظیم کرو اور اس سے کوئی نازیبا بات نہ کہو اور اگر حق سبحانہ و تعالیٰ تمہیں مال و زر عطا فرمائے تو مغرور نہ بن جاؤ اور یتیموں اور بیکسوں اور بیواؤں، اور غریبوں اور ناتوانوں کی امداد کرو اور جس شخص پر ظلم ہو رہا ہو اس کی حمایت کرو۔

اور اے حاضرینا! تم کیا سمجھتے ہو کہ افعال شنیعہ اور اخلاق رذیلہ کیا ہیں؟ دیکھو کسی کے ساتھ بدسلوکی کرنا، اور غرور و تکبر کرنا اور غریبوں کو حقیر سمجھنا اور خادموں پر تشدد کرنا اور ہمسایوں کو تکلیف پہنچانا اور دنیوی کام کاج میں اپنے تئیں اوروں سے ممتاز کرنا اور گھر والوں پر سختی کرنا اور بیماروں کی عیادت نہ کرنا اور دوستوں میں عداوت پیدا کرنا اور امانت میں خیانت کرنا اور جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا اور مکر و فریب اختیار کرنا۔ اور کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا اور بے حیائی کے کاموں میں مشغول رہنا اور لین دین کے معاملے میں قریب و بعید اور ادنیٰ و اعلیٰ کا لحاظ کرنا اور دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونا اور مظلوم کی حمایت نہ کرنا اور مہمان کی بے عزتی کرنا اور بزرگوں سے سخت کلامی سے پیش آنا اور وعدہ خلافی کرنا اور کسی پر تہمت لگانا اور کسی کے عیب بیان کرنا اور کسی کی ترقی کو دیکھ کر رشک و حسد کرنا اور یتیموں اور غریبوں اور بیکسوں کو حقیر سمجھنا اور ان کی امداد نہ کرنا اور بے زبان جانوروں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام لینا، فضول خرچی کرنا اور بلا ضرورت فضول باتیں کرنا اور دل میں کینہ اور عداوت رکھنا یہ تمام باتیں بداخلاقی میں داخل ہیں پس ان سے اجتناب کرو۔

ربیع الثانی کا خطبہ

(از سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ)

الحمد للہ الذی قال کان الناس امۃ واحدۃ وقال لرسولہ قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم۔

اما بعد اے مسلمانو! ربیع الثانی کا مہینہ شروع ہو گیا جس میں حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی گیارہویں شریف ہر جگہ ہوتی ہے اور جس گیارہویں شریف کو مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان کے اکثر غیر مسلم بھی نہایت عقیدت و خلوص سے کرتے ہیں۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا محبوب کام اشاعت اسلام تھا لیکن اشاعت اسلام اس کو بھی سمجھ لو کہ حضور غوث الاعظم رح دوسروں کو کہنے سے پہلے خود عمل کرتے تھے یعنی جو چیز دوسروں کو بتاتے اور سکھاتے تھے پہلے خود اس پر عمل کرتے تھے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا ہے لم تقولون ما لا تفعلون تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

پس آج اگر تم مسلمان حضور غوث الاعظم رض کی پیروی کرنی چاہتے ہو تو وہی بات زبان سے کہو جس پر خود عمل کر دو اور کر سکو اور جو لوگ قادریہ سلسلے کے غلام اور حلقہ بگوش ہیں ان کو تو خصوصیت سے اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے قول اور فعل میں فرق نہ ہو۔

حضور غوث الاعظم رض اشاعت اسلام اس طرح نہ کرتے تھے کہ کسی کے مذہب کی تردید کرتے ہوں یا کسی مذہب کے پیشوا کو برا کہتے ہوں یا کسی سے مناظرہ کرتے ہوں بلکہ ان کا طریقہ اس سے الگ تھا وہ خود اسلام کا عملی نمونہ بن کر اسلام کی اشاعت کرتے تھے یعنی نماز پابندی سے باجماعت پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ غیر مسلم لوگوں سے نہایت محبت و ملنساری سے پیش آتے تھے۔

حضور غوث الاعظم رح کا عمل اس آیت پر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کان الناس امۃ واحدۃ سب آدمی ایک ہی قوم ہیں اس واسطے وہ ہر قوم اور ہر مذہب کے آدمی کی مدد کرتے تھے اور ہر قوم اور ہر مذہب کے آدمیوں سے ان کی تکلیف میں ہمدردی فرماتے تھے اور ہر مسلم و غیر مسلم کی مصیبت میں سچے اخلاص سے شریک ہو جاتے تھے اور ان کا یہی عمل اشاعت اسلام کا باعث ہوتا تھا اور وہ اپنی مبارک زندگی میں اس قسم کے ہزاروں واقعات چھوڑ گئے ہیں جن میں سے صرف ایک ہمدردی کا واقعہ کہا جاتا ہے اور یہی عملی زندگی اور یہی عملی نمونہ اسلام تھا جو غیر مسلم اقوام فوج در فوج اسلام میں شامل کر لیتا تھا۔

حضور غوث الاعظم رح کا عمل اس آیت شریف پر بھی تھا جس میں حضور سرور کائنات صلعم کو حکم دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کو بلا کر ان سے کہہ دو کہ آؤ ایک ایسے معاملہ میں ہم تم اتحاد کر لیں جو ہم اور تم میں متحدہ و مشترکہ ہے۔

سب انسانوں اور اہل کتاب و غیر اہل کتاب میں مشترک چیز توحید ہے اور انسانیت ہے۔ پس توحید و انسانیت کا یہی تقاضہ ہے کہ ہم کسی انسان کے ساتھ اس کے عقائد کے سبب بدسلوکی نہ کریں۔ ہمارا کام اسلام کا پیام پہنچانا ہے کفار کی گمراہی کا دور کرنا خدا کے قبضے میں ہے اسلام نے ہم کو زور اور جبر سے مسلمان کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور قرآن مجید میں صاف فرما دیا گیا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد یعنی دین کے معاملہ میں کسی پر جبر و اکراہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خداتعالیٰ دین و اسلام کسی پر جبر و اکراہ نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ دین اسلام کی ہدایت و تعلیم بالکل صاف اور کھلی ہوئی ہے اور وہ اتنی عمدہ اور آسان ہے کہ ہر شخص بغیر جبر و اکراہ کے بھی اسے قبول کر سکتا ہے۔

پس اگر تم اسلام کی مساوات اور اسلام کی انسانی ہمدردی اور اسلام کی عملی زندگی کا ثبوت دینا چاہتے ہو اور ان اوصاف اسلامی کے ذریعہ اشاعت و تبلیغ کرنی منظور ہے تو تم ربیع الثانی کی گیارہویں کے پیشوا حضور غوث الاعظم رح کی سیرت پر عمل کرو اور اپنی ملنساری اور اپنی محبت اور اپنی رواداری اور اپنے صبر و ضبط کی طاقتوں سے ہندوؤں کو اسلام کا نمونہ دکھا دو اور ان کو اپنا شیفتہ بنا لو۔

ربیع الثانی کے دوسرے محبوب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہیں جن کا عرس شریف ۱۸ ربیع الثانی کو ہوگا اور ہندوستان کے ہر شہر میں صوفی مشرب مسلمان ان کے عرس کی مجلسیں کریں گے ان کی مبارک زندگی بھی قابل تقلید ہے اور انہوں نے بھی محبت و مساوات و صبر و ضبط کے ذریعہ اسلام کی اشاعت فرمائی تھی۔

ان کا ارشاد ہے کہ کشتہ کشتہ بود یعنی جو دوسرے کی سختی برداشت کر لیتا ہے وہ سختی کرنے والے کو مغلوب کر لیتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جو شخص میرے راستے میں دشمنی سے

کاسنے بچھاتا ہے میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کو ہدایت کا باغ دکھائے اور جو مجھے رنج پہونچاتا ہے تو خدا اس کے دل کو ہر رنج سے نجات دیوے۔

پس اگر تم بھی اسلام کی تبلیغ و اشاعت چاہتے ہو تو ان محبوبوں کی تقلید کرو اور اللہ تعالے کے ان خاص مقبول بندوں کی پیروی میں اصلی نمونہ اسلامی تعلیم کا بن جاؤ تاکہ تم کو غیر مسلم اقوام کی سختیوں اور زیادتیوں کا جواب دینا نہ پڑے۔

بھائیو! اگر تم حضور غوث الاعظم محبوب سبحانی اور حضور سلطان المشائخ محبوب الٰہی سے سچی عقیدت و محبت رکھتے ہو تو آج سے عہد کر لو کہ ہندوں کی غریب اور کمین اقوام کی خدمت کروگے اور ان کو نہایت محبت و ہمدردی سے اسلام کا بلاوا دوگے۔

ہندوں کے اچھوت اقوام بہت مصیبت میں ہیں ان کو ہندو کتے بلے جانور سے زیادہ ذلیل کر رکھا ہے نہ ان کو ہندوں کے برابر بیٹھنے کی اجازت ہے نہ ان کو پانی کے کنوؤں پر چڑھنے کی اجازت ہے نہ وہ اپنے خالق کی عبادت اعلیٰ ذات کے مندروں میں جا کر سکتے ہیں اس واسطے تم اسلامی مساوات اسلامی محبت کا پیغام ان کو دو اور اپنے آپکو اسلامی تعلیم کا عملی نمونہ بنا کر ان کی اخلاص مندی کے ساتھ مدد کرو۔

تم یہ خیال نہ کرو کہ اچھوتوں کے مسلمان کرنے سے مسلمانوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور ہر حکومت میں ہمارے ووٹ زیادہ ہوجائینگے کیونکہ اسلام اس سے روکتا ہے وہ تو یہ فرماتا ہے کہ تم انسانوں کو خدا کی توحید کا بلاوا خود انسانوں کے فائدہ کے لئے دو کہ توحید کا قبول کرنا خود ان کو مفید ہے تم ان کے مسلمان ہونے میں خود اپنی ذاتی اور دنیاوی مصلحت ملحوظ نہ رکھو ورنہ تمہاری دعوت و تبلیغ کا ثواب اکارت جائے گا۔

ہندوستان میں مہتر قوم رہتی ہے جس کا پیشہ غلاظت اور کوڑا جمع کرنا ہے اس کو ہم مسلمانوں نے حلال خور خطاب اسی واسطے دیا تھا کہ ہم ان کی دلجوئی کرنی چاہتے تھے اور ان کے پیشے کو ایک جائز اور حلال پیشہ سمجھتے تھے مگر آج بعض مسلمان ہندوں کی تقلید کرتے ہیں اور حلال خوروں سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد بھی نفرت کرتے ہیں اور ان کو مسجدوں میں نماز کے لئے نہیں آنے دیتے۔

یہ کیسے غضب کی بات ہے۔ یہ فعل اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے اسلام نے قرآن مجید میں فرما دیا ہے کہ سب آدمی ایک ہی قوم ہیں کسی قوم کو ادنیٰ اور حقیر نہ کہنا چاہیئے اور کسی سے نفرت و حقارت کا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے بے شک توحید و تقوے سب سے بڑی نعمت ہے جس کو یہ میسر ہو وہی سب سے اعلیٰ ہے قرآن مجید میں ہے ان اکرمکم عند اللہ

اتقکم۔ تم آدمیوں میں بڑا آدمی اور بڑی ذات والا اللہ تعالے کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ تقوے کرتا ہے۔

حضرت جامی فرماتے ہیں کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

دین کے راستہ میں اور اسلام کے عشق کے طریقہ میں فلاں اور فلاں کا بیٹا کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ ہے بس نیک عمل ہے۔

کبیرداس نے بھی کہا ہے سہ

ذات پات پوچھے نہ کوئے ٭ ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

یعنی ذات پات کچھ چیز نہیں ہے جو خدا کو یاد کرتا ہے وہی اللہ والا ہو جاتا ہے

پس تم کو چاہیئے کہ جب حلال خور یا چمار اور کمین اقوام اسلام قبول کریں تو ان کو تم اپنے برابر کے بھائی کی طرح سمجھو۔ ان کو مسجدوں میں اپنے برابر کھڑا کرو اور ان کو اپنے دستر خوان پر برابر بٹھا کر کھانا کھلاؤ اور کسی بات میں ان سے غیریت و حقارت کا برتاؤ نہ کرو تاکہ تم حضور محبوب سبحانی رض اور حضور محبوب الٰہی رض کے سچے مقلد اور پیرو بن جاؤ۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ رحمۃ للعالمین والسلام علی عباد اللہ الصالحین۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد دوسرا خطبہ

الحمد للہ الذی قال فی کلامہ المجید۔ لکم دینکم ولی دین

سلام اور لاکھوں درود سید کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلعم پر جو ہر مسلم اور غیر مسلم پر مہربان تھے۔

اور سلام ان کے چاروں خلفا حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض اور حضرت عثمان غنی رض اور حضرت علی مرتضیٰ پر اور سلام انکی ازواج خصوصاً حضرت خدیجہ رض اور حضرت عائشہ صدیقہ رض پر اور سلام انکی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا [illegible] اور سلام ان کے پیارے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین پر اور سلام انکی آل حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقر رض و حضرت امام علی رضا رض و حضرت محمد تقی رض و حضرت امام علی نقی رض و حضرت امام حسن عسکری رض پر اور سلام ان کے چچاؤں حضرت حمزہ رض و حضرت عباس رض پر اور سلام ان کے عاشق حضرت بلال رض و حضرت اویس قرنی رض و حضرت ابوذر رض و حضرت طلحہ رض و حضرت زبیر رض و حضرت سعد رض و حضرت سعید رض و حضرت عبدالرحمٰن رض و حضرت ابوعبیدہ رض و حضرت خالد بن ولید رض و حضرت عمار ابن یاسر رض و حضرت ابوہریرہ رض پر اور سلام ان کے دین کے امام ابوحنیفہ رض اور امام مالک رض اور امام شافعی رض اور امام احمد حنبل رض اور تمام آئمہ اور علماء پر اور سلام ان کے دین کے فقراء و اولیاء خصوصاً حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رض اور حضرت سلطان الہند سید معین الدین چشتی اجمیری اور حضرت خواجہ باقی باللہ رح اور تمام سلاسل کے مشائخ صوفیاء پر اور ان کے دین کے شعراء و حکما حضرت مولانا رومی رح و جامی رح و سعدی رح و خسرو رح پر اور سلام ان کے دین کے حامی بادشاہوں سلطان محمود غزنوی رح اور سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان شہاب الدین محمد غوری اور سلطان اورنگزیب عالمگیر اور احمد شاہ ابدالی اور ٹیپو سلطان شہید پر اور مدد کریا اللہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی اور سلطان ابن سعود کی اور نادر شاہ خان بادشاہ ایران کی اور سلطان العلوم میر عثمان علی خان شہریار دولت آصفیہ کی اور ان سب سلطان والیان ملک

جملہ حقوق محفوظ

درس القرآن

جملہ حقوق محفوظ

(از جناب مولانا مفتی محمد انتظام اللہ صاحب صدیقی)

ایک مسلسل کتاب جو صرف رسالہ پیشوا کے لیے لکھوائی گئی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

درس القرآن کی ترتیب کی غرض یہ ہے کہ مسلمان بچے گھر یا مکتب میں قاعدہ کے بعد جو متفرق پارے اور سوا قرآن مجید بے سمجھے بوجھے برسوں تک پڑھتے رہتے ہیں اور بڑے ہوکر اکثر بھول جاتے ہیں یا دنیا پرست والدین کی بدولت کلام اللہ سے محروم رہ کر شروع ہی سے مادی تعلیم کی تحصیل میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ الحاد آموز باتیں بچپن ہی سے ان کے کانوں میں پڑنے لگتی ہیں اس لئے سن رشد پر پہنچنے ہونے کے باوجود دین و آئین اسلام سے جاہل خدا اور رسول سے بیگانہ ہوکر نفس پرور اور لامذہب نظر آتے ہیں۔ اگر درس القرآن کو قاعدہ کے بعد ہی پڑھایا جائے تو بچپن میں مضامین قرآن پر ایسا عبور حاصل ہو جائے گا کہ ترجمہ کلام پاک کی تمام دقتیں حل اور جملہ ضروری تفسیری معلومات بحسب استعداد دسترس حاصل ہو جائے گی اور بدنگاہ بدشعور اس قرآنی تعلیم سے ظاہری پہلو باطنی قوی شگفتہ دل و دماغ روشن ذوق و شوق بیدار زندگی کا ہر پہلو منور اور ذہنی و اخلاقی اصلاح ہوکر دنیاوی و روحانی عروج حاصل ہوگا۔ درس القرآن کے چار حصے ہیں پہلا حصہ تذکرہ انبیاء ہے جو قصص القرآن سے متعلق ہے۔

تذکرہ انبیاء لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب

قوم کی تعمیر و اصلاح کے لئے جس طرح مضامین قرآن مفید ہیں اسی طرح قصص القرآن عبرت و بصیرت کے لئے ہیں انہیں قصوں سے ہر قسم کی اخلاقی معاشرتی۔ تمدنی۔ سیاسی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور دین و مذہب کے بہت حل اور عملی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ان سے قوم تو قوم ہر فرد اپنی زندگی کے لئے صحیح راہ عمل اختیار کر سکتا ہے انہیں میں وہ اصول تعلیم کئے گئے ہیں جن سے امم قدیمہ نے ارتقاء کے منازل طے کئے تھے اور ان اسباب کا ذکر بھی ان میں ہے جن سے قومیں تباہی کی راہ لگی تھیں غرضکہ قرآنی قصے ہمارے لئے درس حکمت و موعظت اور قومی و انفرادی زندگی کو صحیح راستہ پر لگانے والے ہیں۔

ان ہی قصص قرآن سے قصص انبیاء کے نام سے اکثر کتابیں اردو میں شائع ہوئیں۔ بنی اسرائیل کی کہانیوں سے ایسے حاشیے چڑھائے گئے کہ رطب و یابس کا مجموعہ بن گئے صرف قرآنی قصے ہی رہتے تو وہ صحیح تاریخی اسناد کے ساتھ روحانیت لئے ہوئے ہوتے نفائس القصص۔ اعجاز القرآن اس کے نمونہ ہیں یہ صرف اردو میں ہیں۔ تبویب القرآن اضبط مضامین الفرقان میں بھی ایک باب قصص کا ہے مگر تاریخی اعتبار سے ترتیب نہیں ہے۔ درس القرآن کا یہ حصہ انبیاء کرام کے احوال میں تاریخی سلسلے کے لحاظ سے ایک مختصر سرمایہ ہے جس میں مکررات نہیں ہیں اور حاشیہ میں جغرافی معلومات کا ذخیرہ ہے۔

قارئین کرام سے عرض ہے کہ اس حصہ کی ترتیب میں جو جو سہو و غلطیاں ہوئی ہوں ان سے عند الملاقات مجھے آگاہ کیا جائے تاکہ کتاب کی طباعت کے وقت اس کی اصلاح کر دوں۔

جناب محترم مولوی انعام اللہ خاں صاحب بانی و مدیر دائرہ معارف قرآنیہ آگرہ و مولوی امام الدین صاحب الہی مبلغ اسلام کی اعانت زمانی کا شکر گزار ہوں کہ حصہ اول کے لئے قصص قرآنی سے تذکرہ انبیاء کی ترتیب میں امداد کی۔ اس کے بعد جناب مولوی سید محمد صاحب مارہروی و مولانا حکیم عبد الستار خاں صاحب ملا فاضل کا ضروری مشورہ بھی قابل شکریہ ہے۔

درس القرآن

حصہ اول

تذکرہ انبیاء

حضرت آدم علیہ السلام

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۝ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا	اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں انہوں نے کہا کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تو تیری حمد یعنی تعریف کے ساتھ تیری پاکیزگی اور خوبی بیان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تحقیق

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور آدم کو سارے (اشیا کے) نام بتادیئے پھر ان (چیزوں) کو فرشتوں کے سامنے رکھا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو (مجھے) ان کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے عرض کیا تو پاک ہے ہم کیا جانیں ہم کو تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہم کو سکھلایا۔ بیشک تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے۔

۱۲

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۝ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۝ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(اللہ تعالےٰ نے) فرمایا آدم فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتالو۔ (آدم) نے بتلادیئے تب اللہ تعالےٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا میں آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتیں جانتا ہوں اور جو تم کھولتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو میں سب جانتا ہوں۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ (تعظیمی) کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ مانا اور شیخی میں آگیا وہ منکروں میں تھا۔

پ ۱ ع ۴۔ س بقر

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ

اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے ابلیس تو سجدہ کرنے والوں میں کیوں شریک نہیں ہوتا وہ کہنے لگا میں تو ایک بشر کو جسکو تو نے کھنکناتے کالے سڑے گارے سے بنایا سجدہ کرنے والا نہیں۔

پ ۱۴ س الحجر

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝

(اور) وہ کہنے لگا میں (آدم) سے بہتر ہوں مجھ کو تو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔

پ ۸۔ س اعراف ع ۱۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

اللہ تعالےٰ نے فرمایا تو چل دور ہو جنت سے نکل جا تو مردود ہے اور قیامت کے دن تک تجھ پر پھٹکار ہے۔

پ ۱۴ ع ۳۔ س الحجر

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

وہ بولا تیری عزت کی قسم اب تو میں سب آدمیوں کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں خالص تیرے بندے ہونگے۔

پ ۲۳۔ س ص ع ۴۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

(اللہ تعالےٰ نے) فرمایا برا اے مردود چل نکل جا ان میں سے جو آدمی تری راہ پر چلیں گے میں ضرور تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔

پ ۸۔ س اعراف ع

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اے آدم تم اور تمہاری بی بی جنت (باغ) میں رہو پھر جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ (ورنہ) تم ظالموں (یعنی گنہگاروں) میں ہوجاؤ گے۔

پ ۸ الاعراف ع

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

پھر دونوں کو شیطان نے بہکایا (اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کا ستر جو ڈھکا ہوا ہے ان دونوں کو کھول دکھاوے اور کہنے لگا تمہارے مالک نے جو تم کو اس درخت سے منع کیا تو صرف اس لئے کہ تم فرشتہ نہ بن جاؤ (یا جنت میں) ہمیشہ رہنے والوں میں نہ ہو جاؤ۔“ اور ان سے قسمیں کھانے لگا میں بیشک تمہارا خیر خواہ ہوں۔ آخر دھوکہ دے کر ان کو جھکا لیا جونہی انہوں نے وہ درخت چکھا ان کے ستر (کی چیزیں) ان کو دکھائی دینے لگیں اور دونوں (شرم سے) بہشت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے اور (اسپر) ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی کیا میں نے تم کو اس درخت (کے کھانے) سے منع نہیں کردیا تھا اور تم سے نہیں کہدیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے“

پ ۸۔ س الاعراف ع۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝

(اللہ تعالےٰ نے) فرمایا تم اترجاؤ تم میں ایک کا ایک دشمن رہے گا اور ایک وقت تک تم کو زمین میں رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے (اور) فرمایا تم زمین ہی میں زندگی کاٹو گے اور وہیں مروگے اور وہیں سے (بروز حشر) نکالے جاؤ گے۔

پ ۸ س الاعراف ع

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں سیکھیں جس سے انکی توبہ قبول ہوئی خدا تو گنہگاروں کی توبہ سنتا اور رحم کرتا ہے۔

پ ۱ الٓمٓ س بقر ع ۴۔

صحیح بخاری شریف اردو

(گذشتہ سے پیوستہ)

(مترجمہ حضرت علامہ مفتی جلالی صاحب نظامی)

ابن عباسؓ کہتے ہیں جب نبی کریمؐ کے درد میں شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تم کو ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو حضرت عمرؓ بولے حضورؐ پر درد کی زیادتی ہے اور ہمارے پاس خدا کی کتاب ہے جو ہمارے لئے کافی ہے اس پر لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اور خوب شور مچا آپ نے (یہ دیکھکر) فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ میرے پاس جھگڑا نہ کرو۔

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات حضورؐ بیدار ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ آج رات کس قدر عذاب اور رحمت کا نزول ہوا ہے حجرے والوں کو جگا دو کیونکہ دنیا میں بہت سے اچھے اچھے لباس پہننے والیاں آخرت میں برہنہ ہوں گی۔

عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اپنی آخری عمر میں حضورؐ نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو فرمایا بھلا دیکھو تو کہ اس رات سے ایک سو برس بعد روئے زمین پر رہنے والوں میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ بنت حارث زوجہ نبیؐ کے گھر رہا حضورؐ اس رات ان ہی کے پاس تھے جب آپ عشا کی نماز پڑھ چکے تو مکان میں آکر چار رکعتیں پڑھیں پھر سو گئے پھر اٹھکر فرمایا لڑکا سو گیا (یا اسی طرح کا کوئی اور لفظ فرمایا) اس کے بعد (نماز کے لئے) کھڑے ہوئے میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا آپ نے مجھ کو دائیں جانب کر لیا پھر پانچ رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو پڑھیں اور پھر اس کے بعد سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے خرانے کی آواز سنی (سونے کے بعد صبح کو) آپ نماز کو گئے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کا قول ہے ابوہریرہؓ حدیثیں بہت بیان کرتے ہیں اگر خدا تعالیٰ کی کتاب میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ الخ (پھر کہنے لگے) ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں تالیاں بجانے میں مشغول تھے اور انصاری بھائی اپنے کاروبار میں منہمک ہے ابوہریرہؓ بھی رسول اللہؐ کو چپٹا رہتا تھا کیونکہ وہ سیر شکم (یعنی قانع) تھا اس جگہ موجود رہتا تھا جہاں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے اور ان چیزوں کو یاد رکھتا تھا جس کو وہ یاد نہ رکھتے تھے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے دو برتن (علم کے) لئے ایک تو میں (لوگوں کے سامنے) کھول چکا اور رہا دوسرا تو اگر اس کو بیان کر دوں تو یہ حلق کاٹ دیا جائے۔ (یعنی اسرار معرفت)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنکر بھول جاتا ہوں فرمایا اپنی چادر پھیلا میں نے پھیلا دی آپ نے لپ بھر کر اس میں رکھا پھر فرمایا اس کو بند کر لے میں نے بند کر لیا اس کے بعد میں کچھ نہ بھولا۔

جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حج وداع میں حضورؐ نے مجھ سے فرمایا لوگوں کو خاموش کردو پھر فرمایا میرے بعد کفار نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

ابی بن کعبؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا موسیٰؑ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے (اثنائے خطبہ میں) ان سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بڑا عالم لوگوں میں کون ہے موسیٰؑ بولے میں سب سے بڑا عالم ہوں خدا تعالیٰ نے اس وجہ سے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے جاننے کی نسبت خدا کی طرف نہ کی اس کے بعد ان کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں مجمع البحرین میں ایک بندہ تم سے بڑا عالم ہے موسیٰؑ نے عرض کیا الٰہی میں اس سے کس طرح مل سکتا ہوں حکم ہوا زنبیل میں مچھلی رکھ لو جہاں مچھلی (راستہ میں) گم ہو جائے وہ اسی جگہ ہوگا موسیٰؑ (حسب الحکم) چل دیئے اور اپنے جوان یوشع بن نون کو بھی ہمراہ لیا ایک مچھلی زنبیل میں ڈال لی جب (چلتے چلتے) ایک بڑے پتھر کے پاس پہونچے تو وہاں ٹھیرگئے اس پر سر رکھکر دونوں سو گئے مگر مچھلی زنبیل سے غائب ہو چکی تھی اور دریا میں راستہ بنا کر چل دی تھی یہ بات موسیٰؑ اور ان کے جوان ساتھی کیلئے نہایت عجیب تھی (مگر موسیٰؑ کو اس کا علم نہ ہوا) خیر دونوں دن بھر

اور رات کے باقی ماندہ حصہ میں چلتے رہے جب صبح ہوئی تو موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے کہا ناشتہ لاؤ کیونکہ ہم سفر سے تھک گئے ہیں (اب ذرا کھا پی کر تازہ دم ہو جائیں) حالانکہ موسیٰؑ نے اس وقت تک کوئی تکلیف نہ اٹھائی تھی جب تک جائے مقررہ سے گزر نہ گئے بہرحال انکے جوان (یوشع) نے کہا سنیئے ہم جب بڑے پتھر کے پاس ٹھیرے تھے تو مچھلی تو میں وہاں بھول گیا موسیٰؑ نے کہا اسی جگہ کی تو ہم تلاش میں تھے لہذا نشان قدم پر پیچھے لوٹے چنانچہ جب بڑے پتھر پر پہونچے تو ایک شخص کپڑا اوڑھے ملا حضرت موسیٰ نے سلام کیا حضرت خضرؑ نے کہا آپ کے ملک میں سلام (کا رواج) کہاں ہے موسیٰؑ بولے میں موسیٰؑ ہوں حضرت خضر بولے کیا بنی اسرائیل کے موسیٰؑ؟ انہوں نے کہا جی ہاں پھر موسیٰ کہنے لگے کیا میں آپ کے ہمراہ چل سکتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے وہ ہدایت و حق سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے خضرؑ بولے تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کرسکو گے کیونکہ جو علم مجھ کو خدا نے عطا کیا ہے وہ آپ کو نہیں کیا اور جو علم آپ کو دیا ہے اس سے میں ناآشنا ہوں موسیٰؑ بولے ان شاء اللہ مجھ کو صابر پائیں گے میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا خیر دونوں سمندر کے کنارے چل دیئے کشتی ان کے پاس نہ تھی ایک کشتی ادھر سے گزری تو کشتی والوں سے انہوں نے سوار کر لینے کو کہا خضر پہچان لئے گئے اور بلا کرایہ دونوں کو سوار کر لیا گیا (اتفاق سے) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارہ پر بیٹھ گئی اور چونچ دو چونچ سمندر سے پانی لیا (یہ دیکھکر) خضر بولے موسیٰ میرے اور آپ کے علم سے خدا کے علم میں کوئی بھی کمی نہیں ہوئی (میرا اور آپ کا علم خدا کے علم کی نسبت) صرف اتنا ہے جتنا اس چڑیا کی چونچ میں پانی ہے۔ اس کے بعد حضرت خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکال دیا موسیٰؑ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہم کو بلا کرایہ سوار کر لیا اور آپ نے کشتی والوں کو ڈبونے کے لئے کشتی کو ہی توڑ دیا خضر بولے (دیکھو) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ آپ سے صبر نہ ہوگا موسیٰؑ بولے (میں بھول گیا) آپ بھول کا مواخذہ مجھ سے نہ کیجئے اور اپنی ہمراہی میں مجھ پر دشواریاں نہ ڈالیئے یہ موسیٰؑ سے پہلی بار بھول ہوئی تھی۔ خیر پھر دونوں چلتے رہے اتفاقاً ایک لڑکا اور لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا حضرت خضر نے اس کا سر پکڑ کر مروڑ کر توڑ ڈالا موسیٰ کہنے لگے آپ نے ایک معصوم جان کو بے گناہ قتل کیا خضر بولے (دیکھو) میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے خیر پھر دونوں چلے ایک گاؤں میں پہونچے گاؤں والوں سے کھانا مانگا مگر انہوں (نے نہ دیا) مہمان نوازی سے انکار کیا موسیٰؑ و خضر نے دیکھا کہ وہاں شکستہ ہونے کے قریب ایک دیوار ہے حضرت خضر نے ہاتھ کے اشارہ سے اس کو سیدھا کر دیا موسیٰؑ (یہ دیکھکر) بولے کہ (یہ ممکن تھا) اگر آپ دیوار کے سیدھی کرنے کی اجرت چاہتے تو لے لیتے خضرؑ نے کہا (اب بس) یہی میری اور آپ کی جدائی کا سبب ہے (رسول اللہ فرماتے ہیں کہ خدا موسیٰؑ پر رحمت نازل کرے کاش وہ کچھ اور صبر کرتے کہ ہم کو ان دونوں کے واقعات اور معلوم ہوتے)۔

ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ قتال فی سبیل اللہ کسے کہتے ہیں کیونکہ ہم میں سے کچھ لوگ تو غصہ کی وجہ سے لڑتے ہیں اور کچھ حمایت کرنے کے لئے آپ نے فرمایا جو شخص خدا کی بات (کلمۂ اسلام) اونچی کرنے کے لئے لڑے وہ راہ خدا میں قتال ہے۔

عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ مدینہ کے کھنڈروں میں پھر رہا تھا آپ کے پاس کھجور کی ایک لکڑی تھی جس کو آپ ٹیکتے جاتے تھے (اتفاقاً) آپ یہود کے گروہ کی طرف سے گزرے یہودی باہم کہنے لگے کہ ان سے روح کے متعلق دریافت کرو ایک بولا نہیں مت پوچھو کہیں ایسا جواب نہ دیدیں جو تم کو برا معلوم ہو دوسرا بولا ہم تو ان سے ضرور پوچھیں گے اس کے بعد ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا ابو القاسم روح کیا چیز ہے آپ خاموش ہو گئے میں نے خیال کیا کہ آپ کے پاس وحی آ رہی ہے چنانچہ میں کھڑا رہا جب آپ وحی سے فارغ ہو چکے تو فرمایا یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے ہم نشین حضرت معاذ (اونٹ کے کجاوہ پر) سوار تھے حضورؐ نے ان سے فرمایا معاذ انہوں نے جواب دیا حاضر ہوں یا رسول اللہ پھر آپ نے فرمایا معاذ انہوں نے پھر کہا حاضر ہوں موجود ہوں پھر آپ نے تیسری بار یہی فرمایا اور معاذ نے یہی جواب دیا اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا جو شخص سچے دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے گا اس پر خدا نار دوزخ کو حرام کر دے گا معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو اس کی اطلاع نہ دیدوں کہ وہ بھی خوش ہو جائیں فرمایا وہ اطمینان سے بیٹھ رہیں گے۔ حضرت معاذ نے موت کے وقت گناہ کے خوف سے یہ واقعہ بیان کیا۔

ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ام سلیم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ خدا حق بات سے نہیں شرماتا اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا غسل لازم ہے آپ نے فرمایا جب عورت پانی دیکھے (تو غسل لازم ہے) میں نے (یہ سنکر) اپنا چہرہ چھپا لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے فرمایا ہاں تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو (اگر احتلام نہ ہوتا) تو اس کا

ہم اس کے مشابہ کس طرح ہوتا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے مذی بہت ہوتی تھی اس لئے میں نے مقدادؓ کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہؐ سے اس کی بابت دریافت کریں کیونکہ مجھے انہوں نے دریافت کیا آپ نے فرمایا مذی میں وضو لازم ہے۔

عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو کہاں سے احرام باندھنے کا حکم ہے آپ نے فرمایا اہل مدینہ (جب حج کرنے جائیں) تو مقام ذو الحلیفہ سے احرام باندھیں اور اہل شام جحفہ سے اور اہل نجد قرن سے ابن عمرؓ نے کہا کہ لوگوں کا یہ گمان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اور اہل یمن یلملم سے مگر میں رسول اللہ کے کلام سے یہ نہیں سمجھا۔

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا احرام باندھنے والا کیا پہنے آپ نے فرمایا کرتہ عمامہ پاجامہ اور باراں کوٹ نہ پہنا جائے اور ورس (ایک قسم کی زرد گھاس) و زعفران میں رنگا ہوا کپڑا بھی نہ پہنے اگر اس کو جوتیاں نہ ملیں تو موزے پہنے مگر ان کو کاٹ لے تاکہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

باب ۴

کتاب الوضو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا جب تک بے وضو وضو نہ کرے اس وقت تک اس کی نماز مقبول نہیں۔ قبیلہ حضرموت کے ایک شخص نے (ابو ہریرہؓ سے) دریافت کیا ابو ہریرہ بے وضوئی کیا چیز ہے آپ نے جواب دیا گوز با آواز یا بے آواز۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا میری امت قیامت کے دن بلائی جائے گی وضو کی وجہ سے وہ روشن پیشانی اور پنج کلیان ہوگی۔ تم میں سے جو شخص پیشانی کی روشنی بڑھا سکتا ہے وہ بڑھائے۔

عبد اللہ بن یزید انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے اس شخص کی حالت بیان کی جس کو خیال ہو جاتا ہے کہ نماز میں کچھ ہوا وغیرہ (خارج ہوتی ہوئی) پاتا ہوں آپ نے فرمایا وہ نماز نہ توڑے جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ محسوس کرے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہؐ سو گئے اور آپ کی سانس کی آواز آنے لگی پھر آپ نے بغیر وضو کئے نماز پڑھی راوی کا یہ بھی قول ہے کہ حضورؐ لیٹ گئے اور سانس کی آواز آنے لگی پھر آپ نے اٹھ کر نماز پڑھی۔

اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ مقام عرفات چلے جب مقام شعب میں پہونچے تو اتر کر پیشاب کیا پھر وضو کیا مگر کامل وضو نہ کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز (کہاں پڑھیں گے) فرمایا نماز آگے چل کر پڑھیں۔ آپ سوار ہو گئے جب مزدلفہ میں پہونچے تو اتر کر پورا وضو کیا نماز کے لئے تکبیر کہی گئی آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اس کے بعد ہر شخص نے اپنے اپنے اونٹ اپنی اپنی جگہ پر بٹھائے اور عشا کے لئے تکبیر کہی گئی آپ نے اس کو بھی ادا کیا اور مغرب و عشا کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے وضو اس طرح کیا کہ پہلے منہ دھویا یعنی پہلے چلو میں پانی لے کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر دوسرے چلو میں پانی لے کر اسی طرح کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر چلو میں پانی لے کر دوسرا ہاتھ ملا کر منہ دھویا اس کے بعد ایک چلو پانی لے کر دایاں ہاتھ دھویا پھر چلو میں پانی لے کر بایاں ہاتھ دھویا اس کے بعد سر کا مسح کیا پھر چلو پانی لے کر دائیں پاؤں پر چھڑکا اور اس کو دھویا آخر میں چلو پانی لے کر بایاں پاؤں دھویا۔ میں نے رسول اللہؐ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ جب پاخانہ جاتے تو فرماتے اللھم اعوذ بک من الخبث والخبائث۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ بیت الخلا میں داخل ہونے میں تھے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھ دیا آپ نے فرمایا کس نے رکھا ہے آپ سے عرض کر دیا گیا اس پر آپ نے فرمایا الٰہی اس کو دین کا فقیہ بنا۔

ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا جب تم پاخانہ میں جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو نہ پشت بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو (مدینہ مکہ سے شمال کی طرف ہے)

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھو تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو نہ بیت المقدس کی طرف۔ ایک روز میں اپنی کوٹھری کی چھت پر چڑھا تو میں نے حضورؐ کو بیت المقدس کی طرف رخ کئے ہوئے قضائے حاجت کے لئے بیٹھے ہوئے دیکھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی ازواج جب پیشاب پاخانہ کو جاتی تھیں تو جنگل میں رات کو جاتی تھیں اور وہ جنگل صاف و فراخ تھا اس پر حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ اپنی بیویوں کا پردہ کرائیے مگر آپ نہیں کرتے تھے ایک رات حضرت سودہ بنت زمعہ زوجۂ نبیؐ (قضائے حاجت کے لئے) نکلیں ان کا قد دراز تھا عمرؓ نے جو دیکھا تو پکار کر کہا دیکھو سودہ ہم نے تم کو پہچان لیا اس کہنے کی غرض یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کو پردہ کا حکم نازل ہونے کی بہت زیادہ خواہش تھی اس وقت پردہ کی آیت اتری۔

انس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب قضائے حاجت کو جاتے تو میں اور ایک دوسرا لڑکا پانی کا برتن لے کر آتے تھے کیونکہ آپ پانی سے استنجا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہم (مٹی توڑنے کی) برچھی بھی لے کر آتے تھے۔

ابو قتادہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (کچھ) پئے تو (اس میں) پھونک نہ مارے اگر پاخانہ جائے تو پیشاب گاہ کو داہنے ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے صاف کرے۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ قضاء حاجت کو نکلے میں پیچھے ہو لیا مگر آپ نے توجہ نہیں فرمائی میں خود آپ کے نزدیک ہو گیا آپ نے فرمایا میرے لئے پتھر تلاش کر لاؤ استنجا کر دں گا مگر ہڈی اور گوبر نہ لانا میں آپ کے پاس ایک کپڑے کے کونہ میں بہت سے پتھر لایا اور آپ کی برابر رکھدیئے اور آپ کی طرف سے منہ پھیر لیا جب آپ فارغ ہو چکے تو ان کو بعد میں استعمال کیا۔

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ پاخانہ تشریف لے گئے اور مجھے حکم دیا کہ تین پتھر لاؤ مجھ کو دو پتھر تو مل گئے اور تیسرا تلاش کیا تو نہ ملا (اس کی بجائے) میں نے گوبر لیا اور لے کر خدمت میں حاضر ہوا آپ نے دونوں پتھر تو لے لیا اور گوبر کو پھینکدیا اور فرمایا یہ پلید ہے۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے وضو ایک ایک بار کیا (یعنی ہر عضو ایک ایک بار دھویا)

عبد اللہ بن زید انصاری سے روایت ہے کہ حضورؐ نے دو دو بار وضو کیا۔ (یعنی ہر عضو دو دو دفعہ دھویا)

حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (پانی) کا ایک برتن منگایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار (پانی) ڈال کر دھویا پھر دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر ناک کو صاف کیا اس کے بعد تین بار منہ کو اور تین بار کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھویا اور پھر سر پر مسح کیا اور تین بار دونوں ٹخنوں تک دھوئے اس کے بعد کہا حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے جس میں کچھ خیال دل میں نہ لائے تو اسکے گزشتہ گناہ بخشدئے جائیں گے۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں تمسے ایسی حدیث بیان کروں کہ اگر کتاب اللہ ایک آیت (ان الذین یکتمون ما انزلنا الخ) نہ ہوتی تو میں نہ بیان کرتا میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ٹھیک ٹھیک وضو کرکے نماز پڑھتا ہے اس کے وضو اور نماز کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس نماز کو ادا کرلے۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جو شخص وضو کرے اس کو ناک صاف کرنا چاہیئے اور جو استنجا کرے وہ طاق کرے (تین بار یا پانچ بار)

ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو ناک میں پانی ضرور ڈالے اور اس کو صاف کرے اور جب پتھر وغیرہ سے استنجا کرے تو طاق کرے اور جب نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دھوئے کیونکہ اس کو علم نہیں کہ رات کو ہاتھ کہاں کہاں رہا۔

عبد اللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ (حج کے موقعہ پر) صرف دونوں رکن یمانی (یعنی رکن اسود اور رکن یمانی) کو چھوتے ہیں اور بغیر بالوں کا جوتہ پہنتے ہیں اور زرد رنگ استعمال کرتے ہیں اور لوگ تو چاند دیکھ کر احرام باندھ لیتے ہیں مگر آپ مکہ میں ہوتے ہیں تو آٹھویں تاریخ سے پہلے احرام نہیں باندھتے۔ حضرت عبد اللہ نے جواب دیا کہ رکنوں کے متعلق تو یہ ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا کہ آپ صرف انہی دونوں رکنوں کو چھوتے تھے اور کسی رکن کو نہیں چھوتے تھے۔ باقی جوتیوں کے متعلق یہ ہے کہ میں نے حضورؐ کو بغیر بالوں کی جوتیاں پہنے ہوئے دیکھا جن میں آپ وضو کیا کرتے اس لئے میں بھی ان ہی کے پہننے کو پسند کرتا ہوں رہی زردی تو میں نے حضورؐ کو زرد رنگتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے میں بھی اس رنگ کو پسند کرتا ہوں احرام کی بابت یہ ہے کہ جب تک حضورؐ کی سواری آپ کو اٹھا نہ لیتی تھی (یعنی سوار نہ ہو جاتے تھے) اس وقت تک ہمنے آپکو احرام باندھتے نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کو جوتہ پہننے کنگھا کرنے طہارت حاصل کرنے اور تمام (اچھے) کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔

انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نماز عصر کا وقت آچکا تھا لوگوں نے (وضو کے لئے) پانی تلاش کیا لیکن نہ ملا اس وقت حضورؐ کے پاس (پانی کا) ایک برتن لایا گیا آپ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ لیا اور لوگوں کو وضو کرنے کا حکم دیا میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی نکل رہا تھا یہاں تک کہ سب نے وضو کر لیا۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ نے اپنا سر منڈوایا تو ابو طلحہؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے آپ کے مبارک بال لئے۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اگر کتا کسی کے برتن میں سے (منہ ڈال کر) پی لے تو اس کو سات بار دھونا چاہیئے۔

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے عہد میں مسجد میں کتے آتے جاتے تھے اور لوگ اس کی وجہ سے پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا جب تک بندہ مسجد میں رہ کر نماز کا انتظار کرتا ہے نماز میں ہی رہتا ہے بشرطیکہ بے وضو نہ ہو جائے۔

اسلامی معاشرت

(گذشتہ سے پیوستہ)

(ایک مسلسل کتاب جو صرف پیشوا کے لئے لکھوائی گئی ہے)

(از حضرت مولانا مفتی محمد انتظام اللہ صاحب صدیقی)

سرمہ لگانا حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم اثمد لگایا کرو بال اگاتا ہے کیچڑ کو دور کرتا ہے آنکھ کو صاف کرتا ہے"
خود آپ بلا ناغہ سوتے وقت سرمہ آنکھوں میں لگاتے تھے"
آنحضرت صلعم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی ہر رات تین تین سلائی لگاتے[1]

بالوں کی درستی حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کثرت سے سر مبارک میں تیل لگاتے اور ڈاڑھی میں بہت کنگھی کرتے تھے[2]
حضرت ابو قتادہ انصاری رضؓ نے بال رکھ چھوڑے تھے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ میں بالوں میں کنگھی کروں۔ فرمایا ہاں اس کو سنوار دو اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ وہ بسا اوقات دن میں دو دو بار بالوں میں تیل لگاتے تھے۔

مانگ نکالنا۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے سر میں مانگ نکالی[3]

روزانہ کنگھی کرنا حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے ہر روز کنگھی کرنے سے منع کیا ہے مگر ناغہ کرکے (کنگھی کی جائے)[4]

آئینہ دیکھنا آنحضرت صلعم جب آئینہ میں اپنا منہ دیکھتے تو فرماتے[5]

اللھم انت حسنت خلقی فحسن خلقی۔ — اے اللہ تو نے اچھی بنائی صورت میری پس بہتر کر سیرت مری۔

خوشبو کا استعمال حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے عمدہ سے عمدہ خوشبو جو مل سکتی تھی وہ لگاتی تھی جس کی خوشبو اور چمک آپ کے سر اور ڈاڑھی میں نظر آتی تھی[6]
رسول کریم صلعم نے مردوں اور عورتوں کو خوشبو لگانے کی نصیحت کی
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو ظاہر ہو رنگ مخفی ہو عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو بو مخفی ہو[7]

حبب الی من دنیاکم ثلاث — تین چیزیں مجھے دنیا کی محبوب ہیں۔
الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوۃ۔ — خوشبو۔ عورت اور نماز میں اطمینان یعنی خشوع۔

آپ ہمیشہ خوشبو استعمال کرتے صحابہ کا بیان ہے کہ آپ جس گلی کوچہ سے نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا۔ بعض مرتبہ مشک و عنبر کا بھی استعمال کیا ہے
حضرت عمر فاروق رضؓ ریزہ ہائے مشک کا استعمال کرتے تھے[8]

بدبو رسول اللہ صلعم کو بدبودار اشیاء پیاز لہسن وغیرہ سے سخت نفرت تھی اور حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آیا کریں۔ آپ نے فرمایا جو شخص پیاز لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور نہ ہمارے ساتھ نماز پڑھے[9]
آپ نے فرمایا جن چیزوں سے انسان کی روح تکلیف محسوس کرتی ہے ان ہی چیزوں سے اللہ تعالیٰ کے ملائکہ بھی اذیت پاتے ہیں۔
حضرت سعید بن مصعبؓ کہتے ہیں کہ اللہ طیب ہے اور خوشبو کو پسند کرتا ہے۔ پاک صاف ہے صفائی کو پسند کرتا ہے۔ کریم ہے بخشش کو پسند کرتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے پس تم پاک صاف رہو[10]

طہارت لباس آنحضرت صلعم کی خود یہ حالت تھی گو کہ آپ کو تکلف اور جاہ پسندی سے نفرت تھی مگر لباس ہمیشہ صاف اور عمدہ پہنتے اور سفید رنگ کا کپڑا تمام کپڑوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور جمعہ کا جوڑا آپ کا خاص تھا[11]
ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک شخص میلے کپڑے پہنے ہوئے حاضر ہوا آپ نے فرمایا تمہیں کچھ مقدور ہے اس نے عرض کیا ہر طرح اللہ تعالیٰ کا فضل ہے آپ نے فرمایا جب خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے اس کا اظہار بھی ہونا چاہیئے"۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا فرمایا اس سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ اپنے کپڑوں کو دھو لیا کرے۔[12]
ایک مرتبہ بہت سے لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑے پہنے ہوئے چلے آتے تھے اس سے پسینہ کی وجہ سے بو پھیل گئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ نہا کر آتے تو بہت اچھا تھا۔

گھر کی صفائی ایک حدیث میں رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ

---

[1] طبرانی [2] شمائل ترمذی صفحہ ۳ [3] (عن ابن عباس) [4] شمائل ترمذی صفحہ ۳۰ [5] ابن حبان دارمی وحصن حصین [6] بخاری (کتاب اللباس) [7] ترمذی ونسائی۔

[8] اسوۂ صحابہ جلد ا صفحہ ۲۴۹ [9] بخاری [10] ترمذی جلد دوم صفحہ ۱۳ [11] طبرانی (عن عائشہ رضؓ) [12] مشکوٰۃ۔

اپنے گھروں اور گھر کے صحنوں کو کوڑا کرکٹ سے صاف رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاکیزہ نفوس انسانوں سے محبت رکھتا ہے جیسا آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ گندگی اور تکلیف دہ چیز راستہ سے ہٹا دینا شعبہ ایمانیات سے ہے۔

مجلس کے موقع پر صفائی رسول اکرم کو صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ بعض دفعہ آپ ہی کی مجلس میں خوشبو کی انگیٹھیاں بھی جلائی جاتی جس میں اگر اور بعض مرتبہ کافور شامل ہوتا۔ اور آپ نے حکم دیا تھا کہ اجتماع کے موقع پر خوشبو دار مصالحہ جلائے جلائیں تاکہ ہوا صاف رہے اور صحت پر ناگوار اثر نہ ہو۔

مسجد کی صفائی مسجد کی صفائی سب سے زیادہ ملحوظ تھی ایک دفعہ کسی نے مسجد کی دیوار پر بلغم تھوک دیا جب آپ تشریف لائے تو نظر پڑی بہت ناگوار گذرا اور اسی وقت صاف کرنے کا حکم دیا۔ آپ کا حکم تھا کہ بو دار چیز کھا کر مسجد میں نہ آیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیا اور فرمایا تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو حالانکہ میں نے آنحضرت صلعم کو دیکھا کہ اگر کوئی شخص ان چیزوں میں سے کوئی چیز کھا کر مسجد میں آتا تو وہ آپ کے حکم سے جنت البقیع کی طرف نکال دیا جاتا۔ جو شخص انہیں کھانا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ پکا کر اس کی بو زائل کر لیا کرے۔[1]

ورزش

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (سورہ انفال) دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنے اندر جسقدر قوت پیدا کر سکتے ہو پیدا کرو۔

جسمانی قوت اسلام جسمانی کمزوری کو منجملہ ان امور کے شمار کرتا ہے جن کی وجہ سے انسان درجات کے حاصل کرنے میں پیچھے رہ جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اوقات کاروبار زندگی میں افراط اور مذہبی فرائض میں سستی اور کاہلی کا نتیجہ ہوتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "قوی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے"۔

پہلوانی فن کشتی سے واقف ہونا سنت ہے آنحضرت صلعم فن کشتی سے واقف کار تھے۔ رکانہ عرب کا مشہور شہ زور پہلوان تھا وہ اپنے پچھڑنے کو اسلام لانے کی شرط ٹھیرا تا تھا چنانچہ آنحضرت صلعم نے اس سے کشتی کی اور اُسے تین بار لوگوں کے سامنے پچھاڑ دیا جس سے وہ اسلام لانے پر مجبور ہو گیا[1]

دوڑ غزوات میں صحابہ باہم دوڑ میں مردانہ مسابقت کیا کرتے تھے ایک انصاری صحابی تھے جن کا دوڑ میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا

[1] شفا قاضی عیاض ص۲۲

ایک غزوہ میں وہ فخریہ یہ بار بار کہہ رہے تھے کیا کوئی مدینہ تک دوڑ میں میرا مقابلہ کرے گا۔ کیا کوئی مقابلہ کرنے والا ہے حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کے کان میں صدا پہنچی تو بولے تم کسی معزز شخص کی عزت نہیں کرتے۔ کسی شریف آدمی سے نہیں ڈرتے جواب دیا کہ رسول اللہ صلعم کے سوا کسی سے نہیں۔ بالآخر حضرت اکوعؓ آپ سے اجازت لے کر دوڑ میں ان کا مقابلہ کیا اور بازی جیت لی[1]۔

دوڑنا ایک بہترین ورزشی کھیل ہے مردوں کے علاوہ عورتوں کے لئے بھی مباح ہے چنانچہ آنحضرت صلعم اپنی بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ دو دفعہ دوڑ میں مقابلہ کیا اور جب دوسری بار آپ آگے نکل گئے تو آپ نے مسکراتے ہوئے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ھذا بتلک یعنی لو عائشہ اب وہ پہلی بار کا بدلہ اتر گیا[2]

گھوڑ دوڑ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا آپ نے کہ کھیلوں میں جو چیز خدا کے نزدیک زیادہ تر پسندیدہ ہے وہ گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی ہے۔ وقتاً فوقتاً اپنے دلوں کی تفریح کرتے رہو[3]

تیر اندازی صحابہ کرام میں تیر اندازی کا ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ مغرب کے بعد مسجد سے نکل کر تیر کا نشانہ لگاتے تھے۔ آنحضرت نے فرمایا:-

ارموا یا بنی اسماعیل ابا کم کان رامیا۔ اے بنو اسمعیلؑ تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔

تیر اندازی میں باہمی مسابقت بھی ہوا کرتی تھی چنانچہ اسی موقع پر جب آپ نے فرمایا کہ میں فلاں قبیلے کے ساتھ ہوں تو دوسرے قبیلہ کے لوگ رک گئے اور کہا جب سرکار خود ان کے ساتھ ہیں تو ہم کیا مقابلہ کر سکتے ہیں ارشاد ہوا کہ تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں[4]

مسلم کی حدیث ہے کہ جو شخص تیر اندازی سیکھ کر اس کو ترک کر دے وہ ہم میں سے نہیں ہے[5]

حضورؐ نے فرمایا کہ تم تیر چلایا کرو۔ سوار ہوا کرو۔ اگر تیر چلاؤ گے تو سوار ہونے سے زیادہ مجکو دوست ہوگے جس نے تیر اندازی سیکھکر چھوڑ دی اس نے اس نعمت کا کفران کیا[6]

تیراکی۔ حضرت جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو چیز خدا کا ذکر نہیں ہے وہ سب لہو یا لہو ہے مگر چار خصلتیں ایک دو نشانوں کے درمیان میں آدمی کا چلنا۔ دوسرے گھوڑے کا سکھانا تیسرے اپنی بیوی سے کھیلنا۔ چوتھے سباحت سیکھنا یعنی پانی میں تیرنا[7]

(باقی آئندہ)

[1] اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۲۵۲ [2] ابو داؤد [3] احیاء العلوم [4] اسوہ صحابہ ج ۲ ص۱۴۹ [5] مسلم عن عقبہ بن عامرؓ۔ [6] ابو داؤد۔ [7] نسائی و طبرانی فی الکبیر

مقالات حضرت غوث الاعظم رضی

(مترجمہ حضرت مولانا حکیم سید سکندر شاہ صاحب قادری)

مقالہ سترہواں

(وصول الی اللہ کے معنی)

فرمایا۔ جب تجھ کو وصول الی اللہ ہوا ہیں (اس وقت) تو اللہ کی تقریب و توفیق سے اس کا مقرب بنا۔ اور وصول الی اللہ تک پہونچنے کے معنی یہ ہیں کہ تیرا مخلوق سے اور خواہش اور ارادہ و آرزو سے باہر نکل آنا اور اللہ کے فعل و ارادہ میں ثابت قدم بنا بغیر اس کے کہ تجھ سے کوئی حرکت ہی نہ تیرے اندر پائی جائے، نہ اس کی مخلوق کے اندر بلکہ تجھ سے جو کچھ پایا جائے وہ اسی کے حکم و فعل اور امر سے ہی پایا جائے۔ پس یہ حالت حالت فنا ہے جسے وصول الی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تک پہونچنا کسی مخلوق کی طرف معقول اور معروف پہونچنے کی طرح نہیں ہے کیونکہ و لیس کمثلہ شیٔ (اس کی مثل کوئی شئے نہیں ہے) حالانکہ وہ سمیع و بصیر (سننے والا اور دیکھنے والا) ہے اور خالق پیدا کرنے والا اس سے پاک اور اعلیٰ ہے کہ اس کی تشبیہ اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے ساتھ دی جائے، اور اس کے مصنوع پر اُسے قیاس کیا جائے۔ اور وصول الی اللہ اہل وصول کے نزدیک معروف ہے جو اولیاء اللہ خدا تک پہنچ گئے ہیں وہی وصول الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کے اشارات دینے سے جانتے ہیں اور ہر ایک واصل باللہ (رتبۂ قرب) میں جُدا جدا ہے جس میں دوسرا شریک نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا سر (بھید) اپنے تمام رسل و انبیاء و اولیاء میں سے ہر ایک کے ساتھ ایسا جُدا جُدا ہے کہ ایک کے راز پر دوسرے کو سوائے خدا کے اطلاع نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید کے لئے خدا کے ساتھ جو بھید ہے اُس پر اس کے شیخ (پیر) کو بھی آگاہی نہیں ہوتی۔ اور کبھی شیخ کے راز سے وہ مرید بھی آگاہ نہیں ہوتا کہ جس کی سیر "حالت شیخ" کے دروازے کی چوکھٹ تک پہونچ گئی ہے اور جب ایسا ہوتا ہے کہ مرید اپنے شیخ کی حالت پر پہونچ جاتا ہے۔ تو اُسے شیخ سے جُدا کر لیا جاتا ہے اس وقت اس کا والی حق سبحانہ تعالیٰ ہو جاتا ہے پھر وہ سب مخلوق سے بھی اسے جدا کر دیتا۔ پھر شیخ اس کے حق میں اس دایہ کے مانند ہو جاتا ہے جس نے بچے نے دو سال کے بعد دودھ پینا چھوڑ دیا ہو۔ اور زوال خواہش و ارادہ کے بعد ایسا ہی اس کا علاقہ مخلوق سے بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ بس جب تک مرید میں خواہش و ارادہ باقی ہے اُسے توڑنے کے لئے شیخ کی احتیاج ہے۔ لیکن زوال خواہش و ارادہ کے بعد ظاہر شیخ کی حاجت نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ اب مرید میں کدورت و تیرگی اور نقصان باقی نہیں اور اسے اپنے مولیٰ کا نور نصیب ہوا ہیں جب تو حق کی طرف پہونچ گیا اور واصل حق ہوا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو پھر تو ہمیشہ کے لئے اس (حق سبحانہ و تعالیٰ) کے ماسوائے بے خوف ہو جا کہ تو خدا کے سوا اس کے غیر کو نفع اور نقصان میں عطا اور منع میں خوف و رجا میں یقیناً (ہرگز) موجود نہ دیکھے۔ بلکہ اسی سے ڈرتا اور اسی سے امید مغفرت رکھنی تجھے لائق و سزاوار ہے اور جب تو ایسا ہو جائے تو پھر ابداً اللہ ہی کے فضل کی طرف نظر رکھ اور تمام مخلوق سے دنیا و آخرت میں جُدا رہ۔ تیرے قلب کا تعلق کسی چیز سے نہ ہو۔ اور تمام مخلوق کو اس شخص کی طرح بے بس اور عاجز سمجھ۔ جو ایک بڑی سلطنت والے اور ایک بڑے صاحب دولت و سطوت اور شدید الحکم سلطان کی حراست و حفاظت میں ہو، اور اس کی گردن میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں، اور ایک بڑی نہر مواج کے کنارہ پر جس نہر کی موجیں تیز اور طوفان خیز جس کا پھیلاؤ وسیع اور جس کی گہرائی بڑی ہو اس بادشاہ نے درخت صنوبر پر اس شخص کو صلیب (پھانسی) دے دی ہو، اور سلطان ایک بہت بڑے اور بہت بلند تخت پر جلوس فرما ہو جس (عرش عظیم) پر جانا اور پہنچنا نہایت ہی دشوار ہو، اور بادشاہ نے اپنے پہلو میں تیروں نیزوں اور کمانوں کا ایسا انبار لگا رکھا ہو جس کا اندازہ بادشاہ کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ اور یہ بادشاہ اس شخص مصلوب پر جس ہتھیار کو چاہے پھینک رہا ہو۔ تو کیا یہ ماجرا دیکھنے والے کے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ ایسے بادشاہ کی طرف نظر کرنا چھوڑ دے اور اس سے خوف نہ کرے، اور اس سے امید نہ رکھے، بلکہ صلیب یافتہ شخص سے ڈرے اور اس سے کوئی امید رکھے۔ جس کا یہ فعل ہو ایسے شخص کا نام از روئے عقل، عقل و ادراک سے خالی مجنون، حیوان، اور غیر انسان ہی ہوگا۔ پس اللہ سے پناہ مانگ بصیرت کے بعد اعمیٰ (اندھا) ہونے سے اور وصول کے بعد قطع ہونے سے، اور قرب کے بعد بُعد ہونے سے اور ہدایت کے بعد ضلالت سے اور ایمان کے بعد کفر سے۔ باقی آئندہ

شرح مثنوی مولانا روم رح

نورِ معرفت

(از جوائنٹ ایڈیٹر)

ہرکہ او را ہمزبانے شد جدا بینوا شد گرچہ دارد صد نوا

(مطلب) جو اپنے ہمزبان سے جدا ہوگیا، وہ سب کچھ رکھنے کے باوجود مفلس ہے۔

(تشریح) انسان ہمزبان و ترجمان حق ہوتا ہے۔ جو شخص خداوند کریم سے جدا ہے وہ لاکھ اپنے زہد و کمال کا دعوے کرے لیکن اس کا دعویٰ قابل پذیرائی نہیں۔ وہ درحقیقت ذوق عرفان و اسرار الٰہی سے ناآشنائے محض ہے۔

چونکہ گل رفت و گلستان در گذشت نشنوی زاں پس ز بلبل سرگذشت

(مطلب) جب فصل گل ختم ہوگئی اور باغ تاراج خزاں ہوگیا تو بلبل کی داستان کون سنتا ہے۔

(تشریح) گل سے یہاں مراد علم حقیقت ہے۔ جب لوگوں کو علم حقیقت حاصل کرنے کا شوق نہیں رہتا اور خانقاہیں سونی ہو جاتی ہیں تو عنادل یعنی عارفان کامل اپنی نواسنجیوں کو بند کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ترانے اب کس کو سنائیں۔ بقول مولانا حالی مرحوم ؎

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

دل کی واردات سرسری نہیں ہوتی ہے جو ہر ایک کو سنائی جا سکے اس کے لئے ضرور ہوتی ہے ایک دل سوز محرم راز کی۔

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

(مطلب) معشوق سب کچھ ہے اور عاشق اس کا پردہ ہے زندہ صرف معشوق ہے اور عاشق مردہ ہوتا ہے۔

(تشریح) عاشق ایک پردہ ہے جس میں شاہد حقیقی جلوہ گر ہے لیکن اس بے بضاعتی کے باوجود عاشق کا وجود اس لئے ضروری ہے کہ اگر یہ پردہ حائل نہ ہو تو تجلی ذات سے تمام عالم درہم برہم ہو جائے۔ ہر شخص میں اس قدر طاقت نہیں ہے کہ وہ مطلوب حقیقی کے انوار کا مشاہدہ کر سکے اس لئے اس نے ذات عاشق کو اپنے حسن کا نقاب بنا رکھا ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا کو اپنی جھلک دکھلاتا ہے لہٰذا اس شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ عاشق کا خود کوئی مستقل وجود نہیں ہوتا اس لئے اس کے افعال و اوصاف معشوق سے منسوب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

مردان خدا خدا نباشند لیکن ز خدا جدا نباشند

شعر کے مصرعہ ثانی کا مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی ہستی کو محبوب کی ہستی میں فنا کر کے مرتبہ عینیت حاصل کر لیتا ہے۔

چوں نباشد عشق را پروائے او او چو مرغے ماند بے پروا او

(مطلب) اگر عشق کو عاشق کی پروانہ ہوتی تو وہ مرغ بے بال و پر کی طرح حسرت پرواز میں تڑپا کرتا۔

(تشریح) اگر مطلوب حقیقی کو اپنے عاشق کا خیال نہ ہوتا اور وہ عاشق کی ہستی کو اپنی ہستی میں مدغم کر کے اسے مرتبہ عینیت عطا نہ کر دیتا تو عاشق کی مثال ایک مرغ شکستہ پر سے زیادہ نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ عاشق بلبل بن کر باغ وصال کی شاخوں پر چہکتا ہے اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلوب حقیقی کو اپنے عاشق کا خیال ہے۔

پر و بال ما کمند عشق اوست موکشانش می کشد تا کوئے دوست

(مطلب) اس کا عشق ہمارے لئے پر و بال کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی کمند محبوب تک کھینچ کر لے جاتی ہے۔

(تشریح) عارفان کامل کو مطلوب حقیقی کی بارگاہ میں جذبہ عشق پہونچاتا ہے یہی وہ مقناطیسی کشش ہے جو عاشق ایسے بے برگ و نوا کو محبوب کے بلند و بالا ایوان تک پہونچاتا ہے۔

من چگونہ ہوش دارم پیش و پس چو نباشد نور یارم پیش و پس

(مطلب) اگر حسن محبوب کی روشنی میرے چاروں طرف نہ ہوتی تو میں کیا کوئی کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مجھے پس و پیش کی خبر ہے۔

(تشریح) مطلوب حقیقی کے حسن کی ضیا پاش کرنیں عالم میں ساری و طاری ہیں۔ اور ظلمت کدۂ دنیا میں اسی نور کی روشنی ہے۔ اگر یہ نور نہ ہوتا تو دنیا بے شعور رہتی۔ جو کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھتے ہیں ان کی رہنمائی یہی نور کرتا ہے، اس نور حقیقی کی دستگیری نہ ہو تو لوگ ظلمت کدے میں بھٹکتے پھریں اور انہیں گرد و پیش کی کوئی چیز نظر نہ آسکے۔

شرح دیوان حافظؒ

عشقِ و محبت کا غیر فانی نقش

(از جائنٹ ایڈیٹر)

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

(مطلب) اے ساقی شراب کے نور سے ہمارے ساغر کو روشن کر دے اور اے مطرب ترانہ کامرانی چھیڑ کہ سارا جہان ہمارے تابع ہے۔

(تشریح) مرشد کامل جب ساغر طلب میں معرفت کی شراب نورانی عطا فرماتا ہے تو طالب حق کو عزت و کامرانی نصیب ہوتی ہے بقول مولانا حسرت موہانی؎

مرید اس سگ اہل صفا کے پیر ہوئے جو تھے فقیر امیروں کے وہ امیر ہوئے

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

(مطلب) اے ہمارے روزانہ شراب پینے کی لذت سے بے خبر، ہم اپنے ساغر میں عکس رخ محبوب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

(تشریح) حضرت حافظ شراب معرفت کی مستی و بے خودی پر اعتراض کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ اے بے خبرو، تم اس کی لذت سے کیا واقف ہو سکتے ہو۔ ہم جرعہ کشی ہوا و ہوس کے لئے نہیں کرتے بلکہ ہم کو ساغر میں روئے محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے۔ شراب معرفت کے نشہ میں سرشار ہو کر ہم اس عالم رنگین میں پہونچ جاتے ہیں جہاں من و تو کا امتیاز باقی نہیں رہتا اور ہر طرف حسن مجرد کا جلوہ ہوتا ہے۔

چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

(مطلب) ان سہی قدوں کو ناز کرشمہ اسی وقت تک ہے جب تک ہمارا محبوب سرو قد سرگرم خرام نہیں ہوتا۔

(تشریح) عشق مجازی کی لذت صرف اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک انسان عشق حقیقی کا جلوہ دیکھنے کے بعد محبوبان عالم کا فانی حسن نظروں سے گر جاتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(مطلب) جس کا دل عشق سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں مرتا۔ جہان کے دفتر پر ہمارا غیر فانی نقش ہمیشہ مرتسم رہے گا۔

(تشریح) سالک راہ عشق میں اپنی ہستی کو فنا کر کے فنا فی اللہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور جب وہ ذات کو اس ذات میں مدغم کر دیتا ہے جس کو کبھی فنا نہیں تو وہ بھی حیات ابدی حاصل کر لیتا ہے۔ گویا یہ سمجھنا چاہیئے کہ عشق میں انسان فنا نہیں ہوتا بلکہ یہ فنائیت اس کو نوید بقا سناتی ہے۔

مستی بچشم شاہد دلبند ما خوش ست زانرو سپردہ اند بمستی زمام ما

(مطلب) ہمارے محبوب دلنواز کو ہماری مستی ہی پسند ہے اس لئے ہم کو مستی ملی ہے۔

(تشریح) روز ازل کی جانب لطیف اشارہ ہے کہ خداوند کریم کو یہی اچھا معلوم ہوا کہ وہ کوئی نیکنامی میں جگہ دینے کی بجائے ہمیں رندی و مستی عطا کرے اس لئے ہم اپنی حالت میں خوش ہیں؎

فرقتیں لاغ ہو کہ ہمیں کند ہو نصیب دل سے نہ کیوں لگائیں تمہاری عطا تو ہے

صبر و تسلیم کی نہایت پاکیزہ تعلیم دی گئی ہے۔

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما

(مطلب) مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن میری شراب شیخ کی پاک روٹی سے بازی نہ لے جائے۔

(تشریح) اعمال کا انحصار انسان کی نیت پر ہے۔ خداوند کریم کسی کے ظاہری افعال و اعمال نہیں دیکھتا بلکہ نیت دیکھتا ہے۔ باوجودیکہ شیخ ایک پاک چیز یعنی روٹی کھاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں منافقت ہے اور زہد و عبادت اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کو اچھا سمجھیں اس لئے اسکی عبادت نظر خداوندی میں مقبول نہیں۔ اس کے مقابلہ پر وہ رند اچھا ہے جو شراب نوشی کے فعل حرام میں مبتلا تو ضرور ہے لیکن خداوند کریم سے ڈرتا ہے اور اپنی سیاہکاریوں کا اعتراف کرتا ہے۔ شیخ اپنی خطاکاریوں کو ظاہری زہد و اتقا کے پردے میں چھپانا چاہتا ہے لیکن رند کا باطن آئینہ کی طرح روشن ہے۔

اے باد اگر بگلشن احباب بگذری زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما

(مطلب) اے صبا اگر گلشن احباب کی طرف تیرا گزر ہو تو محبوب کو میرا یہ پیام دینا

گو نام ما زیاد بعمد اچہ می بری خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما

(مطلب) محبوب سے کہنا کہ تو میرا نام قصداً دل سے کیوں بھلاتا ہے۔ ایک دن تو وہ آنے والا ہے جب تو ہمارا نام خود بخود بھول جائے گا۔

(تشریح) دونوں اشعار قطعہ کی صورت رکھتے ہیں۔ شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ ایک دن میں خود فنا ہو جاؤں گا اور میرا نام مٹ جائے گا پھر تو میرا نام قصداً اپنے صفحۂ دل سے کیوں مٹاتا ہے۔

حافظ ز دیدہ دانۂ اشکی ہمی فشاں باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما

بادۂ خیام کا ایک جام

(… ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید بریلوی آئی ایم ڈی)

کس خلد و جحیم را ندیدہ است اے دل
گوکس کہ از آن جہاں رسیدست اے دل
امید و ہراس ما بچیزیست کز آن
جز نام و نشانے نہ پدید است اے دل

جنت و دوزخ کے افسانے سُن کر خیام کہتا ہے کہ اے دل آجتک نہ کسی نے جنت کو دیکھا ہے اور نہ دوزخ کو۔ دنیا میں اب شخص کونسا ہے جو اُس جہاں سے آیا ہوا اور اپنی آنکھوں دیکھے حالات سے ہمیں خبردار کرے۔ ہمارے دل میں بہشت کی امید اور دوزخ کا خوف صرف اسی لیے موجود ہے کہ ہم اصلیت سے نا آگاہ نہیں ہیں اور ان چیزوں کے نام کے سوا کہیں ان کا نشان اور پتہ موجود نہیں ہے۔ گویا امید ہو یا خوف سب فرضی اور خیالی چیزیں ہیں۔

ایزد چو نخواست آنچہ من خواستہ ام
کے گردد راست آنچہ من خواستہ ام
گر جملہ صوابست کہ او خواستہ است
پس جملہ خطا ست آنچہ من خواستہ است

خیام کہتا ہے کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ کبھی خدا کو منظور نہ ہوا اور اس دنیا میں مجھے ہمیشہ انہی باتوں سے واسطہ پڑتا رہا کہ جو میری مرضی کے خلاف تھیں تو پھر بھلا میرا چاہا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ جو کچھ خدا نے چاہا وہ سب بھلائی اور صواب تھا تو ظاہر ہے کہ میں نے جو کچھ چاہا وہ سب غلط اور مبنی بر خطا تھا۔

از خالق کردگار و ز رب رحیم
نومید مشو بہ جرم و عصیان عظیم
گر مست و خراب بودہ باشی امروز
فردا بخشد برا ستخوا نہائے رمیم

خیام کا دل اُمیدوں سے لبریز ہے، وہ کبھی کسی حالت میں بھی مایوس ہونا پسند نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ اُس خالق کارساز اور اُس رحم و کرم والے خدا سے کبھی نا امید نہ ہو خواہ تیرے جرم و گناہ کی فہرست کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آج اگر تو شراب پی کر مست پڑا رہیگا اور تجھے کسی بات کا ہوش نہ ہوگا تو یقین رکھ کہ کل یہی گناہ تیری بخشش کا باعث بنیں گے۔ اور وہ کریم و رحیم تیری گلی اور سڑی ہوئی ہڈیوں کو بخشے گا کیونکہ اگر گناہ ہو تو پھر بخشش کیسی۔

گر من گنہ روئے زمیں کردستم

عفو تو امید است کہ گیرد دستم
گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم
عاجز تر ازیں مخواہ کہ اکنوں ہستم

کہتا ہے کہ اگر میں نے دنیا بھر کے گناہ بھی کیے ہوں اور ساری عمر رندی اور شراب خواری میں گنوائی ہو پھر بھی مجھے امید ہے کہ تیرا عفو و کرم میری دستگیری کریگا اور میں معاف کر دیا جاؤنگا۔ تو نے کہا ہے کہ جب میں عاجز و ناچار ہونگا تو اسوقت تو میرا ہاتھ پکڑے گا اور میری مدد کریگا تو اے میرے خدا اب اس سے زیادہ عاجز میں اور کیا ہونگا جتنا کہ اب ہوں، وقت آگیا ہے کہ تو میری مدد کرے اور مجھے اس سے زیادہ عاجز نہ ہونے دے۔

یارب تو گلم سرشتۂ من چہ کنم
پشم و قصبم تو رشتۂ من چہ کنم
ہر نیک و بدے کہ از من آید بوجود
تو بر سر من نوشتۂ من چہ کنم

اپنی مجبوری اور بے اختیاری پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد جب خیام یہ دیکھتا ہے کہ انسان کو قضا و قدر کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنا پڑتا ہے، اور اس کی اپنی زندگی کے افعال میں بھی اسے کوئی دخل نہیں ہو تو وہ اپنے پیدا کرنے والے کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ یا اللہ میں کیا کروں میرے خمیر کی مٹی تو نے اپنی مرضی سے جیسی چاہی ویسی گوندھی اور میرے جامۂ تن کا تانا بانا اون یا ریشم سے جیسا تُو نے چاہا بُن دیا اب اچھا یا بُرا جو کچھ بھی میں کرتا ہوں اور جو افعال بھی مجھ سے ظہور میں آتے ہیں وہ تو ہی نے تو میری تقدیر میں لکھ دیے ہیں پھر میں کیا کر سکتا ہوں اور گناہ و خطا سے کس طرح باز رہ سکتا ہوں۔

با نفس ہمیشہ در نبردم چہ کنم
وز کردۂ خویشتن بدردم چہ کنم
گیرم کہ ز من درگذرانی بکرم
آں شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم

ہم سے جب کوئی خطا سرزد ہو جاتی ہے اور کسی کی سعی و سفارش سے یا خود اپنے رحم و کرم کے جذبے سے مجبور ہو کر اگر حاکم وقت اسے معاف کر دیتا ہے تو ہم اسے اپنی انتہائی خوش قسمتی خیال کرتے ہیں اور

اس طرح سزا سے بچ جانے پر ہمیں دلی مسرت ہوتی ہے، لیکن خیام کی طبیعت اس سے بہت زیادہ غیرت مند اور اس کے جذبات و خیالات اس سے بہت زیادہ و بلند ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بار الہٰا میں رات دن اپنے نفس سے لڑتا رہتا ہوں اور تاحد امکان اس کی خواہشوں کے خلاف کام کرتا ہوں لیکن اگر پھر بھی مجھ سے کوئی خطا یا کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اپنے اس فعل سے مجھے سخت رنج پہنچتا ہے۔ اب اگر میں یہ بھی فرض کروں کہ تو اپنے رحم و کرم سے کام لے کر میری خطائیں بخشدے اور مجھ سے کچھ بازپرس نہ کرے تب بھی میں تو اس غیرت کے مارے مرا جاتا ہوں کہ تو نے مجھے گناہ کرتے دیکھ لیا، اس شرم کو میں کیا کروں۔ اس بخشش سے تو یہی بہتر تھا کہ مجھے میرے قصوروں کی سزا مل جاتی۔

شد دعویٰ دوستی درین دیر حرام
الفت ز کہ؟ مردے کجا؟ دوست کدام
دامن ز ہمہ کشیدن اولیٰ باشد
از دور بہر یکے سلام است و کلام

احباب زمانہ کی سرد مہری اور بیوفائی سے تنگ آکر خیام کہتا ہے کہ اس دنیا میں دوستی کا دعویٰ کرنا تو حرام ہو گیا ہے، بھلا محبت کس سے کرے، محبت کے قابل انسان ہیں کہاں؟ اور دوست کا وجود ہے کس جگہ؟ یہاں تو یہی مناسب ہے کہ سب سے اپنا دامن بچائے ہوئے چلا جا اور دور ہی سے سب کو سلام کر لیا جائے۔

تا ظن نہ بری کہ من بخود موجودم
یا این رہ خونخوار بخود پیمودم
چون بود حقیقت مرا از وے بود
من خود کہ بدم، کجا بدم، کے بودم

خیام کہتا ہے کہ کبھی بھول کر بھی یہ گمان نہ کرنا کہ میرا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور میں اس دنیا میں از خود موجود ہو گیا ہوں، یا یہ کہ یہ دشوار گذار منزل میں نے از خود طے کی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میری جو کچھ بھی اصلیت ہے وہ اسی ذات باری کی طرف سے ہے، میں بیچارہ آخر کون تھا، کہاں تھا، اور کب تھا؟

مقصود ز جملہ آفرینش مائیم
در جسم خرد جوہر بینش مائیم
این دائرۂ جہان چو انگشتری است
بے ہیچ شکے نقش و نگینش مائیم

خیام کو اپنے اشرف المخلوقات ہونے پر فخر ہے، کہتا ہے کہ دنیا میں خدا نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اس تمام آفرینش کا مقصود ہم ہیں۔ اور عقل کے جسم میں بصارت ہم ہی ہیں۔ اس دنیا کے دائرہ کو ایک انگوٹھی سمجھنا چاہیئے، اور اس میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ اگر کوئی ہے تو وہ ہم ہیں۔

اے چرخ ز گردش تو خرسند نیم
آزادم کن کہ لایق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نااہل است
من نیز چنان اہل و خردمند نیم

زمانہ کے جور و ستم سے تنگ آکر اور آسمان کی سفلہ پروری کی تاب نہ لا کر خیام چیخ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اے آسمان میں تیری گردش سے خوش نہیں ہوں تو از برائے خدا مجھے آزاد کر دے کیونکہ میں اس دنیا کے علائق میں قید رہنے کے لایق نہیں ہوں۔ تو بیوقوفوں اور نالائقوں کو پسند کرتا ہے اور انہیں نوازتا ہے تو میں بھی قابلیت کے دعوے سے درگذرا، میں ہی ایسا کہاں کا لایق ہوں اور عقلمند ہوں تو مجھے بھی نالایق تصور کر کے مجھے آزاد کر دے۔

من ظاہر نیستی و ہستی دانم
من باطن ہر فراز و پستی دانم
با این ہمہ از دانش خود بیزارم
گر مرتبۂ ورائے مستی دانم

خیام کہتا ہے کہ ہستی اور نیستی کا جو یہ سلسلہ اس دنیا میں لگا ہوا ہے اس کے ظاہر سے میں خوب واقف ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ضرور ہے، اس کے علاوہ دنیا کے اور جتنے نشیب و فراز ہیں ان کی اصلیت سے بھی مجھے آگاہی ہے اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہاں کن لوگوں کو عروج حاصل ہوتا ہے اور کون لوگ زوال میں پڑے رہتے ہیں۔ لیکن اس تمام علم و فن کے باوجود میری یہ حالت ہے کہ میں اپنی اس آگاہی و دانش سے سخت بیزار ہونگا اگر وہ مجھے یہ بتائے کہ دنیا میں بے خودی اور مستی سے کوئی اور بڑا مرتبہ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیئے اس سے بہتر حالت اور کوئی نہیں ہے کہ وہ اپنا تمام وقت مستی اور بیخودی میں گذارے کیونکہ جتنا وقوف زیادہ ہو اتنی ہی ذمہ داریاں بڑھتی ہیں۔

رسول پاک کی عصمت پر خدائے پاک کی شہادت

(از جناب مولانا سید اشفاق حسین صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر)

تمام انبیاء علیہم السلام معصوم تھے

ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا مقدس گروہ من اولہٖ الی آخرہٖ معصوم تھا اور عصمت کے بلند ترین درجات ان کو بارگاہ تبارک و تعالیٰ سے ارزانی ہوئے تھے۔ اس لئے کہ قرآن پاک بخلاف دیگر کتب مقدسہ کے نہ صرف ان کی عصمت کا قائل ہے بلکہ اکثر حالات میں ان کی عصمت کو قائم کرتا ہے اور اس انتہائی درجہ پر پہونچاتا ہے کہ انسانی ادراک اسکے احصا سے قاصر ہے۔ امام راغب عصمت انبیاء کی تشریح و تفصیل اس طرح کرتے ہیں کہ اولاً تو اس جوہر پاک کی بنا پر جس سے کہ انبیا مخصوص کئے گئے وہ پیدائشی طور پر گناہ سے پاک ہوتے ہیں دوسرے ان کو جسمانی و روحانی فضائل عطا کئے جاتے ہیں نصرت خداوندی ان کی ناصر ہوتی ہے ان کے قلوب مطہر سکینیت سے لبریز ہوتے ہیں اس لئے وہ صدور ذنب سے محفوظ رہتے ہیں۔

افضل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام عصمت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے

چونکہ حضور سرور دو عالم خاتم الانبیاء اور افضل الرسل تھے اس لئے منعم متعال نے انہیں عصمت کے بلند ترین مقام پر پہونچا دیا تھا۔ ہم ذیل میں اس کی شہادت کلام ربانی سے پیش کرتے ہیں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔

ترجمہ ملا قسم ہے ستارہ کی جب وہ جھکے کہ تمہارے صاحب (محمدؐ) نہ گمراہ ہوئے اور نہ بہکے اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں۔ یہ صرف وحی ہے جو انکی طرف آتی ہے۔

ترجمہ ملا قرآن کا ہر حصہ گواہ ہے جب وہ اترتا ہے کہ نہ تمہارا ساتھی گمراہ ہوا اور نہ وہ بہکا اور نہ وہ خواہش نفس سے بولتا ہے یہ صرف وحی ہے جو اسکی طرف جاتی ہے۔

چونکہ نجم کے معنی میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے اس لئے ہمنے آیۂ کریمہ کے دو مختلف ترجمے درج کئے ہیں بہرحال اختلاف تراجم خواہ کچھ ہی ہو یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ نجم کو اس پر گواہ بنایا گیا ہے کہ محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم غوایت اور ہوائے نفسانی سے منزہ اور مبرا ہیں اگر نجم کے معنی پارہ قرآن کے لئے جائیں تو قرآن پاک شاہد ہے اور اگر نجم کے معنی ستارہ لئے جاتیں تو بھی یہی اشارہ ہے کہ جس طرح ستارہ غروب ہوکر روز روشن نمودار ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصمت کے اعلیٰ درجہ پر متمکن تھے۔

قرآنی الفاظ پر نظر غائر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے اس سے زیادہ جامع اور مانع الفاظ میں عصمت کا ذکر ممکن نہیں اس لئے کہ محض گناہ سے بچنے کا نام ہی عصمت نہیں ہے۔ یہاں حضور سرور عالمؐ کو نہ گناہ سے محض محفوظ قرار دیا ہے بلکہ آپ کے عقیدہ کو بھی شائبۂ غلطی سے مبرا بتایا ہے اس لئے کہ عربی لغت میں غیّ وہ جہالت ہے جو اعتقاد فاسد سے پیدا ہو گو مطلق جہالت کے معنی میں بھی یہ مستعمل ہوتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۔

ترجمہ۔ کہدو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب داں ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں کسی شے کی پیروی نہیں کرتا سوا اس کے کہ جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

عصمت عصمت کی خاطر

اس آیہ میں ایک تو حضور سرور دو عالم کی عصمت پر زبردست شہادت ہے کہ آپ ماسوا احکام الٰہی کے جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں اور کسی شے کی پیروی نہیں کرتے۔ خواہش نفسانی یا کوئی اور مقصد آپ کے پیش نظر ہوتا ہی نہیں۔ دوسرے یہ بتایا گیا ہے کہ شارع اسلام ایسی عصمت کی تلقین کرتا ہے جس کا منتہائے نظر محض کمال انسانی ہے۔ اس رنگ کی تعلیم محض اسلام ہی دیتا ہے کہ نیکی کی خاطر نیکی کرنا ہی اصل مقصد ہے۔ چنانچہ آپ کو صاف اعلان کے واسطے کہا جاتا ہے کہ اگر تم میری پیروی کرنا چاہتے ہو تو خزانوں کی خاطر نہ کرو۔ میں غیب کی باتیں بتانے کا لالچ نہیں دیتا۔ میں تمہیں عصمت کی طرف بلاتا ہوں محض عصمت کی خاطر آپ کی حیات طیبہ میں اس تعلیم کا عملی رنگ موجود ہے۔ قریش مکہ آپ کی امانت اور دیانت کے باوجود آپ کے سخت معاندین ہونے کے قائل تھے۔ آپ کو مقام عصمت سے ہٹانے کے لئے خوبصورت سے خوبصورت عورت اور بڑے سے بڑے خزانے کا لالچ دیا جس کا جواب آپ نے یہی دیا کہ دنیا کی حکومت اور دولت اور حسن و خوبصورتی کی میری آنکھوں میں کوئی حقیقت نہیں اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھدیں تو بھی میں اپنے مقام (عصمت) کو نہ چھوڑوں۔

آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی خدا کی نافرمانی کی

قل ما یکون لی ان ابدلہ من — کہو مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اسے بدلوں
تلقای نفسی ان اتبع الا ما — اپنی طرف سے میں تو کسی کی پیروی نہیں
یوحی الی۔ انی اخاف ان عصیت — کرتا سوائے اس کے جو میری طرف وحی
ربی عذاب یوم عظیم قل — ہوتی ہے اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں
لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم — تو عذاب قیامت سے ڈرتا ہوں کہو اگر
ولا ادراکم۔ فقد لبثت — اللہ چاہتا تو سے تم پر تلاوت نہ کرتا میں تو
فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون — اس سے قبل تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں
تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔

حضورؐ نے بعثت سے قبل چالیس سال کا لمبا عرصہ اس عصمت امانت اور دیانت سے گزارا تھا کہ آپ کے سخت سے سخت دشمن بھی اسکے قائل تھے چنانچہ جب ابوسفیان سے ہرقل نے پوچھا کہ دعویٰ رسالت سے قبل کبھی تم نے اس سے جھوٹ سنا تو اس پر اس نے کہا ہرگز نہیں اس پر ہرقل نے کہا کہ جو ایسا راستباز اور امین ہو کہ کبھی لوگوں پر جھوٹ نہ بولے تو وہ خدا پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر سعید فطرت کفار بھی چہرۂ مبارک دیکھ کر بے اختیار چیخ اٹھتے تھے کہ لیس بوجہ رجل کذاب کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

سورۂ لہب کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ جب حضور کوہ صفا پر چڑھے کہ فرمان خداوندی وانذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل کریں تو سب قبیلے آپ کی دعوت پر جمع ہوئے اسوقت جو کچھ حضورؐ نے فرمایا اور کفار نے جواب دیا خواجہ حالی اس طرح لکھتے ہیں۔

وہ فخر عرب زیب محراب و منبر — تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمان داور — سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو مجھ کو صادق کہ کاذب
کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا — کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا — تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا
کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پا کر
کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے — کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
کہا گر مری بات یہ دلنشیں ہے — تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

یہ قرآن پاک کی ایسی شہادت ہے کہ جس کا انکار کفار قریش بھی نہ کر سکے اور کہا کہ ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے بلکہ جو تم لائے ہو اُسے جتلاتے ہیں۔

آپ وساوس شیطانی سے بھی محفوظ تھے

وقل رب اعوذ بک من همزات الشیاطین۔
اور کہو میرے رب میں شیطانوں کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

حکم ربانی حضور کو وساوس شیطانی سے پناہ مانگیں بتاتا ہے کہ آپ شیطانی وسوسات سے بھی محفوظ رکھے گئے۔ اس لئے کہ جو اللہ کی پناہ میں آتا ہے وہ شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میرا شیطان میرا مطیع ہو گیا ہے اور یہی عصمت کا بلند ترین مقام ہے کہ شیطان فرمانبردار ہو جائے۔

حوروں نے شور صل علیٰ کا مچا دیا

(از جناب نواب سید غوث محمد خاں صاحب غوث دہلوی)

حضرت کی اک نظر نے خودی کو مٹا دیا — اس پر یہ معجزہ کہ خدا سے ملا دیا
عالم کو آپ نے حق و باطل دکھا دیا — چشم جہاں سے پردۂ غفلت اٹھا دیا
عشق رسول پاک نے رتبہ بڑھا دیا — ذرہ تھا مجھ کو مہر درخشاں بنا دیا
گونگی ہوئیں بانگ میں سلاطین دہر کی — سب کا غرور آپ نے دم بھر میں ڈھا دیا
میلاد کی خوشی میں محبوں نے آپ کے — آنکھوں کا فرش بزم طرب میں بچھا دیا
مداح مصطفےٰ جو کوئی خلد میں گیا — حوروں نے شور صل علیٰ کا مچا دیا
امت کو اپنی کلمۂ طیب سے آپ نے — بھر بھر کے جام بادۂ عرفاں پلا دیا
پلتے ہیں ایک دم میں مریض گناہ شفا — توبہ کا نسخہ آپ نے ایسا بتا دیا
مہجور مصطفےٰ ہوں نکیرین سے کہو — میں کیوں بتاؤں رنج مجھے دل نے کیا دیا
ہجر نبی میں آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے — گوہر جو اس صدف نے دیا بے بہا دیا
روشن ہوئی جو قلب تو آنکھیں بھی کھل گئیں — جلوہ نے آپ کے ہمیں حق کو دکھا دیا

اے غوث شکر حق ہو ادا کس زبان سے
ہم کو نبی دیا تو شہ انبیا دیا

خلق عظیم

(از حضرت مولانا عبد التواب صاحب چشتی)

ن و القلم و ما یسطرون ۝ ن۔ قلم کی قسم اور لکھنے کی قسم۔
ما انت بنعمۃ ربک بمجنون ۝ کہ تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔
وانّ لک لاجراً غیر ممنون ۝ اور بے شک تمہارے لئے غیر منقطع اجر ہے۔
وانّک لعلی خلق عظیم ۝ اور تمہارے اخلاق بڑے اعلیٰ پایہ کے ہیں

(ن ع ا پ ۲۹)

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جبکہ ملک عرب توہمات باطلہ میں مبتلا تھا۔ خاص مکہ مکرمہ میں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ اس حالت میں خدائے واحد کی یکتائی اور اس کی توحید کا وعظ سننا۔ اور آبائی رسم و رواج کا ترک کرنا ان کے لئے بے حد شاق گذرا اس لئے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور ہر چہار طرف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ حضور علیہ التحیۃ والتسلیم کو تبلیغ سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی۔ جب آپ اعلاء کلمۃ الحق سے باز نہ رہے۔ تو دیوانہ اور مجنوں کہا گیا کہ لوگ اس طرح آپ کی باتوں پر کان نہ دہریں۔ الغرض مکارم اخلاق کی کوئی بات سننی ان کو گوارا نہ تھی۔ وہ گھنٹوں کی بے معنی آواز کو صدا، اللہ اکبر سے بہتر مانتے تھے نماز کو محض ورزش اور انسانی تکالیف کا موجب تبلاتے تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے اپنے دادوں کو ایسا کرتے دیکھا نہ تھا۔ ما وجدنا علیہا آباءنا اس بنا پر آپ کو دیوانہ بتلایا۔ کیونکہ دیوانے کی باتیں قابل قبول نہیں ہوتیں۔

اللہ تعالیٰ کفار و جہلاء عرب کی تردید کرتے ہوئے اپنے حبیب مکرم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تحسین فرماتا ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب حق ہے۔ نہ آپ مجنوں ہیں نہ دیوانے اور اعلاء کلمۃ الحق میں جو تکلیف اور اذیتیں آپ برداشت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور تبلیغ کے کام سے باز نہ رہنا ایک بڑا کام ہے۔ جو آپ کے خصائص میں بڑی خصوصیت ہے۔ اور یہی آپ کا خلق عظیم ہے۔ پس اس سورۃ میں حضور کی نبوت اور آپ کے اخلاق حسنہ کی اللہ تعالیٰ تعریف فرماتا ہے۔

خلق محمدی

خلق ایک نفسانی ملکہ ہے۔ جس کے سبب سے انسان نہایت آسانی سے عمدہ کام کر سکتا ہے۔ خلق حسن کے یہ معنی ہیں کہ انسان ذمائم یعنی بری باتوں مثلاً بخل۔ لالچ۔ حرص و ہوا۔ غضب اور معاملات میں تشدد کرنے سے بچتا رہے۔ اور لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے مروت اور سیر چشمی سے کام لے۔ جذبہ انتقام پیدا نہ ہو۔ اقارب و احباب کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرے کینہ و حسد سے دور رہے۔ حیا و شرم اس کا شیوہ ہو۔ سخت کلامی فحش گوئی طعنہ زنی سے بچتا رہے۔

پس حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات ان تمام معائب و قبائح سے پاک تھی اور محاسن اخلاق سے فطری طور پر بہرہ یاب تھی۔ اور جملہ اخلاق حسنہ آپ سے بے تکلف سرزد ہوتے تھے۔ غلط عقائد اور بری باتوں کے قبول کرنے کی آپ میں مطلق استعداد نہ تھی۔ بلکہ اس کی بجائے آپ میں معارف الہیہ کے قبول کرنے کی استعداد علی وجہ الاتم موجود تھی۔ جس کی بابت کلام الٰہی مؤید ہے۔ چنانچہ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور کا خلق قرآن تھا۔ (ابو داؤد)

دوسری جگہ ارشاد فرماتی ہیں کہ آپ سے زیادہ کوئی خوش خلق نہ تھا۔ جب کسی نے حضور کو بلایا تو آپ نے لبیک فرمایا۔ کہ میں حاضر ہوں۔ نیز آپ نے کسی کو عمر بھر گالی نہیں دی نہ سخت کلامی سے پیش آئے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ کہ دس برس تک میں حضرت کی خدمت کرتا رہا۔ آپ نے کسی کام کے نہ کرنے پر مجھے کبھی سرزنش نہیں کی۔

جس طرح حضور اپنے احباب و اقارب کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق سے پیش آتے تھے۔ اسی طرح آپ کا حسن خلق غیروں کے ساتھ بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت انس رضہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک اعرابی (گنوار) آیا حضور ایک موٹی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ گنوار نے اس کو اتنے زور سے پکڑ کر کھینچا۔ کہ حضور کی گردن میں نشان پڑ گئے۔ اور درشت لہجہ میں کہا۔ کہ اے محمد! تمہارے پاس اللہ کا جو مال ہے۔ اس میں سے دو اونٹ بھر کر مجھے دیدو۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ اپنا ذاتی مال یعنی اپنے ماں باپ کے ترکہ میں سے تو نہیں دے رہے۔

یہ سخت کلامی سن کر حضورؐ خاموش ہو رہے اور فرمایا۔ کہ کہتا تو ٹھیک ہے۔

المال مال اللّٰہ وانا عبدہٗ ۔ بیشک مال تو اللہ ہی کا ہے میں اس کا بندہ ہوں پھر گنوار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تم سے اس سختی کا بدلہ لے گا۔ ویقادنک یا اعرابی ما فعلت بی۔

گنوار نے اس کے جواب میں عرض کیا۔ کہ حضورؐ! مجھے اس کا خوف نہیں ہے۔

لانک لا تکافی بالسیئۃ السیئۃ حضور تو برائی کا بدلہ کبھی برائی نہیں دیتے

حضورؐ یہ سنکر ہنس دیئے۔ اور فرمایا۔ اس گنوار کے ایک اونٹ پر جو اور ایک پر کھجوریں لاد دو۔ اللہ اللہ! یہ تھا آپ کا خلق عظیم سچ ہے۔ سہ

بدی را بدی سہل باشد جزا ؛ اگر مردی احسن الیٰ من اسا

جنگ احد کا واقعہ ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوتے ہیں۔ روئے مبارک لہو لہان اور زخمی ہوتا ہے۔ حضورؐ کے اصحاب سخت پریشان و مضطرب نظر آتے ہیں اور بے قرار ہو کر حضورؐ سے کفار کے لئے بد دعا کے طالب ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لعنت کرنے والا نہیں مبعوث کیا۔ بلکہ مجھے تو خدا نے داعی اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پھر دعا فرمائی۔

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ میرے کام اور میرے مرتبے سے ناواقف ہیں۔

سچ ہے سہ

شنیدم کہ مردان راہ خدا ؛ دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام ؛ کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

ایک اور تاریخی واقعہ ہے۔ غورث بن حارث حضورؐ کے قتل کرنے کے لئے آتا ہے۔ حضورؐ ایک درخت کے سایہ میں دوپہر کو قیلولہ فرما رہے ہیں۔ اور اصحاب مجاہدین آپ سے الگ آرام فرما ہیں قاتل تلوار بے نیام لئے سر پر آ کھڑا ہوا۔ جب بیدار ہوئے تو حارث پوچھتا ہے۔ کہ

من یمنعک منی۔ اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بچائے گا۔ یہ کہتے ہی قاتل کے ہاتھ سے مارے خوف کے تلوار گر کر چھوٹ گئی۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس کی تلوار اپنے دست مبارک میں اٹھا کر فرماتے ہیں کہ بتلا اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ وہ کہتا ہے کہ کن خیر آخذ۔ آپ اس کو بھلے آدمیوں کی طرح اٹھائیے۔ یعنی آپ میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ آپ نے یہ سنکر معاف فرمایا۔ یہ شخص اپنی قوم میں آیا۔ اور حضورؐ کی تعریف کی اور کہا کہ میں تمہارے پاس دنیا کے بہترین لوگوں کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔

کفار قریش نے حضورؐ اور آپ کے اصحاب کو طرح طرح ستایا۔ جب اسلام کو غلبہ ہوا۔ کفار پکڑے گئے تو ان کو یہ خیال ہوا کہ اب ہم جان سے مار دیئے جائیں گے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ میں اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بھلائی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا میں بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک کرتا ہوں جو حضرت یوسف عؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الراحمین ۔ تم پر آج کچھ گناہ نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کرے۔ وہی سب سے بڑھ کر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

یہ تھا حضورؐ کا خلق عظیم۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرما دے آمین۔

اے خالق یکتا دے

(از جناب مولانا شیخ غلام حسین صاحب رشا فاروقی)

خمخانۂ وحدت سے جام طرب افزا دے ؛ دے عشق محمدؐ کا سر کو مرے سودا دے
ہو راز حقیقت بیں وہ دیدۂ بینا دے ؛ دے فکر فلک پیما یا رب دل جویا دے
ایماں کی تجلی دے اے خالق یکتا دے

کلیوں کو ہنسی بخشی دی گل کو بھی رنگینی ؛ ہر نخل ثمر ور ہے منزل گہ شیرینی
ہوں گلشن وحدت کا میں طالب گلچینی ؛ دے نفس ستمگر کو انداز خوش آئینی
ایماں کی تجلی دے اے خالق یکتا دے

بیہودہ فراموشی یہ میری زیاں کاری ؛ دامن کش دل رہتا ہے ذوق گنہگاری
کر دور مرے مولا عصیاں کی یہ بیماری ؛ اے چارۂ بیچارہ آیا ہوں بلاچاری
ایماں کی تجلی دے اے خالق یکتا دے

یہ نفس کا خارستان فردوس بداماں ہو ؛ ان اجڑے ہوئے دل میں آبادی کا ساماں ہو
پر داغ مرا دل بھی ہم رنگ گلستاں ہو ؛ نور عشق محمدؐ کا دل میں مرے رخشاں ہو
ایماں کی تجلی دے اے خالق یکتا دے

اے رب علا سن لے اے واحد تعالیٰ سن ؛ اے خالق دو عالم یہ میری دعا سن لے
کہتا ہے بصد منت یہ تیرا رشا سن لے ؛ اے بار خدا سن لے اے بار خدا سن لے

ایماں کی تجلی دے اے خالق یکتا دے

جگ داتا شیام منوہر

(از شریمتی کملا دیوی صاحبہ)

عرب کے شیام منوہر! میں اپنے پریم کی گنگا جلی آپ کے چرنوں میں ارپن کرتی ہوں، اسے قبول کیجئے!

من موہن! جب سنسار میٹھی نیند کی گود میں سو جاتا ہے اور جب تنہائی کی ناسمن توش گھڑیاں میرا گلا گھونٹتی ہیں؛ تو پریم کا ستایا ہوا ابر دے مجھے بے چین کر دیتا ہے اور میں آپ کے درشن کے ارمان میں اپنے جیون کو تسکین دیتی ہوں!

سندر روپ! آپ کی پریم کتھا میرے سامنے ہے۔ آپ کے درشن کا خیال میرے دل میں چٹکیاں لے رہا ہے۔

مجھے آشا ہے کہ آپ میری وناش کے چراغ نہیں بجھنے دیں گے!

شیام منوہر! دنیا آپ کے ارتھاش کو نہیں بھول سکتی۔ آپ وہ پریم رشی ہیں کہ آپ نے بچھڑے ہوؤں کو ایشور سے ملایا اور مورتی پوجا کا کھنڈن کیا۔

اور دنیا آپ کے اس ارتھاش کو بھی نہیں بھول سکتی کہ آپ نے سنسار میں پریم کا پرچار کیا اور خون کے پیاسوں کو بھائی بھائی بنایا!

اور میں اس شتیہ ورتان کو بھی یاد رکھتی ہوں کہ آپ نے استریوں کی لاج رکھ لی۔ اور ان کو عزت کا تاج پہنایا!

مہاسندر! میرے من کی چنتا مٹائیے۔ برہا کی ہواؤں کے تیز جھونکے چل رہے ہیں اور میری آشا کا چراغ جھلملا رہا ہے میں اداس ہوں! غمگین ہوں! میری آتما اس نربل شریر کو تیاگ کر جانا چاہتی ہے۔ لیکن میں آپ کے پریم اور آپ کی کرپا کی امید میں اپنی زندگی کے دن گزار رہی ہوں۔

بھنے بے چین ہوں موہن مجھے صورت دکھا دینا

اے عشق کہیں لے چل

از جناب کامل صاحب جونپوری بی اے

اے عشق کہیں لے چل

یہ دیر و حرم چھوٹے — یہ رنج و الم چھوٹے
یہ دین و دھرم چھوٹے — یہ ظلم یہ ستم چھوٹے

اے عشق وہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

یہ نقش و نگیں بدلے — یہ روح مکیں بدلے
یہ فرشِ زمیں بدلے — یہ چرخ بریں بدلے

اے عشق وہاں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

کعبہ نہ کلیسا ہو — کچھ ہم سے نہ پردہ ہو
نظارۂ زیبا ہو — آزادی و نغمہ ہو

اے عشق وہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

رفعت ہو نہ پستی ہو — توحید پرستی ہو
اک عالم مستی ہو — سرشار یہ ہستی ہو

اے عشق وہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

تا حسن جبیں لے چل — تا خانہ دیں لے چل
تا نور مبیں لے چل — تا سرورِ دیں لے چل

سوتے ہیں جہاں احمدؐ
ہاں ہاں تو وہیں لے چل

اے عشق کہیں لے چل — یہ دیر و حرم چھوٹے

سچائی

(از جناب لالہ ہزاری لال صاحب کپتہ مدیر اعلیٰ اخبار اردو گزٹ رنگون)

سچائی بہت ہی پیاری چیز ہے۔ جہاں کہیں ہو اس کا حسن ایسا نہیں ہے جو دل صدق آشنا کو اپنی طرف متوجہ نہ کرے، وہ کسی قوم و کسی ملک کی جاگیر نہیں، حق بلکہ ہر جگہ اس کا جلوہ اور اسکی شان کسی نہ کسی طرح نمایاں ہوتی رہی ہے۔ پیغمبر عرب جن کے نام لیوا آج دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہیں اپنی تعلیم کے دلکش روپ سے حق بیں آنکھ میں اک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ تمدن اور تہذیب اور اس کے ساتھ راحت و آرام میں ترقی فطرت کے قانون کرنے اور خدائی رنگ میں آپ کو رنگنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

انہوں نے انسان کی استعداد کو بہت وسیع بتایا اور اس کو کام میں لانے کے بہت سے طور و طریق بتائے جن کا نام خیر لعبت ہے۔

خدا کی وہ صفات گنائیں اور لوگوں کو ترغیب دی کہ ان صفات کے رنگ کو اپنے اندر جذب کریں اور دنیا میں خدا کے نائب بنیں۔ تہذیب اخلاق کے لئے خود خالق کو نمونہ بنائیں۔

انہوں نے بہت سچی یہ بتا کر کہ اس بحار ت ورش میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کے نفع کے لئے ہے ایک تبلیغ ہے اور عالم میں قدرتی طور پر وہ سب چیز پر حکومت کر سکتا ہے انسانی جد و جہد کو جگا دیا۔

خدا کی اس صفت رب العالمین نے یعنی سارے جہان اور سنسار کا پالن ہار۔ اس صفت نے دلوں میں بڑی صلاحیت پیدا کی اور ذہنوں میں یہ بات رچائی کہ جب اس کی کرپا کا مینہ ہر قوم اور ہر رنگ اور ہر زبان والے پر برستا ہے اس کا سورج سب پر چمکتا ہے اس کے چاند کی چاندنی سب پر پڑتی ہے اس کی زمین کی آغوش اپنے ہر فرزند کے لئے کھلی ہوئی ہے تو انسانوں کو بھی اسی دل کی کشادگی سے کام لینا چاہیئے۔ اس لئے آپ کی تعلیم نے جو مساوات پیدا کی وہ ہم لوگوں کے لئے ہی قابل رشک ہے مسلمانوں کی اخوت یعنی ان کا بھائی چارہ بھی بہت ہی موثر ہے وہ اپنے مذہب کے دائرے میں رہنے والے ہر فرد کے لئے خواہ وہ افریقہ کے صحرا کا ہو یا چین کے شہر کا ہو یا دمقام کا ہمدردی کے جذبات کا اک دریا متلاطم رکھتے ہیں

غرض کہ حضرت محمد صاحب کے ان باحکمت اور صحیح صداقت اصولوں پر جب عمل پیرائی شروع ہوئی تو دنیا کی آنکھوں سے ایک ناممکن الوقوع حیرت ناک سین دیکھا وہ یہ کہ اس دھرتی پر جو ملک سب سے زیادہ بنجر اور اجڈ لوگوں سے آباد تھا انہیں ان زریں باتوں نے ایسا انقلاب بیدا کر دیا کہ روم و ایران کی پر شوکت سلطنتوں سے لے کر آدھی دنیا کے وہ مالک بن گئے، ان کے تمدن نے بڑا عروج پایا۔ اور کوئی شک نہیں کہ سائنس نے ان کے زمانے میں بڑی ترقی کی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ محمد صاحب کی تعلیم تجربے کی کسوٹی پر بہت کھری اتری کیونکہ وہ سچائی پر مبنی تھی۔

تم پہ قربان مری جان رسول عربی

(از جناب لالہ جگدیش چندر صاحب راحل)

تم پہ قربان مری جان رسول عربی
سب نبیوں سے ہے ذیشان رسول عربی

کیجئے مشکل مری آسان رسول عربی
قربان آپ پہ رحمن رسول عربی

اور دل میں نہیں ارمان رسول عربی
تم پہ صدقے ہے یہ جان رسول عربی

کہ قیامت کی ہے وہ آن رسول عربی
حشر میں ہو جو پرسش مری اے داور

جب ہوئے عرش پہ مہمان رسول عربی
قابل دید تھے وہ راز و نیاز خلوت

عام ہے آپ کا احسان رسول عربی
اس طرف بھی نظر لطف و کرم ہو جائے

مہر کعبہ مرا ایمان رسول عربی
دیر سے مجھ کو غرض اور نہ حرم سے مطلب

ہے زباں پر مرے قرآن رسول عربی
کیا سوالوں کا نکیرین کے ہو خوف مجھے

واں نہ جان اور نہ پہچان رسول عربی
لطف سایہ ہو آپ کا ہو راہ عدم میں مولا

نعت میں جب جو کلام اپنا تو دیکھا اے راحل
سن رہے ہیں ترا دیوان رسول عربی

آنحضرتؐ نے انسانیت کا درجہ کہاں تک بلند کیا؟

(از جناب مولوی سردار خاں صاحب پسروری)

اقوام عالم کے اندر رنگ و نسل کی تمیز جیسی آج کل ہے ویسی ہی بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ازمنہ سابقہ میں تھی۔ اگر آج اس خیال کے لوگ موجود ہیں کہ سفید اقوام سیاہ اقوام پر فوقیت و برتری رکھتی ہیں تو گذشتہ زمانہ میں بھی ایسا کہنے والے موجود تھے کہ فلاں قوم خدا کی برگزیدہ ہے اور باقی اقوام راندۂ درگاہ۔ دنیا میں بہت سے مذاہب پیدا ہوئے بہت سے مصلحین مبعوث ہوئے مگر رنگ و نسل کے جن امتیازات نے نسل انسانی کے اندر فرقہ بندی قائم کر رکھی تھی ان کو مٹانے والا سوائے محمد رسول اللہؐ کے کوئی پیدا نہ ہوا۔ اس بیہودگی کو مٹانے کے لئے آواز شاید پہلے بھی بلند ہوئی ہو لیکن عملی لحاظ سے کامیاب عرب کا امی نبی ہی ہوا۔ آپ نے دنیا کو بتایا کہ سب اقوام ایک ہی اصل سے ہیں۔ لہذا تمام انسان آپس میں بحیثیت انسان مساوی ہیں۔ رنگ و نسل کوئی وجہ امتیاز نہیں۔ خدا کے نزدیک یہ تمام امتیازات بے حقیقت ہیں۔ صرف پرہیزگاری محبوب ہے۔ شیخ سعدیؒ نے سچ کہا ہے کہ ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

مگر اس اصول کی بنیاد رکھنے والا محمد رسول اللہ ہے جس نے تمام باطل امتیازات کو مٹا کر تمام انسانوں کو مساوی سطح پر لا کھڑا کیا اور پھر باہمی حقوق کے احترام کی تلقین کی۔ تمام بے انصافیوں کی جڑ یہی غیر منصفانہ خیال ہے کہ فلاں قوم فلاں سے افضل ہے۔ آنحضرتؐ نے بتایا کہ پیدائش کے لحاظ سے کسی کو کسی پر ذرہ برابر بھی فضیلت نہیں۔ سب قومیں نسل آدمؑ سے ہیں۔ میرے نزدیک تمام اسود و احمر برابر ہیں اور ان سب کی طرف میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا خدا رب الیہود و رب الہنود نہیں بلکہ رب العالمین ہے۔ پہلے بھی سب اقوام کی جسمانی و روحانی ربوبیت کرتا رہا ہے اب بھی کرتا ہے اور آئندہ بھی کرے گا۔ جسمانی ربوبیت تو ظاہر ہی ہے روحانی ربوبیت میرے ذریعہ کرے گا۔ وہ تمام نسل انسانی کو جو بے شمار فرقوں میں بٹی ہوئی تھی

بڑی سے ایک جھنڈے تلے جمع کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے مجھے تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

انسان جو خلیفۃ الارض بنا کر بھیجا گیا تھا اس ذلت کو پہونچ چکا تھا کہ اپنے سے حقیر اشیاء کے سامنے سر بسجود ہوتا تھا۔ حجر، شجر، چاند، سورج، ستارے سب اس کے معبود تھے۔ ہوش و خرد جواب دے چکے تھے۔ دنیا حیران تھی کہ انسان کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ محمد رسول اللہ نے بے ہوش انسان کو ہوش میں لایا اور اسے اس تخت خلافت پر بٹھایا جس کا وہ جائز طور پر حقدار تھا۔ آپ نے غافل انسان کو یاد دلایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا ارشاد خداوندی اسی کے حق میں ہے۔ جن بے حقیقت اشیاء کے سامنے وہ سجدے کر رہا ہے وہ سب اسکی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ زمین و آسمان کی اشیا تو ایک طرف رہیں وہ وہ برگزیدہ مخلوق ہے کہ فرشتوں تک کو حکم ہوا کہ اسے سجدہ بجا لائیں۔

انسان جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ میری ہدایت کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے۔ انسان انسان کے لئے رہنما کیونکر ہو سکتا ہے مگر حضورؐ نے بتایا کہ اے انسان! تو بھول میں ہے۔ انسان کو رہنمائی کے لئے فرشتہ کی ضرورت نہیں جب کہ محمد رسول اللہ ایسا کامل انسان موجود ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اس انسان امی کامل انسان کی طرف دیکھ اور پھر کہہ کہ کیا تجھے فرشتہ کی ضرورت ہے یہ کامل انسان تجھ پر واضح کر دے گا کہ ؎

جو فرشتے کرتے ہیں کر سکتا ہے انسان بھی
پر فرشتوں سے نہ ہو جو کام ہے انسان کا

یہ کامل انسان انسانیت کا درجہ بلند کرنے آیا ہے۔ وہ دکھائیگا کہ انسان کیسی بلند ہستی ہے اور اس کا مرتبہ کس قدر عالی شان ہے دنیا اندھیرے میں ہے مگر وہ بتا دے گا ؏

شان پیمبرؐ

(جناب شیخ غلام حسین صاحب رہنما)

کیا شان اس پیمبر عالی جناب کی
جس سے بڑی ازل سے نظر انتخاب کی

تو خاک پا ہے صاحب ام الکتاب کی
اے طبع فکر کیا تجھے روز حساب کی

تعلیم وہ حضورؐ کی جو دل میں گھر کرے
مفتوں ہے دنیا جلوۂ نور انتساب کی

حب رسول پاک میں سرشار گر ہو دل
لذت ہے ملتی بے پئے کیف شراب کی

ہو خوار تم یہ دور نہیں شان لطف سے
یورش ہے گرچہ دل پہ غم بے حساب کی

یارب دعا رسا کی کبھی بار یاب ہو
زنجیر کھٹکھٹا کی ہے رحمت کے باب کی

کیا چیز آدمی ہے کیا شے ہے آدمی میں

پھر مساوات نسل انسانی کو عملی لحاظ سے باطل کرنے والی وہ بے انصافیاں اور زیادتیاں تھیں جو افراد و اقوام ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ حقوق انسانی کا کما حقہ احترام نہ کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر قتل انسان کے مسئلہ کو لیجئے۔ زمانہ جاہلیت میں اختلاف عقائد کی بنا پر انسان کو قتل کر دینا معمولی بات تھی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لا اکراہ فی الدین۔ دین کے معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی نہ ہونی چاہیئے قتل کرنا تو بڑی بات ہے۔ پھر اگر ایک قوم کا کوئی فرد دوسری قوم کے کسی آدمی کو ناجائز طور پر قتل کر دیتا تھا تو تمام قوم قاتل کی حمایت پر کھڑی ہو جاتی تھی۔ یہ حقیقت میں انسانی جان کو بے قدر و قیمت سمجھنا تھا۔ آنحضرتؐ نے تعلیم دی کہ قصاص میں حیات ہے۔ کسی شخص کو ناروا قتل کرنا گویا تمام نسل انسانی کو قتل کرنا ہے۔ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچے۔ دشمن قوم کے ساتھ بھی انصاف کرو ناروا قتل کرنے والوں کو ہرگز پناہ نہ دو۔ غرض ہر طرح سے حقوق انسانی کا احترام کرنا سکھایا۔ درحقیقت میں مساوات نسل انسانی قائم ہی نہیں رہ سکتی جبتک کہ حقوق انسانی کا پورا پورا احترام نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے باہمی حقوق پر خاص طور پر زور دیا ہے۔

دور وحشت میں یہ خیال بھی عام تھا کہ عورت بلحاظ انسانیت کمتر درجہ پر ہے۔ بعض اہل مذاہب اسے گناہ کی جڑ قرار دیتے تھے۔ بعض کی بلند پروازی انہیں اس نتیجہ پر لے گئی تھی کہ عورت جنت میں داخل نہ ہوگی۔ مسیحی حضرات کا یہ وعظ تھا کہ انسان فطرتاً گنہگار ہے۔ الغرض بہت سے ایسے خیالات رائج تھے جو انسانیت کو ذلیل کرنے والے تھے۔ آنحضرتؐ نے ایسے تمام خیالات کی تردید کی۔ آپ نے بتایا کہ عورت اور مرد سب ایک ہی اصل سے ہیں۔

عورتیں بھی مثل مردوں کے اپنے کئے کا پھل پائیں گی۔ انسان فطرتاً پاک ہے اور ترقی کے لئے وسیع میدان رکھتا ہے

آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل بہت سے بانیان مذاہب کو خدا، خدا کا بیٹا، خدا کا اوتار، فرشتہ وغیرہ بنایا گیا تھا ان خیالات کی تہ میں یہی خیال پنہاں تھا کہ انسان انسان کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس لئے خدا خدا کے بیٹے اور خدا کے اوتار آئے۔ چونکہ یہ خیالات انسان کو اپنے اعلیٰ درجہ سے گرانے والے تھے اس لئے آپؐ نے شد و مد کے ساتھ ان کی بیخ کنی کی اور نہایت واضح الفاظ میں دنیا کو بتایا کہ سب انبیاء انسان اور صرف انسان تھے۔ میں بھی انسان ہوں۔ قل انما انا بشر مثلکم۔ انسان کی رہنمائی کے لئے انسان ہی مبعوث ہوتے ہیں۔

اُٹھ مرے کالی کملی والے

(از جناب مرزا یگانہ صاحب لکھنوی)

اے آئینہ انوار ازل — اے جلوہ گہ حسن عمل
ہے دیر سے ٹھنڈا دل کا کنول — دیدار دکھا پردے سے نکل
میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

جانِ جہاں مقصود دو عالم — فرش نشیں اور عرش کا محرم
اشرفِ انساں، افضل آدم — خاک کا پتلا، نور مجسم
میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

شمع جمال کے پروانے — تیری طلب میں دیوانے
سنتے ہیں کیا کیا افسانے — کس روپ میں تو ہے خدا جانے
میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

آشفتہ بیانی سن تو سہی — کچھ درد نہانی سن تو سہی
ہاں میری زبانی سن تو سہی — پر درد کہانی سن تو سہی
میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

دیوانہ ہوں لیکن مست ولا — گم گشتۂ منزل ہو دو فکا
کچھ دھیان نہ کر جو ہوا سو ہوا — گمراہ کو شمع جمال دکھا
میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

روشن کر دے چراغ امید — مار نہ ڈالے حسرت دید
جلوہ ترا سو عیدوں کی عید — دید کو کوئی جس کی نہ شنید
میرے اندھیرے گھر کے اجالے — اُٹھ مرے کالی کملی والے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنوں کی بڑی قدردانی کرتے تھے

(از جناب مولانا صدر الدین صاحب احمدی بی اے بی ٹی مبلغ انگلستان و جرمنی)

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ان متعدد دلربا خصوصیات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ حضور اپنوں کی بڑی قدردانی کرتے تھے آنحضرتؐ نے خدا تعالیٰ کی صفت شاکر سے اپنے تئیں رنگین کر رکھا تھا جس طرح خدا تعالےٰ اپنے بندوں کی سعی کی قدردانی کرتا ہے اسی طرح وہ ستودہ صفات ذات جو صفت الشاکر کی مظہر اتم تھی بندگان الٰہی کی سعی کی قدردانی کر کے ان کو اپنے جذبۂ عشق و محبت میں محو کر دیتی تھی۔ حضورؐ کا اعتقاد تھا کہ وہ شخص جو بندگان الٰہی کی سعی یا احسان کی قدردانی نہیں کرتا گویا وہ خود خدا تعالیٰ کے انعامات کی قدردانی نہیں کرتا فرمایا لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔ حضورؐ نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ جیسا کہ حضور ہر اس بات پر عمل کر کے دکھاتے تھے جو ان کی زبان مبارک سے نکلتی تھی۔ یا جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے ان کے عمل کا ذکر شروع کیا جاتا ہے جو خود ہی اس مضمون کو واضح کرتا ہے اور مزید دلچسپی کا موجب ہے۔

ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے صرف بڑے آدمیوں ہی کی قدردانی نہیں کی بلکہ حضورؐ نے چھوٹے آدمیوں کی بھی قدردانی کی ہے۔ صہیبؓ۔ بلالؓ سلمانؓ غیر وطنیوں میں سے تھے۔ مسافر بے کس تھے۔ زیدؓ اور عمارؓ اگرچہ عرب تھے لیکن بہت کم حیثیت تھے۔ زیدؓ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے دام دے کر خرید لیا تھا جن کو انہوں نے حضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرتؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ زیدؓ پر حضورؐ کے کرموں کا بڑا گہرا اثر تھا۔ اور عشق و محبت میں یہاں تک ترقی کر گئے تھے کہ جب ان کے والد اور دوسرے رشتہ دار حضرتؐ کے حضور میں پہونچے اور درخواست کی کہ زیدؓ کو اجازت مرحمت فرمائیے کہ ہمارے ساتھ اپنے وطن میں چلا جائے تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس کو پورا اختیار دیتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بزرگوں کے ساتھ وطن کو چلا جائے۔ اس پر زیدؓ نے کہا کہ حضرت نبی کریم جو محبت میرے ساتھ رکھتے ہیں اور جو احسانات میرے اوپر کرتے ہیں وہ ماں باپ کی محبت اور کرم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ اس لئے میں حضورؐ کی خدمت میں رہنے کو ماں باپ کے ساتھ چلا جانے پر ترجیح دیتا ہوں۔ حضورؐ نے اس کے صلہ میں زیدؓ کے متعلق فرمایا کہ زید اہلبیت میں سے شمار ہوگا۔ حضورؐ جو فرماتے تھے وہ حرف دل خوش کن الفاظ نہ ہوتے تھے بلکہ ہر ایک شخص یقین کرتا تھا کہ یہ حقیقت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنے شاہی خاندان کی لڑکی اپنی پھوپی زاد بہن زینب کی شادی زیدؓ سے کر دی۔ پھر زیدؓ کے کمالات کی قدردانی یہاں تک کی کہ ان کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور ان کے بیٹے اسامہ کو بھی فوج کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ فتح مکہ کے دن اسامہؓ کو یہ فخر حاصل ہوا کہ حضورؐ کے ساتھ ہی ایک اونٹنی پر سوار تھے۔ بلال رضؓ کی شکل و شباہت کا نقشہ لفظ حبشی سے سامنے آ جاتا ہے۔ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفید رنگ عربوں کی نظر میں جچتا نہ تھا۔ لیکن حضرت نبی کریمؐ نے ان کو موذن مقرر کرنے کے علاوہ اپنے گھر کے تمام امور کا اختیار دے رکھا تھا۔ اور بلال رضؓ کی نسبت فرمایا "انی اسمع دق نعلیک بین یدی فی الجنۃ" کہ تو جنت میں میرے آگے آگے چلے گا اور یہ امر ایسا یقینی ہے کہ میں تیرے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوں۔

سلمان فارسیؓ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ ایک دن ان کے کاندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ آخری زمانہ میں سلمان کی نسل سے ایک انسان پیدا ہوگا۔ اگر ایمان ثریا پر بھی اٹھ گیا ہوگا تو لنالہ رجل من ابناء فارس۔

تمام غریب الوطنوں اور غریب مزاج انسانوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور اسی کرم کی تائید میں ایک آیہ شریفہ اتری ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ۔ ان غرباء کو اس آیت کے نزول نے اور بھی معزز کر دیا۔ اور وہ فخر سے اس بات کا ذکر کرتے تھے کہ ہمارے حق میں یہ آیت اتری اور فخر کے ساتھ حضور علیہ السلام کے تعلقات کا یوں ذکر کیا کرتے تھے وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقعد معنا و یدنو منا حتی تمس رکبتنا رکبتہ وکان یقول معکم المحیا ومعکم الممات۔ یعنی حضور ہم میں مل کر بیٹھا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ لگ جاتے تھے حتی کہ ہمارے گھٹنے حضورؐ کے گھٹنوں کو مس کرتے تھے۔ اور حضورؐ فرماتے میرا جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہوگا۔ حضرت انسؓ نے دس سال حضورؐ کی خدمت کی وہ کہتے ہیں حضورؐ نے اس دس سال کے عرصہ میں مجھے کسی امر پر ملامت نہیں کی اور یہ بھی نہیں

فرمایا کہ تونے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا اور میری خدمت کی وجہ سے میری والدہ کا احترام کرتے تھے اور میرے چھوٹے بھائی سے محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرا بھائی آیا تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھا کہ ما فعل النغیر۔ تیری چڑیا النغیر کا کیا حال ہے؟ اس سے اس کا دل باغ باغ ہوگیا۔ اور خود ہمارے دلوں پہ کیفیت طاری ہوگئی۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی حضورؐ نے ان کو بھلایا نہیں۔ ان کی سہیلیوں کی بھی قدر کرتے تھے۔ اُن کو گوشت وغیرہ بطور تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ اس پر حضرت عائشہؓ رشک کرتی تھیں اور ایک دفعہ کہنے لگیں کہ میں ابوبکرؓ کی لڑکی باکرہ، نوجوان، سیرت و صورت میں ہر طرح ترجیح کے قابل ہوں لیکن آپ ایک مری ہوئی بڑھیا کا ذکر کرتے رہتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ خدیجہؓ نے مجھے اس وقت مانا جب کہ میرا ماننے والا کوئی نہ تھا۔ اور مال سے اس وقت میری مدد کی جبکہ میرا مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ وفا اور قدردانی جو ایک وفات یافتہ خاتون کے متعلق بھی حضرتؐ کے اعمال سے ظاہر ہوتی تھی زندوں کے اعتماد کو بڑھاتی اور ان کی گرویدگی کو دوچند کر دیتی تھی۔ خود حضرت عائشہؓ کی جو قدردانی حضورؐ نے کی ہے وہ تمام مسلمانوں پر عیاں ہے حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کا بھی بڑا احترام کرتے تھے امہات المومنین میں سے ہر ایک کی گواہی ہے کہ حضور اس قسم کے شوہر تھے کہ اس سے بہتر ہو نہیں سکتا۔ اگر قریشی بیویاں خوش ہیں تو مصری مریم جو پہلے عیسائی تھے وہ بھی خوش ہیں اور خیبر کی صفیہ جو پہلے یہودن تھیں وہ بھی انتہا درجہ خوش ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں بچپن میں پرورش پائی تھی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔ اپنی دایہ کو اماں کر کے پکارتے تھے۔ ایک دفعہ اس قبیلہ کی عورتیں کثیر تعداد میں جنگ میں بطور قیدیوں کے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں حلیمہ سعدیہ ان کو چھڑانے کے لئے آئیں۔ بدو عورت تھیں، حالت خراب تھی، سفر کی وجہ سے ان پر گرد پڑی ہوئی تھی، لشکر کے فرودگاہ میں چلی آئیں۔ حضورؐ نے تعظیم کے لئے سفید چادر بچھائی اور ان کو اکرام و محبت کے ساتھ بٹھایا۔ تمام لشکر حیران ہوکر پوچھتا تھا کہ یہ کون عورت ہے۔ حضورؐ فرماتے کہ میری اماں حلیمہؓ سعدیہ ہیں۔ حلیمہؓ نے حضرت سے یوں خطاب کیا اے محمد تونے اپنی خالاؤں کو اور پھوپھیوں کو قید کرلیا۔ یہ کیا کیا۔ حضرتؐ نے فوراً ان قیدیوں کو آزاد کردیا۔ جو قریش کے حصے میں آئے تھے۔ اور ظہر کی نماز کے وقت باقی تمام مسلمانوں سے سفارش کی کہ حلیمہؓ سعدیہ میری اماں ان قیدیوں کی رہائی کے لئے آئی ہیں ہم نے قریش کا حصہ تو آزاد کردیا ہے میں سفارش کرتا ہوں کہ تم لوگ بھی اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد کردو۔ تو لوگوں نے خوشی سے باقیماندہ قیدیوں کو رہا کردیا۔

ایک دفعہ حلیمہؓ سعدیہ کی لڑکی شیما آئیں اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ شیما ہوں آپ میرے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اور کھیلتے میں ایک دفعہ آپ نے خفا ہوکر میری پیٹھ پر اپنے دانت چلائے تھے جن کا نشان اس وقت تک موجود ہے۔ اس نے وہ نشان دکھایا حضورؐ نے فرمایا اقد عند نا مکرمۃ محببۃ آپ میرے ہاں قیام کیجئے گا میں آپ کی اکرام اور محبت کے ساتھ تواضع کروں گا۔

حبشہ کے لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے، حضورؐ نے خود اٹھ کر ان کی خدمت و تواضع شروع کی اور بار بار فرماتے تھے کہ ان لوگوں نے ہمارے دوستوں کے ساتھ جب وہ حبشہ میں ہجرت کرکے گئے تھے بڑی نیکی و احسان کا سلوک کیا تھا، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس احسان کے بدلے میں جہاں تک ہوسکے ان سے حسن سلوک کریں اور اپنے ہاتھ سے خدمت کریں۔

حضرت خالدؓ کی شجاعت کی بہت تعریف کرتے اور ان کا اکرام کرتے تھے۔ ان کو سیف اللہ کہہ کر پکارتے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے تدبر امانت و دیانت کی وجہ سے بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ ان کو امین الامۃ کہہ کے پکارتے تھے۔ کسی نے تیر اندازی کے جوہر دکھائے تو اس کی قدردانی ہوئی۔ کسی نے اچھے لحن سے قرآن کریم پڑھ کر سنایا تو اس پر بھی فریفتہ ہیں اور اس کو کہتے ہیں لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد یعنی تجھے خدا نے لحن داؤدی عطا کیا ہے۔ حضرت حسانؓ نے اچھے شعر کہے تو ان کے متعلق فرماتے تھے کہ حسانؓ غیبی تائید سے شعر کہتا ہے۔ الغرض سب کی قدردانی فرماتے تھے۔ اور جو قدردانی حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خصوصیت سے کی ہے وہ تو اظہر من الشمس عیاں ہے ان حضرات نے بڑی بڑی قربانیاں دکھائیں۔ اس لئے ان کی بہت بڑی قدردانی کی گئی حضرت ابوبکرؓ کی نسبت فرماتے تھے ان امن الناس علیّ حضرت ابوبکرؓ نے سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ حق دوستی بھی ادا کیا ہے اور اپنا مال بھی مجھ پر صرف کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو حضورؐ نے بڑی خوشی کی اور اس زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگائے کہ مکہ معظمہ گونج اٹھا۔ اور فرمایا کہ خدا نے آسمان پر عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کی خوشی کی ہے۔ اور ان کو فاروقؓ کا خطاب دیا۔ پھر ساری عمر حضرت عمرؓ کی نازبرداری کی۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اختلاف رائے کا اظہار کیا

بعض دفعہ بڑی سختی سے اختلاف کیا لیکن حضرت کی وفا و محبت اور اکرام میں فرق نہیں آیا۔ اور حضرت علیؓ کے ساتھ بڑی ہی محبت کی۔ جہاں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی لڑکیوں کو فخر ازدواج بخشا وہاں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے گھر میں اپنے کلیجے کے ٹکڑے بیاہ کر ان گھروں کو منور فرمایا۔ ایک دفعہ ایک جنگ میں فرمایا میں ایسے شخص کے ہاتھ میں علم دینے والا ہوں جس کو اللہ اور اس کا رسول محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سب لوگ اشتیاق سے منتظر تھے کہ کس کے حصہ میں یہ سعادت آتی ہے۔ یہ حضرت علیؓ کی قدردانی تھی۔

حضرت عباسؓ جو حضورؐ کے چچا تھے ایک جنگ میں قیدی ہو کر مدینہ میں پہنچے تو حضورؐ ان کو دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ رات کے وقت نیند نہ آئی اور تکرار سے فرمایا کہ میرے چچا عباس کی مشکیں نرم کر دو کیونکہ مجھے اذیت ہوتی ہے۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے حضرت عباسؓ کو اپنی قمیص پہنائی تو حضورؐ نے اس کو یاد رکھا۔ عبداللہ بن ابی کی وفات پر اس کی میت کو اپنا کرتہ پہنانے کا شرف بخشا اور اپنے چچا پر جو احسان تھا اس کو اتارا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت پر حضورؐ بڑے بے چین ہوئے اور ان کے جنازہ پر ستر تکبیریں پڑھیں۔ سعد بن معاذؓ انصاری جو قبیلہ اوس کے سردار تھے ان کی موت کے موقع پر فرمایا اهتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ۔ یعنی سعد کی موت سے عرش الٰہی بھی رنج و الم سے تھرا اٹھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

وما اهتز عرش الله من موت هالك
سمعنا به الا لسعد ابی عمرو

ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں عورتوں تمام کی قدردانی کی۔ ان کے ساتھ محبت کی۔ ان کے ساتھ وفا کی۔ اور اس قدردانی میں بڑے چھوٹے امیر غریب سب نے حصہ لیا۔ قوم تو چھوٹے بڑوں سب سے مل کر بنتی ہے۔ اس لئے وہ ہستی جس نے ایک قوم تیار کرنی تھی اس نے ساری کی ساری قوم کو اکرام و محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور ہر فرد واحد کے ساتھ وفا کی۔ حضورؐ کی قدرشناسی نے تمام کی تمام قوم کو گرویدہ بنا لیا اور جو چاہا ان سے کام لیا۔ یہ سب کچھ ذاتی تعلقات کی بنا پر ظہور میں آیا۔ اور ذاتی وجاہت و کریمیت کا کرشمہ تھا۔ ورنہ اگر وہ عہدہ نبوت کا ذکر کرتے اور بادشاہت کا خوف دلاتے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولو کنت فظا غلیظ القلب لا انفضوا من حولك کوئی شخص ان کے نزدیک نہ پھٹکتا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه
محمد وآله واصحابه اجمعین

زندہ نبی کا عالمگیر پیغام

(از جناب مولانا حافظ سید احمد جمیل صاحب دہلوی)

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پیشوایان مذاہب اور مشاہیر عالم میں ایک تنہا ہستی ہیں جن کی پاک زندگی کی ہر ایک بات اس وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آج ہمارے سامنے ہے۔ گویا کہ وہ خیر بشیر مشاہدہ ہے اور

حضرت کا ظہور ہمارے زمانہ میں

ہوا ہے!!

آپ کا یہ امتیاز صرف آپ ہی کا حصہ ہے کہ مذہبی، سیاسی اور علمی دنیا کے کسی دوسرے فرد اعظم کا زمانہ میں آپ کی پوری زندگی اور پوری تعلیم اس شان کے ساتھ برقرار ہے، کہ اگر کوئی یہ کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ ہمارے حضرت زندہ نبی ہیں اور ہم نے زندہ نبی کو پالیا ہے۔

آپ کو "زندہ نبی" کہنا اس بات کا مرادف نہیں، کہ دوسرے حضرات مُردہ ہیں۔ "زندگی" سب حضرات برگزیدگان حق کے ساتھ وابستہ ہے۔ مگر ایسی انسان کی زندگی کہ آپ کے سب حالات زندہ اور محفوظ ہوں، یہ صرف ہمارے حضرت کے لئے ہے۔ پیدائش سے لیکر وفات تک آپ کی حیات مبارک کا کوئی گوشہ کوئی حال اور کوئی واقعہ ایسا نہیں جو مستند تاریخی وقائع نگاری کی پوری روشنی میں نہ ہو۔

بس یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہوگا کہ دنیا آپ کی طرح کے کسی نبی کو نہیں جانتی جتنا آپ کی طرح جانتی ہو۔ جن لوگوں کے واسطہ سے آپ اور آپ کی باتیں دنیا کو نصیب ہوئیں ان میں سے:-

دس لاکھ آدمیوں کی لائف

آج ہمارے پاس محفوظ ہے تاکہ ہم درست و نادرست، صحیح اور غلط، قوی اور کمزور میں فرق و امتیاز کر سکیں۔ مذہبی، سیاسی اور علمی دنیا کی کسی شخصیت کے حالات و کلمات کے لئے اس درجہ کا حیرت انگیز اہتمام آپ کے سوا اور کہاں ہے؟ ظاہر ہے کہ کہیں بھی نہیں ہے۔

"زندہ نبی" کے شئیون باطنی اور قربت خداوندی کا یہاں تذکرہ نہیں کہ یہ مجلس روحانین کی باتیں ہیں۔ جن کا فہم و ادراک آسمانی عقول عالیہ کے لئے ہے۔ نہ کہ ہم "زندانین" کے لئے۔ اور یہ تذکرہ آپ کی زندگی کے صرف ظاہری پہلو کا ہے۔

ایسی کامل زندگی، اس کے تمام گوشوں کے پورے بے کم و کاست حالات، ان حالات کے متعلق سب بیانات اور روایات، پھر جن لوگوں کے واسطہ سے یہ چیزیں ہمیں ملی ہیں ان کے حالات زندگی کا ریکارڈ کیا۔

یہ حقیقت عجائبات روزگار سے نہیں ہے

یہ وہ صداقت اور حقیقت ہے کہ جس پر دنیا کی تاریخ گواہ اور عالم انسانیت کے لئے سامان صد نازش و افتخار ہے۔

جب علوم کی ترقی کو، اور قوموں کے قوائے دماغی اور ذہنی کی جلا اور انسانی فہم و فراست کے ارتقا کو وہ سطح نصیب ہو جائے گی جس سطح پر پہنچ کر انسان نسلی منافرت اور وطنی اور مذہبی تعصبات اور ذہنی الجھنوں سے بالاتر ہو جاتا ہے اور حقائق کو ان کی سیدھی سادی اور صاف و صحیح حالت میں دیکھ لینے میں ایسی ٹھوکر نہیں لگتی۔ اس وقت پوری انسانی نسل کے ناز و فخر و افتخار کے لئے:-

تاریخ کے دامن میں صرف ایک ہی آتی

ہوگی۔ اور وہ "زندہ نبی" کی پاک اور سچی زندگی کے سوا کچھ نہ ہوگی۔

عالم انسانیت اس سطح پر تو اس وقت بھی پہنچ گئی ہے کہ شریف انسان خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں۔

محسوس کرتے ہیں کہ دنیا کو ایک عالمگیر مذہب کی احتیاج ہے اور معتقدات کی کوئی ایسی بنیاد ہونی چاہئے، جو انسانی برادری میں اتصال اور باہمی محبت کو پیدا کرے۔

ظاہر ہے کہ ایسی بنیاد، اور ایسا عالمگیر مشترک عقیدہ روحانی ہی ہو سکتا ہے نہ کہ مادی منکی ہی ہو سکتی ہے نہ کہ بدی۔ اور نیکی ہی وہ شے ہو سکتی ہے جسے بقا ہے، نہ کہ "بدی" جسے بقا نہیں۔ اس بنا پر صرف:-

احترام مقتدایان مذاہب

ہی وہ "نیکی" ہو سکتی ہے جن سے تمام نیکیاں اور بھلائیاں دنیا کو نصیب ہوئی ہیں۔ اور یہی دنیا کے لئے مشترک اعتقاد اور انسانی برادری کے باہمی ارتباط و اتصال اور روابط مہر و داد کی روحانی بنیاد اور اس لئے عالمگیر مذہب کا بنیادی پتھر ہوگا۔

یہ بزرگ اخلاق و تہذیب اور قوانین مدنیت کے حقیقی معلم تھے ان کے سوا اور کس کا حق ہے کہ اس کے پاس احسان میں دنیا اس کا احترام کرے!

آج بیسویں صدی میں اگر مہذب دنیا کے اعلیٰ طبقہ میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں تو انسانی شرافت کا یہ کوئی نیا احساس نہیں ہے۔ اسلام! آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے:-

مذہب عالمگیر کی روحانی مستحکم بنیادیں

قایم کرچکا ہے، ارشاد ہے "لا نفرق بین احد من رسلہ" (اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں میں تفریق نہ کرو، سب کو ایک جانو۔ اس لئے سب کا احترام کرو ایک کا انکار سب کا انکار سمجھو) اور فرمایا "لکل قوم ھاد" (کل اقوام کے لئے ہادی اور رہنما اللہ نے پیدا کئے) یہ بھی ارشاد ہوا ہے "وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر" (کوئی امت نہیں جس پر ابتلائے مادیات اور اغراض نفسانی اور یاد الہی سے غفلت و اعراض کرنے کے بدنتائج سے ڈرانے والے، اور اس طرح اُسے حقیقی بھلائی اور بہبودی کی راہ پر چلانے والے نہ آئے ہوں)

یہ قرآن مجید کی تعلیم ہے اور ہر ایک مسلمان کا یہ ہی یقین واعتقاد ہے کہ خدا کی محبت سب کے لئے ہے اس کی بخششیں عالمگیر ہیں، اور کوئی فرد مخلوق نہیں ہے کہ اس کی رحمت سے محروم ہو، پس اس نے ہر امت کے لئے ان کے حقیقی ہمدرد، ہادی اور رہنما پیدا کئے، تاکہ سب کے سب بہرہ یاب رحمت خداوندی ہوں، اسی بنا پر ہر مسلمان کا یہ ہی جذبہ اور عقیدہ ہے کہ ہر مقتدائے مذہب، جس کی ہدایت اور رہنمائی نے صدیاں حاصل کی ہوں۔ اور جس کی بدولت کروروں انسان نیکی اور خدا پرستی کی راہ پر چلے ہوں، مستحق ہے کہ اس کا سچا اور پورا احترام کیا جائے کسی بندہ کو بھی خدا تو نہ ٹھہرایا جائے انسانی مجد و شرف کی جس بلندی کو اس نے پایا ہو اس کا اقرار اور ادب کیا جائے۔

ہمیں بتلایا گیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں بھیجے گئے چند کے نام بتا دئے گئے۔ باقی کے لئے قدرت الٰہیہ کا عام دستور اور طریقہ ظاہر کر دیا گیا کہ اس نے کسی امت کو بھی ہدایت یافتہ ربانی اور فیض یافتہ آسمانی کی برکتوں اور فیض بخشیوں سے محروم نہیں رکھا ہے۔

پس جن برگزیدگان بارگاہ حق سے بے شمار انسانوں نے مدنیت کے توانین اور تہذیب، اخلاق اور حسن معاشرت اور اکیلے خدا کی پرستش اور روحانی ترقی وکامرانی کی تعلیم حاصل کی ہے، جن کی روحانی قوتوں اور طاقتوں کا دامن صدیوں کے دامن سے وابستہ ہو۔ صرف ان سب کا احترام ہی "عالمگیر مذہب" کی بنیاد ہوسکتا ہے۔ اور صرف وہ نفوس عالیہ دنیا کے لئے اس نعمت عظمیٰ کے سامان ہوسکتے ہیں جن کی صداقت کے واسطے کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قدرت کا ہمیشہ سے یہی شیوہ ہے کہ "بقا" "بہترین" کے لئے ہے۔ اس کو کبھی یہ طریقہ نہیں رہا کہ نیکی نما برائی کو بقا نصیب ہو گئی ہو اور صدیوں کی زندگی ملی ہو "بقائے بہترین" کا

ہمیشہ سے الٰہی قانون

تھا، ہے، اور رہے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ دنیا کو فریب اور دھوکا دیا جائے اور قدرت الٰہی صدیوں تک دنیا کو دھوکا اور فریب میں مبتلا رہنے دے کسی شئی کا جو فی نفسہ نیکی ہو، صدیوں کی عمر حاصل کر لینا۔ اپنے ذاتی کے نیک ہونے کا زندہ ثبوت ہے جس کی زبان سے اور جس کی زندگی سے وہ نیکی اس عالم میں لوگوں کو نصیب ہوئی ہو۔ اس لئے کہ "بقائے بہترین" فطرت کا اٹل قانون ہے۔ اور جسے بقا نصیب ہو چکی ہو وہ بہتر اور اصلح کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی۔

مگر وہ لوگ بھی کبھی دنیا کے منظر پر آئے ہیں، جن کا آسمان سے علاقہ نہ تھا، بدی کی طاقت یعنی شیطان نے جنہیں اپنے مطلب کا پایا، اور جن کو اپنے لئے استعمال کیا، مگر صبح کاذب کے بعد طلوع صبح صادق بھی ہوتا رہا اور صداقت الٰہیہ نے انہیں اور ان کی دعوت کو فنا کر دیا کہ وہ بدی کے سرچشمہ سے تھے۔ نہ کہ نیکی کے۔ اور قبول عام اور بقائے دوام ان کے لئے نہ تھی۔ جو صرف "بہتر" اور اصلح کے لئے ہے اور بقائے بہترین کا ظہور اس طرح ہوا کرتا ہے کہ ایک دعوت حقہ صدیوں تک بے شمار انسانوں کی اصلاح کرتی اور ادنیٰ کو اعلیٰ اور دون کو اصلح بناتی ہے۔ اور لاکھوں کروروں کا صدیوں تک عقیدہ رہتی ہے۔ نہ کہ چند ہزار یا چند لاکھ انسانوں کا، وہ بھی سو دو سو برس سے پیچھے ہی پیچھے، پھر اگر زندہ بھی رہے تو گھسٹتے ہوئے۔

قانون قدرت کی اس بنیاد پر مسلمانوں کا یہ ہی اعتقاد چلا آتا ہے کہ اخلاق اور روحانیت کے جن آسمانی معلمین کو صدیوں کی عمر اور بے شمار انسانوں کی عقیدت نصیب ہوئی ان کا احترام واجب ہے اور مسلمانوں کو اس پر فخر ہے کہ

ہر نیکی ہماری اور ہر نیک ہمارا!

ہے۔ اور امت اسلام کو زبان وحی نے "بہترین امت" اسی لئے قرار دیا ہے کہ وہ تمام صداقتوں اور تمام نیکیوں کی جامع ہے۔ اس نے ہر سچائی اور ہر نیکی کی میراث پائی اُسے دنیا میں پھیلایا، اور اس کی حفاظت کی۔ اور ہر صادق تائید یافتہ آسمانی کو یگانہ سمجھا، نہ کہ بیگانہ۔ اور اسکے ادب و احترام کو اپنا عقیدہ کر لیا۔

یہ ہے وہ "زندہ مذہب" جو "زندہ نبی" کی بدولت دنیا کو نصیب ہوا ہے، جس نے نسلی منافرت کو مٹا دیا، جس نے انسان کو نسلی اور وطنی تعصبات کی خاک سے پاک کیا۔ اور انسانی مجد و شرف کی راہ پیدا کر دی، جس نے دولت مند، اور غریب بادشاہ اور فقیر کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ ہر نیک اور راستباز کا ادب سکھایا، اور وہ بنیاد قائم کر دی، جس بنیاد پر بالآخر سب مذاہب ایک ہو کر رہیں گے۔ "وما ذالک علی اللہ بعزیز" اور عالمگیر مذہب کی بنیاد کیا ہے؟ ہر مقدس کا احترام، اور وہ تعلیم جو ہر فرستادہ آسمانی کی صداقتوں اور نیکیوں کی جامع و مانع ہے!۔

اسلام کی تشریح یہ ہی ہے، اور اس کا بنیادی مقصد بھی یہ ہی ہے، وہ کہتا ہے

خدا ایک اور اس کی راہ ایک ہے

اور سب انسان ایک ہیں، اور انہیں انسان نیک رہنا چاہیے۔ کیا دُنیا کے لئے عالمگیر مذاہب کا اس کے سوا کوئی اور اصول اور اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ ہو سکتا ہے؟ کیا دنیا کو "عالمگیر مذہب" کی ضرورت ہے تو پھر کیا اسلام کے سوا اور بھی کوئی ہے جس نے "عالمگیر مذہب" کی اس قدر منافی اور ٹھیک فطری اور نہایت محکم او مضبوط بنیاد قائم کی ہو؟ اور کیا خدا کی ہستی اور وحدانیت کی طرح اسلام کی یہ خصوصیت نمایاں اور ممتاز نہیں ہے۔

پس جس نے اسلام کو قبول کر لیا۔ اور جس نے اسلام کو پایا اُس نے سب کو قبول کیا اور پایا۔ اور سچائی اور ہر نیکی کو حاصل کر لیا

اور

زندہ نبی کے ہاتھوں زندہ ہوگیا

دُنیا کے تمام مذاہب کی حقیقی روح اب کہاں ہے؟ کیا زندہ نبی کے زندہ اور عالمگیر مذہب کے سوا اور بھی کہیں ہے؟ آؤ، اس کی تلاش کریں!

مہاتما بدھ کو گیا کے جنگل میں ایک درخت کے نیچے نورِ ازل وابد کا جو عرفان نصیب ہوا، چند صدیوں کے بعد پھر اس کا سراغ اُس دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا جس میں "مہاتما بدھ" کی روحانی تعلیم پھیلی تھی۔ اور یہ اس لئے کہ اس راستہ کی دشواریاں ناقابلِ عبور ہو گئی تھیں کیونکہ دلوں کی گرمی جاتی رہی تھی جس سے یہ منزل آسان ہو سکتی۔ مگر آج اسلام میں وہ پوری تعلیم موجود ہے جس نے اس راہ کی دشواریاں آسان کر دی ہیں اور "تیاگ" کی انتہائی صعوبتوں کی بجائے سادہ معاشرت میں "گیان کے درخت" کو پیدا کر دیا ہے اور دکھا اور بتلا دیا ہے کہ شاہدِ حقیقی کا چہرہ کس طرح ہزاروں کے روبرو بے نقاب ہوا اور ہوتا رہے گا!

دنیا کو ایک اور نہایت ہی دلکش روحانی تعلیم نصیب ہوئی اور وہ "ویدانت" کا فلسفہ ہے مگر چند صدیوں کے بعد کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ جو چیزیں صرف مقصد کا ذریعہ تھیں۔ وہ رہ گئیں اور مقصد نظر سے غائب ہو گیا۔

شادابیٔ دل آرزو رہ گئی ؎ چمن اُڑ گیا اور بو رہ گئی

اور اب نہ تو بودھسٹ (بھکشو) تلاشِ مقصود میں کامیاب ہے نہ سادھو اور جوگی۔

مگر اسلام نے "سادہ معاشرت" میں "تیاگ" کی صرف اتنی باتوں کو چن لیا ہے جو "حصول مقصد" کے لئے کم سے کم اور ضروری ہیں، اور "زندہ نبی" کی طاقتوں نے "ہما" کے پاؤں دکھا کر تلاشِ مقصود کو آسان کر دیا ہے کہ ناتوان چیونٹی "ہما" کے قدموں سے لپٹ جائے، اور اس کے قدموں سے لگی ہوئی وہاں پہنچ جائے جہاں اُڑ کر وہ پہنچے۔

اب ایک بھکشو اور ایک سادھو اور یوگی سب کچھ چھوڑ کر ہی مہاتما بدھ کے پیچھے چل سکتا ہے، اور ان کے یا فلسفۂ ویدانت کے راستہ پر چل کر ہی گذرنے والوں کے سفر منزلِ مقصود کی بلندی حاصل کر سکتا ہے اور یہ ناممکن ہو چکا ہے مگر

"زندہ نبی" کے نسخۂ آبِ بقا

کے استعمال کرنے والے "بہت کچھ" باقی رکھتے ہوئے اور آبادیوں میں رہتے ہوئے اور سادہ انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے "تلاشِ مقصود" میں کامیاب ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے اس لئے کہ وہ چلتے نہیں چلائے جاتے ہیں اُٹھتے نہیں اُڑائے جاتے ہیں۔ زندہ نبی کے سوا آج کون ہے؟ جو اُڑا لے گئے اور اپنی بلندیوں میں سے جس بلندی پر جس کو چاہے کھینچ لے۔

اس پرواز "ہما" کے ساتھ اُڑنے میں نہ تو ترکِ دنیا کے انتہائی مجاہدے ہیں اور نہ اس راہِ دشوار کی انتہائی زحمتیں

"پاور ہاؤس" سے بس "کنکشن" ملانے کی دیر ہے

کہ "کرنٹ" آجاتا ہے اور برسوں کی منزل دنوں میں طے ہو جاتی ہے۔

بہرحال یہ مقصودِ حقیقی کی باتیں ہیں اور زندہ نبی کے زندہ اور "عالمگیر مذہب" کی اصلی غرض وغایت کی ایک تشریح ہے۔ اور "زندہ نبی" کی ان حیات بخشیوں کا مفاد اور مآل کا یکساں ہے کہ انسان "ایک" بنے۔ اور ایک کے سوا وہ کچھ نہ بنے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ انتہائی مقصود ہر انسان کی منزل نہیں ہو سکتا۔ اس کے اہل تو ہر صدی میں چند سو افراد عالیہ ہی ہو سکتے ہیں، اور "بدھ ازم" اور "فلسفہ ویدانت" نے اپنی طاقت اور زندگی کے دور میں اتنا ہی تو کیا ہے کہ کروڑوں میں سے صرف چند نفوس کو کامیاب مقصود بنا دیا اور بس لیکن "راہِ عام" اور شاہراہِ اعظم کے جس پر انسان کی عام رفتار جاری ہے اس کا مآل و مقصود کیا ہے؟ یہ ہے کہ انسان اگر "ایک" نہیں ہو سکتا۔ تو "نیک" بن جائے!

آہ! زندہ نبی نے کیا نہیں سکھایا، یہ بھی سکھایا ہے کہ انسان کیونکر "ایک" ہو سکتا ہے، اور یہ بھی دکھا دیا ہے کہ وہ کس طرح "نیک بن سکتا ہے!"

جس کو طلب ہو کہ "ایک" بنے۔ اس کا مقصود بھی "زندہ نبی" کے پاس موجود ہے اور جس کی یہ خواہش ہو کہ "نیک" بن جائے۔ اس کے لئے بھی "زندہ نبی" کی فیض بخشیوں کا دروازہ کھلا ہوا ہے کہ آئے

اور "نیک" بن جائے!!

بدھ ازم اور ویدانت اپنے زمانہ میں دُنیا کے سب سے بڑے روحانی مذہب تھے۔ مگر آج ان کی زندگی اور طاقت کہاں ہے؟ ہزاروں برس کے سفر اور انقلاب نے اُن کی طاقت اور زندگی کو گم کر دیا ہے۔ پھر ذرہ وہ زندگی باقی ہے کہ ذرہ ایک صداقت بھی بچا کے لئے بھی نہ کر فنا کے لئے۔ اور ہو نہیں سکتا کہ کوئی صداقت بھی دنیا سے معدوم ہو جائے۔ اس لئے "زندہ نبی" کی پاک تعلیم نے اس کے بقاء دوام کا بھی سامان کر دیا۔

"زندہ نبی" اسی لئے بھیجے گئے کہ اس زمین پر قدرت کاملہ کی آسمانی اور روحانی طاقتیں اور حق و صداقت کی تمام راہیں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں۔ اور وہ محفوظ ہو گئیں۔ نہ صرف تھوڑی مدت کے لئے بلکہ ہمیشہ کے لئے۔

دُنیا کے ان دو روحانی فلسفوں کے علاوہ ایک اور مقام ہے جہاں خدا نے بار بار اپنے جلوے بے نقاب کئے اور انسان کو اتنا پیار کیا کہ اس سے پہلے اور کسی کو نہیں کیا۔ وہ "شرع موسوی" جس امت کے لئے نازل ہوئی تھی، اُس اُمت کو خدا نے تمام عالم سے افضل بنا دیا مگر انسانی بدبختیوں اور نامرادیوں کا ایک دردناک باب شروع ہوا۔ راستباز جھٹلائے جانے اور قتل ہونے لگے۔ اور "یہود" نے "ذریعہ" کو "مقصد" سمجھ کر "شریعت موسوی" کی روحانیت کو کھو دیا۔ یہاں بھی جسم رہ گیا۔ اور روح پرواز کر گئی۔ اور اس "بہتر و اصلح" کی بقا کے لئے ایک دفعہ پھر قدرت کاملہ نے اپنے ایک پیارے اور برگزیدہ بندہ کو بھیجا، جس نے اس قالب میں نئی روح پھونک دی، (صلواۃ اللہ و سلامہ علیہ)۔

حضرت مسیح نے فرمایا: "میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔ اور "کلوری" کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر پکارا۔

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ تو زنا نہ کر مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ جو غیر عورت کو بُری نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اس کے ساتھ زنا کر چکا!"

اس طرح شریعت کے تمام گوشوں میں نئی روح پھونک دی اور "ذریعہ" کو مقصد کے لئے استعمال کرنے کا راستہ صاف کر دیا۔ اور شریعت موسوی کی روحانیت زندہ کر دی۔

لیکن انسانی بدنصیبی اور سرکشی اور نامرادی نے چند صدیوں کے بعد پھر وہی کروٹ بدلی، جو ہمیشہ سے بدلی ہے، جبکہ معلم کی حقیقی عظمت کے بدلے میں انسانی گمراہی اپنے ذاتی بُت خانے پرستش کے لئے قائم کر دیا کرتی ہے، اور اس "عظیم الشان" "روحانیت" نے رسم کی شکل اختیار کر لی، شریعت پھیلا دی گئی، اور روحانیت کی بوئے خوش گوار بوئے چمن کی طرح اڑ گئی، اور تلاش مقصود حقیقی کے ہیکل میں کفارہ اور رہبانیت کے بتوں کی پوجا ہونے لگی۔

پس خدا جس کا قانونِ ارتقا ہمیشہ بلندی اور ترقی اور تکمیل کے لئے برابر جاری ہے، اس نے انسانی بدبختی اور گمراہی کی جڑوں کو دُور کرنے، اور ہمیشہ کے لئے "اپنی راہ" کو محفوظ بنا دینے کے لئے اُس آخری اور اکمل نبی کو بھیجا، اور ایسا سامان کر دیا کہ وہ اور اس کی روحانیت قیامت تک زندہ ہے۔ اُس "زندہ نبی" میں شان موسوی بھی تھی اور اعجاز عیسوی بھی تھا، حسن یوسفی بھی تھا، اور محبت ابراہیمی بھی تھی، اور حقیقی طور پر وہ ایک ہی ہستی تھی جو مشرق و مغرب کی تمام صداقتوں اور خوبیوں اور دلربائیوں کی جامع تھی، کوئی شان ایسی جو اُس کی نہ تھی، اور کوئی ادا نہ تھی جو اُس میں نہ تھی ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور یہ اس لئے کہ اپنی مخلوق پر اُس کا یہ احسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تھا!

یہ وہی زندہ نبی ہیں، جن سے کہا گیا کہ وہ اللہ کا آخری پیام لوگوں تک پہونچا دیں۔ اور انہوں نے میدان عرفات کی بلندی پر کھڑے ہو کر پکارا، کہ خدا کا آخری پیغام پہونچا کر ہم رخصت ہوتے ہیں۔ زبانِ وحی سے کہا گیا:۔ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (آج کے دن تمہارا دین کامل و اکمل کر دیا گیا۔ اور تم پر تمام آسمانی بخششوں کی نعمتیں بقائے دوام کے ساتھ پوری کر دی گئیں۔)

یہ ہے وہ خدا کا آخری پیغام، جو ہمیشہ کے لئے اور ہمیشگی زندگی کے لئے ہے، اور دُنیا کے ہر شخص کے لئے ہے۔ یہ کبھی فنا نہیں ہوگا، اس لئے ارشاد ہوا:۔ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (دنیا قرآن اپنا آخری اور جامع اور کامل پیام ہم نے نازل کیا، اور ہم ہی ہیں جو اس کے حافظ و محافظ ہیں، کہ بہترین کی بقا ہمارا دستور ہے، اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں، اور اس شریعت کے پیچھے ہمارا کوئی دوسرا قانون نہیں)۔

پس کیا یہ حقیقت جو آج دنیا کے روبرو ہے، عجائبات میں سے نہیں کہ اس الٰہی پیغام کا ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی اِدھر سے اُدھر نہیں ہوا۔ اور قرآن کے سوا کوئی آسمانی پیام نہیں ہے، جو اس طرح جوں کا توں موجود و برقرار ہو۔ اور دنیا کے تمام مقتدایانِ مذاہب میں کوئی دوسرا نہیں ہے کہ وہ "زندہ نبی" کی طرح زندہ ہو، اور اُس کی پوری زندگی کی ہر بات ہر ادا اور ہر شان اس طرح محفوظ تاباں اور درخشاں ہو گویا آج ہی اس کا ظہور ہوا ہے!

قرآن محفوظ اور ذات پاک محمد مصطفیٰ صلعم زندہ!

ہے اور زندہ کتاب، مسیحا نبی یہ سب قدرت کاملہ الٰہیہ کے عجائبات آج ہم سب کے اندر موجود ہیں، اور اس لئے موجود ہیں کہ انسان "ایک" ہو جائے۔ یا "نیک" بن جائے۔ کیونکہ وہ جس نے ہمیں پیدا کیا، ہم سب اس کے بندے ہیں، اور اس کا پیار اس کی محبت، اس کے ہر بندے کے لئے ہے۔ پس اس نے چاہا اور پسند فرمایا کہ وہ ایک ہے تو اس کے سب بندوں کے لئے مذہب بھی ایک ہو۔ تاکہ وہ ایک اور نیک بنیں۔ کیونکہ خدا ایک ہے، اس کی بادشاہی ایک ہے، اس کے لئے سیدھی اور سچی راہ ایک ہے، اور زندہ مذہب اور زندہ نبی ایک ہے، اور وہ اسلام ہے، اور دنیا کے اعظم مقتدا،

خدا کے محبوب زندہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں۔ اس "زندہ نبیؐ" کے بعد ہرگز کوئی نبی نہیں ہے۔ اور اس شریعت کاملہ کے بعد ہرگز کوئی شریعت نہیں ہے۔ اس کا انکار، نظام قدرت الٰہیہ پر ایک حملہ اور زندہ نبی کے ایک عظیم الشان مجد و شرف کا، اور اسلام کی بنیادی غرض و غایت کا انحراف و انکار ہے۔

اس پر افسوس جس نے "زندہ نبیؐ" کو پایا۔ اور اپنی زندگی کی فرصتوں کو ضائع کر دیا اور اپنے آپ کو خدا کی راہ میں قربان نہ کیا۔ اس کو مبارک باد جس نے زندہ نبی کو پہچانا، اور اسے پہچان کر خدا کی بڑی بادشاہی میں داخل ہوا۔ اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لی۔

آہ! زندگی مادی دنیا سے مفقود ہو چکی۔ عالمگیر مصیبتیں اور بربادیاں ہیں، اور انسان بے بس، مگر اس آسمان کے نیچے اس کا چارہ کار یہی ہے اور وہ زندہ نبی کا زندہ اور عالمگیر مذہب ہی ہے جو انسانی آبادیوں کے دکھوں اور مصیبتوں کو دور کر سکتا ہے۔

اسلام کے سوا کسی مذہب کی نہ یہ رفتار ہے، نہ یہ اس کا دعویٰ ہے، نہ اس میں یہ طاقت و قدرت ہے کہ وہ دنیا کا عالمگیر مذہب ہو سکے۔

درود اور سلام حیات النبیؐ زندہ رسول پر جو عالمگیر مذہب کی بنیاد ہیں، جو ہر غریب کا سہارا ہیں اور اس آسمان کے نیچے جن کے سوا غریبوں کا کوئی آسرا اور سہارا، اور ٹھکانا نہیں ہے

ایک سمندر جس میں تمام دریا آکر مل گئے!

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "عالمگیر مذہب" وہی ہوگا کہ ایک سمندر ہو جس میں تمام دریا آکر مل گئے ہوں۔ جس میں سب آسمانی مذاہب کی صداقت اور روح زندہ طور پر موجود ہو۔ یعنی وہ مذاہب سابقہ کی خوبیوں کا جامع ہو۔ اور اس نے مقتدایان مذہب اور برگزیدگان حق کے ادب و احترام کے ساتھ قلوب وابستہ کر دیئے ہوں۔

آج روئے زمین پر یہ کس مذہب کی شان ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف اس مذہب کی شان ہے جو زندہ نبیؐ کی بدولت ہمیں نصیب ہوا۔

ایشیا کی وہ روحانیت اب کہاں ہے؟ جس کے لئے بدھ ازم اور ویدانت کی شہرتیں ہنگامہ آرا تھیں۔ اب تو اسلام ہی وہ تنہا مذہب ہے جس نے حقیقی روحانیت کو کامل و اکمل ارفع و اعلیٰ شکل میں بقائے دوام کے درجہ پر پہنچایا اور ایسا کر دیا کہ اب وہ نہایت صاف سادہ اور عملی سبق ہے، اور تخیلات کے دائرے سے ہر ایک زمانہ کے روبرو موجود ہے۔ اور لاکھوں کو منزل مقصود پر اور بے شمار بندگان حق کو فلاح دین و دنیا کے درجہ پر پہنچانے میں کامیاب ہے۔ اسلام ہے جس نے غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ دہلوی رحمہم اللہ اور دیگر ایسے اکابرین پیدا کئے کہ نبوت کے سوا قربت خداوندی کے انتہائی منازل پر فائز ہوئے۔ اور لاکھوں کو کامیاب بنا گئے اور دکھا گئے کہ جو دوسروں کو کامیاب مقصود کر سکیں وہ ایسے ہوتے ہیں اور بارگاہ رسالت مآب کے ساتھ ان کی کیسی زندگی ادب و تعظیم کا ایسا عالم ہوتی ہے؟۔

پھر شریعت موسوی اور روحانیت مسیحی کی خوبیاں اور عنایات اور روح پرور طاقتیں اب کہاں تلاش کی جائیں کہ صدیوں سے ہیکلیں ویران اور خانقاہیں سنسان پڑی ہیں۔ جس مذہب کی طاقت اور زندگی نے انہیں زندہ کر دیا اور اس کھنڈر پر نئی دنیا آباد کر دی۔ یہ اسی اسلام کا کرشمہ ہے جو "زندہ نبیؐ" کے ساتھ نازل ہوا۔ اسلام ان دونوں آسمانی مذاہب کی جامعیت اور دونوں کے تکمیل مقاصد کی اپنے اندر نرالی شان رکھتا ہے۔ وہ سلسلۂ مذاہب آسمانی کا آخری حلقہ، اور کل مذاہب حقہ کی وہ آخری منزل ہے جس نے اس پر پوری عمارت کو مکمل کر دیا ہے۔ خود آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ

"میں آخری اینٹ ہوں"!

یہی مذہب اگر عالمگیر نہیں تو پھر وہ کہاں ہے؟ اور یہ نہ یہ جامعیت اور یہ ہمہ گیری اسلام کے سوا اور کس میں ہے؟

جو مذہب کہ تمام عالم کے لئے ہو اس کی پہچان یہ ہی ہوگی کہ اس کا قبول کسی آسمانی صداقت کا انکار نہ ہو۔ اس کی یہ تعریف ہرگز درست نہ ہوگی کہ وہ صرف ایک فلسفہ ہے۔ یا محض ایک شریعت ہے یا فقط ایک طریقت ہے۔ یہ سب مل کر ہی مذہب عالمگیر ہے نہ کہ علیحدہ علیحدہ۔ اور ان کا قوام و امتزاج ہمیشہ کے لئے اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ اس کا داعی زندۂ جاوید، اور اس کی روحانی طاقتیں غیر فانی ہوں۔ پس اگر کوئی یہ چال چلے کہ فلسفۂ اخلاق

طریق تزکیۂ باطن اور قوانین مدنیت کے چند اصول اور قوانین چن لیے اور اِدھر اُدھر کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی اس کشکول کے لئے کہے کہ بس یہ ہی وہ مذہب ہے جس سے دنیا کی نجات ہوگی تو ظاہر ہے کہ خواہ اس فریب میں کوئی مبتلا ہو یا نہ ہو مگر اس دہوکہ اور فریب کا وہ خود شکار ہوگا۔ اور ٹھکرا دیا جائے گا عالمگیر مذہب تو وہ ہی ہوسکتا ہے جس میں مذاہب آسمانی کی معنویت اور روحانیت کے ساتھ خود زندگی اور طاقت ہو اس قدر کہ انسان کو انسان بن کر رہنا سکہائے اور انسان کو خدا سے ملائے!۔

ایسے مذہب کی بقا "زندہ نبی" کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ ایسے زندہ نبی کے بغیر جس کی حیات کا دامن قیامت کے دامن سے وابستہ ہو۔ اور وہ ایسا "روشن چراغ" ہو جس چراغ سے چراغ قیامت تک روشن ہوتے چلے جائیں۔ یہ

"سراج منیر" یہ مقدسین کا پیشوا کائنات میں صرف ایک ہے۔ دوسرا نہیں ذات پاک حضور سرور کائنات فخر موجودات ہی کی یہ شان ہے کہ مُردہ زمین کو زندہ کردیا۔ اور آسمانی بخشش و رحمت کے دروازے ہر ایک کے لئے کہول دیئے۔ اور تمام قوموں کے نام خدا کا آخری زندگی بخش اور عالمگیر پیغام دنیا کے کناروں تک پہونچا دیا۔

وہی بس وہی ہیں کہ ہر غریب کا سہارا اور دنیا کے ہر درد کی دوا اور آسمان رشد و سعادت کا وہ آفتاب ہیں جس آفتاب سے عالم غیب اور شہادت دونوں کو صبح سعادت ہمیشہ نصیب ہوتی رہیگی

چشمم آں دم کہ ز شوق تو نہد سر بہ لحد
تا دم صبح قیامت نگران خواہد بود

نخلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھل

(از جناب مولانا عبدالحمید صاحب سکرٹری تبلیغی انجمن مدرسہ دہلی)

محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبی کامل نہ تھا — وحشیوں میں دین کا پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار
پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اک معجزہ — معنی راز نبوت ہے اسی میں آشکار
نور لائے آسمان سے تھے بھی دہاں لوگ — قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار
وحشی میں جہ تاباں کی بھلا کیا فرق ہے — گرچہ نکلے روم کی سرحد سے باز رنگبار

حضور سرورِ کائنات صلعم کی پاکیزہ زندگی اور قوت قدسیہ کا اثر مختلف پہلوؤں سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک پہلو یہ بھی ہے۔ جو کہ مذکورہ بالا آیت میں ذات باری تعالے نے بیان فرمایا ہے۔ کہ محمد اللہ تعالے کے رسول برحق ہیں آگے اس دعویٰ کا ثبوت یوں دیا کہ ان لوگوں کو دیکھو جو آپ کے اخلاق اور محاسن کے مظہر۔ آپ کی تعلیم و تربیت کے مثالی ہیں۔ آپکی ہدایت و ارشادات کے مخاطب اول اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے فیض صحبت سے بہرہ یاب تھے۔ اول اول جب دنیا کے اس سب سے بڑے انسان نے دنیا کو عقائد و اعمال کی اصلاح کی دعوت دی۔ تو ریگستان عرب کے ایک ذرے نے بھی اس کا جواب نہ دیا۔ لیکن صداقت کے اثر و تربیت پذیری کے جوہر نے چند ہی دنوں میں اس کے آگے پیچھے۔ دائیں بائیں غرض ہر طرف ان جاں نثاروں کی قطاریں کھڑی کر دیں جن کے وجود سے دیگر انبیاء علیہم السلام کی تاریخ یکسر خالی ہے۔ عرب کے مقابلے میں عرب کے طبائع کے مقابلے میں عرب کی قدامت پسندی کے مقابلے میں۔ عرب کی بت پرستی اور شرک و بدعت کے مقابلے میں۔ عرب کے ادیان کے مقابلے میں۔ اور دنیا کے کل دیگر مذاہب کے مقابلے میں آپ نے جس طرح اپنے مقدس فرض کو سرانجام دے کر دنیا کی سب سے گری ہوئی وحشی قوم کو جو سانپوں کی جا، اور بھیڑیوں کے لئے موجب ننگ تھی وحشیانہ حالت سے انسان اور انسان سے مہذب انسان۔ اور مہذب انسان سے با اخلاق۔ اور با اخلاق سے باخدا انسان بنایا اس کی نظیر تلاش کرنا لاحاصل ہے اگر یہ خدا کے تصرف اور آپ کی توجہ کا اثر نہ تھا تو پھر وہ کیا چیز تھی جو ان درندوں کو اسلام کی طرف کھینچ لائی جس میں سے اکثر بحالت کفر آپ کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے۔ لیکن پھر اس مقدس انسان کے آستانے پر آ گرے جو بے کسی اور مسکین اور بے زری کی حالت میں مکہ کی گلیوں میں تنہا اور اکیلا پھرتا تھا۔ یہ یقیناً حضرت سرور دو عالم کی ذات کے برکات ہی تھی جس نے ایک آن میں ان کی کایا پلٹ کر انہیں کندن بنا دیا اور ان کو ایسا خدا دکھا دیا کہ باوجود آفتوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے وہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

ذیل کی باتوں سے یہ بآسانی معلوم ہو سکے گا کہ کس طرح رسول خدا صلعم نے نفوس بشریہ کو تہذیب اخلاق کے کمال تک پہنچا کر۔ مذہب۔ علم۔ سیاست۔ اخلاق۔ غرض ہر پہلو سے دنیا کا استاد بنا دیا۔

توحید صحابہ کرام توحید کے کلمے کو راس الاعمال سمجھتے تھے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی وفات کا وقت آیا تو رونے لگے۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں کیا موت سے ڈرتے ہیں بولے خدا کی قسم نہیں صرف واقعات بعد الموت کا خوف ہے۔ بیٹے نے تسکین دی۔ اور کہا آپ عمر بھر نیک کام کرتے رہے رسول اللہؐ کا فیض صحبت پایا اور آپ نے مصر و شام میں فتوحات کیں۔ بولے تم نے سب سے بہتر چیز شہادت لا الٰہ الا اللہ کو تو چھوڑ ہی دیا۔

حضرت ابو فکیہہؓ مبتلائے عذاب کفار تھے لیکن اس حالت میں بھی جب ان کے آقا صفوان نے ایک گبریلے کی طرف اشارہ کر کے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ تیرا خدا یہی تو نہیں۔ تو بولے کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

شرک سے بیزاری زمانہ جاہلیت میں جھاڑ۔ پھونک گنڈے وغیرہ کا عام رواج تھا۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ بی بی نے گلے میں گنڈہ ڈال رکھا ہے توڑ کر پھینک دیا اور کہا آلِ عبداللہؓ شرک سے بے نیاز ہے۔

حضرت ہندہ بنت عتبہؓ جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت تھا اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے۔

عبادت صحابہ کرام عبادت میں خاص لذت محسوس کرتے

تھے ایک دفعہ ماہ رمضان المبارک آیا تو صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ اس مہینے میں عبادت میں خاص لطف آیا دوسرے مہینوں میں بھی ایسی عبادت بتائیے خود قرآن مجید گواہی دیتا ہے کہ رجالٌ لا تلہیہم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ کہ صحابہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کو تجارت کے کاروبار عبادت سے نہیں روکتے حضرت عمرؓ کو جس دن زخم لگا اسی رات کی صبح کو لوگوں نے نماز فجر کے لئے جگایا تو بولے ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ اس حالت میں کہ زخم سے خون جاری تھا نماز پڑھی۔

اکل حرام سے اجتناب صحابہ کرام اگرچہ تنگدست اور فاقہ مست تھے لیکن حلال طیب کے سوا اکل حرام سے آلودہ نہیں ہو سکے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بہت کچھ مال دینا چاہا اور دے کر یزید کی بیعت پر آمادہ کرنا چاہا۔ اور اس غرض سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ان کی خدمت میں بھیجا لیکن انہوں نے کہا میرے پاس سے چلے جاؤ اور پھر کبھی نہ آؤ۔ میرا دین تمہارے درہم و دینار کے معاوضہ میں بک نہیں سکتا۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ دنیا سے جاؤں تو میرا ہاتھ پاک و صاف ہو۔

شراب نوشی سے اجتناب شراب کی حرمت کے ساتھ ہی اس دیرینہ عادت کو اس طرح ترک کر دیا گویا انہوں نے جام و ساغر کو کبھی منہ ہی نہیں لگایا تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ۔ ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا کہ رسول اللہ صلعم نے حرمت شراب کی منادی کرائی ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ نکل کر دیکھو یہ کیسی آواز ہے۔ میں گھر سے نکلا اور پلٹ کر کہا کہ شراب حرام ہو گئی۔ ابو طلحہؓ نے مجھ سے کہا تو شراب کو گرا دو اور لوگوں نے اس کثرت سے شراب گرائی کہ مدینے کی گلیوں میں بہنے لگی

بدکاری سے اجتناب صحابہ کرام میں عفت و عصمت کا ایسا احساس پیدا ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت نازک موقعوں پر بھی ان کا دامن اس معصیت سے آلودہ نہیں ہونے پاتا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے تھے کہ مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک بدبو سے بھر جائے لیکن یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی اجنبی عورت کی خوشبو گئے۔ حضرت عائشہؓ کے کانوں میں جب راگ کی بھنک پڑی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

شرم و حیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے کہا کہ آپ حمام کیوں نہیں کرتے یہ بولے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ میری شرمگاہ پر کسی کی نظر پڑے اس نے کہا تو تہ بند باندھ لیجئے بولے میں کسی دوسرے کی شرمگاہ کو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

دیانت حضرت عقیلؓ غزوہ حنین سے واپس ہوئے تو بی بی کو سوئی لا کر دی کہ اس سے کپڑا سینا اتنے میں رسول اللہؐ نے منادی کرا دی کہ سب مال غنیمت لا کر اکٹھا کریں انہوں نے فوراً بی بی سے سوئی لے کر مال غنیمت میں داخل کر دی۔

استغنا ایک بار عبدالعزیز بن مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو لکھا کہ میرے دربار میں اپنی ضرورتیں پیش کیجئے انہوں نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ خیرات اس ہاتھ سے شروع کرو جس کے تم کفیل ہو نہ میں تم سے کچھ مانگتا ہوں اور نہ اس رزق کو واپس کرتا ہوں جو خدا مجھ کو تمہارے ذریعہ سے دیتا ہے۔

جانوروں پر شفقت ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک چرواہا ایک جگہ بکریاں چرا رہا ہے ان کو دوسری جگہ اس سے بہتر نظر آئی تو کہا کہ وہاں لے جاؤ کیونکہ قیامت کے دن ہر راعی سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

صبر و ثبات کفار نے جب حضرت خبیبؓ کو شہید کرنا چاہا تو انہوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ اگر تم کو یہ خیال نہ پیدا ہوتا کہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں تو ان رکعات کو اور زیادہ طویل کرتا۔

تحفظ عزت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس روز شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے وہ انہیں دیکھ کر بولیں بیٹا قتل کے خوف سے کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے، خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔

مسکین نوازی حضرت حارثؓ اندھے ہو گئے تھے اس لئے دروازے سے ایک دھاگا باندھ رکھا تھا جب کوئی مسکین آتا تو ٹوکری سے کھجوریں لیتے اور دھاگے کے سہارے سے دروازے تک آ کر دیتے گھر والوں نے کہا ہم آپ کا یہ کام کر سکتے ہیں بولے رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینا بری موت مرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایثار ایک غزوہ میں حضرت عکرمہؓ حضرت حارثؓ حضرت سہیلؓ زخم کھا کر زمین پر گر پڑے نزع کا وقت تھا ایک شخص پانی لایا اور حضرت عکرمہؓ کو پلانا چاہا بولے پہلے سہیلؓ کو پلاؤ ان کے پاس پانی آیا تو بولے حارث کے پاس لے جاؤ بالآخر کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دے دی۔

عفوو درگذر صحابہ کرام والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کے مصداق تھے ایک دفعہ حضرت صفوان مسجد میں چادر بچھا کر سو رہے تھے ایک شخص آیا اور چادر کو چرا کر لے جانا چاہا۔ انہوں نے اس کو پکڑا اور نبی کریم صلعم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ تو بولے کیا ۳۰ درہم کے لئے آپ اس کا ہاتھ کاٹتے ہیں میں یہ چادر اس کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہوں قیمت بعد کو ادا کر دیگا فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا۔

محبت اولاد اور انکی پرورش حضرت جابر بن عبداللہ کے والد نے متعدد صغیر سن لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کیا تو حضرت جابرؓ نے ان کی پرورش کی غرض سے ایک ثیبہ عورت سے شادی کی رسول اللہ صلعم نے فرمایا کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی کہ وہ تم سے کھیلتی۔ تم اس سے کھیلتے۔ بولے باپ شہید ہوا صغیر سن لڑکیاں چھوڑیں اس لئے ایسی عورت سے نکاح کرنا پسند کیا جو انکی خبر گیری کرے ان کے بالوں میں کنگھی کرے اور ان کے تمام کام انجام دے۔

ہمسایوں کے ساتھ سلوک صحابہ کرام نہ صرف اپنے عزیز و اقارب بلکہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمیرؓ نے ایک بکری ذبح کی پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا گھر والوں سے پوچھا تم نے ہمارے یہودی ہمسائے کے گھر گوشت بھیجا یا نہیں؟ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ کو ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں سمجھا کہ ان کو شریک وراثت بنا دیں گے۔

غلاموں کے ساتھ سلوک صحابہ کرام غلاموں تک کی آسائش کا خیال رکھتے تھے اور کبھی سخت کام نہیں لیتے تھے ایک بار ایک شخص حضرت سلیمان فارسیؓ کے پاس آیا دیکھا کہ بیٹھے ہوئے آٹا گوندھ رہے ہیں اس نے کہا غلام کہاں ہے؟ بولے ہم نے اس کو ایک کام کے لئے بھیجا ہے اس لئے یہ پسند نہیں کیا کہ اس سے دو دو کام لیں۔

حسن معاملت صحابہ کرام کے لین دین کے تعلقات بھی نہایت اعلیٰ تھے وہ ادائیگی قرض کا خیال رکھتے تھے قرضداروں کو مہلت دیتے اور بسا اوقات قرض معاف کر دیتے دوسروں کی جانب سے قرض ادا کرتے اور وصیتوں کو پورا کرتے بیبیوں کے درمیان عدل رکھنے کا یہاں تک خیال رکھتے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ جب ایک کی باری ہوتی تو اس دن نہ دوسری کے گھر کا پانی پیتے تھے اور نہ اس کے گھر کے پانی سے وضو کرتے تھے۔

طرز معاشرت صحابہ تکلفات اور آرائش کے سامان سے پرہیز کرتے تھے۔ تجارت اور اپنا کام خود کرتے تھے۔ دست سوال دراز کرنے سے نفرت کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ زہد و قناعت کی وجہ سے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے ایک بار ان کو کسی نے جوارش دی اور کہا یہ کھانا ہضم کرتی ہے بولے میں تو مہینوں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتا مجھے اس کی کیا ضرورت ہے۔

ان تمام حالات پر نظر ڈالنے سے ہر عقلمند انسان آسانی کے ساتھ اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ یہ حضرت سرور کائنات صلعم کی خوف قدسیہ اور روحانی توجہ کا نتیجہ تھا کہ درندے بااخلاق اور باخدا انسان بن گئے اگر آسمانی کتابوں کا یہ بیان صحیح ہے کہ "اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور برا درخت برا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت برا پھل نہیں لاتا اور نہ برا درخت اچھا پھل لا سکتا ہے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں" تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم کے لگائے ہوئے درخت سے ایسے اعلیٰ پھل نکلے کہ کسی دوسری جگہ اس کی نظیر تلاش کرنا لاحاصل ہے۔ پس سوچنے کا مقام ہے کہ جو پاک انسان اپنی روحانی قوت سے دوسروں میں ایسا عظیم الشان تغیر پیدا کر سکتا ہے اسکی اپنی زندگی کیسی پاک اور مطہر ہوگی صلی اللہ علیہ وسلم۔

کر دوں گا خاک ہستی مٹ کر تری گلی میں

(از جناب منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی)

چمکا جو نور وحدت محراب بیخودی میں — سجدہ دل نے گھر بنایا آغوش بندگی میں
جو مدعا ہے دل کا کیونکر بنے ہنسی میں — سن لے وہ کاش میری حسرت بھری بھجن میں
تاثیر عشق لائی یہ رنگ بیخودی میں — جس سے الگ الگ تو مل گیا اسی میں
دل اپنا آئینہ ہے انکی تجلیوں کا — صورت نگر جہاں کی ہے روشنی میں
گلشن میں تو نے ہنس کر سب کو ہنسا دیا ہے — انداز دیکھتا ہوں تیرے کلی کلی میں
ہم بین وہ حسین ہے جو پیرہن سے تیرا — گل کھل رہے ہیں یا کہ روشن ہے سرکار
کچھ تو نے بھر دیا ہے ایسا طلسم قدرت — ہیں گلشن جہاں کی رنگینیاں بھی
مایوسیاں ہیں دل کی عبرت کا اک نقشہ — حسرت بھری ہے دنیائے بیکسی
اک پرتو اسی کے یہ نور ذات کل ہے — ہے آشکار و پنہاں جو حسن ہر ذی
ہو کر غبار منزل ذروں میں مل ہو گا — کر دوں گا خاک ہستی مٹ کر تری گلی
دلپذیر ہوئی ہے تصویر حسن پنہاں — نقش و نگار فطرت ہیں جلوہ گر جو
غنچہ صفت جہاں میں لب بند ہوئے — پنہاں ہے پیدا راز لاکھوں اک ہنسی
غفلت میں عمر گذری کی کچھ نہ فکر عقبیٰ — آیا نہ ہوش ہم کو اک دن بھی زندگی
کس شے پہ ہے جہاں میں انسان کو نازہستی — دم کے سوا دھرا ہے کیا اور آدمی
تعبیر جس کی رونق تھی اک سرا بگویا — وہ خواب تھا فنا کا دیکھا جو زندگی

کامل و مکمل انسان

(از جناب مولانا سید قریش صاحب شمسی)

دنیا کے تمام بانیان مذہب و مصلحین اخلاق میں با امتیاز شرف صرف حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ آپ کی زندگی کے تمام اجزا پیدائش سے لے کر وفات تک کا ہر لمحہ آپ کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور آپ کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے۔ آپ کے صحیفہ حیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اہل وطن کی آنکھوں سے اوجہل یا تاریخ و سیر کی کتابوں سے مخفی ہو۔ کیا دنیا نے خدا کے اس مقدس اور برگزیدہ انسان کی زندگی کا مطالعہ اب تک نہیں کیا ہے؟ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت گھر گھر پہونچ چکی ہے۔ شاید ہی کسی دوسرے انسان کی زندگی اور سوانح حیات اتنے عام ہوئے ہوں جس قدر کہ اب تک سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زندگی ہر متنفس کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔

آپ کا خلق عظیم، آپ کا صبر و تحمل، آپ کا عزم و استقلال، آپ کا لطف و کرم، آپ کی سادہ معاشرت و معیشت، آپ کی روحانیت و عبادت، آپ کی امانت و صداقت اور اسی قسم کے ہزارہا اوصاف جنہوں نے صرف کفار مکہ ہی کو عاجز و متحیر نہیں کر دیا تھا بلکہ کفار امریکہ و لندن اور ساکنان پیرس و جاپان بلکہ کفار ہند بھی آج اسی طرح حیران ہیں جس طرح کسی زمانہ میں ابوجہل و ابولہب اور ولید بن مغیرہ جیسے متمرد و سرکش متحیر تھے۔ اگر تعصب و عناد کے ناپاک جذبہ سے قطع نظر کر لیا جائے تو آج کونسا دل ہے جو کمالات محمدیہ کا معترف نہیں، کونسی گردن ہے جس پر سید ولد آدم صلعم کے احسان و کرم کا بار جبہ نہیں، کائنات میں وہ تنہا اور خدا کی خدائی میں وہ اکیلا انسان تھا جسکو قدرت نے اپنے گوناگوں صفات کا کامل آئینہ اور مکمل مظہر بنا کر بھیجا تھا، اس کی تعلیم ایک طرف حقوق اللہ کی ضامن تھی تو دوسری طرف اسی آب و تاب سے حقوق العباد کی بھی کفیل تھی، اس کی تلقین ایک طرف میخانۂ عشق الٰہی سے سرشار کرتی تو دوسری طرف عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے ہٹنے نہیں دیتی، اس کا دین نہ تو خالص رہبانیت تھا! ورنہ محض مادیت کا حامی بلکہ اس نے جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کیا وہ افراط و تفریط سے بری اور دنیا و دین کا مجموعہ تھا۔

رزم و بزم، سفر و حضر، خلوت و جلوت، مجمع و تنہائی ہر حال میں عام حکم تھا۔

• بلغوا عنی ولو کلمۃ جو کچھ دیکھو منظر عام پر لے آؤ، اور یہ اس لئے کہ وہ خود اپنی حیات طیبہ کا ایک مجسمہ اور اپنی تعلیم کا آپ مکمل نمونہ تھا، انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا گھر کے خلوت کدۂ نیاز میں بھی اسی طرح نظر آتا تھا، انسان کے حالات سے واقف کار اور اس کے اخلاق کا رازدار بیوی، بھائی اور بچپن کے ساتھ کھیلے ہوئے رفیق سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔

ابو طالبؓ جو حضورؐ کے مربی اور چچا تھے جن کی نگاہوں میں آپ کے بچپن اور عنفوان شباب کا دفتر کھلا ہوا تھا، وہ آپ کے متعلق کہتے ہیں۔

لم ارمنہ کذبۃ ولا ضحکا ولا جاھلیۃ ولا وقفا مع الصبیان۔ — میں نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے یا ہنسی مذاق کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ کبھی جاہلیت کے کام کرتے ہوئے اور نہ کبھی بازاری لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں لگے ہوئے پایا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ جو نبوت سے پیشتر اور نبوت کے بعد پچیس[۲۵] سال تک آپ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں، زمانہ آغاز وحی میں آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں۔

کلا! واللہ ما یحزنک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ — ہرگز نہیں، خدا کی قسم آپکو خدا کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرتؐ کے آغوش پروردہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں: آپ خندہ رو اور نرم مزاج تھے، تنگدل اور درشت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہ رکھتے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی اظہار شکر فرماتے، اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی پر خفا نہیں ہوئے اور نہ کبھی انسانی خون کا ایک قطرہ بھی بہایا بجز اس کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔

یہ تو ان صاحبوں میں سے چند حضرات کے اجمالی بیانات ہیں جنہوں نے آپکی خدمت میں سالہا سال اور مدت ہائے دراز بسر کی تھیں اب میں صرف ان شہادتوں میں سے دو چار کو قلمبند کرتا ہوں جو دشمنوں کے اعتراف کے ہاتھ سے آ سکی ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف اپنے عقیدتمندوں ہی کے ہجوم میں نہیں رہے بلکہ مکہ میں نبوت سے پہلے چالیس سالہ زندگی قریش کے ساتھ گذاری اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ معاملات اور تاجرانہ لین دین کے تعلقات بھی ان کے ساتھ رکھے جس کے قدم قدم پر خیانت و بدنیتی ہوتی ہے مگر انہوں نے ہمیشہ آپکی

دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا حتی کہ قریش نے متفقاً آپکو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوت کے بعد بھی اگرچہ قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے لیکن پھر بھی ان کی دولت کے لئے مامون مقام آپ ہی کا کاشانۂ اقدس تھا۔

جب آنحضرت کو بارگاہ ایزدی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا "اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر آ رہا ہو تو تم کو یقین آئے گا؟" سب نے کہا "نعم! ما جربنا علیک کذبا۔ ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا"۔

سب سے بڑھ کر نازک شہادت وہ ہے جبکہ قاصد نبوی قیصر روم کے دربار میں پہونچا تھا اور قیصر نے اپنے دربار میں آپ کے متعلق آپ کے سب سے بڑے دشمن و مخالف ابوسفیان سے تصدیق حال کے لئے جو چند سوالات کئے تھے ان میں سے دو سوال یہ تھے "دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغگو بھی پایا؟" ابوسفیان نے کہا "نہیں" دوسرا سوال یہ تھا "کیا محمد نے کبھی بد عہدی بھی کی ہے؟" ابوسفیان کو یہ جواب دینا پڑا کہ "نہیں" حالانکہ یہ شہادت ایک ایسے دشمن کے حق میں ہوتی ہے جسے ابوسفیان صفحۂ ارض سے مٹا دینا اپنا نصب العین سمجھتے تھے اور وہ بھی ایک ایسے باسرو سامان بادشاہ کے دربار میں جس کی اعانت سے یہ بظاہر کامیاب بھی ہو سکتے تھے اس سے بڑھ کر کاملیت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے!

یہی نہیں کہ عرب کے وحشی کفار ہی آپ کے کمالات کے معترف تھے عیسائیوں نے مذہبی تعصب کی بنا پر اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور ان کے پادریوں نے طرح طرح کے ناپاک الزامات بھی داعی اسلام پر لگائے لیکن پھر بھی کمالات محمدیہ کا یہ معجزہ ہے کہ انہیں بھی شہادت دینا پڑی۔

مشہور فرانسیسی پروفیسر سید یو لکھتا ہے کہ "آپ (محمدؐ) خنداں پیشانی خلیق، بہ کثرت خدا کا ذکر کرنے والے، بیہودہ اور فضول باتوں سے نفرت کرنے والے اور بہترین عقل اور بہترین رائے رکھنے والے انسان تھے"۔

ٹامس کارلائل جیسے متعصب شخص کا قلم بھی اس ذات پاک کے متعلق یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ "ہم لوگوں (عیسائیوں) میں جو یہ مشہور ہے کہ محمدؐ ایک فریبی اور مفترق شخص تھے اور گویا (نعوذ باللہ) جھوٹ کے اوتار تھے، اور ان کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا مجموعہ ہے اب یہ باتیں غلط ثابت ہوتی جا رہی ہیں متعصب عیسائیوں نے جتنے الزام لگائے تھے اب وہ سب ہماری روسیاہی کا باعث ہیں"۔ آگے چل کر پھر رقمطراز ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ بت پرستی کو مٹانا اور خدائے واحد کی عبادت ایک ایسی قوم میں رائج کر دینا جو انتہا درجہ کی بت پرست ہو اور خدا کو بھول گئی ہو فی الحقیقت ایک ایسے ہی شخص کا کام تھا جسے خود خدا نے مقرر کیا ہو"۔

خویش و بیگانے دوست و دشمن کے خیالات تو آپ نے سن لئے اور گو یہ ہزاروں مختلف شہادتوں میں سے صرف دو چار ہی ہیں مگر ان سے یہ اندازہ ضرور ہو گا کہ آپ کی ذات کامل جو دوستوں کی نظروں میں ہستی تھی وہی دشمنوں کی نگاہ میں بھی ایسی کاملیت کی دلیل سیرت محمدی کے سوا اور کہاں مل سکتی ہے؟

آپ نے اپنی بعثت کے بعد جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی وہ ایسی کامل اور مقدس تعلیم تھی جس پر عمل پیرا ہو کر وحشی سے وحشی انسان بھی دنیا کا قائد اعظم بنا۔

مذہب کے اہم اجزا دو ہیں عقائد و اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد تصحیح عقائد تھا عقائد میں بدترین چیز شرک ہے اور شرک کا پیدا ہونا یا چہ انبیا و صلحا کی مبالغہ آمیز تعریف سے ہے آنحضرت صلعم اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے حضرت عیسیٰؑ کی مثال پیش نظر تھی اس لئے جس قدر اہتمام کے ساتھ آپ نے توحید خالص کو پیش کیا کسی نبی نے نہیں کیا آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریمؑ کی کیا کرتے تھے میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں"

قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں توحید کو واضح اور روشن دلائل سے ثابت نہ کیا گیا ہو یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ آج بت پرست قومیں بھی بت پرستی سے بیزار ہو کر توحید کی کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہو رہی ہیں آپ نے اپنی بشریت اور خدا کی الوہیت کو تشبیہات و تمثیلات سے علیحدہ کر کے صاف صاف و نمایاں طور پر پیش کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس غلط بحث کا اندیشہ ہی جاتا رہا آج ساڑھے تیرہ صدیاں گزر چکیں لیکن ایک وجود بھی ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے رسالت کو الوہیت کی سرحد سے ٹکرا کر خدا کی وحدانیت کو شرک سے آلودہ کیا ہو۔

اسی طرح اعمال میں اعتدال و تعدیل قائم کیا اخلاق و عمل کے جو زرین اصول دوسروں کو سکھائے خود ان کے عمل پیرا رہے غیظ و غضب رحم و کرم جود و سخا فقر و فاقہ شجاعت و بہادری خانہ داری اور حقداری غرض دنیا اور دین دونوں کے لئے ہمکو اپنی زندگی میں عملی درس دیئے۔

آج بے درد نکتہ چین آپ کو جو بھی چاہے کہیں لیکن قرآن مجید لاکھوں مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ میں اس کی شہادت دے رہا تھا "انک لعلی خلق عظیم" محمدؐ! بیشک تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

عام متعصب مصنفین یورپ کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ جب تک مکہ میں رہے پیغمبر تھے مدینہ پہونچکر یہ نبوت بادشاہت سے بدل جاتی ہے اور یہ حلم و عفو کے واقعات اس وقت تک کے ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور سلطنت و تحمل کے سوا چارہ نہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ تمام عرب کے زیر نگیں ہو جانے پر بھی آپ فاقہ کش ہی رہے فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقرا میں تقسیم

عدی بن حاتم نے جو مذہباً عیسائی تھے حضور سرور رسالت کے حالات جب سنے تو تحقیق حال کے لئے حاضر دربار ہوئے، صحابہ کے جوش عقیدت کا سیلاب، جہاد کا ساز و سامان، اموال فتوحات کی کثرت دیکھ کر انہیں اشتباہ ہوا کہ محمدؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر، دفعتہً مدینہ کی ایک غریب لونڈی آکر عرض کرتی ہے کہ مجھے حضورؐ سے کچھ کہنا ہے آپ کھڑے ہو جاتے اور فرماتے ہیں کہ "مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری بات سننے اور تمہارا کام انجام دینے کو تیار ہوں" اور اس کے پاس جاکر اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں، اس ظاہری جاہ و جلال کے پردہ میں یہ عجز و انکسار دیکھ کر عدی بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں یقیناً یہ پیغمبر ہیں اور ایمان لے آتے ہیں، اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل محمد و بارک وسلم

تمام واقعات شاہد ہیں کہ ہزاروں پُرجوش جاں نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود دشمنان جان کے فرد جرم کو ہمیشہ آپ کی رحمت دھوتی رہی۔

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک کے غزوات اس کے شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ کو جتنی لڑائیاں لڑنا پڑیں ان میں سے اکثر میں ان ہی کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب گرفتار کر کے لائے گئے تو آپ ان کے ساتھ بھی لطف و محبت ہی سے پیش آئے، حضرت عمرؓ نے جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ نے سختی سے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس سے بھی بازپرس نہ کی جائے گی، کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟ سب سے بڑھ کر دشمنوں سے انتقام کا موقع فتح مکہ کا دن تھا، جہاں آپ کے چپ و راست جلو میں ہزاروں غرق آہن فوجیں ایک اشارہ کی منتظر تھیں، تاہم رحمت عالم نے اپنے دشمنان جان و ایمان کے ساتھ کیا کیا؟ سب کو لا تثریب علیکم الیوم کہکر اذھبوا انتم الطلقاء کے فرمودہ سے پابند منت و احسان بنایا۔

جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا، لوگوں کو عام حکم تھا جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو میں ادا کروں گا، اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں، اگرچہ فتوحات کی کثرت سے صحن مسجد میں سیم و زر کا سیلاب بہتا رہتا لیکن جب تک صرف نہ ہو جائے فیاض عالم کو چین نہ آتا تھا، بیقراری سی رہتی تھی

شجاعت و استقلال کا وصف بھی خصوصیت کے ساتھ آپ کی ذات اقدس میں خدا نے بدرجہ اتم عطا کیا تھا، ابتداء سے انتہا تک آنحضرتؐ کا ایک ایک کارنامہ عزم و استقلال کا مظہر ہے، کفرستان عرب میں ایک شخص بے یار و مددگار تنہا کھڑا ہو کر دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے، ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ مخالفت میں پہاڑ بنکر سامنے آتا ہے لیکن شجاعت و عزم نبوت سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفوں کی تمام قوت پامال ہو جاتی ہے آخر ایک دن وہ بھی آتا ہے جب ایک تنہا انسان بیسیوں لاکھ جاں نثاروں کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہے، تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں پر بھی آپ کے دل پر کبھی بے دلی کا بادل نہیں چھایا، سینکڑوں مصائب اور صدہا معرکے پیش آئے لیکن پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی، اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو جتنی کامیابیاں بھی میسر ہو سکتی ہیں وہ سب آپ کو اپنی زندگی میں حاصل ہوئیں لیکن تواضع و خاکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ کے آئینہ دل پر کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا، ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا لیکن رعب نبوت سے اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں فرشتہ نہیں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔

عیش پرستی بظاہر تمدن کا زیور ہے لیکن درحقیقت اس کے اندرونی نظام کا اصلی گھن یہی چیز ہے، چونکہ آپ کی تعلیم رہبانیت اور سنیاس کی سخت مخالف تھی اس لئے ہر قسم کے جائز حظوظ سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے، تاہم ناز و نعمت اور عیش پرستی کو ناپسند فرماتے، اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے، چنانچہ جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آئے تو آپ نہایت سختی سے [illegible] کا انکار فرماتے۔

ایک مرتبہ آپ راستہ سے گذرے تو ایک بلند عمارت نظر آئی، آپ نے فرمایا یہ کس کا مکان ہے، لوگوں نے ایک انصاری کا نام لیا، آپ خاموش ہو گئے، جب وہ انصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا، انہوں نے اپنے دوستوں سے جب ناراضی کا سبب معلوم کر لیا تو جاکر اس مکان کو منہدم کرا دیا، آپ پھر اس طرف گذرے تو فرمایا وہ عمارت کیا ہوئی؟ لوگوں نے واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا وہ گھر جو ضرورت سے زیادہ ہو صاحب خانہ پر وبال ہے۔

حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر میں ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، آپ کی نظر پڑی تو فرمایا "پردہ ہٹا لو! مجھے پتھر و مٹی کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں دیا گیا" دوسری روایت میں ہے کہ "میں جب اسے دیکھتا ہوں تو دنیا کی آرائش یاد آتی ہے" آپ اپنی زندگی نہایت سادہ بسر فرماتے تھے پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا تھا پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے، جسم مبارک کے لئے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہیں ہوتا تھا یہ عسرت اس لئے گوارا تھی کہ آپ کو سادگی کی لذت الوان نعمت کی خوشگواری اور لباس ہائے فاخرہ کی مسرت سے کہیں زیادہ تھی، غرض حضورؐ میں وہ تمام قوتیں موجود تھیں جو ایک مکمل انسان میں ہو سکتی ہیں، اور آپ نے ان سب قوتوں کا برمحل استعمال کر کے عالم انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ قائم کر دیا۔

دنیا میں تہذیب و شائستگی کے نئے نئے اصول قائم ہوئے پھر بگڑ گئے، تمدن و اخلاق کے قوانین مرتب ہوئے پھر بدل گئے، لیکن ایک انسان کے نظام سوسائٹی کے لئے کبھی کافی نہ ہو سکے، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا تمدن ہمیشہ یکساں ہی رہا، آپ نے جو مکمل قوانین دنیا کے سامنے پیش کئے بڑے بڑے فلاسفروں نے بھی اپنے عجز کا اعتراف کر لیا، لارڈ میکالے کی تعزیرات نے ہزاروں ترمیمات قبول کر لیں لیکن محمد رسول اللہ (فداہ ابی و امی) کے تیرہ سو برس کا قانون آج بھی ویسا ہی

مکمل ہے گویا آج ہی بنا ہے اور نسل آدم کا ہر فرزند ارض خاکی کا ہر باشندہ اپنی صنوبیاتِ زندگی میں سیرت محمدی سے ہدایت پا سکتا ہے۔

اور میرا مطلب یہ کہ ظاہری وسائل اور محسوس قوتوں میں سے ایک بھی حاصل نہیں، امی تھے، پڑھے لکھے نہیں کسی استاد کے آگے زانوئے ادب تہ نہیں کیا، نہ صرف یہ بلکہ آپ آئے تو اس شان یتیمی سے کہ ننھے بچے کی تربیت و پرورش کے لئے سب سے بڑا سہارا جسے باپ کہتے ہیں وہ مدینہ کے ایک میدان میں سو رہا تھا، عہد طفولیت ہی میں سے کہ سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دلوانے جن کی شاہ مہر نے یتیمی کا مرہم تھی وفات پائی، ہوش سنبھالا تو اس بے کسی میں چچا ابو طالب کا سہارا تھا لیکن انہوں نے بھی مفارقت کی جب ملک میں آپ پیدا ہوئے اس کے باشندوں کے پاس بھی کوئی ایسا وسیلہ نہیں جس پر قوموں کی تعمیر کھڑی ہو سکتی ہو، وہ ہر ایک سے خالی تھے، ان کے پاس جو جسمانی طاقت تھی بھی تو اس کا مصرف بجز گلے کاٹنے کے اور کچھ نہ تھا، ان تمام وسائل ترقی کے فقدان کے باوجود کوئی ہستی اس ذات پاک کا مقابلہ تو کیا برابری میں بھی پیش نہیں کی جا سکتی، جس نے اونٹ چرواہوں کو حکمرانی کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچا دیا، خونخوار وحشیوں کو اخلاق و تمدن کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا، علم و حکمت جس کا جنازہ مسیحیوں کی جہالت سے اٹھ چکا تھا اس معلم حکمت کی تعلیم سے پھر دنیا اس سے روشناس ہو گئی، کیا تاریخ کے صفحات میں اس شانِ کمال اور علوئے مرتبت کا کوئی دوسرا انسان بھی تم کو مل سکتا ہے!

اس سے بڑھ کر اس کی کاملیت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے خدا کے اس مقدس اور برگزیدہ نبی نے ریگستان عرب کی سنگلاخ زمین میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ کر جو صدا بلند کی تھی آج ہر ایک ملک ہر ایک شہر ہر ایک قریہ میں گونج رہی ہے، ساڑھے تیرہ سو برس میں بھی اس بے مثل کا مثل اور اس بے نظیر کا نظیر تمہاری تجسس نگاہیں تلاش کرنے سے قاصر رہیں تو یقین کر وہ ایک کامل اور مکمل انسان تھا، خدا کی خدائی میں وہ یکہ و تنہا تھا، اس کا کوئی مثیل نہیں، اسی کا صدقہ ہے جو تم زمین پر چلتے ہو، ہوا میں سانس لیتے ہو، اسی کی رحمت کا صدقہ ہے جو تمہیں ٹھنڈا پانی اور گرم روٹی مل رہی ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا، پیدا وہ ہوتا لیکن عالم کے لئے رحمت نہ ہوتا تو آج کسی کافر کو اطمینان کا سانس بھی میسر نہ ہوتا، آہ! کہ تم نے اسے ابھی سمجھا ہی نہیں کہ وہ کیا تھا۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

تماشائے اہل کرم

دلی شکر گزاری کے ساتھ حسب ذیل بھائیوں کے نام پیش کرتا ہوں جنہوں نے پیشوا کے لئے جدید خریدار فراہم کئے۔ جزاک اللہ خیرا لجزاء۔ ابھی بہت سے نام باقی ہیں۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے بہت کم نام شائع کئے جا رہے ہیں۔

خدمت گزار عزیز حسن بقائی

جناب شیخ امام صاحب نظامی	۸ خریدار	جناب محمد ذکریا صاحب جمعدار	۱ خریدار
جناب ابو سعید صاحب ڈنکی	۶،	جناب محمد عبدالکریم صاحب نعلان	[illegible]
جناب عبدالسلام صاحب بجلی گھر	۵،	جناب ملا ابراہیم حسین صاحب	۳
جناب محمد نجم الدین صاحب نقل نویس	۴،	جناب محمد مطیع الرحمن صاحب	[illegible]
جناب محمد حسن صاحب مختار	۳،	جناب محمد علی صاحب ڈسپنسر	[illegible]
جناب اللہ دتا اصغر صاحب	۳،	جناب شیخ فضل الدین شرف الدین صاحبان	۴،
جناب ابو محمد الدین صاحب بکنگ افسر	۲،	جناب محمد اکبر صاحب محرر وکیل	۳
جناب سید حامد حسین صاحب مکہ مسجد	۱،	جناب سید بابو میاں نبی میاں صاحبان	۱،
جناب سید عزیز مصری شاہ صاحب	۱،	جناب ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب سیٹھا	۲،
جناب سید محمد الیاس ابوالعلائی صاحب	،	جناب سالار جنگ صاحب منگرور	۱،
جناب خلیل طاہر صاحب	۱،	جناب ابو محمد حسین صاحب	[illegible]
جناب کبیر زادان صاحب	۱،	جناب عبداللہ صاحب	[illegible]
جناب محمد مقبول عالم صاحب	۱،	جناب سید بادل شاہ صاحب قادری	[illegible]
جناب نذر محمد خاں صاحب اسٹیشن ماسٹر	۲،	جناب سید احمد شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر	۲،
جناب عبدالشکور صاحب انصاری	۱،	جناب جمال محمد خاں صاحب کلرک	۱،
جناب محمد عبدالحکیم صاحب ہیڈ مولوی	۱،	جناب محمد حسین صاحب تاجر کتب	۱،
جناب فتح محمد صاحب مالیورس	۲،	جناب مرزا اسد اللہ بیگ صاحب	۱،
جناب خواجہ حبیب اللہ صاحب ہیڈ ر	۲،	جناب قاضی یعقوب محمد صاحب	۱،
جناب بابو عبدالمجید خاں صاحب بجلی گھر	۱،	جناب محمد عبدالحق صاحب گارڈ	[illegible]
جناب چیر لو بھائی ناعقو بھائی صاحبان	۱،	جناب نور احمد صاحب پٹواری	[illegible]
جناب محمد یونس بے نواز نظامی صاحب	۲،	جناب نور الحسن صاحب ہیڈ ماسٹر	۱،
جناب پیرزادہ محمد صدیق صاحب	۳،	جناب فتح علی صاحب ہیڈ ماسٹر	۱،
جناب مولوی ارشاد الحق صاحب	۱،	جناب سید جلال الدین صاحب بنگلور	۱،
جناب نیاز محمد خاں صاحب سب انجینیر	۲،	جناب ہدایت اللہ صاحب	[illegible]
جناب حکیم قبیل صاحب سونپید	۲،	جناب غلام نبی صادق صاحب	۱،
جناب عبدالغفور صاحب دیلور	۲،	جناب محمد عبدالکریم صاحب ادہور	۱،
جناب محمد الدین صاحب	۱،	جناب عبدالعزیز صاحب ایجنٹ اخبار	۱،
جناب مجید اللہ صاحب	۱،	جناب علی محمد صاحب ہیڈ ماسٹر	،
جناب ظہور احمد خاں صاحب لودی	۱،	جناب شیخ نبی میاں صاحب چانلدہ	۱،
جناب صدر الدین احمد صاحب بہار	۲،	جناب سید رکن الدین صاحب کوآل	۱،

جناب جمعدار شاد محمد خاں صاحب	۱ خریدار	جناب شیخ نبی میاں صاحب جمعدار	۴ خریدار
جناب محمد امیر بخش صاحب	۲،	جناب حافظ عبدالحمید صاحب	۱،
جناب اکبر علی خاں صاحب اورنگ آباد	۱	جناب محمد شفیع صاحب ٹھیکیدار	۲،
جناب محمد عبدالغفور صاحب جمعدار پولیس	۱،		

شذرات

(عزیز حسن بقائی)

محشرستان الور

مہاراجہ الور اس مخصوص شہرت کے علاوہ جس کی وجہ سے ان کو تند رست اور خوبصورت اے ڈی سی کی تلاش رہتی ہے بجد اچھا پولٹیکل دماغ رکھتے ہیں۔ والیان ریاست میں وہ نفسیات کے بہت بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں، جس وقت تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں، تو بلا تکان اور بغیر نوٹ لئے مسئلہ زیر بحث پر نہایت، عالمانہ اور مدبرانہ تقریر کرتے ہیں، اور اب سے پہلے وہ ایک غیر متعصب والی ریاست مشہور رہتے۔ لاریب انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کنووکیشن پر ایک معقول رقم کا اعلان کیا۔ اور الور میں عیدگاہ بنانے کے لئے بھی ایک کثیر رقم خرچ کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ اور ان کی یہ تمام خوبیاں قابل تعریف ہیں۔ مگر کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ متعدد مساجد پر عرصہ سے حکومت الور کا قبضہ ہے۔ جن میں سے کئی مندر کی صورت یا اور سرکاری گوداموں کی حالت میں مسلمانوں کی بزدلی پر لعنت ملامت کر رہی ہیں۔ نیز کیا اس سے بھی انکار کیا جائے گا کہ وہ الور جس میں مسلمانوں کی ستر فیصدی آبادی ہے قرآن حکیم کی تعلیم کی ممانعت ہے۔ مذہبی مدارس پر پابندیاں ہیں۔ نظام حکومت میں مسلمانوں کا کچھ بھی حصہ نہیں۔ اور اسمیں بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی جان اور مال اور عزت الور کی سنگینی فوج کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ فوج کا اس قدر بے قابو ہو جانا اسکی دلیل ہے کہ ریاست میں آئین کی مٹی کیسی پلید ہو رہی ہے۔ اور اس لئے حکومت ہند کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ الور کی بدنظمی کا خاتمہ کرنے کے لئے فوراً ایک آزاد کمیشن کے ذریعہ تحقیقات کرا کر مسلمانوں کو ان کا حق دے۔

الور سے جو اطلاعات مسلمانوں پر مظالم کی آ رہی ہیں، وہ نہایت درد ناک ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ راجستان میں ایک منظم سازش مسلمانوں کو کچلنے کے لئے اور ان کے وجود سے راجستان کو پاک کرنے کے لئے کام کر رہی ہے۔ میں اس سے ناواقف نہیں ہوں کہ ہز ہائی نس جے پور کی شادی میں مہاراجگان راجستان نے کشمیر کا انتقام لینے کے لئے کیا تجاویز کیں، اور ہز ہائی نس الور کی تقریر کیا تھی۔ اور راجستان میں مسلمانوں کیلئے مستقبل میں کیا مشکلات پیدا کیجائینگی اور ان اطلاعات پر مجھے کوئی تعجب نہیں اگر یہ سچ ہوں۔

مگر مجھے تعجب ہے تو مسلمانان ہندوستان کے جمود اور ان کی غفلت پر کہ اب تک جس بیداری کی ضرورت تھی، وہ پیدا نہیں ہوئی۔ اور حکومت ہند نے بھی جو بقول لارڈ ریڈنگ ایک بالادست طاقت ہے، الور کے مظلوم مسلمانوں کی دستگیری اور انصاف کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔

الور کے مسلمانوں کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اگر انہوں نے ایثار و قربانی کا استقلال اختیار کیا اور منظم اور پر امن ایجی ٹیشن اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے استقلال سے جاری رکھا تو الور کی مطلق العنان حکومت ان کے مطالبات کے آگے بہت جلد سر تسلیم خم کریگی۔ الور کے مسلمانوں کو بیرون ریاست کے مسلمانوں کے بل بوتہ پر کسی ایجی ٹیشن کی بنیاد نہیں رکھنی چاہئے۔ بلکہ باشندگان ریاست میں اتنی بیداری پیدا کرنی چاہئے کہ وہ اس ظلم کا مقابلہ صبر سے کریں کہ فتح اور شکست کا میدان الور ہی میں ہے۔

لاریب کشمیر کے مسلمانوں کی امداد ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں نے کی۔ مگر کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ کشمیر کا بزدل مسلمان جس دلیری سے حکومت کشمیر کے ظلم کا مقابلہ کر رہا ہے، اس نے حکومت کشمیر کے گھٹنے توڑ دیئے اور اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ ہندوستان کے مسلمان الور کے مظلوم مسلمانوں کی اعانت کے لئے میدان عمل میں آئیں گے۔ مگر الور کے مسلمانوں کو اپنے پیروں پر خود کھڑا ہونا چاہئے اور پر امن اور منظم ایجی ٹیشن کر کے حکومت الور کو مجبور کر دینا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کرے۔

افسوس ہے کہ مجلس احرار نے ابھی تک مسئلہ الور کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا اور چند رزولیوشنوں پر اکتفا کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ مسئلہ کشمیر صرف رزولیوشنوں سے اس منزل تک نہیں پہنچا ورنہ دنیا میں کسی محکوم قوم کو رزولیوشن بازی سے حقوق ملے ہیں۔ پس اگر حقیقتاً الور کے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور الور میں شعائر اسلامی خطرے میں ہیں تو الور کے مسلمانوں کو حقوق طلبی کے لئے آئینی ایجی ٹیشن کرنا چاہئے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی چاہئے۔ اور حکومت ہند کا الور کے مسلمانوں کے حق انصاف ہونے کیلئے حکومت الور کو مجبور کرنا چاہیئے کہ یہ ناممکن ہے کہ الور کے لاکھوں مسلمانوں پر مظالم اور وحشیانہ مظالم ہوں اور مسلمانان ہند خاموش رہیں۔ تازہ اطلاعات کے مطابق ہزاروں مسلمان مظالم کی تاب نہ لاکر الور سے ہجرت کر رہے ہیں حکومت کا پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کب مظلوموں کی دستگیری کریگا۔

پیشوا کے رسول نمبر سے مقابلہ

ایک دیسے بھائی نے جو پیشوا کے اندان ایڈیشن کے خریدار ہیں، اور مولوی کے بھی خریدار ہیں۔ پیشوا اور مولوی کے رسول نمبروں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے استدلال ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) مولوی کے رسول نمبر کی ضخامت ۱۶۸ صفحے ہے۔ اور پیشوا کے رسول نمبر کی ضخامت ۱۶۰ صفحے ہے۔

لاریب مذکورہ بر چہ میں ۸ صفحے پیشوا سے زائد ہیں۔ مگر کیا یہ واقعہ

نہیں ہے کہ پیشوا کا رسول نمبر صرف ایک مہینے کا ہے۔ اور صوفی کا دو مہینے کا۔ اور کیا اس طرح میں نے قارئین کرام کے لیئے صوفی سے بہتر اور صوفی سے بہت زیادہ ضخیم رسول نمبر نہیں پیش کیا۔ کاش ان مقابلہ کرنے والے بھائی کو معلوم ہو تاکہ مذکورہ رسول نمبر صرف دو اہل قلم کی کاوشوں سے مرتب ہوا ہے۔ جس میں متعدد مضمون نگاروں کے نام فرضی درج کیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مشہور اہل قلم کا نام فرضی مولوی کو استعمال کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ خصوصاً ہندوؤں کے نام سے جتنے مضامین ہیں یہ سب اکثر مولانا عارف صاحب ہسوی کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ عارف صاحب نے اپنے دوستوں سے اجازت لے لی ہو۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اگر جناب مولانا مراد صاحب اور جناب مولانا عارف صاحب فرضی ناموں سے مضامین نہ لکھتے تو اس نقلی کے ایڈیٹر کے لیئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ ہمیشہ کی طرح پیشوا۔ الفضل قادیان۔ نظام المشائخ وغیرہ کے پرانے مضامین کو نقلی کی مدد سے ہمیشہ کی طرح نئے عنوانات سے شائع کر دیتا۔ پھر کیا تم مجھ سے بھی ایسی ہی جعل سازی کی توقع رکھتے ہو کہ فرضی ناموں سے مضامین شائع کر دوں۔ اور جیسا کہ مولوی کے جعل مرکب ایڈیٹر نے دوسروں سے مضامین لکھوا کر اپنے نام سے شائع کیئے ہیں۔ میں بھی ایسی ہی فرضی کارروائیاں کروں۔ اگر یہ نام نہاد مدیر صوفی میرے اس دعوے کی تردید کی جرأت رکھتا ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس رسالہ کے خوشنویس اپنے بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ بیان دیں کہ ایڈیٹر مولوی اور ہندوؤں کے نام کے مضامین عارف صاحب اور مراد صاحب کے لکھے ہوئے نہیں تھے۔ اس حلفیہ بیان کے بعد مجھے اپنی غلطی فوراً تسلیم کرنے میں کچھ بھی تامل نہ ہوگا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ میری اطلاعات کو صحیح نہ سمجھا جائے۔ پھر اگر آپ نے میری درخواست پر توجہ کی ہوتی۔ اور ارزاں ایڈیشن کی اشاعت دس ہزار تک پہنچا دی ہوتی۔ تو آج پیشوا کے ارزاں ایڈیشن میں بھی فوٹو بلاک ہوتے۔ آپ خود تو توسیع اشاعت کے لیئے کام نہ کریں۔ پیشوا کی اشاعت پر توجہ نہ فرمائیں۔ میری درخواست کو قبول نہ کریں۔ اور مجھ سے فرمائیں کہ تم نے یہ وعدہ کیا تھا۔ بے شک میں نے وعدہ کیا تھا۔ مگر کیا یہ نہیں لکھا تھا کہ اگر آپ نے رسول نمبر کے ارزاں ایڈیشن کی اشاعت دس ہزار پہنچا دی تو پھر ارزاں ایڈیشن میں بھی فوٹو بلاک دیئے جائیں گے۔ میں اپنے وعدہ پر اب بھی قائم ہوں۔ مگر ذرا اپنی جدوجہد کی رفتار بھی دیکھ لیجئے کہ ارزاں ایڈیشن کے ابھی تک دو ہزار خریدار بھی نہیں ہوئے۔ جب آپ کی سرد مہری اور قدر دانی کا یہ عالم ہو تو آپ ہی فرمایئے کہ میری اولوالعزمی سے کہاں تک کام چل سکتا ہے۔

حاشا و کلا اس سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں تمام خریدار حضرات کی شکایت کر رہا ہوں۔ کیونکہ اگر سب بھائی ایسے ہی فرض ناشناس ہوتے تو پیشوا اب سے پہلے حسد پیشوں کی سازشوں کا شکار ہو کر قبرستان میں دفن ہو گیا ہوتا۔ ان ہی خریداروں میں وہ بھی ہیں جن کو پیشوا حقیقتاً جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اور ان کو پیشوا کی ترقی کا بہت کچھ خیال رہتا ہے۔ اور وہ بھی ہیں جن کے لیئے میری صدائے درد صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے۔ اور ان ہی سے مجھ کو حقیقتاً شکایت بھی ہے۔ اگر اس طبقہ کا جمود حرکت میں آ جائے تو آج پیشوا ترقی کی انتہائی منزلیں طے کر لے۔ اور آپ کے وہم و گمان سے زیادہ بہتر صورت میں شائع ہو۔

بہر حال پیشوا کے رسول نمبر سے مقابلہ کرنے والے بھائی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں پیشوا کا رسول نمبر شائع کر کے ہمیشہ قرضدار رہتا ہوں۔ اور میرے حریف کے کاسہ گدائی کا ہر رسول نمبر پر یہ انجام ہوتا ہے کہ سات آٹھ ہزار روپے کی حویلی خرید لی جاتی ہے۔ میں ابھی تک ہزارہا روپے کا مقروض ہوں۔ اور ایک حقیر کرایہ کے مکان میں رہتا ہوں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے دامن پر غداری، محسن کشی، نمک حرامی کے گھناؤنے دھبے نہیں ہیں۔ میں نہ اسلامی احکام کی تبلیغ کے نام سے روپیہ حاصل کر کے شراب خواری کرتا ہوں۔ اور نہ خانگی عیاشی، بلکہ میرے قرضدار ہونے کی وجہ ہر مہینے دو سو ڈھائی سو روپے ماہوار کا نقصان ہے۔ اور رسول نمبر پر ہزارہا روپے کا قرضہ ہے، جو ہر سال بڑھتا ہی جاتا ہے اور اس قرضہ کی ذمہ داری اگر بیشتر بجائے رسالت مآب پر ہے، تو اس کی ذمہ داری سے وہ خریدار بھی نہیں بچ سکتے، جنہوں نے پیشوا کے لیئے جدید خریدار فراہم کرنے سے پہلوتہی کی۔ کیونکہ اگر آج پیشوا کی بھی اشاعت دس ہزار ہو جاتی تو اگرچہ میں ہر سال کوئی نئی حویلی نہ بنواتا۔ مگر مجھ کو قرضدار بھی نہ ہونا پڑتا۔ اور آج مجھے یہ داستان درد سنانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وکفیٰ باللہ شہیدا۔

پس خوب یاد رکھیئے کہ میں پیشوا کی اشاعت میں ترقی کی درخواست اس لیئے نہیں کرتا کہ مجھے شراب خواری اور خانگی عیاشی اور محلات کی تعمیر کے لیئے روپے کی ضرورت ہے۔ کہ میں اپنی موجودہ حالت پر قانع ہوں اور میری قناعت پسند طبیعت

ز کردہ آب بجوئے رو میگذرد

سے زیادہ کی طرف کبھی مائل ہی نہیں ہوئی۔ واللہ جانتا ہے کہ حصول زر کے مواقع میری زندگی میں بارہا آئے، اور خدائے قدوس کے فضل سے میں نے اپنے ضمیر کی روشنی میں ان پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالی۔ خلافت اور کانگریس کے دور کرزر کے لیئے سونے اور چاندی کے دریا بہے۔ میری آنکھوں کے سامنے آجکل کے لیڈروں نے چھوڑ جیوڑ کے نام سے چندہ کی بھری ہوئی تھیلیوں کو غرق مئے ناب اور لالہ

میرے دامن دیانت پر ایک چھینٹ بھی نہ آئی۔ اور میرے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی انتہائی افلاس کی حالت میں نہ حسد پیدا ہوا۔ اور نہ لالچ۔ نیز بھی کافی تو خدا کے فضل سے کانگریس اور خلافت کی سو روپے ماہوار کی پیش کش کو یاران طریقت کے اصرار کے باوجود ٹھکرا دیا۔ حالانکہ میں دیکھ رہا تھا کہ جو لوگ ہزاروں روپے ماہوار بھی اپنے قوت بازو سے نہیں کما سکتے ان کو صداقت و پھلتا ہوا فنڈ خلافت اور کانگریس فنڈ سے مل رہا تھا۔ مگر شکر ہے اس مولائے بے نیاز کا جس نے مجھے ضمیر فروشی اور لالچ کے طوق لعنت سے اسوقت بچایا۔ جبکہ بڑے بڑے مین آف کیریکٹر چند سکوں کے لئے ضمیر فروشی کر رہے تھے۔ اور میری مالی حالت بہت ہی سقیم تھی۔ دستاں جبکہ اُسوقت سے بہت زیادہ میری حالت درست ہے۔ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں غریب مولوی کی طرح خریداروں کو دھوکا دینے کے لئے کاسۂ گدائی ہاتھ میں لوں۔ میں تو اس کے لئے تیار ہوں کہ جس بھائی کا جی چاہے۔ پیشوا کا آمد و خرچ دیکھ لے۔ اس کو خود معلوم ہو جائے گا کہ کے سو روپے ماہوار کے نقصان پر پیشوا چل رہا ہے۔ اور کتابوں کی فروخت کے نفع کو پیشوا پر صرف کرنے کے بعد پیشوا کا دفتر کتنے ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی رجسٹروں سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں پچاس روپے ماہوار سے زیادہ اپنے ذاتی اور خانگی مصارف کے لئے دفتر سے نہیں لیتا۔

امید ہے کہ میری اور پیشوا کی صحیح حالت کو معلوم کرنے کے بعد یقیناً آپ یہ محسوس کریں گے کہ پیشوا کے جدید خریدار فراہم کرکے پیشوا کی مالی مشکلات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہیئے۔ اور میرے خیال میں پیشوا کی مالی مشکلات دس ہزار کی اشاعت ہونے پر ختم ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ تخمینہ لگالیا گیا ہے کہ دس ہزار اشاعت ہونے کے بعد پیشوا کو ہرگز نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ دس بیس روپے ماہوار کی بچت ہی ہو جائیگی۔ البتہ شراب خواریوں اور عیاشیوں اور حصول زر کی سرمایہ دارانہ ہوس کیلئے تو سو ہزار بھی ناکافی ہے۔

افسوس کے ساتھ یہ بھی گزارش گذار کر دوں کہ اسوقت سات سو زنانہ ایڈیشن کے رسول نمبر اور چار سو اعلیٰ ایڈیشن کے رسول نمبر دفتر میں وی پیوں کی واپسی سے بچے ہوئے رکھے ہیں۔ اور جس وقت تک یہ سب رسول نمبر ختم نہ ہونگے نئے خریدار صاحبان کی بیت خریداری جدید سالانہ سے شروع ہوگی۔

کیا میری داستان درد سننے کے بعد آپ کے لئے گیارہ سو جدید خریدار فراہم کرنے کچھ مشکل ہیں؟ اور ایسی حالت میں کہ نصف چندہ کا تو صرف ایک ہی رسول نمبر ہے اور اس کے بعد گیارہ پرچے پوری شان کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہونگے۔ جسکی بہتری کا آپ کو خود اعتراف ہے خوب یاد رکھیئے کہ اگر یہ گیارہ سو پرچے آپ نے اس درخواست پر توجہ فرما کر جدید گیارہ سو نئے خریداروں تک پہونچا دئے تو دفتر پیشوا کو تقریباً پندرہ سو روپے کی آمدنی ہو جائے گی۔ جس سے دفتر کی مالی حالت بڑی حد تک درست ہو جائے گی۔ دفتر کی مالی حالت کا اندازہ آپ کو صرف اس سے ہو سکے گا کہ رسول نمبر کی روانگی کے لئے ٹکٹ خریدنے کے لئے واللہ العظیم جب میرے پاس ایک پائی بھی نہ رہی اور قرض بھی نہ ملا تو میں نے اپنے بچے کے وہ سونے کے بٹن جو ایک دوست نے اس کو میرے انکار کے باوجود شدید اصرار سے تحفتاً دیئے تھے۔ میں نے فروخت کرکے پیشوا کے رسول نمبر کو وقت سے پہلے روانہ کر دیا۔ اور یہ بٹن میں نے اس وقت تک اس لئے نہیں بیچے تھے کہ وہ ان کو بہت ہی عزیز رکھتا تھا۔ اور میں اپنے اکلوتے اور پیارے بچے سے بٹن چھین کر اس کو رنج نہیں پہونچانا چاہتا تھا۔ مگر پیشوا کی ضروریات سے مجبور ہو کر مجھے ان سنہری بٹنوں کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ اور اچھا ہوا کہ زکوٰۃ کے حساب سے نجات مل گئی۔

بہرحال اس ساری داستان درد کو سُن کر مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور ان گیارہ سو پرچوں کے لئے گیارہ سو نئے خریدار فراہم کرکے دفتر کی مالی مشکلات کو ختم کرانے میں میری امداد فرمائیں گے۔

طبیہ کالج کا دور جدید

خدا کا شکر ہے کہ پورے ڈیڑھ سال کے صبر آزما تعاون اور رواداری کے تجربہ کے بعد آنریری سکرٹری صاحب طبیہ کالج کی آنکھیں کھلیں۔ وہ انہوں نے اس "سنہری ٹولی" کی سازشوں سے کالج اور دواخانہ کو بچانے کا تہیہ کر لیا۔ جس نے اپنی ذاتی اغراض کے لئے کالج کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اور جسکی خود سری اور نمک حرامی اور غداری کی انتہا ہو گئی تھی۔ کالج کے آنریری سکرٹری صاحب کی بروقت ہوش مندی سے معاملات سلجھ رہے ہیں، نمک حراموں کی گرفت کی جا رہی ہے۔ غداروں کی گدی ناپی جا رہی ہے، سازشوں کا قلع قمع کیا جا رہا ہے۔ دفعہ بانوے کے ماتحت مقدموں، دواخانہ اور کالج کی ہڑتال اور نوابوں اور سیٹھوں اور خان بہادروں کی دھمکیوں کے بعد اب یہ اسٹیج آگیا ہے کہ ہندوستانی دواخانہ کے مقابلہ میں دوسرا دواخانہ کھولا جائے۔ اور اس کے دواساز بھی میرا نوازاحمد ہوں۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو ممکن ہے کہ حالات سے بے خبر حضرات کو تعجب ہو۔ مگر جو لوگ اس گرہ مسکین جمالو سے واقف ہیں، وہ میری رائے سے ضرور متفق ہونگے۔ کہ یہ برخود غلط انسان اپنے تئیں شریف خانی خاندان کا پروردہ ہونے کی بجائے یہ چاہتا ہے کہ محمود خان اعظم کا جانشین اس کی چوکھٹ کو سلام کرے۔

حاذق الملک کے خلف اکبر اور مسیح الملک کے جانشین حکیم محمد احمد خاں صاحب نے دیکھا ہوگا جب سے انہوں نے قواعد پر سختی سے عمل کیا ہے۔ مشکلات کے بادل چھٹ رہے ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ حق پرست

وطنیوں کی اعانت سے کالج اور دواخانہ تباہی کے بھنور سے نکل جائیگا

بہاولپور میں شرع اسلام کو چیلنج

قارئین کرام جانتے ہیں کہ پیشوا کا یہ مسلک نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں میں خانہ جنگی کی اعانت کرے یہی وجہ ہے کہ باوجود انتہائی قدامت پسند ہونے کے آج تک حنفی، وہابی، قادیانی، چکڑالوی وغیرہ عقائد کے خلاف ایک لفظ پیشوا میں شائع نہیں ہوا۔ مگر اس کے ساتھ ہی جب کبھی ملت اسلامیہ کے مفاد کے لئے ضرورت ہوئی ہے۔ میں نے تعلقات کی زنجیروں کو توڑنے میں کبھی تامل نہیں کیا کہ میرے خیال میں پیشوا کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے۔

بہاولپور ایک اسلامی ریاست ہے، جس کا تاجدار راسخ العقیدہ حنفی المذہب مسلمان ہے۔ اور وہاں سول کوڈ کی بجائے فقہ اسلامی کے ذریعہ مسلمانوں کے نکاح وطلاق کے قضیے فیصل کئے جاتے ہیں۔ گذشتہ مہینے ایک قادیانی مرد سے فسخ نکاح کی درخواست، ایک غیر قادیانی خاتون نے کی، جس کا کیس وزیر اعظم بہاولپور کی خدمت میں آخری فیصلہ کے لئے پیش ہوا وزیر اعظم بہادر نے حسب رواج قدیم غیر قادیانی عورت کی درخواست کو شرع اسلام کی روشنی میں طے کرنے کا حکم دیا۔ اور وزیر صاحب کا یہ مبنی برانصاف حکم قادیان کے سرکاری اخبار الفضل کے نزدیک ایک ایسا ناقابل معافی جرم تھا کہ پے درپے ۲ لیڈنگ ارٹیکل خان بہادر مسٹر نبی بخش وزیر اعظم بہاولپور کے خلاف لکھ کر یہ خواہش کی کہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی اور فقہ اسلامی کے بجائے انڈین سول کوڈ کی رو سے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ الفضل کے اس نامعقول مطالبہ کی تائید سوائے پیغام صلح کے کون کر سکتا ہے ملا ریب خلع کا حق اسلامی شریعت کی رو سے عورت کو حاصل ہے۔ اور تعزیرات الٰہیہ کی موجودگی میں انڈین سول کوڈ کو کوئی مسلمان کسی قسم کی اہمیت نہیں دے سکتا۔

کیونکہ یہ مقدمہ ابھی عدالت میں زیر تجویز ہے۔ اس لئے میں کسی قسم کی رائے قائم کئے بغیر قادیانی دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسلامی ریاستوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھیں۔ اور کوئی غلط قدم ایسا نہ اٹھائیں۔ جس سے حکومت ہند کو ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا موقع ملے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں

مسلم کانفرنس کے چودھریوں نے اپنی غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ ایسے بدترین الفاظ میں کیا کہ علامہ سر اقبال، اور سر آغا خاں نے بھی اس سے اپنی برئت کا اظہار ضروری سمجھا۔ حالانکہ سر آغا خان اس کے بانی اور سر اقبال صدر ہیں، اور جہاں تک حکومت کے مفاد کا تعلق ہے، دونوں خواجہ تاش حکومت ہیں۔ مگر مسلم کانفرنس کی اس ذلیل ذہنیت سے یہ بھی عاجز آگئے ہیں کہ ان بدبختوں نے وطن عزیز سے غداری عین اسلام بتا کر اسلام کے نام پر دریوزہ گری کی ہے۔

اس اعلان میں جو شملہ کی برفانی چوٹیوں سے حاجی شیخ داؤد مگری اینڈ کمپنی نے شائع کیا ہے۔ اسلام کو ایسی ذلیل غلامانہ اور گداگرانہ صورت میں پیش کیا ہے کہ فرزندان توحید کو اس ذہنیت پر شرم آتی ہے۔ اس اعلان سے متاثر ہو کر ایک غیر مسلم معاصر نے لکھا ہے کہ "خدا کا شکر ہے کہ ہم مسلمان نہیں"

نہیں کہہ سکتا کہ اس فقرہ کو پڑھنے کے بعد مجھے کتنی تکلیف ہوئی۔ آہ آج شومی قسمت سے اسلام اس قابل ہو گیا کہ کفار اس کو قبول نہ کرنے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں؟ حالانکہ کل تک غیر مسلم قومیں اسلام قبول کر کے خدا کا شکر ادا کرتی تھیں۔ ایک وہ مسلمان تھے، جن کے اعمال سے تبلیغ اسلام ہوتی تھی۔ اور ہم آہ ایک ہم بدبخت مسلمان رہ گئے ہیں، جنکے غلامانہ اور نامردانہ اعلانات اور مکروہ صورتوں، اور ذلیل ترین غداریوں سے غیر مسلم مسلمانوں سے نہیں بلکہ اسلام سے پناہ مانگ کر اپنے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں۔

اللہ اللہ کیا انقلاب ہے کہ جس قوم نے دنیا کی مظلوم آبادی کو آزادی کا میگنا چارٹ عطا کیا ہو۔ اور اس آزادی کے پروانہ کو اسلام کی تعلیم کا ہیولیٰ اساسی بنایا ہو۔ آج وہ نہ صرف یہ کہ تحریک آزادی کی علم بردار نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے چند نام نہاد پیرو وطن عزیز کی آزادی میں ذاتی اغراض کے لئے اسلام کے نام پر روڑے اٹکاتے ہیں۔ وتلک الایام نداولہا بین الناس

جی چاہتا ہے کہ اسلام اور آزادی پر لکھتا چلا جاؤں۔ اور قرآن حکیم اور اقوال رسول کریم سے ثابت کروں کہ اسلام عین آزادی ہے اسلام کا دوسرا نام آزادی ہے۔ اور اسلام کے پیغمبر اعظم کی دعوت صرف آزادی کی دعوت تھی۔ اور اسلام سے غلامی کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور آج جو کچھ اس غلام ہندوستان میں اسلام کے نام سے مسلم کانفرنس کے یہ لال بجھکڑ کر رہے ہیں وہ اسلام کے لئے باعث صد ننگ و عار ہے۔ اور اسلام کی تعلیم کے بالکل منافی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ شذرات کے صفحات محدود ہیں اور پریس آرڈیننس کا پھندا گلے میں پڑا ہوا ہے۔

بہرحال میں اپنے ذاتی مطالعہ اور حقیر معلومات کی بنا پر بہاسچھا غلامی کے مبتلا اخبار کے جواب میں لکھتا ہوں کہ "خدا کا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں"۔ اور اسلام سے بڑھ کر دین اور دنیا میں نسل انسانی کے لئے کوئی شرف نہیں۔ اور جس طرح کسی نام نہاد مسلمان کے شراب پینے سے شریعت اسلامیہ پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ اور شراب کی حرمت نہیں ٹوٹ سکتی۔ اسی طرح داؤد مگری کیمپ سے اگر غلامی کا ناقوس بجتا ہے تو اس سے بھی اسلام کی تعلیم نہیں بدل سکتی۔ کیا حضور علیہ

کائنات ، روحی فداہ کے اقوال جو آزادی کی حمایت میں ہیں بیت کی کتابوں سے مٹائے جا سکتے ہیں ؟ اور کیا آقائے نامدار کے اقوال مقدس کی موجودگی میں مسلم کانفرنس کے ریزولیوشن یا لیڈروں کے اقوال کوئی اہمیت رکھتے ہیں ؟ ان سوالات کے جواب اگر نفی میں دینے کی جرأت مسلم کانفرنس کے رہنماؤں میں ہیں ، تو وہ میدان میں آئیں ۔

اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہوکر

وزیر ہند نے جب سے گول میز کانفرنس کو توڑ کر مجلس مشاورت کی حیثیت دینے کا اعلان کیا ہے ہوتے تک سیاسیات ہند میں ایک زبردست انقلاب ہوگیا ہے ۔ قوم پرست طبقہ تو ابتدا ہی سے گول میز کانفرنس کو ایک ڈھونگ سمجھتا تھا لا بٹ اکثر سپرو ۔ اور مسٹر جیکر جیسے عافیت پسندان ازلی نے بھی عدم تعاون کا راستہ اختیار کیا ۔ اگرچہ مجھے مانچسٹر گارڈین کے اس مقولہ کو تسلیم کرنے میں تامل ہے " ہندوستان میں برطانیہ کو اچھا کہنے والا کوئی نہیں رہا " کیونکہ ابھی بھائی پرمانند اور حاجی شوکت علی سر اقبال اور سر غزنوی ، اور ڈاکٹر مونجے جیسے کاسہ لیسان ازلی آستانہ عالیہ برطانیہ پر جبیں سائی کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتے ہیں ۔ اور جب تک اس قسم کی فیکٹری کے کھلونے ہندوستان کے بازار وفاداری میں ملتے رہیں گے صاحب وزیر ہند یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مسٹر سپرو ۔ جیکر ۔ جناح کے علاوہ ایک نمائندہ جماعت اور بھی ہے ، جو موجودہ پالیسی میں حکومت کو حق بجانب سمجھ کر اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے ۔

اس اعلان کے باوجود بھی وفا کوشان ازلی کے ترک تعاون

اور مسٹر ہور کے پینترے بدلنے کے باوجود

ایک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

کیونکہ شملہ اور وہائٹ ہال کی سرگوشیوں سے ایک منجم کی طرح پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ ہندوستان کا مستقبل شاندار ہے ۔ اور بہت جلد وہ وقت آئے گا کہ اسی ہزار محبان وطن جیل خانوں سے باعزت رہا ہونگے ۔ اور گاندھی جی ہندوستان کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے تیسری گول میز کانفرنس میں شریک ہونگے اور ہندوستان کی غلامی کا خاتمہ ہوگا ۔ کیونکہ بقول سر پرشوتم داس کوئی کانسٹی ٹیوشن ہندستان میں اسوقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ جب تک گاندھی جی کا تعاون حاصل نہ ہو ۔

میرے خیال میں اسوقت انگلستان سے ہندوستان کا صرف ایک ہی مطالبہ ہونا چاہیئے ۔ اور وہ یہ کہ جو وعدے ہندوستان سے کئے گئے ہیں ان کو بلا تاخیر اور حرف بحرف پورا کرو ۔ اسی ایک مطالبہ میں وہ سب کچھ ہے ۔ جس کے لئے آج تقریباً اسی ہزار محبان وطن اسیر فرنگ ہیں ۔ نیز کانگریس کے لئے یہ بھی مناسب ہوگا کہ وہ فضا کو بہتر کرنے کے لئے سول نافرمانی [illegible]

قوم پرور مسلمانوں کا اعلان

مسلم کانفرنس کے ڈوبانہ اور بزدلانہ اعلان سے ہر سچا مسلمان شرمندہ ہوتا تھا ۔ کیونکہ اس میں غلامی اور غداری کو عین اسلام بتایا گیا تھا ۔ اور اسی کے طفیل میں حقوق کے بھکاریوں نے آواز لگائی تھی کہ

اللہ کے نام دیدو ۔ مولا کے نام دیدو

مگر خدا کا شکر ہے کہ ہمارے مسلمانوں کے اسیر فرنگ ہونے کے باوجود صدہا قوم پرور زعماء اور علماء نے ان خود غرضوں اور ملت فروشوں کی اس نام نہاد اسلام دوستی کی حقیقت کھولدی جس سے اسلام نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں بدنام ہو رہا تھا ۔ اور بدلائل یہ ثابت کر دیا کہ اسلام آزادی اور حب وطن کے جذبات سے نہ صرف یہ کہ خالی نہیں ہے ۔ بلکہ غلامی کا جوا اتارنے کا حکم دیتا ہے ۔ اور جن لوگوں نے اپنی فطری بزدلی کی وجہ سے وہ غلامانہ اعلان مسلمان قوم کے نام سے شائع کیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اسلامی تعلیم سے دور کا واسطہ بھی نہیں اور اسی لئے ان کو جمہور اسلام کا اعتماد حاصل نہیں ۔

اس اعلان کی قوم پرور مسلمانوں کو ہرگز ضرورت نہ ہوتی ۔ اگر مسلم کانفرنس کے کارکن اس کو اپنی ذاتی حیثیت سے شائع کرتے ۔ اور غلامی کو اسلام کی تعلیم نہ بتاتے ۔ اور اپنی غلامانہ اور خود غرضانہ جدوجہد کو وہ مسلمان قوم کی طرف منسوب نہ کرتے ۔ کہ ہر شخص کو آزادی رائے کا حق ہے ۔ اور ہر قوم میں انتہا پسند ، اعتدال پسند ، اور حکومت پسند ہوا کرتے ہیں ۔ مگر یہ اندھیر کہیں نہیں دیکھا گیا کہ چند مٹھی بھر مسلمان جن کو عام مسلمانوں کے سامنے آنے کی جرأت نہیں سازباز کر کے مسلمانوں اور اسلام کی عزت کا نیلام اپنی ذاتی اغراض کے لئے کرلیں ۔

بہر حال میں ان باقیات الصالحات قوم پرور مسلمانوں کے بروقت اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کو اس بہادرانہ اعلان پر مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے مدبرانہ اعلان کے ذریعہ حکومت اور ہمسایہ اقوام کو مسلمان قوم کے اصلی جذبات سے باخبر کر دیا ۔

سیالکوٹ میں دو حادثے

نہیں معلوم سیالکوٹ کے حکام اس قدر ناعاقبت اندیش کیوں واقع ہوئے ہیں کہ وہ پتہ کی کھڑکھڑاہٹ سے چونکنے ہوکر دفعہ ایک سو چوالیس نافذ کر دیتے ہیں ۔ اور بداستی کے واہمہ کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آتی ہے ۔

سیالکوٹ میں شیعوں نے چہلم کے روز دلدل کا جلوس حسب معمول نکالنا چاہا ۔ اس کو حکام نے مشتبہ نگاہوں سے دیکھا اور اس نے ایک ہنگامہ کی صورت اختیار کی ۔ اس کے بعد عید میلاد

مقدس جلوس پر بھی پابندیاں عائد کی گئیں جس سے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر ان دونوں جلوسوں سے بدامنی کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ کیا پنجاب گورنمنٹ ایک نیم سرکاری کمیشن کے ذریعہ مذکورہ حالات کی تحقیقات کرے گی کہ آخر ملک معظم کی وفادار رعایا کو انکے مذہبی مراسم سے روکنے کے لیئے مقامی حکومت کے پاس کیا وجوہات تھیں؟

پنجاب کا پہلا ہندوستانی گورنر

ملک میں اس خبر پر تہنیت کا اظہار کیا جارہا ہے کہ ہزایکسلنسی دی ہونوشریبل گورنر پنجاب کے رخصت لینے پر سردار سکندر حیات خاں تین مہینے کے لیئے گورنر بنائے گئے۔ جو برٹش عہد حکومت میں پہلے پنجابی، پہلے ہندوستانی، اور پہلے مسلمان گورنر ہیں۔

سردار سکندر حیات صاحب چوتھے ہندوستانی ہیں، جن کو عارضی طور سے گورنری کا چارج دیا گیا ہے۔ اور دوسرے مسلمان ہیں، جو گورنر بنائے گئے ہیں۔ اور اگر بنگال میں سر عبدالرحیم کی حق تلفی نہ کی جاتی، تو یقیناً آپ تیسرے مسلمان گورنر ہوتے۔

سردار صاحب کا تقرر یہ ثابت کر رہا ہے کہ مسلمان جن کے متعلق ہمارے بھائیوں اور دفتری اقتدار کے حامی عرصہ سے یہ کردہ پروپیگنڈا کیا کرتے ہیں کہ وہ قابل نہیں ہوتے۔ اور اسی لیئے فرقہ پرستی کو حقوق طلبی کے لیئے آڑ بناتے ہیں۔ غلط ہے۔ کیونکہ اگر مسلمان ایسے ہی نالائق ہوتے تو ایک ہفتہ کے لیئے سر علی امام گورنر جنرل نہ بنائے جاتے اور چھ مہینے کے لیئے نواب سر احمد سعید خاں صاحب صوبہ کے گورنر نہ ہوتے۔ اور اب ۳ مہینے کے لیئے سردار سکندر حیات خاں صاحب گورنر نہ بنائے جاتے۔

بہر حال اگر حکومت لائق مسلمانوں کو ذمہ دارانہ عہدے دے تو خدا کا فضل ہے کہ مسلمان اپنی قابلیت اور مستعدی سے اہم سے اہم عہدہ کے اہل ثابت ہو سکتے ہیں۔

بنگال مسلم کانفرنس کا اجلاس

بنگال میں حامیان حقوق مسلمین نے آل بنگال مسلم کانفرنس کے نام سے ایک جلسہ زیر صدارت سر عزنوی منعقد کرنے کا اعلان کیا جس میں بدقسمتی سے ایک حق پرست مسلمان بھی پہنچ گیا جس پر اس جرم میں قاتلانہ حملہ کیا گیا کہ وہ اس بنگال میں جس میں مسلمانوں کی چھپن فیصدی آبادی ہو رہا ہے اور مسلم کانفرنس والے اکیاون فیصدی مانگتے ہیں۔ جو یقیناً مسلم حقوق کے ساتھ غداری ہے۔ اور یہ سب کچھ ان مولانا شفیع داؤدی کے سامنے ہوتا ہے۔ جو گاندھی جی سے اس لیئے سمجھوتہ کے خلاف تھے کہ وہ مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حقوق نہیں دیتے۔

میں نہیں سمجھتا کہ مسلم حقوق اور مسلمان قوم کے ساتھ یہ غداری نہیں تو اور کیا ہے کہ اس کی آبادی تو ہو چھپن فیصدی اور پانچ فیصدی کن وجوہات پر بینیفٹ کر کے اکیاون فیصدی کا مطالبہ کیا جائے۔ جو مسلمان اپنی اکثریت کو اپنی ہندو ہمسایہ قوم کے لیے نہیں چھوڑنا چاہتے جیسا کہ ان کو نہ چھوڑنا چاہیئے آخر معلوم نہیں کہ وہ کلکتہ کے تجارت پیشہ انگریزوں کے لیئے کن وجوہات پر اپنی پانچ فیصدی کی اکثریت کی قربانی کر رہے ہیں۔

ایک حقوقی رہنما کا شاہکار

صوبہ متحدہ کی کونسل میں مسلمانوں کے ووٹ سے ایک مسلمان جو ممبر منتخب ہو کر گئے ہیں۔ جو مسلم کانفرنس کے حقوقی ماتم گسار وں کی صف اول میں ہیں۔ اور جو حکومت کی غلطی سے مسلمانوں کے رہنما کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں بھی تشریف لے جا چکے ہیں۔ ان کی قومی خدمت کا تازہ شاہکار یہ ہے کہ جس وقت صوبہ متحدہ کی کونسل میں ایک عیسائی ممبر نے انسداد زناکاری کی تحریک پیش کی، تو مسلمانوں کے اس خود غلط رہنما نے حسب ذیل الفاظ میں اس مفید اور اہم اور یقیناً اسلامی تعلیم کی روشنی میں پیش ہونے والی تحریک کی مخالفت کی۔

"ہندوستانی طوائفیں فن رقص کی ماہر ہوتی ہیں۔ اور رقص اپنی فنی حیثیت سے مذہب سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ تجویز منظور ہوگئی اور وہ قانونی شکل میں آگئی تو بجائے اس کے کہ کوئی فائدہ پہنچائے ان عورتوں کے لیئے تکلیف اور مصیبت کا باعث ہوگی جو رقاصی کا کام بطور پیشہ کے کرتی ہیں اور یہ پناہ گاہیں ان لڑکیوں کے لیئے جو آزادانہ زندگی بسر کر رہی ہیں، اور ایک آزاد پیشہ کی خوگر ہیں قید خانوں سے بدتر ثابت ہونگی، دیگر ممالک میں اعلیٰ درجہ کی رقاصاؤں کی سوسائٹی میں قدر و منزلت کی جاتی ہے، اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں فن رقص کی ہر امکانی ہمت افزائی کیوں نہ کی جائے۔ امریکہ میں عصمت فروشی کی محرک، بیچارگی، فریب خوردگی، کس مپرسی، والدین کی بدسلوکی، شوہر کی بے اتفاقی، یا آسائش کی خواہش ہوتی ہے لیکن ہندوستان میں ایسا کوئی سبب موجود نہیں بلکہ یہاں یہ ایک موروثی پیشہ ہے جس کے ساتھ بہت سی مذہبی و قومی روایات وابستہ ہیں یہ چیز ہمارے ملک میں ایک غیر معلوم مدت سے چلی آ رہی ہے اور اس کے برباد کرنے کی کوشش نہایت درجہ قابل ملامت ہے"

(منقول از کانفرنس گزٹ ۱۶ جولائی ۱۹۳۲ء)

میں نہیں سمجھ سکتا کہ کن الفاظ میں اس تقریر پر ملامت کروں جو اسلام اور انسانیت اور اخلاق کے لیئے باعث ننگ ہے۔ البتہ کانپور کے ان مسلمانوں کا بے گناہ انسانوں اور خدا اور اس کے مقدس رسول کے نزدیک ناقابل معافی ہے، جنہوں نے ایسے شخص کو اپنا نمائندہ

کونسل میں بھیجا جس نے مسلمانوں کے حقوق کی بجائے طوائفوں کے حقوق کی حفاظت کا ناقابل تلافی اور ناقابل معافی جرم کیا۔ اگر مسلمان کوئی زندہ قوم ہوتی تو ناممکن تھا کہ اس کا نمائندہ ایسی مخرب اخلاق تقریر کرنے کے بعد کونسل کا ممبر رہ سکتا۔ کہ زندہ قومیں ایسے ممبروں کو عزت کی کرسی سے نیچے اتار دیا کرتی ہیں۔

کیا کانپور کے مسلمان رائے دہندے اور یوپی کے تیج اخبار کے ایڈیٹر سن رہے ہیں کہ اسلام کے نام پر آج صوبہ متحدہ کی کونسل میں کیا ڈرامہ دکھایا گیا ہے؟ اور کیا ان میں حق گوئی کی جرأت ہے؟

بے دردوں بے پردل

بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار کی اطلاع کے بموجب حکومت نے مسلمانوں کے ۱۴ مطالبات میں سے سات منظور کر لیئے۔ یعنی بنگال کی چھپن فیصدی آبادی کو ۴۹ فیصدی حق نیابت ہوگا اور پنجاب کی ستاون فیصدی کو اکیاون فیصدی حق حاصل ہوگا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلم اکثریت کا ان دونوں صوبوں میں خاتمہ ہے۔ مشترکہ انتخاب کی زندگی ۱۰ سال کے لئے اور بڑھا دی گئی۔ مرکز میں ⅓ نیابت کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا۔ تمام ہندستان میں یکساں اصلاحات کے نفاذ کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ صوبوں کی کامل خودمختاری کو مسترد کیا گیا۔ پرسنل لا اور وزارتوں کے مطالبہ کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔

اگر نامہ نگار مذکور کی یہ اطلاع صحیح ہے، تو بیحد مایوس کن ہے۔ اور حکومت کے آسرے پر جس مسلم کانفرنس نے مسلمانوں کو ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کا بزدلانہ مشورہ دیا تھا، اس نے مسلم قوم کے ساتھ انتہائی غداری کی اور اس کے لیڈروں نے ذاتی غرضوں کے حصول کے لیئے مسلم قوم کا بیڑا غرق کر دیا۔ لاریب مسلمانوں کو مسلم کانفرنس کے خود ساختہ لیڈروں کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال کر یہ پوچھنے کا حق ہے کہ ایسی حالت میں کہ جبکہ مہاتما گاندھی نے چودہ مطالبات میں سے تیرہ مطالبات تسلیم کر لئے تھے۔ اور چودھویں مطالبہ یعنی جداگانہ انتخاب کے لیئے بھی وہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے مشورے سے راضی ہو جاتے۔ مسلم کانفرنس والوں نے گاندھی جی سے اچھوتوں کی حمایت میں فیصلہ نہیں کیا۔ اور مسلم قوم کو اقلیتوں کے معاہدے سے ظالمانہ تسلیاں دیتے رہے۔ اور اب جبکہ تمام غداریوں کے باوجود حکومت نے ان کے منہ پر تھوکا بھی نہیں تو یہ کیوں خاموش ہیں؟ کیا یہ ساری شورا شوری محض کانگریس کے خلاف مسلمانوں کو صف آرا کرکے حکومت اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیئے تھی؟ آخر معلوم تو ہو پنجاب کے وہ چھپن فیصدی والے سورما کس کونے میں دبکے بیٹھے ہیں؟ جو ہندو سے ایک سیٹ کم لینے پر بھی رضامند نہیں تھے۔ مگر حکومت کے اکیاون فیصدی کو شیر مادر کی طرح ہضم کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اگر اسی سال ہنیئم برطانیہ کو ۱۶ سالہ یورپین لڑکی سے ہتی سون منانے سے

فرصت ہو تو وہ بتائیں کہ کیا انہوں نے حالات سے باخبر ہو کر محض ذاتی اغراض کے لیئے مسلم قوم کے حقوق کا نیلام نہیں کیا۔؟

بہرحال ضرورت ہے کہ ہر طبقہ کے مسلمان آنے والے وقت کے لیئے تیار ہو جائیں۔ اور اگر بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار کی اطلاع صحیح ثابت ہو تو اس وقت کے واسطے کوئی ایسا مؤثر پروگرام تیار کریں جس سے حکومت مسلمانوں کے مطالبات کو جو کم سے کم ہیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو سکے۔ ورنہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے کا انجام یقیناً دوہری غلامی ہوگا۔ جس کے ذمہ دار ہر حالت میں مسلم کانفرنس کے ارکان ہونگے۔

سیرت حضور غوث پاکؓ

اس پرچہ میں شائع نہیں ہو سکی کہ حضرت مولانا ضیاء القادری صاحب کو بعض فارسی اور عربی کتابوں کا انتظار ہے۔ جو معتبر بغداد سے ممدوح نے اس کتاب کی تالیف کے لیئے طلب فرمائی ہیں کیونکہ سیرت حضور غوثؓ پاک نہایت ہی بلند اور اہم تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھکر تالیف کی جا رہی ہے۔ اس لیئے قارئین کرام کو تاخیر سے ناراض نہ ہونا چاہیئے۔ بہت ممکن ہے کہ آئندہ اشاعت تک مطلوبہ کتابیں ہندستان پہنچ جائیں۔ اور ۱۹۳۲ء کی یہ بہترین یادگار تصنیف ستمبر کے پیشوا میں شائع ہونی شروع ہو جائے۔

پیشوا کے رسول نمبر کی مقبولیت

کا اندازہ ان خطوط سے ہو رہا ہے، جو روزانہ دفتر پیشوا میں خریدار حضرات کے موصول ہو رہے ہیں، اور جن میں نہایت کارآمد اور مفید مشورے بھی سال آئندہ کے رسول نمبر کے لیئے دیئے گئے ہیں۔

میں ان تمام بھائیوں کا شکر گذار ہوں، جنھوں نے اپنی قیمتی رائے سے مجھے مستفید فرمایا۔ مگر میں اپنی تعریف سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا جدید خریداروں کی فراہمی سے کیونکہ پیشوا کے رسول نمبر کی اصلی تعریف یہی ہے کہ اس کے لیئے نئے خریدار فراہم کیئے جائیں۔

تتمہ رسول نمبر کی ضخامت

میں صرف اس لیئے کمی ہو گئی ہے کہ میں جولائی کے آخری ہفتہ میں قولنج کے جانگسل دورے میں مبتلا ہوا۔ اور اس کے بعد انفلوئنزا کا حملہ ہوا۔ صحت کا انتظار کرنے کی بجائے یہ بہتر سمجھا گیا کہ جو کچھ تیار ہے فوراً وقت پر روانہ کر دیا جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ مجبور کن حالات کی وجہ سے اس نمبر پیشوا میں ضخامت میں چند صفحے کم کیئے گئے۔ جو یقیناً خریدار صاحبان کی حق تلفی ہے۔ انشاء اللہ ستمبر کا پرچہ پوری ۷۲ صفحے کی ضخامت کا شائع ہوگا۔

معراج نمبر کی تیاری

میں انشاء اللہ طاقت بحال ہوتے ہی معراج نمبر کی تیاری

معروف ہو جاؤں گا۔ جو انشاء اللہ رجب کے مہینہ میں شائع ہوگا۔ مضمون نگار حضرات کو ابھی سے توجہ فرمانی چاہیئے۔

مولانا حسرت موہانی کی نئی پارٹی

حضرت مولانا حسرت موہانی صاحب نے مسلم کانفرنس کے ہنگامہ کدہ سے نکل کر ایک نئی پارٹی مسلم انڈی پینڈنٹ پارٹی کے نام سے قائم کی ہے۔ جس کے لیے وہ اور مولانا آزاد سبحانی صاحب آجکل ہندستان کا دورہ کر رہے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم نیشلسٹ پارٹی کی موجودگی میں کسی نئی قوم پرست جماعت بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ مسلمانوں نے آل انڈیا جماعتوں کی ساکھ برباد کر دی ہے ہر شخص ان میں لیڈر ہے۔ اور لیڈر بھی آل انڈیا سے کم نہیں ہونا چاہیئے پھر حسرت صاحب جس جماعت کے ساتھ کام کر سکتے ہیں، وہ صرف قوم پروروں کی جماعت ہے۔ اور اس سے وہ عرصہ سے روٹھے ہوئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے فرقہ وارانہ مفاد کے لیے کسی جداگانہ مگر آزاد جماعت کا ہونا ضروری ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم نیشلسٹ پارٹی کے سرفروش کارکنوں سے مل کر مولانا کو مسلمانوں میں عملی روح پیدا کرنی چاہیئے جس کے فقدان نے آج مسلمانوں کو کہیں کا نہیں رکھا۔

بہرحال میں مولانا حسرت کی نئی پارٹی کا خیر مقدم نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ پارٹی زیادہ عرصہ تک قایم نہ رہ سکے گی۔ مگر مولانا کی جد و جہد کو ضرور قابل تعریف سمجھتا ہوں۔ کہ ان کی علیحدگی کے باعث ہی مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ مسلم کانفرنس کس جماعت کا نام ہے۔

الامان کے رسول نمبر میں پیشوا کے مضامین

قارئین کرام اس تکلیف اور پریشانی اور خرچ کا اندازہ نہیں کر سکتے جو رسول نمبر کو مرتب کرنے میں ہوتا ہے۔ مگر کس قدر افسوس ہوتا ہے کہ الامان کے "حضرت مولانا" فاضل دیوبند، حال رئیس الاحرار مسلم کانفرنس کے آل انڈیا لیڈر۔ صوبہ خلافت کمیٹی کے ...... سکریٹری نے اپنے رسول نمبر میں پیشوا کے رسول نمبر کے وہ مضامین جو صرف پیشوا کے لیے لکھے گئے تھے۔ میری بغیر اجازت اور بغیر پیشوا کے حوالے کے اس طرح نقل کر لیے جیسے ان مضمون نگاروں نے الامان کے رسول نمبر کے لیے مضامین لکھے ہیں۔ سرقہ کی بدترین مثال شاید تلاش کرنے سے بھی کسی دوسرے اخبار میں نہ ملے۔ مولانا کی شہرت تو ایک عرصہ سے اس فن کے متعلق تھی ہی۔ مگر یہ چوری اور سینہ زوری بھی مبارک ہو۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین و [illegible] بیچ اس مسئلہ کے؟

پردہ اور تہذیب نسواں

ہندوستان میں مسلمان خواتین کو پردہ ترک کرنا چاہیے

مروجہ پردہ میں کسی اصلاح کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں جداگانہ بحثیں ہیں جن پر عرصہ دراز سے بحث ہو رہی ہے۔ اور چونکہ مخالفانہ بحث زیادہ تر اس فرقہ کی طرف سے ہوتی ہے، جو شریعت حقہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا۔ اس لیے سوائے چند روشن خیال "مسلمان نوجوانوں" کے دس کروڑ مسلمانان ہندوستان پردہ کے حامی ہیں۔ اور یہی پیشوا کا مسلک ہے مگر افسوس یہ ہے کہ مغرب کے اس سیلاب الحاد میں بڑے بڑے مدعیان قدامت پسندی بھی بہے چلے جا رہے ہیں۔

مولوی ممتاز علی صاحب اخبار تہذیب نسواں کے بانی ہیں، جو ایک عرصہ سے مسلم خواتین کی خدمت کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مولانا کی حیثیت ایک مفتی کی نہیں ہے۔ مگر پردہ پر تہذیب میں تازہ خیالات ملاحظہ ہوں:

"مولانا کفایت اللہ زاد مجدہم کب اجازت دیں گے کہ عورتیں گھر سے نکلیں؟"

پردہ پر بحث کرنے میں دلائل سے ہار کر اگر مولانا مجبوراً مان بھی گئے تو پھر خوف فتنہ کی ڈھال انہیں ہر حملے سے محفوظ رکھتی ہے۔

(تہذیب نسواں ۴ رجون ۱۹۳۲ء صفحہ ۵۰۵ کالم ۲)

مجھے نہیں معلوم کہ مولانا ممتاز علی صاحب اس سوقیانہ طرز تحریر کے لیے کس حد تک ذمہ دار ہیں، جو مفتی اعظم کے لیے اس جرم میں روا رکھا گیا ہے کہ وہ پردہ شکنی کی اجازت کیوں نہیں دیتا۔ اور کیوں نہیں شریعت اسلامیہ کو تہذیب کی ضرورت کے مطابق ڈھال دیتا۔ اور اگر یہ حقیقت ہے کہ مولانا پردہ کی قیود سے آزادی حاصل کرنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔ اور وہ پردہ اڑا دینے پر تلے ہوئے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ پہلے خود میدان میں آئیں۔ اور اسلامی پردہ کی دھجیاں اڑانے والیاں تہذیب نو کے ثمرات لے کر جب ان کے سامنے آئیں گی۔ تب ان کو حضرت علامہ کفایت اللہ مفتی اعظم کی "فتنہ کی ڈھال" کی مصلحت معلوم ہو جائیگی۔

سکھا شاہی اعلان

۲۳ر جولائی کو مہاراجہ رنجیت سنگھ آنجہانی کی سمادھ پر سکھوں کے ہر طبقہ کا اجتماع ہوا۔ اور بڑے بڑے مدعیان قوم پرستی نے ایسی بہکی بہکی باتیں کیں کہ ان کو پڑھ کر سوائے قہقہہ لگانے کے اور کوئی سمجھدار انسان کیا کرے۔ پنجاب کے ۱۳ فیصدی سکھ ۲۰ مطالبات پیش کر کے ۳۰ فیصدی مانگتے ہیں اور "خون کی ندیاں" بہانے کی دھمکیاں [illegible] مسلمانوں کو دیتے ہوئے نہیں شرماتے۔ آخر ان بہادر فدائیوں نے

مسلمانوں کو بزدل کیوں سمجھ لیا ہے؟

پنجاب کے مسلمانوں کی اکثریت کو دنیا کی کوئی طاقت فنا نہیں کر سکتی تیرہ فیصدی ہو کر مسلمانوں اور حکومت کو [illegible]

ہو جاتے ہوں کہ ان کے مقابل مسلمان بھی ہیں جو اگر بزدل ہوتے تو عرب سے آکر ہندوستان میں اپنی حکو

مشرقی طب کا دنیا میں سب سے بڑا دواخانہ

اور مغربی فن دواسازی کا بہترین نمونہ

ہندوستانی دواخانہ دہلی

ہے جو ایشیا کے سب سے بڑے زندہ طبیب مسیح الملک ثانی جناب حکیم محمد احمد خاں صاحب مدظلہ کی زیرسرپرستی کم سے کم نفع پر بہتر سے بہتر اکسیری دوائیں پیش کرکے ملک کی عظیم الشان خدمت کر رہا ہے۔

یہی وہ دواخانہ ہے جس میں ارسطوئے زماں حکیم محمود خاں صاحب و حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب اور لقمان الملک حکیم واصل خاں صاحب اور مسیح الملک جناب حکیم اجمل خاں صاحب اور مسیح الملک ثانی جناب حکیم محمد احمد خاں صاحب اور شریف خانی خاندان کے تمام حکما کے اکسیری مجربات تیار ہوتے ہیں۔

یہی وہ دواخانہ ہے جس کا فن دواسازی قدامت فن کو لئے ہوئے ہر طرح یورپ کے ترقی یافتہ طریق دواسازی کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے یہی وہ دواخانہ ہے جس کے عملہ میں تقریباً ڈیڑھ سو ملازمین پچاس ہزار روپیہ تنخواہوں کے ملازم ہیں۔ اس کے کاروبار کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دواخانہ کی موجودہ حیثیت پچاس لاکھ کی پراپرٹی سے بھی زائد ہے یہی وہ دواخانہ ہے جس نے [illegible] ہزار روپیہ دیکر مسیح الملک مرحوم کے فرزند جناب حکیم محمد جمیل خاں سے دواخانہ حکیم اجمل خاں صاحب کا نام استعمال کرنے کا حق بھی حاصل کرلیا ہے۔ یہی وہ دواخانہ ہے جو شخصی منافع سے پاک ہے اور جس کی لاکھوں روپے کی آمدنی سے طبیہ کالج اور [illegible] طبیہ کالج چل رہے ہیں۔ یہی وہ دواخانہ ہے جس کو والیان ملک اور لیڈران قوم کا اعتماد حاصل ہے کیونکہ مسیح الملک مرحوم کے تمام مجربات اسی دواخانہ سے ملتے ہیں جس کے متعلق مسیح الملک مرحوم نے اپنی وفات سے چند لمحہ پیشتر آخری تحریر کے ذریعہ اپنے اور شریف خانی خاندان کے نسخے دواخانہ کے حق میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیئے تھے۔ بڑی فہرست اس پتہ سے مفت طلب کیجئے:—

مینیجر ہندوستانی دواخانہ دہلی

لذت شباب

The Illu...

شباب جادو ہی کی کتاب ہو تو لذت شباب یعنی ایرانی کوک شاستر کا مطالعہ کیجیے جس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ شباب کو مدت دراز تک کس طرح قائم رکھ سکتے ہیں عورت کے خطرات کیا ہیں حسن کی ملکہ کس طرح لطف اندوز ہونا چاہیے گلزار شباب کس طرح وقت خزاں ہوتا ہے شباب کی روشنی ہوتی ہے کس طرح ملتی ہے عورت اگر عورت سے اور مرد اگر عورت سے اپنی خواہش پوری کر سکتی کیسے خطرناک نتائج پیدا ہوسکتے ہیں لذت شباب میں ہر ستان شباب کو حیات تازہ بخشنے کے لیے تاجداران بنگال اودھ اور رامپور کے درباری طبیبوں کے سینکڑوں بے بہا نسخے ہیں جو ہزاروں روپیہ خرچ کرنے پر بھی دستیاب نہیں ہو سکتے لذت شباب کے علاوہ میں شباب جادو کا دریچہ ہے صفحات قریباً دو سو صفحات آٹھ نہایت بہترین بلاک کی تصاویر قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) کتاب کی فہرست مضامین حسب ذیل ہے۔

[illegible]

ملنے کا پتہ۔ مینیجر اورینٹل بک ڈپو دہلی

عورت

پھولوں کی سیج پر حسن کی رعنائیاں دیکھئے [illegible] عورت [illegible]

یہ کتاب [illegible] عورت کی فطرت، عورت کی تربیت، عورت کے باغ حسن کی خوشبو [illegible]

[illegible] یہ کتاب حقیقتاً عورتوں کی انسائیکلوپیڈیا ہے [illegible]

[illegible] اس کتاب میں [illegible] فوٹو گراف کی تصویریں [illegible] کاغذ، لکھائی چھپائی [illegible] قیمت [illegible]

فہرست [illegible]

اس کتاب میں ذیل کی [illegible] فوٹو بلاک [illegible]

(۱) [illegible]
(۲) دوشیزہ کشمیر
(۳) عراق کی عورت
(۴) برما کی عورت
(۵) نیوزی لینڈ کی عورت
(۶) ہانگ کانگ کی عورت
(۷) حبشی عورت
(۸) [illegible] عورت
(۹) لیتھونیا کی عورت
(۱۰) [illegible] کی عورت
(۱۱) مڈغاسکر کی عورت
(۱۲) منگولیا کی عورت
(۱۳) [illegible] کی عورت
(۱۴) [illegible] کی عورت
(۱۵) سیام کی عورت
(۱۶) [illegible] عورت
(۱۷) البانیہ کی عورت
(۱۸) [illegible] کی عورت
(۱۹) [illegible] کی عورت
(۲۰) روما کی عورت
(۲۱) [illegible] عورت
(۲۲) عراق کی عورت
(۲۳) جاپان کی عورت
(۲۴) [illegible] کی عورت
(۲۵) [illegible]

(۲۶) [illegible] عورت
(۲۷) چین کی عورت
(۲۸) [illegible] کی عورت
(۲۹) [illegible]
(۳۰) [illegible] کی عورت
(۳۱) [illegible] عورت
(۳۲) [illegible]
(۳۳) [illegible]
(۳۴) [illegible]
(۳۵) [illegible]
(۳۶) [illegible]
(۳۷) [illegible]
(۳۸) [illegible]
(۳۹) برلن کی عورت
(۴۰) [illegible] عورت
(۴۱) [illegible]
(۴۲) انگریز خاتون [illegible]
(۴۳) ترکی [illegible]
(۴۴) [illegible]
(۴۵) [illegible]
(۴۶) [illegible]
(۴۷) مصری رقص
(۴۸) ہندوستانی رقص
(۴۹) [illegible]
(۵۰) [illegible]
(۵۱) سالومی
(۵۲) [illegible]

(۵۳) دوشیزہ کوہستان
(۵۴) ریاست [illegible] کی عورت
(۵۵) [illegible]
(۵۶) کوہستانی عورت
(۵۷) لمبے بالوں والی عورت
(۵۸) موسیقی
(۵۹) عالم انتظار
(۶۰) [illegible]
[illegible] بے پناہ

فہرست قلمی تصاویر

[illegible]
[illegible] عورت [illegible]
[illegible] تصویریں
[illegible] عورت [illegible] تصویریں
[illegible]
[illegible] تصویریں
[illegible] عورت کی [illegible]
[illegible]

فہرست مضامین

[illegible] کے متعلق [illegible]
[illegible]
عورت کیا ہے؟
عورت کی تربیت
عورت کے [illegible]
مغربی عورت
عورت کی [illegible]

پہلا باب

[illegible] عورت کی ذمہ داریاں
[illegible]
[illegible]
عورت کی [illegible]
عورت کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
عورت [illegible]
[illegible]

دوسرا باب

انسانی زندگی کا ساتھی
[illegible] عورت [illegible]
عورت کی معصومیت
[illegible]
عورت کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
عورت کی [illegible]
[illegible]

تیسرا باب

[illegible]
[illegible]

چوتھا باب

[illegible]

اس کتاب میں [illegible]

ملنے کا پتہ مکتبہ اور [illegible] بک ڈپو دہلی

9(11)



پیشوا

اڈیٹر: عزیز حسن بقائی

قابل شوہر وہی ہے

جو

عورت کی فطرت کو اچھی طرح سمجھ لے اور محبوبہ سے لطف اندوز ہونے کا صحیح طریقہ جانتا ہو اور ازدواجی زندگی کی نازک ذمہ داریوں کو سمجھتا ہو۔

شب عروسی

(مع رنگین تصویر) قیمت ایک روپیہ

پڑھ لینے کے بعد تمہیں یہ سب باتیں معلوم ہو جائیں گی اور تم کو خانگی زندگی میں جنت کا لطف آئیگا نوجوانوں کے لئے طلسم اور دولہا دلہن کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ یہ معرکۃ الآرا کتاب عورت مرد کی محبت، رضامندی، انگریزی کی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بصرف کثیر حال ہی میں لکھی گئی ہے یہ مغرب کی تمام تازہ ترین جنسی تحقیقاتوں کا جوہر ہے۔ اسمیں ازدواجی زندگی کی جملہ دشواریاں، محبوبہ سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونے کے طریقے مواصلت کے اوقات جسم سوائی کی مکمل تشریح۔ استقرار حمل کی کیفیت احساس کے طریقے۔ زمانہ حمل کے متعلق ضروری ہدایات وضع حمل کے آسان طریقے۔ غرضیکہ ہر ایک وہ بات جو ہر ایک شادی شدہ عورت و مرد کو ضرورت ہے بہایت فصیح و بسط کیساتھ بیان کی گئی ہے۔ علاوہ بریں اسمیں ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے دو بیش قیمت طریقے درج ہیں جنہیں آپ لاکھوں روپیہ صرف کرکے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ کتاب کی عبارت دلچسپ، پُرکیف اور رنگین ہے کہ ایک مرتبہ شروع کرکے سب تک ختم ہو جائے آپ کتاب اگر ہاتھ سے رکھدیں تو ہمارا ذمہ۔ مبصرین کی رائے ہے کہ اخلاقی پیرایہ میں جنسی معلومات پر بہترین کتاب آج تک ہندوستان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئی۔ ضخامت ۱۶۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ علاوہ محصولڈاک۔

فہرست مضامین کتاب شب عروسی

تصویر شب عروسی کی صبح
ٹوٹے ہوئے دل کی صدا

پہلا باب

نوجوانوں کے کان میں ماں کی باتیں
صداقت تبسم کی رونمائی
شرکیک ملکہ کی خاموش نگاہیں
پیکر وجہ شہزیت کا نازک بدن
تلاوں سے بہتر زندگی
نمائش خوش کی شرمساری
بجسمہ نازکے قدموں پر
گلشن نسائیت کی نخبہ کلی
محبوبہ یا عالم تحیر
خواہش وصال کی نزاکت خیال
گھر میں محبت کے شعلے خلوت کی

دوسرا باب

آنکھیں صحت میں حسن کی تڑپ
جبلی و جنسی تعلق ازدواج میں
قوم و دنیا کا طلسم اور زور
دولہا دلہن کا ناتجربہ
لطافت جسم سے متعلق
ولادت کی فتح و شکست
مقتضیات کی تاریکی اور ذرہ کا مزاج
شب عروسی کی اہمیت
جو گلہائے جمال کے نتائج
شب مواصلت کی جنگ
لذت دنیاوی کا سرچشمہ
معبود حسن کی ساعت
مزین گلشن محبت کا استاد

گل تازہ شگفتہ کی پنکھڑیاں
خواہشات نفسانی
لگوں کا روح نشاط
حریم حسن کی ادائیں
وادی نشاط
بسل کی پار دگی
دو شیزگی کا سامن
پردہ بکارت و شیزگی کا سرچشمہ
انسان کا پہلا راحت
جسم کی تشریح
جوف رحم
انسانی زندگی کا مرکز
سینہ کے رحم تک بچے کا راستہ
انسانی زندگی کی تشکیل
گلچیں کیلئے احساس کی اجابت
عورتوں کے دل پر لوٹے

تیسرا باب

ملاپ نسائیت سے لطف اندوزی
حکمت عیش کا ادہ روح پرور
اتحاد تناسل کی ضرورت
مادہ عیش سامان اعتدال میں
گلچینی جمال کیلئے عمدہ موقع
نقصان تعیش سے بیدردی
لطف اندوزی کا بہترین طریقہ
اوقات مواصلت
گلچینی جمال میں کامیابی
پیکر نسائیت کی قسمیں
دنیا میں بہترین عورت

لطف اندوزی کے وقت
محبوبہ کے جذبات کا احترام
آتش شوق کے فرو ہونیکی علامت
زوجین کی نامکمل لطف اندوزی
نکتہ نشاط میں سستی
لذت جماع کی شیریں ترین حقیقت
جوہر زندگانی کی حفاظت
شیرخوارگی کا زہریلا ثمر
اپنے ہاتھوں اپنی قبر
تحلیل شدہ مادہ کی قائم مقامی
خطرے کا الارم
شدید مرض کا حملہ
پرکیف زمانے کا برا انجام
شرمناک امراض کی تباہی
اعتدال کا تعین زمانی

چوتھا باب

لطف اندوزی کے پھولوں میں
چھپے پوشیدہ کانٹے
ذوق نسائیت کا دائرہ حوادث
بیگانہ ہستیوں کی نارسا تمنا
سرمستی تعیش کی شوریدہ کاریاں
خواہشات نفسانی میں ہیجان
گلچینی جمال کی تصدیق مدت
حسن مجسمہ کے کاندھے پر
لطف اندوزی میں عمر کا تناسب
حسرت ارمان جلد فنا کی بستی

قانون فطرت کی خلاف ورزی
گلشن وصال پر کلی
ازدواجی مسرتوں پر قوت کا اثر
گلگوں دل سے لطف اندوزی
حمل بار آور وجہ دست ورزی
دل سے پارہ کی تلاش مروتی
بعد از محبت کا ایک آستانہ
طاہر مرد مست ہو یا عورت
مرد کی تانیثیت کا معیار
مولود کی جانب سے سوزشی
دیگ کا ادنی و دور
عورت کی مورت شناسی
پھولوں کی سیج میں کانٹے

پانچواں باب

حمل نسائی بار آوری
مولود کی عرت میں چار چاند
بار آوری کے آثار
صبح کیوں ت طبیعت کی ناسازی
تحفہ عورتوں کی گرانی
رحم کی حرکت سے ایام کا تعین
جنین کی پیدائش
جہادیں میں بچہ کی حرکت
معصوم بچہ کی پہلی شوخی
نوعمراں کے سمجھانے نیک
حریم حسن کی نرمی حسن نہیں خواہش
جو دیر سیر کر کی تحقیق

تعیبہ رہیں سے حنجھے قطرے
تشنیع ازدواجی کی شکایت
شادی کی کمزوری
تکالیف کے بعد چند تصویریں
طبیعت کا دائرہ اعتدال سے تجاوز
استقرار حمل کی کیفیت
جوہر زندگانی میں رائج روانگی
استقرار حمل کے بعد زندگی میں
استقرار حمل کا بہترین زمانہ

چھٹا باب

حمل بار آوری کی نگہداشت
محبوبہ کی بار برداری
لطف اندوزیوں سے اجتناب
مسموم ستی خواہشات نفسانی
کے حیا چھوڑ
فردوس گوش اور جنت نگاہ
بار اور سرور دوں کیلئے لباس
حریم حسن کا غسل
سیر و روان کی نقل و حرکت
راحت و آرام کی ضرورت
مدایں احتیاط
سوہضمی کی خرابیاں
مکان کی صفائی
نیز تکلیف کے وضع حمل
حمل نسائی پامال
نتائج نسائی کی تکمیل

حمل تمام قلیل جنت کے آثار
جدا دلیں سے قبل از وقت جدائی
استقاط میں آری پارہ حق
خوش ہم ہیں مسموم ہستی کا تیر
استقاط کے بعد ضروری ہدایتیں
طلسم معاشرت کے نقشے
ورح لطیفی

ساتواں باب

ازدواجی زندگی کا ثمرہ فردوس
ہے امیں بار حمل کی احتیاطیں
اور بچہ کی پیدائش وغیرہ کیلئے
ضروری ہدایتیں ہیں۔

آٹھواں باب

زنجیر زرافشاں میں نئی کڑیاں
کچا ساتھ
ست شباب کے جوش و ترنم
شریک زندگی کی دلنوازی
ست شباب کیلئے آغوش شوق
ایام رضاعت میں گلشن جمال
کی گلچینی
حمل نسائی قبل از وقت
دوبارہ بار آوری
تجربہ سے شیرخوار کی محرومی
دودھ چھڑانا کب اور کیسے
زمانہ رضاعت میں گلگونی
لطف اندوزی کا اثر صحت
جسمانی پر نسائیت کے زندہ
بچے، محبوبہ کا جسم نازنین

گلشن رعنائی کی دو کلیاں
اس باب میں اس کے بعد اور
کی کثرت سے اور بچے کی صحت
نذیر

نواں باب

ہم وطنوں میں سے چند
گلشن ازدواج میں عروس بہار
عورت میں شان الوہیت
بادہ محبت ساغر نسائیت میں
عورت بیں حسرت
عورت کی تسخیر کا فن
شریک زندگی پر اعتماد
مردانگی کی صنعت
سخت کلامی کی بد رسوم
علمی و ذہنی کے تمہر
نشہ شباب میں خلوت گزری
حسن عریاں کا نظارہ عریم

دسواں باب

ازدواجی زندگی کے چند
پوشیدہ راز
۲۰ مضامین میں سے چند
مردوں کی مخصوص بیماریاں
غیر فطری انزال کے اسباب
سرور ماں کی بے لذتی
بے لذتی کے اسباب
حسب خواہش دوا پیدا کرنا

ضخامت ۱۶۰ صفحے
قیمت صرف ایک روپیہ

ملنے کا پتہ منیجر اورینٹل بک ڈپو پوسٹ بکس نمبر ۱۰۵ دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشوا دہلی

معراج نمبر — معراج نمبر

دہلی کا ماہوار مذہبی اسلامی ادبی رسالہ

جو ہر انگریزی مہینہ کی ۸ تاریخ کو نہایت پابندی سے شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ ہندوستان سے:- اعلیٰ ایڈیشن دو روپے، ارزاں " ایک روپیہ

چندہ سالانہ ممالک غیر سے:- اعلیٰ ایڈیشن ۶ شلنگ، ارزاں ایڈیشن ۳ شلنگ

جلد ۹	۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ ۸ نومبر ۱۹۳۲ء	نمبر ۱۱

شذرات

(از عزیز حسن بقائی)

بڈہ لاڈہ میں سفاکانہ قتل

بڈہ لاڈہ ضلع حصار میں ایک غیر معروف مقام ہے جہاں سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ مگر فرقہ پرست سکھوں کے اشتعال انگیز پراپیگنڈا سے جو آگ پنجاب کے شہروں میں لگی تھی، وہ دیہات میں بھی پھیل گئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۲ بے گناہ مسلمان چند سفاک مذہبی دیوانے سکھوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اور متعدد زخمی ہو گئے جس کی ذمہ داری سے وہ ناعاقبت اندیش ہندو اور سکھ کسی طرح نہیں بچ سکتے، جنہوں نے قوم پرستی کی آڑ میں پنجاب میں وزیر اعظم کے فرقہ وارانہ فیصلے کے خلاف ایک شیطانی ایجی ٹیشن پھیلا رکھا ہے۔ اور اس طرح مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی ہندو سکھ سازش کر رہی ہے۔

نہیں معلوم اس ملک کا کیا انجام ہوگا جس میں ایسے جنگلی انسان نما حیوان بستے ہوں جو ایک گائے کے انتقام میں ۱۲ محترم انسانوں کا بے دریغ خون بہا دیں جن میں بچے اور بوڑھے اور عورتیں بھی شامل ہوں۔

حکومت اگر ایسی شرمناک سازشوں کا قلع قمع کرنا چاہتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ پنجاب کے ان سکھ اور ہندو اخبارات اور لیڈروں کو اس خونی سازش کا ممبر قرار دے جنہوں نے نہایت ناعاقبت اندیشی سے پنجاب کے خرمن امن پر بجلی گرائی۔

پنجاب کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس چنگیز خانی اور اس سکھاشاہی کے خلاف موثر اور پر امن احتجاج کر کے اپنے صوبہ کے امن کی حفاظت کریں۔ اور اغیار کی سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیں۔ اور خواہ کیسا ہی اشتعال دلایا جائے۔ مگر قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ بلکہ مظلوموں کے لئے انصاف حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کریں۔ اور ظالموں کو گرفتار کرانے کے لئے حکام سے پوری طرح تعاون کریں۔

تعجب ہے کہ نام نہاد "قوم پرست" سکھ اور ہندو رہنما اور اخبارات اس سکھاشاہی بربریت پر یا تو خاموش ہیں اور یا طفلانہ تاویلات کر کے اس انتہائی وحشیانہ اور سفاکانہ حرکت پر اظہار پسندیدگی کر کے مجرموں کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ جب تک ظالموں اور قاتلوں کی ہمت افزائی کرنے والے موجود ہیں اس وقت تک نہ ہندوستان میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہندوستان آزاد ہو سکتا ہے۔

ایڈیٹروں کے دورے

روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات میں پڑھا کرتا تھا کہ ایڈیٹر صاحبان دورے پر تشریف لے گئے۔ چندے زیادہ فراہم کئے۔ اتنے دنوں مرغن دعوتیں اڑائیں۔ مگر اب یہ وبا ماہوار رسائل کے اصلی اور فرضی ایڈیٹروں تک بھی پہونچ گئی ہے جس سے متاثر ہو کر اکثر خوش فہم حضرات نے مجھے لکھا ہے کہ "آپ بھی دورہ کیجئے" چاہتا ہوں کہ اگر دہلی سے ہفتہ دو ہفتہ کے لئے نکل ہی گیا تو ہزار پانسو خریدار، مکلف دعوتوں اور اسٹیشن پر خیر مقدم کے ساتھ مل جانے کچھ بڑی بات نہیں۔ مگر کیا کروں، بقول غالب؎

طبیعت ادہر نہیں آتی

اگر دورہ بازی کو ذریعہ معاش بنانا چاہتا تو پانسو برس سے زائد کی درگاہ دہلی میں (آستانہ حضور خواجہ باقی باللہ بخاری) موجود ہے حضور خواجہؒ کی فرزندی کی نسبت مالک کہانے کے لئے کافی ہے۔ پھر خدائے قدوس کے فضل سے پانچ ہزار سے زیادہ اس تحریک کرنے والے خریدار ہیں جو نہیں علم مجھ سیاہ کار سے کیسی کچھ عقیدت رکھتے ہوں گے۔ مگر میں اپنی طبیعت کی رفتار سے مجبور رہوں اس لئے نسلی پیرزادگی کو ذریعہ معاش بنا کر مکر و فریب کی دوکان لگائی۔ اور نہ آج تک

(عزیز حسن بقائی پرنٹر و پبلشر نے حمید برقی پریس دہلی میں چھپا کر دفتر رسالہ پیشوا کوچہ چیلان دہلی سے شائع کیا)

دستخوبیج حلقہ کے باوجود دورہ بازی کا مریض ہوا۔ حالانکہ بعض با اثر اور مخلص
بھائیوں نے باصرار کہا بھی۔ مگر میں نے ہمیشہ ان سنی ان سنی کر دی کیونکہ میرے
نزدیک ایڈیٹران اخبارات و رسائل کے یہ دورے مہذب گداگری
اور استحصال بالجبر ہیں۔ البتہ جب کبھی قرض خواہوں نے زیادہ ستایا۔ تو میں نے
پیشوا کے حقیقی بھائیوں کے سامنے عرض حال کر دیا۔ کہ میری پہونچ پیشوا ہی کے ذریعہ
ان تک ہو سکتی ہے۔

کاش مجھے دورہ کی دعوت دینے والے بھائی اس سے واقف ہوتے کہ اگر میں
نئے خریدار فراہم کرنے کی نسبت دقت تو صرف دلی میں ہزار پانسو خریدار فراہم کرنے اپنے حلقہ احباب
سے میرے لئے مشکل نہ تھے۔ اگر میں [illegible] دورہ کو جائز سمجھتا تو متعدد والیان ریاست
اور ان کے وزراء کی خواہشوں پر والیان ریاست کا مہمان بھی ہوتا۔ اور سکنڈ کلاس کے
سفر خرچ کے نام سے بہت کچھ بھی مل جاتی جس سے میری پریشانیاں رفع ہو سکتی تھیں مگر
اس معزز پیشہ کی کھوت کو میں درباروں کی سلامی پر فروخت کرنا نہایت بے عزتی سمجھتا
ہوں۔ اس لئے اصرار کے باوجود ہمیشہ انکار ہی کیا۔ البتہ غلطی سے پیشوا کے خریدار کو
اس کا اصلی مالک سمجھتا ہوں۔ اور ان کے آگے دست اعانت پھیلانے میں عار نہیں
اس لئے کہ میں اپنی حیثیت پیشوا کے کاروبار میں ایک مزدور سے زیادہ نہیں سمجھتا
لہٰذا جو کاسہ گدائی والیان ریاست اور وزرائے ریاست کے آگے نہیں پھیلتا
وہ پیشوا کے خریداروں کے آگے ہر وقت حاضر ہے اور شاید پیشوا کے خریدار یہ
سنکر افسوس کریں گے کہ گذشتہ مہینہ کتابوں کی فروخت اور کلام اللہ کی
فروخت بہت ہی کم ہوئی۔ اور جدید خریداری تو اتنی کم ہوئی کہ مجھے اس کا
تذکرہ کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کاش یہ ممکن ہوتا کہ میں اپنا دل چیر کر آپکو
دکھا سکتا۔ اور کاش آپ نے ستمبر میں پیشوا کے آمد و خرچ کے نقشہ پر غور کر لیا ہوتا۔
اور صحیح معنوں میں آپ کو احساس ہوتا کہ آپ کا پرچہ آپ کی توجہ کا کتنا
محتاج ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں سب خریداروں کی شکایت کر رہا ہوں کہ
یہ حقیقت ہے کہ بعض بھائیوں کو تو پیشوا کی ترقی اشاعت کا مجھ سے بھی زیادہ
خیال ہے اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ پیشوا آج پانچ ہزار چھپ
رہا ہے۔ مگر میں بصد ادب درخواست کروں گا کہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

میں پیشوا کی ترقی اشاعت کے لئے بار بار اس لئے اپیل کرتا ہوں کہ
پیشوا کے جتنے زیادہ خریدار ہوں گے۔ اتنا ہی زیادہ کلام الٰہی اور احادیث نبوی
کی تبلیغ ہوگی۔ اور دین سے ناواقف بھائیوں کے کانوں میں دین کی آواز انہی
کی زبان میں پیشوا کے توسل سے پہونچے گی جس سے وہ عیسائی اور آریہ بننے سے
محفوظ رہیں گے۔ نیز اس لئے پیشوا کی اشاعت بڑھانی چاہتا ہوں کہ میرے
پیش نظر پیشوا کا جو بلند معیار ہے وہ اس وقت تک پورا نہیں ہوا۔ میری
دلی تمنا ہے کہ پیشوا اسی چندہ میں سو صفحے کی ضخامت کا ہو جائے۔
اور میری یہ آرزو اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جبکہ پیشوا کے دس ہزار
خریدار ہو جائیں۔ کیا پیشوا کے پانچ ہزار خریداروں کے لئے ایک ایک
خریدار فراہم کر لینا کچھ مشکل کام ہے۔

نواب صدیق الزماں بہادر کا چشمہ فیض

ہز ہائی نس نواب صاحب مانگرول جن کو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ نے نواب
صدیق الزماں بہادر کا خطاب دیا ہے (جن سے بعض امور میں مجھے اختلاف ہے) کی اس نیکی کا
بہت کم مسلمانوں کو علم ہوگا کہ آپ نے اپنے ذاتی روپے سے مستحق اور نادار مسلمانوں کے لئے تعلیمی
وظائف کا چشمہ فیض جاری کر کے صدہا نوجوان تعلیم کے شوقین مسلمان طلباء کی زندگیاں درست
کیں۔ اور اس طرح سینکڑوں مسلمان خاندان فارغ البالی کی زندگیاں بسر کر کے
ہز ہائی نس کے لئے دعائیں کرتے ہوں گے جنہوں نے خدا کی دی ہوئی نعمت (دولت)
سے اکثر والیان ریاست کی طرح بجائے عیاشی کرنے کے اپنی مسلمان قوم کی بہتری کے لئے
نفس کشی کی ایسی مثال قائم کی ہے کہ اسکی نظیر اب سے صدہا سال پہلے حضرت ابراہیم
بن ادہم بلخی جیسے بزرگوں کی سیرت میں مل سکتی ہے۔

ارزاں ایڈیشن میں فوٹو بلاک

خدا کا شکر ہے کہ وعدہ کے مطابق معراج نمبر میں فوٹو بلاک ارزاں ایڈیشن میں بھی
شامل کر لئے گئے ہیں۔ اور اس طرح مستقل طور سے سو روپے ماہوار سے زیادہ کا خرچ کا دو قریش پیشوا
پر اور بار ہو گیا۔ مگر یہ ساری مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں اگر پیشوا کا ارزاں ایڈیشن کے خریدار دس ہزار ہو جائیں

قادیانی تبلیغ کا ایک دن

میری قدامت پسندی کے عقائد سے قارئین کرام بخوبی واقف ہیں مگر
یہ واقعہ ہے کہ میں نے آج تک حرب العقائد سے پیشوا کے صفحات کو پاک رکھا ہے
اور یہی چاہتا تھا کہ اس وضع داری کو آخر وقت تک نباہ دوں مگر افسوس ہے کہ
قادیان کے یوم التبلیغ نے مجھے یہ سطریں لکھنے پر مجبور کر دیا۔

۱۶ اکتوبر کی تاریخ قادیان کے خلیفہ صاحب نے اس لئے مقرر کی کہ انکے
مرید قادیانی عقائد عامۃ المسلمین کی خدمت میں پیش کریں۔

قادیانی حضرات جس طرح اپنے روپے کے زور، سرکاری اثر، مسلمانوں کی
غفلت سے کچھ عرصہ سے مسلمانوں کی سیاست پر حاوی ہوتے جاتے ہیں وہ ایک ایسا
فتنہ ہے جس سے آنکھیں نہیں بند کی جا سکتیں مگر اس کے باوجود اس فرقہ کا
یہ گمراہ کن عقیدہ یہی ہے کہ اس کے نزدیک تمام غیر قادیانی کافر ہیں اور وہ
تعلقات زناشوئی عام مسلمانوں سے حرام سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ نماز پڑھنی
اور ان کے جنازہ کی نماز بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اپنے عقیدے کے
مطابق کافر مسلمانوں کی سیاست کی امامت کے لئے بھی کوشاں ہیں۔ میں اس
چیستان کو باوجود کوشش کے نہ سمجھ سکا کیا سحر البیان مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب
بخاری اور مولانا ظفر علی خاں صاحب اس پر روشنی ڈالیں گے۔

بہرحال ۱۶ اکتوبر کو قادیانی عقائد کا تبلیغی دن ہر قادیانی نے منایا۔
کاش یہ بر خود غلط مسلمان جو دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔
اس روز مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کی بجائے اپنی منظم کوششوں کو اچھوت
اقوام کی خدمت کے لئے پیش کرتے تو نہ صرف یہ کہ تفرقی مسلمین کے فتنے سے نجات

تھی. بلکہ قادیانی جماعت میں ہی اضافہ ہوتا۔ اور مسلمانوں کو شکایت کا موقع ہی نہ ملتا۔ اور انسانیت کی بہترین خدمت بھی انجام پاتی۔ مگر افسوس قادیانی عمائد نے اپنے جوش کا غلط استعمال کیا۔ اور علمائے ملت نے اس کے استیصال پر کوئی توجہ نہیں کی۔ اور ملک میں ایک نئے فتنہ کی بنیاد رکھدی گئی۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

۱۵ اور ۱۶ اکتوبر کو لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس راجہ صاحب سلیم پور کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں صوبجات سرحد' پنجاب' یوپی' بہار' بنگال' بمبئی' سندھ' مدراس' اجمیر میرواڑہ' دہلی' بلوچستان کے ممتاز نمایندے شریک ہوئے۔ اور مسلمانوں کی کارکن جماعتوں میں سے شیعہ کانفرنس' مسلم لیگ' مسلم نیشنلسٹ پارٹی' مسلم کانفرنس' یوتھ لیگ' جمعیۃ خلافت' جمعیۃ علمائے ہند' جمعیۃ علمائے کانپور' وغیرہ جماعتوں کے ممتاز کارکن شریک ہوئے تھے' غرضکہ یکجہتی کی آل مسلم پارٹیز کانفرنس ان تمام کانفرنسوں سے زیادہ نمایندہ تھی' جواب تک مسلم حقوق کے نام سے اخبارات میں پروپیگنڈا کرتی رہی ہیں۔

اس مبارک اجتماع میں مسلمانوں کی تمام پارٹیوں کے سیاسی اختلافات دور ہوگئے۔ اور حسب ذیل تیرہ نکات پر کانگریسی اور غیر کانگریسی مسلمانوں میں کامل اتفاق ہوگیا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ!

(۱) وفاقی طرز حکومت کا قیام اور بقیہ اختیارات صوبجات کو

(۲) کسی ملت پر اثر انداز ہونے والے قوانین اس وقت تک مجلس وضع قوانین میں پیش نہ ہوں گے جب تک اس ملت کے ¾ ممبران کی اکثریت اس کے خلاف ہو

(۳) اقلیت والے صوبوں میں ویٹیج۔

(۴) پنجاب اور بنگال میں آئینی اکثریت۔

(۵) مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کی وزارت میں جائز حصہ۔

(۶) سرکاری اور نیم سرکاری دفاتر میں بلحاظ تناسب آبادی حصہ۔

(۷) صوبجات سرحد و بلوچستان میں مساوی حصہ۔

(۸) سندھ کی علیحدگی۔

(۹) مرکز میں ⅓ نمایندگی۔

(۱۰) نشستوں کی تخصیص۔

(۱۱) بغیر اجزاء وفاق کی رضامندی کے دستور اساسی میں ترمیم نہ ہوسکے گی۔

(۱۲) مسلمانوں کی تعلیم' زبان' مذہب' خیراتی اداروں کا تحفظ' اور ترقی کے لئے سرکاری امداد میں کافی حصہ

(۱۳) مسلمانوں کے پرسنل لاء کا تحفظ جس کی نوعیت حسب ذیل ہے:-

(۱) ہندوستان کی ملتوں کا کلچر' زبان' رسم الخط' پیشے' مذہبی تبلیغ' مذہبی ادارے' مذہبی عقائد' مذہبی اعمال' عبادت گاہیں' اوقاف آزاد ہوں گے۔ اور حکومت کو کسی حالت میں بھی ان پر مداخلت کا حق نہ ہوگا۔

(۲) دستور اساسی میں پرسنل لاء کی حفاظت کی خاص دفعہ رکھی جائے گی۔ اور اس میں یہ تصریح ہوگی کہ حکومت یا مجالس مقننہ کی جانب سے کبھی اس میں مداخلت نہ ہوگی۔ اور پرسنل لاء کی حفاظت کی مثال کے طور پر یہ چیزیں فٹ نوٹ میں درج کی جائیں گی۔ احکام نکاح' طلاق' رجعت' بلوغ' عدت' خیار' تفریق زوجین' خلع' عنین' مفقود' نفقہ' زوجیت' حضانت' ولدیت' نکاح' مال' وصیت' وقف' وراثت' تکفین' تدفین' قربانی وغیرہ۔

(۳) ایسے مقدمات کے فیصلوں کے لئے جس میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے' مسلمان قاضیوں کا تقرر' جن کو اختیارات منجانب حکومت تفویض کئے جائیں گے

مذکورہ تحفظات کے ساتھ تیرہ مطالبات پر تمام مسلمان سوائے سر یعقوب' سر اقبال' حاجی شفیع داودی گری کے متفق ہوگئے' اور ہندوستان سے چھ سو تار کانفرنس پر اعتماد کے پہونچے' اور ایک نمایندہ کمیٹی جلسہ نے ہندوؤں اور سکھوں سے گفت و شنید کے لئے بنادی' جو پنڈت مدن موہن مالویہ کی استدعا پر مسلم مطالبات پیش کرے گی۔ اور اگر خدائے قدوس کی نصرت شامل حال رہی' تو انشاء اللہ مسلمانوں کے چودہ میں سے تیرہ مطالبات مع تحفظات پرسنل لاء کے ہندو قوم منظور کرلے گی۔ اور مخصوص نشستوں کے ساتھ مسلمان مشترکہ انتخاب کو غالباً مولانا محمد علی کے فارمولے پر قبول کرلیں گے۔ اور اس طرح ہندوستان کی دو زبردست قوموں کی تفریق کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے گا۔ جس کی نااتفاقی نے ہندوستان کا بیڑا غرق کردیا تھا۔

۱۶ اکتوبر کا دن مسلمانوں کے لئے ایک تاریخی دن تھا' جبکہ سالہا سال کے بچھڑے ہوئے بھائی ایک جگہ جمع ہورہے تھے۔ کیونکہ آپس کی نااتفاقی کی بدولت آج وہ دنیا میں کسی عزت کے مستحق نہیں رہے۔ ان کے قوائے عمل مفلوج ہوگئے۔ اور ان کو حکومت اور برادران وطن نے نظر انداز کردیا۔ مگر شکر ہے اس قادر و توانا اور حی القیوم خدا کا جس نے مایوسی میں امید کی جھلک دکھائی۔ اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال کردیا۔ اگر مسلمانوں کے خود پرست رہنماؤں کی ذہنیت میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ تو انشاء اللہ یہ مبارک اقدام مسلمانوں کی ترقی کے لئے بیحد مفید ہوگا۔

جب فرشتے ہنستے ہیں تو شیطان روتا ہے

جس وقت مسلمانوں کے تمام طبقوں میں اتحاد کی کوششیں ہورہی تھیں تو اس وقت شملہ کی برف پوش چوٹیوں سے نااتفاقی کا صور ان چند مسلمان نما خود غرضوں کے نام سے پھونکا گیا۔ جن کے ذاتی اغراض اور لیڈری کا وقار محض مسلمانوں کی نااتفاقی کی بدولت قائم ہے اگرچہ تفریق بین المسلمین کے اس راگ پر مسلمانوں نے نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالی اور ان خود غرضوں کی لیڈری کو اپنی موت مرنے دیا مگر اس اعلان سے یہ ضرور ہوا کہ عام مسلمانوں کو جو اپنی سادہ لوحی سے حکومت پرستوں کے دام تزویر میں پھنس گئے تھے' یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ یہ ملت کی ہمدردی کی آڑ میں صرف اپنے اور اپنی مائی باپ گورنمنٹ کے ہمدرد ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کی ہمدردی اور تحفظ حقوق سے

ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں جن نامردوں اور بزدلوں نے چار سال تک مسلم قوم کے نام کو کلنگ کا ٹیکہ لگا رکھا تھا۔ وہ نہایت مایوسانہ انداز سے دیکھ رہے تھے کہ ۱۶ اکتوبر کو ان کی مظلوم قوم ان کے ساحرانہ جال کو توڑ کر آزاد ہوگئی اور اب ان بے غیرتوں کا منہ نہیں کہ جو یہ اپنے سیاہ اعمالناموں کو لے کر اس مسلم قوم کے سامنے آئیں جس کو سال ہا سال اس دھوکہ میں رکھا کہ حکومت کے پاس تمہارے درد کا علاج ہے۔ اور جب تک وزیر اعظم نے فرقہ وارانہ فیصلہ صادر نہیں کیا تھا۔ اس وقت تک ان لیڈروں نے غیر ملکی کمال درجہ کی خوشامد کی اور حکومت کو خوش کرنے کے لئے اور مسلمانوں کا اتحاد حاصل کرنے کے واسطے جلسہ کی دھمکی بھی دی تھی۔ مگر جونہی وزیر اعظم کا اعلان شائع ہوا۔ یہ راہ راست کا پروانہ لینے والے لومڑیوں کی طرح میدان جنگ سے فرار ہوگئے اور لگے اس سازش میں ذمہ دار ہیں۔ یہ بیر مسلمان قوم کو مرض اسلام میں مبتلا کرتے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ مسلمان اب ان منافقوں کو اچھی طرح پہچان گئے ہیں۔ اس لئے یہ حکومت پرست مسلمانوں کے اتحاد پر اسی طرح واویلا مچا رہے ہیں جس طرح فرشتوں کے اتحاد پر شیطان روتا ہے۔

مسلمانوں کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ جو قوم اپنے قوت بازو پر اعتماد نہیں کرتی اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے جو اس وقت تک مسلمانوں کا ہوا۔ مگر اب جبکہ وہ ایک آہنی عزم اور کوہ وقار استقلال کے ساتھ متحد ہو کر اپنے ملی حقوق کے تحفظ کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں تو یقیناً وہ کامیاب ہونگے۔ اور جو قوم کامیابی کا تہیہ کر لیتی ہے وہ اپنے راستہ میں چند روڑوں کو ٹھکراتی ہوئی منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے مضبوطی کے ساتھ اس فیصلہ پر جمے رہو جو ۱۶ اکتوبر کو لکھنؤ میں کیا گیا ہے۔ اور ہندو قوم سے صاف صاف کہدو کہ یہ کم سے کم مطالبات ہیں جن پر سمجھوتہ ہوسکتا ہے۔ اور ہندو قوم کی منظوری کے بعد وزیر اعظم کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ہندوستان کے متفقہ فیصلہ کو ٹھکرا سکیں۔ خوب یاد رکھو کہ تمہارے حقوق کا اصلی میدان ہندوستان ہے نہ کہ انگلستان۔ تم کو جو کچھ ملے گا وہ ہندوستان میں سے گا اور وہ اس سے یقیناً بہت زیادہ ہوگا جس کی انگلستان سے تم چار سال سے توقع کر رہے تھے۔ کیونکہ باہمی فیصلہ بہرحال حکومت کے فیصلے سے بہتر ہوتا ہے۔

"سمجھوتہ ضرور ہوگا"

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ مالوی جی کو مہاتما جی سے زیادہ ہندو قوم میں رسوخ حاصل ہے۔ اور اس کا بارہا تجربہ ہوچکا ہے کہ مالوی جی کی آواز پوری ہندو قوم کی آواز ہے۔ شاید ہی کوئی کام ایسا ہو جس کے لئے مالوی جی نے کوشش کی ہو اور نا کامی ہوئی ہو۔

انہوں نے اس تحریک میں سب سے پہلے اعلان کیا کہ دہلی میں کانگرس کا اجلاس وقت مقررہ پر ہوگا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ دن کی روشنی میں سر راہ طاقتور حکومت کی انتہائی مخالفانہ کوشش کے باوجود کانگرس کا اجلاس ہوا۔

اس کے بعد وہ اس آہنی ارادے اس عزم کے ساتھ چلے کہ اچھوتوں کے ساتھ سمجھوتہ کرکے مہاتما جی کی جان کو بچائیں چنانچہ ایک ہفتہ میں ہندوستان میں وہ زبردست انقلاب ہوا کہ اس کی نظیر صدیوں میں نہیں ملتی مہاتما جی کا برت پورا ہوا۔ اچھوتوں کو پونہ کے سمجھوتہ نے وہ حقوق دیئے جو انگلستان سے نہیں ملے تھے اور اب کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کے متعلق مالوی جی باوجود شدید ترین علالت اور بے حد مشکلات کے انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔ اور پورے استقلال کے ساتھ مشکلات پر حاوی ہو کر اعلان کر رہے ہیں کہ "ہندو مسلمانوں میں سمجھوتہ ضرور ہوگا" تو خدا کے فضل سے کچھ بعید نہیں کہ ہندوستان میں ایک دوسرا انقلاب بھی ہوجائے۔ اور ہندو مسلمانوں کا ناممکن اتحاد ممکن ہوجائے۔

اگر اس اتحاد میں کوئی روڑا ہے تو وہ پنجاب کی عجیب وغریب اور بدخو وغلط سخن قوم ہے۔ جو اپنے سکھا شاہی مطالبات کو دلائل کی کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے کرپانوں کی دھمکیوں سے پورا کرانا چاہتی ہے۔ ورنہ مسلم کانفرنس کے مطالبات کی سب سے پہلے تائید اس طبقہ کے رہنما نے کی جو مسلم قوم کا سب سے زیادہ دشمن ہے یعنی آریہ سماج کے بہت بڑے اور سرگرم کارکن پنڈت اندر جو ایڈیٹر "ارجن" نے حق پرستانہ نعرہ بلند کیا ہے کہ "مسلم کانفرنس لکھنؤ کے مطالبات ہندو قوم کو تسلیم کر لینے چاہئیں" پنڈت جی کے اس حق پسندانہ اعلان کے بعد ہوا کا رخ پہچانا جاسکتا ہے لہذا سکھوں میں اگر کسی رہنما کو عقل سلیم سے دور کا بھی واسطہ ہے تو وہ اس وقت ہندوستان کی مشکلات کو ختم کرنے کے لئے بعید از عقل مطالبات سے پرہیز کرکے ہندوستان کی غلامی کا پہاڑ اپنی قوم کے سر پر نہ رکھنا چاہیئے۔ . . . .
. . . . مگر مجھے امید نہیں ہے کہ سکھ کسی ذمہ داری کا ثبوت دیں گے۔

پرتاپ اینڈ کمپنی کی شرارت

آل مسلم پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے متعلق جو تجاویز متفقہ طور سے مسلمانوں نے منظور کی ہیں ان کی مخالفت میں سب سے پہلے پنجاب کا بزعم غلط قوم پرست مگر اول درجہ کا فرقہ پرست اور انتہائی درجہ کا ذلیل ترین لوڈی اخبار پرتاپ ہے جو نہیں چاہتا کہ ہندو مسلمانوں میں کوئی باعزت سمجھوتہ ہوسکے۔ اور جس کی روزی ہی اس پر ہے کہ ہندو مسلمانوں میں اتفاق نہ ہو یہ لگے بندھے مہاسبھائی جن کے رہنما مونجے پرمانند وغیرہ ہیں ایک لمحہ کے لئے یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ مسلمان جو دس کروڑ کی تعداد میں اس ملک میں آباد ہیں اور جنہوں نے اپنے ایک ہزار سالہ عہد حکومت میں ہندوستان کے تمدن کی ایسی مسلسل خدمت کی ہے کہ اس کی نظیر فاتح اقوام میں تلاش کئے سے نہیں مل سکتی۔ اور جو یقیناً اس ملک میں ایک ایسی اقلیت ہیں کہ جو سیاسیات ملکی کے لئے اہم پاسنگ ہیں اور جن کا مرنا اور جینا ذلت اور عزت افلاس اور خوشحالی سب اسی مادر وطن سے وابستہ ہیں وہ ایک شریف اور خوددار قوم کی طرح ملک میں عزت کی زندگی بسر نہ کرسکیں اس غلام فنیکٹری کا بھاٹ پرتاپ ہے جو اپنی اسی ہزار سالہ ذلیل ذہنیت کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں جس میں اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کو انسانیت کے

ابتدائی حقوق ہی نہیں دیئے گئے۔

میں شریف ہندو قوم پرستوں اور ہندو اخبار نویسوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ملک کی آزادی اور ہندوستان کی بھلائی کے لیے اپنے قومی شرف سے تحفظ کے میدان عمل میں آ کر اس فتنہ ساز تو ڈی جماعت کا قلع قمع کر دیں۔ جو ملک کی ترقی کی راہ میں روڑے کی طرح حائل ہونا چاہتی ہے اور اس پر علاوہ تاریک ترین گڑھے میں ہمیشہ کے لئے گرا دینے کے لئے مصروف عمل ہوئی ہے۔ اور پورے ہندو قوم کے ماتھے پر اپنے ذاتی اغراض کے لئے بدعہدی کا سیاہ داغ لگا رہی ہے۔ بلیبانہ سعی میں مصروف ہے۔

یہ وقت ہندو قوم پرستوں کے لیے بیحد نازک ہے۔ اگر ابتدا ہی میں انہوں نے اس فتنہ ساز جماعت کو کچل نہ دیا تو بہت ممکن ہے کہ یہ اپنی شرارتوں سے امن اور اتحاد کی اس فضا کو مسموم کر دیں۔ جو مہاتما گاندھی نے بے حد ایثار اور پنڈت مدن موہن کے غیر معمولی تدبر اور مولانا آزاد اور ڈاکٹر محمود کی جد و جہد سے پیدا ہوئی ہے اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو پہلے ہی ہندوؤں کی قوم سے بدظن ہے وہ اس جماعت کے پروپیگنڈا سے مسلمان قوم پرستوں کی مشکلات میں اضافہ کر رہا ہے۔ کیا یہ تو ڈی جماعت یہ جانتے ہیں کہ اپنے ذلیل پراپیگنڈا سے ہندوستان کی اس عظیم الشان اکثریت کو جو ہندوؤں کے بعد مسلمانوں سے ہے بدظن کر رہی ہے کہ متفقہ مطالبہ لاؤ اور جبر سے منظور کرا لو۔

تیسری گول میز کانفرنس کے سرکاری نمایندے

بالآخر انتہائی انتظار کے بعد افق لندن سے نو ذیت کا آفتاب طلوع ہوا اور ہندوستان کی تیسری گول میز کانفرنس کے لئے سرکار دولت مدار نے نمایندوں کا اعلان کر دیا۔ جن میں کانگریس، مسلم نیشنلسٹ، مزدوروں اور عورتوں کو نہایت لاپرواہی کے ساتھ نظر انداز کیا گیا ہے مسلمانوں میں مسٹر جناح جیسے مدبر کو فراموش کر کے ڈاکٹر شفاعت احمد جیسے معززوں اور نودولتیے اشخاص کو مسلمانوں کے حقوق کے ذبح کرانے کے لئے منتخب کیا گیا ہے جو اگر یو پی کونسل کے بھی امیدوار ہوں تو کسی گمنام قوم پرور کے مقابلہ میں الا ماشاءاللہ کبھی منتخب نہ ہو سکیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے ان تمام رہنماؤں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جن پر جمہور مسلمین کو کسی حد تک اعتماد ہو سکتا ہے۔ یا جن میں اتنی اخلاقی جرأت تھی کہ وہ کسی موقع پر بھی مسلم حقوق کے لئے کوئی کلمۂ خیر نکال سکتے اور جن پست کردار نام ذلیل خوشامدیوں کو نامزد کیا گیا ہے جو بلا چون و چرا ہیو ورتھ گورنمنٹ حکومت کے بوٹ کو اسلام کے نام پر چاٹنے لگیں گے۔

کیا حکومت کو یہ غلط فہمی ہے کہ جن کاسہ لیسوں کو اس نے نامزد کیا ہے ان کا یہ اثر ہے کہ وہ لندن کے فیصلوں کو ہندوستان میں منوا سکتے ہیں۔ اگر لارڈ ولنگڈن کی حکومت اس غلطی میں مبتلا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ گول میز کانفرنس کا ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ان ایکٹروں میں سے ایک کو کلکتہ، بمبئی، دہلی، الہ آباد وغیرہ مرکزی مقامات سے کسی ایک جگہ جلسہ کر کے آزادانہ طور سے اپنے نامزد ممبر کے متعلق عوام کی رائے معلوم کرے۔ اگر دس فی صدی رائیں بھی سرکاری نمایندے کے حق میں آئیں تو حکومت اپنے نظریہ کو صحیح سمجھے۔ ورنہ پھر اپنی غلطی کو محسوس کرے۔

یا پھر جن لوگوں کو وہ منتخب کر رہی ہے ان میں سے کسی ایک کو عوام کے جلسہ میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے بھیجے۔ اگر وہ سرکاری نمایندہ جمہور کو پانچ فیصدی بھی اپنا ہم خیال بنا سکے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس میں یہ قابلیت ہے کہ وہ انگلستان کے فیصلے کو ہندوستانیوں سے منوا سکے گا۔ ورنہ اس ڈھونگ سے نتیجہ بجز تضیع اوقات کے فائدہ؟

انگلستان کی تو ری حکومت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جس گول میز کانفرنس میں مہاتما گاندھی، ڈاکٹر انصاری، پنڈت مدن موہن مالوی، علامہ عنایت اللہ، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد، مولانا حسین احمد، سردار سردول سنگھ کویشر، سردار عبد الغفار خاں، مسٹر جناح جیسے آزاد خیال مفکر اور صحیح معنوں میں ہندوستانیوں کے دلوں کے بادشاہ شریک نہ ہوں گے وہ گول میز کانفرنس قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے فیصلے ساحل ٹیمز سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ اور اس غلطی کا انجام یہ ہوگا کہ ایک چوتھی گول میز کانفرنس لندن کی بجائے دہلی میں حکومت طلب کرنے پر مجبور ہوگی۔ لیکن خرابی بسیار کے بعد۔

طبیہ کالج کا تحقیقاتی کمیشن

طبیہ کالج دہلی میں بہت تھوڑے عرصہ میں دو مرتبہ ہڑتال ہوئی۔ اسٹرائکرز کا مطالبہ تھا کہ تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے چنانچہ کالج کی تعلیمی سب کمیٹی نے ایک کمیشن زیر سرکردگی مسٹر واکر پرنسپل عربک کالج دہلی مسٹر شیوزائن سینیئر ایڈووکیٹ، پروفیسر سعید مرزا صاحب ایم اے سابق انڈر سکریٹری گورنمنٹ ہند مقرر کیا جس نے متعدد اجلاس منعقد کرنے پر رپورٹ کی کہ اسٹرائک کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بلکہ ایک سازشی جماعت نے طلباء کو آلۂ کار بنایا تھا اور اس کے ساتھ ہی رپورٹ میں یہ سفارش بھی تھی کہ جتنے جلدی ہو سکے ایک معلم اور پانچ پروفیسروں اور ۱۲ طلباء کو کالج کے مفاد کے لئے خارج کر دیا جائے۔ اور طالبات اسٹرائکرز کو معاف دیدی۔ ایک طالب علم کو جس نے سازش کا بھانڈا پھوڑ کر اقبال جرم کر لیا تھا معافی دیکر ایک سال کے لئے نیک چلنی کی ضمانت طلب کی تھی۔ اس کے علاوہ پرنسپل کے اختیارات اور اس کی قابلیت اور تنخواہ اور زنانہ کالج کے لئے لیڈی پرنسپل کی سفارش کی تھی جس کو تعلیمی کمیٹی نے فوراً منظور کر کے اسی روز کمیشن کے فیصلہ کے مطابق ۱۲ طلباء اور پانچ پروفیسروں کو زنانہ اور مردانہ طبیہ کالج سے خارج کر دیا۔ اور اس طرح کالج کے جسم سے سڑا ہوا گوشت علیحدہ کر کے کالج کے باغی عنصر کا قلع قمع کر دیا۔

اراکین کمیشن نے جس دیانت اور مستعدی اور ہوشمندی سے کام کیا ہے وہ قوم کے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور ایسے ہی آزادانہ کمیشن کی ضرورت ہے جو اس کی تحقیقات کرے کہ وہ کون کون سے بہی خواہان کالج ہیں جو ہندوستانی دواخانہ کی چوریوں میں شریک تھے اور جن کے حصے کالج اور دواخانہ کے ملازم ان کے گھروں پر پہنچا دیا کرتے تھے۔ اور وہ کون خودغرض

ڈسٹی ہیں جو اپنے مفاد کے لئے دوا خانہ اور کالج میں بدنظمی پیدا کرکے کالج کی موجودہ ایڈمنسٹریشن کو مفلوج کرنا چاہتے تھے، اور وہ کوئی سفید پوش نہ تھے بلکہ جو میرا نورا محمد دوا سازی کے ہزاروں روپے کے مقروض ہیں، وہ جن میں سے اکثر اس کے دسترخوان کے ٹکڑوں پر گذارا کرتے ہیں اور وہ ہی سے جاتے ہیں تو ان سے کرایہ لیتے ہیں، اور وہ کوئی سازشی ہیں، جن کو مدد بلدیہ کی مقوی معجونیں اور خاندانی اسرار کی پر پہنچا دیا کرتا تھا۔ بہرکیف معلوم ہو جانے کہ اس مقدس ٹرسٹ کے حامی تھے ان پر "چوہی کتیا اور جلیبیوں کی زنبیل والی" کی ضرب المثل کیسی صادق آتی ہے۔

رمضان المبارک کا پیشوا قرآن نمبر ہوگا

قرآن حکیم میں بار بار حکم دیا گیا ہے کہ اسے غور کرو، اس کو سمجھو، مگر حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمانوں کو کلام اللہ سے انتہائی بے تعلقی ہوگئی ہے جس کی ذمہ داری سے کسی طرح بھی علمائے کرام نہیں بچ سکتے۔ جنہوں نے کلام الٰہی پر نہ خود غور و فکر کیا، اور نہ ملت کو اس کے لئے آمادہ کیا کہ وہ خدائے فاطر السموات والارض کے حکم کی تعمیل میں قرآن حکیم پر غور و فکر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کلام اللہ کی تعلیم سے ناواقف ہوگئے اور اپنی بدبختی سے احکام الٰہی سے یکسر غافل ہیں، اور اس غفلت اور بے عملی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے وہ نام لیوا جو کل تک خلیفۃ الارض تھے، اور دنیا کی عزتیں ان کے قدموں پر تھیں، قرآن نازل کرنے والے خدائے ذوالجلال کی قسم آج وہی مسلمان دنیا کی ایک بدترین قوم تسلیم کئے جاتے ہیں جو دنیوی حیثیت سے کسی عزت کے مستحق نہیں، اور جن کو دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا، اور کہ یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ جس قوم کو خلافت الٰہیہ کا تاج پہنایا گیا تھا، وہی قوم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسلام کے لئے ننگ ہے۔

اس بدبختی کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کو قرآن حکیم کی تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔ اور جس قرآن کو لیکر وہ ملک تہائی حصہ زمین کے مالک بن گئے تھے یہ پھر اسی قرآن کی دعوت کے لئے تیار ہو جائیں کہ جس کے ہاتھ میں قرآن ہوگا۔ اس کے پیر میں غلامی کی ہتھکڑی بیڑی نہیں پڑ سکتی۔

میں ایک عرصہ سے ملت کی اس سب سے بڑی ضرورت کو محسوس کر رہا تھا۔ اور جب اپنی بے کسی و تنگی، اور علم و عمل سے تہی دستی پر غور کرتا تو اس عظیم الشان کام کی ہمت نہیں پڑتی تھی مگر اب بالآخر خدائے قدوس کا غیبی ہاتھ بڑھا، اور محض اسکی تائید سے اب میں یہ اعلان کر رہا ہوں کہ پیشوا کا

اگلا پرچہ قرآن نمبر ہوگا

کیونکہ قرآن حکیم رمضان المبارک میں نازل ہوا، اور رمضان المبارک کی مزید فضیلت و بزرگی کا باعث بھی نزول قرآن ہی ہوا ہے، اسی لئے میں بھی اس خدائے کارساز پر بھروسہ کرکے رمضان المبارک میں پیشوا کا قرآن نمبر پیش کروں گا۔

قرآن نمبر کیسا ہوگا؟ جو بھائی پیشوا کے حج نمبر اور شبید نمبر پڑھ چکے ہیں ان کو تو اندازہ ہوگا کہ پیشوا کے ان خاص نمبروں میں کتنے بلند پایہ مضامین ہوتے ہیں۔ اور جو بھائی رسول نمبر سے پیشوا کے خریدار ہیں وہ اس سوانح نمبر کو پڑھ کر اندازہ کر سکیں گے۔

مگر میرا جی چاہتا ہے کہ پیشوا کا یہ قرآن نمبر باعتبار ضخامت اور ترتیب اور مضامین کسی طرح بھی رسول نمبر سے کم نہ ہو، اگرچہ میری یہ خواہش خودکشی سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی گذشتہ قرضوں سے نجات نہیں ملی ہے۔ پھر قرآن نمبر کے یہ مزید مصارف کہاں سے پورے ہونگے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ اس پر پیشوا کے تمام خریداروں کو غور کرنا چاہیئے اور اس کا جواب خود ہی اپنے عمل سے دینا چاہیئے۔ کیونکہ میری حیثیت ایک مزدور کی ہے اور ایک مزدور جتنی محنت کر سکتا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ میں نے پیشوا کے لئے سولہ سولہ اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے نہ صرف تحریری کام کیا ہے۔ بلکہ قلیوں کے کام سے بھی گریز نہیں کیا، اور اگر پیشوا کو اب بھی ضرورت ہوگی تو میں قلیوں کا کام کرنے کے لئے حاضر ہوں۔ مالی اعتبار سے پیشوا کی پوزیشن ابھی مضبوط نہیں رہی۔ میرے پاس جو کچھ تھا، وہ سب پیشوا کی نذر کر چکا، بیوی بچوں کے زیورات تک کی بازی لگا دی۔ دوستوں کے اور خود اپنا خون کے ہزار ہا روپے کے قرضے کے ناقابل برداشت بوجھ سے کمر دوہری ہوگئی ہے۔ صحت بھی اتنی شدید محنت سے جواب دے چکی ہے۔ مگر دل امید و یقین سے بھرا ہوا ہے جس کو خدا کے بھروسے نے توکل اور احباب پر اعتماد کی دولت سے مالامال کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالات کی ناساعدت اور کاروبار کی خرابی اور کساد بازاری کے باوجود میرا جی چاہتا ہے کہ پیشوا کا معیار بلند ہو، اور اس کی ارزانی میں بھی فرق نہ آنے پائے۔ تاکہ پیشوا کے اجراء کا جو مقصد ہے وہ فوت نہ ہو، اور خدا کا شکر ہے کہ قارئین کرام کے اخلاص سے آج پیشوا ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ اور یہ سب محض تائید ایزدی اور پیشوا کے خریداروں کا جذبہ اخلاص اور عملی سرگرمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مجھ بے نوا کے پاس کیا رکھا تھا جو دین کی اتنی بڑی خدمت کی جرأت کرتا، اور یہ سب اس کارساز حقیقی کا فضل ہے کہ پیشوا کا جو پہلا پرچہ صرف ۲۰ صفحے کا شائع ہوا تھا وہ آج اسی چندہ میں ۴۲ صفحے کا اس سے بہتر مضامین کا شائع ہو رہا ہے، اور جس پیشوا کے ایک ہزار خریدار ہونے کو میں معراج سمجھ رہا تھا اس کے ... آج پانچ ہزار خریدار ہیں، اور ان کو بھی ناکافی سمجھتا ہوں۔ لاریب اس دینی خدمت کے لئے اگر وہ مقلب القلوب پیشوا کے خریداروں کے دلوں کا پیمانہ نہ کھولتا۔ اور وہ خریداران کتب اور جدید خریداروں کی فراہمی سے میری امداد نہ کرتے تو میرا جیسا بے وسیلہ انسان ایک سال بھی پیشوا کو پابندی سے جاری نہ رکھ سکتا۔ پھر یہ اس عاجز نواز قدوس کی غیبی نصرت فرمائی نہیں تو کیا ہے کہ آج سات سال کے عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پیشوا وقت سے بے وقت شائع ہوا ہو۔ اور قارئین کرام کو دوسرے سرمایہ دار رسائل کی طرح یہ شکایت ہو کہ مجھ مزدور ایڈیٹر کا [illegible] خود ہی ناغہ ہوا ہو یا ایک پرچہ میں کئی اشاعتیں پوری کی ہوں۔

ہر حال میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم کے معارف اور حکیمانہ اسلوب بیان کو اردو میں ایسے طریقہ سے منتقل کیا جائے کہ اس کے مطالعہ سے نہ صرف معلومات میں اضافہ ہو، بلکہ مسلم و غیر مسلم کے لئے نئی راہیں کھلیں، اور جدید معلومات کے ساتھ نجات اخروی کا باعث بھی ہو۔ فی الحال حسب ذیل عنوانات تجویز کئے ہیں جن پر پیشوا کے قلمی معاونین سے خامہ فرسائی کی درخواست کرتا ہوں۔

(۱) علوم قرآنی (۲) اعجاز قرآنی (۳) ماخذ القرآن (۴) قصص القرآن۔

(۵) قرآن کا علم التفسیر (۶) مفسرین قرآن (۷) سرزمین قرآن (۸) فضائل القرآن (۹) آداب قرآن (۱۰) صحف سماوی اور قرآن (۱۱) قرآن حکیم غیر مسلم محققین کی نظر میں۔

ان گیارہ عنوانات میں سے ماثر القرآن سرزمین قرآن تعلیم القرآن علم التفسیر اور مفسرین قرآن پر حضرت علامہ مفتی انتظام اللہ صاحب صدیقی نے لکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور قرآن نمبر کی تجویز کی ہمت افزائی تائید صاحب موصوف نے ہی کی ہے۔ لہٰذا قلمی معاونین سے درخواست ہے کہ وہ مذکورہ عنوانات کو چھوڑ کر دوسرے عنوانات پر خامہ فرسائی کریں۔ اور مضامین ۱۵ نومبر تک دفتر پیشوا میں پہنچ جانے چاہئیں۔ تاکہ میں حسب منشا قرآن نمبر مرتب کر سکوں۔

قرآن نمبر اردو میں پہلا پرچہ ہوگا۔ اس لئے قلمی معاونین کو خصوصیت سے پرچہ کے بلند معیار پر مضامین لکھنے چاہئیں۔ نظم و نثر مضامین مختصر مدلل اور دلچسپ ہوں۔ مبتدی حضرات کو اپنی ذات پر اور مجھ پر رحم کرنا چاہئے۔ اور اپنے رشحات عالیہ دفتر پیشوا میں نہیں بھیجنے چاہئیں کہ نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں ان کے مرسلہ مضامین پڑھوں۔ اور نہ مجھ میں اتنی لیاقت ہے کہ ان کے مضامین کی اصلاح کروں۔ اور نہ پیشوا کا ایسا پست معیار ہے کہ اس میں ہر رطب و یابس کو چھاپا جا سکے اور نہ میں کسی کی خاطر سے پیشوا کو ٹریننگ اسکول بنا سکتا ہوں۔

اگر قارئین کرام حقیقتاً دل سے یہ چاہتے ہوں کہ پیشوا کا قرآن نمبر ڈیڑھ سو صفحے کی ضخامت ہو اور مضامین بھی اجرت پر بلند پایہ لکھوائے جائیں۔ اور اس طرح قرآن حکیم کی اشاعت کا ثواب ان کو مل جائے۔ تو پھر کوشش کیجئے کہ قرآن نمبر دس ہزار چھپے۔ اگر آپ نے پانچ ہزار جدید خریدار یکم دسمبر تک فراہم کر دیئے۔ تو میں یقین دلاتا ہوں کہ قرآن نمبر کی ضخامت ڈیڑھ سو صفحات ہوگی۔ اور اس کے ایڈیشن میں بھی ہمیشہ کے لئے فوٹو بلاک سالانہ چندہ میں ایک پائی کا اضافہ کئے بغیر دیئے جائیں گے۔ اور یہ پیشوا کے معاونین کا اتنا بڑا کارنامہ ہوگا کہ جب احکام اسلام کی تبلیغ کی تاریخ لکھی جائے گی۔ تو بے لاگ مؤرخ کا قلم ان معاونین کے اسمائے گرامی کو سجدہ کرے گا۔ جنہوں نے پیشوا کی اشاعت میں حیرت انگیز ترقی کی۔ اور قرآن حکیم کے علوم و معارف کو عوام تک آسان طریقہ سے پہنچانے کا پہنچانے کا ثواب حاصل کیا۔

رمضان المبارک میں ابھی ڈیڑھ مہینہ باقی ہیں۔ اس عرصہ میں مطلوبہ پانچ ہزار نئے خریدار فراہم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہیں صرف ہمت اور مستعدی کی ضرورت ہے۔ اگر موجودہ پانچ ہزار خریدار چاہیں تو پانچ منٹ میں ایک نئے خریدار سے پیشوا کا چندہ وصول کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح مطلوبہ پانچ ہزار خریدار پانچ منٹ میں فراہم ہو سکتے ہیں جس کے بعد یقیناً پیشوا کا قرآن نمبر ایسا لاجواب شائع ہوگا کہ آپ خود حیرت کریں گے۔

آل کشمیر مسلم کانفرنس

۲۵ اکتوبر کو سابق شیر کشمیر مسٹر عبداللہ کی صدارت میں کشمیر کے مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا خطبہ صدارت نہایت بزدلانہ تھا جس میں حسب عادت گلینسی کمیشن کی سفارشات کو تسلیم کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا مگر جو تجاویز کشمیر کے استبداد شکن رہنماؤں نے پاس کرائیں۔ وہ کسی حد تک کشمیری مسلمانوں کے دلوں کی آواز کہی جا سکتی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ اس آل کشمیر مسلم کانفرنس نے مسلمانوں کی سب سے زیادہ ایثار پیشہ جماعت (مجلس احرار) کی قربانیوں کا تذکرہ اور اس کے رہنماؤں کی آزادی کے لئے کوئی تجویز پاس نہیں کی۔ جو احسان فراموشی اور برادر کشی کی ایسی گھناؤنی تصویر ہے کہ اسپر کشمیری رہنماؤں کو شرم آنی چاہئے سچ ہے جب کانفرنس کے کرتا دھرتا مسٹر عبداللہ ہونگے۔ اس میں مجلس احرار کا تذکرہ کیوں ہونے لگا۔ مگر شاید کشمیر کے رہنما اس کو بھول گئے کہ اگر مجلس احرار کے سرفروش رہنما میدان عمل میں نہ آتے تو وہ سب کے سب کشمیر کے جیل خانوں میں پڑے ہوئے موت کے انتظار میں ایڑیاں رگڑ رہے ہوتے۔

کپورتھلہ کے مسلمانوں میں بے چینی

یہ واقعہ ہے کہ ریاست کپورتھلہ میں چالیس فیصدی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ مگر باوجودیکہ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر ایک غیر متعصب اور شریف ہندو والی ریاست ہیں۔ مگر ریاست سے سالہا سال باہر رہنے کی وجہ سے وہ اپنی مسلمان رعایا کی شکایات کا انسداد نہ کر سکے۔ کپورتھلہ کے مسلمانوں کی شکایات اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ ریاستی افواج کے سپہ سالار نے بھی جو مسلمان ہیں استعفیٰ دیدیا ہے۔

اگرچہ پیشوا کے نامہ نگار نے بہت ہی افسوسناک حالات لکھے ہیں۔ مگر مجھے توقع ہے کہ ہز ہائی نس کی عدم موجودگی میں کپورتھلہ کے بیدار مغز دیوان جناب خان بہادر میاں عبدالحمید صاحب اپنے تدبر سے معاملات کو سلجھانے کی کوشش کریں گے۔

نواب سر مزمل اللہ خاں کا جرم

ایک مقامی ٹوڈی جیفر نے نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب کے جرائم کی جو فہرست شائع کی ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

(۱) بنارس ہندو یونیورسٹی کو دس ہزار روپے کا عطیہ۔

(۲) دہرم سماج کالج علی گڑھ کو پانچ ہزار روپے کا عطیہ۔

پیشوا سرمایہ داروں کا پرچہ نہیں ہے۔ اور نہ مجھ کو ذاتی طور سے نواب صاحب سے نیاز حاصل ہے۔ اور نہ اپنی بقیہ زندگی میں اس کی توقع۔ اور نہ میں نواب صاحب کی ٹوڈیانہ روش کو پسند کرتا ہوں مگر یہ کیا ظلم ہے کہ ایک مخیر اور اعتدال پسند مسلمان جس نے تمام عمر مسلمانوں کی خدمت کی جو مسلم یونیورسٹی کا سالہا سال اعزازی پرو وائس چانسلر رہا۔ اور جس نے کروڑہا روپے مسلمانوں کی تعلیم پر خرچ کئے۔ وہ اگر اپنے آقا اور مولا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے رواداری کے ساتھ اپنے ملکی بھائیوں کے تعلیمی اداروں کی امداد کرے تو اس جاہل کے نزدیک مورد الزام ہے۔ میرے نزدیک یہ اعتراض نواب صاحب پر نہیں ہے۔ بلکہ اسوۂ رسول پاک پر ہے جس کے اتباع میں سر مزمل اللہ خاں غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے ہیں۔ اور میں باوجود شدید سیاسی اختلاف کے نواب صاحب کے اس فیاضانہ طرز عمل کی تعریف کرتا ہوں جنہوں نے اپنے شاہانہ عطیات سے ان ہندو رہنماؤں کے سامنے مسلمانوں کا سر بلند کر دیا جو اسلامی درسگاہوں کو تعلیمی عطیات دیکر اپنی رواداری سے مسلمان قوم کا دل موہ لیا کرتے ہیں۔

آستانہ عالیہ کا عرس

جد ی حضور خواجہ باقی باللہ بخاری کا عرس مبارک آستانہ عالیہ میں ۲۶ جمادی الثانی کو شروع ہو کر ۲۸ کو ختم ہوا حسب دستور سیف شہزادہ بھائی پیر جی سید صفدر علی صاحب سجادہ نشین

آستانہ کی جانب سے تبرکات تقسیم ہوئے۔ دہلی اور بیرون دہلی کے زائرین کا ہجوم اس کثرت سے تھا کہ بیٹھنے کے لئے جگہ نہ تھی۔ اور صدہا مشتاق زیارت خوش عقیدہ مسلمان جگہ کی قلت کی وجہ سے شرکت عرس سے محروم رہے۔

عباسی شہریار کی سالگرہ

۱۰ اکتوبر کو عباسی شہریار کی سالگرہ کا جشن بڑی شان و شوکت سے منایا گیا۔ اور سرداران سلطنت کو علاوہ خطابات سے نوازا گیا۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ لفٹنٹ کرنل مولوی مقبول حسین صاحب قریشی ایم اے وزیر دربار کو افتخار الملک کا معزز ترین خطاب عطا ہوا۔

سنا ہے کہ اس موقع پر ریاست کے بڑا اخبار نویس بھی بے بلائے بہاولپور گئے تھے۔ جن میں سے کئی ایسے تھے کہ جن کا کسی اخبار سے کچھ تعلق نہ تھا اور چند ایسے تھے جو ایک پرچہ شریک رسالہ میں چھاپ دیتے ہیں۔ اور سال بھر تک اس کو بغل میں دبا کر ریاست میں پھر کر دکشنا حاصل کرتے ہیں۔ اکثروں کو سفر خرچ ملا اور بعض ناخواندہ مہمان اس سے بھی مایوس ہوئے۔

ان بیرانی اخباروں میں ایک قادیانی اخبار بھی ہے جسکو توقع کے خلاف مایوسی ہوئی مجھے اس اخبار کے لیشنل ایڈیٹر سے دوستانہ طور میں بڑی ہمدردی ہے۔ کاش ان کو غیرت اور حمیت اور فرض شناسی اور خودداری سے کچھ حصہ ملا ہوتا۔

جاورہ میں جشن معراج

ریاست جاورہ میں جس شان سے رجبی شریف کا جشن منایا جاتا ہے اس کا عشر عشیر بھی ہندوستان کے کسی حصہ میں نہیں سنا گیا۔

ریاست کے مسلمان تاجدار کے حسن عقیدت کی بدولت شاہی محل کو جشن معراج کے لئے کھول دیتے ہیں اور رعایا کا ہر فرد خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو شاہی محل میں جا کر شریک مجلس میلاد مبارک ہوتا ہے۔

اور تمام رعایا کے لئے جشن معراج کی خوشی میں عاشق رسول والی کی جانب سے نہ صرف لذیذ اور مرغن غذاؤں کا شاہی دسترخوان کئی ہفتہ کے لئے وسیع ہوتا ہے بعد فاتحہ خوانی محفل پاک پر مسلمانوں کو شربت تقسیم ہوتا ہے۔ تمام شرکائے مجلس سے بغلگیر ہو کر حقیقی اسلامی اخوت اور مساوات کا ایسا روح پرور نظارہ پیش کرتا ہے کہ ایک مسلمان کی آنکھ تاریخ کے ورقوں میں تیرہ سو سال پہلے کا فاروق اعظم کا دربار دیکھ لیتی ہے جس میں شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ اور جس کے متعلق خیر القرون قرنی کا فرمان آقائے نامدار کا ہے۔

جاورہ کا اورنگ نشین اپنی رعایا کے ہر فرد کے مکان پر بلا تکلف اور بغیر شاہی اعزاز کے جشن معراج میں ایک عام مسلمان کی طرح نہ صرف شرکت کرتا ہے۔ بلکہ شہنشاہ کی مجلس میں شرکت کے وقت اپنے شاہی رتبہ کو فراموش کر کے رعایا کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی تعظیم کے لئے کھڑی نہ ہو۔ اور اس طرح رعایا کے قلوب پر ایک غیر فانی نقش چھوڑ دیتا ہے۔

کیا ہندوستان کے وہ والیان ریاست جن کی ریاستوں میں کسی عورت کا خوبصورت ہونا سب سے بڑا جرم ہے اور جو رعایا کی جان کو کتے کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور جن کا رات دن کا مشغلہ شراب نوشی اور طوائف نوازی ہے وہ جاورہ کے صوفی منش اور متقی عاشق رسول تاجدار کی پاکیزہ زندگی سے سبق لیں گے جس کے دربار میں کوئی طوائف ملازم نہیں جس کی رعایا میں ادنیٰ ترین عورت کی آبرو اس طرح محفوظ ہے جس طرح شاہی محلات میں بیگمات کی جس کے دربار میں شراب نوشی کی بجائے ہر وقت اللہ اور اللہ کے رسول کا ذکر رہتا ہے اور جو اپنی پیاری رعایا سے اس طرح محبت کرتا ہے جس طرح ایک باپ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے۔

وجہ ہے کہ ریاست کا ہر ہندو مسلمان اپنے بادشاہ کو ظل اللہ سمجھتا ہے۔

ہز ہائی نس کی بیمثل عزیزی نے اخلاص اور محبت طلاع کا ایک سبق دوسرے والیان ریاست کے لئے باعث تقلید ہے۔

معراج نمبر پر ایک نظر

معراج نمبر کا اعلان کرنے کے بعد کہہ نہیں سکتا کہ کس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوا اردو رسائل میں اس سے پہلے کوئی شاہراہ نہ تھی۔ اور خاص مسئلہ معراج پر بہت کم علما متقدمین نے توجہ فرمائی تھی اس لئے محققانہ مضامین حاصل کرنے میں بے حد مشکلات کا سامنا ہوا۔

تاہم میں شکرگزار ہوں حضرت مولانا ماہر القادری صاحب اور حضرت مولانا رشید صاحب اور حضرت مولانا ضیاء القادری صاحب اور حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب اور حضرت مولانا ذبیح صاحب جیسے بزرگوں اور دوستوں کا جن کی محنت سے یہ معراج نمبر شائع ہو رہا ہے۔

میں کوئی رائے قائم کرنے کی بجائے مناسب سمجھتا ہوں کہ قارئین کرام خود طے فرمائیں کہ اسی قدر چندہ میں اتنے جلدی جلدی خاص نمبر شائع کرنے کی توفیق بعض تائید ایزدی سے ہو رہی ہے ورنہ گرانی بازاری اور کاغذ اور سامان طباعت کی گرانی نے کچومر نکال دیا ہے۔ میری اس محنت اور خرچ کو اگر آپ سراہنا چاہتے ہیں تو پیشوا کے نئے خریدار فراہم کیجئے۔ اور دفتر پیشوا کو خریداری کتب اور کلام اللہ کے وقت ہرگز نہ فراموش کیجئے کہ پیشوا کی زندگی کا راز کثرت خریداران اور خریدی کتب میں مضمر ہے۔ جو بجائے جدید خریدار فراہم کرتے ہیں وہ وہ دفتر کو خط لکھتے وقت خریدار بننے سے پہلے وعدہ لیا کریں کہ اکثر حضرات کو جب وی پی بھیجا جاتا ہے تو وہ انکار کرتے ہیں جس سے دفتر کو نقصان پہنچتا ہے۔

پتے درکار ہیں

پیشوا کے ارزاں ایڈیشن کو دس ہزار شائع کرنے کے لئے ایسے مسلمان بھائیوں کے پتے درکار ہیں جو رسالہ پیشوا کو پڑھ کر خریدار ہو سکیں۔ اس لئے میں پیشوا کے ناظرین اور خریداروں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ فوراً اپنے مخصوص حلقہ احباب کے پتوں سے بذریعہ کارڈ دفتر پیشوا کو مطلع فرمائیں تاکہ پیشوا ان کی خدمت میں بطور نمونہ پیش کیا جا سکے۔ پتے صحیح خوشخط انگریزی یا اردو میں ہونے چاہئیں۔ بدخط اور نامکمل پتوں کے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

بے مثل مدبر اور اعلیٰ مقنن کی وفات

نہایت افسوسناک خبر آئی ہے کہ سر علی امام بیرسٹر پٹنہ نے ۲۷ اکتوبر کی رات کو قلب کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سر علی امام اس قوم کے ایک ایسے فرد تھے جو کبھی مردم خیز تھی۔ مگر اب بانجھ ہے۔ سر علی امام ایک بے مثل مدبر اور اعلیٰ مقنن اور عدیم النظیر مفکر تھے کہ باوجود حکومت کے معتمد ہونے کے گذشتہ گول میز کانفرنس میں قوم پرست مسلمانوں نے ان کو اپنا ترجمان مقرر کیا تھا۔ وہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے جن پر لارڈ ہارڈنگ نے اتنا اعتماد کیا تھا کہ ایک ہفتہ کے لئے ان کو وائسرائے بنایا تھا۔ افسوس ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان اور انگلستان کو ان کی ضرورت تھی وہ داغ مفارقت دے گئے۔ خدائے عز و جل ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جامعہ ملیہ کا یوم تاسیس

۲۹ اکتوبر کو جامعہ ملیہ دہلی کا یوم تاسیس نہایت شاندار مگر نہایت سادگی سے منایا گیا۔ جامعہ کے پرنسپل جناب محترم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم اے پی ایچ ڈی نے گیارہ سالہ حالات بیان کئے اور یہ خوشخبری سنائی کہ جامعہ کے ایثار پیشہ اساتذہ نے تین مہینہ کی تنخواہیں روک کر اوکھلا کے پاس ایک قطعہ زمین جامعہ کے لئے خرید لیا ہے۔ اور دو ہزار روپیہ ماہوار کی ضرورت پوری ہونے پر پانچ سو روپیہ ماہوار کی امداد ہمدردان جامعہ نے عطا فرمانے کا وعدہ کر لیا ہے جس سے توقع ہے کہ بہت جلد جامعہ اپنی ذاتی عمارات میں منتقل ہو جائے گا۔

جامعہ ملیہ کی تحریک ایک جیسا تعمیری پروگرام ہے کہ جس پر افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ دوسرا کا مسلمانوں نے بالکل توجہ نہ کی۔ اور جامعہ کو افلاس اور غفلت کی بھینٹ چڑھا کر زندگی اور موت کی کشمکش کے لئے چھوڑ دیا مگر خوش قسمتی سے جامعہ کو ڈاکٹر ذاکر حسین جیسا مفکر اور ایثار پیشہ اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے والا اور حالات کی خرابی کے باوجود ہمت نہ ہارنے والا پرنسپل مل گیا تھا۔ جو جامعہ کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لے گیا۔ ورنہ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے جامعہ کا گلا گھونٹنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔ حالانکہ مسلمانوں کی بہبود کی تحریک میں سب سے پہلا ضروری کام ہوتا ہے وہ صرف جامعہ ملیہ کا قیام ہے جو اپنے اصولوں کی خاطر حکومت سے مدد نہیں لے سکتی۔ اور جس کے کام کو پسند کرنے کے باوجود مسلمان والیان ریاست مدد نہیں کر سکتے اور جس کو حمیت کے اعتبار سے مسلمانوں نے تقریباً فراموش کر دیا ہے بہرحال ۱۲ سال کا جامعہ کا کام ملک اور قوم کے سامنے ہے اور کارکنان جامعہ نے اپنے اخلاص اور ایثار سے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان [illegible]

رجب کا تبلیغی خطبہ

(از حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ)

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ۔

اما بعد۔ مبارک ہو اے مسلمانو کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو وہ رات میسر فرمائی کہ جس رات تمہارے آقائے نامدار سید الموجودات سرور کائنات فخر دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آن کی آن میں آنحضرت ؐ کو ساتوں آسمان عرش و کرسی اور دوزخ جنت کی سیر کرائی اور خود اپنے دیدار سے مشرف فرمایا اور یہ ایسا بڑا انعام و اکرام تھا جس کو انتہائی عروج و کمال کہنا چاہیئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس عروج و کمال کو مذہبی اصطلاح میں معراج کہا جاتا ہے۔

تیرہ سو برس سے آج تک سب مسلمان معراج کے واقعہ کو حق اور برحق مانتے آتے ہیں۔ سوائے ان چند آدمیوں کے جن کو اپنے عقلی خلجان کے سبب معراج کا یقین نہیں آتا۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معراج کا واقعہ سراسر عقل کے خلاف ہے۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ ایک انسان چند سکنڈ کے اندر زمین سے آسمان پر جائے، ساتوں آسمانوں میں پھرے عرش و کرسی کو دیکھے۔ جنت و دوزخ کی سیر کرے، خدا سے ملے اور پھر زمین پر اپنے گھر میں واپس آجائے اور اس واپسی میں اتنی دیر بھی خرچ نہ ہو کہ بچھونے کی گرمی ٹھنڈی ہو جائے اور دروازہ کی ہلتی ہوئی کنڈی ٹھیر جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے کہ جب حضرت ؐ معراج کو گئے اور وہاں سے واپس آئے تو اتنی جلدی واپس آگئے کہ آپ کے بچھونے گرم تھے، اور کواڑوں کی کنڈی ہل رہی تھی۔

بعض لوگ اس عقلی خلجان کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ؐ نے خواب میں یہ سب باتیں دیکھی تھیں۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت ؐ نے ان باتوں کا محض خیال اور تصور کیا تھا۔

مگر اے بھائیو ذرا غور کرو کہ بمبئی اور کلکتہ میں ہزاروں کوس کا فاصلہ ہے۔ مگر جب بمبئی کے تار گھر میں انگلی کے اشارہ سے ایک کھٹکا کرتا ہے تو اس کھٹکے کی آواز ایک سکنڈ سے کم عرصہ میں کلکتہ پہنچ جاتی ہے۔ اور جب دہلی کے ہوائی برقی آلہ میں لندن کو پکارا جاتا ہے تو باوجود ہزارہا میل کا فاصلہ ہونے کے آن کی آن میں دہلی کی بات لندن پہنچ جاتی ہے، اور دہلی میں بیٹھے بیٹھے ٹیلیفون کے ذریعہ ہزاروں میل کے فاصلہ پر کلکتہ اور بمبئی کے آدمیوں سے ہم باتیں کر لیتے ہیں، اور گراموفون کے ریکارڈوں میں ہماری باتیں اور ہمارے گانے بند ہو جاتے ہیں، اور جب اور جہاں ہم چاہتے ہیں ان کو سنتے ہیں، تو کیا یہ سب باتیں عقل کے خلاف نہیں ؟ اور جب تک یہ سب ایجادیں عام نہیں ہوئی تھیں تو کسی شخص کی عقل ان باتوں کا یقین کر سکتی تھی ؟ اور کیا کوئی شخص یہ تسلیم کر سکتا تھا کہ ٹیلیفون میں بات کرتے وقت بات کرنے والا چاہے کتنے ہی ہزار میل دور ہو مگر اسکی صورت سامنے آجاتی ہے۔ اب سوچو کہ انسان اپنی حکمت اور ہنر کے زور سے یہ کمالات دکھا سکتا ہے۔ مگر کیا خدا میں یہ قدرت نہیں ہے ؟ وہ خدا جس نے انسانوں کو پیدا کیا اور وہ خدا جس نے اپنے پیدا کئے ہوئے انسانوں کو یہ عقل دی کہ انہوں نے تار برقی ایجاد کی، موٹریں ایجاد کیں، ریلیں ایجاد کیں، بائسکوپ ایجاد کی۔ ہوائی خبر رسانی ایجاد کی۔ ہوائی جہاز ایجاد کئے۔ ٹیلیفون ایجاد کئے۔ جو سب کے سب خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں تو کیا اس خدا میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے مقبول و محبوب بندے کو آن کی آن میں ساتوں آسمانوں پر لے گیا، عرش و کرسی پر لے گیا۔ دوزخ بہشت کی سیر کرائی، خود اپنے دیدار سے سیراب کیا اور پھر اتنی جلدی واپس بھیج دیا کہ اس بندہ کی خوابگاہ گرم تھی اور اس بندے کے کواڑوں کی کنڈی ہل رہی تھی بے شک بے شک اس خدا میں اس سے زیادہ قدرت ہے اور وہ خدا اس سے بڑھ بڑھ کر کرشمے دکھا سکتا ہے۔

پڑھو تکبیر اور درود اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد اللھم صل علی سیدنا محمد صاحب المعراج و البراق و علیٰ آل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم

بھائیو! ہندوستان اور دوسرے اسلامی ملکوں میں رجب کی ستائیسویں رات کو جگہ جگہ بیان میلاد کی مجلسیں ہوتی ہیں اور ان مجلسوں کو رجبی شریف کہا جاتا ہے۔ یہ مجلسیں بہت ضروری ہیں اور بہت مفید ہیں لیکن اسی وقت ضروری اور مفید ہیں کہ ان میں ایسی روایتیں بیان نہ کی جائیں جو غیر معتبر اور جھوٹی ہوں، اور جن کا بیان کرنا اور سننا مسلمانوں کے لئے مفید نہ ہو۔ معراج کی مجلسوں اور مولود شریف کی محفلوں میں ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاحات اور معلومات مذہبی

کے بیانات ہونے ضروری ہیں۔ مسلمانوں کو فرقہ بندی سے بچانا چاہیے مسلمانوں کو بیکاری سے بچنے اور محنت کی طرف راغب ہونے کی تاکید کرنی چاہیے مسلمانوں کو شادی غمی کی رسموں میں فضول خرچی سے روکنا چاہیے مسلمانوں کو سودی قرض لینے سے باز رکھنا چاہیے مسلمانوں کو ہر قسم کی تعلیم خصوصاً تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا چاہیے مسلمانوں کو ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت کی سب چیزیں مسلمان دوکانداروں سے خریدیں۔

الغرض رجبی شریف کی مجلسوں سے مسلمانوں کے تمام دینی و دنیاوی امور میں فائدہ اٹھانا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کی ہر مجلس اور ہر مجمع کا کچھ فائدہ اور نتیجہ حاصل ہو۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد دوسرا خطبہ

الحمد للہ الذی جعلنا من المومنین وارسل الینا رسولہ سید المرسلین۔

درود و سلام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کے چاروں خلفا حضرت ابوبکر صدیق رض و حضرت عمر فاروق رض و حضرت عثمان غنی رض و حضرت علی مرتضے رض پر اور ان کی تمام ازواج خصوصاً خدیجۃ الکبریٰ رض و عائشہ صدیقہ پر اور ان کی پیاری بیٹی فاطمہ زہرا رض پر اور ان کے نواسوں حضرت امام حسن رض و حضرت امام حسین رض پر اور ان کی آل حضرت زین العابدین رض و محمد باقر رض و جعفر صادق رض و موسیٰ کاظم رض و علی رضا رض و محمد تقی رض و علی نقی رض و حسن عسکری رض پر اور ان کے چچاؤں حضرت حمزہ رض و حضرت عباس رض پر اور ان کے عشاق بلال حبشی رض و سلمان فارسی رض و صہیب رض رومی و ابو ہریرہ رض و ابوذر غفاری رض و اویس قرنی رض پر اور ان کے اصحاب طلحہ رض و زبیر رض و سعد رض و سعید رض و عبد الرحمٰن رض و ابو عبیدہ رض و خالد ابن ولید رض و عمار ابن یاسر رض پر اور شریعت کے ائمہ ابو حنیفہ رض و مالک رض و شافعی رض اور احمد حنبل رض پر اور مشائخ طریقت غوث الاعظم رض اور خواجہ اجمیری رض اور حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی پر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور رحمت نازل ہو اللہ کی مولانا رومی رح و مولانا جامی رح و مولانا سعدی رح و مولانا امیر خسرو رح و مولانا حافظ رح پر اور سلطان محمود غزنوی رح اور سلطان صلاح الدین ایوبی رح اور سلطان شہاب الدین محمد غوری رح اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر رح اور احمد شاہ ابدالی رح اور ٹیپو سلطان شہید رح پر

اور سلامتی نصیب ہو آزاد اسلامی حکومتوں کو اور حفاظت کر یا اللہ سلطان العلوم میر عثمان علی خاں تاجدار دکن کی اور بحر العلوم عباسی شہریار آف بہاولپور کی۔ آمین۔

بارک اللہ لنا ولکم بالقرآن العظیم وایاکم بالآیات والذکر الحکیم انہ تعالیٰ جواد کریم ملک بر الرؤف الرحیم۔

جملہ حقوق محفوظ بحق مرتب

درس القرآن

جملہ حقوق محفوظ ہیں

(تذکرۂ انبیاء)

(از جناب مولانا مفتی محمد انتظام اللہ صاحب الشہابی مدیر دائرہ معارف قرآنیہ)

(مسلمان بچوں کی قرآنی معلومات کے لئے ایک مسلسل کتاب جو صرف پیشوا کے لئے لکھوائی جارہی ہے)

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝	کہا گیا اے نوحؑ ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ (کشتی سے) اتر اور تجھ پر اور تیرے ساتھ والوں سے جو گروہ پیدا ہونگے ان پر برکتوں کے ساتھ اور کچھ گروہ ایسے بھی ہیں پیدا
پ ۱۲۔ س ہود ع ۴	

ہوں گے) جن کو ہم مزہ لینے دیں گے اور پھر ان کو ہماری طرف سے تکلیف کا عذاب پہونچے گا۔

حضرت ادریس علیہ السلام

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝	(اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی) قرآن میں ادریسؑ کا حال پڑھو وہ تو سچے نبی تھے اور اللہ نے ان کو اونچی جگہ دی۔

حضرت ہود علیہ السلام

تذکرہ قوم عاد

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝	پھر ان کے بعد (یعنی قوم نوحؑ کے بعد) ہم نے دوسرا زمانہ شروع کیا۔
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۔ (الاعراف)	اور (اسے قوم عاد) تم یاد کرو جب نوحؑ کی قوم کے بعد تم کو ان کا جانشین کیا اور بدن کا پھیلاؤ بھی

تم کو زیادہ دیا (یعنی بناوٹ میں تم کو زیادہ قوی ہیکل کیا)

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝	(اور) چارپایوں (یعنی مویشیوں) سے اور باغات اور چشموں سے تمہاری امداد کی۔
اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ[1] (ہود)	(ان عنایات الٰہی پر بھی) سن لو عاد نے اپنے مالک کو نہ مانا۔

(نوٹ) قوم عاد اپنے مورث عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ[1] کے نام سے مشہور تھی مسکن احقاف[2] تھا جہاں عظیم الشان عمارتیں تعمیر کی تھیں

[1] تکمیل تکوین ۱۰: ۲۲ و ۲۳
[2] تاریخ ابی الفدا صفحہ ۱۳۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ[1] (الاحقاف)	اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا۔

علامہ ابو محمد حسین ابن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی تفسیر معالم التنزیل میں کہتے ہیں

عاد بن عوص بن ارم بن سام وھم عاد الاولی کانت منازل قوم عاد بالاحقاف وھی رمال بین عمان وحضرموت۔

اور علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابوبکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اپنی تفسیر در منثور میں تحریر کیا ہے کہ

قوم عاد نہایت زبردست اور زور آور تھی۔ عاد کے ایک بت کا نام صمود (صدا) دوسرے کا نام ہبا (ہبا) تھا اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ تیسرے بت کا نام صمد تھا۔ ان کی اصنام پرستی و عام بداخلاقی کی اصلاح کے لئے عابر (حضرت ہودؑ) بن شالخ بن ارفخشد بن سام مامور ہوئے تھے[2]۔

یہ قوم عاد حضرت ہود علیہ السلام کے مواعظ حسنہ سے باطل پرستی سے کنارہ کش نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط ڈالا[3]۔ اس کے بعد ریگستانی آندھی کے بگولوں سے تباہ ہوئے۔ بقیہ عاد متبعین ہودؑ کی اولاد کی بابل میں ڈیڑھ سو سال تک حکومت رہی اور مصر میں بھی ہیک سوس (شاہان بادیہ) کے نام سے پانچسو سال تک فرمانروا رہے جن کی یادگار آج بھی ابوالہول موجود ہے[4]۔ انہی کی اولاد نے عاد ثانی کے نام سے دوبارہ یمن میں حکومت قائم کی جن کو قوم تبع بھی کہتے ہیں انہی میں سے حضرت لقمان اور حضرت ذوالقرنین و ملکہ سبا تھی[5]۔

عاد کے متعلق قدیم معلومات بطلیموس جغرافیہ نویس متوفی ۱۶۱ء کی ہے کہ وہ عاد ارم کو Adramotae اور عاد کو Adita جنوبی عرب کے قبائل کے ذکر میں بیان کرتا ہے[6]۔

قدیم شعرائے عرب کے کلام میں بھی قوم عاد کا ذکر ہے[7] ابی الطیب عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے۔ (باقی نوٹ صفحہ ۲۴ پر دیکھئے)

[1] کتاب المرآۃ الوضیہ فی الکرۃ الارضیہ صفحہ ۲۱۳ [2] عرائس التبیان فی حقائق القرآن
[3] جغرافیہ قرآن [4] ارض القرآن - [5] صفحہ جزیرۃ العرب صفحہ ۲۳۳۔

حضرت ہود علیہ السلام

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ؕ اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ہود کو بھیجا
قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا اس ہود نے کہا بھائیو اللہ کو پوجو
لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ اَفَلَا اسکے سوا کوئی تمہارا سچا معبود نہیں کیا
تَتَّقُوْنَ ۝ پ ۸ س الاعراف ع ۹ ۔ تم (اس سے) نہیں ڈرتے۔

یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ؕ اے قوم (میں جو نصیحت کرتا ہوں تم
اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ سے کوئی (اسکی) مزدوری نہیں مانگتا
فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ میری مزدوری اسی (خدا) پر ہے
جس نے مجھ کو پیدا کیا (اے لوگو) تم کو عقل نہیں۔

وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اور اے بھائیو اپنے مالک سے بخشش چاہو
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ (ایمان لاکر) پھر اس کی درگاہ میں توبہ
عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ کرو (عبادت اور اطاعت کیجئے) وہ
قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا تم پر آسمان کے دہانے چھوڑ دیگا
مُجْرِمِیْنَ ۝ پ ۱۲ س ہود ع ۴ ۔ (یعنی خوب زور کا مینہ برسائے گا)
اور تمہارے زور پر اور زور دے گا۔ اور مشرک بنکر منہ مت پھیرو۔

اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ کیا تم ہر ٹیلے (یا ناکے) پر ایک مکان
وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ بنا کر کھیل کرتے ہو۔ اور ایسی عمارتیں
تَخْلُدُوْنَ ۝ بنو رکھتے (یعنی تعمیر کرتے) ہو گویا تم
وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ اور جب تم (کسی پر) ہاتھ ڈالتے ہو
جَبَّارِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ تو بے رحمی کے ساتھ ہاتھ ڈالتے ہو
وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو
تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ اور اس خدا سے ڈرو جس نے تم کو
وَّبَنِیْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وہ نعمتیں دی جو تم کو معلوم ہیں
اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ تم کو چوپائے جانور عنایت کئے
یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ اور اولاد اور باغ اور چشمے عطا
(پ ۱۹ س الشعراء ع ۷) کئے) مجھے ڈر ہے کہیں (تمہاری
ناشکر گزاری پر) تم کو بڑے دن کا عذاب نہ ہو۔

علامہ یاقوت حموی (متوفی ۶۲۶ھ) عاد کے کھنڈرات عاد دیکھے ہیں جس کا
ذکر معجم البلدان میں کیا ہے [۵]۔ ۱۸۴۳ء کے بعد ڈبلیو بٹیل سیاح نے احقاف
کا سفر کیا اور آثار عاد دیکھے [۶]۔

[۱] کتاب المراۃ الوضیہ فی الکرۃ الارضیہ صفحہ ۲۱۲ [۲] ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۰۶ [۳] تاریخ ابی الفداء صفحہ ۲ [۴] کتاب المراۃ الوضیہ فی الکرۃ الارضیہ صفحہ ۲۱۲ [۵] معجم البلدان حرف ح ملاحظہ ہو [۶] یادداشت ملاقات حضر موت از ڈبلیو بٹیل فرانسیسی سیاح۔

یقر لہ بالفضل من لا یودہ ویقضی لہ بالسعد من کان یحکم
اجار علی الایام حتی ظننتہ تطالبہ بالرد عاد و جرھم

قبل نزول قرآن عاد کے متعلق جو کچھ معلومات تھی اس سے زیادہ مفسرین کرام اور مسلم جغرافیہ نویسوں کی تحقیقات ہے عہد حاضرہ میں علامہ سید سلیمان ندوی کی محققانہ تحقیق قدما سے سبقت لئے ہوئے ہے۔ ارض القرآن میں جسکی تفصیل ملاحظہ طلب ہے۔

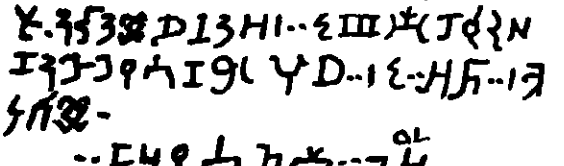
[۱] قوم عاد کا مسکن ارض احقاف تھا۔ یہ مقام یمامہ عمان و بحرین حضرموت اور مغربی یمن کے (یعنی عرب کے جنوب و شمال میں ہر دو طرف) درمیان میں جو صحرا اعظم الدھنا یا ربع الخالی کے نام سے ہے واقع ہے [۲]۔ وسکنت بنو عاد الرمل الی حضرموت [۳]۔ وبلاد عاد یقال لھا الاحقاف وھی بلاد متصلۃ بالیمن وبلاد عمان۔

[۷] نوٹ کالم (سطر ۲) حضرت ہود کا نام توریت میں عابر ہے مگر قرآن مجید نے جو نام اہل عالم کے سامنے پیش کیا اس کی تصدیق میں آپکے نام کا کتبہ جو صد ہا برس کا ہے وہ ہمارے ہاتھ آیا ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۰ھ سے ۶۰ھ عبد الرحمن مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعہ حصن غراب پر جو کتبہ پایا تھا اس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا جس کا اردو ترجمہ یہ ہے

ہمارے حکمران وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے بہت دور ہیں اور مفسدوں اور خیانت کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں وہ ہمارے لئے ہود کے مذہب کے مطابق شریعت قائم کرتے ہیں۔

۴ مئی ۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن میں بھیجا تھا اسکو یہی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا جس کو مسٹر فارسٹر نے اپنے تاریخی جغرافیہ میں نقل کیا ہے یہ عرب کے قدیم ترین کتبات میں سے ہے جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے ۱۸۰۰ برس قبل ہے [۸]۔ اصل کتبہ کی ایک سطر یہ ہے۔



حضرت ہود کا مزار حضرموت میں ہے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ عامر بن واثلہ کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ کو سنا کہ حضرموت کے ایک مرد سے پوچھا تو نے سرخ ٹیلا دیکھا ہے جس میں لال ڈھیلے ملے ہوئے ہیں اور حضرموت کے فلاں جانب ہے وہ بولا امیر المومنین کا بیان ایسا ہے جیسے کسی نے دیکھا ہو فرمایا نہیں میں نے تو مجھ سے بیان کیا پھر مرد نے عرض کیا آپ اسکی کیفیت سے مجھے مطلع فرمائیے ارشاد کیا وہاں حضرت ہود کی قبر ہے

حتی مات وقبرہ بحضرموت [۹]

۱۸۴۳ء سیاح حضرموت ڈبلیو بٹیل نے مزار حضرت ہود کی زیارت کی۔

[۷] فارسٹر کا جغرافیہ عرب جلد دوم صفحہ ۲۹۵۔ [۸] خلاصۃ التفاسیر صفحہ ۷۷
[۹] تاریخ ابی الفداء صفحہ ۱ مطبوعہ مصر [۱۰] نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۹

صحیح بخاری شریف اردو

(گذشتہ سے پیوستہ)

(مترجمہ حضرت علامہ مفتی جلالی صاحب نظامی)

انس بن مالک کا قول ہے کہ آپ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی تھیں لیکن جب میں (واپس ہو) موسیٰؑ کی طرف سے گذرا تو انہوں نے دریافت کیا کہ خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے میں نے کہا پچاس وقت کی نمازیں وہ کہنے لگے اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ کیونکہ تمہاری امت میں اس کی طاقت نہ ہوگی میں نے (جاکر) اپنے رب سے کمی کرائی تو خداتعالیٰ نے آدھی ساقط کردیں جب میں موسیٰؑ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آدھی ساقط کردی گئیں۔ تو انہوں نے کہا دوبارہ اپنے رب کے پاس جاؤ تمہارے میں اس کی بھی طاقت نہ ہوگی میں نے خدا سے اور کمی کرائی خداتعالیٰ نے فرمایا کہ پانچ وقت کی (نمازیں) فرض رہیں اور وہ ثواب میں پچاس کے برابر ہیں میرے ہاں حکم میں تغیر نہیں ہوتا اب اس کے بعد جب موسیٰؑ کی طرف لوٹا تو انہوں نے کہا اب پھر اپنے رب کے پاس جاؤ میں نے کہا اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ بعد ازاں جبرئیلؑ مجھے (اور اوپر) لے چلے یہاں تک کہ مقام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے مختلف قسم کے رنگ اس کو محیط تھے مجھے نہیں معلوم وہ کیا تھے پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو میں نے وہاں موتیوں کے ہار اور مشک کی مٹی دیکھی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تو رکعتین سفر و حضر میں فرض کی تھیں سفر کی نماز تو بدستور رہی اور حضر کی نماز میں زیادتی کردی گئی۔

عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے (ایک مرتبہ) ایک کپڑا پہنکر نماز پڑھی جس کے دونوں کنارے ادھر ادھر ڈال لئے تھے۔

ام ہانیؓ بنت ابی طالب سے فتح مکہ کے دن کی گذشتہ حدیث مروی ہے مگر انہوں نے اتنی اور زیادتی کی ہے کہ آپ نے ایک کپڑا پہنکر آٹھ رکعتیں پڑھیں جب فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ میرے ماں کے بیٹے (علی بن ابی طالب) کا خیال ہے کہ جس کو میں پناہ دے چکی ہوں وہ اس کو قتل کردیں آپ نے فرمایا ام ہانیؓ جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی۔ ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ یہ چاشت کے وقت کا ذکر ہے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے ایک کپڑا پہنکر نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے تاوقتیکہ اس کے کاندھے پر کچھ نہ ہو۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص ایک کپڑا پہنکر نماز پڑھے اس کو چاہیئے کہ اس کے دونوں کنارے ادھر ادھر ڈال لے۔

جابرؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ہمرکاب ایک سفر میں نکلا ایک رات جب میں کسی کام کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو میں نے نماز پڑھتے دیکھا میں (اس وقت) ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھا میں اس کو لپیٹ کر آپ کی ایک طرف کھڑا ہوگیا اور نماز شروع کردی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا جابر رات کو کیوں آیا ہے میں نے اپنی ضرورت بتائی جب بتاکر فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا یہ کپڑے میں لپٹا کیسا جو مجھے دکھائی دے رہا ہے میں نے عرض کیا کہ ایک کپڑا تھا فرمایا اگر فراخ ہو تو اسی میں لپٹ جایا کرو (یعنی سمیٹ لیا کرو) اور اگر تنگ ہو تو تہ بند بنا لیا کرو۔

سہلؓ کہتے ہیں کہ چند آدمی اپنی گردنوں میں لنگیاں باندھے حضورؐ کے ساتھ بچوں کی طرح نماز پڑھا کرتے تھے اور عورتوں سے کہا جاتا تھا کہ (اس وقت تک) سر نہ اٹھاؤ جب تک مرد سیدھے نہ بیٹھ جائیں۔

مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں میں حضورؐ کے ہمرکاب تھا آپ نے فرمایا مغیرہ برتن تھام لے میں نے تھام لیا آپ (وہاں سے) چلے یہاں تک کہ میری نظروں سے چھپ گئے (وہاں جاکر) قضا حاجت کی چونکہ آپ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے اس لئے ہاتھ آستینوں سے نکالنے لگے مگر آستین تنگ تھی اس لئے آپ نے ہاتھ نیچے سے نکالا میں نے آپ کے ہاتھ پر پانی ڈالا آپ نے نماز کی طرح وضو کیا موزوں پر مسح کیا اور نماز پڑھی۔

جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ تہبند اوڑھے ہوئے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے پتھر اٹھا رہے تھے آپ کے چچا عباسؓ بولے اگر تم اپنا تہبند کھول کر مونڈھے پر پتھروں کے نیچے رکھ لو (تو اچھا ہے) آپؐ نے تہ بند کھول کر مونڈھوں پر رکھ لیا فوراً آپ بے ہوش ہو گئے مگر اس کے بعد آپ کو برہنہ نہیں دیکھا گیا۔

ابو سعیدؓ خدری کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اس طرح کپڑا لپیٹنے سے منع فرمایا ہے جس سے ہاتھ پاؤں نکالنے کو راستہ نہ رہے یا انسان ایک کپڑا پہنکر اس طرح گوٹ مار کر بیٹھے کہ اس کی شرمگاہ پر پردہ نہ ہو۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے دو قسم کی فروخت سے منع فرمایا ہے بیع لماس اور بیع نباذ (بیع لماس یہ ہے کہ خریدار کسی چیز کو چھودے تو اس پر قبول کرنا لازم ہو جائے۔ بیع نباذ یہ ہے کہ بائع مشتری کی مطلوبہ چیز اس کی طرف پھینکدے اور قبول کرنا لازم ہو جائے) اور اس طرح کپڑا لپیٹنے سے (منع فرمایا ہے) جس سے ہاتھ پاؤں نکالنے کو راستہ نہ رہے اور اس سے بھی (منع فرمایا ہے) کہ آدمی ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حج کے زمانہ میں مجھے منادی کرنے والوں کے ساتھ ملا کر بھیجا جو یہ اعلان کرتے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے اس کے بعد رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کو سوار کر کے پیچھے بھیجا اور حکم دیا کہ سورۂ برأت کا اعلان کریں ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو حضرت علیؓ نے منیٰ میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرے اور نہ کوئی برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے۔

انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ غزوۂ خیبر میں تھے اور ہم نے موقع جنگ کے قریب ہی اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھی اس کے بعد رسول اللہؐ سوار ہوئے میں آپ کے پیچھے بیٹھا تھا حضورؐ خیبر کے کوچوں میں (اپنی سواری) چلاتے جاتے تھے اور میرا زانو آپ کی ران میں لگتا جاتا تھا آپ نے اپنا تہ بند کھول دیا اور میں آپ کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔ جب آپ گاؤں میں داخل ہوئے تو فرمایا اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا ہم جب کسی قوم کے صحن میں داخل ہوتے ہیں تو ڈرائے ہوؤں (خوفزدہ لوگ) کی صبح بری ہو جاتی ہے (یعنی کفار تباہ ہو جاتے ہیں) یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے۔ راوی کہتا ہے کہ لوگ اپنے کاموں کو جا رہے تھے (دیکھکر) کہنے لگے محمدؐ اور (ان کا) لشکر ہے اس طرح ہم نے خیبر کو زبردستی حاصل کیا اس کے بعد قیدی اکٹھے کئے گئے دحیہ نے آ کر کہا یا رسول اللہؐ قیدیوں میں سے ایک لونڈی مجھے عنایت فرمائے آپ نے فرمایا جا ایک لونڈی لے لے انہوں نے صفیہ بنت حیی کو لے لیا اس پر ایک شخص نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ نے صفیہ بنت حیی مرحمت کر دی وہ تو قریظہ اور نضیر کی سردار ہے اور صرف آپ کے لئے مناسب ہے فرمایا دحیہ کو بلاؤ (جب دحیہ حاضر ہوئے) اور آپ نے صفیہ کو دیکھا تو فرمایا اس کے سوا اور لونڈی لے لے اس کے بعد حضورؐ نے صفیہ کو آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح کر لیا اور ان کی آزادی کو مہر قرار دیا حضورؐ راستہ ہی میں تھے کہ ام سلیم نے حضرت صفیہ کو بنا سنوار کر شب کو حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا صبح ہوئی تو حضورؐ نوشہ تھے آپؐ نے فرمایا اگر کسی کے پاس کچھ ہو تو لے کر آ جائے اور دسترخوان بچھوا دیا لوگ کھجوریں اور گھی لانے لگے میرا خیال ہے کہ راوی نے ستو کا بھی ذکر کیا ہے غرض لوگوں نے حیس (ایک طرح کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا بس رسول اللہؐ کا یہی ولیمہ ہوا۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے اور ایماندار عورتیں وہاں چادروں میں چھپی ڈھکی آتی تھیں اور نماز سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ جاتی تھیں مگر ان کو کوئی پہچانتا نہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک نقشین چادر اوڑھ کر نماز پڑھی اور (نماز میں) نقوش کو ایک دفعہ دیکھا جب فارغ ہوئے تو فرمایا اس چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ایک بے نقش چادر لے آؤ ان نقوش نے مجھے اس وقت نماز سے غافل کر دیا۔

انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک پردہ تھا جس کو آپ نے اپنے مکان کے ایک طرف لگا دیا تھا حضورؐ نے فرمایا اپنا یہ پردہ میرے سامنے سے ہٹا لو نماز میں اس کی تصویر میرے سامنے آتی ہے۔

عقبہؓ بن عامر کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک ریشم کا چوغہ بطور ہدیہ کے حضورؐ کی خدمت میں آیا آپ نے اس کو پہنکر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کو اس سختی کے ساتھ اتار پھینکا جس سے آپ کا ناگوار ہونا معلوم ہوتا تھا اور فرمایا پرہیزگاروں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔

ابوجحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو چمڑے کے سرخ قبہ میں دیکھا بلالؓ آپ کے وضو کا پانی لئے ہوئے اور لوگ اس پانی کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے جس شخص کے ہاتھ کچھ پانی لگ جاتا تھا وہ اس کو بدن پر مل لیتا تھا اور جس کے ہاتھ کچھ نہ آتا تھا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھوں کی تری لے لیتا تھا بلالؓ کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک بیساکھی دار لکڑی لے کر (زمین میں) گاڑ دی اور حضورؐ سرخ لباس پہنے ہوئے دامن اٹھائے ہوئے نکلے لکڑی کی طرف منہ کر کے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی

(اس وقت) میں دیکھ رہا تھا کہ آدمی اور چوپائے لکڑی کے آگے سے گذر رہے تھے

سہل بن سعدؓ سے دریافت کیا گیا کہ (حضورؐ کا) منبر کس چیز کا تھا کہنے لگے کہ اب لوگوں میں اس بات کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا منبر مقام غابہ کے جھاؤ کا بنا ہوا تھا جس کو فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا غلام تھا حضورؐ کے لئے تیار کیا تھا جب تیار ہوگیا تو اس وقت اس پر آپ قبلہ رُخ کھڑے ہوئے اللہ اکبر کہا لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے قرأت پڑھی رکوع کیا لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے رکوع کیا پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا پیچھے کو لوٹے یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا۔ منبر کا یہ قصہ ہے۔

انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ میری دادی مُلیکہ نے رسول اللہؐ کی دعوت کی کھانا تیار کیا آپ نے نوش فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا اٹھو میں تمہیں نماز پڑھاؤں انسؓ کہتے ہیں ایک چٹائی تھی جو کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی میں نے اس پر پانی چھڑکا اور کھڑا ہوگیا رسول اللہؐ (آگے) کھڑے ہوئے میں نے اور ایک یتیم لڑکے نے صف باندھی اور ہمارے پیچھے بوڑھی عورتیں تھیں حضورؐ نے ہم کو دو رکعتیں پڑھائیں اور واپس تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہؓ زوجہ نبیؐ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے سامنے سوجاتی تھی میرے دونوں پاؤں آپ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے اشارہ فرماتے میں پاؤں سمیٹ لیتی جب آپ کھڑے ہوجاتے تو پھر پھیلا دیتی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ان دنوں میں گھر کے اندر چراغ نہ تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نماز پڑھتے ہوتے تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے بیچ میں جنازہ کی طرح چوڑان میں آپ کے گھر والوں کے بستر پر پڑی ہوتی تھی۔

انسؓ کہتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے تو بعض لوگ سخت گرمی کی وجہ سے کپڑے کا دامن سجدہ کی جگہ رکھ لیتے تھے۔

انسؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضورؐ جوتیوں سمیت نماز پڑھ لیتے تھے تو بولے ہاں۔

جریر بن عبد اللہؓ نے پیشاب کرکے وضو کیا موزوں پر مسح کیا پھر کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھی دریافت کیا گیا تو کہنے لگے میں نے رسول اللہؐ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کیونکہ جریر متاخرین مسلمانوں میں سے ہیں۔

عبد اللہ بن بُحینہ کہتے ہیں کہ حضورؐ جب نماز پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سپیدی معلوم ہونے لگتی تھی۔

انس بن مالکؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا جو شخص ہماری سی نماز پڑھے ہمارے قبلہ کو رخ کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے وہ مسلمان ہے اس کے لئے خدا و رسولؐ کا ذمہ ہے لہٰذا تم خدا کے ذمہ کو نہ توڑو۔

ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے طواف عمرہ کرلیا لیکن صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی کیا وہ اپنی بیوی کے پاس آسکتا ہے کہنے لگے کہ رسول اللہؐ (ایک بار) تشریف لائے سات بار طواف کعبہ کیا مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ تمہارے لئے رسول اللہؐ (کے اتباع) میں ایک بہترین طریقہ ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے اس کے ہر گوشہ میں دعا کی مگر نماز نہیں پڑھی جب باہر نکل آئے تو کعبہ کی طرف (منہ کرکے) دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا یہی قبلہ ہے۔

براءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے سولہ سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف (رخ کرکے) نماز پڑھی یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے دونوں میں صرف لفظی اختلاف ہے۔

جابرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ سواری پر بیٹھکر نماز پڑھا کرتے تھے خواہ سواری کا کسی طرف رخ ہو لیکن جب فرض نماز کا ارادہ کرتے تو اتر آتے اور قبلہ کی طرف رُخ کرتے تھے۔

عبد اللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ حضورؐ نے (ایک مرتبہ) نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا نماز میں کوئی نئی بات پیدا ہوگئی ہے فرمایا وہ کیا عرض کیا آپ نے اتنی رکعات پڑھی ہیں (یعنی زیادہ یا کم) آپ نے فوراً اپنے دونوں پاؤں موڑے قبلہ کی طرف منہ کیا دو سجدے کئے اور سلام پھیر دیا جب ہماری طرف منہ کیا تو فرمایا اگر نماز میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہوتی تو میں تم کو بتا دیتا لیکن میں تمہاری طرح انسان ہوں جس طرح تمہیں بھول ہوجاتی ہے مجھے بھی ہوجاتی ہے اگر میں بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اگر تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہوجایا کرے تو چاہیئے کہ امر حق کو سوچے اور اسی کے مطابق (نماز) پوری کرے پھر سلام پھیر دے اور دو سجدے کرے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار کی تین باتوں میں موافقت کی ہے (اول یہ) کہ میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کاش ہم مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ مقرر کرلیتے اسی وقت آیت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّیٰ نازل ہوئی (دوسرے یہ) کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کاش حضورؐ اپنی بیویوں کو

پردہ کرلینے کا حکم دیتے کیونکہ ان سے اچھے برے (ہر قسم کے آدمی) کلام کرتے ہیں اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی (تیسرے یہ) کہ رسول اللہ کی تمام بیویوں نے آپ سے اعراض کرلیا میں نے ان سے کہا اگر حضورؐ تم کو طلاق دیدیں تو امید ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے اس وقت یہی آیت نازل ہوئی۔

انس رضؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے قبلہ کی طرف تھوک پڑا دیکھا تو آپ کو یہ بات شاق گذری اور یہ ناگواری آپ کے چہرہ سے معلوم ہونے لگی پھر آپ نے اٹھ کر دست مبارک سے اس کو کھرچا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے اپنے پروردگار سے مخاطب ہوتا ہے اور یہ پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے کوئی شخص قبلہ کی طرف نہ تھوکے ہاں دائیں بائیں یا قدموں کے نیچے تھوک لے پھر آپ نے اپنی چادر کا کونہ لے کر اس میں تھوکا اور وہیں مل دیا اور فرمایا ایسا کرلیا کرے۔

ابو ہریرہؓ اور ابو سعید رضؓ (خدری) سے یہ تھوک والی حدیث مروی ہے مگر اس میں اتنی زیادتی ہے کہ دائیں جانب بھی نہ تھوکے۔

انس رضؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری توجہ ادہر ہے خدا کی قسم مجھ سے تمہارا خشوع اور رکوع پوشیدہ نہیں ہے میں تمکو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں۔

ابن عمر رضؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ان گھوڑوں کو شرطیہ دوڑایا جنکو دبلا کیا جاتا مزدری تھا دوڑ کی ابتدا مقام حفیا سے ہوئی اور انتہا مقام ثنیۃ الوداع پر اور جن گھوڑوں کو دبلا کرنا مقصود نہ تھا انکو مقام ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک دوڑایا اور آگے نکل جانے والے لوگوں میں سے عبداللہ (یعنی میں) بھی تھا۔

انس رضؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہر دفعہ سے زیادہ مال بحرین سے حضورؐ کے پاس آیا فرمایا اس کو مسجد میں بکھیر دو جب آپ نماز کو نکلے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کی نماز ادا کرچکے تو تشریف لاکر پاس بیٹھ گئے اور جس شخص کو دیکھتے اس کو عطا فرماتے تھے اتنے میں حضرت عباس رضؓ آئے اور عرض کیا یارسول اللہ مجھے بھی دیجئے کیونکہ میں نے اپنا بھی فدیہ دیاہے اور عقیل کا بھی آپ نے فرمایا لو اور لپ بھر کر ان کے کپڑے میں ڈال دیا مگر ان کی نظر میں یہ کم تھا اس لئے رک نہ سکے اور عرض کیا یارسول اللہؐ ان میں سے کسی کو حکم دیجئے کہ (اپنا حصہ) اٹھا کر لائے فرمایا نہیں عباسؓ نے عرض کیا پھر آپ ہی اٹھا کر لائیے فرمایا نہیں اس کے بعد آپ نے ان کو کچھ اور دیا مگر ان کی نظر میں کم ہی تھا اس لئے کہنے لگے یارسول اللہ ان میں سے کسی کو حکم دیجئے کہ (اپنا حصہ) میرے پاس اٹھا کر لائے آپؐ نے فرمایا نہیں،

عباس رضؓ نے عرض کیا پھر آپ ہی اٹھا کر لائیے فرمایا نہیں اس کے بعد آپ نے ان کو کچھ اور دیا مگر ان کی نظر میں کم ہی تھا اس لئے کہنے لگے یارسول اللہ ان میں سے کسی کو حکم دیجئے کہ (اپنا حصہ) میرے پاس اٹھا کر لائے آپ نے فرمایا نہیں' عباس رضؓ بولے پھر آپ ہی اٹھا کر لائیے آپ نے فرمایا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے عباس رضؓ کو اتنا دیا کہ ان پر لاد دیا اور ان کے کندھے پر ڈال دیا عباس رضؓ چل دیئے۔ حضورؐ ان کی حرص کی وجہ سے تعجب کے ساتھ ان کو دیکھتے رہے' یہاں تک کہ وہ نظر سے غائب ہوگئے۔ رسول اللہؐ اس جگہ سے اس وقت اٹھے جب ایک درم باقی نہیں رہا۔

محمود بن ربیع انصاری رضؓ کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک (یہ بدری صحابی ہیں) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہؐ میں نابینا ہوگیا ہوں اور اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہونے لگتی ہے تو وہ نالہ بہنے لگتا ہے جو میرے ان کے درمیان ہے اس لئے ان کو نماز پڑھانے میں ان کی مسجد میں نہیں جاسکتا میں چاہتا ہوں کہ حضورؐ میرے گھر تشریف لاکر نماز ادا کریں تاکہ میں حضورؐ کے مصلیٰ کو مصلیٰ قرار دوں آپ نے فرمایا میں عنقریب (ایسا) کروں گا انشاءاللہ۔ عتبان کہتے ہیں کہ صبح کو رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ میرے ہاں تشریف لائے آفتاب اونچا ہوگیا تھا آکر اجازت طلب کی میں نے اجازت دی آپ گھر میں داخل ہوئے مگر بیٹھے نہیں اور فرمایا تم مجھ سے کہاں نماز پڑھوانا چاہتے ہو میں نے مکان کا ایک گوشہ بتادیا آپ نے کھڑے ہوکر تکبیر کہی ہم نے بھی کھڑے ہوکر صف بنالی آپ نے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا میں نے آپ کو خزیرہ (ایک قسم کا کھانا) کھانے کے لئے روک لیا جو آپ کے لئے تیار کیا تھا اس کے بعد چند اور گھر والے آگئے اور سب اکٹھے ہوگئے ان میں سے کسی شخص نے کہا مالک بن دخیشن یا دخشن کہاں ہے دوسرا بولا وہ منافق ہے خدا اور رسولؐ سے اس کو محبت نہیں ہے آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو کیا تم کو معلوم نہیں کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہدیاہے اور اس سے خدا کی ذات کے سوا کچھ اور مقصود نہیں ہے وہ بولے خدا اور رسول خوب واقف ہیں پھر انہوں نے عرض کیا ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا رخ اور خیر خواہی منافقوں کی طرف ہے آپ نے فرمایا جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اور اس سے رضاء الٰہی کے سوا کچھ اور مطلوب نہ ہو اسکو خدا نے دوزخ پر حرام کردیاہے۔ (باقی آئندہ)

اسلامی معاشرت

یہ سلسلہ مضامین جناب حضرت مولانا ... حسینی ... کے کتابی حقوق بحق ... محفوظ ہیں

باب دوم

(گذشتہ سے پیوستہ)

آداب سلام و کلام

(از جناب مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی)

تمسخر کرنا یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (حجرات)

مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ (خدا کے نزدیک) اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں پر (ہنسیں) عجب نہیں کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو (ایمان لائے پیچھے بدتہذیبی کا نام ہی بُرا ہے اور جو (ان حرکات سے) باز نہ آئیں تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں

لا تمار اخاہ نہ (اپنے بھائی سے) ہنسی کرو۔

فحش گوئی حضرت رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فاسق کا کام ہے[۱] اور فرمایا کہ "جو دو شخص باہم ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں تو دونوں کی گالیوں کا وبال) گناہ اسی پر پڑتا ہے جس نے پہلے گالی دی جب تک کہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے[۲]

جناب سعید بن زید، حضرت نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کی ناحق آبرو ریزی میں زبان درازی کرنا ربوا کی سب قسموں سے بڑھ کر ربوا ہے[۳]۔

منافقت اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا۔

کچھ شک نہیں کہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے درجہ میں ہوں گے اور (اے پیغمبر وہاں) تم کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

حضرت عمار رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص دنیا میں فحش گوئی کرتا رہا ہوگا قیامت کے روز اُس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی[۴]۔

لعن و طعن وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ (انعام)

(مسلمانو) مشرک خدا کے سوا جن (معبودوں کی) پرستش کرتے ہیں انکو بُرا نہ کہو کہ یہ لوگ (بھی) براہ نادانی ناحق (لڑا ہوا) خدا کو بُرا کہہ بیٹھیں گے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فحش کام کرنے والے اور فحش گو سے محبت نہیں رکھتا اور نہ اس سے محبت رکھتا ہے جو بازاروں میں چلاتا پھرتا ہے[۱]

آپ نے فرمایا کہ صدیق کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ لعان ہو"

جو قوم آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کرتی ہے وہ مستحق لعنت ہو جاتی ہے[۲]۔

مسلمانوں کو لعنت کرنا اس کے قتل کرنے کے برابر ہے اور جو شخص کسی مومن کو کفر سے متہم کرے تو وہ اس کے قتل کرنے کے برابر ہے[۳]

قسمیں کھانا وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (بقرہ)

(اور مسلمانو) اپنی (بیہودہ) قسموں (کے حیلے) سے خدا کو (یعنی اس کے نام کو لوگوں کے ساتھ) سلوک کرنے اور پرہیزگاری رہنے اور لوگوں کے ملاپ کرانے میں مانع ومزاحم نہ ٹھیراؤ اور اللہ سنتا (اور) جانتا ہے تمہاری قسموں میں جو لا یعنی (قسمیں) ہیں ان پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ کرتا نہیں لیکن ان (قسموں) پر تم سے (ضرور) مواخذہ کریگا جو تمہارے دل ارادے سے ہوں اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے"۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ (لوگو) تم اپنے ماں باپ کی قسمیں نہ کھاؤ اور نہ بتوں کی قسمیں کھاؤ اور نہ خدا کی (اس وقت کھا سکتے ہیں) جب کہ تم سچے ہو[۴]۔

---

[۱] بخاری و مسلم (عن عبداللہ بن مسعودؓ) [۲] (عن انسؓ) مسلم [۳] مشکوٰۃ [۴] دارمی۔

[۱] عن جابر بن عبداللہؓ [۲] عن حذیفہؓ [۳] کنز العمال۔ [۴] ابوداؤد و نسائی۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماں۔ باپ کی قسم کہانے سے منع کرتا ہے اگر کسی کو قسم کہانی ہی ہو تو اللہ کی قسم کہائے[1]۔ حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے میں نے سُنا ہے کہ قسم مال کو نیاں بیو بکاتی ہے اور برکت محو کر دیتی ہے[2]۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو شخص جہوٹی قسم کھاکر کسی مسلمان کا مال تلف کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لئے جنت حرام اور دوزخ لازم کر دیتا ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر بہت تہوڑی چیز ہو آپ نے فرمایا اگرچہ پیلو کی ٹہنی ہی ہو[3]۔

کفارہ قسم

لَا يُؤَاخِذُكُمُ	(مسلمانو!) تمہاری قسموں میں جو لغو
اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ	ہیں ان پر خدا تم سے کچھ مواخذہ
يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ	کرتا نہیں ہاں پکی قسم کہالو اور پھر
الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ	اُس کے خلاف کرو) تو خدا تم سے
عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ	(اس کا) مواخذہ کرے گا تو اس
مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ	(یکی قسم کے توڑنے) کا کفارہ دس
كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ	مسکینوں کو متوسط درجے کا کہانا کہلانا
فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ	ہے جیسا تم اپنے اہل عیال کو کہلایا
أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ	کرتے ہو یا ان (ہی دس مسکینوں)
إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا	کو کپڑے بنا دینا۔ یا ایک غلام آزاد
أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ	کرنا۔ پھر جس کو (غلام) میسر نہ ہو
لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ	تو تین دن کے روزے یہ تمہاری
(المائدہ)	قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم

(تو) کہالو (اور اس میں پورے نہ اترو) اور اپنی قسموں (کے پورا کرنے) کی احتیاط رکھو اسی طرح اللہ اپنے احکام تم سے کہول کہول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم (اس کی) شکرگزاری کرو۔

باب سوم

آداب نشست و برخاست

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ	سو کچھ اللہ کی مہر ہے جو تو نرم
وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ	دل ملا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو
لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۝	اور سخت دل تو تیرے گرد سے
	منتشر ہو جاتے۔

نشست رسول اللہؐ بغیر اللہ تعالیٰ کے ذکر کئے نہ بیٹھتے تھے اور نہ کہڑے ہوتے تھے کبھی اپنے لئے کوئی مقام مخصوص نہ فرماتے تھے۔ اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے تھے۔ اور جب آپ کچھ لوگوں کے پاس جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے[1] اور ایسا ہی آپ حکم دیا کرتے تھے اور آپ اپنے ہمنشینوں سے اس کے موافق برتاؤ فرماتے ایسا کہ آپ کے ہمنشینوں میں سے کوئی شخص یہ نہ سمجھتا تھا کہ اس سے زیادہ رسول خدا صلعم کے یہاں کسی کی عزت ہے[2]۔ اور آپ کی اکثر نشست یہ تھی کہ دونوں ساقوں کو کہڑی کر کے انکے گرد سے دونوں ہاتھ گوٹ مارنے کی طرح پکڑ لیتے تھے[3] آپ کی نشست آپ کے اصحاب کی نشست سے متمیز نہ تھی[4]۔ کبھی کسی نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے (مجمع) اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوں' جس سے ان پر جگہ تنگ ہو گئی ہو۔ ہاں اگر مکان وسیع ہوتا اور پاؤں پھیلانے سے تنگی نہ ہوتی تو کچھ مضائقہ نہ تھا[5]۔

قبلہ رُخ رسول اللہؐ کی نشست قبلہ رُخ ہوتی تھی[6] اور اگر آپ کے پاس نماز پڑہنے میں کوئی آ بیٹھتا تو آپ اپنی نماز مختصر کر دیتے اور اس سے پوچھتے کہ تم کو کچھ کام ہے اور جب اس کے کام سے فارغ ہوتے تو پھر نماز پڑہنے لگتے[7]۔ اور جو آپ کے پاس آتا تھا اس کی خاطر اور تعظیم فرماتے حتیٰ کہ ان میں اور آپ میں کسی طرح کی قرابت اور دودہ پینے کا علاقہ نہ تھا ان کے لئے اپنی چادر (مبارک) بچھا کر اس پر اُن کو بٹھاتے تھے[8] اور جو تکیہ آپ کے نیچے رہتا تہا آنے والے کے لئے اس کو نکال کر حوالے فرماتے اور اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ قسم دیتے کہ اسی پر تکیہ لگا کر بیٹھے[9]۔

حضور صلعم جب فجر کی نماز پڑہ چکتے تو جب تک سورج خوب نہ نکل آتا آپ اسی جگہ چار زانو بیٹھے رہتے[10]۔

صحبت و مجالست آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مومن کے سوا کسی کی صحبت اختیار نہ کرو اور تمہارا کہانا بجز متقی کے کوئی نہ کہائے۔"

"بُرے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے اور ہمنشین صالح تنہائی سے بہتر۔ اچھی بات کہنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش رہنا بُری بات کہنے سے بہتر ہے۔"

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ انسان اپنے احباب کے طریقہ پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو یہ اور کی خیال کر لینا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی و محبت پیدا کرتا ہے[11]۔ (باقی آئندہ)

---

[1] مشکوٰۃ۔

[1] ترمذی (عن حضرت علی رضی اللہ عنہ) [2] ترجمہ اسد الغابہ حصہ اول صفحہ ۴۳ [3] ابوداؤد (عن ابو سعیدؓ) [4] احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۸۴ [5] دارقطنی عن انسؓ [6] دارقطنی [7] حاکم (عن انسؓ) [8] [9] احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۶۴ [10] ابوداؤد عن جابرؓ [11] الاخلاق المحمدیہ حصہ سوم ص ۱۹۔

مقالات حضرت غوث الاعظم

(مترجمہ حضرت مولانا حکیم سید سکندر شاہ صاحب قادری)

پھر اس وقت تجھے وعدہ دیا جائے گا، اور جب تو اس وعدہ پر مطمئن ہوگا اور تجھ میں کسی ارادہ کی علامت پائے جائے گی، تو تو اس وعدہ سے ایسے وعدہ کی طرف پھیرا جائے گا جو اس (موجودہ) وعدہ سے بھی اعلیٰ ہے، اور اس موجودہ وعدہ سے مستغنی ہونے کے سبب اس سے اشرف وعدہ کا بدلہ تجھے دیا جائے گا اور تجھ پر ابواب معارف و علوم" کا فتح باب کیا جائے گا۔ اور غوامض امور اور حقائق حکمت اور وعدۂ اول سے وعدہ ثانی کی طرف تیرے منتقل ہونے میں جو مدفون مصلحتیں ہیں، ان (سب) پر تجھے آگاہی دی جائے گی اور تیرے حال کے اس مرتبہ کی حفاظت میں زیادتی کی جائے گی اور پھر (اس حال کے ساتھ ساتھ) تیرے مقال کی حفاظت بے حد بھی کی جائے گی) اور اس مقام میں تیرے لئے "حفظ اسرار کی امانت" اور "زیادتی شرح صدر" اور "تنویر قلب" اور "فصاحت کلام" اور "حکمت بالغہ" اور "القائے محبت" میں زیادتی کی جائے گی، پھر تجھے تمام مخلوق جن اور انس اور اس کے سوا (سب) کا دنیا و آخرت میں محبوب بنایا جائے گا۔ اس لئے کہ تو خدا کا محبوب ہوا اور مخلوقات خدا کی تابع ہیں۔ اور مخلوق کی محبت خدا کی محبت میں داخل ہے جیسے کہ اُن کا بغض خدا کے بغض میں داخل ہے۔ اسی طرح جب تو اُس مقام پر پہنچایا جائے گا جس (مقام) میں تیرے لئے کسی شئے کا ارادہ قطعاً نہیں ہے۔ تو تجھ میں ارادۂ اشیا میں سے کسی شئے کا ارادہ پیدا کیا جائے گا اور جب تیرا ارادہ اس میں ثابت ہو جائے گا، تو پھر وہ شئے دور اور معدوم کر دی جائے گی اور تو اس چیز سے واپس کیا جائے گا پھر وہ شئے تجھے دنیا میں نہیں دی جائے گی۔ بلکہ اس کا عوض آخرت میں تجھے (ایسا) دیا جائے گا۔ جو حضرت باری میں تیرے قرب کو زیادہ کر دے، اور جس سے جنت الماویٰ اور فردوس اعلیٰ میں تیری آنکھیں روشن ہوں۔ اور اگر تو نے اس "دنیا" دار فنا" اور دار تکلیف میں اس چیز کی طلب نہ کی امید نہ رکھی اور اس کی طرف مائل نہ ہوا۔ بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے تیری امید (صرف) وہ ذات پاک رہی جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور ظاہر کیا اور کسی کو دیا اور کسی کو نہ دیا اور زمین کو بچھایا اور آسمان کو بلندی دی اور (بیشک) یہی (ذات پاک) مراد و مطلوب اور آرزو ہے۔ تو اکثر اوقات (یہ ہوگا کہ) تیرے دل شکستہ ہونے کے بعد (اور) اپنے مراد و مطلوب اور آرزو سے (تیرے) باز رہنے (اور دنیا میں ان کی خواہش نہ کرنے) کے سبب ان کا بدلہ آخرت میں (تیرے لئے) ثابت (و برقرار) رکھتے ہوئے ان کی مثل یا اُن سے کم دنیا میں (بھی تجھے) دیا جائے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور بیان کیا۔

مقالہ بیسواں

(بیان حدیث کہ مشکوک چیز کو چھوڑ دو)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- "جو چیز تجھے شک میں ڈالے اُسے چھوڑ دے، اور جو چیز تجھے (حلال و حرام) کے شک میں نہ ڈالے اسے اختیار کر۔" فرمایا: اس حدیث میں (کہ) جب امر مشتبہ غیر مشتبہ کے ساتھ جمع ہو جائے۔ تو اس عزیمت کو اختیار کر جس میں شک و شبہ نہ ہو، اور اس چیز کو چھوڑ دے جو شک میں ڈالنے والی ہو۔ اور جب محض مشکوک چیز ہو (اور شئے مشکوک وہ ہے کہ) جس کے خلجان اور خلش سے دل صاف نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "گناہ دلوں کا خلجان اور سوزش ہے" تو ایسی حالت میں توقف کر اور اس میں امر باطن کا انتظار کر۔ اگر تجھے اس کے حاصل کرنے کا حکم دیا جائے تو تو اُسے لے۔ اور اگر منع کیا جائے۔ تو باز رہ پھر چاہیئے کہ وہ مشتبہ چیز تیرے نزدیک ایسی ہو جائے۔ گویا کہ وہ موجود ہی نہ تھی اور خدا کے دروازہ کی طرف رجوع کر اور اپنے پروردگار سے رزق مانگ اگر صبر یا موافقت یا رضا یا فنا سے تو ضعیف (اور بے صبر) ہو جائے۔ تو تو (یاد رکھ کہ) اللہ عزوجل اس کا محتاج نہیں ہے کہ اسے یاد دلایا جائے۔ اور وہ تجھ سے اور تیرے غیر سے (کبھی) غافل نہیں ہے، اور وہی (پروردگار عالم) کفار اور منافقین اور اپنی طاعت سے برگشتہ لوگوں کو (بھی) رزق دیتا ہے پھر اے مومن موحد! (اے) اس کی اطاعت پر جمے رہنے والے، اور شب و روز اُس کے حکم کی پابندی کرنے والے!! (وہ) تجھے کس طرح بھول جائے گا؟ اور دوسرے معنی (حدیث) دع ما یریبک الخ کے یہ ہیں:- "اس چیز کو جو مخلوق کے پاس ہے چھوڑ دے، اس کو طلب نہ کر، اس سے دل نہ لگا، مخلوق سے امید نہ رکھ، اور ان سے خوف نہ کر۔ اور خدا کے فضل سے لے، اور وہ فضل ایسی شے ہے کہ تجھے شک میں نہ ڈالے گی۔ اور اس کا پہونچنا یقینی ہے" (باقی آیندہ)

شرح مثنوی مولانا روم

مشاہدۂ حق

(از جوائنٹ ایڈیٹر)

ہر کرا ہست از ہوس ہا جان پاک زود بیند حضرت و ایوان پاک

(مطلب) جس شخص کی زندگی حرص و ہوا سے پاک ہو وہ جلد خداوندکریم کی بارگاہ میں باریاب ہوتا ہے۔

تشریح خداوندکریم کے دربار میں تقرب حاصل کرنے کے لئے اولین شرط تزکیہ روح ہے روح لطیف جب تک زنجیر علائق میں جکڑی رہے گی اس وقت تک اسے بالیدگی نصیب نہیں ہو سکتی۔ نفس امارہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ضرورت ہے کہ طالب حق سب سے پہلے اس کا سر کچلے۔

چوں محمدؐ پاک شد از نار و دود ہر کجا رو کرد وجہ اللہ بود

(مطلب) جب حضورؐ در کائنات نور مجرد بن گئے تو جس طرف وہ منہ کرتے تھے اسی طرف خدا کا ہاتھ ہوتا تھا۔

(تشریح) نور نار کی ضد ہے۔ جب تک نار ہے نور نہیں ہو سکتا۔ مقربان حق اور انبیائے عظام جب نار نفس کو بجھا کر عالم نور میں داخل ہوتے ہیں تو ان کو ہر جانب خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

چوں رفیق وسوسہ بدخواہ را کے بہ بینی ثم وجہ اللہ را

(مطلب) جب تک تو وساوس میں گرفتار ہے۔ آیہ ثم وجہ اللہ کے معنی سمجھ نہیں سکتا۔

(تشریح) آیہ شریف "وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" کی جانب اشارہ ہے یعنی مشرق کا مالک بھی خدا ہے اور مغرب کا مالک بھی ہے۔ تم جس طرف متوجہ ہوگے خدا کا منہ اسی طرف ہوگا۔

خداوندکریم قیود مکانی سے منزا ہے۔ عالم میں ہر طرف اسی کا نور ہے جب کوئی شخص قید وساوس و زنجیر مادیات سے نجات حاصل کرکے راہ طلب میں قدم رکھتا ہے تو اس کو ہر طرف خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب او ز ہر ذرہ بہ بیند آفتاب

(مطلب) جس شخص کا سینہ فتح سے کھل جاتا ہے۔ اسے ہر ذرہ میں آفتاب نظر آتا ہے۔

(تشریح) مشاہدۂ حق کے لئے انشراح صدر بہت ضروری ہے جو شخص اپنے وساوس و اوہام فاسدہ میں مبتلا ہے وہ مشاہدۂ حق سے محروم رہتا ہے لیکن جس نے مکروہات دنیاوی سے نجات حاصل کرکے انشراح صدر حاصل کر لیا وہ ہر چیز میں جلوۂ ذات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

حق پدیدست از میان دیگراں ہمچو ماہ اندر میان اختراں

(مطلب) خداوندکریم دوسری چیزوں کے درمیان اسی طرح ظاہر اور ممتاز ہے جس طرح ستاروں کے درمیان چاند۔

(تشریح) جلوۂ خداوندی متعینات میں اسی طرح پوری تابش کے ساتھ نورپاش ہے جس طرح ستاروں کے درمیان چاند۔ اس کے لئے ضرورت ہے چشم بینا کی اور وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان اپنی آنکھوں سے خیالات فاسدہ کی پٹی دور نہ کرے۔

دو سر انگشت بر دو چشم نہہ ہیچ بینی از جہاں انصاف دہ

(مطلب) تو اپنی آنکھوں پر دو انگلیاں رکھ لے۔ اس کے بعد سچ بتا کہ تجھے کیا نظر آئے گا۔

(تشریح) حضرت مولانائے رومؒ فرماتے ہیں کہ خداوندکریم کا جلوہ تو ہر جگہ ہے اور دنیا کے تمام دوسرے جلووں سے بدرجہ غایت ممتاز تر اور روشن تر ہے لیکن اس کے باوجود تجھ کو جلوۂ حق جو نظر نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ تو اپنی آنکھوں کو بند کئے ہوئے ہے۔

ور نہ بینی ایں جہاں معدوم نیست عیب جز انگشت نفس شوم نیست

(مطلب) اگر آنکھوں پر انگلیاں رکھ لینے سے تجھ کو نظر نہیں آتا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز موجود نہیں بلکہ یہ تو تیری انگلیوں کی خطا ہے۔

(تشریح) اگر غافل انسان کو جلوۂ خداوندی نظر نہ آئے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جلوۂ حق ہر جگہ موجود نہیں ہے بلکہ یہ خطا اس کے نفس امارہ کی انگلیوں کی ہے جو اسکی آنکھوں کو بند کئے ہوئے ہیں۔

تو ز چشم انگشت را بردار ہیں وانگہانے ہر چہ می خواہی بہ بیں

(مطلب) اے پسر اپنی آنکھوں پر سے انگلیوں کو ہٹا لے۔ پھر تجھ کو ہر چیز نظر آئے گی۔

(تشریح) حضرت مولانائے رومؒ سالکان معرفت کو مشورہ دیتے ہیں کہ اگر تجھ کو مشاہدۂ حق مطلوب ہے تو آنکھوں پر سے نفس امارہ کی وہ انگلیاں ہٹا لو جن کی وجہ سے تمہاری آنکھیں بند ہیں اور تم کچھ دیکھ نہیں سکتے۔

شرحِ دیوانِ حافظؒ

اتباعِ مرشد

(از جوائنٹ ایڈیٹر)

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما　　چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

(مطلب) کل ہمارا پیر مسجد سے میخانہ کی طرف آیا۔ اے یاران طریقت بتاؤ اب میرے لئے کیا چارہ کار ہے۔

تشریح۔ مراد یہ ہے کہ مرشد نے زہد و عبادت کی منزل سے نکال کر اب رہ رسم عاشقی کی تعلیم دی ہے۔ مصرعہ ثانی سے مطلب یہ ہے کہ چونکہ مرشد اپنے کشف باطنی سے تمام مصلحتوں کو سمجھتا ہے اس لئے مجھے اس کا اتباع ضروری ہے

در خرابات مغاں با پیر ہم منزل شویم　　کاینچنیں رفتست در عہد ازل تقدیر ما

(مطلب) روز ازل سے ہماری قسمت میں لکھا گیا تھا کہ ہم میخانوں میں پیرِ مغاں کی صحبت کا شرف حاصل کریں۔

ما مریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں　　روئے بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما

(مطلب) ہم مرید کعبہ کی طرف کس طرح منہ کریں جب ہمارا مرشد شراب خانہ کی طرف منہ کئے ہوئے ہے۔

(تشریح) مرشد کامل کا اتباع بہرحال ضروری ہے جب مرشد رہ و رسم پارسائی کی بجائے منزل عشق سے آشنا کر رہا ہے تو مریدان باصفا زاہدان خشک اور علمار جاہل کے فتووں پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں۔

عقل اگر داند کہ دل دربند زلفش چوں خوشست　　عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

(مطلب) اگر عقل اس راز کو سمجھ لے کہ ہمارا دل اس کی قید زلف میں کس قدر خوش ہے تو اہل خرد ہماری زنجیر کے لئے دیوانے بن جائیں۔

(تشریح) آج تو اہل ظاہر ہماری ہندی دستی پر زبان اعتراض کشادہ کر رہے ہیں لیکن اگر انہیں کل معلوم ہو جائے کہ راہ عشق کس قدر پُرکیف ہے تو وہ سب ہماری طرح دیوانے بن جائیں۔

روئے خوبت آیتے از لطف برما کشف کرد　　زاں سبب جز لطف و خوبی نیست در تفسیر ما

(مطلب) تیرے روئے دلفریب نے ہم پر لطف و کرم کی ایک آیت منکشف کر دی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے بیان میں جز لطف و خوبی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(تشریح) ہم نے اپنے مرشد سے مہر و وفا کی جو تعلیم حاصل کی ہے اسی پر کاربند ہیں اور ہمارے پاس سوائے عشق و محبت کے اور کچھ نہیں ہے۔

با دل سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے　　آہ آتشبار و سوز نالۂ شبگیر ما

(مطلب) اے محبوب تیرے سخت دل پر ہماری آہ آتشبار اور نالۂ شبگیر کا بھی کچھ اثر ہوتا ہے؟

(تشریح) نالۂ شبگیر یعنی پچھلی رات کی آہ و زاری۔

مرغ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود　　زلف بکشادی و شد از دست ما نخچیر ما

(مطلب) ہمارا دل اطمینان و جمعیت کے دام میں پڑا ہوا تھا لیکن تو نے اپنی زلف کھول دی اور شکار ہمارے دام سے نکل گیا۔

(تشریح) جب تک عشق کے نام سے واقف نہ تھا ہمارے دل کو اطمینان نصیب تھا لیکن اب منزل عشق میں قدم رکھنے کے بعد یہ پریشان و آوارہ خاطر ہے۔

بیا در زلف تو آمد شد جہاں بر من سیاہ　　نیست از سودائے زلفت بیش ازیں توفیر ما

(مطلب) تیری زلفوں نے ہوا سے اٹکھیلیاں کیں اور دنیا میری نظروں میں سیاہ ہو گئی تیری زلف کے سودے میں اس سے زیادہ ہماری توفیر نہیں ہو سکتی۔

(تشریح) عشق میں اضطراب و خاطر پریشاں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہی چیز جان عاشقی ہے۔

تیر آہ ما ز گردوں بگذرد جان عزیز　　رحم کن برجان خود پرہیز کن از تیر ما

(مطلب) ہماری آہ کا تیر آسمان سے بھی پار نکل جاتا ہے۔ اے عزیز تو اپنی جان پر رحم کر اور ہماری آہ کے تیر سے بچ۔

(تشریح) اس شعر میں حضرت حافظ اہل ظلم کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ مظلوموں کو نہ ستائیں اور ان کی آہ کے تیر دل سے بچیں۔ کیونکہ یہ تیر ایسے ہیں کہ وہ آسمان تک کا کلیجہ توڑ کر پار نکل جاتے ہیں۔

بر در میخانہ خواہم گشت چوں حافظ مقیم
چوں خراباتی شد اے یار طریقت پیر ما

(مطلب) جب اے یار طریقت میرا مرشد رند خراباتی بن گیا تو میں بھی حافظ کی طرح میخانہ میں مقیم ہوں گا۔

(تشریح) پیر سے مراد مرشد کامل اور حافظ سے مراد مرید باصفا ہے۔ یعنی جو لوگ راہ معرفت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو لازم ہے کہ مرید باصفا کی طرح اپنے پیر کا اتباع کریں۔

تذکرۂ اولیائے ہند کامل

بادۂ خیام کا ایک جام

(از علامہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب آئی ایم۔ ڈی)

بازلف تو گر دست درازی کردم
از روئے حقیقت نہ مجازی کردم
در زلف تو دیدم دلِ دیوانۂ خویش
من با دلِ خویش دست بازی کردم

کہتا ہے کہ تیری زلفوں کے ساتھ اگر میں نے دست درازی کی اور انہیں چھو لیا تو حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی مجازی یا فرضی بات نہ تھی بلکہ تیری زلفوں میں مجھے اپنا دیوانہ دل پھنسا ہوا نظر آیا تھا اور میں اپنے اسی دل کے ساتھ دست بازی میں مصروف تھا۔

صبح است دمے برے گلرنگ زنیم
ویں شیشۂ نام و ننگ بر سنگ زنیم
دست از املِ دراز خود باز کشیم
در زلفِ دراز و دامنِ چنگ زنیم

ذات باری کی معرفت کی شراب سے مست ہو کر خیام کہتا ہے کہ دوستو آؤ صبح کا سہانا سماں ہے۔ ہم دو چار جام گلگوں شراب کے پی لیں اور ننگ و ناموس کے اس نازک شیشے کو اٹھا کے پتھر پر توڑ دیں۔ اپنی لمبی لمبی امیدوں سے اور تمناؤں سے تو یکسر ہاتھ اٹھا لیں اور پھر کسی کی زلفِ دراز میں ہاتھ ڈالیں یا چنگ و رباب کے تاروں پر۔ مطلب یہ کہ امیدوں کے سہارے پر بیٹھنے سے یہ بہتر ہے کہ جو عیش بھی آج مہیا ہو سکے اس سے فائدہ اٹھالیں۔

آں بہ کہ ز جام و بادہ دل شاد کنیم
وز نامدہ و گذشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتی رواق زندانی را
یک لحظہ ز بندِ عقل آزاد کنیم

کہتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اب دنیا کے تمام دھندوں کو چھوڑ کر اور ہر قسم کے فکر و اندیشہ سے منہ موڑ کر ہم خوب شراب پئیں نہ آیندہ کی کچھ فکر ہو اور نہ گذشتہ کا غم۔ جو کچھ ہو چکا وہ تو ہو ہی چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہنے گا پھر ان کے خیال سے اپنے دل کو کیوں تکلیف دی جائے۔ اور آیندہ و گذشتہ ہی پر کیا منحصر ہے بہتر تو یہ ہے کہ اپنے اس عارضی قید خانے کو کہ جس کا نام دنیا ہے یکسر اپنی عقل اور اپنی فکر سے باہر نکال دیں اور اس کے کسی خیال کو اپنی عقل کے قید خانہ میں قید نہ رکھیں۔

آں لحظہ کہ از اجل گریزاں گردم
چوں برگ ز شاخ عمر ریزاں گردم
عالم ز نشاطِ دل بہ غربال کنم
زاں پیش کہ خاک خاک بیزاں گردم

کہتا ہے کہ اس وقت کہ جب میں موت سے بھاگتا پھروں اور ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح عمر کی شاخ سے ٹوٹ کر اڑتا پھروں یہی بہتر ہے کہ اپنے دل کی مسرت کی خاطر تمام دنیا کو چھان ڈالوں قبل اس کے کہ وہ وقت آئے کہ خاک ہو کر مجھے خاک چھاننی پڑے۔

یک روز ز بندِ عالم آزاد نیم
یک دم زدن از وجود خود شاد نیم
شاگردی روزگار کردم بسیار
در دو جہاں ہنوز استاد نیم

کہتا ہے کہ دنیا کے غم و الم سے میرا ایک دن بھی خالی نہیں گذرتا اور ایک لحظہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ جب مجھے اپنی زندگی اور اپنا وجود اچھا معلوم ہو اور اس سے مجھے خوشی حاصل ہو۔ میں نے مدتوں زمانے کی شاگردی کی یعنی جس طرح اس نے مجھے چلانا چاہا اسی طرح چلا اور جیسی زندگی بسر کرنے کا اس نے حکم دیا میں نے بسر کی لیکن افسوس کہ اتنی مدت دراز کی شاگردی کے بعد بھی میں آج تک کبھی استاد نہ بن سکا اور یہ نوبت نہ آئی کہ اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے مطابق زندگی بسر کر سکتا۔

گر در گیری چگونہ پرواز کنم
با عشق توئے چگونہ آغاز کنم
یک لحظہ سرشک دیدہ می نگذارد
تا چشم بروئے دیگرے باز کنم

کہتا ہے کہ بار الٰہا جب کہ تو نے مجھے اپنی محبت کے قفس میں قید کر رکھا ہے تو اب میں کیسے کہیں اڑ جا سکتا ہوں۔ باقی آیندہ

[illegible] یہ کھٹکا بھی لگا رہتا ہے کہ میں کسی اور کے ساتھ سلسلۂ محبت شروع کر دوں۔ تیرے غم میں جو آنسو میری آنکھوں سے نکل رہے ہیں ان کا ایسا تار بندھا ہے کہ ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں ٹوٹتا اور ہر وقت آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کی چلمن پڑی رہتی ہے اور اتنا موقع ہی نہیں دیتی کہ کسی دوسرے پر نگاہ پڑے۔

آں آہ کہ پیشِ ہیچ محرم نہ زنم
واں دم کہ بہ پیشِ ہیچ ہمدم نہ زنم
گر دریابم کہ جز تو کس می شنود
حقا کہ بمیرم از دم و دم نہ زنم

کہتا ہے کہ تیری یاد میں جو آہیں میں تنہائی میں بھرتا ہوں اور کسی محرم راز کو بھی ان کی خبر نہیں ہونے دیتا اور وہ سانس کہ جو تیری یاد میں لیتا ہوں اور کسی ہمدم اور ہم نشیں پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتا ان کے متعلق اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ تیرے سوا کسی اور کے کانوں تک بھی وہ آواز پہونچ جاتی ہے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں دم بند کرکے مر جاؤں گا اور پھر ہرگز سانس نہ لوں گا۔

من گوہرِ خود بہ قیمتِ کم نہ دہم
دردِ تو بصد ہزار مرہم نہ دہم
خاکِ درِ تو بہ مملکتِ جم نہ دہم
یک موئے ترا بہر دو عالم نہ دہم

کہتا ہے کہ میری ذات میں جو جوہر ہے یعنی تیرا عشق اُسے میں کبھی کم قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا اور تیرا درد جو میرے دل میں ہے اسے میں ہزار مرہموں کے بدلے میں بھی علیحدہ نہیں کر سکتا۔ تیرے دروازے کی ذرا سی خاک اگر مجھے مل جائے تو جمشید کی سلطنت سے بھی اسے بدلنا پسند نہیں کر سکتا اور تیرا ایک بال اگر کہیں میسر آ جائے تو دونوں جہان کے بدلے میں بھی اسے الگ نہیں کر سکتا۔

دشمن بہ غلط گفت کہ من فلسفیم
ایزد داند کہ آنچہ او گفت نیم
لیکن چو دریں غم آشیاں آمدہ ام
آخر کم ازاں ؟ کہ من ندانم کہ کیم

کہتا ہے کہ میرے دشمنوں نے یہ افواہ اڑا دی ہے کہ میں فلسفی ہوں، خدا گواہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں ہرگز ویسا نہیں ہوں گویا میں کبھی اس فکر میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا کرتا کہ یہ دنیا کیا ہے اور کس طرح عالمِ وجود میں آئی۔ لیکن فلسفی نہ ہونے کے باوجود بھی آخر جبکہ میں اس دار المحن میں آ ہی گیا ہوں تو اب اس سے کم اور کیا ہو سکتا ہے کہ میں یہ بھی نہ جانوں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟ اور دنیا اسی حیرانی اور ناواقفیت کو فلسفہ کہتی ہے۔ اسی بنا پر مجھے بدنام کیا جاتا ہے کہ میں فلسفی ہوں۔

اسرارِ حقیقت کی تلاش میں فلسفہ کی ناکامی کا مضحکہ اس سے زیادہ اچھے طریقہ پر اور کسی طرح نہیں اڑایا جا سکتا تھا۔ کس قدر خوبصورتی کے ساتھ خیام نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک انسان کی انتہائی جہالت اور ناواقفیت یہی ہو سکتی ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور ایک بڑے سے بڑا فلسفی بھی تمام عمر کے غور و خوض کے بعد زیادہ سے زیادہ اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرے اور کہدے کہ جہاں تک ایجادِ عالم کی حقیقتوں کا تعلق ہے میں کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ فلسفہ کی انتہا وہ ہے کہ جہاں سے انسان کی جہالت اور ناواقفیت شروع ہوتی ہے اور عقل کی انتہائی رسائی اور انتہائی نارسائی [illegible]

اسریٰ

(از جناب مولانا انتظام اللہ صاحب صدیقی مدیر دائرۂ معارف قرآنیہ)

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ
لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ
الْبَصِیْرُ۔ (بنی اسرائیل)

پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے
کو شباشب مسجد الحرام سے مسجد اقصےٰ
تک لے گیا۔ وہ مسجد جس کے گرد و نواح
کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ
اپنے بندے کو ہم اپنی قدرت کے
نمونے دکھلائیں وہی ہے سنتا دیکھتا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ۙ مَا ضَلَّ
صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ۚ وَمَا
یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ؕ اِنْ ھُوَ
اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۙ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ
الْقُوٰی ۙ ذُوْ مِرَّۃٍ ؕ فَاسْتَوٰی ۙ

قسم ہے تارے کی جب گرے بہکا نہیں
ہمارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا اور
نہیں بولتا اپنی چاؤ سے یہ تو حکم ہے
جو بھیجتا ہے اس کو سکھایا سخت
قوتوں والے نے اور آ ورا زور
سیدھا بیٹھا۔

وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ؕ ثُمَّ دَنَا
فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ
اَوْ اَدْنٰی ۚ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ
مَآ اَوْحٰی ؕ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰی ۚ اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا
یَرٰی ۚ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً
اُخْرٰی ۙ عِنْدَ سِدْرَۃِ
الْمُنْتَھٰی ۚ عِنْدَھَا جَنَّۃُ
الْمَاْوٰی ؕ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ
مَا یَغْشٰی ۙ مَا زَاغَ الْبَصَرُ
وَمَا طَغٰی ۚ لَقَدْ رَاٰی مِنْ
اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۚ (النجم)

اور وہ تھا اونچے کنارے آسمان کے
پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا
فرق دو کمانوں کے برابر یا اس سے
بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے
بندے پر جو بھیجا جھوٹ نہیں کہا
دل نے جو دیکھا اب تم اس سے
جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا
اور اس کو اس نے دیکھا ہے ایک
دوسرے اوتارے میں پرلی حد کی
بیری پاس اس پاس ہے جنت
ماوی۔ جب چھا رہا تھا اس بیری
پر جو کچھ چھا رہا تھا بہکی نہیں نگاہ
اور حد سے نہیں بڑھی بیشک دیکھے اس نے اپنی رب کے بڑے نمونے۔"

اسریٰ رات میں سیر کرنے کو کہتے ہیں[1]

یہ واقعہ اسریٰ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ النجم میں ہے۔ ترتیب عثمانی میں بنی اسرائیل کا سلسلہ کا نمبر ۱۷ اور النجم کا ۵۳ ہے یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور نجم سے پہلے الطور سورۃ ہے جس میں حضرت قتادہؓ۔ حضرت انسؓ، حضرت ابن شہابؓ وغیرہ سے معراج کی بابت کئی حدیثیں لکھی ہیں۔ تفسیر جلالین وغیرہ میں انکا خلاصہ مذکورہ آیات کے تحت میں درج ہے۔

معراج کا لفظ قرآن مجید میں نہیں آیا ہے[1] اور اس واقعہ کے متعلق دو گروہ ہیں ایک گروہ معراج جسمانی کا قائل ہے دوسرا روحانی معراج کا قائل ہے۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ رویار عین تھی جو نبی صلعم کو دکھائی گئی"۔

محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ سے جب کوئی سوال نبی صلعم کی معراج کی نسبت کرتا تو کہتے

کَانَتْ رُؤْیَا مِّنَ اللّٰہِ صَادِقَۃً

مجھ سے بعض آل ابی بکرؓ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی تھیں۔

مَا فُقِدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلعم وَلٰکِنْ اُسْرِیَ بِرُوْحِہٖ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس قول حضرت عائشہؓ کا انکار نہیں کیا گیا[1]

قرآن مجید کی ایک آیت میں رویا کا اشارہ بھی ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ
(بنی اسرائیل)

اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے۔

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی الخ کے متعلق قدما مفسرین کی ... تفسیر یوں ہے کہ ضمیر دنی اور کان کے راجع بسوی پیغمبر صلعم ہوں یعنی جب جبرئیل نے اسرار قرآنی کا پیغام پہونچایا محمد صلعم کو یہ مرتبہ ملا کہ شب معراج میں اپنے پروردگار کے قریب ہوئے ادھر سے نزول کی تجلی اور تقرب تدلی ظاہر ہوئی طرفین میں اتنا اقبال ہوا کہ دو کمانوں کا بلکہ کم فاصلہ ہو گیا اس وقت اللہ نے اپنے رسول محمد صلعم سے سرگوشی اسرار مخفیہ فرمائے اور جو چاہا کہا سنا محمد صلعم نے جو دل سے دیکھا اس میں ذرہ بھر بھی کذب کو دخل نہیں[2]

---

[1] تفسیر جلالین ص۴۷۵

[1] النبی والاسلام۔

[2] تفسیر عباسی ص۱۰۴۳

تار کا پتہ
میڈی سنز دہلی

ٹیلیفون
نمبر ۵۵۶۶

اکسیر نایاب

دنیا کی مقوی باہ اور ممسک دواؤں کی سرتاج ہے

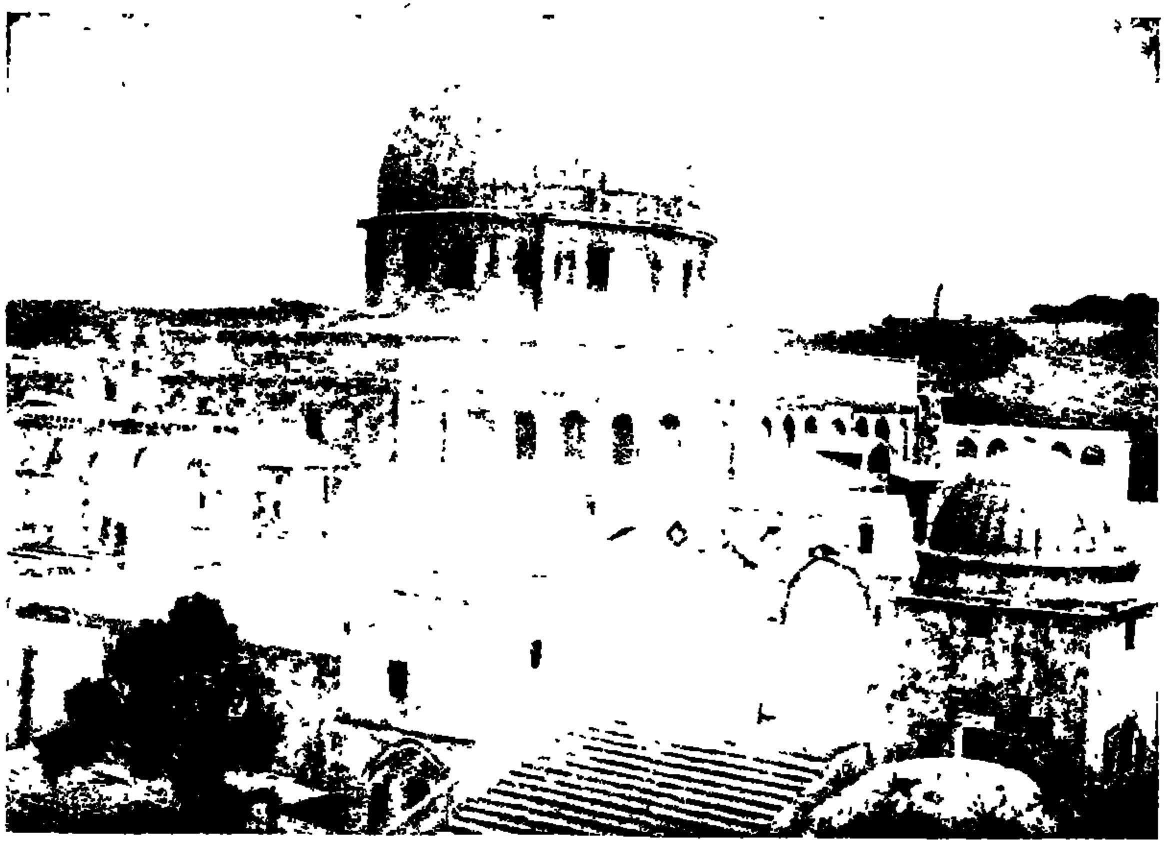
سینکڑوں مریض ہر طبقہ کے لوگ حتیٰ کہ والیان ریاست بھی شامل ہیں اس کے فوائد کی تصدیق کر چکے ہیں اکسیر نایاب اعلیٰ درجہ کی مقوی باہ اور ممسک ہونے کے علاوہ عام مقوی جسم (جنرل ٹانک) بھی ہے تمام جسمانی قوتوں کو بحال کرتی ہے ضعف اعصاب اور ضعف دماغ کو دور کر کے جسم میں ایک برقی رو پیدا کرتی ہے دماغی کام کرنے والوں کے لئے اکسیر ہے دماغی تکان کو دور کر کے دماغ کو فوراً کام کے لئے مستعد کر دیتی اور فرحت و تازگی پیدا کرتی ہے مرض سرعت کے لئے لاثانی دوا ثابت ہو چکی ہے چند روز کے استعمال سے قدرتی امساک پیدا ہو جاتا ہے وقتی طور پر استعمال کرنے سے بھی حیرت انگیز اثر دکھاتی ہے ان فوائد کے علاوہ دائمی نزلہ و زکام اور نزلہ کی کھانسی کے لئے بے حد مفید ہے قیمت چوبیس گولی صرف چار روپے (للعہ) جو فوائد کے مقابلہ میں بہت کم ہے

ماء اللحم خاص الخاص

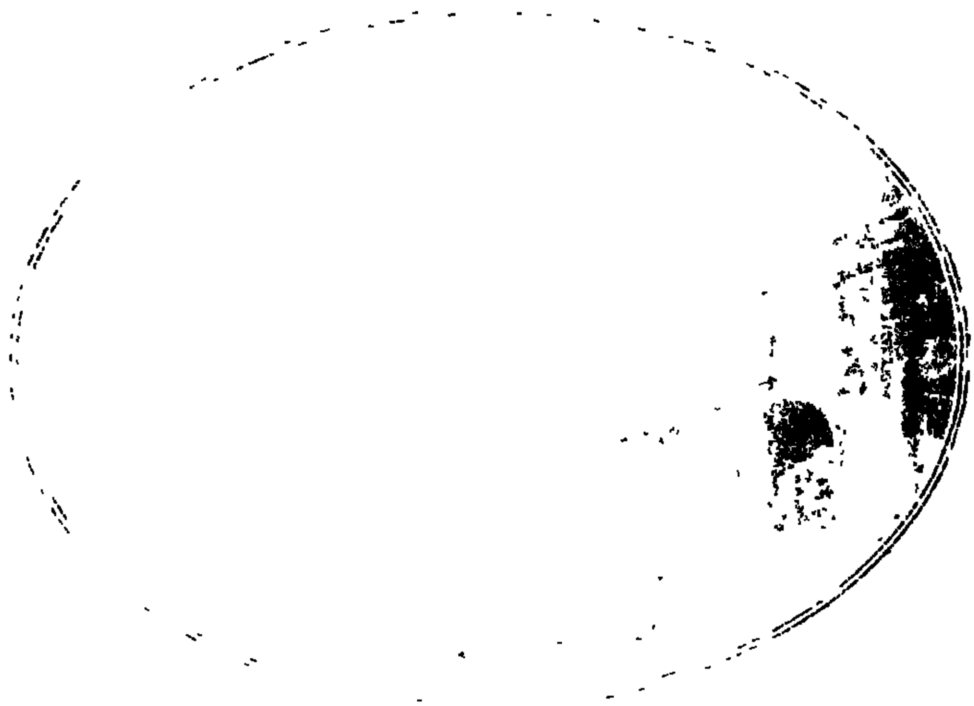
یہ ہندوستانی دواخانہ کی خاص دوا ہے کسی دوسرے دواخانہ سے اصلی ملنا ناممکن ہے

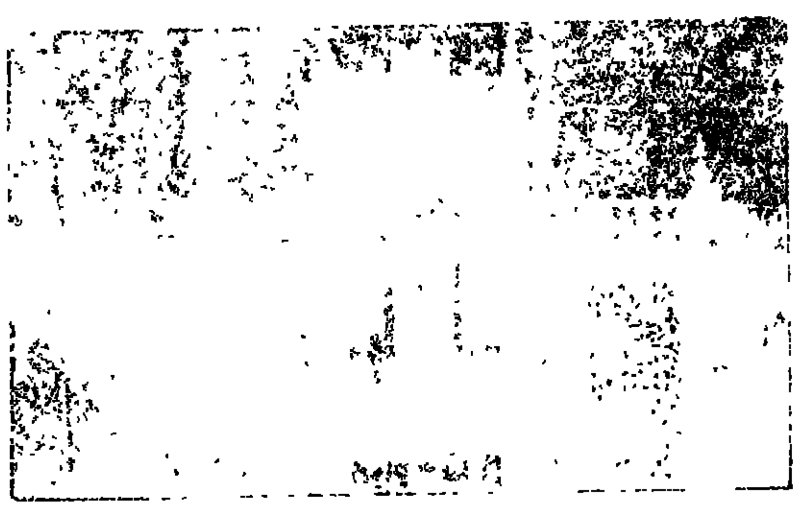
جدید سائنٹفک طریقہ سے تیار کیا جاتا ہے اور کیمیاوی امتحان سے بھی اس کے فوائد کی تصدیق ہو چکی ہے۔ یہ بہترین مقوی جسم (ٹانک) ہے اور نہایت زود ہضم غذائے دوائی ہے جسمانی قوتوں کو قوی کرنا اعضائے رئیسہ اور ارواح کو قوت دینا حرارت غریزی کو برانگیختہ کرنا اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے صالح اور جدید خون بکثرت پیدا کرتا ہے لہٰذا جسم میں بہت جلد نمایاں ترقی محسوس ہونے لگتی ہے۔ طبیعت میں فرحت و بشاشت اور دل میں حوصلے اور ولولے پیدا کرتا ہے تقویت باہ اور امساک کے لئے بھی حیرت انگیز اثر رکھتا ہے جو صاحب ایک بار استعمال کر لیتے ہیں وہ اس کو بار بار طلب کرتے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو طلب کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ قیمت بوتل پانچ روپے

ملنے کا پتہ:- منیجر ہندوستانی دواخانہ دہلی پوسٹ بکس نمبر ۲۲ (قائم شدہ ۱۹۰۳ء)



مسجداقصی چیرې حضور سرور کائنات کی امامت دی تمام انبیا د شپې معراج ورکړی دی





کثیر گروہ اسے جسم عنصری کے ساتھ مانتا ہے اور قلیل گروہ جس میں جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ اور آپ کے موئد حضرت امام حسنؒ ہیں۔ ابن کثیر نے اس پر بحث کرتے ہوئے ابن اسحاق کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

> یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ معراج جسم عنصری سے تھا یا بغیر اس کے اس آپ اللہ تعالےٰ کے حضور گئے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دیکھنا تھا وہ دیکھا خواہ کسی حالت میں ہوں یعنی سوتے یا جاگتے یہ سب حق و صدق ہے اور بات اقرب الی الصواب ہے۔

بیان القرآن صفحہ ۱۱

عرش کے مسند نشیں

(جناب مولانا نیاز احمد صاحب عاجز)

فلک پر غل ہوا محبوب رب العلمیں آئے ۔۔۔ بلایا ہے خدا نے لینے جبرئیل امیں آئے
کھڑے تھے منتظر اہل فلک سب جبتجی آکے ۔۔۔ بصد جاہ و تجمل پر دو فرش زمیں آئے
زمیں پر بیٹھنے والے سر عرش بریں پہنچے ۔۔۔ تو قدسی کہہ اٹھے یہ عرش کے مسند نشیں آئے
تو پایا مدا محمدؐ نبی جس وقت نبیوں نے ۔۔۔ لہا اللہ کے مطلوب ختم المرسلیں آئے
کہا ملائک اہل پڑے اے صاحب خوش خو ۔۔۔ تھارے بخشوانے کو شفیع المذنبیں آئے
مقام خاص خلوت کا بیا سطرح کرتے تھے ۔۔۔ صدا پہنچے سے کہ نہ کوئی آئے قریں آئے

بہاروں پر تماشے گلشن احمدؐ ہے اے عاجز
خوشی سے غنچہ مضموں چنے ہر خوشہ چیں آئے

معراج نبوی

(فردوسی اسلام جناب لالہ منظور حسین صاحب ماہر القادری)

جمہور اسلام کا اس پر کلی اتفاق ہے کہ سرکار دو عالم روحی فداک کو قادر مطلق نے معراج جسدی سے سرافراز فرمایا۔ بعض متکلمین نے معراج روحانی کی طرف بھی اپنا اعتقاد ظاہر کیا ہے۔ لیکن سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کا حرف حرف سرکار دو عالم کی جسمانی معراج کا آفتاب سے روشن ثبوت اور کتب دست سے زیادہ واضح دلیل ہے۔ قرآن کریم کے خصائص نقلی و معنوی کا اگر بغور و امعان نظر مطالعہ کرنے کا شرف حاصل کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ایک ایسا صحیفۂ قدس نازل فرمایا جس کی صحیح ترجمانی "نور مبین" سے ہی ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم کوئی چیستان نہیں ہے کہ تاویلات اور ذہنی اختراعات کی بنیادوں پر دور از قیاس معانی اور بعید از فہم مطالب کی عمارتیں تعمیر کی جائیں جن حضرات نے اس آیۂ مبارکہ سے معراج روحانی مراد لیا ہے، انہوں نے غالباً اس چیز کو پیش نظر نہیں رکھا کہ خواب کی حالت میں انسان پر ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں جن کا احاطہ کیف و کم نہیں کر سکتے۔ بوریا نشین فقیر عالی شان ایوانوں میں اپنے تئیں فرش مخمل پر گلگشت کرتا ہوا دیکھتا ہے ایسے ایسے عجیب اور مسرت بخش مناظر کا مشاہدہ و انکشاف کرتا ہے جو اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتے۔ اگر بالفرض حضرت پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم رویا میں تمام مقامات کی سیر کرائی گئی تھی تو اس میں بظاہر کوئی ایسی ندرت اور اہم بالشان خصوصیت نہیں ہے کہ خداوند قدوس اس قدر اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر فرمائے۔ چونکہ عالم خواب میں عام انسان بھی محیر العقول سیاحتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور سوتے میں عرب کے کسی بدوی کا خود کو سوئٹزرلینڈ کے مرغزاروں میں دیکھنا کچھ مستبعد نہیں ہے۔ لیکن سیاق عبارت، ترتیب الفاظ، نہج کلام، جزالت معانی اسی چیز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ خداوند قدوس کا اپنے بندہ کو لے جانا اپنے اندر ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ جب یہ خصوصیت مسلم ہو گئی تو پھر "معراج روحانی" کے براہین و دلائل خود بخود اعتراف بطلان کر لیتے ہیں۔ "معراج روحانی" کے ماننے والوں نے آیۂ مبارک کی تخصیص کو عمومیت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی اسی فرض کردہ تعمیم نے تاویلات کے لئے ان کو مجبور کر دیا اور ان کی نگاہیں مشاہدۂ حقائق سے محروم رہ گئیں، جو خدا طور کی پست چوٹی پر حضرت کلیمؑ کو شرف ہمکلامی بخش سکتا ہے، عرش کی بلندی پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر شرف دید و کلام سے نوازنا کیا ناممکن ہے؟ جس قادر مطلق کی قدرت حضرت ابراہیمؑ کے لئے بھڑکتے ہوئے شعلوں، اور دہکتے ہوئے انگاروں کو چمنستان بنا سکتی ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی کو طوفان کے ان خوفناک تھپیڑوں سے بچا سکتی ہے جن کے زور نے بلند پہاڑوں کی مضبوط چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے دریا کی لرزتی ہوئی موجوں پر راستہ بنا سکتی ہے۔ کیا اس کے لئے (معاذ اللہ) یہ محال ہے اپنے محبوب و معزز بندہ کو فضائے آسمانی کے بلند سے بلند کرہ میں لے جائے۔ احادیث صحیحہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کا زمین و آسمان میں ہبوط و صعود ثابت ہے۔ جس قادر مطلق کے حکم سے حضرت جبریلؑ آسمانوں کی بلندیوں سے زمین پر آ جا سکتے ہیں وہ اپنے اس مقدس بندہ کو عرش پر لے گیا تو کونسی تعجب کی بات ہے جس کے غلاموں کی قسمت پر حضرت جبریلؑ بھی رشک کرتے تھے۔ اور آگے بڑھیے قرآن کو قرآن کی روشنی ہی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا "صعود" یعنی آسمان پر چلا جانا قرآن سے ثابت ہے۔ اس پر تو ہر فرد اسلام کا اتفاق ہے کہ

بخشش کا خدا سے لیا وعدہ شب معراج

(از جناب مولوی احتشام احمد صاحب اسرائیلی وکیل)

معراج نے معراج کو پایا شب معراج — ظاہر ہوئی شان شہ بطحیٰ شب معراج
سرکارؐ نے کیں منزلیں طے مع جسد پاک — سرکارؐ نے ہر چیز کو دیکھا شب معراج
جب جائیں فرشتوں کے تجلی سے جلیں پر — آگے گئے اس سے مرے آقا شب معراج
جبکی کسی انسان نے پائی نہ ہوا بھی — وہ مرتبہ سرکارؐ نے پایا شب معراج
بھولی گئی امت نہ کسی وقت نبیؐ کو — بخشش کا خدا سے لیا وعدہ شب معراج
جو طالبؐ "مطلوب" میں تھے اٹھ گئے پردے — جو راز تھے سب ہو گئے افشا شب معراج

کیوں حور و ملائک اسد آنکھیں نہ بچھاتے
قدرت نے دکھایا انہیں جلوہ شب معراج

حضرت مسیح کو خدا نے بصورت جسدی اُٹھا لیا، جب ایک مثال اس سے پہلے قائم ہو چکی ہے تو دوسری نظیر کے تسلیم کرنے میں کیوں تامل ہے معراج محمدی اور صعود مسیح کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ لیکن اس حد تک تو بہرحال تسلیم ہے کہ انسان جسمانی طور پر فضائے عالم بالا میں پرواز کر سکتا ہے، موجودہ زمانہ میں تو عقل بھی اسکو ماننے میں کوئی تامل نہیں کرتی جبکہ سائنس کی ترقیوں نے دنیا کی نگاہوں سے جہل ولاعلمی کے بہت سے پردے اٹھا دیے ہیں۔ فضائے آسمانی میں سڑکیں بن چکی ہیں، ہوائی موجوں پر پورا قابو حاصل ہو چکا ہے۔ چاند تک پہنچنے کی کوشش میں بہادر ہوا باز زمین سے ہزاروں کوس اونچی فضا میں پہنچ چکے ہیں، مادہ پرستوں کے لیے جب فضائے آسمانی میں راستہ بن سکتا ہے تو خدا کے اُس مقدس محبوب کا جو روحانیت وتقدیس کا سب سے بڑا پیغامبر تھا فضائے سماوی سے گذر جانا قطعاً قرین قیاس ہے۔ اگر اس دور میں کسی کور باطن کو اس سے انکار ہے تو وہ انسانی فہم وادراک کی غلطی نہیں بلکہ توہین ہے۔ میں کہتا ہوں آسمان کو حد نظر اور نگاہ کی پرواز کی آخری منزل نہ مانئے بلکہ ایک مادی کرہ تسلیم کیجئے۔ اُسکے بعد لطافت وکثافت کی اس حقیقت پر غور کیجئے کہ جو شے جس قدر لطیف ہوگی اُسی قدر کثیف جسم سے وہ گذر سکتی ہے۔ سائنس کی ایجاد شعاعی ([illegible]) کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ یعنی انسان کے جسم کا معائنہ اس طریقہ پر کیا جاتا ہے کہ اندرون جسم کی ایک ایک رگ اپنی خفیف ترین جنبش کے ساتھ نظر آتی ہے۔ خون کی گردش، عروق کا تناسب۔ ہڈیوں کی حالت صاف دکھائی دیتی ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہوتا ہے؟ کثافت جسمانی میں لطیف شعاعوں کا گذر، شعاعوں کے گذرنے کے لیے تشریح کی شکست وریخت کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔

دوسری مثال لیجئے۔ موٹے سے موٹے شیشہ کے ٹکڑے میں آپ کی نگاہ گذر جاتی ہے۔ کیا شیشہ نگاہ کے گذرنے کے بعد کہیں سے ٹوٹا ہوا نظر آتا ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ آپ کی قوت نظر غیر معمولی لطیف ہے اور لطافت کی گذرگاہ کسی خلا کی رہین منت نہیں ہوتی۔ سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جس طرح سیرتاً لطیف تھے اسی طرح جسداً بھی لطیف تھے، دنیا کی مادیت وکثافت کو لطیف ولطیف بنانے کے لیے حضورؐ مبعوث ہوئے تھے۔ آفتاب کی آنکھ گواہ ہے، تاریخ کے صفحات ان واقعات سے لبریز ہیں کہ کفر وشرک کی کثافت کو حضورؐ نے لطافت سراپا بنا دیا۔ جو مقدس ہستی اسقدر لطیف ہو اُس کا مادی کرۂ آسمان سے گذر جانا بالکل مستبعد نہیں ہے۔ جب لطافت کی یہ حقیقت واضح ہو چکی تو اتنا اور سمجھ لیجیے کہ لطافت اپنے اندر غیر معمولی سرعت بھی رکھتی ہے، برقی رو کی رفتار ایک لمحہ میں کئی ہزار میل ہے۔ لہذا سرور دوعالم کا جو لطافتِ مجسم تھے فضائے اعلیٰ کے ہر کرہ حتیٰ کہ عرش تک کی سیر کر کے ایک شب میں واپس تشریف لے آنا عقل سے سرمو متخالف ومتجاوز نہیں ہے، احادیث میں وارد ہے کہ حضورؐ جب واپس تشریف لے آئے تو بستر مبارک بدستور گرم تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے تھرماس کا تجربہ کیجئے کہ بارہ گھنٹہ تک گرم چائے حرارت پذیر رہتی ہے اور برودت کا اثر قبول نہیں کرتی۔ تھرماس کی قوت جب ثابت ہے تو روحانی طاقت کا انکار بڑا ظلم ہوگا۔ لہٰذا رات بھر حضورؐ کے بستر کا گرم رہنا عقل کے عین مطابق ہے۔ ان تمام حقائق کے اعتراف کے بعد دل میں بعض خدشات وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ شبہات کی تخلیق معصیت نہیں ہے۔ لیکن اُن کو ضمیر کی آواز سمجھنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ لہذا اسی قبیل کے اشخاص نے معراج نبوی کو بعض دلی شبہات وشکوک کی روشنی میں سمجھنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہ یہ کہ خداوند تعالیٰ کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ وہ حضرت پیغمبر اسلام کو عرش پر بلاتا، آسمانوں کی سیر کراتا۔ گھر بیٹھے ہی ہر نعمت دی جا سکتی تھی، وغیرہ وغیرہ،

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ انسان کو آزوقہ حیات کی تلاش کے لیے مجبور کر دیا، اسی لیے اُس نے زمین میں کاشت شروع کی، اور خدا نے فصل کے پکنے کے لیے آفتاب کی گرمی کو لازم کر دیا، موسم پیدا کیے۔ بادلوں کو خلق فرمایا۔ اس قدر جھمیلے سے تو یہی بہتر تھا کہ خود بخود ہر شے آدمی کی حسب خواہش اُس کے لیے مہیا ہو جاتی۔ یا پھر اس نظام کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ کیا اس سوال کا جواب یہی ہے اور میں قطعیت سے کہہ سکتا ہوں کہ ہاں صرف یہی ہے کہ اسرار خداوندی ہمارے فہم سے بالاتر ہیں اور ہم کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ ایسا کیوں نہیں ہے؟ تو معراج نبوی کے متعلق بھی یہی جواب ہے کہ خداوند برتر وتوانا کی یہی مشیت تھی۔

فلسفۂ معراج

اسلام ایک برقی خاطف تھا جس نے شرک واوہام پرستی کے ہر خرمن کو جلا ڈالا۔ عرب کیا ساری دنیا اسی مرض میں مبتلا تھی۔ منجموں اور کاہنوں کی مردود جماعت نے انسانی گروہ کو اور زیادہ مبتلائے فریب بنا دیا تھا۔ اسی ذوق کا یہ نتیجہ ہوا کہ اجرام فلکی کی پرستش شروع ہو گئی یہ دیکھ کر کہ رات کی تاریکی کے بعد سورج کی کرنیں دنیا کو یکایک مطلع انوار بنا دیتی ہیں یقیناً اپنے اندر بڑی قوت رکھتی ہیں۔ سورج کی پرستش شروع کر دی اور اُس ہستی کو بھلا دیا جو سورج کی خالق ہے۔ غرض اسی طرح چاند اور دیگر ستاروں کی خدائی کے بھی نغمات بلند کئے گئے۔ لہذا انسانوں کے اس طلسم غلط فہمی کے توڑنے کے لیے قادر مطلق نے اپنے مقدس محبوب کو معراج جسمانی سے سرفراز فرمایا تاکہ دنیا سمجھ لے کہ چاند، سورج، آسمان، ستاروں کی روشنی اور بلندی

خدائے برتر کی قدرت کے مظاہر ہیں اور وہی لطیف بندہ کو اس بلند اور ارفع مقام پر لے گیا جہاں سورج کا عنقائے خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس مقدس و مزکی رسولؐ کے جسم کو اس درجہ لطافت بخشی کہ آسمانوں میں سے ہوتا ہوا وہ گذر گیا۔ پس لائق پرستش تو وہی معبود ہے جس نے کونین کی سربلندی اور لطافت کا تاج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر رکھدیا۔

ثانیاً نبی و رسول کا تخیل انسانوں کے دماغوں میں عجیب طرح کا تھا۔ نبی کو وہ کوئی عجیب الخلقت مخلوق سمجھتے تھے۔ خدا نے دکھا دیا کہ آنحضرت محمد (روحی فداک) تم ہی میں سے ایک انسان ہیں جو اس کے باوجود کہ عرش بریں اُن کا پائنداز بن چکا ہے، لیکن مدینہ کی گلیوں میں بیوہ، غریب عورتوں کا سودا سلف لاتے ہوئے وہ نظر آتے ہیں۔ حدیبیہ میں صلحنامہ بھی مرتب فرما رہے ہیں۔ بدر کے میدان میں عساکر اسلامیہ کے قاید بھی ہیں۔ غزوۂ خندق میں کدال لئے ہوئے زمین بھی کھود رہے ہیں۔ اور سلاطین سے مراسلت بھی فرما رہے ہیں۔ لطافت جسمانی اور روحانی ترقی کے بعد ترکِ دنیا خدا کے نزدیک مبغوض ہے کیونکہ ایسا عمل سرور دوعالمؐ روحی فداک اختیار فرما سکتے تھے۔ جن کو ایسی معراج نصیب ہوئی جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ لیکن محبوب سبحانی کے دولہا نے اس عزت و مرتبت کے باوجود جو کچھ طرز عمل اختیار فرمایا وہ تاریخ کے زریں اوراق میں محفوظ ہے۔ اور ضرورت ہے کہ دنیا اس کو اپنا نصب العین بنالے۔

صلی اللہ تعالیٰ علے خیر خلقہٖ محمد
وآلہٖ و صحبہٖ و بارک وسلم۔

معراج کے فوائد و برکات

(از حضرت مولانا شہید صاحب انصاری فرنگی محلی)

حضور سرور کائنات صاحب تاج و معراج (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آسمانوں پر تشریف لے جانے اور پھر اُس قربت خصوصی پر سرفراز ہونے کے فوائد و برکات جو کسی ملک و رسول مقرب کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھے قرآن نے ایک بلیغ و وسیع المعلومات جملہ میں یوں بیان فرمائے ہیں لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر یعنی اس شب کی سیر اور دار ام ہانی سے اُٹھ کر کعبہ اور وہاں سے بیت المقدس اور پھر آسمان اور ملاءِ اعلےٰ پر تشریف لے جانے کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اس صاحب بصارت و بصیرت پیغمبر کو اللہ وہ نشانیاں دکھائے جو اس وقت تک خاکی آنکھوں سے پنہاں اور سورج کے نیچے بسنے والے انسانوں کے لیئے وہم و خیال یا زیادہ سے زیادہ بے دیکھے مانی ہوئی تھیں۔

اس آیت شریف پر اگر زیادہ گہری نظر ڈالیئے تو چند حقائق عالیہ اور مطالب فاضلہ کے رُخِ روشن کا ایک گوشہ بے نقاب دکھائی دینے لگے گا۔ اور آج کی صحبت میں فقیر راقم الحروف اسی کی ایک سرسری سیر محترم قارئین پیشوا کو بھی کرا دینا چاہتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے کہ اس طویل سفر کا مقصد یہ تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آج کی شب میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھائی جائیں قارئین کرام جانتے ہیں کہ دکھائی کون چیزیں گئیں۔ حضرات رسل و انبیا کی اطاعت کے لیئے جھکنے والی گردنیں، آسمان کے کھلنے والے دروازے خدمت کے لیئے بندھی ہوئی فرشتوں کی کمریں، تعمیل ارشاد کے لیئے چشم براہ کروبیان اولوالعزم، نام نامی پر وقف ہو جانے والی جنت، ہر مخلوق سے پوشیدہ رہنے والے عالم، اور عالم برزخ کے وہ عجائب و لطائف جن کو سُنکر ہمارے ایسے سخت دل بھی نیکی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس لیئے اُن فوائد و برکات کے علاوہ جو خود صاحب معراج کے حصے میں گئے اگر زیادہ غور کیا جائے تو جس طرح حضور سرورِ عالم کے ہر فائدے سے آپ کے وابستگانِ دامنِ دولت بھی مستفید ہوتے تھے۔ صدیہ کردہ صلوٰۃ جو حضرت اور حضرت کے تحت ملنے جگر کے لیئے تھی آپ کی کفش برداری کی بدولت ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ (وہ خدا وہ ہے جو تم پر اور اُس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ و درود بھیجتے ہیں) سے ہمارے حصہ میں بھی آئی۔ اسی طرح اس شب اسریٰ میں بھی کچھ برکات تھے جو دوسروں کو بھی ملے۔ انھیں سے چار آپ کے سامنے بھی دُہرائے جاتے ہیں۔

انبیا کے فوائد

یاد ہوگا کہ "یوم الست" میں پروردگار عالم نے حضرات انبیاءِ کرام کی ارواحِ طیبات سے پوچھا تھا کہ اگر حضور سرور کائنات تمہارے پاس تشریف لائیں گے تو کیا تم ان پر ایمان لاؤگے اور ان کی خدمت و نصرت کروگے؟ ان حضرات نے متفقہ صورت میں عرض کیا تھا کہ ہم ضرور ایسا کریں گے۔ اُس دن سے آج (۲۶ رجب دو سال قبل ہجرت شریف) تک اس وعدہ کا عمل نہیں ہوا تھا اور ہوتا کیسے۔ تمام انبیا حضرت کی تشریف آوری سے پہلے ہی اپنا فرض تبلیغ ادا کرکے جوارِ رحمت الٰہی میں پہنچ چکے تھے اور کسی نے بھی حضرت کا زمانہ نہیں پایا تھا کہ ایمان و اعانت کا وعدہ پورا کرتے بس آج کا دن پروردگار عالم نے ان انبیاء کے اس میثاق سے عہدہ برآ ہونے کے لیئے رکھا تھا، چنانچہ انبیا نے اپنے ایک بہترین عمل سے اپنی نیازمندی، اتباع اور ایمان کا ثبوت کامل دیدیا اور وہ اس طرح کہ بارکنا حولہ والی مقدس زمین کی مسجد اقصیٰ میں تمام نبیوں کی روحوں نے جمع ہو کر پہلے حضرت کی خدمت میں ہدیۂ نیازمندی و اخلاص پیش کیا اور پھر آپ کو اپنا امام بناکر آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی، ظاہر ہے کہ تقلید و اتباع کا کامل ترین ثبوت اسی نماز میں اس طرح دیا جاتا ہے کہ انسان پروردگار کی حضور میں ایک شخص کو اپنا پیشرو اور مقتدیٰ اس انداز سے تسلیم کرتا ہے کہ اس کی قرأت کو اپنی قرأت یقین کرتا ہے۔ اسکے اشارے پر جھکتا، اس کے امر پر سر بسجود ہوتا، اس کے کہنے سے دست بستہ ایستادہ ہوتا اور وہی عرض کرتا ہے جو اُس کا امام عرض کرتا ہے تو حضرت کو امام تسلیم کر لینے کے معنے یہ تھے کہ ہم جب دینی معاملہ میں ان کو اپنا مقتدیٰ مان رہے ہیں تو دنیاوی معاملات میں پس روی بدرجہ اولےٰ ہے۔ اس موقعہ پر یاد کرو نفس نبی و برادر رسولؐ حضرت امیرؑ کا وہ ارشاد جو یار غار نبی و رفیق رسولؐ حضرت صدیقؓ کے متعلق ہے کہ جب رسول اللہ نے اپنے مرض موت میں نماز کا امام بناکر ابو بکرؓ کو ہمارا دینی پیشوا بنا دیا تو ہم نے اپنے دنیوی معاملات کا بھی ان کو مختار تسلیم کر لیا تو حضرات انبیا نے بھی حضرت کو آج اپنا امام منتخب کرکے اپنے

اس وعدہ کو پوری طرح ایفا کر لیا جو کل آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کا کیا تھا کہ روح ایمان اور عماد دین (نماز) میں آپ کے مقتدی اور تابع بن گئے۔

فرشتوں کا فائدہ

اور یاد ہوگا کہ کل آدم کی تخلیق کے بعد حضور فخر آدم و عالم کے نور کی ہلکی جھلک جب فرشتوں نے حضرت آدم کی پیشانی میں دیکھی تو ؎

سر رکھ دیا ہم نے در جاناں سمجھ کر
کافر ہے جو سجدہ کرے تجاز سمجھ کر

کہہ کر بے اختیار حضرت آدمؑ کے سجدہ میں گر پڑے تھے مگر جس طرح بارش کا ایک ہلکا چھینٹا تپتی ہوئی زمین کی تپش بڑھا دیا کرتا ہے اسی طرح اس ہلکی سی تجلی اور زیر نقاب دید نے فرشتوں کو بی بی آمنہؓ کے چاند کا اور زیادہ مشتاق بنا دیا تھا ؎

دید رہی نمائی و پرہیزی کی ؛ بازار شوق آتش ما تیز ی کی

وہ دن تھا اور آج کا دن کہ فرشتوں کے قلب مشتاق کا ہر ہر حصہ زبان حال سے عرض کرتا تھا کہ اے جامع المتفرقین یہ ہجر کب ختم ہوگا۔ یہ جدائی وصال سے کب بدلے گی۔ اور کب اس جمال کو بے نقاب دیکھیں گے۔ جس کی ایک ہلکی تجلی جو پیشانی آدم میں تھی ہم کو بیخود و شیدا بنا چکی ہے آخر یہ کیا قیامت ہے ؎

رہین ہاتھ دیکھے غیر دیکھے آپ کا جلوہ
ہم ہی قسمت ہیں جو پاؤں پڑے کو ترستے ہیں

خدایا! کفار مکہ ان کو بے نقاب دیکھیں، ابوبکرؓ و علیؓ انکے قدم چومیں۔ بلالؓ و انسؓ ان کی کفش برداریاں کریں، عثمانؓ و عمرؓ اپنی آنکھیں انکے جلوے سے ٹھنڈی کریں، اور جبرئیلؑ اور ایسے چند خوش نصیبوں کو مستثنےٰ کرکے ہماری کل جماعت تیرے اس نور سے دور رہے جس نے محمدی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ رحمٰن و رحیم نے ان کی زاریوں اور درخواستوں پر توجہ فرمائی اور آج کی شب اس ہجراں زدہ جماعت کے لئے سبیل وصال بن، کامرانی و شادکامی کی دولتیں لٹانے لگی تو اس معراج میں یہی فرشتے ہی تھے جن کو اظہار اخلاص و نیاز کے بعد دیدار عام کی برکت حاصل ہوئی۔

آسمان کا فائدہ

یاد ہوگا کہ جب آدم پیدا کئے گئے اور اس خاک کی چٹکی کو امانت الٰہی اور نور محمدی کا حامل بنایا گیا تھا تو وہ آسمان جن کو اپنی مضبوطی رفعت اور وسعت پر گھمنڈ تھا حیرت زدہ ہوئے، پھر زمین کے سب سے زیادہ بنجر اور بے برگ و بار حصے کو جب یہ شرف دیا گیا کہ حضورؐ کے نعلین مبارک اس کو سرافراز فرمانے لگے تو آسمان نے پروردگار عالم سے عرض کیا، ہم اونچی ذات والوں سے تو یہ پنچ ذات ہی اچھی کہ تیرا محبوب وہاں براج رہا ہے اور ہم ایک اچھوت کی طرح دور دور کھڑے ترس رہے ہیں۔ پروردگارا یہ محرومی تا کے، اور یہ جدائی کب تک؟ خدایا ہم زمین کا یہ طعنہ کب تک برداشت کریں کہ تیرے پاس چاند اور سورج ہیں تو ہوا کریں، میرے پاس تو وہ ہے جس کے کوؤں سے ان روشن چراغوں کو کوئی نسبت نہیں ہے" خدا کو فلک کی اس بیچارگی پر اور محرومی پر ترس آیا اور آج کی رات اس لئے رکھی گئی تھی کہ آسمان کو حضرت کے کفش مبارک کا تاج پہنایا جائے ؎

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے کفش پائے حضورؐ
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

ہماری بھلائی

اس مقدس رات میں قوم مسلمین کو جو برکات حاصل ہوئے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ حقیقت میں ان کا شمار و اندازہ ناممکن ہے سب سے بڑی برکت بلکہ تحفۂ جلیلہ وہ نماز ہے جو آج کی شب ہم پر فرض ہوئی اور جو ہمارے لئے تمام حسنات دنیا و آخرت کی ضامن اور بلیات و فواحش و مصائب سے نجات دلانے والی ہے۔ دوسری نعمت یہ تھی کہ جب آنحضرت، اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کی تسلیمات (التحیات للہ والصلوات والطیبات) کے جواب میں آپ پر یوں سلام بھیج رہا تھا السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو آپ نے اس سلام میں حضرت امام الوقت مولانا محمد عبد الباری رحؒ کے ایسے عباد اللہ الصالحین سے بھی پہلے "الطالحین" کے وعدہ کے مطابق السلام علینا میں صبغۃ اللہ ایسے سیاہ کار و بداعمال میں شامل کر لیا تھا۔ بہر حال اس قسم کے ہزاروں منافع ہیں جو سینکڑوں بار ہماری محافل وعظ میں دُہرائے گئے ہیں۔ ایک خاص فائدہ جس کو یہ فقیر نابکار ساہ خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہے، یہ تھا کہ اسلام کی حقیقی روح کیا ہے اور ایک سچے مسلمان کی کیا شان ہونی چاہئے۔ آج سب سے پہلے ہم کو اسطرح بتائی گئی کہ اب دل اس کو قیامت تک فراموش نہ کر سکیں گے اور وہ یہ تھا کہ جو جماعت حضرت کے دست حق پرست پر ایمان لا چکی تھی اور اس کا اعلان کر چکی تھی کہ اس رسول صادق و امین نے اس وقت تک جو کچھ ارشاد فرمایا یا آئندہ ارشاد فرمائیں گے اسمیں شک و تردد کی ادنیٰ گنجائش نہیں ہے۔ اس کے سامنے حضور سرور عالم نے ایک ایسا واقعہ بیان کیا جس سے عقل آبائی کل کرتی اور عقل و فلسفہ جس کو غلط محض اور تجربہ و معمول جس کو ایک لمحہ کے لئے باور کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسطرح تصدیق کرنے والی جماعت سب سے زیادہ سخت اعتقادی اور تصدیقی

آزمائش میں مبتلا کی گئی تھی۔ لیکن کروڑوں رحمتیں ان قدوسی صفت مصدقین پر جنہوں نے ایک سکنڈ تامل کے بغیر دل کی آخری گہرائی سے **امنا وصدقنا** کہا۔ صحاح میں ہے صبح کو جب حضرت نے یہ فرمایا کہ میں رات کے ایک مختصر ترین حصہ میں کعبہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ان بلندیوں پر پہنچا جہاں جبریلؑ کے عقل کے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکے تو غیر مسلمین کی جماعت نے ایک طویل استہزاری قہقہہ لگایا ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ اس وقت حاضر محفل نہ تھے، غیر مسلمین حضورؐ کی اس خلاف عقل روایت پر آوازے کستے ہوئے واپس جا رہے تھے کہ ادھر سے مصدق ازلی ابوبکرؓ آ رہے تھے۔ طعنہ کرنے والوں نے ان کو دیکھتے ہی ان کو پکڑا اور کہنے لگے آج تمہارے دوست کا دماغ (نعوذ باللہ بدہن گستاخاں) بالکل خراب ہو گیا ہے۔ ابوبکرؓ تم ہی غور کرو کہ یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ ایک شخص چند گھنٹے میں (زیادہ سے زیادہ) یہاں سے بیت المقدس اور وہاں سے ہفت فلک سے بھی پرے پہنچ جائے؟" ہر صحیح کتاب فرماتی ہے کہ اس خدا کے پیارے اور رسولؐ کے پیار کرنے والے نے عشر دقیقہ تامل کئے بغیر فرمایا کہ اگر حضرتؐ نے یہ بیان فرمایا ہے تو چاہے میری عقل نہ قبول کرے میں اسکی صداقت پر ایمان لاتا ہوں" اور استدلال کتنا معقول فرمایا کہ جب میں حضرت کے فرمانے سے نہ دیکھے اور عقل میں نہ آنے والے خدا کو مان چکا اور آپ کے فرمانے سے دوزخ و جنت اور فرشتوں کو تسلیم کر چکا جس کو کوئی فلسفہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے تو ایسے واقعہ کے تسلیم کرنے میں مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے، سلوائے دشمنان رسولؐ دنیا کا اگر ایک انسان بھی اس کی تصدیق نہ کرے پھر بھی ابوبکرؓ اسکی تصدیق کرتا ہے اور مرتے دم تک کرتا رہے گا

بہر حال ابوبکر صدیقؓ کے اس اسوۂ حسنہ کو یاد رکھنے والے ہر مسلم کے لیئے اس واقعۂ معراج میں یہ ایک مستقل برکت ہے کہ اس کو اس طرح اس چیز کی بھی ہدایت مل گئی کہ اپنے جان و مال کے ساتھ وہ اپنے عقل و دماغ کو بھی تاجدار مدینہ کے حوالے کر دیں اور وہ چیز جس کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ فرمودۂ رسولؐ ہے خواہ اسکو عقل باور کرے یا نہ کرے اسکو ماننے اور قبول کرے کہ یہی نجات کی ایک صورت ہے

شعر

جامی رہ ہدیٰ بجز اغیر عشق نیست

گفتیم والسلام علے تابع الھدیٰ

اسرار معراج

(از جناب مولانا ابو المکارم محمد عبد البصیر صاحب عتیقی آزاد سیوہاروی "مولوی فاضل")

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کونسا ایسا وصف ہے کہ جسکے سبب سیر الی السما اور رفع الی السما سے آپکو مشرف فرمایا گیا

وصف نبوت و رسالت و خلافت کا اقتضا تو یہ ہے کہ رسول و خلیفہ زمین ہی پر رہے نہ کہ آسمان پر، کیونکہ آسمان بلا واسطہ قدرت کی کارفرمائیوں کے مظاہر ہیں، اور زمین بالواسطہ۔ نیز جہاں اصل کا ظہور ہو وہاں خلیفہ کا کیا کام۔ پس وصفِ رسالت و نبوت کا اقتضا تو سیر الی السما اور رفع الی السماء کا مقتضی نہ تھا۔ البتہ آپ کا وصفِ عبدیت (خداوند عز اسمہٗ نے اپنی جانب سے سورۂ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبد اللہ کے لقب سے یاد فرمایا ہے (لما قام عبد اللہ) اس امر کا مقتضی تھا کہ سیر الی السماء اور رفع الی السماء سے آپ کو مشرف فرمایا جائے۔ کیونکہ تمام غلاموں کی یہ رسم ہے کہ وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے مولا و آقا کی طرف جاتے ہیں۔ البتہ فرق اسقدر ہے کہ بعض اپنے منہ سے اپنے عبد ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور بعض کے متعلق خود مولےٰ و آقا اس کی انتہائی تابعداری، فرمانبرداری، فرزانگی کو دیکھ کر عبد کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اور اس کو اپنے قریب تر کرتا ہے۔ چنانچہ خداوند جل علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیت کے کمال کو ملاحظہ فرماکر عبد اللہ کے لقب سے اپنی جانب سے یاد کیا۔ اور اپنی طرف بلایا۔ یعنی رفع الی السماء اور سیر الی السماء سے۔

معراج کیلئے رات کا وقت کیوں منتخب کیا گیا

حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ نور، نجم کا طلوع رات ہی کو ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں اور اسماءِ گرامی ہیں وہیں نور، نجم بھی آپ کے اسماء ہیں۔ جن کا اقتضاء تھا کہ آپ کو رفع الی السماء اور سیر الی السماء سے شب کو مشرف فرمایا جائے۔

کیا معراج حالتِ بیداری میں ہوئی تھی

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا اس آیۂ مبارکہ کا لفظ اس امر کی خبر دیتا ہے کہ معراج کا واقعہ حالتِ بیداری میں وقوع پذیر ہوا ہے۔ نہ کہ عالمِ خواب یا عالمِ ارواح میں، جیسا کہ مندرجہ ذیل استنادات سے عیاں ہے۔

(۱) سبحان حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورۂ اسریٰ کے تحت تحریر فرمایا ہے۔

فالتسبیح انما یکون عند	تسبیح امور عظیم ہی کے لئے استعمال
الامور العظام فلو کان	کی جاتی ہے مگر یہ واقعہ (معراج)
مناما لم یکن فیہ کبیر	خواب کا ہوتا تو کوئی بڑی بات نہ
شئی ولم یکن مستعظما	تھی جس کے لئے تسبیح (کا لفظ)
(تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۱۲)	استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) اسریٰ کا لفظ قرآن شریف میں جس جگہ بھی آیا ہے وہ بیداری ہی کے لئے آیا ہے۔ نہ کہ خواب اور مکاشفہ کے لئے۔

(۳) عبدہٗ کا لفظ بھی قرآن شریف میں جس جگہ آیا ہے وہاں روح مع الجسد مراد ہے نہ کہ محض روح۔

(۴) نیز معراج کا واقعہ سنکر کفار کا استعجاب و استبعاد سے پیش آنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ عالمِ بیداری میں وقوع پذیر ہوا تھا

کیا معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رویتِ باری سے مشرف ہوتے تھے

(۱) امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کو دیکھا (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۱۲۴)

(۲) مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کو دیکھا۔

(۳) امام بزار نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ شانہٗ کو دیکھا (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰)

(۴) شریک نے حضرت ابوذرؓ سے ماکذب الفواد کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو دیکھا۔ (شفاء قاضی عیاض۔)

(۵) مروان نے ابو ہریرہؓ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند عز اسمہٗ کو دیکھا آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے

(۶) عبد الرزاق نے امام حسن بصریؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے

کیا رویت باری خلاف از عقل ہے

ملحدین و معاندین کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ رویت باری کا حصول خلاف عقل ہے۔ کیونکہ رویت کے لیئے یہ شرط ہے کہ جسکو دیکھا جائے (مرئی) وہ کسی مکان (آین) میں ہو اور اللہ تعالیٰ عز اسمہٗ مکان اور جہت سے منزہ ہے لہذا حق تعالیٰ کی رویت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرف ہونا عقل میں نہیں آتا۔ کاش معاندین و سفہا ذرا بھی غور و تعمق سے کام لیتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ رویت کے لیئے یہ شرط نہیں ہے کہ جس کو دیکھا جائے (مرئی مبصر) وہ کسی مکان (این) میں ہو، کیونکہ وہ مکان جس میں کھڑے ہو کر کسی کو دیکھا جائے اس مکان کے لیئے کوئی دوسرا مکان اور جہت نہیں مگر پھر بھی یہ مکان موجود ہے اور اس کی رویت بلا کسی تخیل کے ہو رہی ہے۔ بس اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ عرش پر تھے مگر اللہ تعالیٰ عز اسمہٗ جس کی ذات مکان و جہت سے منزہ ہے اگر آپ کو دکھلائی دی تو اس میں استبعاد ہے۔ نیز خالق کے لیئے اس کی مخلوق کسی حالت میں شرط واقع نہیں ہو سکتی اور یہ امر مسلمہ ہے کہ کیف این کا خالق خداوند جل علی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ عز اسمہٗ کے لیئے کس طرح کیف اور این شرط واقع ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ امر مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عز اسمہٗ باوجود اس امر کے کہ جہت اور مکان سے منزہ ہے مگر پھر بھی **بصیر** ہے۔ بس جبکہ آپ کے **بصیر** ہونے میں کسیکو استبعاد نظر نہیں آتا۔ تو پھر آپ کے **مبصر** ہونے کے لیئے کیوں **کیف** اور **این** کی شرط لگائی جاتی ہے۔ نیز آیت کلام اللہ شریف **لا تدرکہ الابصار** سے رویت باری کے معاملہ میں کسی قسم کا استبعاد نظر نہیں آتا، کیونکہ **ادراک** اس **رویۃ** کو کہتے ہیں جو کہ **علے وجہ الاحاطہ** ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس قدر بھی احادیث رویت باری کے متعلق صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیان فرمائی ہیں اُن میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جس سے یہ پایا جاتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رویت باری علی وجہ الاحاطہ ہوئی ہو بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **رأیت ربی** (مجھ کو دیدار خداوندی ہوا ہے) فرماتے ہوئے **انی اراہ** (یعنی میں کیا احاطہ کر سکتا ہوں) کے ذریعہ صاف طور پر اُمت مرحومہ کو اس امر سے آگاہ فرما دیا کہ کسی کو دیدار خداوندی علی وجہ الاحاطہ نہیں ہو سکتا غرضیکہ رویت باری کا ہونا خلاف از عقل نہیں ہے۔ نیز احادیث سے قطعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویت باری سے مشرف ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

کیفیت رویت باری

(۱) **ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی** (قرآن شریف) ترجمہ: حق تعالیٰ شانہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے اور اس قدر قریب ہوئے کہ آپ میں اور خداوند جل علی میں قوسین بلکہ اس سے بھی کم فصل تھا

(۲) **حتی جاء سدرۃ المنتہی ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان منہ قاب قوسین او ادنی** (بخاری شریف) (ترجمہ: شریک نے حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ قریب ہوئے رب العزت اور اس قدر قریب ہوئے یہاں تک کہ آپ میں اور خداوند جل علےٰ میں قوسین بلکہ اس بھی کم فصل تھا)

(۳) **عن ابن عباس ؓ فی قولہ تعالیٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخری قال دنا منہ ربہ وھذا اسناد حسن وھو شاھد قوی لروایۃ شریک** (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۴۰۳) (ترجمہ: امام بیہقی نے **ولقد راٰہ نزلۃ اخری** کی تفسیر میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے **دنا منہ ربہ** یعنی خداوند جل علےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوئے۔)

مذکورہ بالا روایات سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ **دنی فتدلی** کا فاعل باری عز اسمہٗ ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ نیز یہ واقعہ بھی اسی قسم کا تھا۔ کیونکہ سیر الی السماء، اور رفع الی السماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف میں ازدیاد فرماتا تھا، اور سب سے زیادہ تشریف و تکریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ہی امر میں تھی کہ خود باری عز اسمہٗ آپ کے قریب ہوتے۔

خداوند عز اسمہٗ کا آنحضرت کو بنفس نفیس مکالمہ سے مشرف فرمانا

فاوحی الی عبدہ ما اوحی (قرآن شریف) (۲) **فاوحی الیہ فیما اوحی** (بخاری شریف) (۳) **واخرج الطبرانی فی السنۃ والحکیم عن انس قال قال رسول اللہ صلعم رأیت النور الاعظم فاوحی الیہ الی ماشاء ان یوحی** (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۲۳) بخاری شریف کی حدیث اور بعض اور دیگر احادیث اس امر کی شاہد ہیں کہ اوحی کے اسناد حق تعالیٰ شانہ کی طرف ہو نیز الی عبدہ کا قرینہ خود اس امر پر دال ہے کہ جانب وحی کی اسناد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

نور کی سیڑھی

رفعت رسالت پناہی کا آخری مقام

ملا گوید بر فلک شد احمد — سرمد گوید فلک بہ احمد رسید

(عزیز حسن بقائی)

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہٗ لنریہٗ من اٰیٰتنا انہٗ ھو السمیع البصیر (سورۃ بنی اسرائیل، رکوع ۱ پارہ ۱۵)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد) کو رات کے وقت مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گئی۔ وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرداگرد ہم نے (دین و دنیا کی) برکتیں رکھی ہیں (مقصود یہ تھا کہ ہم ان کو اپنی (قدرت کے) چند عجائبات معائنہ کرائیں۔ بیشک اللہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اگرچہ اس آیت سے سرکار رسالت پناہ کا شب معراج بیت المقدس تک جانا ثابت ہوتا ہے مگر سورۂ نجم کی ایک اور آیت میں حضورؐ کے بلند مرتبہ کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے **ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے جایا گیا۔ اور سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جس کے آگے جانے کا جبرئیلؑ کے لیے بھی حکم نہ تھا۔

بہرحال اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رشتہ نبوت میں جبکہ سرکار کی عمر اکیاون برس اور نو مہینے کی تھی اور پیر کا دن تھا اور رجب کی ستائیسویں تاریخ تھی اور آپ حطیم میں استراحت فرما رہے تھے کہ یکایک چھت شق ہو گئی اور حضرت جبرئیلؑ نے سرکار کے سینہ مبارک کو چاک کر کے زمزم کے پانی سے دھو کر علم و حکمت کا خزانہ بھر دیا۔ اس کے بعد سینہ مبارک کو درست کر دیا۔ اسکے بعد ایک دراز گوش خچر سے قدرے چھوٹا، جو دودھ کی طرح سفید رنگ چوپایہ سواری کے لیے خدمت میں پیش کر کے معراج کی خوشخبری سنائی۔ اس چوپایہ کو براق کہتے ہیں۔ سواری کے بعد جبرئیلؑ نے رکاب تھامی اور میکائیلؑ نے لگام پکڑی اور اس شان سے حضورؐ کی سواری روانہ ہوئی۔ پھر آپ کا گذر یثرب کی سرزمین پر ہوا جہاں آپ نے دو نفل پڑھے، پھر آپ طور سینا پر ... یہاں بھی آپ نے دو نفل پڑھے۔ پھر آپ بیت اللحم سے گذرے، یہاں بھی آپ نے نماز پڑھی۔ پھر آپ کا گذر بہت سی ایسی قوموں پر ہوا جو اپنے اپنے اعمال کی جزا و سزا میں مصروف تھیں۔ اسکے بعد سواری مبارک بیت المقدس میں پہنچی، آپ تحیۃ المسجد میں مصروف تھے کہ اتنے میں اذان ہوئی، اور بہت سے لوگ نماز کے لیے جمع ہو گئے اور آپ کی امامت میں تمام انبیاء کی ارواح مقدسہ نے نماز پڑھی۔ اور سرکار کی تعریف کے گیت حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ نے گائے۔ اس کے بعد آپ بیت المقدس کے باہر تشریف لائے۔ اور حضرت جبرئیلؑ نے متعدد پیالے (دودھ، پانی، شراب) پیش کیے۔ حضورؐ نے دودھ نوش فرمایا تو جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ اس کے بعد عروج الی السماء شروع ہوا۔

جب آپ کو جبرئیلؑ آسمان اوّل پر لیکر پہنچے تو حضرت آدمؑ آپ کے خیر مقدم کیلئے موجود تھے، آپ نے حضرت آدمؑ کو سلام کیا، اور حضرت آدمؑ نے دعا دی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے آپ تمام آسمانوں کو طے کرتے ہوئے اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ اکابر انبیاء کا سلام اور خیر مقدم قبول کرتے ہوئے، عجائبات کا معائنہ فرماتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور یہاں حضرت جبرئیلؑ نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اب میں آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ اس سے آگے کے لیے آپ ہی کو قوت برداشت عطا کی گئی ہے ؎

اگر یک سرِ موے برتر پرم — فروغِ تجلی بسوزد پرم

پھر آپ کی رہنمائی ایک نور نے کی جس نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور اسی نور نے آپ کے ستر ہزار حجابات پار کر دیے۔ اور اسکے بعد آپ عالم سکوت میں تشریف لے گئے۔ جہاں فرشتوں کی آواز کی بھی رسائی نہ تھی، یہ عالم تنہائی تھا آپ نے محسوس فرمایا تو رفیق غار (حضرت ابوبکرؓ) کی آواز کان میں آئی جب آپ کی طبیعت میں سکون ہوا تو نور کی ایک سبز مسند پر حضورؐ کو رونق افروز فرمایا گیا جس پر بیٹھتے ہی آپ عرش عظیم تک پہنچ گئے اور وہاں عبد و معبود میں جو راز و نیاز ہوئے ان کو انسانی زبان کیا بیان کر سکتی ہے قرآن حکیم میں بھی فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ سے آگے کچھ نہیں بتایا گیا۔ سرکار کا ارشاد ہے کہ میں نے وہاں ایسا امر عظیم دیکھا کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کو رویت الٰہی سے مشرف فرمایا کہ لذت دید زبان سے بیان نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی اور آپ نے بخوشی منظور کر لی۔ اور اس "نور کی سیڑھی" کے ذریعہ واپس ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کے فرمانے سے پھر آپ ملاء اعلیٰ کے قریب پہنچے،

* اور پچاس وقت کے بجائے پانچ وقت کی نماز رہ گئی اور جس طرح سواری پاک نوری لائی تھی اور براق کے ذریعہ گئی تھی اسی طرح واپس ہوئی

اسرار نبوت

(از جناب مولانا مولوی سید قریش حسن صاحب شمسی)

اگر تم نظامِ قدرت پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ فطرت، کائناتِ عالم میں ایک خاص ترتیب و تسلسل سے عمل پیرا ہے، اس کی ہر جنس ایک دوسری جنس سے، اور ہر نوع ایک دوسری نوع سے ترقی پذیر ہے۔ کائنات کی پہلی قسم "جمادات" کو لو، یہ ہر طرح کی نباتی و حیوانی خصائص سے یکسر خالی ہے اسمیں نہ تو حرکت و نمو کی قوت ہے، نہ احساس و ارادہ کی طاقت، نہ نطق و گویائی کی قدرت ہے، نہ علم و ادراک کی صلاحیت، اس سے اوپر "نباتات" کی دنیا ہے، لیکن اس عالم میں بھی سوائے حرکت و نمو کے بقیہ صفات سے محرومی ہی ہے۔ اس کے بعد "حیوانات" کا درجہ آتا ہے۔ انمیں حرکت و نمو کے ساتھ احساس و ارادہ بھی ہے، یہ ایک قطرۂ آب سے لیکر عالم شباب تک تدریجی دور سے نشو و نما پانے کے علاوہ اپنی خواہش و ارادہ سے چلتے پھرتے بھی ہیں اور سوتے جاگتے بھی، دوستوں، محسنوں سے میل جول بھی رکھتے ہیں، اور دشمنوں سے نفرت و عداوت بھی، سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے۔ جس میں ان تمام صفات و خصائص کے ساتھ نطق و ادراک کلیات کی قوت بھی قدرت نے ودیعت کی ہے غرض کائنات کی یہ سب اد(نیٰ) کڑیاں اعلیٰ سے اسفل تک ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔

یہ تو انواع کا عالم ہے، پھر ہر نوع کے تحت میں اصناف ہیں، اور جس طرح ہر نوع کی قابلیتیں الگ الگ ہیں، اسی طرح ہر صنف کی خصوصیات اور ادراکات بھی جدا جدا ہیں۔ افراد انسانی ہی میں، پہاڑوں کے دامنوں اور کھوؤں میں بسنے والی وحشی اور غیر متمدن اقوام سے شروع کرو تو اُن سے ترقی یافتہ وہ قبائل ملیں گے جو ہر قسم کی تہذیب و وسائلِ ترقی سے محروم، دیہاتوں اور گانوؤں کی جھونپڑیوں میں آباد ہیں، پھر ان سے اعلیٰ خوشنما عمارتوں میں، خوش قطع کوٹھریوں میں، نرم نرم گدیوں پر سونے والے، شہری اور متمدن ملیں گے۔ اور ان سے بھی بلند تر وہ علمائے روزگار و عقلائے عالم ہیں، جو تجربہ و مشاہدہ سے نظر و فکر سے، قیاس و استدلال سے مجہول کو معلوم کر لیتے ہیں۔ آج دنیا میں جس قدر علوم و فنون صنائع و حرف، ایجادات و اختراعات پیدا ہو چکے ہیں، وہ سب اسی صنفِ انسانی کے رہینِ منت ہیں۔

صنفِ انسانی میں انبیاء کا رتبہ

لیکن انسانوں کی بلند ترین صنف وہ ہے، جس کی عقل و فہم کے سامنے تمام نظریات بھی بدیہیات ہوں، جس کی روحِ قدسی اپنے تمام معلومات کو تجربہ و مشاہدہ سے نہیں، نظر و فکر سے نہیں، قیاس و استدلال سے نہیں بلکہ براہِ راست اس پر ملکوت سے، مکالمۂ الٰہی سے، رویتِ ملائکہ سے رویائے صادقہ سے حاصل کرتی ہے، جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے، وہ، وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے، اُن سے وہ خارقِ فطرت افعال بھی صادر ہوتے ہیں جو عام انسانی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ غرض اُن کو مبدءِ ازل کی طرف سے وہ تمام علوم و معارف، حقائق و اسرار، قدرت و علیا عطا کر دیئے جاتے ہیں، جو ادراک و فہمِ انسانی کی سرحد سے باہر، اور طاقتِ بشری سے بالاتر ہوتے ہیں یہ قوتِ قدسیہ، یہ صفاتِ کمالیہ جس پیکرِ انسانی میں ہوتی ہے وہی انبیاء و رسل (علیہم السلام) ہیں۔

انبیاء کے حواس کی طاقت

انسان کے تمام مدرکات و محسوسات، اُسکے حواسِ ظاہری و باطنی سے ماخوذ ہیں عام ارواحِ بشری کا یہ حال ہے کہ جب حواسِ ظاہری کام کرتے ہیں تو حواسِ باطنی بیکار ہو جاتے ہیں، اور جب حواسِ باطنی اپنا عمل کرتے ہیں تو حواسِ ظاہری معطل ہو جاتے ہیں۔ غرض ایک کی مصروفیت دوسرے کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم خواب کی حالت میں ہوتے ہیں، اور ہمارے حواسِ ظاہری تھوڑی دیر کے لئے اپنا کام موقوف کر دیتے ہیں، تو ہمارے قوائے ذہنی عالمِ بالا کی سیر کرنے لگتے ہیں، اور ہماری روحیں شہرستانِ ملکوت کی گلگشت کرتی ہیں۔ لیکن انبیاء (علیہم السلام) کے مقدس قالبوں میں جو ارواحِ طیبات ہوتی ہیں اُن کے لئے عالمِ بیداری بھی اقلیمِ روح کی گلگشت اور ملکوت کی سیر سے مانع نہیں ہوتا، عام روحیں جو کچھ حالتِ خواب میں دیکھتی ہیں انبیاء (علیہم السلام) اس سے بڑھکر عالمِ بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کا مشاہدہ و رویا، انکی نیند و بیداری دونوں یکساں ہوتے ہیں ان کے جسم گو سوتے ہیں، لیکن ان کی روحیں ہمیشہ جاگتی رہتی ہیں۔

تنام اعینهم ولا ان کی آنکھیں سوتی ہیں، لیکن ان
تنام قلوبهم (بخاری) کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔

ہماری درماندگی صرف اتنی ہی نہیں کہ حواسِ ظاہری کی مصروفیت حواسِ باطنی کو اور حواسِ باطنی کی مشغولیت حواسِ ظاہری کو معطل کر دیتی

ہے۔ بلکہ خود ہمارے حواس ظاہری میں ایک حس کی مصروفیت دوسری حس کو بیکار کر دیتی ہے۔ روزانہ کا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ جس وقت ہم کسی چیز کو غور سے دیکھتے ہیں، تو اس وقت سنتے نہیں۔ جب کسی آواز پر ہمہ تن گوش بنجاتے ہیں تو ایسی حالت میں دیکھتے تک نہیں۔ لیکن حضرات انبیاء (علیہم السلام) کی یہ حالت نہیں ہوتی، بلکہ ان کے حواس ظاہری ہوں یا باطنی دوش بدوش کام کرتے ہیں، اور ان کا کوئی ایک حاسہ بھی دوسرے حاسہ کی راہ میں مخل نہیں ہوتا۔ وہ ایک ہی وقت میں غرق سماعت بھی ہوتے ہیں، اور محو دید بھی۔ وہ ان ہی آنکھوں سے سطح ارضی کی گلکاریاں بھی دیکھتے ہیں اور فضائے روحانی کی تجلیاں بھی۔

انبیاء کی قدرت تصرف

جس طرح ہماری روح یا ہمارے جسم کی پُر اسرار مخفی قوت ہمارے جسم پر تصرف کرتی ہے اور ہمارے تمام اعضاء و جوارح اسکے ایک اشارہ کے تابع و فرمانبردار رہتے ہیں، اسی طرح انبیاء کی روح قدسی سارے عالم جسمانی پر حکمران ہوتی ہے، روحانی دنیا کے آگے مادی دنیا کے تار و پود بکھر جاتے ہیں۔ نظام کائنات درہم برہم ہو کر روحانی دنیا کے سنن و اصول کے سامنے اپنی شکست کا اعتراف کر لیتا ہے۔ اسی بنا پر نبی کی روح قدسی سے عجیب عجیب خارق فطرت ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ آگ اس پر گلزار ہو جاتی ہے، زہر اس کے لیئے تریاق بن جاتا ہے، سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے، لکڑی کی بے جان چھڑی اس کے ہاتھوں اژدہا بن جاتی ہے، چاند اس کے اشارے سے پھٹ جاتا ہے، وہ چشم زدن میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ اور پھر وہاں سے مقام لامکان تک عروج کر جاتا ہے۔ اسکی انگلیوں سے تشنگان وادی حق کے لیے آب شیریں کے چشمے ابلتے ہیں، اس کی دعاؤں سے آفتیں ٹل جاتی ہیں۔ بیمار تندرست ہو جاتے ہیں، مُردے جی اٹھتے ہیں، آسمان اس کی اطاعت کو دوڑتا ہے۔ زمین اس کے قدم چومنے کو لپکتی ہے۔ دشت و جبل، انس و ملک خشکی و تری اس کی اطاعت میں سرنگوں ہو جاتے ہیں ؎

چوں پیمبر از بروں بانگے زند
جانِ اُمت در درونِ سجدہ کند

غرض صاحبِ حیِ نبوت، حامل اسرار شریعت اپنی پُر اسرار زندگی کے اندر اس قسم کے حالات و کیفیات کی ایک دنیا رکھتا ہے۔ جن کی توجیہ سے انسانی عقل عاجز ہے، مگر یہ ایک حقیقت ہے اور ناقابلِ انکار حقیقت، ایک صداقت ہے اور تاریخی صداقت، جس کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں، عالم کی تاریخ اٹھائے سامنے ہے۔ اگر تم روحانی دنیا کے فرزندوں کے کوائف و حالات پڑھو، تو تمکو ہر جگہ نظر آئے گا کہ پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھ سکتے، وہ وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سُن سکتے۔ اسکے احوال و کوائف سے ہم نا آشنا اور اُسکی عقل و حواس سے ہم بیگانہ ہوتے ہیں، حضرت موسیٰؑ کی پوری زندگی اسی طرح ہزاروں شہادتوں سے لبریز ہے۔ حضرت مسیحؑ کی کتاب حیات کا ایک ایک ورق اس کے ثبوت میں بھرا ہوا ہے۔ حضرت ختم المرسلین (صلعم) کی حیات طیبہ بجائے خود اس کی ایک دلیل محکم و برہان ثابت ہے، یہی وہ مافوق فہم بشری اعمال و افعال ہیں جن کو اصطلاح میں آیات و معجزات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

"کیا معجزہ دلیل نبوت ہے؟"

مذکورہ بالا سطروں سے کہیں یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ معجزہ و خرق عادت کا صدور انبیاء (علیہم السلام) کا جزو حیات ہے، اور یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے، پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اُس کے مامور من اللہ ہونے کی واضح ترین دلیل خود اس کا مجسم وجود ہوتا ہے، جو اس ظلمتکدۂ عالم میں آفتاب بنکر چمکتا اور سیہ کار قلوب و زنگ آلود نفوس پر صیقل کرتا ہے۔ اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی ہوئی نشانی خود اس کا پیغام ربانی ہوتا ہے، جو سننے والوں کے دلوں میں سکینۂ ایمان بھر دیتا ہے، اس کے روحانی پیکر ہونے کا بیّن ثبوت خود اسکے معصومانہ اخلاق و پاکیزہ خصائل ہوتے ہیں۔ جو دیکھنے والوں کے دلوں پر عقیدت و احترام کی مہر ثبت کر دیتے ہیں ؎

در دل ہر اُمتی کز حق مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

لیکن جن کے چہرہ پر آنکھیں تو روشن ہوتیں ہیں مگر دل کی بصیرت اندھی ہوتی ہے، اونکے کان تو کھلے ہوتے، لیکن عبرت کے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور عقل کی افتادگی، روح کی پستی دلوں کو انابت الی اللہ، و رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی کر کے ان پر مہر لگا دیتی ہے۔ ان کے نزدیک بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات بھی سحر و جادو، شعر و کہانت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، اور قدرت کی کوئی آیت و نشانی بھی ان کے دلوں کی مہر کو توڑ نہیں سکتی۔

وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون، اور جو لوگ ایمان والے نہیں ہوتے اُن کیلئے آیات و نذر سب بے کار ہیں۔

انبیاء کے متبعین میں سے جن کے دل میں ذوق ایمان کی کچھ بھی تشنگی ہوتی ہے وہ کبھی اپنے پیغمبر سے معجزہ کے طالب نہیں ہوتے ہیں حضرت ہارونؑ و یوشعؑ نے حضرت موسیٰؑ کو بلا کسی مادی اور محسوس نشانی کی طلب کے پیغمبر تسلیم کر لیا تھا، حضرت مسیحؑ کے حواریوں نے اپنے پیغمبر سے کوئی معجزہ طلب نہیں کیا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور سرور کائنات (صلعم) پر سب سے پہلے ایمان لائے لیکن کسی ظاہری معجزہ کے اثر سے نہیں بلکہ محض آپ کی معصومانہ زندگی کا یقین

کرتے ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوتے ہیں تو روئے مبارک دیکھتے ہی ان کے دل میں ایمان کی لہر پیدا ہوجاتی ہے۔ اور پکار اُٹھتے ہیں "یہ دروغگو کا چہرہ نہیں" حضرت **ابوذر غفاری** نے جب آپ کے کمالاتِ اخلاقیہ، اوصافِ حمیدہ اور پاکیزہ تعلیمات کا حال سُنا تو بن دیکھے ایمان کی خواہش و کشش محسوس کرنے لگے۔

معجزہ کی غایت

اوپر کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ یا خرقِ عادت نبوت کی اصلی دلیل نہیں ہوتا ہے۔ البتہ جو لوگ ایمان و یقین کی خواہش رکھتے ہیں اور جو طبیعتیں شریعت کی رمز شناس ہوتی ہیں ان کے سامنے جب پیغمبر سے کوئی معجزنما واقعہ صادر ہوتا ہے، تو وہ خرقِ عادت ان کے لیے پیغمبر کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے، جس سے ان کے ذوقِ ایمانی کو تقویت ملتی ہے، رسوخِ ایمان اور ثباتِ قدم حاصل ہوتا ہے۔ مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھڑیوں میں ان کی تسکین ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کے لیے معجزہ خود نبوت کی نہیں مدعیِ نبوت کی صداقت نفسیاتی دلیل کا کام دیتا ہے۔

سابقین اولین میں اگرچہ صفائی باطن اور رسوخِ ایمان کی وجہ سے صحابہؓ کا ایک گروہ باوجود خانہ بدوش اور مفلوک الحال، بے سرو سامان اور بے یار و مددگار رہنے کے کسی معجزہ کا خواستگار نہیں تھا، تاہم نصرتِ الٰہی، آیات و دلائل بنکر مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیام سناتی رہی، غزوات و محاربات کے پُرخطر مواقع میں، فقر و فاقہ کے حوصلہ شکن اوقات میں، کہیں فرشتوں کے پرے بن کر کہیں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی انگلیوں سے چشمے پھوٹ کر، کہیں انباء بالغیب کی شکل میں، یہی معجزے انکی دستگیری کرتے رہے۔

اسکے علاوہ معجزات کا اظہار عموماً اس طرح ہوتا ہے کہ معاندین و مخالفین پیغمبر سے کسی خرقِ عادت کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اسکے پیش کرنے سے عاجز ہوجائیگا اور اس سے اسکے دعویٔ نبوت کی صداقت پر دھبہ آجائیگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسی خرقِ عادت کو ظاہر کرکے معاندین کی رسوائی و تفضیح کرتا ہے، اور مدعی نبوت کی صداقت و راستبازی پر ایک مہر ثبت کردیتا ہے۔

معجزہ چوں می آمد از ہر ناشناخت ؛ معجزہ می داد حق و ساخت

لیکن جب معاندین کی جماعت میں سوائے کثیف مادہ کے کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہتا تو اُس وقت بھی معجزہ، آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بنکر پیامِ ہلاکت ثابت ہوتا ہے اور مکہ وارض کی مقدس گود کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کردیتا ہے

حضرت موسیٰ کو متعدد معجزے دیے گئے، آپ ایک مدت تک مدعی "**انا ربکم الاعلیٰ**" کو عبودیت و بندگی کی دعوتِ حق دیتے رہے، لیکن جب بر بار ان کی تکذیب کی گئی تو آخر ایک دن دریائے نیل پھٹ پڑا اور مصر کا فنا مند تاجدار مع اپنے تمام امرا و زردار اور اہل دربار کے عتابِ الٰہی کے دریائے بے پایاں میں ہمیشہ کے لیے غرق ہوکر رہ گیا۔ حضور **سرورِ کائنات صلعم** کا جو سب سے آخری اور فیصلہ کن معجزہ تھا، وہ معراج کی "آیتِ کبریٰ" تھی۔ جس کے بعد معاندینِ قریش کی ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا، کیونکہ اسکے بعد ہی ہجرت کا حکم تھا، اور یہ حقیقت رؤسائے مکہ و کفارِ قریش کی تباہی اور مسلمانوں کی فتحِ مکہ کا پیام تھی۔

معجزہ کا امکان

دنیا چونکہ عالمِ اسباب ہے، کارخانۂ کائنات ایک ہموار نظام پر چل رہا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک نہیں ہوسکتا جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منفک نہ ہوجائے، اس لیے معجزات و خوارق کو سننے کے ساتھ ہی سب سے پہلے یہ سوال ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا یہ ممکن بھی ہے، کیا ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ دہکتی ہوئی آگ ہو اور جلائے نہیں، ایک بے جان و غیر متحرک خشک ٹہنی ہوا اور دوڑتا ہوا اژدہا بن جائے، آدمی ہو اور بن باپ کے پیدا ہو، جسم خاکی ہو، اور چشم زدن میں فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کرجائے؟ ان باتوں کا تسلیم کرنا گویا قانونِ فطرت، لا آف نیچر کا انکار کرنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں قانونِ قدرت یہ ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ درخت چلتے پھرتے نہیں، انسان تو بعد مثل نے قاعدہ سے اپنے ہی جیسے انسان سے وجود میں آتا ہے، عنصرِ خاکی اپنے مرکز سے جدا نہیں ہوتا،

سوال یہ ہے کہ قانونِ فطرت ہے کیا چیز، اور اس کا علم ہوا تو کس طرح؟ کیا کائنات کی ہر شے کی ذات میں خود کوئی علت اور کوئی خاصیت ہے یا ہم نے بار بار کے تجربہ سے یہ سمجھا کہ آگ جلاتی ہے، درخت چلتے ہیں، انسان اپنے آپ پیدا نہیں ہوتا؟ اگر ہر شے کی ذات و حقیقت کسی خاصیت و قوت کی مالک ہے تو کیا کسی ایسی چیز کے متعلق جسکو ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو، صرف پہلی بار دیکھ کر بغیر تجربہ کیے ہوئے اس کے نتیجہ و معلول، اثر و خاصیت کی پیشین گوئی کرسکتے ہیں۔

فرض کرو ایک وہ شخص جس نے نہ کبھی برف دیکھی ہو نہ آگ، اس کے سامنے یہ دونوں چیزیں لاکر رکھدی جائیں تو کیا ان کی ذات میں کوئی ایسی چیز اسکو نظر آتی ہے جس کی بنا پر احساس و تجربہ سے قبل یہ فیصلہ کرے کہ آگ میں گرمی و سوزش ہوتی ہے اور برف میں ٹھنڈک و برودت؟ حقیقت

یہ ہے کہ اشیاء کے علل و اسباب، خواص و اثر کا علم محض ہمارے تجربہ و یکسانی عمل کا نتیجہ ہے، ہم ایک چیز کو بار بار دیکھتے ہیں، اور ہر بار اُس سے وہی نتیجہ اور وہی اثر لیتے ہیں جو پہلی بار محسوس کیا تھا، تو اس پر حکم لگا لیتے ہیں کہ اس چیز کا یہ خاصہ ہے، اس کی یہ علت ہے، اسی تکرار احساس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ذہن میں آگ اور سوزش، برف اور ٹھنڈک میں ایک ناقابلِ انفکاک تلازم پیدا ہو گیا ہے۔ اور ہمارے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہو گیا ہے، شاید ہی کوئی اور ہو، غرض ہم جنکو قانونِ قدرت، نوامیسِ فطرت، لاز آف نیچر، کہتے ہیں، وہ نام ہیں صرف ہمارے روز مرہ کے مشاہدات و تجربات کے جن میں عموماً تغیر نہیں ہوتے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے گذشتہ تجربات و مشاہدات اب تک درست ہی ہوتے چلے آئے ہیں؟ کیا ہم نے کائنات کے جو اسباب و علل، اشیاء کے جو خواص دریافت و معلوم کر لیئے ہیں، درحقیقت نظامِ قدرت اسی پر چل رہا ہے، اور یہ اسباب و علل اس درجہ ناقابلِ تنسیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی؟

اگر ایسا ہے تو پھر ارسطو جیسے بنائے ہوئے اصول پر کل تک دنیا چل رہی تھی، اسکے منطقی اصول آج کس درسگاہ میں تمام تر تسلیم کیئے جاتے ہیں؟ افلاطون، جسکے مرتب کیئے ہوئے قوانین کبھی ساری دنیا میں مسلم تھے، اس کا فلسفہ آج کہاں زیرِ درس ہے؟ بطلیموس اتنا بڑا ماہرِ ریاضیات تھا جس کے بنائے ہوئے دورِ نجوم، گردشِ افلاک، حوادثِ یومیہ کے علل و اسباب یقین کیے جاتے تھے، اس کے نظامِ ہیئت کو آج دنیا کی کون سی یونیورسٹی مانتی ہے؟ اطبائے قدیم کے تجارب و تحقیقات میں دواؤں کے جو خواص و اثرات، امراض و بیماریوں کے جو اسباب و علل تھے، اور جن پر کل تک لاکھوں نفوس اور کروڑوں بندگانِ خدا کی حیات و موت کا دارومدار رہتا۔ طبِ جدید کے محققین آج اُن کو اوہامِ باطلہ سے زیادہ رتبہ نہیں دیتے۔ طبیعاتِ جدیدہ نے طبیعاتِ قدیمہ کی تحقیقات کی دیواریں ڈھا دیں، نیوٹن کے دریافت کردہ قوانین کا پردہ آئنسٹائن کے ہاتھوں چاک ہو کر رہ گیا۔ ڈارون کے نظریات ابھی ابھی تجدد کی انتہائی شان تھے، اب ڈارون کو بھی صدہا منزل چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ جب ہمارے گذشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے کہ صبح کی تحقیقات شام کو غلط ثابت ہو جاتی ہیں، اور دن کی عقل رات کو باطل و گمراہ ٹھہر جاتی ہے، تو پھر انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت کر سکتا ہے۔

جس طرح گذشتہ کل کی تحقیقات و تجربات کی حیثیت آج اوہامِ باطلہ سے زیادہ نہیں، کیا عجب کہ آج کے مسلمات و حقائق پر کل آئندہ ہنسی اڑائی جائے۔

تم یہ سمجھتے ہو کہ کل تک جو محال تھا وہ ہمیشہ محال ہی رہیگا حالانکہ اختراعاتِ جدیدہ نے سیکڑوں اور ہزاروں محالات و ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا، اب سے سَو برس پہلے کسی انسان کو یہ باور کرا دینا دشوار ہی نہیں ناممکن تھا کہ انڈوں سے بچے بغیر کسی پرندہ کی مدد کے چند گھنٹوں میں حاصل کیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہی ناممکن آج ممکن، بلکہ واقعہ ہو چکا ہے۔ لاسلکی کی ایجاد سے پہلے یہ کسقدر مستبعد اور مضحکہ انگیز کہ ہم اپنی آواز کلکتہ سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے دہلی سنا سکتے ہیں، لیکن آج یہی آواز ایک سکنڈ کے سولہویں حصے کے وقفہ میں ہم گھر بیٹھے بارہ ہزار میل سے زیادہ مسافت تک پہنچا دیتے ہیں اور کسی کو اس پر استعجاب تک نہیں ہوتا۔ پھر بتاؤ کہ جو باتیں تمھارے پیمانۂ عقل میں نہ سما سکیں ان کے متعلق محال یا امتناع کا دعوی کرنا تمھارے فہم و دانش کی دلیل ہے، یا جہل و بے عقلی کی!

فلسفی گوید ز معقولات دوں عقل از دہلیزمی ماند بروں
فلسفی منکر شود، در فکر و ظن گو برو، سر را بر آں دیوار زن

جب محسوسات کے میدان میں تمھاری عقل و درماندگی اور فلسفہ و سائنس کی لنگ پائی کا یہ حال ہے تو پھر روحانی عالم کے سنن و اصول میں اسکی نگاہ کہاں تک منزلِ مقصود کے قریب پہنچ سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو جانا نہیں جا سکتا اسکو تم جاننا چاہتے ہو، جو سمجھا نہیں جا سکتا اس کو تم سمجھنے کی کوشش کرتے ہو۔

معجزہ کی تاریخی شہادت

معجزہ چونکہ نام ہے، کسی انتہائی حیرت انگیز، یا انتہائی مستبعد واقعہ کا، بلکہ یوں کہو کہ جن کو ہم قوانین فطرت کہتے ہیں، ان کے خلاف کسی واقعہ کے ظہور کا، اس لیئے اس کے قبول و یقین کے لیئے بھی ویسی ہی مستند و تشفی بخش شہادت ہونی چاہیئے۔ دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے علم کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو عینی شہادت ہو، یا تاریخی و روایتی ثبوت، اس واقعہ کے وقت اگر ہم موجود ہوں تو روایتوں کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز رہیں گے اور کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ورنہ پھر سوائے تاریخی روایت کے اور کوئی ذریعۂ علم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس صورت میں جس درجہ کی روایت ہوگی، اسی درجہ کا علم بھی، اب آؤ اسلامی فنِ روایت و علم الاخبار پر نظر ڈالو، اس باب میں دنیا متفق ہے کہ اربابِ سیر نے ہر اس چیز کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی پیغمبرِ اسلام کی ذات سے ہے جس طرح حفاظت کی ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی ہے، جن لوگوں نے آپ کے اقوال و احوال کی روایت کا فرض انجام دیا ہے، اُن تمام بزرگوں کے نام و نشان، اخلاق و

عدالت، عدالت وثقاہت، حفظ وفہم پر جتنی بھی جرح وتعدیل ہوئی ہیں وہ سب حرف بحرف محفوظ ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر اسپرنگر جیسے متعصب عیسائی کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ :۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری، اور نہ موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح "اسماء الرجال" کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج ۵ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔" (خطبات مدراس بحوالہ سیرۃ النبی)

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق جس قدر صحیح و مستند معجزات منسوب ہیں اُن میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کی صداقت کو تاریخی اُصول پر پرکھ لیا گیا ہو، ان معجزات کے رواۃ کی پہلی کڑی وہ صحابۂ کرام ہیں جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، ان کی صادق البیانی، راست گفتاری، اُن کے حزم واحتیاط پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے بیچ کے رواۃ وہ محدثین وارباب سیر ہیں جن کی عدالت وثقاہت اور حفظ وفہم پر "اسماء الرجال" کے اوراق پر مہریں ثبت ہیں۔ آپ نے علی الاعلان کہا اور بار بار کہا :۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار — جو شخص میری طرف کسی جھوٹ بات کو نسبت کریگا اُسکا ٹھکانا جہنم ہے۔

باوجود اس حزم واحتیاط کے بھی، محدثین کے معیار پر تمام روایات یکساں طور پر علم ویقین کے لئے مفید نہیں ہوتے، بلکہ رواۃ کی کثرت وقلت، تواتر وتفرد، ثقاہت وعدم ثقاہت سے احادیث کے درجۂ قطعیت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ آج ہم اپنے دنیاوی کاروبار میں خبراحاد پر بھی عملاً یقین کرتے ہیں، اور ذہنی شبہات وروایتی خدشات کا تسلسل ہماری یقینیات میں ذرہ برابر بھی مخل نہیں ہوتا، خطوط، تار، اخبارات ان میں سے ہر ایک آج کل کی زندگی کا جزو ہے۔ ان کی صداقت پر کسی کو شبہ نہیں ہوتا ہے۔ رائٹر ایجنسی کے تاروں، سنجیدہ اخبارات کے کالموں میں ایک سے ایک حیرت افزا واقعات وایجادات وطبی علاجات بیان ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان سب کو یہاں جمع کیا جائے تو اُسکے لئے ایک دفتر درکار ہے، تاہم اس موقعہ پر صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ایک امریکی اخبار کی دلچسپ خبر ہے کہ :۔

"کوئلہ کی ایک کان کے اندر دو چھپکلیاں، ہزار ہا ہزار سال کی مدت کے بعد زندہ برآمد ہوئی ہیں، جنھیں دیکھ کر کان کن دنگ رہ گئے، "کینین" کے چٹانی پہاڑ میں ایک نئی کان ابھی دریافت ہوئی ہے و مزدور جب پہلے پہل وہاں کام کرنے گئے تو کان کے کھودتے ہی چھپکلیاں نظر پڑیں، اُن میں سے ایک تو تھوڑی ہی دیر کے بعد مرگئی، لیکن دوسری ہزار ہا ہزار سال کی زندگی کو ابھی تک قائم رکھے ہوئے ہے۔ اسے "کناڈا" کے ماہرین سائنس کے پاس بغرض امتحان "اٹاوا" روانہ کردیا گیا ہے۔

(۱۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء، برٹش کولمبیا، امریکہ، بحوالہ سچ)

دوسری خبر حیرت اثر ہندوستان ہی کی سنئے۔

"کل پریسیڈنسی کالج، کلکتہ کے فزکس تھیٹر میں علاقہ "آندھرا" (مدراس) کے ایک ہندو جوگی سوامی نرسنگھ نے زہر نگل لینے کا ایک عجیب وغریب تماشہ دکھایا جسے دیکھ کر مشہور سائنٹسٹ سر، سی، وی، رامن دنگ رہ گئے۔ سائنس کے طلبہ اور اساتذہ بکثرت کھڑے ہوئے حیرت سے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ اور وہ جوگی ان کی نظروں کے سامنے شیشے کے ٹکڑے، لوہے کی کیلیں، اور بڑے بڑے سخت وہلاک زہر مثلاً پوٹاشیم سیانائیڈ وغیرہ نگلتا چلاگیا، اور اچھا خاصا رہا، بعد کو جوگی کے جسم کے اندرونی حصہ کا معائنہ ایکس ریز سے کیاگیا، اور وہ چیزیں معدہ میں ملیں، جوگی کا بیان ہے کہ یہ سب "ہٹ یوگ" کے کرشمے ہیں۔"

(۲ دسمبر ۱۹۳۳ء پانیر، اسٹیٹسمین، بحوالہ سچ)

جن اخبارات نے یہ حکایتیں چھاپی ہیں، یہ بطور ریسرچ یا ایک دلچسپ خبر کے شائع کی ہیں۔ لیکن کسی اخبار نے بھی یہ جرح نہیں کی کہ کسی حیوان کا ایک ایسی جگہ میں رہ کر جہاں نہ ہوا کا گذر ہو، نہ پانی کی رسائی، اپنی عمر طبعی سے ہزاروں سال زیادہ زندہ رہنا کیونکر ممکن ہے۔ کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا کہ زہر ہلاہل کے ٹکڑے نگل لینے کے بعد کوئی انسان کسی طرح زندہ ہی نہیں، بلکہ اچھا خاصا رہ سکتا ہے، تم نے جن اُمور کا نام قانون فطرت رکھ لیا ہے، کیا یہ اس کے تحت میں داخل ہیں؟

غرض رائٹر ایجنسی کے اسی قسم کے بیسیوں تار، اور ولایتی اور دیسی اخبارات کی اسی طرح کی سینکڑوں خبریں، سنجیدگی کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں، انہیں تم پڑھتے ہو اور خبروں پر بلاتامل وبلا توقف یقین لے آتے ہو، زیادہ سے زیادہ اسے ایک حیرت انگیز واقعہ سمجھتے ہو، ان کے انکار کرنے یا اس کی واقعیت میں شک کرنے کی بھی جرأت تم کو نہیں ہوتی ہے، حالانکہ نہ راوی کا نام معلوم ہوتا ہے، نہ اس کی عدالت وثقاہت کا کوئی علم، پھر یہ کیا ظلم ہے کہ جس طرز استدلال پر تمہاری دنیائے یقین کا تمام کاروبار

بھی ہوتا ہے، اسکو مذہب اگر زیادہ موثق و مصدق ذرائع ہی سے کیوں نہ استعمال کرے، تو وہ عیانِ عقل و دانش کی سوئی ہوئی روشن خیالی بیدار ہو جاتی ہے، اور ان کی محدود عقل و تجربہ کار سر اُٹھا کر دیکھنے لگتے ہیں۔

اسرارِ نبوت کا حقیقی مقام

یہ تو عام معجزات کا حال تھا، جن کی ادنیٰ مثالیں گاہ بگاہ ہمارے معمولی واقعات زندگی میں بھی مل جاتی ہیں، لیکن اسرارِ نبوت میں سب سے زیادہ بڑا سرار مقام وہ ہے جہاں رویت و سماعت کے تمام مادی قوانین و احکام تھوڑی دیر کے لیے منسوخ کر دیے جاتے ہیں، زمان و مکان کی تمام طبعی بندیاں اُٹھا دی جاتی ہیں، اور ابراہیمؑ کو خدا خود ندا دیتا ہے، موسیٰؑ کو وہ طور پر مخاطبۂ ربانی سے مشرف کیے جاتے ہیں، سرورِ انبیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور خدا میں "قاب قوسین" یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اور راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن اگر تم ان حقائق و اسرار کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس مجموعۂ آب و گل میں رہ کر نہیں سمجھ سکتے ہو اور نہ جامۂ تحدید میں رہ کر سمجھایا جا سکتا ہے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ یہ ایک حقیقت ہے، اور ناقابلِ انکار حقیقت، ایک صداقت ہے اور تاریخی صداقت، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تصانیف حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

میلاد نامہ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا حصہ ہے اس میں محفل میلاد کے آداب اور حضور سرور عالم کے بچپن سے لیکر وفات تک کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اور حضور سرور عالم کی بعثت کے متعلق کتب قدیم کی پیشین گوئیاں بھی درج ہیں قیمت عہ

محرم نامہ اسلامی تاریخ کا دوسرا حصہ ہے اس میں حضور سرور عالم کی وفات' چاروں خلافتوں کا مفصل حال۔ خلافت کے جھگڑے۔ یزید کی ظالمانہ کارروائیاں حضرت امام حسین کی شہادت' کربلا کے دل ہلا دینے والے واقعات نہایت موثر الفاظ میں۔ قیمت ایک روپیہ۔

یزید نامہ اسلامی تاریخ کا تیسرا حصہ ہے اس میں قاتلان حسین سے انتقام' یزید کی مصیبتیں' خاندان بنی امیہ کے تمام بادشاہوں کے حالات نہایت تحقیق و تدقیق کے بعد درج کئے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ چار آنہ

طمانچہ بر رخسار یزید اگر خاندان بنی امیہ کے مردوں اور عورتوں کے شرمناک حالات دیکھنے ہوں تو یہ کتاب منگائیے عورتوں کو یہ کتاب نہ دکھانی چاہئے۔ قیمت عہ

سی پارۂ دل حضرت خواجہ صاحب کے نہایت دلچسپ مضامین کا مجموعہ' مذہبی۔ اخلاقی اور معاشرتی تعلیم کا بہترین ذریعہ کہے جا سکتے ہیں۔ قیمت دو روپے۔

کم نو موت اس کتاب کے پڑھنے کے بعد آپ ایک ایسی زندگی کی طرف قدم اٹھانا شروع کریں گے جسے کبھی فنا نہیں اور آپ موت کو زندگی کہنے لگیں گے قیمت عہ

مرگ نامہ موت کو یاد کرنا زندگی ہے اور موت کو بھول جانا موت ہے۔ اس میں موت کے متعلق نہایت موثر مضامین اور افسانے درج ہیں۔ قیمت ۸ر

غدر دہلی کے افسانے

بیگمات کے آنسو (حصہ اول) اس میں دہلی کے مغلیہ شہزادوں اور بیگمات پر جو ظلم توڑے گئے ہیں ان کے واقعات نہایت دردناک پیرایہ میں ہیں۔ قیمت ۸ر

انگریزوں کی بپتا (حصہ دوم) اس کتاب میں انگریز مردوں عورتوں اور بچوں کی ان مصیبتوں کا حال ہے جو ان کو غدر میں پیش آئے۔ قیمت آٹھ آنے ۸ر

محاصرہ دہلی کے خطوط (حصہ سوم) ان انگریزی خطوط کا ترجمہ جو انگریزی افسروں نے دہلی کے محاصرہ کے وقت پنجاب کے افسروں کو لکھے تھے۔ قیمت ۸ر

بہادر شاہ کا مقدمہ (حصہ چہارم) دہلی کے آخری بادشاہ پر جو بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا تھا اس کے دردناک واقعات۔ قیمت دو روپے عہ

گرفتار شدہ خطوط (حصہ پنجم) اس مجموعہ میں وہ تمام خط و کتابت درج ہے جو غدر کے موقعہ پر بہادر شاہ اور غدر کرنے والوں کے درمیان ہوئی تھی قیمت ڈیڑھ روپیہ عہ

غدر دہلی کے اخبار (حصہ ششم) اس میں غدر شدہ کے ان اخبارات کے اقتباسات درج ہیں جو غدر کے زمانہ میں اور اس سے پہلے شائع ہوئے تھے جن پر انگریزی گورنمنٹ نے یہ الزام لگایا تھا کہ غدر کرانے میں ان کا دخل تھا۔ قیمت ۸ر

غالب کا روزنامچہ (حصہ ہفتم) غدر کے متعلق نواب اسد اللہ خاں غالب کی تحریر جو انہوں نے اپنے دوستوں کو روانہ کی اور غالب کی مشہور کتاب دستنبو کا اردو ترجمہ۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

دہلی کی جانکنی (حصہ ہشتم) اس کتاب میں اہل دہلی کے مصائب اور دردناک واقعات درج ہیں شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ سے لے کر واقعات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

دہلی کا آخری سانس (نواں حصہ) یہ نہایت دردناک حصہ ہے جو ابھی تیار ہوا ہے۔ قیمت عہ

غدر کی صبح و شام (دسواں حصہ) اس میں غدر کے دردناک حالات نہایت موثر انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ)

آخری شمع (گیارہواں حصہ) اس میں آخری مغل بادشاہ کے دردناک افسانے ہیں جو غدر میں پیش آئے تھے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ)

زنانہ تعلیم کی کتابیں

بیوی کی تعلیم اس کتاب میں بیوی کی تعلیم کے لئے دلچسپ مفید نتیجہ خیز سبق لکھے گئے ہیں' خواجہ صاحب نے سبقوں کی صورت میں بیوی کے لئے ایک مکمل کورس تیار کر دیا ہے۔ قیمت عہ

بیوی کی تربیت اس کے پڑھنے کے بعد ہر عورت سلیقہ شعار خاوند کی خدمت گذار' بچوں کی حقیقی معنوں میں ہمدرد بن سکتی ہے۔ قیمت عہ

اولاد کی شادی اولاد کی شادی سے پہلے اس کتاب کو ضرور پڑھ لینا چاہئے تاکہ شادی' اولاد کے لئے خانہ بربادی کا باعث نہ بن سکے۔ قیمت عہ

اتالیق خطوط نویسی (ہر حصہ) اس کتاب کے مطالعہ کے بعد عورتوں کو خود بخود لکھنا آ جاتا ہے۔ قیمت عہ

بچوں کی تعلیم کی کتابیں

آسان قاعدہ (حصہ اول) اس قاعدہ کے پڑھنے سے بچوں کو عربی عبارت اور اردو عبارت پڑھنی آ جاتی ہے۔ قیمت ۲ آنے۔

تعلیم القرآن (حصہ دوم) اس میں قرآن مجید کے ضروری مضامین کا خلاصہ ہے اس کو یاد کرنے کے بعد ہر موقع ہر محل پر کلام اللہ کی آیتوں کو پیش کر سکتا ہے۔ قیمت ۴ر

اردو سبق (حصہ سوم) اس رسالہ کو بچے خود بخود خوشی خوشی پڑھتے ہیں' بہ شوق بچوں کے لئے بہترین کتاب ہے۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

اولاد کے کان میں کہنے کی باتیں یہ خواجہ صاحب کی نئی تصنیف ہے اس کتاب کے پڑھنے کے بعد بچے دنیاوی معاملات میں اس قدر سمجھدار ہو جاتے ہیں جتنا کہ ایک عمر رسیدہ اور تجربہ کار کو ہونا چاہئے۔ قیمت ۸ر

بچوں کی کہانیاں (با تصویر) اس کتاب میں وہ کہانیاں درج ہیں جو دہلی کے اشراف گھرانوں میں ننھے ننھے بچوں کے سامنے کہی جاتی ہیں۔ قیمت ۱۰ر

متفرق کتابیں

امام الزماں کی آمد دنیا میں پیش آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں۔ امیر افغانستان کے تاجدار ہونے کی پیشین گوئیاں۔ قیمت دس آنے (۱۰ر)

چٹکیاں اور گدگدیاں اردو زبان میں جہد ظرافت کی سب سے پہلی تصنیف ہے جس میں مذہبی' تمدنی اور ادبی ہنسی کے مضامین درج ہیں قیمت ۱۲ر

معلومات سیر دہلی اگر آپ دہلی آکر دہلی کی سیر کرنا چاہیں یا اگر گھر بیٹھے دہلی کے مشہور مقامات دیکھنا چاہیں تو یہ کتاب منگائیے۔ قیمت عہ

اردو سکھانے کے مضامین اگر آپ خواجہ صاحب کے چلتے مضامین پڑھ کر اردو زبان پر عبور حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کتاب کو مطالعہ میں رکھیے۔

قیمت چھ آنے (۶ر)

ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ پیشوا دہلی

اکسیر مرواریدی

دماغی اور جسمانی کمزوری کے لئے اکسیری دوا ہے

(سونا اور یاقوت وغیرہ جواہرات اور مروارید عنبر اور مشک عنبر وغیرہ کا کیمیاوی)

یہ دوا نہیں بلکہ سچ مچ کا رشادہ جادو ہے۔ جابر بن حیان جو آٹھویں صدی ہجری میں فن کیمیا کا امام گذرا ہے یہ ان کی ترکیب سے بنایا ہوا جواہرات اور قیمتی ادویات کا مرکب ہے یورپ کے لوگ جس کیمسٹری کہا جاتا ہے وہ بجلی اور تیزاب کی طاقتوں تک محدود ہے یورپ کے سائنٹفک سل کیمیادان میں بھی موتیوں کی خاکستر ہو سکتی ہے مگر وہ خاک ہوتی ہے موتیوں کی طرح نہیں ہوتی مگر جابر بن حیان کے اصول کیمیا کے مطابق جب موتیوں کی روح حاصل کی جاتی ہے اور پھر وہ خاک نہیں ہوتی ایک بجلی ہوتی ہے جو بجلی کی طرح خون میں دوڑ جاتی ہے اور ایک دفعہ تو گویا مردہ کو زندہ کر دیتی ہے۔

اکسیر مرواریدی میں اعلیٰ درجہ مروارید بجا اور دیگر قیمتی جواہرات و قیمتی ادویات کے اجزائے موثرہ سے اس کی طاقتوں کو بڑھایا گیا ہے تو پھر یہ واقعی ایک اکسیر ہوتی ہے۔

اکسیر مرواریدی چند روز میں جسم کی کایا پلٹ دیتی ہے اور عورت اور مرد سبھی کو اپنے معجز نما فوائد سے مسخر کر لیتی ہے۔

اکسیر مرواریدی روح حیوانی کی مقدار کو جو بقائے زیست کے لئے لازمی ہے پیدا کر دیتی ہے۔ جگر اور معدہ کی قدرتی طاقتوں کو بحال کرتی اور جوان کو کامل جوان مرد اور بوڑھے کو جوان کر دیتی ہے۔

اکسیر مرواریدی تازہ اور صاف خون پیدا کرتی ہے اور چہرہ کا رنگ گلاب کی طرح سرخ و سفید کر دیتی ہے۔

اکسیر مرواریدی اعصاب اور دماغ کے لئے بجلی کی طاقتوں کا ایک خزانہ ہے۔

اکسیر مرواریدی مرض اور قوی غذاؤں کو جزو بدن بنا دیتی ہے اور قلب کو ایک عجیب فرحت و سرور سے سرشار رکھتی ہے۔

اکسیر مرواریدی میں کوئی زہریلا یا نشہ آور جزو نہیں مگر وہ بے نشہ کی شراب ہے اور بڑھاپے کے مادہ کو فنا کر دیتی ہے۔

اکسیر مرواریدی بادشاہوں کے استعمال کی دوا ہے

کمزور اور بیمار لوگ اسے دو تولہ تک استعمال کریں مگر جو لوگ زیادہ کمزور نہیں ان کے لئے صرف ایک تولہ کافی ہے۔ قیمت ایک تولہ کی صرف پانچ روپے ہے (عہ) (۳ ماشہ سے کم روانہ نہ ہوگی)

طلائے نایاب

جب کسی قوم کا تمدن انتہا پر پہونچ جاتا ہے تو عیش کے سامان بڑھتے ہیں اور جوانی کی قوتوں کو قائم رکھنے والی چیزیں ایجاد کی جاتی ہیں چنانچہ دہلی اور لکھنؤ کے شاہی دربار میں طب کے اس مخصوص شعبہ یعنی فن عیش کے ایسے بے مثل ماہر جمع ہوگئے تھے جن کے کارناموں نے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ طلائے نایاب ان ہی شاہی طبیبوں کی یادگار ہے۔ **طلائے نایاب** انہیں شاہی اطبا کی محنتوں کا نتیجہ ہے مجھے ایک قلمی کتاب کے ابتدائی صفحہ پر چند قلمی نسخے ملے چونکہ فن طب سے کسی قدر تعلق رکھتا ہوں لہٰذا ان نسخوں کے مفید اجزا کو اور ان کی ترکیب کو دیکھ کر خیال ہوا کہ انہیں بنواؤں اور لوگوں کو بطور تجربہ دوں طلائے نایاب تجربہ سے واقعی بے مثل ثابت ہوا۔ اس قدر قوت پیدا کرتا ہے کہ ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس کی تشریح اس مختصر اشتہار میں دشوار ہے جوانی کی غلط کاریوں اور بے عنوانیوں سے جو ناگہانی نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کو دور کر کے جوان کامل کی طاقت و خوبی پیدا کر دیتا ہے (ہر چہ ترکیب استعمال ساتھ ہوگا۔ قیمت فی شیشی جو ایک مریض کے لئے کافی ہے نو روپے)

بواسیر کے مسوں پر لگانے کی دوا

ریلڑیکا

جرمنی کے ایک مشہور طبی کارخانہ کی بنائی ہوئی

مسرز ایس۔ ایم مرتضیٰ اینڈ سنز امپورٹرز اس دوا کے ایجنٹ ہیں۔ بہت اکثر آدمیوں کو دے کر تجربہ کیا گیا۔ سب نے تعریف کی۔ یہ مرہم سا ہے جس میں بڑی عمدہ خوشبو ہے اور جو نہایت خوبصورت ٹیوب میں بھرا ہوا ہے اسکے ساتھ کسی سفید دھات کی نوزل ہے جسے ٹیوب کے منہ پر چڑھا دیا جاتا ہے اور اس نوزل کے ذریعہ بالکل آسانی اور آرام سے مرہم تمام مسوں تک پہنچ جاتا ہے۔ مرہم بھی قطعی صاف ستھرا رہتا ہے اور ہاتھ بھی مطلق نہیں بھرتا۔ اس دوا کے لگانے سے مسوں کی تکلیف فوراً جاتی رہتی ہے اور دورہ یقیناً رک جاتا ہے اور موجد کا یہ دعویٰ ہے کہ مسوں کی تکلیف پھر عود نہیں کرے گی۔ اور دوا کبھی نہیں پڑے گا۔ قیمت ایک ٹیوب کی پونے دو روپے۔ (علاوہ محصول)

جب ماہواری ایام شروع ہوں

ماہواری ایام کی خرابی جوان اور تندرست عورت کے لئے پیام موت ہے۔ اور ہندوستان میں کروڑوں بے زبان عورتیں جہالت، جبری شرم اور غفلت شعار خاوندوں کی بدولت زندہ درگور ہو رہی ہیں۔ بے اولادی، جوان عورتوں کا قبل از وقت بڑھاپا۔ کمزور بچوں کی پیدائش سب یہ خرابیاں ایام کی وجہ سے ہیں، جن میں ۹۰ فی صدی عورتیں مبتلا ہیں۔

منتھلی کورس ماہواری ایام کی ہر قسم کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے بے مثل دوا ہے۔ منتھلی کورس کا نسخہ مشرقی طب کے سب سے بڑے زندہ طبیب کا خاص عطیہ ہے۔

منتھلی کورس ایام کی بے قاعدگی کے لئے ایک پیٹنٹ دوا ہے۔ جو پچاس سال سے ان کے مطب میں لاکھوں مریضوں پر آزمایا جا چکا ہے اور تیر بہدف ثابت ہوا ہے۔

منتھلی کورس ایام کی بے قاعدگی کو روکنے کا بیمہ ہے۔ منتھلی کورس کی ایک شیشی لیڈی ڈاکٹر کا کام دیتی ہے۔ منتھلی کورس قیمتی اجزا سے ایڈیٹر صاحب پیشوا کی نگرانی میں بنائی جاتی ہے۔ غرضکہ عورتوں کی مخصوص جملہ شکایات کے لئے منتھلی کورس اکسیر ہے۔ قیمت ایک درجن گولیوں کی دو روپے (عہ) (ایک درجن سے کم نہیں بھیجی جاتیں) تمام ادویات منگانے کا پتہ۔

منیجر رسالہ پیشوا دہلی

تصانیف مصور غم علامہ راشد الخیری دہلوی

صبح زندگی ایک دلچسپ ناول کے انداز میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ایک لڑکی کی زندگی کے لئے درس ہے۔ قیمت ۱۲/

شام زندگی یہ صبح زندگی کا دوسرا حصہ ہے یہ عورتوں کو سلیقہ شعاری، خاوند کی اطاعت گزاری سکھاتی ہے۔ دلچسپ ناول ہے۔ قیمت ۱۲/

شب زندگی (ہر دو حصے) اس کتاب میں شادی سے لے کر عورتوں کے آخری دلچسپ ایام اور رت کے قریب کی زندگی اور موت کے بعد کی سرگزشت بیان کی ہے۔ قیمت دو روپے۔

نوحہ زندگی نوعمر حسینہ بیوہ کی وہ درد بھری داستان اور اس کے رنج اپنے کی وہ مصیبتیں درج ہیں جو اس نے اپنے والدین یا درخاندان والوں کے ہاتھوں اٹھائی ہیں۔ قیمت بارہ آنے۔

آمنہ کا لال سرور دو عالم کی زندگی کے کل حالات کو اس کتاب میں نہایت درد آمیز اور مصنفانہ انداز میں لکھا ہے۔ مقبول کتاب ہے قیمت عہ/

منازل السائرہ ایک لڑکی کی زندگی کا مکمل درس خانہ جس کے پڑھنے کے بعد وہ دنیا کے نشیب و فراز میں ایک تجربہ کار سن رسیدہ کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ خاوند کو اپنا دیوانہ بنا سکتی ہے کنبہ اور برادری میں عزت حاصل کر سکتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ/

ستونتی ہلکا افسانہ ہے پڑھنے کو کہانی ہے لیکن اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب ہے۔ قیمت ۴/

سراب مغرب یہ وہ تصنیف ہے جس کا دنیائے نسواں کو مدتوں سے انتظار تھا اور وہ لٹریچر جس کے واسطے بے چین تھا۔ تعلیم نسواں کے مسئلہ میں اس فیصلہ کی اشد ضرورت تھی کہ غیر مسلم ذرائع سے مستفید ہونا کہاں تک جائز ہے۔ حضرت مصنف کا یہ فیصلہ قاطع ہے۔ قصہ اس قدر درد انگیز ہے کہ ہر ہر لفظ کلیجے کے پار ہوتا ہے اور آنکھیں روتے روتے طوفان اٹھا دیتی ہیں۔ سراب مغرب کتاب نہیں جادو ہے جس کو پڑھ کر ہر ناظر ساکت ہو جاتا ہے۔ اکرم کے ہاتھوں آبرو کے باپ کا انجام، فیشن جدید کے نتائج۔ پارٹیز کا حشر۔ ان سب سے تعلق رکھتا ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

الٰہی معشوق علامہ راشد الخیری مدظلہ جہاں داستان غم کہنے سب فرد ہیں وہاں افسانہ ہائے لطف و مزاح بھی ایسے لکھتے ہیں کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ نانی عشو ایسا ہی ہنسانے والا افسانہ ہے جدید و قدیم تہذیب ہر جگہ اس میں ٹکراتی ہے بے انتہا مقبول ہوا ہے۔ قیمت ۱/

قلب حزیں جس میں نسوانی قلب اور دنیا کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ قیمت آٹھ آنے۔

روداد قفس مصیبت زدہ عورتوں کی حمایت میں مولانا کی درد میں ڈوبی ہوئی نظم کی صورت میں ایک داستان ہے جس کا ہر شعر ایک ایک افسانہ ہے قیمت ۲/

سیلاب اشک ہندوستان کے سات گھرانوں کے وہ دردناک حالات جن کے پڑھنے کے بعد عورتوں کو اور ساری دنیا کو ایک عبرت حاصل ہوگی۔ قیمت سوا روپیہ عہ/

شہید مغرب مولانا کا تاریخی درد میں ڈوبا ہوا ناول جس میں مسلمانوں کے مخالفین افسانوں کو مقابلہ میں دکھایا گیا ہے۔ قیمت عہ/

تمغہ شیطانی مولانا کی اصلاحی کتاب جو مذہبی انداز میں لکھی گئی ہے۔ قیمت ۱۲/

جوہر عصمت یہ مولانا کا تیرہ سبق آموز اور دل ہلا دینے والے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ قیمت ۲ عہ آنے۔ ۱۲/

بچہ کا کرتہ یہ ایک غم نصیب ماں کی سرگزشت ہے جس سے اس کا بچہ جدا ہو گیا تھا۔ قیمت ۴/

طوفان اشک مولانا کی جدید تصانیف بیشمار عورتوں کی اندرونی زندگی کے دردناک حالات افسانوں کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں۔

ولایتی نتھنی نانی عشو کی طرح انتہائی پر مذاق اور پر لطف کتاب ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد آپ بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہو جائیں گے قیمت ۸/

نوبت پنج روزہ اس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیں گی پانچویں نوبت وہ ہے جب دہلی نے بادشاہ کو الوداع کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات۔ مجرموں کا ظلم، مظلوموں کی حالت زار۔ مردوں کی بربادی۔ عورتوں کی تباہی اور بادشاہ کے بیہم مصائب ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں۔ بادشاہ کی تصویر اور تین نادر عکسی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ)

سات روحوں کے اعمالنامے اس کتاب میں سات روحوں نے اپنی سرگزشت بیان کی ہے بہت دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۲/

در شہوار ایران کی اس شہزادی کی محبت کی داستان جس نے حسن کی بدولت مصائب برداشت کئے ہیں۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

طوفان حیات وہ رسوم جنہوں نے مسلمانوں کا خاک اڑا دیا ہے کس فصاحت و خوبی سے بیان کی گئی ہیں قیمت عہ/

الیٰن کا دم واپسیں آخری وقت انسان پر جو گزرتی ہے وہ افسانہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۴/

عصمتی دسترخوان ہندوستان کی ماہر خواتین نے تجربے کے بعد اس کتاب کو مرتب کیا ہے اس میں ہر قسم کے کھانے پکانے کے تمام مجرب طریقے درج ہیں۔ قیمت دو روپے ۲/

بیماروں کے کھانے بیمار اور مریضوں کو جو کھانے دینے چاہئیں ان کے طریقے قیمت دس آنے ۱۰/

بچوں کے کھانے ننھے بچوں کے لئے مفید صحت بخش کھانے جن کو کھانے کے بعد بچے بیمار نہیں ہوتے۔ قیمت دس آنے۔

ناشتہ نئی روشنی کے نہایت لاجواب ہر قسم کا ناشتہ تیار کرنے کی ترکیب۔ قیمت دس آنے۔

بیلہ میں میلہ غدر کی ماری شہزادیوں کی آپ بیتی وہ دل ہلا دینے والی کہانیاں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ رنگین بلاک کی کئی تصاویر ہیں۔ قیمت ۱۲/

نسوانی زندگی پر تو علامہ راشد الخیری نے اپنی ہر تصنیف میں عورت کی مختلف حیثیتیں دکھائی ہیں مگر اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ ماں، بیوی، بیٹی، بہن کی ہر حیثیت علیحدہ علیحدہ دکھائی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حیثیت میں عورت ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ:- منیجر رسالہ [illegible] دہلی

شب عروسی کا دوسرا حصہ

عورت

پھولوں کی سیج پر حسن کی رعنائیاں

دیکھنے سے پہلے جسم ناز کے تمام پوشیدہ رازوں سے واقف ہو جایئے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب آپ کتاب عورت پڑھ لیں۔ اس کتاب میں یورپ و امریکہ کی بہترین صنفی کتابوں کا عطر کھینچا گیا ہے۔

عورت کی نسوانی زندگی کا مکمل فوٹو ہے۔ عورت کے پوشیدہ اعضائے جسم عورت کی فطرت عورت کی تربیت عورت کے باغ حسن کی خوشہ چینی غرضکہ عورت کی زندگی کے متعلق کوئی پوشیدہ بات ایسی نہیں جو آپ کو کتاب عورت میں نہ ملے یہ کتاب حقیقتاً عورتوں کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ ہر قسم کے کوک شاستروں سے بے نیاز ہو جائیں گے اس کتاب میں اپنی مرضی کے مطابق اولاد پیدا کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں اس کتاب میں دو سو کے قریب رنگین فوٹو بلاک ہیں اور قلمی تصویریں بھی ہیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی بہت ہی اعلیٰ ہے۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات قیمت دو روپے۔ محصول ۸ر کل ۲/۸

ملنے کا پتہ۔ منیجر رسالہ پیشوا دہلی

شب عروسی کا تیسرا حصہ

ایرانی کوک شاستر

شباب جاودانی کی جستجو ہو تو لذت شباب یعنی ایرانی کوک شاستر کا مطالعہ کیجئے جس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ شباب کو عرصہ دراز تک کس طرح قائم رکھ سکتے ہیں عورت کے تاثرات کیا ہیں حسن کی ملاقات کس طرح لطف اندوز ہونا چاہیئے مگر شباب کس طرح وقت خزاں ہوتا ہے شباب کی روشنی ہوائی دلوں کس طرح ملتی ہے عورت اگر عورت سے اور مرد اگر مرد سے اپنی خواہش پوری کرے تو کیسے خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں لذت شب میں سرستان شباب کو حیات تازہ بخشنے کے لئے تاجداران بنگال اودھ اور رامپور کے درباری طبیبوں کے سیکڑوں سہل الحصول صدری مجربات ہیں جو ہندوستانیوں کو لاکھوں روپے خرچ کرنے پر بھی اور کہیں دستیاب نہیں ہو سکتے۔ لذت شباب کے مطالعہ میں عمر خضر اور شباب جاودانی کا راز پوشیدہ ہے۔ ضخامت تقریباً پونے دو سو صفحات آٹھ بہترین بلاک کی تصاویر اور قیمت صرف ایک روپیہ محصول ۳ر کل ۱/۳

فہرست مضامین اصل کتاب سے معلوم کیجئے

ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ پیشوا دہلی

شب عروسی کا چوتھا حصہ

شب نامچہ عروسی

اس کتاب میں نہایت دلآویز اور پرکیف طریقہ پر ازدواجی زندگی کے تمام پوشیدہ رابطوں اور رازداریوں کو نہایت صفائی و متانت کے ساتھ بیان کیا ہے عورت کی ازدواجی مسرت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ وہ شادی کے متعلق تمام امور سے واقف ہو جائے۔ ہندوستانی گھروں میں سبب میاں بیوی کی زندگی بڑے عذاب میں کٹتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت کو شادی سے پیشتر اپنی آئندہ زندگی کے متعلق ذرا بھی علم نہیں ہوتا اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب صدہا مغربی کتابوں کی ورق گردانی سے لکھی گئی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ نوعمر عورتوں کی صنفی تعلیم کے لئے ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے ایسی صنفی طبی۔ معاشرتی اور اخلاقی کتاب آج تک ہندوستان کی کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ کتاب کا ایک ایک حرف رنگینی معلومات کا چھلکتا ہوا ساغر ہے شب نامچہ عروسی میں گیارہ اعلیٰ درجہ کی فوٹو بلاک کی تصویریں دی گئی ہیں کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت صرف ۱۲ر محصول ۵ر کل ۱۷ر ملنے کا پتہ۔ منیجر رسالہ پیشوا دہلی

اردو میں قرآن مجید کی سب سے آسان تفسیر

ابھی ابھی چھپکر تیار ہوئی ہے

یعنی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کی مقبول عام سورہ بقر کی تفسیر جو عرصے سے نایاب تھی بصرف زر کثیر و اہتمام خاص ہم نے تیار کی ہے۔ اگر آپ کو تمنا ہے کہ اپنی زبان میں کلام الہی کے معارف و حقائق سے آگاہی حاصل کریں تو فوراً منگا لیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اس تحفۂ بے بہا سے غفلت کریں اور یہ ایڈیشن بھی پہلے کی طرح ختم ہو جائے۔ قیمت فی جلد چار روپے۔ گلیز ڈ کاغذ چار روپے ۱۲ آنے۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ پیشوا دہلی

شمسی حساب کی

میلادی جنتری

حضرت خواجہ حسن نظامی کی ایجاد

عیسوی سنہ کی غلامی سے آزادی

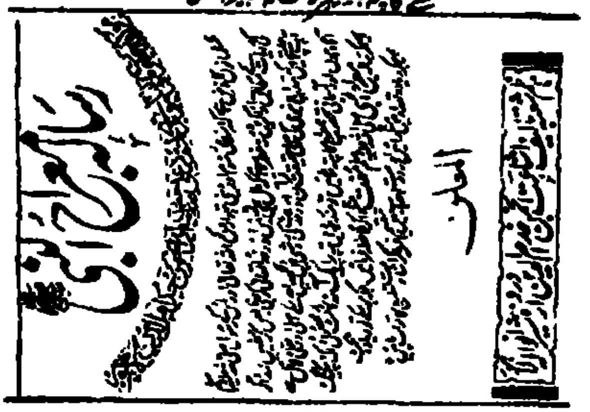
مہینوں اور دنوں کے نام بدل دیئے

کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ

ایک آنہ محصول ڈاک آنے پر مفت دیجائیگی

پتہ

کارکن حلقہ مشائخ بکڈپو۔ دہلی





آستانہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی (اجمیر)



قرطبہ کی ایک مسجد (نارتهستان)

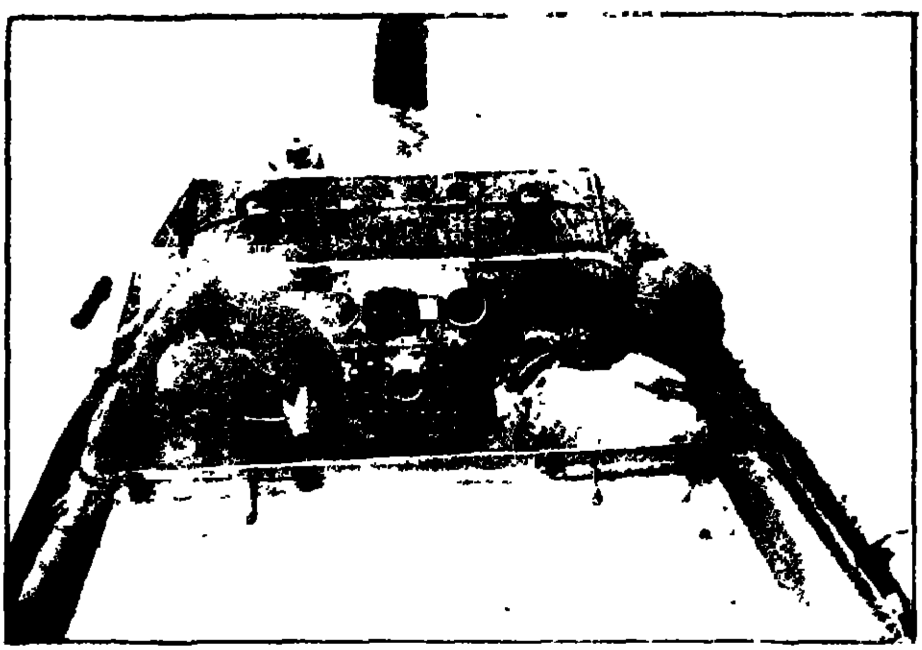


مس فرانس پرنسپل مشن گرل اسکول دہلی جو پچاس سالہ تعلیمی خدمات کے بعد ریٹائر ہوئیں

معراج نمبر رسالهٔ پښتو دهلي ماهنامه نومبر ۱۹۳۱

مقبرهٔ سلطان محمود غزنوی





عرالي سهار سمن سير

سیر ملکوت اور شب معراج

(از جناب مولانا عبد الحلیم صاحب انصاری)

امتوں کو نیابت الٰہی و عبدیت حقیقی کی شاہراہ مقصود پر ڈالنے اور انہیں زیور اخلاق و تہذیب سے آراستہ کرنے کا سررشتہ ہمیشہ اولوالعزم پیغمبروں کے ہاتھوں میں رہا ہے اور انسانی رہبری کا فرض بجا لانے میں یہ مقدس وجود کسی زبردست سے زبردست مادی قوت کی پروا نہیں کرتے۔ ان نورانی شمعوں کو بجھانے کے لئے تمام طاغوتی قوتیں تل جاتی ہیں تاکہ یہ عالم آب و خاک ان انفاس قدسیہ کی برکات سے محروم ہو کر باطل کی سیاہ کاریوں کا آماجگاہ بنا رہے۔ لیکن ایسے بدبختوں کی دوڑ دھوپ کا ہمیشہ یہی حشر ہوا کہ یہ سب درہم برہم گرداب فنا میں ٹکرا ٹکرا کر نیست و نابود ہو گئے اور آفتاب حق کی جلوہ ریزیوں سے تمام عالم منور ہوا۔ جب خدا کے فرستادے پیغام حق پہونچا کر اتمام حجت کر چکتے ہیں اور آواز حق دبانے میں دشمن کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے تو صاحب شریعت پیغمبروں کی زندگی میں ایک موقعہ آتا ہے جس میں انہیں عالم ملکوت کی سیر کرائی جاتی ہے۔ تاکہ یہ روحانی سیر متبعین کے لئے پیام زندگی اور معاندوں کے لئے پیغام موت ہو۔ اس وقت ہٹ دھرم دشمنوں کا صاحب شریعت سے یہ اصرار ہوتا ہے کہ وہ عذاب الٰہی جس سے ہم ڈرائے جاتے ہیں کیوں نہیں لایا جاتا تاکہ ترکش کا یہ آخری تیر بھی ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ رسول کو حکم دیتا ہے کہ غیرت حق کا پیمانہ صبر اب لبریز ہو گیا تم جمعیت حقہ کو ہمراہ لے کر سرزمین امن میں چلے جاؤ کیونکہ سچائی کے راستہ میں حائل ہونے والی تمام قوتوں کے فنا ہونے کا وقت آگیا ہے اور یہ عالم آب و گل اب کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہو جائے گا۔ یہ سیر ملکوت صاحب شریعت پیغمبروں کی زندگی کا جزو لاینفک رہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی یہ منزلت حاصل ہوئی جس کی گواہی قرآن حکیم نے ان الفاظ میں دی ہے

كذالك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض

ایسے ہی ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کی بادشاہت کی سیر کرائی۔

حضرت موسیٰ کو طور سینا پر خدا سے ہمکلامی کا منصب حاصل ہوا وہ قوانین شریعت، بشارات اور آیات و بینات لے کر مصر میں تشریف لائے۔ قوم فرعون نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ ایمان لانے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ حضرت موسیٰ نے پیغام حق پہونچانے اور فرعونیوں کو معجزات دکھلانے میں حجت پوری کر دی لیکن ان میں سے کوئی بھی حق کی طرف نہیں جھکا۔ خدا کا حکم ہوا مسلمانوں کو لے کر طور سینا پر آؤ اور فرعون دعوائے انانیت و ہمہ‌ہمی کے باوجود دریائے نیل کی موجوں میں ڈبو دیا گیا۔

سرزمین عرب میں آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عرصہ تک لوگوں کو پیغام حق سنایا اور تن تنہا چند سعید روحوں کی معیت میں کفار قریش کی دراز دستیوں سے سینہ سپر ہوتے رہے یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ عالم قدس کا تاجدار سیاحت ملکوت سے نوازا گیا۔ اور اُن کی رسائی اس سرحد تک ہوئی کہ آج تک کسی فرزند آدم کا قدم وہاں تک نہیں پہونچا۔ جس طرح قوم فرعون کے غرق ہونے اور حضرت موسیٰ کے طور سینا کی طرف بنی اسرائیل سمیت ہجرت کرنے سے دین موسوی کی تکمیل اور دور امن کا آغاز ہوا ٹھیک اسی طرح حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا سیر ملکوت سے سرفراز ہونا اور مکے سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا امت محمدیہ کے لئے آیہ رحمت ثابت ہوا۔ نیز دین الٰہی کی تاسیس و تکمیل کے لئے جن نعمتوں کی ضرورت تھی وہ خلوت گاہ راز سے عطا کی گئیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم وہ واقعات مختصراً بیان کریں گے جو اس نفس عنصری کے ساتھ بحالت بیداری آنحضرت کو پیش آئے اور جن کے متعلق قرآن حکیم نے سورہ بنی اسرائیل کی ان شروع آیات میں اشارہ فرمایا ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔

پاک ذات ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو رات کے وقت میں مسجد کعبہ سے مسجد بیت المقدس تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے دینی و دنیوی برکتیں نازل کی ہیں تاکہ ہم اس کو قدرت کی عجیب چیزیں دکھلائیں۔ بیشک وہ رب العزت سننے دیکھنے والا ہے۔

بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں دیکھا کہ مکان کی چھت کھلی حضرت جبرئیل چند فرشتوں سمیت نازل ہوئے آپ کو جگا کر پہلے وہ چاہ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں

سینہ چاک کرکے قلب اطہر آب زمزم سے دھویا۔ ایک سونے کا طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا۔ جبرئیلؑ نے طشت سے ایمان و حکمت کا خزانہ لے کر سینۂ مبارک میں رکھ دیا۔ اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا براق نامی ایک جانور لایا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ اس پر سوار ہو کر عجائب قدرت دیکھتے ہوئے آپ بیت المقدس آئے مسجد اقصیٰ میں دو رکعت نماز ادا کی۔ یہاں سے نکلے تو جبرئیلؑ نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کئے آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ پھر جبرئیلؑ آنحضرتؐ کو لے کر آسمان پر چڑھے تو ایک بزرگ نظر آئے جن کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیاں تھیں جب وہ داہنی طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو روتے تھے آپ کو دیکھ کر وہ بولے مرحبا اے نبی صالح فرزند صالح۔ حضرت جبرئیل نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ حضرت آدمؑ ہیں ان کی داہنی جانب اہل جنت کی ارواح ہیں اور بائیں جانب دوزخی اولاد ہے اپنی جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ادھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں۔ اسی آسمان میں آپ کے سامنے دو نہریں نظر آئیں۔ پوچھنے پر جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ نیل و فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لولو دربرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک کی تھی جبرئیل نے کہا یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ کے لئے رکھا ہے۔ اسی طرح ہر آسمان پر گذرتے گئے اور ہر آسمان میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کرکے جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے آواز آئی اے موسیٰؑ اس رونے کا سبب کیا ہے موسیٰؑ نے عرض کیا خداوندا میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار نئے فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی اور اس مقام تک پہونچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپ سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے اس درخت پر شان ربانی کا پرتو تھا جس نے آکر جب اس کو چھپا لیا تو اس کی ہیئت

معراج کی رات

(از علامہ سر محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی)

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہ یک گام ہے ہمت کے لئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہو گئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور رنگ برنگ کے وہ نور نظر آئے جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہونچ کر حضرت جبرئیل اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں راز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس وقت آپ کو بارگاہ خاص سے تین عطیے مرحمت ہوئے سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے۔ رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدی میں ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو کرم مغفرت سے نوازا جائے گا اور ندا آئی امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئیں۔ آپ ان عطیات کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰ کے پاس پہونچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ ایزدی سے کیا لائے فرمایا امت پر پچاس وقت کی نماز حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے آپ کی امت سے یہ بار اٹھ نہ سکے گا۔ آپ واپس جائیے اور عرض کیجئے۔ حضرت موسیٰؑ کے مشورہ سے بار بار دربار الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نماز رہ گئی۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر مزید تخفیف کا مشورہ دیا لیکن آپ نے فرمایا اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ ندا آئی کہ اے محمد میرے حکم میں تبدیلی نہیں نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دہ گونہ دوں گا۔ یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی۔ میں نے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔ ہنوز رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ سیر ملکوت ختم کرا کر آپ آرام گاہ خاص میں پہونچا دیئے گئے۔

عالم قدس کے یہ واقعات ظاہر بینوں کی نظر میں ضرور تعجب انگیز تھے اسی لئے علی الصباح لوگوں سے جب آپ نے ذکر فرمایا تو کفار نے تکذیب کی اور بیت المقدس متعلق ثبوت طلب کرنے پر آپ نے وہاں کا ہو بہو نقشہ بیان کر دیا۔ شب معراج کی سیر کے یہ جستہ جستہ واقعات صحیح روایتوں سے لئے گئے ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر ماہرین اسرار و حکم بزرگوں کی توجیہات بھی مختصراً تحریر میں

آجائیں تاکہ حقائق و معارف کی روشنی سے ہماری نارسا فہم و ادراک مستنیر ہوں۔ علمائے محدثین اور صوفیہ میں حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کا پایہ بہت بلند ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں حضور ممدوح نے واقعات معراج کی عجیب و غریب حکمتیں ارقام فرمائی ہیں۔ اسرار و غوامض کے چہرہ سے پردہ اٹھانے میں ہر شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا معمولی تگ و کاوش میں پڑنے کی بجائے ہم اس نادیدہ شہرستان کے سیاح حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی بیان کردہ حکمتیں تہذیب پر اکتفا کرتے ہیں۔

سینہ چاک کرکے ایمان و حکمت سے معمور کرنے میں طبیعت بشری کا شعلہ بجھنے اور انوار ملکیت کے غالب ہو جانے کی طرف اشارہ تھا تاکہ فیضان حظیرۃ القدس قبول کرنے کے لئے طبیعت ذیا نسر دا ہو جائے۔ براق کی سواری میں روح حیوانی پر نفس ناطقہ کا سنبیا حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے گویا آنحضرت اس طرح سوار ہو گئے کہ روح حیوانی پہ روح بشری کے احکام نے غلبہ پا لیا۔ مسجد اقصیٰ شعائر انبیٰ کے ظہور کی مکان ملاء اعلیٰ کے ارادوں کا تعلق گاہ اور انبیاء علیہم السلام کی تجلیات کا نظارہ گاہ ہے اس لئے اس سیر ملکوتی میں آپ یہاں پہونچے اسی قصے میں اکٹھے ہو کر پیغمبروں نے حمد و ثنا کے بعد باری باری جو اپنے مفاخر بیان کئے۔ اس سے یہ بتلایا گیا کہ تمام انبیا خطیرۃ القدس کے ایک ہی رشتہ میں مربوط ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں اُن حیثیات کمال کا بیان فرمایا جو تمام پیغمبروں کے مقابلہ میں آپ سے مخصوص تھیں۔ آسمانوں پر یکے بعد دیگرے چڑھنے میں حکمت تھی کہ عرش الٰہی تک درجہ بدرجہ منزلیں طے کی جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا ازراہ حسد نہ تھا بلکہ وہ تمثیل تھی کہ انہیں دعوت عامہ نہیں ملی اور اس کمال کی بقا انہیں نہیں حاصل ہوئی۔ جو عموم دعوت سے ہوتی۔ سدرۃ المنتہیٰ کا شکل میدانی میں نمایاں ہونا اس لئے ہوا کہ اجمالی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہونی چاہیئے تھی جس طرح کلی اپنے افراد کی سیاست کرتی ہے اور اجمالی تدبیر کی

بہترین شبیہ درخت ہے نہ کہ حیوان۔ کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں۔ علی الخصوص اس میں ارادہ قوانین طبعی سے زیادہ مصرح صورت میں ہوتا ہے۔ نہروں کی جڑوں اور سوتوں کا وہاں نظر آنا اس لئے تھا کہ یہ چیزیں رحمت و حیات اور نشوونما کا منبع ہیں اور عالم ظاہر کی طرح عالم ملکوت میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔ لہٰذا وہاں بھی بعض بعض امور عالم آب و خاک کی طرح نظر آئے۔ جن انوار نے سدرۃ المنتہیٰ کو چھپا لیا تھا وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانیہ ہیں جو عالم ظاہر میں بھی لوگوں پر اُن کے حسب استعداد جہاں جہاں مناسب ہوتا ہے چمکتے ہیں۔ بیت معمور کی حقیقت وہ تجلی الٰہی ہے جس کی طرف انسانوں کے سجدے اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں اور گھر کی صورت میں اس لئے نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں۔ دودھ پسند فرمانے میں اشارہ تھا کہ دنیاوی لذتوں اور گمراہیوں کے مقابلہ میں آپ کو امت کے لئے دین فطرت کی مقدس تعلیمات پسند ہیں بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نماز مقرر کرنے اور بلحاظ ثواب پچاس وقت کی نماز کا حکم بتدریج دینے میں یہ حکمت تھی کہ تنگی دور کر دی گئی اور نعمت پوری ہو گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ سے منسوب ہو کر یہ بات اس لئے ظاہر ہوئی کہ پیغمبروں میں امت کا تجربہ اور امت کی سیاست کی آگاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے زیادہ تھی۔

یہ مضمون جس حالت میں بھی لکھا جا سکا حتی الوسع اس کی کوشش کی گئی کہ تمام اہم پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے لیکن اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو میں محترم قارئین سے چشم پوشی کا خواہاں ہوں۔ حضور سرور کونین شہنشاہ دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدولت جو دینی و دنیوی برکتیں اور رحمتیں ہم پر مبذول ہیں اُن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا میں اپنا مضمون اس شعر پر ختم کرکے قارئین کرام سے دعائے خیر کا طالب ہوں۔ فقیر اقوم بتکوما اولیتی :: والقول فیک علو قدر القائل ::

تجلیات شب اسریٰ

(لسان الحسان حضرت مولانا ضیاء القادری صاحب بدایونی)

شب اسری ہے دل یادِ رخِ محبوبِ داور میں
ہے شام وصلِ سبحٰن الذی اسری جہاں بھر میں
تجلی عرش کی ہے جلوہ آرا ہفت کشور میں
نرالے ساز و ساماں مسرت ہیں جہاں بھر میں
بیاضِ دہر ہے تفسیر نورٌ فوق نورٍ کی
اتارے ہیں ستارے چرخ نے بطحیٰ کے ذرّوں پر
بنے ہیں درۃ التاج سعادت اختر و انجم
نہ کیوں رشکِ دُرِ خوش آب ہو ہر قطرۂ شبنم
ہے اطلاق علی العرش استوی جس نورِ مطلق پر
حریم عرش پر ہیں دعوتِ محبوب کے ساماں
عجب عالم درِ عالمِ خلد کی ہے شانِ آرائش
فرشتے خیرمقدم کے ترانے گاتے پھرتے ہیں
درِ جنت پہ ہیں بہر سلامی صف بصف حاضر
چلے آتے ہیں قدسی سوئے کعبہ عرشِ اعظم سے
ہے جبریلِ امیں کو حکم جائیں جانبِ کعبہ
مبارکباد سلطانِ دو عالم عرش پر چلئے
یہاں اپنے خدا کے ساتھ استغراق کامل ہے
قُم قُم یا حبیبی کتنا میٹھا ہے ادھر لب پر
بصد تعظیم تلووں سے جبیں جبریلؑ ملتے ہیں
ادھر روح الامیں ہیں مضطرب بیدار ہوں آقا
غرض چشم خدا بیں کھول دی کچھ ہنس کے فرمایا
قدم فرطِ ادب سے حضرت جبریلؑ نے چومے
سواری کو براقِ برق وش حاضر کیا لا کر
صدا آئی کہ بسم اللہ سُبحٰنَ الَّذِی اَسریٰ

شبینہ ختم قرآں کا ہے آج اللہ کے گھر میں
شب معراج آئی۔ ہے خدائی رات ہر گھر میں
سحر تک شام سے ہے لامکاں کا نور ہر گھر میں
مچی ہے عید معراجِ نبی کی دھوم ہر گھر میں
ہیں اوراقِ جہاں لپٹے ہوئے رحمت کی چادر میں
کیا ہے چاند کو افلاک نے صدقے نچھاور میں
ہے شاہی عالمِ انوار کی شب کے مقدر میں
کہ پچھلی رات ہے بھیگی ہوئی ہے آبِ گوہر میں
شب معراج ہے وہ انتظارِ دیدِ سرور میں
نئی آرائشیں ہیں لامکاں تک راستہ بھر میں
لگے ہیں آئینہ رحمت کے ہر دیوار ہر در میں
ہے شورِ مرحبا سبوحیانِ خلد و کوثر میں
قبائیں حور و غلماں نور کی پہنے ہوئے بر میں
ملائک سر بسجدہ آج ہیں اللہ کے گھر میں
کہیں آداب سے یہ خدمتِ محبوبِ داور میں
میں صدقے یاد ہے سرکار کی دربارِ داور میں
نظر میں خواب کا عالم ہے دل ہے یادِ دلبر میں
ادھر یہ منہ لپیٹے ناز سے سوتے ہیں چادر میں
کہ ہو محسوس کچھ ٹھنڈک کفِ پائے منور میں
ادھر یہ سب ادائیں ہیں نگاہِ بندہ پرور میں
جلالِ حق کی اک بجلی سی کوندی ہفت کشور میں
پیامِ حق سنایا خدمتِ محبوبِ داور میں
لیا نورِ خدا نے آپ کو آغوشِ اطہر میں
چلے کعبہ سے تا بیت المقدس آئے دم بھر میں

یہاں سب انبیائے ماسبق نے پیشوائی کی
پڑھا ہر اک نے اپنی صفات خاص کا خطبہ
یہاں سے ہوکے فارغ عالم افلاک تک پہونچے
قریب عرش پہونچے حالت نار وجناں دیکھی
سنی آواز پیہم اُدْنُ منی یا محمدؐ کی
ہوا قوسین میں یہ اتصال کثرت ووحدت
عطیات الٰہی سے وہ اعزاز وشرف پایا
ازل کی دولتیں پائیں ابد کی نعمتیں پائیں
ہوا فرمان ! تممت علیکم نعمتی صادر
بھرے امت نے خاطر خواہ سب دامن میں جن جن کر
ہوئی تسکین خاطر بخشش امت کے وعدہ پر
تقرب کے مدارج صاحب معراج طے کرکے
بنا رش اس سفر میں فرش پا انداز کی صورت

نماز شب ادا کی اقتدائے ذات سرور میں
ہوئے مصروف سب حمد وثنائے رب اکبر میں
نئے منظر نظر کے سامنے تھے راستہ بھر میں
ہوئے داخل در قوسین سے دربار داور میں
تقاضا قرب کا ہوتا رہا ہر آن دیگر میں
اٹھا راز جزو کل گم ہوا قطرہ سمندر میں
ازل سے تا ابد ممکن نہ تھا جو بخت دیگر میں
غرض سب کچھ ملا تھی کیا کمی اللہ کے گھر میں
خدا نے جمع کر دیں خوبیاں سب ذات برتر میں
گرے جو مغفرت بے عرش سے موتی نچھاور میں
ملا عیش ابد ان نعمہائے روح پرور میں
حریم لامکاں سے آ گئے اللہ کے گھر میں
زمین سے عرش تک آنے گئے سرکار دم بھر میں

ضیا یوں طے ہوا دم بھر میں وقفہ آمد وشد کا
تھی جنبش میں ابھی زنجیر اور گرمی تھی بستر میں

سیدہ فاطمہ کا لال

کربلا کے میدان ستم میں خاندان رسالت کی بربادی اور سرزمین نینوا کے جلتے ہوئے ریگستان میں حامی شہیدوں کی بے گور و کفن لاشوں کے تڑپنے کا خونچکاں مرقع میں کھینچا گیا ہے کتاب کیا ہے؟ کربلا کے المناک واقعات کی منہ بولتی تصویر اور عہد نبوت وخلافت کی وہ دردناک اور مکمل تاریخ ہے جس کا ایک

مظلوم کربلا ایک حرف محبان اہلبیت کے دامن کو اشک خونیں سے سرخ کر دیتا ہے۔ دنیائے ادب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دریائے فرات کے کنارے بے کسی و مظلومی کے الم انگیز نظارے **مظلوم کربلا** کے مصنف سے زیادہ چابک دستی کے ساتھ آج تک کسی نے صفحہ قرطاس پر نہیں کھینچے۔ اگر روتے روتے ہچکیاں نہ بندھ جائیں تو واپسی کتاب کی شرط ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ گزشتہ پرچہ کے ایک اشتہار پر دو سو کتاب فروخت ہو چکی ہے۔ چاروں طرف سے تعریفی خطوط آرہے ہیں فوراً منگائیے۔

مشترکہ شیعہ سنی پلیٹ فارم اس کتاب نے اسلام کے ان دو بڑے گروہوں کے درمیان تیرہ سو برس کے بعد ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا ہے اس میں بغرجانب داری کے تمام واقعات پر تاریخ کی روشنی میں مدلل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب شیعوں کے لئے قابل دید ہے اور اہل سنت کے لئے بھی۔ سرور کائنات کی وفات کے بعد حضور مولا علیؑ کا خلافت سے محروم ہونا خلیفہ ثالثؓ کے عہد میں بنو امیہ کی ناپاک ریشہ دوانیاں جنگ جمل وجنگ صفین کے انقلابات معاویہؓ میں شام میں پولیٹکل چالیں مروان کی فتنہ طرازیاں حضرت امام حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری یزید کی پرفریب ولیعہدی بیعت یزید پلید سے امام عالیمقام کا انکار نزد رسول کی جوار رسولؐ سے جدائی حضرت مسلم بن عقیلؑ کی روانگی کوفہ کوفیوں کی غداری حضرت مسلمؑ اور ان کے بچوں کی دردناک شہادت مظلوم کربلا میدان کربلا میں۔ جوار رسولؐ کے بہتر غریب الوطن مسافروں کا یزید کی ۲۰ ہزار فوج سے مقابلہ حضرت امام مظلومؑ کی تقریریں میدان جنگ میں کربلا میں بستان زہراؑ کے گل بوٹوں کی پامالی۔ ناموس محمدؐ سے کلاگوئیوں کا کافرانہ سلوک حضرت امام زین العابدینؑ دربار شام میں عترت رسولؐ کی واپسی مدینہ قاتلان حسینؑ کا عبرتناک انجام غرضکہ کتاب ہر حیثیت سے اردو میں بہترین اضافہ ہے۔ میر انیس و مرزا دبیر کے دردناک مرثیے اس کتاب "مظلوم کربلا" میں جس خوبی کے ساتھ منتخب کئے گئے ہیں اس نے کربلا کی الم انگیزی میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے علاوہ ازیں مراثی انیس کی جدت نے تو قیامت برپا کر دی ہے ضخامت ڈھائی سو صفحات سے زائد اچھی لکھائی چھپائی سفید چکنا کاغذ کربلا کے مقدس مقامات کے فوٹو۔ قیمت ان تمام مصارف کثیر کے مقابلہ میں بہت ہی کم یعنی عہ محصول ۲ر کل عہ

ملنے کا پتہ۔ منیجر رسالہ پیشوا دہلی

مسلمؑ سے خطاب

(فردوسی اسلام جناب مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری)

اے مسلماں! اے شہنشاہ دو عالم کے غلام　　نام تیرا صفحۂ ہستی پہ اک نقش دوام
تیری شان عبادت تیرا ذوق نماز　　بارک اللہ اے رضا جوئے خدائے بے نیاز
تیری پیشانی پہ سجدے کے نمایاں نقش کو　　ہاتھ میں تسبیح لرزاں اور ہونٹوں پر درود
ذات پر تیری شریعت کو زمانہ میں ثبات　　تجھ سے باقی ہیں جہاں میں روزے حج و زکوٰۃ
سلسلہ لیکن یہیں پر ختم ہو جاتا نہیں　　تجھ پہ اس سے بھی زیادہ اور کچھ فرض ہے
دیکھ اتنے نور پر بھی کس قدر ظلمت میں ہے　　ان کی سیرت پر نظر کر جن کی تو امت میں ہے
کس نے پائی راہ آزادی دکھانے کے لئے　　وہ تو آئے تھے غلامی کو مٹانے کے لئے
غار ثور میں کو سمجھ انصار کی آیات دیکھ　　غور سے تاریخ پڑھ اور منظر غزوات دیکھ
حجرۂ نبوی میں آ اور درس تعلیم بھی دیکھ　　غزوۂ خندق میں آ ان کی شان بردباری بھی دیکھ
سجدۂ حق کیلئے شان عبادت بھی دیکھ　　بدر کے میدان میں آ ان کی رزم آرائی بھی دیکھ
باطل و حق کا احد میں حشر زا منظر بھی دیکھ　　چہرۂ پرنور کو ان کے لہو میں تر بھی دیکھ
کفر و اسلام کی طائف میں آویزش بھی دیکھ　　پتھروں کی ان پہ پیہم بیدردانہ بارش بھی دیکھ
ان کے بستر کا ذرا کلفت فزا عالم بھی دیکھ　　حضرت فاروقؓ کی پھر آنکھ پُر نم بھی دیکھ
مسجد نبوی میں آ انبار مال و زر بھی دیکھ　　اور پھر جا فاطمہؓ کی چادر بھی دیکھ
کھل گیا اب تجھ پہ راز اتباع مصطفیٰ　　اب تو سمجھا تو کہ تیرا فرض ہے دنیا میں کیا
ہاں میں کچھ توضیح کر دوں اور ان اسرار کی　　آ بتا دوں تجھ کو راز عظمت دین نبی
کفر ہے مذہب میں تیرے عشرت دنیائے دوں　　وقف ہونا چاہیئے حق کیلئے مسلم کا خوں
پھول ہے اللہ جبر و ظلم کا اک شرار　　موت کیا ہے زندگی کا ایک جام خوشگوار

تجھ کو باطل کی قوت سے الجھنا چاہیئے　　موت کے کانٹوں کو فرش گل سمجھنا چاہیئے
دیکھ ہو جائے نہ رسوا عظمت دین مبیں　　غیر کے در پر نہ جھک جائے کہیں تیری جبیں
در محکومی بنا دیتا ہے انساں کو ضعیف　　حریت سے ہے عبارت عظمت دین حنیف
ہر پرستار خدا آزاد ہے آزاد ہے　　حریت اسلام کی بنیاد ہے بنیاد ہے
گرم بازاری جہاں میں ہے ہوا استبداد کی　　پھر گلے پر چل رہی ہے آہنی چھری
پھر مٹانا چاہتا ہے حق کو باطل کا شکوہ　　پھر مسلط ہو گیا دنیا پہ شیطانی گروہ
چھڑ گئی ہے پھر لڑائی کفر اور اسلام سے　　بند ہے امن و اماں کی راہ مسلم کے لئے
دیکھ لگ جائے نہ بٹہ دین حق کے نام کو　　سر بکف آ پھر ضرورت ہے تری اسلام کو
خانقاہوں کے سکون راحت فزا سے گذر　　یعنی پھر لبیک کہہ تلوار کی جھنکار پر
خاک آزادی سے محکومی کے دریا پاٹ دے　　یعنی تو نخل غلامی کی جڑوں کو کاٹ دے
پھر جھکا دے حق کے دروازہ پہ سر باطل کا　　پھر حنین و بدر کے منظر جہاں میں پیش کر
پھر مٹا دے کفر کی بنیاد مرحب کو بچھاڑ　　پھر دکھا ایماں کی قوت پھر در خیبر اکھاڑ
پھر ملا دے خاک میں شان غرور کافری　　کفر کی دنیا پہ چھا بنکر جلال حیدری
درس قربانی کا جوش جرأت خالدؓ سے لے　　وقت ہے پھر موت کے دریا میں گھوڑے ڈال دے
دل تو کیا باطل کی تھرا دے جہان رنگ و بو　　کفر کے میدان میں تیغ غزنوی بنکر چمک
ہے شکستہ جو دنیا کے لئے اک بہتری　　امن کی تعمیر ہے تخریب استبداد کی

پھر زمانہ منتظر ہے امن کے پیغام کا
پھر تحفظ کر خدارا حرمت اسلام کا

دورِ نبوت اور خلافت کے اہم واقعات

(مورخ اسلام جناب مولانا خلیل احمد صاحب سابق ایڈیٹر الہلال)

(۱) بعثت سنہ ۱۰ میں وفات حضرت ابوطالب اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات حضورؐ نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا تھا۔

(۲) بعثت سنہ ۱۲ میں آپ کو جسمانی معراج ہوئی اس طرح پر کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔

(۳) سنہ ۲ھ میں حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا۔

(۴) اسی سال مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز کا حکم نازل ہوا۔ سولہ مہینوں سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جا رہی تھی۔

(۵) سنہ ۶ھ میں ملوک و امراء کو حضورؐ نے خطوط بھیجے جس میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

(۶) سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد تبلیغی وفود قبائل میں بھیجے تاکہ اسلام کی اشاعت ہو۔

(۷) سنہ ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا حضرت علیؓ نے سورۂ توبہ مشرکین کو سنائی۔

(۸) سنہ ۹ھ میں شوکت اسلام بہت کچھ بڑھ چکی تھی لوگ جوق در جوق مشرف باسلام ہونے لگے تھے۔

(۹) سنہ ۱۰ھ میں حضورؐ نے نصاریٰ کی مباہلہ کی دعوت قبول کی تھی اس کا بھی ذکر قرآن میں ہے۔

(۱۰) سنہ ۱۰ھ میں حضورؐ نے حضرت علیؓ کو ملک شام دعوت اسلام کے لئے بھیجا جہاں بڑی کامیابی ہوئی۔

(۱۱) سنہ ۱۴ھ میں پہلی مرتبہ بصرہ کی ڈالی گئی

(۱۲) سنہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ نے بعض فارسیوں کے مشورہ سے دفاتر قائم کئے۔

(۱۳) سنہ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے مسجد حرام میں توسیع کی۔

(۱۴) سنہ ۱۸ھ میں حجاز میں سخت قحط پڑا۔ عمرؓ نے اپنے عمال سے امداد طلب کی تھی۔

(۱۵) سنہ ۱۸ھ میں طاعون عمواس شام میں پھیلا جس میں مشہور صحابی ابوعبیدہؓ اور ۲۵ ہزار آدمی نذر اجل ہوئے۔

(۱۶) سنہ ۱۸ھ میں عمرؓ شام تشریف لے گئے اور میراث تقسیم کی۔

(۱۷) سنہ ۲۵ھ میں عثمانؓ نے حضرت ابوذر غفاری کو جلاوطن کر دیا تھا۔

(۱۸) سنہ ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کو اختلاف نسخ قرآنی کی خبر ملی تو آپ نے اپنی زیر نگرانی مصحف الٰہی کی کتابت کرائی اور اس کے پڑھنے کی اجازت دی، اسی لئے مصحف عثمانی کہا جاتا ہے۔

———

شبِ معراج

(از جناب مولانا ظفر علی صاحب بی اے مدیر زمیندار)

عشق مہمان ہوا حسن کے گھر آ چکی رات
جذبۂ دل ہے بآغوش اثر آ چکی رات

اپنے اللہ سے ملنے کے لئے جاتا ہے
اپنے اللہ کا منظور نظر آ چکی رات

بخت بیدار نے دی دولت سرمد کی نوید
کیوں نہ آنکھوں میں کٹے تا بسحر آ چکی رات

چاند کیا چیز ہے، سورج کی حقیقت کیا ہے؟
پر تو ذات سے روشن ہے نظر آ چکی رات

ماہ و انجم نے سر راہ بچھا دیں آنکھیں
کیونکہ ہے ناقۂ اسریٰ کا سفر آ چکی رات

کہکشاں جلوہ فشاں ہے کہ اسی رستے سے
ہونے والا ہے محمدؐ کا گذر آ چکی رات

لائی ہے گوندھ کے خود جس کو خدا کی رحمت
ہے وہ سہرا شہ لولاک کے سر آ چکی رات

مل گئی دونوں جہانوں کے خزانے کی کلید
اپنے معراج کو پہنچا ہے بشر آ چکی رات

———

معراج کی آیتِ کبریٰ

(از جناب مولانا مولوی سید قریش صاحب شفقتی ارباردی)

معراج نام ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس سیرِ ملکوت کا جو آپ کو آغازِ نبوت کے ایک خاص وقت و محدود ساعت میں ہوئی تھی جہاں کے روحانی مشاہدات و مناظر، ملکوتی آیات، مظاہر، عجائب درماندۂ انسان کے دائرۂ محسوسات و تعقلات کی سرحد سے باہر ہیں اور جن کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل و فہم بیچارہ و درماندہ باقی ہے۔ لاریب آپ کو معراج ہوئی، اور یہ ایک حقیقت تھی۔ کس حال میں ہوئی اور اس کی صحیح کیفیت کیا تھی، اس کا سمجھنا ہماری عقلِ درماندہ اور فہمِ نارسا کے لیے دشوار ہی نہیں غیر ممکن ہے۔ بہر حال آپ کو معراج ہوئی، اور یہ ایک واقعہ تھا، خواہ کسی حال میں بھی ہو۔

معراج لغتہً "عروج" سے مشتق ہے۔ اس کے معنی "اوپر چڑھنے" کے ہیں، چونکہ احادیث میں خود حضورؐ کی زبانِ مبارک سے لفظ "عُرِجَ بِی" جس کے معنی "مجھ کو اوپر چڑھایا گیا" مروی ہے۔ اسی لیے اس واقعۂ محیر العقول کا نام معراج پڑا۔

ایک عام خیال جو واقعۂ معراج کی حیرت انگیزی اور ناقابلِ تسلیم ہونے میں اضافہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ کارخانۂ کائنات اسباب و مسببات، اور علل و معلولات کے ایک خاص پروگرام سے چل رہا ہے، جس میں تغیر و تبدل راہ نہیں پاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چند قدم کی مسافت طے کرنے کے لیے بھی انسان پیدل، لڑیا گھوڑا گاڑی، رہی وسیلہ کا محتاج ہوتا ہے۔ پھر جس قدر بُعدِ مسافت ہوتا ہے، اُسی قدر اس کے طے کرنے میں وقت بھی صرف ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کس طرح باور کر لیا جائے کہ آنحضرت صلعم بلا کسی مادی وسائل کے استعمال کے چشم زدن میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ اور پھر مسجدِ اقصیٰ سے عالمِ روحانی کے اس بلند و بالا مقام تک پہنچ گئے، جہاں کوئی انسان تو کیا ملائک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے؟

سلسلۂ علل و اسباب اور اشیاء کے خواص و آثار ہی کے اصول و قوانین کا نام حکما و فلاسفہ کی قائم کردہ اصطلاح میں قوانینِ فطرت ہے، جن میں تخلف محال سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ہم نے مٹی کے ایک ڈھیلے کو اوپر پھینکا اور وہ اپنی طبعی ثقالت کی وجہ سے نیچے آ رہا، جب ہم نے چند بار یہی تجربہ کیا کہ وہ فضا میں معلق نہیں رہتا تو یہ فیصلہ کر لیا کہ جرِ ثقیل ایک قانونِ فطرت ہے۔ عام انسانی مشاہدہ یہ ہے کہ انسان کے ایک سر، دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ اور دو پاؤں، اور ہر ہاتھ، پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں، اس لیے ہم نے یہ کلیہ قائم کر لیا کہ ہر انسان کو اسی طرح پیدا ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہی قانونِ قدرت ہے۔

لیکن غور کرو، جن چیزوں کو تم نوامیسِ فطرت یا قوانینِ قدرت کہتے ہو اور جو بزعمِ خود علل و اسباب، قویٰ و خواص کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں کہ کسی ایک جزو کا اُس کی گرفت سے باہر ہونا غیر ممکن معلوم ہوتا ہے، واقعات و مشاہدات کی کسوٹی پر ان کی کیا کیا حالت ٹھہرتی ہے۔

ایروپلین (ہوائی جہاز) کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر ناقابلِ تصور اور غیر ممکن بات تھی کہ جرِ ثقیل کے قانونِ فطرت کے خلاف ہم لوہے کی کیل و پرزوں کے ساتھ بایں کثافت جسمانی فضائے آسمانی میں تیرتے پھریں گے، اور سالہا سال کی مسافت مہینوں بلکہ دنوں میں طے کریں گے۔

تاریخِ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھو تو معلوم ہوگا کہ قدرت کے مستثنیات کی کوئی انتہا نہیں، اور سینکڑوں بچے تمہارے زعومہ قانونِ قدرت کے خلاف پیدا ہوئے، اور ہو رہے ہیں، پھر بتاؤ کہ تمہارے مصطلحہ قوانینِ فطرت میں یہ کس قانون کے ماتحت ہیں۔

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ صرف دو کی جگہ چار ہاتھ، پانچ پانچ کے عوض دس دس انگلیاں، اور ایک کی جگہ دو سر ہی قدرت کے مستثنیات میں نہیں ہیں، بلکہ اب تو تبدیلِ جنس ہی ہو رہی ہے، عورت ایک مکمل نسائی خصوصیات کی حامل ہونے کے بعد مرد بن جاتی ہے، اور مرد اپنی تمام صفات مختصہ کھو کر عورت کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے، کیا اس گتھی کو تم اپنے ناخنِ حکمت سے سلجھا سکتے ہو؟

تم کہہ سکتے ہو کہ یہ تمثیل صحیح نہیں ہے، ایروپلین کا فضائے آسمانی میں تیرنا طبعی فعل نہیں ہے، بلکہ کسی عارضی سبب (حرکت قسریہ) کے ماتحت ہے، اسی طرح جن کو تم قدرت کے مستثنیات کا لقب دیتے ہو، وہ بھی عللِ خفیہ (مادہ کے اختلافِ استعداد) کا نتیجہ ہیں، علاقۂ تعلیل و قانونِ فطرت کی دسترس سے کوئی جزئیہ بھی باہر نہیں ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک قسم کا مغالطہ ہے جس میں کھو کھلا اسباب و عللِ خفیہ کی توجیہ سے تم کو پناہ نہیں مل سکتی، سوال یہ ہے کہ یہ اختلاف و تنوع اگر مادہ کے اختلافِ استعداد سے پیدا ہوا، تو استعداد نام ہے تاثر و انفعال کا، علتِ فاعلہ اور سببِ موثر کیا ہے؟

ناچار تم کو سلسلہ علل و اسباب کے ناقابل تنسیخ مفروضات سے برگشتہ ہونا پڑے گا، اور اسکے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ علاقۂ تحلیل کے گورکھ دھندوں سے نکلکر اس نظم کائنات کی باہم تمام تاثیر و تاثر عالم کائنات سے ماورا ایک قادر و ذی ارادہ ہستی سے وابستہ کردو، جسکی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے، اسباب و علل آثار و خواص اشیاء صرف اُس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں، اور وہ اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اسکو چلا رہا ہے۔ لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے، ہم نے اس کی عادتِ جاریہ کی بالعموم یکرنگی و یکسانی کا نام اپنی اصطلاح میں قانونِ فطرت رکھ لیا ہے۔

چونکہ کوتاہ بیں و ظاہر پرست انسان ان اسباب و علل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتا ہے، اور اس کا اصلی اعتماد بجائے اس قادرِ مطلق پر ہونے کے، ان ظاہری اسبابِ علل پر ہوجاتا ہے۔ اس لیئے وہ قادرِ مطلق انسانوں میں اپنا نشان قائم کرنے کے لیئے عادتِ مستمرہ و طریق خاص کے خلاف حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے کوئی واقعہ ظاہر کردیتا ہے۔ عارف رومؒ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

سنتے بنہادہ و اسباب طرق طالباں را زیر ایں رزق تق
بیشتر احوال بر سنت رود گاہ قدرت خارق سنت شود
سنت و عادت نہادہ با مزہ باز کردہ خرق عادت معجزہ
اے گرفتار سبب! بیروں مپر لیک عزل آں سبب ظن مبر

مذکورہ بالا الفاظ میں جن حقائق کا انکشاف کیا گیا ہے ان سے آنحضرت صلعم کے واقعۂ معراج کی حقیقی علت و سبب بھی معلوم ہوگئی ہوگی، مجھے حیرت ہے اُن لوگوں پر جو حکمائے طبیعین یا مادہ پرستوں کے قائم کردہ اوضاع و اصطلاح کو بمنزلۂ اصل مرکز قرار دیتے ہیں، اور پھر یہ چاہتے ہیں کہ نبوت کے نوامیس اور روحانی دنیا کے سُنن و اصول کو ہٹا کر اپنے خود ساختہ مرکز تک لے جائیں، اور نہ جاسکیں تو زبردستی کھینچ لائیں، انسانی فہم ناقص کے فلسفہ و سائنس کے اوہام و باطل کو مقدم رکھتے ہیں اور پھر کوشش کرتے ہیں کہ معراج و صاحبِ معراج (صلعم) کے حقائق و واقعات کو ان اوہام و اباطیل کے مطابق کر دکھائیں، اور اس پہ ستم یہ کہ اس جہالت و بے عقلی کو حکمت و دانائی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہی حکمت و دانائی ہے تو پھر دنیا میں جہالت و بے عقلی کا وجود باقی نہ رہا اور نہ کبھی تھا۔

ماحصل یہ ہے کہ یہ تمام گمراہیاں و جہالتیں اس لیئے پیدا ہوئیں کہ ہم نے حضور سرورِ کائنات (صلعم) کو بھی جن کی پراسرار زندگی کے روحانی حالات و کیفیات کی ایک ایسی دنیا تھی، جہاں تک ہمارا ادراک بار نہیں پاسکتا، عام انسانی سطح پر سمجھ لیا، اور واقعۂ معراج کے مافوق ادراک کے علل و نتائج، حقائق و اسرار کے لیئے اپنے اپنے فہم و ادراک کے موافق مختلف نظریئے قائم کرلیئے جن کا ماحصل صرف اسقدر ہے کہ ان عقل و حواس سے ماورا حقائق کو اپنے دریافت کردہ معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں، لیکن سوچو کہ کیا یہ ممکن ہے! کیا محسوس و غیر محسوس، جسمانی و روحانی دنیا دونوں ایک ہی نظام پر چل رہے ہیں، کہ ایک عالم کے قیاس تمثیلی و استقرائی سے تم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگا سکتے ہو!

میں کہتا ہوں کہ یہ تمام تفسیریات ممکن ہے کہ خود اپنے کج بحث دل اور شک و ریب میں مبتلا قلب کی تسلی و طمانیت کا باعث ہوسکتے ہوں، یہ ساری توجیہات اپنی راز جو طبیعت کی تشنہ لبی کو تسکین دے سکتی ہوں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مملکتِ آب و خاک کے تمام مادی و طبعی احکام و قوانین حرفِ مشیت و ارادۂ الٰہی سے معطل کردیئے گئے، اور آنحضرت صلعم کو معراج کی آیت کبریٰ دکھائی گئی۔

معراج کے جن روحانی مناظر و آیاتِ ربانی کا بیان ہوتا ہے، کیا تم ان کا صرف اس بنا پر انکار کرسکتے ہو کہ تمہارا دماغ ان کے فہم و تحمل کی تاب نہیں لاسکتا؟ اگر ایک مادرزاد نابینا، انسان کی قوتِ بینائی و لطفِ نظر سے صرف اس وجہ سے غیر ممکن سمجھتا ہو کہ وہ اس نعمت سے محروم ہے، تو یہ اُس کی جہالت و بے عقلی کی دلیل ہوگی یا فہم و دانش کی؟ تو پھر ہم کیوں ایسی حماقت میں مبتلا ہونا گوارا کرتے ہیں۔

انبیاء کی معراج اور آپ کا امتیاز

اس میں شک نہیں کہ معراج کا یہ انتہائی مرتبہ تمام انبیاء کرام کی صف میں صرف آنحضرت (صلعم) ہی کے لیئے مخصوص تھا، تاہم حضرات انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات و واقعات کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ تمام اولوالعزم اور ذی مرتبت پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت میں یہ منصب جلیل حاصل ہوا، اور وہ ساعت ہمایوں آئی جو دراصل تعنا میں اُن کی سیر ملکوت کے لیئے مقرر تھی، جہاں وہ اپنے اپنے مدارج و مراتب کے لحاظ سے خدا کے فضل و موہبت کے بازوؤں سے پرزور ہوکر اس منصب رفیع تک پہنچے، اور فیض ربانی سے معمور ہوئے۔ یہی سنتِ الٰہی ہے اور اسی کے ماتحت ہر جلیل القدر پیغمبر کو معراج ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نبوت کے منصب جلیل پر فائز کیا گیا تو اُسکے ساتھ ہی زمین و آسمان کی روحانی بادشاہی دکھائی

آتی ہی دکھائی گئیں۔

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض (سورۂ انعام)
(ترجمہ) اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا ہوئی، تو لوہ طور پر حق کی تجلیاں نظر آئیں، اور مخاطبۂ ربانی سے مشرف کیا گیا۔

فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکاً وخر موسیٰ صعقاً (اعراف)
پھر جب اُس کے رب نے اپنی تجلی کو طور پر دکھلائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے۔

وناديناہ من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیاً (طہ)
اور ہم نے اس (موسیٰ) کو کوہ طور کی داہنی طرف سے رازو اسرار بتانے کیلئے پکارا۔

یہ تو اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کی معراج تھی، لیکن جناب محبوب رب العالمین چونکہ سرور انبیاء افضل رسل تھے اس لئے آپ کی معراج حریم خلوتگاہ قدس کے اس بارگاہ لامکاں تک ہوئی جہاں حبیب و محبوب کے درمیان نہ فاصلہ تھا نہ پردہ، اور نہ قرب و بعد، زمان و مکان کی طبعی پابندیاں، بس ایک صوت سرمدی سامعہ نواز تھی، اور حقیقت محمدی گوش سامع، شاہد ازل کا جمال حقیقت بے نقاب تھا، اور ذات احمدؐ کی چشم قلب وا۔

ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (نجم)
پھر قریب آیا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا، یا اس سے بھی کم پھر اس نے اپنے بندے سے (راز و نیاز کی) باتیں کیں، جو کیں۔

معراج کی صحیح تاریخ و سنہ

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو معراج کا منصب رفیع کب اور کس تاریخ میں حاصل ہوا اس باب میں اختلاف ہے، لیکن صحیح و مستند روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو معراج صرف ایک دفعہ ہوئی جو لوگ اس کے تعدد کے قائل ہیں، وہ درحقیقت جزئیات معراج کے اختلاف روایت کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ بعض ارباب سیر اس طرف بھی گئے ہیں کہ ایک بار جسمانی معراج ہوئی اور ایک بار روحانی سیر، لیکن یہ خیال بھی عقلی احتمالات و قیاس و استنباط کی حد سے آگے نہیں بڑھتا ہے۔ مستند روایات سے کہیں بھی یہ تفریق نظر نہیں آتی، احادیث میں جنت و دوزخ وغیرہ کے جن آیات و مظاہر کا بیان آتا ہے، اور جن کے الفاظ سے بظاہر یہ اشتباہ ہوتا ہے، وہ درحقیقت آپ نے عالم بیداری میں دن کے وقت بھی چند بار مشاہدہ فرمایا ہے، چنانچہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ کے سامنے جنت و دوزخ کی صورتیں جلوہ گر ہوئیں تو آپ نے فرمایا۔

انہ صورت لی الجنۃ والنار حتی رأیتھما دون الحائط (بخاری)
میرے سامنے جنت و دوزخ کی صورتیں پیش کی گئیں، یہاں تک کہ میں نے انکو اس دیوار کے قریب دیکھا۔

سال ہجرت سے قبل چونکہ تاریخ و سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور معراج کا واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے، اس لئے اس کے سنہ و تاریخ کی تعیین دشوار ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ معراج نبوت کے پانچویں سال ہوئی، لیکن مستند روایتوں کو یکجا کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔ چنانچہ اصحاب روایت کا کثیر حصہ اسی طرف گیا ہے کہ یہ ہجرت سے ایک یا ڈیڑھ سال قبل کا واقعہ ہے۔ اس لحاظ سے معراج کا واقعہ نبوت کے نویں سال میں ہوا، مہینہ کی تعیین میں پانچ اقوال ہیں، لیکن مشہور اور معمول بہ یہی ہے کہ رجب کا مہینہ تھا۔

کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں واقعہ معراج کے متعلق بہت سی ناقابل اعتبار باتیں بھر دی گئی ہیں، اور یہ واقعہ چونکہ ہماری مادی کائنات سے ماورا، اور عقل و فہم بشری سے مافوق ہے۔ اس لئے اس باب میں صرف صحیح و مستند روایات پر اعتماد کرنا چاہئے تاکہ موضوع روایتوں میں پڑ کر دین نبوی کی دستبرد کا شکار نہ ہوں اس لئے ہم ذیل میں واقعۂ معراج کا ایک نہایت مختصر بیان صحیح روایات کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں۔

معراج کی غایت پر قرآن پاک کا ایک بلیغ اشارہ

قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کی ابتدا میں واقعۂ معراج کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا، انہ ھو السمیع البصیر،
پاک ہے وہ (خدا) جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا۔ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں جمع کر دی ہیں، تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں، وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

آیت بالا میں صرف دو جگہوں کعبہ اور بیت المقدس کا ذکر ہے بہت ہی کم لوگوں نے قرآن مجید کے اس بلیغ اشارہ کی طرف توجہ کی سرزمین کی تولیت، حضرت ابراہیم کے دونوں بیٹوں حضرت اسمٰعیل و اسحٰق میں تقسیم کر دی گئی تھی، بیت المقدس کی کلید برداری حضرت اسحٰق (جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا) کو اور خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسمٰعیل کو دی گئی۔ آنحضرت صلعم

سے پہلے (حضرت ابراہیمؑ کے بعد) جتنے بھی انبیا مبعوث ہوئے وہ سب حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں تھے، اس لئے وہ سب ان دونوں ارض مقدسہ میں سے صرف ایک یعنی بیت المقدس ہی کے متولی رہے، آپ دعوتِ عالمگیری اور ابدی تعلیم لیکر آئے تھے، اور خدا نے آپ کی ذات اقدس کو تمام انبیاء کرام کے مختلف و متفرق اوصاف کا مجموعہ بنا کر بھیجا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ خانہ کعبہ کی تولیت کے ساتھ بیت المقدس کی کلید برداری سے بھی سرفراز کئے جائیں، واقعۂ معراج کی تفصیلی حالت کے مطالعہ سے معلوم ہوگا مسجد اقصٰی (بیت المقدس) میں تمام انبیاء کی صف میں منصب امامت کا اعزاز آپ ہی کو ملا، اور قرآن مجید میں بھی کہ واقعہ کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے کہ "آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک لیجایا گیا" دراصل یہ اسی حقیقت کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی وہ دولت جو صدہا سال سے ان کے دونوں بیٹوں میں بٹی چلی آرہی ہے، آج پیکرِ حقیقتِ محمدی میں مجتمع کر دی جاتی ہے، اور آپ ہی القبلتین نامزد کئے جاتے ہیں یہی سبب تھا کہ فرضیت نماز کے بعد مدینہ جا کر چھ ماہ تک آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا، بیت المقدس اور خانہ کعبہ کے منصبِ تولیت سے سرفراز کرنے کے لئے شہنشاہ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنی بارگاہ میں طلب کرتا ہے، اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک نسخہ دیکر اپنی قدرت کے نشانات و آیات دکھلاتا ہے۔

واقعۂ معراج

بخاری و مسلم کی صحیح ترین روایات کا ملخص ہے کہ جس شب میں آپ کو معراج ہوئی، آپ مسجد حرام کے بیرونی گوشہ میں جس کا نام حطیم ہے استراحت فرما رہے تھے، خواب و بیداری کی درمیانی حالت تھی کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے، اور آپ کو چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، انہوں نے آپ کا سینہ چاک کیا، پھر اسکو زمزم کے پانی سے دھویا، اس کے بعد ایمان و حکمت سے بھرا ہوا ایک طشت لائے، اور اسکو سینۂ مبارک میں ڈال کر بند کردیا پھر آپ کو آسمان کی طرف لے کر چلے، جب پہلے آسمان پر پہنچے تو جبرئیلؑ نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ "کھولو" اس نے کہا کہ "کون؟" انہوں نے جواب دیا "جبرئیل" اس نے دریافت کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ فرمایا "ہاں میرے ساتھ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں" اس نے پوچھا "کیا وہ بلائے گئے ہیں" انہوں نے جواب دیا "ہاں" یہ سنکر فرشتہ (داروغۂ آسمان) نے دروازہ کھولدیا، جب آپ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا، جسکی داہنی اور بائیں جانب بہت سی پرچھائیاں تھیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا، اور جب بائیں طرف نظر کرتا تو رو دیتا تھا حضورؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ "یہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا "یہ آدمؑ ہیں" اور انکے دائیں بائیں کی پرچھائیاں انکی اولاد کی ارواح ہیں، داہنی طرف والے جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں، اسکے بعد آپ دوسرے آسمان پر پہنچے، یہاں بھی اسی قسم کا سوال و جواب ہوا، اسیطرح آپ ہر آسمان پر گذرتے گئے، اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، دوسرے میں حضرت عیسٰیؑ و یحییٰؑ سے، تیسرے میں حضرت یوسفؑ سے، چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے، پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے اور ساتویں میں حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی، اسکے بعد حضرت جبرئیلؑ آپ کو اوپر لے گئے، اور وہاں حضرت جبرئیلؑ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے۔ پھر آپ اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز آتی تھی، پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے نقاب اٹھائی اور خلوتگاہ راز میں ناز و نیاز کے پیغام ادا ہوئے جنکی لطافت و نزاکت حرف و الفاظ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں، اور رحمت حق نے یہ مژدہ سنایا کہ امت محمدی میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو، دامن مغفرت کے سایہ میں اسکو پناہ مل سکے گی۔ جب آپ اس عطیہ روحانی کو لیکر حضرت موسیٰؑ کے پاس سے گذرے تو انہوں نے دریافت کیا کہ "بیشگاہ الٰہی سے کیا لائے؟" آپ نے فرمایا "پچاس وقت کی نمازیں" حضرت موسیٰؑ نے فرمایا "آپ کی امت سے اتنی نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں، دوبارہ جائیے" آپ دوبارہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوئے، اور خدا نے ایک حصہ کم کردیا، اسی طرح کئی بار حضرت موسیٰؑ نے آپ کو دوبارہ خدا کے پاس اور ہر بار کچھ حصہ کم ہوتا گیا حتی کہ پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں، اور ارشاد ہوا کہ اگرچہ نمازیں پانچ وقت کی ہونگی مگر ثواب انہیں پچاس نمازوں کا ملیگا، اسکے بعد جب آپ بیدار ہوئے اور آپ کی آنکھیں تو اپنے کو مسجد حرام میں پایا۔

آپ کو اس سفر میں جو آیات ربانی دکھائی گئیں، قرآن مجید نے انکو صرف دو لفظوں میں ختم کردیا ہے۔

لنریہ من اٰیاتنا (ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لئے کرائی کہ ہم اپنی نشانیاں اسکو دکھائیں) یہ نشانیاں کیا تھیں؟ اور یہ حقائق و اسرار کیسے تھے، ان کے دیکھنے کے لئے نہ تو ہمارے پاس آنکھیں ہیں، اور نہ انکو سننے کے لئے ہمارے کانوں کو طاقت، نہ ان کی تفصیل کے لئے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں، اور نہ ان کے سمجھنے کے لئے سینوں میں دل۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت سے ان حقائق و اسرار کو الفاظ و عبارات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغ انسانی ان کے فہم و تحمل کی تاب کہاں سے لا سکتا ہے؟

"راز ایں پردہ نہان است نہاں خواہد بود"

آنحضرتؐ کو معراج جسمانی ہوئی یا روحانی؟

(از جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح کانپوری فاضل الٰہیات)

سیرت پاک میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور شاندار واقعہ ہے وہ یہی معراج کا ہے معراج انسان کی شرفیت اور فوقیت کی سب سے بڑی نقیب ہے۔ نبی کریمؐ کی حیرت انگیز کامیابیوں کی پشت پناہ یہی معراج ہے۔ آنحضرتؐ کی زندگی مظلومانہ اور بیکسانہ زندگی جبکی ایک ایک ساعت جان لیوا دشمنوں کی ایذا رسانی کی نذر ہو رہی ہو اس کو اطمینان و سکون اور کامیابی و فتح کی پُر مسرت زندگی میں تبدیل کر دینے والی یہی مقدس معراج ہے۔ یوں تو نبی کریمؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ استقلال اور جانفروشی اور مبلغانہ جانکاہی سے لبریز ہے لیکن معراج کے بعد آنحضرتؐ نے دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا اور اپنی روحانیت اور محیر العقول ثابت قدمی سے جس طرح اعدائے اسلام کو شکست دی اور جس طرح دنیا کے ایک ایک تاریک چپہ کو توحید کے نور سے معمور کیا وہ ایک عالم آشکارا بات ہے لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ اتنا جذبۂ استقلال یہ انسانی طاقت سے باہر تبلیغی جوش روحانیت کی مقناطیسی کشش اور بے تیغ تفنگ دنیا پر غالب آنے کی یہ قوت آنحضرتؐ میں جو ہماری طرح ایک انسان ہی تھے کہاں سے آگئی آپ نبی تھے لیکن انبیاء کرام میں بڑے سے بڑے مجاہد اور ثابت قدم نبیاء نے اتنی کامیابی حاصل نہیں کی۔ ہاں آپکی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ آپ معراج کے بلند سے بلند مقام تک پہونچ گئے تھے۔ آپکی قوتیں ملکوتی ہو گئی تھیں۔ آپ اس کیف ناقابل ادا سے سرشار تھے جو ذات باری کو بے حجابانہ طور پر مشاہدہ کرنے میں حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ بتلاؤ! تاریخ عالم میں ہزاروں انسان ایسے گذرے ہیں جن کی قوت مسلمات میں سے تھی جن میں شہنشاہ وقت بھی تھے جن کی ٹڈی دل فوج اور مادی قوت دنیا کو تسخیر کر لینا چاہتی تھی ان میں اولوالعزم پیغمبر بھی تھے جن کی روحانی قوت دنیا کو ہلا سکتی تھی لیکن کس کو کامیابی کے دو چار زینوں سے زیادہ چڑھنے کا موقعہ ملا، تمام مادی طاقتیں اور تمام روحانی اثرات دنیا کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ سکندر، نپولین اور تیمور جیسے فاتح چند دنوں حکومت کرنے کے بعد پھر ناکام رہے اور حضرت عیسیٰؑ اور نوحؑ جیسے زبردست پیغمبر جن کی زندگی روحانیت اور دعوت الٰہی کا سرچشمہ تھی اپنی زبردست کوششوں کے بعد بھی کامیابی اور فائز المرامی تک نہ پہونچ سکے لیکن آنحضرتؐ کی سوانح حیات بتلاتی ہے کہ آپکی کامیابی صحیح معنوں میں کامیابی تھی بلکہ انسانی تاریخ میں کسی انسان کی کامیابی آنحضرتؐ کی کامیابی کی گرد تک بھی نہ پہونچ سکی کیوں؟ اسی لئے کہ آپنے بے حجابانہ ذات باری کو دیکھا۔ آپ کی رگ رگ معرفت الٰہی سے معمور تھی۔ سمجھ سکتے ہو کہ وہ ہستی جو ملک الکلامات سے بنفس نفیس شرف تکلم حاصل کر چکی ہو جس کا دل ایمان و عرفان کے آب زمزم سے دھو دیا گیا ہو اور جسکی پرواز تمام انبیاء تمام ملائکہ اور تمام مقربین بارگاہ ایزدی سے بھی بلند ہو وہ کتنی بلند و بالا ہستی ہوگی۔ اسکی ایک صدا پر نہ صرف انسان لبیک کہنا فرض سمجھیں گے۔ بلکہ شجر و حجر حیوانات و جمادات بھی اس صدائے معرفت آمیز کو سن کر ایک عجیب روحانی کشش اور سرمدی اثر تسلیم ہے سن کر تڑپ اٹھیں گے۔

معراج ۔ ۔ سرکار کائناتؐ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ انسان جس کے دل میں خدا کی محبت کا سچا جذبہ ہو وہ معراج کا شرف اپنے درجہ کے مطابق حاصل کر سکتا ہے معراج کیا ہے؟ ذات باری کا بے حجابانہ طور پر نظر آجانا۔ خدا کو دیکھنے کے لئے انسانی آنکھوں کے سامنے ہزار در ہزار پردے حائل ہیں۔ پس وہ سچا مسلمان جو اپنی ریاضت و عبادت اور رسم بندگی سے ان پردوں کو ہٹا لیتا ہے، وہ خدا کو دیکھ لیتا ہے۔ خدا حقیقت کل ہے۔ پس جو شخص اس حقیقت کی تلاش زیادہ محنت سے کرتا ہے وہ اتنی ہی جلدی اور اسی قدر خدا کو دیکھ سکتا ہے، بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے تمام چلے اسی ایک تمنا کے حامل ہوتے ہیں، انکی ساری عبادت گذاری کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ خدا ان کو نظر آجائے۔ وہ اس مقدس خیال میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ ان کو دنیا و دین کا کچھ ہوش ہی نہیں رہتا۔ انبیاء کرام کسی نہ کسی موقعہ پر شرف معراج حاصل کر لیتے ہیں موسیٰؑ کا جلوۂ طور ان کی سب سے بڑی معراج تھی حضرت عیسیٰؑ پر بھی ایک لمحہ زندگی ایسا گذرا ہے جبکہ وہ مشاہدہ ذات باری سے سرفراز ہوئے تھے۔ لیکن نبی اکرمؐ تمام انبیاء میں سب سے جدا حیثیت رکھتے ہیں آپ اشرف المخلوقات انسانوں میں بھی اشرف ترین ہیں۔ آپکے سامنے ذات باری کا جلوہ بالکل بے حجابانہ تھا عیسیٰ و موسیٰ یعقوب و ابراہیم علیہم السلام ذات باری کو بالکل بے حجاب نہ دیکھ سکے موسیٰؑ تو خدا کی صرف ایک جھلک میں غش کھا کر گر گئے۔ مگر آنحضرتؐ نے ذات باری سے شرف تکلم حاصل کیا اور اس منزل پر پہنچ گئے جو ہر شئے کی اصل الاصل ہے۔ آپ خدا سے اس قدر قریب ہوئے کہ جسطرح دو کمانیں جھک کر ایک دوسرے کے قریب ہو جاتی ہیں۔ اسوقت خدا نے دنیا کے سب سے بڑے انسان اور اپنے محبوب سے جو باتیں کیں وہ ہم تصور میں بھی نہیں لا سکتیں فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔

آنحضرتؐ کو معراج کس وقت شب ہوئی تھی جبکہ آپ خانہ کعبہ میں لیٹے تھے، اور یہ ہجرت سے ایک سال قبل کا واقعہ ہے جسوقت آپ سو رہے تھے تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، آپکا سینہ مبارک کو چاک کیا۔ اس کو آب زمزم سے دھویا اور اسمیں ایمان علم و حکمت کے خزانے بند کر دیئے جبرئیل آپکو آسمان کی طرف لے گئے وہاں آسمان کے دارو غہ سے باتیں ہوئیں۔ پھر آنحضرتؐ نے آدم علیہ السلام کو دیکھا جو کبھی ہنستے اور کبھی روتے تھے آپکے دریافت کرنے پر جبرئیلؑ نے بتلایا کہ آدمؑ اس وقت روتے ہیں جب وہ امت کی بد روحوں کو دیکھتے ہیں اور اسوقت ہنستے ہیں جب وہ جنتی اور نیک لوگوں کی روحوں کو دیکھتے ہیں۔ اسکے بعد جبرئیلؑ آپکو مختلف آسمانوں پر لے گئے جہاں آپکی ملاقات کسی نہ کسی سے ہو جاتی تھی حضرت ادریسؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، ابراہیمؑ، یحییٰؑ، یوسف علیہم السلام وغیرہ سے آپکی ملاقات ہوئی۔ ہر ایک پیغمبر نے آپکا استقبال مرحبا اے نبی صالح اور اے برادر صالح کہکر کیا۔ پھر آپ کو جبرئیلؑ اسی جگہ پر لے گئے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز آ رہی تھی اور وہاں آپ پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئیں پھر آپ سدرۃ المنتہیٰ گئے جو لا معلوم اور نادیدہ رنگوں سے چمک رہا تھا، یہ وہ جگہ تھی جو مرکز کائنات ہے اس جگہ شان کبریائی ذات باری میں سے بے حجاب ہوئی خدا نے اپنے محبوب اور حق بندہ کو بے حجابانہ اپنی ذات دکھلا دی۔ یہ سرمدی منظر کیا ہوگا کیسا ہوگا۔ اسکی تشریح کسی طاقت سے ممکن نہیں آخر میں آنحضرتؐ نے تمام انبیاء کی امامت بیت المقدس میں کی۔ آسمان کی سواری براق کے ذریعے سے

ہوئی اور یہ تمام کام چشم زدن میں انجام پذیر ہو گئے۔ واقعہ معراج کا بخلاصہ یہ خلاصہ ہے۔ اس موقعہ کی سب سے بڑی بحث یہ ہے کہ آیا نبی کریمؐ آسمان ملاء اعلیٰ کی سیاحت کے لئے جسمانی حیثیت سے گئے تھے یا آپ کی روح گئی تھی یا آپ نے خواب دیکھا تھا چند حضرات کے علاوہ جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ آنحضرتؐ کو معراج جسمانی حیثیت سے ہوئی تھی۔ امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر، بیضاوی صاحب جلالین اور امام شاہ ولی اللہؒ وغیرہ بھی جسمانی معراج کے متعلق ہے۔ احادیث میں مالک و انس کی روایتوں میں جسمانی معراج کی تفصیل آئی ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ اور سیاق وسباق بھی جسمانی معراج کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً الخ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے حصہ میں اپنے بندے کو مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی" یہاں قابل غور دو لفظ ہیں۔ ایک اسریٰ دوسرا عبد۔ اسریٰ کہتے ہیں راستہ کے حصے میں چلنا یا چلانا۔ روح کے متعلق اس قسم کے الفاظ عموماً مستعمل نہیں ہوتے۔ اسراء کسی قافلہ یا فرد کے متعلق آتا ہے۔ عبد کہتے ہیں روح اور جسم کے مجموعے کو۔ تنہا روح یا جسم پر عبد کا استعمال شاذ و نادر ہی وقوع ہوتا ہے۔ اور پھر جب اسراء کا تعلق کسی عبد سے ظاہر کیا گیا ہے تو اس کے صاف و صریح معنی یہ ہوئے کہ بندہ اپنے جسم اور اپنی روح کے ساتھ چلا۔ نہ صرف اس آیت سے بلکہ اسراء یا واقعہ معراج کی حدیث کا طرز ادا بالکل ویسا ہی ہے جس طرح کسی مسافرت کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ خواب اور رؤیا کا طرز ادا اس شکل میں نہیں ہوتا ہے۔ واقعہ معراج کو سورہ والنجم میں جس شان اور زور کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام کیفیت نبی کریمؐ پر جسم و روح کے ساتھ ساتھ حالت بیداری میں ہوئی ہے۔ مختلف احادیث میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرتؐ پر حالت بیداری میں گذرا۔ سورہ والنجم میں ہے

والنجم اذا ھویٰ ٥ ما ضل صاحبکم	قسم ہے ڈوبتے ہوئے ستاروں کی کہ تمہارا
وما غویٰ ٥ وما ینطق عن الھویٰ	ساتھی نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔ وہ
ان ھو الا وحی یوحیٰ ٥ علمہ شدید	اپنی خواہش سے نہیں بولتا ہے۔ بلکہ وہی
القویٰ ٥ ذو مرۃ فاستویٰ ٥ وھو	بولتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے
بالافق الاعلیٰ ٥ ثم دنیٰ فتدلیٰ ٥ فکان	اس کو بتانے والا مضبوط و توانا ہستی ہے
قاب قوسین او ادنیٰ ٥ فاوحیٰ الیٰ	صاحب قوت ہے پس نظر آیا اس حالت
عبدہ ما اوحیٰ ٥ ما کذب الفواد	میں کہ وہ افق اعلیٰ میں تھا۔ وہ قریب ہوا
ما رایٰ ٥ افتمارونہ علیٰ ما یریٰ ٥	پھر اتر آیا۔ اس کی قربت دو کمانوں کی قدر
ولقد راہ نزلۃ اخریٰ ٥ عند	یا اس سے بھی زیادہ نزدیک تھی۔ اس
سدرۃ المنتھیٰ ٥ عندھا جنۃ	حالت میں مولا نے اپنے بندہ کو وحی کی
الماویٰ ٥ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ ٥	جو بھی وحی کرنا تھی۔ جو کچھ اس بندہ نے
ما زاغ البصر وما طغیٰ ٥ لقد	دیکھا تھا اس کے لئے اس کی تکذیب نہیں
رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ ٥	کی۔ اے لوگو! کیا تم اس سے اس کے دیکھے

ہوئے کے متعلق جھگڑا کرتے ہو۔ اس نے دوسری بار پھر دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک اس کے نزدیک جنت الماویٰ تھی۔ اس وقت اس کو سدرۃ المنتہیٰ کی نورانیت نے ڈھانپ لیا جس طرح بھی ڈھانپ لیا۔ نہ اس کی نگاہوں نے کجی کی اور نہ اس نے حد سے تجاوز کیا۔ اس نے اپنے رب البرکی نشانیوں اور علامات کو بعینہٖ خود دیکھا۔"

اس حصہ میں مخالفین کو واقعہ معراج کا یقین دلایا گیا ہے۔ لیکن واقعہ معراج کو جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کا انداز خواب کے بیان کا نہیں ہے بلکہ جسمانی اور ذاتی مشاہدے کا ہے۔ بہرحال قرآن وحدیث سے معراج جسمانی حیثیت سے ثابت ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ معراج جسمانی حیثیت سے ممکن بھی ہے یا نہیں؟ مجھ کو یہ کہتے ہوئے ایمان کی کمزوری کا احساس ہوتا ہے کہ معراج جسمانی حیثیت سے ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اس مادی دنیا میں، رہتے ہوئے ہم روحانیت کی لذت کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ مغرب کی الحاد و دہریت، زمانہ کی خدا فراموشی اور انسانوں کی سائنس پرست طبیعت نے مذہب کی بنیاد کو ہلا دینا چاہا ہے ہم دبتے دبتے یہ کہتے ہیں کہ معراج جسمانی تھی۔ حالانکہ جوں جوں دنیا مادیت پرست اور سائنس کی غلام بنتی چلی جا رہی ہے اسی قدر کمالات ممکن اور موجود ہو رہے ہیں۔ اس حیثیت سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے لئے اس دور میں واقعہ معراج کو اس کی اصل یعنی جسمانی صورت میں ماننا بہ نسبت روحانی حیثیت کے زیادہ آسان ہے۔ لیکن اس بے دینی کو کیا کیا جائے جن کا بیج ہمارے اندر مغرب کی مذہب شکن ہواؤں نے بو دیا ہے۔ مشرق و مغرب میں آج روحانیت اور مادیت کی زبردست جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ اور ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ایشیا کامیابی کے زینہ پر چڑھتا چلا جا رہا ہے اور یورپ تباہی کے منہ تک پہونچ رہا ہے۔ یورپ نے بہت جلد مادی بل بوتے پر ترقی کی اور فنا کے گھاٹ اترنے پر تیار ہو گیا۔ ایشیا نے ترقی بھی کی۔ ایک معتدل حالت میں قائم بھی رہا محض روحانیت کی بدولت بس ہمکو ظاہری شورشوں اور مادی ترقیوں سے بے پروا ہو کر یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ ہمارے مذہبی عقائد و اعمال ہی ہم کو افق کامیابی پر پہونچا سکتے ہیں۔ غور کرو واقعہ معراج سے۔ روحانیات کو کتنا گہرا سبق ہم کو اس سے ملتا ہے۔ ہماری طبیعتیں اس واقعہ کو سن کر ایک لامحسوس سرور حاصل کرتی ہیں جن سے ہمارے دلوں میں نیک عمل کرنے اور عابد و زاہد بننے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ آگ و پانی، بھاپ و بجلی کے گورکھ دھندے ہمارے سامنے اس حقیقت کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ جس کا سبق واقعہ معراج سے ہم کو ملتا ہے۔ فلسفہ جدیدہ کی تحصیل کے بعد ہم نے یہی سیکھا کہ دنیا میں چند تیز رفتار چیزیں جاری کر دیں۔ چند تیز رفتار مشینیں، چند ریلیں، چند موٹر کار اور چند ہوائی جہاز اور آتش فشاں توپیں اور بس۔ لیکن مکتب روحانیات کا متعلم تھوڑی دیر نہیں بلکہ سکنڈوں اور غیر منقسم اوقات میں مشرق و مغرب کے حالات پر مطلع ہو سکتا ہے۔ اپنی روحانی قوت سے وہ مشرق میں بیٹھ کر اسی لمحہ میں مغرب والے آدمی سے باتیں کر سکتا ہے۔ صوفیا اور

اختر صاحب کا گردہ دوسری قسم کا تیز رفتار ہے جسمانی حیثیت سے واقعہ معراج سمجھنے میں ظاہر بین لوگوں کو چند وسوسوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اول یہ کہ اس قدر تیز حرکت کہ نبی کریم کا مع جسد روح کے چند لمحات میں کروڑوں میل مسافت طے کر لیں غیر معقول سی بات ہے۔ نیز نہ صرف آپ بلکہ براق کے ساتھ جو گھوڑے اور خچر کے طرز کی ایک سواری تھی دوم یہ کہ کسی جرم ثقیل کا اتنی بلندی پر پہنچنا مشکل ہے۔ سوم یہ کہ جسمانی معراج ماننے کی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ شق صدر ہوا تطہیر ہوئی وغیرہ وغیرہ جو سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ اب دیکھیے یہ کل کا ساخت ہے ان لوگوں کا جو جسمانی معراج کے مخالف ہیں۔ عام اس سے کہ وہ روحانی معراج کے قائل ہوں یا نفس معراج ہی کے مخالف ہوں۔ ان لوگوں کو سب سے زیادہ تعجب تیز رفتاری پر ہے۔ یہ تعجب در تعجب یہ کہ وہ ایک منٹ یا چند لمحات میں۔ احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت اس عالم بالا پر تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی اور بستر بدستور گرم تھا۔ قرآن شریف میں ہے اسریٰ بعبدہ لیلا اس آیت میں لفظ لیلا کہ رات کے قلیل وقت کو ظاہر کرتی ہے یعنی رات کے کچھ کم وقت میں خدا نے اپنے بندہ کو سیر کرائی۔ واقعہ معراج در اصل ایک معجزانہ حیثیت رکھتا ہے۔ معجزات بلا شک و شبہ کم واقع ہوتے ہیں۔ پس جس طرح لاٹھی کا سانپ بن جانا موسیٰ کا معجزہ تھا تو یہ بھی نبی کریم کا ایک معجزہ ہے کہ اس قدر تیز کہ وہم و گمان و تصور سے بھی تیز تر عرش بریں پر پہنچ گئے۔ لیکن دلائل کے رو سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تیز روی کوئی محال امر نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موجودہ دور میں کیونکر یہ محال ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ایک قلیل مدت میں عالم بالا کی سیر کر لیں۔ موجودہ تحقیقات ہمارے سامنے تیز رفتاری کی ایسی شاندار مثالیں پیش کرتی ہے جن کے سامنے سر جھکانے کے بعد ہم کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی قلیل سے قلیل چیز بھی کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ مسافت طے کر سکتی ہے تو کوئی تعجب انگیز امر نہ ہوگا۔ ماہرین فلکیات کا اندازہ ہے کہ اجرام سماوی مثل چاند سورج مریخ و عطارد و مشتری کے ایک سکنڈ بھر میں ہزاروں میل کی مسافت طے کرتے ہیں۔ اجرام فلکی کی گردش جس تیزی کے ساتھ ہوتی ہے وہ کسی انسان کے تصور میں نہیں آ سکتی۔ سورج کی کرنیں شاید ایک پل میں کروڑوں میل سے گذر جاتی ہیں۔ زمین جس کو موجودہ سائنس ایک سیارہ کہتی ہے بہت سست رفتار ہے اور بتایا کہ تمام سیاروں میں سب سے زیادہ سست رفتار۔ لیکن یہ بھی لمحہ بھر میں ۱۸ میل سے زائد عرصہ طے کر لیتی ہے۔ سوچو! یہ سب خدا کی بنائی ہوئی چیزیں قانون قدرت کے مطابق اس قدر تیز رو ہیں۔ اور جب وہ اپنے مولا کے حکم سے مجبور ہو کر اتنی بے گمان حرکت کرتی ہیں جب وہ کروڑ در کروڑ اور بہم در بہم من وزن کے ساتھ دنیا کی گردش گھوم گھوم کر اور چکر لگا لگا کر سکتی ہیں تو ذات باری کے حکم سے اس مالک کائنات کے حکم سے جس کے اشارہ ابرو پر یہ تمام اجرام فلکی کروڑہا برس سے ناچ رہے ہیں۔ اگر ایک محبوب ترین بندہ اپنے جسم کے ساتھ عرش تک پہونچے اور وہ بھی اتنے قلیل عرصہ میں کہ واپسی تک اس کا بستر بھی گرم رہے اور دروازہ کی کنڈی ہلتی رہے تو اس میں کون اشکال ہے؟

یورپ والے ابھی صرف چند باتوں سے واقف ہوئے ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے موجودہ تمدن کی بنیاد رکھی ہے وہ صرف یہ ہے۔ پانی آگ ہوا بھاپ اور بجلی کے پیدا کرنے پر مطلع ہو کر دعویٰ خدائی کرنے لگے ہیں حالانکہ ان کو خود اس کا اقرار ہے کہ ہماری نظروں سے ابھی فطرت کا سارا خزانہ مخفی ہے اور جو کچھ منکشف ہوا ہے وہ مخفی کے مقابلہ میں کالعدم ہے۔ پس جب صورت حال یہ ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ خدا نے کسی ایسی طاقت کے ذریعہ سے جو انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے لیکن وہ تیز رفتاری اور اسپرٹ میں بجلی اور وہاں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہو اپنے محبوب بندے کو اپنے پاس بلا لیا ہو خدا کے حکم سے محال ممکن بن سکتا ہے اور ممکن موجود پس اگر یہ انسانوں کے نزدیک ہے کہ نبی کریم اپنے جسم کے ساتھ عالم بالا کی سیر کیلئے تشریف لے گئے تو خدا اسکو ممکن اور ممکن سے موجود کر سکتا ہے اور موجود کر چکا ہے۔ قرآن کا کوئی اصول تسلیمی نہیں ہے۔ اس کے تمام احکامات اسباب و دلیل سے آراستہ ہیں۔ اسلام دنیا میں عقل و نقل لیکر آیا ہے اگر وہ اپنے پیروؤں کو اسکی تعلیم دیتا ہے کہ تم خدا کے وجود کو دلیل یا بلا دلیل ہر طرح سمجھو اور وہ خود قرآن میں اپنے وجود اور توحید پر قاطع دلائل رکھتا ہے تو اسی اصول کے ماتحت ہم معراج کو جہاں دلائل سے بے نیاز ہو کر کہیں گے وہاں قرآن کی روشنی میں اسکے دلائل اور عقلی امکانات پر بھی نظر ڈالیں گے۔ جہاں تک معراج کے مسئلہ کو عقل کی روشنی میں سمجھ سکتے ہیں سمجھیں۔ معراج کی بحث میں براق کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم نے آسمانوں کی سیر براق کے ذریعہ سے کی۔ براق کی تشبیہ اگرچہ گھوڑے سے دی گئی ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ملاء اعلیٰ میں کسی جانور کی کیا ضرورت۔ براق برق سے مرکب ہے جسکو انگریزی اور سائنس کی زبان میں الکٹریسٹی کہتے ہیں اور جس کے لئے اردو میں بجلی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ براق کی رفتار کے متعلق احادیث میں ہے کہ تخیل بھی اس کی آہٹ کو بھی نہیں پہونچ سکتا اور ہوا و طوفان جسکی تیز روی کے سامنے شرمندہ ہیں۔ ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ براق کے معنی گھوڑا یا خچر لینا غلط ہے کیونکہ یہ ہماری مادی دنیا کی سواریاں ہیں۔ ملاء اعلیٰ میں جو چیز سواری کا کام دیتی ہوگی وہ کوئی اور نادیدہ و ناشنیدہ ہوگی۔ پس براق کے الفاظ اور اسکی صفات یہی بتلاتے ہیں کہ آقائے سرور کائنات نے بجلی کی سی تیز طاقت کی مدد سے اس طویل مسافت کو پل بھر میں طے کرلیا۔ فرض کرو کہ وہ براق اتنی ہی طاقت رکھتی ہو جتنی موجودہ الکٹرک میں ہے یا وہ بھی بجلی ہو تب بھی اسکی تیز روی کی ایک دھندلی سی جھلک آنکھوں کے سامنے پھر سکتی ہے۔ اس زمانہ میں دیگر موجودہ تحقیقات کے سلسلے نے مذہبی مسائل میں تہہ پہنچنے اور ادیان باطلہ کے پرخچے سائنس نے اڑا رکھے ہیں۔ ہم اسلام کی تعلیمات کو بدستور درخشاں پاتے ہیں بلکہ یہ اسلام کی ایسی عدیم النظیر کامیابی اور صداقت ہے جو اس کے اعلیٰ مذہب ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہم اور غور سے دیکھو! کہ جس برق یا براق کا تذکرہ معراج میں ہے اور جسکی تیز رفتاری ایک افسانہ سا معلوم ہوتی ہے۔ آج اس کو موجودہ سائنس نے لوازمات زندگی سے بنا دیا ہے۔ ریل اور موٹر کار نیز چاندنی دو پہروں کی تجلیاں ٹیلیفون ٹیلیگرام اور وائرلیس کو دیکھو جن کو بے تار برقی کہا جاتا ہے یہ کتنے تیز رفتار ہیں۔ ان تمام چیزوں کی محرک صرف بجلی یا الکٹرک ہے۔ آپ ہزاروں میل دور بیٹھ کر ٹیلیفون میں بات کرتے ہیں۔ آپ سکنڈ بھر میں بعد مسافت کے باوجود گفتگو کرتے اور گفتگو سنتے ہیں۔ اس کا کیا راز ہے؟ یہی نا کہ آپ کی آواز کو برقی لہریں ایک سکنڈ سے بھی کم مدت میں ہزاروں میل دور پہونچا دیتی ہیں۔ یہ تیز روی کی مثال تھی اب تو اور کیا ہے ٹیلیفون میں تو آپ کو برقی تاروں کے سلسلے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن وائرلیس تو اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے۔ لندن سے بیٹھ کر آپ دہلی میں یا کلکتہ سے بیٹھ کر آپ نیویارک میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے مخاطب کی آواز پہچان سکتے ہیں حالانکہ نہ کوئی سلسلہ ہے اور نہ کوئی تار کا ارتباط وجہ کیا ہے؟ یہی نا کہ آپ کی آوازوں کو برقی لہریں ہوا کے تلاطم میں گذارتی ہوئی لاکھوں میل کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد آپکے مخاطب تک پہونچا دیتی ہیں۔ پھر یہ ساری گفت و شنید جواب سوال اسی ایک لحظہ میں رونما پذیر ہوتے ہیں۔ بیشک کہ اگر بلا مبالغہ اس دنیا سے جاکر کسی دوسری دنیا میں آباد ہو جائیں اور وہاں سے براہ وائرلیس پیغام بھیجیں اور سنیں تو آپ اسی لمحہ میں جبتک کہ آپ بول رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔ اس نامہ و پیام کے سلسلے سے فارغ ہو جائیں گے۔ اس سلسلہ میں برقی طاقت سے ایک اور کام لیا گیا ہے اور وہ یہ کہ آپ آواز کی طرح اپنی ہو بہو اور تصویر بھی براہ وائرلیس دور دراز مقامات پر بھیج سکتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ آپ رات کے وقت فضا میں برقی طاقت کے ماتحت اشتہارات و خبریں مشتہر کر سکتے ہیں۔ آپ کی

لکھی ہوئی تحریریں لہروں کے ساتھیوں میں ڈہل کر فضا میں معلق رہ سکتی ہیں۔ چنانچہ حال میں لندن کی اخباری دنیا میں اسی قسم کا انقلاب ہوا ہے۔ ہوائی جہاز کو دیکھو جو کس اطمینان اور مزہ کے ساتھ تیز دھن کی طاقت کے زور پر فضا میں پرواز کرتا ہے۔ حالانکہ کسی ثقیل چیز کا ہوا میں پرواز کرنا اور ٹہیرنا محالات میں سے ہے پس کہاں ہیں وہ لوگ جو معراج جسمانی کو محالات میں سے سمجھتے ہو۔! آؤ اور خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کو غور دیکھو۔ پھر اگر بجلی کی طاقتیں مسلمات سے ہیں ٹیلی فون ایک واقعی شئے ہے وائرلیس کا دنیا میں وجود ہے تو اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ آنحضرت کی معراج جسمانی تھی اور یہ کوئی مستبعد اور محال امر نہیں ہے اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عروج جسدی کے انکار کی بنیاد فلسفہ جدیدہ ہے۔ حالانکہ یہ فلسفہ ہمارے لئے معاون اور مددگار ہے۔ ہم جس براق یا برق کو آنحضرت کی سواری بتلاتے ہیں وہی براق یعنی الکٹرک موجودہ فلسفہ کی بنیاد ہے۔ اب کوئی دشواری معراج کے مفہوم کو سمجھنے میں باقی نہیں رہی۔

یہ تو تھے وہ دلائل جو موجودہ دور میں ہمارے لئے واضح طور پر پیش آتے ہیں اور جو مشاہدات بلکہ معراج جسمانی کو ثابت کر رہے ہیں اب دیکھئے مذہبی بنیاد پر جسمانی معراج ہمارے نزدیک اور زیادہ تفصیلی آتا ہے۔ بلکہ معراج جسمانی کا خیل مذہب میں کوئی مستبعد نہیں ہے یہ صحیح ہے کہ اسلام دنیا میں بعید از قیاس تعلیمات لے کر نہیں آیا اور وہ انسانوں کی سمجھ میں نہ آنے والی بات نہیں کہتا۔ معراج جسمانی بظاہر ایک حیرت انگیز معجزہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے امکانات وقوع پر غور کرنے کے بعد یہ چیز سمجھ میں آجاتی ہے۔ دیکھو! جبرئیل علیہ السلام مرتبہ اور شان میں نبی کریمؐ سے فروتر ہیں۔ وہ جب کبھی نبی کریمؐ کے پاس تشریف لائے وحی کے حامل بن کر۔ تو وہ گاہ جسمانی شکل میں آئے اور گاہ ایک لطیف نورانی پیکر میں۔ انکی رفتار عرش بریں سے مکہ کے مقدس وادی تک لمحے ہی کے اوقات میں ہوتی۔ حالانکہ وہ ایک متشکل صورت میں تھے۔ پس اگر جبرئیل امین خدا کے حکم سے مجبور ہو کر ایک لمحہ میں دنیا کے اردگرد چکر لگا سکتے ہیں تو کیوں نہیں اس خدا کا ایک محبوب ترین بندہ جو جبرئیل اور کل کائنات سے زائد پرعظمت ہے۔ خدا کے ہی حکم سے ایک لمحہ میں عرش ربی کی سیر کرتے۔ دیکھو! ابلیس لعین ایک لمحہ میں دنیا کے دور دراز حصے میں پہونچکر لوگوں کو دہوکا دیتا پھرتا ہے۔ وہ ایک ہی لمحہ میں مشرق کے آدمی کو اور مغرب کے آدمی کو بھی عصیان پر آمادہ کرتا ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ وہ ایک جسمانی ہستی ہے۔ جس کا جسم انسانوں کے جسم کے مقابل زیادہ لطیف ہے۔ تمہاری سمجھ میں یہ تو آگیا ہوگا کہ چند لمحات میں اتنی دور کی مسافت طے کر لینا ممکن ہے لیکن شاید یہ سمجھنے میں تم کو تذبذب ہو کہ انسانوں کی طرح جسم ثقیل بھی اتنی پرواز کر سکتا ہے۔ بلاشک انسانوں کا جسم ثقیل اتنی مسافت طے نہیں کر سکتا لیکن سوچو تو کہ آنحضرت سرور کائناتؐ کا جسم بھی کیا ہماری طرح ثقیل تھا۔ ہاں آپ انسان تھے اور آپ کا بدن بھی انسانوں کی طرح تھا لیکن آپ کے جسم میں وہ لطافت و نزاکت تھی جو ملائکہ کے اجسام لطیف میں ممکن نہیں حضرت شاہ ولی اللہ معراج جسمانی کے قائل ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ عالم بیداری میں آسمان پر تشریف لے گئے تو اس وقت آپ کے جسم میں روح جیسی نزاکت و لطافت پیدا ہو گئی۔ میرے خیال میں شاہ صاحب کا یہ استدلال اس مسئلہ کی قاطع دلیل ہے۔ جو کچھ دشواری اور اشکال ہے وہ یہی کہ جسم ثقیل کے ساتھ اتنی مسافت اتنی تیزی کے ساتھ ممکن نہیں۔ لیکن جبکہ جسم دنیاوی کثافت و ثقالت سے صاف ہو کر اپنی اصلیت پر آگیا ہو۔ اور وہ روح کی طرح صاف و شفاف لطیف و نازک ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے۔ گویا اس حالت میں آپ پر جو اثرات طاری ہوں گے وہ روح کے ہونگے۔ آپ ملائکہ و جبرئیل کی طرح عرش پر گئے اور دنیا میں واپس آئے۔

معراج کے مسئلہ پر اور اس کی حقیقت پر ذرا غور کرو یہ کونسا وقت تھا؟ یہ انسانیت کی ترقی کا دنیا میں سب سے بلند ترین ساعت تھی جسکی عظمت و تقدیس پر دنیا کو نثار کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ معراج کا واقعہ ہے جس کے ذریعہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور بارگاہ خداوندی میں فرشتوں پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ اوقات کا مالک خدا ہے وہ اگر چاہے تو اس میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ پس اگر اس نے ایک گھڑی وقت کو جس میں نبی کریمؐ آسمان پر جائیں۔ اور واپس آئیں۔ ایک لمحہ میں بدل دیا تو کسی انسان کو اس میں دم مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہرحال معراج کا مسئلہ واضح ہو گیا ہے خداوند کریم قادر مطلق ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ معراج ہی اس کی قدرت کاملہ کا ایک مکمل نمونہ ہے ٭

تاریخ معراج

(از حضرت مولانا عبد التواب صاحب فاضل دینیات مولوی فاضل منشی فاضل)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ۱۲ نبوت میں آں حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اکیاون برس نو مہینے کی تھی۔

پیر کا دن رجب المرجب کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ (تاریخ الخمیس)

معراج عروج سے مشتق ہے۔ معراج کے معنی زینہ (سیڑھی) کے ہیں۔ معراج مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک ہے اور اسرا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہے۔

اس عنوان کی پہلی آیت (سُبْحٰنَ الَّذِیْ) میں اس واقعہ کا مختصر بیان ہے۔ سورۃ النجم کی آیات میں زیادہ وضاحت ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں معراج شریف کی مفصل بحث ہے۔

آیت اسرا کی تفسیر

بعض ظاہر بیں لوگوں کو معراج شریف محال و مستبعد معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس واقعہ کو لفظ سُبحان سے شروع فرمایا۔ مطلب یہ کہ خدائے تعالےٰ ہر قسم کے عیب و نقص اور عجز سے پاک ہے۔ اس قادر قیوم کو ایک رات میں اپنے بندہ کو مکہ سے بیت المقدس لے جانا اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کرانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ جو حضرات معراج شریف کو محال تصور کرتے ہیں وہ خدائے واحد قدیر کو عجز و نقص کا عیب لگاتے ہیں۔ حالانکہ ذات خداوندی عیوب نقصانات سے مبرا و منزہ ہے۔

اکثر آیات میں اللہ تعالےٰ نے حبیب کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بندہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آیت اسرا میں "بِعَبْدِہٖ" اور سورۃ النجم میں "اِلٰی عَبْدِہٖ" فرمایا ہے۔ اس سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ کے لئے خالق کا بندہ ہی کہہ دینا کمال فخر ہے۔ لفظ عَبْد سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس معجزہ عجیب کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الوہیت کا شبہ نہ کرسکے۔ لَیْلًا کی تنکیر۔ اس امر کی تصریح کے لئے ہے۔ کہ آپ کا یہ سفر رات کے ایک نہایت ہی قلیل جزو میں تھا۔ یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ پر دال ہے کہ نہایت تھوڑے عرصہ میں اپنے بندہ کو اس قدر مسافت طے کرا دی۔

مسجد حرام کا اطلاق کبھی مطلق حرم پر بھی آتا ہے۔ اس صورت میں مسجد حرام سے مراد کل حرم ہوگی۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ اس وقت حطیم میں تشریف فرماتے۔ اور بعض میں آیا ہے کہ آپ ام ہانیؓ کے گھر میں تھے۔ اس آیت کو دونوں پر محمول کرسکتے ہیں کیونکہ ام ہانیؓ کا گھر حدود حرم ہی میں تھا۔ ام ہانیؓ کے گھر سے حطیم میں آنا۔ وہاں سے آگے تشریف لے جانا کوئی امر محال نہیں۔

مسجد اقصیٰ۔ اقصیٰ کے معنی عربی میں دور تر کے ہیں۔ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) خانۂ کعبہ سے بہت دور ہے۔ مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا زمانہ نزول وحی میں روئے زمین پر اور کوئی مسجد نہیں تھی۔

اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ مسجد اقصیٰ کے گرداگرد کو برکت والا اس لئے فرمایا کہ وہاں نہروں۔ درختوں اور پھلوں کی کثرت ہے اور یہ مقام انبیاء صلحاء کا مسکن و مدفن۔ ملائکہ کا مہبط ہے۔ آں حضرتؐ کی بعثت سے پہلے انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ یہی تھا۔

لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا کے بعد اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ کے ایزاد سے ان امور کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) یہ کہ مکذبین اور معراج کے منکرین کے انکار کو ہم سنتے ہیں قیامت کے دن ان کو پوری پوری سزا دیں گے۔

(۲) یہ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج کے وقت عجائبات کی رویت ہوئی۔ جو بعض آیات ہم نے ان کو دکھلائیں انھوں نے دیکھیں۔ مگر وہ علم میں ہمارے برابر نہیں ہوگئے۔ کیونکہ ہم علی الاطلاق بالذات سمیع و بصیر ہیں۔

(تفسیر بیان القرآن)

اس آیت میں مسجد اقصےٰ تک تشریف لے جانا مذکور ہے مسجد کے اندر جانے اور انبیا علیہم السلام سے ملاقات کرنے اور نماز میں آں حبیبؐ کے امام بننے کی تصریح اس عنوان کی دوسری حدیث میں موجود ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔

اس آیت میں آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے کی تصریح نہیں ہے۔ صرف اشارہ ہی ہے۔ زیادہ صراحت سورۃ النجم میں ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں مفصل واقعہ مذکور ہے۔

معراج جسمانی کے نقلی دلائل

جمہور۔ فقہاء۔ محدثین۔ متکلمین اور صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالے علیہم اجمعین کا یہ مذہب ہے کہ معراج شریف بیداری کی حالت میں ہوئی اور آپ مع جسم مبارک کے مسجد حرام سے مسجد اقصٰے تک تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ (شفاء قاضی عیاضؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصٰے تک پھر سدرۃ المنتہےٰ تک اور جہاں تک کہ اللہ تعالے نے چاہا۔ لیجایا گیا۔ یہ سب کچھ جسم مبارک کے ساتھ بیداری میں تھا۔

لفظ عبد جو کہ مندرجہ بالا ہر دو آیات میں واقع ہوا ہے جس کا ترجمہ بندہ ہے۔ مجموعہ روح اور جسد کا نام ہے۔ اس کا اطلاق صرف روح پر صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ ہر جگہ اس سے مراد روح مع الجسد ہی ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی کیا تونے (ابوجہل کو بھی) دیکھا۔ جب ہمارا بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اُسے روکتا ہے۔ (علق پارہ ۳۰)

ظاہر ہے کہ اس آیت میں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے نہ صرف روح۔ کیونکہ ابوجہل صرف روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا۔ دوسری جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا یعنی جب اللہ کا بندہ محمدؐ نماز پڑھنے کھڑا ہوا تو قرآن شریف سُننے کے لئے جن اس پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ (جن پارہ ۲۹)

ظاہر ہے کہ صرف حضرتؐ کی روح نماز پڑھنے نہیں کھڑی ہوئی تھی۔ اور جنات آپ کی روح پر نہیں ٹوٹ رہے تھے۔ نیز سورۃ مریم پارہ تبارک الذی میں خدائے تعالے فرماتا ہے۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا[1] اس آیت میں بھی عبد سے مراد حضرت زکریاؑ کی روح و جسد دونوں ہیں۔ الغرض اس قسم کی مثالیں قرآن شریف میں بہت ہیں کہ عبد سے مراد روح مع الجسد ہے (ھکذا فی کتب التفاسیر)

خدائے قادر و قیوم ہر چیز پر قادر ہے۔ اُس کے لئے کوئی امر مشکل نہیں۔ وہ خود فرماتا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (والیس ع ۵ پارہ ۲۳) یعنی جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے کہ ہوجا۔ پس وہ کام ہوجاتا ہے۔

پس جس خدا نے خلاف عادت زکریاؑ کے بڑھاپے میں اور باوجود ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے لڑکا عطا فرمایا۔ اور جس خدا نے حضرت مریمؑ کے بطن مبارک سے بغیر باپ کے عیسٰی علیہ السلام جیسے اولو العزم پیغمبر کو پیدا فرمایا۔ بے شک اُس کو قدرت ہے کہ وہ اپنے حبیبؐ کرم کو معراج مع الجسد کرا سکتا ہے۔ جب اللہ پاک نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مدعو فرمایا تو مہمان نوازی اس امر کی مقتضی تھی کہ آپ کا خاص طور سے احترام و اہتمام کیا جائے۔ چونکہ آپ سید المرسلین فخر الاولین والآخرین ہیں۔ اور سید میں دوسروں کے تمام کمالات بدرجہ اتم ہونے چاہئیں۔ لہذا ضروری تھا کہ جہاں خدائے پاک نے حضرت موسیٰؑ سے مع الجسد کوہ طور پر باتیں کیں۔ اور اپنے نور کا جلوہ دکھایا (اگرچہ موسیٰ اس جلوہ خداوندی کی تاب نہ لاسکے اور بیہوش ہوکر گر پڑے) وہاں جناب سید المرسلین کو آپ کے شایان شان درجہ قرب عطا فرمایا جاتا۔ جسم اطہر مع الروح والجسد کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کی جاتی۔

علاوہ ازیں آپ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر بھی فوقیت حاصل تھی۔ اور چونکہ وہ آسمان پر زندہ مع الجسم اٹھائے گئے تھے۔ اس لئے آپ کو حضرت عیسٰی سے بڑھ کر سرفراز فرمانا ضروری امر تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن معراج روحانی کی صورت میں یہ بات حاصل نہیں۔ اس سے بھی معراج جسمانی ہی ثابت ہوتی ہے۔

منکرین معراج کے شبہات کا ازالہ

سوال اوّل:۔ آسمان کا وجود نہیں۔ پھر آسمان پر تشریف لے جانا جسمانی معراج کا ہونا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔

جواب سوال اوّل:۔ حکیم فیثا غورث اور اس کے بعد اس کے تلامذہ اور مقلدین نے آسمان کے وجود سے انکار کیا ہے پس ایک فرد واحد کے انکار سے عدم ثابت نہیں ہوتا۔ آسمان کا وجود ایک مسلمہ امر ہے ہزاروں برس سے بڑے بڑے علماء۔ بڑے بڑے فلاسفر۔ تمام جہان کے عقلاء و حکماء فلسفے کے موجد یونان کے دانا۔ آسمانوں کے وجود کے قائل رہے ہیں۔

علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام پر وقتاً فوقتاً جو کتابیں نازل ہوئیں وہ سب کی سب بڑے زور سے آسمانوں کا وجود ثابت کرتی ہیں۔

پس جس چیز کو تمام عقلاء اور جہان بھر کے عالم و جاہل۔ نیز ارضی و سماوی کتابیں تسلیم کرتی ہیں۔ وہ چیز بغیر دلیل کے کیونکر رد ہوسکتی ہے

[1] اے حبیبؐ یہ اس مہربانی کا ذکر ہے جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی تھی۔ ۱۲ (مریم پارہ ۱۶ ع ۱)

محض یہ کہنا کہ اگر آسمان موجود ہے۔ تو نظر کیوں نہیں آتا۔ کچھ وقیع امر نہیں۔ کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان باریک سے باریک اور اعلیٰ درجہ کی دُوربینوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ زمین اور سمندر کی تہہ میں۔ پہاڑوں کے اندر ایسی چیزیں ہزارہا مخفی ہیں۔ جن کو انسان کسی دُوربین سے نہیں دیکھ سکتے۔ شیشے کا گلوب اگر کسی روشن چراغ پر فاصلے سے رکھا جائے تو دیکھنے والے کو صرف جلتا ہوا چراغ ہی نظر آئے گا۔ شیشہ کسی طرح نظر نہیں آ سکتا۔ پس شیشے کا نظر نہ آنا انکار کی کوئی دلیل نہیں۔

آسمان شیشے کی طرح صاف ہے۔ حد نگاہ سے دُور ہے۔ اس لئے نظر نہیں آ سکتا مگر نظر نہ آنا معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

فیثا غورث سے پہلے عقل و نقل کا اجتماع بدستور قائم رہا۔ اور آسمان کا وجود عقل و نقل سے ثابت ہوا۔

سوال دوم۔ آسمان کا وجود ماننے کے بعد حکمائے قدیم کے خیال کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ آسمان مثل پیاز کے چھلکوں کے پرت در پرت ہیں۔ لہٰذا خرق و التیام۔ پھٹنے اور جُڑنے کے قابل نہیں۔

جواب دوم۔ یہ شبہ صرف حکیم بطلیوس کی تقلید سے پیدا ہوا وہ تو آسمان ٹھوس اور سخت ایک سے ایک ملے ہوئے کا قائل تھا۔ اسی کے نکالے ہوئے نظام کو مسلمانوں نے عربی زبان میں نقل کیا۔ حالانکہ خود حکماء ہی نے اس نظام کو باطل کر دیا اور آسمانوں کا ایسا سخت جسم ہو نا کہ جس میں کوئی چیز چھید نہ سکے۔ غلط ہوا اور یہ ثابت ہوا کہ ہزارہا تارے چاند۔ سورج گردش کرتے ہیں۔ اگر آسمان ٹھوس ہوتے تو ستاروں وغیرہ کی گردش کیسے ممکن ہوتی۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ آسمان ٹھوس اور سخت اجسام ہیں تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان میں دروازے اور راستے نہیں ہیں۔ اور جو یہ بھی فرض کیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ پھٹنے اور جُڑنے کے لائق نہیں۔

جو دلیل حکمائے قدیم نے آسمانوں کے نہ پھٹنے پر قائم کی ہے وہ کئی جگہ سے مخدوش ہے۔ کیونکہ اس کے مقدمات ممنوع ہیں۔

سوال سوم:۔ صرف قیاس میں نہ آنے سے کوئی امر محال نہیں ہو سکتا۔ خود زمین کی حرکت کو دیکھو۔ اٹھاون ہزار میل ایک گھنٹہ میں طے کرتی ہے۔ یعنی توپ کے گولے سے ایک سو بیس گنا جلد حرکت کرتی ہے۔ پھر نہ زمین کے اجزا میں تفرق ہوتا ہے اور نہ ہم کو کسی قسم کی پریشانی ہوتی ہے۔

اور جن لوگوں کے نزدیک آفتاب متحرک ہے اور زمین ساکن ہے تو آفتاب زمین سے دس کروڑ میل کے فاصلہ پر ہونے سے اس کا مدار ساٹھ کروڑ میل کا ہوا اور ساٹھ کو چوبیس پر تقسیم کرو۔ تو ہر ساعت میں اڑھائی کروڑ میل آفتاب کی حرکت ہوتی۔ حالانکہ اس قدر تیز حرکت سے بھی نہ آفتاب کا جسم پھٹتا ہے نہ اس کے اجزاء میں تفرق ہوتا ہے۔ اب اس سے زیادہ تیز حرکت کو دیکھو۔ روشنی جو آفتاب سے ہم تک پہنچتی ہے اس کی حرکت ایک دقیقہ یعنی منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ روشنی ایک عرض ہے جو دوسرے جسم سے قائم ہے۔ اور کلام جوہر کی حرکات میں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلط ہے۔ کہ روشنی عرض ہے۔ بلکہ روشنی ایک جسم ہے جو چھوٹے چھوٹے اجزاء سے مرکب ہے اور وہ اجزاء نہایت تیزی کے ساتھ روشن جسم سے سب طرف پھینکے جاتے ہیں۔ پھر جب حرکت کی تیزی کی کوئی انتہا نہ نکلی اور نہ جسم کی سختی کی تو اس صورت میں خدائے کریم قادر مطلق کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ اپ جسم مبارک کو جتنی چاہے اتنی تیز روی عنایت فرمائے اگرچہ وہ ہمارے قیاس اور عادت سے بعید ہو۔

ابوجہل نے اپنے ہی قیاس سے معراج شریف کو بعید سمجھ کر انکار کیا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے عقل سلیم سے کام لیا۔ اور معراج مقدس کی تصدیق فرمائی۔ اور صدیق لقب پایا۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ٭ اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔

سوال چہارم۔ (الف) جسم عنصری بغیر ہوا اور حرارت شدید کی وجہ سے صحیح و سالم نہیں رہ سکتا۔ پھر آپؐ مع جسم مبارک کے کرۂ نار سے کیونکر صحیح و سالم گزر گئے۔

(ب) انسان کی کثرت برودت رخنکی کی وجہ سے کرۂ زمہریر سے بھی نہیں گزر سکتا۔ کیونکہ انسان کے لئے شدت برودت کے باعث سانس لینا دشوار اور بے سانس لئے زندگی محال ہے۔

جواب سوال چہارم:۔ (الف) یہ امر مسلمہ ہے کہ آگ کا خاصہ احراق (جلانا) ہے۔ اور بعض چیزوں کا خاصہ آگ میں جلنا ہے۔ اول کو فعل دوسرے کو انفعال یا تاثیر اور اثر کہتے ہیں۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ ہر ایک چیز کے خواص اس سے علیحدہ اور جدا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مختلف ادویہ کے احتیاط سے اور ایک دوسرے سے ملنے کی وجہ سے اثر زائل یا معتدل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے جسم عنصری کو آگ میں جلنے سے مامون و محفوظ رکھا اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں بھی انفعال نار کا خاصہ ودیعت رکھا ہو۔ اور اس وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرۂ نار سے صحیح و سالم تشریف لے گئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آگ میں روشنی باقی رہے اور احراق (جلانے) کا مادہ مفقود ہو جیسے دلائی آتش بازی اور پھول جھڑی وغیرہ۔

اس قسم کی آتش بازیوں میں آگ جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر یہ آگ دوسری چیز کو جلاتی نہیں۔ اسی طرح بعض نوایجاد چیزیں ہیں جن کو یورپ میں پہن کر آگ میں کود پڑنے سے بھی آگ اثر نہیں کرتی۔ سمندر کیڑا آگ میں رہتا ہے۔ آگ کو آب حیات جانتا ہے نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔

گیس کے ہنڈوں میں یا بجلی کے لیمپوں میں ایک جالی دار سوتی کپڑا ہوتا ہے۔ اس پر ولایتی گھاس کا روغن ہوتا ہے۔ اس لئے روشنی صاف ہو کر اچھی طرح روشن ہوتی ہے۔ یہ کپڑا نہیں جلتا۔ اسی طرح آنحبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا پسینہ حضورؐ کو کرۂ نار سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور آپ کی مقدس ذات کے اثرات سے کرۂ نار کی آگ روشن اور زیادہ صاف ہو سکتی ہے۔

سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ تیزی حرکت کی کوئی مقدار معین نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جناب سید المرسلینؐ کو اللہ تعالےٰ نے اس تیزی اور سرعت سے کرۂ نار اور کرۂ زمہریر سے آسمانوں پر لے گیا کہ آنحضرتؐ کے جسم اطہر کو ان کے اثرات کا مطلق اثر نہ ہوا ہو۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے جو اس کے ارادہ میں ہے اس کا حکم دیتا ہے)

(ب) انسان کچھ عرصہ تک بے سانس لئے زندہ و سلامت رہ سکتا ہے۔ بہت سے باخدا صوفی۔ فقیر یا جوگی ایام چلہ کشی میں حبس دم کرتے ہیں۔ سات دن چوبیس گھنٹے بلکہ اس سے زیادہ دیر تک مطلقاً سانس نہیں لیتے۔ پھر بھی زندہ رہتے ہیں۔

جنین (بچہ) کئی ماہ تک اپنی ماں کے پیٹ میں بے سانس لئے زندہ رہتا ہے۔ بعض غوطہ خور موتیوں کی تلاش میں کئی کئی گھنٹوں کا غوطہ لگاتے ہیں۔ پانی میں سانس نہیں لیتے۔ جب یہ لوگ صحیح و سالم بچ رہتے ہیں۔ تو دریائے معرفت الٰہی کے گرانبہا موتیوں کے طالب روحی فداہ حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم چند لمحے سانس نہ لیں تو کیا بعید ہے۔ علاوہ ازیں حرکت کی کوئی مقدار معین نہیں۔ ایک حرکت چھکڑے کی ہے۔ ایک مال گاڑی کی۔ ایک ڈاک گاڑی کی۔ ایک تار برقی کی۔ ایک بجلی کی حرکت ہے۔ جو آناً فاناً میں مشرق سے مغرب تک کروڑہا کوس جا پہنچتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تیزی اور سرعت سے آسمانوں پر بلایا کہ بجلی کی حرکت بھی اس کے مقابلے میں ماند ہے۔ اس لئے آنحبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو کرۂ نار اور کرۂ زمہریر کے اثرات کا مطلق اثر نہ ہوا۔

معراج شریف کے واقعات

اب معراج شریف کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔ جو احادیث صحیحہ اور سیر کی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ اول آپؐ کا سینہ اوپر سے نیچے کی جانب چاک کیا گیا۔ اور آپؐ کا قلب نکالا گیا۔ اور زمزم شریف کے پانی سے دھو کر ایک ایسے طشت میں رکھا گیا۔ جو ایمان و حکمت سے مملو تھا پھر قلب مبارک اصلی مقام پر رکھ کر درست کر دیا گیا۔ پھر آپؐ براق پر سوار کئے گئے۔ جب آپ معراج شریف کے لئے روانہ ہوئے تو پہلے آپ کا گذر نخلستان پر ہوا یہاں کھجور کے درخت کثرت سے تھے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ زمین یثرب کی ہے۔ آپ کی ہجرت گاہ ہے یہاں اتر کر دو رکعت نماز (نفل) پڑھیئے۔ آپؐ نے نماز پڑھی۔ پھر وہاں سے چل کر ارض مدین میں پہنچے۔ یہاں بھی نماز پڑھی۔ پھر بیت اللحم جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی پہنچے۔ یہاں بھی حضرت جبرئیلؑ کے کہنے سے نماز پڑھی۔ وہاں سے چلکر آپ نے ایک پیرزالہ بڑھیا کو دیکھا جو زینت کئے ہوئے راستہ میں کھڑی تھی۔ آپ سے کہا میری طرف دیکھئیے۔ آپ نے التفات نہ کی۔ پھر آپ نے ایک جانب سے پکارنے کی آواز سنی۔ وہاں سے آگے چلے تو ایک جماعت کو دیکھا جنہوں نے آپ کو سلام کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کے بموجب ان کو سلام کا جواب دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ وہ بڑھیا جو آپ نے دیکھی تھی۔ دنیا تھی۔ اور جس نے آپ کو پکارا تھا۔ وہ شیطان تھا۔ اگر آپ ابلیس اور دنیا کے پکارنے کا جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔ اور جنہوں نے آپ کو سلام کیا۔ حضرت ابراہیمؑ۔ اور موسیٰؑ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام تھے (بیہقی)

عالم برزخ اور عالم مثال

معراج کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم برزخ[1] اور عالم مثال[2] میں نیک اور بد لوگوں کو دیکھا (مظاہر حق)

(۱) مجاہدین اسلام

ایک قوم پر آنحبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا یہ قوم جو کھیتی بوتی تھی۔ اسی دن وہ تیار ہو جاتی تھی۔ اور یہ اسے کاٹ لیتی تھی۔ لیکن کٹی ہوئی کھیتی پھر اسی طرح تیار ہو جاتی تھی آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کہ یہ کون

---

[1] عالم برزخ۔ موت اور قیامت کے درمیان میں روحوں کے رہنے کا مقام ہے۔ ۱۲ غیاث اللغات

[2] عالم مثال عالم ارواح سے کثیف اور عالم اجسام سے زیادہ لطیف ایک عالم ہے اس میں فرشتے۔ ارواح و معانی جسم و صورت سے متشکل ہوتے ہیں (مکتوبات وغیرہ)

لوگ ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا گروہ ہے۔ ان کو ایک نیکی کے بدلے سات نیکیاں مل رہی ہیں۔ وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ؕ (اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالےٰ اُس کا بدلہ دیتا ہے) (سبا ع ۴ پ ۲۲)

(۲) بے نماز

ایک تباہ حال قوم پر گذر ہوا۔ ان لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جاتے تھے۔ کچلنے کے بعد پھر ان کے سر اسی طرح مندمل ہو کر دُرست ہو جاتے تھے۔ اور یہ عذاب اُن کے سروں پر برابر جاری تھا۔ آپ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا۔ کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کہ ان کو ایسا سخت عذاب ہو رہا ہے حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے سر فریضۂ خداوندی بوقتہ کے ادا کرنے سے بھاری ہو گئے تھے۔ نماز پڑھنے میں سستی و کاہلی کرتے تھے۔ ہارے جی سے بے وقت ادا کرتے تھے۔ رکوع و سجود اچھی طرح نہیں کرتے تھے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ؕ (اُن نمازیوں کی تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں) (ماعون رکوع ۱ پارہ ۳۰)

(۳) زکوٰۃ نہ دینے کی سزا

پھر آپ ایسی قوم کے پاس سے ہو کر گزرے۔ جن کی شرمگاہوں پہ آگے پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے۔ جانوروں کی طرح اُن کو جھاڑیاں اور خاردار[1] درخت اور دوزخ کے تپتے ہوئے پتھر کھلائے جاتے تھے۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ؕ (الدخان ع ۳ پ ۲۵) آپ نے جبرئیلؑ سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صاحب زکوٰۃ تھے۔ اور باوجود مالداری کے زکوٰۃ نہیں دیتے تھے (مواہب الدنیہ)

(۴) زناکار

پھر جناب رسالت مآبؐ ایک قوم کے پاس سے گذرے۔ اس کے پاس ایک طرف صاف ستھری دیگوں میں نہایت عمدہ پکا ہوا گوشت رکھا تھا۔ دوسری طرف ناپاک دیگوں میں مردار گوشت رکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ مردار گوشت تو کھاتے تھے اور حلال و طیب گوشت سے نفرت کر کے اُسے چھوتے تک نہ تھے۔ آپ نے پوچھا کہ اے جبرئیلؑ یہ کیا بات ہے۔ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ یہ آپ ہی کی اُمت کے وہ لوگ ہیں جو اپنی حنیفہ پارسا۔ حلال طیب بیبیوں کو چھوڑ کر خبیث و بدکار عورتوں کے پاس حرام کاری کے لئے آتے

---

[1] بیشک زقوم کا درخت مجرم کافر کا کھانا ہوگا۔ ۱۲ منہ

(بقیہ صفحہ) صفت میں رہتے ہیں جیسے علمؑ دودھ کی صورت اور جبرئیل علیہ السلام بشر کی صورت میں فقولہ تعالےٰ فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرًا سویا (مریم ع ۲ پ ۱۶) ہم نے اپنی روح (جبرئیلؑ) کو ان کی طرف بھیجا تو وہ اچھے خاصے آدمی کی شکل میں ان کے آگے آ کھڑے ہوئے۔

۱۲ نواب عفرلہ

ہیں۔ اور زانیہ عورتوں کے ہاں شب باش رہتے ہیں۔ اور یہ آپ کی اُمت کی وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال و جائز شوہروں کے پاس سے اُٹھ کر خبیث مردوں کے پاس رات گزارتی ہیں (مواہب لدنیہ)

(۵) خائن

پھر ایک ایسے شخص کے پاس سے گزر ہوا کہ جس نے ایک بہت بڑا لکڑیوں کا ڈھیر جمع کر رکھا تھا۔ باوجودیکہ وہ اُس کے اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ پھر بھی اور لکڑیاں لا لا کر اس پر جمع کرتا تھا۔ آپ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ جبرئیلؑ نے جواب دیا۔ کہ یہ آپ کی اُمت کا آدمی ہے۔ لوگوں کی امانتیں اس کے پاس ہیں اور یہ اُن کے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر بھی اور امانتوں کا بوجھ اپنے اوپر لادتا چلا جا رہا ہے۔ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ؕ

(۶) فتنہ انگیز واعظ

پھر آپ کا ایسی قوم کے پاس سے گزر ہوا۔ جن کی زبانیں اور ہونٹ آہنی قینچیوں سے کاٹے جاتے تھے۔ جب کٹ چکتے تھے تو پھر ویسے ہی درست ہو جاتے تھے۔ اور ان لوگوں کو یہ عذاب برابر ہو رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ اے جبرئیلؑ یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ هٰٓؤُلَآءِ خُطَبَآءُ الْفِتْنَةِ ؕ یہ لوگ فتنہ انگیز واعظ و لکچرار ہیں۔

(۷) بیہودہ بکواس

پھر آپ ایک نہایت چھوٹے سوراخ کے پاس سے ہو کر گزرے۔ جس میں سے ایک بہت بڑا بیل نکلتا ہے اور پھر سوراخ میں واپس جانا چاہتا ہے۔ لیکن جا نہیں سکتا۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا بات ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ وہ مرد ہے جو اپنی قدرت سے بڑھ کر کلام کرتا تھا۔ اور پورا نہ ہونے کی وجہ سے نادم ہوتا تھا۔ اور اُس کو اپنا کلام شائع شدہ لوٹانا محال تھا اس میں آپ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو بات منہ سے نکلتی ہے۔ وہ پھر لوٹ کر منہ میں نہیں جا سکتی۔

(۸) جنت

پھر ایک خوشبودار جنگل میں سے آپ کا گزر ہوا۔ یہاں کی ہوا گرمیوں کے موسم میں نہایت ٹھنڈی تھی۔ اس جنگل کی لپٹیں مشک کی خوشبو کو ماند کرتی تھیں۔ جب آپ نے یہاں آواز سُنی تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ یہ جنت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے ان الفاظ میں استدعا کر رہی ہے رَبِّ اٰتِنِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ ؕ (اے رب جو کچھ تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ مجھے عنایت فرما) کیونکہ میرے محل۔ حوریں۔ خوشبو موتی۔ مونگے۔ چاندی۔ سونا۔ گلاس۔ کوزے۔ مرکب۔ شہد۔ پانی۔ دودھ شراب۔ غرض جنتیوں کے آرام کی تمام چیزیں بکثرت موجود ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

تمام مسلمان مرد اور تمام مسلمان عورتیں اور تمام مومن مرد اور تمام مومنہ عورتیں تیرے ہی لئے ہیں اور وہ لوگ جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور نیک عمل کئے اور میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے میرا ہمسر نہیں ٹھہرایا (یہ سب تیرے ہی لئے ہیں) اور جو لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں وہ امن میں ہیں۔ جو مجھ سے مانگتا ہے میں دیتا ہوں۔ اور جو مجھکو قرض دیتا ہے (یعنی میری راہ میں خرچ کرتا ہے) میں اُس کو بدلہ دیتا ہوں اور جو مجھ پر توکل کرتا ہے میں اُس کو کفایت کرتا ہوں۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی لائق پرستش نہیں۔ میں وعدہ کرکے خلاف نہیں کرتا۔ بے شک مومنوں نے فلاح پائی۔ اور اللہ بڑی برکت والا ہے اور سب سے بہتر خالق۔ جنت نے کہا میں بے شک (تیرے فرمان سے) رضامند ہوں۔

(۹) دوزخ

پھر آپ کا گذر ایک بدبودار بدرو کے پاس سے ہوا۔ آپؐ کو بہاں سخت بدبو آئی۔ اور آپ نے ایک نہایت کریہہ و ناپسندیدہ آواز سنی۔ تو حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ جہنم کی آواز ہے کہتی ہے۔ رَبِّ اٰتِنِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ (اے میرے رب تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے مجھ کو عطا فرما۔ کیونکہ میری زنجیریں اور طوق اور شعلے اور آگ۔ گرم پانی۔ پیپ۔ جھاڑ کانٹے اور ہر قسم کے عذاب نکال کی چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ اور میرا قعر (گہراؤ) بہت بڑھ گیا ہے۔ میری گرمی نہایت شدت کو پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ تمام مشرک مرد اور مشرکہ عورتیں۔ اور کافر مرد اور کافرہ عورتیں۔ اور ہر ایک سرکش۔ متکبر۔ جو یوم الحساب (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ سب تیرے ہی لئے ہیں۔ دوزخ نے کہا کہ میں راضی ہو گئی ہوں۔

(۱۰) یہود و نصاریٰ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو کسی پکارنے والے نے داہنی طرف سے پکار کر کہا کہ میری طرف توجہ فرمائیے۔ میں نے اُس کو کچھ جواب نہیں دیا۔ اسی طرح بائیں طرف سے کسی نے آواز دی۔ اُس کو بھی میں نے جواب نہیں دیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس کے متعلق بیان فرمایا کہ پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔ اور دوسرا پکارنے والا نصاریٰ کا داعی تھا۔ اگر آپ اُس کو جواب دیتے۔ تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی۔ (بیہقی)

(۱۱) دُنیا

اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت نظر پڑی فَسَأَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ بِعَجُوْزٍ (جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہوئے تو اچانک ایک بڑھیا نظر پڑی) اس عورت کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ یہ عورت ہر قسم کی آرائش و زیبائش سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ اس عورت نے یہ بھی کہا کہ اے محمدؐ میری طرف نظر کیجئے۔ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اُس کی طرف بھی کچھ التفات نہیں کی۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ بڑھیا جو آپ نے دیکھی ہے دنیا تھی۔ پس دُنیا کی اتنی عمر رہ گئی ہے۔ جیسے بڑھیا کی عمر باقی رہجاتی ہے۔ اس کے پکارنے پر جواب دینے کا اثر یہ ہوتا کہ آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔

(۱۲) حلال و حرام

جب آپ آسمان دنیا پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے آدم علیہ السّلام کو دیکھا۔ اور وہاں پر بہت سے خوان رکھے ہوئے دیکھے۔ جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے۔ مگر اس پاکیزہ و طیب گوشت کا کوئی کھانے والا نہیں ہے۔ اور دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا بدبودار گوشت رکھا ہوا ہے۔ اس پر بہت سے آدمی بیٹھے ہوئے کھا رہے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو ترک کرتے ہیں اور حرام کو کھاتے ہیں۔

(۱۳) سُود خور

پھر آپ کا ایسی قوم پر گذر ہوا جن کے پیٹ کوٹھوں کی طرح بہت بڑے بڑے تھے۔ جب ان میں سے کوئی اٹھنا چاہتا ہے۔ فوراً گر پڑتا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ سود خور ہیں (بیہقی)

(۱۴) یتیموں کا مال کھانا

پھر آپ کا گذر ایسی قوم پر ہوا کہ اُن کے لب اونٹوں کے سے ہیں۔ وہ آگ کے انگارے کھاتے تھے۔ اور انگارے اور آگ نگلتے تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق یتیموں کا مال ظلماً کھاتے تھے۔ (بیہقی)

[1] اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء ع ۱ پ ۴)

(۱۵) حرام کار عورتیں

پھر آپ کا گذر ایسی عورتوں پر ہوا جو اپنے پستانوں (چھاتیوں) سے بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ اور یہ حرام کار زنا کرنیوالیاں تھیں۔ (بیہقی)

(۱۶) چغل خوری

پھر آپ کا گذر ایسی قوم پر ہوا۔ جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹا جاتا تھا۔ اور ان ہی کو کھلایا جاتا تھا۔ یہ لوگ چغل خور اور عیب چین تھے۔

(۱۷) غیبت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] جو لوگ ناحق یتیموں کا مال خورد برد کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں پڑیں گے۔ ۱۲

نے فرمایا کہ شب معراج میں میں ایسی قوم پر گذرا کہ جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے منہ کو اپنے ناخنوں سے کھسوٹتے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی آبرو اور عزت کے درپے ہوتے تھے۔ یعنی غیبت کرتے تھے۔

(۱۸) بیت المقدس

پھر بیت المقدس میں پہنچ کر آپ نے انبیاء علیہم السّلام کو دیکھا اُنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ اور آپ پر درود بھیجا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ تمہارے بھائی انبیاء علیہم السّلام ہیں۔ پھر رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا سب انبیاءؑ اور ملائکہؑ نے نماز پڑھنے کے لئے صف باندھی۔ پھر جبرئیلؑ کے کہنے سے رسول اللہ صلعم نے امامت کی۔ جب نماز پوری ہو گئی تو ملائکہؑ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ محمدؐ رسول اللہ۔ خاتم النبین ہیں۔ فرشتوں نے کہا۔ اللہ تعالےٰ ان پر تحیۃ نازل فرمائے۔ کہ بہت اچھے بھائی اور بہت اچھے خلیفہ ہیں۔ پھر تو اس انبیاءؑ کی ارواح طیّبات سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے اپنے رب کی تعریف و ثنا بیان کی۔ اور حق تعالےٰ نے جو جو نعمتیں انھیں عطا کی تھیں ان کا شکریہ کے طور پر بیان کیا۔ ع فضل و ہنر ضائع است تا نہ نمایند۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ

اول حضرت ابراہیمؑ نے اس طرح تقریر کی کہ تمام قسم کی حمد و ثنا اُس خدائے تعالےٰ کے لئے ہے جس نے مجھکو اپنا خلیلؑ بنایا اور مجھکو بہت بڑا ملک عطا فرمایا۔ اور مجھکو آدمیوں کا امام و مقتدا بنایا۔ اور آتش نمرود سے مجھکو رہائی دی اور اس دہکتی ہوئی آگ کو میرے لئے خنکی اور سلامتی کا ذریعہ بنایا۔ قُلْنَا[1] يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ط

(۲) حضرت موسیٰؑ

پھر حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ تمام محامد اللہ تعالےٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھکو اپنا کلیم بنایا۔ اور برگزیدہ فرمایا اور مجھ پر توراۃ نازل فرمائی۔ اور فرعون اور اُس کی قوم کی ہلاکت۔ اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ ظاہر کی اور میری امت میں سے بعض کو ایسی قوم بنایا کہ حق کے موافق وہ ہدایت کرتے ہیں۔ ایمان اور اسی پر ثابت قدم ہیں۔

(۳) حضرت داؤد

پھر حضرت داؤد علیہ السّلام نے اپنے رب کی تعریف و توصیف کے بعد یہ تقریر کی کہ تمام محامد اُس خدائے قدیر کے لئے ہیں۔ جس نے مجھکو ملک عظیم عطا فرمایا اور زبور کی تعلیم فرمائی۔ اور میرے لئے لوہے کو نرم کیا۔ اور پہاڑ اور پرندوں کو مسخر کیا۔ جو میرے ساتھ خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

(۴) حضرت سلیمانؑ

پھر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ تمام قسم کی تعریف اُس خدائے واحد کو سزاوار ہے۔ جس نے ہوا کو میرے لئے مسخر و منقاد فرمایا۔ شیاطین و جنات کو میرا مطیع و تابعدار بنایا۔ تالاب۔ قلعے۔ کرسی اور بڑی بڑی دیگیں غرض جو کچھ میں نے چاہا۔ اُن سے تیار کرایا۔ وَعُلِّمْنَا[1] مَنطِقَ الطَّيْرِ ط جانوروں کی زبانیں اور پرندوں کی بولیاں سکھائیں۔ اور ایسی وسیع سلطنت عطا فرمائی کہ میرے بعد کسی کو بھی میسر نہ ہوگی۔ وَلَا يَنبَغِي[2] لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي اور اس کے متعلق قیامت کے دن مجھ سے کچھ حساب بھی نہیں ہوگا۔ لَا حِسَابَ[3] عَلَيَّ فِيهِ ط

(۵) حضرت عیسیٰؑ

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے خدائے تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان فرمانے کے بعد کہا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھکو اپنا کلمہ فرمایا۔ كَلِمَتُهُ وَرُوحٌ مِّنْهُ ط اور مجھ کو آدم علیہ السّلام کے مشابہ بنایا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ط (آل عمران ع ۶ پ ۳)	بے شک اللہ تعالےٰ کے نزدیک جیسے آدمؑ ویسے عیسیٰؑ۔ آدمؑ کو مٹی سے بنا کر کہدیا کہ (ذی روح) ہو جاؤ اور وہ (ذی روح) ہو گئے۔

اور اللہ تعالےٰ نے مجھکو کتاب انجیل اور حکمت اور دانائی عطا فرمائی اور مجھکو ایسی قوت عطا کی کہ اگر میں مٹی کا پتلا بنا کر اُس میں پھونک مارتا تو وہ شان ایزدی سے زندہ ہو جاتا تھا۔ مادر زاد اندھوں اور کوڑہیوں کو خدائے تعالےٰ میرے ہاتھ سے شفا دلاتا۔ مردوں کو زندہ کراتا تھا۔

وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ط (آل عمران ع ۵ پ ۳)	اور میں خدا ہی کے حکم سے مادر زاد اندھوں اور کوڑہیوں کو بھلا چنگا اور مردوں کو زندہ کرتا۔

مزید برآں اللہ تعالےٰ نے مجھ کو آسمان پر زندہ اُٹھا لیا۔ بَل رَّفَعَهُ[4] اللَّهُ إِلَيْهِ ط اللہ تعالےٰ نے مجھکو اور میری والدہ ماجدہ کو شیطان کے شر

---

[1] ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی کی (چیز) بن ۱۲ (انبیاء ع ۴ پ ۱۷)

[1] اور ہم نے سلیمانؑ کو پرندوں کی بولی سکھائی ۱۲ [2] اور میرے بعد کسی کے لئے شایان شان نہیں ۱۲ [3] اس میں مجھ پر کچھ حساب نہیں ۱۱ [4] بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا ۱۲ [5] بی بی مریم علیہ السّلام کی والدہ محترمہ کی یہ دعا مقبول ہوئی تھی إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (ترجمہ:- اور میں بیشک اس (مریم) کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ۱۲

بچایا۔ اور شیطان مردود کو ہم پر غالب نہ ہونے دیا۔

(۲) حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جب انبیاء علیہم السّلام کی مقدس جماعت باری تعالےٰ عزّ اسمہ کی تحمید و تقدیس سے فارغ ہوئی تو سرورِ کائنات فخر موجودات حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حمد و شکر خاص اُس خدا کے بزرگ و برتر کے لئے ہے کہ جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ط اور تمام مخلوق کے لئے مجھ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ اور مجھ پر کلام مجید نازل فرمایا۔ جس میں ہر امر کا بیان کافی موجود ہے۔

(اے حبیبؐ، ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے (جس میں) ہر چیز کا بیان (شافی) ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمۃ اور خوشخبری (ہے)

اور بفحوائے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ میری امت کو تمام امم سابقہ سے بہتر و افضل بنایا اور امت عادلہ فرمایا۔ مرتبہ میں سب سے اوّل ٹھہرایا اور ظہور کے لحاظ سے سب سے آخر پیدا کیا۔ اور میرے سینے کو وسیع و کشادہ کیا۔ اور میرا بوجھ مجھ سے ہلکا کر دیا۔ اور میرے ذکر کو بلند فرمایا۔

(اے حبیبؐ) کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا اور وہ بوجھ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ تم پر سے اُتار دیا۔ اور ہم نے تمہارے ذکر (خیر) کو بلند کیا۔

نور کے اعتبار سے مجھکو سب سے پہلے۔ اور ظہور کے اعتبار سے سب نبیوں کا ختم کرنے والا بنایا۔ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط

حضور پُر نور علیہ التحیۃ والتسلیم حبیب خدائے عزّ وجل کے محامد و انعامات بیان فرما چکے۔ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام نے تمام انبیاء علیہ السّلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بس ان کمالات و مدارج عالیہ کے باعث محمد صلے اللہ علیہ وسلم سب پر فائق ہیں۔ (خلاصہ مظاہر حق)

بعد ازاں جبرئیل امین حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام کر صخرہ کے قریب لائے۔ بیت المقدس میں یہ ایک نہایت ہی متبرک پتھر ہے۔ جس کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَخْرَۃُ بَیْتِ الْمَقْدِسِ مِنْ صَخْرَۃِ الْجَنَّۃِ — حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بیت المقدس کی چٹان جنت کی چٹان ہے۔

یہاں سے جبرئیل علیہ السلام حضور پر نور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان اول کی طرف لے گئے۔ جیسا کہ مالک ابن صعصعہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ والی حدیث سے ظاہر ہے۔

اذان

آنحبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتویں آسمان سدرہ سے آگے تشریف لے چلے تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔

یَا مُحَمَّدُ اِتَقَدَّمْ فَاِنَّکَ اَکْرَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنِّیْ ط — اے محمدؐ! آپ آگے چلیں کیونکہ خدا کے نزدیک آپ مجھ سے زیادہ مکرم ہیں۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے تشریف لے چلے۔ اور جبرئیل علیہ السلام فرطِ ادب سے آپ کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ جب عرش رحمان کے قریب پہنچے۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے پردہ کو ہلایا۔ آواز آئی کہ کون؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں جبرئیلؑ ہوں اور میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس جواب پر ایک فرشتہ نے اندر سے کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط[1]

پھر باری تعالےٰ عزّ اسمہ کی جانب سے خطاب ہوا صَدَقَ عَبْدِیْ[2] اَنَا اَکْبَرُ۔ اَنَا اَکْبَرُ۔ پھر فرشتہ نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔[3]

پھر باری تعالےٰ کی جانب سے آواز آئی صَدَقَ عَبْدِیْ اَنَا اللّٰہُ[4] لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا۔ پھر فرشتہ نے کہا[5] اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط

اس کے جواب میں باری تعالےٰ کی طرف سے یہ ندا آئی۔ صَدَقَ عَبْدِیْ اَنَا اَرْسَلْتُ مُحَمَّدًا۔[6] پھر فرشتے نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ وَحَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ط[7] کہا اس کے جواب میں باری تعالےٰ کی جانب سے آواز آئی صَدَقَ عَبْدِیْ وَدَعَا اِلٰی عِبَادِیْ ط[8]

پھر فرشتے نے پردہ کے اندر سے ہاتھ نکال کر حضورؐ کو اٹھا لیا اور حضرت جبرئیلؑ وہیں کھڑے رہے۔

آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ! آپ اس وقت مجھ سے کیوں جدا ہوتے ہیں۔ جبرئیلؑ امین نے کہا یَا مُحَمَّدُ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ط

(اے محمدؐ! ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک جگہ مقرر ہے۔ جہاں سے وہ آگے نہیں جا سکتا) لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَۃً لَاحْتَرَقْتُ (اگر میں یہاں سے اُنگلی کے پور کے برابر بھی آگے بڑھوں تو تجلی الٰہی سے جل جاؤں۔

(روضۃ الاحباب)

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ واقعہ معراج کو کس خوبی سے بیان فرماتے ہیں ؎

شبے بر نشست از فلک بر گذشت ۔۔۔ بتمکین و جاہ از ملک در گذشت

چناں گرم در تیہ قربت براند ۔۔۔ کہ در سدرہ جبریلؑ از وباز ماند

بدو گفت سالار بیت الحرام ۔۔۔ کہ اے حامل وحی برتر خرام

چو در دوستی مخلصم یافتی ۔۔۔ عنانم ز صحبت چرا تافتی

---

[1] اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے ۱۲ [2] میرے بندے نے سچ کہا۔ میں بہت بڑا ہوں۔ میں بہت بڑا ہوں۔ ۱۲ [3] میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ۱۲ [4] میرے بندے نے سچ کہا میں ہی معبود ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں ۱۲ [5] میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمدؐ اللہ کے رسول ہیں ۱۲ [6] میرے بندے نے سچ کہا۔ میں نے محمدؐ کو (رسول) بنا کر بھیجا ہے ۱۲ [7] نماز اور فلاح کی طرف آؤ۔ ۱۲ [8] میرے بندے نے سچ کہا اور میرے بندوں کو میری طرف بلایا ۱۲

بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

حضرت جبرئیلؑ اپنے مقام پر ٹھہر گئے۔ بقیہ حجابات و مقامات اور فرشتوں نے طے کرائے۔ جب آپ نے نور و ظلمت کے ستر پردے طے کر لئے جن میں سے ہر ایک پردہ کی مسافت پانچسو برس کی تھی تو براق بھی چلنے سے عاجز رہ گیا۔ اور رفرف نے تخت رواں کا کام دیا۔ آپ نے رفرف پر سوار ہو کر یاقوت و زمرد کے ستر ہزار پردے طے کئے۔

جب صرف ایک ہی پردہ طے کرنا باقی رہ گیا تو رفرف بھی قدم مبارک کے نیچے سے غائب ہو گیا۔ پھر ایک سفید موتی کے گھوڑے نے حجاب کو طے کرایا۔ اور پھر وہ بھی غائب ہو گیا۔ جب کوئی سواری آپ کے پاس نہ رہی۔ اور کوئی فرشتہ بھی آنحضورؐ کو نظر نہ آیا تو آپ کو حیرت و پریشانی لاحق ہوئی۔ آپ ابھی تحیر کی حالت میں تھے کہ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پکارنے کی آواز آپ کو سنائی دی۔ آپ ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ میرے رفیق ابوبکرؓ یہاں کیسے آ گئے۔ باری تعالےٰ عزاسمہٗ کی جناب سے ندا آئی۔

(اے حبیبؐ مخلوق میں سب سے بہتر و افضل قریب ہو۔ اے احمدؐ قریب ہو۔ اے محمدؐ قریب ہو۔ بے شک دوست دوست سے قریب ہی ہوتا ہے۔)

قرب الٰہی

حضورؐ پر نور نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے بہت ہی نزدیک کر لیا تھا۔ جیسا کہ خود باری تعالےٰ عزاسمہٗ ارشاد فرماتا ہے:

پھر نزدیک ہوا اور اتنا جھکا کہ دو کمان کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ (اس سے بھی) بہت کم۔ پھر خدا نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے سوال کیا تو مجھکو جواب دینے کی طاقت نہ ہوئی۔ پھر باری تعالےٰ نے اپنا ید قدرت میرے مونڈھوں پر رکھا اور علم اولین و آخرین نیز مختلف علوم سے واقف فرمایا۔

ان میں سے ایک ایسا علم ہے کہ جس کے چھپانے کی مجھکو ہدایت فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ بجز میرے اس علم کے بار کو اور کوئی نہیں اٹھا سکتا اور وہ علم نبوت ہے) اِذْ عَلِمَ اَنَّہٗ لَا یَقْدِرُ عَلٰی حَمْلِہٖ اَحَدٌ غَیْرِیْ ۔

اور ایک ایسا علم مجھکو سکھایا گیا ہے جس کے لئے مجھکو اختیار دیا گیا ہے کہ جس شخص کو اس علم کا اہل پاؤں اس کو تو وہ علم بتا دوں اور جس کو اس کے لائق نہ پاؤں اس کو نہ بتاؤں۔

پھر مجھکو قرآن شریف سکھایا گیا۔ اور امت کے ہر خاص و عام کیطرف تبلیغ رسالت اور قرآن شریف کے احکام پہنچانے کی ہدایت فرمائی گئی۔

لیلۃ المعراج میں جب میں نے اپنی جوتیاں اتارنے کا ارادہ کیا تو باری تعالےٰ

عزاسمہٗ کی جانب سے مجھکو ندا ہوئی۔ (اے محمدؐ تم اپنی جوتیاں نہ اتارو۔ ان سے آسمان کو مشرف بناؤ۔

میں نے عرض کیا کہ باری تعالےٰ موسیٰ علیہ السلام کو تو یہ ارشاد ہوا تھا (موسیٰؑ) تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ کیونکہ تم طویٰ کے میدان پاک میں ہو۔ (القرآن ع ۱ پ ۱۶)

اس کے جواب میں باری تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے ابوالقاسمؐ آپ مجھ سے قریب ہوں۔ میرے نزدیک موسیٰؑ آپ کی طرح نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ میرے کلیم تھے اور آپ میرے حبیبؐ اور رحمۃ العالمین ہیں (ملا علی قاریؒ)

انعامات

میں نے آپ کو جملہ مخلوق کے لئے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ جب [illegible] تو تمہارا ذکر بھی میرے نام کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ پانچوں وقت نماز میں میرے ذکر کے ساتھ تم پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ میں نے تمہاری امت کو بہترین امت بنایا ہے۔

میں نے آپ کو سبع المثانی (سورۂ فاتحہ) عطا کی ہے جو تم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیگئی۔ اور میں نے تم کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات (اول سے آخر تک) عطا کی ہیں۔

اور میں نے آپ کو حوض کوثر عطا کیا۔ اسلام۔ ہجرت۔ جہاد۔ نماز۔ صدقہ۔ رمضان المبارک کے روزے۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر یہ تمام باتیں عطا کیں۔ میں نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔

اس امت کی خوش نصیبی

آنحضرتؐ جب مقام قاب قوسین میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے باری تعالےٰ سے عرض کیا (اے اللہ پچھلی امتوں میں سے بعض کو آپ نے پتھروں کا عذاب دیا اور کسی کو خسف (زمین میں دھنسنے کا) اور کسی امت کو صورتوں کے بگاڑنے کا عذاب دیا۔ اب میری امت کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔ (علامہ ابن مرزوقؒ)

اس کے جواب میں باری تعالےٰ عزاسمہٗ نے ارشاد فرمایا۔

: میں ان پر رحمت نازل کرونگا۔ اور ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دونگا اور ان میں سے جو مجھکو پکاریگا اسکے لئے میں حاضر ہونگا۔ اور جو مجھ سے سوال کرے گا۔ میں اسکو دونگا۔ اور جو مجھ پر بھروسہ کریگا میں اسکو کفایت کرونگا۔ گنہگاروں کی دنیا میں ستر پوشی کرونگا اور آخرت میں انکے حق میں آپکی شفاعت قبول کرونگا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ حبیبؐ اپنے دوست کے عتاب کو پسند کرتا ہے تو البتہ میں آپکی امت کا حساب بھی نہ لیتا۔

امت کے لئے ہدیہ

جب حضور علیہ التحیۃ والتسلیم نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے باری تعالےٰ سے عرض کیا کہ جب کوئی سفر سے اپنے وطن واپس آتا ہے۔ تو دوستوں کے لئے کچھ تحفے لیجایا کرتا ہے میری امت کا تحفہ کیا ہے۔ باری تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک وہ زندہ ہیں۔ میں ان کے لئے ہوں۔ اور جب وہ مر جائیں جب بھی میں ہی ان کے لئے ہوں۔ قبر میں بھی ان کے لئے میں ہی چین و آرام کا باعث ہوں۔ اور قیامت کے دن بھی میں ہی ان کے لئے باعث سکون و تسلی ہوں۔

بھلا اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ فَمَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ جب خدا ہر امر میں ہمارا معاون و مددگار ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے سارے کام اللہ تعالےٰ عز شانہٗ کی رضامندی پر چھوڑ دیں۔ بیت

سپردم بتو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

(ماخوذ از سیرۃ الحبیب)

غیبی نوشتے

پردہ غیب کی باتیں معلوم کرنیکی سب کو آرزو ہوتی ہے۔ مگر اس کیلئے علم غیب حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس

جو یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی قسمت کا راز ان کے ہاتھ کی لکیروں میں پوشیدہ ہے۔ وہ کتاب غیبی نوشتے کا مطالعہ کریں۔

جو۔ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کو اس سال تجارت میں نفع ہوگا یا نقصان وہ کتاب غیبی نوشتے کو پڑھیں۔

جو۔ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے ہاں اولاد کب ہوگی اور بیٹا ہوگا یا بیٹی وہ کتاب غیبی نوشتے کو منگائیں۔

جو۔ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ملازمت ملیگی یا نہیں وہ کتاب غیبی نوشتے پڑھیں۔

جو۔ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ بیمار اچھا ہوگا یا موت آئیگی، وہ کتاب غیبی نوشتے پڑھیں

جو۔ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ملازمت میں اور کاروبار میں ترقی کب ہوگی وہ غیبی نوشتے پڑھیں

جو۔ لوگوں کے دل کی بات بتانے کے خواہشمند ہیں وہ کتاب غیبی نوشتے کو پڑھیں۔

جو۔ اپنے دشمنوں کے دل کی بات معلوم کرنیکے خواہشمند ہیں وہ کتاب غیبی نوشتے پڑھیں۔

جو۔ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے خواب کی تعبیر کیا ہے، وہ کتاب غیبی نوشتے پڑھیں۔

جو۔ اپنی اولاد اور اپنے خاندان کی قسمت کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ کتاب غیبی نوشتے پڑھیں۔

جو۔ اپنی اور اپنی اولاد کی قسمت پلٹنا چاہتے ہیں، وہ کتاب غیبی نوشتے پڑھیں۔

جو۔ علم نجوم، علم جفر، علم قیافہ، علم فال اور شگون، علم تعبیر، علم پامسٹری، علم اعداد، علم پیشین گوئی سے واقف ہونا چاہتے ہیں، وہ کتاب غیبی نوشتے پڑھیں۔

غیبی نوشتے

کا پڑھنے والا غیبی اشاروں سے واقف ہو جائے گا اور آنے والے زمانہ کے متعلق نہایت اہم سیاسی پیشین گوئیاں کرنے لگے گا۔ ملکی انقلابات سے واقف ہو جائے گا۔ غرضکہ کتاب غیبی نوشتے کو پڑھ کر آپ خود کہہ اٹھیں گے کہ

غیبی نوشتے غیبی علوم کی انسائیکلوپیڈیا ہے

جس میں نہایت محنت اور کوشش اور صرف کثیر سے موجودہ اور قدیم زمانہ کے غیبی علوم کو نہایت سلیس اور عام فہم طریقہ سے جمع کر دیا گیا ہے۔ جس کو پڑھ کر آپ خود ایک ماہر علم غیب ہو جائیں گے۔

غیبی نوشتے کا پہلا ایڈیشن اتنا مقبول ہوا ہے کہ چند ماہ میں پانسو سے زائد کتاب فروخت ہو چکی ہے۔ بہت تھوڑی جلدیں باقی ہیں جلدی منگائیے اور فریبی دھوکہ بازوں کے چکنے چپڑے الفاظ سے دھوکہ نہ کھائیے۔ کیونکہ کتاب غیبی نوشتے کی غیر معمولی کامیابی سے جعلی اشتہار سازوں کے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔ اور وہ غیبی نوشتے سے ملتے جلتے اشتہار شائع کرکے بازاری کتابیں، ردی کاغذ پر چھپی ہوئی فروخت کر رہے ہیں۔

کتاب غیبی نوشتے کی کتابت اور طباعت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ کاغذ سفید چکنا ہے۔ ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت رعایتی ہے۔ محصول ۵، کل مع محصول عہ۔ ملنے کا پتہ: **منیجر رسالہ پیشوا دہلی**

بالکل آسان اردو میں وعظ کی ایک بے نظیر تازہ کتاب

بارہ مجالس

یہ وعظ و مجالس کی علمی کتاب ابھی حال میں شائع ہوئی ہے اور یہ دعویٰ ہے کہ اس موضوع پر یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے چونکہ وعظ کی مجالس ہندوستان کے ہر حصہ میں محرم ربیع الاول، ربیع الثانی اور رجب میں منعقد ہوتی ہیں اور ان میں خاص طور پر بیرونجات کے واعظ بمشکل فراہم کئے جاتے ہیں اس لئے یہ کتاب بہت ہی سہل اردو میں طبع کرائی ہے تاکہ ہندوستان کے ہر حصہ میں بآسانی سمجھی جائے اور اپنی مجالس میں بجائی اس کی روزانہ ایک مجلس پڑھ دیا کرے اور اس طرح علاوہ اجر آخرت کے ہر پڑھنے والا اچھا مقرر اور شیریں زبان واعظ ہو سکتا ہے۔ ہم کتاب میں حسب ذیل مجالس ہیں۔

پہلی مجلس ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت یہ وعظ بہت ضروری ہے تاکہ عوام صرف نقلاً قولاً اسے بانا ضروری نہ مانیں بلکہ خدا کی ہستی کو خوب سمجھ کر اور محسوس کر کے ایمان لائیں۔

دوسری مجلس توحید الٰہی یہی بحث اسلام کا مابہ الامتیاز ہے اور عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ خدا ایک ہی ہو سکتا ہے اہرمن و یزداں باپ بیٹا روح القدس اور کنیش کرشن دیوتاؤں کو حقیقت سے گرا دیا گیا ہے۔

تیسری مجلس تبلیغ توحید کے پھیلانے پر یہ مجلس بہت جوش دلانے والی ہے تکبیر اللہ اکبر ولا الٰہ الا اللہ ہے اسکے ذریعہ سے روح مسلم میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور مومن اسلاف کے کارنامے معلوم ہوتے ہیں۔

چوتھی مجلس نبوت و رسالت۔ اس مجلس میں نبوت و رسالت کی تحقیق کے ساتھ نبی کریم کو رحمۃ للعالمین اور دنیا کا آخری مصلح ثابت کیا ہے۔

پانچویں مجلس ختم نبوت۔ اس میں ہزار ہا دلیلوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول کریم کے ساتھ خدا کی پیام رسانی کا سلسلہ دنیا میں ختم ہو گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم

چھٹی مجلس فضائل رسول۔ اس میں رسول اکرم کا تفوق دیگر انبیاء پر جتایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

ساتویں مجلس اسوۂ حسنہ رسول محترم بحیثیت انسان کے جس قدر مکمل ہے اس کی پیروی ہر شخص پر واجب ہے اس کی تشریح اس مجلس میں ہے۔

آٹھویں مجلس محبت رسول۔ اس میں محبت رسول کے ہزارہا واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی نجات ہی رسول کی اطاعت و محبت میں ہے۔

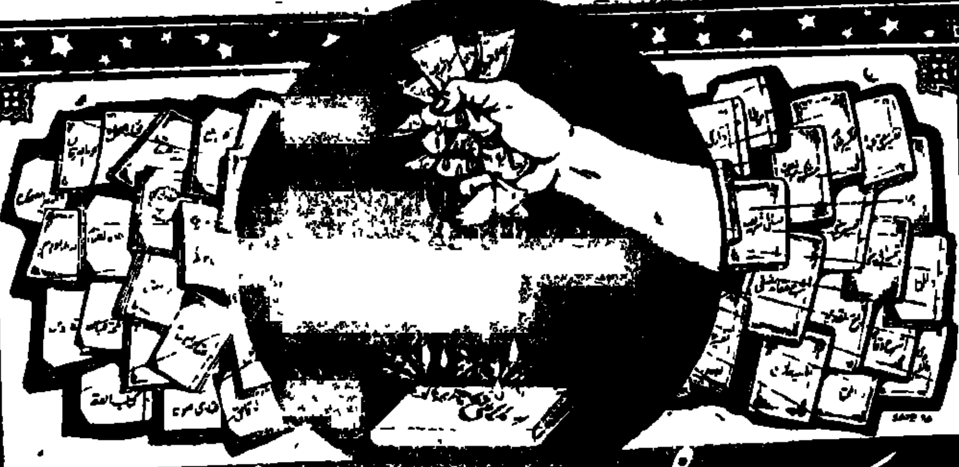
نویں مجلس فضائل اخلاق اور حسن معاشرت اس میں ہر وقت ان پر بہت ہی عجب انداز میں ایک مسلمان کی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو ہر مومن کے لئے قابل تقلید ہے۔

دسویں مجلس اسلامی وحدت اور اسلامی مساوات اس میں دوسرے تمام مذاہب سے اسلام کی وحدت و مساوات کا موازنہ بہت لطیف اور موثر پیرایہ میں ہے۔

گیارہویں مجلس اسلام میں حقوق کے حقوق وہ مسئلہ تہذیب جو عورتوں کے حقوق کے سب سے بڑے علمبردار ہیں، اسلام میں عورتوں کے حقوق کیا ہیں معلوم کریں۔

بارہویں مجلس واقعات کربلا یہ مجلس بہت ہی دردناک انداز میں مرتب کی گئی ہے واقعات آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں کوئی شخص بلا آنسو بہائے دو سطر نہیں پڑھ سکتا

جو صاحب مدارس میں مفت تقسیم کرنا چاہیں ان کے لئے مخصوص رعایت ہے۔ ضخامت دو سو صفحات۔ کتاب مجلد ہے اور قیمت رعایتی صرف عہ علاوہ محصول، کل عہ۔ پتہ: **منیجر پیشوا دہلی**



اسلامی معلومات کا دریا کوزے میں

مولویوں سے بے نیاز ہو جائیے۔ ضخیم مذہبی کتابوں کی ورق گردانی بیکار ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کی زبردست اور عظیم الشان فقہ تمام و کمال آپ کو

اسلامی تعلیم

میں ملیگی اس ایک کتاب کے مطالعہ سے آپ خود فقیہ بن سکتے ہیں پیدائش سے لیکر موت تک انسانی زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو اس کتاب میں موجود نہ ہو۔ یہ کتاب عقائد اسلامی کی سچی تصویر اور فقہ حنفیہ کا مکمل نصاب ہے اگر اسے مذہب اسلام کی انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بالکل بجا ہے اس کتاب کا مطالعہ کے بغیر کوئی مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں بن سکتا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ یہ کتاب خود پڑھے اپنی بیوی کو پڑھائے اور اپنے بچوں کو پڑھائے اس کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل رہیگی اسلامی تعلیم کے متعلق دعوی سے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اسلام کی اتنی مکمل انسائیکلوپیڈیا آج تک دنیا کی کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی جس میں ان تمام مسائل کو ایکجگہ جمع کر دیا گیا ہے جو ایک مسلمان کو اپنی زندگی میں پیش آسکتے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف حضرت العلامہ مولانا سید محمود صاحب مفتی اعلی نے ڈیڑھ سو کے قریب حدیث، فقہ، علم الکلام اور فتاوے کی مستند کتابیں دیکھکر کئی سال کی محنت میں لکھا ہے ہر اسلامی ضرورت کے سوال کا جواب اسلامی تعلیم میں موجود ہے۔ ضخامت قریباً پانسو صفحات۔ اعلی درجہ کی لکھائی چھپائی، سفید چکنا کاغذ قیمت مجلد چرمی تین روپے (للعہ) مجلد پارچہ ڈھائی روپے (عہ) فہرست مضامین پڑھیئے اور اندازہ کیجئے کہ کس طرح کوزہ میں سمندر کو بند کیا گیا ہے۔

Regd. No. L. 20[illegible]
November 1932 The Illustrated Monthly Peshwa Delhi Established 19[illegible]

کتاب الصلوٰۃ

کتاب الصوم

کتاب الزکوٰۃ

کتاب الحج

کتاب النکاح

کتاب الطلاق

کتاب الذبائح

کتاب الاشربہ والظروف

کتاب اللباس

کتاب الحقوق

کتاب المیراث

ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ پیشوا دہلی

نمبر ۔۔۔ ۹ ۔۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ذی الحجہ) پیشوا دہلی (ذی الحجہ)

چندہ سالانہ ہندوستان اعلیٰ ایڈیشن ۔۔۔ روپے ارزاں ایڈیشن ایک روپیہ | چندہ سالانہ ممالک غیر اعلیٰ ایڈیشن ۔۔۔ شلنگ ارزاں ایڈیشن ۔۔۔ شلنگ

جلد | ۸ مارچ ۱۹۳۳ء مطابق ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۵۱ ہجری | نمبر ۲

عید الضحیٰ کا خطبہ

(از حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ)

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر و للہ الحمد۔ الحمد للہ الذی ھو رب الحج والضحیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبدہ ورسولہ محمد ن المصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آج حج کی عید ہے۔ آج قربانی کی عید ہے۔ آج اسلامی سال کے آخری مہینے کی عید ہے۔ اور جو تکبیر بلند آواز سے کہ آج تکبیروں کی عید ہے۔

اے ایماندار بھائیو! ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو حج ہوگا۔ عرفات کے میدان میں لاکھوں مسلمان تمام دنیا سے سمٹ کر اس مقدس پہاڑ کے دامن میں دن بھر جمع رہیں گے۔

پڑھو تکبیر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

آج قربانی کا دن ہے۔ تم میں سے جو لوگ روپے والے ہیں کہ خانگی ضروریات سے فالتو روپیہ قربانی کے جانوروں کی خرید میں خرچ کر سکتے ہیں ان پر قربانی واجب ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اللہ کے پاس تمہاری قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے۔ یعنی یہ نہ سمجھ لینا کہ قربانی کے جانوروں کا خون اور گوشت اللہ میاں کو مرغوب ہے بلکہ یہ سمجھ کر قربانی کرنا کہ یہ سنت ابراہیمی ہے۔ اور حکم خدا کی تعمیل ہے اور اللہ تعالیٰ اس قربانی کے ذریعہ تمہارے تقویٰ اور اطاعت ربانی کو دیکھنا چاہتا ہے۔

قربانی فقط یہی نہیں ہے کہ جانوروں کے حلق پر چھری چلا کر خون بہا دو۔ اس سے بھی بڑی ایک اور قربانی ہے۔ جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ تقویٰ کے لفظ میں فرماتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تمہاری آنکھ کسی محرم کو دیکھنا چاہے تو خدا کے ڈر سے اپنی آنکھ جھکا لو یا بند کر لو اور حرام اور ناجائز چیز کو نہ دیکھو۔ یہ تمہاری آنکھ کی قربانی ہوگی۔ اور جب تمہارے کان غیبت اور بدگوئی اور جھوٹی باتیں سننے کی خواہش کریں تو تم خدا کے ڈر سے ایسی ناجائز باتیں نہ سنو۔ یہ تمہارے کان کی قربانی ہوگی اور جب تمہاری زبان ناجائز کھانے پینے کی خواہش کرے یا جھوٹ بولنا چاہے یا فحش کلامی پر آمادہ ہو یا چغلی اور غیبت کرنی چاہے تو تم اس کو خدا کے ڈر کے سبب روک دو۔ یہ تمہاری زبان کی قربانی ہوگی۔ اور جب تمہارا دماغ گناہوں کا خیال کرے اور حکم خدا کے خلاف سوچے تو اس کو روکو۔ اور کہو کہ یہ خیالات خدا کی مرضی کے خلاف ہیں۔ اگر تم نے اس کو روک لیا تو یہ تمہارے دماغ کی قربانی ہوگی۔ ایسے ہی تم اپنے ہاتھوں سے اور اپنے پاؤں سے اور ان اعضا سے جو نیچے کے حصے میں ہیں اور جن سے ہمیشہ گناہوں کا اندیشہ رہتا ہے کوئی کام خدا کی نافرمانی کا نہ کرو۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں ان اعضا کی قربانیاں لکھی جائیں اور تم خدا کے متقی پرہیزگار بندے شمار کئے جاؤ۔

اے مسلمانو! اللہ تعالےٰ نے تمہاری جان اور مال کو اپنی رضامندی اور جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ نہ یہ جان تمہاری جان

ہے۔ نہ یہ مال تمہارا مال ہے۔ ان دونوں کا مالک تو اللہ تعالےٰ ہے اور آج اللہ تعالےٰ کا دین اسلام حریفوں کے نرغہ میں ہے۔ تم سب جان و مال کی قربانی کر کے اللہ کے دین کو حریفوں کے نرغہ سے چھڑاؤ۔ اور وہ یہی ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی دینی سمجھ رکھتا ہے۔ ان مسلمانوں کی حفاظت کرے جو آریہ اور عیسائی لوگوں کے پھندے میں پھنس کر مرتد ہو رہے ہیں۔ تم اپنی جسمانی راحت و آسائش کا خیال چھوڑ دو۔ اور دیہات میں جا کر نا واقف مسلمانوں کو عقائد اسلام اور نماز روزہ سے آگاہ کرو۔ اور اس کام کے لئے روپیہ بھی خرچ کرو۔ یہ تمہاری سب سے بڑی قربانی ہوگی۔

اور تم میں جو لوگ ادنےٰ پیشہ کرتے ہیں، جیسے حجام ہیں جلاہے ہیں۔ سنتے اور دھوبی ہیں۔ ان سے حقارت کا برتاؤ نہ کرو۔ ان کو اپنے برابر بٹھاؤ۔ اپنے ساتھ کھانا کھلاؤ۔ اور بلحاظ دین ان کو برابر کا بھائی سمجھو۔ اور جو مسلمان سنتے۔ دھوبی حجام وغیرہ کا ادنےٰ کام کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ دولتمند اور صاحب عزت و حکومت مسلمانوں کی برابری کرنے کا خیال نہ کریں کیونکہ گو وہ دینی لحاظ سے بے شک ان کے برابر کے بھائی ہیں مگر دنیاوی اعتبار سے ہر شخص کا درجہ اور رتبہ علیحدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے پر کسی نہ کسی بات میں فضیلت و فوقیت دی ہے۔ پس جو لوگ صاحب دولت اور صاحب حکومت ہیں ان کی اطاعت اور خدمت گذاری ادنےٰ پیشہ والے مسلمانوں کو ضرور کرنی چاہیے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے سامنے سب کو برابر رکھا ہے۔ لیکن دنیا میں سب کے درجے علیحدہ علیحدہ کر دیئے ہیں۔ پس جو لوگ اس فرق کو سمجھ کر اپنی نفسانیت کو مغلوب کر لیتے ہیں وہی اللہ تعالےٰ کے مستحق بندے ہیں۔ اور انہی کو خواہشات نفس کی قربانیوں کا اجر بھی دیا جائے گا۔

اور تم کو یہ بھی چاہیے کہ قربانی میں کسی ہندو ہمسایہ کی دل آزاری کا ارادہ نہ کرو۔ قربانی کے جانوروں کا جلوس نہ نکالو! قربانی کا گوشت عام گذرگاہوں پر دوسروں کو دکھاتے نہ پھرو کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو نہایت ناپسند فرماتا ہے۔ اور قربانی اسی کی قبول ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے قربانی کرے۔ اور ان کی قربانی قبول نہیں ہوتی جو محض نام و نمود اور نفسانیت کی شرارتوں کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ پڑھو تکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد دوسرا خطبہ

الحمد للہ والسلام علی محمد رسول اللہ واللہ اکبر۔

آج حج کی عید مبارک ہو، عید قربان مبارک ہو، درود ہو اللہ کے رسول حضور محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلے اور سب سے بڑے ہادی اور سب سے اعلیٰ قربانیاں کرنے والے تھے۔ اور سلام خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر۔ اور خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ پر اور خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضؓ پر اور خلیفۂ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضؓ پر رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور سلام رسول اللہ صلعم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضؓ پر اور رسول اللہ صلعم کی تمام ازواج پر خصوصاً حضرت خدیجہ کبرےٰ رضؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اور سلام رسول اللہ صلعم کے نواسوں حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ پر جنہوں نے اللہ کے راستہ میں خود اپنے سروں کی قربانیاں دیں۔ اور اپنے جوان بیٹوں کو ذبح کرا دیا۔ اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی اللہ کے راستہ میں قربان کر دیا۔ اور سلام ان کی اولاد حضرت زین العابدین رضؓ و محمد باقر رضؓ و جعفر صادق رضؓ و موسیٰ کاظم رضؓ و علی رضا رضؓ و محمد تقی رضؓ و علی نقی رضؓ و حسن عسکری رضؓ پر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور سلام رسول اللہ صلعم کے چچاؤں حمزہ رضؓ و عباس رضؓ پر اور رسول اللہ صلعم کے عشاق بلال رضؓ و اویس قرنی رضؓ و ابوذر رضؓ پر۔ اور سلام طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ و سعد رضؓ و سعید رضؓ و عبدالرحمٰن رضؓ و ابوعبیدہ رضؓ اور خالد ابن ولید رضؓ پر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور سلام امام ابوحنیفہ رحؒ اور امام مالک رحؒ اور امام شافعی رحؒ اور امام حنبل رحؒ اور تمام آئمہ اور علماء پر اور سلام غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحؒ اور سلطان الہند سید معین الدین چشتی اجمیری رحؒ اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحؒ دہلوی اور تمام مشائخ صوفیہ پر اور سلام مولانا رومیؒ و جامیؒ و سعدیؒ و خسروؒ اور تمام شعراء و حکماء مسلمین پر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ط

یا اللہ رحمت نازل فرما ارواح سلطان محمود غزنویؒ اور سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ اور سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ و احمد شاہ ابدالیؒ اور ٹیپو سلطان شہیدؒ پر۔

اور مدد کر یا اللہ اپنے فضل و کرم سے ناصر الاسلام والمسلمین تمام آزاد مسلمان بادشاہوں کی اور نیم آزاد اسلامی ریاست کی جو تیرے دین کا کام کرتے ہیں۔

بارک اللہ لنا ولکم بالقرآن العظیم وایاکم بالآیات والذکر الحکیم انہ تعالیٰ جواد کریم ملک بر الرؤف الرحیم ط

مضامین قرآن حکیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

قرآن ایک معجز نما کتاب ہے

از جناب مولانا ابوالکلام محمد عبدالبصیر صاحب حقیقی آزاد سیوہاروی "مولوی فاضل"

باب اول

قرآنی فصاحت و بلاغت

(۱) ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نهدی به من نشاء من عبادنا وانك لتهدی الی صراط مستقیم۔

آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کو نور بنایا جس سے راستہ بتلاتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں اور آپ بیشک رہنمائی کرتے ہیں سیدھے راستہ کی

(۲) الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم۔

ان سے ہماری مراد اس زمانہ کے وہ اہل کتاب ہیں جو ہمارے اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کی بشارت کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

(۴) وہ علم جس سے عوام الناس علم مراد رکھتے ہیں حضرت کو بالکل نہ تھا۔ (دی تیج اینڈ ورڈ گمین)

(۵) جب مذہب اسلام کا ظہور ہوا ان دنوں خطۂ زمین پر رہنے والے بہت تھوڑے آدمی تھے۔ اور وہ سب کے سب نبی (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کے صحابی تھے۔ جنہوں نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں محرری کا کام انجام دیا ہے۔ کیونکہ نبی (صلے اللہ تعالے علیہ وسلم) لکھا پڑھا کچھ نہ تھا (مشہور عیسائی عالم جرجی زیدان، ریورنڈ فنڈر پادری نے میزان الحق کے باب میں تصریح کی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے توراۃ و انجیل نہیں پڑھی تھی۔

(۶) وانزل الله علیك الکتب والحکمة وعلمك ما لم تکن تعلم۔

اور اتارا تیرے اوپر اللہ نے کتاب اور حکمت کو اور سکھلایا تجھ کو اس چیز کو کہ تو نہیں جانتا تھا۔

حتی کہ وہ ذات اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم اس فن شاعری سے بھی نا آشنا تھی جس میں اس سرزمین کے بچے اور چھوکریاں ید طولی رکھتی تھیں

وما علمناه الشعر وما ینبغی له

اور ہم نے ان (پیغمبر محمد مصطفے احمد مجتبیٰ صلے اللہ تعالی علیہ وسلم) کو شاعری نہیں سکھائی۔ اور شاعری ان کی شان کے لائق بھی نہیں۔

قرآن حکیم کا پرزور چیلنج - ایک کتاب (یعنی قرآن مجید و فرقان حمید) کہا جاتا ہے کہ جاؤ فصحاء و بلغاء عرب کے مجمع میں ببانگ دہل چیلنج دو کہ کیا ہے عرب میں کوئی ایسا شخص جو کہ اس کلام الہی کے مقابلہ میں ایک ہی آیت پیش کر سکے؟

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین۔

اگر تم شک میں ہو اس سے جو کہ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو ایک چھوٹی سی چھوٹی سورت اسی کے مثل لے آؤ اور سوائے خدا کے اعوان و انصار کو اگر تم سچے ہو پس اگر نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو خاص کر کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔

آپ کہہ دیجیے کہ اگر انس اور جن مل کر بھی اس قرآن کا مثل لانا چاہیں تو نہ لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار ہو جائے۔

ام یقولون افتراه قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات وادعوا من استطعتم من دون الله ان کنتم صادقین فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم الله وان لا اله الا هو فهل انتم مسلمون

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن کو خود بنا لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ تم بھی اس کی مثل دس سورتیں من گھڑت بنا لاؤ اور سوائے خدا کے جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو اگر سچے ہو اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو خوب جان لو کہ یہ قرآن اللہ کی وحی سے اتارا گیا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس کیا تم اس کے احکام کی اطاعت کرو گے

فصحاء وبلغاء عرب کا کلام اللہ کی آیات کو سن کر مبہوت ہو جانا اور ایسی باتیں کرنا

فصحاء وبلغاء عرب نے اس نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کے سننے پر ڈال دی اور اس درجہ مبہوت ہوئے کہ بعض نے آیات کلام اللہ شریف کے خارق عادات اثر کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) ساحر اور کلام اللہ شریف کو سحر بتلایا۔

اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ یہ قرآن تو بس ایک قسم کا جادو ہے جو اگلوں سے چلا آتا ہے۔

اَفَالسِّحْرُ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ اور بس کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں سننے کو آتے ہو۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں ایک شخص کے پاس وحی بھیجی کہ سب آدمیوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لائے ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہنے لگے کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔

بعض نے کلام اللہ شریف کی سلاست و روانی تو اصل وحدت ... کو دیکھ کر شعر کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہا۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ

اب تو سمجھا کر تو اپنے رب کے فضل سے پریوں والا نہیں۔ نہ دیوانہ۔ کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے۔ ہم راہ دیکھتے ہیں اس پر گردش زمانہ کی۔ تو کہہ تم راہ دیکھو کہ میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں۔

لیکن حقیقت زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکی اور ان نادانوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کلام نہ سحر اور نہ شعر اور نہ اس کا لانے والا ساحر ہے اور نہ شاعر۔ بلکہ یہ کلام حکمت ہے۔ علم ہے۔ شفا ہے۔ رحمت ہے۔ برہان ہے۔ قانون و ہدایت ہے اور نور ہے۔ جو کہ آفتاب کی طرح مکانوں کو نہیں بلکہ دلوں کو روشن کرنے والا ہے۔ اور اس کا حامل ایک نبی امی ہے صلے اللہ علیہ وسلم کہ جس نے نہ ایک حرف پڑھا اور لکھا اور نہ جس کا ایک شعر دواوین عرب میں موجود ہے۔ اور نہ اہل عرب کی زبان پر ہے اور نہ کسی شاعر یا مجلس میں اس کا قصیدہ پڑھنا ثابت ہے۔ کہ جس سے گمان کر لیا جا سکے کہ اس نے شعر و شاعری سے ترقی کرتے کرتے اپنی فصاحت و بلاغت کے سبب منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کر دیا ہو۔

(۱) عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نضر بن حارث بن کلدۃ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی نے کہا کہ اے قریش تم پر ایسا وقت کبھی نہ آیا تھا۔ محمد کم عمر تھا تو سب سے بہتر تھا۔ اور سب سے زیادہ راست گو۔ اور بڑا امانت دار۔ اب اس کے بناگوش میں بال سفید نکلے اور لایا وہ جو لایا تم اس کو کہتے ہو ساحر ہے واللہ وہ ساحر نہیں ہے۔ ہم نے ساحروں کا منتر اور ان کے گنڈوں کو دیکھا ہے۔ تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے۔ واللہ وہ شاعر نہیں۔ ہم شعر بولتے ہیں اور بہت سے شاعروں کا کلام سنتے ہیں اور شعر کا ہزج اور رجز جانتے ہیں تم کہتے ہو اس پر شیطان ہے۔ واللہ کوئی اس پر شیطان نہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا ہے جن پر شیطان آیا ہے اور اس نے گلا دبایا ہے۔ وسوسہ اور پریشانی بھی اس میں نہیں ہے۔ واللہ وہ بہت بڑا امر لایا ہے۔ تم اس میں تامل کرو اور خوب دریافت کرو (رواہ البیہقی والطبرانی)

(۲) ولید بن مغیرہ جو کہ فصاحت و بلاغت میں اپنا کسی کو مثل نہ سمجھتا تھا جب کفار قریش نے دولت و حکومت کی طمع دلا کر ان کو قرآن جیسا کلام پیش کرنے پر مجبور کیا تو اس نے عاجز و لاچار ہو کر اس طرح حقانیت کی آواز کو بلند کیا۔

"اور تم نے اس کو (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو) ساحر کہا واللہ وہ ہرگز ساحر نہیں۔ میں نے سحر کا جھاڑنا ...... دیکھا ہے۔ تم نے اس کو شاعر کہا۔ خدا کی قسم وہ شاعر نہیں میں شعر کے ہر صنف کا ماہر ہوں۔ تم اس کو دیوانہ مجنوں کہتے ہو۔ خدا کی قسم وہ مجنوں نہیں ہے۔ میں نے جنون اور اس کی کیفیت کو بھی دیکھا ہے۔ اے قریش اپنی حالت پر غور کرو۔ واللہ یہ کوئی امر عظیم ہے۔ جو تمہارے لئے نازل کیا گیا ہے۔"

(۳) عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو کہ بالکل امی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے۔ کہ وہ کلام نہیں ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشا پردازی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مطمئن کر دیا۔ اور وہ خدا کے معترف ہو گئے۔ یہ وہی کلام ہے۔ کہ جب یحییٰ (یعنی حضرت عیسیٰ) کی ولادت کے متعلق اس کے جملے (یعنی سورۂ مریم کی آیات) حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (حضرت) نجاشی (رحمۃ اللہ علیہ) کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بشپ (بڑا پادری) چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کا نکلا تھا۔ (آنحضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے۔ اور وہ اس وقت سے تا ایں دم ایسا ہی باشان رہ چلا آتا ہے کہ جس کے علم کا توڑنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ (کتاب الاسلام مصنف کونٹ ہنری دی کاسٹری)

واللہ ما سمعت مثلہ قط ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالكهانة

عتبہ جو کہ عرب کا زبردست شاعر تھا اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے تو آج تک ایسا ... (ابن ہشام)

کلام سنا ہی نہیں۔ خدا کی قسم یہ جادو یا شعر یا کہانت نہیں ہے۔

(۵) حکی عن ولید بن مغیرۃ المخزومی — ولید بن مغیرۃ المخزومی جو کہ اپنے کنبہ کا
وکان سید عشیرتہ وانصح قولہ — سردار تھا اور اپنی قوم میں فصیح ترین
انہ جاء الی اصحاب رسول اللہ — شخص تھا وہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ
صلے اللہ علیہ وسلم وھو علی — علیہ وسلم کے صحابہؓ کے پاس ایسی حالت میں آیا
کفرہ فقال اقرؤا علیّ شیئاً من — جب کہ وہ کفر پر تھا۔ اور صحابہؓ سے
القرآن فقرأ علیہ فقال لیس — کہا۔ مجھکو قرآن شریف میں سے
ھذا من کلام البشر ولیس بشعر — کچھ سناؤ۔ چنانچہ جب اس
کو قرآن شریف سنایا گیا تو اس نے کہا کہ یہ نہ کلام بشر ہے اور نہ شعر کے قبیل سے ہے۔

(۶) واخرج البیھقی من طریق الوالبی — ابن عباس رضہ سے مروی ہے کہ ولید
عن ابن عباس قال قدم الولید — بن مغیرہ حضرت ابابکرؓ کے پاس
بن مغیرۃ علی ابی بکر یسألہ — آیا اور قرآن کے متعلق سوال کیا پس
من القرآن فلما اخبرہ خرج — جب قرآن اس سنایا گیا تو وہ قریش
علی قریش فقال یا عجبا لما یقول — کے پاس گیا اور کہا کہ عجب بات ہے
ابن ابی کبشۃ فواللہ ما ھو بشعر — (یعنی قرآن مجید جو کہ حضرت محمد صلی اللہ
ولا بسحر ولا بھذی مثل الجنون — تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں) قسم خدا کی نہ
وان قولہ لمن کلام اللہ۔ — وہ شعر ہے نہ جادو اور نہ وہ مجنونانہ
بات ہے۔ بلکہ وہ تو کلام الٰہی ہے۔

کفار ان مکہ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نیا قرآن بنانے یا قرآن میں تغیر و تبدل کرنے کی استدعا کرنا اور آپ کا اپنے عجز و کمزوری کا اظہار فرمانا	جب قرآن عزیز کو شعر و سحر کہنے سے بھی نہ بنی تو اب کفار ان

مکہ نے ایک اور نئی چال چلی۔ وہ یہ کہ آں حضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ یا تو آپ دوسرا قرآن بنا ڈالو۔ ورنہ اس قرآن میں سے ان آیات کو جن میں بتوں کی مذمت شراب خوری جوئے بازی زنا کاری وسود خوری کی حرمت نکال ڈالیں۔ اور اس کی جگہ ایسی آیات بنا کر شریک کر دیں جو کہ ہمارے عقائد و خیالات کی ترجمانی کرتی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ان مکہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم ہی لوگوں میں میں پلا بڑھا۔ اور چالیس سال تک تمہاری آنکھوں کے سامنے میرے لیل و نہار گذرے تم نے مجھکو کبھی لکھتے اور پڑھتے پایا۔ اور نہ شعر کہتے سنا۔ میں تو ایک امی محض ہوں مجھ میں اس قدر قدرت و طاقت کہاں کہ ایک آیت بھی بنا سکوں۔ چہ جائیکہ میں قرآن بناتا۔ یا اس میں تغیر و تبدل کرتا۔ میں تو صرف وحی الٰہی کا اتباع کرتا ہوں۔ پھر میں کس طرح سے قرآن میں سے ان آیات کو نکال سکتا ہوں۔ جو کہ تمہارے عقائد و خیالات کے خلاف ہیں جبکہ میرے سامنے بڑے ہولناک دن کا عذاب ہے۔

چنانچہ حضور نے کہا بینا بینت — اور جب ان کے سامنے ہماری واضح

قال الذی لا یرجون لقاءنا ائت — آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں۔ تو وہ
بقرآن غیر ھذا او بدلہ قل ما یکون — لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں
لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی — رکھتے ہیں کہتے ہیں۔ کہ اس کے سوا
ان اتبع الا ما یوحیٰ الی انی اخاف — کوئی اور قرآن لاؤ۔ یا اس کو بدل
ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم — ڈالو۔ آپ کہہ دیکھو کہ میرے لئے
قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم — ممکن نہیں کہ اس کو اپنی طرف سے
ولا ادرٰکم بہ فقد لبثت فیکم — بدل سکوں۔ میں صرف وحی کا اتباع
عمرا من قبلہ افلا تعقلون (سورۃ یونس) — کرتا ہوں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں
کہتا۔ یقیناً میں اگر اس کی ذرہ برابر نافرمانی کروں تو بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر خدا چاہتا تو میں اس اس کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا۔ اور نہ وہ اس کی تم کو خبر کرتا۔ اس سے قبل میں تم میں ایک طویل (یعنی چالیس سال) گذار چکا ہوں۔ جس سے تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک امی محض ہوں کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

(۷) احادیث متواترہ کا قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر تصدیق کرنا	وہ احادیث جن کے الفاظ بلا تغیر و تبدل متواتر طریق پر متعدد

سلسلوں سے ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ اس امر کو قطعی و یقینی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ ہمارے الفاظ بعینہ وہی ہیں۔ جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے نکلے تھے۔ پس اگر ان احادیث کا تقابل کلام اللہ شریف کی آیات سے کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ کلام بشر اور کلام الٰہی میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بطور نمونہ ہم ان احادیث میں سے چند کو یہاں نقل کرتے ہیں۔ مرہونہا۔

(۱) انما الاعمال بالنیات
(۲) البینۃ علی المدعی والیمین علی منکر
(۳) المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمہاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ۔
(۴) من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ
(۵) الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ
(۶) ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔
(۷) من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار

ان احادیث کو پڑھنے کے بعد کون ایسا سفیہ شخص ہوگا جو کہ قرآن عزیز کو (معاذ اللہ) آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا کلام بتائے گا۔

فصحا و بلغاء عرب کا کلام اللہ کے مقابلہ سے عاجز رہکر اپنے عجز و کمزوری کو لو نشاء لقلنا مثل ھذا کہہ کر چھپانا جب پیغمبر احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے پرزور چیلنج کو کفار مکہ کو پہنچایا تو انہوں نے اپنے یہاں سے نامی و گرامی فصحاء و بلغاء اور شعراء کو مجبور کیا کہ وہ کلام اللہ کے مقابلہ میں کچھ پیش کریں تو سخن شناس و سخن فہم ادبا فصحاء و بلغاء عرب کو اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ وہ اپنے عجز و کمزوری کو ان الفاظ سے چھپائیں۔ لو نشاء لقلنا مثل ھذا (اگر ہم چاہتے تو اس جیسا کلام بنا دیتے) کیونکہ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اس کلام کا مقابلہ کرنا طاقت بشری سے خارج ہے۔ اگر ہم نے کچھ کہا بھی تو وہ کلام اللہ کی گرد تک کو بھی نہ پہنچ سکے گا۔ اور ہماری زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر ایک ایسا داغ لگے گا کہ ہم عمر بھر دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ ورنہ اگر ان کے حیطۂ اقتدار میں کلام اللہ کے مقابلہ میں ایک آیت کا پیش کرنا بھی ہوتا تو وہ ہرگز پیش کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن عزیز ہی وہ شے تھی جس نے ان کے کبر و نخوت کو خاک میں ملا کر رکھدیا تھا۔ ان کے ظلم و تعدی کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔ ان کے معبودوں کی حکومت میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔ ان کی برق زبانی شیوہ بیانی اور فصاحت و بلاغت کو ایسا نیچا دکھلا دیا تھا کہ ان کے لبوں پر مہر سکوت لگ چکی تھی۔ اب کعبہ پر کوئی قصیدہ لٹکا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ اور نہ کوئی شاعر اپنے قصیدہ کے مقابلہ کے لئے ھل من مبارز ھل من مبارز کی صدا بلند کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ قرآن عزیز ہی نے ان کے جتھوں کو توڑ ڈالا تھا۔ اور ان کی قوتوں کو اس درجہ پراگندہ کر دیا تھا کہ بھائی کو بھائی سے باپ کو بیٹے سے۔ ماں کو بیٹی سے۔ میاں کو بیوی سے۔ دوست کو دوست سے غرضیکہ آدمی کو کل محبوب چیزوں سے چھڑا کر اپنا دالہ و شیدا بنا لیا تھا۔ پھر کس طرح قرآن حکیم کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن عزیز نے فیصلہ کے لئے یہ نہایت ہی آسان صورت پیش کر دی تھی کہ یا تو میرے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت یا آیت بنا لاؤ یا ضد چھوڑ کر تم کو دامن عافیت میں آنا پڑے گا۔ غرضیکہ ہزیمت خوردہ [illegible] ہستیوں کو اپنی عجیب منانے اور عجز و کمزوری کی پردہ پوشی کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ وہ لو نشاء لقلنا مثل ھذا کہہ کر دنت کو ٹال دیں۔ مگر قرآن عزیز کہاں ان کو چھوڑنے والا تھا۔ اس نے نہایت ہی حیا سوز الفاظ میں پکار پکار کر کہا فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین (اگر وہ سچے ہیں تو اس کی مثل ایک ہی بات بنا لائیں) اب کیا تھا کہ فصحاء و بلغاء عرب پر موت سی طاری ہو گئی۔ جو کہ اب سے کچھ دنوں پیشتر وہ سروں کو گیگیں کہہ کہہ کر پھولے نہ سماتے تھے آج خود ان کی زبان قرآن عزیز کے مقابلہ میں گنگ نظر آتی ہے۔

صحیح بخاری شریف اردو

(گذشتہ سے پیوستہ)

(مترجمہ حضرت علامہ مفتی جلالی صاحب نظامی)

ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک رات ہم حضور کے ہمرکاب چلے (جب اخیر رات ہوگئی) تو ایک شخص نے عرض کیا کاش حضور اخیر رات میں آرام فرما لیتے۔ آپ نے فرمایا مجھے خوف ہے کہ تم لوگ نماز کے وقت سوتے رہو۔ بلالؓ بولے میں تم سب کو جگا دوں گا۔ خیر سب لیٹ گئے۔ بلالؓ نے اپنی پشت اونٹنی سے لگا لی اور وہ بھی (اتفاق سے) سو گئے۔ جب حضور بیدار ہوئے تو سورج کا کنارہ اونچا ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا بلال تم نے اپنا قول کیوں پورا نہیں کیا۔ بلال نے عرض کیا (جیسی نیند مجھے رات آئی) ایسی نیند کبھی نہیں آئی۔ فرمایا خداوند تعالیٰ جب چاہتا ہے تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے واپس کر دیتا ہے۔ بلال اٹھو اور نماز کے لئے اذان دو۔ انہوں نے وضو کیا جب سورج بلند ہو گیا اور خوب روشن ہو گیا۔ اس وقت آپ اٹھے اور نماز پڑھی۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن حضرت عمرؓ غروب آفتاب کے بعد کفار قریش کو گالیاں دیتے ہوئے آئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی اور آفتاب قریب غروب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی ابھی نہیں پڑھی۔ حضور نے وضو کیا ہم نے بھی وضو کیا اور غروب کے بعد صحرائے بطحا میں عصر کی نماز پڑھی۔ اور اس کے بعد مغرب پڑھی۔

انس بن مالکؓ کہتے ہیں حضور نے فرمایا اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آ جائے اس کو پڑھے۔ اس کا کفارہ صرف یہی ہے واقم الصلوٰۃ لذکری۔ میری یاد کے وقت نماز پڑھو۔

انسؓ سے مروی ہے حضور نے فرمایا جب تک نماز کے انتظار میں رہو گے نماز ہی میں رہو گے۔

عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کہتے ہیں اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے حضور نے فرمایا تھا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اگر چار کا ہو تو پانچویں کو لے جائے۔ (ایک بار) حضرت ابوبکرؓ تین آدمیوں کو اپنے گھر لے کر آئے اور خود حضور کی خدمت میں چلے گئے۔ اور آپ کے پاس ہی انہوں نے شام کا کھانا کھایا۔ پھر جب ٹھہر کر عشاء کی نماز پڑھی جب نماز ہو چکی تو حضور کے ساتھ ہی لوٹے اور اس وقت ٹھہرے رہے بلکہ حضور نے کھانا کھا لیا۔ رات کا کچھ حصہ گذر جانے کے بعد (گھر) آئے۔ ان کی بیوی بولیں تم اپنے مہمانوں سے یا مہمان سے کیوں اتنا علیحدہ رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا۔ بیوی نے جواب دیا کھانا تو ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس وقت تک کھانے سے انکار کیا جب تک تم نہ آ جاؤ (راوی کہتا ہے یہ سن کر) میں جا کر (خوف کی وجہ سے) چھپ گیا۔ ابوبکرؓ نے کہا او جاہل (کہاں ہے) اور مجھے برا بھلا کہا اور فرمایا کھانا کھاؤ۔ مگر خوشگوار نہ ہو اس کے بعد فرمایا خدا کی قسم میں نہیں کھاؤں گا (راوی کا بیان ہے) ہم جو لقمہ لیتے جاتے تھے اس کے نیچے سے اس سے زائد اور پیدا ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سب لوگ سیر ہو گئے۔ اور کھانا پہلے سے زائد بچ رہا۔ ابوبکرؓ نے جب دیکھا کہ کھانا اتنا بلکہ اس سے زائد باقی ہے تو بیوی سے فرمایا یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا مجھے اپنی آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم یہ کھانا تو اب پہلے سے سہ چند ہے۔ حضرت ابوبکر نے اس میں سے کچھ کھایا۔ اور فرمایا وہ قسم شیطان کی جانب سے تھی۔ اس کے بعد ایک لقمہ اور کھایا۔ اور پھر اٹھا کر حضور کی خدمت میں لے گئے۔ (راوی کہتا ہے) ہمارے اور ایک اور قوم کے درمیان کچھ معاہدہ تھا اور مدت معاہدہ ختم ہو گئی۔ اس لئے ہم نے بارہ آدمی علیحدہ کئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ (کھانا کھانے کے لئے) کئی کئی آدمی ہو گئے۔ اور سبھوں نے مل کر وہ کھانا کھایا۔

باب بدء الاذان

ابتداء اذان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے مسلمان جب مدینہ میں آئے تھے تو سب اکٹھے ہو کر اوقات نماز کا اندازہ لگا لیا کرتے تھے۔ اذان نہیں دی جاتی تھی۔ ایک روز سبھوں نے اس کے متعلق گفتگو کی کسی نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بنا لو۔ کوئی بولا یہود کے سینگ کی طرح پھونکنے کے لئے کچھ اور بنا لو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی شخص کو مقرر کیوں نہیں کر دیتے کہ نماز کے لئے ندا کر دیا کرے۔ حضور نے فرمایا بلال اٹھو اور لوگوں

کو نماز کے لئے ندا کرے

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیچھے کو بھاگتا جاتا ہے۔ تاکہ اذان نہ سنے اور اس کا گوز نکلتا جاتا ہے۔ جب اذان پوری ہو چکتی ہے تو پھر آجاتا ہے۔ لیکن جب نماز کے لئے دوبارہ اعلان کیا جاتا ہے۔ تو پھر پیچھے کو بھاگ جاتا ہے۔ اور پھر جب اعلان ختم ہو جاتا ہے تو دوبارہ آجاتا ہے۔ اور انسان کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات کر۔ اس کو وہ تمام باتیں یاد دلاتا ہے، جو اس کو یاد نہیں ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ آدمی کو خبر نہیں رہتی کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔

ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں۔ میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ موذن کی اذان کی آواز کا جہاں تک کوئی جن یا انسان سنتا ہے یا کوئی اور چیز سنتی ہے۔ بہرصورت قیامت کے دن یہ سب اس کے شاہد ہوں گے۔

انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلعم جب ہم کو لے کر کسی قوم سے جہاد کرتے تھے تو صبح سے قبل جہاد نہ کرتے تھے۔ جب صبح ہو جاتی اور اذان کی آواز آپ سن لیتے تو جہاد سے رک جاتے۔ اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو ان کو غارت کرتے تھے۔

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے حضور نے فرمایا جب تم اذان سنو تو جس طرح موذن کہتا ہے۔ تم بھی کہو۔

معاویہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے مگر اتنا فرق ہے کہ حی علی الصلوۃ پر تم لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہو معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے اسی طرح سنا ہے۔

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں حضور نے فرمایا جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمود ن الذی وعدتہ۔ تو اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو گی۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلعم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان میں اور اول صف میں کس قدر ثواب ہے تو ضرور وہ اذان دیتے اور اول صف میں شریک ہوتے، اور اگر سوا قرعہ اندازی کے یہ بات میسر نہ ہو سکتی تو ضرور قرعہ اندازی کرتے اور اگر لوگ واقف ہوتے کہ اول وقت نماز پڑھنے میں کس قدر ثواب ہے تو ضرور اس کی رغبت کرتے اور اگر لوگوں کو علم ہوتا کہ عشا و فجر کی نمازوں میں کتنا ثواب ہے تو ضرور آتے چاہے گھٹنوں یا چوتڑوں کے بل گھسٹ کر ہی آنا ہوتا،

ابن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا بلال رات سے اذان دیتے ہیں تم ابن مکتوم کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو۔ ابن مکتوم نابینا تھے اس وقت تک اذان نہ دیتے تھے جب تک ان سے یہ نہ کہہ دیا جاتا

کہ دیکھائی صبح ہو گئی صبح ہو گئی۔

حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ جب صبح نمودار ہو جاتی اور موذن اذان دینے کھڑا ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جماعت کے کھڑے ہونے سے قبل دو خفیف رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور نے فرمایا بلال کی اذان سے کوئی شخص سحری کھانے سے نہ رکے کیونکہ وہ رات سے اذان دیتا ہے تاکہ تہجد گذار آدمی گھر واپس چلا جائے۔ اور سوتے ہوؤں کو بیدار کر دے۔ اور یہ نہ کہنے لگے کہ فجر یا صبح ہو گئی، حضور نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور پھر اوپر کی طرف اٹھایا۔ پھر نیچے کو جھکایا (صبح کاذب کی طرف اس سے اشارہ تھا، بلکہ اس طرح کہے کہ صبح صادق ہو گئی) حضور نے اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں ایک دوسری کے اوپر رکھیں۔ اور پھر پھیلاتے ہوئے دائیں بائیں لے گئے۔ (اس سے صبح صادق کی طرف اشارہ ہے)

عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے حضور نے تین مرتبہ فرمایا۔ خواہشمند کے لئے ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ پھر تیسری بار فرمایا جو چاہے اس کے لئے۔

مالکؓ بن حویرث کہتے ہیں میں اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیس روز تک مقیم رہا چونکہ آپ نرم دل اور رحیم تھے اور اہل و عیال کا شوق حضور نے ہم میں ملاحظہ فرمایا۔ تو ارشاد فرمایا تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اور ان لوگوں کو تعلیم دو نماز پڑھو۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے اور جو تم میں سے سب سے بڑا ہو وہ امامت کرے

مالکؓ بن حویرث سے روایت ہے دو شخصوں کا سفر کا ارادہ تھا وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا جب تم باہر چلے جاؤ تو اذان کہا کرو۔ تکبیر پڑھا کرو اور جو تم میں سب سے بڑا ہو وہ امامت کیا کرے۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موذن کو اذان دینے کا حکم دیتے تھے پھر اس کے بعد فرماتے تھے۔ سنو سفر میں جس رات سردی یا بارش ہو کجاووں میں نماز پڑھ لیا کرو۔

ابو قتادہؓ کہتے ہیں ہم حضور کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اتفاقاً لوگوں کا کچھ شور و غل سنائی دیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا کیا بات ہے لوگوں نے عرض کیا ہم نماز کے لئے جلدی کر رہے تھے فرمایا ایسا نہ کرو۔ جب نماز کو آیا کرو تو اطمینان و سکون رکھا کرو۔ جتنی نماز مل جائے پڑھ لیا کرو جو رہ جائے اس کو بعد کو پورا کر لیا کرو۔

ابو قتادہؓ کہتے ہیں حضور نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو اس وقت تک

کھڑے نہ ہو جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔

انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز کے لئے تکبیر کہی گئی۔ حضور اس وقت مسجد کے ایک طرف ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نماز کو نہ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ لوگ (تقریباً) سو گئے۔

ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ (اول) لکڑیاں جلانے کا حکم دوں گا۔ پھر نماز پڑھنے کا حکم دوں گا۔ جب اذان ہو جائے گی تو ایک شخص کو مقرر کر دوں گا کہ امامت کرے۔ اس کے بعد (آن) لوگوں کے پاس جاؤں گا (جو گھر بیٹھے رہے اور نماز میں شریک نہ ہوئے) اور گھروں سمیت ان کو جلا دوں گا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر (لوگوں کو) معلوم ہوتا کہ ایک خالی ہڈی یا بکری کے دو کھر ملیں گے۔ تو ضرور عشا کی نماز میں موجود ہوتے۔

ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس حصہ فضیلت رکھتی ہے۔ رات دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ابوہریرہ رضؓ نے فرمایا جتنا چاہو قرآن پڑھو ان قرآن الفجر کان مشھودا۔

ابوموسیٰؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نماز کا سب سے زیادہ اجر پانے والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ دور ہو اور اس کے بعد وہ جو اس سے کم ہو۔ اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا رہے۔ تاکہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اس کا ثواب اس شخص سے بڑا ہے جو (تنہا) نماز پڑھ کر سو جائے۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آدمی راستہ میں جاتا ہو۔ اور کوئی کانٹے دار شاخ راستہ سے ہٹا دے تو خدا اس کا شکر گذار ہوتا ہے۔ اور اس کو بخش دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ شہید پانچ ہیں۔ طاعون میں مرنے والا۔ بد ہضمی سے مرنے والا۔ ڈوب کر مرنے والا۔ دب کر مرنے والا۔ راہ خدا میں شہید ہونے والا۔ باقی حدیث اوپر گذر گئی۔

انسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ نے چاہا کہ اپنے مکانوں سے اٹھ کر رسول اللہ صلعم کے قریب سکونت اختیار کر لیں۔ آپ کو یہ بات بری معلوم ہوئی کہ وہ لوگ مدینہ کو خالی کر دیں۔ آپ نے فرمایا کیا قدموں کے نشانات کو تم لوگ ثواب نہیں سمجھتے ہو۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ منافقوں پر نماز فجر و عشا سے زیادہ کوئی نماز بار نہیں ہے۔ اگر ان کو ان دونوں نمازوں کے ثواب کا علم ہوتا تو دونوں وقت ضرور آتے۔ خواہ سرینوں کے بل۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ حضور نے فرمایا جس روز سوائے خدا کے سایہ عاطفت کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا اس روز سات شخصوں کو خدا تعالےٰ سایہ رحمت میں رکھے گا۔ منصف حاکم۔ وہ جوان آدمی جس نے عبادت الٰہی میں پرورش پائی ہو۔ وہ شخص جس کا دل مسجد میں پڑا ہو۔ وہ دو شخص جن میں باہمی دوستی صرف خدا کے لئے ہو۔ اسی محبت الٰہی کی بنا پر اکٹھے ہوں۔ اور اسی پر علیحدہ ہوتے ہوں۔ وہ باعزت آدمی جس کو کسی خوبصورت عورت نے بلایا۔ تو اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ وہ آدمی جو اس قدر پوشیدہ طور پر خیرات کرتا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا صرف کیا۔ وہ شخص جو تنہائی میں خدا کا ذکر کرتا ہے۔ تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح شام مسجد کو جاتا ہے تو جس قدر وہ صبح شام جاتا ہے۔ اتنی ہی خدا تعالےٰ اس کے لئے جنت کی مہمانی تیار رکھ چھوڑتا ہے۔

عبداللہؓ بن مالک بن بحینہ ازدی کہتے ہیں کہ جماعت کھڑی ہو گئی۔ مگر حضور نے ایک شخص کو دیکھا کہ دو رکعتیں پڑھ رہا ہے۔ جب آپ نے نماز ختم کی تو لوگوں نے اس کو گھیر لیا۔ حضور نے فرمایا صبح کی چار پڑھو۔ صبح کی چار پڑھو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور مرض الموت میں مبتلا تھے اتنے میں نماز کا وقت آیا اور اذان دی گئی۔ آپ نے فرمایا ابوبکر رضؓ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عرض کیا گیا ابوبکر نہایت نرم دل آدمی ہیں حضور کے مقام پر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ لیکن آپ نے پھر وہی فرمایا۔ اور لوگوں نے وہی عرض کر دیا۔ پھر آپ نے وہی پہلا قول اعادہ کر کے فرمایا کہ تم تو بے شک یوسفؑ کی ساتھ والیاں ہو۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نکلے نماز شروع کی اتنے میں رسول اللہ صلعم کو مرض میں کچھ تخفیف معلوم ہوئی تو آپ دو شخصوں پر سہارا دے کر نکلے۔ اب تک وہ منظر میرے سامنے ہے کہ حضور تکلیف کی وجہ سے دونوں پاؤں کو کھینچتے ہوئے چل رہے تھے۔ ابوبکر رضؓ نے پیچھے ہٹ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر آپ نے ان سے اشارہ سے کہہ دیا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ جب آپ وہاں تک پہنچ گئے۔ تو ابوبکر رضؓ کی ایک جانب بیٹھ گئے۔ اور نماز پڑھنے لگے۔ ابوبکر رضؓ حضور کی نماز کے موافق نماز پڑھتے تھے۔ اور دوسرے ابوبکر رضؓ کی نماز کا اتباع کرتے تھے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر رضؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اور ابوبکر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور کسلمند ہو گئے اور آپ کے درد میں شدت ہو گئی۔ تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت چاہی کہ میرے گھر میں بیماری گذاریں۔ آپ کو اجازت مل گئی۔ باقی حدیث ابھی اوپر گذر گئی۔

ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھا۔ پھر موذن کو اذان دینے کا حکم دیا۔ دن بارش کا تھا۔ جب موذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا (آج) گھروں پر نماز ہو گی۔ (یہ سنکر) لوگ ایک دوسرے کی طرف

دیکھنے لگے گویا یہ بات ان کو پسند نہ آئی۔ ابن عباس نے فرمایا شاید تم کو ناگوار ہوا۔ یہ بات تو اس شخص نے کی ہے جو مجھ سے بہتر تھا یعنی نبی۔ یہ فعل جب سے اور مجھے پسند نہیں کہ تم کو دقت میں مبتلا کروں۔

انس رض سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص فربہ اندام تھے۔ اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ جماعت میں حاضر ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ انہوں نے حضور کے لئے کھانا تیار کیا اور آپ کو مکان کے اندر بلایا۔ آپ کے لئے ایک چٹائی بچھا دی اور چٹائی کے ایک طرف پانی چھڑک دیا۔ آپ نے اس پر دو رکعت نماز پڑھی۔ قبیلہ جارود کے ایک شخص نے حضرت انس سے دریافت کیا کہ کیا حضور چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے حضور کو اسی دن پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ جب شام کا کھانا سامنے لایا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے قبل اس کو کھانا شروع کر دو شام کا کھانا چھوڑ کر نماز کی جلدی نہ کرو۔

حضرت عائشہ رض کہتی ہیں مجھ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلعم مکان کے اندر کیا کیا کرتے تھے۔ میں نے جواب دیا گھر والوں کا کام کرتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کو تشریف لے جاتے تھے۔

مالک رض بن حویرث کہا کرتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ صرف نماز ہی نہیں پڑھتا ہوں۔ بلکہ اس طرح پڑھتا ہوں جس طرح رسول اللہ کو میں نے پڑھتے دیکھا ہے (یعنی حضور کا اتباع بھی مقصود ہے)۔

حضرت عائشہ رض کی وہ حدیث اوپر گذر چکی جس میں رسول اللہ صلعم نے ابوبکر رض کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ ابوبکر جب آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرات نہیں سنا سکیں گے۔ لہذا حضور حضرت عمر رض کو حکم دے دیں کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت حفصہ رض سے بھی یہی کہا کہ تم حضور سے عرض کرو کہ ابوبکر رض جب رسول اللہ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرات نہ سنا سکیں گے۔ لہذا حضرت عمر کو حکم ہو جائے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ حضرت حفصہ نے یہ عرض کر دیا اس پر آپ نے فرمایا۔ تم یوسف کی ساتھ والیاں ہو۔ ابوبکر رض کو حکم دو کہ نماز پڑھا دیں۔ حفصہ مجھ سے کہنے لگیں کہ میں تم سے کبھی بھلائی نہیں پا سکتی۔

انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس درد کی حالت میں جس میں آپ نے وفات پائی حضرت ابوبکر رض لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جب پیر کا دن ہوا اور لوگ نماز میں صف بستہ کھڑے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے حجرہ کا پردہ کھولا۔ اور ہم کو کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا چہرہ سپید ہو جانے کی وجہ سے ورق مصحف ہے۔ پھر حضور خوشی سے ہنس دیئے۔ ہم نے بھی حضور کو دیکھنے کی خوشی میں

نماز توڑ دینے کا ارادہ کیا۔ ابوبکر ایڑیوں پر سرک کر لوٹنے تاکہ صف سے مل جائیں۔ اور ان کو خیال ہوا کہ حضور نماز کے لئے برآمد ہوئے ہیں حضور نے اشارہ کیا کہ نماز پوری کر لو۔ یہ کہہ کر پردہ چھوڑ دیا۔ اور اسی دن آپ کی وفات ہو گئی۔

سہل رض بن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ عمر بن عوف کے پاس ان کی باہمی اصلاح کے لئے تشریف لے گئے۔ موذن نے حضرت ابوبکر رض کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ تکبیر پڑھی جائے۔ آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوبکر رض نماز پڑھانے لگے۔ اتنے میں رسول اللہ صلعم اور بعض دیگر اشخاص نماز میں آئے تو حضرت ابوبکر رض ہٹ کر پہلی صف میں آکر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں مگر ابوبکر ادھر ادھر ملتفت نہ ہوئے۔ جب تالیوں کی کثرت ہوئی اور حضرت ابوبکر رض نے منہ پھیرا تو رسول کو کھڑے دیکھا۔ حضور نے ابوبکر رض کو اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ حضرت ابوبکر رض نے ہاتھوں کو اٹھایا اور خدا کی حمد کی (جیسا کہ رسول اللہ نے ان کو حکم دیا تھا) پھر پیچھے ہٹ کر پہلی صف کے برابر ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلعم آگے ہو گئے۔ نماز ادا کی۔ جب ختم کر چکے تو فرمایا ابوبکر رض جب میں نے تم کو حکم دے دیا تھا۔ تو پھر کس نے تم کو اپنی جگہ پر قائم رہنے سے منع کیا۔ ابوبکر رض نے عرض کیا۔ ابن ابی قحافہ کو مناسب نہ تھا کہ رسول اللہ کے سامنے نماز پڑھائے۔ پھر حضور نے فرمایا یہ کیا بات ہے کہ نماز میں تم لوگ (امام کو بتانے کے لئے) تالیاں زیادہ بجاتے ہو۔ اگر نماز میں کوئی بات پیش آ جائے۔ تو چاہیئے کہ سبحان اللہ کہو جب سبحان اللہ کہا جائے گا تو اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔ تالیاں بجانا تو عورتوں کے لئے ہے۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں جب (بیماری کی وجہ سے) رسول اللہ صلعم بہت زیادہ کسلمند ہو گئے تو ایک روز فرمانے لگے کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ابھی تو نہیں آپ کے انتظار میں ہیں۔ فرمایا میرے لئے طشت میں پانی رکھو۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے غسل کیا لیکن جب اٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو بیہوشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ابھی تو نہیں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ سن کر فرمایا میرے لئے طشت میں پانی رکھو۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے بیٹھے بیٹھے غسل کیا۔ لیکن اٹھنے کا ارادہ کیا تو ضعف آ گیا۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا۔ تو فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے۔ ہم نے عرض کیا نہیں حضور کے منتظر ہیں۔ فرمایا میرے لئے طشت میں پانی رکھو۔ طشت میں پانی رکھ دیا گیا۔ آپ نے بیٹھ کر غسل کیا جب اٹھنے لگے تو پھر بیہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو فرمایا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کیا نہیں تو حضور کے منتظر ہیں (رات تھی) لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے نماز

شرح مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

عشق حقیقی اور عشق مجازی

(از جوائنٹ ایڈیٹر)

زانکہ عشق مردگاں پایندہ نیست — زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

(مطلب) مردوں کے ساتھ عشق پائندہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مردہ ہمارے پاس نہیں آتا ہے۔

(تشریح) عشق میں جب تک رنگ حقیقت کی جھلک نہ ہو وہ پائیدار نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ دنیائے فانی کی فانی چیزوں سے دل لگاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ جب ان کو اپنی توقعات میں ناکامی ہوگی تو ان کا یہ جذبہ محبت ایک نہ ایک دن ضرور سرد ہو جائے گا۔

عشق زندہ در روان و در بصر — ہر دمی باشد ز غنچہ تازہ تر

(مطلب) زندہ کا عشق ظاہر و باطن میں ہر وقت غنچہ سے بھی زیادہ تازہ رہتا ہے۔

(تشریح) فانی چیزوں کا عشق تو ایک نہ ایک دن زائل ہو جاتا ہے لیکن اس کے مقابلہ پر غیر فانی کا عشق کبھی زوال پذیر نہیں ہوتا۔ وہ عاشق کی روح کے لئے موجب سرور اور آنکھوں کے لئے موجب نور بنتا ہے۔ "زندہ" سے مراد یہاں خدائے حی القیوم ہے۔ حضرت مولانائے روم سالکان معرفت سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم کو عشق میں پختہ کاری منظور ہے اور تم چاہتے ہو کہ تمہارے سینوں سے دولت عشق زائل نہ ہو تو فانی دنیا کی فنا ہو جانے والی چیزوں سے ہرگز دل نہ لگاؤ۔ بلکہ اس مطلوب حقیقی سے عشق کرو جو غیر فانی ہے اور جس کے عشق کو بھی فنا نہیں۔ عشق حقیقی سے صرف یہی نہیں کہ یہ دولت کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے عشق کی بھی روح کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے اور آنکھوں کو نور معرفت حاصل ہوتا ہے۔

عشق آں زندہ گزیں کو باقیست — از شراب جاں فزایت ساقیست

(مطلب) عشق اس زندہ سے کر جس کو فنا نہیں اور جو تجھ کو شراب جانفزا پلاتا ہے۔

(تشریح) مثنوی شان حق سے خطاب ہے کہ وہ عشق مجازی کی بھول بھلیاں سے نکل کر عشق حقیقی کی منزل میں قدم رکھیں اور اس محبوب حی القیوم سے دل لگائیں جس کے خمخانہ میں روح پرور شراب معرفت بھری ہوئی ہے۔

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیا — یافتند از عشق او کار و کیا

(مطلب) عشق تو اس سے کر جس کے عشق کی بدولت نبیوں نے بادشاہوں کا کام کیا۔

(تشریح) مصرع ثانی کے آخری لفظ "کار و کیا" کے متعلق ارباب علم کا اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کے خیال میں یہ لفظ "کارگیا" ہے یعنی بادشاہوں کا رتبہ ہے۔ لیکن میرے نزدیک "کیا" لفظ "کے" کا مزید علیہ ہے۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ اس شعر میں بھی عشق حقیقی کی اہمیت ظاہر کرتے ہیں۔ انبیائے کرام جس وقت مبعوث ہوئے تو ان کے پاس نہ کوئی دولت تھی نہ قوت۔ لوگ ان کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اور انبیائے کرام کے دشمن جان رہتے تھے۔ لیکن محض پرستاری حق کی بدولت انبیائے کرام کو اپنے مبارک مقاصد میں کامیابی ہوئی اور قوموں کی قومیں ان کی حلقہ بگوش بن گئیں۔ آخر یہ قلب ماہیت کیوں ہوئی؟ انبیائے عظام کے پاس وہ کونسی طاقت تھی جس سے متاثر ہو کر منکرین بھی ان کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اور بڑے بڑے شاہان حضور نے انبیاء کے قدموں پر سر رکھ دیا؟ نبیوں کے پاس کوئی دنیاوی قوت نہ تھی۔ بلکہ ان کو عشق خداوندی کے ذریعہ عظیم الشان روحانی طاقت حاصل تھی جس نے ایک زمانہ کا سر ان کے قدموں پر جھکا دیا۔ علاوہ بریں انبیائے کرام کو دنیاوی بادشاہوں پر ایک خاص فضیلت یہ حاصل ہے کہ بادشاہ تو صرف دنیا ہی پر حکومت کرتا ہے۔ لیکن ایک نبی مرسل دین و دنیا کا بادشاہ ہوتا ہے۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست — با کریماں کارہا دشوار نیست

(مطلب) تم یہ مت کہو کہ اس بادشاہ حسن تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی ہے۔ کریموں کے لئے کوئی کام دشوار نہیں۔

(تشریح) جو لوگ عشق حقیقی کو دشوار اور اپنی استطاعت سے باہر سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ خداوند کریم کی ذات رحمان و کریم ہے وہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے "فاذکرونی اذکرکم۔" یعنی تم میرا ذکر کرو گے تو میں تم کو یاد کروں گا۔ جو شخص اپنے دل کو اس کی جانب رجوع کرتا ہے۔ وہ از راہ کرم بھی چارہ سازی کے لئے خود آگے بڑھتا ہے

شرح دیوانِ حافظ

نویدِ کامرانی

(از جناب ایڈیٹر)

رونقِ عہدِ شباب است دگر بستاں را   میرسد مژدۂ گل بلبلِ خوش الحاں را

(مطلب) باغ پر پھر عہدِ شباب ہے۔ اور بلبل خوش الحان کو گل کا مژدۂ وصل پہنچ رہا ہے۔

(تشریح) اس شعر میں فصل بہار کی رنگینی دکھائی ہے۔ طالب معرفت کی کشت امید اس وقت سرسبز و پر بہار ہوتی ہے جب مرشد کی نظر فیض اثر سحاب مکرمت بن کر اسے شاداب کر دے۔

اے صبا گر بجوانانِ چمن باز رسی   خدمت از ما برساں سرو و گل و ریحاں را

(مطلب) اے صبا اگر جوانانِ چمن کی خدمت میں تیرا جانا ہو تو سرو اور گل و ریحان کو میرا اسلام کہہ دینا۔

(تشریح) سرو گل و ریحان سے مراد یہاں یارانِ طریقت ہیں۔

اے کہ بر مہ کشی از عنبرِ سارا چوگاں   مضطرب حال مگرداں من سرگرداں را

(مطلب) اے کہ تو چاند پر چوگانِ عنبری کھینچتا ہے۔ مجھ آشفتہ خاطر کو زیادہ پریشان نہ کر۔

(تشریح) ماہ سے مراد رخ روشن ہے اور چوگان عنبری کنایہ ہے زلف سے یعنی محبوب کی زلفیں جب رخ روشن پر بکھر جاتی ہیں تو آشفتہ خاطروں کی پریشانی اور بڑھ جاتی ہے۔

یار مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوح   ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفاں را

(مطلب) خدا کے پاک بندوں سے دوستی کر کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں ذرا سی خاک طوفان کو پانی کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔

(تشریح) جس طرح کشتی نوح میں پناہ لینے والی حقیر سے حقیر چیز بھی خطرۂ طوفان سے بالکل محفوظ تھی، اسی طرح مردان خدا کے دامان کرم میں جو لوگ پناہ لیتے ہیں انہیں شرارۂ ہستی اور حوادث روزگار سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔

برو از خانۂ گردوں بدر و ناں مطلب   کیں سیہ کاسہ در آخر بکشد مہماں را

(مطلب) آسمان کے گھر سے نکل جا اور اس کی روٹی مت مانگ۔ کیونکہ یہ کمینہ آخر میں اپنے مہمان کو مار ڈالتا ہے۔

(تشریح) خانۂ گردوں سے مراد دنیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان اگر خواہان عاقبت ہے تو دنیائے فانی کو ترک کر دے۔

گر چنیں جلوہ کند مغبچۂ بادہ فروش   خاکروب درِ میخانہ کنم مژگاں را

(مطلب) اگر وہ بادہ فروش بچہ اسی طرح جلوہ نمائی کرے تو میں پلکوں سے میخانہ میں جاروب کشی کروں۔

(تشریح) مغبچہ سے یہاں مراد خلیفۂ ارشاد ہے۔ یعنی خلیفۂ ارشاد جو شراب معنی طالبان معرفت کو دیتا ہے، اگر اپنے کمالات باطنی کا اظہار اسی طرح کرے تو میں میخانۂ طریقت کی جاروب کشی اپنی پلکوں سے کروں گا۔

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود   گر تو سرگشتہ شوی دائرۂ امکاں را

(مطلب) تو اسرار وجود کے ایک نکتہ سے بھی واقف نہیں ہو سکتا اگر ممکنات کے دائرہ میں اسی طرح سرگرداں رہے گا۔

(تشریح) دائرۂ امکان یعنی دنیا کے مکروہات میں مبتلا ہو کر انسان معرفت کے رموز و نکات سے واقف نہیں ہو سکتا۔

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشتی خاکست   گو چہ حاجت کہ بافلاک کشی ایواں را

(مطلب) جس شخص کو آخر ایک دن دو مٹھی خاک پر سونا ہے۔ اس سے پوچھو کہ سر بفلک محل بنانے کی کیا ضرورت ہے۔

(تشریح) جب دنیا فانی ہے اور اس کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ تو دل لگانا یا اس کے اعزاز و مناصب پر فخر و مباہات کرنا فضول عبث ہے۔

در سرِ زلف ندانم کہ چہ سودا داری   کہ بہم بر زدہ گیسوئے مشک افشاں را

(مطلب) نہیں معلوم کہ تیرے خیال زلف میں کیا سودا پوشیدہ ہے کہ تو نے زلف مشک افشاں کو پریشان کر رکھا ہے۔

ملکِ آزادگی و کنجِ قناعت گنجی ست   کہ بشمشیر میسر نشود سلطاں را

(مطلب) آزادی کا ملک اور گوشۂ خلوت وہ خزانہ ہے کہ شاہان عالم کو اپنی تلوار کی قوت سے بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔

(تشریح) ارباب دول کو غربا کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ فکریں لاحق رہتی ہیں حضرت حافظ فرماتے ہیں کہ مکروہات دنیوی سے نجات اور گوشۂ عزلت یہ دو چیزیں جن پر ایک متوکل ناز کرتا ہے بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے   دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

(مطلب) اے حافظ شراب پی مستی کر اور عیش و مسرت کے ساتھ زندگی گذار دے لیکن دوسروں کی طرح قرآن شریف کو اپنے فریب کا جال نہ بنا۔

(تشریح) جو شخص قرآن مجید کے نام پر لوگوں کو دھوکا دے اس سے بڑھ کر نا خدا ترس کون ہو سکتا ہے۔

بادۂ خیام کا جام

(از علامہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ بریلوی)

ایں گنبد گردندہ بد افعالی بیں
وز جملۂ دوستان جہاں خالی بیں
تا بتوانی تو یک نفس خود را باش
فردا مطلب گذار، دی حالی بیں

اس دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کے متعلق خیام ہمیں یہ مشورہ دیتا ہے کہ اس چکر لگانے والے گنبد یعنی آسمان کی بد افعالیاں دیکھتے رہیں اور یہ بھی دیکھتے رہیں کہ دنیا ہمارے تمام دوستوں سے خالی ہو گئی پھر بھی ہمیں رنجیدہ اور دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ جب تک ممکن ہو اپنا ہر لمحہ خوشی و خرمی میں گذارنا چاہیئے، نہ آئندہ کے لئے دل میں کسی چیز کی طلب ہو نہ گذشتہ کا افسوس بلکہ فردا اور دی سے بالکل قطع نظر کر کے صرف حال پر اپنی نگاہ رکھنی چاہیئے۔ کہ وہ عیش و مسرت میں گذرے۔

از آمد و از رفتن ما سودے کو
وز تار امید عمر ما پودے کو
در چنبر چرخ جان چندیں پاکاں
می سوزد و خاک می شود دودے کو

خیام کہتا ہے کہ اس دنیا میں ہمارے آنے اور ہمارے جانے سے آخر فائدہ کیا ہے۔ اور ہماری عمر کی امیدوں کا جو تانا ہے اس کا بانا کہاں ہے۔ اس آسمان کے چنبر میں تو یہ کیفیت ہے کہ لاکھوں پاک اور مقدس انسانوں کی جانیں جلتی ہیں اور جل کر راکھ ہو جاتی ہیں لیکن کہیں دھواں تک نظر نہیں آتا۔

آں قصر کہ بر چرخ ہمی زد پہلو
بر درگہ او شہاں نہادندے رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختۂ
بنشستہ ہمی گفت کہ کوکو کوکو

عبرتکدۂ دنیا پر نگاہ ڈال کر خیام کہتا ہے کہ ایسے ایسے شاہی محل کہ جو آسمان سے باتیں کیا کرتے تھے اور جن کی چوکھٹ پر بادشاہ تک اپنا سر رکھا کرتے تھے۔ ان کی ہم نے یہ حالت دیکھی ہے کہ ان کے کنگورے پر ایک فاختہ بیٹھی ہوئی "کوکو کوکو" کر رہی ہے۔ فارسی میں "کو" کے معنی "کہاں" کے ہیں۔ اس لئے یہ مطلب ہوا کہ فاختہ حسرت و افسوس کے ساتھ چیخ رہی ہے کہ "کہاں گئے۔ کہاں گئے"۔

در دیدۂ تنگ مور نور است از تو
در پائے ضعیف پشہ زور است از تو
ذات تو سزا است مر خداوندی را
ہر وصف کہ نا سزاست دور است از تو

ذات باریتعالیٰ کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ اے قادر ذوالجلال تو وہ ہے کہ ایک چیونٹی کی ننھی سی آنکھ میں جو روشنی ہے، وہ بھی تیرے ہی دم سے ہے۔ اور ایک مچھر کی کمزور ٹانگوں میں جو طاقت ہے وہ بھی تیری ہی دی ہوئی ہے، تیری ذات یقیناً اسی لائق ہے کہ تو خدا ہو اور ہر ایسی صفت کہ جو بری ہے تجھ سے دور ہے۔

اے آنکہ پدید گشتم از قدرت تو
پروردہ شدم بناز در نعمت تو
صد سال بامتحاں گنہ خواہم کرد
یا جرم منست بیش یا رحمت تو

کہتا ہے کہ اے میرے خالق و مالک میں تیری ہی قدرت کی بدولت عالم وجود میں آیا ہوں، اور تیری ہی ناز برداریوں نے اور نعمتوں نے میری پرورش کی ہے۔ اب میں یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا تیری رحمت زیادہ ہے یا میرے گناہ برابر سو برس تک خوب گناہ کروں گا۔ ادائے مطلب کا یہ ایک خوبصورت طریقہ ہے۔ خیام یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر میں اپنی تمام عمر جو بمشکل سو سال کی ہوگی دل کھول کر گناہ کئے چلا جاؤں تب بھی تیری رحمت کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ وہ کبھی تیری رحمت سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔

چوں رفت ز جسم جوہر روشن تو
با جنس دگر زیں بکند مسکن تو
آئیند و روند ہیچکس نشناسد
تا زیر زمیں چہ می رود بر تن تو

کہتا ہے کہ جب تو مر گیا اور تیرے جسم سے یہ تیرا جوہر روشن

نکل گیا تو یہ تیرا جان دوسری ہی چیزوں کے ساتھ تیرے لئے مسکن بنا ہوگا اور تیری قبر پر آنے اور جانے والے یہ بھی نہ جان سکیں گے کہ خاک کے نیچے تیرے جسم پر کیا گذر رہی ہے۔

از تن چو برفت جان پاک من و تو
خشتے دو نہند بر مغاک من و تو
وانگہ ز برائے خشت گور دگراں
در کالبدے کشند خاک من و تو

خیام کہتا ہے کہ جب میرے اور تیرے جسم سے جان نکل جائے گی تو لوگ ہماری قبروں پر دو اینٹیں رکھدیں گے۔ اور اس طرح گذشتہ کو پاٹ دیں گے۔ اور پھر یہ دو اینٹیں بھی نہ رہیں گی۔ کیونکہ جب دوسروں کی قبروں کے لئے ایسی ہی دو دو اینٹوں کی ضرورت ہوگی تو ہماری اینٹیں ہی نہیں بلکہ میری اور تیری خاک کو بھی لوگ لے جائیں گے اور سانچے میں ڈال ڈال کر اس کی اینٹیں ڈھال لیں گے۔

گر با خردی تو حرص را بندہ مشو
در پائے طمع خام سر افگندہ مشو
چوں آتش تیز باش و چوں آب رواں
چوں خاک بہر باد پراگندہ مشو

دنیا اور دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں محو ہو جانے والوں سے خیام کہتا ہے کہ اگر تم عقلمند ہو تو حرص و ہوا کے بندے نہ بنو اور فضول لالچ کے آگے اپنا سر نہ جھکاؤ۔ تمہارا سر اس سے بہت زیادہ معزز ہے۔ کہ وہ دنیا کی ذرا ذرا سی چیزوں کے آگے جھکتا پھرے۔ تمہیں چاہیئے کہ آگ کی طرح تیز ہو کر حرص و ہوا کا تمام خس و خاشاک اس کے قریب پہنچتے ہی جل جایا کرے۔ اور پانی کی طرح رواں رہو تاکہ گندگی اور غلاظت کبھی جمع ہی نہ ہونے پائے۔ یہ نہ ہونا چاہیئے کہ تم خاک بن جاؤ کہ ہوا کا ہر ایک جھونکا تمہیں پریشان کر دیا کرے

ناکردہ گناہ در جہاں کیست؟ بگو۔
آنکس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست؟ بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی
پس فرق میان من و تو چیست؟ بگو

اپنے خالق اور اپنے مالک پر ناز کرنے والا خیام اس کی رحمت و کرم پر کامل بھروسہ رکھکر اپنے دل کی بات اس طرح کہتا ہے کہ اے پاک بے نیاز تو مجھے یہ تو بتادے کہ دنیا میں وہ کونسا انسان ہے کہ جس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے کبھی گناہ نہیں کیا تو وہ اس دنیا میں زندہ ہی کیسے رہا۔ کیونکہ انسان تو خطا اور نسیان سے مرکب ہے۔

اب ایسی حالت میں اگر میں کوئی برائی کروں اور تو مجھے اس کا بدلہ برائی کو دے تو پھر مجھ میں اور تجھ میں فرق ہی کیا باقی رہا۔ جو کچھ ایک عبد کرتا ہے وہی اگر معبود بھی کرنے لگے تو معبود کا امتیاز کس طرح قائم رہ سکے گا۔ تجھے تو اپنی شان معبودیت قائم رکھنے کے لئے یہی کرنا چاہیئے کہ ہم برائیاں کریں اور تو اس کا بدلہ ہمیشہ بھلائیوں کی صورت میں دے۔

اے زندگی تن و توانم ہمہ تو
جانے و دلے اے دل و جانم ہمہ تو
تو ہستی من شدی از آنی ہمہ من
من نیست شدم در تو از آنم ہمہ تو

منزل فنا فی اللہ میں پہنچکر خیام کہتا ہے کہ اے وہ ہستی کہ میرے جسم کی زندگی اور طاقت سب کچھ تو ہی ہے۔ اور اے میرے دل اور میری جان میری جان اور میرا دل بھی سب کچھ تو ہی ہے تو چونکہ میری ہستی اور میری جان بن گیا ہے۔ اس لئے تو بالکل "میں" ہو گیا ہے۔ اور میں چونکہ تجھ میں نیست اور فنا ہو گیا ہوں اس لئے میں بالکل "تو" ہو گیا ہوں۔"

اے دل ز غم جہاں گرفتہ خوں شو
یا ساکن عشوہ خانہ گردوں شو
دانی چہ کنی چو نیست سامان مقام
انگار درون نیامدی بیروں شو

اپنے دل کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ اے دل تجھ سے یہ کس نے کہا ہے۔ کہ تو دنیا کے غم سے خون ہو جا۔ یا یہ کہ اس آسمان کے عشوہ خانے میں رہ۔ تجھے خبر ہے۔ کہ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ دنیا ٹھیرنے کے قابل جگہ نہیں ہے اور یہاں مقام کرنے کا سامان مہیا نہیں ہے تو تجھے کیا کرنا چاہیئے کہ یہ سمجھ لے کہ میں اس دنیا کے اندر آیا ہی نہ تھا اور یہاں سے باہر نکل جا۔

اسلامی تاریخ

(جملہ حقوق محفوظ)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(ملت اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ جو صرف قارئین میخانہ کے لئے لکھوائی گئی ہے اور مسلسل شائع ہو رہی ہے)

(از مورخ اسلام جناب مولانا خلیل احمد صاحب مدیر الہلال)

حج سے واپس ہوتے ہوئے حضور نے خم پر منزل کی۔ گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ سرکار نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"میرا آخری وقت آپہنچا ہے۔ کیا میں تم کو تمہاری جانوں سے زیادہ محبوب نہیں ہوں۔؟ لوگوں نے عرض کیا "بے شک" آپ نے علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے"۔ اے اللہ اس کو دوست رکھیو۔ جس کو علیؓ دوست رکھیں۔ اور جس کو علیؓ دشمن رکھیں اس کو تو بھی دشمن سمجھیو۔ جس کی علیؓ امداد کریں۔ اس کی تو بھی امداد فرما۔ اور جس کو علیؓ ذلیل کرنا چاہیں اسے تو ذلیل فرما۔

مرض وفات۔ حضور حج وداع سے فارغ ہو کر مدینہ ۲۹ صفر سنہ ہجری میں داخل ہوئے۔ صفر کے عشرۂ آخر میں مرض کی ابتدا ہوئی۔ بیماری نے شدت اختیار کر لی تھی۔ اس حالت میں ایک دن آپ فضلؓ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر فرمایا۔ اے لوگو۔ جس کو میں نے بلا وجہ کوڑے لگائے ہوں تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ کوڑے لگا سکتا ہے۔ کسی کی میں نے آبروریزی کی ہو تو وہ بھی میری آبروریزی کر سکتا ہے۔ کسی کا میں نے مال لیا ہو۔ تو مال حاضر ہے۔ وہ لے سکتا ہے۔ بخت کلامی کی مجھ سے توقع ہو نہیں سکتی۔ اس لئے کہ یہ میری شان کے خلاف ہے۔ اس شخص سے مجھے بہت ہی محبت ہوگی۔ جو مجھ سے اپنا حق اس وقت ادا کرلے۔ پھر اس کے بعد آپ نے انصار کے ساتھ بہتر سلوک کی وصیت کی۔

جمعرات کے دن آپ کے مرض میں اور شدت ہوگئی۔ آپ نے فرمایا قلم دوات لاؤ۔ تاکہ تمہارے لئے کچھ ایسی باتیں لکھ دوں۔ جو میرے بعد تمہارے کام آئیں۔ اور تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ عمرؓ نے کہا حضور پر غلبۂ مرض ہے۔ اس وقت قلم دوات کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب اللہ کافی ہے۔ اس پر وہاں بحث ہوئی۔ حضور نے فرمایا "میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے پاس شور و شغب نہ کرنا چاہیے"۔

وفات۔ ۱۲ صفر سنہ ۱۱ھ یوم دوشنبہ کو حضور کی وفات ہوئی۔ اس وقت عمر شریف ۶۳ سال کی تھی۔ آپ کی تجہیز و تکفین کا انتظام علیؓ اور حضرت عباسؓ اور صاحبزادوں قثمؓ و فضلؓ نے کیا۔

محمدؐ نہیں مرے۔ حضور کی وفات کی خبر عمرؓ کو پہنچی۔ تو انہوں نے فرط محبت سے یقین نہیں کیا۔ اور کہا "منافقین کا یہ خیال ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے وفات پائی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو اپنے خدا کے پاس گئے ہیں۔ بہت جلد واپس آجائیں گے"۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ عمرؓ کے پاس آئے اور یہ آیت پڑھی۔ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل" یہ سن کر حضرت عمرؓ کو سکون ہوا۔ اور کہا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت پہلے کبھی سنی ہی نہ تھی"۔

شمائل۔ آپ کا قد میانہ تھا بھاری سر گھنی داڑھی۔ سرخ چہرہ۔ سیاہ بڑی بڑی آنکھیں۔ نرم لمبے لمبے بال۔ نرم رخسار۔ بہت ہی خوش خلاق قریب و بعید غریب اور گرد و پیش سب آپ کے نزدیک یکساں تھے۔ لوگوں کے حالات آپ دریافت فرماتے رہتے تھے۔ بکریوں کو اپنے ہاتھ سے دوہتے۔ زمین پر بیٹھتے۔ جوتے سی لیا کرتے۔ کپڑے میں پیوند لگا لیتے تھے۔ اونی اور پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی زیب تن فرما لیتے تھے۔ صحابہ کے درمیان اس طرح تشریف رکھتے گویا انہیں میں کے ایک فرد آپ بھی ہیں"

ازواج مطہرات۔ حضور نے پندرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا ہے لیکن خلوت تیرہ کے ساتھ ہوئی۔ اور ہم بستری تو گیارہ ہی کے ساتھ فرمائی۔ وفات کے وقت نو ازواج مطہرات علاوہ ماریہ قبطیہ کے بقید حیات تھیں۔

باب

سقیفہ بنی ساعدہ۔ حضور کی ابھی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہوئی تھی کہ انصار بنی ساعدہ کی چوپال میں جمع ہوئے۔ تاکہ حضور کے جانشین کا انتخاب کرلیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا۔ کہ سردار خزرج سعد بن عبادہؓ کو خلیفۂ رسول منتخب کیا جائے۔ عمرؓ کو خبر لگی تو وہ دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچے۔ اور ان کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جا پہنچے۔

مہاجرین و انصار میں سے جو لوگ جمع تھے۔ ہر ایک نے خلافت کے معاملہ میں کچھ نہ کچھ رائے دی۔ بہت کچھ گفتگو کی گئی۔ لیکن نتیجہ

کچھ نہ نکلا۔ انصار کہتے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے منتخب کیا جائے اور ایک تم لوگوں میں سے۔ مہاجرین کہتے تھے کہ ہم امارت کے حقدار ہیں۔ اور تم وزارت کے۔ انصاریوں میں اختلاف۔ قبیلہ اوس نے سوچا کہ سعد کی خلافت سے ان کی عزت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ تو انہوں نے بھی مہاجرین کی تائید کی۔ ان کی طرف ہوگئے اور خزرج کے مخالف ہوگئے۔ اور یہ کہا کہ مہاجرین میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے۔ اس پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

اوس خزرج کے خلاف ہوکر مہاجرین سے مل چکے ہی تھے۔ اور مہاجرین میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرنا طے ہوچکا تھا۔ اب ابوبکرؓ اٹھے۔ اور لوگوں کو مخاطب کیا۔ اور فرمایا میں تمہارے سامنے دو آدمیوں کو پیش کرتا ہوں عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کو۔ عمرؓ نے کہا آپ کی موجودگی میں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہاتھ بڑھایئے۔ تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوجاؤں۔ ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ عمرؓ اور جو لوگ موجود تھے۔ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔

قبیلہ اوس نے آپس میں کہا۔ اگر ہم خلافت خزرج کے سپرد کردیتے تو ان کو ہم پر فضیلت ہوجاتی۔ لیکن وہ ہماری کچھ بھی حقیقت نہ سمجھتے۔ اٹھو اور ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو۔ آخر اوس کے تمام افراد نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

اس اثنا میں سعد بن عبادہ اپنے گھر جا چکے تھے۔ لوگوں نے ان کو بلوایا۔ مگر انہوں نے آنے سے انکار کردیا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم جب اپنے ترکش کا ایک ایک تیر صرف کردوں گا۔ اپنے نیزہ کی نوک کو خون سے رنگ ڈالونگا۔ تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ اپنے اہل و عیال اور اپنے متبعین کو لے کر جنگ کروں گا۔ اگر تمام جن وانس جمع ہوجائیں تب بھی میں بیعت نہ کروں گا۔ لوگوں نے فتنہ کے خوف سے پھر ان کو نہ چھیڑا۔

ادھر حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ قبائل ویسے ہی مذبذب ہورہے ہیں۔ جب یہ حالت ہے۔ تو خلافت کے معاملہ میں ہمارے اختلاف سے تمام عالم اسلامی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے آپ نے خاموشی کو بہتر سمجھا۔ حالانکہ سب سے زیادہ مستحق خلافت اپنے آپ کو سمجھتے تھے۔ اس سے آپ کی سیاست دانی اور تدبر پسندی کا پتہ چلتا ہے۔

خطبۂ ابوبکرؓ بیعت کے دوسرے دن ابوبکرؓ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ "اے لوگو! میں تم پر امیر بنا دیا گیا ہوں۔ حالانکہ تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر سیدھے راستہ پر چلوں تو میری امداد کرنا۔ اگر بری راہ چلوں تو مجھے سیدھے راستہ پر لانے کی کوشش کرنا۔ سچائی امانت ہے۔ اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہیں وہ قوی ہیں جب تک کہ میں ان کے حق کو دلا نہ دوں۔ اور قوی کمزور ہیں۔ جب تک کہ ان سے دوسروں کا حق لے نہ لوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ تم میں سے جن کو بھی جہاد کی دعوت دی جائے۔ پس جو لوگ دانستہ اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے ان کو خدا ذلیل و رسوا کرے گا۔ جب تک میں خدا کی اطاعت کرتا ہوں۔ تم بھی میری فرماں برداری کرتے رہو۔ اور اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو پھر میری اطاعت کا فرض تم پر عائد نہیں ہوتا۔"

باب ۱۵

جیش اسامہؓ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد حضرت نے شام پر حملہ کا ایک لشکر تیار کیا تھا۔ جس میں ابوبکرؓ عمرؓ اور مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے لوگ تھے۔ اس لشکر کی سرداری حضرت اسامہؓ کو عنایت کی تھی۔ حضرت اسامہؓ کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ وفات کے بہت قریبی زمانہ میں آپ نے اس لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ اور متنبہ فرمادیا تھا کہ کوئی شخص رہ نہ جائے۔ لیکن آپ کی بیماری کی وجہ سے اس لشکر کی روانگی موقوف ہوگئی۔

لشکر کی روانگی۔ جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس لشکر کو روانہ کیا۔ تمام لشکر کے لوگوں کو حکم دیا کہ سب جائیں کوئی رہ نہ جائے۔ کچھ دور تک آپ بھی لشکر کو روانہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسامہؓ نے حضرت عمرؓ کو ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کی۔ تاکہ عمرؓ کے مشورہ سے کام کیا جائے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو جانے کی اجازت دیدی۔ لشکر اسلامی کا اسوۂ حسنہ۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسامہ کے لشکر کو جو نصیحتیں کی تھیں اس کے چند الفاظ یہ ہیں۔

"خیانت و بدعہدی مت کرو۔ حد سے زیادہ تجاوز مت کرو۔ کسی کے ناک کان مت کاٹو۔ بچے۔ بوڑھے اور عورتوں کو قتل مت کرو۔ کھجوروں کو مت جلاؤ۔ پھلدار درختوں کو مت کاٹو۔ دوسروں کی بھیڑ اور اونٹوں کو مت ذبح کرو۔ تم ایک ایسی جماعت پر بھی گذرو گے جنہوں نے اپنا مسکن گرجوں کو بنا لیا ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔"

اس لشکر کی کارگذاری۔ اسامہ اس لشکر کو لے کر قضاعہ پر جا پڑے اور شام میں خوب بزن بولا۔ اس لشکر کی روانگی کی وجہ سے عربوں پر بہت کافی اثر پڑا۔ آپس میں یہ چرچا ہوتا تھا۔ کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی۔ تو یہ لشکر ہرگز نہ بھیجتے۔

مسلمانوں کی حالت۔ حضور کے بعد مسلمانوں پر بڑا نازک وقت آپڑا تھا۔ خلافت کے بارے میں انصار و مہاجرین کا اختلاف مختلف قبائل کا مرتد ہوجانا۔ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ کی تحریک کا زور پکڑ لینا۔ لیکن ثابت قدمی نے تمام دشواریوں کو آسان کردیا۔ مسلمانوں کی کوششوں نے تمام باتوں کو راہ راست پر لا ڈالا۔

مرتدین۔ حضور کے بعد بہت سے مسلمان متزلزل ہو گئے تھے بعض لوگوں نے خود ساختہ نبیوں کی پیروی اختیار کر لی بعض لوگوں نے زمانۂ جاہلیت کا طریقہ اختیار کر لیا۔ بعضوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا بعض خلافت کے عائد کی وجہ سے گومگو کی حالت میں تھے۔ آخری دو قسموں کے لوگ زیادہ تر عرب تھے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جنگ۔ ابوبکر رضؓ نے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ چاہا۔ کہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے متعلق کیا رائے ہے۔ مختلف رائیں تھیں عمر رضؓ کا خیال تھا۔ کہ جب یہ لوگ کلمہ گو ہیں تو ہم کس طرح ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ابوبکر رضؓ نے فرمایا اگر یہ لوگ زکوٰۃ کی ایک معمولی سی رسی دینے سے انکار کریں گے۔ تو میں ان سے جنگ کروں گا"۔ آخر کار ابوبکر رضؓ کی رائے سے سب کو اتفاق کرنا پڑا۔

مسلمانوں کی اندرونی جنگ۔ ابوبکر رضؓ نے گیارہ علم تیار کرائے۔ ہر ایک لشکر کو ایک علم دے کر مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ لشکروں کا روانہ ہونا تھا کہ سب مخالفین کے دلوں پر خوف طاری ہو گیا۔ اسلامی لشکر جدھر سے گذرتا تھا۔ فتح و کامرانی ان پر اپنا سایہ ڈالتی تھی۔ مرتدین۔ مانعین زکوٰۃ و منکرین خلافت کے ساتھ جنگ میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ یہ پہلی جنگ تھی۔ جو مسلمانوں کو اپنے گھر میں لڑنا پڑی۔

باب ۱۶
فتوحات اسلامیہ
فتح عراق

تمہید۔ مثنیٰ بن حارثہ جو سلطنت حیرہ کے حالات سے کماحقہ واقف تھا۔ اور ملک فارس کی اندرونی کمزوریوں کا بھی اسے علم تھا۔ ابوبکر رضؓ کے پاس آیا اور یہ چاہا کہ ابوبکرؓ اس کو اپنی قوم کی معیت میں فتح عراق کا حکم دیدیں آپ نے اس کی درخواست منظور کر لی اور اس مہم کو فتح کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

خالدؓ و عیاضؓ۔ پھر خالدؓ بن ولید کی زیر کمان دس ہزار کا لشکر روانہ کیا کہ عراق کے زیریں حصہ سے حملہ آور ہوں۔ اور عیاضؓ بن غنم کو حکم بھیجا کہ عراق کے بالائی حصہ سے حملہ کریں۔ تا آنکہ خالدؓ سے مل جائیں۔ یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

جرنیل اعظم۔ ابوبکر رضؓ نے سپہ سالار اعظم خالدؓ بن ولید کو مقرر کیا تھا جب اسلامی لشکر عراق کے قریب پہنچا تو مثنیٰؓ بن حارثہ اپنی قوم کے آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ آ کر شامل لشکر ہو گیا۔ پھر اور اطراف سے بھی مدد آنی شروع ہو گئی۔ اب اس نے یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح کرنا شروع کر دیا کئی جگہ معرکۃ الآرا مقابلے ہوئے۔ مگر فتح مسلمانوں کی ہوئی۔

فتح حیرہ۔ لشکر اسلامی کوچ کرتا ہوا مقام حیرہ تک پہنچ گیا۔ یہاں کے لوگوں نے جنگ سے پہلے باہمی گفتگو کو بہتر سمجھا۔ اس لئے بعض سرغنہ حضرت خالدؓ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اسلام قبول کر لیا جزیہ دو۔ یا پھر جنگ۔ انہوں نے کہا ہم جنگ لڑنا نہیں چاہتے آپ کو جزیہ دیں گے۔ اور اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔

دومۃ الجندل۔ فتح حیرہ کے بعد خالدؓ بن ولید جنوب کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں جو مقامات بھی پڑے۔ ان کو فتح کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دومۃ الجندل تک پہنچ گئے۔ یہاں عیاضؓ بن غنم سے ملاقات ہوئی۔ عیاضؓ بھی راستے کے تمام مقامات کو فتح کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ بہر حال عراق کو مسلمانوں نے اپنی قوت بازو سے فتح کر لیا۔ دومۃ الجندل کی فتح آخری حملہ تھا مسلمانوں نے اسے بھی سر کر لیا۔

باب ۱۷
فتوحات شام

تمہید۔ شرجیل رضؓ نے مشورہ دیا کہ رومی مسلمانوں کو تباہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ لہٰذا شام کو فتح کر لینا چاہیئے۔ ابوبکر رضؓ نے اس معاملہ میں مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ تمام مسلمانوں نے اور خاصکر علی رضؓ نے شام کی فتح کی تائید کی ابوبکر رضؓ نے قبائل کو امداد کے لئے جمع کیا۔ اور فتح شام کے لئے لشکروں کی تیاری شروع کر دی۔ ۱۳ھ کا واقعہ ہے۔ لشکر کے چار حصے کئے۔ ہر حصہ کا ایک الگ امیر مقرر کیا۔ لیکن قائد اعظم خالدؓ کو بنایا۔ بعد کو عمر رضؓ کے مشورہ سے خالدؓ کو معزول کر دیا۔ اور ابو عبیدہؓ کو قائد اعظم بنایا

ابوبکر رضؓ نے ابو عبیدہؓ کو حمص کی طرف جانے کی ہدایت کی تھی چنانچہ ابو عبیدہؓ روانہ ہوئے اور جب ملک شام کے قریب ایک مقام پر پہنچے تو وہاں کے باشندے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن پھر خود ہی ان لوگوں نے صلح بھی کر لی۔ یہ شام میں مسلمانوں سے پہلا صلح کا موقع تھا۔

مقام عربہ میں رومیوں کی ایک جماعت مزاحمت کے لئے جمع ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی طرف سے ابو امامۃ الباہلی اس مقام پر پہنچے رومیوں نے شکست کھائی۔ بہت سے قتل بھی ہوئے۔ پھر دوبارہ یہ لوگ اسی ارادہ سے آئے۔ مگر اس مرتبہ بھی شکست کھائی۔

واقعۂ یرموک۔ امرائے اسلام سارے ملک شام میں پھیل گئے۔ ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ اندرون ملک میں داخل ہو گیا تھا۔ ابو عبیدہ کا قیام مقام جابیہ میں۔ شرجیلؓ کا اردن میں۔ عمرو بن عاصؓ کا عربہ میں اور

یزید بن ابی سفیان کا طلقا میں تھا۔

ہرقل نے اول تو رومیوں سے یہ خواہش کی کہ مسلمانوں سے صلح کرلو۔ مگر انہوں نے صلح کرنے سے انکار کیا۔ لہٰذا لشکروں کی تیاری کی گئی۔ اور ہر امیر کے مقابلہ میں ایک لشکر جرار بھیجا گیا۔ تاکہ ہر امیر کو اپنے بچاؤ کی فکر ہو۔ اور وہ دوسرے امیر کی کوئی امداد نہ کر سکے۔ مسلمانوں نے جب رومیوں کا یہ ساز و سامان دیکھا۔ تو ان پر کچھ ہیبت سی طاری ہوئی۔

مسلمانوں نے عمرو بن عاص کو یہ سارا احوال لکھا۔ تو عمرو بن عاص نے جواب میں لکھا کہ مناسب وقت یہ ہے کہ ہم سب مجتمع ہو جائیں۔ اگر ہم سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو قلت و کثرت کا کوئی کھٹکا نہیں رہیگا۔ البتہ علیحدہ علیحدہ ہر گروہ کے لئے مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور سب کے سب یرموک میں جمع ہو گئے۔

رومی بھی یرموک پہنچ گئے۔ ان کا سپہ سالار اعظم باہان تھا۔ مسلمان رومیوں کے راستہ میں پڑتے تھے۔ اور دوسری طرف ایک جنگلی نالہ پڑتا تھا۔ عمروؓ نے مسلمانوں سے کہا۔ مبارک ہو۔ رومی از خود محصور ہو گئے ہیں۔ اور محصور بہت کم نجات پاتے ہیں۔

لشکر اسلامی کی تعداد ۴۳ ہزار تھی۔ اور رومیوں کے لشکر کی تقریباً ڈھائی لاکھ۔ تقریباً ڈھائی ماہ دونوں لشکر آمنے سامنے رہے۔ مگر کوئی کسی کا کچھ نہ کر سکا۔ البتہ رومی کچھ چھوٹی چھوٹی سی ٹکڑیاں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیجتے۔ انہیں مسلمان مار بھگاتے تھے۔

مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو کمک بھیجنے کے لئے لکھا۔ آپ نے خالدؓ کو لکھا۔ کہ شام پہنچیں۔ لیکن نصف لشکر اپنے ہمراہ لے جائیں۔ اور نصف اپنی جگہ پر چھوڑ دیں۔ اور اس پر مثنیٰ بن حارثہؓ کو امیر مقرر کر دیں۔ خالدؓ یہ انتظام کر کے شام کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں یہ صورت رہی کہ جو لوگ جنگ کے لئے آمادہ ہوئے۔ ان سے جنگ کی۔ اور جو صلح کرنا چاہتے تھے۔ ان سے صلح کر لی۔

خالدؓ نے شام پہنچتے ہی سب سے پہلے یہ بات محسوس کی کہ لشکر میں کئی امیروں کے ہونے سے اسلامی لشکر کی قوت کمزور ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا آپ نے یہ خواہش کی کہ باری باری سے لشکر کا ایک امیر ہونا چاہیئے۔ اور اس کے بعد آپ نے کہا "آج سارے لشکر کی مجھے کمان کرنے دو۔" سب نے آپ کو باتفاق امیر بنا دیا۔

ہر امیر نے اپنے لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آکر صف بستہ ہو گئے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے کہا "رومی کس قدر زیادہ ہیں۔ اور مسلمان کس قدر کم ہیں"۔ اس کے جواب میں خالدؓ نے کہا "مسلمان کس قدر زیادہ ہیں۔ رومی کس قدر کم ہیں۔ سن لو کہ قلت و کثرت کا دار و مدار فتح و شکست پر نہیں ہے"۔

خالدؓ نے عکرمہ بن ابی جہل۔ اور قعقاع بن عمرو کو حکم دیا کہ میدان جنگ میں پہنچ کر جنگ مغلوبہ کریں۔ دونوں کے شہسوار ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ رومی لشکر نے پیچھے ہٹاتے ہٹاتے مسلمانوں کو ان کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچا دیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر عکرمہؓ نے کہا "آج کون ہے" جو اس بات کا عہد کرے کہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ بلکہ اپنی جان تک دے دے گا۔ اس موت کو عکرمہ کی حارث بن ہشام اور ضرار بن الازور پورے چار سو کی جمعیت کے ساتھ قبول کیا۔ ان عہد کرنیوالوں نے بڑے زور شور سے مقابلہ کیا۔ کچھ مرے۔ کچھ زخمی ہوئے۔

معرکۂ قتال گرم تھا۔ مسلمان پیاپے حملے کر رہے تھے۔ تا آنکہ رومیوں نے اپنے مرکز کو چھوڑنا شروع کر دیا۔ خالدؓ اسی وقت قلب لشکر پر جا پڑے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ رومیوں کے افسر اپنے پیادوں کو موت کے منہ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کے صرف تین ہزار آدمی کام آئے۔ رومیوں کے تین ہزار سے بہت زیادہ قتل ہوئے۔ ہرقل شاہ روم کا فرار۔ ہرقل حمص میں مقیم تھا۔ جب اسے اپنے لشکر کی رسوائی اور اپنی قوم کے بھاگنے کی خبر ملی تو حمص سے وہ خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔

باب ۱۸

بقیہ فتوحات شام بیعت عمرؓ

وفات ابوبکرؓ۔ یرموک کی جنگ ابھی جاری تھی۔ کہ شام میں امیر لشکر کے پاس ابوبکرؓ کی وفات کا خط پہنچا۔ جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ خالدؓ کو معزول کیا گیا۔ اور ان کی جگہ ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم مقرر کئے گئے۔ لیکن اس خبر کو پوشیدہ رکھا گیا۔ تا آنکہ مسلمانوں کو فتح کامل ہو گئی۔

یرموک کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ بصرٰی کی طرف روانہ ہوئے پہلے تو وہاں کے حاکم نے جنگ کی تیاری کی۔ لیکن پھر خود ہی صلح کی درخواست کی۔ جسے ابو عبیدہؓ نے منظور کر لیا۔

وفات ابوبکرؓ۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات جمادی الاول ۱۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے یہ وصیت کی تھی کہ مجھے حضور کے پہلو میں دفن کیا جائے اور اپنے بعد اپنا جانشین حضرت عمرؓ کو مقرر کیا تھا۔

ابوبکرؓ کی خصوصیات۔ غار ثور میں آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یوم بدر میں اس چھپر کے نیچے جو حضور کے لئے تیار کیا گیا تھا حضور کے ہمراہ آپ ہی بیٹھے تھے۔ ۹ھ میں آپ نے لوگوں کو حج کرایا۔ نبی کریم سے یہ روایت کی کہ ہم انبیاء کے گروہ ہیں۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم

مذہبی معلومات

قربانی

(از جناب مولانا عبدالوہاب صاحب عندلیب)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من وجد سعۃ فلم یضح فلا یقربن مصلانا (ابن ماجہ و مسند ابن حنبل)

ترجمہ - حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو جو استطاعت رکھکر قربانی نہ کرے، وہ ہماری صف میں نہ آئے۔

قربانی اسلام پاک میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ

(۱) جو شخص باوجود مقدرت قربانی نہ کرے۔ وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

(۲) ایک روز ایک صحابی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ پھر اس نے دوبارہ عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمارے واسطے اس میں کیا فضیلت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ جتنے بال قربانی کے جسم پر ہوتے ہیں اتنی ہی نیکیاں قربانی کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ (مسند امام احمد و ابن ماجہ)

(۳) حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ اور ابوسعید خدری اور عمران بن حصین رضوان اللہ علیہم اجمعین، سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اول قطرہ خون جو قربانی سے زمین پہ گرتا ہے اس کی وجہ سے جو گناہ بندہ نے کیا ہے وہ بخشا جاتا ہے اور قیامت کے دن قربانی کا چمڑا اور گوشت نیکی کے پلہ میں رکھا جائے گا۔ اس کا وزن ستر حصہ نیکیوں کو بڑھائے گا۔ ابوسعید رضی اللہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ یہ کرامت خاص اہلبیت کے واسطے ہے یا سب مسلمانوں کے لئے آپ نے فرمایا کہ اس نعمت میں سب مسلمان شریک ہیں۔ (ترغیب حمیدیہ)

(۴) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ حضور انور صلعم نے فرمایا کہ آدم نے نحر کے دن خون کے جاری کرنے سے بہتر کوئی عمل جو اللہ کے نزدیک محبوب ہو نہیں کیا۔ اور بحقیق ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن معہ اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے آئے گا (یعنی پل صراط پر سواری بنے گا) اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جاتا ہے پس اس سے دل خوش کرو۔ (ترمذی ابن ماجہ)۔

اس حدیث شریف سے خاص طور پر یہ ثابت ہوا کہ عید الضحیٰ کے دن افضل عبادت خون بہانا ہے یعنی قربانی کرنا ہے۔ اور وہ قربانی قیامت کے روز بلا کم و کاست جیسی دنیا میں تھی بعینہ موجود ہوگی۔ تاکہ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے میں اجر حاصل ہو اور پل صراط پر سواری بن سکے۔

قربانی پر اعتراضات

بعض لوگ قربانی کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کہا کرتے ہیں کہ جانوروں کا خون بہانے سے کیا فائدہ۔ یہ تو بڑا بے رحمی کا کام ہے اس کی بجائے اگر کوئی اور چیز صدقہ کر دی جائے تو بہت بہتر ہو علی ہذا القیاس کئی باتیں اس قسم کی کہی جاتی ہیں جو محض لاعلمی یا تعصب مذہبی کا نتیجہ ہیں ایسے لوگوں نے آج تک اس مسئلہ پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی ہم چاہتے ہیں کہ آج اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دیں۔ تاکہ عوام و خواص کو قربانی کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

قربانی ہر قوم میں رائج تھی

قربانی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر زمانہ میں اور ہر قوم اور ہر ملک میں اس کا وجود ثابت ہے،

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا، جلد نمبر ۱۴ صفحہ ۱۳۰، اور انسائیکلوپیڈیا ببلیکا جلد ۴ صفحہ ۴۱۸۷ تا ۴۲۴۴ میں ہے "ایران۔ ہندوستان۔ یونان۔ روم۔ عرب افریقہ۔ قدیم امریکہ اور یورپ میں قربانی کا عام رواج تھا۔ اور رضائے الٰہی ۔ کفارہ معاصی، ازالۂ غضب اصنام کے لئے۔ نیز غریب کی غربت دور کرنے کیلئے شلو کی قوت بڑھانے اور بیماری کی شفا کے واسطے قربانیاں ہوا کرتی تھیں۔

یہودیوں کی قربانیاں

عبرانیوں میں شکریہ کفارہ اور حمد الٰہی کے لئے لڑکے کے تولد۔ ختنہ شادی اور مہمان کے آنے۔ فتحمندی۔ زمین کے جوتنے۔ کنوئیں کی بنا۔ بنیاد عمارت۔ باہمی معاہدہ۔ مردہ کی سالانہ رسم شکار کے بعد اور جب کسی کا جانور پہلا بچہ دے تو قربانی ہوا کرتی تھی۔ توریت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آغاز دنیا سے یہ رسم جاری ہے۔ ہر قوم میں اس کا نیا انداز ہے اور نئی نئی صورت ہے۔ یہودی اپنے گناہوں کے کفارہ کے لئے قربانی کیا کرتے تھے۔ اور پھر وہ اسے آگ میں جلا دیتے تھے۔ گناہوں کے کفارہ کے لئے قربانی کرنے کا غلو اس قدر بڑھا کہ عام طور پر لوگوں کو یہ یقین ہونے لگا کہ آسمان سے ایک بے دھوئیں کی آگ اترتی ہے۔ اور مقبول قربانی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے بعض بزرگوں نے لکھا ہے۔ کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے بعض

پیغمبروں کو ایسا ہی پیش آیا کہ انہوں نے خدا کی نیاز کی۔ آسمان سے آگ آئی اور نیاز کو جلا گئی جس سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ نیاز مقبول ہو گئی۔ بابلی لوگ قیدیوں میں سے ایک انسان کی قربانی کیا کرتے تھے۔ اور افریقہ میں حسین آدمی کی قربانی ہوتی تھی۔ بابلیوں میں ہرن کی قربانی اور عبرانیوں میں بادشاہ اور رعایا کی طرف سے شاہی قربانی کے لئے چھ بچھڑے اور ایک دنبہ ضروری تھا۔ سوختنی قربانی بھی گھی دیوتا اگنی، یا آسمانی فرشتے کے لئے ہوتی تھی اور اس کو عولی کہتے تھے۔

حضرت سلیمانؑ نے جب ہیکل تیار کی تو قربانیوں کی نوبت لاکھوں تک پہنچی۔ مسیحی دین میں قربانی کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور تمام انبیائے بنی اسرائیل قربانی کے مؤید رہے۔ لیکن نصرانیوں کو چونکہ یہودیوں سے سخت دشمنی تھی اس لئے انہوں نے اس قدیم رسم کو مٹا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پانے پر قربانی کو ترک کر دیا۔ پہلے تو مسیحی باوجود پال کے انکار کے قربانیاں کرتے رہے۔ جب دنیا طلبی غالب ہوئی۔ تو قربانیوں کا روپیہ قربانیوں کا قائم مقام ہو گیا اور اسی بہانہ سے اصل قربانی موقوف ہوئی۔ تاہم برائے نام یا حقیقتاً اب بھی مسیح کا لہو گوشت عشائے ربانی میں کھایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ خیال کہ ایک جان کے مارنے سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔ نصرانی اپنے دل سے دور نہ کر سکے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ہمارے گناہوں کے کفارہ میں حضرت یسوع نے (جو خدا کا اکلوتا بیٹا تھا) صلیب پر جان دے دی جس طرح یہودی یہ سمجھتے تھے کہ خواہ ہم کیسا ہی گناہ کریں ایک بھیڑ یا بکری کو ذبح کر کے جلا دینا اس گناہ کو مٹا دے گا۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ حضرت مسیحؑ کا صلیب پانا ہمارے گناہوں کے کفارہ کا باعث ہو گیا۔ روما میں سور کی اور یونان میں شراب کی قربانی کا بھی معمول تھا میکسیکو کے تین منزلہ مندر میں سبز پتھر پر قربانی ہوتی تھی۔

ڈاہومی میں بادشاہ کی وفات پر دو ہزار آدمیوں کی قربانی ہوتی تھی۔ یہ تو ان قوموں کا حال تھا جو اپنے آپ کو آسمانی کتب و صحائف کا پیرو خیال کرتی تھیں۔ مشرکین کا حال ان سے بھی بدتر تھا۔ وہ لوگ اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے پتھروں کے بتوں، تصویروں، درختوں اور فرضی شیطانوں پر جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ بت اور درخت۔ اور شیطان ان جانوروں کا خون پی کے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب یہ خوش ہو جائیں گے تو ہم پر نظر عنایت رکھیں گے۔

عرب کے مشرکین کا دستور تھا کہ وہ اللہ کے سوا اپنے بتوں اور خیالی معبودوں۔ دیوی شخصیوں کے نام پر قربانی کیا کرتے تھے۔ یہ دستور اب تک ہندوؤں میں رائج ہے۔ اور دیوی کی بھینٹ دی جانا دستور ہے۔

ہندو مذہب میں قربانی

ہندوستان میں بھی تمام قوموں میں قربانیاں ہوا کرتی تھیں۔

ہندوستان میں منوجی مہاراج بڑے رشی اور قابل عزت آدمی ہیں منوسمرتی آپ کی بہت مشہور اور مستند مذہبی اور قانونی کتاب ہے اس میں انہوں نے گوشت خوری اور قربانی کے احکام درج کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم ہندوؤں میں گوشت خوری اور قربانی کی رسم عام تھی۔

چنانچہ منوجی فرماتے ہیں۔

۱۔ احلال جانوروں کے کھانے سے کھانے والوں کو کوئی گناہ نہیں۔ (ادھیائے ۵ اشلوک ۳۰)۔

۲۔ قربانی کے لئے ہرن اور پرند مارنا چاہئے۔ اگلے زمانہ میں اگست رشی نے ایسا ہی کیا ہے۔ (منو ادھیائے ۵ اشلوک ۲۲)۔

۳۔ اگلے زمانہ میں رشیوں نے قربانی کے لئے ہرن اور پرندوں کو مارا ہے (ایضاً شلوک ۲۳)۔

۴۔ ایشور نے جانوروں کو قربانی کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قتل قتل نہیں کہلاتا۔ (ایضاً اشلوک ۳۹)۔

۵۔ جانور بسند قربانی کے جلنے سے دوسرے جنم میں اعلیٰ درجہ پاتے ہیں (ایضاً اشلوک ۴۰)۔

۶۔ جو ہنسا اس دنیا میں وید کے حکم کے موافق ہے اس کو ہنسا یعنی جان کشی نہ جاننا چاہئے کیونکہ وید ہی سے دہرم نکلا ہے۔

مندرجہ بالا اشلوکوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر غذا حاصل کرنے کے لئے اور مناسب طریق سے کھانے کے واسطے یا قربانی کے لئے جانور ذبح کئے جائیں تو نہ کوئی گناہ ہے نہ پاپ ہے۔ نہ وید وغیرہ کے مخالف۔ البتہ محض کھیل تماشہ کی نیت سے بطور لہو و لعب جیسے بعض شکاری جانوروں کو مارتے ہیں، و نیز حرام جانوروں کا مارنا منع ہے اور پاپ ہے اس کی تشریح بھی خود منوجی نے کر دی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

(۱) یہ وکش نام سنسکار ہے جو مانس (گوشت) بنتا ہے اور یگیہ (قربانی) ہون کرنے سے جو مانس بچا ہے، ان دونوں طرح کے مانس کو بھوجن کرنا (کھانا) چاہیئے۔ اور جب برہمنوں کو مانس کھانے کی اچھا (خواہش) ہو تب شاستر کی مدہ (موافق) بھوجن کریں۔ اور جبکہ بھوک سے جان جاتی ہو اس وقت بھی مانس بھوجن کریں۔ (منو ادھیائے ۵ اشلوک ۲۷)۔

(۲) دنیا میں ساکن اور متحرک جس قدر اشیاء ہیں سب جان کی غذا ہیں۔ اس بات کو شری برہماجی (ایشور یعنی خدا) نے کہا ہے۔ (ایضاً اشلوک ۲۸)

اسی قسم کے کئی اشلوک منوسمرتی میں ملتے ہیں، ہم خاص موقعہ پر بس بحث کو صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ قربانی کی رسم ہندوستان میں قدیم سے چلی آتی ہے۔ اور اب تک اس کے [illegible] ہیں بلکہ ابتدائی ایام میں تو انسانی قربانی کا بھی رواج تھا کاشی جی بنارس میں وہ مقام موجود ہے جہاں انسانی قربانی ہوتی تھی۔ [illegible] محلات میں بھی انسانی قربانی کا وہ مقام موجود ہے اور اب ان دونوں

مقامات میں انگریزی عملداری کے اثر کی وجہ سے امن ہے۔ البتہ جنوبی یورپ میں ہر دو ایک برس کی قربانی ہوتی ہے۔

ہندو راجوں، مہاراجوں کی بیماریوں میں بیسیوں جانوروں کی قربانیاں کی جاتی تھیں۔ پرانے راجوں اور مہاراجوں کی قربانیاں آجکل کے ناٹکوں اور اندر سبھاؤں کے تماشوں میں مذہبی رنگ میں دکھائی جاتی ہیں۔ بلکہ بچوں کی قربانی اور اس پر والدین کا شکل کا ہزاروں آدمیوں کی آنکھوں کے سامنے کا نظارہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان قدیم میں قربانی کی رسم بہت عام تھی۔ اور نہ صرف جانوروں کی قربانی کی رسم تھی بلکہ بچوں اور نوجوانوں۔ غلاموں آدمیوں کی قربانی بھی ہوتی تھی۔ اور اس قربانی کے مختلف مقاصد و مطالب تھے۔

اقوام ثلٰثہ کی قربانی پر نظر

یہودی تو یہ سمجھتے تھے کہ قربانی ہمارے گناہوں کے مٹانے کا ذریعہ ہے ان کا یہ یقین تھا کہ خواہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ایک بھیڑ یا بکری کو ذبح کر کے جلا دینا اس گناہ کو مٹا دیتا ہے اور عیسائیوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حضرت مسیح کا مصلوب ہونا ہمارے گناہوں کے کفارہ کا باعث ہو گیا۔ اس کے قریب ہندوؤں کا بھی یہی خیال تھا۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ قربانی کا خون پی کے ہمارے دیوتا اور دیوتا اور شیطان خوش ہو جائیں گے اور ہم پر کرپا اور مہربانی کرتے رہیں گے۔ یہ اخلاقی کمزوری ان تینوں بڑی اقوام میں موجود تھی۔ اگرچہ تینوں گروہوں کے اصول قربانی علیحدہ علیحدہ تھے۔ مگر نتیجہ سب کا ایک ہی نکلتا تھا۔

مقدس دین اسلام چونکہ اس قسم کی کمزوریوں سے بالکل پاک تھا اس نے ان تینوں قوموں کی اس غلطی کو آشکارا کر دیا۔ اور خدا کی مقدس کتاب قرآن مجید نے اس بات کا فیصلہ فرما دیا کہ

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم

خدا تک نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ اور نہ ان کے خون۔ بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے" یعنی کسی کا گوشت اور خون خدا کو نہیں پہنچتا وہاں تو دلوں کی صفائی اور قلبی طہارت کی قدر ہے۔

چونکہ قربانی میں خداتعالیٰ کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے اس لئے وہ ایک قسم کی عبادت قرار دی گئی۔ کیونکہ اس سے خداتعالیٰ کی رغبت صحیح طور سے معلوم ہوتی ہے۔ اسلام پاک میں قربانی صرف یہی ہے۔ کہ اس نے ایک جانور کا گوشت کھانا جائز قرار دیا۔ چونکہ وہ خالق زمین و آسمان سے تعلق رکھتا ہے اس لئے یہ حکم دیا کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ اکبر کہہ لیا کرو تاکہ باطل عقائد جو یہودیوں اور نصرانیوں اور دیگر مشرک اقوام کے ہیں جاتے رہیں۔

ایک عقلمند اور صحیح الفطرت انسان جب قربانی کی اصلیت پر غور کرتا ہے۔ تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانور کے ذبح کرنے کی نسبت تینوں قوموں کے عقائد نے کیسی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اور اسلام پاک نے ایک سادہ قربانی کا حکم دے کر کیونکر ان کے ناپاک خیالات کی بنیاد کو ڈھایا ہے۔ ایک صحیح الفطرت انسان اس راز کو سمجھ سکتا ہے۔

دیکھو عیسائی اب تک سخت دھوکے میں ہیں جسے وہ قربانی کہتے ہیں اور جو طریقہ انہوں نے یہودیوں سے اڑا لیا ہے۔ حضرت یسوع پر اس قربانی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے خیال کے مطابق صلیب پر جان دے کے پھر زندہ ہو گئے تھے۔ قربانی کا یہ دستور ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہ ہو۔ جب زندہ ہو گئی تو پھر وہ قربانی کہاں رہی؟ یہودی تو اپنے گناہوں پر ایک بے زبان جانور کو مار کر قربان کر دیتے تھے۔ مگر عیسائیوں نے اپنے خداوند کے صلیب پانے سے فائدہ اٹھا کے قیامت تک اپنے گناہوں سے سبکدوشی حاصل کی۔ یہی خیالات افریقہ کے مادیگر دوں کے مدت دراز تک رہے ہیں۔

ایک شائستہ اور تعلیم یافتہ آدمی خیال کر سکتا ہے کہ ایک نوجوان شخص مظلومانہ اور بے رحمانہ حالت میں جبراً قتل کر ڈالا گیا اور اس کے معتقد بجائے رنج اور افسوس کرنے کے اس کی اس دردانگیز موت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ کیسا عقیدہ ہے اس زمانہ کے متمدن یورپ نے ان خیالات کو رد کر دیا ہے۔ مگر یہی عیسائی اب تک اس لکیر کے فقیر بنے چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کی بے بسانہ موت ہماری نجات کا باعث ہو گئی۔ العیاذ باللہ۔

الغرض یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات کا دار و مدار بالکل جانور یا انسان کا گلا کٹنے پر ہے۔ ایک یہودی یہ سمجھتا ہے کہ میں تمام عمر گناہ کرتا ہوں اور جب گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنا یا اپنے اوپر سے ٹالنا چاہوں گا۔ تو فوراً ایک بھیڑ کو ذبح کر کے آگ میں ڈال دوں گا۔ اور عیسائی کا یہ خیال ہے کہ یسوع ناصری کو جو نہایت بے بسانہ حالت میں زبردستی یہودیوں نے صلیب دے دیا۔ بس کل "خداوند" پکارنے والوں کی نجات ہو گئی۔ لاحول ولا قوۃ یہ ہے اہل کتاب کا مذہب اور یہ ہیں اس کے اصول۔ جن مسیحی مورخوں نے یہ لکھا کہ اسلام نے قربانی کی رسم یہودیوں سے سیکھی۔ بڑی غلطی کی کیونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کی قربانی کی نوعیت میں بڑا فرق ہے۔ جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اسلام میں قربانی کی نوعیت

اب ہم اسلامی قربانی کی نوعیت کو بیان کرتے ہیں۔ چونکہ مقدس دین اسلام بالکل مطابق قانون قدرت و موافق قواعد فطرت ہے اس لئے پہلے کائنات عالم پر نگاہ ڈالئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ تمام چیزوں میں قربانی پائی جاتی ہے۔ اور قربانی ہی سے تمام دنیا کا نظام

نشوونما اور تربیت جسمانی و روحانی برقرار ہے۔ گویا قربانی ہی پر تمام عالم کے کاروبار کا دار و مدار ہے۔ اکسیجن ہر تنفس میں انسانی آرام کے لئے قربان ہوتی ہے کاربن درختوں کے لئے قربان ہوتی ہے۔ کروڑوں من لکڑی اور کوئلہ آگ کی نذر اور انجنوں، ریلوں اور دخانی جہازوں پر قربان ہوتا ہے۔ تب انسان کے لئے راحت و آسائش میسر ہوتا ہے۔

ہزاروں لاکھوں درختوں کی قربانی مکانوں کے لئے کی جاتی ہے ان گنت بے شمار جھاڑ اور پودے روزانہ حیوانات کی خوراک کے لئے قربانی کئے جاتے ہیں۔ ہری ہری لہلہاتی اور سرسبز کھیتیاں محض مویشیوں کی خاطر کاٹ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح باقی نباتاتی اور جماداتی چیزوں کا حال ہے۔

اس سے آگے جب ہم ذرا نظر کو اور دوڑاتے ہیں۔ تو ہم کو حیوانی قربانی کا سلسلہ بھی وسیع نظر آتا ہے۔ انسان کا جب کوئی عضو سڑ جاتا ہے تو ہزاروں جانیں ایک جان کی خاطر ہلاک کی جاتی ہیں۔ جب کہیں مرض کی وبا پھوٹتی ہے۔ بڑے بڑے مدعیان رحم جب کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ان کی عملی حالت بتلا دیتی ہے کہ انسان اپنی ضرورت اور آرام کے لئے کتنی جانوں کو قربان کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ کسی بڑے ہی رحیم و کریم آدمی کے کسی عضو میں جب کیڑے پڑ جاتے ہیں تو صرف اس عضو کو بچانے کی خاطر کتنی جانوں کا قربان کرنا گوارا کیا جاتا ہے۔

جب ہم اور ضروریات انسانی پر غور کرتے ہیں۔ تو قربانی کا سلسلہ اور بھی وسیع نظر آتا ہے۔ سیاست مدن میں ادنے آدمی اعلیٰ کے لئے ہمیشہ قربان ہوتا ہے۔ سفر مینا اور ادنیٰ سپاہی پہلے مارے جاتے ہیں۔ پھر ادنیٰ افسر اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔

شہد کی خاطر کس قدر غریب مکھیوں کی خانہ ویرانی کی جاتی ہے مشک کے لئے کتنے کستوری کے ہرن قربان ہوتے ہیں۔ اور دودھ اور گھی کے لئے جانوروں کے بچوں کو کیونکر دودھ سے روکا جاتا ہے۔ اسی قانون قدرت کے مطابق اسلام پاک نے قربانی کی اجازت دی اور خدا کی مقدس کتاب قرآن مجید نے حکم دیا۔

فصل لربك وانحر اپنے پروردگار کی نماز پڑھو۔ اور اسی نام کی قربانی دو۔ پہلے نماز کا حکم دیا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول قربانی پر نماز کو مقدم کیا کرو۔ اور اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے۔ تو اسی کے نام ذبح کیا جائے۔ جس کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور باقی وہ جانور جو دوسری طرح سے ذبح کئے جاتے ہیں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہیں۔

حضرات قرآن کریم میں سوائے اس کے قربانی کے متعلق اور کچھ نہیں کہا گیا۔ یہ ہرگز نہیں کہا گیا کہ قربانی چھوٹے بڑے تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔ یا یہ کہ اس سے انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ البتہ حدیثوں میں گناہوں کی معافی کی بشارت موجود ہے۔ مگر اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندہ قربانی سے خدا تعالیٰ سے خلوص کو جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔ ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے مال سے ایک رقم صرف کرکے جانور کو ذبح کرتا ہے۔ فقرا و مساکین اور عزیز و اقارب کو گوشت کھلاتا ہے۔ یہ ایک قابل اجر و ثواب عمل ٹھیرتا ہے۔ جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہوتا ہے۔ اور اس کے نامۂ اعمال میں نیکی اور ثواب لکھواتا ہے۔ اور بندہ کی خطاؤں کو معاف فرماتا ہے۔ یہی حالت اعمال حسنہ۔ نماز روزہ وغیرہ ارکان اسلام کی ہے کہ ان سے بندہ کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور ان کے گناہوں کی مغفرت کی جاتی ہے۔

عیدین میں مکلف پر کئی چیزیں واجب ہیں

عید کے روز اگرچہ خون بہانا سب عبادات سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ مگر خدائے پاک کے مقدس ارشاد سے جو پہلے بیان ہو چکا ہے قربانی کا اصل مقصد تقویٰ ہے۔ جو تمام عبادتوں کی جان ہے۔ تقویٰ ہی تمام اعمال کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔ متقی لوگ ہی ہدایت یافتہ اور جنت کے وارث ہیں۔ متقیوں ہی کو اعمال کا اجر غیر ممنون ملنے والا ہے۔ اور متقی کوئی شخص نہیں بن سکتا جب تک تمام منہیات شرعیہ سے نہ بچے۔ اور تمام احکام الٰہی کو دل و جان سے بجا نہ لائے۔ اگر آدمی کو تقوےٰ ہی حاصل نہ ہو تو خون بہانا۔ اور گوشت خیرات کرنا اسلام پاک کی نگاہ میں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ عید میں مکلف پر کئی چیزیں واجب ہیں۔ اول معاصی کا ترک کرنا۔ اس لئے کہ گناہ کرنا اگرچہ ہر وقت برا ہے۔ لیکن بعض اوقات اس وقت کی شرافت کے سبب قباحت میں بہت زیادہ اور جرم میں سخت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا ترک کرنا لازم و واجب ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذالك الدين القيم فلا تظلموا فيهن انفسكم۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کا شمار بارہ ہے۔ کتاب اللہ میں جس دن آسمان اور زمینوں کو پیدا کیا ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہی پکا اور سیدھا دین ہے پس ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو۔

وہ چار مہینے ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب ہیں۔ ان مہینوں کی حرمت یہی ہے کہ ان میں کوئی برا اور گناہ کا کام نہ کیا جائے کیونکہ جس طرح ان میں نیک عملوں کا ثواب زیادہ ہے۔ گناہوں کا عذاب و عقاب بھی سخت اور زیادہ ہے۔

اسلام پاک یہ سکھاتا ہے۔ کہ آدمی ان اوقات کی تعظیم کرے اور

اور تعظیم صرف نیک اعمال کی کثرت ہے۔ اور جو شخص اس سے عاجز ہو تو کم سے کم اس کی تعظیمی حالت یہ ہو کہ ان دنوں میں ان چیزوں سے بچے جو اس پر حرام اور اس کے لئے مکروہ ہیں اور دیگر جملہ ممنوعات کو ترک کر دے۔ اور اپنی نماز اور قربانی کو خالصاً لوجہ اللہ بنا دے اور اسی کا ہو رہے۔ اور اس کے ماسوا سے منہ موڑ لے۔ ایام عید ین اور ان کی راتوں میں جو لوگ لہو و لعب اور ناٹکوں اور تماشہ گاہوں وغیرہ میں جاتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں کی طرف دوڑتے ہیں وہ خوب سوچیں اور ان سے تائب ہو جائیں۔

اب ہم قربانی کی اصلیت اور اس کے اقسام کا فلسفہ بتاتے ہیں۔ اور اس میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم (پ ۱۷ حج ع ۵)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسلام پاک میں قربانی ایک خاص فضیلت اور خصوصیت رکھتی ہے۔ قربانی کی تائید میں جس قدر احادیث اور دیگر مضامین آپ نے سن لئے ہیں ان میں سب سے زیادہ قابل لحاظ وہ حدیث ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک موجود ہے۔ کہ من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (ابن ماجہ و مسند ابن حنبل) جو شخص باوجود مقدرت کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

قربانی کی تاکید کی وجہ

اس قدر تاکید شدید کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک وقت ایک عبادت کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک وہ عبادت مقرر ہے جس کو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ادا کیا تھا۔ ان ایام میں اگر کوئی اور عبادت اس سے افضل ہوتی۔ تو آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو کیوں فدیہ دیتے۔ اسی بنا پر اکثر علماء کی رائے ہے کہ اس دن خون کرنا ہی ضروری ہے۔ قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنے سے وہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔

ذبح کرنا ہی افضل ترین عبادت ہے

چنانچہ صاحب خلاصہ نے لکھا ہے کہ دس درہم کو قربانی خریدنا اور ذبح کرنا ہزار درہم کے تصدق کر دینے سے بہتر ہے۔ کیونکہ جو قرب الٰہی خون بہانے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ خیرات کرنے سے نہیں ہوتا۔

یہ فتوے بالکل درست اور بجا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس دن خون بہانا اگرچہ سب عبادات سے افضل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا منشا یہ

عنوان ارشاد کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا لیکن اس کو تقویٰ تمہاری طرف سے پہنچتا ہے، ضرور قابل لحاظ ہے جو صاف ظاہر کرتا ہے کہ صرف خون بہانا اور گوشت کا کھلانا معتبر نہیں ہے۔ بلکہ اعتبار تقویٰ کا حاصل کرنا ہے۔ جو تمام عبادات کے مقبول ہونے کی شرط ہے۔ چنانچہ خدائے پاک کی مقدس کتاب اس کی شہادت بدیں الفاظ دیتی ہے کہ انما یتقبل اللہ من المتقین "اللہ صرف تقویٰ والوں ہی سے قربانی قبول کرتا ہے"۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تقویٰ بدون تمام منہیات سے باز رہنے اور تمام احکام کے بجا لانے کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور جب یہ حاصل نہ ہوا تو خون بہانا اور گوشت خیرات کرنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اس آیت شریفہ نے قربانی کی حقیقت واضح کر دی اور بتا دیا کہ وہ صرف ایثار نفس و فدویت جان و روح کے اظہار کا ایک طریقہ ہے اس کا گوشت یا خون خدا تک نہیں پہنچتا۔ خدا تو صرف خالص نیتوں اور پاک و صاف دلوں کو دیکھتا ہے۔

اسلامی قربانی کی حقیقت:

انبیاء علیہم السلام قوموں کے مصلح ہو کر آتے ہیں، وہ رسومات سابقہ کا استیصال کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان میں جو رسم محض غلطی اور توہم پر مبنی ہو اس کو باطل کر دیتے ہیں، اور جس رسم کی اصل صحیح ہو مگر اس کے ساتھ ہی کچھ غلطی مل گئی ہو۔ اس میں صرف غلطی کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد نمبر ۲ صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے کہ باشندگان اہل فلسطین قدیم کنعانیوں میں انسانی قربانی کا رواج تھا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رویا کے مطابق جب بجائے لڑکے کے مینڈھا ذبح فرمایا تو اس طریق سے انسانی قربانی کا ازالہ فرما کر حیوانی قربانی اس کے قائم مقام کر دی۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے جذبات و محبت ماسوائے اللہ کے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی جان و نفس کی جو قربانی کی اسی کی یادگار اسلامی قربانی ہے۔ فی الحقیقت یہی فدیہ "ذبح عظیم" تھا جیسا کہ خدائے پاک کی کتاب (قرآن مجید) میں ہے۔

فلما اسلما وتلہ للجبین وناديناه ان يا ابراهيم۔ قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين ان هذا لهو البلاء المبين وفديناه بذبح عظيم۔ (پ ۲۳ صٰفٰت ع ۳)

اور جب دونوں (باپ اور بیٹے) تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور حضرت ابراہیم نے جوش قربانی میں اپنے محبوب فرزند کو ماتھے کے بل لٹایا تاکہ راہ حق میں ذبح کر ڈالیں۔ تو اس وقت ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم بس کرو۔ بلاشبہ تم نے اپنے رویائے صادقہ کو پورا کر دکھایا۔ ہم اسی طرح ارباب حق و احسان کو ان کی جان فروشیوں اور قربانیوں کا صلہ دیا

کرتے ہیں چنانچہ ہم نے یہ قربانی اس طرح قبول کر لی کہ اس کے فدیہ میں ایک عظیم الشان اور دائمی قربانی قرار دی۔ تاکہ یہ پاک یادگار دنیا میں تاقیامت قائم و دائم رہے۔

خدا کی قائم کی ہوئی یادگار نے کاغذوں، اینٹ اور پتھروں کی دیواروں اور فانی زبانوں کی روایتوں میں باقی نہیں رکھی جاتی ہیں۔ یہ انسانوں کے کام ہیں۔ وہ اپنے جس بندہ کو بقائے دوام کے لئے چن لیتا ہے اس کی یادگار کو جمیع انسانیت کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور نوع بشری اس کی حامل بن جاتی ہے۔ پس نہ تو وہ مٹ سکتی ہے اور نہ کوئی اسے مٹا سکتا ہے۔ آج بھی کروڑوں انسان کرۂ ارض پر موجود ہیں۔ جو اب اسوۂ ابراہیمی کی یادگار مناتے ہیں، اور ہر سال زندہ رکھتے ہیں، یہ خدا کی مشیت اور اس کی مرضی ہے کہ اب تک اسوۂ ابراہیمی کی یادگار قائم رکھی گئی۔ اور لاکھوں انسانوں کو اسوۂ ابراہیمی کا پیکر بنایا گیا، جو اسلام کے تیرہ سو برس گذر جانے کے بعد بھی زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔

یہ قربانی جس کا خون ہر سال میدان منا میں جوش زن ہوتا ہے اور یہ ذبح عظیم جس کی ہر مسلمان شوق و ذوق سے تیاری کرتا ہے فی الحقیقت اسلام کی حقیقت اصلی کی ایک تمثیل ہے جس کے پردے میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان باللہ کا دار و مدار قربانی پر ہے۔ اور جب تک یہ مقام حاصل نہ ہو اس وقت تک کوئی ہستی مومن و مسلم نہیں ہو سکتی۔

قربانی کے اقسام اور اس کی مصلحتیں

ممنوع قربانیاں مقدس دین اسلام چونکہ اقوام عالم کے اعمال و اعتقاد کی اصلاح کرنے آیا ہے اس لئے اس نے بعض قربانیوں کو قطعاً حرام اور خبیث و نابود کر دیا ہے۔

پہلی قربانی اول وہ قربانی جس میں بت پرستی اور شرک ہو، کیونکہ مبتلائے شرک انسان بحیثیت مشرک ہونے کے حقیقی اسباب کو ترک کر کے اپنی دیوی دیوتاؤں سے کامیابی کا امیدوار ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقی کامیابی سے محروم رہتا ہے۔ اور دوسرے ان مشرکوں اور پجاریوں کو اپنی دکان گرم کرنے کے لئے صدہا جھوٹے قصے بنانے پڑتے ہیں۔ پس جو جانور اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کے نام پر قربان کیا جائے اس کی حرمت معنوی ہے۔ اور فرضی نہ کہ ذاتی۔ یعنی جانور ہر چند حلال و طیب بالذات ہو لیکن ماسوا اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ حرام ہو گیا۔ کیونکہ قربانی جیسا فعل غیر اللہ کے نام پر یا اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کرنا گویا غیر کو خدا کا شریک و سہیم بنانا اور اسے خدا کا رتبہ دینا ہے۔ چونکہ ایسا کرنے سے توحید کو جو اصل دین ہے سخت صدمہ پہنچتا ہے لہٰذا اس توحید کی حامی شریعت نے ایسی تمام قربانیوں کو باطل کر دیا اور محرمات میں اس کو رکھ دیا۔ اور خدا کی مقدس کتاب نے پکار کر فرما دیا۔

"حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ"

(پ ۶ مائدہ) "مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جو جانور خدا کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تم پر حرام کیا گیا"۔

اور سچ یہ ہے کہ ایسے جانور کی حرمت باقی ان سب چیزوں کی حرمت سے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں، زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ ان سے صرف جسمانی مضرت مقصود ہے اور غیر اللہ کے لئے قربانی کرنے اور ان کے کھانے سے یقیناً دین میں خلل آتا ہے۔

دوسری قربانی

دوم اسلام پاک نے ان تمام قربانیوں سے روک دیا جو ذبح کے بعد آگ کی نذر کر دی جاتی ہیں یعنی سوختنی قربانیاں۔ جس میں ہر وہ چیز داخل ہے جو آگ میں ڈال کر تباہ کی جاتی ہے۔ اسی قربانی کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت شریفہ میں موجود ہے۔

الذین قالوا ان اللہ عھد الینا الا نؤمن لرسول حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینت وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صدقین"

وہ جنہوں نے کہا کہ ہم رسول کی بات نہیں مانیں گے۔ جب تک کوئی پیغمبر ہم کو نذر و نیاز کا یہ معجزہ، نہ دکھائے کہ خدا کی درگاہ میں نذر و نیاز کرے اور اس کو آسمان سے آگ آ کر چٹ کر جائے، تب تک ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے، (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر تمہارے پاس کھلی کھلی نشانیاں لائے اور جس نشانی کی تم اب فرمائش کرتے ہو وہ بھی لائے، تو اگر تم اپنے دعوے میں، سچے ہو تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا"۔

تیسری قربانی

اسلام نے وہ تمام قربانیاں موقوف کر دیں جن سے عوام الناس کے اس خیال کی تائید ہوتی تھی کہ اس سے ان کے گناہ، نافرمانیاں، اور بدکاریاں معاف ہو جاتی ہیں۔ اور وہ قربانی کرنے والے کے تمام پچھلے اور اگلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ اور جو یہودیوں اور نصرانیوں میں مروج ہیں، اسی قسم کی قربانی نے ان اقوام کو دلیر اور بے باک کر دیا ہے۔ وہ عقل و علم کے برخلاف بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ گناہوں کی معافی کو قربانی سے کیا واسطہ ہے۔

جائز قربانیاں

آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ قربانی کی رسم تمام دنیا کے مذاہب اور جملہ اقوام و ملل میں قدیم سے چلی آتی ہے۔ اس میں یہودی، نصرانی، ہندو اور مسلمان سب برابر ہیں۔ آپ یہ بھی سن چکے ہیں کہ اسلام جیسے کامل و اکمل اور حامی توحید مذہب نے قربانی میں کیا اصلاح کی اور کس قربانی

سے ہوسکتا ہے۔ اب ہم آپ کو یہ سنانا چاہتے ہیں کہ اس دین کامل نے کون قربانیوں کو جائز رکھا ہے سب سے پہلے اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ لفظ قربانی کی تشریح کر دیں۔ تاکہ آئندہ مضمون کا لطف دوبالا ہونے کے علاوہ قربانی کا مطلب و مفہوم ذہن نشین ہو جائے۔

لفظ قربانی کے معنی

لغت عرب میں قربانی کے معنی یہ لکھے ہیں۔ القربان بالضم ما تقرب الی اللہ وما تقرب بہ۔ قربان بالضم جو اللہ کے ساتھ نزدیک کرے اور قربان وہ ہے جس کے ذریعہ تو اللہ کے نزدیک ہو۔

پس قربان کے معنی ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں میں اپنے آپ کو اس کے نزدیک کرنا اور اس کے خاص بندوں میں شامل ہو جانا۔

پہلی قربانی

اول قربانی جس کو اسلام پاک نے جائز قرار دیا ہے، وہ انسانی قربانی ہے۔ اور وہ مقام عبودیت یافنا فی اللہ کا مرتبہ ہے جس کی بابت کاملین کا بیان ہے کہ یہ قربانی خدائے پاک کو بہت مقبول و محبوب ہے۔ اسی قربانی کا ذکر اس حدیث قدسی میں موجود ہے۔

مایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا (بخاری)

میرا بندہ نفلوں کے ذریعہ میرے قریب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے پیار کرتا ہوں۔ جب میں اسے پیار کرتا ہوں۔ تو اس کے کان بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے۔ اور آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اور ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے

اور درحقیقت جب کوئی انسان ایسا ہوتا ہے کہ نہ اس کو کسی کے ساتھ مخلوق میں سے ذاتی رنج و عناد ہوتا ہے اور نہ کسی کے ساتھ ذاتی محبت اور تعلق اس کو محبت خلق اللہ سے ہوتی ہے، مگر للہ و باللہ و فی اللہ ہوتا ہے۔ اور اس کو بغض بھی ہوتا ہے۔ مگر للہ و باللہ و فی اللہ۔ وہ فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ وہ صرف اس لئے کھاتا ہے کہ اس کے خالق نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے۔ وہ اس لئے پیتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے نے واشربوا ارشاد فرمایا ہے وہ اپنی بی بی سے محبت اس لئے کرتا ہے کہ خداوند حقیقی نے حکم دیا ہے کہ اپنی بیویوں سے عاشروھن بالمعروف اچھی طرح سلوک کرو۔

غرض مال او اولاد اور دیگر اعزہ و اقارب سے اس کی محبت صرف اسی بنا پر ہوتی ہے کہ اس کے مولا کا حکم ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو اس درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ تو تمام اخلاقی رذائل اس کے وجود سے نکل جاتے ہیں ... شہوت۔ غضب۔ طمع۔ حرص۔ جزع۔ فزع۔ عجز۔ کسل۔ بے استقلالی۔ کینہ۔ حسد۔ تکبر وغیرہ رذائل سے پاک و صاف ہو جاتا ہے وہ انعامات کے وقت اگر شکر کرتا ہے۔ تو ارشاد الٰہی سے۔ اگر مصائب پر صبر کرتا ہے، تو رضائے الٰہی کے واسطے۔ وہ اپنے اور دوسروں کے معاصی پر اس لئے ناراض ہوتا ہے کہ اس کا مولا ان باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ مشرکوں، بے ایمانوں، شریروں پر تلوار اٹھاتا ہے، مگر الٰہی ہتھیار بن کر۔ یہی انسانی قربانی ہے۔ جس کی بابت خدا کی مقدس کتاب ان الفاظ میں شہادت دیتی ہے کہ

اذ قربا قربانا فتقبل من احدہما ولم یتقبل من الآخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین (پ مائدہ ع ۴) جب دونوں (ہابیل و قابیل) نے (خدا کی جناب میں) نیازیں چڑھائیں، ان میں سے ایک کی تو قربانی مقبول ہوئی اور دوسرے کی رد ہوئی۔ تو (وہ مارے حسد کے بھائی سے) کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کرکے رہوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تو صرف پرہیزگاروں کی قربانیاں قبول کیا کرتا ہے۔

دوسری قربانی

مقدس دین اسلام نے ایک اور انسانی قربانی بھی جائز رکھی ہے، اور وہ ملک و قوم کی فلاح و حفاظت کے لئے جوانان قوم اور مردان ملک کی قربانی ہے۔ یہ قربانی بھی ایسی قربانی ہے کہ تمام اقوام و ملل و جملہ ادیان و مذاہب کے نزدیک بڑی قابل قدر اور قیمتی ہے۔ ہر قوم و ملک کو اس قربانی کی ضرورت رہتی ہے۔ جس قوم میں یہ قربانی موجود نہ ہو وہ قوم کبھی دوسری اقوام کے پنجہ غلامی سے رہائی نہیں پا سکتی اور نہ کبھی ترقی کر سکتی ہے۔ اور قوموں میں تو یہ قربانی ملک گیری اور بے جا لوٹ مار اور ظلم و ستم کے لئے جائز سمجھی جاتی ہے، مگر مقدس دین اسلام نے اس قربانی کو صرف دفاعی جنگوں میں منحصر اور محدود کر دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ جب مذہبی تعصبات سے مخالفین مسلمانوں کو قتل کریں اور اسلام کے مٹانے کی تدبیریں کرنے لگیں تو اس وقت ان کو بھی اجازت ہے کہ وہ ان کا مقابلہ کرکے اسلام اور مسلمانوں کو ان کے حملہ سے بچائیں جیسا کہ خدا کی مقدس کتاب میں ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر ([illegible])

جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، کیونکہ وہ مظلوم لوگ ہیں، خدا مظلوموں کی مدد کیا کرتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی بدیں الفاظ موجود ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (پ ۲ بقرہ ع ۲۴)

"اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے (یعنی دین کی حمایت میں)

میں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرنا۔ اللہ کسی طرح زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ بھی ارشاد باری ہے کہ

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ (پ ۲ بقرہ ع ۲۴)

یہاں تک ان سے لڑو کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے اور ایک خدا کا حکم چلے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشین اول نے اس اجازت اور لڑائی کے یہ معنی لئے ہیں کہ لڑکے عورتیں، بوڑھے، فقیر اور تمام صلح جو نہ قتل کئے جائیں، اور نہ دشمنوں کے کھیتوں کو تباہ کیا جائے۔

اسلام تو دنیا میں صلح و امن کا پیغام تھا، مگر دشمنوں نے جہالت و تعصب مذہبی کی وجہ سے غریب مسلمانوں پر دین اسلام کے مٹانے کے لئے تلوار اٹھائی اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا تو ابتدا اسلام پاک نے بڑی فراخ حوصلگی سے مسلمانوں کو بغاوت و مقابلہ سے روک دیا کہ ضد نہ کرو۔ بلکہ اس ملک سے ہجرت کر جاؤ۔ جہاں تکلیف ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے وطن مکہ مکرمہ کو چھوڑ دیا۔ جب دشمنوں کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوئی، اور انہوں نے تعاقب کرکے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اور مسلمانوں کے جان و مال خطرہ میں آگئے، تو اسلام نے تلوار اٹھائی اور دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر اسلام کا بول بالا کر دکھایا۔

غرض یہ قربانی بھی ملک و قوم کی حفاظت کے لئے ضروری ہے جیسا کہ جنگ یورپ میں ہزاروں لاکھوں جوان اپنی اپنی قوم اور ملک پر جان قربان کر گئے۔

تیسری قربانی

یہی جانوروں کی قربانی ہے، جو حج کے ایام میں مسلمانوں پر واجب کی گئی ہے۔ اس قربانی میں کئی مصلحتیں ہیں۔

پہلی مصلحت

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یہ قربانی حضرت خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اس محبت و فدویت کی سچی قربانی کی یادگار ہے جو ان دونوں نے شوق جاں نثاری میں کر دکھائی اور جس کا بیان خدا کی مقدس کتاب کی اس آیت میں ہے، قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین (پ ۲۳ صفت ع ۳)

تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تم بھی تو اپنی جگہ سوچ کہ تمہاری کیا رائے ہے بیٹے نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے بے تامل اس کی تعمیل کیجئے، انشاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابر ہی پائیں گے، اس کے بعد جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے اس کا کچھ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

دوسری مصلحت

اس قربانی میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اسلام پاک مشرکوں اور بت پرستوں کو دکھانا چاہتا ہے کہ تمہارے معبودان باطل کی قربانیاں سب لغو ہیں، ان کی ذرہ برابر ضرورت نہیں، خدا کے پرستار اور اس کے سچے خالص بندہ کا فرض ہے کہ اس کے سب کام رضائے الٰہی کے لئے ہوں۔ اور اس کا کوئی کام کوئی حرکت کوئی سکون ایسا نہ ہو جو محض اسی کے لئے نہ ہو، نماز ہو تو اسی کی، قربانی ہو تو اسی کے نام کی، ذبح ہو تو اسی کے نام پر، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین (پ ۸ انعام ع ۲۰)۔ یعنی کریم فرما دیجئے کہ میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔ اور میں اس کے فرمانبرداروں میں اول درجہ کا فرمانبردار ہوں۔ گویا حضور انور صلعم نے اس فعل سے سب کو دکھا دیا کہ ایسے پروردگار کے مقابلہ میں کسی دوسری دیوی دیوتا کی قربانی کی کیا ضرورت ہے اگر یہ ضروری ہے تو دیکھو میں جانوروں کو ذبح کرتا ہوں، مگر یہ بھی ان دیوی دیوتا کی نذر و نیاز میں نہیں چڑھاتا، اور نہ ان کے نام سے ذبح کرتا ہوں، اور نہ میں آگ میں ان کو ڈالتا ہوں، مگر میرا کچھ نقصان نہیں ہوتا، اگر کوئی دیوی دیوتا خود کچھ ہے اس میں کسی کو نفع و ضرر پہنچانے کی قوت ہے تو چاہیئے کہ میرا کوئی بال تو بیکا کرکے دکھلائے اور ان کو ضرور ایسا کرنا چاہیئے اور مجھے ضرر پہنچانا چاہیئے کیونکہ میں ان معبود باطل کے نام کی قربانی نہیں کرتا جب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو ان کی یہ قربانیاں بھی لغو اور بیکار ہیں۔

تیسری مصلحت

اس قربانی میں ایک مصلحت یہ ہے کہ آدمی میں بہادری اور جائز انتقام کا مادہ موجود رہتا ہے، جو انسان کبھی کسی جانور کو ذبح ہوتے نہ دیکھے یا اپنے ہاتھ سے اس کو ذبح نہ کرے تو دشمن کے سامنے ضرورت کے موقعہ پر بھی اس سے کچھ نہیں بن سکتا، اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کو زندگی میں دشمنوں سے کئی طرح کے مقابلے پیش آتے رہتے ہیں، اور رحم مجسم آدمی دنیا میں امن و حفاظت سے نہ اپنی زندگی گذار سکتا ہے اور نہ دوسروں کے لئے اس مصیبت میں کچھ کام دے سکتا ہے۔

چوتھی مصلحت

اس قربانی میں ایک یہ بھی مصلحت ہے کہ آدمی ضرور اپنے دل میں خیال کرتا اور سمجھ لیتا ہے کہ اسی طرح جب ہمارا بھی حقیقی طور پر موت کا وقت آجائیگا تو ہزار ہاتھ پاؤں ماریں گے مگر کچھ فائدہ نہ ہوگا، قربانی کے اس نظارہ سے آدمی ضرور اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ دنیا دو روزہ ہے چند عاقبت کا خیال کر کے خداوند کریم کی کامل فرمانبرداری اپنے مولا کی کرنی چاہیئے۔

پانچویں مصلحت

اس قربانی سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جب وبائیں اور ان کے متوسط نوع انسانوں کے لئے کثرت سے چلتے ہیں تو ہم اگر بیماریوں کے لئے فدیہ ذبح کریں تو ضرور فائدہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ بیماروں کی جان کے بدلے جانوروں کی قربانی ہو

فضائل و احکام عید الضحیٰ

(از جناب مولانا عبد الرحیم صاحب)

یہ مہینہ ذی الحجہ کا بڑی خیر و برکت کا مہینہ اشہر حرم سے ہے اس مہینے میں کثرت سے نفل نماز روزہ، تلاوت قرآن، تسبیح، تہلیل، تکبیر، صدقات و خیرات وغیرہ اعمال نیک کا بہت بڑا ثواب ہے۔ خصوصاً عشرہ اول ماہ ذی الحجہ کہ اس میں اعمال نیک کا ثواب جہاد سے بھی زیادہ ہے جہاں تک ہو سکے اس متبرک مہینہ میں کثرت سے نیک کام کرو اور برے کام سے اجتناب و احتیاط کرو بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ من ھذہ الایام العشر قالوا یا رسول اللہ ولا الجہاد فی سبیل اللہ قال ولا الجہاد فی سبیل اللہ قالوا ولا الجہاد وقال ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ فلم یرجع من ذالک بشیئ۔ اور حضرت ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد لہ فیھا من عشر ذی الحجہ یعدل صیام کل یوم منھا الصیام سنۃ وقیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔ اور صحیح ابوعوانہ اور صحیح ابن حبان میں جابر رضہ سے مروی ہے کہ عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ کوئی دن افضل نہیں۔

بعد اس عشرہ ذی الحجہ کے نو دن روزہ رکھنے کی فضیلت میں ابوداؤد اور نسائی میں احادیث موجود ہیں حضرت حفصہ فرماتی ہیں کہ جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم چار باتوں کو ترک نہیں فرماتے تھے، عشرہ محرم کا روزہ عشرہ ذی الحجہ کے روزے یعنی نو دن کے اور ہر مہینے کے تین روزے اور فجر کی سنتیں۔ اور ان دس دن میں یوم عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کا دن تمام سال کے دنوں سے افضل اور متبرک ہے اور اس دن کا روزہ سنت ہے اور دو ایک برس گذشتہ اور ایک برس آیندہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں ابو قتادہ رضہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وصیام یوم عرفۃ احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ والسنۃ التی بعدہ لیکن صرف حاجیوں کو اگر میدان عرفات میں ٹھیرنے اور دعا اور اذکار ادا کرنے میں روزہ رکھنے سے خوف ضعف ہو تو ان کو روزہ رکھنا مکروہ ہے اگر خوف ضعف نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، ۸ و ۹ ذی الحجہ کا روزہ رکھنا چاہیے۔

جو شخص بطور فرض یا نفل قربانی کرنا چاہے اس کے لئے سنت ہے کہ عید الضحےٰ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ کہیں سے اپنے جسم کے بال کتروائے نہ منڈوائے، نہ ناخن کتروائے۔ عید الضحیٰ کو قربانی کرنے کے بعد پھر خط وغیرہ بنوائے، بال کتروائے، صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اذا دخل العشر واراد بعضکم ان یضحی فلا یمسہ من شعرہ والبشرہ شیئا وفی روایۃ فلا یاخذن من شعر ولا یقلمن ظفرا و فی روایۃ من رای ھلال ذی الحجۃ واراد ان یضحی فلا یاخذ من شعرہ ولا من اظفارہ۔

یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کو نماز صبح کے بعد سے ۱۳ ذی الحجہ کے نماز عصر کے بعد تک ہر فرض نماز کے بعد متصل سلام تکبیر تشریق ایک دفعہ پکار کر کہنا واجب ہے، خواہ مرد ہو یا عورت ہو یا مسافر ہو خواہ نماز جماعت ہو یا تنہا ہو، یہی روایت معتمد و مفتی بہ ہے، اور بعد نماز عید کے بھی تکبیر کہنا مستحب ہے تکبیر تشریق یہ ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

۱۰ ذی الحجہ یعنی عید الضحیٰ کو مسواک اور غسل کر کے اچھے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر بے کھانا کھائے یہ تکبیر پکار کر پڑھتا ہوا عید گاہ کو روانہ ہو۔۔۔ نماز عید الضحیٰ کے بعد کھانا چاہیے۔ خواہ قربانی کرے یا نہ کرے، قربانی کرنے والے کو پہلے اپنی قربانی میں سے کھانا مستحب ہے، عید گاہ کو پا پیادہ جانا بہتر و اولیٰ ہے۔ سواری پر جانے میں کچھ ڈر نہیں۔ عید گاہ میں بھی بیٹھکر تکبیر پڑھتے رہنا بہتر ہے، نماز عید کا وقت اچھی طرح آفتاب روشن اور بقدر نیزہ دو نیزہ بلند ہو جانے سے زوال تک ہے۔ مگر عید الضحیٰ کی نماز جلد پڑھنی چاہیئے۔ نماز عید شہر سے باہر جنگل یعنی عید گاہ میں سنت ہے، اگرچہ مسجد یا جامع مسجد ایسی وسیع ہو کہ جس میں سب آدمی آسکیں اگر بوجہ ضعف پیری یا مرض وغیرہ کے وہاں تک جانا مشکل ہو تو شہر کی مسجد میں بھی پڑھ لینا درست ہے، یہ نماز عید واجب ہے، اور وہ دو رکعت بے اذان و بے اقامت کے ہیں، نماز سے پہلے تکبیر تحریمہ ہے۔ دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر پھر ہاتھ باندھ لیں۔ اور سبحانک اللہم پڑھیں پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تین تکبیریں اور کہیں۔ اور ہر تکبیر کے درمیان بقدر تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے سکوت کریں۔ اور ہر تکبیر پر ہاتھ لٹکا دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ اور اب امام اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر بعد قرأت الحمد و سورۃ کے رکعت پوری پڑھے اور دوسری رکعت میں فاتحہ و سورۃ پڑھنے کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے، جیسے پہلی رکعت میں کہی تھیں اور ہر تکبیر میں ہاتھ لٹکا دے۔ چوتھی تکبیر پر رکوع میں چلا جائے۔ اگر کسی شخص نے امام کو نماز عید کی پہلی رکعت میں بحالت قیام قرأت پڑھتے پایا تو پہلے تکبیر تحریمہ اور پھر سہ تکبیرات کہہ کر شامل جماعت ہو جاوے۔ اور اگر امام کو رکوع میں پایا تو تکبیر تحریمہ کہہ کر مل جائے اور اگر یہ سمجھے کہ سب تکبیریں کہہ کر بھی رکوع میں مل جائے گا۔ تو تکبیر تحریمہ کے بعد سہ تکبیرات عید بھی کہہ کر رکوع میں مل جائے، اور اگر یہ سمجھے کہ تکبیرات عید کہتے کہتے رکوع فوت ہو جائے گا تو تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں مل جائے۔ اور تکبیرات عید رکوع میں کہہ لے اور ان پر ہاتھ نہ اٹھائے

اگر بعد تکبیرات عید کے پورا ہونے سے پہلے کھڑا ہو جاوے تو یہ بھی امام کی متابعت کرے اور باقی تکبیرات اور تسبیح رکوع معاف ہو گئیں اور جس وقت امام رکوع پورا کر کے قومہ میں کھڑا ہوتا ہے اس وقت مقتدی جماعت میں ملے تو اب تکبیرات عید قومہ میں نہ کہے۔ بلکہ جب اپنی گئی ہوئی رکعت پڑھے اس وقت بعد اختتام قرأت کے تکبیرات کہہ لے اور اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شریک ہوا تو مقتدی اپنی پہلی رکعت فوت شدہ کے پڑھنے میں الحمد و سورۃ اول پڑھ کر پھر تکبیرات عید کہہ کر اپنی رکعت پوری کرے یعنی شروع رکعت پر قبل قرأت تکبیرات عید نہ کہے۔ پہلے قرأت پوری کر کے پھر تکبیرات عید کہے۔ تاکہ توالی تکبیرات لازم نہ آئیں۔ نماز کے بعد عید کا خطبہ ٹھیک مثل خطبہ جمعہ کے خاموش بیٹھ کر سننا واجب ہے۔ اثنائے خطبہ میں کھانا پینا۔ باتیں کرنا حرام ہے بلکہ سلام کا جواب دینا یا تسبیح پڑھنا یا چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنا بھی منع ہے، خواہ امام سے قریب ہو یا دور۔ ہاں جناب سرور دو عالم صلعم کا نام مبارک خطبہ میں لیا جاوے۔ تو چپکے سے درود شریف پڑھ لینا چاہیئے۔ اکثر دیہات اور شہر کے ناواقف مسلمان خطبہ سننے سے پہلے نماز کے بعد ہی گھر چلے جاتے ہیں اور باتیں اور شور و غل کرنے لگتے ہیں، وہ تارک واجب اور گنہگار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو پابندی سے اس کی احتیاط ضرور ہے۔ اب جس راستے سے گئے تھے اس کے خلاف دوسرے راستے سے آنا مستحب ہے۔

قربانی ہر آزاد مسلمان مقیم پر جو آسودہ حال اور مالک نصاب ہو خواہ بڑا ہو یا صغیر سن بچہ ہو واجب ہے۔ نصاب چاندی کا دو سو درم ہے۔ جس کی باون تولہ ۶ ماشہ چاندی ہوتی ہے، اور سونے کا نصاب ۲۰ مثقال ہے، جس کا سات تولہ ۶ ماشہ سونا ہوتا ہے، خواہ زیور ہوں یا ٹکڑے ہوں۔ یا برتن ہوں یا روپیہ اشرفی ہوں، اور گائے۔ بیل بھینس کا نصاب تیس راس ہے، اور اونٹ کا پانچ۔ اور بھیڑ بکری۔ دنبہ کا چالیس۔ جو اس کے رہنے کے مکان اور پہننے کے کپڑے اور اثاث البیت اور سواری کی گھوڑی اور ہتھیار اور غلام اور قرض اور خرچ سے فاضل و زائد ہو مگر زکوٰۃ کی طرح اس میں مال کا نامی یعنی بڑھنے والا تجارت کا مال ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ جب بلا خرچ اس کے کرنے کی ادنیٰ قدرت ہو جاوے اور اسباب اور سامان حاجت سے زیادہ کی قیمت بقدر نصاب ہو جاوے مثلاً حاجت سے زیادہ پرانے کپڑے ہی دو سو درم کے ہوں۔ یا اپنے رہنے کے مکان سے زیادہ دوسرا مکان یا ایک غلام سے زیادہ دوسرا غلام یا ایک گھوڑی سے زیادہ یا زمیندار کو چار بیلوں سے زیادہ یا اہل علم کو ایک دو ضروری کتابوں سے زیادہ یا قاری کو ایک قرآن سے زیادہ بقدر نصاب ہو جائیں، تو قربانی واجب ہو گی خواہ وہ اسی وقت وجوب کے بعد ہی خرچ ہو جائے، اگر صغیر سن بچہ مالک نصاب ہو تو باپ یا وصی اس کی طرف سے قربانی کر دیں۔ فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ شہر کے لوگ بعد نماز عید الضحیٰ قربانی کریں۔ اور گاؤں والے فجر کے بعد کر لیں تو بھی درست ہے، قربانی کے جانور بکرا۔ بکری، بھیڑ۔ بھیڑی۔ مینڈھا مینڈھی۔ دنبہ۔ دنبی اونٹ۔ اونٹنی۔ گائے۔ بیل۔ بھینس ہیں اور دسویں گیارہویں۔ بارہویں ذی الحجہ قربانی کے دن ہیں۔ عید کا دن یعنی دسویں زیادہ افضل ہے۔ ہر ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرہ۔ بکری۔ بھیڑ یا بھیڑی یا مینڈھا یا مینڈھی برس دن کا یا دو دانت ہو چاہیئے، لیکن دنبہ جس سے چلتی ہوتی ہے چھ مہینہ کا بھی درست ہے۔ جبکہ لحیم شحیم ہو اور سال بھر کی عمر والوں کے ساتھ ملا کر کھڑا ہونے میں دیکھنے والے کو دھوکے شبہ ہو کہ سال بھر کا ہے یا چھ مہینے کا۔ بکرا۔ بھیڑا یا مینڈھا جس سے چلتی نہیں ہے وہ برس روز کا ہی ہونا چاہیئے۔ درمختار کے قول وصح الجذع ذو ستة اشهر من الضان پر علامہ شامی رح نے جو کچھ لکھا ہے هو ماله اليه متوقيد به لانه لا يجوز الجذع من المعز وغيره بلا خلاف كما في المبسوط قهستاني اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا نعمة الاضحية الجذع من الضان یعنی چھ مہینہ کا فربہ دنبہ اچھی قربانی ہے، اور گائے بھینس دو برس کی اور اونٹ پانچ برس کا ہونا چاہیئے۔ بکان کٹا۔ دم کٹا۔ اندھا۔ کانا۔ لنگڑا جو مذبح تک نہ چل سکے، بہت دبلا۔ بہت بیمار۔ جس کی بیماری ظاہر ہو درست نہیں۔ اور اگر کم حصہ دم کا کٹا ہوا یا کان کا کٹا ہوا ہو اور زیادہ باقی ہو تو درست ہے۔ حضرت امام اعظم سے روایات میں تہائی یا تہائی سے کم کٹا ہو تو جائز ہے۔ تہائی سے زیادہ ہو تو جائز نہیں۔ بعض اسی کو صحیح کہتے ہیں۔ بعض روایات میں چوتھائی کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں۔ چوتھائی سے کم کٹا ہوا ہو تو جائز ہے۔ اور صاحبین رح کے نزدیک جب نصف سے زیادہ ہو اور نصف سے کم کٹا ہوا ہو تو درست ہے۔ اسی کو پسند کیا ہے فقیہ ابو اللیث رح اور امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات امام اعظم کی خدمت میں عرض کی تو فرمایا کہ جو تمہارا قول ہے، وہی میرا قول ہے۔ تو یہ رجوع ہے اپنے قول سے امام ابو یوسف رح کے قول پر اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اگر پیدا ایک کان کٹا ہوا ہو یا پیدائشی ایک ہی کان ہو۔ یا پیدائشی دونوں کان نہ ہوں۔ تو وہ درست نہیں۔ ہاں اگر پیدائشی چھوٹے کان ہوں تو درست ہے اور جس کے سینگ نہ ہوں، خواہ پیدا نہ ہوں یا بعد میں اکثر حصہ سینگ کا ٹوٹ گیا ہو لیکن شکستگی مغز تک نہ پہنچی ہو۔ اور ایسا دیوانہ جو گھاس چر لیتا ہو درست ہے اور جو گھاس بھی نہ چر سکے وہ جائز نہیں۔ اور خارشی بیرا جانور جو موٹا تازہ ہو درست ہے، اور جو دبلا سوکھا ہو تو درست نہیں اور جس کے زیادہ دانت نہ ہوں اور چر نہ سکے وہ درست نہیں مگر اتنے دانت ہوں کہ چر لیتا ہو تو درست ہے

اور خصی درست ہے، خواہ خصیتین کوٹے ہوئے ہوں یا نکالے ہوئے ہوں کیونکہ مقصود دونوں چیزوں سے ایک ہی ہے۔ حدیث میں جو الفاظ موجوئین ہیں وہ ان کا احتمال ہے۔ لیکن نکالے ہوئے کی کوئی ممانعت حدیث و فقہ میں نہیں ہے۔ خصی کرنے کی ترکیب کا اختلاف ہے، نہایت یہ کہ موجوئین یعنی کٹے ہوئے افضل ہیں۔ اور یہ عدم جواز ان عیوب کی وجہ سے اس صورت میں ہے کہ وقت خرید کوئی عیب ان عیوب میں سے موجود ہو اور اگر کوئی جانور صحیح سالم قربانی کے لئے خریدا اور بعد خریدنے کے ان عیوب میں سے کوئی عیب ہو گیا تو مالدار آدمی دوسرا جانور بے عیب لے کر قربانی کرے۔ کیونکہ اس پر قربانی بصفت کمال واجب ہے اور مفلس وہی عیب دار جانور قربانی کر دے۔ کیونکہ اس پر قربانی واجب نہ تھی بہ نیت قربانی خریدنے سے واجب ہو گئی۔ اس لئے وہی جانور قربانی کرے اور اس پر اس نقصان کا کوئی تاوان بھی نہیں۔ اسی اصول پر اگر غنی کے پاس قربانی کا خریدا ہوا جانور مر گیا تو دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔ اور مفلس پر کچھ نہیں۔ اگر جانور قربانی کا کھو گیا یا چوری گیا اور پھر دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی قربانی کے دنوں ہی میں مل گیا۔ تو مفلس آدمی ان دونوں میں سے صرف ایک کی قربانی کرے اور مالدار آدمی دونوں کی کرے کیونکہ مالدار پر بہ نیت قربانی خرید کرنے سے دونوں کی قربانی واجب ہو گئی اور اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور سات سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں، اور خرید کے بعد شریک کرنے سے خرید کے وقت ساتوں کا شریک کر لینا بہتر ہے۔ اور ایام نحر میں جانور کا قربانی کرنا اس کی نقد قیمت دینے سے افضل ہے۔ خواہ غنی ہو یا فقیر اگرچہ واجب تو اس سے بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کسی خاص بھیڑ بکری وغیرہ کے اوپر بطور نذر یہ نیت کرے کہ اس کو قربانی کروں گا اور ایام قربانی گذر گئے۔ اور قربانی نہ کی خواہ وہ نذر کرنے والا غنی تھا یا فقیر تھا اور بہ نیت قربانی جانور خرید لیا اور ایام قربانی گذر گئے اور قربانی نہ کی تو اس زندہ جانور کو خیرات کر دے یا ذبح کر کے سب کا سب گوشت خیرات کر دے۔ خود اس میں سے مطلق کچھ نہ کھائے، اگر اس جانور کی قیمت خیرات کر دی تو بھی درست ہے اور غنی ایام قربانی گذر جانے پر قیمت جانور کی صدقہ کرے اور اگر خرید لیا تھا تو بعینہٖ اسی زندہ جانور کو خیرات کرنا یا ذبح کر کے گوشت خیرات کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن ذبح کرے تو اس کا گوشت خود نہ کھائے۔

ایام قربانی میں کوئی عمل آدمی کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک قربانی سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نہیں ہے، جانور کا خون زمین پر گرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پہلے اس کو قبول فرماتا ہے اور شرف رضامندی سے مشرف فرماتا ہے۔ بھیڑ بکری وغیرہ کے ہر ہر بال کے بدلے ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها ولکن ینالہ التقوی منکم۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلعم نے فرمایا ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اهراق الدم وانه لیاتی یوم القیامة بقرونها واشعارها واظلافها وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بها نفسا اور زید ابن ارقم سے مروی ہے قال قال اصحاب رسول اللہ صلعم ما هذه الاضاحی قال سنة ابیکم ابراهیم قالوا فما لنا فیها یا رسول اللہ قال بکل شعرة حسنة قالوا فالصوف قال بکل شعرة من الصوف حسنة رواه احمد وابن ماجة۔

ذبح مابین ٹھوڑی اور سینہ کے گلے کے کاٹنے کو کہتے ہیں اور سے جو باریک میں سے ہو کہ جس سے نرخرہ جو سانس کی آمد و رفت کا راستہ ہے اور مری جو دانہ پانی جانے کا راستہ ہے اور دونوں شہ رگیں کٹ کر بہتا ہوا خون نکل جائے اور جانور کو لٹانے سے پہلے چھری خوب تیز کر لینی چاہیئے تاکہ ذبح میں جانور کو بے فائدہ تکلیف نہ پہنچے اور جانور کو لٹا کر پھر اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے، پانی بھی پہلے پلا دینا چاہیئے۔ بھوکا پیاسا ذبح کرنا نہیں چاہیئے، عن شداد ابن اوس عن رسول اللہ صلعم قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرته ولیرح ذبیحته رواه مسلم۔ جانور کو قبلہ رخ لٹا کر بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ذبح کرنا چاہیئے بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کے بعد پھر ذبح میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، اور اگر اچھی طرح ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو دوسرے سے دبا کر پکڑنے میں مدد لے، اور جو دوسرا مسلمان قصاب وغیرہ دبانے پکڑنے میں شریک ہو اس کو بھی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ اگر دو آدمی ذبح میں شریک ہوں اور ایک بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور دوسرا نہ کہے تو وہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ درمختار کی کتاب الاضحیہ میں ہے اراد التضحیة فوضع یده مع ید القصاب فی الذبح واعانه علی الذبح سمی کل وجوبا فلو ترکها احدهما او ظن ان تسمیة احدهما تکفی حرمت اور ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو کسی دوسرے آدمی سے بھی ذبح کرا سکتا ہے۔ مگر خود بھی حاضر رہے۔ کیونکہ حضور سرور عالم صلعم نے حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ تم اٹھو اور اپنی قربانی کے

لہ موجوء لہ مرضوض الانثیین۔ لہ صدقہ تہا در شامی۔

پاس آجائے گا۔ اس کے اول قطرہ خون سے تمہارے سب گناہ معاف کردیئے جاویں گے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک۔ اور اونٹ لٹا کر ذبح نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کو قبلہ رخ کہ کھڑے کھڑے ہی جہاں گردن کے نیچے سینے کے اوپر جہاں گوشت نہیں ہے رگیں مجتمع ہیں بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے نیزہ مارا جاتا ہے جس سے رگیں کٹ کر خون جاری ہو جاتا ہے۔ اس کو نحر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فصل لربک وانحر۔

اور صاحب قربانی کو گوشت سے خود بھی کھائے اور فقرا اور اغنیا کو بھی دے اور جمع بھی رکھے اور بہتر ہے کہ ایک تہائی خیرات کرے، اور ایک تہائی خود کھائے۔ اور ذخیرہ رکھے۔ ایک تہائی دوست احباب عزیز و اقارب کو تقسیم کرے اور قربانی کے جانور کی کھال یا تو بجنسہ خیرات کرے یا اس کا فرش یا توشہ دان یا جانماز یا ڈول یا مشک بنالے۔ بیچ کر اس کے داموں سے کوئی چیز خرید لی نہیں چاہیئے۔ ہاں موجودہ کھال کے بدلے کوئی دوسری چیز جیسے توشہ دان چھلنی۔ فرش۔ ڈول۔ دسترخوان ہانڈی پیالہ وغیرہ خرید لے۔ یا بدل لے تو درست ہے یعنی ایسی چیزیں جو بعینہٖ قائم اور موجود رہ کر قابل انتفاع رہتی ہیں۔ وہ قربانی کی کھال سے خرید یا بدل سکتا ہے۔ اور جن اشیاء کے خرچ اور صرف ہو جانے سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ جیسے سرکہ۔ گرم مصالحہ۔ نمک۔ آٹا۔ دال وغیرہ کھال کے بدلہ میں لینا یا خریدنا درست نہیں۔ اور اگر کھال کو داموں سے فروخت کرے تو اس کے دام خیرات کردے۔ مگر بیچنا کراہت سے خالی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جس نے اپنی قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں۔ یہ کم سے کم کراہت پر دلالت کرتی ہے۔ مگر بیچ جائز ہے دام خیرات کردے۔ اور قصاب کی مزدوری بنوائی کی کھال کی قیمت میں سے نہ دی جاوے۔ علیحدہ اپنے پاس سے دینی چاہیئے۔ اور مکروہ ہے کہ قربانی کے جانور کا صوف۔ اون ذبح سے پہلے اتارلے۔ اور اپنے صرف میں لاوے۔ بعد ذبح کے اتار کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ اور ایسے ہی قربانی کے جانور کا دودھ دوہ کر اپنے کام میں لانا یا بیچ کر داموں سے نفع اٹھانا نہیں چاہیئے بلکہ اس کو خیرات کردے اور قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا تازہ کرنا مستحب اور مستحسن ہے۔ حدیث میں ہے۔ سمنوا ضحایاکم فانہا علی الصراط مطایاکم یعنی اپنی قربانیوں کو موٹا کرو کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی لیکن قربانی کے جانوروں کو پھولوں کے یا گوٹے کے ہار سے باقاعدہ پیشش بناکر مذبح میں لیجانا مناسب نہیں۔ خصوصاً غیر مسلموں کی دل آزاری کی نیت سے قربانی کے جانور کو سجا کر لیجانا یا جلوس نکالنا قطعاً منع ہے۔

مرکز امامت

(از مولانا ابوالجلال صاحب ندوی)

حج کا زمانہ آگیا۔ حاجیوں کے قافلے کچھ جاچکے کچھ جا رہے ہیں۔ ہماری طرح کتنے بدبخت ہیں جو حجاز کی طرف نہ جاسکے۔ مناسب یہ ہے کہ حج کے ذکر خیر ہی سے کچھ برکت حاصل کی جائے۔

تعلیقات بخاری میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ دو جہاد ہیں ان میں سے ایک حج ہے شدوا الرحال فی الحج فانہ احد الجہادین۔ بخاری ہی میں حضور صلعم سے مروی ہے کہ بہترین جہاد حج ہے جو مقبول ہو افضل الجہاد حج مبرور۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں حج کا ذکر آیا ہے، وہاں صراحتاً یا اشارۃً جہاد کا بھی ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج اور جہاد دونوں کے مقصد متحد ہیں۔

قرآن مجید میں حج کا ذکر چند مقامات پر ہے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ میں حج کا ذکر آیا ہے۔ یہود نے تحویل قبلہ پر اعتراض کیا تھا۔ خدا نے تحویل قبلہ کے اسباب بتاتے ہوئے حج کا بھی ذکر کیا ہے، یہود کا خیال تھا کہ دو جہتہ (یعنی قبلہ ہونے کا شرف صرف بیت المقدس کو حاصل ہے) خدا نے فرمایا۔

للّٰہ المشرق والمغرب فاینما تولوا — پورب پچھم (تمام سمتیں) خدا کی ہیں۔
فثم وجہ اللّٰہ ان اللّٰہ — جدھر منہ کرو ادھر ہی خدا کا رخ ہے
واسع علیم (بقرہ ۱۴) — کیونکہ وہ گھیرنے والا اور جاننے والا ہے

اس کے بعد کعبہ کو قبلہ بنانے کی وجہ بتائی گئی ہے۔ خدا نے فرمایا

واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات — نبی اسرائیل وہ زمانہ یاد کرو جب
فاتمھن قال انی جاعلک للناس — ابراہیم کا اس کے رب نے کچھ باتوں
اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال — میں امتحان لیا۔ تو انہوں نے ان کو
عھدی الظالمین۔ (بقرہ ۱۵) — کر کر دکھایا (اس کامیابی کی وجہ سے

بطور انعام) خدا نے کہا تھا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں تو انہوں نے درخواست کی تھی۔ کہ خدایا میری اولاد کو بھی۔ فرمایا کہ (سب کو نہیں) کیونکہ میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو عہدہ امامت ملا تھا۔ اس سے مراد صرف سلطنت نہیں ہے۔ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

مراد صرف مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی معاملات میں سعادت ہے۔ جو ہم کو بھی خدا کے امتحان میں پورا اترنے کے بعد مل سکتی ہے۔ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا۔

حضرت ابراہیم کو جب خدا نے امام بنایا تو ضرور تھا کہ مرکز امامت کی طرف لوگوں کی توجہ ہو۔ اس بناء پر کعبہ مکرمہ کو خدا نے لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنا دیا۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس — اور یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں
وامنا واتخذوا من مقام — کے لئے اجتماع کی جگہ اور جائے امن
ابراھیم مصلی۔ — قرار دیا۔ (اور حکم دیا) کہ ابراہیم کے

مقام کو عبادتگاہ بنا لو۔

خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کے مقام یا قیامگاہ کو مسلمانوں کا مجمع، جائے پناہ اور عبادتگاہ قرار دیا۔ تو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے جانشین اماموں سے یہ بھی وعدہ لیا تھا کہ یہ مقام صرف نیکوکاروں اور سچے مسلمانوں کے لئے ہے۔ غیروں سے پاک رہنا چاہیئے۔

وعھدنا الی ابراھیم واسمٰعیل — ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ سے وعدہ
ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین — لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں،
والرکع السجود۔ — اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و

سجود کرنے والوں کے لئے (غیروں سے) پاک رکھنا۔

یعنی کسی دوسری قوم کو اس گھر کے قریب آنے دینا۔ کفار و مشرکین کی نجاست سے اس گھر کو ہمیشہ پاک رہنا چاہیئے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے سوچا کہ جب تک خدا کی مدد شامل نہ ہو ہم غیروں سے اسے کیسے محفوظ رکھ سکیں گے۔ اور دنیا والوں سے بالکل الگ تھلگ رہنے سے خطرہ ہے کہ یہاں کے لوگ اوروں سے بیوپار نہ کرسکیں گے اور بھوکے مریں گے اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے دعا کی۔

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا — بار خدایا اس کو مامون و محفوظ شہر
بلدا آمنا وارزق اھلہ من — بنا اور اس شہر کے لوگوں کو جو اللہ
الثمرات من آمن باللّٰہ والیوم — اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو
الآخر۔ — پھلوں سے روزی پہنچا۔

یہ دعائے ابراہیم صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص تھی۔ مگر خدا سب کا رازق ہے اس نے فرمایا کہ

قال ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم — اور جو کفر کرے گا تو کچھ دنوں اس
اضطرہ الی عذاب النار وبئس — کو بھی فائدہ پہنچاؤں گا۔ پھر آگ
المصیر۔ — کی طرف بے بس کردوں گا۔ اور یہ

بدترین ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد حضرت رسول خدا کے متعلق دعائے ابراہیم اور دوسری باتوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اصلی نیکی پورب یا پچھم رخ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ خدا، آخرت، فرشتوں، کتاب، انبیاء پر ایمان لانا ہے۔ اس کے بعد تحویل قبلہ کے دوسرے اسباب مذکور ہیں۔

مندرجہ بالا آیتوں میں جو حقائق ہیں ان میں سے ہم کو اس

موقع پر صرف ایک نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ کعبہ مکرمہ کو مرکزی عبادتگاہ مسلمانوں کے اجتماع کی جگہ اور جلسے ان بنانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ملت ابراہیم کا پہلا مرکز امامت ہے اور اس کے مرکز امامت ہونے کی وجہ ہی سے اس کو مشرکوں اور کفار سے محفوظ رکھنے کا حکم ہے۔ سورہ حج میں بتایا گیا ہے کہ حج کی فرضیت کے کیا اغراض ہیں۔ خدا نے فرمایا۔

واذ بوانا لابراهيم مكان البيت	یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کا
ان لا تشرك بي شيئا وطهر بيتي	(اس شرط پر) حاکم بنایا کہ میرے ساتھ
للطائفين والقائمين والركع السجود	شرک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے
واذن في الناس بالحج ياتوك رجالا	والوں اور قیام کرنیوالوں کو رکوع و
وعلى كل ضامر ياتين من كل فج عميق	سجود کرنیوالوں کے لئے پاک رکھنا اور

لوگوں میں حج کا اعلان کر دو کہ وہ تمہارے پاس پا پیادہ اور پھر تیلی اونٹنیوں پر ہر بعید مسافت سے آئیں۔

اس آیت میں "یاتوک" کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ حج کا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ لوگ امام وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یا امام وقت کے پاس لوگوں کو بلانے کی غرض کیا ہے۔ سنو خود خدا فرماتا ہے۔

ليشهدوا منافع لهم ويذكروا اسم الله	تاکہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی ہر طرح
في ايام معلومات على ما رزقهم	کے منافع کے لئے حاضر ہوں۔ اور
من بهيمة الانعام فكلوا منها	خدا نے ان کو جو چارپائے دیئے
واطعموا البائس الفقير ثم	ہیں ان پر اللہ کا نام لیں پس اس
ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم	میں کچھ خود کھاؤ کچھ بھوکے فقیر کو کھلاؤ
وليطوفوا بالبيت العتيق (حج)	پھر اپنی گندگی کو دور کریں۔ اپنی نذریں

پوری کریں بیت عتیق کا طواف کریں۔

اس آیت میں سب سے پہلی غرض فرضیت حج کی یہی بتائی گئی ہے کہ لیشہدوا منافع لھم (لوگ اپنے لئے منافع حاصل کریں۔) آنحضرت صلعم نے جب حج فرمایا اور صفا و مروہ کے درمیان جب سعی کرنی چاہی تو پہلے آیت تلاوت کی۔ ان الصفا والمروة من شعائر الله۔ پھر فرمایا کہ جس جگہ کا خدا نے پہلے ذکر کیا ہے۔ وہیں سے ابتدا کرو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں کسی چیز کے ذکر کا مقدم ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

ان آیات کو باہم ملا کر غور کرو۔ دنیا میں سب سے پہلے حج کی حقیقت یہ تھی کہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا۔ وہ امتحان میں کامیاب اترے۔ اس لئے خدا نے ان کو امامت سپرد کی اور ان کے مرکز کو مثابۃ للناس لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ قرار دیا۔ اور ان کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ دنیا بھر کے نیکوکار بندے مرکز امامت میں آکر اپنے امام سے ملیں اور دینی منفعت کی باتوں پر غور کریں لیشہدوا منافع لھم اور اس کے ساتھ ساتھ وہاں اپنے خدا کی عبادت بھی کریں۔

خداوند تعالیٰ نے حج کے ذکر کے ساتھ مسجد حرام کے لئے یہ بھی فرما دیا ہے

جعلناه للناس	ہم نے اسے سب لوگوں کیلئے بنایا ہے

وہاں کا مقیم اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔

کیونکہ کعبہ مکرمہ صرف عرب کا یا کسی ایک نسل کا مرکز امامت نہیں۔ بلکہ تمام دنیا کے امام کا مرکز ہے۔ البتہ جو لوگ طواف و اعتکاف رکوع و سجود وغیرہ شعائر اسلام سے منکر ہیں ان سے اس گھر کو پاک رکھنا چاہیئے۔

حج اور جہاد دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی بدی اور گناہ کا استیصال اور نیکی اور ثواب کو دنیا میں رائج کرنا ہے۔ مگر جہاد ایک تخریبی عمل ہے اور حج ایک تعمیری کام ہے۔

حج کی حقیقت اور اصلی غرض صرف یہ ہے کہ سال میں ایک مرتبہ تمام دنیا کے نیکوکار بندے خدا کے مرکزی گھر میں آئیں اور اپنے برے بھلے پر غور کریں۔ اپنے امام کے احکام کو سنیں اور سالانہ اس کی شریعت کے احکام کے سامنے پیش ہوں۔ اور وہ ان پر عمل کریں۔

حج میں جو جو کام اور عبادتیں انجام دی ہوتی ہیں وہ ذریعہ ہیں خدا کی مہربانیوں کے حصول کا۔ لیکن حج کا اصلی مقصد تمام دنیا کے مسلمانوں کا یکجا ہو کر اپنے منافع کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے بعد حج نام رہ گیا تھا صرف طواف کا۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے اور اونٹوں کی قربانیوں کا۔ لیکن جب خدا نے دعائے ابراہیم کے مطابق دنیا کے رسول اعظم کو جو امام اعظم بھی تھا مبعوث کیا تو ہم کو بتایا گیا کہ خدا کو اصل میں گوشت اور خون کی حاجت نہیں۔ وہ قلوب کا تقویٰ چاہتا ہے آنحضرت صلعم نے حج سے وہی کام لینا شروع کیا جس کے لئے حج ضروری قرار دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو یاد ہے کہ حج کے موقعہ پر آنحضرت صلعم ہر قسم کے مسائل بیان کرتے معاہدوں کو قبول اور فسخ کرنے کا اعلان بھی اسی حج کے دن ہوتا۔ سورۂ براءۃ پڑھو اور دیکھو کہ کفار کو اعلان جنگ کہاں اور کس دن دیا گیا۔

واذان من الله ورسوله الى الناس يوم	اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے روز
الحج الاكبر ان الله برئ من المشركين	لوگوں کو اعلان ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے

کیا تم اس آیت سے کچھ نتیجہ نکال سکے۔ امام وقت مدینہ میں تھا لیکن فسخ معاہدہ کا اعلان مکہ میں حج اکبر کے دن کیا گیا کیونکہ یہ اعلان نہ صرف خدا اور رسول کا بلکہ سارے مسلمانوں کا تھا۔ آج بھی مسلمانوں کا سا ہر وہی معاہدہ ہے جس کا اعلان حج کے مجمع عام میں کیا جائے۔

كيف يكون للمشركين عهد عند الله	اللہ اور اللہ کے رسول کے نزدیک کیسے
وعند رسوله الا الذين عاهدتم	عہد ہو سکتا ہے بجز ان لوگوں کے جن
عند المسجد الحرام۔ (توبہ)	سے مسجد حرام کے پاس تم نے معاہدہ کیا

حقیقتِ اسلامی کا ایک درس

(از جناب مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند)

عید اضحیٰ اسلام کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ اس تہوار کی سی شان صرف اسلام ہی کے تہواروں میں نہیں۔ بلکہ تمام مذاہب واقوام عالم کے تہواروں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کا سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہو جانا۔ امیر و غریب اور کبیر و صغیر کا ایک فقیرانہ چادر میں لپٹ کر عبدیت و نیاز مندی کا پیکر بن جانا۔ ایک چھوٹی سی چار دیواری کے گرد ہر شخص کا دیوانہ وار چکر لگانا۔ اور پھر تین دن کے اندر لاکھوں جانوروں کو اپنے معبود کی رضا و خوشنودی پر قربان کر دینا کہ اگر ان سب کا خون جمع کیا جائے تو دریا بہ جائے، یہ سب ایسی باتیں ہیں جنہوں نے حقیقت میں اس کو دنیا کا سب سے بڑا اسلامی تہوار بنا دیا ہے۔

یہ تو عید اضحیٰ کا ایک ظاہری پہلو ہے، لیکن اسلام ظاہر پرست نہیں ہے۔ اس کے ہر ظاہر میں ایک باطن اور ہر صورت میں ایک خاص حقیقت جلوہ آرا ہوتا ہے۔ اس کے تہوار موسمی تغیرات کے جشن یا قومی کارناموں کی یادگار ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے اندر ایک خاص تعلیم پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بس اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ عید اضحیٰ کے ان اوپری مظاہرات میں کونسی باطنی تعلیم مضمر ہے۔

یہ تہوار ملت حنیفی کے سب سے پہلے داعی حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اس عظیم الشان کارنامہ کی یادگار ہے جو تسلیم و رضا اور بندگی و عبدیت کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے کلدانیہ کے بت پرستوں میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تمام قوم درختوں اور پتھروں کو پوجتی ہے اس کے ارد گرد ہر طرف صنم پرستی کا چرچا ہے۔ خود اس کے گھر میں بت تراشے جاتے ہیں۔ مگر اس کا قلب سلیم ان بے جان دیوتوں کو اپنا معبود تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے باپ اور اپنی قوم سے صاف کہہ دیتا ہے۔ انی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی فانہ سیہدین جن چیزوں کو تم لوگ پوجتے ہو ان سے میرا کچھ واسطہ نہیں ہے۔ میں تو اس کو پوجوں گا جس نے میری فطرت کی تخلیق کی ہے۔ اور وہی مجھے راہ راست پر لگا دے گا۔ اس کے سامنے چمکتا ہوا تارا آیا کہ اسے دھوکہ دے اس کے سامنے روشن چاند آیا کہ اس کی جبین نیاز کو اپنے سامنے سجدہ ریزی پر مائل کرے۔ اس کے سامنے آفتاب عالمتاب آیا کہ اس کی چشم حقیقت بیں کو خیرہ کر دے۔ مگر اس نے ملکوت السموات والارض میں سے کسی کو اپنی معبودیت کے لئے قبول نہ کیا۔ اور صاف پکار اٹھا کہ انی لا احب الآفلین۔ میں ان چیزوں کو ہرگز خدائی کا اہل نہیں سمجھتا جن کا حسن عارضی اور جن کی چمک فنا پذیر ہے انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ میں نے تو صرف اسی ایک کا ہو لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ اور یقیناً میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے والوں میں نہیں ہوں

اس کی قوم اور اس کے رشتہ داروں نے جب اسے اپنے مذہب سے اس طرح منحرف اور اپنے بتوں کی کھلی کھلی توہین کرتے دیکھا تو انہوں نے اسے سزا دینی چاہی۔ تاکہ کسی طرح گمراہی پر راضی ہو جائے۔ مگر اس کو اپنے گھر بار۔ قوم اور وطن سب کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں چل کھڑا ہوا۔ اور حق کی محبت نے اس کے دل سے تمام محبتوں کو نکال دیا۔ حکومت نے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈالنی چاہی۔ ضرورتوں نے اس کے ہاتھ کو پکڑنا چاہا۔ مصائب کے خوف اور غریب الوطنی کے آلام نے اس کے عزم کو توڑنا چاہا۔ مگر اس نے یہ کہہ کر سب کے منہ بند کر دئے کہ الذی خلقنی فھو یھدین والذی ھو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فھو یشفین والذی یمیتنی ثم یحیین والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین۔

اس شان توکل سے وہ عراق کے سرسبز و شاداب میدانوں کو چھوڑتا ہے اور حجاز کے ایک بے آب و گیاہ میدان میں اپنی بیوی اور اپنے بچے کو آباد کر دیتا ہے۔ لیکن وہ جس نے اس کے صنم کدۂ دل کو باپ بھائی۔ خاندان۔ قوم اور وطن سب کی محبتوں کے بتوں سے خالی کر کے صرف اپنی محبتوں کیلئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس کو گوارا نہ کر سکا کہ بیٹے کی محبت بھی اس میں شریک رہے۔ چنانچہ اس نے مطالبہ کیا کہ اگر ہم سے محبت رکھنی ہے تو اس کو بھی قربان کرو۔ وہ اگرچہ تسلیم و رضا کا پتلا تھا۔ مگر پھر باپ تھا۔ اس نے بیٹے سے پوچھا انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ پھر اب کہو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ کوئی اور بیٹا ہوتا تو شاید جان دینے سے جی چراتا۔ مگر وہ تو اسی پیکر اسلام کا بیٹا تھا۔ اس نے بلا تامل کہا کہ یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ ابا جان کر گذریے جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

یہ ان باپ بیٹوں کا وہ کارنامہ تھا۔ جس کے سامنے دنیا کی تمام نیاز مندیاں تمام بندگیاں اور تمام عبدیتیں ہیچ ہیں۔ باپ کا اپنے معصوم بچے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جانا۔ اور بیٹے کا خوشی خوشی اپنے گلے پر چھری چلوانے کے لئے راضی ہو جانا محبت و رضا جوئی کا وہ آخری درجہ ہے جس کے بعد اور کوئی درجہ ممکن نہیں ہے۔ پس سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل کا یہ تسلیم و رضا کے اس آخری

کعبہ پر پہنچ گئے تو اللہ نے انہیں "مسلم" یعنی سچے فرماں بردار کا خطاب عطا فرمایا۔ اور ان کے اس شیوۂ تسلیم کو "اسلام" یعنی حقیقی فرماں برداری کے لفظ سے تعبیر کیا چنانچہ فرمایا ہے کہ:

فلما اسلما وتله للجبين وناديناه	پھر جب انہوں نے اسلام (فرماں
ان يا ابراهيم قد صدقت	برداری) کا اظہار کیا اور اس نے
الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين	لڑکے کو پیشانی کے بل گرا دیا تو ہم نے
ان هذا لهو البلاء المبين	پکارا کہ اے ابراہیمؑ تو نے خواب کو سچا

کر دکھایا۔ ہم اسی طرح محسنوں کو جزا دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہ بڑی آزمائش تھی۔

اور دوسری جگہ اسی فرماں برداری کے متعلق فرمایا ہے

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت	جب اس سے اس کے پروردگار
لرب العلمين	نے کہا کہ اسلام لا تو اس نے کہا

میں اسلام لایا پروردگار عالم کے لئے۔

پس معلوم ہوا کہ اسلام جس فرماں برداری، جس اطاعت اور جس شیوۂ تسلیم کا نام ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کا عمل حقیقت اسلامی کا صحیح نمونہ پیش کرتا ہے۔ اور قرآن کی اصطلاح میں "مسلم" وہی ہے جو اللہ کی محبت میں سب محبتوں کو قربان کر دے۔ محبت الٰہی کی لذتوں پر تمام لذتوں اور آسائشوں کو تج دے اور اس کے مقابلہ میں جان، مال، عزت، آبرو، اولاد، عزیز، اقارب، قوم، وطن، غرض کسی چیز کو بھی عزیز نہ رکھے۔ قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم والذين معه کا اشارہ صاف بتلاتا ہے۔ "اسلام" وہی ہے جو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے دل میں تھا۔ اور "مسلم" کی زندگی کا صحیح نمونہ وہی ہے۔ جو ان دو اولین مسلموں نے پیش کیا۔ پس یہ جو ترکنا علیہ فی الآخرین کے بموجب سال کے سال اس ذبح عظیم کی یادگار منائی جاتی ہے تو اس سے محض حضرت ابراہیمؑ کی نقل مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو سال بھر میں ایک دفعہ حقیقت اسلامی کا درس دینا مقصود ہے جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے حجاز کی ایک وادی غیر ذی زرع میں پیش کیا گیا تھا۔

پھر یہ حقیقت اسلامی کا محض درس ہی نہیں بلکہ اس امر کا اعلان بھی ہے کہ حضرت حق کی بارگاہ میں جب کوئی سچی فرماں برداری کا ہدیہ پیش کرتا ہے تو اس کو کس کس طرح نوازا جاتا ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اخلاص و محبت کا جو ہدیہ پیش کیا تھا اس بارگاہ جل و علیٰ کی نوازش تو یہ دیکھئے کہ ان کے ایک ایک عمل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا گیا۔ اور اسے وہ بقائے دوام عطا کیا گیا جس پر بڑے بڑوں کو رشک آتا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے جو چار دیواری تعمیر کی تھی اسے اللہ نے دنیا بھر کے مسلمانوں کا قبلۂ مقصود اور کعبۂ آمال بنا دیا۔ انہوں نے اللہ کے اس گھر کے گرد جس شیفتگی و وارفتگی کے ساتھ طواف کیا تھا وہ کچھ ایسا مقبول ہوا کہ ساری امت مسلمہ کے لئے اسی طرح طواف کرنا لازم کر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے دوست کی ندا پر جو لبیک کی والہانہ صدا بلند کی تھی وہ اسے کچھ ایسی پسند آئی کہ ہر مسلمان کے لئے طواف کے وقت وہی صدا بلند کرنا ضروری ہو گیا۔ انہوں نے اپنے محبوب کے دربار میں جانے کے لئے جو عاجزانہ لباس اختیار کیا تھا وہ اسے اس قدر بھایا کہ اس نے اپنے گھر کی طرف آنے کے لئے وہی لباس مقرر کر دیا۔ انہوں نے بے خبری کی حالت میں بیٹا سمجھ کر جو دنبے کو ذبح کیا تو یہ منظر اس کی نظروں میں ایسا کھب گیا کہ اب سال کے سال وہی منظر پیش کرنا تقرب کی لازمی شرط بنا دیا گیا۔ اور حد یہ ہے کہ ان کی بیوی جب اپنے شیرخوار بچے کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں نکلیں اور سراسیمگی کے عالم میں صفا اور مروہ کے درمیان انہوں نے کئی چکر لگائے تو یہ دل لبھانے والا نظارہ بھی قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

انعام و اکرام کی یہ بارش یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے چل کر ہم داد و دہش کی وہ شان دیکھتے ہیں جو حقیقت میں حضرت حق کی فیاضی اور دریا بخشی کی مظہر اتم ہے۔ جس وقت یہ دونوں باپ بیٹے اس تپتے ہوئے ریگ زار میں اللہ کے اس مقدس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو ان کی زبان پر عالم ذوق و شوق میں بے اختیار یہ دعا جاری ہو گئی کہ

ربنا تقبل منا انك انت السميع	اے ہمارے رب ہماری عرض نیاز
العليم ربنا واجعلنا مسلمين	قبول کر کہ تو ہی سننے والا اور جاننے
لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك	والا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنا
وارنا مناسكنا وتب علينا انك	فرماں بردار بندہ بنا اور ہماری نسل
انت التواب الرحيم ربنا وابعث	میں ایسی قوم پیدا کر جو تیری فرماں بردار
فيهم رسولا منهم يتلو عليهم	ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے
آياتك ويعلمهم الكتب والحكمة	بتا اور ہماری خطاؤں سے درگذر
ويزكيهم انك انت العزيز	کر کہ تو ہی سب سے بڑا خطا بخش اور
الحكيم	رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب

ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک رسول بھیج۔ جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرے۔ یقیناً تو ہی عزت اور حکمت والا ہے۔

اور

رب اجعل هذا البلد امنا	اے پروردگار اس شہر کو مامون کر
واجنبني وبني ان نعبد الاصنام	اور مجھے اور میری اولاد کو اس —

رب انھن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور الرحیم ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون ط

بچاکر ہم بتوں کو پوجنے لگیں۔ اے پروردگار ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے پس جو کوئی میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میرے خلاف عمل کرے تو تو رحیم و غفور ہے لے ہمارے رب ہم نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس ایک بے آب و گیاہ وادی میں بسا دیا ہے۔ تاکہ نماز قائم کریں پس تو لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دے۔ اور انہیں پھلوں سے رزق عطا کر بتا یدکہ یہ تیرا شکر ادا کیا کریں۔

یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ اللہ نے اسے لفظاً لفظاً پورا کر دکھایا۔ امت مسلمہ کی تاریخ شاہد ہے کہ اقوام عالم میں سب سے پہلے ذریۃ ابراہیم کو علاوہ کلمۂ اسلام کی خدمت کے لئے مخصوص کیا گیا۔ اور وہی اسلام لانے والوں کی سرخیل بنائی گئی۔ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم کی صداقت گواہ ہے کہ اللہ نے ابراہیم کی اولاد میں خود ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کیا۔ جس نے آیات الٰہی کی ایسی تلاوت کی اور ان کے نفوس کا ایسا تزکیہ کیا۔ اور انہیں کتاب و حکمت کی ایسی تعلیم دی کہ نہ کسی نے اس سے پہلے یہ خدمت اس شان سے انجام دی تھی اور نہ بعد میں کوئی انجام دے سکا۔ اولم یروا انا جعلنا حرماً اٰمناً ویتخطف الناس من حولھم کا ارشاد گواہی دیتا ہے کہ اللہ نے اس پاک شہر کو ایسا مامون کیا کہ اس کے جانور اور اس کی گھاس پات تک ہر قسم کی تعدی سے محفوظ ہو گئی۔ اور اس پر الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل کا ارشاد مزید گواہی دیتا ہے کہ جس کسی نے اس حرم امن کی مامونیت کو مٹانا چاہا اسے اللہ نے خود مٹا کر رکھ دیا۔ پھر جس طرح اللہ نے اس "بیت الحرام" کو تمام دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ بنا کر لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دل سے اس کی طرف مائل کر دیئے اور جس طرح اس کے باشندوں پر رزق و ثمرات کی بارش کی وہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کی دعا کے آخری حصہ کو بھی پوری طرح قبولیت کا شرف عطا کیا۔

یہ جو کچھ بھی سرفرازیاں اور لطف و کرم کی بارشیں تھیں سب اس "فرماں برداری" کا انعام تھیں جسے اللہ نے "اسلام" کے جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ پس عید اضحیٰ جو اس پہلی اور سب سے بڑی فرمانبرداری کی یادگار ہے دراصل ہمارے لئے ہر سال دو گونہ پیغام لاتی ہے کہ اصلی اسلام یعنی فرماں برداری یہ ہے۔ اور جو شخص اس قسم کا مسلم یا فرمانبردار ہوتا ہے اس کا قلب درحقیقت لوح محفوظ کا آئینہ ہوتا ہے کہ اس سے جو کچھ نکلتا ہے پتھر کی لکیر ہو جاتا ہے۔

شرح مثنوی مولانا روم

ایلو طبی ہند علامہ مولوی عبد الرحمن صاحب راسخ، مثنوی شریف کی جلالت شان محتاج بیان نہیں، یہی وہ کتاب ہے جو آج عالم تصوف کی جان ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو تشنہ کام شریعت کو جام معرفت پلاتی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس سے دنیائے تصوف شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک سیراب ہو رہی ہے۔ کوئی صوفی یا صوفی مزاج انسان ایسا نہیں جو اس کتاب سے مستغنی ہو صوفیوں کو اس کی ضرورت۔ عالموں کو اس کی ضرورت فاضلوں، بیگموں، فقیروں، امیروں غرض ہر قسم کے لوگوں کو ہر گھڑی اور ہر وقت اس کی ضرورت رہتی ہے اور ہر شخص اپنے اپنے مذاق اپنے اپنے خیال کے مطابق اس سے مطلب نکال سکتا ہے۔ پس ایسی اعلیٰ اور مفید کتاب کی شرح کو ایک فاضل اجل اور عالم بے بدل جو تصوف کے اسرار سے واقف ہی نہیں بلکہ صاحب حال و قال تھے لکھا ہے جس کی شرح شرح نہیں بلکہ مولانا روم کے اسرار صمدیہ کی تفصیل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا روم کا تصوف بے چون شرح کی صورت میں نمودار ہوا۔ زبان کی سلاست، برمحل اشعار، کیف تصوف، اسرار اولیا، تذکرۃ الصحابہ اور احادیث کا خزانہ سب اس شرح میں موجود ہے۔ مثنوی کا ہر شعر علیحدہ لکھا ہے بعض بعض الفاظ کو زیر زبر لگا کر لکھا ہے مشکل الفاظ کی پوری تشریح کی ہے ہر شعر کی صرفی و نحوی ترکیب لکھی گئی ہے ہر شعر کے اندر علم بیان اور علم بدیع کے جو نکات مضمر ہیں ان کو ظاہر کر دیا ہے۔ ہر شعر کا لفظی ترجمہ بھی تحت اللفظ ہے اور با محاورہ بھی اور ہر شعر کا مفصل مطلب لکھا گیا ہے اور عجیب و غریب عرفانی تشریح کی گئی ہے جس کا اندازہ اس قدر دشوار ہے کہ مثنوی کے غلط یا صحیح معلوم ہونے لگتا ہے کہ بہت قرآن و زبان پہلوی جا بجا بلکہ تقریباً تمام اشعار کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے منطبق کیا ہے۔ بڑی تقطیع کے پانچسو صفحوں کی ضخامت ہے۔ قیمت جلد اول سوا روپیہ دو پیسہ محصول ڈاک ۱۳ کل ۔

بہشتی زیور کامل ۱۱ حصے مجلد

یہ ایک بزرگ مصنف کی بے مثل کتاب ہے اور گیارہ حصے ہیں۔ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ کی تالیف ہے اس میں حسب ذیل بیان ہیں۔ پہلا حصہ الف ب سے لکھنا لکھنے تک کچھ عقائد کا بیان ۹۶ صفحات، دوسرا وضو جنابت حیض و نفاس اور نماز کے مسائل ۱۰۰ صفحات تیسرا زکوٰۃ حج روزہ۔ قربانی منت وغیرہ کے مسائل ۹۰ صفحات، چوتھا طلاق نکاح مہر ولی عدت وغیرہ کے احکام ۹۲ صفحات پانچواں معاملات حقوق معاشرت، دو حصے اور قواعد تجوید ۹۶ صفحات، چھٹا اصلاح باطن، تہذیب و اخلاق و ذکر قیامت دجنت ۹۶ صفحات ساتواں اصلاح رسوم مروجہ شادی و غمی میلاد عرس تیجہ وغیرہ، آٹھواں نیک بیویوں کی حکایات اور تہذیب اخلاق ۹۰ صفحات۔ نواں ضروری اور مفید علاج معالجے بچوں اور عورتوں کے ۹۰ صفحات دسواں دنیاوی ہدایتیں اور ضروری باتیں ۹۵ صفحات گیارہواں عورتوں کیلئے ضروری اسلامی مسائل ۹۰ صفحات ہر حصے کی قیمت ۱۲ اور گیارہ حصے کی ۲ روپیہ کی حیرت انگیز ہوتی ہے لیکن ہدایتی قیمت کامل ۱۱ حصے کی قیمت صرف ۳ محصول ڈاک کل تین روپے۔

سچے کا خواب

(از جناب مولانا عبدالماجد دریابادی، مدیر صدق)

آج سے ہزارہا سال قبل کا زمانہ ہے۔ لیکن یہی انسان ہے۔ اور یہی اس کی بدبختیاں۔ یہی نفس کی سرکشی ہے اور یہی اس کی تباہ کاریاں۔ یہی خاک کا پتلا ہے اور یہی اس کی گمراہیاں۔ عرب کے شمال میں ایک زبردست و پرقوت قوم کا تمدن پھیلا ہوا ہے۔ تاج سلطنت ایک گردن کش کے سر پر غرور کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ آج کل کی متمدن قوموں کی طرح اس وقت کی بھی متمدن قوم کی "ترقیوں" کے ہر طرف چرچے ہیں۔ بڑی بڑی فوجیں آراستہ ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں اور شاندار کوٹھیاں تعمیر ہو رہی ہیں۔ علوم و فنون کے درس بڑے ذوق و شوق سے پڑھے اور پڑھائے جا رہے ہیں۔ سائنس کی ترقیوں نے نجومیت و نجوم کے بڑے بڑے "ماہرین فن" پیدا کر دئے ہیں۔ "آرٹ" کی ترقیوں نے سنگ تراشی اور بت تراشی (آج کل کی اصطلاح میں "اسکلپچر") کو فروغ دیکر ہر مندر کو تبکدہ بنا رکھا ہے۔

ایک طرف تہذیب و تمدن، دولت و حکومت، علم و فن، صنعت و حکمت کی ترقیوں کا یہ سیلاب امڈا ہوا ہے، دوسری طرف ٹھیک اسی نسبت سے آجکل کی ترقی یافتہ قوموں کی طرح، اخلاق و روحانیت کے چشمے خشک ہو چکے ہیں۔ نیکی اور پاکیزگی کی کھیتیاں پامال ہو چکی ہیں۔ دیانت و راستی کے باغیچوں میں خاک اڑ رہی ہے۔ عدل و امانت کے خزانے خالی ہو چکے ہیں۔ خالق سے رشتہ ٹوٹ چکا ہے، مخلوق پرستی دلوں میں رچی ہوئی ہے۔ اور مادی تمدن کے پہلو بہ پہلو اخلاقی جاہلیت اس نوبت کو پہنچی ہے کہ جن گردنوں کو کیلے اور سچے خدا کے آگے جھکنے سے عار و انکار ہے وہ ہر جھوٹے بندے کے آگے خوشی سے جھکی ہوئی ہیں۔ اور جن دلوں سے فاطر السموات والارض کی یاد مٹ چکی ہے، وہ فطرت کے ہر ادنیٰ اور پست مظہر، ہر چمکتے ہوئے تارے، ہر تراشے ہوئے پتھر، ہر خاک کے ڈھیر کی پرستاری میں لگے ہوئے ہیں۔

اس سرزمین پر اس فضا میں، اس قوم کے درمیان ایک اللہ کا بندہ آنکھیں کھولتا ہے اور پکارتا ہے کہ "میں تمہاری ان باطل پرستیوں سے بیزار ہوں۔ میں نے دل کی لو مخلوقات سے نہیں، خالق سے لگائی ہے، میں آثار و مظاہر فطرت کا پجاری نہیں۔ بلکہ فاطر السموات والارض کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ یہ ستارے اور ماہتاب اور آفتاب جو میری ہی طرح بے بس و مجبور ہیں، میں ان کی سیوا کرنے والا نہیں۔ میں نے تو اپنا رشتہ اس سے جوڑ رکھا ہے، جو سب مجبوریوں سے پاک و بالاتر ہے جو سب پر قدرت رکھنے والا اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔" جہلوں

کے درمیان ایک بھبکی یہ آواز بغاوت کی آواز تھی۔ بغاوت بھی کیسی؟ حکومت وقت سے بغاوت، قانون سے بغاوت، دستور، قوم و رواج ملک سے بغاوت۔ آئین، تہذیب و تمدن سے بغاوت۔ کنبہ و قبیلہ سے بغاوت بزرگوں اور عزیزوں سے بغاوت، خاندان والوں سے بغاوت۔ اتنے بڑے "مجرم" کو جس سلوک کی توقع ہو سکتی تھی، وہی ہو کر رہا۔ ایسے سخت باغی کو جو کچھ پیش آسکتا تھا، پیش آیا۔

خانگی زندگی یوں تلخ ہوئی کہ باپ کو بت تراشی و بت پرستی پر ٹوکا حکومت سے یوں چھڑی کہ بادشاہ وقت کو خدائی قانون اور ربانی آئین کی یاد دلائی۔ اس نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ کہاں کی ربوبیت؟ اور کیسی الوہیت؟ سارے اختیارات تو مجھے حاصل ہیں۔ سب کچھ تو میں کر رہا ہوں، اشخاص و جماعات کی زندگی و موت، پرورش و ہلاکت تو میرے بس میں ہے، میرے سامنے کسی اور برتر و اعلیٰ قانون کی کیا بے معنی گفتگو کر رہے ہو! قوم یوں بگڑی کہ اس کے معبودان باطل کی، اس کی باطل پرستیوں کی، اس کے جھوٹے دیوتاؤں کی علانیہ تحقیر و تذلیل کی۔ آج دنیائے تمدن کی کون قوم ایسی ہے، جو اپنے قومی جھنڈے کی توہین برداشت کر سکتی ہے؟ برطانیہ کے لئے شیر اور گھوڑا، جرمنی کے لئے عقاب امریکہ کے لئے ستارے، کس پرانی قوم کے دیوتاؤں اور بتوں سے کم اہمیت رکھتے ہیں۔ کیسی کیسی خونریز جنگیں اسی مقصود پر برپا ہوتی رہتی ہیں کہ ایک قوم کے کسی فرد نے دوسری قوم کے سرکاری نشان یا شاہی جھنڈے کی توہین کر دی، آج کی متمدن قوموں کو اپنے اسلحۂ آتشین پر ناز ہے اس متمدن قوم کے ہاں بھی سب سے بڑا اور قومی عذاب آگ ہی کا تھا۔ حکم ہوا کہ اس دعوائے توحید کے علمبردار کو، اس معبود قومی کی توہین و تحقیر کرنے والے کو، اس بے باک تابعی "کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا جائے۔ انسانوں نے انسان کے اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن دہکتے ہوئے انگاروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں نے، جھلس دینے والی آنچوں نے انسان کا نہیں انسان کے پیدا کرنے والے کا کہنا مانا۔ اور مجبور و بے بس انسان کے بجائے اس قدرت والے اور اختیار والے کے حکم کی تعمیل کی جو سب کیمیاگروں سے بڑا کیمیا ساز ہے۔ اور جو آج بھی گرمی و سردی، خشکی و تری کے قوانین و ضوابط میں اپنی مرضی کے موافق اس طرح ادل بدل کرتا رہتا ہے کہ سائنس کے بڑے بڑے "ماہرین فن" کی عقلیں دنگ رہ رہ جاتی ہیں۔

بہرحال پاک اور بے نیاز مالک نے اپنے ایک ہی پرستار کی رہائی کی اور ہر طرح پر کی، گھر چھڑایا۔ باپ کو چھڑایا۔ کنبہ والوں کو بیزار کر دیا بستی والوں کو دشمن بنایا۔ قوم والوں میں نفرت پیدا کر دی، حکومت کو دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ آگ میں زندہ ڈلوا دیا۔ مال کی، عزت کی

قربانی کی جان کی۔ ہر قسم کی جب آزمائش اور پوری آزمائش ہو چکی تو اس آدم زادکو قدرتاً یہ خیال گذرا کہ اب بڑھاپا شاید جس سے گذشتہ عمر ساری بہاریں جس کی یاد میں لٹا دیں، اب شاید اد ہر سے سکھ کا پروانہ حاصل ہو جائے، اب فکر تھی تو اس کی کہ آیندہ توحید کی دعوت دینے والا کون ہوگا سوچ تھا تو اس کا کہ اپنے بعد اس دولت بے بہا اور اس نعمت عظمےٰ کا وارث کون ہو گا۔ دعا کی۔ اور اسی سے دعا کی جو کافروں اور منکروں تک کی سنتا ہے۔ کہ رب ھب لی من الصالحین ۔ اے پروردگار! مجھے اولاد نیکوکار عطا کر۔ مانگنے والے کے الفاظ کو ذرا دیکھنا۔ دنیا میں لوگ اولاد خوبصورت مانگتے ہیں، تندرست مانگتے ہیں جو والدین کو خوب کما کما کر کہلائے۔ اور ان کا نام دنیا میں روشن رکھے۔ لیکن اللہ کے در کا یہ بھکاری یہ کچھ نہیں مانگتا۔ وہ اولاد کا لفظ تک زبان پر نہیں لاتا۔ اس کے دل میں طلب اور زبان پر آرزو صرف ایک بندۂ "صالح" کی ہے۔ سوال صرف کسی کریم سے تھا: دعا قبول ہوتی ہے، نہ صرف منہ مانگی مراد ملتی ہے۔ بلکہ اس سے کہیں کچھ زائد مرحمت ہو جاتا ہے۔ جواب ملتا ہے کہ ابراہیم! تمہیں لڑکے فبشرناہ بغلٰم حلیم کی بشارت ہو۔ اور لڑکا بھی کیسا۔ محض تمہارا فرماں بردار ہی نہیں محض نیکوکار ہی نہیں۔ بلکہ نیکوکار سے بڑھکر تمہاری صفت "حلم" سے موصوف ہو۔ جیسے تم حلیم[1] ہو ویسے ہی وہ بھی حلیم ہوگا[1]۔

بوڑھے باپ کا دل یہ بشارت پاکر باغ باغ ہو گیا محض اسی قدر وعدہ نہیں ہوتا۔ کہ اس کبرسنی میں ایک فرزند عطا ہو گا۔ بلکہ صحیح و سالم۔ زندہ و تندرست فرزند عطا ہوگا۔ جو مادی و روحانی دونوں حیثیتوں سے باپ کا عصائے پیری بنے گا۔ اور اپنے رشد و سعادت، اپنے علم و صلاحیت کے لحاظ سے بھی باپ کا سچا جانشین ہوگا اولاد کی نعمت جب کبھی بھی حاصل ہوتی ہے۔ دل کا کنول کھلا دیتی ہے۔ چہ جائیکہ بڑھاپے کی اولاد۔ اور پھر کیسی سعید و صالح اولاد! بوڑھے ماں باپ نے خدا معلوم کن کن تمناؤں اور آرزوؤں کے ساتھ یہ زمانہ گذارا ہوگا! بالآخر وہ مبارک گھڑی آئی جس کے طلوع ہونے کی خوش خبری خود زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے نے سنائی تھی۔ بچہ پیدا ہوا اور بڑھا۔ ظاہر ہے کہ جو اپنے والدین کا اکلوتا نو رنظر، اور اپنے رب کا منظور نظر تھا اس کی تربیت و پرداخت کس ناز و نعمت سے ہوئی ہوگی; قدرت کی مخفی و باطنی قوتیں اس کی خدمت کے لئے وقف ہو گئیں۔ فطرت کی خاموش و بے زبان طاقتیں اس کی گہوارہ جنبانی میں مصروف ہو گئیں۔ وہ پلا اور بڑھا۔ فلما بلغ معہ السعی یعنی جب اس قابل ہو گیا۔ کہ باپ کے کام کاج میں مدد دینے لگے باپ کے ساتھ ہر دوڑ دھوپ میں شریک ہو سکے۔ باپ کی خدمات دینا کا بوجھ بٹانے لگے۔ جب سالہا سال کی پرورش۔ تربیت و یکجائی نے فطری محبت کے تعلق کو اور زیادہ گہرا اور مضبوط بنادیا اور جب باپ کے دل میں دین کی خدمت کے لئے بیٹے کی طرف سے سینکڑوں آرزوئیں اور امنگیں۔ حوصلے اور ولولے نشو ونما پا چکے۔ تو دفعتہً ایک شب کو۔ جبکہ اس توحید کے پجاری کی آنکھیں سو رہی تھیں۔ لیکن دل جاگ رہا تھا اس کو دکھایا گیا۔ اور صبح کو اسی کی زبان سے اس کو اسی لخت جگر کے سامنے بیان کرایا گیا کہ جان نثار کرنے والا باپ اپنے قال یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک۔ ہاتھ میں چھری لئے ہوئے اسی معصوم دلبند، اپنے اسی آنکھوں کے تارے۔ اپنے اسی کلیجہ کے ٹکڑے کے حلقوم پر چلا رہا ہے۔

یہ "خواب" واہمہ کی کرشمہ سازی نہ تھی۔ یہ خواب فتور ہضم کا نتیجہ نہ تھا۔ بدخوابی نہ تھی، خواب تھا۔ پریشان خاطری کا ثمرہ نہ تھا روح کے عروج کا نشان تھا۔ جھوٹوں کا خواب و خیال نہ تھا سچے کا رویائے صادق تھا۔ اس سچے کا خواب تھا۔ جس سے نسبت پا جانے پر تو سچائی کو فخر و شرف ہے۔ نفس کی اس پاکیزگی، روح کی اس لطافت کا آئینہ تھا جہاں تک جنگ[2] و فرائڈ[2] کا طائر فکر و وہم اڑکر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس امی نے جو دنیا کے تمام ماہرین نفسیات سے بڑھکر نفسیات بشری کا ماہر تھا فرمایا ہے۔ اور بالکل سچ فرمایا ہے۔ کہ "تم میں سے جو اپنی گفتگو میں زیادہ سچے ہوتے ہیں انہیں کے خواب بھی زیادہ سچے ہوتے ہیں"[3] شعور خفی شعور جلی ہی کا عکس ہوتا ہے۔ جس نے اپنے شعور جلی کو بالکل خالص بنالیا۔ اس کا شعور خفی بھی لازمی طور پر خالص ہو کر رہے گا۔ جس نے سچائی کو اپنا کر لیا۔ سچائی خود اس کی ہو گئی۔ جس کی شان صدق مطلق کی بارگاہ سے صدیقاً نبیا کی آیت نازل ہو چکی ہے۔ اس کی سچائی کی گہرائیوں کی کون مشت خاک پیمائش کر سکتا ہے، راستبازوں کے اس سردار سچوں کے اس پیشوا کے آئینہ میں کوئی نقش کیونکر دھندلا آسکتا تھا۔ وہ آئینہ تو اپنی نورانیت سے ایسا جگمگا رہا تھا کہ دوسروں کے زنگ کو جلا سے تبدیل کر دیتا تھا۔ جو فرماں بردار بندہ اپنے وقت کی عزیز ترین و محبوب ترین گھڑیاں یعنی اپنی نمازیں اور اپنی طاعتیں اپنی زندگی اور اپنی موت سب کچھ اپنے اللہ کے حوالے کر چکا تھا[4]

---

[1] ان ابراھیم لحلیم اواہ

[2] وہ دو ماہرین نفسیات جدیدہ کے نام ہیں۔ [3] اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا

[4] ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین

خلیل کے خواب تک اس کے اپنے باقی رہ گئے تھے۔ اس کی بیداری اور اس کی نیند دونوں اللہ ہی کی ہو چکی تھیں۔ جو اپنی "توجہ اختیاری" کے سارے رشتوں کو ماسوا سے توڑ کر صرف اللہ سے جوڑ چکا تھا[1] اس کی "توجہ اضطراری" میں کب غیر کا دخل ممکن تھا۔ دیکھنی ہو تو آگ کے تنور میں لے جا کر "اذا قال لہ ربہ" تو دیکھ لو کہ آگ یا انگارا بن جائے گا۔ ابراہیم اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے کو رضائے الٰہی کے آستانہ پر جھونک کر اپنے شعور و حواس، اپنا احساس و ادراک، اپنی بیداری و خواب کے مالک ہی کب تھے۔

رات کا ماجرا صبح کو اپنے بیٹے سے بیان فرماتے ہیں۔ چشم بصیرت کو جو کچھ دکھایا اور سمجھایا گیا، جس دل سے اور جس زبان سے بھی ممکن ہوا فانظر ماذا ترٰی صاحبزادہ کے سامنے بیان فرماتے ہیں۔ اور بیان کر کے رائے و مشورہ طلب کرتے ہیں۔ کہ جان پدر اب کہو کیا کہتے ہو؟ دنیا میں آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے سے سوال کیا ہے؟ شفیق باپ نے نہ سہی کسی ظالم و بے درد باپ نے بھی اپنی اولاد سے اس کے قتل کر ڈالنے کا مشورہ کیا ہے؟ عزیز و محبوب اولاد نہ سہی، نالائق و بدخصال اولاد سے بھی اس نے ذبح کر ڈالنے کی صلاح پوچھی ہے؟ بیٹا جواب دیتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے۔ جو نہ اس سے قبل اور نہ اس کے بعد کبھی کسی بیٹے نے اپنے باپ کو دیا۔ عرض کرتے ہیں کہ ابا جان جو کچھ حکم ملا ہے اس قال یا ابت افعل ما تؤمر کی تعمیل فرمائیے۔ اگر اللہ چاہے گا تو ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ جواب کے الفاظ پر ایک بار پھر نظر ہو۔ "خواب" کا نام سن کر آج کل کے "روشن خیال محققین" کی طرح یہ جرح نہیں کرتے کہ خواب و خیال کا کیا اعتبار۔ معلوم نہیں آپ نے کن اسباب طبعی کے جمع ہو جانے پر ایسا خواب دیکھا اور پھر یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ آپ نے خواب میں دیکھا ہے، اس پر خواہ مخواہ آپ عمل بھی کر گذریں۔ "بیٹا" معمولی انسانوں کا بیٹا نہ تھا۔ قرآن ہی کی زبان میں صالح تھا، حلیم تھا۔ صادق الوعد تھا۔ سچے باپ کا سچا بیٹا تھا۔ منصب نبوت کا مرتبہ شناس تھا۔ جانتا تھا کہ انبیاء کے خواب پر غیر انبیاء کی کتنی بیداریاں قربان ہیں۔ خواب اور خواب کی تعبیر اس کے صدق و کذب پر ادنیٰ سی بحث بھی نہیں کی۔ بلکہ خواب کو صاف حکم الٰہی "ما تؤمر" سے تعبیر کیا۔ جانتا تھا کہ سچے کے دل پر جو کچھ القا ہوتا ہے، وہ سچ ہی ہوتا ہے خواہ القا اس وقت کیا جائے جب چشم ظاہر کھلی ہوتی ہے۔ یا اس وقت جبکہ چشم ظاہر بند ہوتی ہے۔ امر الٰہی ہر حال میں امر الٰہی ہی ہے۔ معاً دلیری و جواں مردی کے ساتھ اپنی جان کو قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ کچھ یہ نہ تھا کہ صدمات و مصائب سہتے سہتے طبیعت زندگی سے بیزار ہو چکی ہو۔ یا سن کی زیادتی نے دل دنیا سے سیر کر دیا ہو۔ نو عمری کا زمانہ تھا۔ امنگوں اور ولولوں کا سن تھا۔ طبیعت دنیا کی تلخیوں سے ناآشنا تھی۔ ابھی تک وقت دنیا اور اس کی دلچسپیوں کو چھوڑ رہا تھا نہ رنج و طبیعت پریشان تھا۔ اور ناگواری کو گوارا کر لینے کا نام "صبر" ہے چنانچہ اپنے تئیں "صابرین" میں شمار کر کے یہ سارا مفہوم ادا کر دیا۔ یہ دعوٰی صبر زبان پر آ تو گیا۔ لیکن معصوم قلب کی معصوم زبان کو گوارا نہ ہوا کہ اس دعوے میں ذرہ بھر بھی انانیت آنے پاتے۔ اس لئے اس کے قبل ہی لفظ "ان شاء اللہ" بھی ارشاد ہوتا ہے، یعنی یہ صبر و تحمل، یہ امتحان میں پورا اترنا بھی محض توفیق الٰہی ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اور اسی کا بھروسہ ہے۔

ابراہیم دعوائے اسلام بارہا کر چکے تھے۔ اپنے دعوے کا ثبوت اپنے عمل سے ساری عمر پیش کرتے رہے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کو "فرماں بردار" کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ خدا معلوم کتنے فرمانوں کی تعمیل کر چکے تھے۔ ابراہیم بازار محبت میں سودا کرنے کو نکلے تھے۔ معلوم نہیں آج سے پیشتر کتنی بار اپنی جان و مال، اپنی عزت و ناموس کے کھیسے اس سودے پر نثار کر چکے تھے۔ لیکن آج کی آزمائش سب سے نرالی آج کا امتحان سب سے کڑا۔ آج کی گھڑی سب سے زیادہ نازک تھی دنیا کی تاریخ میں، کائنات کی عمر میں، موجودات انسانی کی ساری روداد حیات میں یہ منظر بھی اپنی نظیر سے خالی ہے۔ ننانوے[2] سال کا ایک پیر دیرینہ سال ہے۔ جس کی ساری عمر کی کمائی، ساری امیدوں اور آرزوؤں کا چراغ ایک ہی شاداب و شگفتہ نونہال ہے۔ وعدہ یہی تھا اور اس کا وعدہ تھا جس کی رحمت کی آس بڑے بڑے مجرم اور باغی تک کو رہتی ہے۔ کہ یہ اولاد پھلے گی، پھولے گی۔ اور اسی کی نسل سے وہ ہستی پیدا کی جائے گی (صلے اللہ علیہ وسلم) جو سارے زمین و آسمان کون و مکان اور سلسلۂ موجودات کے وجود میں لانے کا باعث ہے، وعدہ یہ تھا۔ اور اسی وعدہ کے آسرے پر ابراہیم بڑھاپے کی منزلیں جوانوں کی زندہ دلی کے ساتھ طے کر رہے تھے۔ اور حکم یہ پہنچتا ہے۔ کہ اپنے اسی جگر کے ٹکڑے کو اپنے اسی آنکھوں کے تارے کو، اپنے اسی کلیجہ کی ٹھنڈک کو بے جرم و بے قصور ذبح کر ڈالو۔ جو ہاتھ اب تک شفقت و نازبرداری کے لئے وقف رہے تھے، انہیں سے اس معصوم کے حلق پر چھری پھیرو اور جو آنکھیں اب تک اسے دیکھ دیکھ کر تازگی و طراوت حاصل کرتی رہی ہیں۔ انہیں سے اس کے لاشۂ بے جان کو خاک میں تڑپتا اور خون میں پھڑکتا ہوا دیکھو۔ اللہ رے بے نیازی۔ کافروں اور منکروں کی اولادیں پروان چڑھ رہی ہیں۔ بدعہدوں اور ناشکروں کی نسلیں پھیلیں اور پھولیں۔ مجرموں اور باغیوں کو بے طلب یہ دولت پر

[1] انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض وما انا من المشرکین ۔ [2] حسب روایت توریت ۔

دولت ملتی رہے، لیکن وہ ساری عمر ترقی ہی کو لگائے بیٹھا رہا۔ وہ جس نے ساری زندگی بڑی ہی جوکھٹ پریشانی کرنے میں کردی۔ اسی کو حکم ہے کہ اپنی اولاد۔ اپنے ہاتھوں کی کھلائی ہوئی اولاد۔ اپنی گودوں کی پالی ہوئی اولاد کے حق میں جلاد ہوجائے۔ بڑھ کر جلاد اور سفاکوں سے بڑھ کر سفاک بن جائے۔ کیا ابراہیمؑ انسان نہ تھے؟ کیا وہ دل جو غیروں کے لئے موم سے زیادہ نرم تھا۔ اپنوں سے بڑھ کر اپنوں کے لئے پتھر کردیا گیا تھا؟ کیا جذبات پدری نہ سہی۔ جذبات بشری بھی اس بوڑھے باپ کے سینے میں مردہ کردیے گئے تھے؟ ابراہیمؑ دہکتی ہوئی آگ میں بے شک کود چکے تھے۔ اپنی جان بے شبہ نذر کرچکے تھے۔ لیکن آج مطالبہ یہ تھا کہ جو تحفہ جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہے، اسے نذر کردو۔

آج تصور کرنے والوں کے کلیجے دہلے جارہے ہیں۔ اس وقت کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اگر زمین و آسمان دہل گئے ہوں۔ اگر عرش و کرسی جنبش میں آگئے ہوں۔ اگر نور کے پتلے قدوسیان فلک لرز اٹھے ہوں تو کچھ بھی عجب نہیں۔ ابراہیمؑ نے بڑے دعوے کا اعلان کیا تھا۔ کہا تھا انا اول المسلمین آج اس دعوے کا امتحان تھا۔ اتنا بڑا دعویٰ کس نے کیا تھا؟ پھر امتحان بھی ایسا ہی ہوا جیسا اب تک کسی کا نہیں ہوا تھا۔ تو کون سی حیرت کی بات ہوئی؟ بہرحال امتحان ہوا اور بندۂ فرماں بردار امتحان میں پورا اترا۔ وہی ہاتھ جنہیں اٹھا اٹھا کر کبھی اس نور نظر کے وجود میں آنے کی دعائیں کی گئی تھیں۔ آج اس لخت جگر نور نظر پر پیشانی کے بل گرا کر اس کے گلے پر فلما اسلما وتلہ للجبین چھری پھیرنے کو آمادہ ہوگئے۔ اس وقت جاکر معلوم ہوا کہ ایک مشت خاک نے نور پاک کے ساتھ محبت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ دعویٰ سچا تھا۔ اس وقت جاکر ابراہیمؑ کا اسلام معتبر و مستند ہوا۔ اس وقت جاکر ثابت ہوا کہ اسلام لانے والے ایسے ہوتے ہیں۔ اس وقت اگر چھری چلتی تو انسان کا گلا کٹ محض ایک بچہ ذبح ہوکر نہ رہتی، معصومیت ذبح ہورہی تھی۔ روح انسانیت کے حلق پر خنجر چل رہا تھا۔ جان کائنات تو خنجر آرہی تھی۔

باپ اور بیٹے کا اسلام کی میزان پر کانٹے کی تول پورا اترتا تھا کہ عالم قدس سے ندا آئی کہ ابراہیمؑ تم نے خواب سچا کر دکھایا۔

وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين ان هذا لهو البلاء المبين

سب سے بڑی نذر جو دنیا میں کوئی پیش کرسکتا تھا۔ وہ تم نے پیش کردی تم نے وہ قربانی پیش کردی جس سے بڑھ کر نہ تم سے پہلے کسی نے پیش کی تھی۔ نہ تمہارے بعد کوئی پیش کرے گا۔ "بلاء مبین" واضح کردینے والا کھوٹے کو کھرے سے الگ کردینے والا امتحان تمہارا ہی تھا۔ جان لینا مقصود نہ تھا صرف تمہارے تقویٰ اور تمہارے اسلام کی جانچ کرکے اس کا انعام دینا مقصود تھا۔ اور دیکھنا کہ ہم نیک کرداروں کو کس طرح انعام سے سرفراز کرتے رہتے ہیں۔ اور عشق کی پرواز فرمایا کس عقل کے محدود پیمانہ میں سما سکتی ہیں۔ قربانی طلب ہوئی تو کس کی؟ اس اسمٰعیلؑ کی۔ جو اس قابل تھا کہ ایک عالم اس پر قربان کردیا جائے اور عجب! دہرے ولولۂ شوق اور جوش نیاز میں یہ نذر حاضر کردی گئی تو حکم ہوتا ہے کہ واپس لے جاؤ۔

طغیان ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل
آمد بزیر خنجر و بسملش نمی کنند

مفسرین کا بیان ہے کہ جس وقت باپ نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور بیٹے کے ہاتھوں اور پیروں کو رسی سے جکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیری ہے۔ تو فوراً ایک مینڈھے کو جنت سے لاکر اس کی جگہ لٹا دیا گیا۔ چھری کی دھار نے اسی مینڈھے کو ذبح کیا۔ اور اس مینڈھے کی قربانی کو اسمٰعیلؑ کا فدیہ بنا دیا گیا۔ یہ ہوا ہوگا لیکن اللہ جس فدیہ کو عظیم بتائے جس قربانی کو "بڑا بدلہ" ٹھیرائے۔ اسے کہیں ایک مینڈھے سے محدود کیا جاسکتا ہے۔

وفديناه بذبح عظيم ۔ وتركنا عليه في الآخرين سلام على ابراهيم كذلك نجزي المحسنين

اب ابراہیمؑ کو نظر آیا۔ اسمٰعیلؑ کو نظر آیا اور خیر وہ دونوں تو اللہ کے پیارے تھے۔ انہیں تو نظر آنا ہی تھا۔ اللہ سے بیگانوں۔ اللہ کے دشمنوں تک کو نظر آگیا کہ اللہ کا وعدہ جھوٹا ہونے والا نہ تھا۔ اور نہ جھوٹا ہوا۔ "فرزند حلیم" کی جو بشارت دی گئی تھی بڑی قربانی سے بدلہ دینے کی جو نوید سنائی گئی تھی، ابراہیمؑ کی نیک نامی دنیا میں باقی رہنے کا جو وعدہ کیا گیا وترکنا علیہ فی الآخرین، ابراہیمؑ کے نام پر جو سلامتی اتاری گئی تھی اس سب کا ظہور آج چشم کائنات نور البصیرت ہی سے نہیں۔ ظاہری اور مادی آنکھوں سے بھی دیکھ رہی ہے۔ آذر اور اس کی قوم کے بڑے بڑے ماہرین فنون لطیفہ "ARTISTS" آج کس معنی میں بھی زندہ ہیں؟ شداد اور اس کی بہشت کا نام لیوا آج دنیا کے کس حصہ میں کوئی بھی موجود ہے؟ کلدانیہ اور اس کی تہذیب و تمدن پر فاتحہ پڑھنے والا بھی آج اس دنیا کے کسی حصہ میں کوئی بستا ہے؟ اللہ کے دشمنوں کی، اللہ کے دوست کے دشمنوں کی نسل کا وجود پردۂ ہستی پر کہیں بھی باقی ہے؟ لیکن ملت ابراہیمی کا نام آج دنیا کے کس گوشہ میں روشن نہیں؟ ابراہیمؑ کے دین حنیف کی چمک آج روئے زمین کے کس حصہ میں اجالا نہیں پھیلا رہی ہے ہر سال لاکھوں مسلمان پابندی کے ساتھ اقوام عالم کے مرکز میں جمع ہوکر آج کس کی یاد میں صفا و مروہ کے میدان میں دیوانہ وار دوڑا کرتے ہیں؟ ہر سال بے شمار مسلمان چین سے، بخارا سے، افغانستان سے، ترکی سے، مصر سے، ہندوستان سے، جاوا سے، ایران سے، شام سے، عراق سے، طرابلس سے، مراقش سے اور خود فرنگستان سے موسم کی سختیاں جھیل جھیل کر، سفر کی تکلیفیں اٹھا اٹھا کر کس کے نعرے لگاتے ہوئے

بیت اللہ کے گرد چکر کاٹنے کے لئے مضطرب و بیتاب نظر آیا کرتے ہیں ؟ مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے ہر شہر میں، ہر قصبہ میں، ہر قریہ میں جہاں چند مسلمان بھی بستے ہیں ہر سال عید الضحیٰ کے موقع پر کس کی قربانی کی یادگار منائی جاتی ہے، کروڑوں بندگان خدا، ہر سال نہیں ہر ماہ، ہر ہفتہ نہیں ہر روز اور ہر روز میں پانچ پانچ وقت اور ہر وقت بھی کتنی کتنی رکعتوں میں اللہ کی یاد کے ساتھ اس کے دو بزرگ ترین بندوں کا بھی نام جپتے ہیں خالق کی عبادت بھی جن دو انسانوں کے نام پر سلام و رحمت بھیجے بغیر مکمل نہ ہو سکے، یہ شرف ساری کائنات میں بجز اللہ کے حبیب اور اللہ کے خلیل کے کسی مخلوق کے حصہ میں آیا ہے؟ اور یہ انعام ذات خلیل پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کا دروازہ راہ خلیل کے ہر رہرو کے لئے اس کے ظرف و استعداد کے موافق ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا ہے وکذالک نجزی المحسنین، اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا
اے پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین کے تو ہی ہے دوست میرا بیچ دنیا کے
اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو میرا کارساز ہے دنیا میں بھی
وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ
اور آخرت کے فوت کر مجھ کو مطیع اپنا اور ملا دے مجھ کو ساتھ صالحوں کے
اور آخرت میں بھی مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے۔ اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل
ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ
یہ ہے خبروں غیب کی سے کہ وحی کرتے ہیں ہم طرف تیرے اور نہیں تھا تو
اے محمد یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم نے وحی کے ذریعہ تم کو بتایا۔ کیونکہ تم یوسف کے بھائیوں کے پاس موجود نہ تھے

حضرت یعقوب کا جب مصر میں وفات کا وقت آیا تب یوسف کو وصیت کی تھی کہ مجھ کو ملک شام میں [illegible] چنانچہ یوسف نے ایسا ہی کیا [illegible] ساتھ یوسف کے علاوہ [illegible] مصر بھی [illegible] جب یعقوب کی لاش مبارک شام [illegible] وہاں انتقال ہو گیا [illegible] حضرت [illegible] جس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی [illegible] ساتھ [illegible] واقعات [illegible]

[illegible] حضرت موسیٰ کے وقت میں ہوا وہ بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا۔

حضرت یوسف [illegible] حضرت موسیٰ [illegible]

حل لغات۔ [illegible]

فاطر السموات [illegible] فطرۃ [illegible] فاطر [illegible] قرات القرآن۔

مولوی نور محمد صاحب کا مشہور ترین معجز نما متوسط قرآن شریف دو ترجمہ والا جدید ایڈیشن

[illegible]

یہ وہ مشہور و معروف قرآن شریف ہے [illegible]

[illegible] ترجمہ والا قرآن شریف ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] تک مجلد ترجمی [illegible] چار روپے جلد قسم دوم [illegible] قسم اول چار روپے [illegible]

[illegible]

ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ ایشیا - دہلی -

عید کے دن دو بچاریاں

(سپیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ)

دیکھنا یہ اندلس کا شہر اغمات ہے، وہ سامنے ایک مختصر مکان ہے جس کے دروازہ پر عرب تلوار ہاتھ میں لئے پہرہ دے رہے ہیں۔ اور ان کا سردار عید کے مکلف لباس میں بنا ٹھنا کرسی پر بیٹھا ہے جس کے سامنے دو مقبول صورت لڑکیاں کھڑی گا رہی ہیں۔ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، چہرے زرد ہیں، آنکھوں میں حلقے پڑے ہیں، ننگے پاؤں ہیں جن میں کیچڑ لگی ہوئی ہے۔

آوازیں دونوں کی اچھی ہیں، یہ گیت بھی مبارکباد عید کا ہے۔ مگر سننے والوں پر اثر اناشا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے گلے سے صدا بلند کرتی ہیں، تو وہ درد و غم کی بجلی خود بخود کوندنے لگتی ہے۔

انہوں نے گایا آج حج کی عید ہے، خدا کے راستہ میں سفر کرنے والوں کا دن ہے، یہ اس قوم کا یوم مسرت ہے، جو اندلس میں حکومت کرتی ہے۔ مبارک ہو سننے والوں کو ہم روٹی کے لئے مبارکباد گاتے ہیں۔ ہمیں انعام درکار نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے باپ نے اس ملک کی بہت سی عیدوں میں انعام بانٹے ہیں۔ ہم امیر المومنین معتمد علی اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ جو اس مکان کے اندر قید ہے۔

گاتے گاتے لڑکیاں رونے لگیں، اور پہرہ داروں کے داروغہ کو ان کے گانے اور رونے پر تعجب ہونے لگا۔ تو اس نے پوچھا کیا تم خلیفہ معتمد علی اللہ کی بیٹیاں ہو۔ جو اس مکان میں قید ہے۔ لڑکیوں نے روتے روتے جواب دیا۔ ہم نے تو ایک شاعر کا کلام سنایا ہے۔ کیا ہم ایک عزت والے خلیفہ کے نام کو بٹہ لگائیں گے۔ یہ کہہ کر کہ ہاں ہم اس کے گھر پیدا ہوئے تھے۔

داروغہ لڑکیوں کو ساتھ لے کر مکان کے اندر گیا، جہاں ایک عرب بیڑیاں پہنے بیٹھا تھا۔ بیڑیوں کی رگڑ سے اس کے ٹخنے سیاہ اور زخمی ہو رہے تھے۔ جوں ہی اس نے ان لڑکیوں کو دیکھا، تو بے اختیار ہو کر یہ شعر پڑھنے شروع کئے۔

> کچھ دن پہلے اشبیلیہ میں میری خوشی لبریز رہتی تھی، اور آج اغمات میں ایسی غمگین عید سے سابقہ پڑا۔ دیکھو میری بچیوں کو دیکھو۔ جو پیٹ بھرنے کے لئے خلقت کو گانا سناتی پھرتی ہیں، اور آج مجھکو دیکھنے آئی ہیں کہ میں عید کی خوشی میں ان کے دل کو محبت کرنے والے باپ کی طرح مسرور کروں۔ مگر مجھکو یہ میسر نہیں ہے، میں تو خود ایک ذلیل قیدی بنا ہوا ہوں۔ اے لڑکیو تمہاری مایوس نگاہیں جو کچھ کہہ رہی ہیں۔ وہ اچھی طرح میری سمجھ میں آتا ہے۔ تمہارے پھٹے ہوئے کپڑے، ننگے پاؤں کیچڑ میں لت پت دیکھکر مجھے یاد آتا ہے۔ کہ کچھ دن پہلے تم ہی ریشمی کپڑوں کی مالک تھیں۔ اور مشک و کافور کو روندتی ہوئی محلوں میں پھرتی تھیں۔ تم نے داروغہ جیل کو عید کا ترانہ خوب سنایا یہ دنیا کے جیلخانہ میں فانی خوشی کے متوالوں کا نشہ ہرن کر دے گا۔ اور پھر کوئی شخص اس دولت و حکومت پر گھمنڈ نہ کرے گا۔ جو خواب کی مثل ہے اور بیداری کے بعد نابود ہو جاتی ہے۔ میں اس ملک کا تاجدار ہوں۔ کیا واقعی مجھ پر ایسا انقلاب آیا۔ کیا سچ مچ میری بیٹیاں بازاروں میں گا گا کر پیٹ پالتی ہیں۔

۴۸۴ ہجری کی بقرعید کا یہ ذکر ہے۔ ۱۳۵۱ ہجری کی بقرعید میں یہ سچا افسانہ عیش کے مغروروں کو چونکا دے گا۔

معتمد علی اللہ ابوالقاسم محمد بن المعتضد باللہ خلیفہ اندلس یہی ہے جس کو یوسف بن تاشفین والی مراکش نے شکست دے کر یہاں قید کیا تھا۔

معتمد علی اللہ کی یہ بیچاری لڑکیاں سارے اندلس میں شہرہ آفاق لڑکیاں تھیں۔ ان کے لباس کی گھر گھر تقلید کی جاتی تھی۔ ان کا کلام بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ ان کے عیش خانوں کی ملکوں ملکوں دھوم تھی۔ مگر ایک ہی انقلاب کے بعد خلقت نے سب کچھ فراموش کر دیا۔ اور یہ بیچاریاں عید کے دن گانا سنا کر روٹی مانگ رہی ہیں۔

کیا یہ فقط اندلس کا ایک انوکھا واقعہ تھا۔ جس دہلی کے رسالہ میں یہ مضمون چھپے گا۔ وہاں اندلس سے بڑھکر کوئی مثال نہ ملے گی۔ نہیں یہ خیال نہ کرو۔ تم عید کی مبارکبادوں کو سن چکو۔ اور عید کا لڈوں کو پڑھکر فارغ ہو جاؤ۔ تو میں تم کو اس دنیا کے عجائبات کی تصویر دہلی کے ان علاقوں میں دکھاؤں۔ جہاں تیموریہ خاندان کے شہزادے اور شہزادیاں رہتے ہیں۔ اور جن کے لئے ہر عید قیامت کا غم لاتی ہے۔ لیکن تم چند دن میں بیٹھے باجے بجاتے اور عیش اڑاتے ہو۔

اے اندلس تجھ میں دو چار ایسے گذرے ہوں گے۔ دہلی میں سو دو چار ایسے موجود ہیں۔ تو بتا تو زیادہ عبرت نما ہے یا میری دہلی۔

قربانی کی حقیقت

(از جناب مولانا عبد الماجد صاحب بی اے مدیر سچ)

حج کا موسم آگیا۔ دیار حبیب کی زیارت کی گھڑی آگئی۔ دیوانوں کے جوش جنوں کے تازہ ہونے کا زمانہ آن لگا۔ بچھڑے ہوؤں کے ملنے کا وقت آپہنچا۔ جن جن کے نصیب میں تھا، وہ باوجود ہر طرح کی بے سروسامانی کے اپنے دور دراز وطن سے چل کر سخت گرمی کے موسم میں طویل سفر کی کلفتیں اٹھا کر عرب کے تپتے ہوئے آفتاب، حجاز کی جھلسا دینے والی لو، ریگستان کی تپتی ہوئی زمین، گوارا کرتے، امیر غریب لاکھوں کی تعداد میں سب ایک ہی قسم کا لباس پہنے، سب ایک ہی چادر اوڑھے، اور ایک ہی تہمد باندھے۔ اپنے ایک ہی پیارے کی یاد میں، اپنے ایک ہی دلارے کی دھن میں اسی کا نام جپتے، اسی کی بڑائی پکارتے، سعی و طواف، حج و زیارت میں مشغول ہیں۔ آپ کا شمار اگر اب کے سال کے ان خوش نصیبوں میں نہیں، تو کیا خدانخواستہ آپ کے دل میں بھی اس کے لئے کوئی طلب اور کوئی تڑپ، ذوق و شوق، کوئی جذبہ و ولولہ موجود نہیں۔

اگر طلب صادق رکھنے کو باوجود اب کے سال حاضری کی سعادت آپ نہ حاصل کرسکے تو زیادہ غم نہ کیجئے، اگر آپ اپنی بستی میں تو اپنے ایمانی بھائیوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے رب کعبہ کے آگے اپنا سر بہرحال جھکا ہی سکتے ہیں، اور اپنے مکان پر دوگانہ ادا کرکے امین کی بڑائیاں تو شب و روز پکار ہی سکتے ہیں، خانہ کعبہ کا معمار اول، دنیا کا یگانہ اور بڑا موحد پروردگار عالم کا دوست آپ ہی جیسا انسان تھا، اس کی بڑی قربانی کی یاد منانے کو آج ساری دنیائے اسلام قربانیاں کر رہی ہے، جس حضرت نے تو اتنا بڑا قربانی کرنے اس کی قربانی کو یہ حسن قبول عطا فرمایا، کیا وہ آپ کی قربانی قبول نہ کریگا؟ لیکن خود آپ بھی اپنی قربانی مقبول کرانے کی کوشش فرماتے ہیں، کیا قربانی محض ایک بے حقیقت رسم ہے جو محض چند روپیہ کے خرچ سے ایک جانور خرید کر ذبح کردینے سے پوری طرح ادا ہو جاتی ہے، کیا اللہ

"میری زندگی اور میری موت سب کچھ پروردگار عالم ہی کے لئے ہے"

یہ اس کا قول تھا، اپنی پیاری اولاد کو خدا کی راہ میں چھری کے نیچے لے آنا یہ اس کا عمل تھا، آپ کا عمل اس عمل سے کوئی مناسبت رکھتا ہے؟ ایک وہ تھا جو اولاد کے حلق پر چھری پھیر رہا تھا، ایک مسلم آپ ہیں کہ جب آپ سے کہا جاتا ہے کہ اپنی اولاد کو بجائے فرنگی قالب میں ڈھالنے کے، خدمت دین کے لئے تیار کیجئے، تو آپ ایسی تجویزوں کو تمسخر کے قابل سمجھتے ہیں۔ پھر آپ کو کیا حق ہے کہ آپ بھی اپنی قربانیوں کے مقبول ہونے کی کوئی توقع قائم کرسکیں؟ قربانی کا موسم تو خاص ایثار و تحمل، بے نفسی و بے لوثی، خدمت و خلوص کے جذبات کی ترقی و پائندگی کا زمانہ ہونا چاہیئے۔ لیکن پھر کیا ہے، کہ اپنے وطنی بھائیوں کی نادانیوں کے جواب میں آپ بھی نادان بن جاتے ہیں۔ اور ان کی ضد کا جواب اپنی ضد سے دینے لگتے ہیں؟ دین کے اہم مقصدوں اور امت اسلامیہ کی وسیع مصلحتوں کے لئے تو آپ کو بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ خودی انتقامی جذبات کی قربانی، تو بہت ہی ہلکی قربانی ہے۔ کیا خدانخواستہ آپ اتنی ہلکی قربانی کے لئے بھی آمادہ نہیں۔

پہلا سبق

(از جناب مولانا عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی)

سچائی کی راہ میں جو بڑی سے بڑی آزمائشیں پیش آتی رہتی ہیں ان میں شاید سب سے بڑی آزمائش وہ ہے جو بیوی بچوں، اہل و عیال، خاندان، کنبہ کے راستے سے ڈالی جاتی ہے۔ جری انسان اپنی ذات کے لئے سخت سے سخت تکلیف جھیل لیتا ہے، بڑی سے بڑی مصیبت سہ لیتا ہے، لیکن جہاں پیاری بیوی اور پیارے بچوں کا قدم درمیان میں آیا، بہتوں کے پیر پھسل جاتے ہیں، اکثروں کی ہمت جواب دے دیتی ہے، اور خدا معلوم کتنے اپنی ہار مان لیتے ہیں۔ زندگی کا جو کھلا ہوا حصہ عام نظروں کے سامنے رہتا ہے، اس میں معمولی انسان بھی شہرت و ناموری و نیکنامی کے اثر سے بعض اوقات بڑی ہمت دکھا جاتا ہے۔ لیکن زندگی کے اندرونی حصہ پر کسی کی نظر نہیں پڑتی۔ پوری ہمت و دلیری کا ثبوت دنیا تاریخ کا نہایت کے شاذ ترین واقعات میں سے ہے۔

اسی پر وہ زمین پر ایک زمانہ میں ہمارا ہی جیسا خاکی انسان ایک اور بھی گذرا ہے۔ جس نے گمراہوں اور بھٹکے ہوؤں کے درمیان پیدا ہو کر پرورش پا کر، ہو کر ہدایت پائی، اور پھر اسی راہ کی جانب سب کو بلانا شروع کیا، قوم دشمن، بادشاہ دشمن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود باپ تک دشمن توحید کی منادی کرنے والوں کو ہر قوم اور ہر زمانہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے جو کچھ پیش آتا رہا ہے، وہ سب اس بڑے موحد کو پیش آیا۔ یہاں تک کہ اسے دہکتے ہوئے انگاروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان جھونک دیا گیا، لیکن قدرت کاملہ کی نیرنگیاں اس آگ کو گلزار بنا کر دیں۔ پہلے زندگی کے ان سارے امتحانات سے گذرنے کے بعد اس امتحان کی باری آئی۔ جو ان آزمائشوں سے زیادہ صبر آزما، زیادہ دشوار اور زیادہ کٹھن تھا۔

ایک شب کو عالم رویا میں اشارہ ہوتا ہے۔ کہ اپنے لخت جگر، نیچین کو ہماری راہ میں ذبح کر دو۔ انسانی تمدن اس وقت تک اس منزل میں نہیں پہنچا تھا۔ کہ انسانی قربانی حرام ہوتی۔ صبح ہوتے ہی رویا کی سرگذشت لڑکے سے بیان ہوتی ہے۔ اور جان نثار کرنے والا باپ خود پوچھتا ہے کہ بیٹا اب کیا کہتے ہو؟ قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا ترٰی۔ بیٹا بھی کس باپ کا تھا، کس کا خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ کس فضا میں اس نے پرورش پائی تھی جانتا تھا کہ باپ کے کشفی اشارات کیا معنی رکھتے ہیں۔ واقف تھا کہ لوح دل کے صاف، بے زنگ ہو جانے کے بعد غیب کے نقش عالم رویا میں کس آسانی کے ساتھ انسان کی طبیعت قبول کر لیتی ہے۔ بے جھجک ہو کر، دنیا کی ساری بہاروں کی طرف سے بے پروا ہو کر، کائنات مادی کی ساری لذتوں اور دلکشیوں سے بے نیازی برت کر جواب دیتا ہے کہ ابا جان آپ کو جو کچھ حکم ملا ہے، بسم اللہ، اس کی تعمیل فرمائیے۔ پروردگار کے فضل و کرم سے بندے امید ہے کہ میرے قدم کو لغزش نہ ہوگی اور میں صبر کی راہ سے نہ ڈگمگاؤں گا۔ قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔

کچھ یہ نہ تھا کہ باپ کی بہت سی اولادیں ہوں۔ جن سے دل اکتا چکا ہو۔ صرف یہی ایک اکلوتی اولاد تھی۔ بلکہ ایسا نہ تھا کہ آئندہ کسی اولاد کی توقع ہو سکتی۔ یہ بات بھی نہ تھی کہ اولاد کی طرف سے کوئی خلقی بے التفاتی ہو۔ تمنا اور آرزو، دعا و التجا کے بعد خدمت دین کے لئے ایک خوشخو فرزند کی بشارت بڑھاپے میں ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد کہیں جا کر گھر میں ایک چاند کی صورت نظر آئی تھی۔ رب ھب لی من الصالحین۔ فبشرنٰہ بغلام حلیم۔ توریت (کتاب پیدائش) کی روایت ہے کہ یہ اولاد چھیاسی سال کی عمر میں عطا ہوئی تھی اس سن میں جب کسی کا ایک اکلوتا لڑکا ہو۔ اور اس لڑکے سے خدمات دین کی توقع ہو۔ اسی فرزند دلبند کے لئے باپ کو یہ حکم ہو کہ اسے پیدا ہوتے ہی نہیں۔ بلکہ جب وہ پل کر اچھا ہوشیار ہو لے جب ہر کام میں باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو جائے۔ جب رشد و ہونہاری کے آثار دیکھ دیکھ کر باپ کا دل باغ باغ ہونے لگے۔ جب علاوہ فطری محبت کے تربیت، پرورش، یکجائی کی بنا پر دل کا تعلق خوب مضبوط اور پختہ ہو لے۔ فلما بلغ معہ السعی۔ اس وقت یہ حکم پہنچتا ہے کہ کلیجے کے اس ٹکڑے کو، آنکھ کی اس ٹھنڈک کو، گلاب کے اس نازک و شاداب پھول کو بلا وجہ و بے قصور ہلاک کر ڈالو۔ کون انسانی قلب ہے۔ جو آج ہزاروں سال کے بعد محض اس قصہ کو سن کر تھرتھرا نہیں اٹھتا۔ بچپن اور نوعمری میں زندگی تلخیوں سے ناآشنا ہوتی ہے۔ جینے کی ہوس قدرتاً ہر دل میں ہوتی ہے۔ لیکن بیٹا معمولی انسانوں کا بیٹا نہ تھا۔ اللہ کے دوست کا بیٹا تھا۔ توحید کی منادی کرنے والے کا نور نظر تھا۔ معاً جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔ باپ کا دل صبر و توکل کی اس صحیح تصویر، رضا و تسلیم کی اس مجسم تفسیر کو دیکھ کر نہال ہو گیا۔ کوئی پبلک جلسہ نہیں، جو تماشائیوں کی داد و دل بڑھانے کے لئے ہو۔ کوئی میدان مناظرہ نہیں۔ جو شہرت و ناموری کا خیال ہمت بندھائے۔ ذبح کے حکم کا جاننے والا اور سننے والا کوئی دوسرا نہیں جو تعمیل نہ کرنے کی صورت میں بدنامی کا خوف ہو۔ معاملہ صرف بندہ اور پروردگار کے درمیان کا ہے۔ اس حال میں ایک طرف شفیق باپ ہے۔ اور دوسری طرف سعادتمند فرزند۔ دونوں

ایک ہی جذبۂ تسلیم و رضا سے سرشار۔ ایک ہی ذوق تعمیل سے بے قرار۔ فلما اسلما۔ ناز بردار باپ خلیل کو تیغ کا بنا کر ذبح کے لئے پیشانی کے بل اپنے نور نظر کو لٹا دیتا ہے۔ وتلہ للجبین۔

یہ ہوشربا منظر دیکھکر عالم بالا میں غلغلہ پڑ جاتا ہے۔ اور لوٹے ہوئے فرشتے ایک بار پھر اس حقیقت کی تصدیق پر مجبور ہوتے ہیں کہ امانت الٰہی وخلافت ربانی کے بار اٹھانے کی قوت اگر کسی میں ہے تو وہ خاک کے پتلے ہی کے جسم زار و ناتواں میں ہے۔ منا غیب سے بشارت پہنچتی ہے کہ ابراہیم تم سچے نکلے۔ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ محض ایک مخفی اشارہ پاکر عالم ناسوت کی بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کو آمادہ ہوگئے۔ اب اس ارادہ کو عمل میں لانے کی ضرورت نہیں۔ محض تمہارا عزم و خلوص۔ صبر و استقلال۔ تمہارے ہمت و ایثار کی آزمائش منظور تھی سو تم پورے نکلے۔ اب خزانۂ غیب سے تمہارے لئے انعامات ہیں اور بخششیں۔ معافیاں ہیں اور مہربانیاں ہیں الطاف ہیں اور عطایا۔ اور یہ لطف و نوازش تنہا تمہارے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ عام سنت الٰہی ہے۔ جو کوئی بھی اپنی طرف سے خلوص و رضا کا ثبوت دے گا وہ ایسے ہی داد و عطا کا سزاوار ہوگا۔ ونادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرویاء انا کذالک نجزی المحسنین۔ ان ھذا لھو البلاء المبین۔

خزانۂ غیب میں انعامات کی کمی نہیں۔ مبارک باپ اور مبارک بیٹے کو اور جو کچھ انعامات ملے ہوں یا آئندہ ملیں ان کا علم تو عالم الغیب ہی کو ہو سکتا ہے۔ البتہ اتنا تو ہر ظاہر بیں کو نظر آ رہا ہے کہ ہزارہا سال سے اس واقعہ کی یادگار روئے زمین پر قائم ہے اور دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں خدائے قدوس و برحق کے چند ماننے والے بھی موجود ہیں۔ ہر سال پورے اہتمام کے ساتھ ادا کی جا رہی ہے۔ یہ محض ایک ظاہری پہلو تھا۔ ورنہ جس "فدیہ" کو پروردگار عالم خود ہی "ذبح عظیم" فرمائے اس کی عظمت و وسعت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ اس کی بڑائی کی تہہ کو کون انسانی دماغ پا سکتا ہے۔ وفدیناہ بذبح عظیم۔ اس عبد مومن کی ثنا و توصیف قیامت تک باقی رہے گی۔ آئندہ نسلیں اس پر رحمتیں اور سلامتیاں بھیجنا اپنا فرض سمجھیں گی۔ اور یہ سب کچھ عین فطرت کے اس قانون کے مطابق ہوگا کہ ہر نیکی کی جزا ایسی ہی نیک دی جاتی ہے وترکنا علیہ فی الآخرین سلام علیٰ ابراھیم کذالک نجزی المحسنین ہ

اللہ کے اس بڑے فرماں بردار بندے، پروردگار عالم کے اس دوست کا قول یہ تھا کہ میری زندگی اور موت سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور عمل یہ تھا کہ اپنی عزت۔ اپنی جان، اپنی اولاد ہر شے قربانی کے لئے پیش کر دی۔ اللہ آج بھی وہی ہے، اس کی کرسی آج بھی برقرار ہے۔ اس کی داد و بخشش میں آج بھی ایک ذرہ کمی نہیں۔ اس کا خزانۂ غیب آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔ لیکن آج کوئی ابراہیم بھی ہے؟ جان و فرزند کا قربان کرنا الگ رہا۔ اپنی کسی معمولی سی معمولی راحت کو بھی اسلام پہ قربان کرنے کا جذبہ آج کسی میں زندہ ہے؟۔ ابراہیم خلیل اللہ کی زندگی کا یہی پہلا سبق ہے۔ ایمان کی کتاب کا یہی پہلا سبق ہے۔ اسلام کے مدرسہ کا بھی پہلا سبق ہے۔ ہے کوئی جو اس پہلے سبق کو بھی قبول کرے؟

عید قربان

(از جناب مولانا واحدی صاحب مدیر نظام المشائخ)

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد

ریگستان عرب جس کا ایک ایک ذرہ آج خداوند قدوس کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہے۔ وادی غیر ذی ذرع یعنی ارض مقدس جس کا چپہ چپہ حمد و صلوۃ کے نعرہ ہائے حق سے آج گونج رہا ہے، ابراہیم کدہ حجاز یعنی بلد امین جس کا ہر گلی کوچہ ملت حنیفہ کے عظیم الشان اجتماع سے آج فدویت ابراہیمی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جانتے ہو کہ یہ کن آثار خیر کی یادگار ہے۔ یقیناً جانتے ہو اور ہر مسلمان پر اس کا جاننا واجب ہے۔ اور ہر بارہ مہینہ کے بعد اس کی تکرار اور اس کا اعادہ باوجود بہتیرے اعراض و تغافل کے کبھی اس کو فراموش نہ ہونے دے گا۔

یوم الحج یا عید الضحیٰ کا عام اسلامی اجتماع اور تقریب قربانی کے فوائد و فلاسفی اب اس قدر عام ہیں اور اس کا ذکر اس قدر کثرت سے کیا گیا ہے کہ تقریباً ہر مسلم ہستی اس سے واقف اور باخبر ہو گئی ہے۔ لہٰذا اس یوم سعید و مسعود کے محاسن و برکات جو حیات ملی و قومی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں بیان کرنے کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ لیکن جس طرح عید الاضحیٰ کی تکرار ہر بارہ مہینے کے بعد اس لئے خداوند حکیم نے رکھی ہے کہ اس اسوۂ ابراہیمی علیہ التحیۃ والثنا سے لوگ مستفید ہوں اور زمین جو سرکش انسان کی سال بھر کی عصیاں شعاری سے مصیبت کدہ بن جاتی ہے اس یادگار فدویت و قربانی سے پھر کچھ دنوں کے لئے سچی خدا پرستی اور حقیقی اخوت اسلامی کا مرکز بن جائے اسی طرح اہل صحائف عید الاضحیٰ اور دوسری مذہبی تقاریب پر انشا پردازی کا اعادہ اس لئے کرتے ہیں کہ غافل اور بھول میں پڑ جانے والے انسان خواب غفلت سے بیدار ہوں اور سمجھیں کہ یہ یادگار عظیم و جلیل کس لئے قائم کی گئی ہے، اس کا منشا کیا ہے، اور ہمارے لئے اس میں کتنی بصیرتیں اور کس قدر پند و موعظت ہے۔

آج سے چار ہزار سال قبل اس وادی غیر ذی ذرع (بن کھیتی کی زمین) میں ایک بت تراش کے بت شکن اور خدا پرست فرزند نے یعنی دین حنیف کے داعی اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والثنا نے اپنے لخت جگر کی حکم ربانی اور رویائے صادقہ کی بنا پر راہ الٰہی میں قربانی چڑھائی تھی اور اپنی حقیقی خدا پرستی کا اس طرح ثبوت دیا تھا کہ اس خداوند ارض و سما کی راہ محبت و رضا جوئی میں جس کو بظاہر آثار فطرت کے مطالعہ سے جانا اور پہچانا تھا، ان کو کوئی قوت باز نہیں رکھ سکتی، یہاں تک کہ اپنے فرزند دلبند کو بھی اس کی راہ تسلیم و رضا میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا، اور ثابت کر دیا کہ استقامت فی التوحید سے ان کو کوئی محبوب سے محبوب اور عزیز سے عزیز شے بھی روک نہیں سکتی تھی۔ اور وہ حصول خوشنودی باری تبارک و تعالیٰ میں ہر ابتلا و آزمائش میں پڑنے اور اس میں ثابت قدم اترنے کے لئے تیار و مستعد ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے بار بار یہی خواب دیکھا کہ گویا وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، تو آپ نے سمجھ لیا کہ خداوند کا حکم یہی ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے اس طرح اس کا ذکر کیا۔ یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ یعنی اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے۔ چنانچہ آپ نے جواب دیا۔ یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ اے باپ جو کچھ آپ کو حکم ہوتا ہے وہ کر ڈالئے، اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر کی باتیں سنیں تو حکم خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت خلیل اللہ نے ان کو زمین پر ماتھے کے بل لٹایا۔ اور قریب تھا کہ شمشیر محبت الٰہی سے خدائے بزرگ و برتر کا ایک محبوب بندہ دوسرے صابر و شاکر بندہ کے گلوئے محبت کو ذبح کر ڈالے کہ خداوندی رحمت کا دریا جوش میں آیا۔ اور ندا آئی کہ اے ابراہیمؑ قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین۔ ان ھذا لھو البلاء المبین و فدینٰہ بذبح عظیم و ترکنا علیہ فی الاٰخرین سلام علیٰ ابراھیم انا کذالک نجزی المحسنین۔

یعنی اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، اسی طرح ہم بھلائی کرنے والوں کو بدلا دیتے ہیں۔ بے شک یہ صریح آزمائش اور کھلا ہوا امتحان ہے۔ اور اس کا بدلہ ایک ذبح عظیم کی صورت میں ہم نے تم کو دیا۔ اور اس کو آنے والی نسلوں پر ہمیشہ کے لئے واجب کر دیا۔ سلام ہو ابراہیمؑ پر۔ ہم یوں ہی نیکی کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

جب ابتلا و آزمائش کے تمام مراحل طے پا گئے۔ ایثار و قربانی اور فدویت و سرفروشی نے مکمل صورت اختیار کر لی۔ یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کا راہ خدا پرستی و جادۂ تسلیم و رضا جوئی میں ثبات ارادہ اور عزم و استقلال ثابت ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل کی جگہ دنبہ کو ذبح کرا دیا۔ کیونکہ مشیت ایزدی صرف یہ تھی کہ خدائے برحق کے مقابلہ میں ماسوا اللہ کی محبت ان باپ بیٹوں کے قلوب میں ذرہ برابر باقی نہ رہے اور جب ایک نے اپنی جان اور دوسرے نے روح رواں کو اپنے خدا کے حضور میں پیش کر دیا اور پوری طرح سے تیار ہو گئے تو مقصد حاصل ہو گیا۔ اور چونکہ یہ فعل انتہائے رضا جوئی معبود و استرضائے رب ودود پر مبنی تھا۔ اس لئے غایت محبوبیت کی وجہ سے اس کو آئندہ کے لئے بطریق یادگار خلیلی کے لئے امت مسلمہ پر واجب کر دیا کہ حضرت خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کے اس فعل محبوب سے ہمیشہ کے

لئے ان کی عظمت وجلال قائم ہو جائے۔ اور دوسروں کے لئے رشد وہدایت کا باعث ہو اور تاکہ یہ رسم قربانی ہمیشہ ان دونوں برگزیدگان خداوندی کی فدویت وسرفروشی کی یاد تازہ کرتی رہے۔ اور ان کو معلوم ہوتا رہے کہ دین حنیف کس ایثار وخلوص کا طالب ہے۔ اور ایمان کامل کیسے سخت روشنی ابتلا وآزمائش میں پڑنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ پھر کتنے لوگ ہیں جو عید قربان کے حقیقی اغراض ومقاصد کو سمجھتے اور ان پر کاربند ہوتے ہیں۔ کتنی مسلم ہستیاں ہیں جو قربانی کی اصل حقیقت اور اس کے مقصود ومفہوم کو اپنے اوپر طاری کرتے ہیں۔

کیا اس ذبح عظیم کا منشا صرف اسی قدر ہے کہ ہر سال چند جرعت ریزوں کے ذریعہ کسی جانور کے گلے پر چھری پھیر دی جائے اور بس۔ کیا سیدنا ابراہیم کی فدویت اور حضرت اسمٰعیل کے ایثار وسرفروشی میں کوئی درس بصیرت نہیں۔ کیا داعی دین حنیف کے اس فعل محبوب میں جس کو غایت پسندیدگی کی بنا پر اللہ عزوجل نے قیامت تک کے لئے یادگار بنا دیا۔ کوئی وجہ موعظت نہیں؟

اگر اس یادگار خلیل اور اس ذبح عظیم کا کوئی مقصد نہیں۔ اگر اس یوم قربان میں کوئی دعوت خیر نہیں تو حیف ہے اس یادگار اور ربانی یادگار پر کہ اس کو ایک عمل حکمت وموعظت سے خالی ہے۔ لیکن تم یقین کرو کہ ایسا نہیں ہے۔ یعنی اس اسوۂ خلیل الٰہی میں تمہارے لئے بہت کچھ عبرت وبصیرت کا سامان مخفی ہے۔ وہ ایک کھلی ہوئی دعوت ہے۔ جو خدا کی مخلوق کو اس کے حضور میں ایثار کامل کے ساتھ حاضر ہونے کی رہنمائی کر رہی ہے۔ وہ ایک اعلان ہے جس میں حیات ملی کا زبردست اصول نمایاں حروف میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ وہ ایک زبردست پکار ہے جس کے ذریعہ خدا نے ابراہیم اپنے بندوں سے محبوب ترین اشیا کی قربانی کا اپنے لئے مطالبہ کرتا ہے۔ یعنی یہ ذبح عظیم ایک ایسی یادگار ہے جس میں پیروان دین حنیف سے رضائے الٰہی اور خوشنودی خداوندی حاصل کرنے کے صلہ میں ان کی جان و مال اور اولاد تک طلب کی گئی ہے۔ ورنہ محض جانوروں کا خون بہا دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے ملن ینال اللہ لحومہا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔

یعنی خدا کے حضور میں گوشت وخون نہیں پہنچتا۔ بلکہ وہاں تو صرف تمہارا تقوی اور تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ پھر اگر یہ سچ ہے تو کیوں قربانی کے مفہوم سے اعراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ آج ملت بیضا ایثار وفدویت کی طلبگار ہے۔ خدا کی زمین فتنہ وشر سے بھر گئی ہے۔ حق کا بیڑا تلاطم خیز طوفان میں پھنس گیا ہے۔ دین حنیف کی کشتی ریم ورجا کے طوفانی سمندر میں ڈگمگا رہی ہے۔ مگر کوئی نہیں جو اللہ کی محبت ورضاجوئی کے لئے اپنے ذاتی اغراض کو قربان کر دے۔ اور اس ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچالے اور اس تباہ ہونے والے بیڑے کو گرداب بلا سے نکال کر ساحل مراد پر لگا دے۔ دلوں کی آبادی خوف ومحبت سے خالی ہوگئی۔ انسان کی روحیں رضائے الٰہی کے حصول سے بے نیاز ہوگئیں۔ نفس وشیطان نے اپنا تسلط جما لیا۔ مگر کوئی نہیں جو ابراہیم کے قائم کردہ اسوۂ حسنہ کی پیروی کرے اور اللہ کے ماسوا اللہ کو بھول جائے۔

ہر سال لاکھوں بھیڑ بکریاں موت کے گھاٹ اتاری جاتی ہیں جو زیادہ تر فساد نیت اور محض نام ونمود یا رسم ورواج کی ماتحت ہوتی ہیں مگر ایک لمحہ کے لئے کوئی نہیں سوچتا کہ اس کی اصل غایت کیا ہے۔ جس طرح سال بھر تک غفلت ومعصیت میں عمر گذرتی ہے۔ اسی طرح آج بھی چشم ولب بند کئے ہوئے بغیر کسی بصیرت کے گذر جاتے ہیں۔ حالانکہ گرد وپیش کے حوادث۔ اور خود ہمارے اندرون قلب کی ضلالت وگمراہی چیخ چیخ کر ہم کو دعوت دے رہی ہے کہ اسوۂ ابراہیمی کا اتباع کرو اور نفس اور ہوا وہوس کی قربانی سے اس خواب کو پورا کرو۔ جو اب سے چار ہزار برس پہلے تمہارے باپ ابراہیم نے دیکھا تھا اور جس کی یادگار کسب موعظت واعتبار کے لئے اس کے خدا نے ہمیشہ کیلئے قائم کر دی تھی

قربانی کی احتیاطیں

(از حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ)

بقر عید کے موقع پر مسلمانوں کو قربانی میں حسب ذیل باتوں کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۱) قربانی کا کوئی جانور آراستہ کر کے بطور جلوس کے عام رستوں پر نہ نکالا جائے۔

(۲) قربانی کے وقت یا اس سے کچھ پہلے قربانی کے متعلق الفاظ کے ذریعہ یا اشارہ کنایہ کے ذریعہ ایسی کوئی بات نہ ہونی چاہیئے جس سے غیر مسلم قوموں کو اشتعال ہو۔ یا ان کی دل آزاری ہو۔

(۳) قربانی خواہ کسی جانور کی ہو ایسے مقام پر ہرگز نہ کرنی چاہیئے جہاں غیر مسلم لوگوں کی نظر قربانی کے جانور پر جا پڑتی ہو۔ یا جا سکتی ہو۔

(۴) قربانی کا گوشت ایسے راستوں سے اور اس طریقہ سے نہیں پہنچانا چاہیئے۔ جہاں غیر مسلم قوموں کی آبادی ہو۔ یا غیر مسلم اقوام کی نظر گوشت پر پڑتی ہو۔

(۵) قربانی کے جانور اگر ایسے غیر مسلموں سے خریدے جائیں جو اس بات کو نہ جانتے ہوں کہ یہ جانور قربانی کے لئے خریدا جا رہا ہے تو مناسب ہے کہ تخلیہ میں آہستگی کے ساتھ فروخت کرنے والے کو آگاہ کر دیا جائے۔ کہ یہ جانور کس کام کے لئے خریدا جا رہا ہے۔ تاکہ بعد میں جانور فروخت کرنے والے غیر مسلم کو یہ کہہ کر فساد کرنے کا موقع نہ ملے کہ مجھے خبر نہ تھی کہ یہ جانور قربانی کے لئے لیا جا رہا ہے۔

(۶) اگر مذکورہ بالا احتیاطوں کے باوجود غیر مسلم اقوام کی طرف سے زیادتی اور اشتعال کی کارروائی ہو۔ تب بھی حتے الامکان فساد کو ٹالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے چھوٹے باپ کا بیٹا بن جانا چاہیئے۔

(۷) اگر مذکورہ احتیاطوں کے بعد بھی یہ اندیشہ ہو۔ کہ مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا۔ تو پوری تحقیقات کے بعد۔ کہ افواہیں غلط تو نہیں ہیں۔ مقامی حکام کو اطلاع دے دینی چاہیئے اور سب مسلمانوں کو ایک دوسرے کی امداد کے لئے ہمہ تن آمادہ و مستعد رہنا چاہیئے۔ اور دشمن کی جتنی بھی طاقت ہو ذرا بھی پروا نہ کرنی چاہیئے۔

خطاب بہ مسلم ہو

(از جناب مولانا محمد مسلم صاحب بی۔ اے)

بن ابراہیم مثا جھگڑا فی الفور بتان آذر کا
ملت کا تیغہ ہاتھ میں لے غیرت کا تیغہ ہاتھ میں لے
سنت کا بیڑہ ہاتھ میں لے وحدت کا تیشہ ہاتھ میں لے
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
اسے غفلت کے ماتے ہوش میں آ بدلا ہے فلک نے رنگ نیا
ہے آج فضا میں شور بپا آتی ہے ندا یہ صبح و مسا
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
اے مسلم کیوں آزردہ ہے کیوں پژمردہ افسردہ ہے
تو زندہ دشمن مردہ ہے۔ تو دانا۔ وہ بیس خوردہ ہے
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
قربانی دین ہمارا ہے۔ تبلیغ آئین ہمارا ہے
قرآن مبین ہمارا ہے۔ آقا یٰسین ہمارا ہے
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
پھر سیکھ سبق خودداری کا۔ غمخواری نیکوکاری کا
پھر توڑ صنم عیاری کا۔ ناداری کا بیکاری کا
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
صنعت میں سب سے بڑھ کر ہے ختم زراعت ہی تجھ پر
سرمایہ خوب اکٹھا کر پھر بن جا اعلیٰ سوداگر
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
وحدت کی تان اڑاتا جا۔ داؤدی شان دکھاتا جا
دل غیروں کا برماتا جا۔ پتھر کو موم بناتا جا
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
اے مفتی دین و شرع ہدے اس وقت فروعی ایکا
رکھ طاق نسیاں پر فتوے تکفیر اہل قبلہ کا
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا
عرفاں ہے یہ۔ احساں ہے یہ فرمان شہ ذیشاں ہے یہ
سربازوں کا اعلاں ہے یہ ہر مسلم کا اعلاں ہے یہ
بن ابراہیم مٹا جھگڑا نے الفور بتان آذر کا

حیاتِ ابراہیمؑ

(از جناب مولوی مسلم صاحب بی۔ اے)

ولادت مسیح سے پورے دو ہزار سال قبل کا واقعہ ہے کہ عرب میں دریائے فرات کے ساحل پر ایک آباد شہر آور میں حضرت ابراہیمؑ تولد ہوئے ماہرین اثریات کی کوششوں سے جو کتبے برآمد ہوئے ہیں ان سے عیاں ہوتا ہے۔ کہ یہ پُر رونق شہر عراق میں کلدانیوں کی زبردست حکومت کا پایہ تخت تھا۔ کلدانیوں کی سلطنت ان دنوں بڑے عروج پر تھی۔ اور ان کو اپنے تمدن تہذیب رفیع الشان عمارتوں اور سربفلک حویلیوں پر بڑا ناز تھا۔ مذکرہ کتبوں سے جو ہیروگلیفک رسم الخط میں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے سلاطین نے آگ میں پکائی ہوئی مٹی کی تختیوں پر اپنے قوانین تعزیرات اور مذہبی اعتقادات کندہ کرا رکھے تھے۔ بعض جملوں پر ان کے عقائد منقوش تھے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ کلدانی حضرت ہودؑ کی شریعت کی پابندی کے دعویدار تھے۔ اور ان کو اپنا نبی تصور کرتے تھے۔ ابراہیم خلیل اللہ حضرت ہودؑ کے دوسرے بیٹے فلج سے پانچویں پشت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کے اسم گرامی کے متعلق علمائے اسلام کا اختلاف ہے۔ امام رازی رح کے نزدیک ابراہیمؑ کے باپ کا نام آذر اور علامہ آلوسی حنفی صاحب تفسیر روح المعانی کی تحقیق انیق کے مطابق ان کا نام نامی "تارخ" تھا۔ جو مفسرین آذر کے دعویدار ہیں ان کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ کتاب الٰہی میں چونکہ "آذر" کے متعلق لفظ اب استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے خلیل اللہ کے والد کا نام آذر ہی ہے۔ علامہ آلوسی نے بے شمار محاورات عرب۔ آیات قرآن اور احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اب کا لفظ صرف باپ کے لئے نہیں بلکہ باپ چچا۔ دادا اور بزرگ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ علامہ موصوف نے اپنے دعویٰ کو مضبوط اور مستحکم ثابت کرنے کے لئے یہ لاجواب دلیل بیان کی ہے کہ جب آپ کو قطعی الفاظ میں یہ سمجھا دیا گیا کہ کسی مشرک کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے حق میں استغفار جائز نہیں تو آپ نے اب کے حق میں استغفار ترک کر دیا لیکن آپ کی آخری دعا یہ ہے رب اغفرلی ولوالدی۔ اے اللہ مجھکو اور میرے والد کو بخشدے۔ والد بجز باپ کے کسی اور کو نہیں کہتے۔ ظاہر ہے کہ جس کے حق میں حضرت ابراہیمؑ آخری وقت تک دعا کرتے رہے۔ وہ اور تھا اور جس کے لئے دعا سے اجتناب کیا وہ اور تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد مکرم کا نام آذر نہیں۔ بلکہ تارخ تھا۔ آذر مشرک اور تارخ موحد تھا۔

سولہویں پارہ کی سورۂ مریم میں آپ کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے "آذر" کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ آپ نے بڑے ادب اور بڑے موثر پیرایہ میں بت پرستی کی تردید کی۔ اور ہر طرح سے آذر کو سمجھایا کہ وہ بتوں کی پوجا ترک کرے۔ بلکہ اپنے پالنے والے کی بندگی اختیار کرے۔ ان ہدایات کے جواب میں آذر نے پرلے درجہ کی بے جا سختی سے کام لیا۔ اور کہا کہ۔ اے ابراہیمؑ اگر تو اپنی حرکات سے باز نہ آیا تو۔ تو اس جرم کی پاداش میں کہ تو ہم کو ہمارے بتوں کی پرستش سے منحرف اور روگردان کرنا چاہتا ہے۔ ہم پتھر مار مار کر تیرا استقبال کریں گے اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے۔ تو ہمارے معبودوں کی تردید و تکذیب ترک کر دے۔ اور ہمارے وطن سے بھاگ جا۔ ان سختیوں اور درشت کلامیوں کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا "سلام علیک" اللہ تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ تم کیوں مجھ سے اس طرح کا سلوک کرتے ہو۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبلغ کا اخلاق کس قدر ارفع اور پاکیزہ ہونا چاہیئے۔

ابراہیمؑ اور آگ!

ازاں بعد آپ نے اپنی قوم کو ہدایت شروع کی کہ شاید ان میں سے کوئی سعید روح توحید پر مائل ہو جائے۔ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم بے جان مٹی کی مورتوں کی پوجا کر رہے ہو۔ جب بتوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے۔ تو یہ تو کہو کہ کل دنیا کے پالنے والے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے"! یہ لوگ زیادہ تر ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے ستاروں کے طفیل ہو رہا ہے۔ جب آپ نے نجوم کا غیر خالق ہونا ثابت کیا۔ تو حاکم وقت نمرود نے آپ سے مناظرہ کیا۔ آپ نے سوال کیا۔ اے نمرود کسی کو مارنے اور زندگی بخشنے کی قوت کس کے ہاتھ میں ہے۔ نمرود جو خود معبود بنا بیٹھا تھا۔ گویا ہوا کہ یہ طاقت میرے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں اس ناداں نے سوال کی حقیقت کو نہ سمجھ کر ایک بے گناہ کو تختۂ دار پر لٹکوا دیا اور ایک خونی قاتل کو جس کے حلق میں پھانسی کا حلقہ پڑنے والا تھا۔ رہا کر دیا۔ اور ان ظالمانہ افعال کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا۔ ابراہیمؑ جو اعلےٰ درجہ کے مناظر تھے۔ انہوں نے اپنے دعوے کو طرز جدید میں پیش کیا۔ آپ نے یہ سوال کیا کہ تم لوگ ستاروں کی پرستش کرتے ہو اور نمرود تم اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہو۔ ظاہر ہے کہ تم جب خدا ہوئے تو ستارے بھی تمہاری مخلوق اور محکوم ہونے چاہئیں۔ اگر تم واقعی خدا ہو تو سورج جو مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس کو حکم دو کہ مشرق کے بجائے مغرب سے نکلے۔ نمرود اس کفر شکن مطالبہ پر حیران ہو گیا۔ چنانچہ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔ فبھت الذی کفر۔ نمرود مبہوت ہو گیا اس مناظرہ میں حق کی فتح اور باطل کی شکست و ہزیمت کا ڈنکا بج گیا اور ان پر منکشف ہو گیا کہ وہ معقولیت اور استدلال کے میدان میں نوجوان ابراہیم سے بازی نہیں لے جا سکتے۔ چنانچہ انہوں نے بعد

چو حجت نماند جفا جوئے را ۔ بہ پیکار گردن کشد روئے را

یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک بہت بڑا تنور بنایا جاوے۔ اس میں آگ جلائی جاوے جب شعلے بلند ہونے لگیں تو ابراہیم کو اس آگ میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ ایک الاؤ تیار کر کے ابراہیم کو اس میں جھونک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی کا اظہار فرمایا۔ وہ خدا جس نے آگ میں حرارت اور سوزش کا مادہ پیدا کر رکھا ہے۔ "نار" کو حکم دیا کہ وہ گلزار بن جائے۔ "یانار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراھیم" اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا۔ اور زیادہ ٹھنڈی بھی نہ ہونا۔ بلکہ اپنے آپ میں ایسی تبدیلی پیدا کرنا جو ابراہیم کے لئے باعث سلامتی ہو۔ خاص اشخاص کے ساتھ خاص سلوک۔ اور جیسے زندہ نفوس سے بوقت موت روح قبض کر لی جاتی ہے۔ اگر بعض اوقات بعض اشیاء سے ان کے خواص سلب کر لئے جائیں۔ تو یہ امر محال نہیں۔ نمرود یہ نظارہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہوئے۔ کہ نار ابراہیم کے حق میں گلزار بن گئی۔ علامہ اقبال نے کیا سچ فرمایا ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

حضرت ابراہیم اپنی قوم کی سرکشی۔ نمرود۔ خواہ مخواہ کی ہٹ دھرمی۔ مناظرہ میں فاش شکست کھانے اور قدرت کے اعجاز صریحاً دیکھ لینے کے باوجود بھی بدستور اپنی شرارتوں اور فساد آرائیوں پر مصر رہنے پر سخت مغموم ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ

عین بڑھاپے کے عالم میں آپ نے دعا کی۔ کہ اے اللہ مجھ کو فرزند رشید عطا فرما۔ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اور آپ کی بیوی حضرت ہاجرہؓ سے جو مصر کے شاہی محل کی ناز پروردہ تھیں۔ اسمٰعیل پیدا ہوئے کتاب پیدائش کے باب سترہ میں ہے "اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے برومند کروں گا اور بہت بڑھاؤں گا۔ اور اس سے بارہ رئیس پیدا ہوں گے۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔"

چند برسوں کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے ہاں پہلی بیوی حضرت سارہ سے اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔ دو ہی سال کے بعد حضرت ابراہیمؑ ارشاد خداوندی کے ماتحت حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ کو لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ حجاز میں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر اور رفیقِ زندگی کو اس بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا۔ جو ان دنوں مکہ کے نام سے مشہور تھی۔ یہی وہ مکہ ہے جو بعد ازاں مامن توحید اور شرافت و انسانیت کا گہوارہ قرار پایا۔ جب پانی کی ایک چھاگل اور چند کھجوریں دے کر حضرت ابراہیمؑ ہاجرہؓ سے رخصت ہونے لگے۔ تو آپ نے یہ عرض کی کہ آپ ہم کو اپنی مرضی سے یہاں چھوڑ چلے ہیں۔ یا آپ کو ایسا کرنے کے لئے خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا ہے۔ خلیل اللہ کے اس جواب پر کہ وہ اپنے مالک کے فرمان کے مطابق ان کو چھوڑ رہے ہیں۔ حضرت ہاجرہ نے بڑے اطمینان کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ ہمارا محافظ خود خداوند کریم ہے۔ اور وہ ہم کو تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ یہ کہہ کر آپ رخصت ہو گئے۔ جو لوگ صاحب اولاد ہیں وہ خیال فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ کے نام پر فدا ہونے والے کس دل و دماغ کے انسان تھے۔ جلتی ہوئی دھوپ۔ بے آب و دانہ صحرا، سنگلاخ اور پتھریلے میدان میں اپنے شیر خوار بچے اور اپنی بیوی کو اکیلے چھوڑ کر چلے جانا ابراہیمؑ ہی کا کام تھا۔ اور یہ سنتے ہی کہ یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے خدا کے حکم سے کیا جا رہا ہے۔ کامل صبر و سکون کا اظہار کرنا۔ شکایت کا ایک لفظ تک اپنے منہ سے نہ نکالنا ہاجرہؓ ہی کا کام تھا۔ مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر عرفات کا پہاڑ واقع ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ اس پہاڑ کے قریب پہنچے تو آپ نے پیچھے مڑ کر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی۔ اور بڑے خشوع و خضوع سے یہ دعا کی۔

"اے ہمارے پرورش کرنے والے میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے عزت والے گھر کے پاس اور ناقابل زراعت بیابان میں بسائی ہے۔ تاکہ وہ تیری عبادت کیا کریں۔ اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ اور ان کو دوسرے ملکوں کی پیداوار سے روزی دے تاکہ وہ تیرا شکر کریں۔"

اس عرفات کے پہاڑ پر ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو دنیا بھر کے حاجیوں کا عالمگیر اجتماع ہوتا ہے۔ اور ایک خطبہ پڑھایا جاتا ہے دنیا کا کوئی سالانہ جلسہ۔ کانفرنس اس اجتماع کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایسا مجمع کسی اور قوم کو میسر نہیں آ سکتا۔

مساوات

تاریخ شاہد ہے کہ اس زمانہ میں سینے پرونے کا عام رواج نہ تھا۔ عامۃ الناس ایک ان سلی چادر کمر سے لپیٹ لیا کرتے۔ اور ایک چادر کندھوں پر ڈال لیا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کا لباس بھی یہی تھا کہ ان کے جسم اطہر پر صرف ایک چادر گردن سے لے کر ٹخنوں تک لٹکتی ہوئی تھی۔ مسلمان جو احرام باندھتے ہیں۔ وہ اسی لباس کی تقلید ہے۔ یعنی حاجی لوگ مقررہ مقام پر پہنچ کر ایک یا دو ان سلی چادریں اپنے جسم سے باندھ لیتے ہیں۔ اور سر کھلا رکھتے ہیں۔ حج کے مقام پر جب بے شمار مسلمان ایک ہی لباس میں ایک ہی قسم کے فرائض ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تو مساوات بھی آنکھوں کے سامنے ایک ایسا منظر پیش ہو جاتا ہے کہ اس کے اثرات کو فقط محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ آج لوگ دنیا میں کمیونزم (مذہب اخوت)، سوشلزم (اشتراکیت) بولشوزم (مساوات مطلق)

گلڈ سوشلزم (شرکت باہمی)، ٹریڈ یونین ازم (انجمن ہائے تجارت)، انارکزم (فوضویت)، وغیرہ اقتصادی اور سیاسی طریقہ ہائے معاشرت کے ذریعہ سے مساوات کے طالب ہیں لیکن ان تحریکوں کی تاریخ میں ایک وقت بھی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جب ان کے تمام کارپردازان ایک لباس میں نظر آئے ہوں۔ یہ برکت اور عزت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے عملی اعتبار سے شاہ و گدا کو ایک ہی صف میں کھڑا ہونے اور ایک ہی نوعیت کی وردی میں ملبوس ہونے پر برضا و رغبت بہ نیت ثواب مائل کر دیا۔

قربانی

حضرت خلیل اللہ کے انتہائی صبر اور فرمانبرداری کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل جن کو آپ نے دعائیں مانگ مانگ کر حاصل کیا تھا چلنے پھرنے لگ گئے تو حضرت ابراہیم نے حالت خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے پہلے اور چہیتے فرزند اسمٰعیل کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ نے اس خواب سے اپنے نور نظر کو آگاہ کیا اور اس کی رائے دریافت کی۔ کہتے ہیں "ابن الفقیہ نصف الفقیہ" عالم دین کا بیٹا نصف عالم ضرور ہوتا ہے۔ اسمٰعیل جس نے ہاجرہ کا دودھ پیا ہوا تھا۔ فی الفور بول اٹھا۔ ابا جان۔ خواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری قربانی کا حکم دیا ہے۔ آپ بے تامل اس فریضہ کو ادا کیجئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ میں اپنے تربیت کرنے والے کی عنایت سے ایک صبر کرنے والا نوجوان ہوں۔ جب دونوں اس قربانی پر تیار ہو گئے۔ تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو ماتھے کے بل زمین پر لٹا دیا اور آنکھوں پر مضبوط پٹی باندھ لی۔ تاکہ شفقت پدری کے مارے جب ان کی نگاہ اپنے پیارے بچے کی نگاہ سے دوچار ہو۔ تعمیل ارشاد میں توقف رونما ہو سکے۔ ابراہیم نے اپنی طرف سے چھری چلا دی۔ مگر تقدیر نے اس پیکر ایثار بچے کو بچا لیا جس کی پشت سے سرتاج انبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے تھے۔ اسمٰعیل علیہ السلام کو بچا کر اور آپ کی جگہ دنبے کی قربانی کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مشیت کا اظہار کر دیا کہ اس کو انسانوں کی قربانی اس انداز سے منظور نہیں۔ بلکہ اس کا طریقہ جدا گانہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان۔ ایران۔ شام عرب۔ مصر عراق یونان چین۔ جاپان۔ اطالیہ امریکہ اور انگلستان میں مختلف دیوتاؤں کی خوشنودی کے حصول کے لئے ابنائے آدم بے دریغ ذبح کر دئے جاتے تھے۔ لوگوں کے دلوں سے اس جذبہ اور احساس کو نکالنا آسان نہ تھا۔ یہ دیوی دیوتا تو کیا شے ہیں۔ رب العزت کو یہ بھی منظور نہیں کہ اس کے نام پر بھی انسانوں کو اس طریق سے شہید کیا جائے۔ الحمد للہ کہ قدرت کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ اور آج جو انسانوں کے بچے گلے۔ بھیڑ بکری۔ دنبے اور اونٹ کی مانند قربانی میں نہیں دئیے جاتے۔ تو یہ سب ان عنایات کا اثر ہے۔ جو اسلام نے اقوام عالم اور مذاہب عالم پر کیں۔

تعمیر کعبہ

توریت میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم جہاں کہیں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر کے اس کو مذبح یا قربانی گاہ بنا دیتے تھے۔ مگر مکہ میں آپ نے حضرت اسمٰعیل کی مدد سے ایک چوطرفہ عمارت قائم کی۔ یہی پاک اور مقدس عمارت اللہ کا گھر یا خانہ کعبہ کہلاتی ہے اور اس کا جائے وقوع کوہ صفا اور مروہ کے قریب ہے۔ اس مادہ پرست دنیا میں عبادت الٰہی کا یہ پہلا گھر تھا۔ جو ابراہیم اور اسمٰعیل کے ہاتھوں جلوہ پذیر ہوا۔ یہ نور کا منبع چار ہزار برس سے ضیا دے رہا ہے۔ اور کروڑہا دل اس کی تجلیوں سے کسب نور کر رہے ہیں۔

ابراہیمؑ کا مذہب

یہود کا دعوٰی ہے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ آپ نصرانی تھے۔ قرآن شریف ان کے مضحکہ خیز دعوٰے کی تردید کرتا ہے کہ ابراہیم نہ تو یہودی تھے۔ اور نہ عیسائی۔ بلکہ آپ حنیف مسلم تھے۔ اور آپ ہی نے مسلمانوں کا نام "مسلمین" تجویز فرمایا۔ اس وقت کرۂ ارضی پر ابراہیم کی تقلید میں قربانی کرنے والی قوم مسلم ہے۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ اس امتیاز کی حقیقی روح سے سرشار ہوں۔ اور ایثار اور قربانی اپنا شعار بنائیں۔ ہاجرہ اور اسمٰعیل قربانی کے پتلے تھے۔ ان کی قربانیوں کے تذکروں کو ابد الآباد تک زندہ رکھنے کا فخر ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آیا۔ پس ہر مسلم مرد۔ مسلم عورت اور مسلم نوجوان کا فرض ہے۔ کہ وہ اسلام کے تحفظ۔ قوم کے ننگ و ناموس کی صیانت و حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانی پر آمادہ و تیار ہونے کا جذبہ صادقہ اپنے دل و جگر میں پیدا کرے۔

مناظرِ خلقت

(از جناب مولانا سعید احمد صاحب صدیقی دیوبندی)

عشق و محبت کی داستانیں آپ نے سنی ہوں گی۔ لیلیٰ مجنوں کی کہانیاں بھی ہوں گی۔ شیریں و فرہاد کی سرگذشتیں نظروں سے گذری ہوں گی۔ فراق و وصال کے مناظر محبت و مروت کے مظاہرے آپ کی آنکھوں نے دیکھے ہوں گے۔ اور کیا تعجب ہے اگر آپ کے صفحۂ باطنی (قلب) نے کسی مادی صنعت ہی کی خلش پائی ہو۔ تو اس کی لذت سے بھی شناسائی ہو۔ محویت و فنائیت کے مناظر آنکھوں سے دیکھے ہوں۔ اطاعت و انقیاد کی مجسم تصویر خود ہی بن چکے ہوں۔ تو کیا کبھی خیال دوڑایا اور دل میں وہم آیا کہ اس مادیت و نفسانیت کی کہربائی کشش کس طرح انسان ہی کو نہیں بلکہ حیوانات کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہے جس طرح ایک مجنوں صفت انسان اپنے محبوب کے عشق میں سرشار اور مطلوب کی طلب میں آمادہ و بےخبر نظر آتا ہے۔ اسی طرح شگفتہ پھولوں کی ڈالیوں پر بلبلِ گلستاں فریفتہ و شیفتہ کیا نغمے گا رہی ہے۔

اگر ایک نسائی قلب فراق محبوب کی ناقابل برداشت صعوبت سے پارہ پارہ ہوجاتا ہے تو اسی طرح بلبل نالاں و غمگینوں کی آتش رقابت سے جل جل کر اپنے کو فنا کے گھاٹ اتارنے کو آمادہ ہوجاتی ہے ؎

بنالِ بلبل اگر با منت سرِ یاریست — کہ ما ہر دو عاشق زاریم و کارِ ما زاریست

کیا کبھی خیال دوڑایا کہ شمع تنویرِ محفل کا کام دے رہی ہے۔ اور اپنی نورانی شعاعوں سے پردۂ ظلمت کو پارہ پارہ کرکے مادی اندھوں کی رہبری کر رہی ہے۔ لیکن آہ اس کی ستم ظریفی کے کرشمے ان فنا ہوجانے والے پروانوں سے پوچھو کہ جو آتشکدۂ محبت کی نذر ہو کر اس کے چار طرف ڈھیر لگے پڑے ہیں۔

ایک انسانی ماں اپنی شفقت مادری پر عزیز سے عزیز چیز قربان کردیتی ہے لیکن ایک گھڑی کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اولاد کی جدائی کا داغ کھا سکے۔ اسی طرح ایک حیوانی ماں اپنے بےزبان بچہ کی محبت و الفت میں جملہ عالم سے بےخبر ہے۔ اور ایک ساعت کو اس کے بچہ کا نظر سے اوجھل ہونا اس کے لئے قیامت سے کم نہیں۔ تو اے انسانی قلب رکھنے والے حیوان بتلا کہ یہ سب کچھ تشنۂ نفسیات کے مناظر کیونکر آنکھیں دیکھتی اور کان سنتے ہیں۔ معلوم کر اور یقین جان کہ یہ سب کچھ قلبی تعلق کشش کے ثمرات اور ایک مقناطیسی جذب محبت کے نتائج ہیں۔ کہ جو واہب العطیات کے دستِ کرم نے ہر قلب حیوانی کے اندر ودیعت رکھ دی ہے۔ پس خیال کر اور سوچ کہ جب خالق اور مادی تعلقات کے انجذاب و استغراق کا یہ عالم ہو محویت و فنائیت کی یہ حالت ہو تو اس ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کا تعلق اگر جاگزیں ہوجائے۔ جگر میں پیوست ہوجائے۔ اگر انسان گنہگار سویدۂ قلب میں اپنا گھر بنالے۔ تو اس کی کیا حالت ہوگی۔ اور ہونی چاہئے کہ فنائیت و استغراق کا کیا عالم ہو۔

فنائیت و قربانی کے انتہائی مراحل طے کرکے اگر اپنے وجود ظاہری سے بےخبر ہوجاوے۔ ماسوا کے تعلقات یکسر نذرِ وحدت ہوجاویں۔ تا آنکہ اپنے سے بھی بیگانہ ہوجائے۔ اور فنائی المحبوب کی لذتوں میں ایسا محو اور خود رفتہ ہوجائے کہ تیری نظر اس کو نہ سمجھ سکے۔ تو اے دل کی آنکھوں کے اندھے اور عشق باطنی کی لذت سے ناآشنا تو متعجب اور انگشت بدنداں کیوں ہے۔

تو خود چہ آدمی کز عشق بےخبری

اسی کی طرف تو شیرازی شیخ رہبری کر رہا ہے ؎

عجب داری از سالکانِ طریق — کہ باشند در بحرِ معنی غریق

تو اے محبت و مروت کی داستانوں کو تعجب کی نظر سے دیکھنے والی آنکھوں اور عشقِ حقیقی کی لذتوں سے بےخبر قلوب آؤ۔ دل کے کانوں سے سنو اور حقیقت بیں نظروں سے دیکھو۔ اپنے مردہ دلوں کے اوپر سے غفلت کے پردے اٹھاؤ۔ اور وحدت کے مازے سے باخبر فنائیت و قربانی کی حقیقت سے آشنا ہو۔ اور اس مذہبی نفس خلیل کی خلت کے مناظر کا مشاہدہ کرو کہ جس کی مجسم تصویر محبت و خلت کی نظیر دنیا کی زندگی آج تک پیدا کرسکی۔ نہ کرسکے گی۔

تو یہی وہ حقیقت شناس قلب رکھنے والی ہستی ہے کہ جس نے وضعیات سے گذر کر حقیقت کا دامن پکڑا سراب کی چمک دمک کو گرد آلود کر کے حقیقی روشنی کی تہ کو پہنچا۔ فنا ہوجانے والی دلفریبیوں پر لات مار کر باقی سے جا ملا۔ اور ایسا ملا کہ پھر جدا نہ ہو۔ اس کے اوپر چاند سورج اور ستاروں نے جال آراکر نیز ڈالیں اور چاہا کہ اپنی دلفریبی پر اسے مائل کریں۔

لیکن حقیقی تنویر کی چمک سے حصہ پانے والے قلب نے ان فنا ہوجانے والوں کے جہاں آرا جمال کو وقعت کی نظر سے نہ دیکھا۔ اور باستطاعت رب یہ کہہ دیا کہ میں ان اندھوں میں سے نہیں ہوں کہ جو حق کی راہ میں چلنے والے قدموں میں ان گمراہ کن زنجیروں کے خلخال و سلاسل محبت پہن لیں۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا	جب کہ چھا گئی اس پر تیرگی شب تو دیکھا تارہ
قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا	کہا یہ میرا رب ہے پس جب وہ غروب ہوگیا
أُحِبُّ الْآفِلِينَ. فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ	تو کہا کہ میں فنا پذیر ہستیوں کو دوست نہیں
بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ	رکھتا۔ پھر جب کہ چاند چمکتا ہوا دیکھا۔ تو کہا کہ
لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ	یہی میرا رب ہے۔ پھر جب یہ بھی غروب ہوگیا تو کہا
الْقَوْمِ الضَّالِّينَ. فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ	کہ اگر نہ ہدایت دیگا میرا پروردگار تو میں گمراہوں سے ہو
بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ	جاؤں گا۔ پھر جب آفتاب کی چمک دمک دیکھی تو کہا کہ یہی
فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ	میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا ہے پھر جب
مِّمَّا تُشْرِكُونَ.	یہ بھی غروب ہوگیا تو کہا اے میری قوم کہ میں

ان چیزوں سے بیزار ہوں کہ جن کو تم شریک مانتے ہو۔

ابھی فنا و بقا کے مناظر کے بعد کیا بتلائیں کہ کیا ہوا۔ اور اس فلسفۂ فنا [illegible]

کے حل کرنے والے نونہال دماغ نے کیا کیا۔ اور عشق و محبت مودت و الفت حق و صداقت کی علمبرداری کس بلند آہنگی سے کی۔ اور کس طرح شدائد و مصائب تکالیف و محن کی دشوار گزار گھاٹیوں کو طے کرتا ہوا عالی حوصلگی کے ساتھ فاتح حق و صداقت ہوا۔

آؤ اور قرآنی تعلیم کے ذریعہ اس کی حقیقت کو پاؤ۔ اس کی تہ سے جھانکا تو ہر ایک طرف قربانی اور ہی تقلید کے قعر ضلالت سے چھلانگ ماری۔ دوسری طرف وحدت الٰہی اور کلمۂ توحید کی وہ بلند و مستحکم عمارتیں تعمیر کیں کہ دنیا کے بقا تک فنا کا منہ نہ دیکھ سکیں۔ تجلیات الٰہی کے سامنے جملہ مادیات کا انکار کر دیا۔ صرف ایک وحدہٗ لاشریک کی طرف اپنی گرویدگی کا اعلان عام کر دیا۔

یٰقوم انی بریٓءٌ مما تشرکون ۝ انی — اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے
وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت — کہ جن کو تم شریک گردانتے ہو۔ میں ہر طرف
والارض حنیفا وما انا من المشرکین — سے ہٹ کر محض ایک ہی ذات وحدہٗ لاشریک
لہ کا ہو گیا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ الحمد للہ کہ میں مشرکین میں سے نہیں ہوں

یہ سب کچھ بتایا ہوا الٰہی روشنی کی جھلک سے تو بہی وقت قلب منور ہو چکا تھا۔ جبکہ چاند ستاروں کی نورافشانیوں پر بے التفاتی کی۔ محبت کا دم بھرنے کی پہلی شرط ہے۔ کامل اطاعت و انقیاد۔ دوسری شرط ہے فنائیت و قربانی جذبات۔

آؤ دیکھو کہ معرفت توحید الٰہی نے بادۂ الفت میں چور ہو کر کیونکر دریائے مودت میں غوطہ مارا۔ اور کیسے کیسے دشمنوں اس سے آشکارا ہوئے کہ جن کی چمک سے آج تک دنیائی نظریں خیرہ ہیں۔

ابراہیم کی ایک آواز تھی۔ کہ جو زبان سے نکلی جنگلوں میں گونج گئی اور پہاڑوں سے ٹکرا گئی۔ ملک و قوم سب کے سب اس اجنبی اور غیر مانوس عقیدے اور خیال سے نہ صرف بیزار ہوئی۔ بلکہ برسر پیکار ہو گئی۔ تا آنکہ آغوش شفقت پدری آتشکدۂ نمرود بننے کو تیار ہے۔ اس کی الطاف عاشقانہ بھری آنکھ عتاب و عقاب کے انگارے برسا رہی ہے۔

لئن لم تنته لارجمنك — اے ابراہیم اگر تو اس محبت حق سے باز
واهجرنی ملیا ۝ — نہ آیا تو تجھ کو سنگسار کر دوں گا۔ اور جا میری
نظروں سے دور ہو۔

لیکن وہ قلب جو بادۂ توحید سے سرشار ہو چکا۔ اس پر ان عتاب و عقاب و غضب و شدائد کا کیا اثر ہوتا۔ اور باپ کی پدری الفت کا عظمت پر کیسے غلبہ ہوتا۔ وہ آپ کے جذبۂ الفت میں مست ہے۔ اور اپنے خیال میں مگن۔

باپ کو آخری نصیحت کرتا ہوا سب سے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ اور مادر پدر کے آغوش کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہتا ہوا ایک وحدہٗ لاشریک کا دامن پکڑتا ہے۔

یا ابت لم تعبد ما لا یسمع ولا — اے باپ ایسی چیزوں کے کیوں پوجنے
یبصر ولا یغنی عنك شیئا ۝ — [illegible] جو کہ سنتی ہوں اور نہ دیکھتی ہوں۔ اور نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔

ساتھ ہی بزرگانہ مشفق اور پدرانہ الفت کا منہ [illegible] ہوئے الگ ہو جاتے ہیں۔

سلام علیك ساستغفر لك ربی انه كان بی [illegible]

ایک محبوب کی لگن میں اعزا چھوڑے۔ اقربا سے منہ موڑا۔ وطن و قوم سے بیزار ہوئے۔ اور صرف اسی کے ہو رہے کہ جس کے ہونے سے سب کچھ ملا۔ مادی تعلقات کو ایک حقیقی جذبہ کی نذر کر دیا۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

قلبی کلفتوں کا مظاہرہ دیکھا۔ جذبات عشق الٰہی کے مناظر دیکھے۔ اور آخر دیکھنے والوں نے وہ بھی دیکھا اور سننے والوں نے سنا کہ یہی جذبۂ عشق الٰہی اور تعصب و حسد قوم اور بغض و عناد ملک نے ابراہیم کو آتشکدۂ نمرود کی سر بفلک لپٹوں میں ڈال دیا۔ ظاہری آنکھوں نے دیکھا کہ ابراہیم آگ میں پڑے۔ لوگوں نے سنا کہ آگ کی لپٹوں نے اس کے جسم کو بھسم کیا۔ لیکن باطنی آنکھوں نے دیکھا۔ روشن دل نے معلوم کیا کہ ابراہیم نمرود کی آگ میں نہیں گرا۔ بلکہ آتش عشق کے جذبہ نے اسے امتحان کی منازل پر بلایا۔ اور کامیابی و فائز المرامی کے بام تک پہنچا دیا۔ وہ آگ نہ تھی۔ بلکہ گلزار فائز المرامی تھا۔ اور گلستان راحت و آرام۔

ایک تیسرا وہ منظر بھی آنکھیں دیکھتیں۔ تو یقین کرتیں۔ لیکن کان سنتے ہیں اور اندر سے دل انکار کرتے ہیں۔ اور درد و محبت سے آشنا اس کو یقین جانتے ہیں۔

قربانی کی انتہائی منزل سامنے ہے کہ جس کی حائل کہیں شفقت مادری ہے۔ کہیں لو ترابم۔ کہیں خوف۔ انحراف فرزند۔ کہیں منزل کے اس پار خلت کا خلعت ہے اور رضاء و خوشنودی کا تمغہ۔ اور اس پر آئندہ ہونے والی پشتوں پر رحمت و فضل کے دروازوں کا فتح۔

محب کا اشارہ ہوتا ہے اور اشارہ بھی سوتے ہوئے۔ اور وہ بھی بصورت خواب۔

محض بہانہ اور اشاروں پر اپنی قربانیوں کو فلاح و بہبودی کا ذریعہ سمجھنے والے قلوب سے اس کا حل پوچھو۔ کہ ایک محبوب کا اشارہ اور دلگیر کا ایما سچے عاشق کے لئے اور صادق محب کے لئے کیسے مستحکم فرمان کا کام دیتا ہے۔ اور اپنی انتہائی سعادت اسی کے اندر مضمر پاتا ہے کہ اس کی تعمیل کی عزت نصیب ہو۔

اس کی محبت کی انتہا اس سے پوچھئے کہ جو درد الفت کا آشنا ہو اور جس نے اس چاشنی سے حصہ لیا ہو۔ ان کے قلوب خوشی سے بانسوں اچھلتے ہیں۔ اور گھڑیاں بھاری ہو جاتی ہیں۔ کہ کب تعمیل ارشاد

ب ہوکر عزت نصیب ہو۔

تو پس ابراہیم ہر تعجب سے دیکھنے والو غور سے کام لو اور عزت کی آنکھوں سے دیکھو کہ ان کے صادق جذبات عشقیہ نے کس بات پر آمادہ کر رکھے ہوں گے اور کس طرح ان گھڑیوں کا منتظر ہوگا کہ جس وقت اپنے محبوب کی خوشنودی و رضا سے ہم کنار ہو۔

ایسا ہوتا ہے اور اشارہ کیا جاتا ہے کہ ہماری قربان گاہ پر قربانی نذر کرو۔ اور قربانی بھی کس چیز کی، اونٹ کی نہیں، بکری کی نہیں یا کسی اور حیوان کی نہیں بلکہ جذبات کی۔ تعلقات کی دنیا میں سب سے زیادہ محبوب چیز، ایک جگر کا ٹکڑا تھا، جو بڑھاپے کا سہارا تھا۔ ایک گھر کا چراغ تھا کہ جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور گھر کا اجالا تھا۔ وہی ساری عمر کی کمائی تھی کہ جس سے زیادہ دنیا میں اسے کوئی عزیز نہ تھا۔

خدا کے سچے پیغمبر کے لئے یہ وقت ہے اور نازک وقت۔ امتحان ہے اور سخت امتحان۔ آزمائش ہے اور کڑی آزمائش۔ مادیت و روحانیت کا تصادم ہے۔ اور للہیت و تمرد کی معرکہ آرائی۔ عجب کشمکش ہے اور بے شبہ ذالک ھو البلاء المبین۔

لیکن الٰہی محبت کے دریا میں ایک تلاطم بپا ہوتا ہے اور جذبات حقیقی میں ایک طغیانی۔ کہ مادیت و پدریت کے آتش کدہ اسے الفت کشند سے پڑ جاتے ہیں۔ اور رضائے الٰہی کی جاویدانہ محبت کی خواہش شفقت پدری کی فانی الفت پر غالب آجاتی ہے۔ اور معصوم بچے اور دل کے سہارے کو خدائی بشارت سنا دیتا ہے۔

یابنی انی ارٰی فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا ترٰی — اے عزیز بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا تجھے اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں۔ پھر تیرے خیال میں کیسی بات ہے۔

لیکن آخر وہ بھی کون تھا۔ ابراہیم کا لخت جگر۔ اور خلیل اللہ کا قرۃ العین وہ گلدستۂ رسالت کا ادنیٰ پھول اور گلزار خلّت کا نونہال فرزند۔ بحکم الٰہی ستا ہے اور خدائی بشارت کے سامنے گردن اطاعت جھکا دیتا ہے۔

یاابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ — اے پدر بزرگوار یہ تو خدائی رضا کا تقاضہ ہے کر گزریئے جس کے لئے آپ مامور ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم صابروں میں سے ہوں گا۔

اضطراب ہے نہ بے چینی۔ خوف ہے نہ اندیشہ۔ ہراس ہے نہ صدمہ۔ خدا کے منظور نظر ہو جانے پر فخر ہے۔ اور ناز اور خود قربان گاہ حق کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

بڑھیا ماں پر پیارا بچہ ایک وداعی نظر ڈالتا ہے۔ اور حسرت بھری زبان حال سے ماں کو قربان گاہ حق کی قربانی کی عزت سے باخبر کرتے ہوئے مامتا کے جذبات سے سفارش صبر و سکون کرتا ہے۔ اور رضا و دلجوئی کی خواہش و تمنا کا اظہار کرتا ہوا قربانگاہ حق کی طرف چل دیتا ہے۔

اولادوں سے آنکھیں ٹھنڈی رکھنے والے ماں باپ دیکھیں اور سنیں اور غور کریں اور کلیجہ پر ہاتھ رکھیں اور خدائی عاشق کے جذبۂ الفت سے سبق لیں۔ اپنی جوانی پر ناز کرنیوالے نوجوان غور کریں اور دیکھیں غور سے کام لیں اور اس طرح قبیل فرزند جیّد درس لیں اور ہر خدا کا سب سے بڑا باغی نوع انسان کا قدیمی دشمن (ابلیس لعین) راہ میں ملتا ہے اور اپنے قدیمی پیشہ رہزنی پر کمربستہ ہو کر باپ کے دل میں محبت پدری و شفقت فرزندی کے گہرے نقش ابھارنا چاہتا ہے بیٹے کے سامنے تمتعات و لذائذ دنیوی کے خوشنوار منظر پیش کرتا ہے۔ جوانی کی امنگوں اور انسانی جذبات کے پامال کرنے پر ملامت کرتا ہے۔ موت کے بھیانک و خوفناک منظر پیش کرتا ہے۔ لیکن بادۂ توحید سے سرشار اور حکم الٰہی پر قربان ہو جانے والوں کو بقول عذل العواذل حول قلبی التائہ وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ انہیں کام سے کام اپنی دھن میں مست اور اسی لگن میں قدم بڑھائے چلے جاتے ہیں۔ دشمن لعین اپنی قربانی و ناکامی پر پہاڑیوں کی چوٹیوں سے ٹکراتا ہوا خاسر و بدنصیب ہوتا ہے۔

اللہ کا خلیل اور خلیل کا فرزند سعید امتثال امر الٰہی کے لئے کمربستہ اور دونوں حق میں قربان ہو جانے کے لئے سربکف ہے۔ دیکھو اور غور سے دیکھو۔ سنو اور ہوش کے کانوں سے سنو۔ اللہ کی محبت کا دیوانہ اور اس کی الفت و محبت سے سرشار و مست خلیل راہ حق میں ذبح عظیم کا منظر دکھلانے کو تیار ہے۔ اور اپنے لاڈلے معصوم بچے اسمعیلؑ کو پیشانی کے بل بکری کی طرح زمین پر لٹاتا ہے۔ دلفریب اور بھولا چہرہ باپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ شعلۂ محبت پدری کے بھڑک اٹھنے کا خیال ہے اور خوف ہے اور محبت و شفقت کے موجزن سمندر میں طوفان و طغیانی کا اندیشہ۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لیتا ہے۔ اور نہایت تیزی کے ساتھ تیز دھار چھری نازک و نرم گلے پر چلا دیتا ہے۔ تحت زمین میں زلزلہ ہے اور اس پر بسنے والے حیوانات اس حقیقی اور سچی قربانی کو آنکھوں دیکھ رہے ہیں اور مضطرب و بے چین ہیں۔ عالم افلاک میں ایک قیامت خیز ہنگامہ ہے اور ملأ اعلیٰ کے بسنے والے مقدس گروہوں میں ایک کھلبلی مچی ہے اور عرض کرتے ہیں کہ اے رب قدیر اور اے غنی حمید تیرا خلیل تیری محبت کے نشہ میں چور ہو کر اپنی تمام عمر کی دولت بھولے اور معصوم بچے کو قربان کئے دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم الٰہی جوش کھاتا ہے اپنے خلیل کی مستانہ ادا دیکھ رہا ہے۔ اور وفد بیان ہم عظیم کا قابل افتخار و احترام خطاب عطا کر خلّت کا خلعت زیب تن ہو کر اور صفت لسان لاسمیل کا فدیہ عنایت ہوتا ہے۔ خدا کا ناموس کبر ہشتی دنبہ لاکر سامنے ڈالتا ہے اور وہ خلیل اللہ کے ہاتھ سے ذبح ہو جاتا ہے۔

زمین پر بسنے والے حیوانات اور اس پر رہنے والے حجرات و شجرات بزبان قال و حال نغمۂ تسبیح و تقدیس رب العزت ہیں عالم قدس ملأ اعلیٰ سے مبارکباد اور ہدیہ تہنیت کا شور بپا ہے۔ جو اپنی نغمۂ تسبیح بترتیب و تقدیس ہیں اور وہ قدسی النفس انسان خلیل اللہ شاداں و فرحاں با مسرت و محبت لخت جگر سمیت گھر کی طرف لوٹتا ہے اور یہ سنت مبارکہ یعنی قربانی کو لیتے ہوئے آنیوالے متبعین الٰہی کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے یادگار چھوڑ جاتا ہے کہ جس کی یاد کو آج دنیا کے گوشہ گوشہ اور غالبہ کے گونہ گرد سے تازہ کیا جاتا ہے اور ہر حج

انتقادات

(جوائنٹ ایڈیٹر)

آئینہ ایڈیٹر صفحہ ... صفحے، سالانہ قیمت ... منیجر رسالہ آئینہ دہلی۔ ماہوار پرچہ ہے۔ جنوری ۱۹۳۲ء سے جاری ہوا ہے۔ بہترین لکھائی چھپائی سفید چکنا کاغذ۔ ادبی تاریخی معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ بلند پایہ مگر دلچسپ افسانے بھی ہوتے ہیں۔ سائنٹیفک مضامین کا بھی انتظام ہے۔ ترتیب میں خوش سلیقگی کا ثبوت دیا گیا ہے۔

آئینہ کے ایڈیٹر و مالک میرے محترم دوست مولوی سید ابن الحسن صاحب فکر ہیں۔ جن کا زور قلم الہلال، البلاغ، معارف وغیرہ کی کامیابی کا ضامن ہے۔

فکر صاحب خود ایک خوش فکر شاعر اور بہترین افسانہ نویس ہیں۔ اور صاف ستھرے ادبی مذاق رکھنے والے بزرگ ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی رسالہ کو کامیاب بنانے کے لئے کیسی کچھ کوشش کی ہوگی۔ پھر اس کے علاوہ فکر صاحب کو ہندوستان کے مشاہیر ہندو مسلمان اہل قلم کی خدمات آئینہ کے لئے حاصل ہو گئی ہیں۔ جن کے مضامین نے رسالہ کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ غرضکہ کم قیمت اور بہترین ادبی رسائل میں آئینہ کا درجہ بہت بلند ہے۔ قارئین پیشوا کو مفت نمونہ طلب کر کے فکر صاحب کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔

عادل اخبار سائز ضخامت ۸ صفحے قیمت فی پرچہ ایک آنہ سالانہ پندرہ روپئے منیجر روزنامہ عادل دہلی۔

دسمبر ۱۹۳۱ء سے نہایت پابندی وقت سے روزانہ بہترین اور پُر از معلومات سیاسی، ادبی، تاریخی، اسلامی مضامین، حالات حاضرہ پر دلچسپ نوٹ اور مقالات مع تازہ خبروں کے ساتھ صحیح اردو میں شائع ہوتا ہے۔ ایڈیٹر سید ابن عربی صاحب ہیں۔ اور نگران حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ ہیں۔

دہلی سے آجکل جتنے رسائل اور اخبارات شائع ہو رہے ہیں ان میں صرف پیشوا، نظام المشائخ، ساقی کے ایڈیٹر دہلوی ہیں۔ اور اب عادل دہلی والوں کی زبان میں ایک مشہور کہنہ مشق دہلوی اہل قلم کی نگرانی میں دہلی کے ایک نوجوان اہل قلم کی ایڈیٹری میں شائع ہو رہا ہے۔ ان تینوں پرچوں کے علاوہ جتنے پرچے دہلی سے شائع ہو رہے ہیں ان میں سے کوئی پنجاب کا ہے تو کوئی آسام کا۔ اور کوئی میرٹھ کا ہے تو کوئی شاہجہانپور کا۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور کا انقلاب بھی اپنی زبان دانی کی وہ نسبت ہی کے لئے پانی پت، شاہجہانپور کے غلط نویسوں کی تحریروں پر دہلوی زبان کا دھکا دے کر گرفت کیا کرتا ہے۔ اگرچہ اس کو خود خبر نہیں کہ صحیح اردو کسے کہتے ہیں۔ مگر یہ فرہنگ آصفیہ کا حافظہ سب کو ایک ہی لکڑی ہانکتا ہے اور ان گنواروں کی وجہ سے دہلی والوں کی زبان کو ہدف ملامت بناتا ہے۔ جن بد تمیزوں کو زبان سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

بہر حال خدا کا شکر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی نگرانی میں دہلی کی صحیح زبان میں ایک بہترین روزنامہ شائع ہو رہا ہے۔ جو ہر حیثیت سے قابل ہے کہ ہندوستان اس کی ہمت افزائی کریں۔ نیز اخبار عادل کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے اچھوتے البیلے تازہ مضامین روزانہ اس میں شائع ہوتے ہیں۔

مسلمہ ایڈیٹر جنابہ عزیز خاتون صاحبہ حجم ۳۲ صفحے قیمت ایک روپیہ۔ منیجر رسالہ مسلمہ جالندھر

جالندھر میں مسلمان بچیوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ ہے اور یہ ماہوار مسلمہ رسالہ اس مدرسہ کا آرگن ہے۔ تمام مضامین اسلامی تعلیم کو سامنے رکھ کر لکھے جاتے ہیں۔ افسانے بھی ذلیل اور گندے ادبی لٹریچر سے بچ کر ایسے عبرت آموز اور اصلاحی و اخلاقی پہلو کو نمایاں کر کے لکھے جاتے ہیں کہ بلا تکلف مستورات کو پڑھ لینا چاہیئے۔ غرضکہ مسلمہ ہر حیثیت سے قابل قدر پرچہ ہے۔ نمونہ مفت طلب کیجئے۔

فانوس ایڈیٹر جناب سردار علی صاحب افسر ضخامت ۴۸ صفحے اچھی لکھائی چھپائی کاغذ سفید چکنا قیمت سالانہ تین روپئے۔ پتہ دفتر رسالہ فانوس ...

فانوس ایک علمی اور ادبی ماہوار رسالہ ہے۔ دسمبر ۱۹۳۱ء سے لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ مشہور اہل قلم کی خدمات حاصل کر چکا ہے۔ مضامین ... اور پڑھنے کے لائق ہیں۔ ملک کو قدر دانی کرنی چاہیئے۔ نمونہ کا پرچہ مفت۔

سالنامہ نیرنگ خیال ضخامت سوا دو سو صفحات بڑی تقطیع۔ قیمت عہ۔ پتہ۔ منیجر رسالہ نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور۔

رسالہ نیرنگ خیال پنجاب کے تمام ادبی رسائل کا سرتاج ہے۔ جو میرے دوست جناب حکیم یوسف حسن صاحب کی نگرانی میں لاہور سے ۱۹۲۴ء سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ حکیم صاحب سال کے ۱۲ پرچوں کے علاوہ ہر سال عیسوی نو روز پر ایک سالنامہ بھی شائع کرنے کے موجد ہیں جو انگریزی رسائل کے بہترین سالناموں سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ زیر نظر سالنامہ ۱۹۳۲ء کا سالنامہ ہے جس میں سب مشہور شعراء اور مضمون نگاروں کے نام نظر آتے ہیں۔ مزاحیہ مضامین، افسانے، تاریخی، علمی، تحقیقاتی مقالات سے رنگین ... کی بہترین ... خوشنما مناظر کے فوٹو مجموعوں کے بلاک غرضکہ سالنامہ کو بہترین بنانے میں دل کھول کر ... کیا گیا ہے اور یہ سالنامہ یقیناً اس قابل ہے کہ ملک اس کی قدر کرے۔

نظام المشائخ کا نیا چولا نظام المشائخ نے پورے بائیس سال کے ... قدامت پسندی کو خیرباد کہہ کر بڑا سائز تبدیل کر لیا ہے۔ اور اب وہ پیشوا کے سائز پر ... صفحات پر بہترین مذہبی تاریخی علمی مضامین کے ساتھ پوری پابندی وقت کے ساتھ جنوری ۱۹۳۲ء سے شائع ہو رہا ہے۔

جناب مولانا واحدی صاحب کا سنجیدہ مذاق رسالہ کے جدید دور میں نمایاں ہے۔ نظام المشائخ مضامین ترتیب، لکھائی چھپائی، کاغذ کے اعتبار سے ہندوستان کے مذہبی رسائل کی صف اول میں ہے۔ اور یقیناً اس قابل ہے کہ مذہب سے شغف رکھنے والے مسلمان اس کی قدر کریں۔

یوسف ۱۲ | ۳۵۰ | منزل ۳ | وما ابرئ نفسی ۱۳

حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں کے لئے دعا کرنا

اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى

تحقیق تو البتہ بیچ اپنے قدیم بہکنے کے ہے۔ پس جب آیا خوشخبری لانے والا ڈال دیا اس کو اوپر

کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔ پس جب خوشخبری لانیوالا آپہنچا [illegible] منہ پر

وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّىْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ

منہ اس کے پس ہو گیا بینا۔ کہا کیا نہ کہا تھا میں نے واسطے تمہارے تحقیق میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے

[illegible] آپ نے بیٹوں سے فرمایا کیوں میں نے تم سے کہا تھا کہ اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ۝

جو کچھ تم نہیں جانتے۔ کہا انہوں نے اے باپ ہمارے بخشش مانگ واسطے ہمارے گناہ ہمارے کی تحقیق ہم تھے خطا کرنے والے

تم نہیں جانتے۔ سب بیٹوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ ہمارے لئے خدا سے ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے بیشک ہم خطاوار تھے۔

ف حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ عنقریب میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے معافی مانگوں گا جو قبولیت کا وقت ہے یعنی سحر یا تہجد کے وقت یا شب جمعہ میں یا یوسف سے معاف کرانے کے بعد کیونکہ مظلوم کی معافی بھی مغفرت کے لئے شرط ہے۔ غرض ایسا ہی کیا۔ یعقوبؑ نے دعا کی اور بیٹوں کا قصور معاف ہونے کی اللہ سے دعا کی اور یوسف نے بھی ساتھ بھائی نہایت خشوع و خضوع سے پیچھے کھڑے ہوئے حضرت جبرئیل نے فوراً

سورۃ بنی اسرائیل مکیۃ وہی مائۃ و احدی عشرۃ آیۃ و اثنا عشر رکوعا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى

الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ

هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ وَاٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى

لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ۝ ذُرِّیَّةَ مَنْ

اصلی خوشنما سولہ سطری

معریٰ قرآن مجید جو ابھی چھپ کر تیار ہوا ہے اور جو ہر ایک کو پسند ہے اس لئے کہ اس سے پہلے ایسا قرآن شریف چھپا ہی نہیں

دعویٰ ہے کہ ایسا قرآن شریف آپ نے نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ ایسا قرآن شریف ہے کہ صرف بغدادی قاعدہ پڑھ لینے کے بعد ہر بچہ قرآن شریف بغیر استاد کی مدد کے پڑھ لیتا ہے۔ منشی ستار صاحب یگانہ خوشنویس [illegible] کے تمیز جانشین منشی صلاح الدین صاحب نے کتابت کا کمال اس قرآن شریف میں دکھایا ہے اور بچوں کی ذہنیت کا لحاظ رکھکر اس کی کتابت کی ہے یعنی حرف کی شکل اور آن کو جدا اس قدر صحیح اور واضح رکھے ہیں کہ بالقصد بچے غلط پڑھ ہی نہیں سکتے اور بچہ کو یہ سمجھنے کے لئے ذرا بھی توقف کرنا نہیں پڑتا کہ اس لفظ میں کونسا حرف پہلے ہے اور کونسا بعد میں اکثر غلطیاں الفاظ کے درمیانی ت ن ث ی وغیرہ میں ہوتی ہیں یا حروف کی گنجانی اور کششوں کی درازی اور [illegible] کی وجہ سے مذکورہ حروف میں اشتباہ ہو جاتا ہے اس لئے بچہ کا پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے [illegible] خطاط نے یہ شوکیں ملحوظ رکھکر کتابت کی ہے تجربہ نہیں دعویٰ ہے کہ جو بچہ دوسرے قرآن کا سبق ڈیڑھ گھنٹہ میں یاد کرتا ہے تو اس قرآن مجید میں پندرہ منٹ میں یاد کر لیگا اور کم سے کم اس قرآن شریف میں کبھی غلط نہیں پڑھے گا اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ جن عورتوں کو ذرا بھی حرف شناسی ہوگی وہ اس قرآن شریف کو بآسانی پڑھ لیں گی ہر صفحہ کے گرد اگرد نقش و نگار ہے [illegible] ہر پارہ کے شروع آخر اور بیچ کے نقوش سے آراستہ ہے ہر پارہ علیحدہ [illegible] بچوں کے لئے ایک آسانی یہ ہے کہ اختلاف قرأت جہاں کہیں ہے وہ حاشیہ پر بتلا دی [illegible] ایسا قرآن شریف کے متعلق ضروریات کا خلاصہ ہے آخر میں دعائے ختم القرآن ہے اور صحت کی سند میں سولہ مستند حفاظ صحیح اور قراء کی ضمانت کی مہریں ہیں اس لئے ذرا سے نقطہ کی غلطی کا بھی امکان نہیں چھپائی [illegible] دعویٰ ہے [illegible] یہ دعویٰ ہے کہ معریٰ قرآن میں اس سے بہتر نہیں کیا اس کے برابر بھی کوئی قرآن شریف نہیں چھپا واللہ یہ اشتہاری ترغیب نہیں اس قرآن مجید کے سامنے آنے کے بعد [illegible] آپ یہ بھی [illegible] اثر ہوگا۔ اور میں تو اپنے ذہن میں الفاظ سے زیادہ اس میں خوبیاں پاتا ہوں اس لحاظ سے تو یہ قرآن شریف اور بھی اہم ہو جاتا ہے کہ اس کا ہدیہ بھی بہت سستا ہے ایک جلد مجلد [illegible] پانچ جلد مجلد [illegible] مجلد پارہ [illegible] مجلد پارہ [illegible] دس جلد مجلد [illegible] گیارہ روپے مجلد پارہ پر دس جلد [illegible] روپے اب محصول ڈاک بڑھ گیا ہے اس لئے ایک خواہ مجلد ہی ہو یا پارہ [illegible] دو روپے بارہ آنے اور دس کا صرف محصول ہوگا۔ اس لئے پانچ جلد اور دس جلد بذریعہ ریل منگا لیجئے ریل کے پارسل پر علاوہ کرایہ ریل بارہ آنے یہاں ضرور خرچ آتا ہے [illegible] اسٹیشن اردو انگریزی دونوں میں صاف طور سے لکھیے ریلوے پارسل کیلئے [illegible] پیشگی آنے ضروری ہیں ورنہ تعمیل نہ ہوگی۔ ملنے کا پتہ: مینیجر رسالہ پیشوا دہلی

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا
(اے ہمارے پروردگار! ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا)

۱۹۳۵ء

پیشوا
دہلی

ایک ماہوار مذہبی اور اصلاحی رسالہ

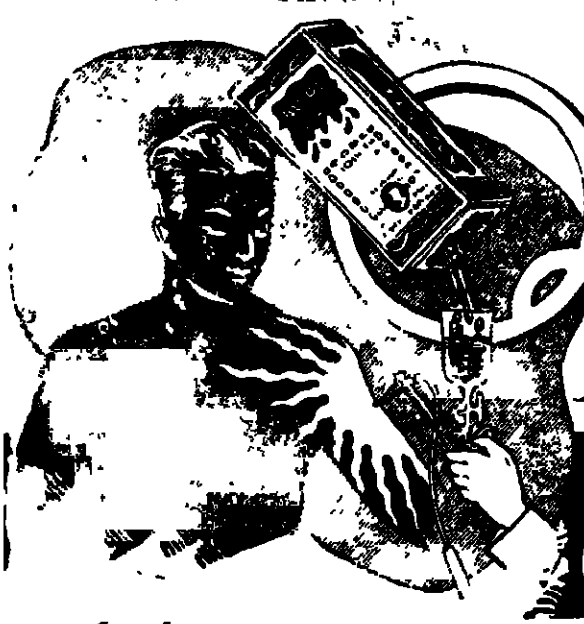
مدیر مسئول سید عزیز حسن بقائی



قیمت سالانہ
۱ روپیہ

فی پرچہ
۲ آنے

مقام اشاعت جامع مسجد اردو بازار دہلی



جوانی خرید لو



ہندوستان کے سائنسدانوں نے گذشتہ چند سالوں سے اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا کہ جوانی کو دوبارہ انسان کی مردہ رگوں اور مردہ اعصاب میں کس طرح بھرا جاسکتا ہے۔ سوچتے سوچتے کامیابی کی راہ نکلی۔ اور ایک ایسا علاج معلوم ہوگیا کہ جس سے ہزاروں ڈاکٹروں اور حکیموں نے چھڑک کر یہ کہا کہ ہندوستان کی جڑی بوٹیاں جواہرات سے زیادہ قیمتی ہیں۔ آب حیات ہیں۔ امرت ہیں۔ یہ اچھی جڑی بوٹیوں کا کرشمہ ہے کہ

رِی جووین (کورس)

جیسی ایجاد مکمل ہوگئی۔ اگر آپ واقعی کمزور ہوگئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوبارہ جوانی حاصل کریں۔ تو سولہ دن میں اپنے جسم کی کایا پلٹ ڈالئے۔ آپ کو دوا کے استعمال کے دوران میں معلوم ہوگا کہ جوانی دوبارہ جنم لے رہی ہے۔

ری جووین کورس سے کھوئی ہوئی جوانی حاصل کرنے کیلئے آپ ہرگز دیر نہ کریں۔ کھانے اور مالش کی دونوں دواؤں کے کورس کی قیمت پانچ روپے ہے۔

وی۔ پی۔ کے ذریعہ منگانے پر محصول ڈاک تیرہ آنے (۱۳) خرچ ہوتا ہے۔

اکسیری دواخانہ کٹان محل، بکس نمبر ۱۱ (یو۔ایل) دہلی

اسلامیہ دارالاشاعت
دہلی کا ایک ماہوار
مذہبی، اخلاقی، اصلاحی
ادبی رسالہ
مقام اشاعت
اردو بازار، جامع مسجد دہلی

ٹیلیفون نمبر ۶۹۶۲

پیشوا دہلی

ضروری اطلاع
ہر قسم کی خط و کتابت میں
اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے
ورنہ شکایت کی تعمیل نہ ہوگی
(مینجر پیشوا)
قیمت سالانہ — دو روپے
ممالک غیر سے — ۴ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۲ | بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق جولائی ۱۹۴۶ء | نمبر ۸

شذرات

(سید عزیز حسن دہلوی)

حکایت اور شکایت

رجب کا پیشوا ۱۲ رجب تک چھپ گیا تھا، صرف ٹائیٹل چھپنا باقی تھا اسی لئے میں نے لکھ دیا تھا کہ پیشوا وقت پر آ گیا مگر

تدبیر کند بندہ، تقدیر کند خندہ

پر عمل ہوا۔ یکایک ۱۴ رجب کو میرا اور میرے لڑکے سید امین حسن کا بمبئی جانا ہو گیا۔ واپسی ۳ شعبان کو ہوئی۔

ٹائیٹل پریس نے چھاپا نہیں، کیونکہ کاغذ کا کوٹہ ختم ہو گیا تھا، اور میں اس کا بندوبست کرنا بھول گیا تھا۔

پیشوا آفس میں ایک ہندو اور ایک مسلمان کلرک۔ ۴ کاتب دو ٹائپسٹ۔ ایک چپراسی تھے۔ ایک صاحب کے سپرد مضامین کی دیکھ بھال کی۔ مگر جب ہم دونوں باپ بیٹے دہلی آئے تو دیکھا کہ ہندو کلرک غائب ہے جس کے ذمہ روپیہ باقی ہے۔ مسلمان کلرک نے دفتر کو غسل خانہ، ہیر سیلون، لائبریری بنا رکھا تھا۔ تمام رجسٹروں کو تباہ کر دیا تھا۔ کچھ رقومات رسید بک میں موجود، لیکن کھاتے میں ندارد۔ جب میں آیا تو کاتبوں کے سب کاتب مع ایک دو روز میں کام چک کیا گیا، تو خریداروں کے پتوں کا فائل غائب۔ اور سارا کام سنسان تھا۔ رسالہ بغیر ٹائیٹل کے چھپا رکھا ہے۔ ایک ہی روز میں چھپائی کرائی گئی۔ مگر دوسرے روز سے ڈاک خانہ کی ہڑتال شروع ہو گئی، جو دہلی میں سب سے زیادہ مکمل ہوئی، جس کے باعث رجب کا پیشوا شعبان کی ۲۳ کو دہلی سے کس طرح روانہ کیا۔ اس کی تفصیل بڑی صبر آزما ہے۔

ان سب کے باوجود بلا خبر پرچہ میں میری ذمہ داری نہیں معذرت ہی کرنی ہے۔ یہ تھی پیشوا کے دیر میں شائع ہونے کی حکایت

اب شکایت سنئے۔

اس دوران میں ۵۰ فیصدی ڈاک کے ضائع ہونے کے باوجود کئی ہزار خطوط شکایتی آئے، جس کو مجھے شدید ملیریا میں مبتلا ہونے کے باوجود پڑھنا پڑا۔ ان خطوط میں سے اکثر خریداروں نے تمیزداری سے پرچہ نہ پہنچنے کی شکایت کی تھی۔ لیکن کچھ بدتمیز ایسے تھے، جنہوں نے طعن و تشنیع سے کام لے کر میرے معتقدات و نیت پر حملہ کیا ہے۔

میں ایسے سب خریداروں کا جواب فرداً فرداً نہیں دے سکتا تھا، اور چونکہ ان کے ساتھ جوابی کارڈ نہ تھے۔ اس لئے مجھ پر جواب کی ذمہ داری بھی نہ تھی۔ ایسے تمام بدتمیز شکایت

(سید عزیز حسن ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے کمال سنز، ... پریس ... سے چھپوا کر دفتر رسالہ ... جامع مسجد دہلی سے شائع کیا)

[illegible] کرسکتے ہیں کہ

"ان کے خطوط قانون از اور حیثیت کی زد میں آتے ہیں جن پر دہلی میں فوجداری اور دیوانی دعوے ہو سکتے ہیں۔ اور جن کا ثبوت فراہم کرنا ان کیلئے قطعی ناممکن ہے۔ ایسے خطوط گاہک اور دکاندار کے رشتہ محبت کو خراب کرتے ہیں۔ ایسے خطوط گاہک کے خبث باطن کا ثبوت ہوتے ہیں۔ کیونکہ کوئی دوکاندار کسی ایسے گاہک کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ قیمت پر بھی مال بیچنا پسند نہ کرے گا۔ جو اس کو گالیاں دے اور جھگڑا کرے۔

اس لئے جو لوگ پیشوا کی اشاعت میں تاخیر گوارا نہیں کر سکتے۔ اس کی پالیسی کو پسند نہیں کر سکتے۔ ان کو پیشوا خریدنا ہی نہیں چاہئے۔ اور اگر اب وہ چاہیں تو اپنی خریداری منقطع کر لیں"۔

میں انتہائی کوشش کرتا ہوں کہ پیشوا وقت پر شائع ہو۔ ۵۰ سال کا اخبار نویس ہوں۔ ۳۰ سال سے پابندی سے پیشوا شائع کر رہا ہوں۔ بچہ نہیں ہوں۔ چھپن سال کا بوڑھا ہوں۔ مجھ پر گالیوں، تہمتوں، طعنوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نہ میرے پاس اتنا وقت اور اسٹاف ہے کہ ہر بدتمیز کے بیہودہ خطوط کے جوابات دیئے جائیں۔ اس لئے جو لوگ مجھ پر اور میری انتظامی صلاحیتوں پر بھروسہ نہیں کرتے، وہ میرے اخبارات ورسائل کے خریدار نہ بنیں۔ میں نے ان کو زبردستی خریدار نہیں بنایا۔ نہ آئندہ کے لئے رکھنا چاہتا ہوں، وہ نمبر خریداری کے ساتھ خط لکھیں، ان کا بقیہ واپس کر دیا جائے گا۔

ہر شخص ان مشکلات کو نہیں سمجھ سکتا جو میرے مخالفین میرے لئے سازشیں کر کے پیدا کرتے ہیں۔ دوسرے رسائل واخبارات کا حوالہ دینا حماقت ہے۔ کیونکہ ان کے راستے میں وہ مشکلات نہیں ہیں، جو میری راہ میں ہیں۔ میری ان کی راہ جدا ہے۔

کیا اس سے زیادہ مجھے لکھنے کی ضرورت ہے؟

پیشوا کو وقت پر لانے کے لئے میں زیادہ سے زیادہ کوشش کر رہا ہوں۔ نتیجہ خدا کے اختیار میں ہے۔ میرا کام محنت اور کبھی نہ تھکنے والی محنت ہے، جس سے میں بڑھاپے اور بیماری میں بھی نہیں بھاگا۔ پھر دلخراش بکواس سے فائدہ؟

کلام اللہ طلب کرنے والے

پرانی مشتہرہ قیمتوں پر کلام اللہ پرانے اشتہارات کے مطابق طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ اس عرصہ میں دنیا بدل گئی۔ حکومتوں کے جغرافیئے تبدیل ہو گئے۔

میرے مطبوعہ کلام اللہ ختم ہو گئے۔ بازار میں جس ہدیہ پر ملتے ہیں، اسی پر فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے کلام اللہ طلب کرنے والے کچھ نہ کچھ پیشگی ضرور بھیجیں ورنہ تعمیل نہ ہوگی۔

تمام کاروبار بند

ڈاک خانہ کے نالائق افسروں کی بدولت ڈاک کے ذریعہ ہونے والا تمام کاروبار بند ہے۔ ایک منی آرڈر، رجسٹری، وی۔ پی، بیمہ وصول نہیں ہوتا۔ ایک وی۔ پی پیکٹ، رجسٹری پارسل لیا نہیں جاتا۔

پس ایک ہی صورت رہ گئی ہے کہ جو حضرات پیشوا کے خریدار ہیں، اور ان کی میعاد خریداری ختم ہو گئی ہے، یا نئے خریدار ہونا چاہتے ہیں، وہ پوسٹل آرڈر کی صورت میں روپیہ بھیجیں اور کسی شہر یا قصبہ میں کئی خریدار ہوں تو وہ کسی بنک کا کراس چیک بھیج دیں۔ پرچہ وصولی رقم کے بعد ان کے نام جاری کر دیا جائے گا۔

اگرچہ کتابوں کی فرمائشوں کی تعمیل اس صورت میں بھی نہیں ہو سکتی، جو پیشوا کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ تاہم اس طرح کاروبار کو جاری رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ آمدنی ہونی شروع ہو جائیگی ورنہ کاروبار بالکل بند ہے۔ جس کی تلافی کسی صورت میں نہ ہو سکے گی۔

خطوط کا بڑا حصہ ضائع جا رہا ہے۔ اس لئے اگر تعمیل نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ خط پہنچا ہی نہیں۔

کاپی نویسوں کی ضرورت

کاپی نویس کی ضرورت کے اعلان کو بعض بھولے دوست یہ سمجھتے ہیں کہ محرر کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ درخواستیں بھیج دیتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

پس ایسے کوئی صاحب درخواست نہ بھیجیں، جو کاپی کے

کاغذ پر ہو، اور چھپا ہوا نمونہ نہ بھیج سکیں۔

کسی خوش خط کاپی نویسوں کی ضرورت ہے۔ تنخواہ یا اجرت کا فیصلہ نمونہ دیکھ کر کیا جائے گا۔ اخباری کام سے واقفوں کو ترجیح دی جائے گی۔

ایسے کاتبوں کی بھی ضرورت ہے، جو اپنے گھر پر رہ کر کتابت کر سکیں۔

سب کے نمونے اور درخواستیں مینجر رسالہ پیشوا جامع مسجد دہلی کے نام آنی چاہئیں۔

مسلمانوں کے مذہبی لیڈر

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے مسلمانوں کے لئے ایک مذہبی لیڈر تلاش کر لیا ہے، جس کا تعارف وہ حسب ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"میرزا صاحب قادیانی کے مشورہ کے مطابق میرے پرانے دوست لالہ کرم چند صاحب ایڈیٹر پارس نے مسٹر جینا کی ہجو اور ہتک کے لہجہ کو نرم کر دینے کا اعلان فرمایا ہے۔

غنیمت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ایک مذہبی لیڈر کا نام لیا!

خواجہ صاحب نے اپنے پرانے دوست لالہ کرم چند صاحب پر (جو اتنے ہی پرانے ہمارے بھی دوست ہیں جتنے خواجہ صاحب کے نمائشی طور سے ظاہر ہیں) جو شرمناک الزام مسٹر جینا کی ہجو اور ہتک کا لگایا ہے۔ اس کے اعتراف کو اگر وہ حقیقت ہو تو ہم ایک اخبار نویس کی اخلاقی اور صحافتی موت سمجھتے ہیں، ہم حیران ہیں کہ خواجہ صاحب کی نادان دوستی پر لالہ جی کو مبارکباد دیں یا لالہ جی کی حماقت پر ان کو ملامت کریں۔ اگر یہ حقیقت ہو۔ کیونکہ ہمارے نزدیک پارس میں جو کچھ مسٹر جینا کے متعلق لکھا گیا وہ نہ توہین ہے نہ ہتک۔

اگر حقائق کا اظہار توہین اور ہتک سمجھا جانے لگا، تو پھر دنیا میں پبلک مفاد کے لئے کسی لیڈر پر بھی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔ جس کو آزاد صحافت نگار کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی اخبار نویس کسی لیڈر کے خلاف ذاتی عداوت کی وجہ سے کوئی نکتہ چینی کرتا ہے تو وہ یقیناً اخبار نویسی کے معزز پیشہ کو بدنام کرتا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ لالہ جی کو مسٹر جینا سے کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے۔ وہ ان کو ملک کا غدار سمجھتے ہیں۔ اور غدار کسی ملک میں کسی عزت کے مستحق نہیں سمجھے جاتے۔ ملک کی آزادی کے خلاف مسٹر جینا کی غدارانہ جدوجہد قابل صد احترام۔ کانگرسی رہنماؤں پر جینا صاحب کا تہمتیں تراشنا، ان کو گالیاں دینا یقیناً اس سے کم جرم ہے، جس کے مرتکب خود خواجہ صاحب کانگرسی مسلمانوں کے قتل کا فتویٰ دے کر ہو چکے ہیں۔ اور لیگ کا ہر دریدہ دہن، چندہ خور، بد زبان، بد طینت پیر اور مولوی ہو چکا ہے۔

ہم خواجہ صاحب سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت خواجہ صاحب اور ان کے یہ قادیانی مذہبی لیڈر کس خواب خرگوش میں تھے۔؟

جس وقت علماء یہود و نصاریٰ کی طرح کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلعم کو علماء سو لیگی بنا رہے تھے۔ اس وقت مسٹر جینا کی فرضی ہتک سے متاثر ہونے والے کہاں تھے؟ کیا ان کے نزدیک لیگی ملاؤں، ایڈیٹروں لیڈروں کا یہ جرم اس قابل نہ تھا کہ اس پر توجہ کی جاتی؟ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مسٹر جینا کی عزت کلام اللہ کی عزت سے زیادہ تھی۔ (نعوذ باللہ)

جس وقت قادیانی خلیفہ جی کے باوا اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے تمام انبیاء و مرسلین ع۔ کلام اللہ، حضور سرور کائنات اہل بیت کرام ع۔ صحابہ کرام رض، اولیاء عظام رح کے دعاوی کی تکذیب کر رہی تھی۔ اور اب بھی تمام غیر قادیانی مسلمانوں کو خلیفہ جی کافر کہتے اور سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ ان کے مردے اپنے قبرستانوں میں دفن نہیں ہونے دیتے ان کے ساتھ شادی بیاہ نہیں کرتے، جو ان کو نہ مانے اس کی ماں کو کتیا سے مخاطب کریں، جو حضرت سیدہ فاطمہؓ کے زانو پر اپنے سر کو رکھنے کی گستاخی کرے اور جو حسینوںؓ کو اپنے گریبان میں ڈالنے کی ملعون جسارت کرے، اور جس کو علمائے اسلام میں مرتد، کافر مسلمہ طور سے قرار دیا گیا ہو، اس کو خواجہ صاحب

"مسلمانوں کا مذہبی لیڈر"

قرار دیں اور نہایت فخر سے اس کا تذکرہ کریں۔ اللہ اللہ دین و مذہب کی یہ رسوائی کن کے ہاتھوں ہو رہی ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی، مسلمانوں کے حقوق کے واحد پاسبان۔ قادیان نوازی کی یہ حکمت و مصلحت کیا ہے۔ اس [illegible] سردست

پیدا نہیں ڈالتے۔

لیکن ہم خواجہ صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ کانگریسی جمعیت کے کسی مولوی سے نہیں تو کسی سامراجی جمعیت کے کسی عالم سے یا کسی پیر سے اس کا اعلان کرا دیں کہ

"قادیانی خلیفہ جی مسلمانوں کے مذہبی لیڈر تو کجا رہے خود مسلمان بھی ہیں۔؟"

جاپانی شیخ الہند مولوی عثمانی سے اپنے بیان کی تائید کرائیں پنجاب کے پیر جماعت علی شاہ آستانہ گولڑہ شریف کے سجادہ صاحب سے۔ منشی آل رسول علی خاں دیوان اجمیر سے قادیانیوں کے اسلام کا اعلان کرائیے، اور اس سے پہلے یہ بتائیے کہ کروڑوں کانگریسی مسلمانوں کے قتل کا جھوٹا فتویٰ دے کر کلام اللہ کی آیات کو مسخ کرکے جو اشتہارات آپ نے شائع کئے تھے، اور جماعت سے کٹنے کا جو الزام آپ نے کانگریسی مسلمانوں پر لگایا تھا، اس میں قادیانی خارج تھے یا نہیں؟

ہم جانتے ہیں کہ خواجہ صاحب یا ان کے حواریوں میں سے کسی میں ہمت نہیں ہے کہ وہ ہمارے اعتراضات کے جواب دیں اور نہ مولوی شبیر احمد عثمانی میں یہ جرأت ہے کہ وہ قادیانیوں کو مسلمان ثابت کر سکیں۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ وہ کچھ لفنگوں سے سازش کرکے

"دہن سگ لقمہ دوختہ بہ"

پر عمل کرکے کسی چھچھورے کو اسی طرح ہمارے خلاف لکھنے پر آمادہ کریں گے، جس طرح کوئی فاحشہ عورت نوجوان مرد کو زنا کے لئے چھیڑا کرتی ہے۔

اولاد شمر و زیاد کی تلاش

فحش گالیوں اور قاتلانہ حملوں کے خطوط کا بڑا حصہ بمبئی کے مجاہدین لیگ نے بھیجا ہے جنہوں نے اپنی نسل کا اظہار خود اپنے قلم سے ابن زیاد، ابن شمر وغیرہ لکھ کر کیا تھا۔ اور مجھے بمبئی میں آکر قتل کرنے کا بڑے فخر اور جوش سے اعلان کیا تھا۔ بعض نے تو تاریخ بھی مقرر کر دی تھی جس کا انتظار کرتے کرتے میں تھک گیا اور میں نے اعلان کیا کہ

"بمبئی کی یزیدی فوج حسینؓ کی اولاد کو کرایہ بھیج دے تاکہ میں قتل کے لئے بمبئی پہنچ جاؤں"

لیکن ابن زیاد اور شمر کے ان نام نہاد جانشینوں نے نہ مجھے بلایا اور نہ خود آئے۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ کیرکٹر کے اعتبار سے ان کے آباؤ اجداد شمر، ابن زیاد، یزید، خولی وغیرہ علیہم اللعنۃ ان سے بہتر تھے۔

مگر اتفاق ہے کہ میں بمبئی ۱۵ جون کو پہنچا اور ۲۸ جولائی تک رہا بمبئی پولیس نے اور میں نے ہر چند ان لیگی سورماؤں کو تلاش کیا مگر یہ بہادر پاکستانی تلاش کے باوجود نہ ملے۔

میں شمر اور یزید کو بدنام کرنے والی اس کی اولاد کو مطلع کرتا ہوں کہ میں بمبئی پھر آؤں گا۔ اگر تمہارا باپ کوئی بھنگی نہ تھا، اور تم اس کی جائز اولاد ہو تو اپنے دعوے کے مطابق مجھے قتل کئے بغیر نہ چھوڑنا۔ اور اگر قتل نہ کر سکو تو تم سمندر کے کسی کونے میں ڈوب مرنا۔ اگر تم میں ذرہ برابر بھی غیرت ہے۔

بمبئی کے علاوہ پاکستانی سورما جس صوبہ میں مجھے قتل کے لئے بلانا چاہیں، جانے کے لئے تیار ہوں۔ فرمائیے کچھ ہمت ہے؟

جن

خریدار صاحبان کی میعاد خریداری اس مہینہ میں ختم ہو رہی ہے ان میں

ایک آپ بھی ہیں اور آپ کا نمبر خریداری ...... ہے

اگر آپ سال آئندہ کے لئے خریدار رہنا چاہیں تو کم سے کم دو نئے خریدار فراہم کیجئے اور سب کی قیمت آج ہی دفتر رسالہ پیشوا دہلی کو روانہ کر دیجئے اور اگر خدا نخواستہ کسی وجہ سے آپ خود سال آئندہ کے لئے خریدار رہنا پسند نہ کریں تو از راہ کرم اسی وقت ایک پوسٹ کارڈ منیجر رسالہ پیشوا کے نام لکھ دیجئے کہ سال آئندہ کے لئے خریداری منظور نہیں۔ آپ کے اس کارڈ کے وصول ہوتے ہی آپ کا نام رجسٹر خریداران سے بصد افسوس خارج کر دیا جائے گا اور اگر آپ نے منی آرڈر نہ بھیجا یا عدم خریداری کا خط نہ لکھا تو حسب دستور آپ کو کوئی وی۔پی نہ بھیجا جائے گا کیونکہ وی۔پی بھیجنے کا قاعدہ بند کر دیا گیا ہے۔ وی۔پی آنے کا انتظار نہ کیجئے اور آج ہی قیمت روانہ کر دیجئے۔

منیجر رسالہ پیشوا دہلی

احکام القرآن

(قرآنی احکام پر ایک لاجواب کتاب جو صرف قارئین پیشوا کے لئے لکھی گئی)

(از حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری)

(گذشتہ سے پیوستہ)

قربانی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو حج کی قربانی اور دوسرے مطلق قربانی۔ مطلق قربانی ایام نحر میں کی جانی چاہیئے لیکن حرم اس کے لئے مخصوص و متعین نہیں ہے۔ اس کا کھانا اور صدقہ کرنا جائز ہے۔ حج کی قربانی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو حج کی قربانی اس کا کھانا اور صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔ دوسرے حج سے روک لئے جانے کی قربانی۔ حج وغیرہ کو ایک ساتھ ادا کرنے کی قربانی۔ کسی جنایت کی قربانی۔ نفلی قربانی یہ چار قسم ہوئیں۔ ان سب کو اصطلاح میں ہدی کہتے ہیں۔ ان میں سے دو پہلی قربانیوں کا ذکر سورۃ بقرہ میں آیات فان احصرتم الخ اور فمن تمتع الخ میں ہو چکا ہے۔ تیسری قربانی کا ذکر سورۃ مائدہ میں آیت ومن قتلہ الخ میں کیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلی اور تیسری قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ان قربانیوں کے لئے قربانی کے دن مخصوص ہیں، جب چاہے کرے۔ اور دوسری و چوتھی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے۔ ان کو حرم کے اندر قربانی کے دنوں میں کرنا چاہیئے۔ اس آیت میں دوسری اور تیسری قسم کی قربانیوں کا ذکر ہے۔

۵۔ حلق۔ یعنی سر کے بال ترشوانا یا منڈوانا اس کا ذکر اس جملہ میں ہے لیقضوا تفثہم جس کا مطلب یہ ہے کہ ارکان و اعمال حج ادا کرنے کے بعد اپنے میل کو دور کر دو یعنی سر کے بال ترشوا دو یا منڈوا دو۔ ناخن کٹوا ڈالو اور بدن کے میل کو دور کر دو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں سر منڈانا یا بال ترشوانا۔ ناخن کٹوانا وغیرہ ممنوع ہے۔ بعض مفسرین نے قضا کے معنی ترک کے لئے ہیں۔ اور یہ مطلب بتایا ہے کہ احرام کی حالت میں میل کو اپنی حالت پر چھوڑ دو یعنی نہ سر منڈاؤ نہ ناخن کٹواؤ اور نہ میل دور کرو یہاں تک کہ اعمال حج سے فراغت کر لو۔

۶۔ ایفاء نذر۔ آیت کے جملہ ولیوفوا نذورھم میں نذر کو پوری کرنے کا حکم ہے اور یہ حکم وجوبی ہے اور یہاں نذر سے مراد ارکان و اعمال حج ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ واجب حج کو پورا کرو یا قربانی وغیرہ ارکان کو ادا کرو۔

اگرچہ اس موقع پر نذر سے مراد نذر مخصوص یعنی ارکان و اعمال حج مراد ہے لیکن علماء و فقہاء نے اس کو عام حکم پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ مطلق نذر کا ایفاء واجب ہے لیکن کسی حال میں نذر معصیت یا غیر اللہ کا ایفا واجب نہیں نذر اور عہد تقریباً ہم معنے لفظ ہیں۔ اصطلاحی فرق دونوں میں یہ ہے کہ نذر سے وہ عہد مراد ہے جو خدا کی خوشنودی اور حصول تقرب کے لئے کیا جائے۔ اور عہد اس کے خلاف تمام صورتوں کو شامل ہے۔

۷۔ طواف زیارت۔ آیت کے جملہ ولیطوفوا بالبیت العتیق میں طواف زیارۃ کا بیان ہے۔ اور یہ حکم بھی وجوبی ہے اور طواف کی تمام اقسام میں یہی طواف واجب ہے۔ اور حج کے تین بڑے ارکان میں سے ہے۔ جن کی تعداد تین ہے یعنی احرام، وقوف عرفہ اور طواف زیارۃ۔

(۲۰۱)

شعائر اللہ کے احترام کا بیان

ذلک ومن یعظم شعائر اللہ	اللہ کے شعائر کا ادب کرنا
فانھا من تقوی القلوب	دلوں کی پرہیزگاری ہے
لکم فیھا منافع الی اجل	ان چارپایوں میں ایک وقت
مسمی۔ ثم محلھا الی	خاص تک تمہارے لئے
البیت العتیق	فائدے ہیں پھران کو بیت
	عتیق (خانہ کعبہ) کے پاس
	لے جا کر قربانی کرنی چاہیئے۔

تفسیر:۔ قرآن شریف میں صرف یہی ایک آیت چارپایوں کی قربانی کے متعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شعائر اللہ (یعنی خدا کی واجب التعظیم اشیاء) کی عزت و

عظمت کرے گا تو اس کی یہ تعظیم گویا پرہیزگاروں کا فعل ہوگا۔ شعائر اللہ سے مراد دین الٰہی۔ فرائض حج اور مقامات حج ہیں۔

لکم فیہا منافع کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے لئے جو جانور تم حرم لے جاتے ہو اس میں تمہارے لئے ایک وقت خاص تک منافع ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ قربانی کے جانوروں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، مثلاً ان کا دودھ ان کے بچے اون اور بال وغیرہ کو ذبح کرنے کے وقت تک ان چیزوں سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے۔ ایک اور مطلب اس جملہ کا یہ ہو سکتا ہے کہ ان چارپایوں میں ذبح کے وقت تک تمہارے لئے دنیوی فائدے ہیں، اور ذبح کے دینی منافع جو دنیوی فوائد سے زیادہ اہم ہیں۔

فقہی مسئلہ قربانی کے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کے متعلق یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک (یعنی قربانی کے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کے متعلق یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہدایا (یعنی قربانی کے جانوروں) سے نفع اٹھانا جائز ہے مثلاً ان پر سواری کرنا، سامان لادنا، دودھ پینا، اور بچوں کو فروخت کرنا وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہدایا پر نہ تو سواری کرنا جائز ہے، مگر صرف اس وقت جبکہ آدمی چلنے سے مجبور و معذور ہو جائے اور نہ ان کا دودھ پینا درست ہے ہاں دودھ دوہ کر صدقہ کرنا جائز ہے اسی طرح اون اور بال وغیرہ صدقہ کر دینا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہدایا سے دنیوی فوائد حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس صورت میں آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ ان جانوروں میں تمہارے لئے دودھ پینے نسل لینے اور سواری کرنے وغیرہ کے فوائد ہیں۔ اس وقت تک کہ جب تک ان کو قربانی کے لئے نامزد نہ کیا جائے قربانی کے لئے نامزد کر دینے سے ان سے دنیوی منافع حاصل کرنا حرام ہیں۔ پھر چونکہ یہ ہدایا شعائر اللہ بن جاتے ہیں اس لئے بھی ان کی عظمت ضروری ہے۔ اور عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان سے دنیوی فوائد حاصل نہ کئے جائیں۔

ہدایا کی عظمت و حرمت کا مطلب یہ ہے کہ بہتر سے بہتر جانور قربانی کے لئے انتخاب کیا جائے، جو ہر قسم کے عیوب سے پاک ہو۔ یعنی خوب فربہ ہو اور قیمتی ہو۔ منقول

ہے کہ حضورؐ نے اپنے حج میں سو جانور قربانی کے لئے تھے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کی ناک میں سونے کی نتھنی پڑی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایک اونٹ قربانی کے لئے خریدا تھا جس کی قیمت تین سو دینار تھی۔

اسی بنا پر فقہا نے اندھے، لنگڑے، کانے اور دبلے جانوروں کی قربانی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور جن جانوروں کے اعضا کٹے ہوئے یا عیب دار ہوں، ان کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔

ثم محلها الی البیت العتیق کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے لئے ان جانوروں کو حرم محترم میں لے جایا جائے، اور وہاں ان کو ذبح کیا جائے۔

(۲۰۲)

قربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں

والبدن جعلناها لکم من شعائر الله لکم فیها خیر. فاذکروا اسم الله علیها صواف. فاذا وجبت جنوبها فکلوا منها. واطعموا القانع والمعتر کذلک سخرناها لکم لعلکم تشکرون. لن ینال الله لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقوی منکم. کذلک سخرها لکم لتکبروا الله علی ما هداکم وبشر المحسنین

مسلمانو! قربانی کے اونٹ بھی اللہ کے شعائر (یادگار ادب چیزوں) میں ہیں تمہارے لئے اس میں بہت فائدے ہیں ان کو کھڑا رکھ کر ان پر اللہ کا نام لو اور جب وہ کسی پہلو گر پڑیں تو ان کو کھاؤ اور قناعت پیشوں اور گدائی پیشوں کو کھلاؤ۔ ہم نے یوں انہیں تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ اللہ تک ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔ یوں اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو تعلیم احکام حج راہ دین سکھائی اے محمدؐ تم نیک کام کرنے والوں کو جنت کی بشارت دو۔

تفسیر:- اس آیت میں قربانی کے جانور اور اس کے گوشت کو کھانے اور صدقہ کرنے کا بیان ہے۔ اور ان جانوروں کو

شعائر اللہ بنایا گیا ہے۔ فاذکروا اسم اللہ علیہا کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ذبح کرتے وقت اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر اللھم لک و منک و الیک کہو، اور بعض مفسر کہتے ہیں۔ فاذا وجبت جنوبہا کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کے بعد جب جانور پہلو کے بل زمین پر گر کر ٹھنڈا ہو جائے تو تم خود بھی اس کا گوشت کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ آیت کے الفاظ فکلوا منہا سے فقہا نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ گوشت کے تین حصے کرو ایک حصہ خود کھاؤ، ایک حصہ قناعت پیشہ اشخاص کو دو اور ایک حصہ ایسے محتاجوں کو دو جو سائل نہ ہوں لیکن صحیح یہ ہے کہ ایک حصہ کھاؤ، ایک حصہ آئندہ کے لئے رکھ لو اور ایک حصہ محتاجوں کو دیدو۔

آیت میں صواف کا لفظ آیا ہے جس کے معنی کھڑا کرنے کے ہیں۔ اس بنا پر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں بدن سے مراد صرف اونٹ ہے۔ اس لئے کہ اونٹ ہی کو کھڑا کر کے ذبح کیا جاتا ہے، گائے بکری کو کھڑا کر کے ذبح نہیں کیا جاتا۔

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا الخ کی نسبت مفسرین کا بیان یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں لوگ قربانی کے جانوروں کا خون کعبہ کی دیواروں پر ملا کرتے تھے اور گوشت کو بیت اللہ پر لٹکایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اس کو ہماری طرف سے قبول فرمائے۔ مسلمانوں نے بھی جانوروں کو ذبح کر کے ایسا کرنا چاہا۔ اس پر یہ جملہ نازل ہوا اور مسلمانوں کو یہ بتایا گیا کہ قربانی کے جانوروں کا خون اور گوشت اللہ تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ تمہاری پرہیزگاری اور طاعت و خلوص اللہ تک پہنچتا ہے۔

ادب نبوی صلعم

(حضور سرور کائنات ؐ کی سیاسی، اخلاقی، معاشرتی تعلیم پر ایک لاجواب تصنیف)

(از حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۱۰۹)

دودھ بھرے ہوئے تھنوں کا جانور خریدنے کا بیان

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صؐ من اشتری غنما مصراۃ فاحتلبھا فان رضیھا امسکھا وان سخطھا ففی حلبتھا صاع من تمر رواہ البخاری وابوداؤد۔

ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا ہے جس شخص نے ایسی بکری خریدی جس کے تھنوں میں (کئی وقت کا) دودھ جمع تھا پھر اس نے اس کا دودھ دوہا اگر اس کے بعد بکری اس کو پسند ہو رکھ لے اور ناپسند ہو (تو واپس کر دے) اور دودھ کے بدلے ایک صاع کھجوریں دیدے۔

تشریح الفاظ۔ المصراۃ۔ وہ جانور جس کے تھنوں کو دودھ جمع کرنے کے لئے باندھ رکھا ہو، یا جس کا دودھ کئی وقت سے نہ دوہا گیا ہو۔ سخطھا خریداری کو پسند نہ کیا ہو یا جانور کو رکھنا منظور نہ ہو۔ الصاع۔ ایک پیمانہ جو برابر ہوتا ہے دو پیالوں اور ایک تہائی پیالہ کے۔

تشریح معانی۔ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ بکری گائے یا بھینس کو بیچنا چاہتے ہیں، تو ایک دو روز اس کا دودھ نہیں دوہتے۔ یا اس کے تھنوں کو باندھ دیتے ہیں کہ دو تین وقت کا دودھ تھنوں میں جمع ہو جائے۔ پھر اس کو بازار فروخت کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ جو شخص بیچنے والے کی اس حرکت سے واقف نہیں ہوتا۔ وہ فریب میں آجاتا ہے۔ اور جانور کے تھنوں کو دودھ سے لبریز دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ کافی دودھ کا جانور ہے اور زیادہ قیمت دے کر جانور کو خرید لے جاتا ہے۔ لیکن جب وہ جانور کو گھر لے جا کر دوہتا ہے، تو پہلی بار کافی دودھ دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے۔ دوسرے وقت دوہتا ہے تو دودھ کو کم اور بہت کم پاتا ہے۔ تیسرے وقت دوہتا ہے تو اتنا ہی پاتا ہے۔ اس وقت اس کو خیال ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ دودھ کئی وقت کا تھنوں میں جمع تھا، اور اس نے یہ خیال کیا تھا کہ معمولاً اتنا ہی دودھ جانور دیتا ہوگا۔ یہ خیال کر کے وہ اپنے فریب کھا جانے پر افسوس کرتا ہے۔ اور نقصان سے رنج و غم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں حضورؐ نے بتایا ہے کہ جس شخص کو ایسا واقعہ پیش آئے یعنی وہ دودھ جمع کئے جانور کو خرید لے تو اس کو اختیار ہوگا کہ بیع کو قائم رکھے یا فسخ کر دے یعنی جانور کا دودھ دوہنے کے بعد اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے تو اس کو اختیار حاصل ہوگا کہ جانور کو رکھ لے یا واپس کر دے اور جو دودھ اس نے دوہا ہے۔ جانور کی واپسی کی صورت میں اس کا معاوضہ ایک صاع کھجوریں فروخت کرنے والے کو دیدے اور اپنی قیمت واپس لے لے یہ اس لئے کہ بائع یعنی فروخت کرنے والے نے اس کو دھوکہ دیا ہے۔ اس کے قلب کو صدمہ پہنچایا ہے، اور دیانت داری کا خیال نہیں کیا ہے۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ خریداری کو قائم رکھنے یا بیع کو فسخ کر دینے کا اختیار خریدار کو دودھ دوہنے کے بعد حاصل ہوگا۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اگر خریدار کو دودھ دوہنے سے پہلے اس کا علم ہو گیا کہ جانور کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہے تو اس کو بیع کے فسخ کر دینے کا اختیار فوراً حاصل ہو جائے گا۔ یعنی دودھ دوہنے سے پہلے لیکن چونکہ دودھ کے جمع ہونے نہ ہونے کا اندازہ دودھ دوہنے کے بعد ہوتا ہے، اس لئے اختیار کو دودھ دوہنے کے بعد قائم رکھا گیا ہے، اور دودھ دوہنا اختیار کے ثبوت کی قید قرار دیدی گئی ہے۔

۲۔ دودھ جمع کئے ہوئے جانور کی بیع درست ہے لیکن خریدار کو بیع قائم رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ ا۔ اختیار دودھ ۔۔۔ تین دن تک دیا ۔۔۔

رہے گا، جیسا کہ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوا ہے۔

۳۔ یہ حکم بکری ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اونٹ گائے اور بھینس وغیرہ ہر اس جانور کا یہی حکم ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ رہے وہ جانور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ مثلاً لونڈی اور گدھی وغیرہ ان کے دودھ کا معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے کہ خریداری کا مقصود دودھ نہیں ہے البتہ اختیار قیام و فسخ بیع حاصل ہوگا۔

اب رہی یہ بحث کہ پہلی بار دودھ دوہنے کے بعد اختیار حاصل ہوگا یا دوسری تیسری مرتبہ دوہنے کے بعد۔ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خریدار کو دوسری مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد بھی اختیار حاصل ہوگا اور پہلی مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد اس کا اختیار ختم نہ ہو جائے گا۔ تیسری مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ تیسری مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد بھی اختیار حاصل رہے گا۔ اس لئے کہ پہلی مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد کی مقدار کی حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ اور دوسری مرتبہ کے دوہنے کے بعد بھی پوری طرح حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دوسری مرتبہ میں ممکن ہے دودھ کی اصل مقدار سے کچھ زیادہ ہو یا جگہ بدلنے سے دودھ پر کچھ اثر پڑا ہو۔ تیسری مرتبہ دوہنے سے پوری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اور خریدار کو جانور رکھنے نہ رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

۴۔ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جانور کی واپسی کی صورت میں ایک صاع کھجوریں دودھ کے عوض بیچنے والے کو دی جائیں اور اس حکم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دودھ واپس نہ کیا جائے اگرچہ وہ دودھ موجود ہو یعنی دودھ کی موجودگی میں بائع پر دودھ واپس لینا واجب نہیں ہے۔ بلکہ دودھ کا معاوضہ ایک صاع کھجوریں اس کا حق ہے اس لئے کہ حدیث نے اسی کا حق یہی قرار دیا ہے۔ اب رہا یہ کہ دودھ کے معاوضہ میں کھجوریں ہی دی جائیں یا اس شہر کی خوراک کی چیزوں میں سے کوئی اور چیز دیدی جائے۔ یا کھجوروں کے عوض ان کی قیمت دیدی جائے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دودھ زیادہ ہو یا کم ہر حال میں ایک صاع کھجوریں دی جائیں اور یہ اس لئے

کہ دودھ کی قلت وکثرت پر فریقین میں نزاع واقع نہ ہو۔

علمار احناف کا مسلک اس حدیث کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ دودھ جمع کئے جانے کے عیب پر جانور کو نہ تو واپس کیا جائے گا، اور نہ دودھ کا معاوضہ ایک صاع کھجوریں دی جائیں گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم اصول معلومہ کے خلاف ہے۔ اور جو چیز اصول معلومہ کے خلاف ہو اس پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ اصول معلومہ یہ ہیں کہ جو چیزیں مثلیات (یعنی ہم مثل) میں سے ہیں، ان کا معاوضہ مثل ہی ہوگا اور جو چیزیں قیمیات میں سے ہیں ان کا بدلہ زر نقد ہوگا۔ اس مسئلہ میں اگر دودھ مثلیات میں سے ہے تو اس کا بموزن دودھ ہوگا تو زر نقد ضمان ہوگا۔ حدیث میں ضمان کا ذکر تمر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور یہ مذکورہ بالا دونوں اصول کے خلاف ہے۔

دوسری بات یہ کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ چیز کی مقدار کے موافق ضمان ہونا چاہیئے اور اس حدیث میں کھجوروں کی مقدار ایک صاع بتائی گئی ہے۔ خواہ دودھ زیادہ ہو یا کم۔

تیسری بات یہ کہ ایک صاع کھجوریں اس حالت میں بھی دی جائیں گی جبکہ دودھ موجود ہو۔ اس صورت میں اصل چیز موجود ہونے کے باوجود ضمان میں دوسری چیز دی جا رہی ہے۔ حالانکہ اصل چیز کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کو بدلہ میں نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ جبکہ اصل چیز ضائع ہو جائے۔ تو دوسری چیز معاوضہ میں دی جا سکتی ہے۔

علمار احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث خبر احاد ہے جو محض ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اصول معلومہ شرع کی یقینی چیز ہوتی ہے۔ اس لئے یقینی چیز کی موجودگی میں ظن کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ان دلائل پر کافی رد و قدح ہوئی ہے۔ اور ان کے معقول جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ یہ مقام تفصیل کا نہیں ہے۔ اصول کی کتابوں میں اس بحث کو دیکھنا چاہیئے۔

(۱۱۰)

خرید و فروخت میں خیارِ مجلس کا ثبوت

عن حکیم بن حزام رضؓ ان النبی صلعم قال البیعان

حکیم بن حزام رضؓ کہتے ہیں حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ

بالخیار مالم یتفرقا فان صدقا وبینا بورک لھما فی بیعھما وان کتما وکذبا محقت برکۃ بیعھما" رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی واحمد

خریدار اور فروخت کرنے والا جب تک اپنی جگہ سے جدا نہ ہوں بیع کو قائم اور فسخ کر دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اگر خریدار اور بائع دونوں سچ بولیں اور چیز کی حقیقت بیان کر دیں تو ان کی بیع میں برکت دی جاتی ہے اور اگر چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو بیع کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔

تشریح الفاظ:۔ البیّعان بیچنے والا اور خریدنے والا الخیار۔ دو باتوں میں سے ایک بہتر بات کو اختیار کر لینے کا مطالبہ یعنی بیع کو قائم رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار اس موقع پر مراد خیار مجلس ہے یعنی جس مقام پر خرید و فروخت کا معاملہ ہو رہا ہے۔ اس مقام پر معاملہ کا فیصلہ کر لینا یا تو بیع کو قائم رکھنا یا فسخ کر دینا ایجاب و قبول کے ذریعہ یا اس جگہ سے ہٹ جانے کے ذریعہ۔ یتفرقا دونوں یعنی بائع اور مشتری (خریدار) کا اس جگہ سے جہاں بیع ہوئی ہے ہٹ جانا یا چلے جانا۔ بعض لوگ کہتے ہیں یتفرقا سے مراد زبانی معاملہ کو ختم کر دینا ہے یعنی بیع کو مکمل کر لینا اور ایجاب و قبول کے ذریعہ بیع کو ختم کر دینا۔ جدا ہونا ضروری نہیں اور بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یتفرقا سے مراد زبانی بیع کو ختم کر دینا اور اس جگہ سے چلے جانا یا ہٹ جانا ہے۔

بیہقی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

حتیٰ یتفرقا من مکانھما یہاں تک کہ بائع اور خریدار دونوں اس جگہ سے ہٹ جائیں

ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ یتفرقا سے مراد زبانی معاملہ کو ختم کر دینا نہیں بلکہ اس مقام سے ہٹ جانا مراد ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کی نسبت یہ بتایا گیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز فروخت کرتے یا خرید کرتے اور بیع کو کامل کر دینا چاہتے تو معاملہ کر کے اٹھ کھڑے ہوتے اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگتے۔ صدقا و بینا۔ یعنی بیچنے والا خریدار کے سامنے چیز کی حقیقت بیان کر دے اور یہ بتا دے کہ وہ ہر قسم کے عیب نقص سے پاک ہے، اور عیب ہو تو اس کو ظاہر کر دے۔ اور خریدنے والا بیچنے والے کو معاوضہ کی نسبت یہ بتا دے کہ وہ زر نقد دے گا یا کوئی اور چیز دے گا۔ اور یہ کہ اس کا زر نقد یا چیز ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے۔ اور عیب ہو تو اس کو ظاہر کر دے کتما وکذبا یعنی خریدار اور بیچنے والا دونوں اپنی اپنی چیز کے عیب کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں۔ مثلاً خریدار زر نقد کے عیب کو چھپاتا ہے، اور اس کو کھرا بتاتا ہے۔ اور بیچنے والا چیز کے عیب کو چھپاتا ہے، اور جھوٹ بول کر عیب کو ظاہر نہ ہونے دے۔ مطلب یہ کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں ایک دوسرے کو دھوکہ دیں۔ محقت برکۃ بیعھما یعنی ان کی بیع کی برکت کم یا ضائع ہو جائے گی۔ یعنی وہ فائدہ جس کے متوقع بیچنے اور خریدنے والے تھے۔ وہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔ (باقی)

سالکان طریقت

(مقالات صوفیائے کرام پر ایک اہم اور مستقل کتاب جو صرف پیشوا کیلئے لکھی گئی)

(سید عزیز حسن دہلوی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۲۷۶)

موت کو کیوں بُرا سمجھتے ہیں

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ مشہور اُموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملکؒ نے شیخ ابو حازمؒ سے ایک دن پوچھا "شیخ یہ کیا بات ہے کہ ہم موت کو بُرا خیال کرتے ہیں؟" شیخ ممدوح نے فرمایا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے چونکہ دنیا کو آباد کیا ہے اور آخرت کو برباد، اس لئے تم آباد دنیا سے برباد آخرت کی طرف جاتے ہوئے ڈرتے اور اس کو برا سمجھتے ہو۔" سلیمان بن عبد الملک نے کہا: "شیخ تم نے سچ بات کہی۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا کے ہاں جب میں پہنچوں اور اس کے حضور میں حاضر ہوں تو اس کے پاس نجات کا کوئی ذخیرہ پاؤں۔ بتلائیے کیا چیز اپنے لئے خدا کے ہاں جمع کروں؟" شیخ ابو حازم نے فرمایا: "کتاب اللہ پر عمل کر کے خدا کے ہاں اپنی نجات کا ذخیرہ جمع کرو۔" سلیمان ابن عبد الملک نے کہا: "میں قرآن مجید میں وہ چیز کہاں پاؤں جس سے اپنے اعمال کا جائزہ لے سکوں؟" شیخ ابو حازمؒ نے فرمایا: "قرآن مجید کی اس آیت کو ہر وقت پیش نظر رکھو ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم۔" سلیمان بن عبد الملک نے کہا: "خدا کی رحمت کہاں ہے؟" شیخ ابو حازم نے کہا: "خدا کی رحمت محسنین کے قریب رہتی ہے۔" سلیمان عبد الملک نے کہا: "خدا کے حضور میں لوگ کس حالت میں حاضر ہوں گے یا پیش کئے جائیں گے؟" ابو حازم نے کہا: "محسن اور مخیر وہ تو اس طرح پیش کیا جائیگا کہ وہ گویا عرصہ دراز سے اپنے اہل و عیال سے دور اور غائب تھا اور یکایک ان سے آکر ملا ہے اور خوش و خرم نظر آرہا ہے۔" اور گنہگار کی حالت یہ ہوگی کہ وہ گویا بھاگا ہوا غلام ہے اور آقا کے حضور میں جانے سے خائف و لرزاں ہے۔" یہ سنکر سلیمان بن عبد الملک بہت متاثر ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(۲۷۷)

ایک بزرگ کے نماز پڑھنے کا طریقہ

کسی نے شیخ ابو الحازمؒ سے پوچھا: "آپ نماز کیونکر پڑھتے ہیں؟" شیخ نے فرمایا: "جب نماز کا وقت آجاتا ہے تو میں کامل وضو کرتا ہوں یعنی وضو کے فرائض، سنن وغیرہ سب کا خیال رکھتا ہوں۔ پھر قبلہ کی جانب منہ کر کے کھڑا ہوتا ہوں اس طرح کہ خدا کا گھر (کعبہ) میری دونوں بھوؤں کے درمیان ہوتا ہے جنت میرے دائیں جانب ہوتی ہے اور دوزخ بائیں جانب، اور پل صراط قدموں کے نیچے، اور خداوند تعالیٰ مجھ کو دیکھتا ہوتا ہے، اور میرے قلب میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میری نماز خدا اور صرف خدا کے لئے ہے۔ اور اس نماز کے بعد ممکن ہے کہ میں اور کوئی نماز نہ پڑھ سکوں (یعنی مجھ کو موت آجائے اور دوبارہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے) پھر خدا کی عظمت و کبریائی میرے سامنے ہوتی ہے۔ اور میں غور و فکر کے ساتھ اس کا کلام تلاوت کرتا پھر عاجزی اور ذلت کے ساتھ رکوع و سجدہ کرتا ہوں اور سلام پھیر کر نادم و شرمسار بیٹھ جاتا ہوں اور عذر کرتا ہوں کہ میری نماز خدا ہی کو معلوم ہے قبول ہوگی یا نہیں۔ اور قبول نہ ہوئی تو پھر قیامت کے دن میرے منہ پر مار دی جائے گی۔" سائل نے ابو حازمؒ کا یہ بیان سنکر پوچھا: "آپ ایسی نماز کب سے پڑھتے ہیں؟" فرمایا "چالیس سال سے۔" سائل نے کہا: "کاش میں اپنی ساری عمر میں ایک دفعہ بھی ایسی نماز پڑھ سکتا تو اپنے آپ کو کامیاب اور نجات یافتہ خیال کرتا۔"

۲۷۸- اجابت دعا کا ایک عجیب واقعہ

حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں سیاحت

کرتا ہوا ایک شہر میں پہنچا اور ایک مسجد میں گیا۔ دن بھر وہاں رہا۔ رات کو عشا کی نماز کے بعد جب تمام نمازی چلے گئے مسجد کا امام میرے پاس آیا اور کہا: اب تم بھی جاؤ، میں مسجد کا دروازہ بند کروں گا۔ میں نے کہا: میں ایک غریب مسافر ہوں، رات مسجد ہی میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ امام نے کہا: مسافر لوگ مسجد کی شمعیں اور چٹائیاں چرا کر لے جاتے ہیں اس لئے میں رات کو یہاں کسی کو نہیں رہنے دیتا، اگرچہ وہ ابراہیم ادہم ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے کہا: ابراہیم ادہم ہی ہوں۔ رات چونکہ بہت سرد تھی، اس لئے میں نے عاجزی کے ساتھ کہا: میرا خیال تم سے مخفی نہیں ہے۔ امام نے کہا: زیادہ کہنے سننے اور جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ یہاں تک کہ مسجد کے باہر لے جا کر ایک حمام کے تنور کے دروازہ پر مجھ کو لا ڈالا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اٹھا اور تنور کے قریب پہنچا اور جو شخص تنور میں لکڑیاں وغیرہ جھونک رہا تھا اس کے قریب پہنچ کر کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس شخص نے سلام کا تو جواب نہیں دیا، صرف بیٹھنے کا اشارہ کر دیا اور میں بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ خوفزدہ انسان کی طرح وہ کبھی دائیں جانب دیکھتا ہے اور کبھی بائیں جانب۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھ پر بھی خوف طاری ہو گیا۔ جب وہ لکڑیاں جھونک چکا اور تنور روشن ہو گیا تو اس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے کہا: آپ تو عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں جس وقت میں نے سلام کیا تھا اس وقت تو آپ نے جواب نہیں دیا اور کافی دیر کے بعد اب جواب دے رہے ہیں۔ اس شخص نے کہا: واقعہ یہ ہے کہ میں مزدور آدمی ہوں، تنور میں لکڑیاں جھونک رہا تھا، اور مالک کے کام میں مشغول تھا، اگر اس وقت سلام کا جواب دیتا اور تم سے باتیں کرنے لگتا تو ممکن تھا مالک کے کام میں حرج واقع ہوتا اور میں گنہ گار اور خائن قرار پاتا۔ میں نے کہا: اور یہ جو آپ بار بار دائیں بائیں خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا: میں موت سے خائف ہوں خدا جانے وہ کب اور کس طرف سے آ جائے۔ میں نے پوچھا: تم روزانہ کتنی مزدوری کر لیتے ہو؟ اس نے کہا: ایک درہم اور ایک دانگ۔ میں نے پوچھا اور اس اجرت کے مصارف کیا ہیں؟ کہا: ایک دانگ تو اپنے اور بیوی بچوں کے کھانے پینے پر صرف کرتا ہوں اور درہم اپنے بھائی کی اولاد پر خرچ کرتا ہوں۔ میں نے کہا: کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ کہا: میرے والد تو انتقال کر گئے۔ ماں اور ان کے بچوں کا کفیل میں ہوں۔ میں نے پوچھا: کیا تم نے خداوند تعالیٰ سے اپنی کسی حاجت کے لئے دعا کی ہے؟ کہا: ہاں، میری ایک آرزو ہے اور تقریباً بیس سال سے اس کے بر آنے کی خدا سے دعا کر رہا ہوں، اور اب تک یہ دعا قبول نہیں ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کیا آرزو اور دعا ہے؟ کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ عرب میں ایک شخص ہے، جو زاہدوں میں ممتاز درجہ رکھتا اور عابدوں پر فضیلت رکھتا ہے اس کا نام ابراہیم ادہم ہے۔ میں نے خدا سے یہ دعا کی ہے کہ میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں اور اس کے سامنے میری روح پرواز کر جائے۔ میں نے کہا: میرے عزیز بھائی میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول کر لی۔ میں یہاں خود نہیں آیا ہوں، بلکہ گھسیٹ کر یہاں لایا گیا ہوں، میرا ہی نام ابراہیم ادہم ہے۔ یہ سن کر وہ شخص فوراً کھڑا ہو گیا اور مجھ سے بغل گیر ہوا۔ اور پھر میں نے اس کو یہ دعا کرتے سنا: اے اللہ! تو نے میری ایک دعا قبول کر لی، اب دوسری دعا بھی قبول کر لے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک چیخ ماری اور زمین پر گر پڑا۔ اور تھوڑی دیر میں سرد ہو گیا۔ خداوند تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔

شرح مثنوی مولانا روم رح

(از معاون ایڈیٹر)

اندر آ مادر کہ اقبال آمدست   اندر آ مادر مدہ دولت ز دست

ترجمہ :- ماں (آگ کے) اندر آجا کر خوش نصیبی کا موقع آگیا ہے۔ ہاں اندر آجا اور ایسی دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

تشریح :- جو دولت مجھ کو آگ میں مل رہی ہے۔ اے ماں تو اس کو ضائع نہ کر اور یقین کر کہ خوش نصیبی اور اقبال کا موقع آگیا ہے۔

قدرت آں سگ بدیدی اندر آ   تا ببینی قدرت و لطف خدا

ترجمہ :- اس کتے (یہودی وزیر) کی قوت و قدرت تو تو نے دیکھ لی۔ اب اندر آ اور خدا کی قدرت و مہربانی دیکھ۔

تشریح :- اے ماں تو نے یہودی وزیر کی قدرت کو تو دیکھ لیا یعنی یہ کہ اس نے مجھ آگ کے اندر ڈلوا دیا اب تو آگ کے اندر آکر خدا کی قدرت اور مہربانی کو بھی دیکھ۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تو نے یہودی وزیر کی قدرت تو دیکھ لی کہ اس نے مسلمانوں کو آگ کے اندر جھونک دیا۔ لیکن اب خدا کی قدرت اور مہربانی بھی دیکھ کہ اس نے اس آگ کو گلزار بنا دیا ہے۔

من ز رحمت میکشانم پائے تو   کز طرب خود نیستم پروائے تو

ترجمہ :- میں محبت کی وجہ سے تیرے پاؤں کی زنجیر کو کھولنا چاہتا ہوں، ورنہ جس مسرت سے میں دوچار ہوں اس کے مقابلہ میں مجھ کو تیری پروا نہیں ہونی چاہیئے۔

تشریح :- یعنی میں جو تجھ کو بلا رہا ہوں، یہ صرف محبت کا تقاضہ ہے کہ اس محبت کے سبب میں تیرے پاؤں کی زنجیر کو کھول کر یہاں کے عیش کی دعوت دے رہا ہوں، ورنہ یہاں کی راحت و خوشی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میں تیری پروا بھی نہ کروں۔

اندر آ و دیگراں را ہم بخواں   کاندر آتش شاہ بنہادست خواں

ترجمہ :- ماں تو بھی (اندر آجا اور دوسروں کو بھی (اندر) بلالے اس لئے کہ بادشاہ حقیقی نے آگ کے اندر خوان نعمت لگا رکھا ہے۔

تشریح :- آگ کے اندر خداوند تعالیٰ نے جو نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے تو بھی آگ کے اندر آجا اور دوسروں کو بھی بلالے کہ سب اس سے متمتع ہوں۔

اندر آیید اے مسلماناں ہمہ   غیر عذب دیں عذابست آں ہمہ

ترجمہ :- مسلمانو (تم بھی اس آگ کے) اندر سب کے سب آجاؤ کیونکہ مذہب کے شیریں پانی کے سوا تمام چیزیں روحانی عذاب ہیں۔

اندر آیید اے ہمہ پروانہ وار   اندریں آتش کہ دارد صد بہار

ترجمہ :- مسلمانو تم سب کے سب اندر آجاؤ اس طرح جس طرح پروانہ شمع کی طرف دوڑتا ہے۔ ہاں اس آگ میں جو سینکڑوں بہار رکھتی ہے کود پڑو۔

اندر آیید اے ہمہ مست خراب   اندر آیید اے ہمہ عین عتاب

ترجمہ :- اے وہ مسلمانو جو دنیا کی محبت میں مست و خراب ہو رہے ہو اور جو یہودی بادشاہ کے عتاب اور عذاب میں مبتلا ہو، آگ کے اندر آجاؤ۔

اندر آیید اندریں بحر عمیق   تا کہ گردد روح صافی و رقیق

ترجمہ :- ہاں اے مسلمانو تم اس گہرے دریا کے اندر آجاؤ تاکہ تمہاری روح صاف اور لطیف ہو جائے۔

تشریح :- لڑکا ماں کو آگ میں آجانے کی دعوت دیکر ان اشعار میں عام مسلمانوں کو آگ میں کود پڑنے کی دعوت دیتا اور بتاتا ہے کہ اے مسلمانو تم یہودی بادشاہ کے غیظ و غضب اور عذاب و عتاب کا شکار کیوں ہو رہے ہو آگ میں کود پڑو اور ان تمام مصائب سے نجات حاصل کر لو۔ یہ آگ جس میں مجھ کو ڈالا گیا ہے، ظاہر میں آگ دکھائی دیتی ہے، لیکن حقیقت میں ہزاروں بہار رکھتی ہے۔ اس میں خدا کی رحمت کا دریا موجزن ہے اور ہر قسم کی آسائش و راحت یہاں موجود ہے، تم کوئی تردد نہ کرو، اور فوراً آگ میں آجاؤ۔ یہ آگ آگ نہیں۔ روح کو لطیف و صاف کرنے والی چیز ہے تم اس میں داخل ہو کر دنیا کے مصائب و آفات سے نجات پا جاؤ گے۔ اور تمہاری روح پاک و صاف ہو جائے گی۔

شرح دیوان حافظ

(راز معارف ایڈیشن)

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ترجمہ :۔ مناسب نہیں ہے کہ راز پردہ سے باہر نکلے، ورنہ رندوں کی مجلس میں کون سا راز ہے، جس کی انہیں خبر نہیں ہے۔

تشریح :۔ رندوں یعنی دنیا سے بے تعلق لوگوں کو دونوں جہان کے راز معلوم ہیں۔ لیکن وہ ان کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے اس لئے کہ ان کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ ممکن ہے ایسی باتوں کو سنکر لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو جائے، اور وہ راہ راست سے ڈگمگا جائیں۔

بجز ایں نکتہ کہ حافظ ز تو ناخوشنود است
در سراپائے وجودت ہنرے نیست کہ نیست

ترجمہ :۔ تجھ میں کون ایسا ہنر یا خوبی ہے جو موجود نہیں ہے۔ ہاں صرف ایک بات ہے اور وہ یہ کہ حافظ تجھ سے ناراض ہے۔

تشریح :۔ تجھ میں اے سالک ساری خوبیاں اور کمالات پائے جاتے ہیں۔ لیکن ایک خرابی بھی ہے جس نے تیری ساری خوبیوں پر گرد ڈال رکھی ہے، اور وہ عیب یہ ہے کہ مرشد کامل تجھ سے ناراض ہے اور یہی وہ وجہ ہے جس نے تیری خوبیاں مٹی میں ملا دی ہیں، اور تو ایک بے حقیقت انسان بن کر رہ گیا ہے۔

روئے تو مگر آئینہ لطف الٰہی ست
حقا کہ چنیں است درین روئے وریا نیست

ترجمہ :۔ تیرا چہرہ خدا کی مہربانی کا آئینہ ہے۔ قسم ہے کہ واقعہ یوں ہی ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

تشریح :۔ سالک پیر و مرشد کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تیرا چہرہ حقیقت میں خدا کی مہربانی کا آئینہ ہے کہ اس میں انوار خداوندی نظر آتے اور قلب و دماغ کو کیفیت بخشتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تیرے چہرہ کو دیکھ کر خداوند تعالیٰ کی یاد بے چین کر دیتی ہے اور غیر اللہ سے بیگانہ بنا دیتی ہے اور یہ لطف انتہا ہے کہ وہ اپنے بندے کو ماسوا سے بیگانہ بنا رہے۔

چوں چشم تو دل می برد از گوشہ نشیناں
دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست

ترجمہ :۔ جب تیری آنکھ گوشہ نشینوں کا دل لے جاتی ہے یا لبھاتی ہے تو تیرے پیچھے ہمارا جانا کوئی گناہ نہیں ہے۔

تشریح :۔ سالک پیر و مرشد کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ جب تیری آنکھ کی کشش گوشہ نشین اور دنیا سے بیزار انسانوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے یعنی سلوک کے بلند مراتب پر فائز ہو جانے والے اشخاص پر یہ اثر کرتی ہے تو ہم مبتدی لوگوں کا تیرے پیچھے پھرنا کون سا گناہ ہے۔ یعنی ہم جو عقیدت و محبت تم سے رکھتے ہیں۔ وہ کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔

گفتن بر خورشید کہ من چشمہ نورم
دانند بزرگاں کہ سزاوار سہا نیست

ترجمہ :۔ آفتاب یا ماہتاب کے سامنے اگر سہا یہ کہے کہ میں بھی نور کا چشمہ ہوں تو اس کا یہ دعویٰ پذیرائی کے قابل نہیں ہے۔

تشریح :۔ سالک اپنے پیر و مرشد کی تعریف دوسروں سے مقابلہ کرتا ہوا کہتا ہے کہ سہا (ایک چھوٹا سا ستارہ جو بنات النعش میں شامل ہے) اگر یہ دعویٰ کریں کہ میں نور کا ایک چشمہ ہوں یعنی میرے اندر بھی روشنی پائی جاتی ہے تو اس کا یہ دعویٰ ماہتاب یا آفتاب کے سامنے قابل پذیرائی نہیں ہے۔ اس لئے کہ کہاں آفتاب کی عالمتاب روشنی اور کہاں سہا کی معمولی چمک۔ اسی طرح میرے پیر و مرشد کے سامنے اور لوگ یہی حیثیت رکھتے ہیں۔

عاشق چہ کند گر نخورد تیر ملامت   با ہیچ ولاور سپر تیر قضا نیست

ترجمہ :۔ عاشق کیا کرے اگر ملامت کے تیر نہ کھائے اس لئے کہ قضا کے تیروں کے روکنے کی کوئی سپر نہیں ہے۔

تشریح :۔ عاشق یا سالک ہمیشہ مطعون رہتا اور ملامت کے تیروں کا نشانہ بنا رہتا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اس لئے کہ بہادر سے بہادر انسان کے پاس بھی کوئی ایسی ڈھال نہیں ہے جو قضا کے تیر کو روک سکے مطلب یہ ہے کہ سالک پر جو آفتیں پڑتی ہیں اور جو صدمے اٹھانے [illegible]

فقرائے اسلام

(از سید عزیز حسن وہبکا)

رجب کے پیشوا میں فقرائے اسلام کا مضمون دو جگہ غلطی سے درج ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا سلسلہ پورا کر کے اس پرچہ میں حضرت سلمان فارسیؓ کے بقیہ حالات درج کئے جاتے ہیں اور سلسلہ درست کر دیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

(گذشتہ سے پیوستہ)

۱۱۔ تقریر خلافت کے آخری حصہ میں آپ نے فرمایا: لوگو! شیطان میرے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے وہ کبھی مجھ پر غالب آ جائے۔ اس لئے جب تم مجھ کو غضب ناک پاؤ تو مجھ سے دور رہو اس وقت نہ تو تمہارا مشورہ میرے لئے مفید ہوگا اور نہ تمہارے اشعار۔

۱۲۔ فرمایا ہے کہ: "لوگو! تم میں سے جو شخص کمزور ہے، وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ میں اس کا حق انشاء اللہ تعالیٰ دلوا دوں گا اور جو شخص تم میں سے قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے۔ میں انشاء اللہ اس سے حق لے لوں گا۔"

۱۳۔ فرمایا ہے: "جس قوم نے راہ خدا میں جہاد کو چھوڑ دیا خدا اس کو ذلیل کر دیتا ہے۔"

۱۴۔ فرمایا ہے: "جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اس پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے۔"

۱۵۔ لشکروں کو جہاد کے لئے روانہ فرماتے تو یہ ہدایات دیتے: "خیانت نہ کرنا، دھوکہ نہ دینا، افسر کی نافرمانی نہ کرنا، کسی شخص کے جسم کے اعضا نہ کاٹنا، کسی بچے بوڑھے اور عورت

کو قتل نہ کرنا۔ کھجور یا اور کسی پھلدار درخت کو نہ کاٹنا۔ بکری گائے اور اونٹ کو بجز کھانے کے اور کسی غرض سے ذبح یا قتل کرنا۔ جو لوگ عبادت خانوں میں عبادت کرتے ہیں۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

۱۶۔ حضرت یزید بن سفیان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کے نزدیک وہی شخص بہتر و برتر ہے جو خدا سے سچی محبت رکھے۔ اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اس کے تقرب کا جویاں ہو۔

۱۷۔ فرمایا ہے: جب تم لوگوں کو نصیحت کرو تو مختصر الفاظ میں ہدایت و نصیحت کرو کیونکہ جو شخص لمبی تقریر کرتا ہے۔ اور کلام کو طول دیتا ہے، وہ اپنی کہی ہوئی باتوں کو بعض اوقات بھول جاتا ہے یعنی بعض اوقات گذشتہ الفاظ کے خلاف تقریر کرنے لگتا ہے۔

۱۸۔ فرمایا ہے: کسی کے حالات کی تفتیش اور اندرونی امور کا تجسس نہ کرو۔ کسی کی کمزوری کا راز افشا نہ کرو۔ کسی کو ذلیل و رسوا نہ کرو۔ کسی کے راز معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، کسی کے راز کو لوگوں پر ظاہر نہ کرو۔

۱۹۔ فرمایا ہے: فضول گو اشخاص کے پاس نہ بیٹھو۔ وفادار اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ ملاقات میں خلوص اور سچائی کا اظہار کرو۔

۲۰۔ فرمایا ہے: خیانت فقر و افلاس کو پیدا کرتی ہے۔

۲۱۔ یرموک کے معرکوں میں فوجی افسروں کو ہدایت بھیجی تھی کہ: تم لوگ خدا کے مددگار ہو، اور خدا اپنے مددگاروں کی مدد کرتا اور منکرین کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ تمہارے جیسا لشکر تعداد کی کمی کے سبب مغلوب نہیں ہو سکتا لیکن گناہوں کے سبب تم کیا لاکھوں کا لشکر بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔

۲۲۔ حضرت جنید بغدادی رح فرماتے ہیں کہ توحید میں حضرت ابوبکر رض کے اس کلام سے بہتر کوئی انسانی کلام نہیں: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لئے عجز کے سوا کوئی اور راستہ نہیں بنایا۔

۲۳۔ حضرت سلمان فارسی رض نے ایک روز عرض کیا۔ حضرت کچھ نصیحت فرمائیے۔ حضرت ابوبکر رض نے فرمایا: سلمان! خدا سے ڈرتے رہو وہ وقت قریب ہے۔ جب تم کو شاندار فتوحات حاصل ہوں گی، اور تم کثیر مال و دولت کے مالک ہو گے مگر تم اس بات کو یاد رکھو کر اس مال میں سے تمہارا طرف اس قدر حصہ ہونا چاہیئے جتنا کہ

تمہارے پیٹ کے لئے کافی ہو یا تمہارے جسم کو چھپائے "

حضرت سلمان فارسی رضؓ

اگر سنہ ۱ھ میں حضرت سلمان فارسی رضؓ کا قبول اسلام درست تسلیم کر لیا جائے تو سنہ ۱ھ سے سنہ ۵ھ تک کا زمانہ حضرت سلمان فارسی رضؓ نے یا تو غلامی میں بسر کیا ہوگا، یا اصحاب صفہؓ کے ساتھ دینی تعلیم اور دینی خدمت میں مشغول رہے ہوں گے اور سنہ ۵ھ میں ان کو جنگی و سیاسی کاموں میں حصہ لینے کا موقع ملا ہوگا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ غزوہ خندق یا احزاب پہلا معرکہ تھا جس میں حضرت سلمان فارسی رضؓ نے شرکت کی تھی۔

اس معرکہ کی صورت یہ ہوئی تھی کہ سنہ ۴ھ میں یہود بنو نضیر کو حضور صلعم نے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا، خیبر پہنچ کر یہود نے اس خیال سے کہ خیبر میں وہ ہر طرح سے مطمئن ہیں۔ عرب قبائل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش شروع کی اور بہت سے عرب قبائل اور قریش مکہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ سنہ ۵ھ میں مسلمان مختلف چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں مشغول تھے، یہود اور قریش نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور دس ہزار کا لشکر فراہم کر کے مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ کر لیا۔

حضور کو اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا بعض صحابہ نے رائے دی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے اکثر کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ مدافعت پر اتفاق رائے ہو جانے کے بعد حضورؐ نے مدینہ کی حالت پر نظر ڈالی۔ اس وقت مدینہ کی حالت یہ تھی کہ تین جانب سے مدینہ محصور تھا یعنی تین طرفوں میں نخلستان اور مکانات تھے۔ اور ان اطراف سے دشمنان اسلام کا مدینہ پر حملہ ناممکن صرف ایک سمت سے مدینہ ایک کھلا ہوا میدان تھا یعنی شامی رخ پر اس کا جائزہ لینے کے بعد حضورؐ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا کہ کھلی ہوئی سمت میں مدافعت کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ لیکن کوئی صحیح صورت کسی کے سمجھ میں نہ آئی۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ نے حضورؐ سے عرض کیا: میری رائے یہ ہے کہ کھلے ہوئے میدان کی سمت میں خندق کھود لی جائے، تاکہ دشمن یکایک اور یکبارگی حملہ نہ کر سکے۔ یہ صورت مدافعت کی ایران میں رائج تھی، اور اس کے فوائد اور شاندار نتائج سے

حضرت سلمان فارسی رضؓ خوب واقف تھے۔ اس لئے آپ نے اس موقع پر یہ تجویز انہوں نے پیش کی تھی حضورؐ اور صحابہ کرام نے اس تجویز کو پسند کیا، اور حضرت سلمان فارسی رضؓ کی ہدایت کے بموجب خندق تیار کرنے کا کام شروع ہوا۔

صحابہ کرام کی بڑی تعداد خندق تیار کرنے میں مشغول تھی۔ خود حضورؐ بہ نفس نفیس اس کام میں شریک تھے مہاجرین اور انصار دونوں کی خواہش یہ تھی کہ حضرت سلمان فارسی رضؓ ہماری جماعت میں شامل ہو کر کام کریں، چنانچہ مہاجرین یہ کہتے تھے کہ سلمان رضؓ ہم میں سے ہیں اور ہمارے ساتھ کام کریں گے۔ انصار کہتے تھے سلمان رضؓ مدینہ میں رہتے تھے، اس لئے ہم میں سے ہیں، مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔

سلمان منا اهل البیت سلمان ہم میں سے یعنی اہل بیت میں سے ہے۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضورؐ نے صحابہ کرام رضؓ کو مخاطب کر کے ایک روز فرمایا کہ: سلمان رضؓ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی جنت مشتاق ہے!

مورخین کا بیان ہے کہ خندق کی کھدائی کے کام میں تین ہزار صحابہ شریک تھے، اول حضرت سلمان فارسی رضؓ کے مشورہ سے خندق کا نشان لگایا گیا اور پھر اس دس آدمیوں کو دس دس گز زمین خندق کھودنے کے لئے دی گئی۔ اس طرح بیس دن میں یہ خندق ۵ گز گہری کھد کر تیار ہوئی۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ چونکہ اہل صفہ میں سے تھے اور ہمہ وقت دین اسلام کی تعلیم اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے، اس لئے سیاسی اور جنگی امور میں ان کا ذکر بہت کم آتا ہے۔ اگرچہ وہ جنگوں اور خاص خاص مہموں میں شریک رہا کرتے تھے لیکن یہ شرکت ذاتی دلچسپی کے سبب نہیں بلکہ احکام خدا و رسول کے ماتحت تھی۔

حضورؐ کو اہل صفہ سے غیر معمولی محبت تھی، اور آپ ہر وقت ان کی دلداری میں مشغول رہا کرتے تھے اور دوسرے صحابہ پر ان کے حقوق کو مقدم رکھتے تھے۔

(باقی آئندہ)


SOUND PLASTER
Wonderful Cure by External Application
TRY ONCE Before OPERATION
بلا اپریشن فوطہ بڑھنے اور آنت اترآنیکا شرطیہ علاج
اپریشن کرا کر جان کو خطرہ میں ڈالیے
ساؤنڈ پلاسٹر رجسٹرڈ
اگر فوطہ اعتدال سے بڑھگیا ہو یا آنت اتر آتی ہو یا پانی بھر گیا ہو تو اس خطرناک اور تکلیف دہ مرض کا علاج ساؤنڈ پلاسٹر
سے کیجئے جس کے استعمال سے یہ مرض ہمیشہ کے لئے دور ہو کر کامل شفا ہوتی ہے ہزاروں مریضوں کا آزمودہ
بے خطر اور بے ضرر علاج ہے جس کو ساؤنڈ پلاسٹر کی زندہ کرامت کہنی چاہیئے
قیمت چار روپے آٹھ آنے
CHEMICAL WORK
MASJID. DELHI

یہ سال آپ پر کیسا گزریگا

آپ کی قسمت کے پوشیدہ راز

اگر آپ عام پیشہ ور نجومیوں سے بدگمان ہوگئے ہوں، تو آزمائش کے طور پر ہم کو لکھیں۔ ہم آپ کو مشہور مستند تاجک سسٹم اور جاتکا چندر کا کے اصولوں کے مطابق آپ کا برش پھل جس میں پورے ایک سال کے اندر ہونے والے نیک و بد حالات زندگی ترقی، تبدیلی ملازمت، امتحان، سفر، تندرستی ازدواجی زندگی، بیوی کا حال، شادی اولاد، مقدمہ، حکام سے فائدہ یا نقصان اور تمام قسمت کے حالات پانچ روپے میں بھیج دیں گے۔

اس برش پھل کے علاوہ اگر آپ صرف چھ سوالات کرنا چاہیں، ان کی فیس دو روپے ہوگی۔ سوالات ہر قسم کے کئے جا سکتے ہیں۔ فیس دو روپے مثلاً بیاہ، شادی، اولاد، روزگار، تلاش محبوب، رشتہ شادی، تندرستی، ملازمت، امتحان، سفر، تبادلہ، بازار کا بھاؤ، نفع، نقصان، حاملہ کے لڑکا ہوگا یا لڑکی وغیرہ وغیرہ ہر حالت میں خود سوال کیجئے، خواہ برش پھل نکلوایئے، یا جنم کنڈلی بنوایئے، اپنا پورا نام اور خط لکھنے کا صحیح وقت لکھئے۔ اگر تاریخ پیدائش اور وقت پیدائش معلوم ہو وہ بھی لکھیئے تو حساب میں ہم کو بہت سہولت رہے گی اگر جنم کنڈلی بنوانی ہو تو اس کی فیس تیس روپے ہوگی جس میں پیدائش سے موت تک کے تمام مختصر حالات درج ہونگے اور بنشوتری مہادشاؤں اور ان کے انتروں اور پرت انتروں کے نتائج اور پاپ گرہوں کو شانت یا نحس ستاروں کے اثرات کو زائل کرنے کی تدبیریں بتائی جاوینگی حصول ہر نوع حالتوں میں علاوہ ہے سیاسی معاملات، چوری، قماربازی، سٹہ بازی کے سوالات کے جوابات نہ دیئے جائیں گے۔

مینجر گولڈن اسٹرالوجر انسٹی ٹیوشن پوسٹ بیگ نمبر ۱۴ دہلی

رشتہ شادی کے لئے ضروری پیغام

شریف مسلمانوں کی مشکلات کیلئے

ادارہ رہنمائے رشتہ شرفاء اسلام میدان عمل میں

شریف اور معزز مسلمانوں کو اپنی اولاد کیلئے رشتہ شادی تلاش کرنے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ خاص کر بیٹی والوں کی حالت تو اور بھی صبر آزما ہوتی ہے۔ نظام معاشرت ان کے لبوں پر مہر سکوت لگا دیتا ہے، وہ اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے، لڑکی کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے مناسب رشتہ نہیں ملتا۔ خدا کا فضل ہے کہ اب یہ مشکل آسان ہوتی نظر آرہی ہے۔ شرفاء اسلام کی ان ہی دشواریوں کے پیش نظر محض بے لوث خدمت کیلئے یہ ادارہ قائم کیا ہے جسے دہلی اور بیرون دہلی کے عمائد تجارت پیشہ حضرات اور بڑے بڑے عہدہ داران اور معزز حضرات کا اعتماد حاصل ہے۔

اگر آپ بھی ضرورت مند ہوں تو ہزارہا ممبران کی طرح آپ بھی ایک ممبر بن جائیے اپنی خاندانی حالت۔ لڑکے یا لڑکی کی عمر، تعلیم، آمدنی، کس صوبہ اور کس شہر میں رشتہ مطلوب ہے برادری یا ذات کی قید ہے یا نہیں، رشتہ کیلئے کن خیالات کا لڑکا یا لڑکی پسند فرماتے ہیں۔ یہ تمام تفصیلات پوری دیانت اور ایمان داری کے ساتھ تحریر فرمائیے۔ ہم مکمل رازداری کی شرط پر آپ کی لڑکی یا لڑکے کے لئے بہترین رشتہ تجویز کر کے بعد تحقیقات ضروری آپ کے نام روانہ کر دیں گے جن سے آپ براہ راست ہمارے ادارہ کا حوالہ دیتے ہوئے یا ہماری ہی معرفت خط و کتابت سے معاملہ طے کر سکتے ہیں۔ ایک لڑکا یا لڑکی کے نام کے درج رجسٹر کرانے کا فیس داخلہ صرف تین روپے ہے۔ باقی خط و کتابت کرتے وقت ہمیشہ امر کا جوابی لفافہ ارسال کیا جاوے۔ خط و کتابت ہمیشہ راز میں رہے گی۔

مہتمم صاحب ادارہ رہنمائے رشتہ شرفاء اسلام اہلسنت والجماعت دہلی

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَ

اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور

رْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ

زمین کی اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے آپ کہہ دیجئے کہ اے جاہلو کیا

تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ

پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گذرے ہیں ان

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام غارت ہو جاوے گا اور تو خسارہ میں پڑیگا

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ڰ وَ

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور شکر گذار رہنا اور ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت کی جیسی عظمت کرنا چاہیے تھا

الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ

حالانکہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے

تفسیر: - اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (اور) اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور زمین کی (یعنی موجد بھی وہی وہو قولہ خالق ہیں اور حافظ بھی وہی وہو قولہ وکیل اور متصرف بھی وہی وھو قولہ لہ مقالید لان المتصرف فی الخزائن عادۃ ھو صاحب المقالید پس ایسے اوصاف کمال رکھنے والا شریک سے بھی منزہ ہوگا اور جزا و سزا کا بھی مالک ہوگا اس سے اوپر کے دونوں مضمون توحید و وعد و وعید کی تائید ہوگئی) اور چونکہ خالق و حافظ و مالک مقالید ہونا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا پس مقدمات کے تسلیم ہونے سے مقاصد یعنی ثبوت توحید و صحت مجازاۃ کا تسلیم کرنا یا وہ تو موکد ہو گیا پس) جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو (جو کہ مشتمل ہیں توحید و مجازاۃ پر اور مؤید ہیں مقدمات مسلمہ سے) نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے (اور اے پیغمبر یہ لوگ خود تو کفر و شرک میں مبتلا تھے ہی مگر ان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو اپنے طریقہ پر لانے کی فرمائش کرتے ہیں سو) آپ (ان کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو کیا (بعد اس کے کہ توحید ثابت ہو چکی اور شرک باطل ہو چکا) پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو اور (اے پیغمبر بھلا آپ میں نعوذ باللہ عمداً شرک کا کب احتمال ہے جس پر یہ احمق توقع کرتے ہیں کیونکہ) آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کی طرف بھی یہ (بات) وحی (میں) بھیجی جا چکی ہے (کہ اپنے ہر امتی کو سمجھا دیں کہ) اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام (سب) غارت ہو جاوے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا (تو اے مخاطب کبھی شرک مت کرنا) بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا) شکر گذار رہنا (یہ دلیل ہے قبح شرک کی کہ وہ اشد درجہ کی ناشکری ہے، پس جب انبیاء کو

پھر شرک تو ظاہر ہے معلوم ہے اور دوسروں تک اس کے پہنچانے کا حکم ہے تو ان سے کہ ان میں سے آپ بھی بن صدور شرک کب ممکن ہے تو ایسی توقع رکھنا ان کا خلل دماغ ہے) اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسے عظمت کرنا چاہیے تھا (یہ عظمت سے مراد توحید ہے اور اس کی نفی سے مراد شرک) حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں (اور کوئی دوسرا ایسا ہے نہیں پس) وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے (اور اس آیت میں تقریر توحید کے ساتھ آئندہ مضمون کی تمہید بھی ہو گئی) ربط اوپر ما قدروا اللہ الخ میں بعض اثبات توحید و ابطال شرک مضمون مجازاۃ کی تمہید تھی اور اس سے اوپر بھی بعض آیات میں اجمالاً اس کا ذکر ہوا ہے آگے مقصوداً و مفصلاً ختم سورت تک یہی مضمون ہے

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ

اور صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے پھر اس میں دوبارہ

اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ

پھونک ماری جاوے گی تو دفعتاً سب کے سب کھڑے ہو جاویں گے دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جاوے گی

رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور نامۂ اعمال رکھ دیا جاوے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جاویں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا

بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ

جاوے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا اور وہ سب

بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا

کے کاموں کو خوب جانتا ہے اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جاویں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس

فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ

تو اس کے دروازے کھول دیے جاویں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ

آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے کافر کہیں گے

حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا کہا جاوے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو ہمیشہ اس میں رہا کرو

فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ

غرض تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کیے

زُمَرًا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ

جاویں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور وہاں کے محافظان ان سے کہیں گے السلام علیکم

طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ

تم مزہ میں رہو سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔ اور کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا

اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَ

مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔ غرض عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے اور آپ فرشتوں

تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے۔ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا

بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جاویگا اور کہا جاویگا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے

تفسیر:- اور (قیامت کے روز جس کا اوپر ذکر آیا ہے) صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جاویں گے (پھر زندہ تو مر جاویں گے اور مردوں کی روحیں بے ہوش ہو جاویں گی) مگر جس کو خدا چاہے (وہ اس بیہوشی اور موت سے محفوظ رہے گا) پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جاوے گی تو دفعۃً سب کے سب (زندہ ہو کر اور ارواح کا تعلق ابدان سے ہو کر قبروں سے نکل) کھڑے ہو جاویں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے (جیسا کہ حادثہ غریبہ کے وقوع کے وقت عادت طبعی ہے) اور (پھر [illegible] حساب کے لئے زمین پر اپنی شان کے مناسب نزول و تجلی فرماویں گے اور) زمین اپنے رب کے نور سے (جو بے کیف ہے) روشن ہو جاوے گی اور (سب کا) نامہ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جاوے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے (گواہ مفہوم عام سے شامل ہے پیغمبروں کو کما قال جئنا من کل امة بشهيد اور فرشتوں کو کما قال تعالٰی معها سائق وشهيد جس کی تفسیر ملک کے ساتھ مرفوعاً و موقوفاً وارد ہے اور امت محمدیہ کو کما قال تعالٰی لتکونوا شهداء علی الناس اور اعضاء و جوارح کو کما قال تعالٰی تکلمنا ایدیهم وتشهد ارجلهم) اور سب (مکلفین) میں (حسب اعمال) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیک عمل جو بشرائط واقع ہوا ہو چھپا لیا جاوے یا کوئی بد عمل بڑھا دیا جاوے) اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جاویگا (اعمال نیک میں بدلہ کے پورا ہونے سے مقصود نفی کمی کی ہے اور اعمال بد میں بدلہ کے پورا ہونے سے مقصود زیادتی کی نفی ہے) اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے (پس اس کو ہر ایک کے موافق جزا دے دینا کچھ مشکل نہیں) اور (بیان اس بدلہ کا جو نتیجہ فیصلہ کا ہے یہ ہے کہ) جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر (دھکے دے کر ذلت و خواری کے ساتھ) ہانکے جاویں گے (گروہ گروہ اس لئے کہ اقسام و مراتب کفر کے جداجدا ہیں پس ایک ایک طرح کے کفار کا ایک ایک گروہ ہوگا) یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو (اس وقت) اس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ (فرشتے بطور ملامت کے) کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے (کہ اس صورت میں فیض لینا بھی آسان تھا) پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے وہ کافر کہیں گے کہ ہاں (رسول بھی آئے تھے اور انہوں نے ڈرایا بھی) لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر (جن میں ہم بھی داخل ہیں) پورا ہو کر رہا (یہ اعتذار نہیں بلکہ اعتراف ہے

کہ باوجود ابلاغ کے ہم نے کفر کیا اور کافروں کے لئے جو عذاب موعود تھا وہ ہمارے سامنے آیا واقعی ہماری نالائقی ہے. پھر ان سے کہا جاوے گا (یعنی یہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو غرض (خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے (پھر اس حکم کے بعد یہ جہنم میں داخل کئے جاویں گے اور دروازے بند کر دیئے جاویں گے کما قال تعالیٰ علیہم نار موصدۃ یہ تو کفار کا حال ہوا) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے (جس کا ابتدائی مرتبہ ایمان ہے پھر آگے مراتب مختلفہ ہیں) وہ گروہ گروہ ہو کر (کہ جن کا مرتبہ تقویٰ ہوگا اس مرتبہ کے متقی ایک جگہ کر دیئے جاویں گے اور) جنت کی طرف (شوق دلا کر جلدی جلدی) روانہ کئے جاویں گے یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہوں گے (تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے اور نیز اہل اکرام کے لئے ایسا ہی ہوتا ہے جیسا مہمان کے لئے عادت ہے کہ پہلے سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے کما قال تعالیٰ مفتحۃ لھم الابواب) اور وہاں کے محافظ (فرشتے) ان سے (بطور اکرام و ثنا کے) کہیں گے کہ السلام علیکم تم مزہ میں رہو سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ (اس وقت اس میں داخل ہو جاویں گے) اور (داخل ہو کر) کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں (یعنی ہر شخص کو خوب فراغت دی گئی ہے کہ خوب کھل کھیل کر چلیں پھریں بیٹھیں اٹھیں قیام کے طور پر تو اپنی ہی جگہ میں اور سیر کے طور پر دوسرے جنتیوں کے درجہ میں بھی) غرض (نیک) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے (یہ یا تو ان ہی کا کلام ہو یا اللہ تعالیٰ کا ہو) اور (آگے اجلاس سے اخیر فیصلہ تک کے اسی مضمون کو مختصر اور پر شوکت الفاظ میں بطور تلخیص کے فرماتے ہیں کہ) آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (نزول اجلاس للحساب کے وقت) عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے (اور) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جاوے گا اور (اس فیصلہ کے ختم ہونے پر ہر طرف سے جوش کے ساتھ یہی غرض ہوگا اور) کہا جاوے گا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے ایسا عمدہ فیصلہ کیا پھر اس نعرہ تحسین پر دربار برخاست ہو جاوے گا) ربط اس تمام تر سورت کا حاصل تین مضمون ہیں ایک توحید کہیں اس پر استدلال ہے کہیں اس کا امر اور اس کے ضد سے نہی ہے اور کہیں اس کے اعتقاد رکھنے والوں کی مدح اور [illegible] رت ہے. دوسرا مضمون مجادلین فی الحق کی کہ عموم حق میں رسالت و قیامت بھی داخل ہے تہدید ہے کہیں عقوبت دنیویہ سے کہیں عذاب اخروی سے تیسرا مضمون رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا تسلیہ ہے اور تہدید و تسلیہ کی تاکید و تائید کے لئے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ کسی قدر مفصل اور انبیاء سابقین کا ارسال بعنوان مجمل بیان فرمایا ہے اور سورت سابقہ کے ختم پر مومنین و کفار کا تفاوت حال آخرت میں کہ ایک ناجی ایک جنلات (؟) نکلا ہے اور اس سورت میں فریقین کا تفاوت حال دنیا میں کہ ایک مومن منقاد دوسرا گرفتار جدال و ضلال ہے مذکور ہونے سے دونوں کے خاتمہ و فاتحہ میں بھی تناسب ظاہر ہو گیا اور اس بیان حال فی الدنیا سے پہلے جو منزل بالفتح کی حقیقت اور منزل بالکسر کی بعض صفات مع توحید وارد ہیں وہ بطور تمہید. تعیین محل اختلاف کے ہیں اور ان کے مخاطبین سمجھنا چاہیئے پس خاتمہ و فاتحہ کے مضمون میں تخلل اجنبی کا شبہ نہ کرنا چاہیئے۔

سورۃ المومن مکیۃ وھی خمس وثمانون آیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ

حم یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ قبول

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ مَا يُجَادِلُ

کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس جانا ہے. اللہ تعالیٰ

فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ

کی ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو منکر ہیں سو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے. ان سے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ

پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو کہ ان کے بعد ہوئے جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے گرفتار

لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ

کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق سے حق کو باطل کر دیں سو میں نے ان پر داروگیر کی سو میری

كَانَ عِقَابِ ۝ وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ

طرف سے کیسی سزا ہوئی. اور اسی طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ دوزخی ہوں گے. جو

النَّارِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ

فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر

بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا

ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا

ہے سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کرلی ہے اور آپ کے رستے پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے. اے

وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ

ہمارے پروردگار اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ

اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَ مَنْ

اور بیبیوں اور اولاد میں جو لائق ہوں ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں اور ان کو تکلیفوں سے بچائیے

تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے

تفسیر :- حم (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز
کا جاننے والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے
اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے (پس قرآن اور توحید کی حقیت کا مقتضا یہ ہے
کہ اس میں انکار و جدال نہ کیا جاوے مگر پھر بھی) اللہ تعالے کی ان آیتوں میں (یعنی قرآن میں جو کہ مشتمل توحید پر بھی ہے)
وہی لوگ (ناحق کے) جھگڑے نکالتے ہیں جو (اس کے) منکر ہیں (اور اس انکار کا مقتضا یہ ہے کہ ان کو سزا ہو
جاتی لیکن عاجلاً سزا نہ ہونا استدراج ہے) سو ان لوگوں کا شہروں میں (امن و امان سے خطوہ دنیویہ کے لئے) چلنا پھرنا
آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے (کہ اس سے ان کا سزا سے ہمیشہ کے لئے بچا رہنا سمجھ لیا جاوے اور آپ کے اس خطاب
سے دوسروں کو سنانا مقصود ہے غرض ان پر کسی نہ کسی وقت دارو گیر ضرور ہوگی چنانچہ) ان سے پہلے نوح (علیہ السلام)
کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو ان کے بعد ہوئے (جیسے عاد و ثمود وغیرہم دین حق کو) جھٹلایا تھا اور ہر
امت (میں سے جو لوگ ایمان نہ لاتے تھے انہوں) نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا (کہ پکڑ کر قتل کر دیا
جاوے) اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق سے حق کو باطل کر دیں سو میں نے (آخر) ان پر دارو گیر کی سو
(دیکھو) میری طرف سے (ان کو) کیسی سزا ہوئی اور (جس طرح ان کو دنیا میں سزا ہوئی) اسی طرح تمام کافروں پر آپ
کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ (آخرت میں) دوزخی ہوں گے (یعنی یہاں بھی سزا ہوئی اور وہاں بھی
ہوگی۔ اسی طرح کفر کے سبب ان کفار حاضرین کو بھی دارو گیر اور سزا ہونے والی ہے خواہ دونوں عالم میں یا آخرت میں۔
یہ تو حال منکرین کا ہوا کہ مستحق اہانت و عقوبت ہیں اور جو لوگ موحد اور مومن ہیں وہ ایسے مکرم ہیں کہ ملائکہ مقربین مثل
ایمان و تسبیح کے ان کے لئے دعا و استغفار کرنے میں مشغول رہتے ہیں جو کہ حسب قاعدہ یفعلون ما یؤمرون علامت ہے
ان کے مامور بالاستغفار ہونے کی جس سے مومنین کا محبوب عند اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ) جو فرشتے
کہ عرش (الٰہی) کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور
اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے (اس طرح دعا و) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی
رحمت (عامہ) اور علم ہر چیز کو شامل ہے (پس اہل ایمان پر بدرجۂ اولیٰ رحمت ہوگی اور ان کے ایمان کا آپ کو علم بھی ہے)
سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک و کفر سے) توبہ کر لی ہے اور آپ کے رستے پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب
سے بچا لیجئے (جو کہ مقتضا ہے مغفرت کا کیونکہ سبب عذاب کا ذنوب ہیں ان کے ارتفاع سے وہ بھی مرتفع ہو جاوے گا)
اے ہمارے پروردگار اور (دوزخ سے بچا کر) ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے
داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مومن) ہوں (گو ان کے ہم درجہ نہیں
کے درجہ کے نہ ہوں) ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں (کہ مغفرت پر قادر ہیں اور ہر ایک
کے مناسب اس کا درجہ عطا فرماتے ہیں) اور (جیسا ان کو دوزخ سے جو کہ عذاب اعظم ہے بچانے کے لئے آپ سے دعا
ہے اسی طرح یہ بھی دعا ہے کہ) ان کو (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکالیف سے بچائیے (گو وہ جہنم سے خفیف ہوں
جیسے میدان قیامت کی پریشانیاں) اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچا لیں تو اس پر آپ نے (بہت) مہربانی
فرمائی اور یہ (جو مذکور ہوا مغفرت و حفاظت عذاب اکبر و اصغر سے اور دخول جنت) بڑی کامیابی ہے (پس اپنے مومن
بندوں کو اس سے محروم نہ رکھئے) ف یہاں سے سورۂ احقاف تک متصل سات سورتیں حم سے شروع ہوتی ہیں
اور عجیب لطیفہ ہے کہ ساتوں قرآن مجید کے منزل و منزل من اللہ ہونے کے مضمون سے شروع ہوئی ہیں۔
اور ایک آیت میں جو یستغفرون لمن فی الارض آیا ہے اس میں یا تو من فی الارض سے مراد مومنین ہیں یا
استغفار سے مراد دعائے ترک معاجلت عقوبت ہے ربط اوپر تمہید میں ھم اصحب النار سے کفار کا دوزخ
میں داخل ہونا مذکور تھا آگے دخول نار کے بعد کا حال مذکور ہوتا ہے۔

تمہید کا اول مضمون ... بعد بیان حقیقت قرآن مجید ربط بعض صفات ... بطور تمہید

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ

جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو نفرت تھی جبکہ تم ایمان کی

تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا

طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا

اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا

اور دوبار زندگی دی سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی صورت ہے یہ اس کی وجہ سے ہے کہ جب

دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ۝

صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کیا کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے

تفسیر: جو لوگ کافر ہوئے وہ جب دوزخ میں جاکر اپنے کفر و شرک کے اختیار کرنے پر حسرت و افسوس کریں گے اور خود ان کو اپنے سے سخت نفرت ہوگی حتیٰ کہ غصہ کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاویں گے اس وقت) ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جبکہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر (بلانے کے بعد) تم نہیں مانا کرتے تھے (اس کہنے سے مقصود زیادت تحسیر و تندیم ہے) وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار (ہم جو حیات ثانیہ کا انکار کیا کرتے تھے اور اس کے انکار سے کفر و شرک جمیع معاصی پر دلیر تھے اب ہم کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی چنانچہ ہم نے دیکھ لیا کہ) آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا (ایک بار قبل تولد جبکہ حالت جمادیت میں تھے جس میں جان متعلق نہیں ہوتی اور دوسری بار جس کو سب موت کہتے ہیں) اور دوبار زندگی دی (ایک دنیا کی زندگی دوسری آخرت کی وہذا کقولہ تعالیٰ کنتم امواتا الآیۃ یہ سب چار حالتیں ہوئیں۔ گو ان میں انکار ایک ہی کا تھا اور اسی کا اقرار اس وقت مقصود ہے لیکن بقیہ تین حالتیں اس لئے ذکر کر دیں کہ وہ یقینی تھیں پس مقصود یہ ہوگا کہ یہ رابعہ بھی مثل ان ہی ثلثہ کے متیقن و محقق ہے) سو ہم اپنی خطاؤں کا (جس میں اصل انکار بعث ہے اور باقی اس کے فروع) اقرار کرتے ہیں تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے (کہ دنیا میں پھر جا کر ان سب خطاؤں کا تدارک کر لیں کقولہ تعالیٰ ہل الی مرد من سبیل قولہ فارجعنا نعمل صالحا جواب ارشاد ہوگا کہ تمہارے نکلنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ ہمیشہ یہیں رہنا ہوگا اور) وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا (یعنی توحید کا ذکر ہوتا تھا) تو تم انکار کیا کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے (کقولہ تعالیٰ اذا ذکر اللہ وحدہ الخ) سو (اس پر) یہ فیصلہ اللہ کا (کیا ہوا) ہے جو عالیشان (اور) بڑے رتبہ والا ہے (یعنی چونکہ حق تعالیٰ علو و کبریاء کے اعتبار سے یہ جرم عظیم تھا اس لئے فیصلہ میں عقوبت بھی عظیم تجویز ہوئی یعنی خلود) ربط اوپر شروع کی آیتوں میں جو توحید و تہدید کا مضمون ہے آگے پھر اسی طرف عود ہے نیز متصلا اوپر اذا دعی اللہ الخ میں سبب عقاب کا شرک سے مذکور ہے۔ اگلے مضمون سے اس کی بھی تقریر ہوگئی۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا یَتَذَكَّرُ

سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالیشان بڑے رتبہ والا ہے وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے اور صرف وہی شخص

إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ۝ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

نصیحت قبول کرتا ہے جو رجوع کرتا ہے سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کرکے پکارو گو کافروں کو ناگوار ہو

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ

وہ رفیع الدرجات ہے وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم

مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۝ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ

بھیجتا ہے تاکہ اجتماع کے دن سے ڈرائے جس دن سب لوگ سامنے آموجود ہوں گے ان کی کوئی بات خدا

مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ

سے مخفی نہ رہے گی آج کے روز کس کی حکومت ہوگی بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا غالب ہے آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ

نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَأَنْذِرْ

دیا جاوے گا آج کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور آپ ان لوگوں

هُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۝ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ

کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرائیے جس وقت کلیجے منہ کو آجاویں گے گھٹ گھٹ جاویں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست

حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝

ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جاوے وہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۗ

اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اللہ

إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ

سب کچھ دیکھنے والا ہے کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا وہ

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا

لوگ قوت اور ان نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سو ان کے گناہوں کی وجہ سے خدا نے ان پر

فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝

دار و گیر فرمائی اور ان کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ ہوا

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ

یہ اس سبب سے ہوا کہ ان کے پاس رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مواخذہ فرمایا

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

بیشک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے

تفسیر:- وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں (قدرت کی) دکھلاتا ہے (تاکہ ان سے توحید پر استدلال کرو) اور (وہی ہے جو)
آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے (یعنی بارش کرتا ہے جس سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ بھی منجملہ مذکورہ نشانیوں کے
ہے) اور (ان نشانیوں سے) صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو (خدا کی طرف) رجوع (کرنے کا ارادہ) کرتا ہے
(کیونکہ قصد رجوع سے غور و تامل کرتا ہے اور تامل سے حق تک پہنچ جاتا ہے) سو (جب توحید پر دلائل قائم ہیں تو تم لوگ
(کفر و شرک کو چھوڑ کر) خدا کو خالص اعتقاد کر کے (یعنی توحید کے ساتھ) پکارو (اور مسلمان ہو جاؤ) گو کافروں کو ناگوار ہی
کیوں نہ ہو وہ رفیع الدرجات ہے وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی یعنی اپنا حکم
بھیجتا ہے تاکہ وہ (صاحب وحی لوگوں کو) اجتماع کے دن سے (یعنی قیامت کے دن سے) ڈرائے جس دن سب لوگ
(خدا کے سامنے) آموجود ہوں گے (کہ) ان کی بات خدا سے مخفی نہ رہے گی آج کے روز کس کی حکومت ہوگی بس
اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا (اور) غالب ہے آج ہر شخص کو اس کے کئے (ہوئے کاموں) کا بدلہ دیا جاوے گا آج
(کسی پر) کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ تعالٰے بہت جلد حساب لینے والا ہے اور (جیسا سب پیغمبروں کو اس دن سے ڈرانے کا حکم ہوا
ہے کما مر من قولہ تعالٰے الخ (اسی طرح آپ بھی اس کے مامور ہیں پس) آپ (بھی) ان لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت
کے دن سے (کہ روز قیامت ہے) ڈرائیے جس وقت کلیجے منہ کو آجاویں گے (غم سے) گھٹ گھٹ جاویں گے (اس
روز) ظالموں (یعنی کافروں) کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جاوے (اور) وہ (ایسا ہے کہ)
آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں رحمن کو دوسرا نہیں جانتا مطلب یہ کہ اس کو
تمام اعمال عباد کا احاطہ علمیہ ہے جس پر مجازاۃ موقوف ہے) اور (چونکہ) اللہ تعالٰے (کا علم اور جمیع صفات کامل ہیں
اس لئے وہ) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے
(کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے (اسی طرح اس میں اور بھی صفات کمال ہیں اور دوسرے معبود نا
صفات کمال سے عاری ہیں اس لئے اس کے سوا کوئی فیصلہ بھی نہیں کر سکتا اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک عجز انداد
کا نصرت سے دوسرے نفی شرکت کی اور یہ لوگ جو ایسے مضامین مجازاۃ و مکافات کے منکر کفر و شرک کے سبب
ہونے سے انکار کرتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گذرے
ہیں (اس کفر کی بدولت) ان کا کیسا انجام ہوا وہ لوگ قوت اور ان نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں (مثل عمارات
وغیرہ) ان (موجودین) سے بہت زیادہ تھے سو ان کے گناہوں کی وجہ سے (کہ اشد درجہ ان میں کفر تھا) خدا نے
ان پر دارو گیر فرمائی (یعنی عذاب نازل کیا) اور ان کا کوئی خدا (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا (آگے ان ذنوب
کی تفصیل ہے کہ) یہ (مواخذہ) اس سبب سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں (یعنی معجزات کہ دلائل
نبوت ہیں) لیکر آتے رہے پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالٰے نے ان پر مواخذہ فرمایا بیشک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے
والا ہے (پس جب علت مواخذہ کی کفر و شرک ہے جو ان میں بھی مشترک ہے پھر یہ مواخذہ سے کیسے مامون ہیں خواہ
دارین میں خواہ دار آخرت میں. **ربط** اوپر جابجا منکرین حق توحید و رسالت کی تہدید کے ضمن میں کفار کا خلاف و عناد مذکور
ہے جو منظور ہے حزن رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا آگے تسلیہ رسول کے لئے و نیز تائید تہدید منکرین توحید و رسالت کے
لئے قصہ موسٰی علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کے اتباع کا مذکور ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ

اور ہم نے موسٰی کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں

وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

نے کہ یہ جادوگر جھوٹا ہے پھر جب وہ لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا لے کر آئے تو

قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۝ وَمَا كَيْدُ

ان لوگوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو

الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ

اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر تھی اور فرعون نے کہا مجھ کو چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہیے کہ اپنے

رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝

رب کو پکارے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل ڈالے یا ملک میں کوئی خرابی پھیلا دے

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

اور موسیٰ نے کہا میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر مغرور آدمی سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ

اور ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل

يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ

کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لیکر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہی ہو تو اس کا

كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا

جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہو تو جس چیز کی پیشین گوئی کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر پڑے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص

يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ

کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گزر جانے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو اے بھائیو آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس

فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ

زمین میں تم حاکم ہو سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر وہ ہم پر آ پڑا فرعون نے کہا کہ میں تم کو وہی

اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْٓ

رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں اور میں تم کو عین طریقہ مصلحت بتلاتا ہوں اور اس مومن نے کہا کہ صاحبو

اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ

مجھ کو تمہاری نسبت اور امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا قوم نوح اور عاد اور

نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ۝

ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا

وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ

اور صاحبو مجھ کو تمہاری نسبت اس دن کا اندیشہ ہے جس میں کثرت سے ندائیں ہوں گی جس روز پشت پھیر کر لوٹو گے تم کو خدا

مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ

سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو خدا ہی گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ اور اس سے قبل تم لوگوں

يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۖ حَتَّىٰ

کے پاس یوسف دلائل لے کر آ چکے ہیں سو تم ان امور میں بھی برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے یہاں تک کہ

إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ

جب ان کی وفات ہو گئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ سے باہر

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ۝ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ

ہو جانے والوں شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے جو بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس موجود ہو خدا کی

أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ

آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنین کو بھی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور

عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا

جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں آسمان

لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَ

پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اور اسی

إِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۚ وَكَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ

طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو مستحسن معلوم ہوتی تھیں اور رستے سے رک گیا

السَّبِيلِ ۚ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ

اور فرعون کی تدبیر غارت ہی گئی اور اس مومن نے کہا کہ اے بھائیو تم میری

اتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝ يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک ٹھیک رستہ بتلاتا ہوں اے بھائیو یہ دنیوی زندگانی محض چندروزہ ہے

مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا

اور ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے — جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرا بدلہ ہی ملتا ہے

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو — ایسے لوگ جنت میں جاویں گے

يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى

وہاں بے حساب ان کو رزق ملے گا — اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں

النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ

تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو، تم کہتے ہو خدا کے ساتھ شرک کروں اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی

لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ

بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں، اور میں تم کو خدائے زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں یقینی بات ہے کہ تم جس

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ

چیز کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ

اور جو لوگ حد سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہوں گے سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے۔ اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا

اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ

ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگراں ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اس کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا، اور فرعون والوں پر

سُوْۗءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ

موذی عذاب نازل ہوا — وہ لوگ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں — اور جس روز قیامت قائم ہوگی

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کرو

تفسیر:- اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے احکام اور کھلی دلیل (یعنی معجزہ جو دلیل ہے صدقِ دعویٰ نبوت کی) دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں (میں سے بعض نے یا کل) نے کہا کہ (نعوذ باللہ) یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے (جادوگر معجزہ میں کہا اور کذاب دعویٰ نبوت و احکام میں کہا اور قارون چونکہ بنی اسرائیل میں سے تھا اس لئے اس کا ساحر کہنا اور نہ کہنا دونوں محتمل ہیں اگر اس نے نہ کہا ہو تو کالوا میں تغلیب ہو جاوے گی) پھر (اس کے بعد جب وہ دعام) لوگوں کے پاس دین حق (ثابت بالدلیل) جو ہماری طرف سے تھا لے کر آئے تو جب بعض

لوگ مسلمان بھی ہو گئے) تو ان (مذکورہ لوگوں) نے (بطور مشورہ کے) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ (ہو کر) ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو (تاکہ ان کی جمعیت اور قوت نہ بڑھنے پاوے جس سے اندیشہ زوال سلطنت کا ہے) اور (چونکہ عورتوں سے ایسا اندیشہ نہیں، نیز ہمارے گھروں میں کار و خدمت کے لئے ان کی ضرورت ہے اس لئے) ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو (غرض انہوں نے غلبہ موسویہ کے انسداد کی یہ تدبیر کی) اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر ہی رہی (چنانچہ آخر میں موسیٰ علیہ السلام غالب آئے خواہ یہ تدبیر عمل میں لائی گئی ہو یا نہ لائی گئی ہو کوئی روایت اس کے متعلق نہیں دیکھی اور یہ قتل ظاہر ہے قتل اول قبل ولادت موسیٰ کے غیر ہے اس کے بعد خود موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بارہ میں گفتگو ہوئی) اور فرعون نے (اہل دربار سے) کہا کہ مجھ کو چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ اپنے رب کو (مدد کے لئے) پکارے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ (کہیں) تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی خرابی (نہ) پھیلا دے (کہ ایک ضرر دین ہے دوسرا ضرر دنیا۔ اور فرعون کا قد عونی کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ اہل دربار نے شاید اس لئے قتل کی رائے نہ دی ہوگی کہ اس کو مصلحت ملکی کے خلاف سمجھا ہوگا کہ عام چرچا ہوگا کہ ایک بے سر و سامان شخص سے ڈر گئے اور یا یہ کہنا بطور تمویہ کے ہے کہ عام سننے والے سمجھیں کہ اب تک توقف قتل میں مشیروں کے روکنے کے سبب ہے گو واقع میں قتل پر جرأت نہ ہونے کا سبب نزول بلاء آسمانی کا خوف ہو کیونکہ دل میں تو معجزات کا یقین ہو ہی گیا تھا اور اسی طرح دلیرانہ یہ کہنا اظہار جلادت کے لئے ہو گو دل اندر سے بھرا رہا ہو) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے جو یہ بات سنی تو انہوں نے کہا میں اپنے اور تمہارے (یعنی سب کے) پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خود دماغ شخص (کے شر) سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا (اور اس لئے حق کا مقابلہ کرتا ہے) اور (اس مجلس مشورہ میں) ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے (اور اب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے (یہ مشورہ سنکر لوگوں سے) کہا کیا تم ایک شخص کو (محض) اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے (اس دعوے پر) دلیلیں بھی لے کر آیا ہے (یعنی معجزات بھی دکھلائے ہیں جو دلیل ہے صدق دعویٰ نبوت اور مامور من اللہ بتبلیغ التوحید ہونے کی اور دلیل موجود ہوتے ہوئے صاحب دلیل کی مخالفت کرنا اور مخالفت بھی اس درجہ کی کہ قتل کا قصد کیا جاوے نہایت نازیبا ہے) اور اگر (بالفرض) وہ جھوٹا ہی ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا (اور آپ ہی مخذول من اللہ ہوگا قتل کرنے کی کیا ضرورت) اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے (کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں ایسا ایسا عذاب ہوگا) اس میں سے کچھ تو تم پر (ضرور ہی) پڑے گا (تو اس صورت میں قتل کرنے سے اور زیادہ بلا اپنے سر پر لینا ہے۔ غرض اس کے کذب کی صورت میں قتل فضول اور صدق کی صورت میں مضر پھر ایسا فعل کیوں کیا جاوے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو (اپنی) حد سے گزر جانے والا (اور) بہت جھوٹ بولنے والا ہو (یعنی برائے چندے اس کی بات چل جاوے مگر انجام اس اسراف اور کذابیۃ کا خذلان اور حرمان و ناکامی ہے پس اس قاعدہ کلیہ کے اعتبار سے اگر موسیٰ علیہ السلام بالفرض کاذب ہوں تو بوجہ اس کے کہ جھوٹا دعویٰ نبوت کا صد درجہ کا اسراف اور کذب ہے ایسے کاذب کو اگر مظفر و بلاک نہ کیا جاوے تو تلبیس علی الخلق لازم آتی ہے اور یہ عقلاً حق تعالیٰ سے منفی ہے تو لامحالہ یہ مغلوب و مخذول ہوں گے پھر حاجت قتل کیا اور اگر صادق ہیں تو تم لوگ بالیقین کاذب ہو اور کذب میں مسرف بھی ہو کہ مدعی الوہیت فرعونیہ ہو اور مسرف کذاب کو کامیابی ہوتی نہیں پس تم لوگ قتل میں کامیاب نہ ہو گے یا تو قدرت نہ ہوگی یا اس کا اخیر نتیجہ برا ہوگا بہر حال دونوں شقوں کا مقتضا یہی ہوا کہ ان کو قتل نہ کیا جاوے اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ پھر اس تقریر سے تو کسی مفسد کو قتل نہ کیا جایا کرے جواب یہ ہے کہ یہ تقریر اس صورت میں ہے جہاں کاذب یا صادق ہونے میں شبہ ہو اور معجزات سے اقل درجہ احتمال صدق کا ضرور تھا اور جہاں دلائل قطعیہ سے کذب متیقن ہو وہاں یہ تردید نہیں ہے اور گو اس مومن کو موسیٰ علیہ السلام کے صدق کا پورا یقین تھا مگر اس طرز سے گفتگو کرنا تلطیف فی الدعوت اور تدریج فی الہدایۃ ہے آگے بھی اسی قتل سے روکنے کے متعلق مضمون ہے کہ) اے میرے بھائیو آج تو تمہاری سلطنت ہے

کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر (ان کے قتل کرنے سے) وہ ہم پر آپڑا (جیسا کہ احتمال
صدق میں اس کا احتمال ہے) فرعون نے (یہ تقریر سن کر جواب میں) کہا کہ میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا
ہوں (کہ ان کا قتل ہی مناسب ہے) اور میں تم کو عین طریق مصلحت بتلاتا ہوں اور اس مومن نے (جب دیکھا کہ نصیحت
میں نرمی اور رعایت خیال مخاطب یعنی تلطیف سے کام نہیں چلتا تو اب تہدید و تخویف سے کام لیا اور) کہا صاحبو مجھ کو
تمہاری نسبت اور امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں (یعنی قوم
لوط وغیرہ) کا حال ہوا تھا اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا (لیکن جب تم حرکتیں ہی ایسی کرو گے تو ضرور
ہی اپنی سزا کو پہنچو گے) اور (یہ تہدید تھی عذاب دنیا سے آگے تہدید ہے عذاب آخرت سے کہ) صاحبو مجھ کو تمہاری
نسبت اس دن کا اندیشہ ہے جس میں کثرت سے ندائیں ہوں گی (یعنی وہ دن مشتمل ہے واقعات عظیمہ پر کیونکہ نداؤں
کی کثرت واقعات کے عظیم ہونے میں ہوتی ہیں چنانچہ سب سے اول ندا رنا نفخ صور کی ہوگی جس سے مردے زندہ ہوں
گے ایک حساب کے لئے ندا ہوگی ایک تنادی باہم اہل جنت و اہل نار میں ہوگی ایک ندا اخیر میں وقت ذبح موت کے
ہوگی اور آگے اس دن کی ایک اور حالت بیان کی گئی ہے کہ) جس روز (موقف حساب سے) پشت پھیر کر (دوزخ
کی طرف) لوٹو گے (کذا فسر البغوی اور اس وقت) تم کو خدا (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور یہ مضمون
بدرجہ غایت مقتضی ہدایت ہے لیکن) جس کو خدا ہی گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور (آگے توبیخ ہے
اس پر کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور پیغمبر کی بھی تکذیب کر چکے ہیں یعنی) اس کے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف (علیہ
السلام) دلائل (توحید و نبوت کے) لے کر آ چکے ہیں (یعنی اس قوم قبط میں جن میں سے تم بھی ہو اور آباء و سابقین
سے تم تک بھی ان کی خبر متواتر پہنچی ہے) سو تم ان امور میں بھی برابر شک (و انکار) ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس
لے کر آئے تھے حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا (یہ قول بطور
شرارت کے تھا مطلب یہ کہ اول تو یوسف بھی رسول نہ تھے اور اگر بالفرض تھے بھی تو جب ایک کو نہ مانا تو اللہ میاں کہیں گے
کہ دوسرے کو بھیجنا کیا ضرور تو ہمیشہ کے لئے یہ جھگڑا پاک ہو گیا مقصود اصلی اس سے نفی مسئلہ رسالت کی ہے جیسا کہ اخیر قول
سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس مسئلہ میں تم غلط کار ہو) اسی طرح اللہ تعالیٰ حد سے باہر ہو جانے والوں (اور
شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے جو بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس موجود ہو خدا کی آیتوں
میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں (اس کج بحثی) سے خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنین کو بھی اور (جس طرح تمہارے
دلوں پر مہر لگا رکھی ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے (کہ اس میں اصلا
گنجائش حق فہمی کی نہیں رہتی۔ یہ تقریر بھی ان مومن بزرگ کی اور اس تقریر سے ان بزرگ کا کتمان ایمان جاتا رہا خواہ
اول تقریر سے خواہ پچھلی تقریر سے) اور فرعون نے (گو یہ تقریر لاجواب تھی تو اس مومن کو تو کچھ جواب دے نہ
سکا اپنی جہالت قدیمہ پر بزعم خود حجت قائم کرنے کے لئے ہامان سے) کہا اے ہامان میرے واسطے ایک بلند عمارت
بنوا (تو میں اس پر چڑھ کر دیکھوں گا) شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر (وہاں جا کر) موسیٰ کے خدا
کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو (اس دعوے میں کہ اور خدا ہے) جھوٹا ہی سمجھتا ہوں (پھر خدا کو معلوم محل
بنایا نہیں بنا) اور (آگے بطور تلخیص کے فرعون کی مجموعی حالت کی مذمت ارشاد ہے کہ اسی جہالت پر کیا منحصر ہے)
اسی طرح فرعون کی (اور) بدکرداریاں (بھی) اس کو مستحسن معلوم ہوتی تھیں اور (سیدھے) رستے سے [illegible] اور
(موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں بڑی بڑی تدبیریں کیں مگر) فرعون کی (ہر) تدبیر غارت ہی گئی (اور کسی میں کامیاب
نہ ہوا) اور اس مومن نے (جب دیکھا کہ فرعون سے کوئی معقول جواب نہیں بن پڑا تو پھر کمر) کہا کہ اے [illegible]
میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک ٹھیک رستہ بتلاتا ہوں (یعنی سبیل ارشاد میرا بتلایا ہوا رستہ ہے نہ کہ فرعون کا جیسا فرعون نے
کہا تھا ما اهديكم الا سبيل الرشاد) اے بھائیو یہ دنیوی زندگانی محض چند روزہ ہے اور (اصلی) ٹھہرنے
کا مقام تو آخرت ہے (جہاں جزا کا یہ قانون ہے کہ) جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلا ملتا ہے اور جو نیک

کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے (اور) وہاں بے حساب ان کو رزق ملے گا اور (قوم کے حال یا قال سے اس مومن کو معلوم ہوا کہ میری باتوں پر متعجب ہیں اور خود مجھ ہی کو اپنے طریقہ کفریہ کی طرف بلانا چاہتے ہیں اس لئے یہ بھی کہا کہ) اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم کو طریق نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو (طریق) دوزخ کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھ کو اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ (نعوذ باللہ) میں خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی بناؤں جس (کے ساجھی ہونے) کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں (بلکہ واقع میں بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلیلیں قائم ہیں) اور میں تم کو خدائے زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں یقینی بات ہے کہ تم جس چیز (کی عبادت) کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں (کسی حاجت دنیویہ کے لئے) پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ (دفع عذاب کے لئے) آخرت ہی میں (کیونکہ حق دعوت کے لئے علم و قدرت علی الکمال شرط ہے اور شرعاً مفقود ہے) اور (یقینی بات ہے کہ) ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے اور (یقینی بات ہے کہ) جو لوگ دائرہ (عبودیت) سے نکل رہے ہیں (جیسے عابدین غیر اللہ) وہ سب (وہاں جاکر) دوزخی ہوں گے سو (اب میرا کہنا تمہارے جی کو نہیں لگتا مگر) آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور (آثار یا کلمات سے قوم کی طرف سے کچھ دھمکی معلوم ہوئی ہوگی کذا فی المعالم اور کم از کم شبہہ تو ضرور ہی تھا اس لئے اس مومن نے یہ بھی کہا کہ) میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد (اور حوالہ) کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا (خود) نگراں ہے (میں تم سے اصلا نہیں ڈرتا) پھر خدا تعالیٰ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا (تفصیل نظر سے نہیں گذری کہ فرعونیوں نے اس کے واسطے کیا تدبیر سوچی ہوگی بہرحال وہ محفوظ رہا چنانچہ حسب قول قتادہ اس کو بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ غرق سے نجات ہوئی کذا فی الدر) اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) موذی عذاب نازل ہوا (جس کا آگے بیان ہے کہ) وہ لوگ (برزخ میں) صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں (اور ان کو بتلایا جاتا ہے کہ تم قیامت کے روز اس میں داخل ہوگے) اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو (مع فرعون کے) نہایت سخت عذاب میں داخل کرو (چنانچہ وہ داخل ہوں گے اور مراد اس سے دوزخ ہے اور پھر دوزخ کا بھی سخت طبقہ اور برزخ میں اس آگ کا عرض معائنہ و قرب و وصول اثر ہے اور جس آگ سے برزخی عذاب ہے وہ برزخی آگ ہے خواہ اس کی حقیقت کچھ جدا ہو یا وہ نار جہنم کا ہی اثر ہو) **ربط** اوپر کفار کو چند جا وعید سنائی گئی ہے شروع سورت میں فکیف کان عقاب اور انھم اصحٰب النار دوسرے رکوع میں انذرھم یوم الاٰزفۃ الخ اور قصہ میں ان المسرفین ھم اصحٰب النار آگے اہل نار کا بعد دخول نار کے بعض حال مذکور ہوتا ہے جیسا ان الذین کفروا ینادون الخ میں یہی مضمون تھا اور ان اہل نار کے عموم میں آل فرعون بھی داخل ہیں جن کا قصہ ابھی مذکور ہوا تھا۔

وَاِذْ يَتَحَاۗجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ

اور جبکہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے

تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جزو ہٹا سکتے ہو وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ

اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ

میں ہیں اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا۔ اور جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے موکل فرشتوں

جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ

سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے ہلکا عذاب کردے فرشتے کہیں گے کہ کیا تمہارے

رُسُلُكُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۚ قَالُوا فَادْعُوا ۗ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝

پاس تمہارے پیغمبر معجزات لیکر نہیں آتے رہے تھے دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے فرشتے کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرلو اور کافروں کی دعا

تفسیر :۔ اور (وہ وقت بھی پیش نظر کرنے کے قابل ہے) جبکہ کفار لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ (یعنی تابعین) بڑے درجہ کے لوگوں سے (یعنی متبوعین سے) کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جزو ہٹا سکتے ہو (یعنی جب تم ہم سے اپنا اتباع کراتے تھے تو اب تم کو ہماری مدد کرنا چاہئے) وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں (پڑے) ہیں (یعنی جیسے تم دوزخ میں ہو ہم بھی دوزخ میں ہیں سو اگر ہم کو کچھ قدرت مدد کرنے کی ہوتی تو اول اپنی ہی فکر کرتے جب اپنے ہی سے عذاب دفع نہیں کرسکتے تو تم سے کیا دفع کریں گے) اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں کے درمیان (قطعی) فیصلہ کرچکا (اب اس کے خلاف محتمل نہیں اس فیصلہ میں ہم سب ناری ٹھیرے اب کیا ہوتا ہے) اور (اس کے بعد) جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے (یعنی متبوعین و تابعین سب ملکر) جہنم کے موکل فرشتوں سے (درخواست کے طور پر) کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے (یعنی اس کی تو کیا امید کریں کہ عذاب بالکل ہٹ جاوے یا ہمیشہ کے لئے ہلکا ہوجاوے مگر خیر ایک ہی دن کے لئے ہلکا ہوجاوے) فرشتے کہیں گے کہ (یہ بتلاؤ) کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے تھے (اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلاتے رہے تھے) دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے (مگر ہم نے ان کا کہنا نہ مانا) فرشتے کہیں گے تو پھر (ہم تمہارے لئے دعا نہیں کرسکتے کیونکہ کذبین کے لئے دعا کرنے کا ہم کو اذن نہیں ہے) تم ہی (اگر جی چاہے) دعا کرلو (اور تمہاری دعا کا بھی کوئی نتیجہ نہ ہوگا کیونکہ) کافروں کی دعا (آخرت میں) محض بے اثر ہے (کیونکہ اس دعا کا اور اس کی شرط اجابت کا کہ ایمان ہے موقع دنیا ہی میں تھا کہ دار العمل ہے یہاں کہ دار الجزاء ہے عمل بے کار ہے) (ربط اوپر جا بجا بضمن تہدید منکرین حق ان کا خلاف و جدال مذکور ہے جس سے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو حزن بھی ہوتا تھا جیسا تمہید قصہ موسویہ میں تقریر کی گئی ہے آگے آپ کا تسلیہ اخبار عن النصرۃ سے کہ اس پر قصہ موسویہ مذکورہ سے استشہاد اور اس میں وقوع عذاب مذکور متصلا کی تفصیل بھی ہے اور اخبار عن بنی اسرائیل سے جس میں مسئلہ رسالت کی تائید بھی ہے۔ اور امر بالصبر و التسبیح والا ستغفار سے اور آپ کے تسلیہ کے ساتھ مجادلین منکرین کو توبیخ اور ان کے بعض ما فیہ الجدال کے متعلق کچھ کلام ہے

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں کہ گواہی دینے والے

يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ ۖ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝

کھڑے ہوں گے جس دن کہ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ۝ هُدًى وَ

میں خرابی ہوگی۔ اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ دے چکے ہیں اور ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور

جواہرات تولنے کے قابل آپکی ضرورت



۳ نسخے

جن کو حاصل کرکے آپ بے حد خوش ہوں گے

آج کل اشتہار بازی نے ایک ذریعہ معاش کی صورت اختیار کرلی ہے اور پبلک کو ایسے تلخ تجربے ہوئے ہیں کہ اشتہار خواہ کتنا ہی سچا ہو مگر مشکل سے یقین ہوتا ہے لیکن مجھے مسرت ہے کہ اس بے اعتمادی کے زمانہ میں مشہور نامور کارخانہ انڈ جینوئن کیمیکل ورکس رجسٹرڈ دہلی نے اپنی دیانتدارانہ خدمات بہترین صحیح اور خالص ادویات عوام کے سامنے پیش کرکے عام مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کرلی ہے اور میری ذاتی معلومات ہیں کہ انکا تمام کاروبار راست بازی، دیانتداری اور نہایت محنت اور قابل ترین کارکنان اور بالکل اشتہار کے مطابق ادویہ پیش کرنے میں بے مثل کارخانہ ہے یہی وجہ ہے کہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اور بیرون ہند ساؤتھ افریقہ، یوگنڈا، عدن، سیلون، ملایا، انگلینڈ تک اس کارخانہ کی دواؤں کے استعمال کرنیوالے اور ان کے اثرات کے معترف موجود ہیں جن کی تائید میں ہزاروں مریضوں کے خطوط دیکھے، لہذا میں ان حضرات کی جو ضرورتمند ہوں رہنمائی کروں گا کہ وہ اس کارخانہ کی سریع التاثیر مفید دوا استعمال کرکے فائدہ حاصل کریں جو ہر موسم میں قابل استعمال ہیں۔ ایڈیٹر اخبار وحدت دہلی

ہمیں امید ہے کہ آپ مذکورہ بالا ملنے کو پڑھنے کے بعد ہمارا یہ اشتہار صحیح تصور فرمائیں گے۔ اگر آپ ضرورتمند ہوں تو ضرور دوا طلب فرمائیں انشاء اللہ فائدہ ہوگا اگر فائدہ نہ ہو تو دس روپے انعام اور قیمت واپس، ہمارا یہ اعلان ڈنکے کی چوٹ ہے۔ اس میں ذرہ بھر مبالغہ یا دھوکہ نہیں اگر ہم آپ سے دھوکہ کریں تو خدا اور رسول صلعم سے دھوکہ کریں،

سائنٹیفک آئل رجسٹرڈ اس صدی کا انمول جوہر اور اس موسم کا خاص تحفہ ہے اس حیرت انگیز تیل کی تاثیر سے فائدہ اٹھائیے جو بیسویں صدی کا کامیاب عجوبہ رہا ہے۔ ایک شیشی کا استعمال تمام نقائص خواہ وہ کسی سبب سے کیوں نہ پیدا ہو گئے ہوں دور کرکے کندن بنا دیتا ہے یقین مانئے اس سے بہتر آپکو دنیا کے پردہ پر نہ ملے گا اس کے استعمال سے رگوں میں نئی زندگی اور تیزی پیدا ہو جاتی ہے سب باتوں کیلئے اعجاز کا کام دیتا ہے، ہر عمر اور ہر موسم میں استعمال ہو سکتا ہے، تمام نقائص دور کرکے ناکارہ سے ناکارہ آدمی کو کارآمد بنا دیتا ہے قیمت دو روپے علاوہ محصول ڈاک اس کے استعمال کے بعد ہمیشہ کیلئے مردانہ شکایات دور ہو جاتی ہیں، نہایت بے ضرر اور قطعی خوشکن، ذرہ برابر تکلیف کے بغیر نئی روح پیدا کرتا ہے۔ یہ دوا دہلی مارکیٹ میں اول نمبر پر ہے،

دافع جریان و احتلام رجسٹرڈ یہ جادو اثر دوا ہر قسم کے شدید جریان اور کثرت احتلام کو بفضلہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے کیسا ہی تعدد کرتے ہیں پیشاب سے پہلے یا بعد سفید رطوبت کا آنا مادہ کا پتلا پڑ جانے کو دور کرکے قوت مردمی کے معاون ہوتے ہیں جسم میں تر و تازگی اور فربہی لاتے اور چہرے کو مثل بدخشاں سرخ کرتے ہیں ان کے چند روزہ کے استعمال سے جسم میں مادہ کافی مغلظ ہوکر کافی تعداد میں پیدا ہوتا ہے، قیمت ۸ قرص دو روپے علاوہ محصول ڈاک، ہماری یہ دوا جواہرات سے تولنے کے قابل ہے جس نے ہزاروں نامرادوں کو بامراد بنا دیا، غیر ملکوں تک اس دوا کی دھوم مچی ہے، جریان کا قلع قمع کرنے کیلئے ہم ہندوستان کے ہر دواخانہ کو چیلنج کرتے ہیں جس کا جی چاہے آزمالے اس کے استعمال کے بعد بدن میں توانائی طبیعت میں چستی، دل میں جوانی کی امنگ آ جاتی ہے اور مریض اپنے اندر قوت کا بے پناہ خزانہ محسوس کرتا ہے،

حبوب خاص یہ گولیاں انتہائی ممسک ہیں پشیمانی سے بچا لیتی ہیں سرعت کی شکایت بالکل نہیں ہوگی، قیمت دو روپے، ہزاروں آدمیوں کی آزمودہ گولیاں ہیں۔ یہ گولیاں نشئی ادویات سے پاک ہیں اور مستقل قوت پیدا کرتی ہیں، محصول بذمہ خریدار تینوں دوائیں منگانے پر محصول معاف

دہلی کا نامور گورنمنٹ رجسٹرڈ دواخانہ
... کیمیکل ورکس نزد ڈاکخانہ جامع مسجد دہلی
ٹیلیفون نمبر ۲۹۳۰ تار کا پتہ ...


GULE KASHMIR
Hair Oil



واجعلنا للمتقین اماما
پروردگارا ہم کو پرہیزگاروں کا پیش
پیشوا
ایک ماہوار مذہبی و اصلاحی رسالہ
سالانہ چندہ دو روپے
ایڈیٹر :- سید عزیز حسن بقائی
قیمت فی پرچہ ۳ر

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ○ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ

پھر وہ سکیں گے پھیر دینا اس کو اور نہ وہ ڈھیل دیئے جاویں گے اور البتہ تحقیق ٹھٹھا کیا گیا
پھر نہ اس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جاوے گی اور آپ سے پہلے جو

بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ

ساتھ پیغمبروں کے پہلے تجھ سے پس گھیر لیا ان لوگوں کو کہ ٹھٹھا کرتے تھے ان میں سے اس چیز نے کہ تھے ساتھ
پیغمبر ہو گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی کفار کی طرف سے تمسخر کیا جاتا تھا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس

يَسْتَهْزِئُونَ ○ قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ

اس کے ٹھٹھا کرتے کہہ کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات اور دن اللہ سے
کا وہ استہزا کرتے تھے آپ ان سے کہئے کہ وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن کے عذاب سے تمہاری حفاظت

بَلْ هُمْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِم مُّعْرِضُونَ ○ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن

بلکہ وہ یاد پروردگار اپنے سے منہ پھیرنے والے ہیں کیا واسطے ان کے معبود ہیں کہ منع کرتے ہیں ان کو
کرتا ہو بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کئے ہوئے ہیں کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ ان کو

تفسیر صفحہ ہذا ف ارشاد ہے کہ جب انہیں قرآن کی آیات سے ... سوال کیا ... جب آئے گی ... اور وہ ... عذاب ... ان کا تو یہ حال ... مصیبت ... ذکر ... ہوتے ... سے کہ وہ ہمارے ... محفوظ رہ سکتے ہیں

بس یہی وہ قرآن شریف ہے جو چھپنے سے پہلے ہزاروں ہدیہ ہو گیا۔ اب جب چھپکر تیار ہوا۔ تو

سبحان اللہ کیسی خوبصورت ہے ... ہندوستان بھر میں ایسا عمدہ قرآن شریف اس ہدیہ کا نہیں ہے ... محنت کوئی نہیں کر سکتا ... کاغذ بھی خراب ہوا اور ... کیا گیا

تو پھر قرآن شریف بہت اچھے ... کاغذ البتہ قریب قریب ... ایسا نہیں ہے ...

... قرآن شریف ... حضرت ... ایک قرآن شریف ... آپ خاموش ہو جائیں ...

... آپ ... قرآن شریف جس کا صرف ایک صفحہ چھپتے پورے ہندوستان بھر میں شہرت ہو گئی

یہ دو ترجمہ والا خوشنما اعجاز بیان قرآن معہ تفسیر اصح البیان اردو مفسرہ علامہ عبدالماجد ناظم جمعیۃ علماء دہلی

ترجمہ اول لفظی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی ... حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی

مع مقدمہ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی قبلہ مد فیضہ شیخ التبلیغ

معہ خواص القرآن۔ برہان القرآن۔ تاریخ القرآن۔ فوائد القرآن۔ اعمال القرآن۔ رموز القرآن۔ تعبیر نامہ خواب وفالنامہ قرآنی

کیا قرآن پاک ہر دس ہزار ناظرین میں سے ایک شخص بھی ایسا ہے ... قرآن شریف ... حرفوں کی ... چھپائی کی صفائی صحت اعلیٰ درجہ کی ... اشرف علی صاحب کا ترجمہ ... شدہ ہے اور مولانا کی سند بھی اس قرآن شریف میں موجود ہے تفسیر کے ... ان کے چند نام یہ ہیں۔ ابن کثیر خازن۔ جلالین ... موضح القرآن ... بیان القرآن ... ہوئی رہی ... صحت ... مقدمۃ القرآن کی خوبیوں کا اندازہ پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ پہلے حصہ میں مخالفین اسلام کے ... اعتراضات قرآن کے جوابات ہیں ... مخالفین کی بے سرو پا ... کے جواب دینے میں نہیں ہو سکتا اور تار عنکبوت کی طرح توڑ دیتا ہے۔ دوسرے حصہ میں آفرینش عالم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء اور صلحاء اور کتاب اللہ کی تفصیل و حالات۔ تیسرے حصہ میں بعثت رسول سے قبل اور ما بعد کے حالات جزو کل۔ اور آنحضرت کی جان پر ... سوانح حیات معہ حالات خلفائے راشدین و ترتیب قرآن شریف وغیرہ۔ چوتھے حصہ میں فضائل تعوذ۔ فضائل بسم اللہ۔ تلاوت قرآن مجید کے فضائل۔ آداب القرآن۔ خواص القرآن۔ اسرار القرآن ... مضامین قرآن کی مفصل فہرست ... وغیرہ

ان تمام خوبیوں کے باوجود ہدیہ صرف مجلد ... محصول علاوہ — ملنے کا پتہ منیجر رسالہ پیشوا دہلی

ہندوستان کے بیشمار مترجم قرآنوں میں ... قرآن ابھی چھپکر آیا ہے

دہلی کے سب سے بہتر پریس میں چھپا ہے جس کی طباعت خوشنمائی صحت وغیرہ ہر قرآن سے بڑھ گئی

[illegible] قرآن شریف [illegible] ترجمہ [illegible] باوجود [illegible] مولوی اشرف علی صاحب کے ترجمہ کا قرآن [illegible] قرآن شریف مقبولیت کی [illegible] آپ کو اس قرآن شریف کے خریدنے کی ترغیب دیتا ہوں کیونکہ [illegible] خالصاً للہ اسی قرآن پاک کا مشورہ دوں گا کیونکہ [illegible] باعتبار [illegible] منافع کے [illegible]

خالصاً للہ پوچھیے یہ قرآن مجید کیوں چھپے

(۱) [illegible] قرآن [illegible] کا مقدمہ [illegible]

(۲) مولوی اشرف علی صاحب کا [illegible] ترجمہ [illegible] مولانا کا پسندیدہ ہے [illegible] بہت صاف [illegible]

(۳) کتابت مولوی ممتاز علی [illegible] صاحب کی ہے [illegible]

(۴) ابتدا میں ایک ایسا مفید مقدمہ ہے جو آپ نے اس سے پہلے کسی قرآن میں نہ دیکھا ہوگا اور نہ پڑھا ہوگا۔

(۵) قرآن شریف پڑھنے کا مقصد اسی قرآن شریف سے حل ہوگا کیونکہ اس کے مقدمہ میں قرآن شریف کی [illegible] کے ساتھ [illegible] قرآن پاک کی تلاوت کا سب سے بڑا مقصد ہے اور [illegible] ہندوستان کے [illegible] قرآن شریف [illegible] اس کے مقدمہ میں موجود ہے اس لئے یہ قرآن شریف خرید کر آپ قرآن پاک کی بہت سی [illegible] معلومات و معارف سے آگاہ ہو سکتے ہیں

دیکھا آپ نے [illegible]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے مہربان

الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ

نہایت رحم والے ہیں مالک ہیں روز جزا کے ہم آپ ہی کی

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا

عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں بتلا دیجئے ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ

رستہ سیدھا رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

انعام فرمایا ہے نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے

[illegible]

ضعیف العمر اور کمزور نگاہ والوں کے لئے بہت جلی حروف و قلم

قرآن شریف مترجم

بہت آسان دید

مترجم حضرت شاہ رفیع الدین صاحب تحت اللفظ

حاشیہ پر تفسیر موضح القرآن چھپائی خوشنما جلد کاغذ سفید

کا بہت موٹا وزن [illegible]

کام کرنے والے [illegible]

قرآن شریف چار رنگ میں چھپ کر تیار ہے [illegible] حروف [illegible]

اور بہت [illegible] قرآن شریف [illegible]

[illegible] پڑھ لیا [illegible] نگاہ والے تو دور رکھ کر پڑھ سکتے ہیں

ضعیف العمر بزرگ بجلی کی روشنی اور چاندنی میں بے تکان تلاوت کر لیتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ اس قرآن شریف کا نام آسان دید قرآن شریف ہے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی ابتدا میں ایک [illegible]

مقدمہ بھی ہے [illegible] قرآن پاک [illegible] معلومات سے بھرا ہوا ہے

مجلد جرمی پشت [illegible] چار روپے محصول ڈاک [illegible]

یہی قرآن شریف بلا ترجمہ روشن دید

کے نام سے ہدیہ ہو رہا ہے اس کا قلم آسان

[illegible] اور حروف خوب الگ

الگ ہیں کاغذ اتنا موٹا نہیں ہے اس لئے

اس کا وزن چار سیر کے قریب ہے بہت صاف چھپائی ہے کاغذ سفید [illegible] بلا ترجمہ قرآن شریف کا ہدیہ

مجلد جرمی پشت صرف تین روپے محصول ڈاک دو روپے تقطیع [illegible]

بائبل طرف آئیوری کاغذ والا خوب قلم مترجم

کی ایک سطر کا نمونہ قلم اور ترجمہ [illegible] بالکل الگ الگ ہیں ترجمہ تحت اللفظ ہے [illegible]

شریف کا کاغذ [illegible] کاغذ [illegible] قیمت کا ہوتا ہے اور ولایتی کاغذ [illegible]

قرآن شریف کی قیمت بہت [illegible] بہترین کاغذ والا قرآن شریف [illegible]

کاغذ آئیوری [illegible] کاغذ [illegible]

[illegible]

[illegible] اس قرآن شریف کا [illegible]

[illegible]

قرآن شریف [illegible] اس لئے اس قرآن شریف کا ہدیہ [illegible]

[illegible] قرآن شریف [illegible]

[illegible]

[illegible] تحت اللفظ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مستعل عربی

[illegible] عربی [illegible] کتاب [illegible] قرآن [illegible] اس کا اندازہ کیجئے۔
قیمت ۸ ر محصول ۴ ر

دسترخوان

ایڈیٹر صاحب رسالہ پیشوا کی مرتب کردہ کتاب [illegible] کس قدر مقبول ہوئی حیرت ہوگی اسلامی دسترخوان دو کامل اور آسان کھانا پکانے کی کتاب ہے جس کو چھوٹی چھوٹی بچیاں ناخواندہ عورتیں اور مرد بھی یکساں کم داموں میں اچھے کھانے پکا سکتے ہیں یہی وہ کتاب ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے گھروں میں مقبول ہے اور روز نئے اچھے خاصے تعداد میں فروخت ہوتی ہے جہاں یہ کتاب کھانا پکانے کی استانی ہے وہاں خاوند کو موہ لینے کا عمل بھی رکھتی ہے ضخامت خوب قیمت ۸ ر محصول ڈاک ۳ ر

میاں بیوی کے فرائض

اسلامی میاں بیوی کیسے ہوتے ہیں اور کیونکر ہو سکتے ہیں آپکو یہ کتاب میاں بیوی کے فرائض سے معلوم ہوگا آپ کا گھر جنت کا نمونہ بن سکتا ہے اگر آپ اس کتاب کے عامل بن جائیں یعنی بیوی اور ایک اچھا خاوند بھی بن سکتا ہے جیسا اسلامی حکم اور خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں۔ اسلامی جوڑا ایک ایسا نمونہ ہوگا جس کو آئندہ نسلیں بہترین ہونگی دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا اس میں دونوں کے فرائض شرعی بتائے گئے ہیں اس کے عامل ہونے کے بعد لڑائی کبھی نہ ہوگی قیمت ۸ ر محصول ۳ ر

رسول اکرم

اسلام کی [illegible] رسول اکرم [illegible] کے ذہن نشین ہو جائیگی [illegible] اگر آپ اپنی اولاد کی تربیت کرنی چاہتے ہیں [illegible] رسول اکرم [illegible] ایسا آسان اور [illegible] اتنی سادہ ہیں کہ بچہ [illegible] اس کتاب کو پڑھ بھی سکتا ہے اور ذہن نشین بھی کر سکتا ہے ۱۲۰ صفحات قیمت ۸ ر محصول ڈاک [illegible] مدارس میں کتاب داخل نصاب کی جائیگی [illegible]

زبان کا چٹخارہ

اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسلامی تہذیب کے گہوارے بادشاہوں کی پیاری نگری دہلی کے رنگ ڈھنگ کے لذیذ کھانوں کو واقف نہ ہوں دہلی کا باورچیخانہ فوراً طلب کیجئے جس میں قدیم امراء و شرفاء دہلی کے تمام لذیذ اور مرغن کھانوں کی تفصیل اور ان کے پکانے کے آسان طریقے درج ہیں جو جناب حافظ سید عزیز حسن بقائی ایڈیٹر رسالہ پیشوا کی تصنیف ہے ضخامت تقریباً سوا سو صفحہ سے زیادہ ہے قیمت آٹھ آنہ محصول ڈاک چار آنہ

قرآن ایک معجز نما کتاب ہے

حقائق و معارف فصاحت بلاغت قرآن پاک پہلے روز کی پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے جو علماء [illegible] تحقیق کے بعد مطالعہ قرآن شریف اور تمام صحائف آسمانی کا نچوڑ ہے قرآن کے متعلق غیر مسلم [illegible] شہر کے سرداران کفار قریش کی رائیں [illegible] کو سنکر مسلمان ہونا قرآن کے منزل من اللہ ہونے اور معجز نما ہونے پر حرکت آگاہ اور ان کی اشاعت قرآن حکیم کی پوری تاریخ یہ کتاب تبلیغ اسلام کیلئے غیر مسلموں میں مفت تقسیم کیجئے تو [illegible] غیر مسلم اسلام کی آغوش میں آ جائیں کاغذ سفید چکنا قیمت صرف ۸ ر علاوہ محصول ڈاک

بلا ترجمہ روشن دید

یہ قرآن شریف روشن دید کے نام سے مشہور ہے اس کا قلم بہت ہی جلی ہے اور حروف خوب الگ الگ ہیں۔ کاغذ بہت موٹا نہیں ہے اس لئے اس کا وزن چار سیر کے قریب ہے۔ بہت صاف چھپائی۔ کاغذ خوب سفید تاریے کا ہے۔ بلا ترجمہ روشن دید قرآن شریف کا ہدیہ مجلد چرمی پشتہ صرف دو روپے محصول ڈاک دو روپے۔ تقطیع ۱۱ x ۱۵

ہر گھر میں اس کا ہونا باعث برکت ہے

تعویذی عکسی لاکٹ حمائل شریف وزن تقریباً ۵ ماشہ لمبائی سوا انچ چوڑائی پون انچ۔ مع لاکٹ و آلی گلاس جس کے ذریعے سے تلاوت ہو سکتی ہے۔ بچوں کے گلے میں لٹکایئے ھدیہ صرف ایک روپیہ علاوہ محصولڈاک

افشائے راز پنہاں

اردو زبان میں سب سے پہلی کتاب [illegible] کتاب شائع [illegible] کنواری [illegible] تعلیم [illegible] ایک بھولی بھالی عورت [illegible] ہر وقت اس [illegible] مجلد [illegible]
قیمت [illegible] محصول ۶ ر

دلہنوں کی کانفرنس

سات دلہنوں کی شبہائے عروسی کی دلچسپ داستان سات دلہنوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنے اپنے واقعات شب عروسی کو [illegible] بیان کئے جو [illegible] سننے ہونگے اصلاح رسوم کا بیڑہ اٹھاتی ہیں اور تعلیم و حقوق نسواں پر زور دیتی ہیں ہر دلہن کی [illegible] سرگذشت ہے قیمت ۸ ر

عیش و نشاط

اس کتاب میں شادی شدہ حضرات کے لئے وہ تجارب ہیں جن کے مطالعہ کے بعد عیش و لطف کیف تندرستی بقاء اولاد و عورت کی محبت اور شادی کی لذت چند دن کے مطالعہ کے بعد حاصل کی جاتی ہیں قیمت ایک روپیہ چار آنہ علاوہ محصولڈاک

قانون مواصلت

میں [illegible] کی زندگی کا رہبر اگر اس کتاب کی ہدایتوں پر عمل کیا گیا تو ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ وقت سے پہلے آپکی قوت میں کمزوری نہیں پیدا ہو سکتی اور شباب کی پوری کیفیت سے آپ لطف اٹھائیں گے اس میں مواصلت کی بابت تمام ضروری باتیں درج ہیں قیمت [illegible]

اتالیق نسواں

عورتوں کو عملی کا اور [illegible] خانہ داری سکھانے بہو بیٹیوں کو سگھڑ اور سلیقہ شعار بنانے والی مشہور و مقبول کتاب ایک شریف لڑکی کو جو کچھ معلوم ہونا ضروری ہے سب اس کتاب میں ہے ۱۲۰۰ صفحہ [illegible] شکلیں [illegible] مشاہیر [illegible] قیمت [illegible]

فلاح دین و دنیا

ہر مسلمان کیلئے جو دین و دنیا کی فلاح چاہتا ہے اسلام کی ضروریات و مسائل کو واقف ہونا [illegible] علاوہ دنیا میں بھی عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے [illegible] اس کتاب کو پڑھ کر [illegible]

قرآنی دعائیں

[illegible] دعا کیسے پڑھی جاتی ہیں اس لئے [illegible] دعا مانگنے کے طریقے سے ناواقف ہیں اگر آپ [illegible] واقف ہونا چاہیں تو یہ ضرور ملاحظہ کیجئے آپ کی ہر دعا قبول ہوگی اگر آپ کے اولاد نہیں تو صاحب اولاد بن جائیں گے مفلس ہیں تو زردار بن جائیں گے بیکس ہیں تو مددگار ملیں گے غرض کہ [illegible] جو حال ہو گئے پریشان ہیں تو [illegible] ہو جائیگا غرض مرد کو بھی قرآنی دعائیں ہیں کیونکہ اس میں [illegible] دعا کے ساتھ قرآن پاک کی بہت ہی چھوٹی چھوٹی دعائیں [illegible] بہت ہی مقبول و موثر کتاب ہے قیمت ۸ر محصول ۴ر کل ۱۲ر

پیغمبری دعائیں

اس کتاب میں قرآن شریف سے ہٹ کر رسول [illegible] کی دعائیں [illegible] سلف و بزرگان دین سے منقول ہیں معمولات [illegible] وظائف لکھے گئے ہیں جن کے صحیح ہونے میں آج تک کسی کو شک نہیں ہوا اس میں وہ دعائیں ہیں جن کو خود باری تعالیٰ نے اپنے رسول اور نیک بندوں کو تعلیم فرمائیں وہ دعائیں ہیں جو تحفۃً [illegible] ہیں اور بیویوں ازواج کو حضور نے تلقین کیں صحابہ کی اپنے بزرگوں کو تعلیم کی ہوئی دعائیں حضور کے صحابہ کو پڑھائے سینہ بسینہ وظائف اپنے اندر جتنا بھی اثر رکھتی ہیں لکھا ہے قیمت صرف چھ آنہ محصول ڈاک ۴ر کل ۱۰ر

معلومات نماز

نئی تحقیقات کے ساتھ بالکل نئے انداز میں نماز کو بہترین عبادت ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ اگر صحیح طریق پر نماز پڑھی جائے تو وہ انسان کو بہترین انسان بنا دیتی ہے چند عنوان یہ ہیں مذہب اسلام، حکمت، احکام عبادت کے منافع، ثمرات عبادت، ثمرات حرمت تارک نماز، نماز کے طبی فائدے، امتیازی عبادت، تاکید نماز، لفظی عبادت، نماز کا قرآن سے ثبوت، بے نمازیوں کی کہانیاں، نماز قرآن میں اس کے بعد تمام نمازوں کا بیان ۲۰ صفحات قیمت صرف آٹھ آنہ محصول ۴ر

تفسیر سورۂ یٰسین

یہ تفسیر اس زمانہ میں لکھی گئی ہے جبکہ ہمارے [illegible] کا [illegible] قدم قدم پر مذہب کے لئے [illegible] تفسیر میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر بات کو معقول طریقہ پر سمجھایا ہے اور یہ تفسیر مولانا محمد مصری کی تفسیر قرآن سے مستند ہے اور ایسے عجیب و غریب پیرایہ میں [illegible] کے کمال کو ذہن نشین کیا گیا ہے کہ بالآخر [illegible] ہے آتا ہے صرف تفسیر کے کاغذ سے بھی یہ تفسیر بہت اہم اور مفصل ہے ایک ایک لفظ کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے گویا بہت سی تفاسیر کا عطر اس کتاب میں ہے لطف سالات پر بہت دلچسپ بحث ہے قیمت ۸ر محصول ۴ر

سیرت باقی

سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ غریب نواز حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ بخاری کی مفصل و مشرح [illegible] سمیع حضرت خواجہ کے تمام خلفاء کا تذکرہ اور اولاد خواجہ کا تذکرہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی روحانی تعلیم تزکیہ نفس کے آسان طریقے مجرب المجرب اور وظائف حضرت خواجہ غریب نواز کی صوفیانہ قرآن حکیم کی تفسیر [illegible] چاہتے ہو تو سیرت باقی کا مطالعہ کریں جس کے مصنف پیرزادہ سید عزیز حسن حسنی بقائی [illegible] خواجہ باقی باللہ ایڈیٹر رسالہ پیشوا دہلی ہیں اس میں پیرزادہ حسنی نے اپنا تذکرہ بھی لکھا ہے جو کیا [illegible] قیمت ۱۲ر رعایتی ۹ر

بگڑی ہوئی قسمت بنگی

دنیا کے سہارے ٹوٹ چکے تھے کوئی مونس و یاور نظر نہ آتا تھا کام بن بن کر بگڑ جاتے تھے لیکن جب صاحب خدا کا توسل ڈھونڈا تو بگڑی ہوئی بنگئی خداکی قسمت اگر آپ بھی پریشان ہیں فکر معاش میں سرگرداں ہیں دشمنوں کی یورش ہے کوئی بیمار عزیز ہے اگر تو عملیات باقی منگائیے اس میں ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت مجدد الف ثانی کے پیر طریقت خواجہ خواجگان خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے مجرب عمل و وظائف ہیں جن کی مدد سے آپکی ہر دلی مراد پوری ہوگی طباعت و کاغذ اعلیٰ قیمت صرف ۸ر محصول ۴ر

تاریخ مرہٹہ

ہندوستان میں جب اسلامی سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور محمد شاہ رنگیلے جیسے عیش پرست بادشاہ کو مرہٹہ قوم دھمکیاں دے رہی تھی کہ دہلی کی جامع مسجد میں شیوجی کی مورتی رکھی جائے اسوقت جس مجاہد اعظم اور اسلامی بہادری کے آفتاب نے افق کابل سے طلوع کیا اس کا نام احمد شاہ ابدالی ہے جس نے ہندوستان کو توڑا اور مرہٹہ قوم کی پوری جنگی طاقت کو شکست دی اور دس ہزار فرزندان توحید نے میدان جنگ میں دس لاکھ مرہٹوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈالدیا اس کتاب میں مرہٹہ قوم کے مفصل حالات ہیں ۲۰۸ صفحہ قیمت ۱۲ر

اورنگ زیب عالمگیر رح

ہندوستان میں اسلامی شوکت کے آخری فرمانروا اور صحابہ کرام کی زندگی بسر کرنے والے تاجدار شہنشاہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی کے نام سے شائع ہوگئی اس کتاب میں درویش صفت تاجدار کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ متعصب تنگ خیال مستشرقین کے تمام غلط و بے سروپا اعتراضات کی پر زور تردید بھی کی گئی ہے قیمت صرف آٹھ آنہ (۸ر) محصول ۴ر کل ۱۲ر

درس معاشرت

ماہ نامہ دانش [illegible] کے قلم کیف عبرت خیز دلچسپ و سبق آموز افسانوں کا دلکش مجموعہ ہے جو ایک افسانہ اسلامی طرز معاشرت کی ایک تصویر ہے افسانے کے پیرایہ میں مسلمانوں کو نہایت موثر الفاظ میں اصلاح رسوم کی عملی تعلیم دی گئی ہے کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہئے کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ [illegible] صفحات باوجود ان خوبیوں کے قیمت [illegible] افسانہ کی یہ بہت جلد طلب فرمائیے بہت تھوڑی باقی ہیں قیمت ۸ر محصول ۴ر کل [illegible]

اسلام کے سو سپاہی

یہ مفید اور اہم کتاب جناب پیرزادہ سید عزیز حسن بقائی ایڈیٹر پیشوا کے [illegible] کا نتیجہ ہے پیشوا کے پڑھنے والے خوب واقف ہیں جس وقت وہ اپنے سحر طراز قلم سے اسلام کے بہادر سپاہیوں کے محیر العقول شجاعانہ کارناموں کو بیان کرتے ہیں تو بزدلوں کے دلوں میں بھی اسلامی بہادری کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے مسلمانوں میں تازہ غیرت ایمانی ابھر آئیگی وہ خانہ جنگی کے طوق کو کاٹ کر [illegible] اسلامی تیرہ سو سالہ تاریخ کے اہم واقعات درج ہیں [illegible] عزم و استقلال کو دوبالا کرنے کے لئے تیار کیجئے

عام فہم اردو قاعدہ

جو کچھ نہیں جانتا وہ سب کچھ جانتا ہے یہ قاعدہ علمی نہیں عجیب طرز پر مصنف نے اس انداز سے مرتب کیا ہے گویا اسکو بچوں کی ذہنیت کا نقشہ کا التقا ہو گیا ہے جتنے قاعدے آجتک چھپے ہیں اس سے زیادہ آسان قاعدہ اب تک نہیں لکھا گیا اس قدر عجیب و غریب کیب اس قاعدہ کے سمجھانے کی اور سمجھانے کی ترکیب کہ بچی کی طبع اور کند ذہن بچہ بھی آسانی کو حروف پہچان لیتا ہے اور اس میں وہ تمام اردو پڑھنے اور لکھنے کی ترکیبیں ہیں جو [illegible] کے صد ہا قاعدوں میں نہیں ہوتی قیمت فی جلد ایک روپیہ کے [illegible] ہیں۔

اسکول ماسٹر

جو انگریزی اخبارات پڑھنے کے عادی ہیں لیکن انگریزی میں گفتگو نہیں کر سکتے ہیں جو بغیر استاد کے انگریزی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور تجارت پیشہ انگریزی خط و کتابت نہیں کر سکتے ان کو یہ کتاب ضرور منگانی چاہئے بلکہ وہ سب جو انگریزی میں ہیں اور بچے کبھی نہیں [illegible] انکو ایسی چیز جسے قدم قدم پر انگریزی کی ضرورت ہو مدرسوں میں داخل ہو کر پڑھنا بہت طول عمل پھر یہ کتاب [illegible] تینوں ایک ساتھ [illegible]

ہارون رشید

خلفاء عباسیہ میں قابل القدر بادشاہ ہارون رشید کی سوانح عمری ہے جس میں ابتدا سے تاریخ و حالات عہد سلطنت بنو عباس جدا جدا درج ہیں کی تاریخ سلطنت عباسیوں کی [illegible] ہارون رشید کا زمانہ خلافت کمال درجہ تنزل خاندان برمکی ہارون رشید کی خلافت کا آخری زمانہ اور وفات ہارون رشید ہارون رشید کے کل حالات زبیدہ خاتون ملکہ ہارون رشید کی لیاقت اور علم و ادب [illegible] اسلام مزید [illegible] صفحات ۲۲۴ قیمت رعایتی ۱۲ محصول ڈاک ۶

گروہ شاہیر

مصنفہ مولانا شرر لکھنوی تاریخی کارنامے [illegible] شہرت کی ہے [illegible] روشناس ہوا اور [illegible] ان کی تصانیف کو [illegible] سلطنت کی رسائل [illegible] حالات ہیں محمود ایاز علی بیگ [illegible] جیسے [illegible] ابن سینا [illegible] افلاطون [illegible] حالات پڑھنے سے معلومات ہیں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ لطف لٹریچر بھی ہے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ رعایتی ۱۲ محصول ۲

الغزالیؒ

مصنفہ مورخ عظم علامہ شبلی نعمانی [illegible] امام محمد غزالی کی سوانح حیات یہ کتاب جس پایہ کی ہو کم ہو اسرار و رموز تصوف شریعت و طریقت کی جنگ [illegible] اور یہ بیں وہ درست ہوئی ہے امام کا فیصلہ کہ شریعت مقدم ہے یہی وہ کتاب ہے جو امام غزالی کی سوانح عمری اور تصوف رنگ پیش کرتی ہے یہ کتاب بارہا چھپ چکی ہے پہلے قیمت اس کی ایک روپیہ تھی اور ہزاروں [illegible] فروخت ہوئے مگر اب اس کی قیمت [illegible] کر دی گئی محصول [illegible]

الفوز عظیمی

عاشق رسول کی [illegible] عشق رسول [illegible] الفوز عظیمی کے حالات [illegible] معلوم ہوتا [illegible] سوانح عمری [illegible] کتاب [illegible] سوانح [illegible] سوانح عمری [illegible] بہت ہی مؤثر [illegible] خلافت راشدہ [illegible] ہم واقعات بھی ہیں کتاب [illegible] ہر مسلمان کو یہ کتاب پڑھنی چاہیے قیمت [illegible] محصول [illegible]

میلاد نامہ

مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی

اس کے چودہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۱۰۰ صفحہ کی کتاب ہے اس میں سب سے قبل بیانات ہیں فضیلت مولود حضور کے بزرگوں کے حالات ولادت آنحضرت اور طفولیت سے شادی تک کے حالات ہیں اس کے بعد دوسرا حصہ رسول کا شروع ہوتا ہے جس میں کسب تجارت [illegible] معراج [illegible] حضرت حمزہ کا اسلام حضرت عمر کا اسلام [illegible] کا بائیکاٹ ہجرت اور غزوات کے حالات حضرت عائشہ اور تمام امہات المومنین کے حالات بیماری و وفات رسول [illegible] کے پورے حالات ہیں قیمت ایک روپیہ محصول ڈاک [illegible]

آمنہ کا لال

اردو زبان کا سب سے بہتر مولود شریف حضرت علامہ راشد الخیری کا [illegible] کئی سال ہوئے شائع ہوا تھا اب بہتر ہی نہیں عورتوں کی مجالس میلاد میں یہ کتاب پڑھی جاتی رہی اور وہ اہلِ ذوق مسلم [illegible] کو بے حد ذوق سے یہ کتاب [illegible] اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو خلاف عقل کہا جا سکے اس لئے تعلیم یافتہ مردوں کا بہت ذوق ہے اس کا مطالعہ کرتے ہیں [illegible] ساتھ نظمیں بھی ہیں آمنہ کے لال میں مولانا کا بہترین [illegible] آمنہ کے لال میں واقعات کا انتخاب بہت [illegible] قیمت ایک روپیہ محصول ڈاک [illegible]

سیرۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم

مولوی فاضل محمد عبدالتواب صاحب کی تصنیف ہے مولوی صاحب [illegible] قرآن شریف سیرۃ و تواریخ [illegible] سے نہایت [illegible] اردو میں ترجمہ کر کے حضور پر نور کے واقعات زندگی کو سلف صالحین کے طریقے پر نہایت دلکش پیرایہ میں مسلسل طور پر قلمبند کیا ہے احادیث و آیات کے ساتھ ہی بالمقابل تراجم و حوالے نقل کئے ہیں اور یہ جو علماء کرام نے اس کے آسان و عام فہم ہونے صحیح و مستند ہونے کی بنا پر اس کی بہترین [illegible] تعریف کی ہے اور نہایت عمدہ تقریظیں لکھی ہیں قیمت ۱۲ محصول ڈاک [illegible]

عورتوں کے میلاد نامے

میلاد اکبر [illegible] مشہور میلاد نامہ جس کی دو الہامی نظمیں [illegible] اس میں انداز بیان سہل اور دلچسپ نظم ہے عورتوں کے پڑھنے کی کتاب ہے قیمت [illegible]

زیور ایمان یہ خالص عورتوں کی زبان میں بہت دلچسپ [illegible] صاف لکھائی چھپائی ہے مرثیہ قلب [illegible] نعت [illegible] عورتوں کے لئے [illegible] میلاد [illegible] کی مجالس میں بہت ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے قیمت [illegible]

دونوں کتابیں [illegible] دونوں کی قیمت [illegible]

امت کی مائیں

علامہ راشد الخیری کی تصنیف ہے ازواج مطہرات کی سوانح عمری ہے اس کتاب میں [illegible] ازواج کے مسئلہ کو حل کیا گیا ہے اور جو دشمنان رسول کریم تعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں ان کا منہ توڑ جواب ہے اس کتاب میں حضرت عائشہ و حضرت [illegible] کی لیاقت بہت عمدہ اور حیات آفرین ہے کتاب پہنچی کی اس کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے جاں [illegible] یہ کتاب بہت مفید ہوگی جہاں بیویاں [illegible] رسول [illegible] زندگی [illegible] مسلمان ستارہ [illegible] قیمت ۱۲ محصول [illegible]

مسدس حالی

اسلامی ہند میں تہلکہ ڈال دینے والی کتاب جس کے متعلق سرسید مرحوم نے کہا تھا کہ خدا کے سامنے فخر سے یہ کتاب پیش کر جاؤں گا یہ مسدس اسلام کی [illegible] تاریخ ہے اور مد و جزر اسلام ہے لاکھوں سے زائد چھپی اور فروخت ہوئی زیر اہتمام اعلیٰ ایڈیشن اعلیٰ کاغذ اور جیبی تقطیع کا ہے ابتدا ایک شعر یاد رہا جہاں [illegible] مسدس [illegible] اور خواجہ الطاف حسین حالی کی ہو [illegible] بچوں کو یہ مسدس یاد کرایا جائے تو ان میں ابتدا سے جوش اسلامی پیدا ہو [illegible] ۲۰۰ صفحات مجلد ہے قیمت [illegible]

عقائد اسلام

انسان کی نجات کا دارومدار سعادت اخروی اور عقائد کی پختگی پر موقوف ہے اگر آپ اپنے عقائد و اعمال کو سنت نبوی کے مطابق بنانا چاہتے ہیں تو کتاب عقائد اسلام کا مطالعہ فرمائیے اس میں تمام اسلامی معتقدات و معلومات کا خلاصہ اور لب لباب ہے ہر قسم کے مسائل دلائل عقلیہ و نقلیہ سے سلیس اردو میں درج ہیں مصنفہ علامہ عبدالحق صاحب حقانی دہلوی قیمت رعایتی صرف ایک روپیہ [illegible]

کارڈ سائز مترجم حمائل

بہت کارڈ کے برابر [illegible] کاغذ سفید اعلیٰ کتابت [illegible] منشی عبدالغنی [illegible] استاد [illegible] ترجمہ [illegible] عبدالقادر محدث دہلوی [illegible] حاشیہ [illegible] مفتی عبدالتواب صاحب [illegible] بہت اچھی [illegible] کتابت [illegible] تقطیع [illegible] اور آسانی [illegible] ہزاروں [illegible] بہت مقبول ہوئی قیمت [illegible] بہت ہی تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمائیے۔

ہر قسم کی کتابیں اور قرآن مجید حمائلیں وغیرہ ملنے کا پتہ :- منیجر رسالہ پیشوا - زیر جامع مسجد دہلی

شرح مثنوی مولانا روم

مثنوی شریف کی حالت شان محتاج بیان نہیں کیونکہ یہ کتاب علم تصوف کی جان ہے یہی وہ کتاب ہے جو طریقت کا مان طریقت کو ہم حضرت [illegible] یہی وہ کتاب ہے دنیائے تصوف [illegible] سے قریب تک شمال سے جنوب تک [illegible] کوئی صوفی صافی ایسا نہیں جو اس کتاب سے مستغنی ہو صوفیوں کو اس کی ضرورت خاص طور پر لیکچرار سل خطیبوں اور ایڈیٹروں کو اس کی ضرورت غرضکہ ہر قسم کے لوگوں کو ہر گھر میں اس کی ضرورت ہے ضخامت ۵۰۰ صفحات قیمت مع محصول ۱۲ روپے [illegible]

نماز کی پانچ کتابیں

[illegible] نظر رکھ کر لکھوائی گئی ہیں اور اس قدر مقبول ہوئی ہیں کہ سال بھر میں [illegible] نکل چکے ہیں (۱) نماز کی حقیقت و فلسفہ عجیب و غریب کتاب ہے (۲) ترغیب نماز۔ اس میں نمازیوں اور بے نمازیوں کی جزائیں اور سزائیں ہیں (۳) نمازوں کی کتاب اس میں نماز پڑھنے کی تمام ترکیب اور دعائیں ہیں (۴) نمازیوں کی کہانیاں یہ کتاب پڑھ کر نماز پڑھنے کی خوب ترغیب ہوتی ہے (۵) [illegible] مسائل و ترتیب وغیرہ ہیں پانچوں کی قیمت [illegible] محصول [illegible]

مناجات مقبول

[illegible] کی مجددیت مشہور ہے حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی مقبول کتاب ہے اور [illegible] کی اس عظیم میں بہت ہی مؤثر اور مناجاتیں ہیں دعا مانگنے کا طریقہ اور اولیا عظام کی بہترین دعائیں حکایتیں پھر قرآن شریف سے ساتوں دن کی دعائیں اور حرم کی بہترین دعائیں جن کو مولانا اشرف علی صاحب نے جمع کیا پھر استعاذہ منزل پھر دعا بعد استغفار [illegible] مترجم درود شریف منظوم [illegible] مولوی اشرف علی صاحب نے مؤثر انداز میں [illegible] لکھی ہیں لاکھوں مسلمانوں کے زیر عمل ہیں قیمت مجلد [illegible] محصول [illegible]

زیارت رسول ﷺ

تا جہاں مدینہ کی سوہنی صورت دیکھ کر کونسا امتی ہے جو شیدا نہ ہوگا مگر بہت کم لوگ ہیں جو سعادت زیارت حبیب سے مشرف ہو چکے ہوں خوش قسمتی ہے طالع حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا ناظم جمعیۃ علماء ہند کو خدا نے خاص عطا فرمایا کہ انہوں نے زیارت رسول کریم کا طریقہ عام کر دیا اور درود شریف کے وہ دعا اور اوراد و وظائف بتلائے ہیں جن سے زیارت رسول یقینی ہو جاتی ہے چنانچہ اسی نام سے حضرت ممدوح کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں درود شریف کی برکات و فضائل ہیں [illegible]

فالنامہ ناصری

[illegible] فالنامہ جس کے ذریعہ سے [illegible] حضرت [illegible] فالنامہ حضرت الاعظم فالنامہ دیوان حافظ رحمۃ اللہ فالنامہ مثنوی شریف شامل کر دیا ہے یہ فالنامہ بہت ہی مقبول ہے کتاب [illegible] ہیں اور فالناموں میں [illegible] بہت خوشی ہوتا ہے آخر میں علم قیافہ کا [illegible] ہے قیمت صرف [illegible] محصول [illegible]

چار ولیوں کے اعمال

۱۔ عملیات غوثیہ اس میں حضرت غوث پاک کی سوانح حیات پھر خاص خاص اعمال ۳۰۰ صفحہ ۲۔ عملیات صابریہ حضرت خواجہ صابر کلیری کے خاص عملیات اور ان کی سوانح حیات [illegible] ۳۔ عملیات چشتیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی سوانح عمری مع عملیات نادرہ مجربہ ۳۰۰ صفحہ ۴۔ عملیات ہجویری حضرت داتا گنج بخش کے عملیات خصوصی مجاہدات اور سوانح حیات یہ سب ۱۰۰۰ صفحات کی کتابیں ہیں اور چاروں جلدیں اعمال کی کتابیں ہیں ان کی بڑی شہرت ہے چاروں جلدوں کی قیمت صرف [illegible] محصول [illegible]

صابر بیبیاں

مؤلف دعا سعید حضرت مولانا مولوی احمد سعید صاحب کی تازہ تالیف ہے ممدوح نے اس کتاب کو لکھ کر عورتوں پر بڑا احسان کیا ہے آج کل کی عورتیں بہت بے صبر ہیں یہی وجہ ہے ان کی خانگی زندگی بہت بے چین گذرتی ہے اس میں حضرت آسیہ حضرت مریم اور امہات المومنین کے علاوہ دیگر خواتین کے صبر کے حالات ہیں اس سے نہ صرف حکایتوں کا لطف آتا ہے بلکہ ہزاروں مسائل بھی عورتوں کو معلوم ہو جاتے ہیں ہر مرد اپنی بیوی کو یہ کتاب پڑھ کر سنائے تو اس کے گھر کی خانہ جنگی دور ہو جائیں قیمت ۱۲ آنہ

چار تعلیم نسواں

عورتوں اور بچیوں کے لئے بے نظیر اخلاقی و دینی (۱) اللہ پاک کی تصنیف بہترین پیغمبروں کے حالات مقدس عورتیں مشہور خواتین ۲۳ صفحات۔ (۲) اللہ کے احسانات جنہوں کے قصے مقدس عادات اور کاموں سے عورتوں کی خصوصیات (۳) ایمان اسلام قرآن ہر قسم کے حالات [illegible] آگے والی چیزیں اور اخلاقی سبق [illegible] (۴) تعلیم طریقہ زندگی لباس زیور خانہ داری [illegible] صحابیات کا طریق زندگی یہ چار کتابیں ۵۰۰ صفحات کی ہیں اور ایک جلد مجلد ہیں قیمت صرف ۱۰ روپے محصول [illegible]

تفسیر بیان القرآن

اردو زبان کی سب سے بڑی تفسیر [illegible] حضرت مولوی اشرف علی صاحب کی [illegible] اردو زبان میں حقائق و معارف قرآن کریم کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے قرآن پاک کی ایسی تفسیر ہے کہ اس کے بعد کسی تفسیر کی بڑی عربی تفسیر کی ضرورت باقی نہیں رہتی [illegible] کا مکمل ہے اور [illegible] ترجمہ اور حاشیہ [illegible] [illegible]

تفسیر ام الکتاب

الحمد شریف کی تفسیر [illegible] جس کو یہ سورت یاد نہیں [illegible] میں کیا کیا معارف ہیں یہ کتاب [illegible] کے متعلق اس قدر بیانات ہیں [illegible] صفحات [illegible] وہ مشکلات [illegible] حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی لکھی ہوئی [illegible] کی آئینہ [illegible] صفحات قیمت [illegible] اس کا [illegible] محصول [illegible]

تاریخ و معارف قرآن

معلومات قرآنی کی بیش بہا کتاب قرآن شریف [illegible] کا لطف ہی [illegible] اس کتاب کو پڑھنے سے آتا ہے اس میں تاریخ قرآن و لوح محفوظ، نزول، وحی کی تحریر ترتیب قرآن، قرآن کی حفاظت، علامات قرأت اور قرأت کے مدارج، آداب تلاوت، فضائل تلاوت باعث قرآن شریف پڑھنا [illegible] ملکہ [illegible] تلاوت اسی قسم کے قرآن شریف کے متعلق [illegible] مضامین ہیں مولوی [illegible] مؤلف کتاب الاسلام کی تالیف ہے قرآن شریف پڑھنے [illegible] قیمت [illegible] محصول [illegible]

اوراد و وظائف

مخدوم جہانیاں جہاں گشت [illegible] ہو جائے اور دنیا کے اسباب [illegible] جائیں [illegible] ہدایت اطمینان [illegible] معقود ہو جائیں [illegible] طرف جمع کرنے [illegible] اوراد و وظائف [illegible] انسانی ترقی کا آخری [illegible] [illegible]

اسلامیہ دارالاشاعت دہلی | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | جو ۱۳۴۴ھ سے ہر قمری مہینہ کی

ماہوار

مذہبی اخلاقی اصلاحی ادبی رسالہ

۱۱ تاریخ کو نہایت پابندی سے شائع ہوتا ہے

پیشوادِ اعلیٰ

چندہ سالانہ ہندوستان سے | اعلیٰ ایڈیشن دو روپے | ارزاں ایڈیشن ایک روپیہ

چندہ سالانہ ممالک غیر سے | اعلیٰ ایڈیشن ۵ شلنگ | ارزاں ایڈیشن ۳ شلنگ

جلد ۔ | ۱۱ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۴ھ | نمبر ۶

اردو خطبہ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۴ھ

(از عزیز حسن بقائی نقشبندی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اما بعد! برادران اسلام! حمد و ثنا بیان کرو حضرت حق جل مجدہ کی جس نے ہمیں کفر و ضلالت اور جہل و حمق کی تاریکیوں اور گمراہیوں سے نکال کر ہمارے دل و دماغ کو نور اسلام سے منور کیا اور ہمیں اقوام عالم میں اپنے دین کی خدمت کے لئے چن کر خیر الامم کے لقب سے سرفراز کیا اور درود و سلام بھیجو اس نبی مکرم ہادی اعظم محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کی تعلیم نے ہمیں پاکیزگی حیات کا نور بخشا اور جن کے طفیل سے ہمیں عالم کی سرداری ملی۔

عزیزو برادران ملت! آج کے خطبہ کا موضوع امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے یہ عنوان اکثر قصداً اہم اور توجہ طلب ہے کہ ہر مسلمان اس کو گوش ہوش سے سنے اور پھر اپنی زندگی کو اسی عنوان کے مطابق بنائے۔ اللہ تعالےٰ اپنے کلام مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی تم اقوام عالم میں بہترین قوم ہو اس واسطے کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کام سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اس آیت مقدسہ کے مطابق ہر مسلم کو نیک اور گناہ سے مجتنب ہونا چاہئیے کیونکہ اگر وہ خود بدکار عیاش اور خدا کا نافرمان ہو تو وہ دوسروں کو کیسے نیکی اور بھلائی کی طرف بلا سکتا ہے بھلا اندھا بھی کسی کو راہ بتا سکتا ہے ہرگز نہیں ایک دوسری جگہ اللہ پاک کا ارشاد ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یعنی اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا تاکہ اور لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے مقابلہ میں رسول تم پر گواہ ہو۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے امت محمدی کی عزت و کرامت میں فرمایا ہے کہ جیسے امت مسلمہ کو بہترین مرکز توحید کا پہلا گھر اور آخری نبی کا قبلہ نوازش کیا کیونکہ عالمگیر مذہب اور خیر الامم کے لئے یہی موزوں و مناسب تھا۔ اب اس آیت میں فرمایا کہ جس طرح تم کو بہترین مرکز (قبلہ) نوازش کیا گیا ایسے ہی ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا ہے تاکہ تم تمام دنیا کے لئے راہ اعتدال و توسط میں ایک عمدہ نمونہ ہو ہر قوم و ملت تمہیں دیکھ دیکھ کر اخلاق و روحانیت کا سبق لے تمہاری اخلاقی زندگی سے پاکیزگی حیات کا نور حاصل کرے اور راہ نجات پر مستقیم ہو جائے حق و صداقت اور دارین کی فوز و فلاح صرف تمہارے ہی پاس ہے اور تمہارے لئے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذات اقدس بہترین نمونہ ہے یعنے تم اقوام عالم کے لئے نمونہ اور تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کی ذات اقدس نمونہ ہے۔

برادران اسلام! خدارا ان دونوں آیتوں کے مفہوم و مفاد پر غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے اور ہمیں اسلام کہاں تک پہنچانا چاہتا ہے مگر آہ ہمیں اس بلند و برتر مقام کی ہوا بھی نہیں لگی جہاں اسلام پہنچانا چاہتا تھا ہم پر غضب کے جلتے ہیں جب یہ دیکھتے ہیں آتا ہے کہ ہمیں تو دنیا کا امام و پیشوا ہونا چاہئے تھا اور ہر قسم کی تمدنی و اخلاقی کمزوری و درماندگی ذلت و رسوائی اور سیاہ کاری سے پاک ہونا چاہئیے تھا مگر ہم کو کیا انقلاب اور تغیر ہے کہ ہم اقوام عالم میں سب سے زیادہ دنیاوی حیثیت سے ذلیل و خوار اور پسماندہ ہیں

سید عزیز حسن بقائی نقشبندی ایڈیٹر و پرنٹر و پبلشر نے [illegible] چھپوا کر شائع کیا

مذکور ہوا کہ ہم دونوں کو بتوفیق الٰہی ان چیزوں کا بیان کرنا ہے جو مسلمان دنیا کے کام دین کے لئے ... ان کی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہو اور دوسرے وہ دنیا میں برتری کے قائم کرنے والے اور ... ہو سکے اور ... ان دو چیزوں کو پیش نظر رکھ کر ہم ... مخصوصیات و صفت ... فرض اور نیز معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے ... دین شریعت کو مضبوط تھامنا اور قرآن کریم کو ہاتھ میں لیکر اس کی ... ہر طرف کوشش کرے دنیا کو ... ایسی نہ چھوڑے جس میں اس نے اسلام کی ... مسلمانوں کی موجودہ ترقی حالت زبان حال سے پکار پکار کر کہتی ہے کہ عوام تو ہے ایک طرف تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں اور اگر چند با احساس اور مبارک ... کو توجہ بھی ہے تو ... نظام ... قوت کا فقدان ہے۔

خصوصاً ... کہ وہ قوم جو دنیا کی ... ہی محتاج اصلاح ہے دوسری قوموں کے سامنے عاجزی سے گھٹنے ٹیکے ہوئے ہے اور غیروں کی اندھی تقلید کرتی ہے کیا ہمارے لئے شرم کا مقام نہیں کہ ہم ... دوسری قوموں کی طرح شرابی، زانی، جواری اور عیاش و بدکار ہوں اور رسول اللہ ... کو چھوڑ کر غیروں کی تقلید کریں نیکی اور برائی کو مٹانا چاہئے تھا مگر ... اور سینماؤں کی زینت بنے ہوئے ہیں عوام اسلامی تعلیمات سے قطعی ناآشنا دین کی چیزوں کو اصل مذہب سمجھے بیٹھے ہیں اور دنیا کی سمجھدار و ہوشمند قوموں کے لئے سامان تضحیک و استہزا بنے ہوئے ہیں۔

عزیزان ملت! جو چیز شرعاً پسندیدہ ہے اس کو معروف کہتے ہیں اور ... سمجھتے ہیں ... بات کا حکم کرنا اور بری بات سے منع کرنا واجب ... کہ اس کے ذمے یہ واجب ... کسی مسلمان ... دوسرے مسلمان کو نماز پڑھتے اور ... چھوڑ دینے کی نصیحت کی مگر مخاطب ترشی سے ... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِي حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا مَثَلُ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِيْ فِيْ أَسْفَلِهَا يَمُرُّوْنَ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا فَتَأَذَّوْا بِهٖ فَأَخَذَ فَأْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ فَأَتَوْهُ فَقَالُوْا مَا لَكَ قَالَ تَأَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَا بُدَّ لِيْ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ أَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا أَنْفُسَهُمْ وَإِنْ تَرَكُوْهُ أَهْلَكُوْهُ وَأَهْلَكُوْا أَنْفُسَهُمْ یعنی اللہ کی حدوں ... چیزوں سے سستی کرنے والا اور ان میں پڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ ایک جہاز میں بیٹھنے کے لئے قرعہ ڈالیں اور ان میں سے کچھ نیچے کے درجہ میں ہوں اور کچھ اوپر کے درجہ میں اور جو شخص نیچے کے درجے میں ہے وہ پانی لیکر اوپر کے درجے والوں ... لوگ اس سے ... اس شخص نے ایک تبر لیا اور جہاز کے نیچے ... اس کے پاس آئے اور کہا تو یہ کیا غضب کر رہا ہے اس نے کہا کہ تم نے مجھے ایذا پائی اور مجھ کو پانی کی ضرورت ہے تو اگر ... تو

... پائیں گے اور اگر اسکو چھوڑ دیں گے ... تو ... کریں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کریں گے۔

... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح اگر لوگ فاسق و بدکار کو گناہ سے ... روکیں گے تو وہ نجات پائیں گے اور ... کے تو گناہ کی شامت سے وہ لوگ بھی ہلاک ہوں گے۔

خطبہ ثانی

(تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ ... اَجْمَعِيْنَ ۔ ... درود و سلام ... آقائے دوجہاں، محبوب عالم ... احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے ہمیں تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ بتلائی اور ... طفیل ... اقوام عالم کے شمع ہدایت ہے اور درود و سلام ہو آنحضرت ... حضرت ابوبکر صدیق رضہ حضرت عمر فاروق رضہ حضرت عثمان غنی رضہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضہ پر جو شمع رسالت کے پروانے تھے اور جن کی زندگی کا مقصد تمام روحانی و جسمانی امراض و مفاسد کا قلع قمع کرنا اور حق و صداقت کا بول بالا کرنا تھا اور سلام ہو آنحضرت ... ازواج مطہرات ... حضرت عائشہ صدیقہ رضہ اور حضرت حفصہ رضہ وغیرہ پر جنہوں نے ... کی ... دعوت و اصلاح بنایا اور جن کی زندگی مذہب اسلام کے لئے وقف تھی اور سلام ہو آنحضرت کے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین ... پر جنہوں نے تبلیغ و دعوت کے لئے اپنی زندگیاں اسلام پر قربان کیں۔

اور سلام ہو حضرت امام زین العابدین رضہ حضرت امام محمد باقر رضہ حضرت امام جعفر صادق رضہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضہ حضرت امام علی رضا رضہ حضرت امام علی نقی رضہ حضرت امام محمد تقی رضہ حضرت امام حسن عسکری رضہ اور سیدنا حضرت حمزہ رضہ اور سیدنا حضرت عباس رضہ پر اور حضرت خالد بن ولید رضہ ... حضرت عبدالرحمٰن رضہ حضرت طلحہ رضہ اور حضرت زبیر رضہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر جن ... قرآن کی ...

اور سلام ہو حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضہ حضرت خواجہ ... حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رضہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین ... ابوحنیفہ رضہ حضرت امام مالک رضہ حضرت امام شافعی رضہ اور حضرت امام احمد بن حنبل ... دین اور علمائے امت پر جو ... إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ... وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ...

شذرات

(از عزیز حسن بقائی)

گذشتہ مہینہ کی رپورٹ

الحمدللہ علیٰ احسانہٖ کہ گذشتہ مہینہ جمادی الاول نئے خریداروں اور خرید کتب کے لحاظ سے ربیع الثانی سے بہتر رہا مگر اس کے باوجود جمادی الاول کی آمد و خرچ برابر نہ ہوا۔ انتہائی کوشش اور بے حد کفایت شعاری کے باوجود بھی دو سو روپے کا نقصان گذشتہ مہینہ ادارہ پیشوا کو برداشت کرنا پڑا۔

اگرچہ یہ نقصان زیادہ ہوا مگر خرید کتب سے جو قدر نفع ہوا تھا وہ رسالہ کو دیکر بھی افسوس ہے کہ دو سو روپے قرض کے اور دفتر پیشوا پر اس مہینہ بڑھ گئے دو سو روپے کا مزید قرضہ میرے لئے بہت افزا ہے اور نہ قارئین پیشوا کی قدر شناسی اور جوش تبلیغ کا کوئی اچھا نتیجہ ہے اس لئے ضرورت ہے کہ قارئین کرام اور زیادہ مستعدی سے نئے خریدار فراہم کریں اور مزید کتب اور کلام اللہ کے نسخے طلب کریں کہ ادارہ پیشوا کو اپنی خدمت کا موقعہ دیں بلکہ اپنے دوستوں اور ہمسایوں اور عزیزوں کو بھی دفتر پیشوا سے کلام الٰہی اور کتابیں خریدنے پر آمادہ کریں کہ یہی ایک صورت ایسی ہے کہ اس سے اصلاح اور تبلیغ اسلام کا مفید کام جاری رہ سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ جو پروگرام پیشوا کی ترقی کے لئے میں نے بنایا تھا اس پر چھوٹے مقدمات کی مصروفیت کی وجہ سے عمل نہ ہو سکا اور اس کی وجہ نہ صرف یہ کہ پیشوا کی اشاعت نہیں بڑھی بلکہ گھٹ گئی مگر تاہم بھی پیشوا کے مضامین اور ترتیب میں پہلے سے زیادہ خوبیاں پیدا کی گئی ہیں اور امید ہے کہ اب پہلے سے زیادہ پیشوا کو بہتر بناؤں گا بشرطیکہ آپ بھی پہلے سے زیادہ توجہ نئے خریدار فراہم کرنے کے کریں تاکہ مجھ مزدور کی آمدنی افزائی سے مزید محنت کا ولولہ پیدا ہو۔

جھوٹے مقدمات کی حقیقت

خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر جتنے بھی مقدمات تھے وہ سب خارج ہو گئے اور پورے سات مہینہ تک ان کی مصروفیت، روحانی اذیت، مالی خرچ، جسمانی محنت کا دورہ کی تباہی اور نہایت بے فکری سے برداشت کر لیے میں گذر گئے ہزاروں بھائیوں کی خواہش ہے کہ میں ان جھوٹے مقدمات کی حقیقت کو ظاہر کروں اور میں خود بھی یہ چاہتا ہوں کہ پیشوا کے پڑھنے والے اور مجھ سے دلی محبت رکھنے والے میرے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور ان کو معلوم ہو کہ میں کن مشکلات اور کن حوادث زمانہ میں بچپن سے گذرا ہوں۔

میں نے بارہا لکھا ہے کہ میں نے جب اس نیلگوں آسمان کے نیچے آنکھیں کھولیں تو میرے والد انتقال کر چکے تھے ننھیال بے حد خوشحال تھی ددھیال نے باپ دادا کی جاگیرے (دہلی اور حیدرآباد دکن میں) اتنی تھی کہ اس گئی گذری حالت میں بھی ہزارہا روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے اور میرے علاوہ کوئی دوسرا حقدار بھی نہیں۔ وارث نہیں تھا لیکن جبراً نہایت عیاری سے مجھے محروم کر دیا۔ غرضیکہ نہ کوئی سرپرست تھا اور نہ ظاہری اسباب ایسے تھے کہ میں آبرو سے اپنی زندگی گذارتا، بیوہ اور بے کس ماں نے محنت و مزدوری کر کے پالا اور اپنی بساط اور حیثیت اور حالات کے ماتحت تعلیم دلائی۔ میں نے ہوش سنبھالتے ہی محنت مزدوری شروع کر دی تاکہ ضعیف ماں کا بار ہلکا ہو۔ خداوند قدوس کا فضل شامل حال ہوا اور میں عزت کی بلندیوں پر پہونچا، عزت ملی افلاس کا دور ختم ہوا اور یہ دونوں باتیں میری ننھیال کے بعض حاسد اور کمینہ فطرت انسانوں کے لئے بار خاطر ہوئیں اور میری تبلیغی تقریر ہی میری عداوت کا باعث ہوئی۔ حالانکہ ان حاسدوں کے ساتھ میرا برتاؤ کتاب و سنت کے ماتحت تھا اور میں اپنے ہاں کی زکوٰۃ وغیرہ کا سب سے زیادہ اور جائز حق ان ہی کو سمجھتا تھا جن کی سازشوں سے میں مصائب میں گرفتار ہوا مگر کفران نعمت کی ایسی بدترین مثال جو سورۃ النحل (قرآن کی حرکتیں مسلمانوں کی اور انسانوں کی ہو چکی ہیں) نے پیش کی ہیں اس کی نظیر فرات کے کنارہ پر بھی مل سکتی ہے)

چنانچہ ان بدباطنوں کی بغض اور حسد کی آگ نے مشتعل ہو کر میری لڑکی حور بانو کی شادی میں کوشش کی کہ میری ذلت و رسوائی ہو۔

مگر عزت اور ذلت چونکہ خدائے عزوجل نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھی ہے اس لئے یہ ساری ابلیہانہ سازشیں ناکام ہوئیں اور میں لڑکی کی شادی سے بخیریت فارغ ہوا دوست خوش ہوئے اور دشمن حسد کی آگ میں جلے

(۱) پیشوا کے کاروبار کی وسعت ایک بہت بڑا مکان چاہتی تھی جو کاروباری اعتبار سے کوچہ چیلان ہی میں ہونا چاہئے تھا کیونکہ دس سال سے پیشوا کوچہ چیلان سے شائع ہوتا تھا لہذا اسی محلہ میں ایک بڑا مکان لے کر پیشوا کا دفتر منتقل کیا گیا مگر ایک مہینہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ نوجوان خاندان کے چشم و چراغ میری ننھیال کے دور کے رشتہ دار اور میرے ہمدرد بنائے گئے یعنی مرزا اقبال شاہ مرحوم اور بہادر شاہ مرحوم کے ذریعہ سے انہوں نے اپنی شرافت نسبی کا اظہار شروع کر دیا اور مکان کی تبدیلی سے مخالفت کی ایسی آگ بھڑکائی کہ میرے معصوم بچوں اور میری بے گناہ اور بوڑھی ماں کو ان شریفوں اور

نے نہ دی ہوا اور کوئی ذلیل سے ذلیل الزام ایسا نہ تھا جو ہم پر نہ لگایا گیا ہو
بلکہ پر جسمانی حملے بھی کئے گئے مگر میں نے ان سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم کو صبر
کیا حتیٰ کہ مجھ کے تیسرے روز رات کے ۹ بجے ان [illegible]
کر مجھ پر لکڑی سے حملہ کیا اور انتہائی فحش گالیاں انہوں نے دیں جنہوں نے حلف
اٹھایا تھا کہ وہ مجھے نہ ستائیں گے اور مجھ سے معافی مانگی تھی۔ اور عدالت میں
ان کے معافی نامے بھی داخل ہوئے تھے اور ان کی ضمانت میرے سمدی کا
اور دوسرے حضرات نے بھی دی تھی میں نے دوسرے روز اہل محلہ اور
عمائدین صاحبان اور پولیس کو اطلاع دیکر اختیری کر اس کوچہ سے ہجرت
کی جس کے باشندوں نے ایک مظلوم سید پر اور اس کے بے گناہ بچوں اور
عورتوں پر ظلم ہوتے دیکھا اور اس کو ظالموں کے پنجے سے نہ بچایا اب میں نے
مٹیا محل میں رہائشی مکان کرایہ پر لیا اور بیٹیوں کے دفن کے لئے میرے عزیز دوست
حافظ عبدالمنان صاحب نے زیر جامع مسجد بالاخانہ تعمیر کرا دیا مگر افسوس ہے کہ
میرے مصائب کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا۔

(۲) ۱۹ جنوری کو ایک استغاثہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے یہاں لڑکی میر بادشاہ
موٹر ڈرائیور نے اپنی بیوی سے کرا دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملزم عزیز حسن نقاشی نے
مجھ پر اور میرے بچوں پر بندوق اٹھائی اور جان سے مارنے کی دھمکی دی"
حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ میں اس تاریخ کو اس کوچہ سے ہجرت کر چکا تھا۔ مگر
پولیس کو تحقیقات کرنی تھی لہٰذا تحقیقات کی گئی اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس
الزام سے بری کیا گیا جس کی سزا دو سال تک ہو سکتی ہے اور لطف یہ ہے کہ
اس جھوٹے استغاثہ پر جھوٹی شہادت میرے ایک رشتہ کے خالو نے دی جن کا نام
مولوی حمید الدین ہے اور جو لب گور ہیں اور پانچوں وقت نہایت پابندی
سے نماز پڑھتے ہیں اور بہت ہی متشرع صورت رکھتے ہیں مگر معاذ اللہ [illegible]

(۳) ۱۳ فروری کو اسی میر بادشاہ موٹر والے نے اپنے نابالغ لڑکے
سے یہ جھوٹا دعویٰ دائر کرا دیا کہ رات کو عزیز حسن نے دو آدمیوں کے ہمراہ
اس کے گھر کے پاس اس کو مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ عدالت نے سمن
جاری کر دئیے میری حاضریاں ہونے لگیں مگر ۳۱ جولائی کو محض اس جرم میں
کہ موٹر والے کے جھوٹے گواہ پر میرے وکلاء نے کٹ جرح کی اور اس جھوٹے
گواہ نے جرح میں کہدیا کہ وہ جھوٹی شہادت دے رہا ہے لہٰذا ایک سخت قاتلانہ
حملہ اقبال شاہ اور میر بادشاہ موٹر والے نے مع اپنے ساتھی غنڈوں
کے مجھ پر کیا اور یہ محض اتفاق اور خدا کا فضل تھا کہ میں بچ گیا اور ایک
راہ گیر جو بیچ بچاؤ کرا رہا تھا سخت زخمی ہوا اور اس کے سر میں ایک زخم
۳ انچ لمبا اور ڈیڑھ انچ گہرا اور دوسرا دو انچ لمبا آیا اگر خدا کا فضل
شامل حال نہ ہوتا تو اسی روز میری زندگی کا خاتمہ ہو گیا تھا کیونکہ جتنا
خون اس بے گناہ راہ گیر کا نکلا ہے اتنا ہی اگر میرا نکلتا تو میرا زندہ رہنا
قطعی ناممکن تھا۔

(۴) ۳ جولائی کو میرے اور میرے چند دوستوں کے خلاف مچلکوں
اور ضمانتوں کا استغاثہ جناب چودہری ہلدیو سنگھ صاحب فرسٹ کلاس مجسٹریٹ
دہلی کی عدالت میں بھی میر بادشاہ موٹر والے نے کیا جس میں لکھا ہے یہ [illegible]
بھی تھا کہ میں اس کی ٹوپی اور گھڑی اٹھا کر لے گیا تھا اس الزام کی تحقیقات
حضرت مولانا سید احمد صاحب امام جامع دہلی اور جناب مولانا حکیم احمد علی صاحب
مجسٹریٹ کے سپرد ہوئی اور رپورٹ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

" عزیز حسن بقائی کی لڑکی کی شادی تھی کچھ زیور رسم کا
تھا جس کا مستغیث (میر بادشاہ ڈرائیور) کی بیوی کو
مستورات کو حوالہ کیشدگی کی ابتداء تھی"

" عزیز حسن بقائی اہل قلم ہے اور مستغیث موٹر ڈرائیور۔
اہل قلم قلمی جنگ کر سکتا ہے اور جس کا [illegible]
مسموع ہے وہ اس کو جاہلانہ کارروائی کی طرف نہیں لے جا سکتا"

" بحالت موجودہ ہرگز استغاثہ قابل سماعت نہیں ہے جب کہ
رفع شر کے لئے دوسرے مخالف بھی دعوے جا کر چکا ہے"

مذکورہ بالا رپورٹ سے اتفاق کرتے ہوئے جناب چودہری ہلدیو سنگھ
صاحب نے اس استغاثہ کو بھی خارج کر دیا"

(۵) ۱۳ اگست کو اسی موٹر والے کے لڑکے کے جھوٹے استغاثہ کی تاریخ
تھی اور فریق استغاثہ کے بیان کی بموجب گواہ استغاثہ بھی موجود نہیں تھا کہ
یکایک عدالت میں شور مچا کہ مستغیث غائب ہے مستغیث کے باپ اور چچا نے
اور نانا نے علانیہ عدالت میں اور عدالت کے باہر مجھ پر یہ الزام لگایا کہ میں
نے نابالغ مستغیث کو عدالت سے غائب کرا دیا ہے" یہ الزام اتنا سنگین ہے کہ اس
کی سزا حبس دوام بعبور دریائے شور تک ہے اور اتنا شرمناک توہین آمیز
ہے کہ اس کا اثر میرے کاروبار میری شہرت اور عزت پر بہت برا اثر پڑا۔
مستغیث کے باپ، چچا، نانا، ماموں اور دوسرے رشتہ داروں اور اس کے
حمایتیوں نے میرے خلاف انتہا کا سیاہ پروپیگنڈا کیا اور دور دور تک ایسا
ایکٹ کیا کہ دشمنوں کا کو نہیں بلکہ میرے محترم اور مخلص ترین دوستوں کو
بھی یقین آگیا کہ میں نے نابالغ مستغیث کا اغوا کیا۔

۱۴ اگست کو مجھے کوتوالی میں [illegible] کی درخواست پر
طلب کیا گیا اور اس کے الزام نابالغ بچے کے اغوا کا جواب [illegible]
میں نے جناب میاں الٰہی چند صاحب انسپکٹر پولیس سے حقیقت بیان کر دی۔
صحیح بیانات کا تحریری ثبوت پیش کر دیا [illegible] ایک ہفتہ [illegible] اور مکمل
تحقیقات کے بعد میں اس بیہودہ [illegible] الزام سے بری
ہوا جو ناقابل ضمانت [illegible] حبس دوام
[illegible]

۱۷ اگست کو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب [illegible]

کی موجودگی میں اقبال شاہ ، میر بادشاہ موٹر والے نے بخلاف اقبال کیا کہ وہ جس تک بیٹے نظام محمد عزیز حسن پھیلائے گئے سب جھوٹے تھے مقدمات قائم کئے سب فرضی، جتنی درخواستیں پولیس میں دیں سب غلط تھیں ہماری تمام باتیں کے متعلق عزیز حسن کا بیان بالکل سچا ہے اور یہ جھوٹے مقدمے ایک میرے متعلق ملازم کی علازش سے ہوئے تھے۔

۱۵ اگست کو صاحبزادہ نواب زادہ احمد خاں صاحب بی اے کی عدالت سے ہی بری کیا گیا اور استغاثہ خارج ہوا اور ۲۰ اگست کو پولیس افسران نے بھی رپورٹ کر دی کہ عزیز حسن پر لڑکے کو اغوا کا الزام قطعی جھوٹا ہے اور ثابت ہوا کہ میرے خلاف سب مقدمات جھوٹے ثابت ہوئے اور خود دشمنوں نے میری بے گناہی اور مظلومیت کا صد ہا مسلمانوں کے سامنے اقرار کیا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔

سات مہینہ لاجرم عدالتوں کے دھکے کھانے روحانی اذیت برداشت کہانی کی طرح روپیہ پانی کا روبار تباہ ہوا، گھر تباہ ہوا مجھ پر قاتلانہ حملے کئے غنڈوں کو لالچ دے کر مجھے جان سے مارنا چاہا اور تب ان تمام مصائب کا میں نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور مجھے ذلیل کرنے والے خود ذلیل و رسوا ہوئے اور ان کے تمام فرضی مقدمات جھوٹے ثابت ہوئے تو پھر میرے بزرگوں اور دوستوں کے پاس سبحان اقبال شاہ و میر بادشاہ کی درخواستیں لے کر پہنچے ۔

چو دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

میں نے اس سات مہینہ کے عرصہ میں دوستوں، بزرگوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے طرز عمل کو اخلاص اور عمل کے کانٹے میں تولا اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر کا بہت ہی تلخ تجربہ ہوا بہت سے ایسے تھے جنہوں نے اپنی چھپی ہوئی عداوت کا انتقام لینے کے لئے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور بہت سے ایسے تھے جنہوں نے شروع میں دشمنوں کی طاقت دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کی اور جب دشمن پست ہوئے تو ان کی جانب سے صلح کا پیغام لیکر ہمدردی میں چلکر آئے، حالانکہ ان کو میری بجائے میرے دشمنوں سے زیادہ ہمدردی تھی اور یہ میرے ہمدرد و غمگسار رہنے کو بھی نہیں چاہتے تھے کہ میرے دشمن ذلیل ہوں بہت سے تھے جو میرے ہمدرد تھے مگر دشمنوں سے سرخرو ہونے کے سلسلے میں مجھے ایسے طریقے سے متاثر کرتے تھے کہ میں دشمنوں سے مرعوب ہو جاؤں بہت سے تھے جو مجھے مظلوم سمجھتے تھے مگر میری حمایت اور امداد میں میرے حریفوں کے خوف سے زبان ہلانا بھی نہیں چاہتے تھے بہت سے تھے جو میرے دشمنوں سے مجھے بچانے کا ثواب عتبات عالیہ کی زیارت سے کم نہیں سمجھتے تھے کچھ ایسے بھی تھے جو چالاک حریف سے رشوت لے کر میرے گھر میں نہایت عیاری سے میرے ہمدرد بن کر پھوٹ ڈلوانا چاہتے تھے اور بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے مجھے مظلوم سمجھا۔ میری بے کسی میں اعانت کی اور میرے بلند کیریکٹر کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوئے اور کسی خوف اور لالچ اور مصلحت پر میری عزت کا نیلام نہ ہونے دیا، بہرحال میں ان سب کا ممنون ہوں جنہوں نے حاضر و غائب میرے ساتھ یا میرے دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کی اور جنہوں نے دوستانہ مشورہ دیا، آہ وہ وقت جب کہ ان کے ہاتھ پیر اور زبان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی گواہیاں ان کے خلاف ہوں گی، اس وقت وہ کف افسوس ملیں گے، سب سے زیادہ میں اپنے قانونی مشیر جناب مولوی سید رضا مرزا صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل اور جناب مولوی محمد سعید احمد صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل کا مشکور ہوں جنہوں نے اس مصیبت کے وقت اپنے فرائض سے زیادہ میرے ساتھ ہمدردی کی اور جن کے مخلصانہ مشوروں سے ظالم اور پست فطرت حریفوں کی تمام ابلیسانہ سازشیں ناکام ہوئیں اول الذکر میرے مخلص ترین دوست اور مقدم الذکر میرے عزیز رفیق ہیں۔

میری یہ داستان ادھوری نامکمل رہیگی اگر میں اس موقعہ پر یہ ظاہر نہ کردوں بقول سبحان اقبال شاہ و میر بادشاہ کہ میرے ان مصائب کی بڑی ذمہ داری بڑی حد تک ان خضر صورت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور خاندانی خادمین پر ہے جنہوں نے اٹھارہ سال کے تعلقات کی احسان شناسی اور نمک حلالی کے ثبوت میں جھوٹے مقدمات میں سنت کی حفاظت دو مٹھی سیاہ کارے بہت زیادہ پابندی سے نماز پڑھتے اور بلا مبالغہ داڑھی ناف سے نیچی کر کے اپنی پر فریب ایمانداری کی دوکان لگا کر جمعیۃ علمائے ہند کی نمائندگی کے جھوٹے مدعی ہیں جو ڈرامے کے بڑے ایکٹر تھے اور میرے فنا ڈرائیور کے لڑکے کا اغوا بھی ان ہی کے شریفانہ مشورہ سے ہوا تھا۔ یہ ہے اس داڑھی باز نمازی کی ایمانداری

افسوس ہے کہ میری یہ داستان طویل ہو گئی مگر میں چاہتا ہوں کہ قارئین پیشوا میرے تجربوں سے استفادہ حاصل کریں اور میری یہ دکھ بھری داستان آنے والے مورخ اخلاق کے لئے بہترین رہنما ثابت ہو لہٰذا میں ان بھائیوں سے اس سمع خراشی کے لئے معافی کا خواہاں ہوں جن کو ان واقعات سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

مسلمان ریاستیں اور مہاسبھائی شورشیں

الور اور کشمیر میں مسلمان رعیت کے ساتھ جو شرمناک اور سخت متعصبانہ سلوک کیا جا رہا تھا اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں چونکہ مسلمان سب سے آگے تھے اس لئے مہاسبھائیوں نے الور اور کشمیر کا انتقام لینے کے لئے ایک وسیع سازش کے ماتحت مسلمان ریاستوں میں بے چینی پیدا کرنی شروع کی اور چونکہ شورش پیدا کرنے کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا تھا اس لئے بہت ہی جلد مالیر کوٹلہ، لوہارو اور مسلمانوں کے محبوب تاجدار خسرو دکن کی قلمرو آصفیہ میں شورش شروع ہو گئی کہیں متوازی حکومت قائم کی گئی

ہوگئیں، ریاست کی آزادی اور سترک کے عام استعمال کے فتنہ نے سر اٹھایا اور کہیں گھنٹی کا شور نماز میں خلل ڈالنے کے لئے پیدا کیا گیا۔ غرضیکہ ایک عام بے چینی ان فتنہ پردازوں کی سازش سے تمام ریاستوں میں شروع کر دی گئی جس کا نتیجہ ہندو مسلم فسادات کی صورت میں نمایاں ہوا اور خاتمہ میں گڑ گاؤں کا سا حال قائم ہو گیا۔

ہر شریف انسان مرنے والوں کے پس ماندگان سے ہمدردی کرے گا۔ اور یقیناً انسانوں کی ایک بڑی تعداد کے ضائع ہونے اور زخمی ہونے پر اظہار افسوس کیا جائے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس فساد و بد امنی کے تار دہلی اور لاہور کے ہوشیار اور بلیک میلر اخباروں اور متعصب سیاسی جماعتوں کے ہاتھوں میں ہیں جو نہایت عیاری کے ساتھ خود تو محفوظ رہتے ہیں مگر بھولے بھالے ریاستی ہندوؤں کو کٹھ پتلی بنا کر جس طرح چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔

قاریب ربار دہیں ناقابل برداشت ٹیکس ہیں مگر اس کا جواب متوازی حکومت نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ بائیکاٹ کے فضول خرچ اور ہندوؤں سے مرعوب نواب کے متعلق بھی کچھ شکایات صحیح ہوں مگر یہ قطعی ناممکن ہے کہ ہندوؤں کے خوف سے مسلمانوں سے آزادی عبادت کا حق چھین لیا جائے۔

اعلیٰ حضرت کی حکومت کی رواداری اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ قلمرو آصفیہ میں محض ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے گائے کی قربانی قانوناً منع ہے مگر اس کا جواب بجائے شکریہ کے کفران نعمت ہے اور سکندر آباد دکن میں مساجد کے آگے نماز کے وقت باجہ بجا کر مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالا جاتا ہے اور پولیس کے احکام کی نہایت شوریدہ سری سے خلاف ورزی کی جاتی ہے اور اس کے بعد بلوہ کر کے دو مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپا کر شہید کیا جاتا ہے اور صدہا مسلمانوں کو زخمی کیا جاتا ہے اور عام شاہراہ کے آزادانہ استعمال کا مطالبہ نہایت شوخ چشمی سے کیا جاتا ہے حالانکہ یہ وہ حق ہے جو ہندوؤں کو برطانوی حکومت کے بڑے سے بڑے متمدن شہر میں بھی حاصل نہیں۔

اگر آج ہندوؤں کا یہ مطالبہ سرکار عالی کی حکومت تسلیم کر لیتی ہے تو اس کو اپنے دوسرے حکم کو بھی منسوخ کرنا پڑے گا جس میں قربانی گاؤ کی ممانعت قلمرو آصفیہ میں کی گئی ہے کیونکہ جس طرح ہندوؤں کو مسلمانوں کے جذبات کی پروا نہیں ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی ہندوؤں کے جذبات کا خیال نہ ہونا چاہئے۔

ہندوؤں کی اکثریت کا گھمنڈ اس طرح توڑا جا سکتا ہے کہ آزاد سرحد کے مسلم قبائل کی نو آبادیاں ہندو آبادی کے قلب میں قائم کی جائیں۔ مجھے امید ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حکومت میری مخلصانہ گذارش پر توجہ دے گی۔

ایک ملعون کتاب کی دوبارہ اشاعت

"امہات الامۃ" ڈپٹی نذیر احمد کی وہ ملعون کتاب تھی جس کو مصنف نے علماء کرام کے احتجاج پر اپنی زندگی میں نذر آتش کر کے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس ملعون کتاب پر ایک مدلل تنقید مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی صفحہ ۸ پر ملاحظہ فرمایئے۔ مسلمانوں کو مولانا ابوالاعلیٰ صاحب کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ سب سے پہلے انہوں نے اس پر توجہ فرمائی۔

جو آنکھیں راج پال کی گستاخانہ کتاب کا شکار ہو چکی تھیں اور جہاں کالی چرن اور رنگیلا رسول کی اشتعال انگیز اور توہین آمیز کتابوں کے مطالعہ سے وقف سینہ کوبی تھے ان سے کہو کہ اب اعتبار کی شکایت بے جا ہے یکایک جو کتاب امہات الامۃ میں ایک مسلمان کے قلم سے وہ بکواس کی گئی ہے کہ کسی خبیث سے خبیث دریدہ دہن غیر مسلم نے بھی اس سے زیادہ گستاخی سرور کائنات روحی فداہ کی شان میں نہیں کی تھی۔ ازواج مطہرات اور اہل بیت کرام کی شان میں دریدہ دہنی کرنے والے نذیر احمد کے پوتے مسٹر شاہد احمد نے اس کتاب کو پھر دوبارہ چھپوا کر مسلمانوں کے دلوں میں ناسور ڈال دئیے ہیں اور افسوس ہے کہ مسلمان قوم اور علماء کرام نے ابھی تک اس گستاخانہ کتاب کے خلاف مؤثر ایجی ٹیشن نہیں کیا اور اس سے زیادہ افسوس اس کا ہے کہ دہلی کی حکومت نے ابھی تک اس کتاب کو ضبط نہیں کیا۔

میں دہلی کے مستعد اور فرض شناس ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سے درخواست کرتا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے اس ملعون کتاب کو ضبط کیا جائے تاکہ مسلمانوں کا ایجی ٹیشن کوئی غلط راستہ اختیار نہ کرے اور یہ کتاب گستاخ آریہ اور عیسائی مصنفوں کی دریدہ دہنی کے لئے شمع راہ ثابت نہ ہو۔

امہات الامۃ کے قابل ضبطی ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ مصنف نے خود تلف کر دیا تھا اور اس وقت اس کتاب کے ایجی ٹیشن کے داعی حضرت مولانا شبلی جیسے روشن خیال عالم تھے مگر تعجب ہے کہ آج علی گڑھ اسکول سے کوئی آواز اس کتاب کے خلاف نہیں اٹھتی اور دیو بند، سہارنپور، لاہور و دہلی کے اکابر علماء نہ معلوم کیوں خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے کیا جو تحریرات بیس سال پہلے قابل ضبطی تھی وہ اب دوبارہ اسی حالت میں اشاعت کے بعد قابل ضبطی نہیں رہی؟ اور کیا جس تحریر سے آج سے تیس سال پہلے مسلمان مشتعل ہوئے تھے اب اس سے اسلام اور داعی اسلام اور ازواج مطہرات اور اہل بیت کرام کی توہین نہیں ہوتی ہے اگر ان سب کا جواب نفی میں ہے تو خدا کیلئے مجھے بتاؤ کہ شیر کے حملہ کرنے تک کھامری تک ملعون کتاب کا یہ طوفان کیوں نہیں اٹھ رہا اور حکومت دہلی سے کیوں نہیں مطالبہ کیا جاتا کہ وہ اس ملعون کتاب کو جتنے جلدی ہو سکے ضبط کرے۔

میں معاصرین کرام مدینہ، الجمعیۃ، ہمدرد، ہندوستان، احسان، سیاست، انقلاب، خلافت، البشیر، الامان، ایمان، زمیندار، ریاست، تحقیق، حق، انجم وغیرہ اخبارات و رسائل سے درخواست کرتا ہوں کہ انہوں نے جس طرح نازک وقت میں ہمیشہ ملک و ملت کی خدمت کی ہے ایک مرتبہ پھر ......

کیا اس عالم اسلام وقت بھی متحدہ محاذ خدا اور اس کے رسول پاک کی عزت کے تحفظ کے لئے قائم کریں اور جب تک اس گستاخانہ اور ملعون کتاب کو ضبط کرا کر اس کے ناشر کو قرار واقعی سزا نہ دلا لیں چین سے نہ بیٹھیں۔

مسلمانو! خدا کے لئے آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ [illegible] کو یہ لکھا جائے [illegible] (نعوذ باللہ) [illegible] رسول پاک کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی (حضرت صدیقہ) اور حبیب کی لاڈلی بیٹی (حضرت سیدہ) کی شان میں ترا و تبرا جیسے بازاری الفاظ لکھے جائیں اور تم اس کو خاموشی سے برداشت کرو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کل جبکہ محشر کے روز تم کو اپنے آقا اور مولا کی شفاعت کی ضرورت ہوگی اس وقت کس منہ سے سرکار سے اپنی شفاعت کی درخواست کرو گے؟ جو زبان کہ امہات الامہ کی ہتک کے لئے نہیں کھل سکتی اس کو کیا حق ہے کہ وہ سرکار دو عالم سے اپنی نجات کے لئے درخواست کرے۔

ضرورت ہے کہ جس آبادی میں دس گھر بھی مسلمانوں کے ہوں وہاں کے مسلمان مسجدوں میں جمع ہوں اور جلسہ کرکے حکومت دہلی سے اس ناپاک کتاب کی ضبطی کا مطالبہ جلد سے جلد کیا جائے۔

ہم نے اس کتاب پر تنقید لکھنے کے لئے ایک نوجوان محقق اور عالم دین [illegible] کی خدمات حاصل کر لی ہیں بہت جلد ایک مفصل اور مدلل جواب تنقید شایع کیا جائے گا (مکمل پروگرام آئندہ)

پتے درکار ہیں

پیشوا کے پرانے پرچے بچے ہوئے دفتر میں موجود ہیں میں چاہتا ہوں کہ یہ بچے ہوئے پرچے تبلیغ اسلام کے فدائیوں تک پہونچ جائیں اس لئے قارئین پیشوا سے درخواست ہے کہ وہ مجھے ایسے پڑھے لکھے مسلمان بھائیوں کے مفصل اور مکمل پتے بھیجیں جن کے متعلق یقین ہو کہ ان کو مذہب سے لگاؤ ہے تاکہ پیشوا ان کی خدمت میں اپنے پاس سے محصول ڈاک خرچ کرکے مفت بھیجا جا سکے۔ [illegible] پتے بھیجنے والے بھائی تبلیغ اسلام کا ثواب حاصل کریں گے۔

پٹواری، ٹیچر، اسکولوں کے مدرس، ملازمان پولیس، ملازمان تحصیل، ملازمان ریل، پرائیویٹ کارخانوں کے ملازم وغیرہ حضرات کے پتے بھیجئے۔ [illegible] ڈاک خانہ کے ملازموں کے پتے ہرگز نہ بھیجے جائیں کیونکہ [illegible] کی [illegible] سے بے پروا ہو کر [illegible] ہر مہینے پانچ سو پرچے خریداران پیشوا کے [illegible] کر کے پڑھ لیتے ہیں۔ اور پھر خریداروں سے گالیاں کھلواتے ہیں اور پیشوا جیسے تبلیغی آواز کو [illegible] کر دیتے ہیں اور [illegible] کی وہ خدمت کرتے ہیں جو [illegible] بھی انجام نہیں دے سکتے۔

مہاراجہ دھار ہوش میں آئیں

دھار والی ریاست دھار کو ہوش میں لانا چاہئے ریاست کی جڑوں پر خود کلہاڑا دے مارنا چاہتے ہیں اور دھار کی جامع مسجد کو "بھوج شالہ" بنا کر مذہبی انتقام کی غیبی قوتوں کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی طاقت دھار کے والی ریاست سے بہت بڑی ہے۔

جن متعصب ناعاقبت اندیش خوشامدی تنگ نظر ملازموں نے مہاراجہ صاحب کو اس مسلم آزاری کے لئے آمادہ کیا ہے وہ صحیح معنوں میں نہ ریاست کے خیر خواہ ہیں اور نہ والی ریاست کے نمک حلال کیونکہ چند گز زمین پر قبضہ کرنے سے ریاست کی آمدنی میں کچھ اضافہ ہوگا اور نہ دھار کی تاریخ میں نیک نامی کا اضافہ ہوگا بلکہ "مسجد شکن سخت متعصب مہاراجہ" کے الفاظ لکھے جائیں گے، اور بہت ممکن ہے کہ مظلوم مسلمان انہیں مظلوموں کا حامی خدا اس طاقت کو ملیا میٹ کر دے جس نے فرعون اور نمرود اور زار جیسے طاقتور بادشاہوں کی حکومتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

دنیا کا کوئی مذہب عبادت گاہوں کے احترام کے خلاف نہیں ہے پھر نہیں معلوم مہاراجہ دھار کس مذہب کے ماننے والے ہیں جو مظلوم مسلمانوں کی عبادت گاہ پر جبراً قبضہ کر کے اپنی نیک شہرت کو نقصان پہونچانے کی ناعاقبت اندیشانہ جسارت کر رہے ہیں چند گز زمین پر قبضہ کرنے کی بجائے یہ زیادہ بہتر تھا کہ مسلمانوں کے قلوب پر قبضہ کیا جاتا اور مسلمان قوم کو شکر گزاری کا موقع دیا جاتا اور غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈے سے جو ریاست کی جانب سے کرایا جا رہا ہے اجتناب کیا جاتا۔

ضرورت ہے کہ مسلمانان دھار کا ایک نمائندہ وفد ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب اور ریزیڈنٹ بہادر سے ملاقات کرے اور تمام معلومات اور دلائل مسجد کے ثبوت میں پیش کرے اور اس کے بعد شملہ میں پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کے سامنے اپنے کیس کو پیش کرے اگر ان درخواستوں کو ٹھکرا دیا جائے تو پھر پوری قوت اور کامل عزم و استقلال کے ساتھ مسجد کی واگزاری کا ایجی ٹیشن شروع کر دینا چاہئے کہ کسی زندہ قوم کی عبادت گاہ پر دنیا کی کوئی جابر سے جابر سلطنت بھی قبضہ نہیں کر سکتی۔

پیشوا کے بعض خریداروں سے شکایت

پیشوا کے بعض خریداروں سے مجھے یہ جائز شکایت ہے کہ وہ پیشوا کے خریدار ہو کر دوسری جگہ سے کتابیں طلب فرماتے ہیں [illegible] کا اس لئے علم ہوا کہ اکثر کتابیں ایسی ہیں کہ جن کے اشتہارات صرف میں ہی شایع کرتا ہوں اور وہ صرف میرے ہی دفتر سے مل سکتی ہیں۔ اس لئے اگر وہ کتابیں کسی اور دوسری جگہ سے طلب کی جاتی ہیں۔ جہاں ان کتابوں کا

اشتہار نہ ہو تو اس کے بجائے ہو سکتے ہیں کہ میں جائز نفع یا امداد کا پیشوا مستحق تھا اس سے محروم کر دیا اللہ اسی طرح پیشوا کو باقی رکھ کر دل میں کہ پھنسانے کی ذمہ داری سے آپ حضرات بری نہیں ہو سکتے۔

ممکن ہے کہ پیشوا کا غریب ایڈیٹر اتنا سب کچھ کر دینے کے بعد بھی بہتر کاری اشتہارات والیان ریاست کے درباروں کی گداگری سینما کمپنیوں اور والیان ریاست سے بلیک میلنگ کرنے کے ذلیل ذریعہ آمدنی پر متوجہ نہ ہو سکا اور دو تین سو روپے ماہوار کے مستقل نقصان کو فروخت کتب سے پورا کرنے کی سعی کرتا ہو تو آپ یہ فرمایئے کہ معزز دشمن پیشوا کے لئے یہ خبر اور بعض خریداران پیشوا کا یہ عمل کس قدر تکلیف دہ ہے کہ وہ خرید کتب کے وقت دفتر پیشوا کو فراموش کر دیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ پیشوا جیسے تبلیغی اور اصلاحی پرچہ کی موت اور زندگی کا انحصار فروخت کتب پر ہے اگر میں ایک ہاتھ سے چند پیسے فروخت کتب کے ذریعے آپ سے لیتا ہوں تو یہ واقعہ ہے کہ اسی وقت دوسرے ہاتھ سے وہی نفع آپ کی خدمت میں پیشوا کے نقصان کی تلافی کے لئے پیش کر دیتا ہوں جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر پیشوا اچھی حالت میں ٹھیک وقت پر شائع ہوتا ہے تو اس کا کریڈٹ بھی آپ کو اور صرف آپ کو ہے اور اگر وقت سے بے وقت اور ردی مضامین شائع ہوتے تو اس کی ذمہ داری سے بھی آپ بری نہیں ہو سکتے۔

مجھے امید ہے کہ اس صاف اور کھری بات کے سننے کے بعد قارئین پیشوا اب خرید کتب کے وقت دفتر پیشوا کو فراموش نہ کریں گے۔ البتہ اگر دفتر سے بھول چوک ہو یا دفتر کے کارکن کسی غلطی کا مرتکب ہوں یا پیشوا کے دفتر یا کتابوں کی قیمتوں میں رعایت نہ کی جائے تو بہر خریدار صاحبان کو مجھے براہ راست خط لکھنے چاہئیں تاکہ میں عملہ پیشوا سے باز پرس کر کے شکایات کا تدارک (یعنی انسداد) کر دوں۔

اگلا پرچہ علی نمبر ہو گا

چونکہ رجب میں حضرت علیؑ کی پیدائش ہوئی ہے اس لئے حسب معمول رجب کا پیشوا علیؑ نمبر ہو گا لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے نظم و نثر کے مضامین جن میں کسی صحابی کی ذات پر حملہ کئے بغیر حضرت علیؑ کے فضائل، حضرت علیؑ کی اسلامی خدمات آپ کے فلسفہ، آپ کی روحانی عظمت کا تذکرہ ہو میرے نام جلد از جلد بھیج دیں۔

میں چاہتا ہوں کہ یہ علیؑ نمبر گذشتہ تمام نمبروں سے بلحاظ مضامین بہتر شائع ہو اس لئے پیشوا کے قلمی معاونوں کو خصوصیت سے توجہ فرمانی چاہئے۔

تیج کا کرشن نمبر

۲۲×۱۶ ڈبل سائز ضخامت سوا سو صفحے بہترین لکھائی چھپائی [illegible] بلکہ ٹائٹل ۴ [illegible] اور بھی [illegible] تصاویر بہتری کرشن [illegible] قیمت صرف [illegible] آنہ [illegible] کاپتہ۔ منیجر اخبار تیج دہلی

لالہ دیش بندھو جی ڈائرکٹر اخبار تیج جیسے کانگریس کے پرانے سپاہی [illegible] تیج کے ذریعہ وہ ہندو قوم اور ہندوستان کی اہم خدمات انجام [illegible] نظر کرشن نمبر ان کی اعلیٰ صحافتی قابلیت [illegible] اگر [illegible] کرشن جی ہندوستان کے واجب التعظیم پیغمبر [illegible] کو انہی تعلیم نے ان کو انسان [illegible] ہندوؤں کے [illegible] درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

سری کرشن جی ہی وہ ہندوستانی پیغمبر ہیں جنہوں نے مسلمانوں [illegible] کے ظہور کی پیشین گوئی اپنی مبارک زبان سے کی ہے [illegible] اور چاہتا ہوں کہ عام مسلمان بھی ان کے [illegible] کریں۔ مجھے خوشی ہے کہ کرشن نمبر کی ترتیب میں اس کا خیال رکھا [illegible] اور ان کی اعلیٰ تعلیم ہندوستان کی تمام اقوام کے [illegible] بن سکتی ہے کرشن نمبر کی لاگت کا اندازہ [illegible] کے مضامین [illegible] حاصل کرنے کے لئے [illegible] کے مصارف سفر کیا ہوئے ہوں گے غرضکہ [illegible] کرشن نمبر [illegible] اور انتہائی محنت کی ہے اور ہندو قوم نے [illegible] کا ثبوت [illegible] کہ تیج کا چالیس ہزار کرشن نمبر صرف ایک ہفتہ میں تمام ہندوستان میں فروخت ہو گیا میں کرشن نمبر کی تیاری اور کامیابی پر لالہ دیش بندھو جی [illegible] دلی مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ آئندہ سال اس سے بھی [illegible] کرشن نمبر نکالیں۔ کاش مسلمان قوم میں بھی ایسی ہی زندگی ہوتی اور وہ [illegible] نمبروں کی کم سے کم اتنی ہی قدر دانی کرتی؟

پیشوا کی اشاعت میں تاخیر

کئی مہینہ سے پیشوا تاخیر سے شائع ہو رہا ہے اس کی وجہ میری [illegible] مصروفیت [illegible] غالی نسل کے چند [illegible] نے جو مقدمات میرے خلاف عدالت میں دائر کر کے پیدا کی ہے [illegible] وقت کا بڑا حصہ عدالت [illegible] اس لئے کاروبار کیلئے وقت نہ مل سکا اور وہ پیشوا جو [illegible] شائع نہیں ہوا تھا کئی مہینے سے مسلسل وقت پر شائع نہ ہو سکا [illegible] امید ہے کہ اب بہت جلد پیشوا وقت کی پابندی سے شائع ہو گا۔

صرف ۲۵ رعایتی خریداروں کی گنجائش ہے

[illegible] رعایتی قیمت پر [illegible] کہا گیا تھا اس کی تعداد [illegible] پوری ہو گئی اب صرف ۲۵ [illegible] کی جائیں گی اور اس کے بعد رعایتی اعلان [illegible] مجھے افسوس ہے [illegible] بعض ایسے بھائیوں نے بھی اس خیراتی [illegible] سے فائدہ اٹھایا جن کے [illegible] لیے نہ تھے کہ وہ پیشوا کی پوری قیمت نہ دے سکتے ہوں [illegible] ۲۵ درخواستوں پر رعایتی قیمت سے [illegible] اور اس کے بعد [illegible] واپس کر دیا جائے گا۔

تفسیر القرآن

ایک نایاب مصری تفسیر کا ترجمہ (۷)

(مترجمہ حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری)

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

ترجمہ:۔ بھلا کیونکر ناشکری کرتے ہو اللہ کے ساتھ (کہ اس کے احسانوں کو بھلا دیتے ہو اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو، حالانکہ اس کے استحقاق عبادت میں یکتا ہونے پر دلائل قائم ہیں کہ) تم محض بے جان (نطفہ) تھے جان پڑے (یعنی اس نے) تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے۔ پھر تم کو زندہ کریں گے (یعنے قیامت کے دن) پھر ان ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے (یعنے میدان قیامت سے حساب کتاب کے لئے اجلاس پر حاضر کئے جاؤ گے)

تفسیر:۔ یہ آیت توحید باری کی آیت سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ (اے کافرو) جب تم کو خدا کا مربی، خالق، رازق اور محسن ہونا معلوم ہو گیا تو پھر تم کیونکر خدا کی ناسپاسی کرتے اور اس کے منکر ہوتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ تم ایک بے جان چیز (نطفہ) تھے۔ خدا نے تم میں روح ڈالی۔ پھر کچھ دنوں بعد خدا تم کو موت دے گا پھر تم کو (قیامت کے دن خدا) زندہ کریگا اور پھر تم کو حساب وکتاب کے لئے، خدا ہی کے پاس لے جایا جائیگا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

ترجمہ:۔ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب (خواہ کسی قسم کا فائدہ ہو) کھانے کا، پینے کا، فنا کو تازگی بخشنے کا، نفس یا روح کو حظ دینے کا۔ کسی چیز کو دیکھ کر علم صحیح توحید کے حاصل ہو جانے کا، پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف یعنے اس کی تکمیل وتخلیق کی طرف، سو درست کر کے بنا دئے ان کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

تفسیر:۔ اس آیت میں ان عام نعمتوں کا بیان ہے جو خدا نے بندوں کے لئے مہیا کی ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ خدا ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے زمین کی اندر کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے تاکہ تم ان سے اپنی آسائش میں کام لو اس کے بعد اس نے اپنی توجہ اور ارادہ کو آسمان کی طرف پھیرا اور ان کے سات درجے بنائے اور وہ تمام چیزوں کا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں خدا نے یہ بتایا ہے کہ زمین کی ہر اس جائز و مباح چیز سے فائدہ اٹھاؤ جو نقصان رساں نہ ہو خواہ وہ فائدہ محسوس و معلوم ہو لیکن البتہ مٹی کا کھانا حرام ہے اس لئے کہ وہ زمین کے اندر کی پیدا کی ہوئی چیز نہیں خود زمین ہے ہاں دوسرے کاموں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ

ترجمہ:۔ اور اے محمد اس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے (تاکہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں ورنہ اللہ تعالیٰ تو باطن کو بھی جانتے ہیں اور حقیقت میں ان سے مشورہ لینا نہ تھا بلکہ تمام حجت تھی پھر لوگ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا) کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب (یعنے وہ میرا نائب ہوگا کہ میں اپنے احکام شرعیہ کے اجرا والنفاذ کی خدمت اس کے سپرد کروں گا) فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح اور بحمد اللہ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں (آپ کی مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور ان میں کوئی مفسد و سفاک بھی ہوگا سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان و دل سے اس میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد و ظالم ہوں گے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کو انجام دیں خلاصہ یہ کہ جب کام کرنے والوں کا گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے) خدا نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے (یعنے جو امر تمہارے نزدیک مانع تخلیق بنی آدم ہے یعنے ان میں سے بعض کا مفسد وسفاک ہونا وہی امر واقع میں باعث ان کی تخلیق کا ہے کیونکہ جو بڑے احکام و اقتضام طلب ہی ہوگا جب کوئی اپنے حدود سے تجاوز کرنے والا بھی ہو)

تفسیر:۔ پچھلی آیت میں خدا کی نعمتوں کا ذکر ہوا تھا اس آیت میں

یہ ایک نعمت ہی کا ذکر ہے اور وہ نعمت آدم علیہ السلام کو علم کی دولت سے نوازنا اور مسجود ملائک بنانا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ (اے محمد) جب تیرے رب نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ نائب بناؤں گا تاکہ وہ زمین کی تعمیر کا کام انجام دے اور اس کی چیزوں کو کام میں لاکر اس کو کامل کرے۔ جس کی خدمت اس کے سپرد کی جائے گی یعنی انسانی مخلوق کو کامل بنائے تو فرشتوں نے محسوس و ادراک کیا کہ یہ انسان اپنے ارضی مادہ کی فطرت سے یقیناً فساد کا موجب ہوگا۔ اس ادراک کی بنا پر فرشتوں نے محض علم حاصل کرنے کے لئے اعتراض کی حیثیت سے نہیں عرض کیا اس بات کی حکمت بیان کی کہ آپ نے انسان ہی کو اپنا خلیفہ بنانے کی فضیلت کیوں عنایت کی ہے۔ حالانکہ وہ ایسے فرشتے اس کی اطاعت میں سرگرم اور اس کی عبادت میں سرگرم ہیں اور خلافت کے ہر طرح مستحق ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ:- اور علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو ان کو پیدا کرکے سب چیزوں کے اسماء کا مع ان چیزوں کے خواص و آثار کے یعنی تمام موجودات روئے زمین کے اسماء و خواص کا علم دیدیا، پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں، پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع ان کے آثار و خواص کے) اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ پاک ہیں اس الزام سے کہ آدم ؑ پر اس علم کو ظاہر فرما دیا ہم سے پوشیدہ رکھا آپ کی طرف سے تو کوئی اخفا یا دریغ نہیں ہوا مگر ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ ہم کو آپ نے علم دیا ہے جس قدر ہماری پیدائش میں استعداد رکھی ہے اور اس کے موافق ہم کو علم عنایت ہوا اس کے سوا ہم کو دوسرے علم سمجھنے کی قوت نہیں ہے بے شک آپ بڑے علم والے ہیں کہ آپ کو سب علوم حاضر ہیں ہمارے اور آدمیوں کے معلومات سب حضور ہی سے منکشف ہیں حکمت والے ہیں کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا۔ اسی قدر فہم و علم عطا فرمایا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تم بتلا دو ان کو ان چیزوں کے اسماء، سو جب بتلا دئے ان کو آدم ؑ نے چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں نے تم سے کہا تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس کو دل میں رکھتے ہو اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔

تفسیر:- فرشتوں سے استفتاء اتمام حجت کے بعد خدا نے آدم کو پیدا کیا اور ان کے دل میں ہر وہ چیز ڈالدی جن کی استعداد فطرت انسانی رکھتی یعنی صوری و معنوی ترقیاں اور پھر تمام چیزوں کی حقیقت اور آثار و خواص کا علم ان کو سکھایا اور ساری چیزوں کے نام بتلائے اور اس کے بعد وہ تمام چیزیں جن کی حقیقت اور جن کے اسماء سے آدم کو آگاہ کیا تھا فرشتوں کے روبرو رکھ دیں اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اپنے خیال و گمان میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ فرشتوں نے عرض کیا اے بے نیاز و بے مثل خدا تو پاک ہے ہم تو صرف اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنے کی گنجائش ہماری پیدائش میں رکھی ہے اور تو بڑا علیم اور حکمت والا ہے اس کے بعد خدا نے آدم کو حکم دیا کہ وہ ان چیزوں کے نام اور آثار و خواص فرشتوں کو بتلائے اور اپنی نوع کی استعداد و نیابت کو ظاہر کرے جب آدم نے خدا کے حکم کے موافق فرشتوں کو چیزوں کے نام و خواص بتادئے، تو فرشتوں نے محسوس کیا کہ وہ زمین میں خدا کی نیابت کے فرائض کو ادا کرنے کی اہلیت و استعداد نہیں رکھتے، اور اس احساس سے ان کو خدا کے انتخاب کی حکمت و مصلحت بھی معلوم ہو گئی اور اس کے بعد انہوں نے خدا کے اس حکم کو جو آدم کو سجدہ کرنے کے لئے دیا گیا تھا قبول کر لیا یعنی خدا کی عظمت و بزرگی کو سجدہ کرنے کا حکم عبادت کا سجدہ نہیں مگر ابلیس نے اس حکم کو نہ مانا یعنی غرور کیا اور سجدہ سے انکار کر دیا اور اس وجہ سے وہ کافروں میں شامل ہو گیا۔

اس موقعہ پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے خدا سے جھگڑا کیا یا فرشتے خدا سے مجادلہ کر سکتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ یہ اس کیفیت کی ایک شان ہے جو فرشتوں پر اس وقت طاری ہوئی تھی جبکہ عالم روحانی میں ان کو یہ معلوم ہوا کہ زمین پر ایک ایسی مخلوق کو نائب بنایا جائے گا جو فساد پھیلائے گی خدا نے فرشتوں کے ان وسوسوں کا جواب دیا اور ان کے شکوک رفع کر دئے یہ تاویل اس موقعہ پر ضروری ہے اس لئے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات کا دیدار ممکن و محال ہے یہاں تک کہ ملائکہ تک خدا کو نہیں دیکھ سکتے جیسا کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا

مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَقُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

ترجمہ: اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بی بی (حوا) جن کو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدم کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر بنا دیا تھا بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ چاہو لیکن نزدیک نہ جانا اس درخت کے ورنہ تم بھی ان ہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں پس لغزش دیدی آدم و حوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے نکالا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو، تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے چند روز اور کام چلانا ایک میعاد معین تک بعد ازاں حاصل کر لئے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ یعنی معذرت کے کلمات تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر (یعنی توبہ قبول کر لی) بے شک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان۔ ہم نے فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت (یعنی احکام شرعیہ بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے) سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: ان آیات میں آدم ؑ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنے خداوند تعالیٰ نے آدم و حوا کو پیدا کر کے حکم دیا کہ تم اور تمہاری بیوی حق جنت میں رہو۔ اور جنت کے میووں میں سے جہاں اور جس جگہ تمہارا جی چاہے کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا یعنے خدا نے ایک درخت کو معین کر دیا تھا کہ اس کے پاس نہ جانا پھر شیطان نے آدم و حوا کے دل میں وسوسہ ڈالا اور اس درخت تک پہنچا دیا اور اس نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے جنت کے عیش و عشرت سے آدم و حوا کو محروم کر کے زمین پر اتار دیا جہاں مادی تکالیف جسمانی حاجتیں اور وہ تمام منازعات و مخاصمات پائے جاتے ہیں جو حیات ارضی کے مقتضی ہیں اس کے بعد خدا نے آدم پر رحم فرمایا اور چند کلمات ان کے دل میں ڈالے کہ وہ ان سے دعا مانگیں چنانچہ انہوں نے دعا مانگی اور ان کی توبہ قبول کی گئی اور ان کی ذریت و اولاد کے لئے یہ قرار دیا گیا کہ وقتاً فوقتاً ان کے پاس رسول بھیجے جائیں گے جو گمراہوں کو راہ ہدایت دکھائیں گے اور غافلوں کو متنبہ کریں گے پس جو شخص ان رسولوں اور نبیوں پر ایمان لائے گا اور ان کی نصیحت پر عمل کرے گا وہ نجات پا جائے گا اور جو ان کو جھٹلائے گا اور خدا کی نشانیوں یا آیات کا انکار کرے گا وہ ہلاک و تباہ ہوگا۔

احکام القرآن

(از علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری)

(۶) مساجد کا انہدام اور مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکنا حرام ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ
وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ۚ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا
اِلَّا خَآئِفِیْنَ ۚ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (سورہ بقر آیت ۱۰۸)

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدائے تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے ان کی بندش کرے اور ان کے ویران (اور معطل) ہونے کے بارے میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت (اور بیباک) ہو کر (ان مساجد) میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی نصیب ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

تفسیر و تشریح: جب قبلہ بدلنے کا حکم نازل ہوا تو یہود نے اس تبدیلی پر طرح طرح کے اعتراضات کرکے مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا کئے تاکہ وہ رسالت کا انکار کردیں اور نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور مساجد ویران ہو جائیں جس طرح عیسائیوں کے رومی بادشاہ طیطوس نے شام پر حملہ کرکے مسجد بیت المقدس کو ویران کر دیا تھا۔

امام زاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت رومی بادشاہ طیطوس کے خلاف نازل ہوئی ہے جس نے یہود سے نفرت و عداوت کے سلسلہ میں بیت المقدس کو خراب و ویران کر دیا تھا توریت کو جلا کر نجاست میں پھکوا دیا تھا، یہود کو بے دریغ قتل کیا تھا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام و لونڈی بنا لیا تھا یا یہ آیت بخت نصر بادشاہ کے حق میں اتری ہے جو آتش پرست تھا اور جس نے عیسائیوں کو خوش کرنے کے لئے یہود کو ذلیل و رسوا اور بیت المقدس کو خراب کیا تھا جس کا پورا قصہ سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے۔

مختصر یہ کہ اس آیت میں مساجد سے مراد بیت المقدس ہے اور مساجد (جمع) کا لفظ عظمت کے لئے استعمال کیا گیا ہے یا جمع کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ مسجد بیت المقدس یا بیت المقدس کی ہر جگہ اور ہر حصہ سجدہ کی جگہ ہے۔

بعض مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کو حدیبیہ کے سال میں مکہ کے اندر داخل ہونے سے روک دیا تھا اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز و عبادت سے روک کر گویا مسجد مکہ کو ویران کرنے کی کوشش کی تھی۔

یہ آیت خواہ کسی واقعہ سے تعلق رکھتی ہو اور کسی شخص کے حق میں نازل ہوئی ہو مگر اس کا حکم عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا کی مسجدوں میں خدا کا ذکر و عبادت کرنے سے لوگوں کو روکے اور مسجدوں کو خراب و ویران کرنے کی کوشش کرے ان لوگوں کو جو اس طرح خدا کی عبادت سے مسلمانوں کو روکتے ہیں یہ چاہئے تھا کہ وہ خشوع و خضوع کے ساتھ مسجدوں میں آتے اور عبادت کرنے والوں کو کوئی اذیت و تکلیف پہنچانے کا خیال دل میں نہ لاتے تھا ہمیں ان لوگوں کو ذلت و رسوائی نصیب ہوگی یعنی ان میں سے جو لوگ مقابلہ و مقاتلہ کریں گے وہ قتل ہوں گے اور قید کئے جائیں گے اور جو لوگ مقابلہ نہ کریں گے ان کو جزیہ دینے کی ذلت نصیب ہوگی اور آخرت میں تو اس کے لئے دردناک عذاب ہی ہے۔

آیت کا حکم یہ ہے کہ جس طرح مسجد کا انہدام اور تخریب ممنوع و حرام ہے اسی طرح نماز و عبادت سے لوگوں کو روکنا بھی حرام ہے خواہ مسجد کسی مملوک ہو یا نہ ہو۔

(۷) قبلہ کی تعیین کا حکم

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۚ
اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (سورہ بقر آیت ۱۰۹)

ترجمہ: اور اللہ ہی کی ملوک ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود تمام جہات اور اشیاء کو محیط ہیں (جس طرح کا احاطہ ان کی شان کے لائق ہے گو یا وہ ہر جہت کو محیط ہیں (مگر اس کے باوجود بھی) جہت عبادت کو معین اس لئے فرمایا کہ وہ کامل العلم ہیں (کہ جہت کے متعلق خوب جانتے ہیں)

تفسیر و تشریح: بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت منسوخ الحکم ہے لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے اگر اس آیت کے یہ معنی لئے جائیں گے کہ بلاد مشرق و مغرب خدا کے ہی مملوک ہیں جس طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھو گے ادھر ہی خدا متوجہ ہے (دیکھتا) اس کو

منسوخ الحکم ماننا پڑیگا اس لئے کہ قبلہ متعین ہو چکا ہے اور اگر اس میں یہ تاویل کرلی جائے کہ یہ حکم سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق ہے یا قبلہ کی سمت معلوم نہ ہونے کی حالت میں یہ حکم دیا گیا ہے تو منسوخ الحکم نہیں ہے اور اس کا حکم بدستور باقی ہے۔

اور اگر آیت کے یہ معنے لئے جائیں کہ جس مقام پر بھی تم اپنا منہ قبلہ کی طرف کرکے نماز پڑھو گے خدا وہیں ہے تو آیت کے معنے میں نہ تو تاویل کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ منسوخ الحکم ماننا پڑے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ کی جانب نہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں اور کافروں نے اس تبدیلی پر یہ اعتراض کیا تھا کہ مسلمان مکہ سے بیت المقدس کی طرف کیوں پھر گئے۔ خداوند تعالےٰ نے کافروں کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے فرمایا کہ تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ ہے "یعنے قبلہ صرف کعبہ ہی میں مخصوص نہیں ہے بلکہ اے مسلمانوں جدھر منہ کرکے تم نماز پڑھوگے ادھر ہی اللہ تعالےٰ ہے۔ اس کے بعد یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہوگیا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنے مسجد حرام کی جانب اپنا منہ پھیر لو امام زاہد کہتے ہیں قرآن مجید کا یہ سب سے پہلا حکم ہے جو اسلام میں تبدیل کیا گیا ہے۔

مفسرین کی ایک بڑی جماعت کی رائے یہ ہے کہ آیت کے معنے یہ ہیں کہ مشرق و مغرب خدا ہی کی مملوک ہیں اگر اے مسلمانوں تم کو مسجد حرام یا بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے روکا جائے تو تم جس مقام پر قبلہ کی طرف نماز پڑھو لوگے وہی سمت وہ ہے جس کا تم کو خدا نے حکم دیا ہے۔

ابن عمر رضہ کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف اس مسافر کے لئے ہے جو سواری پر نماز پڑھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ دعا اور ذکر الہیٰ کا حکم ہے اور اس کے لئے کسی سمت کی ضرورت نہیں ہے ہر جگہ اللہ موجود ہے۔

امام زاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی شاہ حبش کے حق میں نازل ہوئی ہے جبکہ وہ مسلمان ہوکر مدینہ کی جانب روانہ ہوا اور راستہ میں وفات پاگیا جبرئیل حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ پیام خداوندی پہنچایا کہ نجاشی کے جنازہ پر نماز پڑھو یہ حکم سنکر رسول اللہ صلعم نے صحابہ سے فرمایا تم اپنے صاحب یعنے مسلمان بھائی نجاشی کے جنازہ پر نماز پڑھو صحابہ نے عرض کیا "ہم اس کے جنازہ پر کیونکر نماز پڑھیں اس نے تو ہمارے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی تھی کیونکہ وہ اہل قبلہ نہ تھا، خداوند تعالےٰ نے اس اعتراض یا شبہ پر یہ آیت نازل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاشی نے جس طرف بھی نماز پڑھی ہو کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ شرع کا حکم پہنچنے کے بعد قابل عمل ہوتا ہے۔

(۸) خداوند تعالےٰ اولاد سے پاک ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ (سورہ بقرہ آیت ۱۱۰)

ترجمہ اور یہ لوگ یعنے یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب مختلف عنوان سے کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیا مہمل بات ہے) بلکہ (ان کے تو اولاد ہونا عقلاً ممکن ہی نہیں اس لئے کہ اول تو) حق تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں (موجودات) ہیں (اور دوسرے یہ کہ مملوک ہونے کے ساتھ) سب ان کے محکوم (بھی) ہیں۔

تفسیر و تشریح یہود کہا کرتے تھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام پیغمبر خدا کے بیٹے ہیں نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین عرب کا خیال تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے ان خرافات کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خداوند تعالےٰ تمام خرافات سے پاک و صاف ہے وہ ہر اس چیز کا پیدا کرنیوالا اور مالک ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور اس میں ملائکہ عزیر اور مسیح بھی داخل ہیں اور یہ ان میں سے ہر چیز خدا کی مطیع و منقاد بھی ہے کہ اس کی مشیت و تکوین میں مارح و دخیل نہیں پھر جس چیز کی صفت یہ ہو کہ خدا کی پیدا کی ہوئی اس کی مملوک اور اس کی مطیع و منقاد ہو وہ کیونکر اس کی ہم جنس یا مثل یا مشابہ ہو سکتی ہے بجائیکہ یہ تمام چیزیں اس کی مطیع و منقاد ہیں اور اس کی عبودیت کی معترف۔

آیت کا مقصود یہ ہے کہ مملوک و منقاد چیز مالک کی اولاد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اولاد مالک کی ہم جنس مثل اور مشابہ ہوتی ہے اگر ان چیزوں کو خدا کی اولاد کہا جائے گا تو وہ بھی خدا کی طرح قائم بالذات اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہوں گی اور خدا کی سہیم و شریک سمجھی جائیں گی حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کی مملوک چیزوں میں سے ایک بھی اس کے مشابہ اور سہیم و شریک نہیں بلکہ اس کی مطیع ہیں اور اس کی عبودیت کی معترف ہیں۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی اولاد کا مالک ہو جائے یہ ملکیت فوراً اس کو آزاد کردیگی یعنی اولاد اپنے باپ کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گی اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب ان چیزوں کو خدا کی اولاد کہا جائیگا تو وہ اس کی ملکیت سے نکل جائیں گی اور اس کے مساوی قرار پائیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ تمام چیزیں خدا کی ملکیت میں اور خدا کی مطیع و منقاد ہیں۔

اس آیت سے یہ حکم ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد باپ کی ملکیت نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ عَتَقَ عَلَيْهِ یعنی جو شخص کسی ایسے رشتہ دار کا مالک ہو جائے جس سے اس کا تعلق رحم سے ہو اور اس سے نکاح کرنا حرام ہو وہ فوراً اس کی ملکیت سے نکل جائے گا اور آزاد ہو جائیگا۔

قرآنی تعلیم

(از جناب مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب الشہابی اکبرآبادی)

صداقت

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (مائدہ)

اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ۔

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۔ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۔

اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو۔ اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ جانا یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔

اخلاص

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ

مسلمانو ایسی بات کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کر کے نہیں دکھاتے (یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو (کچھ) نہیں۔

حلم ورحم

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ

اور اپنے پروردگار کی مغفرت کی اور جنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ جیسے زمین اور آسمان کا۔ (ان) پرہیزگاروں کے لئے تیار ہے جو خوشحالی اور تنگدستی میں (خدا کے نام پر) خرچ کرتے اور غصہ کو روکتے اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ دوست رکھتا ہے۔

عفت وعصمت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

مسلمانو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور جو شیطان کے قدم بقدم چلے گا تو شیطان (اس کو) بے حیائی اور بُرے ہی کام (کرنے) کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک (وصاف) نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سب کی سنتا (اور سب کچھ جانتا ہے)۔

حسن خلق

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (ع)

اے محمد ہم نے جو کچھ کافروں کے گروہ کو دے رکھا ہے اس پر نظر ہی نہ ڈالو اور نہ ان پر رنج وافسوس کرو اور مسلمانوں کے لئے اپنے بازو جھکا دو یعنی خاطر تواضع مدارات اور اخلاق سے پیش آؤ۔

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۔

اے پیغمبر برائی کو بھلائی سے دفع کرو اور ہم خوب واقف ہیں جو کچھ مخالفین تمہاری صفات بیان کرتے ہیں۔

عفو وکرم

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتے اے پیغمبر برائی کا جواب بھلائی سے دو تاکہ ایسا شخص کہ تم میں اور اس میں عداوت ہو مثل دوست اور رشتہ دار کے ہو جائے اس کی تلقین صرف ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور تلقین ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں اور اگر تم کو کوئی شیطانی وسوسہ گذرے تو خدا سے پناہ مانگو کہ وہ بے شک سننے والا واقف کار ہے۔

قرآنی قصے

تذکرۂ انبیاء علیہم السلام

(از جناب مولانا مفتی محمد انتظام اللہ صاحب الشہابی اکبرآبادی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (پ ۱۸ س مومن ع ۳)

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی سند دیکر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا پر وہ شیخی میں آگئے اور تھے ہی گھمنڈی لوگ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کو مان لیں اور ان کی قوم تو ہماری غلام ہے پھر ان دونوں موسیٰ اور ہارون کو ان لوگوں نے جھٹلایا آخر تباہ ہوئے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب توریت اس لئے دی تھی کہ ان کو ہدایت ہو۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ أَلَا يَتَّقُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ۝ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ۝ قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ۝ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ

اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کر جب تیرے مالک نے موسیٰ کو پکارا گناہ گار لوگوں کے پاس جا فرعون اور اس کی قوم کے پاس، کیا وہ (ہمارے عذاب اور غضب سے) نہیں ڈرتے؟ موسیٰ نے عرض کیا مالک میرے مجھ کو ڈر ہے وہ کہیں مجھ کو جھٹلائیں اور میرا جی رک جائے اور میری زبان بند ہو جائے تو ہارون کو بھی میرے ساتھ پیغمبر بنا دے اور میں نے ایک قصور بھی کیا ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھ کو اس خون کے بدلے مار ڈالیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم خود تمہارے ساتھ (جو گفتگو ہوگی اس کو) سن رہے ہیں اور دونوں فرعون کے پاس پہونچو اور کہو ہم اس کے بھیجے ہوئے ہیں جو سارے جہان کا مالک ہے ہم اس لئے آئے ہیں کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کردے اور ان کو آئندہ مت ستا، فرعون نے کہا موسیٰ، تو تو وہی ہے نا جس کو ہم نے بچہ سا پالا پوسا تھا اور تو اپنی عمر کے کئی برس ہم میں رہ چکا ہے اور تو نے ایک حرکت بھی کی تھی اور تو ناشکروں میں سے ہے۔

(نوٹ) إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ۔　بے شک فرعون و ہامان اور اس کے لشکر والے قصوروار تھے (قصص)

فرعون دراصل فرزہ سے مشتق ہے جس کے معنے شاہنشاہ اعظم کے ہیں یہ شاہان مصر کا لقب تھا جو مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے نہ عہد موسوی میں جو فرعون تھا اس کا نام امینوفس ثالث بن توتیس الیٰ تھا یہ فراعنہ مصر کے اٹھارویں خاندان کا جلیل القدر اور نامور تاجدار تھا سنہ ۱۴۱۱ ق م میں امینوفس (فرعون موسوی) نے عنان حکومت مصر ہاتھ میں لی تھوڑے عرصہ میں قرب وجوار کے ممالک پر فاتحانہ طور سے قابض ہو گیا نتیجتاً وہ دنیاوی ساز وسامان اور مادی قوت و شوکت کے گھمنڈ میں بددماغی سے اپنے تئیں انسانیت سے گذر کر ایک ارفع و اعلیٰ ہستی سمجھنے لگا اور اپنا لقب روشن آفتاب اور شاہ چار دانگ عالم رکھا۔

اس فرعون نے رود نیل کے بائیں جانب ایک معبد بنوایا تھا جس میں بہت سے بت پتھر سے تراش کر بنائے گئے تھے ان میں ایک بت اپنا بھی بنوایا تھا اور ایک بت ایسے پتھر سے بنایا گیا جس کی طبعی خاصیت یہ تھی کہ شبنم کے بعد جب اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتیں تو اس میں سے آواز پیدا ہو جاتی تھی یہ بت سنہ ۵۹۵ء کے زلزلہ میں ضائع ہو گیا یہی آمینوفس کا شکستہ مجسمہ قاہرہ کے عجائب خانہ میں ہے اور اس کے سوا کافات اس کے ہی تعمیر کردہ محل کی شکستہ دیوار پر کندہ ملتے ہیں جو تورات مقدس کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ سنہ ۱۳۳۰ ق م میں امینوفس بحر قلزم میں غرق ہوا اس کے بعد مصر میں دوسرا خاندان فراعنہ کا فرماں روا ہوا

ھامٰن، کو مصری زبان میں ٹکس فونس کہتے ہیں یعنی کہ مندر کا سفر اعلیٰ ہیں تھا اسی مندر کی مناسبت سے قرآن مجید نے ہامان مخاطب کیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے بھائی کا نام ہارون تھا اور وہ بنی اسرائیل کے سردار کاہن تھے مگر قرآن مجید میں انکو اسطرح فرمایا ہے اسی قبیل سے ان کے سردار کاہن کو ہامن کہا ہے۔ یہ ہامان محکمۂ تعمیرات کا افسر بھی تھا مندروں کی فوج کا جرنیل و خزانہ کا نگراں تمام شمالی و جنوبی مصر کے دیوتاؤں کے پجاریوں کا اعلیٰ بھی ہوتا تھا اور جنوبی مصر کے علاقہ کی وزارت بھی اس سے متعلق تھی۔ ایک دیوتا کا مندر

انتخاب الاحادیث

از جناب مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب الشہابی اکبرآبادی

اخلاقیات

اخلاص خالص کر اپنے دین کو شرکت و بدعات وغیرہ سے اتھوڑا عمل بھی تیرے لئے کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو اور کاموں کو دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان ہی اعمال کو قبول کرتا ہے جو خاص اللہ ہی کے لئے ہوں اور صرف اللہ ہی کی رضامندی ان سے مطلوب ہو۔

اعمال مثل ظرف کے ہیں جب نیچے یا اندر کا حصہ صاف ہوگا تو اوپر کا بالائی اچھا ہوگا۔

بغیر ملتے کے اجر نہیں ملتا اور بغیر نیت کے کوئی عمل نہیں۔

اے لوگو اپنا عمل خالص اللہ کے لئے کرو۔

جو شخص قصد کرے کسی نیکی کا اور اس کو کیا نہ ہو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاوے گی۔

آنحضرت م نے معاذ بن جبل رضہ سے فرمایا اخلاص کے ساتھ عمل کرکہ اس میں تجھ کو تھوڑا ہی کافی ہوگا۔

نیت اعمال معتبر نیتوں ہی پر ہیں۔

جو شخص ہجرت کرے کہ کسی چیز کا خواہاں ہو تو وہ اسی کا ہوگا۔

جو شخص لڑا اور اس کی نیت سوا مال کے اور کچھ نہ ہو تو اس کو وہی ملیگا جو نیت کی۔

ہر ایک بندہ اسی چیز پر اٹھایا جائے گا جس پر کہ مرا ہے۔

جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر بھڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔

اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو نیت کی پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اس کو ملے یا عورت کی طرف اور جس کو نکاح میں لاوے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جس کی طرف ہجرت کی ہے۔

بے شک جسم میں ایک پارہ گوشت ہے کہ اگر وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن اس کے سبب سے درست ہو جاتا ہے۔

احسان جنت میں احسان جتانے والا اور والدین کی نافرمانی کرنے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا داخل نہ ہوگا۔

جس کو کچھ عطا کیا جائے چاہئے کہ اس کا بدلا دے اور عوض نہ دے سکے تو اس کی تعریف کرے جس نے تعریف کی اس نے شکر ادا کیا اور جس نے چھپایا کفران نعمت کیا۔

احسان کنندہ کے لئے دعا مانگے تو رد نہیں ہوتی۔

اے احسان تو کہہ دے اور روح القدس تیرے ہمراہ ہے۔

اپنے محسن سے اس نے احسان نہ کیا۔

احسان کی جزا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص اچھا ہے جو اپنے احباب کے ساتھ اچھا ہو اور پڑوسیوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

سب سے بڑھ کر نیکی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ احسان کرنا ہے باپ کے کہیں چلے جانے مرجانے کے بعد۔

کنز العمال (عن معاذ رض و عن ابو ہریرہ)، مسلم (عن ابو ہریرہ رض و عن ابی امامہ رض و عن معاویہ)، مسند فردوس دیلمی، بخاری و مسلم، بخاری و مسلم عن عمر رض، طبرانی، احیاء العلوم ج۴ ص ۲۰۴ بروایت عبادہ بن صامت، مسلم، بخاری و مسلم (عن ابی بکرہ)

بخاری و مسلم، مشکوٰۃ (عن ابن عمر رض)، اخلاقی مجموعہ حصہ اول صفحہ، مسلم (عن ابن عمر رض)

اسلامی معاشرت

گذشتہ سے پیوستہ

(از جناب علامہ مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی)

دعائے مغفرت

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ

سفیان کہتے ہیں جس طرح زندے محتاج ہوتے ہیں طرف کھانے پینے کے اسی طرح مُردے زیادہ تر محتاج ہیں طرف دعا کے دعا علماء اللہ

انس رضہ نے مرفوعاً کہا ہے امت میری امت مرحومہ ہے قبروں میں گناہ لے کر داخل ہوتی ہے مگر جب نکلے گی تو بے گناہ نکلے گی ان کے گناہ مومنوں کے استغفار کے سبب دور ہو جائیں گے ۔[۲]

عطاء نے کہا کہ بعد موت کے ثواب عتق و حج و صدقہ کا پہنچتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر رحمہ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ رض کی طرف سے امام حسن و حسین آزاد کیا کرتے تھے

حجاج بن دینار مرفوعاً کہتے ہیں بجملہ مبروالدین کے ایک یہ بات ہے کہ نماز پڑھو ان کے لئے ہمراہ اپنی نماز کے اور روزہ رکھے ان کے لئے ساتھ اپنے روزے کے اور صدقہ دے ان کی طرف سے ہمراہ اپنے صدقہ کے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ)

حضرت عائشہ سے مرفوعاً آیا ہے جو کوئی مر گیا اور اس پر روزے تھے تو واجب ہے کہ روزہ رکھے اس کی طرف سے اس کے قریب اس کا ۔[۳]

بریدہ رضہ نے کہا کہ ایک عورت نے حضرت صلعم سے پوچھا میری ماں پر مہینے کے روزے واجب تھے میں اگر اس کی طرف سے روزہ رکھوں تو ان کی کفایت کریں گے فرمایا ہاں اس نے کہا میری ماں نے حج نہیں کیا تھا اگر میں اس کی طرف سے حج کر دوں اس کو کافی ہو گا فرمایا ہاں ۔[۴]

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کہتی ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ اے رسول خدا میری ماں اچانک مر گئی کچھ وصیت نہ کر سکی مجھ کو گمان ہے کہ اگر کچھ بات کرتی تو صدقہ دیتی اگر کچھ ثواب ملے گا اس کی طرف سے میں کچھ تصدق کروں (آپ نے) فرمایا ہاں ۔[۵]

سعد بن عبادہ رضہ نے کہا کہ اے رسول خدا میری ماں مر گئی اور میں حاضر نہ تھا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو اس کو کچھ ثواب ہو گا (آپ نے) فرمایا ہاں، سعد نے کہا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

دوسرا لفظ یہ ہے کہ میری ماں مر گئی کونسا صدقہ افضل ہے فرمایا پانی کا، تو سعد نے ایک کنواں کھدوایا کہا اس کا ثواب ام سعد کو ہے۔

ابن عمر رضہ نے کہا کہ حضرت صلعم نے فرمایا ہے تم میں جب کوئی صدقہ نفل کرے تو اس کو اپنے ماں باپ کی طرف ٹھہرائے اس کا ثواب اس کے ماں باپ کو پہونچے گا اور اس کے اجر سے کچھ کم نہ ہو گا ۔[۱]

عقبہ بن عامر رضہ نے کہا کہ ایک عورت نے حضرت صلعم سے پوچھا میں اپنی ماں کی طرف سے حج کروں فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتی کہا ہاں فرمایا حج کر ۔[۲]

بزار و طبرانی نے بسند حسن انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت صلعم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے حج کرے ابوہریرہ رضہ کا لفظ ہے کہ حضرت نے فرمایا جو کوئی حج کرتا ہے مردہ کی طرف سے تو حاجی کو بھی اتنا ہی ثواب ہوتا ہے ۔[۳]

جنازہ لیجانا

حدیث ابوہریرہ رضہ میں مرفوعاً آیا ہے تم جلدی کرو جنازہ میں اگر نیک ہے تو تم اس کو طرف خیر کے لئے جاتے ہو اور اگر کچھ اور طرح پر ہے تو ایک شر کو اپنی گردنوں سے اتار کر رکھتے ہو (رواہ الشیخان)

ابن مسعود رضہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ جنازہ کے ہمراہ کس طرح چلیں (آپ نے) فرمایا دوڑنے سے کچھ کم اگر خیر ہے تو وہ ہر جلدی لیجانا چاہئے اگر اور طرح پر ہے تو اہل نار کو دور کرنا اچھا ہے ۔[۴]

آداب دفن

عثمان بن عفان کی حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم دفن میت سے فارغ ہوتے اور کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے تم استغفار کرو اور اس کے واسطے ثبات (قدم اسلام پر) استدعا مانگو وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے ۔[۵] (ابو داؤد)

---

۱ طبرانی ۲ طبرانی ۳ طبرانی ۴ [illegible] ۵ [illegible]

۱ مسلم ۲ طبرانی فی الاوسط ۳ صحیحین ۴ مسلم ۵ بخاری۔

۶ بخاری ۷ رواہ احمد و اصحاب السنن الاربعہ

شرح مثنوی مولانا روم

(از سعادن ایڈیٹر)

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

ترجمہ:- اے عشق خوش رہ کہ تیری بدولت ہمارے خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تو ہماری ساری بیماریوں کا طبیب ہے۔

تشریح: مولانا نے ماسوائے اللہ سے قطع تعلق کا ایک پسندیدہ و موثر طریقہ عشق بتایا تھا اب عشق کی خوبیاں بیان فرماتے اور لکھتے ہیں کہ اے عشق تو وہ نعمت الٰہی ہے کہ تیری بدولت ہمارے خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تجھ سے ہمارے امراض کا علاج ہو جاتا ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

ترجمہ: اے عشق تو ہماری نخوت و ناموس کی دوا ہے اور تو ہی ہمارا افلاطون و جالینوس ہے۔

تشریح: یعنی عشق سے نخوت و ناموس غرور و تکبر ریاکاری و فریب تمام اخلاق ذمیمہ دور ہو جاتے ہیں اور انسان ان تمام برائیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اس لئے کہ عشق میں عموماً انسان کو ذلت نصیب ہوتی ہے اور ذلت کے بعد نخوت و غرور اور عزت و عظمت کا خیال جاتا رہتا ہے گویا عشق ہمارے اخلاق کی بیماریوں کو دفع کرنے میں ہمارے لئے ایسا کامل طبیب ہے جیسے کہ افلاطون و جالینوس تھے۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

ترجمہ: عشق ہی کی بدولت ایک خاکی جسم آسمان پر پہونچا اور عشق ہی کی بدولت پہاڑ رقص میں آیا اور تجلیات الٰہی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

تشریح: شعر کے پہلے مصرعہ میں حضور سرور کی معراج اور عیسیٰ علیہ السلام کے عروج کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ عشق ہی کی بدولت حضور کو معراج نصیب ہوئی اور عشق ہی کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

اور دوسرے مصرعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ عشق ہی کی بدولت حضرت موسیٰ کی خواہش دیدار الٰہی پوری ہوئی یعنی تجلیات الٰہی ہے کہ وہ طور پر نازل ہو کر پہاڑ میں حرکت و جنبش پیدا کی اور وہ تجلیات الٰہی کو قبول کرنے پر تیار ہو گیا۔

عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسیٰ صاعقا

ترجمہ: اے عاشق عشق ہی طور پہاڑ کی جان تھا کہ اس عشق کی بدولت طور مست ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

تشریح: یہ شعر اوپر کے شعر کی تشریح ہے مطلب یہ ہے کہ اے عاشق قرب الٰہی یہ بات جان لے کہ طور کی جان بھی عشق ہی تھا یعنی حضرت موسیٰ کے عشق نے کوہ طور کے پہاڑ میں جان پیدا کر دی تھی اور جب اس پر تجلیات الٰہی کا نزول ہوا تھا تو وہ رقص میں آ گیا تھا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ یہ شعر گویا اس آیت کا مفہوم ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا یعنی جب پہاڑ پر حضرت موسیٰ کے پروردگار کی تجلی کا نزول ہوا تو پہاڑ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ
زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

ترجمہ:- ساری موجودات عین معشوق ہے اور عاشق ایک پردہ ہے۔ معشوق زندہ ہے اور عاشق مردہ۔

تشریح: عشق کی تعریف و توصیف کے بعد مولانا بعض اسرار عشق کو ظاہر کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی جس قدر چیزیں اور جتنی موجودات ہیں سب معشوق کی ذات میں شامل ہیں اور وہ خدا وند بزرگ و برتر کی ذات ہے اور عاشق کی ذات خدا وند بزرگ و برتر کا ایک پردہ ہے مطلب یہ ہے کہ جتنی موجودات و ممکنات ہیں گویا وہ عاشق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا پردہ یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر خدا کی ذات کا یقین ہو جاتا ہے۔ جب یہ پردہ درمیان سے اٹھ جائے گا اور دنیا فنا ہو جائے گی تو صرف ذات حق باقی رہ جائے گی یعنی معشوق کی ذات ہی زندہ رہنے والی ہے اور تمام ممکنات یعنی عاشق فنا ہونے والے ہیں۔

اس شعر میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ شعر کے مطابق یہ ہے کہ [illegible]

کا وجود سب کو نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے اس لئے کہ وجود اعظم کے سامنے (خدا کے سامنے) ان موجودات کا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں اور صرف خدا ہی کی ذات کو دائمی بقا حاصل ہے۔

چوں نہ باشد عشق را پروائے او
او چو مرغے ماند بے پر وائے او

ترجمہ:۔ اگر معشوق کو طالب کی پروا نہ ہو تو وہ بے بال و پر جانور کی مانند رہ جائے اور اس پر افسوس کیا جائے۔

تشریح:۔ عشق کی تعریف اور اس کے بعض اسرار بیان کرنے کے بعد مولانا پھر اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں یعنی اس امر کے بیان کرنے کی جانب کہ عشق کیونکر خدا کے قرب کا ذریعہ ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اگر معشوق کو (شعر میں عشق سے مراد معشوق ہے) جو خدا وند تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے عاشق کی پروا نہ ہو تو وہ بے بال و پر جانور کے مانند رہ جاتا ہے اور کسی طرح معشوق تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس بے پروائی کی حالت میں عشق ہی باقی نہیں رہتا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کے عشق کی بقا صرف اس وجہ سے ہے کہ معشوق کو عاشق کی پروا ہوتی ہے اور وہ اس کے حال پر متوجہ ہوجاتا ہے۔ اور اس کی نگرانی کرتا ہے یعنی انسان خدا کا عاشق ہے اور خدا اس پر مہربان ہے اور اس کی مہربانی و توجہ ہی سے انسان بآسانی ماسوی اللہ سے تعلق منقطع کرلیتا ہے اگر شعر میں عشق سے مراد عشق ہی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر عشق کو عاشق کی پروا نہ ہو تو عاشق بے بال و پر جانور کی مانند ہو جائے اور عشق ہی فنا ہو جائے۔

من چگونہ ہوش دارم پیش و پس
چوں نباشد نور یارم ہم نفس

ترجمہ: اگر میرے دوست کا نور و توجہ میرا ہم نفس (مددگار) نہ ہو تو مجھ کو پس و پیش کی بھی خبر نہ رہے۔

تشریح:۔ اس شعر میں بھی معشوق کی پروا اور توجہ کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اگر خدا اپنے طالب کی اعانت نہ کرے اور اس کا نور ہدایت رہنمائی نہ فرمائے تو مجھ کو پس و پیش کی بھی خبر نہ رہے اور راہ سلوک کے دشمن مجھ کو گمراہ کر دیں نور سے مراد ذات حق سبحانہ کا نور ہے جو تمام دنیا پر چھایا ہوا ہے یہاں تک کہ انسان کی رگ رگ میں جاری ہے اسی نور سے سالک کو ہدایت پاتا ہے اور ہر چیز میں خدا کے جلوہ کو دیکھتا ہے۔

آئینہ کز زنگ و آلائش جداست
پر شعاع نور خورشید خداست

ترجمہ:۔ جو آئینہ زنگ و آلائش سے صاف ہے اس میں خدا کا نور جلوہ گر ہوتا ہے۔

تشریح:۔ مولانا کہتے ہیں کہ اے سالک اگر تو عشق کے اسرار سے واقف ہونا چاہتا ہے جو غیر متناہی ہیں تو اپنے دل کو زنگ و کدورت سے صاف کرتا کہ اس میں خدا کا نور جلوہ گر ہو اور معارف الٰہی وارد ہوں جب تیرا دل کدورت سے صاف ہو جائے گا تو تو نور الٰہی کا ادراک کر سکے گا۔

شرح دیوان حافظ رحمۃ اللہ علیہ

از معاون ایڈیٹر

ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

ترجمہ :- ساقی شراب کے نور سے ہمارے جام کو روشن کر دے مطرب ہم کو یہ بشارت سنا کہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔

تشریح :- اس شعر میں تمام الفاظ کے معنے اصطلاحی ہیں ساقی سے مراد مرشد کامل ہے، شراب سے مراد محبت ہے جام سے مراد باطن ہے اور مطرب سے مراد بھی مرشد کامل ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے مرشد کامل ہمارے باطن کو یعنے دل و دماغ کو محبت کے نور سے منور فرما دے اور پھر ہم کو یہ بشارت دے کہ ہمارا مقصد حاصل ہو گیا یعنی ہم کو محبت کی سوزش سے نجات مل گئی اور ہم اصلی منزل کی راہ پر پہنچ لئے۔

مرشد کامل جب عشق کے معارف و اسرار کو بیان کرتا ہے اور ان سے سالک کو ذوق حاصل ہوتا ہے تو بے اختیار سالک وجد میں آ جاتا ہے اسی بات کا مطالبہ پہلے شعر میں کیا گیا ہے پھر جب مرشد دیکھتا ہے کہ سالک کا دل بیقرار ہے اور عشق کے معارف نے اس کے دل کو مضطرب کر رکھا ہے تو وہ اس کی تسکین و دلداری کرتا اور بشارت دیتا ہے دوسرے مصرعہ میں اسی بات کا مطالبہ تھا اس لئے وہاں مرشد کامل کو ساقی سے تعبیر کیا ہے جو نہایت اچھی تعبیر ہے اور دوسرے مصرعہ میں چونکہ بشارت کی خواہش تھی اس لئے وہاں مرشد کو مطرب کہا گیا اس لئے کہ مطرب سالک کے قلب میں ذوق و کیف پیدا کرتا ہے۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

ترجمہ :- ہم کو شراب کے پیالہ میں معشوق کے چہرہ کا عکس نظر آتا ہے اے وہ شخص جو اس دیدار کی لذت سے بے خبر و محروم ہے تو کیا جانے کہ ہم ہمیشہ شراب کیوں پیتے ہیں۔

تشریح :- سالک اس شعر میں ملامت گر کو خطاب کرتا اور کہتا ہے کہ تو جو ہماری دائمی شراب خواری پر اعتراض و ملامت کرتا ہے واقعہ یہ ہے کہ تو حقیقت حال سے واقف اور باخبر نہیں ہے ہم شراب کے پیالہ میں اپنے معشوق کے چہرہ کا عکس دیکھتے ہیں اور اس جلوہ سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔

... اس شعر میں پیالہ سے مراد یا تو دل ہے اور اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ ہم دل کے پیالہ میں انوار الٰہیہ کا عکس دیکھتے ہیں اور مطلوب ہر وقت ہمارے سامنے رہتا ہے اے عشق و محبت سے ناواقف شخص تو ان اسرار کو کیا جانے یا پیالہ سے مراد معشوق مجازی یا مرشد کامل ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے عشق و محبت کے اسرار سے ناواقف شخص ہم معشوق مجازی کے چہرہ میں انوار الٰہی کو جلوہ گر پاتے ہیں اور ہر وقت مطلوب ہمارے سامنے رہتا ہے تو ان اسرار اور لذتوں سے چونکہ واقف نہیں ہے اس لئے ہماری کیفیت پر اعتراض کرتا اور ہم کو برا بھلا کہتا ہے۔

چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں
کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

ترجمہ :- معشوقان مجازی کے ناز و کرشمہ کی اس وقت تک ضرورت ہے جب تک کہ معشوق حقیقی کا جلوہ دکھائی نہ دے اور عشق و محبت حقیقی پیدا نہ ہو۔

تشریح :- سہی قدان سے مراد مجازی معشوق ہے مطلب یہ ہے کہ جب تک دل میں محبت حقیقی پیدا نہ ہوا اور محبوب حقیقی کا جلوہ نظر نہ آئے اس وقت تک مجازی معشوق کی محبت ضروری ہے تاکہ مجازی محبت دل کی خرابیوں کو دور کر دے اور دل پاک و صاف ہو کر معشوق حقیقی کی محبت کے قابل ہو جائے یعنے جب تک کہ عشق مجازی کے ذریعہ دل کو عشق حقیقی کے قابل نہ بنایا جائے گا اس وقت تک دل میں محبت حقیقی پیدا نہیں ہوگی اور معشوق حقیقی دل میں اپنا گھر نہیں بنائے گا۔

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما

ترجمہ :- مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی پر ہمارا حرام پانی غالب نہ آ جائے۔

تشریح :- نان حلال شیخ سے مراد مجاز و ظاہر پرستی ہے یعنے اتباع شرع اور آب حرام سے مراد شراب عشق اور حصول عشق و محبت ہے چونکہ ظاہر پرستی اور اتباع شریعت میں خدا کی پرستش و عبادت کا اظہار ضروری ہے اور یہ اظہار ایک قسم کی کثافت ہے اس لئے اس کو روٹی یعنی جسم سے تعبیر کیا گیا اور عشق و محبت میں چونکہ ریاکاری اور ظاہر پرستی حرام ہے اس لئے عشق ایک نہایت لطیف چیز ہے اور اس کی لطافت کو پانی سے تعبیر کیا گیا ہے مطلب یہ ہوا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ کہیں قیامت کے دن مجاز حقیقت پر غالب نہ آ جائے اور ظاہر پرستی کا [illegible] ثابت نہ ہو یہ معنے اس صورت میں ہوں گے [illegible]

اندرت کرنا فسانا جائے یعنے نہ کے معنی نہیں کے ہوں اگر نہ کو [illegible] مانا جائے گا تو معنے یہ ہوں گے کہ مجھ کو اس [illegible] نہیں ہے کہ قیامت کے دن مجاز حقیقت پر غالب آجائے اس لئے [illegible] رندری میں تربیت پائی ہے اور خدا کے فضل و کرم سے حقیقت کی منزل پر پہونچ گیا ہے دوسرا خاتمہ سے نہیں ڈرتا یعنے وہ خدا کی پناہ میں چلا جاتا ہے۔

مستی بچشم شاہد دلبند ما خوش است
زاں رو سپردہ اند بمستاں زمام ما

ترجمہ:- ہمارے معشوق کی آنکھوں میں چونکہ مستی بھری ہوئی ہے یا معشوق کی آنکھوں کے لئے چونکہ مستی مناسب و زیبا ہے اس لئے ہمارے اختیار کی باگ ہم سے چھین کر مستوں یعنی معشوقوں کو دیدی گئی ہے۔

تشریح:- مستی سے مراد حق سبحانہ و تعالیٰ کی بینائی ہے یا وہ مرشد کامل مراد ہے جس میں اخلاق خداوندی اور صفات الٰہی جلوہ گر ہوں پہلی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ تمام صفات و اخلاق حمیدہ خدا بزرگ و برتر ہی کے لئے زیبا ہیں جن میں سے ایک صفت بینائی بھی ہے۔ اس لئے ہمارے اختیار کی باگ خدائے بزرگ و برتر کی بینائی کے حوالہ کردی گئی ہے اور ہم کو بے اختیار بنا دیا گیا ہے۔

دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ خدا کی صفات کاملہ اور اخلاق الٰہی سے متصف ہونا صرف مرشد کامل کے لئے زیبا ہے اس لئے اختیار کی باگ ہم سے لے لی گئی ہے اور مرشد کامل و ہادیان دین مبین کے حوالہ کر دی گئی ہے اور ہم کو ان کے تابع کر دیا گیا ہے۔

بحسرت ہمچو لالہ دلم در ہوائے سرو
اے مرغ بخت کے شوی آخر بدام ما

ترجمہ:- میرا دل ایک سرو قامت کی محبت میں مبتلا ہو کر لالہ کی مانند خون ہو گیا ہے اے میری قسمت کے مرغ تو کب ہمارے دام میں پھنسے گا۔

تشریح:- اس شعر میں حافظ رحمۃ سالک کی حالت بسط و قبض کو بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ سالک جب عشق کے راستہ پر قدم رکھتا اور مشاہدات و تجلیات کو دیکھتا ہے تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں منزل پر پہونچ گیا۔ اور اس خیال سے وہ بہت خوش ہوتا ہے اس حالت کو سلوک میں بسط کہتے ہیں لیکن جب مشاہدات و تجلیات کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں اور اس کو کچھ نظر نہیں آتا تو وہ شور کرتا اور یہ خیال قائم کر لیتا ہے کہ اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا اور کسی جگہ نہیں پہنچا اس سے وہ تنگدل اور شکستہ خاطر ہو جاتا ہے اور حالت بسط کی باتوں کو یاد کر کے پریشان ہوتا ہے اس حالت کو قبض کہتے ہیں شعر کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ میرا دل محبت میں مبتلا ہو کر لالہ کی مانند خون ہو گیا ہے اے میری قسمت کے مرغ دیکھئے مجھ

[illegible] تجلیات [illegible] کب ہمارے دام میں یعنی ہمارے پاس آئے گا۔ اور [illegible] تجلیات سے دل کو روشن کریں گے اور کب تک ہمارا سو [illegible] لوہے چین بنا کر ہماری طرف مائل کرے گا

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ:- جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا ہے وہ کبھی نہ مرے گا عالم پر اس کا دوام ثابت ہے۔

تشریح:- یہ شعر اس حدیث کا مصداق ہے اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ یعنے خدا کے ولی اور دوست مرتے نہیں صرف ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔

اے باد اگر بگلشن احباب بگذری
زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما

ترجمہ:- اے ہوا اگر تو دوستوں کے باغ کی طرف جائے تو ہمارا یہ پیام ہمارے دوستوں کو ضرور پہونچا دے۔

تشریح:- یعنے اے ہوا یا اے رابطۂ محبت اگر تو ہمارے دوستوں کی طرف سے گذرے یا ہمارے دوستوں کے دل میں تیرا گذر ہو، تو تو ہمارا یہ پیام ان کو پہونچا دے کہ خدا کے دوست مرتے نہیں ہیں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اس شعر کا تعلق اوپر کے شعر سے ہے اور دوستوں سے مراد مرشد کامل ہے۔

گر نام ما ز یاد بعمدا چہ مے بری
خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما

ترجمہ:- اگرچہ ہم کو دیدہ و دانستہ بھلا دیا گیا ہے مگر وہ وقت دور نہیں ہے کہ ہم بھی ان سے آملیں گے۔

تشریح:- یہ شعر بھی اوپر کے شعر سے تعلق رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اے ہوا یا رابطۂ محبت تو ہمارا یہ پیام ہمارے دوستوں (مرشد کامل) کو پہنچا دے کہ دائمی زندگی حاصل کر کے ہم کو کیوں دیدہ و دانستہ بھلا دیا گیا ہے وہ وقت دور نہیں ہے کہ مرنے کے بعد ہم بھی ان سے آملیں اور دنیا میں ہمارا نام و نشان نہ رہے مگر جب تک وہ وقت آئے ہم کو بھی اپنے مانند بنا لو اور فنا و بقا سے بے پروا کر دو۔

دریائے اخضر فلک و کشتئ ہلال
ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

ترجمہ:- آسمان کا سبز دریا اور ہلال کی کشتی ہمارے حاجی قوام کی نعمت میں غرق ہیں۔

تشریح:- حاجی قوام ایک وزیر یا دولتمند آدمی کا نام ہے کہا جاتا ہے کہ ایک روز اس نے خواجہ حافظ کی دعوت کی تھی جب حافظ نے شربت

مشکوٰۃ شریف اردو

گزشتہ سے پیوستہ

مترجمہ حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری

پہلی فصل

(۴۴) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول خداؐ سے پوچھا "یا رسول اللہ! کون سا گناہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے؟" آپ نے فرمایا "سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ جس خدا نے تجھ کو پیدا کیا ہے تو کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے" پھر اس شخص نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا "یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خیال سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا (یعنی تجھ کو اسے کھلانا پڑے گا) پھر اس نے پوچھا" اور اس کے بعد آپ نے فرمایا "یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے" (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور اللہ تعالےٰ نے (اس مسئلہ کے متعلق یہ) ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کے سوا کسی دوسرے کو معبود قرار نہیں دیتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا خدا نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر کسی حق کی بنا پر (مثلاً قصاص یا کسی شرعی حد کی بنا پر) اور زنا نہیں کرتے (آخری آیت تک) (بخاری و مسلم)

(۴۵) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ بڑے گناہ یہ ہیں (۱) کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا (۲) والدین کی نافرمانی (۳) کسی کو (بلا وجہ شرعی) مار ڈالنا (۴) اور جھوٹی قسم کھانا (بخاری) اور (انس رضہ کی روایت میں "جھوٹی قسم" کے بجائے "جھوٹی گواہی دینا" پایا جاتا ہے (بخاری و مسلم)

(۴۶) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہ! وہ کون سی باتیں ہیں؟" فرمایا (۱) کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا (۲) جادو کرنا (۳) اس جان کو جس کو مار ڈالنا خدا نے حرام قرار دیا ہے مار ڈالنا مگر حق شرعی کے طور پر مار ڈالنا جائز ہے (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) لڑائی کے روز پشت دکھانا (یعنی میدان جنگ یا جہاد سے بھاگ جانا) (۷) پاکدامن مومن اور بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا (بخاری و مسلم)

(۴۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے زانی زنا کے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور چوری کرنے والا چوری کے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مومن کامل نہیں رہتا اور (دوسروں کا) مال لوٹنے والا جب کہ اس کو لوٹتے ہوئے لوگ دیکھ رہے ہوں پورا مومن نہیں رہتا اور تم میں سے جو شخص خیانت کرتا ہے وہ خیانت کے وقت مومن کامل نہیں رہتا پس تم لوگ ان تمام باتوں سے بچو (بخاری و مسلم) اور ابن عباس رضہ کی روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں اور قاتل جس وقت کہ کسی کو قتل کرتا ہے مومن نہیں رہتا۔ عکرمہؒ راوی کا بیان ہے کہ یہ روایت سن کر میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ایمان کس طرح ان لوگوں کے دلوں سے نکال لیا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اور پھر کھینچ لیں اور فرمایا کہ اس طرح ایمان کھینچ لیا جاتا ہے" اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا اور جب کوئی ان تمام گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اسی طرح ایمان دلوں میں واپس چلا جاتا ہے اور ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری) کہتے ہیں کہ قاتل اور اسی طرح دوسرے گناہوں کا مرتکب پورا مومن ہوتا اور نور ایمان اس پر نہیں رہتا یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۴۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہؐ نے منافق کی تین نشانیاں ہیں" اور مسلم کی روایت میں ان الفاظ کے بعد یہ لفظ ہیں کہ اگرچہ وہ شخص روزہ رکھتا ہو نماز پڑھتا ہو اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور اس میں ان علامتوں میں سے کوئی علامت پائی جائے تب بھی وہ منافق ہی ہے" اس کے بعد بخاری اور مسلم دونوں کے متفقہ لفظ یہ ہیں "بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف وعدہ کرے کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(۴۹) عبداللہ بن عمر رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہؐ نے جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک کہ وہ ان باتوں کو یا ان میں سے جو بات اس میں پائی جائے اس کو ترک نہ کر دے اور وہ چار باتیں یہ ہیں (۱) امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) عہد کرے تو اس کو توڑ دے اور کسی سے لڑے تو گالیاں بکے (بخاری و مسلم)

(۵۰) ابن عمر رضہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلعم نے منافق کی مثال اس بکری کی مانند ہے جو نر کی خواہشمند ہو اور اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے کبھی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہو اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف (مسلم)

دوسری فصل

(۵۱) صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے یہودی دوست سے کہا آؤ اس نبی کے پاس چلیں اس دوست نے کہا اس کو نبی نہ کہو وہ اگر تمہارے ان الفاظ کو سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی وہ بہت خوش ہوگا پس وہ دونوں یہودی آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے نو کھلی ہوئی نشانیاں پوچھیں یعنی احکام قرآن مجید آپ نے فرمایا (۱) کسی کو خدا کا شریک قرار نہ دو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا نہ کرو (۴) ناحق کسی کو قتل نہ کرو (۵) کسی بے گناہ کو کسی الزام میں ماخوذ کر کے حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اس کو قتل کی سزا دیدے (۶) جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ اور نہ کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ (۷) اور کفار سے جہاد کے دن نہ بھاگو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص حکم ہے کہ تم ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو یعنی ہفتہ کے روز شکار وغیرہ نہ کھیلو، راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم کے مذکورہ بالا الفاظ کو سن کر دونوں یہودیوں نے آپکے ہاتھوں اور پاؤں کو چوم لیا اور عرض کیا "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی (برحق) ہیں آپ نے فرمایا جب تم مجھ کو نبی مانتے ہو تو تم میری اطاعت کیوں نہیں قبول کر لیتے" انہوں نے عرض کیا ہمارے نبی داؤد علیہ السلام نے اپنے خدا سے یہ دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے ہو اس لئے ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر ہم آپ کی اطاعت قبول کر لیں گے تو یہود ہم کو مار ڈالیں گے (ترمذی۔ ابوداؤد نسائیؒ)

(۵۲) انس رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے تین چیزیں ایمان کی جڑ ہیں (۱) جس شخص نے اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہا ہے نہ تو کسی گناہ کے سبب تو اس کو کافر قرار دے اور نہ اسلام سے خارج ٹھیرا (۲) جہاد جبکہ خداوند عالم نے مجھ کو مامور کر کے بھیجا ہے ہمیشہ جاری رہنے والا ہے یہاں تک کہ اس امت کا آخری (شخص یا گروہ) دجال کو قتل کر دے نہ تو کوئی ظلم کرنے والا ظالم اس کو ترک کرے اور نہ انصاف کرنے والا منصف (۳) اور تقدیروں کا کامل ایمان رکھنا (ابوداؤد)

(۵۳) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان (اس کے جسم سے نکل کر سر پر سایہ کی طرح قائم رہتا ہے اور جب وہ (اس فعل ابد سے) فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان واپس چلا آتا ہے (ترمذی۔ ابوداؤد)

تیسری فصل

(۵۴) ... رضہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے مجھ کو دس باتوں کی وصیت کی ہے پہلی آپنے فرمایا ہے کہ (۱) کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھیرا اگرچہ تجھ کو مار ڈالا جائے اور جلا دیا جائے (۲) ماں باپ کی نافرمانی نہ کر اگرچہ تجھ کو وہ یہ حکم دیں کہ تو اپنے (بیوی) کو اور مال و دولت کو چھوڑ دے (۳) قصداً فرض کو ترک نہ کر کیونکہ جس شخص نے فرض نماز کو جان کر ترک کیا خدا اس سے بری الذمہ ہے (۴) شراب نہ پی کہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے (۵) گناہوں سے اپنے آپ کو بچا کیونکہ گناہ کے ساتھ ہی خدا کا غضب نازل ہوتا ہے (۶) جہاد میں اپنے آپ کو بھاگنے سے بچا اگرچہ لوگ لڑائی میں مر رہے ہوں (۷) اور جب لوگوں میں بیماری پھیلے (یعنی وبائی مرض ہو) اور تو ان لوگوں میں موجود ہو تو موت کے خوف سے نہ بھاگ اور وہیں ٹھیر (۸) اور اپنے کنبہ پر مقدور کے موافق خرچ کر (۹) اپنے اہل و عیال کو ادب سکھا اگرچہ اس کے لئے مارنے کی بھی ضرورت پڑے (۱۰) اور خوف دلا ان کو خدا سے یعنی اچھی باتوں کی تعلیم کر اور بری باتوں سے ان کو بچا (احمد)

(۵۵) حذیفہ رضہ سے روایت ہے کہ نفاق رسول خدا صلعم کے زمانہ تک تھا اور اب یا تو کفر ہے اور یا ایمان (بخاری)

وسوسہ کا بیان

پہلی فصل

(۵۶) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ میری اُمت کے دل میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ (انسان ان وسوسوں کے موافق) عمل نہ کرے یا زبان سے کچھ نہ کہے (بخاری و مسلم)

(۵۷) ابوہریرہ رضہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے اصحاب میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلعم ہمارے دلوں میں بعض وقت ایسی باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ ہم میں سے کوئی ان کو زبان پر لانے کا روادار نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی تم زبان سے ان کو ادا کرنے کو برا جانتے ہو، عرض کیا ہاں (یا رسول اللہ) آپنے فرمایا یہی ایمان ہے (یعنی یہ ایمان کی علامت ہے)

(۵۸) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ تم میں سے (کسی) کسی کے پاس شیطان آکر یہ کہتا ہے کہ (مثلاً یہ آسمان) کس نے پیدا کیا ہے اور (زمین) کس نے پیدا کی ہے یہاں تک کہ وہ یہ کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا پس جب (تیرے دل میں) اس قسم کے وسوسے پیدا ہوں تو تو خدا سے پناہ مانگ اور اس خیال کو دل سے دور کر دے (بخاری و مسلم)

باقی آئندہ

اسلامی تاریخ

گذشتہ سے پیوستہ

از مورخ اسلام جناب مولانا عقیل احمد صاحب پروفیسر حالیہ کالج

تیری شکست کے بعد لشکر خلافت رکن الدین داودار کی قیادت میں بغداد سے دو کوس کے فاصلہ پر تاتاریوں کے مقابلہ پر آڈٹا سخت جنگ کے بعد لشکر خلافت کو شکست ہوئی، لشکر کے دو حصے ہوگئے ایک شام کی طرف بھاگ گیا اور دوسرا بغداد میں داخل ہوا۔

ہلاکو اور علقمی شکست کے بعد علقمی ہلاکو کے پاس امان طلب کرنے کے لئے آیا، امان ملنے کے بعد خلیفہ کے پاس پہونچا اور یہ دہوکہ دیا کہ ہلاکو نے جس طرح شاہ روم کو تاج و تخت سے محروم نہیں کیا۔ اسی طرح آپ کو بھی محروم نہ کریگا مگر شرط یہ ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح آپکے بیٹے ابوبکر سے کرنا چاہتا ہے خلیفہ علقمی کی اس چال میں آیا۔

قتل خلیفہ مستعصم اعیان و شرفاء حکومت کے ساتھ ہلاکو کے لشکر کی طرف چلا ہلاکو نے ان سب کو ایک خیمہ میں ٹھہرایا پھر علقمی کی تحریک پر تمام سادات بغداد کو بھی اسی خیمہ میں جمع کر دیا گیا جب سب جمع ہوگئے تو تاتاریوں نے خلیفہ سمیت ایک ایک کرکے سب کو قتل کر دیا، علقمی اس منظر کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ ہلاکو نے اپنے آقا کے ساتھ نمک حرامی کرنے کے جرم کی پاداش میں علقمی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

ان کے بعد بغداد کی باری آئی تاتاری بغداد میں گھس گئے چالیس دن قتل و غارت کا بازار گرم رہا، قصر خلافت سے لے کر معمولی گھر تک ان کی آفت و تاراج سے نہ بچا تعلیم گاہیں تک مسمار کر دی گئیں کتب خانہ کے کتبخانہ دجلہ میں پھینک دئے جس سے دریائے دجلہ کے پانی کا رنگ بدل گیا۔

دولت عباسیہ کا خاتمہ مستعصم ۱۶ سال خلیفہ رہا اور ۵۰ سال کی عمر پائی اس کے قتل کے بعد بغداد سے دولت عباسیہ کا نام و نشان تک مٹ گیا ۵۲۴ سال یعنی ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک دولت عباسیہ کا پایہ تخت بغداد رہا اس مدت میں ۳۷ خلیفہ ہوئے اور اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد تمام عالم اسلامی میں دس کروڑ کے لگ بھگ تھی۔

تجدید خلافت عباسیہ

مصر میں ساڑھے تین سال تک عباسی خلافت کا سلسلہ منقطع رہا اس کے بعد مصر میں اس کی تجدید ہوئی اور ۲۵۵ سال تک خلفاء نے یکے بعد دیگرے خلافت عباسیہ کے نام کو باقی رکھا نام اور خطبہ کے سوا انہیں اور کوئی عظمت حاصل نہیں تھی ذیل میں ان خلفاء کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

مستنصر اس کا نام ابو القاسم احمد بن ظاہر تھا فتنہ تاتار کے وقت بغداد میں موجود نہ تھا اس لئے قتل ہونے سے بچ گیا، یہ مصر چلا گیا وہاں شاہان ممالیک میں سے سلطان ملک الظاہر بیبرس بندقداری کی حکومت تھی، مستنصر نے خاندان عباسیہ سے اپنے تعلق کو ثابت کیا اس لئے بیبرس اور علماء نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی، خطبہ میں اس کا نام لیا جانے لگا بیعت لینے کے بعد اس نے ایک لشکر تیار کیا اور تاتاریوں سے مقابلہ کے لئے عراق پر حملہ کیا مگر شکست کھائی یہ ۶۶۰ھ کا زمانہ تھا شکست کے بعد کچھ ایسا غائب ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا۔

حاکم بامر اللہ اس کا نام ابو العباس احمد بن علی ہے فتنہ تاتار کے وقت یہ بھی بچ گیا تھا خفیہ طور پر حلب پہونچا جہاں بہت سے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی مستنصر کے غائب ہونے کے بعد اس نے بیبرس سے خط و کتابت کی اور بیبرس ہی کی دعوت پر قاہرہ چلا گیا جہاں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی، ۴۰ سال تک خلیفہ رہا ۷۰۱ھ میں وفات پائی مصر میں دفن کیا گیا یہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جس کی تجہیز و تکفین مصر میں کی گئی۔

آغاز دولت عثمانیہ حاکم کے زمانہ میں یعنی ۶۹۹ھ میں یہ دولت عثمانیہ کا آغاز ہوا مگر اب ان کا کوئی ملک نہیں رہا ۱۳۴۲ھ میں باقاعدہ طور پر جمہوری حکومت قائم کر کے ترکوں نے خاندان عثمانی کو جلا وطن کر دیا۔ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کہ صدق۔

اسی ۶۹۹ھ میں تاتاریوں نے دمشق پر حملہ کیا ملک الناصر نے مقابلہ کیا بہت سے تاتاری قتل ہوئے لیکن آخر کار سلطان کو شکست ہوئی اور تاتاریوں نے دمشق میں خوب لوٹ مار کی۔

مستکفی بامر اللہ اس کا نام ابو الربیع سلیمان بن حاکم بامر اللہ ہے ۷۰۱ھ میں خلیفہ بنایا گیا جبکہ اس کی عمر صرف ۲۰ سال کی تھی مقام قوص میں ۵۶ سال کی عمر پاکر ۷۴۰ھ میں وفات پائی اس حساب سے ۳۹ سال خلیفہ رہا۔

واثق اور حاکم بامر اللہ ثانی مستکفی نے اپنا ولی عہد اپنے بیٹے احمد کو بنایا مگر سلطان محمد قلاوون نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور ابراہیم واثق باللہ بن مستمسک باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی

لیکن وہ اتنی بہت عیاش ثابت ہوا، اس لئے ایک سال اور چند ماہ کے بعد معزول کرکے احمد بن مکتفی ہی کے ہاتھ پر بیعت کرلی اس نے فرائض خلافت کو بڑی خوبی سے انجام دیا۔ ۲۰ سال خلیفہ رہا ۷۶۳ ہجری میں وفات پائی۔

معتضد باللہ اور متوکل علی اللہ

احمد کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی معتضد باللہ ابوبکر خلیفہ بنایا گیا اور دس سال خلیفہ رہنے کے بعد اس نے وفات پائی یعنی ۷۶۳ھ میں تو اس کے بیٹے متوکل علی اللہ ابو عبداللہ محمد کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اس نے ۸۰۸ھ میں وفات پائی ۴۵ سال خلیفہ رہا ایک سو کے قریب اولادیں چھوڑیں۔

سبز نشان

متوکل کے عہد ۷۷۳ھ میں ملک اشرف منصور بن محمد قلاؤن نے شرفا کے نام حکم جاری کیا کہ وہ سب اپنے عماموں پر سبز نشان لگایا کریں تاکہ ان میں اور عوام میں امتیاز پیدا ہو جائے۔

متوکل ہی کے زمانہ میں ماوراء النہر کے ایک گاؤں کش نامی سے فتح و کامرانی کا جھنڈا لئے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ماوراء النہر میں قابض ہوگیا، پھر تاتاریوں سے رشتہ جوڑا جس سے اس کی شہرت اور بڑھ گئی اور اب تو اس نے خراسان، سجستان، ہندوستان، بغداد اور بلاد روم میں سے کسی کو اپنے حملے سے محفوظ نہ رکھا اور ان آبادیوں پر دل کھول کر ظلم ڈھائے اب قومی اضمحلال پیدا ہو چلا تھا، تاآنکہ ۸۰۷ھ میں ترا رکے اطراف میں انتقال کر گیا۔ ۷۰ سال کی عمر پائی اور ۳۶ سال حکومت کی۔

مستعین اور معتضد

باپ کی وصیت کے مطابق مستعین باللہ ابو الفضل عباس بن متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ۱۶ سال کے بعد ۸۱۶ھ میں اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی معتضد باللہ ابو الفتح داؤد بن متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے ۲۹ سال کی خلافت کے بعد ۸۴۵ھ میں وفات پائی۔

مستکفی اور قائم

معتضد کے بعد اسی کی وصیت کے مطابق مستکفی باللہ ابو الربیع سلیمان بن متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے دس سال تک امور خلافت کو انجام دیکر اور ۶۳ سال کی عمر پاکر ۸۵۵ھ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بھائی قائم بامر اللہ ابو البقا حمزہ المتوکل خلیفہ ہوا اس کے زمانہ میں رسم خلافت پھر زندہ ہوتا ہوا نظر آنے لگا تھا کہ اس کے اور ملک اشرف کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اس لئے قائم اسکندریہ چلا گیا اور وہیں ۸۶۳ھ میں وفات پائی ۶۰ سال کی عمر پائی اور ۳۴ سال خلیفہ رہا۔

مستنجد اور متوکل

اس کے بعد مستنجد باللہ ابو المحاسن یوسف متوکل تخت خلافت پر متمکن ہوا مگر ۸۸۴ھ میں فالج کی وجہ سے وفات پائی تقریباً دو سال بیمار رہا۔ ۹۰ سال کی عمر پائی اور ۲۹ سال خلیفہ رہا اس کے بعد متوکل علی اللہ ابو العز عبد العزیز بن یعقوب کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے ۱۹ سال کی خلافت کے بعد ۹۰۳ھ میں وفات پائی۔

مستمسک و متوکل

اس کے بعد مستمسک باللہ ابو الصبر یعقوب بن عبد العزیز کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے ۹۲۷ھ میں وفات پائی ۲۴ سال خلیفہ رہا اس کے بعد متوکل علی اللہ محمد بن یعقوب المستمسک کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

ترکی عہد حکومت

متوکل عباسیوں کا آخری خلیفہ ہے اسی کے ہاتھ سے بنی عباس کا دیرینہ حق خلافت نکل کر ترک عثمان کے قبضہ میں چلا گیا سلطان سلیم خاں بن سلطان بایزید خاں نے ۹۲۲ھ میں جب شام اور مصر کے ملکوں پر قبضہ کیا تو آثار شریف یعنے علم نبوی، شمشیر رسالت اور چادر شریف بھی متوکل سے لے کر اپنے قبضہ کر لئے، حرمین شریفین کی چابیاں بھی لے لیں اس کے بعد متوکل کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا۔ متوکل نے عالم پیری میں مصر واپس ہونے کی اجازت طلب کی سلطان نے اجازت دیدی اور متوکل کا روزینہ مقرر کردیا، متوکل مصر ہی میں مقیم رہا تاآنکہ ۹۴۵ھ میں وفات پائی اس کی وفات نے درحقیقت اس دولت کا خاتمہ کیا جس نے رشید و مامون جیسے یادگار زمانہ افراد صفحات تاریخ پر چھوڑے ہیں۔

تذکرۂ صحابۂ کرام

گذشتہ سے پیوستہ

(از جناب علامہ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی)

(۱۱۳) حضرت حارثہ بن وہب خزاعی آپ والدہ کی طرف سے عبداللہ بن عمر خطاب رض کے بھائی ہیں حضرت اشعث بن قیس بن سعد یکرب کنیت ابومحمد یہ جدو نسان آنحضرت مرتد ہوگئے مگر عہد صدیقی میں پھر مسلمان ہوگئے تھے آخر میں کوفہ چلے گئے [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۱۴) حضرت ابی سفیان ان کا نام صخر ابن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف فتح مکہ سے کچھ پہلے مسلمان ہوئے رسول اللہ نے طائف کی زکوٰۃ کا گماشتہ مقرر کیا تھا [illegible] میں نابینا ہوکر مرے

(۱۱۵) حضرت عبدالرحمٰن بن امیر المومنین ابوبکر صدیق رض ان کی والدہ ام رومان تھیں حضرت عائشہ صدیقہ رض کے حقیقی بھائی تھے حدیبیہ میں اسلام لائے خالد بن ولید کے ساتھ جنگ میں شریک تھے جنگ جمل میں ان کے ہمراہ تھے بیعت یزید کے لئے امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور بیعت نہیں کی [illegible] میں انتقال ہوا۔

(۱۱۶) حضرت ابوامامۃ الباہلی صدی بن عجلان اولاً سکونت مصر میں تھی بعد ازاں شہر حمص میں آکر رہے بعمر ۹۱ سال [illegible] میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۱۷) حضرت ابوامامہ سعد بن سہل بن حنیف انصاری حضور کے وصال کے دو سال قبل پیدا ہوئے یہ مدینہ کے تابعین میں بہت بڑے بزرگ اور عالم اجل تھے، ان کے والد اور ابوسعید خدری سے حدیث کی سند حاصل کی بعمر ۹۲ سال [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۱۸) حضرت عبداللہ بن مالک قشب بحینہ ازدی مالک مطلب بن عبدمناف کے حلیف تھے عبداللہ فضائل صحابیت تھے زہد و عبادت ممتاز تھے بن مریم بن مرجان بن حکم کے آخر زمانہ میں انتقال کیا۔

(۱۱۹) حضرت عدی بن حاتم ابوطریف کنیت ہے یہ قبیلہ طے کے تھے اپنے مسلمان ہونے کے بعد بھی سرکار عالم نے طے کی امارت پر ممتاز فرمایا جنگ [illegible] میں داد شجاعت دی جنگ جمل و صفین میں حضرت علی رض کے ہمراہ تھے [illegible] کوفہ میں انتقال فرمایا۔

(۱۲۰) حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی [illegible] میں اسلام لائے۔ غزوہ [illegible] کا شرف حاصل تھا عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شرکت کی بصرہ [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۲۱) حضرت شوبہ بن محرز کنیت ابوعبدالرحمٰن [illegible] میں بطن جانک سے پیدا ہوئے صغر سنی میں حجۃ الوداع میں شریک رہے یزید اور عبداللہ بن زبیر کے اختلافات میں حضرت ابن زبیر رض کے ساتھ سے [illegible] حرم میں محصور ہے اور حجاج بن یوسف کے حکم سے گولہ باری ہو رہی تھی اس میں یہ بھی کام آئے۔

(۱۲۲) حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام کنیت ابوخبیب ان کی والدہ صاحبہ کی کنیت ابوبکر صدیق تھیں ہجرت کے بعد مہاجر مسلمانوں میں سب سے پہلے پیدا ہوئے ان کے بھائی عروہ تھے ابن زبیر رض نے اپنے وقت کو تین راتوں پر بانٹ دیا تھا ایک رات قیام کی تھی یعنی وہ صبح تک کھڑے رہتے ایک رات رکوع ایک رات سجدہ میں گذارتے یزید کے مرنے پر اہل حجاز اور یمن اور عراق اور خراسان کے لوگ ان کے مطیع تھے۔ ابن زبیر رض کی خلافت عبدالملک بن مروان کی تخت نشینی تک رہی [illegible] میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں سنگباری سے شہید ہوئے۔

(۱۲۳) حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ انصاری یہ بیعت عقبہ اور بدر اور تمام مشاہد میں آنحضرت ص کے ساتھ تھے۔

(۱۲۴) حضرت عمیر بن اللحم کنیت ابوقرما ضرب غزوۂ تبوک سے چند روز پہلے اسلام لائے اور اس میں شریک ہوئے بصرہ چلے گئے تھے، شام کے جہادوں میں شرکت کی آخر میں بیت المقدس میں مقیم ہوگئے اصحاب صفہ سے تھے ۱۵۶ احادیث ان سے مروی ہیں بعمر ۱۰۵ سال [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۲۵) حضرت ابوعامر اشعری عبید نام تھا یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا ہیں آغاز دعوت اسلام میں مسلمان ہوئے فتح مکہ و غزوہ حنین میں شریک رہے آنحضرت ص کے سامنے شہید ہوئے۔

(۱۲۶) حضرت ابوشریح نام خویلد بن عمرو بن صخر خزاعی فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور اس میں شریک رہے بنی کعب کا نشان ان کے ہاتھ میں تھا [illegible] میں مدینہ میں انتقال ہوا۔

(۱۲۷) حضرت ابوثعلبہ خشنی نام جرثوم تھا خاندان قضاعہ

تھے آغاز اسلام میں ایمان لائے صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے بیعت رضوان میں شریک تھے آنحضرت صلعم نے ان ہی کو ان کے قبیلہ میں مبلغ بناکر بھیجا تھا شام فتح ہونے کے بعد وہیں قیام پذیر ہوگئے امیر معاویہ کے دور حکومت میں سر سجدہ واصل بحق ہوئے۔

(۱۲۸) حضرت ابو بُردہ ہانی بن نیاز بیعت عقبۂ ثانیہ میں ۷۰ نفوس کے ساتھ شریک تھے۔ غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں جانفشانیاں کیں لیکن براء ابن عازب ان کے برادرزادہ ہیں حضرت علیؓ کے ہمراہ خانہ جنگیوں میں شریک رہے زمانہ حکومت امیر معاویہؓ میں انتقال ہوا

(۱۲۹) حضرت ابو بشر قیس بن عبد اللہ انصاری بازلی یہ بھی تجربہ بخاری کے رواۃ سے ہیں۔

(۱۳۰) حضرت ابو حمید عبد الرحمن بن سعد انصاری خزرجی ساعدی (۱۳۱) حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ فضلائے صحابہ سے ہیں بدر اور احد میں شریک رہے جنگ یمامہ میں بعمر ۵۳ سال شہید ہو

(۱۳۲) حضرت ابو سیف النقیس براء ابن اوس انصاری رض حضرت ابراہیم ابن رسول کریم صلعم کے رضاعی بھائی تھے حضرت ابو سعید بن مالک انصاری خزرجی بڑے فاضل تھے اکثر صحابہ اور تابعین نے آپ سے روایت کی ہے [illegible] میں بعمر ۸۰ سال انتقال کیا۔

(۱۳۳) حضرت ابو مالک کعب بن عاصم اسعدی حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔

(۱۳۴) حضرت ابو واقد حارث بن عوف لیثی قدیم الاسلام لوگوں میں سے ہیں [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۳۵) حضرت ابو عبس عبد الرحمن بن جبیر انصاری بازلی غزوۂ بدر میں شریک تھے بعمر ۷۰ سال [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۳۶) حضرت العلاء الحضرمی عبد اللہ نام تھا آنحضرت صلعم نے عامل بحرین کیا تھا [illegible] میں وفات پائی۔

(۱۳۷) حضرت جابر بن عبد اللہ رض کنیت ابو عبد اللہ انصاری غزوۂ بدر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۸ غزوات و سریات میں شریک تھے آخر میں شام اور وہاں سے مصر چلے گئے وہیں [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۳۸) حضرت حذیفہ بن یمان کنیت ابو عبد اللہ آپ سرکار دو عالم کے راز دار تھے۔ آپ نے حضرت عثمان رض کی شہادت کے چالیس یوم بعد شہر مدائن میں ۳۵ھ میں انتقال کیا۔

(۱۳۹) حضرت حسانؓ بن ثابت بن منذر مداح نبی اور شاعر قریش کے مقابل بڑے بڑے معرکے جیتے پوری عمر پاکر [illegible] میں انتقال حضرت زرارہ بن اوفی نے [illegible] میں وفات پائی

(۱۴۰) حضرت سائبؓ بن یزید حجۃ الوداع میں شریک تھے [illegible] میں انتقال کیا (۱۴۱) حضرت سعیدؓ بن زید کنیت ابو [illegible] عدوی قرشی عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی ہیں [illegible] میں انتقال ہوا۔

(۱۴۲) حضرت عبد اللہ بن زید عاصم انصاری غزوۂ احد میں شریک تھے جنگ [illegible] میں [illegible] ہجری میں شہید ہوئے۔

(۱۴۳) جناب جندبؓ بن عبد اللہ بن سفیان البجلی علقی کنیت ابو عبد اللہ [illegible] کوفہ میں قیام تھا مگر بصرہ میں بھی رہے تھے مصعب بن زبیر [illegible] اہل بصرہ میں سے امام حسن بصری و محمد بن سیرین [illegible] روایت کی ہے۔

(۱۴۴) حضرت معیقیبؓ بن ابی فاطمہ دوسی غزوۂ بدر میں شریک تھے [illegible] میں انتقال کیا۔

(۱۴۵) حضرت مقدامؓ بن معدی کرب [illegible] ہجری میں [illegible] انتقال کیا۔

ادب نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

(ایک نایاب عربی کتاب کا ترجمہ از جناب حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری)

(۳) مسلم اور مہاجر کا بیان

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ (بخاری، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ و مامون رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو ترک کر دے جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔

معانی کی تشریح:۔ حدیث سابق کی تشریح میں ہم اسلام کے معنے بیان کر چکے ہیں اور اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں ہجرۃ کے مفہوم کو واضح کیا جا چکا ہے اس حدیث میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ بیان فرماتے ہیں کہ کون شخص اسلام کے لقب کا مستحق ہے اور کون لقب مہاجر کا!" چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "مسلمان وہ ہے جس کے شر سے مسلمان بھی محفوظ رہیں اور وہ غیر مسلم بھی جو مسلمانوں کی حفاظت و نگرانی میں ہیں یا جن سے مسلمانوں کا عہد استوار ہو چکا ہے (اگرچہ مسلمانوں کی عزت و حرمت غیر مسلموں کی عزت و حرمت سے بلند و برتر ہے) اور یہ کہ غیر مسلموں کو اذیت و تکلیف پہنچانے میں پیش قدمی (پہل) نہ کی جائے۔"

اب رہے وہ لوگ جو ہمارے مذہب یا ہماری آبادیوں پر حملہ آور ہوں ان کی مدافعت اور ان سے جنگ کرنا ہمارا فرض ہے اور ہم کو چاہیے کہ ہم اپنی پوری طاقت اور اپنی ہر ممکن کوشش و تدبیر سے ان کی مدافعت کریں اور ان سے لڑیں۔

حضورؐ نے اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ کے شر سے محفوظ رہنے کا ذکر فرمایا ہے اور باقی اعضاء کے شر کا ذکر نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اذیت و تکلیف عموماً ان ہی دو اعضاء سے زیادہ پہونچتی ہے۔ اگرچہ دوسرے اعضاء بھی تکلیف دہ اور اذیت رساں ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب ان دو اعضاء سے جو اذیت رسانی کے خاص آلے ہیں لوگوں کو اذیت و تکلیف پہونچانے کی ممانعت کی گئی ہے تو دوسرے اعضاء سے جو ان کے مقابلہ میں کم اذیت رساں ہیں بدرجۂ اولیٰ اذیت رسانی کی ممانعت ہے مختصر یہ کہ مسلمان وہ ہے جس کے تمام اعضاء کے شر سے لوگ محفوظ رہیں۔

اس حدیث کی بناء پر سچا مسلمان اور کامل الایمان مسلم وہ ہے جو سب و شتم سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کرے کسی پر عتاب نہ کرے کسی پر غضبناک نہ ہو کسی کی چغلی و شکایت نہ کرے، غیر شرعی عمل کی کسی کو ترغیب نہ دے غیر شرعی فعل کا کسی کو حکم نہ دے، امر شرعی سے کسی کو نہ روکے لوگوں پر بہتان نہ باندھے، کسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دے بے اصل اور جھوٹی بات کو کسی کی طرف منسوب کرے کسی کے ساتھ فریب نہ کرے کسی کو دھوکہ نہ دے جس بات کا علم نہ ہو اس کے متعلق اپنی زبان سے ایک حرف نہ کہے اور کسی کا مذاق اڑانے کے لئے زبان کو جنبش نہ دے بلکہ ہر معاملہ میں اور ہر موقع پر اخلاق سے کام لے نہایت شیریں گفتگو کرے اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

اسی طرح مسلمان وہ ہے جو لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے اذیت نہ پہنچائے یعنی لوگوں کے کھیتوں کو نہ اجاڑے ان کے جانوروں کو زہر نہ دے۔ ان کے مکانوں کو منہدم نہ کرے ان کی حدود کو تبدیل نہ کرے مار پیٹ نہ کرے۔ قتل و غارت گری نہ کرے مال نہ لوٹے۔ اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کاغذ یا دستاویز نہ لکھے جس سے لوگوں کی عزت و حرمت اور حقوق کو نقصان اور ان کے دشمنوں کو فائدہ پہنچتا ہو یا اس کے ذریعہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں بلکہ اس کا ہاتھ ایک شریف اور پاکیزہ ہاتھ ہو جو عمل خیر کے لئے حرکت میں آئے، اور حق بات کے لئے جنبش کرے۔

اپنے بچوں کو تربیت و تادیب کے سلسلہ میں مارنا پیٹنا مجرموں کو شرعی حدود کے موافق قطع دست یا جلد کی سزا دینا، فساد و فتنہ کی کوشش کرنے والوں کو قتل کرنا، لوگوں کے مال، جان اور عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے بدمعاشوں کو دھمکانا یہ تمام اس حدیث کے موافق عمل خیر میں شامل ہیں۔

اسی طرح مسلمان وہ ہے جو لوگوں کو اپنی بصارت، سماعت، آواز، اور پاؤں وغیرہ اعضاء جسم سے تکلیف و اذیت نہ پہونچائے یعنی کسی کی بہو بیٹیوں کو بری نظر سے نہ دیکھے۔ بدنیتی سے کسی کے خط، کاغذ یا دستاویز وغیرہ کو نہ دیکھے اپنی آواز سنا کر اور اپنی موجودگی کا اظہار کر کے کسی مشورہ تجاویز میں خلل نہ ڈالے کسی کو نقصان پہونچانے کی نیت سے کسی شخص کے پاس نہ جائے کسی ایسی جگہ نہ جائے جہاں اس کے جانے سے کسی کی عزت و حرمت کو اور حقوق کو نقصان پہونچنے کا احتمال ہو۔ بلکہ اس کے تمام اعضاء لوگوں کے لئے باعث خیر و فلاح ہوں اور لوگ ان کے شر سے محفوظ و مامون رہیں۔

اور اس حدیث کی بنا پر مہاجر صرف وہی نہیں ہے جو دارالحرب کو چھوڑ کر دارالامن میں چلا گیا ہو بلکہ حقیقی مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام کاموں کو ترک کر دیا ہو جن سے خداوند بزرگ و برتر نے منع فرمایا ہے یعنے نہ تو وہ کسی کو قتل کرے، نہ چوری کرے، نہ زنا کرے نہ فسق و فجور میں مبتلا ہو نہ جھوٹی گواہی دے، نہ شراب پئے، نہ بخل کرے، نہ اسراف کرے، نہ شرعی امور میں مداہنت و سستی کرے اور نہ منافقانہ برتاؤ کا روادار ہو بلکہ ان تمام امور کو ترک کر دے جو شرعاً حرام و ممنوع ہیں اور اپنے اور تمام معاصی کے درمیان ایک پردہ ڈال دے یا ایک مضبوط دیوار بنا دے تاکہ معاصی نظر سے دور رہیں اور وہ معاصی سے دور رہے اس کا ہر کام بھلائی پر مبنی ہو اور وہ صرف ان کاموں کی طرف متوجہ رہے جو اسلام نے اس پر واجب کر دئے ہیں۔

اس حدیث کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ انسان کی ظاہری حالت کو نہیں دیکھتا بلکہ انسان کے اعمال کو دیکھتا ہے جو اس کے اعتراف کی صداقت پر دلالت کرتے ہوں یعنی جس کے اعمال سے اسلام کی تائید ہوتی ہو،

پھر اس حدیث سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مسلمان کا اپنے جسم کے اعضاء سے دوسرے لوگوں کو اذیت و تکلیف پہونچانا ممنوع و حرام ہے اسی طرح بحیثیت ایک مسلمان کے اپنے آپ کو بھی کسی قسم کی اذیت و تکلیف اپنے اعضاء سے پہنچانا ممنوع و حرام ہے یعنے ایسی تکلیف و اذیت جو قانون شرع کے خلاف ہے مثلاً معاملات پر غور کئے بغیر کوئی ایسی بات زبان سے کہدینا جو اس کے لئے مصیبت کا پیش خیمہ ہو اتنا قرض لینا جس کی ادائیگی اس کے امکان میں نہو، کوئی ایسا فعل کرنا جس سے دوسروں کو تو نقصان نہ پہنچتا ہو مگر وہ خود اس سے مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ اپنی صحت کی طرف سے بے پروا ہو کر ایسے اعمال میں انہماک جو اس کی صحت کو خراب کر کے اس کی زندگی کو تلخ کر دیں کاروبار میں اپنی مالی حالت کو پیش نظر رکھے بغیر کوئی ایسا معاملہ کرنا یا اتنا حد سے بڑھ جانا جو اس کی ساکھ کو خطرہ میں ڈالدے اپنی آمدنی کے اوسط سے اتنا زیادہ خرچ کرنا جو اس کی عزت و حرمت اور کاروبار کو نقصان پہونچائے وغیرہ وغیرہ بلکہ ان تمام باتوں کی بجائے ایک مسلمان کو اپنی ذات کے متعلق بھی کافی احتیاط کی ضرورت ہے اعتدال و میانہ روی کی حاجت ہے اور ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ بحیثیت ایک مسلمان کے خطرات سے محفوظ رہے۔

ان تمام باتوں سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان جان بوجھ کر اپنے آپ کو اعضاء کی حرکات سے نقصان نہ پہونچائے اگر نادانستہ یا اتفاقی طور پر کوئی اذیت پہنچ جائے تو یہ تقدیری امر ہے۔

(۴) ایمان کی علامت کا بیان

عن انس رضؓ عن النبی صؐ قال لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ (بخاری مسلم احمد نسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول مقبول صؐ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

الفاظ کی تشریح: محبت اس چیز کی جانب میلان طبع کو کہتے ہیں جو طالب کی نظر میں پسندیدہ ہو خواہ وہ چیز حسن و جمال ہو فضل و کمال ہو یا احسان و بھلائی ہو اس حدیث میں میلان طبع سے مراد اختیاری میلان طبع ہے طبعی اور قہری نہیں

معانی کی تشریح: ایمان کامل کی علامت یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے آپ کو مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کا ایک رکن سمجھے جماعت کے نفع کو اپنا نفع اور جماعت کے نقصان کو اپنا نقصان خیال کرے۔

جب ایک مسلمان اس پاکیزہ احساس کو محسوس کر لیگا اور اس کے دل و دماغ میں یہ پاکیزہ خیال راسخ ہو جائے گا تو وہ دوسرے کو اپنی ہی مانند خیال کریگا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مسلمانوں میں غیریت ہی باقی نہ رہے گی ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو اپنی ذات کی طرح سمجھے گا اور اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ و سلوک کریگا جیسا کہ اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس بات یا چیز کو اپنے لئے بہتر و مفید خیال کریگا اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی اس کو بہتر و مفید سمجھے گا مثلاً ایک مسلمان اپنے لئے وسیع علم پاکیزہ خلق عمل صالح شریف و نیک بیوی لائق و فائق اور نیک کردار اولاد بہترین سواری مخلص احباب و رشتہ دار اور دوست، شریف و صالح بھائی اور اطاعت گذار و وفادار ملازم و خادم پسند کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی انہی اور انہیں چیزوں کو پسند کرے اور مسلمان بھائی کو اپنے حقیقی بھائی کی مانند خیال کرے خواہ وہ مسلمان پست درجہ کا ہو یا بلند و برتر مرتبہ کا۔

اس حدیث کی بنا پر جو شخص اس طبیعت کا ہو کہ جو چیز وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسرے مسلمان کیلئے اس کو پسند نہ کرے یا کسی مسلمان کو اسی کی مانند عزت و حرمت اور دولت حاصل ہو جائے تو وہ اس پر حسد کرے اور اس سے بغض و کینہ رکھے تو اس کی فطرت ایمان کامل کے منافی و مخالف ہوگی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ طبیعت کفر کے آثار و علامات میں سے ہوگی۔

پھر اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ہر مسلمان بھائی کیلئے اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لئے بہتر و مفید خیال کرتا ہے اسی طرح مسلمان کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے لئے بُرا اور مکروہ خیال کرتا ہے اپنے مسلمان بھائی کیلئے بھی اس کو بُرا اور مکروہ خیال کرے مثلاً ایک مسلمان اپنے لئے فقر اور افلاس اور ذلت کو بُرا خیال کرتا ہے غلامی اور پستی کو مکروہ سمجھتا ہے مال و اولاد یا اپنی ذات کو خطرہ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا اور خطرہ میں پڑنے کے بعد نجات و خلاصی کی کوشش کرتا ہے اسی طرح وہ ان باتوں کو ہر مسلمان کے لئے برا خیال کرے اور وہ ابتلاء میں پڑ جائے تو اس سے نکالنے کی کوشش کرے مختصر یہ کہ جس بات کو وہ اپنے لئے نقصان رساں اور خطرناک سمجھے اپنے ایمان کو کامل بنانے کے لئے اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی اس بات کو خطرناک و نقصان رساں خیال کرے۔

ناموران اسلام

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

(از عزیز حسن نعمانیؔ)

ابو عبداللہ جعفر طیار رضؓ ابو طالب کے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے حقیقی بڑے بھائی اور حضورؐ کے چچا زاد بھائی تھے اسلام لانے کے بعد آپ نے اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دیں ہیں صحابہ کی کثیر تعداد میں ان کی نظیر کم ملے گی۔

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ نہایت عجیب ہے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضورؐ اور حضرت علیؓ دونوں عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ ابو طالب نے اس مؤثر منظر کو دیکھا دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے اپنے بڑے بیٹے جعفر طیار رضؓ سے جو ان کے پہلو میں کھڑے اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہا جاؤ تم بھی اس عبادت کا لطف اٹھاؤ اور اپنے چچا زاد بھائی (حضور صلعم) کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ" چنانچہ جعفر گئے اور حضورؐ کے بائیں پہلو میں کھڑے ہو گئے اور حضورؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔

اسلام کا یہ پہلا ذائقہ تھا جس سے حضرت جعفر رضؓ کو خاص لطف حاصل ہوا تھا اور اس کے بعد وہ اس فکر میں رہنے لگے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اسلامی عبادت کے ذوق سے وہ اپنی روح کو تازہ کرنے کا مستقل موقعہ حاصل کریں چنانچہ ان کی یہ خواہش پوری ہوئی اور وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو کر مستقل طور پر عبادت الٰہی کا ذوق حاصل کرنے لگے۔

جس وقت حضرت جعفر رضؓ مشرف باسلام ہوئے ہیں اس وقت اگرچہ مسلمانوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ تھی لیکن کفار مکہ کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور مسلمانوں کو بہت زیادہ تنگ کیا جا رہا تھا یہاں تک کہ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو قریش کے مظالم سے عاجز آ کر زید بن ارقم کے گھر میں پناہ لینی پڑی تھی اور آپ وہیں عبادت الٰہی اور تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے۔

اسلام کی سب سے پہلی ہجرت میں حضرت جعفر طیارؓ بھی شریک تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب مکہ کے قریش نے مسلمانوں کو بہت ستایا اور مسلمان اُن کی سختیوں سے اس درجہ تنگ آ گئے کہ گھر سے باہر نکلنا اور کسی جگہ عبادت کرنا ان کے لئے مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا تو حضرت رسول مقبولؐ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ حبشہ چلے جائیں وہاں کا بادشاہ رحمدل اور منصف مزاج ہے تم کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیگا چنانچہ اس ہجرت پر مسلمانوں کی بڑی تعداد تیار ہو گئی

سب سے پہلا قافلہ جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گیا تھا اس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں اس قافلہ کی روانگی کے بعد وقتاً فوقتاً اور لوگ بھی ہجرت کرتے رہے غالباً حضرت جعفر طیار رضؓ دوسرے یا تیسرے قافلہ کے ساتھ حبشہ پہنچے اور مسلمانوں کے ساتھ آرام و سکون سے رہنے لگے۔

جب حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد جا کر آباد ہو گئی تو مشرکین مکہ کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان اسی طرح آہستہ آہستہ حبشہ چلے جائیں گے، اور اسلام کی تبلیغ کا دائرہ حبشہ میں وسیع ہو جائے گا تو انہوں نے باہم مشورہ کیا اور یہ قرار پایا کہ شاہ حبشہ نجاشی کے پاس ہدایہ و تحائف کے ساتھ وفد بھیجا جائے اور اس سے درخواست کی جائے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے باہر نکال دے چنانچہ مشرکین مکہ نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو حبشہ روانہ کیا یہ لوگ حبش پہنچ کر اول درباری لوگوں سے ملے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ان کو اپنی تائید پر آمادہ کر لیا اس کے بعد نجاشی کے دربار میں پہنچے اور ہدایا و تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ "ہمارے ملک کے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا خاندانی مذہب ترک کر کے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے جو ہمارے اور آپ کے مذہب کے بالکل خلاف ہے اور ان لڑکوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ملک میں چلی آئی ہے اس لئے ہم عرض پرداز ہیں کہ آپ ان لڑکوں کو ہمارے حوالہ کر دیں یا اپنے ملک سے نکال دیں درباری لوگوں نے جن کو مشرکین مکہ نے پہلے سے ہموار کر لیا تھا اس کی تائید کی اور کہا کہ "ان لڑکوں کو ان کے حوالے کر دینا بہتر ہے"

نجاشی نے اس درخواست کے جواب میں برہم ہو کر کہا "جب تک میں ان لوگوں سے مل کر خود تحقیقات نہ کر لوں گا اس وقت تک ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا یہ لوگ میرے مہمان ہیں اور میرے ہاں پناہ گزیں ہیں بغیر تحقیقات کے ان کو تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے بعد نجاشی شاہ حبش نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے پوچھا "تم نے کونسا مذہب ایجاد کیا ہے کہ اس کی وجہ سے خاندانی مذہب کو ترک کر دیا" حضرت جعفر طیار رضؓ آگے بڑھے اور نجاشی کے جواب میں فرمایا

بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے فواحش میں مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ ہمارا سلوک اچھا نہ تھا، ہمارا طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا ہم اسی قسم کی درندگی میں مبتلا اور وحشت کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ خدا نے ہم میں سے ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمایا جس کی سچائی پاکیزگی امانت اور خاندانی حالت کو ہم اچھی طرح جانتے

محمد (صلعم) نے ہم کو خدائے واحد کی پرستش کا حکم دیا اور بتوں کی پرستش سے روکا ہے بیسلغ امانت ادا کرنے صلہ رحمی کرنے پڑوسیوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے حرام باتوں اور خون ریزی سے بچنے کی ہدایت کی ہم اس شخص پر ایمان لے آئے۔ شرک و بت پرستی کو ہم نے چھوڑ دیا۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھ لیا اور صرف خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے چونکہ ہم نے شرک و بت پرستی سے توبہ کر لی تھی اور خدا پرستی کو اختیار کر لیا تھا اس لئے ہماری قوم کے لوگ ہمارے دشمن ہو گئے اور ہم کو طرح طرح کی تکالیف دینے لگے تاکہ ہم خدائے واحد کی عبادت نہ کریں اور بت پرستی کو اختیار کر لیں ہم لوگ جب ان کی اذیتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ گئے تو ہم نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور یہاں چلے آئے تاکہ اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکیں اور ان کی اذیتوں اور تکلیفوں سے محفوظ رہیں۔"

حضرت جعفر طیار رضہ نے یہ تقریر ایسے پرجوش لہجہ میں کی جس سے صداقت و حقانیت ٹپکتی تھی اور خلوص و عقیدت ظاہر ہوتی تھی نجاشی نے اس تقریر کو سن کر کہا۔ "خدا کا کلام جو تمہارے نبی پر نازل ہوا ہے اس میں سے تم کو کچھ یاد ہے؟" حضرت جعفر طیار رضہ نے فرمایا "ہاں" نجاشی نے کہا "سناؤ" حضرت جعفر طیار رضہ نے سورۂ کہٰیعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا جس کو سن کر نجاشی اور دربار کے پادری اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں نجاشی نے کہا "یہ مذہب اور عیسیٰ ؑ کا لایا ہوا دین دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے مشرکین مکہ کو حکم دیا کہ تم واپس چلے جاؤ ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے روز مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک اور چال چلی اور وہ یہ کہ نجاشی سے جا کر یہ کہا کہ :- یہ لوگ حضرت عیسےٰ کے متعلق بہت برا عقیدہ رکھتے ہیں آپ ان کو بلا کر دریافت کیجئے مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ مسلمان حضرت عیسےٰ کو خدا کا بندہ بتائیں گے اور عیسائی ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس طرح دونوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور ہماری بات بن جائے گی چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا اور ان سے پوچھا کہ تم حضرت عیسےٰ کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو حضرت جعفر طیار رضہ نے فرمایا :- ہماری کتاب کی رو سے حضرت عیسےٰ خدا کے بندے اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے یہ سنا اور زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا تم نے جو کچھ کہا درست ہے حضرت عیسےٰ ؑ اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہ تھے۔ مختصر یہ کہ مشرکین مکہ کی یہ سفارت ناکام رہی اور وہ نامراد واپس چلے گئے۔

حضرت جعفر طیار رضہ حبشہ کی پہلی ہجرت میں بھی شریک تھے اور دوسری ہجرت میں بھی دوسری مرتبہ ہجرت کرنے کا واقعہ یہ ہوا کہ پہلی ہجرت کے مہاجرین حبشہ ہی میں تھے کہ کسی نے ان کو یہ خبر پہنچائی کہ مکے کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں یہ خبر اگرچہ غلط تھی مگر مسلمانوں کو اس کا یقین ہو گیا اور وہ وطن کی محبت میں واپس چلے آئے مکے کے قریب پہونچ کر ان کو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے یہ موقعہ انتہائی پریشانی کا تھا تھکے ماندے منزلوں کا سفر طے کر کے آئے تھے واپس جانے کی ہمت نہ تھی اور مکے کے اندر جاتے ڈرتے تھے آخر عبداللہ بن مسعود کے سوا تمام لوگ جس طرح ممکن ہوا مکہ چلے گئے۔

چند روز کے بعد مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو پھر ستانا شروع کیا اور چونکہ وہ حبش میں ناکامی کے سبب بہت جلے ہوئے تھے اس لئے ان کی سختیاں حد سے بڑھ گئی تھیں آخر حضرت رسول مقبول صلعم نے مسلمانوں کو پھر یہی مشورہ دیا کہ وہ حبش چلے جائیں چنانچہ اس مرتبہ ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتیں ہجرت کے لئے تیار ہوئیں جن میں حضرت جعفر رضہ بھی تھے اور یہ قافلہ روانہ ہو گیا۔

مسلمانوں کی دوسری ہجرت حبش کے بعد مشرکین مکہ اور جل گئے اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے ان سے بہت انتقام لینا چاہا یہاں تک کہ وہ حضور صلعم ہی کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے آخر خداوند تعالےٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا اور آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

حضرت جعفر طیار رضہ مدینہ کی ہجرت کے ۶ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے سنہ ۷ ہجری میں وہ حبش سے مدینہ تشریف لائے جس وقت حضرت جعفر رضہ مدینہ پہونچے ہیں اس وقت مسلمان مدینہ میں فتح خیبر کی خوشیاں منا رہے تھے حبشہ کے مہاجرین کی واپسی نے اس خوشی میں چار چاند لگا دئے حضرت جعفر رضہ جب حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلعم ان سے بغل گیر ہو کر ملے اور پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا :- "میں نہیں کہہ سکتا کہ جعفر رضہ کی واپسی سے مجھ کو زیادہ خوشی ہوئی ہے یا فتح خیبر سے"۔

فدایان اسلام کی جماعت میں جن لوگوں کے نام درج ہیں ان میں حضرت حمزہ رضہ اور حضرت جعفر طیار رضہ کے نام ہر حیثیت سے نمایاں ہیں۔ حضرت حمزہ رضہ نے اس وقت اسلام کی خدمت کی تھی اور اپنی پاک روح کو اسلام پر قربان کیا تھا جب کہ کفر و اسلام کا زبردست مقابلہ تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جس وقت کفر اسلام کے خاتمہ پر تلا ہوا تھا اور اسلام کی کمزوری سارے عرب میں نمایاں تھی اور حضرت جعفر طیار نے اس وقت اسلام پر جاں نثاری کی تھی جب کہ بیرونی دشمنوں یا مسیحیوں سے اسلام کا مقابلہ شروع ہوا ہے۔

حضرت جعفر رضہ کو حبشہ سے آئے ہوئے صرف ایک سال گذرا تھا اور اس درمیان میں عمرو بن العاص اور خالد بن ولید جیسے بہادر اور شجاع اسلام کے حلقہ میں داخل ہو چکے تھے کہ حضرت سرور عالم صلعم کو مسیحیوں سے نبرد آزما ہونے کا خیال پیدا ہوا اور شام کی طرف ایک لشکر روانہ کرنے کا آپ نے ارادہ فرمایا چنانچہ ۳ ہزار فدایان اسلام کا ایک لشکر تیار کیا گیا۔ جن میں حضرت خالد بن ولید بھی شریک تھے جب یہ لشکر روانہ ہوا تو حضور

سرورِ عالم ص نے سپاہ کا علم حضرت زید بن حارثہ کو مرحمت فرمایا اور حکم دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو لشکرِ اسلام جعفر طیار رضہ کے سپرد کیا جائے اور جعفر طیار رضہ شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ کو اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں کو اختیار ہے جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔

حضرت جعفر طیار رضہ نے یہ حکم سنا تو آگے بڑھ کر حضور ص سے عرض کیا: "مجھ کو امید نہ تھی کہ آپ زید بن حارثہ کو مجھ پر امیر بنائیں گے، حضور ص نے فرمایا۔ جعفر رض تم نہیں جانتے بہتری کس میں ہے اس بات کا خیال دل سے دور کر دو اور جو حکم میں نے دیا اس پر عمل کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسول مقبول ص کو ان تمام باتوں کا علم ہو گیا تھا جو اس جنگ میں پیش آنے والی تھیں اس لئے آپ نے تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھا دیا اور اس کے بعد فوج کو رخصت کر دیا۔

یہ لشکر مدینہ سے روانہ ہو کر شام کی طرف روانہ ہوا صرف تین ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی یہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ روم کا بادشاہ ہرقل مقام مواب میں قیام پذیر ہے جس کے ساتھ دو لاکھ رومی سپاہی اور نصارائے عرب ہیں اور وہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہے اسلامی لشکر دو رات معان میں قیام پذیر رہا اور افسران سپاہ باہم یہ مشورہ کرتے رہے کہ افواجِ مقابل کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حضرت رسول اللہ ص کو خط لکھ کر حملہ کی بابت دریافت کیا جائے اور امداد مانگی جائے عبد اللہ بن رواحہ نے جب لوگوں کو مذبذب پایا تو ان کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: مسلمانو! تم شہادت کی جستجو میں آئے ہو یہ پس و پیش پھر کیسا۔ ہم کافروں سے اپنی تعداد اور قوت کے بھروسہ پر نہیں لڑتے بلکہ دینِ اسلام کی طاقت سے اور اسلام کے لئے لڑتے ہیں تذبذب کی ضرورت نہیں بڑھے آگے بڑھو اور مقام موتہ پر پہنچ کر اپنی صفوں کو ترتیب دو اور دشمنوں سے لڑو یقیناً دو نیکیوں میں سے ایک نیکی کے ہم مالک ہوں گے یعنے یا تو ہم دشمنوں پر فتح حاصل کریں گے اور یا ہم کو شہادت نصیب ہوگی۔

عبد اللہ بن رواحہ کے ان الفاظ نے مسلمانوں میں تازہ روح پھونک دی زید بن حارثہ سالارِ لشکر ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں نشانِ فوج لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور موتہ پہنچ کر ہرقل کے مقابلہ میں فوجوں کو درست کر کے کھڑا کر دیا۔

زید بن حارثہ سالارِ لشکر علمِ اسلام لئے ہوئے لشکر کے آگے کھڑے ہوئے اور دائیں بائیں اسلامی فوج کے بہادروں کو مقرر کیا گیا اور جنگ شروع ہو گئی تین ہزار مسلمانوں کے سامنے ایک لاکھ کا لشکر تھا مگر مسلمانوں نے اس کی پرواہ کی اور نہایت بہادری سے مقابلہ کیا زید بن حارثہ لڑتے لڑتے بہت آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ ایک موقعہ پر دشمنانِ اسلام نے ان کو نرغہ میں لے لیا اور تلواروں تیروں سے مار مار کر ان کو شہید کر دیا ان

کے شہید ہوتے ہی حضرت جعفر رض آگے بڑھے اور اسلام کے جھنڈے کو اٹھا کر دشمنوں سے لڑنے لگے اول تو حضرت جعفر رض گھوڑے پر سوار دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے اور خوب دادِ شجاعت دی جس طرف آپ گھوڑے کو ڈپٹ دیتے دشمنوں کی صفوں کی صفیں برہم ہو جاتیں اور آپ دشمنوں کا خاتمہ کر کے دوسری جانب رُخ کرتے مگر جب آپ کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا تو آپ پاپیادہ لڑنے لگے چونکہ آپ کی شجاعت و جانبازی کے کرشمے دشمنانِ اسلام دیکھ رہے تھے اس لئے بہت سے لوگوں کی نظریں آپ پر تھیں ایک موقعہ پر آپ سیدھے ہاتھ میں علم سنبھالے الٹے ہاتھ سے تلوار چلا رہے تھے کہ کسی نے آپ کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ آپ نے فوراً علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور ایک شمشیر بر علم کو سنبھال کر کھڑے ہو گئے ایک اور دشمن نے آپ کے بائیں ہاتھ کو بھی شہید کر دیا اور عبد اللہ بن رواحہ رض نے فوراً علم کو سنبھال لیا۔ دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ و تبر اور سنان و تیر کی بارش ہو رہی تھی حضرت جعفر طیار رض کا بدن زخموں سے پہلے ہی چور تھا جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو آپ گر پڑے اور شہید ہو گئے۔

عبد اللہ بن رواحہ بھی تھوڑی دیر کے بعد شہید ہو گئے اور لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ مسلمانوں کے تین علم بردار شہید ہو چکے تھے اور متعدد صحابۂ کرام لڑائی میں مارے گئے تھے اس لئے مسلمانوں کی ہمت شکستہ ہونے لگی فوراً ثابت بن اقرم نے علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پکار کر کہا مسلمانو! کسی امیر کو منتخب کر لو۔ اسلامی لشکر نے جواب دیا کہ ہم نے تم کو امیر بنا لیا۔ ثابت نے کہا میں امارت کے قابل نہیں ہوں خالد بن ولید کو امیر بناؤ۔ چنانچہ سب نے خالد بن ولید کو امیر تسلیم کر لیا اور خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر مسلمانوں میں تازہ روح پیدا کر کے اس زور سے رومیوں پر حملہ کیا کہ وہ پیچھے ہٹ گئے اور خالد بن ولید مسلمانوں کو میدان سے نکال لائے۔

اس جنگ میں جس روز سپہ سالارانِ لشکر شہید ہوئے تھے حضور ص نے اسی روز ان کی شہادت کی خبر مدینہ میں دیدی تھی حضرت عبد اللہ بن عمر رض جو اس معرکہ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر رض کی نعش کو دیکھا تمام جسم زخموں سے چھلنی بنا ہوا تھا صرف جسم کے اگلے حصہ میں ۵۰ زخم تھے اور تمام بدن کے زخم نوے سے زیادہ تھے لیکن کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔

جب یہ لشکر مدینہ منورہ میں واپس پہنچا تو حضرت رسول مقبول ص کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حضرت جعفر رض کی شہادت کا آپ کو غیر معمولی رنج ہوا تھا اور آپ کے چہرے سے حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔

حضرت جعفر رض کی بیوی حضرت اسماء بیان فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی اور بچوں کو نہلا کر کپڑے پہنا رہی تھی کہ حضور ص تشریف لائے

عدد فرمایا۔ جعفرؓ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں نے بچوں کو حاضر خدمت کیا تو آپ نے آبدیدہ ہو کر ان کو پیار کیا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ حضورؐ پر فدا ہوں آپ آبدیدہ کیوں ہیں؟ کیا جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر آئی ہے؟ فرمایا ہاں وہ شہید ہو گئے۔ یہ سن کر میں رونے اور چلانے لگی محلہ کی عورتیں جمع ہو گئیں۔ حضورؐ باہر تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا آل جعفرؓ کا خیال رکھنا آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے جب اپنے چچا کی شہادت کا حال سنا تو "آہ چچا" کہہ کر بین کیا۔ حضورؐ کی خدمت میں جو منہ ہوش آیا ہے فرمایا بے شک جعفرؓ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہئے۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت کا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا تھا اور مدت دراز تک آپ اس غم میں مبتلا رہے تھے یہاں تک کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر یہ بشارت دی کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت جعفرؓ کو ان کے کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے میں دو نئے بازو عطا فرمائے ہیں جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں۔ اس بشارت کے بعد حضرت جعفرؓ کا لقب ذوالجناحین ہو گیا اور بعض لوگ ان کو جعفر طیارؓ (اڑنے والے) کہنے لگے۔

حضرت جعفرؓ سے حضورؐ کو بے حد محبت تھی آپ ان سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جعفر! تم صورت اور سیرت میں مجھ سے بہت مشابہ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے بعد جعفرؓ سب سے افضل ہیں۔ حضرت جعفرؓ نہایت کشادہ دل اور سخی انسان تھے غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے میں آپ کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا یہاں تک کہ اس معاملہ میں حضورؐ نے آپ کو ابوالمساکین کے لقب سے ملقب کر دیا تھا۔

صرف حضورؐ ہی نہیں آپ کے خاندان کا ہر فرد آپ سے محبت کرتا تھا جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں اپنے چچا حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے مگر جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو کچھ نہ کچھ دے دیتے۔ حضرت جعفرؓ کے تین بیٹے تھے، عبداللہ، محمد اور عون ان میں سے صرف عبداللہؓ سے نسل چلی اور باقی لاولد مرے۔

صحابیات

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا

(از مسلمان [illegible])

آپ کا نام نامی و اسم گرامی اسماء ہے آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا آپ کے حقیقی بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی سوتیلی بہن تھیں جو اسماء سے عمر میں چھوٹی تھیں۔

ان خصوصیات و انتسابات گرامی کے لحاظ سے آپ کا اسلام میں ایک گراں قدر [illegible] تھا اور عالم نسواں کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں جن کا علم و عمل موجودہ دور کی مسلم خواتین کے لئے سرمایہ عبرت و بصیرت ہے یعنی [illegible] کی [illegible] کی جو رسول اللہ کے یار غار خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ کا لقب ذات النطاقین ہے جو اپنے اندر ایک عجیب دل آویز حسن اسلام کا جذبہ پوشیدہ رکھتا ہے اس لقب کے متعلق روایت ہے کہ جب [illegible] کے [illegible] اور حق و صداقت کے دشمنوں یعنی کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو رسول خدا نے باذن الٰہی تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ آپ مکے سے مدینہ کو ہجرت کر جائیں تاکہ افق مدینہ سے اسلامی عظمت و اقبال کا آفتاب طلوع ہو اور حضور نے خود بھی اپنے یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیکر ہجرت فرمائی اور آفتاب رسالت مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر غار ثور میں جلوہ فگن ہوئے۔ کفار نے ہر جگہ تلاش کیا مگر اس میں وہ ناکام رہے، چونکہ آپ [illegible] اس [illegible] کے [illegible] غار ثور سے منزل پر پہنچ گئے تھے [illegible] رسول [illegible] جتنی مدت حضور اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار ثور میں پناہ گزیں رہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا عظیم الشان خدمت سر انجام دی کہ روزانہ کھانا پہنچاتیں اور کھانا [illegible] ایک روز جب آپ کھانا لے کر گئیں تو سرکار دو عالم نے فرمایا کہ [illegible] جا کر [illegible] کی رات کرائے غار پر تین اونٹ اور ایک واقف راہ شخص بھیجیں چنانچہ [illegible] روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے [illegible] اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا [illegible] رسی کی ضرورت تھی اور جلدی بھی تھی جب جلدی [illegible] رسی [illegible] اپنا نطاق [illegible] دربار نبوت میں حاضر ہوئیں اس خدمت کے صلہ میں دربار رسالت سے ذات النطاقین کا لقب ملا [illegible] اور اپنے [illegible] یاد رہے عربی میں نطاق [illegible]

آپ کی ولادت و نکاح

آپ [illegible] ہجرت سے [illegible] سال [illegible] اس وقت آپ کے والد محترم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر [illegible]

[illegible] کے چھوٹے [illegible] کی شادی حضرت زبیر بن العوام [illegible] سے ہوئی [illegible] پھوپھی زاد بھائی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اسلام [illegible] الاولین میں سے ایک تھے اور عشرہ مبشرہ میں [illegible]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے اور اطمینان حاصل ہوا تو آپ حضور کو ان مستورات کو بلانے کی فکر ہوئی جو مکہ میں رہ گئی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ [illegible] کو روانہ کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک آدمی روانہ کیا [illegible] عبداللہ [illegible] ام رومان [illegible] عائشہ [illegible] [illegible] ہوئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا [illegible] قبا میں [illegible] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں [illegible] ان کے حق میں برکت کی دعا فرمائی [illegible] ولادت [illegible] سے [illegible] کہ ہجرت کے بعد اسلام میں یہ پہلی بابرکت ولادت ہوئی۔

آپ کے حالات و اطوار

[illegible]

[illegible] کام کرنے کی عار نہیں [illegible] خانہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے چلاتی تھیں اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی [illegible] تنگدستی بے انتہا تھی مگر زمانہ میں خانہ داری [illegible] اس کی داستان آپ خود اس طرح بیان فرماتی ہیں جب میری شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس وقت [illegible]

[illegible] کوئی اور چیز نہیں [illegible] طرح [illegible] خبر گیری [illegible] [illegible]

[illegible]

مذہبی معلومات

معاشیات اور اسلام

(از جناب مولوی محمد غوث صاحب ...)

اسلام میں کسب حلال کی بہت تاکید ہے کمال صنعت و حرفت تجارت سے اس قدر بہت کچھ ہے جس سے ہمارا اجتناب ہم کو روزی کی روز عم پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے صرف ملازمت کے ذریعے سے کوئی قوم مرفہ الحال ترقی یافتہ نہیں ہو سکتی اب زمانہ مجبور کر رہا ہے کہ اپنی ہی خود داری اور وقار کو قائم رکھنے کے لئے مسلمان بھی اس میدان میں توکل علی اللہ اتریں صنعت و حرفت زراعت و ملازمت تجارت کرا پنے اندر بیمن مقروضی دیکھا لت کب لت کا زمانہ نہ رہا

خود عمل تیرا ہے صورت گر تری تقدیر کا
شکوہ کرتا ہے تو بیجا کر مقدر کا نہ گلہ

حضرت عمرؓ کا قول ہے مَکْسَبَۃٌ فِیْہَا دَنَاءَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ مَسْئَلَۃِ النَّاسِ (ازالۃ الخفا) حلال پیشہ گداگری سے بہتر ہے مسلمانوں کو آپ کی نصیحت تھی لَا تَکُوْنُوْا عِیَالًا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ مسلمانوں پر اپنی معیشت کا بوجھ مت ڈالو (حیات فاروق اعظم)

مسلمان تاجروں کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ تجارتی کامیابی، فروغ ترقی کے لئے صداقت و دیانت، کفایت شعاری، جفاکشی، فراخی، شائستگی، تواضع، نرمی، بلند خلقی، راست بازی، گراں فروشی بغلاف الغضبی خیانت سے تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ غلط فہمی کی بناء پر اکثر مسلمان تجارت کو بہت معیوب تصور کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں کسب معیشت، صنعتی و حرفت تجارت کی بے حد فضیلت وارد ہوئی ہے اَلتَّاجِرُ الْاَمِیْنُ الصَّدُوْقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّہَدَاءِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (ابن ماجہ)

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (دیلمی) ترجمہ: راست باز امانتدار تاجر کا درجہ شہداء کے برابر ہے قیامت میں عرش کا مقام زیر عرش ہے

حضرت فاروق اعظم کا قول ہے ... طلباء کو نصیحت فرماتے تھے کہ تجارت کو ... میں رکھو۔ ... کو ... لوگ ... دراز رکھنا، ... چیز کر کے نکلو ... کی ... تو ... مثال اور ... ہیں اور ... کم ... مسلمانوں پر بوجھ نہ ہو (کشف الغمہ)

[illegible] ... عبادت ہے (تذکرۃ الاولیاء) ...

... یعنی جہانے اعمال غنائم ... جن کی قدر ... عرف ... ان ... ایک فرمانبرداری پرورش ... تمام ذخیرہ ان کے لئے کفایت کرے اس ... تھے ... ۸۰ فیصد غلام اور ... (۵) اونٹنیاں ... آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (۱۰۰) بکریاں (۵۰) اونٹنیاں دو دو مہینے والی (۱۰) بیلوں سانڈنیاں (۱۰) گھوڑے (۵) خچر و دراز گوش (۱۰) غلام و کنیز (۹) بعد وصال تھے (نشر الطیب وغیرہ)

فدک، خیبر اور بنی نضیر میں زمینوں کے ٹکڑے الگ تھے ازواج مطہرات و اہل بیت کے مصارف اس سے ادا ہوتے تھے اور غرباء مساکین کو امداد دی جاتی تھی (مدارج النبوۃ)

قرآن وحدیث کے احکام

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ الخ جب نماز جمعہ ختم کر دی جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو (پارہ ۲۸ سورہ ۶۲)

تفسیر خازن وغیرہ میں ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ لِلتِّجَارَۃِ وَالتَّصَرُّفِ فِیْ حَوَائِجِکُمْ۔ تم زمین میں منتشر ہو جاؤ واسطے تعرف حوائج کے لئے۔ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ یَعْنِی الرِّزْقَ اور اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو (خازن جلد ۴ صفحہ ۲۵۳)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَاَنْ یَّاْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَہٗ ثُمَّ یَغْدُوْ اِلَی الْجَبَلِ فَیَحْتَطِبُ فَیَبِیْعُ فَیَاْکُلُ وَیَتَصَدَّقُ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّسْئَلَ النَّاسَ (ق۔ ن۔ ۔ ۔) تم میں سے ایک شخص رسی لیکر پہاڑی پر جائے پھر لکڑیاں جمع کرے اور اس کو فروخت کرکے کھائے اور کچھ خیرات کرے تو یہ اس کے لئے گداگری سے بہتر ہے۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے اُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِیْ خَبَایَا الْاَرْضِ زمین کے چھپے ہوئے مقامات میں رزق طلب کرو۔

قرآن مجید میں بحری تجارت کا بھی ذکر ہے وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ الخ اور وہی (ذات پاک) جس نے دریا کو تابع کیا تاکہ تم اس سے تازہ (تازہ) گوشت (مچھلیوں کا) نکال کر کھاؤ اور اس سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو تاکہ انہیں پہنو اور اے شخص تو کشتیوں کو دریا میں چلتے ہوئے دیکھتا ہے اور دریا کو پھاڑتے ہوئے چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو (ترجمہ ...)

... [illegible] ...

[illegible]

وَقَدْ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی اَنَّ الْکَسْبَ ... [illegible]

مُؤَکَّدَ الْمُلْحَقَا بِرُتْبَةِ الْاِیْمَانِ (المنح) علما نے اجماع کیا ہے کہ کسب واجب وجوب موکد ہے ایمان کے رتبے سے ملحق (المنح السنیہ مصنفہ امام شعرانی) سے

رزق از کسب جو بہانہ منہ ؛ از توکل در سبب کاہل مشو (مثنوی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عن عمر رض قَالَ اِنِّیْ لَاَرَی الرَّجُلَ فَیُعْجِبُنِیْ فَاَقُوْلُ لَہٗ حِرْفَۃٌ فَاِنْ قَالُوْا لَا سَقَطَ عَنْ عَیْنِیْ (کشف الغمہ) میں کسی آدمی کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے تو میں دریافت کرتا ہوں کہ کوئی کسب پیشہ بھی کرتا ہے اگر وہ بے روزگار اور بے کار ہے تو میری نظر سے گر جاتا ہے۔

امام شعرانی رحمہ نے کہا۔ وَرَغَّبَتِ الْمَشَایِخُ سَلَفًا وَّخَلَفًا عَمَلَ الْحِرْفَةِ تَبَعًا لِلْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَالسُّنَّةِ الشَّرِیْفَةِ (المنح السنیہ) حسب اتباع کتاب وسنت، مشائخ سلف وخلف نے کسب کی ترغیب وتحریص دلائی ہے۔ (المنح السنیہ صفحہ)

دست اکنون کردن خمیرہ ؛ بہ از دست بر سینہ پیش امیر

الانوار القدسیہ میں لکھا ہے وَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا یُنَافِیْ مَقَامَ اَهْلِ الزُّهْدِ تِجَارَتُهُمْ وَبَیْعُهُمْ وَسَفَرُهُمْ فِیْ اُمُوْرِ الدُّنْیَا الظَّاهِرَةِ لِاَنَّ دُنْیَاهُمْ لِاٰخِرَتِهِمْ لِرَبِّهِمْ وَعَلٰی ذٰلِكَ یُحْمَلُ اَصْحَابُ التِّجَارَاتِ وَالْاَمْوَالِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالسَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ وَاِلَیْهِ الْاِشَارَةُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ الخ وَبِقَوْلِهٖ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَغَیْرِهِمَا مِنَ الْاٰیَاتِ وَلَا یُنَافِیْ هٰذَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی فِیْ حَقِّهِمْ فِیْ اٰیَةٍ اُخْرٰی مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ لِاَنَّ الْمُرَادَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا اَیْ لِلْاٰخِرَةِ بَذْلًا وَّاِیْثَارًا۔

(ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ اہل زہد کی تجارت بیع، اور دنیوی کاروبار کے لئے ان کا سفر منافی زہد نہیں دنیوی کام بھی آخرت کے لئے ہے۔ صحابہ اور سلف الصالحین کی تجارت، ثروت اسی پر محمول ہے قرآن مجید میں اسی کا اشارہ ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الاٰیہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کو اللہ کے ذکر سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید وفروخت (پارہ ۲۸ سورہ ۲۴) وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اور اللہ کا فضل تلاش کرو (پارہ ۲۸ سورہ ۶۲) اس میں کچھ منافات نہیں ہے مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ کیونکہ دنیا کی طلب بھی سخاوت، ایثار، خدمت دین پر مبنی ہے تو وہ بھی آخرت سے متعلق ہے (الانوار القدسیہ مصنفہ امام شعرانی رحمہ جلد ۲ صفحہ ۹۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی تَقْوَی اللّٰهِ الْمَالُ وہ دولت بہت اچھی ہے جو معاون ہو تقوی میں (دیلمی)

آپ نے فرمایا نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (مسند امام احمد) مال صالح مرد صالح کے لئے بہت بہتر ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ اَنْ یَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِهٖ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ كَانَ یَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِهٖ (بخاری) ترجمہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے کھاتے تھے۔"

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ (مشکوٰۃ) کسب حلال کا طلب کرنا فرض ہے بعد فرض (دینی) فریضہ کے۔"

ایک اور روایت میں ہے۔ طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ (دیلمی) طلب حلال ہر مسلمان پر واجب ہے۔

ترمذی شریف میں ہے اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ (ترمذی) سب سے پاکیزہ مال وہ ہے جو تم اپنے کسب سے کھاتے ہو۔

طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ (کنز العمال) حلال مال کا طلب کرنا ثواب میں بمنزلہ جہاد کے ہے۔

حضرت آدم زراعت کرتے تھے حضرت نوح نجار تھے۔ حضرت ابراہیم بزاز (تاجر پارچہ) تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عَلَیْكَ بِالْبَزِّ فَاِنَّ صَاحِبَ الْبَزِّ یُعْجِبُهٗ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ بِخَیْرٍ وَّفِیْ خِصْبٍ (بزاز) کپڑے کی تجارت کر کیونکہ کپڑے کے تاجر کو یہ بھلا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خوش حال، وفارغ البالی میں رہیں (کنز العمال)

حضرت داؤد بکتر بناتے تھے حضرت سلیمان با وجود جلیل القدر وعظیم الشان بادشاہ ہونے کے زنبیل بناتے تھے، حضرت ادریس خیاط اور حضرت ذکریا نجار تھے۔

صحابۂ کرام، اہل بیت عظام تجارت وکسب کرتے تھے، حضرت صدیق اکبر رض حضرت فاروق اعظم رض اور حضرت عثمان ذوالنورین کی تجارت پارچہ وغلہ، کھجور، چمڑے کی تھی (مظاہر حق وغیرہ جلد ۳) امام شعبی سے منقول ہے وَقَالَ الشَّعْبِیُّ كَانَ عُمَرُ یَتَّجِرُ وَهُوَ خَلِیْفَةٌ حضرت عمر رض فاتح روم وعجم بحالت خلافت تجارت کیا کرتے تھے (تاریخ الخلفا)

حضرت ابو بکر صدیق رض کا ایک عظیم الشان کارخانہ تھا جہاں سے آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے (ابن سعد)

حضرت عمر رضہ بھی تجارت کرتے تھے (مسند امام احمد)
حضرت عثمان غنی رضہ بنو قینقاع کے بازاروں میں کھجوروں کی تجارت کرتے تھے اور انہوں نے بڑی ترقی حاصل کی۔
حضرت عمر رضہ کی تجارت نے تو اتنی وسعت اختیار کر لی تھی کہ اس کی شاخیں ایران تک پھیل گئی تھیں وغیرہ۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام نے بھی تجارتیں کی ہیں۔

اِنَّ کَسْبَ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ وَبِاَنَّ عَلِیًّا سَیِّدَ الْعَرَبِ کَانَ یُؤْجِرُ نَفْسَہٗ لِلْیَھُوْدِ کُلَّ دَلْوٍ یَنْزِعُہٗ مِنَ الْبِئْرِ بِتَمْرَۃٍ۔ حضرت علی رضہ فاتح خیبر کتابت فلاحت کرتے تھے (رد مختار وغیرہ جلد ۳ صفحہ ۹۳۰۸)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ کُنْتُ اَبِیْعُ الْاِبِلَ بِالْبَقِیْعِ بِالدَّنَانِیْرِ فَاٰخُذُ مَکَانَھَا الدَّرَاھِمَ فَاٰخُذُ مَکَانَھَا الدَّنَانِیْرَ فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تَاْخُذَھَا بِسِعْرِ یَوْمِھَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَیْنَکُمَا شَیْءٌ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ اونٹ اور چاندی سونے کے سکوں کی تجارت کرتے تھے (ترمذی شریف)

انوار القدسیہ میں ہے فَالْاِشْتِغَالُ بِالْحِرْفَۃِ الَّتِیْ تَعِفُّ عَنِ النَّاسِ اَوْلٰی وَاَفْضَلُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنَ الْاِشْتِغَالِ بِمَا لَا یَعْنِیْ بِمَا یَکُوْنُ حُجَّۃً عَلَیْہِ (الانوار) کسب پیشہ میں مشغول رہنا جو گداگری مفت خوری سے بچاتا ہو وہ دنیا اور آخرت میں بہتر ہے اس بے کاری سے جس کی بازپرس نہ ہوگی۔ (الانوار) ہم لوگوں نے کہانت رہبانیت مفت خوری کا نام زہد و قناعت رکھ لیا جس کا اسلام کی تعلیم سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ دَخَلَ شَابٌّ قَوِیٌّ الْمَسْجِدَ وَبِیَدِہٖ مَشَاقِصُ وَھُوَ یَقُوْلُ مَنْ یُعِیْنُنِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَدَعَا بِہٖ عُمَرُ فَاُتِیَ بِہٖ فَقَالَ مَنْ یَسْتَاْجِرُ مِنِّیْ ھٰذَا یَعْمَلُ فِیْ اَرْضِہٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَا یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِکَمْ تَاْجُرُہٗ کُلَّ شَھْرٍ قَالَ بِکَذَا اَوْ کَذَا قَالَ خُذْہُ فَانْطَلَقَ بِہٖ فَعَمِلَ فِیْ اَرْضِ الرَّجُلِ شُھُوْرًا ثُمَّ قَالَ عُمَرُ لِلرَّجُلِ مَا فَعَلَ اَجِیْرُنَا قَالَ صَالِحٌ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ ائْتِنِیْ بِہٖ وَبِمَا اجْتَمَعَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ فَجَاءَ بِہٖ وَبِصُرَّۃٍ دَرَاھِمَ فَقَالَ خُذْ ھٰذَا فَاِنْ شِئْتَ فَالْاٰنَ اُغْزُ وَاِنْ شِئْتَ فَالْاٰنَ اُغْزُ وَاِنْ شِئْتَ فَاجْلِسْ۔

نافع سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک جوان ہٹا کٹا مسجد نبوی میں آیا اس کے ہاتھ میں ترکش تھا اور وہ کہتا تھا راہ خدا میں کون میری مدد کرتا ہے۔ عمر رضہ نے اسے بلوایا وہ حاضر کیا گیا، آپ نے فرمایا اسے کون مزدوری پر لے جائے گا تاکہ اس کی زمین میں یہ کام کرے انصار میں سے ایک نے کہا امیر المومنین اس سے میں کام لیتا ہوں (انصار کا پیشہ زراعت تھا۔ حضرت کاشت کیا کرتے تھے مہاجرین تجارت پیشہ تھے) حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ تم ہر مہینہ اسے کیا مزدوری دو گے؟ انہوں نے کہا کہ اتنی مزدوری دوں گا۔ حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ اسے لے جاؤ چنانچہ وہ انصاری اسے لے گئے اور اس مزدور نے ان کی زمین میں کئی مہینے کام کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضہ نے اس انصاری سے پوچھا ہمارے مزدور نے کچھ کام بھی کیا؟ انصاری نے کہا اچھا کام کیا آپ نے فرمایا اسے میرے پاس حاضر کرو۔ اور اس کی جو کچھ اجرت جمع ہوئی ہو وہ بھی لے آؤ اس کو لایا گیا اور ساتھ ہی درہم کی تھیلی بھی لائی گئی، حضرت عمر رضہ نے اس مزدور سائل سے فرمایا یہ تھیلی لے لے اور اب تجھے اختیار ہے خواہ جہاد کر خواہ بیٹھا رہ (کنز العمال)

محنت مشقت کسب کی اسلام میں بے حد تاکید کی گئی ہے جس کے ترک کرنے سے مسلمانوں کی حالت نہایت خراب اور پست ہو گئی ہے اس پر فضول خرچی نے ان کو نہایت مصائب میں مبتلا کر دیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لَاَنْ یَّحْتَطِبَ اَحَدُکُمْ حُزْمَۃً عَلٰی ظَھْرِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّسْاَلَ اَحَدًا فَیُعْطِیَہٗ اَوْ یَمْنَعَہٗ (بخاری)	لکڑیوں کا گٹھا اپنی پشت پر لادنا سوال (گداگری) کرنے سے بہتر ہے کوئی اس کو (گداگر کو) دے گا یا منع کرے گا۔

لَقِیَ عُمَرُ رضہ بْنُ الْخَطَّابِ نَاسًا مِّنْ اَھْلِ الْیَمَنِ فَقَالَ مَنْ اَنْتُمْ فَقَالُوْا مُتَوَکِّلُوْنَ قَالَ کَذَبْتُمْ مَا اَنْتُمْ مُتَوَکِّلُوْنَ، اَلْمُتَوَکِّلُ رَجُلٌ اَلْقٰی حَبَّۃً فِی الْاَرْضِ وَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ۔ حضرت عمر رضہ بعض لوگوں سے ملے جو اہل یمن سے تھے آپ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے کہا ہم متوکل ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے غلط کہا متوکل تم نہیں ہو، وہ شخص متوکل ہے جو زمین میں دانہ ڈالے اور خدا پر بھروسہ کرے سے

گر توکل می کنی در کار کن ؛ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن (مثنوی)

یَا عَبْدِیْ حَرِّکْ یَدَکَ اُنْزِلْ عَلَیْکَ الرِّزْقَ۔ یعنے اے میرے بندے حرکت دے اپنے ہاتھ کو (یعنی کسب کر) میں رزق نازل کر دوں گا تجھ پر (حدیث قدسی)۔

جمود سے بچو

آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:- اِسْعَوْا اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ السَّعْیَ۔ معاش کے لئے کوشش کرو خدا نے تم پر کوشش فرض کی ہے (رواہ احمد)

آپ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الشَّابَّ الْفَارِغَ اللہ جل شانہٗ کاہل بیکار جوان کو ناپسند کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرَی الْعَبْدَ مُتْعَبًا فِیْ طَلَبِ الْحَلَالِ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کسب حلال کی حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے (طبرانی)

مَنْ سَعٰی عَلٰی عِیَالِہٖ فَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ جو شخص اپنے معاش کے لئے کوشش کرتا ہے تو گویا وہ راہ خدا میں ہے (طبرانی)

اَلتَّاجِرُ الْجَبَانُ مَحْرُوْمٌ وَالتَّاجِرُ الْجَسُوْرُ مَرْزُوْقٌ کم ہمت تاجر ناکام رہتا ہے اور مستقل مزاج کامیاب ہوتا ہے (کنز العمال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ راست باز تاجر قیامت میں عرش کے زیر سایہ رہے گا۔

اَلْعِبَادَۃُ سَبْعُوْنَ بَابًا اَفْضَلُہَا طَلَبُ الْحَلَالِ۔ عبادت کے ستر باب ہیں طلب (معاش) حلال ان میں افضل ترین ہے (دیلمی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَفْضَلُ الْکَسْبِ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا افضل کسب ہے۔

دیلمی کی روایت میں ہے لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْمَعِیْشَۃَ جَعَلَ الْبَرَکَۃَ فِی الْحَرْثِ وَالْغَنَمِ۔ اللہ تعالیٰ نے جب معیشت کے اسباب پیدا کئے تو کھیت اور بکریوں بھیڑوں میں برکت رکھی (دیلمی)

خَیْرُ الْمَالِ الْعَقَارُ۔ بہترین مال مکان ہے (مسند)

مَنْ کَانَ لَہٗ اَرْضٌ فَلْیَزْرَعْہَا۔ صحیحین میں ہے جس کی ملک میں زمین ہے تو چاہئے کہ وہ اس میں زراعت کرے (رواہ الشیخان)

اُحْرُثُوْا فَاِنَّ الْحَرْثَ مُبَارَکٌ۔ کھیتی باڑی مبارک پیشہ ہے (ابوداؤد)

بَاکِرُوْا فِیْ طَلَبِ الرِّزْقِ وَالْحَوَائِجِ فَاِنَّ الْغُدُوَّ بَرَکَۃٌ وَّنَجَاحٌ۔ حوائج اور رزق صبح سویرے طلب کرو صبح کا وقت برکت اور کامیابی کا ہے (جامع الصغیر)

حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے مَنْ تَرَکَ السُّوْقَ ذَہَبَتْ مُرُوْءَتُہٗ وَسَاءَ خُلُقُہٗ۔ جس نے بازار (تجارت) چھوڑ دیا اس کی وضعداری رہی اور سوء خلقی میں گرفتار ہوگیا (تنبیہ ابو اللیث سمرقندی)

مذکورۃ الصدر احکام سے ظاہر ہے کہ جائز طور پر کسب معیشت ممنوع نہیں ہے بلکہ دین میں داخل ہے جس کے ترک کر دینے سے مسلمانوں میں گداگری کی کثرت حد اعتدال سے متجاوز ہو گئی ہے۔

مسلمان تاجروں کیلئے ضروری ہدایتیں

حدیث شریف میں ہے عن معاذ رضی

اِنَّ اَطْیَبَ الْکَسْبِ کَسْبُ التُّجَّارِ الَّذِیْنَ اِذَا حَدَّثُوْا لَمْ یَکْذِبُوْا وَاِذَا ائْتُمِنُوْا لَمْ یَخُوْنُوْا وَاِذَا وَعَدُوْا لَمْ یُخْلِفُوْا وَاِذَا اشْتَرَوْا لَمْ یَذُمُّوْا وَاِذَا بَاعُوْا لَمْ یَمْدَحُوْا وَاِذَا کَانَ عَلَیْہِمْ لَمْ یَمْطُلُوْا وَاِذَا کَانَ لَہُمْ لَمْ یُعَسِّرُوْا (رواہ البیہقی)

ترجمہ:- پاکیزہ ترین کمائی تاجروں کی کمائی ہے۔ اور ان کی شان یہ ہونا چاہئے کہ گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے۔ جب ان کے سپرد کوئی امانت ہے تو خیانت نہیں کرتے اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے توڑتے نہیں اگر خریدتے ہیں تو اس چیز کی برائی نہیں کرتے اگر بیچتے ہیں تو اس کی تعریف کے پل نہیں باندھتے اگر ان پر کسی کا قرض ہوتا ہے تو ٹال مٹول نہیں کرتے اور اگر ان کا روپیہ کسی پر نکلتا ہے تو اس پر سختی نہیں کرتے۔

دغا فریب سودی لین دین اور ترک زکوٰۃ ناپ تول میں کمی کرنے سے اجتناب نہایت ضروری ہے حدیث شریف میں ہے

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِّیَ بِالْحَرَامِ (مشکوٰۃ) حرام کے ذریعے سے غذا پایا ہوا جسم جنت (داخل جنت) میں داخل نہ ہوگا۔

فرمان الٰہی ہے۔ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ الآیہ۔ اللہ سود کو گھٹاتا اور اس کی برکت زائل کرتا ہے اور خیرات کے ثواب اور برکت کو بڑھاتا ہے (پارہ ۳ سورہ ۲)

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ (الآیہ)

(ترجمہ) اے ایمان والو اللہ کی راہ میں اپنی پاک کمائی (میں) سے مال حلال خرچ کرو

نان دہی بہر خدا نانت دہند		جان دہی از بہر حق جانت دہند
اَنْفِقُوْا اِنْ کُنْتُمْ لِلْمُتَّقِیْنَ فَمَا		اِنَّمَا الْخَیْرَاتُ نِعْمَ الْمُرْتَجٰی
لِلْمُنْفِقِ مُصْطَفٰی بَنَاہُ نَجَاحُ		اَلسَّمَاحُ یَا اُوْلِی الْفَلَاحِ بَاجِحٌ (مثنوی)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے انہیں ان کے اعمال حسنہ کا ثواب اللہ کے ہاں ملے گا (پارہ ۳ ع ۳)

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔ اور جو کچھ تم زکوٰۃ دو گے اللہ کی رضا کی خاطر دو گے تو دیا دو گنا کو اللہ کی طرف سے دوگنا دیا جائیگا۔ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنْ زَکٰوۃٍ وَّلَا ضَاعَ مَالٌ فِیْ بَرٍّ (ترجمہ) زکوٰۃ سے مال میں نقصان نہیں آتا اور نیکی سے مال ضائع نہیں ہوتا ارشاد الٰہی ہے

بخشش واقرباں نہ مذکالات		حصن کار ز خشو و شکر و صلات
مال دنیا را اگر گردو تلف		ورد دوں ست نیک حق نہ ضامنہ

جہاں تک ممکن ہو تجارت میں مشغول ہو کر مسلمانوں کے تارک نہ بنجائیں اور نمازوں کی مسجد گاہ نہیں بلکہ سے جماعت کی نماز کے وقت بھی کام سے عبادت کا ادب تبارک و تعالیٰ کی پرواہ نہ کرکے بیوپار میں مستغرق رہتے ہیں اس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

مذہب ہی حقیقی انسان بناتا ہے

از علامہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

ایک زمانہ تھا کہ جب یورپ میں مذہبی جنون کا دور دورہ تھا اور تاریک اور بھیانک منظر یہ تھا کہ اس تاریک دور میں تقریباً سارے یورپ پر ظلم و جبر، نا انصافی کی حکومت تھی نہ قانون کی بلکہ صرف ان پادریوں یا مذہبی پیشواؤں کی حکومت تھی جو مذہب کے نام سے جو چاہتے جائز کر جاتے اور جو چاہتے کرتے تھے بد نصیب یورپ والوں پر ایسے ایسے ظلم و ستم کئے جاتے تھے کہ جن کے صرف خیال سے دل کانپ اٹھتا ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ وہ پیشوا کوئی ظالم یا سخت یا جھوٹے اور مکار تھے بلکہ صرف اس لئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغمبر اور اپنا ہادی تسلیم کرتے تھے اور وہ عبادت تو خدا کی ہی کرتے تھے مگر اپنے طریقہ پر کرتے تھے اور عیسائی طریقہ کو پسند نہ کرتے تھے یہودی تو پھر غیر مذہب والے تھے۔ بعض زمانہ میں تو پادریوں کا جنون اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ خود عیسائی مذہب کا ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا جانی دشمن تھا۔ اور جب کبھی موقعہ ملتا تھا رومن کیتھولک فرقہ کے پادری پروٹسٹنٹ فرقہ کو تباہ و برباد کر دینے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے تھے صدہا انسان جن میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی زندہ جلتی ہوئی آگ میں ڈال دی گئیں۔ اور مقدس پادریوں نے، ان ہی پادریوں نے جو مذہب کے پیشوا اور دنیا میں خدا کے نائب یا خلیفہ تھے نہایت ہی خندہ پیشانی سے کھڑے ہو کر انسانی گوشت اور چربی کے جلنے کا تماشا دیکھا اور اس کی بدبو اگرچہ حضرات آسمانی کے پہونچ تک بھاگ گئی مگر اس مقدس گروہ نے دوران بھی ناک کو ذرا نہ ہلایا۔

پاپائے اعظم کے تقدس مآب دربار میں بڑے بڑے شاہان پُر جلال کے سر جھک جاتے تھے اور حضرت عیسیٰ جیسے مسیح اعظم کے یہ نمائندے اس بات پر فخر نہ کرتے تھے کہ انہوں نے نسل انسانی کی مصیبتوں کے دور یا کم کرنے کی تدبیر سوچی ہے بلکہ ان کو اس بات پر فخر ہوتا تھا کہ انہوں نے ہی جیسے انسانوں اور اپنے ہی جیسے خدا کے بندوں کو تکلیف اور عذاب دینے کا کوئی شدید ترین اور جدید ترین طریقہ ایجاد کر لیا ہے ... خانہ میں ... کہ وہ تمام ہیبت ناک شکنجہ و آلات ... وغیرہ دیکھ کر روح لرز جاتی ہے جو صرف اسی لئے ایجاد کئے گئے تھے کہ ... بزعم خود گنہگار انسانوں کو ان میں پھانس کر شدید ترین تکلیف ... کہ جسے ... اٹھائے تاکہ پادری صاحب کی طبیعت خوش ہو سکے۔

اس بربریت اور ظلم کا نام تاریخ لکھنے والوں نے مذہبی جنون رکھا ہے مگر حقیقتاً یہ ان کی غلط فہمی پر مبنی ہے انہوں نے یہ دیکھا کہ جو کچھ کیا جاتا تھا وہ مذہب کا نام لے کر کیا جاتا تھا اس لئے انہوں نے اسے مذہبی جنون کے نام سے تعبیر کیا جو کچھ کیا جاتا تھا اس میں اگرچہ مذہب کی آڑ ضرور لی جاتی تھی مگر اسے خدا پرستی یا مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ وہ صرف خود پرستی تھی جسے فرعون صفت پادریوں نے اپنا شعار بنا رکھا تھا اور اس طرح وہ خود بھی اپنی اور اپنے نفس کی پرستش کیا کرتے تھے، اور لوگوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر کے ان سے بھی اپنی اور اپنے احکام کی پرستش کراتے تھے۔

مکر و فریب، ظلم و عدوان اور فحش و ریا کا یہ دور قائم رہ سکتا تھا اور نہ رہا انقلاب ہوا اور عظیم الشان انقلاب ہوا ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو ان حالتوں کی تاب نہ لا سکتے تھے اور جن کو حق بات کے اظہار میں نہ جان کا خوف تھا نہ عزت و آبرو کا۔ چند ہی روز میں ایسے لوگوں کی جماعت خاصی بڑھ گئی اور رفتہ رفتہ وہ خود پرست فرعونوں کا زور توڑ دینے میں کامیاب ہو گئے بہیمیت اور بربریت کی سزائیں موقوف ہو گئیں اور انسانوں کو مذہب اور رائے کی آزادی پھر حاصل ہو گئی لیکن اس کا رد عمل کا نتیجہ بجائے خود بھی کچھ بہت قابل اطمینان نہ نکلا۔ لوگوں کے دلوں میں مذہب کی طرف سے نفرت بیٹھ گئی تھی اور وہ مذہب کے نام سے بیزار تھے وہ نیک بننا چاہتے تھے وہ اچھے کام کرنے کے لئے تیار تھے وہ امن و امان کی زندگی بسر کرنے کے خواہشمند تھے اور وہ ظلم اور نا انصافی کی بیخ کنی کو آمادہ تھے مگر مذہب کے نام سے نہیں انہوں نے ملک کی اصلاح کی مگر خدا کے قانون کے ذریعہ سے نہیں بلکہ اپنے قانون کے ذریعہ سے اور اس طرح اگرچہ وہ عملاً اچھے مذہبی آدمی تھے لیکن انہوں نے کبھی اس کو گوارا نہ کیا کہ اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند خیال کریں۔

عملاً انہوں نے وہی تمام باتیں اختیار کیں جو مذہب نے سکھائی تھیں اور اس طرح گویا انہوں نے صحیح اور سچے مذہب کو رواج دینے کی کوشش کی مگر اس کا نام قانون ہی رکھا اس حالت پر ابھی چند صدیاں گزری نہیں، اور اب وہ زمانہ آیا کہ جس طرح پہلے پادری اور پیشوایان مذہب طرح طرح کے مکر اور فریب اور ظلم و ستم کیا کرتے تھے اسی طرح اب چالاک اور عیار لوگوں نے قانون کی آڑ میں شکار کھیلنا شروع کر دیا حکومت میں جس طبقہ اور جس خیال کے لوگوں کا زور ہو جاتا وہی چند قوانین ایسے بنا دیتے جو ان کے ہم خیالوں کے لئے مفید ہوتے اور دوسروں کے لئے مضر۔ سرمایہ داروں نے مزدوروں کے خلاف قوانین بنائے گورے رنگ کے لوگوں نے کالے رنگ کے آدمیوں کو دبانا شروع کیا۔ سرد

ملکوں کے بسنے والوں کو سرد اور دھوپ کے ملکوں کی تلاش ہوئی اور تہذیب و تمدن نے بالخصوص یافتہ قوموں پر غلبہ حاصل کر کے ان پر حکمرانی شروع کر دی یہ نا مساوی حالت بھی غیر فطری تھی اور انسانی طبیعت کسی طرح اسے گوارا نہ کر سکتی تھی اس لئے پھر ہر طرف بے چینی اور بے اطمینانی پھیل گئی مزدور سرمایہ داروں کے خلاف منظم ہو گئے تمام انسانوں کو مساوی حالت پر لانے کے لئے بالشویک اصول ایجاد کئے گئے جن میں سے بیشتر نا قابل قبول تھے، رنگدار قومیں سفید رنگ قوموں سے متنفر ہو چلیں اور گرم ملک والوں کو سرد ملکوں والوں کی چیرہ دستیاں ناگوار گذرنے لگیں نسل انسانی کا وہ وسیع حلقہ جو دنیا کے پانچ یا چھ بڑا عظموں پر آباد تھا ان خود غرضیوں اور خود پرستیوں کی بدولت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو گیا کسی نے اپنا نام انگریز رکھ لیا کسی نے جرمن کوئی خود کو فرانسیسی کہنے لگا اور کوئی روسی کسی نے اپنا نام ترک یا ایرانی رکھا اور کسی نے چینی اور جاپانی اور اس طرح اس سنے دور میں ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا جو اپنے آپ کو انسان کہتا۔

ہندوستان آہستہ آہستہ مغربی اثرات کو قبول کرتا جا رہا ہے اور یہاں بھی ایک جماعت ایسی ہوتی جا رہی ہے جو مذہب کو ایک لغو بے کار چیز خیال کرنے لگی ہے، اگر یہی حالت ترقی کرتی رہی تو وہ دن دور نہیں ہے کہ ہندوستانی بھی مغربی اقوام کی طرح مذہب کو بالائے طاق رکھ کر اپنے بنائے ہوئے قوانین پر بجائے خود ایک خود ساختہ مذہب پر عمل پیرا ہو جائیں گے اطمینان قلب اگر اس طرح میسر آ سکے تو خیر اس میں بھی کچھ حرج نہیں مگر جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود وہ قومیں جنہوں نے دین و مذہب کو طلاق دیکر بزعم خود آزادی حاصل کی ہے اب پہلے سے زیادہ مبتلائے مصیبت و رنج ہیں اور ان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خونریزی و ہلاکت کے نئے نئے آلے ایجاد کرنے سے خالی نہیں گذرتا تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا چیز ہے جو ہمیں اس بے اطمینانی اور پریشانی کی طرف کھینچ رہی ہے۔

اگر کافی غور کیا جائے تو مذہب سے ہمارے بھاگنے کی اور مغرب کی طرف جھکنے کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے ہماری چھیانوے فی صدی آبادی جاہل مطلق ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے جاہل کسی طرح بھی صحیح اور سچے مذہب سے واقف نہیں ہو سکتے اور اس پر بدقسمتی یہ ہے کہ نام نہاد پیشوایان مذہب کی ایک جماعت ایسی ہم میں بھی پیدا ہو گئی ہے جو مذہب کے نام سے ہر قسم کے جبر و تعدی اور مکر و ریا کو جائز خیال کرنے لگی ہے مذہب اب صرف زبان سے کہہ کر چند جملے ادا کر دینے کا نام رہ گیا ہے اور مذہب کے نام سے صدہا عجیب و غریب بدعتیں رائج ہیں کہ جن سے لا مذہبوں کو بھی شرم آنے لگی۔

پھر تعلیم یافتہ آدمی جن کی تعداد بمشکل تین فی صدی ہوگی انگریزی تعلیم حاصل کر کے کچھ تو یوں ہی لیلائے مغرب کی ہوا کے دلدادہ بن جاتے ہیں اور کچھ یہ دیکھ کر کہ مذہب ان کی چند بدعات کا نام ہے مذہب سے نفرت کرنے لگتے ہیں مذہب کی خرابیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں اور مادیت کے عیب ان کی نظروں سے پوشیدہ اس لئے خواہ مخواہ ان کا دل لا مذہبیت کی طرف کھنچتا اور آہستہ آہستہ ہم بھی اسی شاہراہ پر پڑتے جاتے ہیں جس پر آگے آگے یورپ گامزن ہے روپے پیسے یہ غلط راستہ اختیار کر کے پریشانی اور بے اطمینانی کے سوا اور کچھ حاصل نہ کیا اور یہی چیز ہماری قسمت میں آئے گی اگر ہم آنکھیں بند کئے اسی طرح ان کے پیچھے چلے گئے یہ واقعہ ہے اور تمام دنیا اسے تسلیم کرتی ہے کہ دل کا اطمینان اگر نصیب ہو سکتا ہے تو صرف اسی وقت جبکہ انسان مادہ پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی کی جانب مائل ہو۔ مادہ پرستی ہماری نظر کو تنگ کر دیتی ہے اور ہم تمام نسل انسانی کی بھلائی چاہنے والے اور بلا کسی تفریق و امتیاز کے ہر انسان کی خدمت کرنے کی بجائے اپنے ذاتی فائدوں کی خاطر اپنی ہمدردی کو صرف اپنی قوم تک صرف اپنے فرقہ تک صرف اپنے خاندان تک اور بالآخر صرف اپنی ذات تک محدود کر لیتے ہیں۔ اس کے برخلاف خدا پرستی ہماری نگاہوں کو وسیع کرتی ہے اور بجائے اپنے خاندان اپنے فرقہ، اپنی قوم حتیٰ کہ تمام بنی نوع انسان کی بھلائی چاہنے لگتے ہیں یہی نہیں بلکہ خدا پرستی ہمیں اس بات پر بھی ابھارتی ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ نہیں بلکہ اپنا نقصان کر کے اور اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر بھی ہم دوسروں کو بھلائی پہنچائیں مذہب ہمیں یہی سکھلاتا ہے کہ ہم بندوں کی خدمت کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کریں خدا رب العالمین ہے اسے اپنے بندوں سے بڑی محبت ہے اور ہمیں اس کے خوش کرنے کی کوشش کرنے کے لئے اس کے بندوں سے محبت اور ان کی خدمت کرنی پڑے گی یہ بات ہمیں مذہب ہی سکھا سکتا ہے بشرطیکہ اسے لغویات آلودہ نہ کر دیا گیا ہو اور یہ حقیقت ہے کہ مذہب سے الگ ہو کر ہم ہرگز انسان نہیں بن سکتے۔

ضروریات دین

گذشتہ سے پیوستہ

از حضرت علامہ مفتی سید نذیر الحق صاحب قادری

تفسیر درمنثور کی یہ روایت اس قسم کے تمام خلجان اور شبہات کا ازالہ کر دیتی ہے۔

اخرج عبد بن حمید وابن المنذر عن شھر بن حوشب فی قولہ تعالیٰ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ عن محمد بن علی بن ابی طالب وھو ابن الحنفیۃ قال لیس من اھل الکتاب احد الا اتتہ الملائکۃ یضربون وجھہ ودبرہ ثم یقال یا عدو اللہ ان عیسیٰ روح اللہ وکلمتہ کذبت علی اللہ وزعمت انہ اللہ ان عیسیٰ لم یمت وانہ رفع الی السماء وھو نازل قبل ان تقوم الساعۃ فلا یبقی یھودی ولا نصرانی الا اٰمن بہ۔

محمد بن علی بن الحنفیۃ رح سے آیت وان من اھل الکتاب الخ کی تفسیر میں منقول ہے کہ ہر کتابی کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اس کے منہ پر آگے پیچھے مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دشمن تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کہتا تھا تو اللہ پر جھوٹ بولتا تھا تو نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی وہ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے ہیں اور وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور اس وقت کوئی یہودی اور نصرانی ایسا باقی نہ رہے گا جو اس بات پر ایمان نہ لائے کہ حضرت عیسیٰ خدا نہیں وہ زندہ اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رح نے اپنی تفسیر کے اندر گیارہ صفحوں میں باسانید صحیحہ احادیث متواترہ سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے اور نزول عیسیٰ کے بعد کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو آپ پر آپ کی وفات سے پیشتر ایمان نہ لائے اور یہ قرآنی پیشین گوئی پوری نہ ہو جائے۔

الجواب الصحیح جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ و ۲۸۲ پر فرماتے ہیں۔

وان من اھل الکتاب الخ کی تفسیر اکثر علماء نے یہ کی ہے کہ اس میں قبل موتہ سے مراد حضرت عیسیٰ کی وفات ہے اور یہودی کی موت بھی بعض لوگوں نے مراد لی ہے مگر یہ ضعیف ہے جیسے کہ کسی نے آنحضرت کی موت بھی اس سے مراد لی ہے مگر ضعیف ہے جیسے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بھی اس سے مراد لی ہے اور یہ پہلے قول سے بھی زیادہ ضعیف ہے کیونکہ اگر موت سے پہلے ایمان ہو تو نفع دے سکتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے جب تک بندہ غرغرہ یعنی نزع کی حالت تک نہ پہونچے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایمان سے مراد ایمان بعد الغرغرہ ہے تو اس میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ غرغرہ کے بعد ہر ایک امر جس کا وہ منکر ہے اس پر ایمان لاتا ہے پس مسیح علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں اور ایمان سے مراد نافع ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل موتہ فرمایا ہے نہ بعد موت۔ اگر ایمان بعد غرغرہ مراد ہوتا تو بعد موتہ فرماتا کیونکہ بعد موت کے ایمان بالمسیح یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہودی یہودیت پر مرتا ہے اس لئے وہ کافر مرتا ہے مسیح اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منکر ہوتا ہے اس آیت میں لیؤمنن بہ مقسم علیہ ہے یعنی قسمیہ خبر دی گئی ہے اور یہ مستقبل میں ہی ہو سکتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایمان اس خبر کے بعد ہوگا اور اگر موت کتابی مراد ہوتی تو یوں فرماتے وان من اھل الکتاب الا من یؤمن بہ اور لیؤمنن بہ نہ فرماتے۔

نیز وان من اھل الکتاب عام ہے جس میں ہر ایک یہودی اور نصرانی شامل ہے پس ثابت ہوا کہ تمام اہل کتاب یہود و نصاریٰ مسیح کی موت سے پیشتر ان پر ایمان لائیں گے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے اس وقت تمام یہود و نصاریٰ ایمان لائیں گے

تصریحات بالا سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ مسیح ع ابھی زندہ ہیں اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے آپ پر تمام یہود و نصاریٰ ایمان لائیں گے اور اس قرآنی پیشینگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی ناظرین خدارا انصاف سے بتلائیں کہ مرزا صاحب اسلام کے خادم تھے یا اس کے دشمن؟ کیونکہ اس آیۂ مبارکہ کے متعلق مرزا صاحب کی انتہائی کوشش ہے کہ منشائے ربانی کو بدل دیا جائے حقیقت پر پردہ پڑ جائے اور قرآنی پیشینگوئی پوری نہ ہونے پائے مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ قرآن حکیم خداوندی حفاظت میں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر آپ دیکھتے کہ قادیان کس خوبصورتی سے اس کتاب مقدس کو نئے رنگ میں پیش کرتا۔

دوسری دلیل

سورۂ آل عمران میں حضرت حق جل مجدہٗ شانہٗ فرماتے ہیں:-

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۔ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔

اور فریب کیا کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ سب سے زیادہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے جس وقت کہ اللہ تعالے نے کہا اے عیسےٰ! میں تجھ کو بھرلوں گا اور اٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کردوں گا کافروں سے الخ

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ علماء یہود نے اس وقت کے یہودی بادشاہ کو بہکایا کہ یہ شخص یعنی حضرت علیہ السلام ملحد ہے توریت کے احکام کے خلاف لوگوں کو نئے احکام کی طرف بلاتا ہے اور ہمارے مذہب کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے اس لئے آپ کو اس کا کچھ فکر و تدارک کرنا چاہیئے، بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو بھیجدیا کہ وہ ان کو پکڑ لائیں یہ حکم پاتے ہی حکومت کے پیادے جا پہونچے آپ کے حواری تو ان کو دیکھتے ہی سرک گئے اور وہ حضرت عیسیٰ ع کو پکڑ لائے اور آپ کو ایک کوٹھری میں اس نیت سے بند کردیا گیا کہ صبح کو سولی دیدی جائے گی اس کوٹھری سے حق تعالےٰ جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور آپ کی شباہت باقی رہ گئی اس کو یہودیوں نے پکڑ کر سولی پر چڑھادیا۔ اس آیۂ مبارکہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس آیت سے بھی حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہوتی ہے مگر اس آیت سے حیات مسیح پر استدلال کرنا چند بحث طلب امور پر موقوف ہے جن کا ذکر کیا جاتا ہے

لفظ توفّی کے معنے اور اس کی بحث

آیت مذکورہ میں رفع سے مراد رفع جسمانی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تم کو جسم کے ساتھ اپنی طرف اٹھاؤں گا یہ خدائے تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا جیسے اللہ تعالےٰ نے اسوقت وفا فرمایا جبکہ یہودی آپ کو سولی دینا چاہتے تھے مگر لفظ توفّی کے معنے اور اس کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے۔

اللہ تعالےٰ حضرت عیسیٰ ع سے وعدہ فرماتا ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یعنے اے عیسیٰ میں تیرا متوفی ہوں توفی کے حقیقی معنی ہیں اخذ الشئ وافیاً یا استیفاء شئ اور یا اتمام شئ ہیں قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے سب جگہ توفی سے استیفاء، اکمال اور اتمام ہی مراد ہے۔ پس توفّی کے معنے لغتاً کسی چیز پر پورے طور پر قبضہ کرنا ہے توفی ماخوذ ہے وفا سے اور وفا کے معنے ہیں پورا ہونا مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلانی چیز کافی و وافی ہے یعنی پوری ہے اور ایفا کے معنے ہیں پورا کرنا۔

قاعدہ ہے کہ ماخذ کے معنے ماخوذ کی تمام گردانوں یا صورتوں میں معتبر ہوتے ہیں گو ان کے صیغے اور صورتیں مختلف ہوں اس قاعدہ کی رُو سے ماننا پڑے گا کہ توفّی کے معنے میں وفا داخل ہے کیونکہ توفّی وفا سے ماخوذ ہے۔

توفّی باب تفعّل سے بمعنے استفعال یعنی پورا لینا ہے چنانچہ لغت کی تمام کتابیں مثلاً صراح، صحاح اور قاموس وغیرہ اور تمام تفاسیر اس معنی پر متفق ہیں یہ امر محتاج ثبوت نہیں کہ لفظ توفّی کے حقیقی معنے استیفاء اکمال اور اتمام ہی ہیں لغت عربیہ میں یہ لفظ حقیقی معنوں ہی میں مستعمل ہوتا ہے اور جہاں موت کے معنے مراد لئے گئے ہیں وہاں بطور کنایہ لئے گئے ہیں اور یہ ہر اہل علم جانتا ہے کہ جب لفظ اپنے معنے میں مستعمل ہو تو حقیقت ہوگا مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا وصال یا انتقال ہوگیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وصال اور انتقال کے حقیقی معنے موت کے ہیں بلکہ یہ لفظ کنایتاً موت پر بھی صادق آیا تا ہے۔

دوسرا مقدمہ

یہ ہے کہ توفی ایک جنس ہے جس کی تین نوعیں ہیں ایک موت دوسری نوم اور تیسری اصعاد الی السّماء یعنے آسمان پر اٹھانا ان تین نوعوں میں سے کسی نوع کی تعیین کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ آیت زیر بحث میں رفع ایک قرینہ موجود ہے اس لئے لازمی طور پر توفّی کے معنے اصعاد الی السّماء لئے جائیں گے یعنے لفظ توفّی جس چیز سے متعلق ہوگا اس کی نسبت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا چیز ہے؟ روح یا غیر روح اگر توفی کا تعلق روح سے ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک مع الامساک یعنے پکڑنے کے بعد نہ چھوڑنا اس کا نام موت ہے موت کے مفہوم میں دو امر توفّی کے مفہوم میں اور بھی داخل ہیں ایک روح دوسرے امساک دوسری قسم توفی کی نیند ہے جس کے مفہوم میں قبض روح اور ارسال دونوں شامل ہیں غرض موت اور نیند دونوں توفّی کے فرد یا نوعین ہیں یہ تفصیل اس صورت میں تھی کہ توفی کا تعلق روح سے ہو اور اگر توفّی کا تعلق غیر روح سے ہو تو وہ بھی جسم مع الروح ہوگا اور اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ سے یہی مراد ہے۔

الحاصل توفّی کے معنے کسی شئے کا پورا لے لینا ہے عام اس سے کہ وہ شئے روح ہو یا غیر روح۔ (باقی آئندہ)

اُمہات الائمہ

(از جناب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی)

شمس العلماء مولوی نذیراحمد صاحب مرحوم کی یہ وہ مشہور کتاب ہے جس نے اب سے کئی سال پہلے ہندوستان میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا. علماء اسلام نے اس پر اتنا سخت احتجاج کیا کہ آخر کار اس کو جلا دینا پڑا۔ اس وقت سے یہ کتاب ناپید تھی اب مرحوم کے لائق پوتے جناب شاہد احمد صاحب ایڈیٹر رسالۂ "ساقی" نے اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔

مؤلف مرحوم کے متعلق ہم کو یہ معلوم ہے کہ وہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان اور وسیع النظر عالم تھے ان کی تالیفات ان دونوں باتوں پر گواہ ہیں۔ اُن کی نیک نیتی بھی اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ کے دشمنوں کے اعتراضات رفع کرنے کی کوشش کی اور خود مسلمانوں میں جو لوگ اسلامی تعلیمات میں شکوک رکھتے تھے ان کو مطمئن کرنے کے لئے بارہا اپنی قوت تحریر و تقریر کو استعمال کیا۔ امہات الائمہ بھی انہوں نے اسی نیت سے لکھی تھی کہ دشمنوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خانگی زندگی اور تعدد ازدواج پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کو رفع کریں پس جہاں تک ان کی نیت کا تعلق ہے اس پر کسی قسم کا شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ان کے حق میں یہ بدگمانی کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے قصداً عمداً کرنے کی نیت سے اسلام کی مقدس ترین شخصیتوں میں سے کسی پر حملہ کیا ہو گا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے نیک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا اس میں سخت غلطیاں کیں اور حد اعتدال سے تجاوز کر گئے کہ محض اُن کے حسن نیت کی رعایت ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو نظر انداز کر کے ہم صرف اس حصہ پر نظر ڈالیں گے جس میں مؤلف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت بیان کرتے ہوئے ضمناً خلافت کے مسئلہ پر بحث کی ہے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلہ میں جو اختلاف برپا ہوا اور جس کی وجہ سے آخر کار مسلمانوں میں دو فرقے پیدا ہو گئے اس کی بنیاد مولوی نذیراحمد صاحب کے نزدیک وہ "منافست" ہے جو آنحضرت کے عین حیات ہی سے حضرت فاطمہ رضہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان قائم تھی (ص ۱۹۶) ان کا خیال ہے کہ حضرت فاطمہ رضہ کو اپنی والدۂ ماجدہ کی خدمات پر جو ناز تھا اس کی وجہ سے وہ حضرت عائشہ رضہ کو اپنا ہمسر نہ گردانتی تھیں دوسری طرف حضرت عائشہ رضہ کو اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر رضہ کی ان خدمات پر ناز تھا جن پر خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی رؤس الاشہاد اظہار ممنونیت فرمایا۔ اسی بناء پر فاضل مؤلف نے پہلا نظریہ یہ قائم فرمایا کہ:-

"دونوں میں منافست کے اسباب موجود تھے اور منافست تھی بھی"

اس کے بعد وہ خلافت کے "دو بڑے امیدوار" یعنی حضرت ابوبکر رضہ اور حضرت علی رضہ کی طرف بڑھتے ہیں اور یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ دونو بھی اپنی اسلامی خدمات اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قریبی تعلق کی بناء پر خلافت کے مدعی تھے اور ان دونوں میں پہلے سے "نہفتہ رقابت اور دلی کدورت تھی" کدورت کے ثبوت میں مؤلف نے واقعہ افک کو پیش کیا ہے جس میں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ "خدا نے آپ پر بیویوں کے معاملہ میں تنگی نہیں کی ہے"

مصنف کی رائے میں حضرت علیؓ کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت صلعم حضرت عائشہ کو طلاق دیدیں اور یہ مشورہ حضرت علی رضہ نے اس دشمنی کی بناء پر دیا تھا جو ان کو حضرت ابوبکر رضہ سے تھی وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ نے دونوں بزرگوں میں منافست کو ترقی دیکر مفسدہ کی حد تک پہونچا دیا۔

اس کے بعد جناب مؤلف خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حق میں اس خیال کا اظہار فرماتے ہیں کہ:-

خود پیغمبر صاحب کو بھی مشکل درپیش تھی انہوں نے بھی خلافت کے بارے میں کبھی صاف طور پر دو ٹوک بات نہ فرمائی جیسی توحید کے بارے میں لگی لپٹی نہیں کہتے تھے بلا ضرورت بہت پر بہت بڑھانے کو تکلف سمجھتے ہے ہر ایک کے استحقاق کا اعتراف کرتے رہے"

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگرچہ خلافت کا تصفیہ کر دینا ضروری تھا۔ مگر امت کی اس ضرورت کو پورا کرنے سے جس چیز نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو روک دیا وہ صرف یہ بات تھی کہ ایک طرف بیٹی کی محبت اور دوسری طرف بیوی کی محبت یہ ایک کھلی ہوئی اخلاقی کمزوری ہے جس کو مؤلف نے خود رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب کر دیا

اس سلسلہ میں مؤلف نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے واقعۂ قرطاس کو اس انداز سے بیان کیا ہے۔

سب سے پہلے واقعہ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی خلافت کے لئے پک ہی تھی خلافت کے سوائے اور کون سا ایسا ضروری مطلب ہو سکتا تھا جس کے لئے احتضار کی حالت میں صورت سوال بن کر پیغمبر صاحب کو وصیت کی تکلیف دی جائے بات پھر بھی گول مول رہی۔ علی رضہ . . . . نے سامنے جا کھڑے ہونے کے سوائے منہ سے کچھ نہ کہا پیغمبر صاحب بھی اس وصیت کی جس کے لئے کاغذ منگوانا چاہتے تھے کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے ہو۔ مگر جن کے دل میں منشائے خلافت چھپا لے رہی تھی انہوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چکیوں

ہیں اڑا دیا! اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے" (ص ۱۰۰)

ان فقروں میں حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ دونوں پر جو حملہ کیا گیا ہے وہ اتنا صریح ہے کہ اس کو کسی تاویل سے نہیں چھپایا جا سکتا۔

"انہوں نے رزق مقسوم پر قناعت نہ کر کے گوشۂ عافیت سے پاؤں باہر نکالے اور خواہ مخواہ دعویٰ خلافت کر بیٹھے.....

ان کا حال کیا تھا کہ ان میں سے جب کسی کے پاس ہزار پانسو کی جمعیت فراہم ہوئی لگا سلطنت کے خواب دیکھنے۔ ملک گیری کی ہوس میں علم خلافت اونچا کیا۔ خلیفۂ وقت پر خروج کر کے ساتھیوں کو ناحق مروا دیا اور آخرکار خود بھی لڑائی میں مار ڈالا گیا یا پکڑا آیا قید کیا گیا یا زہر دیکر مار ڈالا گیا۔ خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں..... اسلام کے حق میں یہ بھی اچھا ہوا کہ پیغمبر صاحب کی اولاد ذکور ان کے بعد زندہ نہ رہی بیٹیوں میں ایک بیٹی زندہ رہیں تو ان کی نسل کی بدولت اسلام میں یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہو گئے جن میں ہمیشہ جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔ بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا" (ص ۱۰۲)

اس فقرے کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسین رضؓ سے لے کر آخر تک اہل بیت میں سے جس کسی نے خلافت کا دعوےٰ کیا اس کے پیش نظر محض سلطنت کی ہوس تھی اور کسی بلند تر مقصد کا شائبہ نہ تھا۔ ادب اور بزرگداشت کو جانے دیجئے، تاریخ ہی کے اعتبار سے کیا یہ درست ہے پھر قیاس آرائی کی حد یہ ہے کہ جناب مؤلف فرض کر لیتے ہیں کہ اگر آنحضرت کا بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا قطع نظر اس کے کہ اہل بیت کے حق میں یہ انداز بیان صد درجہ گستاخانہ اور خلاف حقیقت ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ؐ کے متوفیٰ بیٹے کے حق میں جو قیاس انہوں نے قائم کیا ہے اس کے لئے مجرد بدگمانی کے سوا اور کیا بنیاد ہو سکتی ہے۔

اہل بیت اور بنو امیہ اور بنو عباس کے درمیان جو خونریزیاں ہوئیں ان کو بیان کرنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں۔

"دو عورتوں کی ضد نے (اور ضد بھی کھانے کی نہیں کپڑے کی نہیں خرچ بات کی نہیں سلوک مدارات کی نہیں خیالی برتری کی) کیا طول پکڑا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس ہونے کو آئے اور یہ جھگڑا طے نہ ہوا" (ص ۱۰۶)

پھر اس سلسلہ میں حضرت فاطمہ رضؓ کے دعوائے فدک اور اس کے فیصلہ پر ان کے ناراض ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

کس بلا کا حقد ہے (خدا کی پناہ !) ادہر فاطمہؓ ایک سیر کی تھیں کہ مرتے مر گئیں اور اپنی آن چھوڑی تو ادہر عائشہ سوا سیر کی فاطمہؓ جوان مرگ مر گئی تھیں علیؑ کا سارا گھمنڈ فاطمہ رضؓ کے مرنے سے کرکرا ہو گیا تھا اور ہارے درجہ بس خوردہ خلافت ان کو نصیب ہوا تھا وہ بھی ادہورا کہ عراق اور شام کے لوگ علیؑ کی خلافت سے راضی نہ تھے۔ پھر بھی عائشہ علیؑ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں۔ علی مسند خلافت پر جم کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ قاتلان عثمان کا قصاص لینے کی غرض سے علیؑ پر فوج کشی کر بیٹھیں گویا علیؑ نے عثمانؓ کو قتل کیا یا کرایا ہے۔ ہمارے ملک میں عورتوں کا ایک طبعی خاصہ تریاہٹ (یا تریا ہٹ) ہے ایک تریا پر تر بھی مانا گیا ہے تو وہی بات ہم فاطمہ رضؓ اور عائشہ رضؓ میں پاتے ہیں۔ فاطمہ رضؓ تو انتقال فرما گئیں اور ان کی ہٹ بھی تم نے دیکھ لی اب رہ گئیں عائشہ تو ان کا ایک چہ تر تو یہ تھا!"

اس کے بعد نعوذ باللہ حضرت عائشہ رضؓ کے "چرتر" گنائے ہیں اور اپنے دعوے کی تائید میں جو ثبوت پیش کیا ہے وہ اس قدر لغو ہے کہ اس پر بحث کرنا بالکل لاحاصل معلوم ہوتا ہے۔

آگے چل کر حضرت عثمانؓ پر بھی ہاتھ صاف کرتے ہیں ان کے حق میں مولانا کا فتوےٰ یہ ہے کہ:-

"عثمانؓ اپنی بے جا اور تحکمانہ اور خود سرانہ کارروائیوں کی وجہ سے قتل کے تو نہیں عزل کے مستوجب ضرور تھے۔"

ہم نے ان تمام ناشائستہ فقروں کو دلی کراہت کے باوجود صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص ہم کو مولوی نذیر احمد صاحب کے حق میں بے انصافی کا الزام نہ دے خود مولوی صاحب کی تحریروں سے یہ چند نمونے پیش کرنے کے بعد ہم پوری کتاب کے متعلق اپنی رائے مختصر الفاظ میں لکھ دیتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلی غلطی یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی اور تعدد ازدواج پر عیسائی پادریوں کے اعتراضات رفع کرنے کے لئے لکھی گئی تھی ان مباحث کی قطعاً ضرورت نہ تھی جن کو مولوی صاحب نے خواہ مخواہ چھیڑ دیا ہے۔

(۲) دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی سیرت اس زبان میں لکھی ہے جو مراۃ العروس اور بنات النعش ہی کے لئے موزوں ہو سکتی تھی مؤلف میں یہ سلیقہ نہ تھا کہ ہر موضوع کے لحاظ سے اس کے مناسب زبان اختیار کرتے بزرگان دین کے احوال میں وہ زبان استعمال کرنا جو ناولوں میں استعمال کی جاتی ہے خاص دینی نقطۂ نظر سے بھی جائز نہیں کیا کہ مذہبی نقطۂ نظر سے، یہی وجہ ہے کہ جگہ جگہ ان

کے فقرے نظروں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتے ہیں اور بعض مقامات پر تو زبان کا چھوہڑپن اس قدر حد سے گذرا ہوا نظر آتا ہے کہ بے اختیار کتاب ہاتھ سے پھینک دینے کو جی چاہتا ہے۔

(۲) مؤلف کی نیت نیک ہی سہی مگر انہوں نے یہ کتاب لکھ کر وہ کام کیا ہے جو ایک دشمن اسلام کو کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور آپ کے سب سے زیادہ مقرب صحابیوں کا وہ کیرکٹر پیش کیا ہے جو کسی حیثیت سے بھی ادنے درجہ کے نفس پرست لوگوں سے ممتاز نہیں وہی ضد نفسانیت ہوس جاہ اور اپنی ذاتی اغراض کے لئے حق وناحق کی پروا نہ کرنا جو ہم پست ترین اخلاق کے لوگوں میں دیکھتے ہیں مولوی نذیر احمد صاحب نے اسی کو ان لوگوں کی سیرتوں میں نمایاں کرکے دکھایا ہے جنہوں نے خاص رسول اللہ صلعم سے اسلامی اخلاق کی تعلیم وتربیت پائی تھی، اور جن کے کندھوں پر آنحضرت صلعم کے بعد دنیا میں اسلام کو پھیلانے کا بار ڈالا گیا تھا اگر یہ لوگ فی الحقیقت ویسے ہی ہوتے جیسا مولوی نذیر احمد صاحب نے ان کو سمجھا ہے تو قسم بخدا کہ اسلام ہرگز مدینہ سے چل کر دلی تک نہ پہنچتا اور نہ تیرہ صدیوں تک قائم رہتا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور آپ کی تعلیم وتربیت کے باوجود ان لوگوں کے اخلاق ایسے ہی تھے جیسے مولوی صاحب نے بیان کئے ہیں تو نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں قطعاً ناکام ہوئے اگر یہ لوگ عہد جاہلیت کے کسی عرب سردار کے اقربا وا صحاب ہوتے تو کیا ان سے ان ہی اخلاق اور افعال کا صدور نہ ہوتا جو مولوی نذیر احمد صاحب نے بیان کئے ہیں؟ پھر اخلاق کے اعتبار سے جاہلیت اور اسلام میں فرق ہی کیا باقی رہا اور وہ کون سی اصلاح اخلاق ہے جس پر اسلام فخر کرسکتا ہے؟

(۳) مولوی نذیر احمد صاحب نے صحیح اور مقتبہ تاریخی واقعات کو صاف اور سیدھے الفاظ میں بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان پر قیاسات کی ایک بڑی عمارت تیار کی ہے اور افسوس یہ ہے کہ ان کے تمام قیاسات ایسے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم مورخ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور صحابہ سے سخت بدگمانی رکھتا ہو ان واقعات پر قیاس آرائی کرتا تو شاید اس سے زیادہ بدتر قیاس آرائی نہ کرسکتا۔ ہر واقعے کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک اچھا اور ایک برا۔ دوست اچھا پہلو اختیار کرتا ہے اور دشمن برا پہلو۔ بدقسمتی سے مولوی نذیر احمد صاحب نے برا پہلو اختیار کیا اور صحابہ و اہل بیت رسول صلعم کے ہر فعل میں ان کو بدنیتی اور دنائت اخلاق ہی نظر آئی۔

یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہماری رائے میں امہات الائمہ ہرگز اس قابل نہ تھی کہ اسے دوبارہ شائع کیا جاتا۔ مولوی نذیر احمد صاحب کو ایک عالم اور انشا پرداز کی حیثیت سے جو شہرت حاصل ہے اس میں یہ کتاب کوئی اضافہ نہیں کرتی بلکہ اس کو بٹہ لگاتی ہے مرحوم سے آخری عمر میں ایک غلطی سرزد ہوگئی مناسب تھا کہ اس پر پردہ پڑا رہنے دیا جاتا ان کے پوتے نے کچھ اچھا نہ کیا کہ اپنے دادا کی غلطی کو پھر ایک مرتبہ منظر عام پر لے آئے۔

انتخاب صحاح ستّہ

ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ صحاح ستہ کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ضروری خلاصہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر مع اردو ترجمے شائع کیا جائے جو حدیث شریف کے سند یافتہ اور عربی کے مبتدی اور اردو کے حروف شناسوں کے لئے یکساں کارآمد اور مفید ہو تاکہ آسانی سے ساتھ علم رسول ضرورت زمانہ کے مطابق حاصل کیا جا سکے۔

میں ایک عرصے سے اس اہم دینی خدمت کی تکمیل کے لئے بے تاب تھا خدا کا شکر ہے کہ میرے محترم دوست جناب مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی، فاضل دیوبند، مولوی فاضل منشی فاضل نے میری درخواست پر انتخاب صحاح کا اہم کام شروع کر دیا اور پورے پانچ سال کی محنت سے یہ دُرِّ نایاب حاصل ہو گیا۔ الحمد للہ علےٰ احسانہ

انتخاب صحاح ستہ پر ادارۂ پیشوا کو ناز ہے کہ وہ اتنی اہم اور ایسی مفید اور بے حد ضروری کتاب قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر سکا جو جاہل اور عالم دونوں کے لئے یکساں مفید ہے، انتخاب کی خوبی اور اس کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام اس کے چند ابواب ملاحظہ فرمائیں اور قاضی صاحب کی محنت کی داد دیں۔

عزیز حسن بقائی مالک و ایڈیٹر رسالہ پیشوا ازہر جامع مسجد دہلی

ایمان و اسلام

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الایمان بضع و سبعون شعبۃ فافضلھا قول لا اِلٰہ الّا اللّٰہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان۔ رواہ البخاری)

(ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے ایمان[1] کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں پس ان میں سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور ان میں سے ادنیٰ تکلیف کی چیز کا رستے سے ہٹانا ہے اور حیاء ایمان کی ایک بڑی شاخ ہے۔

(بخاری)

وعن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم بنی الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان رواہ البخاری

(ابن عمرؓ سے فرمایا نبی عربی صلعم نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور اسی طرح نماز پڑھنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا (بخاری)

وعن عبد اللّٰہ ابن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ والمھاجر من ھجر ما نھی اللّٰہ عنہا۔ (رواہ البخاری)

(عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان سے محفوظ رہیں اور ہجرت کرنے والا وہ ہے جس نے وہ چیز چھوڑ دی ہو جس سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

وعن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلٰث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللّٰہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما ومن احب عبداً لا یحبہ الا للّٰہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللّٰہ منہ کما یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللّٰہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار رواہ مسلم

(انسؓ کی روایت ہے کہ فرمایا سید المرسلین نے تین چیزیں ہیں کہ جس میں وہ ہیں اس نے ایمان کا مزا پایا جس کو اللہ اور رسول زیادہ پیارے[2] ہوں ان کے سوا دوسروں سے اور جو کسی اللہ کے بندہ کو صرف اللہ کے واسطے دوست رکھے اور جو شخص برا سمجھے کفر میں لوٹنے کو اس کے بعد کہ اللہ تعالےٰ نے اسے چھٹکارا دیدیا ہے اس طرح جیسا کہ برا سمجھتا ہے آگ میں گرنا (مسلم)

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار رواہ مسلم

(ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اس امت کا جو یہودی و نصرانی میرے متعلق سنے اور پھر میری رسالت پر ایمان لائے بغیر مر جائے وہ یقیناً دوزخی ہے۔

(مسلم)

[1] آنحضرت جو احکام الٰہی لائے ہیں ان کی سچائی پر یقین کرنے کو ایمان کہتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کو اسلام [2] پیارے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کی مرضی کو دوسروں کی مرضی پر مقدم سمجھے۔

وعنه قال اتی اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل اذا عملته دخلت الجنة قال تعبد اللہ ولا تشرك به شيئا وتقيم الصلوٰة المكتوبة وتؤدی الزكوٰة المفروضة وتصوم رمضان قال والذی نفسی بیده لا ازید علی هذا شيئا ولا انقص منه فلما ولی قال النبی من سره ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فلینظر الی هذا رواہ مسلم

(ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک گنوار رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے ایسا کام بتلایئے جسے کرنے سے جنت میں داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرا ور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور فرض نماز پڑھ اور زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ اس نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نہ اس سے زیادہ کچھ کروں اور نہ کم وہ چل دیا پس جب اس نے پیٹھ پھیری فرمایا آپ نے کہ جو جنتی کو دیکھنا پسند کرے وہ اسے دیکھے (مسلم)

وعن عبادة ابن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحوله عصابة من اصحابه بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجره علی اللہ ومن اصاب من ذالك شيئا فعوقب به فی الدنیا فهو کفارة له ومن اصاب من ذالك شيئا ثم ستره اللہ علیه فهو الی اللہ ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبایعناه علی ذالك رواه مسلم

(عبادہ ابن الصامت سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ؐ نے جب کہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کو گھیرے بیٹھی تھی میری بیعت کرو اس شرط پر کہ نہ شریک کرو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ چوری کرو اور نہ زنا کرو اور نہ قتل کرو اپنے بچوں کو اور اپنے دلوں سے گھڑ کر بہتان نہ باندھو اور وہ نیک کام میں نافرمانی نہ کرو۔ پس جو تم میں سے ان شرائط کو پورا کرے اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھا اور دنیا میں اس نے سزا پائی تو وہ سزا کفارہ ہے اس کے لئے اور جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی تو اللہ کو اس کا اختیار ہے چاہے وہ معاف کر دے اور چاہے سزا دے پس ہم نے ان شرائط پر آپ کی بیعت کر لی (مسلم)

وعن ابی سعید الخدری قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اضحی او فطر الی المصلی فمر علی النساء فقال یا معشر النساء تصدقن فانی

(ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت عید اور بقرعید کے موقعہ پر عیدگاہ تشریف لے گئے پھر وہاں آپ عورتوں[1] کی طرف گذرے اور فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو

فانی اریتکن اکثر اهل النار فقلن وبم یا رسول اللہ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر ما رایت من ناقصات عقل ودین اذهب للب الرجل الحازم من احدٰکن قلن وما نقصان دیننا وعقلنا یا رسول اللہ قال الیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلی قال فذالك من نقصان عقلها قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلی قال فذالك من نقصان دینها رواه مسلم

کیونکہ میں نے تمہیں زیادہ تر دوزخ میں دیکھا ہے عورتوں نے عرض کیا کیوں اے رسول خدا آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ کیا کرتی ہو اور شوہر کی نافرمانی کرتی ہو میں نے کم عقلوں اور کم دینوں میں تم سے زیادہ کسی کو عقلمند آدمی کی عقل کو کھونے والا نہیں دیکھا عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری عقل اور دین کی کمی کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں ہے عورتیں بولیں بے شک آپ نے سچ فرمایا تو یہ ان کی عقل کی کمی ہے پھر فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ حائضہ عورت نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی عورتیں بولیں بے شک آپ نے فرمایا یہ دین کی کمی ہے (مسلم)

وعن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی کذبنی ابن آدم ولم یکن له ذالك وشتمنی ولم یکن له ذالك فاما تکذیبه ایای فقوله لن یعیدنی کما بدانی ولیس اول الخلق باهون علی من اعادته واما شتمه ایای فقوله اتخذ اللہ ولدا وانا الاحد الصمد الذی لم الد ولم اولد ولم یکن لی کفوا احد رواه بخاری

(ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے انسان نے جھٹلایا اور یہ لائق نہ تھا مجھے اس نے برا کہا اور یہ اسے زیبا نہ تھا اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے مجھے جس طرح اللہ نے ایک دفعہ پیدا کیا ہے دوبارہ زندہ نہ کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا میرے لئے دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور اس کا برا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ خدا نے (عیسیٰ یا عزیز کو) بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں یکتا ہوں بے پرواہ ہوں میری نہ کوئی اولاد ہے نہ ماں باپ اور نہ میرا کوئی ہم جنس (بخاری)

وعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعاذ ردیفه علی الرحل قال

(انس سے روایت ہے کہ فرمایا سرکار نامدار نے جب کہ معاذ آپ کے پیچھے سواری پر بیٹھے تھے اے معاذ! معاذ نے عرض کیا۔ حاضر

[1] ابتدائے اسلام میں عورتیں مساجد و عیدگاہ میں جایا کرتی تھیں لیکن بعد فتنہ کے اندیشہ سے منع کر دیا گیا۔۱۲

برداشت کرلیتا ہے کہ کہیں تکلیف اور نہ بڑھ جائے شیخ کے یہ الفاظ سن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور ہم نے یہ خیال کرلیا کہ اس کی روح قلب خاکی سے باہر نکل گئی مگر تھوڑی دیر بعد اس کو ہوش آگیا اور اس نے پوچھا حضور یہ محبت الٰہی کی علامت کیا ہے؟ شیخ نے فرمایا۔ عزیز دوست خدا کی محبت کا درجہ نہایت بلند ہے ؛

جوان نے عرض کیا۔ میں چاہتا ہوں حضور اس کی کچھ کیفیت بیان فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا جو لوگ خدا سے محبت رکھتے ہیں خدا ان کے دلوں کو روشن کردیتا ہے وہ اس نور سے اپنے بزرگ و برتر محبوب خدا کی عظمتوں کے جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کی روحیں روحانی ہو جاتی ہیں ان کی عقلیں آسمانی بن جاتی ہیں اور وہ فرشتوں کی صفوں کے درمیان پھرتے رہتے ہیں اور تمام امور الٰہیات کو اپنی نورانی آنکھوں سے اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح دنیا کی چیزیں ان نگاہوں سے نظر آتی ہیں انسان کا فرض ہے کہ وہ خدا کی عبادت کرے اپنی پوری طاقت سے صرف خدا کی خوشنودی و محبت کے سلسلہ میں عبادت کرے جنت کی طمع اس عبادت میں شامل نہ ہو اور نہ دوزخ کی آگ کا خوف۔" یہ سن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کرگئی۔ شیخ اس منظر سے بے حد متاثر ہوئے بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ جوان ہاں شہید محبت الٰہی جوان کی پیشانی پر بوسہ دیتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے عالم وجد میں ہم لوگوں کو مخاطب کرکے کہا لوگو! خدا سے محبت رکھنے والوں کا درجہ یہ ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے یہ ایک ایسی پاکیزہ روح کا جسم ہے جو خدا کی درگاہ میں جھکی، خدا سے مناجات کی۔ خدا کی باتوں کو سنا خدا سے ملاقات کی خواہشمند ہوئی۔ اور ذوق و شوق میں اپنے خاکی جسم کو چھوڑ کر خدا کی طرف چلی گئی۔

(۲)

حضرت ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں کہ میں اطراف شام میں سفر کررہا تھا کہ ایک سبز گنبد پر میری نظر پڑی جا کر دیکھا تو اس کے اندر ایک جوان رعنا کو پایا جو ایک ثمردار درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا تھا میں نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کیا مگر اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے دوبارہ سلام کیا تو اس نے نماز کو پورا کرکے میرے سلام کے جواب میں انگلی سے زمین پر دو شعر لکھدئے جن کا مفہوم یہ تھا۔

زبان کو منہ میں بند رکھو اور کلام نہ کرو اس لئے کہ زبان
ابتلاء و مصائب کی مرکز اور آفات کی معدن ہے۔ اگر کلام
کرنا ضروری ہو تو پھر خدا کا ذکر کرو، کسی وقت خدا کو نہ
بھولو اور ہر حال میں اس کی حمد و ثنا کرتے رہو!

ذوالنون مصری کا بیان ہے کہ ان اشعار کو پڑھ کر میں دیر تک روتا رہا جب کچھ سکون ہوا تو میں نے اپنی انگلی سے ان اشعار کے جواب میں دو شعر لکھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ

دنیا میں کوئی لکھنے والا ایسا نہیں ہے جو اپنی تحریر کے سبب
کبھی کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوا ہو تحریر بھی مصیبت کا ایک
سبب ہے اور تحریر اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک
کہ دنیا قائم ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے ہاتھ سے بجز
ایسی چیز کے کچھ نہ لکھے جو اس کو قیامت کے دن خوش کرنے والی
ہو"!

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ ان اشعار کو پڑھ کر نوجوان نے ایک چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہوگیا میں اس منظر سے بے حد متاثر ہوا اور دیر تک روتا رہا پھر اٹھا کہ نعش کو غسل دیکر دفن کردوں کہ ایک غیبی آواز آئی یہ نعش کو یوں ہی چھوڑ دو خداوند تعالیٰ نے صاحب نعش سے وعدہ کیا ہے کہ اس کی نعش کا انتظام ملائک کریں گے۔

ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں ہٹ گیا اور درخت کے نیچے جا کر نماز پڑھنے لگا تھوڑی دیر کے بعد جا کر دیکھتا ہوں تو نعش کا پتہ نہ تھا اور جگہ خالی پڑی تھی میں نے دیر تک ادھر ادھر تجسس کی نظروں سے دیکھا لیکن پتہ نہ چلا۔

فقرائے اسلام

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

عزیز حسن بقائی

امام العارفین حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۰ شعبان ۲۱ھ کو صبح صادق کے وقت مدینۂ طیبہ میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھیں اس لئے اکثر وہ مدینہ طیبہ ہی میں رہتی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے آپ کا نام حسن تجویز کیا کیونکہ آپ کی صورت و شباہت نہایت دلکش تھی اور آپ سراپا حسن کا بہترین نمونہ تھے۔

تعلیم و تربیت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ شروع سے نہایت ذہین اور تیز طبیعت تھے جب آپ کی عمر سات سال کی ہوئی تو حضرت مولائے کائنات علیؓ نے آپ کو قرآن شریف پڑھایا اور معارف قرآنی سے آگاہ کیا، چودہ سال کی عمر میں آپ نے غیر معمولی قابلیت حاصل کر لی اور فاضل اجل تسلیم کئے گئے۔

ذوق معرفت ۳۵ھ میں جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ کی حقیقت شناس طبیعت معرفت الٰہی کی طرف مائل ہوئی آپ نے حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا اور اسرار طریقت معلوم کئے، بیعت ہونے کے بعد آپ نے مجاہدہ شروع کیا، آپ کے ایک مرید عبداللہ ابن حارث رح بیان کرتے ہیں کہ ۱۰۲ھ میں خواجہ حسن بصری کی ریاضت کا یہ حال تھا کہ وہ دن رات میں ڈھائی سو رکعتیں نماز کی پڑھتے تھے اور ۳ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے میں تقریباً چھ سال تک ان کی خدمت میں حاضر رہا میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے اور دن میں بھی بہت کم سوتے تھے اکثر ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور اس حال میں وہ اس قدر روتے تھے کہ ان کی آنکھیں سوجھ جاتی تھیں۔

تقریر کا اثر مشہور تابعی حضرت زید بن عبدالرحمٰن رح بیان فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری رح بہترین مبلغ اسلام اور بہترین خطیب تھے، ان کی تقریر درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھی جب وہ تقریر شروع کرتے تو راستے بند ہو جاتے اور سامعین پر ایک سکتہ طاری ہو جاتا ان کی آواز میں یہ ایک عجیب خصوصیت تھی کہ وہ دور و نزدیک یکساں سنائی دیتی تھی اور میلوں تک پہنچتی تھی۔

اخلاق و عادات حضرت خواجہ حسن بصری بے انتہا خلیق، ملنسار بلند، اور رحمدل تھے وہ ہر ملنے والے سے انتہائی محبت کے ساتھ بات چیت کرتے علاوہ غریبوں کی خدمت کیا کرتے تھے آپ نے کبھی کسی دولت مند سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار نہیں کیا وہ مستقل طور پر کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے اور اس کاروبار میں اتنا نفع ان کو حاصل ہوتا تھا کہ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے کیا اس اولیں رہنمائے طریقت کا طرز عمل آج کل کے مشائخ عظام کے لئے اپنے اندر درس عمل رکھتا ہے؟ اور کیا وہ حقیقتاً اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

سفاک حجاج کے سامنے اعلان حق تذکرۃ العباد میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری رح جامع ابو عاصم میں اعلان حق کی فضیلت پر وعظ کہہ رہے تھے، اتنے میں حجاج بن یوسف آپ کی محفل میں حاضر ہوا اور ایک امتیازی شان کے ساتھ ایک قالین پر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھا اور ارشاد فرمایا۔

اس محفل میں بعض ایسے آدمی بھی موجود ہیں جو اپنی ہستی کو تمام انسانیت سے بالاتر سمجھتے ہیں ان کی نگاہ میں ایک غریب آدمی کی حیثیت ایک پتھر سے بھی زیادہ ذلیل ہے ان کے حضور میں غریبوں کا بیٹھنا ممنوع ان کے سامنے بولنا گناہ اور ان پر کسی کا ادنیٰ اعتراض بھی موجب قتل ہے اگر کوئی غریب مسلمان آزادی کے ساتھ ان کے سامنے بات چیت کرنا چاہے تو ان کے تیور غیظ و غضب کی وجہ سے درندوں کی طرح خونخوار ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے قہر و جلال کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے حالانکہ اسلام نے شخصیت پرستی کی بنیادیں ہلا دیں اور ادنیٰ و اعلیٰ کو ایک صف میں کھڑا کیا ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے کیا اس میں اہل جبروت کیلئے عبرت و نصیحت نہیں ہے۔ بیچارے فانی انسانو! کیوں اپنی فانی قوتوں پر غرور کرتے ہو؟ اور کیوں اس بات کی آرزو کرتے ہو کہ تم کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا جائے؟ حالانکہ قوم تمہاری حکومت سے راضی نہیں۔

حضرت یحییٰ بن سعید رح خطیب بصرہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصری رح جب یہ تقریر کر رہے تھے تو اکثر حاضرین کو یقین تھا کہ حجاج بن یوسف ان کے قتل کا حکم صادر کرے گا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور خاموش ہو کر چلا گیا ایک ہفتہ کے بعد حجاج نے حضرت خواجہ حسن بصری کو ایک خط لکھا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی خواجہ صاحب نے اس خط کے پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہے میں اسے چھونا نہیں چاہتا جب خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ نے اس کی پشت پر یہ جواب لکھوا دیا۔ اللہ کے بندے حجاج بن یوسف کو

معلوم ہو کہ تم ایک ظالم ہو اور میں ایک خدا ترس مسلمان ہوں اس لئے میں تم سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا۔ وصال یکم رجب جمادی الثانی ۱۱۰ھ بصری کو حضرت

احکام اسلام

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میت کو شب میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ رات کو میت کا قبر میں دفن کرنا حرام ہے اور سخت گناہ ہے یہ لوگ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لا تدفنوا موتاکم باللیل الا ان تضطروا کیا کوئی ایسی روایت ہے؟ اور اگر کوئی روایت ہے تو اس کا مطلب کیا ہے۔

الجواب

رات کو میت کا دفن کرنا بلا کراہت جائز ہے حدیث میں ایک شخص کا ذکر آیا ہے جو مسجد نبوی کی جاروب کشی کیا کرتا تھا جب اس کا انتقال ہو گیا تو صحابۂ کرام رضنے اسے رات ہی کو دفن کر دیا اور جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا آپنے صحابۂ کرام سے انکار نہیں فرمایا بلکہ یہ دریافت فرمایا کہ مجھے اطلاع کیوں نہیں کی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ رات اندھیری تھی ہم نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔

ایک دوسرا واقعہ ترمذی میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ حضور صنے ایک میت کو رات میں دفن کیا اور اندھیرے کی وجہ سے آپ کے لئے شمع جلائی گئی اور مشعل کی روشنی میں میت کو حضور نے دفن کیا۔

سرکار کی وفات کے بعد بھی مسلمانوں کا یہی معمول رہا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضو رات ہی کو دفن کئے گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضہ کو رات ہی میں دفن کیا۔

صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علماء سلف و خلف کا یہی معمول رہا البتہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات میں دفن کرنے کو مکروہ فرماتے تھے چنانچہ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۷۰ میں ہے۔ قد اختلف العلماء فی الدفن باللیل فکرھہ الحسن البصری الا لضرورۃ وقال جماعۃ العلماء من السلف والخلف لا یکرہ واستدلوا بان ابا بکر الصدیق وجماعۃ من السلف دفنوا لیلا من غیر انکار وبحدیث المرأۃ السوداء او الرجل الذی کان یقم المسجد فتوفی باللیل فدفنوہ لیلا وسألہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہ فقالوا توفی لیلا فدفناہ فی اللیل فقال الا اذ نتمونی قالوا کانت ظلمۃ ولم ینکر علیہم (اخرجہ البخاری) ودفن ابوبکر لیلا (بخاری تعلیقا)

دفن عمر ابا بکر بعد العشاء الاخیرۃ قال الحافظ فی الفتح وصح ان علیا دفن فاطمۃ لیلا (ص ۱۳۴)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بخاری باب موت یوم الاثنین میں نقل کرتے ہیں فلم یتوف حتی امسی من لیلۃ الثلثاء ودفن قبل ان یصبح بخاری (ص ۱۸۶)

شرح مسلم میں امام نووی فرماتے ہیں وقال جماھیر العلماء من السلف والخلف لا یکرہ واستدلوا بان ابا بکر الصدیق وجماعۃ من السلف دفنوا لیلا من غیر انکار

سوال میں جس روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ روایت ابن ماجہ میں ہے لیکن وہ روایت پوری نہیں بلکہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو عمر بن عبد اللہ الاودی کے واسطے سے نقل کیا ہے پوری حدیث مسلم شریف میں ہے۔

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوما فذکر رجلا من اصحابہ قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ احمد ومسلم وابو داؤد

حضرت جابر رضہ کی یہ پوری روایت ہے جس کو مختلف محدثین نے نقل کیا ہے اسی روایت کا ایک ٹکڑا ہے جو ابن ماجہ میں منقول ہے اس پوری روایت کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس میں دفن لیل کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یا تو سرکار نے ترک صلوٰۃ پر زجر فرمایا ہے یا کفن کے خراب ہونے پر یا دونوں باتوں پر اسی لئے نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:۔

واجابوا عن حدیث الباب بان النھی کان لترک الصلوٰۃ لا لمجرد الدفن باللیل اولاجل اساءۃ الکفن او المجموع (ص ۲۶) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ولیس فی حدیث جابر ان الزجر منہ صلی اللہ علیہ وسلم انما کان لترک الصلوٰۃ لا للدفن باللیل اولاجل انہم کانوا یدفنون باللیل لرداءۃ الکفن (ص ۲۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہ الفاظ فرمائے ہیں واجابوا عن ھذا الحدیث ان النھی کان

لترك الصلوٰة ولم يبنه عن مجرد الدفن بالليل وانما نهى لترك الصلوٰة او لقلة المصلين او عن اساءة الكفن او عن المجموع كما سبق.

امام نووی کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممانعت یا تو ترک صلوٰۃ اور نمازیوں کی کمی کے باعث تھی یا بُرا کفن دینے کی وجہ سے تھی یا مجموعی امور کی وجہ سے تھی۔ اس ممانعت کا تعلق رات کو دفن کرنے سے نہ تھا۔

بہرحال میت کو رات میں دفن کرنے کو ناجائز اور حرام کہنا ایک عامیانہ خیال ہے جس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں اور نہ علماء امت کے اقوال میں بلکہ تعجیل دفن اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا مات احدکم فلا تحبسوه واسرعوا به الی قبره کے منافی ہے۔ هذا ما ظهر لي والله اعلم بالصواب وعنده علم الکتاب۔

(مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ (صاحب) عفا عنہ)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دربارۂ مسائل ذیل کے (۱) ایسی جگہ پر جہاں ایک جامع مسجد زیر تعمیر ہے مسلم آبادی کا مرکز ہے یکصد سے زائد مکانات کا ہے اب مثل اسکول تھانہ اور ڈاک خانہ وغیرہ واقع ہونے کی وجہ سے صدہا نمازی موجود رہتے ہیں بروئے سنت والجماعت نماز جمعہ جائز ہے اور اس بود باش میں نماز جمعہ جائز کا اطلاق ہوتا ہے؟ ایسے نمازیوں کے لئے شرعی حکم کیا ہے جو جمعہ ہونے کے شبہ یا بہانہ سے جمعہ کے دن تارک الجماعت رہتے ہیں اور جہاں نماز جمعہ ناجائز ہو وہاں نماز ظہر پڑھ لینا جائز ہے۔

(۲) ایسے مسلمان کے لئے کیا حکم ہے جو تعمیر مسجد کے نام سے وصول کرکے زر چندہ اپنے مکان کی تعمیر یا ذاتی خرچ میں صرف کر ڈالے۔

(۳) ایسے مسلمان کی فوتیدگی کے بعد جو تمام عمر تارک الصلوٰۃ وصوم کا عادی رہا ہو اس کے ورثاء کا ایصال ثواب اور متوفی کی بخشش کے لئے خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے اور جب کہ متوفی مقروض ہو اور ورثاء بار بار تقاضہ کرنے کے باوجود بھی قرضہ ادا نہ کرتے ہوں کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسے مقام میں جس کا ذکر سوال نمبر ایک میں ہے نماز جمعہ جائز ہے جو لوگ کہ وہاں جمعہ کو ناجائز سمجھ کر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے ان کے ساتھ کوئی سختی نہ برتنی چاہئے کہ ان کا خیال بھی مذہبی وجوہ پر مبنی ہے۔

(۲) وہ شخص سخت گناہ گار اور فاسق ہے اور اس رقم کا ضامن ہے جو اس نے مسجد کے نام سے وصول کی ہے۔

(۳) اس کی طرف سے ایصال ثواب کرنا جب کہ ورثاء اپنے مال میں سے کریں جائز تو ہے مگر اس کے ذمہ کا قرض ادا کرنا مقدم ہے۔ پہلے قرضہ ادا کرنا چاہئے اس کے بعد اگر کوئی وارث اس کے ساتھ احسان کرنا چاہے اور اپنے پاس سے مال خرچ کرکے ایصال ثواب کرے تو جائز ہے۔

(حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی کی عمر تین برس کی تھی اور باپ زندہ تھا۔ لیکن دادا نے نکاح پڑھوایا تھا باپ راضی نہ تھا اور نکاح کے بعد بھی باپ راضی نہیں ہے اب لڑکی بالغ ہو گئی ہے نکاح سے انکار کرتی ہے حتی الوسع شوہر کو نا پسند کرتی ہے کہ اس کے ساتھ شادی نہیں کرائے گی اب جوان لڑکی اس کے ساتھ شادی نہیں کراتی۔ لہٰذا جوان لڑکی کا رکھنا دشوار ہے، لڑکا طلاق نہیں دیتا اور شادی کرنا چاہتا ہے اور لڑکی اس سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہے اور لڑکی کا باپ پہلے بھی راضی نہ تھا اور اب بھی راضی نہیں ہے۔ نیز لڑکی کا دادا فوت ہو گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لڑکا بالغ ہونے پر دماغ خراب رکھتا ہے کسی چیز کا سایہ اب کیا کیا جاوے؟

لڑکی کا باپ اگر کسی صورت سے راضی کر لیا جاویگا تو لڑکی کا انکار جائز ہوگا یا ناجائز اس بات کی ضرورت ہے؟

الجواب

اگر واقعہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ راضی نہ تھا اور دادا نے نکاح کر دیا تو نکاح ہی نہیں ہوا لیکن اگر لڑکی کا باپ راضی تھا یا اس نے نکاح کے بعد اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی تو پھر جب تک لڑکا طلاق نہ دے نکاح فسخ نہیں ہو سکتی اگر لڑکا مجنون اور پاگل ہو تو کسی مسلمان حاکم کو درخواست دیکر نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے۔

(حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کا مہر مؤجل ہے اس کو اس مہر مؤجل کے مطالبہ کا کن کن حالتوں میں حق ہے مفصل طور پر مطلع کیجئے بینوا توجروا

الجواب

مہر مؤجل میں اگر اجل معین کر دی گئی ہے مثلاً دس برس یا بیس برس یا یہی کہہ دیا گیا ہو کہ موت یا طلاق کے بعد حق مطالبہ ہوگا تو اس صورت میں تو تصریح کے موافق عمل ہوگا اور اگر یہ تصریح نہیں کی گئی صرف یہ کہہ دیا گیا یا لکھ دیا گیا کہ مہر مؤجل بھی معجل کے حکم میں ہے اور عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے۔ (حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ کان اللہ لہ)

اسلامی فتوحات

گذشتہ سے پیوستہ

مرتدین سے پہلا معرکہ

(از جناب علامہ آفاق حسین صاحب)

مسلمانوں نے مکہ کے کفار و مشرکین پر آخری فتح ۸ھ میں حاصل کی تھی اور مرکز اسلام مکہ معظمہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا اس فتح نے اسلام کی شوکت کو غیر معمولی فروغ بخشا، عرب کا فروں پر مسلمانوں کی طاقت کا سکہ بیٹھ گیا اور عرب قبائل اسلام کی طرف مائل ہوگئے چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ ۹ھ ہجری میں عرب قبائل نے حضور ﷺ کی خدمت میں اس کثرت سے وفود بھیجے کہ اس سال کا نام "سنۃ الوفود" ہوگیا یہ وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنے قبیلہ کی خواہش قبول اسلام کو ظاہر کرتے اور مسلمان ہو جاتے اور وفد کی خواہش پر حضور ﷺ کسی صحابی کو اس کے ساتھ کر دیتے تاکہ وہ قبائل کو اسلام کے ارکان سکھائے امامت کرے اور تبلیغ کے فرائض انجام دے۔

اس سال عرب میں اس طرح اسلام پھیل گیا جس طرح بارش کے پانی کی رَو تمام علاقوں کو سیراب کر دیتی ہے اور عرب کا بڑا حصہ مسلمان ہوگیا چونکہ یہ لوگ اسلام کی طاقت سے مرعوب ہو کر مسلمان ہوئے تھے اسلام کا سچا جذبہ ان کے دلوں میں نہ تھا اس لئے حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ لوگ یہ خیال قائم کر کے کہ اب اسلام کی طاقت فنا ہو چکی ہے مرتد ہوگئے اور ارتداد کا یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ صرف چند قبائل اسلام کے مطیع و منقاد رہ گئے اور باقی سب ارتداد کی رَو میں آگئے۔

مرتدین میں سے جو قبائل طاقتور تھے انہوں نے چاہا کہ مدینہ پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی اس تھوڑی سی تعداد کو بھی فنا کر دیں جو اسلام پر مضبوطی سے قائم تھی تاکہ عرب میں پھر جاہلیت کا زمانہ واپس آجائے۔ چنانچہ قبیلہ بنو عبس و ذبیان اس ارادہ سے آگے بڑھے، عبس کے لوگوں نے مقام ابرق میں پڑاؤ ڈالا اور ذبیان مقام ذی القصہ میں قیام پذیر ہوئے، ان لوگوں کے ساتھ قبائل بنو اسد اور کنانہ کے بھی چند آدمی تھے۔

دونوں جماعتوں میں سے کچھ لوگ یکجا ہوئے اور ایک وفد بن کر حضرت ابوبکر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ کیا کہ نمازیں کچھ کمی کر دی جائے اور زکوٰۃ کو بالکل معاف کر دیا جائے یعنی یہ کہ زکوٰۃ بالکل چھوڑ دی جائے اور صرف نماز پر اکتفا کی جائے حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کی خواہش کو سن کر فرمایا کہ:۔ خدا کی قسم! نہ میں زکوٰۃ کی ایک رسی کو چھوڑوں گا اور نہ نماز کی ایک رکعت کو کم کروں گا۔"

مرتدین کا یہ وفد خشک جواب سن کر واپس چلا گیا اور اپنے لوگوں کو جا کر بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے عبس و ذبیان کے لوگ یہ سن کر خوش ہوگئے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔

حضرت ابوبکر رضؓ نے وفد کے واپس جانے پر صحابہ کو تیار رہنے اور احتیاط برتنے کا حکم دیدیا چنانچہ حضرت علی رضؓ، زبیر رضؓ، طلحہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ کے ناکوں پر مقرر کیا گیا اور تمام صحابہ مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے۔

عبس وغیرہ قبائل کے لوگ آئے اور ناکوں پر حملہ کیا فوراً حضرت ابوبکر رضؓ کو خبر دی گئی اور آپ نے صحابہ کو مدد کے لئے بھیجا معمولی سے مقابلہ کے بعد مرتدین کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب مقام ذی خشب تک کیا ذی خشب میں مرتدین نے چالاکی کی کہ ایک دوسرے راستہ سے بانسری و دف بجاتے اور زمین پر پاؤں مارتے طرح طرح کی حرکات کرتے آئے جس سے مسلمانوں کے اونٹ بھڑک کر بھاگ کھڑے ہوئے ہرچند مسلمانوں نے ان کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکے اور مدینہ میں جا کر دم لیا۔ مرتدین نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی فوراً انہوں نے قبیلۂ ذبیان کے لوگوں کو جو ذی القصہ میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے یہ اطلاع دی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

ادھر حضرت ابوبکر رضؓ نے مدینہ کے مسلمانوں کو فراہم کر کے اول وقت صبح کی نماز پڑھی اور پھر ان کو لے کر میدان میں نکلے۔ میمنہ پر نعمان بن مقرن کو اور میسرہ پر عبداللہ بن مقرن کو مقرر کیا اور مرتدین پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اس جوش سے مقابلہ کیا کہ مرتدین کے چھکے چھوٹ گئے اور دوپہر ہونے سے پہلے پہلے مرتد قبائل بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہت سے آدمی ان کے مارے گئے اور کثیر مال غنیمت چھوڑ گئے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے مقام ذی القصہ تک ان کا تعاقب کیا۔

ادھر تو حضرت ابوبکر رضؓ تعاقب میں روانہ ہوئے اور ادھر نعمان بن مقرن مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مال غنیمت کی حفاظت پیچھے بنو ذبیان و عبس کے لوگوں نے یکایک ان پر حملہ کیا مال کو چھین لیا اور جس قدر مسلمان وہاں موجود تھے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ جب تعاقب سے واپس آئے اور اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ کو سخت رنج

ہوا اور غیظ وغضب کی حالت میں آپ نے قسم کھائی کہ "مرتدین نے جن مسلمانوں کو شہید کیا ہے جب تک میں اتنے ہی دشمنان خدا سے بدلہ نہ لے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔

حضرت اسامہ رضہ کی واپسی کی خبر آچکی تھی جب وہ مدینہ میں پہنچ گئے اور ادھر اطراف وجوانب سے صدقات کا مال آ گیا تو حضرت ابوبکر رضہ نے مرتدین سے مقابلہ کی پھر تیاریاں شروع کیں اور چند روز میں انتظام کرکے حضرت اسامہ رضہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود مجاہدین کی جان نثار جماعت کو لے کر مقامات ذی حسی اور ذی القصہ کی طرف بڑھے مقام ابرق میں مرتدین سے مقابلہ ہوا اس معرکہ میں قبائل بنو عبس وذبیان بنو بکر اور چند مشہور شخص مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے فریقین کے درمیان سخت مقابلہ ہوا مسلمانوں نے دشمنان اسلام کو شمشیر ونیزہ پر رکھ لیا اور بہت تھوڑی دیر میں مرتدین کو شکست فاش دی مرتدین شکست پاکر بھاگے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرکے بہت لوگوں کو مار ڈالا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر رضہ چند روز تک مقام ابرق میں قیام پذیر رہے اور اس عرصہ میں یہ انتظام کیا کہ جن مقامات پر بنو ذبیان رہتے تھے ان مقامات کو ان سے چھین لیا اور ان کو بے دخل کرکے وہاں مسلمانوں کو آباد کر دیا، اور اس کے بعد صحابہ کو لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

اس جنگ سے مرتدین کے حوصلے پست ہوگئے اور اسلام کی شوکت کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا لوگوں پر مسلمانوں کا رعب قائم ہوگیا اور اسلام کی طاقت کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا۔

مرتدین سے مقابلہ کیلئے لشکروں کی روانگی

جب حضرت اسامہ رضہ کا لشکر آرام لے چکا تو حضرت ابوبکر رضہ نے مسلمانوں کو جمع کرکے گیارہ لشکر ترتیب دئے اور ہر لشکر پر ایک امیر مقرر کرکے ایک جھنڈا اس کو مرحمت فرمایا اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ میں سے چند آدمیوں کو مدینہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا جائے اور باقی لوگوں کو لے کر مرتدین سے مقابلہ کیا جائے تاکہ مرتدین کا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔

جب یہ لشکر روانگی کے لئے تیار ہوگئے تو حضرت ابوبکر رضہ خود بنفس نفیس اس لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جس کے امیر حضرت خالد بن الولید تھے اس لشکر میں سو مہاجر اور انصار شامل تھے، مقام ذی القصہ پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور چند روز یہیں قیام فرمایا، یہاں سے حضرت ابوبکر رضہ نے اطراف مدینہ کے قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع اور جہینہ وغیرہ کو دعوت جہاد دی اور چند روز میں مدینہ کے اطراف سے مجاہدین کا آنا شروع ہوگیا یہاں تک کہ ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی۔

حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضہ نے جب دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضہ خود بنفس نفیس مرتدین سے لڑنے کے لئے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المومنین آپ کا مدینہ سے باہر جانا مناسب نہیں آپ مدینہ واپس تشریف لیجائیں مرتدین سے مقابلہ کا کام ہم لوگ کرلینگے مگر حضرت ابوبکر اصرار کرتے رہے آخر حضرت عمر رضہ نے فرمایا خلیفہ رسول اللہ صلعم! آپ مسلمانوں کی پناہ گاہ اور محافظ ہیں اگر آپ مرتدین سے لڑنے کے لئے تشریف لے جائیں گے تو یہاں کے لوگ بھی مرتد ہو جائیں گے اور حق پر باطل غالب آجائیگا دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضہ مرتدین سے لڑنے کے لئے خود جانے پر تیار ہوگئے اور سواری پر سوار ہولئے تو علی بن ابی طالب رضہ نے آپ کی باگ پکڑلی اور کہا خلیفۂ رسول اللہ کہاں کا ارادہ ہے میں آپ کو وہ بات یاد دلاتا ہوں جو رسول اللہ صلعم نے آپ سے احد کے دن فرمائی تھی آپ اپنی تلوار کو نیام میں ڈال لیجئے اپنی ذات کے نقصان سے ہم کو مصیبت میں نہ ڈالئے اور مدینہ واپس تشریف لے جائیے۔ خدا کی قسم اگر آپ شہید ہوگئے تو پھر اسلام کا نظام کبھی قائم نہ ہوسکیگا۔

مختصر یہ کہ جب صحابہ نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت ابوبکر رضہ نے تمام لشکروں کو ضروری ہدایات دیں اور ان کو مختلف اطراف میں روانہ کردیا حضرت ابوبکر رضہ نے جو لشکر ترتیب دئے تھے ان کی تفصیل مورخین نے اس طرح بتائی ہے کہ:-

(۱) خالد بن ولید کا لشکر:- حضرت ابوبکر رضہ نے اس لشکر کو حکم دیا کہ یہاں سے سیدھے طلیحہ کی طرف جاؤ اور اس پر حملہ کرو۔ اس سے فارغ ہوکر بطاح کی طرف بڑھو اور مالک بن نویرہ پر حملہ آور ہو۔

(۲) عکرمہ بن ابی جہل کا لشکر اس کو یمامہ اور مسیلمہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا گیا

(۳) خالد بن سعید کا لشکر اس کو شام کی جانب مقام مشارف پر بھیجا گیا۔

(۴) عمرو بن العاص کا لشکر:- مرتدین قضاعہ سے لڑنے کے لئے روانہ کیا گیا

(۵) حذیفہ بن محصن کا لشکر:- دبا کے لوگوں پر حملہ آوری کے لئے روانہ کیا گیا

(۶) عرفجہ بن ہرثمہ کا لشکر:- مقام مہرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۷) طریفہ بن حاجز کا لشکر:- بنو سلیم اور بنو ہوازن کی سرکوبی پر مامور کیا گیا

(۸) سوید بن مقرن کا لشکر تہامہ (یمن) کی جانب روانہ کیا گیا۔

(۹) علاء حضرمی کا لشکر:- بحرین کی طرف روانہ کیا گیا۔

(۱۰) شرجیل بن حسنہ کا لشکر مسیلمہ اور یمامہ کی طرف بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ یہاں سے فراغت کرکے قضاعہ پر حملہ کرنا پھر حضرموت پہنچکر کندہ سے معرکہ آرا ہونا

(۱۱) گیارہویں لشکر کی کیفیت معلوم نہ ہوسکی۔

حضرت ابوبکر رضہ نے لشکروں کے سرداروں کو ایک تحریری فرمان دیا تھا جس میں جہاد وغیرہ کے متعلق ضروری ہدایات تھیں اور ان لشکروں کے روانہ ہونے سے پہلے اتمام حجت کے لئے مرتدین کی طرف بھی خطوط روانہ ۲

افسانے

عبدالمسیح کی بیٹی

ا

جہاں اب شہر کوفہ واقع ہے آفتاب اسلام طلوع ہونے سے قبل اس کے اطراف میں دریا کے کنارے نصارائے عرب کا ایک مشہور شہر حیرہ آباد تھا جو اس زمانہ میں ایک متمدن اور مہذب شہر اور یہی مذہبی علوم و فنون کا مرکز خیال کیا جاتا تھا یہ علاقہ شاہ فارس کے زیر نگین تھا اور اس کے حاکم عموماً نصارائے عرب میں سے مقرر کئے جاتے تھے۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت حیرہ کا حاکم نعمان بن منذر تھا اور شہر میں اس علاقہ کے بڑے بڑے زمیندار آباد تھے جن کے عالی شان مکانات اور قصور میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی۔

عید نوروز کا دن تھا شہر دلہن کی طرح آراستہ تھا اور دور دور سے لوگ اس تقریب میں شرکت اور تماشا دیکھنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے، شہر کے بازاروں میں حاکم علاقہ اور زمینداروں کا مذہبی جلوس دیکھنے کے لئے لوگ صف بستہ تھے دوکانوں کی چھتوں اور عالی شان مکانات کے بالائی کمروں پر عورتوں اور بچوں کا اجتماع تھا ہر شخص عید کی خوشی میں سرشار تھا اور اپنی حیثیت کے مطابق بہترین لباس زیب تن کئے ہوئے تھا، وقت مقررہ پر جلوس حاکم علاقہ کے محل سے مرتب ہو کر باہر نکلا۔ اور روانہ ہوا آگے مذہبی پیشوا تھے پھر حاکم علاقہ، ارکان و اعیان حکومت اور اس کے بعد زمیندار اور ان کے خاندان کے لوگ۔

جلوس ایک موڑ سے گذر رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی کا گھوڑا کسی چیز سے ڈر کر بھڑکا اور اپنی حسین و جمیل سوار کو گرانے اور دیوانہ وار بھاگنے کی کوشش کرنے لگا تھا ایک نوجوان جو غالباً حیرہ کا باشندہ نہ تھا آگے بڑھا اور گھوڑے کو قابو میں لانے کے لئے اس کی ایال کو پکڑ لیا اور اپنی مہارت فن کو کام میں لا کر گھوڑے کی پیشانی اور گردن کو تھپکنے لگا۔ گھوڑا اس کی تسلی و شفقت سے مانوس ہو کر ٹھہر گیا اور پھر خوف دور ہو جانے پر سر کو خم کر کے آگے روانہ ہو گیا، نوجوان لڑکی نے نوجوان کی اس ہمدردی کا پُر اثر الفاظ میں شکریہ ادا کیا اس کی طرف ممنون نگاہوں سے دیکھا اور جذبات ہمدردی سے معمور دل پر ہاتھ رکھ کر اور سر کو جنبش دیکر جلوس کی قطار میں شامل ہو گئی۔

(۲)

چونکہ زمیندار عبدالمسیح کی بیٹی شیما اس علاقہ کی حسین عورتوں میں غیر معمولی شہرت رکھتی تھی بہت سے مسیحی نوجوان اس کے خواستگار تھے لیکن خود شیما ان نوجوانوں کو اس لئے پسند نہ کرتی تھی کہ ان میں مذہبی جذبات کی کمی تھی اور وہ مذہبی معاشرت سے بیگانہ تھے۔ شیما نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ بالکل مذہبی تھا اس کا باپ اور بھائی بالکل مذہبی زندگی بسر کرتے تھے اور ماں ایک مذہبی پیشوا کی بیٹی تھی

حیرہ کے عرب نصاریٰ کی مذہبی زندگی بری نہ تھی مگر استبداد زمانہ نے دوسرے مذاہب کی طرح مسیحیت کی شکل کو بھی تبدیل کر دیا تھا اور حیرہ کے مسیحی اسی مسخ شدہ مسیحیت کے نام لیوا تھے۔

عبدالمسیح کا خاندان مسیحیت کو اس شکل میں دیکھنے کا آرزومند تھا جو گہوارہ سے نکلنے کے بعد صورت پذیر ہوئی تھی مگر اس زمانہ میں مسیحیت کی یہ شکل ناپید تھی ممکن ہے مذہبی مقامات مقدسہ میں کچھ لوگ اس قسم کی زندگی رکھتے ہوں ورنہ عام طور پر رسم و رواج کے مسیحی پائے جاتے تھے۔

شیما چاہتی تھی کہ کوئی ایسا سچا مسیحی نوجوان مل جائے جس کے پہلو میں مسیحیت کے اصلی جذبات سے معمور دل ہو تو وہ اس سے شادی کرے مگر ایسا کوئی نوجوان نہ ملتا تھا اور شیما کی کافرجوانی ضرورت سے زیادہ مذہبی عقیدت و اشتداد کے نذر ہو رہی تھی۔

نوروز کے دن جس نوجوان نے شیما کے گھوڑے کو شوخیوں اور شرارت سے روکا تھا شیما اس کی انسانی ہمدردی سے بہت متاثر ہوئی تھی وہ جلوس سے واپس آ کر اکثر اس خیال میں محو نظر آتی تھی کہ وہ نوجوان کون تھا اور کہاں کا تھا جس نے اس کے ساتھ اتنی ہمدردی کی کہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر مجھ کو گھوڑے کی شرارتوں سے بچایا اسی سلسلہ میں کئی مرتبہ اس کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اگر اس نوجوان کا پتہ مل جائے تو یقیناً وہ رابطۂ مودت کے قابل ہے لیکن باوجود کوشش اور جستجو کے اس کا پتہ نہ چلا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا۔

مختصر یہ کہ نوروز کے بعد شیما کو اس نوجوان کا خیال اکثر آتا تھا اور چند روز بعد وہ اس امر پر آمادہ ہو گئی تھی کہ اگر وہ مل جائے اور شادی کی خواہش کرے تو وہ بلا شرط اس کی درخواست کو قبول کر لے گی اور اس کی زندگی میں شریک ہو جائے گی۔

(۱۳)

جن غزوات میں آقائے دو جہاں حضور صلعم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی تھی ان میں غزوۂ تبوک آخری غزوہ تھا اس وقت تک غزوات پر جہاں بھیجے یا شاہ فراہم کر کے خود ہمراہ لے جانے کا طریقہ یہ تھا کہ خاموشی کے ساتھ کام کیا جاتا تھا اور بجز چند مخصوص خدام کے کسی کو مہم سے آگاہ نہ کیا جاتا تھا غزوۂ تبوک میں حضور صلعم نے اس مہم کے مقام کا عام اعلان کر دیا تھا۔ اور لوگوں کو تیاری کا حکم دیدیا تھا۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ ہرقل نے مسلمانوں کی مسلسل دپیہم کامیابیوں کے حالات سن کر یہ خطرہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی طاقت بڑھ جانے پر ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے مقبوضات پر حملے کرنے لگیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کو اس کا موقعہ نہ دیا جائے اور ان کی طاقت کو ابتدا ہی میں ختم کر دیا جائے چنانچہ اس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں، اور فوجوں کو فراہم کرنے لگا۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے کافی تیاریاں کرنے کے بعد ۹ھ میں مدینے سے کوچ فرمایا اور تبوک پہنچے اور ۲۰ روز تک تبوک میں اقامت پذیر رہے مگر نہ تو ہرقل کی رومی فوج مقابلہ پر آئی اور نہ نصارائے عرب نے مقابلہ کیا، آخر کبیس روز آپ نے تبوک سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی اس پیش قدمی کے نتائج بہت بہتر نکلے بہت سے حاکموں اور زمینداروں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے جزیہ دینا منظور کر لیا اور بہت سے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

انہیں ایام میں خزیمہ بن اوس حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول فرمالیا خزیمہ[1] کا بیان ہے کہ آپ تبوک سے واپس ہو رہے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ :-

"یہ شہر حیرہ تمہارے حوالے کیا گیا ہے عنقریب تم اس کو فتح کر لو گے اور یہ بقیلہ ازدیہ کی بیٹی شہبا جیسے خچر پر سوار اور سیاہ دوپٹہ اوڑھے تم کو ملے گی۔"

خزیمہ کہتے ہیں میں نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ سن کر عرض کیا "یا رسول اللہ! اگر ہم حیرہ میں داخل ہوں اور شہبا کو ہم اس حال میں پائیں تو کیا وہ میری ملکیت قرار پا سکتی ہے؟"

حضور صلعم نے میری اس خواہش کو سن کر فرمایا "ہاں" "وہ تیری ملکیت ہے۔"

(۱۴)

حضرت ابوبکر رضہ نے محرم الحرام ۱۲ھ میں خالد بن ولید رضہ کو اول یمامہ روانہ فرمایا اور پھر وہاں سے عراق جانے کا حکم دیا، عراق میں حضرت خالد بن ولید اور مثنیٰ بن حارثہ نے خدا کے فضل وکرم سے بہت جلد سے علاقوں کو فتح کر لیا اور کسریٰ کے لشکروں کو شکست دیتے ہوئے حیرہ تک پہنچ گئے، حیرہ کے زمیندار اپنے حاکم ایاس بن قبیصہ طائی کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے نکلے اور عربین کے مقام پر لشکر کو آراستہ کیا۔

حیرہ کے زمیندار نے اول اپنے لڑکے کو دریا کنارہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی کشتیوں کی طرف پانی نہ جانے دے تا کہ وہ خشکی میں رہ جائیں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا خالد بن ولید چند آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے اور زمیندار کے لڑکے اور اس کے ساتھیوں پر قابو پا کر ان کو مار ڈالا۔

حیرہ کے مرزبان (زمیندار یا محافظ) کے بیٹے کو قتل کر کے حضرت خالد بن ولید سپاہ کو لے کر آگے بڑھے اور مرزبان کو دعوت مقابلہ دی مگر مرزبان نے مقابلہ نہ کیا اور حیرہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا

مرزبان کے بھاگ جانے پر حضرت خالد بن ولید رضہ نے حیرہ کو محاصرہ میں لے لیا اور پھر پوری قوت سے حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور جو لوگ لشکرِ اسلام کے مقابلہ میں آئے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو حیرہ کا حاکم ایاس بن قبیصہ قصر ابیض سے باہر نکلا اور عمرو بن عبد المسیح بن بقیلہ کو ساتھ لے کر خالد بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا عبد المسیح ایک بوڑھا شخص تھا اس قدر بوڑھا کہ اس کی پلکیں تک سفید ہو چکی تھیں، حضرت خالد بن ولید رضہ نے اس سے پوچھا" تمہاری کتنی عمر ہوگی؟" عبد المسیح نے کہا۔ "کئی سو سال[2]"

خالد بن ولید رضہ نے پوچھا "تم نے اپنی عمر میں کون سی عجیب بات دیکھی ہے" عبد المسیح نے عرض کیا۔ "میں نے دیکھا ہے کہ ایک زمانہ میں دمشق و حیرہ کا درمیانی راستہ اس قدر پامون و محفوظ اور منظم و آباد تھا کہ عورت صرف ایک روٹی گھر سے لے کر چلتی تھی اور اطمینان سے اپنا سفر پورا کر لیتی تھی۔

عبد المسیح کے ساتھ ایک خادم بھی تھا جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی تھیلی تھی، حضرت خالد رضہ نے دریافت کیا "اس تھیلی میں کیا ہے"! عبد المسیح نے کہا قاتل زہر ہے" حضرت خالد رضہ نے تھیلی کو غلام سے لے لیا اور زہر کو ہتھیلی پر ڈال کر پوچھا" تم اس زہر کو ساتھ کیوں لائے ہو" عبد المسیح نے عرض کیا" اس لئے کہ اگر معاملہ عزت وحرمت تک پہونچے تو ہم اس کو استعمال کر کے مر جائیں کیونکہ ہمارے نزدیک ذلت و توہین سے مر جانا زیادہ محبوب ہے" حضرت خالد رضہ نے فرمایا جب تک موت کا وقت نہیں

---

[1] حیوٰۃ الحیوان منقول از طبرانی و ابونعیم ۱۲

[2] بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عبد المسیح کی عمر ۳۵۰ سال کی تھی ۱۲

آگاہ کوئی شخص نہیں مر سکتا ہے

اس کے بعد حضرت خالد رضؓ نے بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِہٖ شَیْءٌ کہا اور زہر کو پھانک لیا اور زہر نے آپ پر کوئی اثر نہیں کیا۔ عبدالمسیح نے یہ دیکھ کر کہا، جب تک خدا کی قسم آپ کی جماعت میں آپ جیسے لوگ رہیں گے آپ کبھی اپنے مقاصد میں ناکام نہیں رہ سکتے۔

(۵)

حیرہ کو فتح کر لینے کے بعد مجاہدین اسلام کی جماعتیں شہر کی طرف بڑھیں حضرت خزیمہ بن اوس سب سے پہلے شخص تھے جو شہر میں داخل ہوئے بازار سے گذر کر جب وہ اس محلہ میں پہونچے جہاں قصر ابیض واقع تھا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ شہبا عبدالمسیح کی بیٹی چتکبرے خچر پر سوار سیاہ روپٹہ سر پر ڈالے قصر ابیض کی طرف جا رہی ہے خزیمہ بن اوس رضؓ آگے بڑھے اور شہبا کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔

شہبا اوّل تو گھبرائی مگر جب اس نے اپنے گرفتار کرنے والے کو دیکھا تو حیرت میں رہ گئی خزیمہ بن اوس رضؓ اسلام قبول کرنے کے بعد بالکل اسلامی رنگ میں رنگ گئے تھے اور مسلمانوں کی حقیقی شان ان میں پائی جاتی تھی۔ شہبا نے غور سے ان کو دیکھا دل میں کہا یہ تو وہی جوان معلوم ہوتا ہے جس نے نوروز کے دن اس کو خطرے میں پڑنے سے بچایا تھا مگر جب وہ ان کی موجودہ ہیئت پر نظر ڈالتی تھی تو اس کے دل میں شبہات پیدا ہونے لگتے۔

خزیمہ نے اس کو متردد و حیران پا کر کہا:۔

شہبا! تمہارا خیال غلط نہیں ہے میں اگرچہ وہی ہوں جس کو نوروز کے دن تم نے ہمکلامی کا شرف سے نوازا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اب وہ نہیں ہوں اس وقت میں جو ان تھا خواہشات کا بندہ، خواہش کا مجسمہ اور احکام الٰہی سے بے پروا مگر خدا کا شکر ہے کہ آج میں انسان ہوں خدا کی رضا و خوشنودی کا متلاشی، احکام الٰہی کی اطاعت کا متمنی اور مذہب و ملت پر جان فدا کر دینے کا آرزومند، نوروز کے دن تم کو دیکھ کر، تمہاری مہربانی کی نظروں کی لذت سے آشنا ہو کر میں مدتوں تمہارے خیال میں دیوانہ رہا ہوں لیکن تم تک پہونچنے یا تم کو پانے کا راستہ مجھ کو نہ ملا میں نے سنا کہ راستہ میں ایسی جھاڑیاں ہیں جن سے اُلجھنا انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ ایسے کانٹے ہیں جن کو ہٹانا امکان میں نہیں ہے آخر میں نے تمہارا خیال چھوڑ دیا اور اس مقدس ہستی کے قدموں میں پہنچ گیا جس نے میرے دل و دماغ کو ایمان اور خدا کی محبت سے روشن کر دیا اور اب دنیا کی کوئی چیز اسلام کی خدمت سے بہتر مجھ کو نظر نہیں آتی۔

شہبا نے خزیمہ کے الفاظ کو غور سے سنا اس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا جو امیدیں دل میں پیدا ہوئی تھیں ختم ہو گئیں اور اس نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا۔ کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟

خزیمہ:۔ ہاں ..... میں مسلمان ہوں اور اسلام میری زندگی ہے۔

شہبا! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم میری خاطر سے مسیحیت کے آغوش میں آ جاؤ

خزیمہ! ناممکن اور قطعی ناممکن ..... ہاں صرف ایک صورت ممکن ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ تم اسلام قبول کر لو اس کے بعد تم کو اختیار رہو گا کہ تم مجھ کو اپنی غلامی میں رکھ لو۔

شہبا! یہ سب کچھ ممکن ہے مگر یہ ممکن نہیں مذہب میری زندگی ہے میں اس زندگی میں مسیحیت سے جدا نہیں ہو سکتی۔

خزیمہ تم مسیحیت میں رہ کر بھی ایک مسلمان کو اپنا خدمتگذار بنا سکتی ہو

شہبا!۔ یہ بھی ناممکن ہے نصارائے عرب میں میرا خاندان اتنی عزت و حرمت رکھتا ہے کہ میں آسانی کے ساتھ اس کو تمہارے ہاتھوں فروخت نہیں کر سکتی۔

خزیمہ! بہتر ہوتا کہ ہم کوئی ایسی صورت نکال لیتے جو دونوں کیلئے مفید ہوتی

شہبا! میرے خیال میں ایسی کوئی صورت ممکن نہیں اور اب بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی زندگی کو مسیح کی نذر کر دوں اور دنیا کی لذتوں سے بیگانہ بن جاؤں۔

خزیمہ! جن صورتوں میں میں تمہارا خدمت گذار بن سکتا تھا ان کو میں نے پیش کر دیا ہے اگر تم کو ان میں سے کوئی صورت پسند نہیں ہے تو میں تم کو مجبور نہیں کروں گا اسلام نے جبر کی ممانعت کی ہے پھر اسی کے ساتھ میں یہ عرض کروں گا کہ اگرچہ شرعاً مجھ کو تم پر اقتدار حاصل ہو گیا ہے اور میں تم کو اپنے قابو میں لا سکتا ہوں مگر میں اپنی اسلامی خدمات کو اس لوث سے آلودہ کرنا نہیں چاہتا خواہ اس میں مجھ کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو اب آخری رائے اور فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔

شہبا:۔ افسوس ہے کہ ہم میں سے ایک بھی اپنے مسلک سے ہٹنا نہیں چاہتا اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ بن جائیں اور آئندہ کبھی اس خواب کو خیال میں نہ لائیں۔

میں اس وقت مسلمانوں کی لونڈی ہوں اگر آپ میری خاطر سے اتنی رواداری برتیں کہ معاوضہ لے کر مجھ کو چھوڑ دیں تو آپ کا یہ سلوک محبت کا ایک ایسا یادگار واقعہ ہوگا جس کو ہم اپنی زندگی میں کبھی نہ بھولیں

خزیمہ! تمہاری اس خواہش کو میں خوشی کے ساتھ پورا کر دوں گا۔

حیرہ پر کامل قبضہ ہو جانے کے بعد خزیمہ[1] بن اوس حضرت خالدؓ بن ولید

---

[1] ابن اثیر نے صحابی کا نام سویل لکھا ہے اور ابن خلدون نے شریک نام بتایا ہے مگر دمیری نے حیوۃ الحیوان میں خزیمہ بن اوس کی جو حدیث طبرانی اور ابونعیم سے نقل کی ہے اس میں خزیمہ بن اوس کا نام ہے جو قبیلہ طے سے تعلق رکھتا تھا اسد الغابہ میں بھی خزیمہ ہی کا نام درج ہے ممکن ہے نام خزیمہ ہو اور سویل یا شریک اس کا لقب ہو ۱۲۔

ولید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عبدالمسیح کی بیٹی شہبار کو حضور صلعم نے مجھ کو عطا فرمادیا تھا اس لئے وہ میرا حق ہے خالد بن ولید نے شہادت طلب کی خزیمہ نے دو شاہدوں کو پیش کردیا اور انہوں نے شہادت دی کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضور نے حیرہ کی فتح کی پیشین گوئی کی تھی اور خزیمہ کی خواہش پر شہبا کو اس کا حق قرار دیا تھا۔

اس کا فیصلہ ہوجانے پر کہ شہبا، خزیمہ بن اوس کا حق ہے حضرت خالد بن ولید نے جب ایاس بن قبیصہ کی خواہش پر مصالحت کی گفتگو شروع کی تو صلح کی بنیادی شرط یہ قرار دی کہ عبدالمسیح کی بیٹی شہبا، کو ہمارے حوالہ کردیا جائے ایاس بن قبیصہ نے اس شرط کو ناگواری کے ساتھ سنا اور عرض کیا کہ مسلمانوں نے بہت سے شہر فتح کئے لیکن مصالحت میں کسی موقعہ پر اس قسم کی شرط پیش نہیں کی گئی خالد بن ولید رضہ نے فرمایا کہ یہ بالکل درست ہے لیکن بعض وجوہ سے ہم مجبور ہیں کہ اس کے بغیر صلح ناممکن ہے۔

ایاس بن قبیصہ اور عبدالمسیح نے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا اور مجبور ہوکر اس شرط کو قبول کرلیا اور شہبا، کو لایا گیا اور خالد بن ولید نے اس کو خزیمہ بن ایاس کی سپرد کردیا اس کے بعد دولاکھ نوے ہزار درہم جزیہ پر مصالحت ہوگئی اور خالد بن ولید نے ہدایا اور فتح حیرہ کی خوشخبری کا پیغام حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں روانہ کردیا۔

شہبا، اور خزیمہ کے درمیان جو آخری فیصلہ ہوا تھا اگر اس میں خزیمہ کو اس امر کا یقین نہ دلاتا کہ وہ اس کو معاوضہ لیکر رہا کرادیگا اور شہبا، ایاس بن قبیصہ اور عبدالمسیح کو اس کا یقین نہ دلاتی کہ مسلمان معاوضہ لیکر آپ کو چھوڑ دیں گے تو ممکن ہے حیرہ کے باشندوں سے اس وقت مصالحت نہ ہو اور جنگ تک نوبت پہونچتی مگر شہبا، کی دانشمندی اور خزیمہ کی مذہبی عقیدت دونوں نے مل کر اس خوں ریزی کو روکا اور مصالحت کی بہترین صورت پیدا کردی۔

مصالحت کے بعد شہبا، خزیمہ کو مل گئی تو شہباء کا بھائی عمرو اس کے پاس آیا اور کہا کیا تم شہبا کو فروخت کرتے ہو خزیمہ نے کہا ہاں، عمرو نے قیمت بتاؤ خزیمہ نے کہا ایک ہزار درہم سے کم لوں گا نہ زیادہ، عمرو نے فوراً ایک ہزار درہم گن دئے اور شہبا، کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس کے بعد کہا کہ اگر تم شہبا، کے معاوضہ میں ایک لاکھ درہم مانگتے تو میں تم کو ایک لاکھ درہم ہی دیتا۔

خزیمہ نے کہا:- میں ایک ہزار درہم سے زیادہ کو جانتا ہی نہیں میرے خیال میں بڑی سے بڑی رقم ایک ہزار ہی ہے۔

لہ عبدالمسیح کی بیٹی کا نام ابن اثیر نے کرامہ بتایا ہے اور اکثر مورخین نے شہبا لکھا ہے طبرانی اور ابونعیم کی روایت میں بھی شہبا لکھا ہے ممکن ہے کرامہ شہبا، کا لقب ہو۔

ہے شاہدوں کے نام اسدالغابہ میں محمد بن سلمہ اور عبداللہ بن عمر رضہ بتلائے گئے ہیں اور بعض نے عبداللہ بن عمر کے بجائے محمد بن بشیر رضہ لکھا ہے مگر صحیح روایت پہلی ہے ۱۲۔

بدکردار ماں کا بدکردار بیٹا

(از عزیز حسن بقائی)

"توبہ اللہ ایسی ناہنجار نابکار اولاد کسی کو دے جو گلی گلی، کوچہ کوچہ باپ دادا کی ناک کٹواتی پھرے۔"

کہنے کو تو حمید کی ماں نے اور بھی بہت سی باتیں کہیں اور یقیناً وہ سب باتیں منشی عزیز نے کو نہ خاموشی کے ساتھ سن لی ہوں گی۔ مگر جب بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ:- "توبہ اللہ ایسی ناہنجار و نابکار اولاد کسی کو دے جو گلی گلی کوچہ کوچہ باپ دادا کی ناک کٹواتی پھرے" تو منشی جی قابو سے باہر ہوگئے اور انہوں نے غیر معمولی اور غیر متوقع سخت آواز میں بیوی سے کہا کہ:- تمہارا جو جی چاہے کہو لیکن اگر آئندہ تم نے یہ بات کہی جو ابھی کہی ہے تو میں تمہارا منہ نوچ لوں گا۔ تمہاری اس بات نے میرا کلیجہ نکال دیا ہے تم کہتی ہو کہ اللہ ایسی اولاد کسی کو نہ دے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کوئی اس قدر اندھا کیوں بن جائے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسی بری راہ اختیار کر اولاد باپ دادا کی ناک اس طرح کاٹتی پھرے اور ہاں باپ دادا کی ناک تو برائے گفتن ہی کٹتی ہے لیکن ماں کی ناک ..... کٹنے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اگر اولاد... بری تربیت پاتی ہے تو اس میں صرف ماں کا قصور ہوتا ہے نہ کسی اور کا۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ماں پیدائش سے لے کر پانچ سات برس تک اولاد کو اپنی نگرانی میں رکھتی ہے اور تربیت دیتی ہے۔ بیچارے باپ کا کیا ہے صبح کا گیا شام کو گھر آیا، رات کو گھر میں بستر کرنے کا قصوروار ہوتا ہے وہ اولاد کو کیونکر اچھی یا بری تربیت دے سکتا ہے، جو اولاد کی حرکتوں کے باعث اس کی ناک کٹے۔

حمید کی ماں:- تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ میں نے حمید کو ... ہے اور سارا عذاب میری گردن پر ہے۔

منشی عزیز:- بے شک تم نے اور فقط تم نے اس کا ناس ہی نہیں کیا بلکہ ستیاناس کیا ہے اور سارا عذاب تمہاری گردن پر ہے اور یہ جو کچھ میں کہتا ہوں خوب سمجھ کر کہہ رہا ہوں میں تم کو یاد دلاتا ہوں کہ بچپن میں جب حمید کی زبان توتلی تھی کیا اس وقت تم اس کو گالیاں نہیں سکھایا کرتی تھیں اور کیا جب وہ اپنی توتلی زبان سے گالیوں کے وہ الفاظ دہراتا تھا اس وقت تم اس کی گالیاں ایسی خوشی سے ہضم نہیں کیا کرتی تھیں گویا گالیاں نہیں مصری کی ڈلیاں تھیں کیا اسی بات پر شادی کے بعد میری تمہاری پہلی لڑائی نہیں ہوئی تھی جس کے سلسلہ میں تم نے کئی ہفتہ میکے میں گذارے تھے اور کسی طرح گھر آنے کا نام نہ لیتی تھیں، میرے اوپر ہر طرح کے الزام لگا کر مجھے بدنام کیا کرتی تھیں تاکہ تمہارے ماں باپ نہیں پھر کبھی بھیجنے کا نام نہ لیں۔ یہ وہ واقعات ہیں کہ جنہیں تم جھٹلا نہیں سکتیں اور اگر جھٹلا نہیں سکتیں تو بتاؤ کہ حمید کی بدکرداریوں کی بنا کس نے قائم کی؟

حمید کی ماں: یہ سب کچھ سہی مگر میں نے اس نالائق کو چوری تو نہیں سکھائی تھی۔

منشی عزیز: تم جس قدر چھپاؤ گی اسی قدر کھلتا جائے گا تمہارے متعلق جس قدر صفائیاں پیش کروگی اسی قدر قابل الزام ٹھہروگی۔

حمید کی ماں: ہاں ہاں تم نے تو عمر بھر مجھے برا کہا ہے ایک طرف نالائق بیٹا بگڑا ہوا ہے اور دوسری طرف تم میرے دل کا کام تمام کئے ڈالتے ہو۔ دنیا میں چاہے کسی کا قصور ہو الزام کمبخت مجھ ہی پر عائد ہوتا ہے کسی کو گالیاں دے مگر قصور وار میں، کسی سے لڑے حمید مگر قابل الزام میں۔ اب چوری کی حمید نے تو اس میں اور میری تربیت کی رسوائی ہو رہی ہے یہی ہے تم لوگوں کا انصاف۔

یہ کہکر حمید کی ماں رونے لگی روتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی کہ کون ہوگا جو اپنی اولاد کو چوری سکھائے گا مگر اس کی چوری کا الزام بھی مجھ ہی پر آ رہا ہے یا اللہ کسی کی آئی ہو تو مجھے لے جائے۔

منشی عزیز: اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے تو سن لو کہ تم نے چاہے حمید کو براہ راست چوری نہ سکھائی ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ اپنے اعمال اور اپنی حرکتوں سے تم نے اس کو چوری کی تربیت دی اگر تم اس الزام کو قبول نہ کرو تو میں ہزاروں باتوں میں سے صرف دو باتیں تمہیں یاد دلاتا ہوں ایک تو یہ کہ تم اکثر و بیشتر میری جیب سے بغیر میری اجازت دام نکالا کرتی تھیں اور جب سوال کیا جاتا تھا تو کہا کرتی تھیں کہ راستہ میں گر پڑے ہونگے یا دفتر میں کسی نے نکال لئے ہوں گے پھر بعض اوقات جب پکڑی جاتی تھیں تو کہدیتی تھیں کہ میاں بیوی کی چوری چوری نہیں ہوتی میں جو کچھ تمہاری جیب سے نکالتی ہوں تمہارے گھر ہی میں پہنچا کر ڈالتی ہوں میکے نہیں بھیجتی کسی کو دے نہیں ڈالتی غرضکہ اس بات پر ... ہوتی تھی یاد ہے نا؟ اب دوسرا واقعہ یاد دلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ میری بہن نے اپنے بچوں کے کرتے تراشنے کے لئے تمہارے پاس کپڑا بھیجا تھا تم نے کچھ ڈیڑھ گرہ کپڑا بچا کر اپنی بھانجی کی قمیص بنائی تھی اور اس بات پر میری بہن سے تمہاری لڑائی ہوئی تھی کہ سال ڈیڑھ سال تک میری بہن نے اس گھر میں قدم نہ رکھا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ سب چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں تو اور کیا ہیں؟ اور حمید نے تمہاری ان حرکتوں سے چوری کی نہیں تو اور کس چیز کی تربیت حاصل کی ہوگی میں پھر کہتا ہوں کہ حمید کی ان تمام بدکرداریوں کی ساری ذمہ داری تمہارے اوپر عائد ہوتی ہے اور حمید کو تو اس نے اپنے سبق کا اعادہ ہی چرایا اور بدنامی کا دائرہ ابھی گھر ہی تک محدود رہا لیکن اگر یہی حال رہا تو آگے چل کر بڑی بڑی چوریاں کریگا اور جیل جائے گا اور وہ نتیجہ ہوگا تمہارے سکھانے کی ان مثالوں کا جو تم نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کے بچپن میں اس کے سامنے پیش کی تھیں؟ اگرچہ رات زیادہ ہو چکی تھی لیکن ہمسائے اور ہمسائیاں ان میاں بیوی کی باتیں سن رہی تھیں یہاں تک کہ ڈاکٹر محمد علی کی بیوہ جو چالیس سال اور خوش ... والوں کے باعث خاص مزاح کی نظروں سے دیکھی جاتی تھیں انہوں نے ...

ہر گھر اطمینان و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے

اور اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ ماں باپ اپنی لڑکیوں کو اور شوہر اپنی بیویوں کو ہماری کتاب

گھرداری کی تربیت

پڑھوائیں اس کے پڑھنے کے بعد ہر بیوی دنیا کے نشیب و فراز سے باخبر ہو جانے کی اور معلوم کر لے گی کہ شریف بیویاں کس طرح اپنے گھروں کو اطمینان و سکون کا گہوارہ بنا سکتی ہیں اور اپنی چھوٹی سی دنیا میں کس طرح جنت کے مزے حاصل کر سکتی ہیں۔ یہ کوئی خشک پند و نصیحت کی کتاب نہیں بلکہ سمجھ کی باتوں کو افسانہ کے مقبول عام طرز میں اس خوبی سے ڈھالا ہے کہ کوئی شخص چاہے وہ کتنا ہی کم علم ہو چاہے کتنا ہی ذی علم ہو کتاب کو ایک دفعہ شروع کر کے ختم کئے بغیر چین سے نہ بیٹھے گا۔ قیمت آٹھ آنہ۔ لبطور خاکہ مختصر مضامین درج ذیل کی جاتی ہے تاکہ کتاب کا خاکہ ذہن نشین ہو جائے۔

کاغذ کتابت طباعت اعلیٰ — **فہرست مضامین گھرداری کی تربیت** — **قیمت آٹھ آنہ علاوہ محصول**

آٹھ آنے میں فوٹو بلاک پرنٹ ہندستان کا ڈیسائز مجلد حمائل شریف

حیرت سے پڑھئے اور دیکھئے کہ رفیقہ رسالہ پیشوا کیسی انمول چیز پیش کر رہا ہے اس حمائل کو آپ اصلی صورت دیکھیں تو حیرت میں ہیجک کر رہی درخشندہ طباعت ایسا کاغذ اور سنہری مجلد اور ہدیہ صرف آٹھ آنہ لطف یہ ہے کہ ہمارا اکثر لیسا لیوں کو اس کا یقین ہی نہیں آتا اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ محض یکبارگی کا بندوبست تو از تعین فرمائیے



تمیسوں پارے کامل مجلد ہیں اور پورا قرآن شریف آٹھ آنہ میں ملتا ہے جو کام ہر ایک جیسے ملک کے ادارے کرتے ہیں وہ آپکے رسالہ پیشوا نے کر دکھایا قرآن پاک کا یہ کلام ترجمہ سے فرقہ میں پیش ہے یہ کم عرصہ آپکے تحفہ اشاعت فرمائیے۔ ہدیہ مجلد صرف آٹھ آنہ محصول بھی چار آنہ سالانہ پیشوا دہلی سے طلب کیجئے

زندگی کو جنت کی کھیتی بنا لو

زندگی خواہ دنیا کی ہو خواہ عقبیٰ کی وہ جنت کی کھیتی بن سکتی ہے۔ مگر شرط ایک اور صرف ایک کہ تم اپنے آپکو اس سانچے میں ڈھال لو جس سانچے میں ڈھلنے اور تم کو دنیا میں اپنا نائب بنانے کے لئے تمہارے خدا نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ پر قرآن پاک نازل فرمایا اور

زندگی کا وہ سانچہ اس طرح تیار ہو سکتا ہے کہ تم **معلومات قرآن** کا مطالعہ کرو۔ تم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد نے سرے کلام پاک کی تلاوت کرو تمہیں معلوم ہوگا اللہ تعالے نے دنیا میں تم کو اپنا نائب مقرر کرتے ہوئے اور جنت کی دوامی خوشیوں کا حقدار ٹھیراتے ہوئے کیا کیا ہدایتیں جاری فرمائی تھیں۔

معلومات قرآن ہماری وہ جدید کتاب ہے جو بڑی تفسیروں سے بے نیاز کر دیگی اور قرآن پاک کے معانی و مطالب گلزار پر بہار کی طرح تمہاری آنکھوں کے سامنے کھلتے نظر آئیں گے۔

معلومات قرآن ہماری وہ جدید کتاب ہے جو تم کو گویا اللہ تعالے سے ہمکلام بنادیگی۔

اور تمہاری روح میں ایمان کا نور بھر جائے گا اور جوش اسلام کا سمندر موجیں مارنے لگیگا

معلومات قرآن قرآنی معلومات کی انسائیکلوپیڈیا ہے جو اردو میں پہلی اور آخری کتاب ہے

معلومات قرآن وہ کتاب ہے جس کی بدولت عبودیت کی تڑپ تمہارے جسم و جان میں پیدا ہوگی اور عرفان کی تجلیاں تمہارے جسم میں کوندنے لگیں گی۔ اور جب یہ سب چیزیں جمع ہوں گی تو کون کہہ سکتا ہے کہ تمہاری زندگی جنت کی کھیتی نہیں بن جائے گی۔

یہاں اتنی بات اور بتا دینی ضروری ہے کہ معلومات قرآن کوئی معمولی بازاری کتاب نہیں ہے بلکہ ایک متبحر عالم قرآن جناب مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی کے بیس سالہ مطالعہ اور محققانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ مگر ہم نے اس نادر کتاب کی قیمت بہت ہی کم رکھی ہے لکھائی چھپائی اچھی ضخامت ۴۰۰ صفحات قیمت صرف رعایتی ۲ ر تاکہ ہمارے بھائی اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں معلومات قرآن کی بہت ہی مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے۔

لکھائی چھپائی اعلیٰ۔ کاغذ عمدہ — **فہرست مضامین معلومات قرآن** — ضخامت ۲۷۰ صفحہ رعایتی قیمت ۲ ر

استاد مرغی خانہ

... مرغیوں کی تجارت اور ان کی پرورش ... اس میں ... مرغیوں کی ... بیماریوں کے حالات بھی ہیں ... اس وقت تک ... ولایت سے آئی ہیں یا ... تمام بیماریوں کے علاج ہیں اور ہر ایک کا ترکیب پرورش ہے۔ قیمت [illegible]

اسرارِ قسمت

... کیا آپ مضطرب ہوں ... اس کتاب ... اگر آپ کسی شہر میں ... بھی چھوٹے شہر میں ... یہ کتاب ... غرضکہ اس کے ذریعہ آپ ... سے ... ہزاروں ... طریقہ سے کما سکتے ہیں قیمت دس آنہ محصول ڈاک و رجسٹری [illegible]

فردوسِ آسیہ

... اسلام نے منازل ترقی ... اگر آپ اسلام کی ابتدائی ترقی ... واقف ہونا چاہتے ہیں ... آسیہ ... رسول ... سے لے کر وفات رسول تک پھر خلفائے راشدین کے حالات ... وغیرہ ... سوانح عمری۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ محصول [illegible]

بہشتی زیور مکمل مجلد

[illegible]

نماز حنفی مدلل و مکمل

یہ ... عام کتاب ... شائع ہو چکی ہے ... صفحات کی مجلد کتاب ہے ... نماز کے مسائل ... آج تک شائع نہیں ہوئی اس میں وضو سے لیکر جنازہ ... نماز کے ... مسائل ... درج ہیں ... غرضکہ ہر مسلمان کے گھر میں یہ کتاب موجود ہے ... ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قیمت [illegible] محصول [illegible]

نماز کے پورے مسائل

آپ کو ایک ہی جگہ کسی کتاب میں مل سکتے ہیں تو وہ صرف رکن دین ہے جس کے پڑھنے سے نماز کی ذرہ ذرہ کیفیت معلوم ہو جاتی ہے ... کوئی چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بھی ایسا نہیں ... حالانکہ اس کتاب میں ... غرضکہ نماز پڑھنے والوں ... یہ کتاب بھی ضرور منگائیے ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد آپ نماز کے ہر ... واقف ہو جائیں گے ... کتاب کی مقبولیت کا اندازہ ... ہزار ... صفحات قیمت مجلد صرف [illegible]

ہفت رنگ پنجسورہ

آپ نے ... رنگ کی تصویر ... دیکھی ہوں گی ... پنجسورہ چھپا ہے ... کاغذ ولایتی آرٹ پیپر ہے ... سیاہ ... سرخ ... زرد ... رنگ کی ... نقش و نگار ... رنگ ... ہیں ... کاغذ ... خراب نہ ہو ... جلدی ... نہیں ہو سکے۔ قیمت [illegible]

دلائل الخیرات

مترجم مجلد ... [illegible] ... قیمت مجلد [illegible] محصول [illegible]

جیب قلم پارہ سورہ

یہ بہت ... قلم ... سورہ ہے اس میں ... سورتیں ہیں ... مترجم ... ہے سورہ یٰسین سورہ فتح سورہ مزمل سورہ الم نشرح سورہ رحمٰن سورہ واقعہ سورہ نوح سورہ کہف سورہ دخان سورہ ملک ... دعائیں ہیں ... ہر بیماری اور دعائے گنج العرش کامل ضخامت ۲۹۰ صفحات بہت مقبول ... سورہ ہے ... قیمت ... مجلد صرف [illegible] محصول [illegible]

جواہر القرآن

قرآن کریم وہ نعمت ہے جس کو ... شفا ہوتی ہے قرآن شریف سے بڑھ کر کوئی ... نہیں اور حوائج دینی و دنیوی کے حصول کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں ... اس بجز خاص ... کے جواہر القرآن کا استخراج کیا ہے اور رفع حاجت کے لئے اس کے پڑھنے کا ... طریقہ ... استغفار ... تسبیحات ... قیمت مجلد [illegible]

خیر المواعظ مجتبائی

وعظ کی سب سے بڑی کتاب ... واعظوں کیلئے نہایت ہی کارآمد ... دوسری کتابوں کی ... اس کا ایک ایک بیان ... باب ... فصل ... احادیث ... صحابہ کرام ... دوسری ... قیمت [illegible]

تاریخ مدینہ

... مدینہ منورہ ... حالات ... تاریخ ... قیمت صرف [illegible]



...کربلا

...فرات کے کنارے بیکسی و مظلومی کے المناک نظارے

...شیعہ سنی پلیٹ فارم

...سرور کائنات کی وفات کے بعد

حضرت امام مظلوم کی تقریر میدان جنگ میں

چوتھی مجلس

ساتویں مجلس

پانچویں مجلس

چھٹی مجلس

آٹھویں مجلس

دوسری مجلس

نویں مجلس

تیسری مجلس

ملنے کا پتہ — منیجر رسالہ پیشوا دہلی

[illegible]

... ہوئے ... ہیں۔

... ایک طرح ... "..." ... گیا۔ ... ہیں ... صنفی ...
... کیسے ... پس ... ہیں ... ہے ... منصبی ... نہیں ...
... سے خالی نہیں۔

حامد علی خان سیدھا ... تھے ... اول ... ہیں ... کے ...
ایک ہندو ... سے ... تھا ... کی لائبریری ... تھا ... کے قریب ...
... کیا ... حامد علی خان ... کوٹ ... ہی ...
... ہندو ... ان کو ... اپنے قریب ... دیکھ ... ہندو ... ہی ... کا ...
... نے خراب کر دیا۔ حامد علی خان ... تھے ... خراب ... اس ...
... اپنے ... نہیں ... کر ... ۔

ہر قسم کی ... مذہبی ... کر ... ہندو ... سے ... تھے ... کسی طرح ...
۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ... لاہور پہنچ گئے۔

دہلی سے لاہور آنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں فوراً ... اردو ... کے ... مکتبہ ... جھگڑے
ہو گیا۔ البتہ صحافت ... کا خوب تجربہ حاصل ہوا۔

اس کے بعد ... کی ادارت سنبھالی ... طباعت و اشاعت کا انتظام ادارہ ... وقت ... کے بند ہو جانے کے بعد
صاحب ... اپنا ذاتی ... بیٹھے ... مکتب ... ہے۔

حامد علی خان ایک نرم گو، نرم گفتار اور نرم مزاج انسان ہیں۔ ... نہیں۔ بہت متواضع۔ ... شہرت پسند
اور گوشہ گیر ہیں۔ خلوت ہی کو انجمن سمجھتے ہیں۔ بالکل الگ تھلگ زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ تنہا نشینی میں ... محسوس کرتے ہیں۔ ادبی مجالس
میں بھی شاذ و نادر ہی شریک ہوتے ہیں۔ لسانی تعصب سے بالا ہیں۔ ذات پات کی تمیز کو اچھا نہیں سمجھتے۔ ٹھیٹھ پنجابی ہونے کے باوجود پنجابی کہلانے
کی بجائے پاکستانی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ مولانا مودودی اور اس قسم کے شخص ... اور ... سے سخت نفرت ہے۔ ... پسند نہیں کرتے۔ اپنی کتب
کو ... ہاتھوں سے کبھی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ دیباچہ نگاری کو بھی جھوٹی شہرت کا ایک ذریعہ سمجھ کر اس سے کتراتے ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ ڈاکٹر ...
... کا یہ ... ہوا۔

بات یہ ہوئی کہ ڈاکٹر ... اپنی ایک کتاب کا دیباچہ ان سے لکھوانا چاہتے تھے مگر آپ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ یہ ان کے اصول کے خلاف تھا۔
کتاب کا نام تھا "سیاہ کالا اور دوسرے افسانے"۔ ... اس وقت تو کتاب کا مسودہ زبردستی چھوڑ کر چلے گئے کہ پھر کسی وقت ...
مگر اس کے کچھ عرصہ بعد ... کرنے کے لئے ولایت روانہ ہو گئے۔ ادھر حامد علی خان نے اطمینان کا سانس لیا کہ مقدمہ لکھنے کی بلا ٹل گئی۔
بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد تاج کمپنی کے ... سفری ایجنٹ کے پاس کتاب "سیاہ کالا اور دوسرے افسانے" دیکھ کر حیرت ہوئی

[illegible] ان کے شعری مجموعوں کے نام ... تھا۔ [illegible]
[illegible] کرو

ملک کا بھی تو اندیشۂ رسوائی ہے

[illegible] صاحب ولایت سے واپس آ گئے۔ تو ان سے شکایت کی۔ انھوں نے کہا میں نے تو کبھی [illegible]
[illegible] نے ... اپنا ... حامد صاحب کے پاس مقدمہ فیصل کرانے کے لئے بھیجا۔ مگر وہ خط ... [illegible]
[illegible] کلام سے شامل کر دیا ہے۔ اس جواب سے وہ ... آپ کو تسلی تو ہو گئی۔ مگر آپ مروت کی وجہ سے خاموش ہو رہے گئے۔

آپ خود داری سے بھی زیادہ ... کے قائل ہیں۔ صداقت۔ راست بازی اور جرأت کا یہ عالم ہے کہ جو بات منہ پر کہہ دینے سے کبھی نہیں چوکتے احساس کمتری پیدا نہیں کر سکتا اس سے کوئی خوش ہوتا ہے یا ناراض۔ امروز کی ادارت کے زمانے میں سعادت حسن منٹو کا ایک افسانہ اشاعت کے لئے آیا۔ آپ نے دیکھ کر واپس کر دیا کہ یہ شائع نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ یہ مملکت پاکستان کے خلاف ہے۔ اس میں پاکستان کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اس مضمون کے مختلف حصوں میں مختلف بیہودگیوں کی طرف اشارہ کر کے بار بار پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا گیا ہے۔ منٹو کی درخواست پر مولانا چراغ حسن حسرت کی رائے پر فیصلہ ٹھہرا۔ انھوں نے فرمایا کہ مضمون تو اچھا ہے۔ مگر فی الحال اسے شائع نہ کیا جائے۔

اس کے چند روز بعد جب حسرت۔ منٹو اور پطرس بخاری کسی مجلس میں جمع ہوئے تو حسرت نے منٹو کی دلجوئی کے لئے مذاق میں کہا کہ منٹو آپ کا افسانہ تو بہت اچھا تھا۔ مگر حامد علی خاں نے اسے شائع نہیں ہونے دیا۔ بخاری نے کہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ چیف ایڈیٹر آپ ہوں۔ آپ کسی مضمون کو شائع کرنا چاہیں اور وہ شائع نہ ہو سکے۔ حسرت نے کہا ہاں صاحب! مگر وہ بھی تو آخر ذمہ دار آدمی ہیں۔ انھوں نے میرے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔ منٹو نے خود یہ واقعہ حامد علی خاں کو سنایا۔ حامد علی خاں نے حقیقت حال بیان کر دی۔ تب منٹو نے کہا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہی درست ہے۔ حسرت صاحب کی بات درست نہیں۔ البتہ ان کے حق میں ایک بات جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وقت وہ نشے میں تھے۔

اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا جب حامد علی خاں نے اصرار کر کے منٹو سے مضمون مانگا۔ اس نے مضمون لکھنے سے انکار کر دیا۔ کہا: "حامد صاحب! آپ ترقی پسند ہیں میرا مضمون برداشت نہیں کر سکیں گے"۔ اس واقعہ سے حامد علی خاں کی سیرت کے کئی پہلو روشنی میں آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اسے پوری ذمہ داری۔ فرض شناسی اور محنت سے نباہتے ہیں۔ دوسرے پاکستان کی نظریاتی مملکت کے خلاف کوئی ایسی بات سننا گوارا نہیں کرتے جس سے اس کا مذاق اڑانا مقصود ہو یا جس سے اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ آپ کی صلاحیت روی اور اصابت رائے کا دوست دشمن سب کو اعتراف ہے۔

آپ اس حد تک ترقی پسند بھی ہیں کہ روس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ چین۔ امریکہ۔ فرانس اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے آدمیوں اور تحریکوں کا ذکر اپنے پرچوں میں ہمیشہ چھیڑتے رہتے ہیں۔ تاکہ معلومات عامہ ترقی کرے اور لوگوں کو اچھی باتیں اختیار کرنے کا موقع ملے۔ مگر اس خیال سے انہیں سخت وحشت ہوتی ہے کہ غلامانہ ذہنیت کے ساتھ اندھا دھند دوسرے ملکوں کے اصول اور نظریئے اپنے ملک پر مسلط کر دئیے جائیں۔

حامد علی خاں نثر بھی خوب لکھتے ہیں اور نظم بھی۔ غزل بھی نہایت عمدہ کہتے ہیں۔ اور نظم بھی۔ ان کا کلام پاکیزہ خیالات۔ رنگینی و بلند تخیل اور علوئے پرواز انداز بیان کا حامل ہوتا ہے۔ دل میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ اردو کی بے لوث خدمت اور ادب و شعر کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ طمع اور لالچ ان میں نام کو بھی نہیں۔ اپنی حالت پر قانع اور مطمئن ہیں۔ سازش۔ جوڑ توڑ۔ دھڑے بندی۔ ہنگامہ آرائی اور پارٹی بازی کی لعنت میں کبھی گرفتار نہیں ہوئے۔ فرقہ وارانہ تعصب سے بھی ان کا دامن پاک ہے۔ مختلف فرقوں کے آپس کے جھگڑوں میں دلچسپی ضرور لیتے ہیں۔ دلچسپی کے متعلق جو سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ محبت یا نفرت کرنا نہیں جانتے۔ وہ محبت کا جواب محبت سے دیتے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر یہ شعر دیکھئے ؎

[illegible] حسرت [illegible] کٹ گئی [illegible]

[illegible]

بقول منصور احمد سعادہ کی شاعری کی ایک دلکش خصوصیت وہ ایمائی الفاظ ہیں جن کے استعمال سے وہ شعر میں [illegible] پیدا کر دیتے ہیں۔ جب وہ کوئی تصویر کھینچتا ہے تو اپنے قلم کے ایک نکتہ سے اس کے لئے ایک ایسا [illegible] تخلیق کرتا ہے [illegible] پوری تصویر [illegible] میں گم ہو جاتی ہے۔ [illegible] مثال کے طور پر یہ شعر دیکھئے ؎

گلزار کے سایوں میں وہی حشر بپا ہے
پھولوں سے ابھی تک تری خوشبو نہیں جاتی

"وہی اور ابھی تک دو الفاظ ہیں جو اس شعر میں کوئی افسانہ کہہ رہے ہیں۔ وہ کیا حشر تھا جو گلزار کے سایوں میں بپا ہوا۔ اور کیوں پھولوں سے ابھی تک اس کی خوشبو نہیں جاتی؟ صرف وجدان ہی ان سوالات کی پہنائی کو پا سکتا ہے۔

ایک اور شعر دیکھئے ؎

آنکھیں تری آنکھوں سے ملائی نہیں جاتیں
سر اب ترے قدموں سے اٹھایا نہیں جاتا

"اب" نے ایک پورا افسانہ پیدا کر دیا ہے۔ کیوں اب آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملائی جاتیں۔ کیوں اب سر قدموں سے نہیں اٹھتا۔ سوچئے تو دل میں تصورات کی ایک دنیا بس جاتی ہے۔

[illegible] [illegible] میں ہے کہ [illegible]
[illegible] [illegible] کے مشورے [illegible]
اس نے [illegible] اظہار یوں کیا ہے

خواں وحشت بہ معنی دیق سفلی کا پیکر ذرق
چمن سرا طاق تا پیچ کاکی چہ سامان
وحشی و کوکاق کو کوکاق تیقی بہ سلی
سیاہ وگل تقطار انہ تقطار انہ قعف ہ آئی

اسی پر ــ

سب کہ نگار زندگی جیب چاک ہی ہے ان کبھی
انتہا سے حد و جسد کی کشت ہو کر گیا

پہلے مصرع میں سراسر سیاسی خاموشی کو تکمیل تک پہنچا دیا ہے اور پھر دوسرے مصرع میں اس خلیجا اشاعتی سلسلے کو ایک نہایت ہی مختصر الفاظ سے توڑ کر اس تقابل کو نمایاں کیا ہے۔ جس کا انداز کسی سیاہی کے کنارے سے پھوٹنے والی کرن ہی ہو سکتا ہے۔

رئیس احمد جعفری

ارشد تھانوی

مولانا حالی بھی عنفوانِ شباب میں اپنی نئی نویلی دلہن کو اس کے خوش حال میکے میں چھوڑ کر پانی پت سے دلی بھاگ نکلے تھے تاکہ اپنی تعلیم کی تکمیل کر سکیں اور یہ ایک ایسے ہی ولولہ طالب علم کی داستان ہے جو اتنی سی عمر میں اسی طرح شوق کے تقاضے سے گھر چھوڑ کر چل دیا۔

یوپی کے ضلع سیتاپور میں ایک مردم خیز قصبہ خیرآباد ہے، وہاں کے مکتب میں ایک یتیم بچہ بھی پڑھا کرتا تھا۔ معمولی نوشت و خواند اور ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس قصباتی مکتب میں بقدر ذوق اس کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ کسی بڑی درس گاہ کا طالب علم بننا چاہیے۔ ماں اور بڑے بھائی اس کمسنی میں اپنے سے علیحدہ کرنا اور کہیں دور بھیجنا نہ چاہتے تھے۔ لڑکے میں یہ خواہش زور پیدا ہوئی۔ ایک دن ماں نے کسی بات پہ ناراض بیٹا تو خفا ہونے کا بہانہ ہی ڈھونڈتا تھا۔ موقع پاکر گھر سے نکلا اور لکھنؤ پہنچ کر دم لیا۔ یہ بات راز ہے کہ زادِ سفر جائز طریقہ پر حاصل کیا تھا یا ماں کی صندوقچی پر ہاتھ مارا تھا۔ اگر آخری عمل کیا تو بھی یہ گناہ کسی طرح ثواب سے کم نہیں۔ بہرحال لکھنؤ پہنچ کر اپنی ذاتی کوشش سے دارالعلوم ندوہ میں داخلہ لیا۔ اور پڑھنے کا جو حق ہوتا ہے، وہ پورا پورا ادا کیا۔ جتنی جتنی علمی مدارج میں ترقی کی، تقریر و تحریر میں بھی صلاحیت پیدا کی مگر درجۂ تکمیل تک پہنچتے پہنچتے کارکنانِ ندوہ کے خلاف سرکشی کی، انجمن اصلاح کے نام سے طلبہ کی ایک انجمن بنائی تھی، اس کے سکریٹری کی حیثیت سے ہڑتال کرا دی اور جب معاملات رفع دفع ہو گئے تب بھی بغاوت کا جوش ٹھنڈا نہ پڑا۔ اور اس دارالعلوم میں رہنا گوارا نہ کیا۔ مہتمم ندوہ اس زمانہ میں سید سلیمان تھے۔ وہ اس ہونہار طالب علم پر بہت شفقت کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ بقیہ تعلیم نامکمل رہے اپنے خط کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر حسین کے پاس دہلی بھیج دیا۔ بقیہ علمی مراحل جامعہ ملیہ میں طے ہو گئے اس کے بعد ندوہ میں پہنچ کر بھی سند فضیلت حاصل کر لی۔ دینی و دنیوی تعلیم کا یہ پیکر اب مولوی رئیس احمد جعفری تھا۔ میری ان کی پہلی ملاقات [illegible] میں ہوئی جب یہ روزنامہ خلافت بمبئی کے چیف اڈیٹر تھے۔ دور خلافت ویکلی کے نام سے ایک علمی و ادبی ایڈیشن بھی ہفتہ وار شائع کرتے تھے۔ ایک روز میں علمائے اسلام کا کوئی تذکرہ دیکھ رہا تھا۔ متعدد بزرگانِ کرام کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ صرف پڑھنا جانتے تھے، لکھنا انہیں نہ آتا تھا۔ ان کی تصانیف دوسروں کے قلم کی رہینِ منت ہیں۔ جو حیرانی

کے مالک بن گئے تھے۔ اسی وقت ڈاک آئی۔ ایک لفافہ جس کی پشت پر شاندار پتہ بڑے پیارے خوش خط مرقوم تھا۔ انشاء ثابت خوب اہتمام سے
اگر حروف جڑے ہوئے نہ ہوں تو پڑھنے میں مرصع درج تک کرتے تھے۔ اپنی سینکڑوں نہیں ہزاروں بدخط تحریریں پڑھ چکا تھا۔ مولانا جعفری صاحب کا خط با تکلف پڑھ لیا اور سوچنے لگا کہ حضرت علوم مشرق کے مستند عالم ہیں۔ بدقسمتی سے تعلیم
پائی ہے۔ ورنہ شاید بالکل لکھنا نہ سیکھتے۔ اور قدیم علماء کی طرح علم کے ساتھ فن پر توجہ کرنا غیر ضروری سمجھتے۔ یہ اب سے ۲۰ برس پہلے کا ذکر
ہے مطلب تو یہ انداز نگارش اور بھی پختہ ہو گیا ہوگا۔ معلوم نہیں ان کی تصانیف کی کتابت کیونکر ہوتی ہے کاتب رنگ ان کی لکھی پر لکھی ہی تو نہیں رکھتے
پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خط خوشنما نہ ہے۔ اور لکھے دستخطوں کے انداز تحریر کا دلکش نمونہ دور حاضر کے ادیب و انشاء پرداز سوائے
اتنے چھوٹے بڑے دائرے نہیں کھینچتے۔

میں بالالتزام خلافت دہلی کے لیے نظم و نثر لکھا کرتا تھا۔ اس لیے غائبانہ ربط قائم ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد بھوپال کے ایک صاحب جامعہ ملیہ سے اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے واپس آئے وہ جعفری صاحب کے دوست تھے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لائے۔ میں انہیں پہلی دفعہ دیکھ کر کچھ بھونچکا سا ہو گیا۔ دبیز جسم کے داڑھی لگائے نوجوان مولانا۔ اس پر طرہ یہ کہ بہت کم سخن اور سنجیدہ بیان۔ خلافت دہلی میں ایک بہت ہی دلچسپ افسانہ قسط وار ان کا شائع ہوا کرتا تھا جس میں موجودہ معاشرت کے بعض نازک پہلو بڑی خوبی سے ابھارے جاتے تھے میں سوچنے لگا کہ یہ مولوی نہیں مخش قسم کا آدمی ایسی ایسی اور نکتہ سنجی کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود نہیں لکھتے کسی سے لکھوا کر اپنے نام سے شائع کر دیتا ہے۔ لیکن مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ دوران طالب علمی جبکہ ۱۵ سال کی عمر تھی، یہ ماہنامہ حجاز کی ادارت کر چکے تھے۔ جو ان سے بڑے صاف مولوی عتیق احمد نے دہلی سے نکالا تھا۔ اور جب جامعہ ملیہ میں رہتے تو مولانا محمد علی جوہر کی سوانح عمری لکھی تھی جو مکتبہ جامعہ نے چھاپی اور شائع کی۔ ان کے نانا مولوی سید نیاز احمد یو پی پولیس سے پنشن لے کر بھوپال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو گئے تھے۔ میں ان کی ماتحتی میں بھی رہ چکا تھا۔ اور چونکہ وہ میرے والد اور چچا کے دیرینہ دوست تھے۔ ان کا مستحق شفقت بھتیجا بھی رہا تھا۔ اس لیے بغیر دیکھے ان کے اس عزیز ترین نواسے کے حالات سن چکا تھا۔ پس دل کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

اس کے دیئے ہی کی زمی دوسری ملاقات کے کئی سال بعد

ماماں نے جلایا مجھے میں مبتلا بنایا

اپنی سادگی کی اطلاع جعفری صاحب کو بھی رسمی طور پر دے دی تھی۔ خیال تھا کہ جب ملیں گے تو اپنے بڑے نانا حضرت ریاض کے معاصر کی ہو بہو تصویر ہوں گے۔ بقول ؎

اک عبا پہنے عصا تھامے عمامہ باندھے

مگر یہ۔۔۔ ہر دم بہ لباس دگر آں یار برآمد۔ ایک نوجوان ملنے آیا۔ دبلا پتلا۔ اکہرے جسم کا۔ عینک لگائے میں نے پہچانا نہیں۔ بڑے خلوص سے علیک سلیک کی۔ بمشکل پتہ چلا۔ تو یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ وہی جعفری ہیں، جو ایک بھاری بھرکم مولانا کے پیکر میں بھوپال تشریف لے گئے تھے۔ گفتگو کی، تو منہ سے پھول جھڑنے لگے۔ خوب کھل کے باتیں ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ اپنا ذاتی پریس قائم کر لیا ہے اور ایک روزنامہ بھی کامیابی سے نکال رہے ہیں۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ قائداعظم کی سوانح عمری لکھ رہے تھے یا لکھ چکے تھے، میں ان دنوں کٹر کانگریسی اور بھوپال اسٹیٹ پیپلز کانفرنس کی مجلس عاملہ کا سرگرم ممبر تھا۔ اس لیے سیاسی موضوع پر بحث چھڑ گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے متعدد دوستوں کی کوشش کے باوجود میں کانگریس سے جڑا ہوا تھا۔ لیکن جعفری صاحب سے ایک گھنٹہ بحث کرنے کے بعد میں تہِ دل سے مسلم لیگ کا حامی ہو گیا

[illegible] سیشن [illegible] اسٹیج [illegible]
[illegible] بلکہ [illegible] ہو گئیں۔ [illegible]
[illegible] سکتی تھیں ؎

بہشت [illegible] دنیا [illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

وقت گزرتا رہا۔ ایک حادثہ ہوا تھا۔ ہندوستان کا بٹوارہ ہو رہا۔ سلطنت تمام ہو گئی۔ [illegible] [illegible] جعفری صاحب [illegible] چلتے [illegible] کی مدت [illegible] مختلف موضوعات پر کتابیں لکھ رہے تھے۔ [illegible] اسلامی دینی موضوعات پر کوئی ایسا موضوع نہ تھا جس پر انہوں نے تصنیف و تالیف [illegible] کا حق ادا کیا ہو۔ [illegible] اور محبت [illegible] ایک دن [illegible] جنت [illegible] ہے [illegible] وہ بھی [illegible] کہ [illegible] ہو سکتا ہے کہ یہ اتفاقی بات ہو۔ لیکن [illegible] یہ [illegible] کچھ [illegible] بقول ان کے [illegible] تو سب کچھ [illegible] ایک [illegible] مختصر [illegible] نہیں پڑھتا ؎

[illegible] جوانی کی بہار آ کر [illegible]   [illegible] عشق کی جب منزل

جعفری صاحب از راہ محبت مجھے اپنی کتاب تحفتاً دیتے ہیں جو میرے ذوق کی ہوتی ہے۔ لیکن [illegible] دیا۔ جو تازہ شاہکار نہیں بلکہ ۱۹۴۹ء کا چھپا ہوا تھا۔ میں نے دل میں سوچا۔

[illegible]

میں نہ پڑھوں گا تو گھر میں اور بہت پڑھنے والے ہیں۔ کتاب میز پر رکھ دیا۔ [illegible] سگریٹ [illegible] سامنے تو تھا ہی غیر ارادی طور پر [illegible] اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگا۔ [illegible] ورق [illegible] نام [illegible] چاندنی نیچے عبارت تھی ——— جنت۔ جہنم، اور قیامت کی داستان ——— دونوں عبارتوں کے درمیان فلمی دنیا بھی لکھ دیا تھا۔ شبہ ہوا کہ شاید دوزخ، بہشت اور حشر نشر کو فلمایا گیا ہے، اور [illegible] فلم کمپنیاں جس طرح اپنی مذہبی روایات کو پردہ سیمیں پر پیش کیا کرتی ہیں، ایسی ہی کوئی جسارت کہیں جعفری صاحب تو نہیں کر بیٹھے۔ مگر اس مرد مسلمان سے ایسی توقع نہیں۔ ورق اُلٹا۔ جعفری صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔

کاروبار پروڈکشن سے وابستہ رہ کر ڈیڑھ برس تک میں نے فلمی دنیا کا کاروبار دیکھا۔ جنت کا لطف، جہنم کا عذاب، قیامت کی نفسا نفسی سب کچھ اس جہانِ خراب آباد میں ہے۔ یہ ناول اسی دنیا کی ایک جھلک ہے۔

میں چاہا کہ اس نئی دنیا کی بھی سیر کروں، اور یہ بھی اندازہ کروں کہ دینی عالم جعفری نے اس دنیوی منظر کو کتنی گہری نظر سے دیکھا ہے۔ چنانچہ پڑھا اور خوب پڑھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ انجانی تخلص کے جس مفروضہ اسٹوری رائٹر کی زبانی یہ فسانہ دہرایا گیا ہے۔ یقیناً وہ خود جعفری صاحب ہی ہیں۔ بڑی حیرت ہوئی۔ ع

ما را ازیں گیاہ ضعیف ایں گماں نبود*

ناظم جیسا کسی سوسائٹی کو بہت ضرورت ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی سرپرستی میں تلاش کی جائے کہ کراچی بلکہ سارے ملک میں ... تجربہ پاکستان میں کچھ ... ہجرت کے بعد ترقی اور عزت ریزے سمیٹے جا سکیں۔ انجان صاحب شعر کا ...

ستارہ ہجر افق میں کہیں ڈوب کر نکلے

جعفری صاحب کا اس گنگ سے واپس بیمار شفا آنا معجزہ ہی ہو سکتا ہے مگر یہ معجزوں کا زمانہ نہیں۔ اچھا ہوا کہ جعفری صاحب کو اچھے پیچھے ہو گئے۔ ورنہ ممکن تھا کہ ہم پسماندگان کے درمیان کر بیٹھتے۔ اور وہ اس طرح ایثار کر کے اپنی ذات پر ایک بیہودہ الزام کو لے کر جیسے قبول میں اندازہ ہو جاتے۔ میں اس کو واقعی معنوں میں داد بخشتا ہوں۔ انہوں نے اپنے کردار کی ایسی ہی اونچی قربانی دی ہے جیسی بعض مغربی ڈاکٹر بعض خطرناک امراض کی تحقیق و علاج کے لئے اپنے جسم اور بعض اوقات جان کی دیا کرتے ہیں۔ اور شاید مرض کی ماہیت کا اندازہ لگانے کو اس مرض کے جراثیم اپنے خون میں داخل کر لیتے ہیں۔ اور قابل تجربہ کے بعد اس کی مدافعت کر کے مخلوق خدا کی تکالیف دور کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ جعفری صاحب نے بھی ایک شدید ترین معاشرتی مرض کا تجربہ کر کے چاندنی کے نام سے نسخہ شفا پیش کیا ہے۔ اور خود بھی اس مرض سے پاک صاف ہو کر ادبی و صحافتی فضا میں آ گئے ہیں۔ جعفری صاحب میں ایک بڑی اچھی بات یہ ہے کہ وہ کبھی کسی سے خفا نہیں ہوتے اور دوستوں کو دشمن بنانا انہیں بالکل نہیں آتا۔ حالانکہ یہ بہت آسان بات ہے۔ اور عیب یہ ہے کہ حاسدوں کو جو دشمنوں ہی کی ایک بدترین قسم ہے دوست بنانے کی ناکام سعی سے باز نہیں آتے۔ اور با دشمناں مدارا کے اصول پر نقصان مایہ میں اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شبلی بی کام

قیصر تمکین

میلکم گرگ نے اپنے "ہمنام" کے پیشہ ورانہ اخلاق "میں ذکر کیا ہے کہ ایک روز وہ کسی بنک کے قریب سے گزر رہا تھا، اچانک اس کی نظر اوسط عمر کے ایک شخص پر پڑی، جو ایک بنچ پر بیٹھا کمیونسٹ منشور پڑھ رہا تھا اور کبھی کبھی نعرہ لگا کر سر جھٹک دیتا تھا۔ گرگ نے قریب پہنچ کر دیکھا۔ تو وہ چیزوک تھا۔ گرگ نے سوال کیا۔

"کیوں میاں چیزوک، یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

چیزوک نے سر اٹھا کر بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یار یہ کمبخت تو ہم میں نہیں آتی۔ میں بیٹھ میں شام میں جمع کر کے جلدی سے اسے پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن وہ نکل بھاگتی ہے۔"

چیزوک کو سمجھانا بے سود تھا۔ گرگ اُسے اپنے حال پر چھوڑ کر اپنی راہ لگ گیا۔

شبلی بی کام کمبخت پکڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔ لیکن میں اُسے ۱۹۳۵ء سے جانتا ہوں۔ اور اگر میں اپنے علم میں ان لوگوں کی معلومات بھی شامل کروں جو اُسے مجھ سے بھی پہلے سے جانتے ہیں تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ گزشتہ بیس برس سے مرتبان میں مچھلیاں پکڑنے کی کوشش میں مصروف رہا ہے۔

مجھے ایک قریبی دوست ہونے کی حیثیت سے اُس کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ جن دنوں وہ "ملاگیر" اور "خیام" کا ایڈیٹر تھا۔ الہ آباد شہر کے ایک تنگ و تاریک بازار میں رہتا تھا۔ وہ اس وقت مجرد تھا اور اس وقت بھی مجرد ہے۔ اُس نے سات روپے ماہوار پر ایک چھوٹا سا چوبارہ کرایہ پر لے رکھا تھا جو صرف ایک کمرہ پر مشتمل تھا۔ اس کی سامنے کی دیوار لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ جس میں تین دریچے تھے جو بازار کی جانب کھلتے تھے۔ روشندان نہیں تھے اور بازار سے گزرنے والی بسوں کے دھوئیں پر جنگلی کبوتروں کی ایک ٹولی غٹرغوں غٹرغوں کرتی تھی۔ کمرے کے اندر تین الماریاں تھیں۔ ایک میں آئینہ، کنگھی، کریم اور سنگھار کا دوسرا سامان رکھا تھا۔ دوسری میں کتابیں اور رسالے بے ترتیبی سے ٹھنسے ہوئے

[illegible] میں ... رہتی تھیں۔ کچھ میں چوہوں نے بل بنا رکھے تھے۔ ان تیرہ سالوں کے دوران ہر ایک [illegible]
بے ترتیبی سے پڑے رہتے تھے۔ یہ خطوط پاس پڑوس سے بالا تک کے ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور فلمیوں کے لکھے ہوتے تھے
پڑھنے والوں کے خطوط بھی ہوتے اور کچھ مشہور شخصیتوں کے بھی۔ بعض خطوط کے ہمراہ جواب کے لیے ٹکٹ بھی ہوتے اور جوابی لفافے بھی
شفیع بی کام کے لیے کسی خط کا جواب دینا ایسا ہی ہے جیسے بقول منٹو مرحوم کے مال پہن کی گال دے دینا۔ وہ اپنے نام آئے ہوئے تمام خطوط پڑھ لیتے
اور خط کا اپنے دوستوں سے بھی تذکرہ کرتے ہوئے اس مصمم ارادے کا اظہار کرتا کہ وہ اس خط کا جواب ضرور لکھے گا۔ اس نے اکثر خطوط کھول کے
اور لفافوں کی بجائے میں اس نیت سے رکھے کہ جب انہیں جواب دے جائیں تو وہ ان کو نکال کر شیشے والی الماری کے نچلے خانے میں ڈال دیتا۔ جب وہاں
بھی انبار لگ جاتا اور جب ان خطوط کا ایک تختۂ مشق بنا چکتے تو وہ ان سب کو اٹھا کر اوپر طاقچے میں ڈال دیتا۔ یہ تقسیم سے قبل بھی برس تک خطوط کے
اس ڈھیر کو دیکھ رہا، رفتہ رفتہ پھر سے دیکھتا رہا لیکن اسے ان کے جواب دینے کی فرصت نہ مل سکی۔ اسے جواب دینے کی فرصت ہی کہاں ملتی ہے!

وہ دن چڑھے چارپائی سے اٹھتا اور وہ بھی اس لیے کہ مہتر اسے بہشتی کہا جاتا۔ وہ ہمیشہ اس کا خیال رکھتا کہ سامنے سونے نہیں دیتے۔ پھر
عتاب کا گویا تھا کیونکہ اگر وہ منڈیر کا اڑنا کبوتر تھا تو پانی کہاں سے آتا، صفائی کون کرتا!

وہ پیدا ہوکر سب سے پہلے لوٹا ہاتھ میں پکڑ کر چھت پر چڑھ جاتا۔ شاید دن بھر میں ایک موقع ایسا ہوتا جب وہ اردگرد کی منڈیروں اور
چھتوں پر جا سکتا۔ بیکوں کی کے سر بیچے ہیں کہ یہ عالم تھا اکثر لوگ مالک مکان سے یہ کمرہ کرایہ پر مانگنے چلے آتے۔ کیونکہ ان کے مقابل میں یہاں
کوئی بھی نہ رہتا تھا۔ پھر وہ شیو بناتا، غسل کرتا اور کپڑے پہن کر سیڑھیوں سے اتر کر ساتھ کے پان فروش سے سگریٹ کی ایک ڈبیا اور ایک پان خریدتا اور
ہیرامنڈی کے ایک ہوٹل "بسم اللہ" کا رخ کرتا۔ رستے میں اس کے ایک ہندو دوست کے بھائی کی دوکان تھی۔ وہ اس ہندو حلوائی سے الگ ہندو وا
پیچھے کی کھن کی ٹکیہ خریدتا اور بسم اللہ ہوٹل میں پہنچ کر ایک پینک چائے کا آرڈر دیتا۔ یہ چائے دودھ، چائے کے رس اور چینی کو ملا کر ایک ہی ساتھ جوش
کی ہوتی۔

ملک آزاد ہو گیا، موسم بہار بدل ہوئی، اوام جمع گئی، خاکساروں پر گولی چلی، فسادات ہوئے، لیکن شفیع بی کام کے اس معمول میں کبھی فرق نہ
آیا۔ وہ اپنے اس روزمرہ پر ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک عمل پیرا رہا۔

"بسم اللہ ہوٹل" سے نکل کر وہ تحصیل بازار کی راہ لیتا۔ یہاں "عالمگیر" اور "خیام" کا دفتر تھا۔ بشرطیکہ اسے دفتر کہا جا سکے کیونکہ میرے خیال میں
اسے دفتر کی بجائے کباڑ خانہ کہنا زیادہ موزوں تھا۔ جگہ انتہائی تنگ اور بے ڈھب سے اور سب سے زیادہ مصیبت عالمگیر پریس کی گڑ گڑ اہٹ۔
"سید مٹھا بازار" سے "تحصیل بازار" کی طرف چلیں تو اس بازار کے بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اسی مسجد کے ساتھ ایک بڑا سا پھاٹک ہے اس
پھاٹک سے داخل ہوں تو دو بڑی سی مشینیں نظر آتی تھیں۔ یہ مشینیں پہلی جنگ عظیم کا ماڈل تھیں۔ اس لئے پوری قوت سے چیختی چلاتی رہتی تھیں ان
کے پہلو میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جہاں حافظ محمد عالم مرحوم ایک لمبے بانسوں والی کرسی آرام کرسی پر بیٹھے رہتے تھے۔ ایک میز کرسی شفیع بی کام کے
لئے مخصوص تھی۔ دوسری میز ایجنسی کلرک کے سپرد تھی۔ تیسری میز اشتہارات کے زیر استعمال تھی۔ چوتھی میز پر ایک کلرک بیٹھتا تھا اور پانچویں میز ایک
ٹائپسٹ کو دے دی گئی تھی۔ میں آج بھی اس چھوٹے سے کمرے کا تصور کرتا ہوں تو "بلیک ہول" کے واقعہ پر یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ حیرت
ہے کہ اس قدر تنگ و تاریک کمرے میں اتنے لوگ، اتنی میزیں اور اتنی کرسیاں کس طرح سما جاتی تھیں۔ پھر ملاقاتی بھی تو ہوتے تھے اور حافظ صاحب
سے کاروبار کرنے والے لوگ اس پر مستزاد!

اس کمرے کی ایک چھوٹی سی واحد کھڑکی سڑک کی جانب کھلتی تھی۔ جہاں پانچ سات منٹ کے بعد ایک آدھ پھیری والا ہانک لگا کر گزرتا
تھا۔ [illegible] — کھیلاں کھل — نان کباب — آلو چھولے — کتابوں رسالوں کی ردی — پرانی بوتلیں — مونگ پھلی گرما گرم۔

— [illegible] — وہ بیکار کب تھا — مقدمے کے متاثرہ بیچ [illegible] — [illegible] —
[illegible] — [illegible] ۔ نہایت اعلیٰ، نہایت نفیس، نہایت بچے، نہایت [illegible]، نہایت اچھا ہے: [illegible]
[illegible] ۔ [illegible] مسلسل [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
[illegible] ۔ اس کا [illegible] [illegible]
[illegible] جیسے [illegible] [illegible]
اس کے ذہن پر تحریکی سی چھا گئی ہے اور اب وہ [illegible] خیالات کی دنیا میں [illegible]۔

مشتی یا یہ مسلسل دن بدن تک [illegible] بیٹھ کر [illegible] ماہنامہ عالمگیر جنت [illegible] کا شمار اس وقت کے معیاری اور کثیر الاشاعت جرائد میں ہوتا تھا۔ [illegible] کوئی ضخیم خاص نمبر شائع ہوتا رہتا تھا۔ [illegible] ایڈیٹر [illegible] خوش اسلوبی سے نبھاتا [illegible] صحافت میں [illegible] تھے۔ [illegible] متاثر ہو کر نیاز فتحپوری نے ایک دفعہ اسے لکھا تھا۔

• اگر تمہاری طرح کا محنتی آدمی مجھے مل جائے تو میں نگار اس کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو جاؤں! اسی زمانہ میں جوش ملیح آبادی نے اس کے کسی مقالہ کا حوالہ دیتے ہوئے کلیم میں یہ رائے کا اظہار کیا

• محنت و جانفشانی اور عرق ریزی اس کا کام ہے۔

اسی عرصے میں اس نے عالمگیر کے صفحات پر بیس بائیس صفحات کا ایک مقالہ "[illegible] شعر، اور اس کی زندگی اور ادب پر اثر" لکھا [illegible] نے لکھا۔

• آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ میں نے اتنی کتابیں نہیں پڑھیں:

اس مقالہ پر مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالستار صدیقی، عندلیب شادانی، برج موہن دتاتریہ کیفی، محی الدین قادری زور اور بے شمار دیگر علماء و فضلا نے جو خراج تحسین ادا کیا وہ خطوط میں نے خود دیکھے ہیں اور "عالمگیر" میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

وہ اسی پریس میں بیٹھ کر "حرف و حکایت" کے عنوان سے جو ہر ریزے بکھیرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے کئی کئی سو صفحات کے ناول بھی اسی پریس کی نمناک اور صندل فضاؤں میں بیٹھ کر لکھے گئے ہیں۔

سورج ڈھلے شبلی پریس سے نکلتا اور اخبار و رسائل کا پلندہ بغل میں داب کر سیدھا بھاٹی دروازے کی طرف ہو لیتا۔ وہاں [illegible] میں بیٹھ جاتا۔ سامنے کے ہوٹل سے چائے کا ہاف سیٹ آتا اور وہ چائے کی پہلی پیالی کے ساتھ ہی تازہ دم ہو جاتا۔ اس کے دوست احباب بھی یہیں آ جاتے اور یا تو رات گئے تک یہیں گپ شپ گرم رہتی یا وہ دو تین دوستوں کے ہمراہ انارکلی سے مال روڈ کا چکر کاٹتا اور بھاٹی دروازے کے رستے واپس عالمگیر پریس میں پہنچ جاتا۔

اسی زمانہ میں احمد ندیم قاسمی نے اس کی سیروں کا حال سن کر اسے لکھا تھا کہ سنا ہے آپ پیسے کے پیسے باندھے انارکلی بازار میں نکلتے ہیں
عالمگیر پریس میں "میس" کا انتظام تھا۔ ایک کاتب کھانا تیار کر دیتا اور وہ پریس کی چھت پر بیٹھ کر کھانا کھاتا۔ چائے پیتا۔ [illegible] سگریٹ
کر ایک آدھ سگریٹ کے کش لگاتا اور سہ پہر کے قریب اسی شعبہ عالمگیر میں آ جاتا۔ سیڑھیوں میں داخل ہوتا تو سب سے پہلے سیڑھیوں [illegible]۔

پورے [illegible] کے تمام [illegible] ۔ حالانکہ وہ وقت اس کے مطالعہ کا ہوتا۔ اس وقت کسی کو اندر [illegible]
جو اس کے کمرے میں دوست [illegible] کی عزت [illegible] وہ اس کے کمرے پر چار کر آ جاتے [illegible]
وہ سب [illegible] میں چپ سادھے رہتا۔ حتیٰ کہ اس کا دوست مایوس ہو کر لوٹ جاتا۔ اس وقت وہ حرف و حکایت [illegible]
کا عادی [illegible] سال کے [illegible] لکھتا۔ اس نے اپنے افسانوں کی بیشتر کتابیں بھی اسی وقت میں لکھی ہیں۔

میرے علاوہ احسان علی شاہ اور میرزا ادیب کا بھی اس کے ہاں آنا جانا تھا۔ اس لئے ہمیں ایسے وقت میں بھی اس سے ملنے کا [illegible]
میرزا ادیب نے اپنے ایک افسانے "عبدالرحمن" کا مواد لطیفی کے اس کمرے سے لیا تھا اور عبدالرحمن دراصل عبدالرحیم لطیفی کا فرضی نام ہے اس
افسانے کے آخری حصے میں میرزا ادیب ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ لیکن ماحول نگاری میں ان کا یہ افسانہ بڑا کامیاب ہے۔ میرزا صاحب نے لکھا ہے

"گرمیوں کے دنوں میں مچھروں کے حملے سے بچنے کے لئے وہ پاؤں تک کسی چادر میں چھپا لیتا اور اگر موسم سرد ہوتا تو وہ کوٹ میں
چھپا رہتا۔ دیوار سے سہارا لگائے کسی کتاب کا مطالعہ کرتا، لکھتا اور ساتھ ہی ساتھ سگریٹ کے کش بھی لگاتا رہتا۔"

اس وقت دیوار سے سہارا لگا کر سوالیہ نشان بنا چارپائی پر رکھی رہتی۔ سیاہی کی بوتل اکثر چارپائی پر الٹ جاتی۔ چادر سیاہی سے تر بتر ہو جاتی لیکن
وہ افسوس ذرا کم کرتا بلکہ ہنس پڑتا کیونکہ اس کے بجٹ میں ہر ماہ ایسی آفت ناگہانی کی رقم مخصوص رکھی جاتی تھی۔

ایک بجے رات تک وہ فکر و مطالعہ میں کھویا رہتا۔ پھر ایک بجے جب بازار میں سناٹا مرختم ہو جاتا۔ پان فروش ہوٹل سے حسب معمول
تختہ اٹھنے لگ جاتا۔ وہ وہیں دالان کو نے سے صاف کر کے ایک طرف رکھ دیتا اور کواہی رکھو رکھاؤ رسالوں کا اصباب کے تمام ریڈیو
دیکھ کر ختم کر دیتے تو لطیفی بھی کام چپ چاپ نیند کی آغوش میں جا سمٹتا۔

برابر دس برس تک اس کا یہی پروگرام رہا۔ اسے دنیا کا کوئی ہوش نہ تھا۔ اس کی تمام زندگی اسی ڈگر پر بسر ہوتی رہی۔ اس کے بھی
بچے تھے ہم نہیں کہ گھریلو الجھنوں کے حل کی فکر ہوتی۔ شادی کے متعلق اس کے خیالات عجیب تھے میرزا ادیب نے لکھا ہے کہ

"اس کی ذہنی تحقیقات کے مارے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکے تھے۔ وہ اسے بہت بڑا آدمی سمجھتے تھے۔ گو وہ دوست اس کے بہت قریب تھے اور اس کے معمولات حیات سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ اکثر حیران ہو کر یہ سوچتے تھے کہ اپنی بے پناہ قابلیت کے باوجود یہ شخص اپنی زندگی کے معیار کو بلند کیوں نہیں کرتا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کی نگاہوں میں دولت کی کوئی وقعت نہیں تھی اور عورت کے تصور نے اس کی زندگی کی سرد فضا کو ابھی چھوا تک بھی نہیں تھا۔ شادی کے بارے میں اس کا نظریہ عجیب و غریب تھا۔ جب کبھی گفتگو میں شادی کا ذکر چھڑ جاتا تو وہ مسکرا کر کہتا۔ "میں شادی صرف اس لئے کروں گا کہ میرے گھر میں ایک عورت ہر صبح میرے لئے چائے کی گرم گرم پیالیاں بنا دیا کرے اور جب میں کام سے فارغ ہو کر گھر آؤں تو میرے لئے کھانا بالکل تیار موجود ہو۔"

اس کے موڈ کی ایک بات یاد آ گئی۔ قیام پاکستان سے قبل میں لاہور سے ایک رسالہ شائع کرنا چاہتا تھا لطیفی سے ذکر ہوا تو اس نے ایک
لیٹر پیڈ بھی [illegible] خاکہ بنا کر بھیج دیا تھا۔ وہ یہ تھا۔

ماہنامہ ندیم لاہور ——— ایڈیٹر قمر تسکین

[illegible] ——— پڑھنے والے بھائیو! میں نہ تو ادیب ہوں، نہ شاعر، ایک معمولی ایڈیٹر ہوں جس کا کام نوآموز لکھنے والوں سے تحریریں چھینا
[illegible] کر کے شائع کر دینا ہے۔

[illegible] کا پہلا شمارہ ایک معمولی ہدیہ کے عوض پیش کر رہا ہوں۔ اگر آپ اس کی سرپرستی قبول فرمائیں تو آپ [illegible]

[illegible] — [illegible] - تسلیم

وضاحت

[illegible] کی [illegible]
کس [illegible] کی۔

ثقافت

جرم
دان ہی
معاف کیجئے۔ میرے [illegible]

نظم

یہ شاعر کا وقت اور پہلو کا لکھنا
اب کیا ہے [illegible]

مزاج و کیفیت

مدے ذہنیاتی
کہ بے نیاز ہے

نفسیات

ادیب اس لئے لکھتا ہے کہ اس کی [illegible]
[illegible] سے ذہنی [illegible]

[illegible]

وحشیانہ اس معدی کی تصنیف
ہے۔ یہ محبت ہے کہ اس [illegible]
تھا۔ ہر جملہ [illegible] ہے

جب وہ موڈ میں ہو تو سیکڑوں نحیف چٹکلوں اور حکایتوں سے بھری نقل کرتا ہے۔ مزاح بنا کر کہہ دیتا ہے۔ خوب ہنستا ہنساتا ہے۔ اس کے احباب اس کے قریب بیٹھ کر اپنی پریشانی (؟) بھول جاتے ہیں — لیکن اگر وہ کام میں مصروف ہو تو اس سے بڑھ کر تلخ مزاج انسان کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا [illegible] کو ذرا سے۔ پروفیسر اختر اورینوی پٹنے آئے تو وہ ہر [illegible] ایک بار ان کے ساتھ [illegible] گئے تھے اور میرزا ادیب انہیں شبلی بی اے کام سے واقف مالگیر پریس لے گئے جس میں شبلی بیدار کی ایڈیٹری کے منصب پر تھا۔ خاص قسم جیلر کے نام بھی [illegible] تھا۔ ہم تینوں اس کے مکتب میں جا بیٹھے ہوئے اور میں نے شبلی کو ستودہ کرتے ہوئے تعارف کرایا — "آپ ہیں اختر اورینوی صاحب" شبلی نے منہ پھیرے بغیر اپنا ہاتھ مکتب کی طرف بڑھایا۔ اختر اورینوی صاحب اس کا ہاتھ ملتے گئے۔ ایک منٹ، دو تین اور چار منٹ گزر گئے۔ شبلی بدستور لکھنے میں مصروف رہا۔ وہ منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا۔ چنانچہ ہم تینوں "السلام علیکم" کہہ کر پریس کی گھڑگھڑاہٹ سے نجات پا گئے۔ تمام راہ میں اور میرزا ادیب انتہائی شرمندگی کے عالم میں قدم اٹھاتے رہے۔ بیچارے اختر اورینوی خاموش رہے اور اپنی منزل پر ہم سے جدا ہو گئے لیکن ہمارے باہمی شبلی کے بارے میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

شبلی بی اے کام کی زندگی کے اس عجیب و غریب اسلوب نے مجھے ایک افسانوی کردار بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اختر اورینوی نے "[illegible] کر کے اندر کلی اور بھول بھلیاں" کے عنوان سے ایک افسانہ لکھا۔ یہ افسانہ شبلی کے گرد گھومتا ہے۔ اس افسانے کی دلکشی [illegible] کا عکس خوب واضح ہے۔ میرزا ادیب نے بھی اپنے افسانے "عبد الرحمٰن" میں کھوج لگانے کی کوشش کی کہ شبلی بی اے کام کی تخلیق کا منبع کس چیز پر ہے؟ اختر اورینوی کا خیال ہے کہ شام کے وقت اس نے اندر کی سے کھڑکی کھول کر جھانکا اور اسی میں قوت محسوس کر کے مطمئن ہو گیا — میرزا ادیب اپنے افسانے میں اچانک ایک روز اس کے کمرے میں تبدیلی دیکھتا ہے۔ میلے پردے، کرسی، میز وغیرہ دیکھ کر کچھ اندازے لگاتا ہے۔

لیکن میری رائے میں یہ دونوں حضرات تہ تک نہیں پہنچ سکے کہ شبلی کی تفریح کے اسرار کی گتھی کیا ہے۔ [illegible] اور یہ بات قرین ہے کہ میں بھی اس معمہ کو نہیں سمجھ سکا۔ اس زمانہ میں شبلی کے گھر پر کس مپرسی کا عالم تھا۔ اس لئے وہ کسی کو اپنے گھر کا پتہ نہ بتاتا تھا۔ اس کے کمرے کا نقشہ میرزا ادیب نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"کمرے کی ہر چیز فرسودہ، بے جان اور بے رونق تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا زندگی کی حرارت نے اس تنگ و تاریک [illegible] دنیا میں کبھی سانس لیا ہی نہیں ہے۔ جس وقت وہ کمرے میں موجود ہوتا تو کبھی کبھی پُرسکوت فضا میں چلنے پھرنے یا باتیں کرنے [illegible] سی پیدا ہو جاتی۔ مگر چند لمحوں کے بعد ہی یہ لرزش اس طرح غائب ہو جاتی جیسے کسی جھیل کی کائی کی سطح پر پتھر گرنے سے

کا اور بعد ہو کر آتا تو ایک ابھرتے ہوئے دائرے ہی میں غذب جاتی - اس کی زندگی کے بڑاسرار دن اور بڑاسرار راتیں [illegible]
تھیں - مگر اس کی حالت ایسی ہی رہی جیسی کہ سات برس پیشتر تھی - سات سال کی لمبی مدت اس نے اسی کمرے میں [illegible]
اور ایک ہی مستقل مقام کر رہا ہو - چائے پینے کام کرنے اور سونے کے علاوہ اسے دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی :
تقسیم سے کچھ عرصہ قبل حافظ محمد عالم کی بیماری کے دوران اس کے شغل میں کچھ بیزاری سی پیدا ہوئی - شاید وہ مسلسل دس سال تک ایک ہی جگہ
کام کرتے کرتے تھک گیا تھا - اس نے کمپنی چھوڑ دی اور ہفتہ وار ، ماہوار رسالوں کو چھوڑ کر روزناموں کی دنیا میں چلا گیا۔
قیام پاکستان کے بعد بھی اس کے شغل ہی کام کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا - سید مشتاق ملا حمد پارہ تو فسادات کی نذر ہو گیا اور تقسیم کے بعد وہ
جالندھر کر اپنے عزیز و احباب کے ساتھ آیا تھا - اس نے نئی انارکلی میں دو تین کمرے الاٹ کرا لئے ہیں لیکن یہاں بھی اس کے حصے میں صرف ایک
ہی کمرہ آسکا ہے - اس کے گھر میں اگرچہ اب بھی بیوی نہیں ہے تاہم ماں باپ موجود ہیں - اس کے باوجود وہ صبح سویرے اٹھتا ہے - شیو بناتا
نہاتا دھوتا اور ناشتہ سے فارغ ہو کر تانگے کر سیدھا دفتر پہنچتا ہے - پہلے وہ اپنے دفتر کا کام ختم کر کے دو بجے کے بعد رسالہ "نقوش" کے
دفتر میں منتقل احباب ہو جاتا تھا اب رسالہ ڈائرکٹر کے دفتر میں بیٹھتا ہے - اسے نقوش سے دلچسپی نہیں ہے - کیونکہ وہ ایک فیصد بھی علمی آدمی نہیں۔
اسے تو محض ان علمی دفتروں کے ان کمروں سے دلچسپی ہے جو اس کے تھکے ہارے جسم کو چند گھنٹوں کے لئے مصروف رکھتے ہیں - نقوش کے
دفتر کا صوفہ اس کی بے پروائی کے باعث جل گیا تو وہ رسالہ ڈائرکٹر کے دفتر میں آ نکلا - یہاں سے اکتائے گا تو کسی اور ایسی جگہ جہاں اس کے لئے
پیشاب کرنے کی جگہ ہو ، پنکھا ہو ، ایک صوفہ سیٹ ہو اور چائے منگوائی جا سکے ۔ چلا جائے گا ، وہ اسی دفتر میں بیٹھ کر اپنی جیب سے دس کا ایک
نوٹ نکال کر چائے منگوائے گا - آس پاس بیٹھے ہوئے سب لوگوں ، سب ملاقاتیوں اور سب دوستوں کو چائے پلائے گا - کوئی کھانا کھانا چاہے تو اسے
کھانا کھلوانے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔

وہ کہا کرتا ہے - " میں چاہتا ہوں کہ نیوزی لینڈ چلا جاؤں ، سمندر کے کنارے کسی سرسبز و شاداب تختہ پر لیٹا رہوں - لیٹا رہوں - حتیٰ کہ
کئی صبحیں طلوع ہوں اور شامیں غروب ہو جائیں " ـــــ دراصل اس کا جسم تھک چکا ہے لیکن تعجب ہے کہ اس کا ذہن ابھی تک نہیں تھکا - اس میں ایک
لاوا سا سلگ رہا ہے - جس کی چنگاریاں اس کی تحریروں میں اڑتی رہتی ہیں - تقسیم کے بعد سے وہ معزز اخباروں کے چیف ایڈیٹری کے فرائض سر انجام دے رہا
ہے - وہ اداریے لکھتا ہے - کئی ملک گیر تحریکیں چلا چکا ہے - کئی وزارتوں کو الٹ چکا ہے - عوام کے ان گنت مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد میں کئی زمونوں کے بخیے ادھیڑ
چکا ہے - لیکن وہ ایک عجیب کردار ہے جسے سچی بات ہے میں اب تک نہیں سمجھ سکا۔

اس کی بہترین تفریح ہوٹل میں ایک آدھ گھنٹہ بیٹھنا ہے - جہاں اسے اک ذرا چھیڑ دیا جائے تو پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے - اس کا تجربہ اور مطالعہ
بہت وسیع ہے - وہ گزشتہ پچیس برس سے بے شمار سیاسی ، ادبی اور مذہبی تحریکوں کا عروج و زوال دیکھ چکا ہے اس لئے معاشرے کا ایک مزاج
بن کر رہ گیا ہے - اسے ادب اور صحافت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

وہ باتیں بڑے پتے کی کہتا ہے اور اس حد تک بے باک ہے کہ کسی کی پروا نہیں کرتا - وہ ناشروں کے بھی خلاف ہے اور مصنفوں کے بھی سیاستدانوں
کے بھی اور ـــــ سب کے - بلکہ کبھی کبھی تو خدا اور انبیاء اور اولیا بھی اس کی زد میں آئے بغیر نہیں رہتے - بایں ہمہ اس کی گفتگو بے معنی اور بے تکی
نہیں ہوتی - انداز خواہ کچھ ہو - اس میں علمیت کا رنگ ضرور ہوتا ہے - مثلاً وہ حسرت ، سالک ، اور سلیمان ندوی کو کوسنے بیٹھے گا تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ
دے گا کہ حسرت صاحب نے فلاں تاریخ کا مادہ غلط نکالا ہے اور فلاں کتاب کا نام غلط لیا ہے - سالک صاحب نے قصہ چہار درویش کا کردار الٹ دیا
کے سر [illegible] سلیمان ندوی نے مستشرقین کی کتابیں ترجمہ کرا کے اپنے نام سے چھاپ دی ہیں - لیکن وہ عمر خیام کی تاریخ پیدائش متعین نہیں
کر [illegible] اس نے نجوم کی مدد سے منٹ اور سیکنڈ بھی بتا دیئے ہیں - اس کا مطالعہ وسیع ہوتا ہے اور وہ پتے کی باتیں کہتا ہے اب اسکا [illegible]

[illegible]

وہ [illegible] (آٹو پائلٹ) ہے اور اپنے [illegible] کی کوشش میں ہے ۔ شاید [illegible] صبح سے رات کے دس بجے تک [illegible] مطالعہ [illegible] زندگی بسر کرتا ہے ۔ لیکن درحقیقت وہ [illegible] ۔ اسے کیا وہ اپنے [illegible] [illegible]

میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ خوابوں میں بھٹکنے کی کوشش کرتا ہے ۔

وہ [illegible] مشکل [illegible] پرواز کرتا ہے ۔ لیکن [illegible] ۔ وہ ایک حقیقت ہے ۔ دنیا کی حیثیت [illegible] ہوگا

ہے ـــ اس کی ساخت [illegible] ـــ !

اس کے [illegible] نثر نگار تھے ۔ [illegible] جب شبلی نے [illegible] ۔ خواہ [illegible] کے بعد کے ساتھ [illegible] سب سے [illegible] علم و ادب [illegible] ساتھ [illegible] شبلی بی کام نے انگریزی میں مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کیا [illegible] سب سے پہلا مضمون [illegible] میں شائع ہوا ۔ [illegible] کے زمانے [illegible] زیادہ تر وہی کچھ [illegible] ۔ لیکن عبدالکریم [illegible] شبلی [illegible] سب سے پہلے [illegible] [illegible] کرتا ہے ۔ [illegible]

بی کام اس کے نام کا جزو بن چکا ہے ۔ جسے [illegible] شبلی کے باوجود [illegible] نہیں کر سکا ۔ حتیٰ کہ [illegible] وقت [illegible] شبلی بی کام [illegible] ثابت [illegible] ۔ میں نے کئی دفعہ اپنے [illegible] شبلی بی کام کے بجائے عبدالکریم شبلی لکھ دیا [illegible] جب اس کے [illegible] ـــ [illegible] ۔ ہم نے سمجھا ۔ وہ کوئی اور شبلی ہوگا ۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ بی کام لکھنا بھی [illegible] ۔ لیکن بدقسمتی سے [illegible] دیئے ۔ شروع شروع میں ایڈیٹروں نے غالباً [illegible] عبدالکریم شبلی کو [illegible] شخصیت ظاہر کرنے کے لئے ڈگری کو نام سے ملحق کیا تھا اور بعد میں یہ ایک ایسا جزو بن گیا جسے علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا ۔

اس کے خاندان میں یہ رواج ہے کہ ہر شخص کا ایک تخلص رکھ دیا جاتا ہے ۔ عام اس کے کہ وہ شاعر ہو یا نہ ہو ۔ اس کا تخلص بھی اس کی والدہ محترمہ نے اس کے پیدا ہوتے ہی تجویز کیا تھا ۔ غالباً اس وقت مولانا شبلی نعمانی نئے نئے فوت ہوئے تھے اور ان کے [illegible] کی گونج بھی تک فضا میں باقی تھی ۔ [illegible] اس کی والدہ نے یہ خیال کیا ہو کہ شاید یہ بڑا ہو کر بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلے اور عجب نہیں کہ ان کی طرح شاعر ہی نکلے ۔ اس لئے یہ تخلص (شبلی) اس پر ٹھونس دیا گیا ۔ تاہم اس میں [illegible] کا فطری ذوق موجود ہے جو کبھی کبھی معاشیات کی خشک تعلیم کے باوجود ابھرتا رہتا ہے اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا ہے جب یہ کلام [illegible] کی صورت میں ڈھل گیا تاہم اس کے نام سے [illegible] یا نظمیں شائع ہوئی ہیں ۔ وہ ان کو اپنے ادب میں شامل کرنے کو تیار نہیں ہے ۔

سانولی رنگت، الجھے بال، ستواں ناک اور موٹی موٹی آنکھوں والا انتالیس[۳۹] سالہ سید عبدالکریم ہاشمی (شبلی بی کام) دوستوں کی محفل میں بے باکی کے ساتھ قہقہے لگاتا ہنستا اور سگریٹ پھونکتا ہوا جب [illegible] انداز اختیار کر لیتا ہے تو بڑا عجیب سا معلوم ہوتا ہے ۔ [illegible] چھوٹے بڑے تمام ادیبوں کے ساتھ ہے ۔ وہ اپنے کسی دوست اور کسی [illegible] کو نہیں چھوڑتا کسی کو معاف نہیں کرتا ۔ وہ ادیبوں کے [illegible]

[illegible] واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا مستقبل کس حد تک اس سے وابستہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ [illegible]
[illegible] ایک عجیب کی طبیعت سے مسرت کا احساس کرتا ہے۔ اس کے لئے یہ لازمی ہے اور جب وہ انتہائی [illegible]
[illegible] مسائل سے دوچار ہوتا ہے اور قومی مسائل کے بارے میں کچھ لکھتا ہے تو اس کا یہ انداز بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے۔

میں نے [illegible] اس شخص یعنی شبلی بی کام کی کوئی احسان نہیں گنوائی۔ اس لئے کہ میں اس کا دیرینہ دوست ہوں اور مجھے اس میں کوئی خوبی نظر آتی ہیں۔ اس کی شخصیت بڑی پیاری، بڑی حسین اور بڑی عجیب و غریب ہے۔ میرا خیال ہے کہ "عجیب و غریب" کا لفظ [illegible] وضع ہوا ہے ——!

شبلی بی کام جب بولنے لگتا ہے تو اپنے مخصوص انداز میں اپنی عینک کے دائروں سے اپنی شرربار آنکھیں نچا نچا کر دیکھتا ہے اس وقت اُسے آپ کسی ناراضی، ندامت، آزردگی، مصروفیت غرضیکہ کسی شے کی پرواہ نہ ہوگی اور اس کے دلائل کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب آپ اپنی مکمل شکست کا اعلان کر دیں گے۔

آپ اپنے کسی ذاتی مسئلہ پر اس سے انتہائی سنجیدگی سے مشورہ کر رہے ہوں گے تو وہ اچانک اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے فضا میں کچھ لکھنے لگے گا اور آپ کے مسئلہ پر قطعی توجہ نہ دے گا۔ اس وقت بھی اُسے آپ کی ناراضی، آپ کے جذبات و احساسات غرضیکہ آپ کا کوئی خیال نہ ہوگا!

اگر وہ موڈ میں ہوگا تو آپ کے ہلکے سے اشارے پر وہ چار سو روپے تک ادھار دینے سے دریغ نہ کرے گا اور اس کے ذہن میں ان روپوں کو واپس لینے کا خیال تک نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ کی جان پر بن آئے اور آپ اس کے سامنے ایک آدھ روپے کے لئے دست سوال دراز کریں۔ وہ موڈ میں نہ ہو تو آپ کی کسی بات سے متاثر نہ ہوگا اور ایک پھوٹی کوڑی بھی جیب سے نہ نکالے گا۔

وہ مال روڈ، میکلوڈ روڈ اور انارکلی میں اس قلندرانہ شان سے چلتا پھرتا نظر آتا ہے کہ کسی روزنامہ اخبار کے چیف ایڈیٹر کے بجائے کسی دفتر کا معمولی سا کلرک نظر آتا ہے۔

آج کی مادی دنیا میں وہ ہر بڑے آدمی، ہر ظالم، ہر وزیر، امیر سے نفرت کرتا ہے حتیٰ کہ ان کے سلام کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن ہر بے حیثیت آدمی، ہر مظلوم، ہر فقیر و غریب اور ہر غریب کے گلے میں بانہیں ڈال کر گھومتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔

جس کام میں مالی فائدہ ہو۔ اُسے ٹالتا رہتا ہے حتیٰ کہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ دوسروں کے ان گنت کام کر چکا ہے اور اس سلسلے میں اپنی جیب سے دشمنی کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔

ہر روز ایک نئی اسکیم بناتا ہے۔ اس کے ذہن میں ہزاروں، لاکھوں اسکیمیں تو دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن وہ آج تک کسی اسکیم کو بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکا۔ وہ خود ہی کہا کرتا تھا کہ علم النجوم کی رو سے میں "کیتھا" ہوں جو آگے بڑھتا بڑھتا عین منزل کے قریب پہنچ کر کچھ اس طرح پلٹ کر غائب ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھی منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

یہ ہے شبلی بی کام اور عجیب و غریب کردار۔ جسے میں اب تک نہیں سمجھ سکا اور جو میرے خیال میں آج بھی طوفان میں مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

محمد اسلام حنفی

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی میرے بہت پرانے دوست ہیں۔ ان سے میری پہلی ملاقات آج سے تقریباً تیس سال پیشتر مسلم ہائی اسکول پانی پت کے کتب خانے میں ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ کتب خانے کی بڑی میز کے پاس ایک نہایت سنجیدہ جوان کچھ مطالعے میں مصروف ہے۔ اور اپنا ایک کاغذ پر کچھ یادداشت لے رہا ہے۔ بھرا ہوا جسم، گٹھا ہوا چہرہ، سیاہ داڑھی، سر کے بال بالکل کٹے ہوئے۔ بدن پر ایک صاف مگر سادہ کرتا اور شرعی پاجامہ۔ یہ تھے شیخ محمد اسماعیل۔ ان کی شخصیت کی جو چیز میرے نزدیک سب سے زیادہ جاذب تھی وہ ان کا خلوص تھا، ان کی حق گوئی، راستبازی اور نیک نیتی تھی۔

شیخ صاحب کی شخصیت کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں تنوع اور رنگا رنگی نہیں ہے۔ فنون کی رنگارنگ اقسام کے تفریحی مشغلوں کا شوق ہے، نہ ان کو بہت عمدہ قسم کے لباس سے شغف ہے۔ اور نہ کھیل تماشوں، میلوں ٹھیلوں اور دوسری تفریحات کی طرف میلان۔ انہوں نے نہ تو کبھی تھیٹر سینما نہیں دیکھا۔ اور کسی قسم کا کھیل بھی نہیں کھیلا۔ عملی سیاست سے بھی وہ ہمیشہ علیحدہ رہے۔ ان سب چیزوں کو چھوڑ کر ان کو ایک اور صرف ایک چیز سے عشق ہے۔ وہ ہے کتاب، مطالعہ، علمی تحقیق اور تصنیف و تالیف۔ ہم نے مطالعہ کے شوقین بہت دیکھے ہیں مگر اس معاملے میں شیخ صاحب کی مثال نرالی ہے۔ اپنے بچپن کا ذکر شیخ صاحب نے بارہا کیا ہے۔ خود ان کے قول کے مطابق وہ اس زمانے میں رات کو ڈیڑھ ڈیڑھ بجے تک کتاب پڑھتے رہتے تھے۔ والدین کی تاکید تھی کہ رات کو جلد سو جائیں۔ ان کے ڈر سے منہ لحاف میں ڈھک لیتے اور لحاف کے اندر سرسوں کے تیل کا چراغ جلا کر چپکے چپکے کتاب پڑھتے رہتے۔ گھر والے سمجھتے کہ سو رہے ہیں۔

شیخ صاحب نے ہمیشہ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ کتابیں خریدنے پر صرف کیا اور ہمیشہ اچھی کتب کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے ایک بے نظیر ذاتی کتب خانہ جمع کر لیا تھا۔ جو بیش بہا قلمی نسخوں اور نایاب مطبوعہ کتابوں پر مشتمل تھا۔ جس خوش دلی سے شیخ صاحب اس کو استعمال کرتے تھے بہت کم لوگ ذاتی کتب خانوں سے ایسا استفادہ کر سکتے ہیں۔ اکثر شائقین علم ان کے کتب خانے کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔

کتب خانہ شیخ صاحب کی زندگی بھر کا سرمایہ تھا اور نہایت قیمتی سرمایہ تھا۔ افسوس ہے کہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب [illegible] صحت پر اس کے ضائع ہو جانے کا بہت بڑا اثر پڑا ہے۔

باعموم دیکھا گیا ہے کہ ذاتی کتب خانوں کے مالک اپنی کتابوں کو ہاتھ بھی کسی کو نہیں لگنے دیتے۔ مگر شیخ صاحب اس معاملہ میں بہت فیاض واقع ہوئے ہیں ان کے کتب خانے سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

شیخ صاحب کی یادداشت نہایت عمدہ ہے۔ بعض اوقات ان کی اس خوبی سے عجیب لطیفے رونما ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں سید علی نقی صاحب پرنسپل عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج، اورنگ آباد نے اپنے کالج میں حالی صد سالہ جشن کی تقریب منائی تھی۔ شیخ صاحب اور میں حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت کے نمائندوں کی حیثیت سے وہاں موجود تھے۔ مسٹر اکبر حیدری نظام جلسہ کی صدارت کر رہے تھے۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب مولانا حالی پر تقریر کر رہے تھے۔ تقریر کے دوران میں دفعتہً مولوی صاحب نے شیخ صاحب سے سوال کیا کہ مجالس النساء حالی نے کس سنہ میں لکھی تھی۔ شیخ صاحب اس وقت کچھ لکھ رہے تھے۔ مگر بلا تامل انہوں نے سوال کا جواب دیا۔ اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ تمام حاضرین جلسہ کی نظریں شیخ صاحب پر پڑیں اور لوگ حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کون بزرگ ہیں جو حالی کے متعلق ایسا یقینی علم رکھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق صاحب بھی استفسار فرماتے ہیں۔ اور بھروسہ کرتے ہیں اور جن کو حالی کی واقفیت کے جزئیات گویا ازبر ہیں۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ حالی کی تحقیق پر شیخ صاحب نے سالہا سال جس قدر کاوش و کوشش کی ہے کسی دوسرے کو میسر نہیں۔ انہوں نے اس قدر مواد اس موضوع پر جمع کیا ہے کہ اگر وہ لکھیں تو بہت آسانی سے ہزار صفحہ کی سوانح عمری لکھی جا سکتی ہے۔ وقت لکھنے کی آرزو تو اب تک پوری نہ ہو سکی مگر شیخ صاحب نے مولانا حالی کے غیر مطبوعہ فارسی کلام کا مجموعہ مرتب اور شائع کیے ہیں۔ ان کے علاوہ دو جلدیں مقالات حالی مرتب کئے جن کو انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا۔ ایک مختصر سوانح حیات تذکرہ حالی کے نام سے لکھا۔ اور بکثرت مضامین مختلف رسائل کے لئے لکھے۔

شیخ صاحب نے ملک کے موقر رسائل و جرائد میں مضامین لکھنے کا سلسلہ پندرہ سال کی عمر سے شروع کیا اور اب تک جاری ہے۔ ان کی تعداد بتانا مشکل ہے۔ لیکن بعض تحقیقی مقالے واقعی قابل صد تحسین و آفرین ہیں۔ اس لحاظ سے شیخ صاحب کی ایک قابل ذکر خوبی یہ بھی ہے کہ ان مضامین پر تحقیق کا کام آپ نے دس پندرہ سال تک کیا۔ یہ استقلال حیرت انگیز ہے۔ ایسا ہی ایک مقالہ سنسکرت کے عربی و فارسی تراجم ہے۔ جس کو شیخ صاحب نے سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کیا۔ مولانا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی فرمایا کرتے تھے۔ وہ اس مضمون کو دیکھ کر میں فخر کرتا ہوں کہ میرے اہل وطن میں ایک ایسا فاضل محقق موجود ہے۔ میں نے بھی اس مقالے کا اس وقت انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔

شیخ صاحب کو میں نے کبھی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہوتے نہیں دیکھا۔ ذاتی منفعت کے خاطر وہ کبھی کسی کی خوشامد نہیں کرتے۔ جن بڑے لوگوں سے ان کا ملنا رہا وہ برابر کے درجے میں رہا۔ اپنی رائے کے اظہار میں ان کو ہمیشہ بے باک پایا۔ مگر اس کے ساتھ وہ دوسروں کی رائے کی قدر کرنا بھی جانتے ہیں۔ وہ بے حد خلیق متواضع اور منکسر انسان ہیں۔ ریاکاری تصنع سے ان کو دور کا واسطہ نہیں۔ دوستوں کے مخلص اور ہمدرد دوست ہیں۔ اعزہ و اقارب کے ساتھ ان کا سلوک ایسا ہے کہ ان کی شکایت کسی سے سننے میں نہیں آئی یہ بڑی بات ہے۔

ان کی صحبت کا رنگ خالص علمی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ان کی گفتگو بہت دلچسپ ہوتی ہے مجھے پانی پت میں سالہا سال تک ان کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ ایک عرصے تک یہ معمول رہا کہ ہم دونوں علی الصباح سیر کے لئے جاتے اور دو گھنٹے تک علمی باتوں پر گفتگو کرتے رہتے۔ یہ لطف میں عمر بھر نہیں بھول سکتا اور اب بھی یہ تمنا دل میں موجود ہے کہ کاش وہ زمانہ پھر لوٹ آئے۔

شیخ صاحب غالباً ۱۸۹۳ء میں دہلی کے قریب ایک گاؤں بالی میں پیدا ہوئے تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ اپنے اسی آبائی مکان واقع پانی پت میں بسر کیا۔ یہ مکان محلہ انصاریان کے مکان کی پشت پر تھا۔ جس میں مولانا حالی پیدا ہوئے تھے۔ نیچے کے مکان میں وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتے تھے۔ اوپر کی منزل

شیخ صاحب [illegible] اسی طرح تصنیف و تالیف و تحقیق کے دل پسند مشاغل میں لگے رہتے تھے
[illegible] پہنچے ہیں ہوتے کے اور بعد کو سیار رہا کرتے تھے۔ مختلف شعبوں میں بہت وقت لگاتے۔ کچھ عرصہ علم
ال اسلام کے کتب خانے میں ملازم بھی رہے۔ اسی زمانے میں جب بیل سے ہر صبح آبد پہنچے۔ [illegible] میں وہ مکتب جنت منزہ
مرحوم کے پرنسپل کی حیثیت سے بھی۔ جو شیخ صاحب کا ادارہ معتمد تھا۔ گو ملی کی جنت نے کہا تھا کہ انہیں بعد کو انگلستان بھی جاتے
سے کر یہاں سے واپس آ گئے۔ دو سال تک پنجاب حیات کے نام سے جنت منزہ مبارکہ نکلتے۔ بچے ملکی حسن وجہ سے اس کو بند
کر دیا۔ آج کل [illegible] سے وہ مسلسل لاہور میں مقیم ہیں۔ اور ان کا سب شغل تالیف و تصنیف پر برابر ہے۔ ان کی تصانیف کی
تعداد اس قدر ہے کہ ان سب کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔

شیخ صاحب اگرچہ بہت سنجیدہ آدمی ہیں۔ بذلہ سنجی کی جیسے بیشتر مزاح کی بھی بہت عمدہ صلاحیت ہے۔

ایک بار ان کے ایک بے تکلف دوست اپنے جوان بیٹے کی شکایت کرنے لگے۔ ان کے دوست کا نام فوزی تھا۔ شیخ صاحب نے ہمدردی کے لہجے میں فرمایا۔ "کیا کیجئے آخر ہے تو فوزی کا بیٹا۔"

بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ کسی دوسرے سے ملنے جاتے ہیں تو میز کے قریب بیٹھ کر اس کی چیزوں مثلاً پنسل، پیپر ویٹ وغیرہ سے کھیلتے رہتے ہیں یا میز پر رکھے ہوئے خطوط ہی پڑھنے لگتے ہیں جو ایک قسم کی بد تمیزی ہے۔ ایک دفعہ شیخ صاحب بھی ایک ایسے ہی شخص کے ہاتھوں تنگ آ گئے۔ اخلاق مانع تھا کہ ان کو سختی سے روک دیں۔ اس موقع پر شیخ صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بہت خوب تھا۔ وہ حضرت حسب عادت پھر آئے اور اپنا کام شروع ہی کیا تھا کہ شیخ صاحب نے میز کی دراز میں سے ایک خوبصورت گڑیا نکال کر ان کے آگے رکھ دی۔ "لیجئے اس سے شوق فرمایئے۔" دوسرے لوگ بے حد محظوظ ہوئے اور وہ خود اپنے بھاگے دیکھتے رہ گئے۔

میں نے شروع میں لکھا ہے کہ شیخ صاحب کی طبیعت میں رنگا رنگی نہیں ہے اس کے باوجود وہ اچھے افسانے لکھنے میں کامیاب ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے افسانوں کے کردار بالعموم تاریخی ہوتے ہیں

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

محمد عثمان

افسانہ نویسی سے نہ شیفتگی۔ اس قبیل کی شدت کسی اور بزرگ سے ہوئی ہو۔ آج جو ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی شخصیت سے کوئی پوشیدہ ہے تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر برق اگرچہ کہ وطن میں بہت سے دینیات پڑھاتے رہے ہیں اور دو قرآن، دو اسلام اور ایک اسلامی مذہبی کتابوں کے مشہور مصنف ہیں۔ مگر ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو انہوں نے اس شہرت اور اس تصنیف و تالیف کا اثر نہ اپنے ظاہر پر لیا ہے اور نہ باطن پر۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہیں، وہی سادگی، بے تکلفی اور ایک گونہ خوش مذاقی ان کی مسکراہٹ کے گلزار نیچر میں بھی ... باطن ... ایک عاجزانہ ... اخلاق ... پائی جاتی ہیں ڈاکٹر برق میں اپنی ڈاکٹری، پروفیسری اور مصنفی کے باوصف ان کا ایک معقول حصہ بہ تمام و کمال موجود ہے۔

ڈاکٹر برق کی ابتدائی زندگی اور تعلیم دونوں بے قاعدہ اور ناہموار تھیں۔ ابھی تیسری جماعت میں تھے کہ والد کے پیر و مرشد نے سرکاری اسکول کی بجائے مسجد میں بھیجنے کا حکم سنایا۔ اس کے بعد تعلیم جیلانی برسوں ایک مسجد سے دوسری مسجد اور ایک ملا سے دوسرے ملا تک پڑھنے اور سیکھنے کی غرض سے جاتا رہا اور ساتھ ساتھ اس کا قیام و طعام بھی بدلتا رہا۔ آج والد کے پاس ہے تو کل بھائی کے پاس اور پرسوں ان دونوں سے تنگ آکر یا دونوں کو تنگ کر کے کسی دور دراز ویران مسجد کو جا بسا ہے اور قریب کے گاؤں سے دونوں وقت کی روٹیاں مانگ کھانے پر مطمئن ہے۔ اس کشمکش میں نہ جانے زندگی کی اور کتنی راتیں گزر جاتیں مگر مسجد نیلا گنبد لاہور میں ایک شام ایک خیال نے اس کو ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔ عربی اور فارسی کی بہت سی کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔ نماز مغرب کی اذان پر اپنے حجرے سے نکلتے اور وضو کے لئے آستینیں چڑھاتے ہوئے جیلانی نے دل میں سوچا کہ اب کوئی باقاعدہ امتحان کیوں پاس نہ کیا جائے۔ وضو کرتے اور نماز پڑھتے اس کا ذہن زندگی میں پہلی مرتبہ ایک 'باقاعدہ' کام کر گزرنے کا منصوبہ بناتا رہا۔ امام نے قرأت شروع کی تو جیلانی امتحان کے کمرے میں بیٹھا منشی فاضل کا کوئی پرچہ تیزی سے حل کر رہا تھا۔ جب امام سجدے میں جھکا تو دوسرے مقتدیوں کے ساتھ اس نے بھی اپنا سر فرشِ مسجد پر رکھا تھا مگر وہ ابھی تک پرچے کے جوابات لکھ رہا تھا۔ امام رکوع و سجود کی منزلیں طے کرتا گیا اور جیلانی منشی فاضل کے مختلف پرچے 'پہلا، دوسرا، تیسرا' حل کرتا ... لیکن ابھی تک اسے اس پرچے کا خیال نہ آیا تھا جو پہلے پرچے سے بھی پہلے ہوتا ہے

[illegible] مقام [illegible] منصب [illegible] کا احساس پیدا ہوا۔ [illegible] ۱۹۰۰ء جب [illegible]
[illegible] کے [illegible] ہی پڑھنے جا رہا تھا۔

اس بات اس نے [illegible] شوق سے [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] خیال کیا [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] اس کا [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] والدہ [illegible] [illegible]
سات سال [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] اس کے [illegible]
تھا۔ وہ [illegible] وہ [illegible] [illegible] ایک [illegible]
میں جب [illegible] [illegible] اس کی [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] اس کے [illegible]
[illegible] [illegible] وقت [illegible]
[illegible] وقت [illegible] اس نے پاس [illegible]
کپڑوں کے [illegible] [illegible]
فیصلہ کیا کہ وہ [illegible] کے لئے والد کو تکلیف [illegible] [illegible]
کی تو انہوں نے انارکلی بازار کے ایک [illegible] محمد [illegible] روپوں کا انتظام کر دیا۔

اس کے چند سال بعد جیلانی نے ایک اور منصوبہ تیار کیا۔ یہ منصوبہ پہلے منصوبے سے [illegible] حالات بھی مختلف تھے۔
[illegible] یہ منصوبہ تیار ہو رہا تھا [illegible] جیلانی اب [illegible] جیلانی [illegible] فاضل [illegible]
تھا اور چکوال ہائی اسکول میں پچاس روپے ماہوار پر فارسی کی تدریس پر مامور تھا۔ وہ [illegible] روپے ماہوار کرایہ کے ایک کچے
مکان میں رہتا تھا جس کے تین کمرے اور ایک کھلا [illegible] تھا۔ [illegible] [illegible] ڈیڑھ روپے
میں [illegible] کی ایک آرام کرسی اور چار آنے میں ایک [illegible] اسٹول خریدا تھا اور جب وہ مکان کے سب سے صاف کمرے میں اپنی چارپائی کے
پاس آرام کرسی بچھا کر اور سامنے تازہ خریدا ہوا اسٹول رکھ کر کرسی پر دراز ہوا تو اس کے دل میں اطمینان اور خوشی کی ایک عجیب کیفیت محسوس کی
ایک ایسی کیفیت جس سے وہ پہلے کبھی آشنا نہ ہوا تھا اور پھر اس کے ذہن میں ایک منصوبہ پکنے لگا۔ اس نے سوچا عربی، فارسی اور اردو کے
کئی مرحلے طے ہو چکے ہیں۔ اب انگریزی کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ وہ اس سے پہلے [illegible] ہائی اسکول تونسہ اور دو ایک اور مقامات پڑھ [illegible]

۱؎ شاہی مسجد لاہور کے موجودہ خطیب

کا کام کوئی اڑھائی تین سال سے قریب کر چکا تھا اور یونیورسٹی کے متذکرہ بالا امتحانات پاس کرنے سے اس کا مقصد [illegible] علوم میں آگے بڑھنے کا شوق تیز تر ہو چکا تھا۔ کئی سال پہلے جب وہ مدرسہ حمیدیہ لاہور میں زیر تعلیم تھا اس نے علامہ اقبال کو انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں اپنی نظموں سے حاضرین پر جادو کا سا اثر کرتے دیکھا تھا۔ پھر وہ نظمیں اسی زمانے میں بعض اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئیں اور شاعر کے نام کے ساتھ ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی لکھا پایا تو ان لفظوں کی حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ دریافت کرنے پر جب معلوم ہوا کہ ایم اے کے بعد گویا علمی دنیا کا یہ سب سے بڑا اعزاز ہے تو منصور جیلانی نے جس کو یہ تک خبر نہ تھی کہ منشی فاضل یا کسی دوسرے امتحان میں شریک ہونے کے لئے یونیورسٹی کو کچھ فیس بھی دینی پڑتی ہے، دل میں ٹھان لی کہ وہ بھی اس علمی چوٹی کو پانے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اب حالات کو سازگار پا کر اس نے ایک جامع منصوبہ مرتب کیا جس کی تکمیل کا تعلق پی۔ ایچ۔ ڈی سے اور آغاز اسی سال میٹرک کے امتحان میں شریک ہونے سے تھا

۱۹۲۹ء میں ۲۷ برس کی عمر میں ماسٹر غلام جیلانی برق نے جب بی۔ اے پاس کیا تو وہ فکر و خیال کی کئی وادیوں میں قدم رکھ چکا تھا۔ ۱۹۲۴ء کے قریب اسے محمود دہرپال کی ضخیم کتاب 'تہذیب اسلام' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں اسلامی طرز حیات اور اس کے نظام کی برائی کی گئی تھی اور کچھ ایسے وزنی دلائل دیئے گئے تھے جن کا جواب اوسط درجے کے پڑھے لکھے مسلمان کی قابلیت اور قدرت سے باہر تھا۔ پھر دنوں بعد سوامی دیانند کی 'ستیارتھ پرکاش' ہاتھ لگ گئی۔ اس کے بعد پنڈت لیکھ رام اور مخالف اسلام مشنری مصنفین کی باری آئی اور ماسٹر جی 'بہک' گئے۔ پہلے تلاوت قرآن موقوف ہوئی۔ پھر نماز چھٹی پھر روزے ترک ہوئے۔ آخر میں ہستی باری تعالیٰ سے انکار کا مرحلہ آیا۔ یہ دور کوئی پانچ سال چلا اور اس میں سوائے چہرے پر ایک داڑھی کے، جو نہ جانے اس کی برق نگاہی سے کیسے بچ رہی، ظاہر و باطن سے مسلمانی کا ہر نشان رخصت ہو گیا اور آہ! وہ تنہا داڑھی تو اپنی بزم ایمان کے اجڑ جانے پر درحقیقت مرزا غالب کی شمع خاموش تھی ؎

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

۱۹۳۲ء میں ایم۔ اے کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد ماسٹر برق پروفیسر برق بن کر گورنمنٹ کالج ہوشیار پور میں تعینات ہوئے تو ان کی زندگی میں نئی دلچسپیوں نے قدم رکھا۔ تاش اور شطرنج مدتوں سے ان کے مرغوب کھیل تھے مگر اب تک وہ محض ترپ کا عامیانہ کھیل کھیلتے تھے اور مہروں کے ساتھ پیسوں کے جواری انداز کی دلفریبیوں سے ناواقف تھے۔ یہاں آ کر جو برج سیکھی تو دو ہی چار دن میں طبیعت داد دینے لگی اور حوصلہ آنا جھا اور شوق اتنا چلا کہ سروسز کلب کے علاوہ چیف کلب کے بھی رکن ہو گئے تا کہ کھیل کا تار کھنڈوں ٹوٹنے نہ پائے۔ ٹینس بھی انہوں نے اسی زمانے میں سیکھا۔ انگریزی لباس تو وہ مدت سے پہن رہے تھے مگر اس کی نازک مزاجیوں سے آگاہ نہ تھے۔ یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ داڑھی کی موجودگی اس کے حق میں مضر ہے۔ چنانچہ شیو بنانے کے آداب سے آراستہ ہوئے اور یہیں آ کر ان کا یہ گمان یقین میں بدلا کہ ان کی پہلی بیوی ان کی رفاقت کا حق ادا کرنے کی بالکل اہل نہیں۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے منصوبے کی طرف سے غافل ہو کر بس انہی دلچسپیوں میں کھو گئے تھے۔ ہوشیار پور کے زمانۂ قیام میں ان کے وقت کا خاصا حصہ ڈاکٹریٹ کے مقالے کی تیاری میں صرف ہوا۔ وہ دس بجے کے قریب کلب سے اٹھ کر گھر جاتے اور کھانا کھانے کے بعد مطالعہ و تحقیق میں لگ جاتے۔ یہ مشغلہ کھیل سے کچھ کم دلچسپ نہ تھا۔ اس لئے رات گئے تک اکثر دو بجے تک جاری رہتا۔ چارپائی اور اس کے سامنے بڑی بھاری میز کے اوپر نیچے، دائیں، بائیں، انگریزی، عربی اور فارسی کی کتابیں اور رسالے بکھرے پڑے ہوتے۔ پروفیسر برق بڑی دماغ سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ ان سے ضرورت کا مواد اور معلومات اخذ کرتے۔ تنقیح و تہذیب کے بعد ان کو ایک خاص انداز سے مرتب کرتے اور ان سے اپنی کتاب کے لئے مستند نتائج نکالتے تھے۔ یہ علمی مشقت کوئی چھ سال تک جاری رہی۔

[illegible] منسوب کیا تھا۔

۱۔ [illegible] علامہ شبلی کی تصنیف تذکرہ [illegible] اسلامی حقانیت اور قرآن کی صداقت کا ثبوت پہلے سے ہزار گنا بڑھ جاتا ہے [illegible]

اسلام کی جو سائنسی حقائق سے مطابقت ہے [illegible] قرآن حکیم [illegible] اور سائنس کے جب انکشافات اور نظریات [illegible] اسلامی حقانیت اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔

۲۔ اسلام وہ نہیں جو اکثر علماء کی زبانی [illegible] پیش کیا جاتا ہے [illegible] دونوں اسلاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ [illegible] مذہبی تعصب [illegible] فکر و عمل کی تنگی [illegible] حقیقی اسلام علم و اخلاق کی بلندی، نظر کی وسعت اور قلب کی فراخی ہے۔

۳۔ مذاہب عالم کی اصل ایک ہے اور ان کا باہمی تضاد اور موجودہ منافرت [illegible] اور عداوت پیدا کر دی ہے۔

محولہ بالا خیالات ڈاکٹر برق کے دل و دماغ میں راسخ ہو گئے اور طبیعت ان کے اظہار کے لئے بے چین ہونے لگی تو انہوں نے ان کو سلسلہ وار شائع کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ جو ان کی [illegible] 'دو قرآن' ۱۹۴۹ء ، 'دو اسلام' ۱۹۵۰ء ، اور 'ایک اسلام' ۱۹۵۰ء کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

ان حالات کا بیان اور ان 'منصوبوں' کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ ان کے بغیر ڈاکٹر برق کی شخصیت کا وہ پس منظر اجاگر نہ ہو سکتا جس میں اس نے اپنی تعمیر کی اور ان واقعات کا اندازہ نہ ہو پاتا جن سے وہ دوچار ہوئے، جن سے انہوں نے اثر لیا اور جن کی مدد سے ان کی شخصیت کو اپنا مخصوص آب و رنگ حاصل ہوا۔ پیش منظر کو سمجھنے کے لئے پس منظر کا دیکھنا بہرحال ایک ناگزیر سی چیز ہے۔

جو لوگ اپنی محنت اور قابلیت سے ابھرتے ہیں بعض اوقات ان میں خود رائی اور اپنی ذات کا ضرورت سے بڑھا ہوا احساس بھی ابھر آتا ہے۔ ڈاکٹر برق کو یہ جذبہ چھو تک نہیں گیا۔ نخوت و پندار سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی ذات سے دور نہیں۔ آپ ان سے ملئے، ان سے الجھئے، اگر جی چاہے تو ان کے منہ پر ہی ان کے سارے کارنامے کی نفی کر دیجئے، وہ اس کے جواب میں کوئی ایسا کلمہ منہ سے نہ نکالیں گے، اٹھنے بیٹھنے، پہلو بدلنے یا مخاطب کرنے کا کوئی ایسا انداز اختیار نہ کریں گے جس سے یہ پایا جائے کہ وہ اپنے کو آپ کی ذات یا بات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے نہ صرف ان کو اپنے علم اور مصنفانہ صلاحیت پر کوئی ناز نہیں بلکہ ان میں ایک طرح کی 'نفی ذات' بھی بڑی نمایاں ہے۔ یہ 'نفی ذات'، نہ تو صوفیانہ عجز و انکسار سے کوئی تعلق رکھتی ہے اور نہ 'اخلاق جلالی' کے تحمل و بردباری سے۔ ایسا نہیں کہ وہ بھڑکتے نہیں یا برس نہیں پڑتے۔ کبھی کبھار یہ بھی ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے لیکن روزمرہ کی زندگی میں، گھر میں ہوتے ہوئے، کالج کے اوقات میں، احباب کی صحبتوں میں، کلب میں، سینما میں، سیر و شکار کے موقعوں پر، غرض ہر جگہ جہاں وہ قلم و کتاب کے بغیر چلتے پھرتے اور ملتے ملاتے موجود ہوتے ہیں ان کو اپنی مصنفانہ شہرت یا عالمانہ حیثیت بالکل اور قطعاً یاد نہیں ہوتی اور کوئی جھلک ان کی گفتگو، غیر علمی مشاغل میں ان کے انہماک اور

علامتوں سے ان کی بے تکلفی کی نوعیت سے ہرگز نہیں پا سکا کہ یہ دو "قرآن" یا "ایک اسلام" والے ڈاکٹر ہی ہیں۔

خوش روئی ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کا جوہر ہے۔ ان کی عمر اس وقت باون ترپن برس کی ہے اور اتفاق دیکھیے کہ اس عمر میں وہ نواسوں کے باپ اور جہاں تک نانی بننے کا تعلق ہے ایک سے زیادہ بیویوں کے شوہر ہیں، اس کے باوجود ہنسنے ہنسانے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے۔ وہ تبسم زیر لب کے نہیں بلکہ شگفتہ قہقہوں کے قائل ہیں۔ یہ قہقہے ان کے دیوان خانہ میں، کلب میں، [illegible] یونیورسٹی کی شادی بیاہ کی تقریبوں اور اجتماعوں میں بھی بلند ہوتے اور گونجتے ہیں۔ حکمران کی بہار دیکھنی ہو تو کوئی اس وقت دیکھے جب کالج کے اوقات ختم ہونے پر وہ اپنے ساتھیوں کی محفل میں باغ و بہار بنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ عالمانہ اور شاعرانہ نکات کے علاوہ ان کے حافظہ میں سعدی و رومی کی حکایات سے لے کر سکھوں، مرزائیوں، جولاہوں، پٹھانوں کے لطیفے اور چٹکلے، گفتنی و ناگفتنی لطائف کا اتنا بڑا خزانہ محفوظ ہے اور ان کا طرز بیان اس قدر دلکش، اثر انگیز اور ترقی پسند ہے کہ محفل پر [illegible] جائے تو گھنٹوں کسی کے اٹھنے کا نام نہ لے گا۔ آغازِ مجلس عام طور پر علم، مسائل سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب یا کوئی دوسرا رفیق کسی مضمون یا کتاب کی تیاری میں مصروف ہیں اور انہوں نے کسی [illegible] نظریہ کا انکشاف کر دیا ہے یا حضرت سے کوئی مسئلہ دریافت ہے۔ مسئلہ کا دائرہ حدیث کی حجیت سے لے کر دواؤں اور دوائیں [illegible] تک وسیع ہے۔ فوراً چار احباب کے درمیان ہونے سے بحث چھڑ جائے گی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود اس وقت مشاق [illegible] اجلاس ضرور ہو گا۔ چنانچہ رفقا جوں جوں جماعتوں سے فارغ ہوتے آئیں گے [illegible] کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ [illegible] ڈاکٹر صاحب اور [illegible] اختلاف لے لیڈر ریڈنگ لیڈ تشریف لاتے ہیں۔ اب باقاعدہ کارروائی شروع ہوتی ہے۔ آیات قرآنی پڑھی جا رہی ہیں [illegible] حافظ قرآن ہیں۔ [illegible] بیان ہو رہی ہیں۔ لوہرے اور [illegible] سے حوالے سنائے جا رہے ہیں، تفسیر کے نکتے حل ہو رہے ہیں، منطق و استدلال کے دریا بہ رہے ہیں اور وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو نظریات کے منظور کرانے میں علمی دلائل سے کام لیا کرتے ہیں مگر اب بحث نے طول کھینچا ہے اور طبیعتوں میں کچھ تیزی آنے لگی ہے۔ اس نوک جھونک [illegible] یا مخالف جتوں میں سے کسی بامذاق نے منہ کا مزا یا محفل کا رنگ بدلنے کے لیے کسی فاضل دوست پر کوئی فقرہ چست کر دیا ہے یا چٹکی لے دی ہے تو سمجھیے کہ اب محفل کا پہلا دور ختم ہوا اور [illegible] کارروائی جب دوسرے دور میں داخل ہوتی ہے تو فضا قہقہوں سے گونج رہی ہوتی ہے۔ وہ چہرے جو تھوڑی دیر پہلے تک متفکر اور علم کی سنجیدگی سے بوجھل بوجھل نظر آتے تھے اب حسبِ معمول کی طرح شگفتہ ہیں اور بقول شخصے کھلی ہوئی باچھیں پھر گھنٹوں تک اپنی اصلی جگہ پر واپس نہیں آتیں۔ ڈاکٹر صاحب پہلے بھی صدر نشین تھے، اب بھی صدر مجلس ہیں۔ لطائف و ظرائف کا دفتر کھل گیا ہے مگر اصل کشش ان کی قدرتِ بیان میں ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بعد یہ کمال میں نے ڈاکٹر صاحب میں دیکھا ہے کہ عربی، فارسی، اردو، پنجابی، ملتانی، سندھی، پشتو، کشمیری وغیرہ ڈاکٹر صاحب کی حد تک انگریزی بھی اسی فہرست میں شامل ہے۔ غرض لطیفہ جس زبان اور طبقے کا ہو گا اس کو اسی زبان اور اسی طبقے کے لب و لہجہ میں ادا کر سکیں گے۔ ڈاکٹر صاحب جب صاحب لوگوں کے واقعات جن کا ذاتی تجربہ بھی ان کو کچھ کم نہیں، کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے مخصوص الفاظ سے کام لیتے ہیں تو سماں بندھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ ان بے شمار ہیڈ ماسٹروں، اسکول انسپکٹروں، پرنسپلوں اور ڈائرکٹروں کا ذکرِ خیر کرتے ہیں جن سے انہوں نے نفع یا نقصان اٹھایا تو ہر ایک کی انفرادیت اس کی مخصوص آواز، طرزِ گفتگو اور اندازِ کار کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور حاضرین کو بے حد محظوظ کرتی ہے۔ لیکن اس تمام لطیفہ گوئی اور واقعہ نگاری پر غالب اور سب سے بڑھ کر دلچسپ ان کی "آپ بیتی" ہے جسے موقع و محل کی رعایت سے وہ انتہائی بے باکی اور صدق گوئی کے ساتھ "منظرِ خاص" پر لاتے ہیں۔ ماضی میں ان سے جو کچھ سرزد ہوا، اندھیرے اجالے انہوں نے جو کچھ کیا، بیانِ واقعہ سے خواہ ان کی اہانت و سبکی کا پہلو نکلتا ہو خواہ ان کی کسی نفسی یا اخلاقی کمزوری کا پتہ چلتا ہو وہ قلم بیچ کے بغیر اس کا ذکر کر دیں گے۔ مرزا غالب نے اپنے کسی خط میں لکھا ہے کہ "آپ اپنا تماشائی بن گیا ہوں" ڈاکٹر صاحب کا سلوک بھی اپنی ذات کے ساتھ

[illegible]

[illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] کا ذکر [illegible] کے پاس [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر صاحب اگرچہ پنجاب یونیورسٹی کے [illegible] کی کوشش [illegible]
کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ہے۔ [illegible] ان کی طبیعت میں [illegible]
[illegible]
[illegible] کی کوشش کرتے ہیں [illegible]
[illegible] غالب کے [illegible] ایک خاص [illegible]
ضابطے کے ساتھ [illegible] ایک
شگفتہ ہوئی طبیعت کے نوجوان [illegible] کالج [illegible]
ایک محبت آمیز خط لکھا جس کے آخر [illegible] ایک
اور صاحب تھے مگر [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] انہوں نے خط [illegible] کر صاف
صاف اور خاصے ناملائم لفظوں میں گفتگو کر ڈالی۔ [illegible]
جس کے کان تک جب یہ بات [illegible]
اسلوب کی بنا پر وہ خط نقل کیا تھا [illegible] کہ کر بھول گیا تھا۔ [illegible] ناکام اور اپنی نیک نامی سے مایوس
ہو چکے تھے۔

میں نے یہ واقعہ بہت سوچ بچار کے بعد یہاں درج کیا ہے اور محض اس لئے درج کیا ہے کہ اس کے بغیر ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کا یہ سنگینی رُخ تشنۂ اظہار رہ جاتا۔ فیصلے میں درشتی، جلدی اور طبیعت کی تیزی ان دو خطوط کا باعث ہوئی جو انہوں نے "دو قرآن" کے ایک تبصرہ پر مولانا عبد الماجد دریابادی کو پارسال یا دو سال پہلے لکھے تھے۔ علاوہ اور باتوں کے اس میں ڈاکٹر صاحب کا مولانا کو یہ مشفقانہ مشورہ بھی شامل تھا: "قبلہ! آپ علمی و اسلامی مسائل پر لکھنا چھوڑ دیں، اس لئے کہ یہ کام آپ کے منصب کا نہیں..." اپنے اسی خط میں ایک جگہ مولانا کو یقین دلاتے ہیں: "آپ کی اسلام سوز جہالتوں پر ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن کوئی صاحبِ فکر و نظر آپ جیسی متعفن لاش پر وقت کیوں ضائع کرے۔"

مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو متذکرہ بالا دونوں واقعات کا بعد میں بے حد افسوس ہوا۔ انہوں نے اپنے رفیق سے بھی معذرت چاہی اور مولانا کے لئے بھی ان کے دل میں معذرت خواہی کے سینکڑوں ارمان پوشیدہ ہیں مگر مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جب تک دم میں دم ہے ہر ایسی صورت پیدا ہونے پر وہ فیصلے پر تحقیق سے پہلے ہی پہنچیں گے۔

ان کی طبیعت کا یہ رُخ لطیف پہلو بھی رکھتا ہے اور کثرتِ اوقات کے اعتبار سے لطیف پہلو سنگینی پہلو پر بلاشبہ غالب ہے۔ اب [illegible]

ہوتا تھا کسی دن۔ چند سال [illegible] وہ گرمی ہو یا سردی کلب سے آدھی رات کو [illegible] کہ [illegible]
چلے گئے رہ کر دروازہ کھولنے کا فرض ادا کیا اور صرف ایسی ہی کا حصہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب جب دروازہ کھٹکھٹاتے [illegible]
عادتاً پوچھتیں "کون ہے؟" ڈاکٹر صاحب شاید دیر سے آنے کے احساس کو دور کرنے یا بیگم کے اس ایثار کی قدر دانی [illegible]
"کون ہے" کے جواب میں اکثر کوئی نہ کوئی خوش دلی کا جملہ کہتے۔ کبھی کہتے "آپ کا سرتاج" کبھی بولتے "آپ کا تابعدار شوہر" کبھی [illegible]
دو بچوں کا باپ" وغیرہ وغیرہ۔ ایک دفعہ گھر میں ساس آئی ہوئی تھیں۔ اہلیہ نے ماں کی شفقت اور ماں سے فائدہ اٹھایا [illegible]
کا کام ان کے سپرد کر کے خود سو رہیں۔ بقول ڈاکٹر صاحب کے ماں بیٹی کی آواز میں مماثلت بہت ہے، حسب معمول بارہ بجے کے قریب جب
ڈاکٹر صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا تو تھوڑی دیر کے بعد ایک نسوانی آواز نے پوچھا "کون ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے کہنے سے تعلق کے ساتھ
پنجابی میں خاوند کا ایک بھرپور مترادف لڑھکا دیا۔ اور پھر کئی روز تک وہ جس احساس سے مغلوب رہے اس کی تفصیل نہ پوچھئے۔

کلب کا ذکر آ گیا ہے تو اس کو بھی نمٹاتے چلیں۔ جہاں تک شیار پور سے ڈاکٹر صاحب کو زندگی کے دو نہایت مخلص اور وفادار ساتھی میسر آئے۔ دوسری بیگم اور برج۔ گرمی ہو یا سردی، بادل برسیں، دھوپ ہو یا آندھی اٹھ رہی ہو، لکھنے پڑھنے کا کوئی ضروری کام ہو یا طبیعت ناساز ہو، ہر حال میں عین اس وقت جب موذن نماز مغرب کے لئے پکار رہا ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب اپنی سائیکل پر کلب پہنچتے ہیں اور پھر تین ساڑھے تین گھنٹے تک برج میں لگے رہتے ہیں۔ اتوار کے روز البتہ خاص کھیل بھی ہوتا ہے اور دوپہر کے کھانے کے بعد سے نو بجے رات تک مسلسل اور لگاتار جاری رہتا ہے۔ اس طرح آج کل اوسط کوئی چار ساڑھے چار گھنٹے یومیہ سے زیادہ کی نہیں مگر ایک زمانے میں وہ چھ چھ سات سات گھنٹے یہ کھیل کھیلتے تھے اور برسوں ان کے "سگریٹ پان" کا خرچ اس سے پورا ہوتا رہا۔ سگریٹ پان "ترجمہ کیں ہی محاورۃً" کہہ رہا ہوں ورنہ جنگ سے پہلے کے ساٹھ ستر روپے ماہوار بڑی چیز ہوتے تھے اور کیا عجب علامہ طنطاوی مصری کی تفسیر (جس سے متاثر ہو کر انہوں نے اردو قرآن لکھی) اور علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن جس کے وہ بے حد معترف ہیں، اسی مد سے خریدے گئے ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ وہ اس کھیل میں ہارتے بہت کم ہیں۔ ان کی جیت کا ریکارڈ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا ہے مگر ہار اٹھارہ روپے سے آگے نہ بڑھی اور یہ ہار بھی انہیں کسی معمولی آدمی کے ہاتھوں نہیں ہوئی۔ غالباً ۱۹۴۸ء کے شروع کا ذکر ہے، راجہ غضنفر علی خاں مرکز میں وزیر تھے اور مہاجرین پنجاب کے دورے پر تھے کہ ایک روز کیمبل پور آ نکلے۔ دن بھر تو آس پاس کے مہاجر کیمپوں میں کمبل اور لحاف بانٹتے رہے اور رات کے ابتدائی حصے میں مقامی کلب کے مقامی اور مہاجر کھلاڑیوں سے پیسے جیتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے حصے کے طور پر مبلغ اٹھارہ روپے شاہی نذر کئے۔

برج کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو شطرنج، شکار اور شعر سخن سے بھی شغف رہا ہے۔ شطرنج پر اب بھی توجہ فرماتے ہیں۔ سال میں دو تین بار شکار پر بھی نکلتے ہیں البتہ "شعر" والوں کی بے اصولی سے تنگ آ کر انہوں نے مطالعہ ترک کر دیا ہے۔ بیچ میں کچھ دنوں "جیسری ہسری" اور "آستانہ" سے بھی شغل فرمایا مگر وہ بھی بالآخر بے اصول ثابت ہوئے۔

انگریزی میں یہ خیال ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے کہ ماتحت اپنے افسر کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ اس کو پسند کرے گا یا ناپسند، اس سے محبت کرے گا یا نفرت، ڈاکٹر صاحب اس خیال کی زندہ اور نہایت زوردار تائید ہیں۔ وہ پرنسپل کی شخصیت کو بالکل اور ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر پرنسپل ان کے ڈھب کا ہے یا اس سے ان کے مخلصانہ تعلقات استوار ہو چکے ہیں تو وہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کی نیک دلی اور انسان دوستی کی تعریف کریں گے۔ اگر ایسا نہیں تو ان کی قوت بیان کا ایک خاص حصہ اس کی "مردم آزاری" کی تشہیر کے لئے وقف رہے گا۔ البتہ اس میں وہ ایک خاص وضع کے پابند ہیں۔ "مردم آزار" پرنسپل جب تک کیمبل پور میں ہے ڈاکٹر صاحب اس کی تصریح میں محتاط رہیں گے۔

[illegible] ... صاحب ... [illegible] ... سے متعلق ... [illegible]
[illegible] ... معلومات کی ... [illegible] ... ابھی [illegible]
[illegible]
[illegible] ... پریشان ... جاتے ہیں ... [illegible]
[illegible]
[illegible] ... دو سال ... [illegible]
[illegible] ... کسی ذاتی ... [illegible]
کے پاس یہاں ایک فرنج اور ... ہے جس کی ... [illegible]
خوش مذاق ہیں۔ اس کے علاوہ ... کلب ... یہاں ... تعلقات ... سب ... [illegible]

ڈاکٹر صاحب اور ... مخلص خاوند اور ... شفیق اور ... باپ ہیں۔ ان کے ... بچیاں ... دو لڑکے ہیں، ایک جو سب سے بڑا ہے ... شادی ... ڈاکٹر صاحب نے ... اور ڈاکٹر صاحب کے حقیقی ماموں کے گھر میں رہتی ہیں ... آٹھ بچے دوسری بیگم سے ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا پشاور یونیورسٹی میں بی۔ ایس۔ سی کر رہا ہے اور سب سے چھوٹی بچی نے ابھی پانچ سال اسکول جانا شروع کیا ہے۔ باقی سات بچے بھی کالج اور اسکول کے مختلف درجوں میں ہیں۔ ان سب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا سلوک نہایت مشفقانہ اور بے تکلفانہ ہے۔ میں نے ... اپنے بچوں کا دوست ... پایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی اپنے رنگ میں بچوں کے ساتھ خاصے خوش دل اور ... واقع ہوئے ہیں۔ میں نے ابھی انہیں ... اور مخلص خاوند کہا ہے۔ مخلص اس لئے کہ میاں بیوی کے درمیان خلوص اور اخلاص کا جو تصور عام اور ... پایا جاتا ہے ڈاکٹر صاحب (میرا مطلب دوسری بیگم کی نسبت سے ہے) اس پر پورا اترتے ہیں اور ... اس بنا پر کہ ..... ذرا تشریح میں اس کی وضاحت ایک مثال سے کرتا ہوں۔ چند سال ادھر کا واقعہ ہے ایک دوست نے جو کلب میں ... بیٹھنے کے عادی تھے شادی کی لیکن اس کے باوجود کلب سے اپنے تعلق خاطر کو ترک نہ کیا۔ بیگم صاحبہ ذرا جدید ... واقع ہوئی تھیں ... تو صبر کر گئیں پھر ایک روز بولیں: "میرا خیال ہے آپ کی شادی مجھ سے نہیں کلب سے ہوئی ہے" ... بھی عورتوں کی 'مساوات' کے جدید تقاضوں سے ناواقف نہ تھے۔ جذبات کی نزاکت کو فوراً سمجھ گئے۔ لیکن میرا اندازہ ہے ڈاکٹر صاحب کے لئے 'جذبات کی نزاکت' کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا اور یوں بھی وہ 'نزاکتوں' کے قائل نہیں اور جو شخص زندگی اور جذبات کی نزاکتوں سے چنداں سروکار نہ رکھتا ہو اور یوں معقول آدمی ہو میرا یقین ہے وہ بطور خاوند کے ضرور ... ہوگا۔

البتہ ایک لحاظ سے وہ بڑے 'بیوی پرست' واقع ہوئے ہیں۔ انہیں عورتوں کے سیاسی، معاشرتی یا معاشی حقوق سے ذرا بھی دلچسپی نہیں اور نہ وہ تحریک نسواں کے مساواتی نظریہ سے کوئی ہمدردی رکھتے ہیں مگر وہ 'بیوی' کو 'ماں' کے یا زیادہ واضح الفاظ میں ... کو اس کی 'ساس' کے 'جارحانہ عزائم' سے محفوظ رکھنے کے بہت بڑے حامی اور مؤید ہیں۔ رفقاء میں سے کوئی شادی کرے تو مبارکباد کہنے کے بعد اکثر پہلا سوال یہی کرتے ہیں: "والدہ ماجدہ زندہ ہیں؟" اگر جواب نفی میں ہو اور مخاطب سے بے تکلفی بھی ہو تو اس کو ایک بار اور مبارکباد کہنے میں کچھ مضائقہ نہ سمجھیں گے اور شادی کی کامیابی کی فی البدیہہ پیشگوئی کر دیں گے اور جواب مثبت میں ہو تو ذرا سوچ میں پڑ جائیں گے اور بڑے ... میں مشورہ دیں گے کہ 'جہاں تک ممکن ہو بیگم صاحبہ کو والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت سے

ہو رہی رکھے گا۔ بس شادی کی کامیابی کا یہی گُر ہے۔ اور اگر بروڑ میں ہوں تو پھر اس بات کا قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے کہ ان کی والدہ محترمہ اپنی تین عدد پیاری بہوؤں کی طلاق کا سامان کر چکی ہیں۔ بحیثیت مجموعی ڈاکٹر صاحب عورت کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ اس سے خود ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں کتنی مدد ملتی ہے۔

طوالت کے خوف سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے بعض اور پہلوؤں پر مختصر طور سے لکھتا ہوں۔ اگرچہ میرا ارادہ ان پر قدرے تفصیل سے لکھنے کا تھا۔ وہ شعر و سخن کا بہت عمدہ اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ بڑے زوردار قسم کے عوامی مقرر ہیں۔ سپاس نامہ لکھنے میں وہ ید طولیٰ حاصل ہے کہ چاہیں تو ملا شور بازار جیسے افغان کی آنکھیں نکل جائیں[1]۔ پرنسپل کے پاس جب کوئی ایسی تجویز یا سفارش لائیں جس کی منظوری مقصود ہو تو ان کی نظر میں [illegible] جناب کا لفظ معمول سے زیادہ فراخ دلی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو اپنے طریق کار کو بھی آنسوؤں سے رنگین کر لیتے ہیں جس کا اخلاق پر مضمون لکھتے یا تقریر کرتے وقت وہ عام طور سے [illegible] لیے۔ بڑے [illegible] دوست نواز ہیں مگر کبھی کبھی اس وصف [illegible] سے بھی جا ملتے ہیں۔ ایک زمانے میں پڑھنے اور لکھنے دونوں میں محنت اور شوق کی کارفرمائی تھی۔ اب بہ کفایت پڑھتے اور بہ محبت لکھتے ہیں۔ دیر سے سونے اور دیر سے اٹھنے کے عادی ہیں۔ برسوں سے انھوں نے سورج طلوع ہوتے نہیں دیکھا، سوائے ایسے موقعوں کے جب وہ دوستوں کے اصرار یا اپنے شوق سے سیر و شکار کی کسی مہم میں شریک ہوں اور اس کے لیے صبح سویرے کی کسی گاڑی، بس یا موٹر سے روانہ ہونا ہو۔ دیر سے اٹھ کر پہلے [illegible] دیکھتے اور پھر شیو بناتے ہیں۔ اس کے بعد وضو کر کے دو رکعت نماز فجر خاصی پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ سردیوں میں بس یہی دو رکعت ان کا [illegible] ہے۔ البتہ گرمیوں میں رات کو جب کلب سے لوٹتے ہیں تو کھانا کھانے سے پہلے اور غسل کرنے کے بعد گیارہ رکعت بطور نماز عشا کے ادا کر لیتے ہیں۔ نماز جمعہ کے وہ قطعی تارک ہیں۔ گزشتہ چودہ برس سے انھوں نے مسجد میں قدم نہیں رکھا۔ روزے کی بجائے وہ ایک روپیہ یومیہ فدیہ ادا کرتے ہیں۔

آخر میں میرا جی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے مذہبی افکار و خیالات پر بھی کچھ کہوں مگر اس مضمون کے اصولی اور تکنیکی تقاضے اس امر کے مانع ہیں۔ البتہ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ میرے نزدیک وہ بعض سچے دعووں کے قدرے کمزور وکیل ہیں۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ مضمون یا خیال جس قدر اونچا اور بلند ہوگا اسی قدر اپنے حق میں وسیع اور بے داغ استدلال کا تقاضا کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب بڑے سے بڑے اور اونچے سے اونچے خیال کی حمایت میں ایک آدھ محکم دلیل دینے کے بعد تھک سے جاتے ہیں اور پھر اس شاعر کی طرح جو غزل میں دو ایک اچھے شعر کہہ چکنے کے بعد بھرتی کے اشعار پر اتر آتا ہے، وہ ایسے دلائل دینے لگتے ہیں جو اپنے اندر کچھ زیادہ وزن اور وقعت نہیں رکھتے۔ غور سے دیکھا جائے تو غزل اور سنجیدہ مضمون نگاری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غزل میں ایک آدھ کام کا شعر بھی نکل آئے تو بقول مولانا حالی ساری غزل چمک اٹھتی ہے اور بالفرض وہ نہ بھی چمک اٹھے تو بھی اس کے بُرے شعروں کا اس کے اچھے شعروں پر چنداں برا اثر نہیں پڑتا۔ لیکن سنجیدہ مضمون میں خواہ اس کا تعلق مذہب و فلسفہ سے ہو یا کسی اور علم سے صرف ایک بودی دلیل کے ہونے سے سارے مضمون کے وقار اور قدر و قیمت کو دھکا لگتا ہے۔ دوسرے اگرچہ ڈاکٹر صاحب کا انداز بیان اپنے اندر ایک خاص طرح کی شگفتگی اور ادبیت رکھتا ہے مگر بحیثیت مجموعی اس میں گرج گرج زیادہ ہے اور نرمی اور دل سوزی کم ہے۔ گرج گرج بھی زندگی اور ادب میں ایک مقام رکھتی ہے مگر اس کے علاوہ بھی

---

[1] چند سال پہلے اپنے دورۂ پاکستان کے وقت جب ملا صاحب یہاں تشریف لائے تو حکامِ ضلع کی سفارش و درخواست پر ڈاکٹر صاحب نے ان کی خدمت میں بزبانِ فارسی ایک سپاس نامہ پیش کیا۔ اس میں مشرقی پنجاب کے مظالم کا ذکر کچھ اس انداز سے تھا کہ ملا صاحب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

[illegible] ایک [illegible] کرنے [illegible]
[illegible] مقالات سے [illegible] کی نشر و اشاعت [illegible]
[illegible] کہ [illegible] تقاضا [illegible] جائے [illegible] کرتے رہے۔

گو دعا [illegible] کے لیے [illegible]
گلشن [illegible] کے [illegible]

ڈاکٹر صاحب [illegible] میں [illegible] گلشن [illegible] ہے۔
[illegible] تعصب [illegible] کے خلاف [illegible]
[illegible] کی [illegible] کرتے رہے۔

اے آر خاتون

زبیدہ خاتون

ایک بیٹی کا اپنی ماں کے صحیح نقش ونگار اور جیتی جاگتی تصویر کو لفظوں میں پیش کرنا، ان کی خوبیوں اور کمزوریوں کو ظاہر کرنا کچھ عجیب سی بات ہے بلکہ ذرا ٹیڑھی سی کھیر ہے۔ اور پھر اے آر خاتون کی شخصیت تو بالکل بحر اوقیانوس کی طرح گہری ہے۔ بلکہ ایک معمہ ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی کن کن عادات کو خوبیوں کے دفتر میں داخل کیا جائے اور کس بات کو کمزوری سمجھا جائے۔ یہ دونوں آپس میں اس قدر گتھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کو سلجھا کر الگ الگ کرنا ذرا دقت اور دیر طلب کام ہے، کیوں کہ کوئی بھی انسان خوبیوں اور برائیوں سے پاک نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ فیصلہ تو پڑھنے والے ہی خوب کر سکیں گے۔ مگر سچی سچی بات کہہ دینے میں کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ایک باعمل انسان ہیں اور انہیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کا ایک مرض سا ہے۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتی ہیں کہ "کوئی نہ کوئی کام کرتے رہو اور کچھ نہیں تو کھیل ہی کھیلو" اگر سننے والے کوئی توجہ نہیں دیتے تو وہ خود کوئی کتاب یا کھیل شروع کر دیتی ہیں اگر کوئی ان کا ساتھ نہ دے۔ تو بچوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیتی ہیں، بچے تو اس کے منتظر ہی رہتے ہیں کہ گھر کا کوئی خاص فرد ان کے کھیل میں دلچسپی لے۔

وہ چپکے ہی چپکے اپنے کام میں ایسے مصروف رہتی ہیں کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ اور دیکھنے والوں کو ان کا کیا ہوا کام ایسا لگتا ہے جیسے کوئی جن آ کر کر گیا ہو۔ بعض وقت تو ان کے مسلسل کام ہی کام سے دیکھنے والوں کی طبیعت اکتا جاتی ہے اگر ان کی کوشش اور مستقل مزاجی میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے پاتا۔ چاہے کتنا بھی کوئی انہیں اس کام سے بیزار کرانے کی کوشش کرے طرح طرح سے اس کام کے عیب ان کے سامنے ظاہر کرے، مگر توبہ کیجئے وہ بغیر کسی کی بات کا جواب دیئے اپنے کام میں معروف رہتی ہیں اور اس کو مکمل کر کے ہی چھوڑتی ہیں۔

مشغول و مصروف رہنا ان کی عادت ہے ان کا کہنا ہے کہ بیکاری سے انہیں الجھن ہوتی ہے صحت پر خراب اثر پڑتا ہے یہی بنیادی

ہمارے لئے ابھی سے چھوڑ گئے ہیں انہوں نے کچھ ذکر کیا۔ سچ کی حدت ذائل ہے

انہوں نے ہمیشہ زندگی کو خوشگوار اور آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب تک اسی جدوجہد میں گرفتار رہتی ہیں اس راہ میں انہیں بڑی بڑی دشواریاں بھی پیش آتی ہیں، مگر وہ جس صبر و استقلال سے اپنی راہ پر لگی رہتی ہیں، نہ جانے اُن میں یہ قوت کہاں سے آگئی ہے۔

وہ بیت جلد آنکھوں ہی آنکھوں میں خط سے مشکل کام سیکھ لیتی ہیں۔ اگر کسی کو جیسے جیسے دورانی قسم کا سوا ہوا کپڑا پہنے دیکھیں گی تو وہ انہیں پسند آجائے گا (کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر نیا طرز فیشن انہیں پسند آجائے) تو یقین رکھئے کہ بالکل ویسا ہی بلکہ اُس سے بہتر جب تک وہ اپنے ہاتھ سے تیار نہیں کر لیں گی انہیں چین نہیں آئے گا۔ ان میں سیکھنے کا شوق اور تجسس کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ہر کسی کی وہ بات یا کام جو انہیں پسند آجائے "فوراً سیکھ کر دم لیں گی" جستجو بھی ان کی ایک فطرت ہے۔ وہ دنیا کی ہر قسم کی معلومات و حالات اپنے میں جذب کر لیتی ہیں خبروں یا کسی میچ کی کمنٹری کے وقت اگر انہیں تلاش کیا جائے تو وہ ریڈیو کے پاس بیٹھی ہوئی بڑی دلچسپی سے خبریں یا کمنٹری سنتی ہوئی ملیں گی۔

گھر کے دوسرے لوگوں کی زیادہ تر یہی خواہش ہوتی ہے کہ گھر میں رسالے یا کتابیں کم آیا کریں کیونکہ وہ "کتاب کا کیڑا" بھی ہیں کوئی کتاب ہاتھ لگ جانی شرط ہے۔ وہ اس کو ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اگر کبھی کوئی بے حد موٹی تازی کتاب مل جائے (چاہے وہ کتنی ہی بیکار کیوں نہ ہو) ایسا معلوم ہوگا جیسے امی گھر میں موجود نہیں ہیں۔ کبھی کبھی کوئی کہہ اُٹھتا ہے "اسے یہ موٹی موٹی کتابیں کہاں سے آجاتی ہیں۔ خدا کے لئے انہیں نہ دیا کرو"۔ مگر امی تو چشمہ لگائے کتاب میں اس قدر غرق ہوتی ہیں کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے یا ان کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ کتاب ختم ہونے کے بعد وہ ان کے ذہن میں اس قدر سما جاتی ہے کہ اکثر کئی کئی دن وہ اسی کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ کتابوں کی وجہ سے وہ اپنا آرام تک بھول جاتی ہیں (جس کی انہیں اشد ضرورت ہے) انہیں یہ تک خبر نہیں ہوتی کہ وہ کہاں ہیں، کیا کر رہی ہیں، حتیٰ کہ ضروری کام کتاب ہاتھ میں آکر کچھ دیر کے لئے اُن کے ذہن سے نکل جاتا ہے وہ اپنا اچھا خاصا وقت باورچی خانہ میں بھی صرف کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے کاموں میں بھی لگی رہتی ہیں جیسے لکھنا پڑھنا، خطوں کے جواب دینا، یا کسی آئے گئے سے بات چیت کرنا اور کوئی نہ کوئی کھانا بھی پکتا رہتا ہے یا کسی کھانے میں جدت ہوتی رہتی ہے ورنہ کسی غیر ضروری اور بچے ہوئے کھانے کی شکل اور ذائقہ تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ مثلاً رات کا بچا ہوا قورمہ صبح کے کھانے پر بہترین پلاؤ کی صورت میں ملے گا۔ یا دن کی بچی ہوئی دال رات کو کریلوں میں تبدیل ہو جائے گی۔ سالن کے بچے ہوئے آلو یا اروی شام کی چائے پر پکوڑوں اور چاٹ کا کام دیں گے۔ اور بوٹیاں کبابوں کی شکل اختیار کریں گی، صبح کے دودھ پر سے اُتری ہوئی بالائی اگر کسی نے نہیں کھائی ہے تو وہ دوپہر کے کھانے پر پراٹھوں میں نظر آجائے گی۔ کوئی کسی قدر بھی کوشش کرے مگر ان کھانوں کی اصلیت ہرگز نہیں پہچان سکے گا۔ اُن کے یہ سب کام ایک ہی وقت میں چلتے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ محرم کے مہینے میں شاید دس تاریخ کو دوپہر کے کھانے سے گھنٹہ دو گھنٹہ قبل نیاز کے سلسلہ میں کہیں سے کوئی چیز آئی اس کو دیکھ کر ہم میں سے کسی کی زبان سے نکلا "کاش یہ کھچڑا ہوتا" اور اس کو صرف کھیر پا کر ہم لوگ اچھے خاصے مایوس ہو گئے مگر جس وقت سب کھانا کھانے بیٹھے تو دیکھا کہ دو ڈونگے بھرے بہترین قسم کے خوشبودار کھچڑے کے میز پر موجود ہیں۔ ہم سب نے حیرت سے امی کی طرف دیکھا، انہوں نے مسکرا کر صرف اس قدر کہا "تم سب کا کھچڑا کھانے کو جی چاہ رہا تھا، مجھ سے جس طرح بھی ہو سکا کھچڑا تمہارے واسطے تیار کر دیا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں تم لوگوں سے خود کوئی کام نہیں ہو سکتا بس زبانی جی چاہ کر رہ جاتا ہے"۔

چنانچہ خوب جی بھر کر وہ مزیدار کھچڑا کھایا گیا اور ایک حضرت کے تو پیٹ میں قدرے تکلیف کی نوبت آگئی مگر انہوں نے کھچڑے سے ہاتھ نہیں روکا مگر ہم میں سے کسی کو آج تک یہ پتہ نہیں چلا کہ اس حیلہ والا لذیذ کھچڑا جس کے تیار ہونے میں سنا ہے ایک مدت درکار ہوتی ہے کون سے

بچے پہننے اور بدصنف کہلانے کا رواج تھا۔

ان سب کامرانیوں اور باتوں کے باوجود ان کا دماغ کسی اور ہی فکر میں رہتا ہے اس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی کیونکہ یہ کسی سے اپنے دل کی بات اس طرح کم کہتی ہیں وہ کسی کو نہیں بتاتیں۔ ان میں قوتِ برداشت کافی سے زیادہ ہے وہ اکثر لوگوں کی کمزوری کسی بات پر کسی کو خبر نہیں ہو جاتی ہیں، بلکہ شربت کے گھونٹ کی طرح پی جاتی ہیں — ان کا مقصد ہے کہ زندگی میں کسی سے مخالفت اور دشمنی نہیں ہونی چاہئے بلکہ ایسی بات ہی نہیں کرنی چاہئے جس سے شر و فساد کی بو آئے اور اگر اس کوشش کے باوجود مجبوراً کسی سے بدمزگی ہو جائے تو تمام عمر کے لئے اس سے تعلقات ختم کر لینے چاہئیں۔ ان کی اس بات سے ایک قسم کی غیرت و خودداری پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ خود اس کو اپنی ایک بڑی کمزوری سمجھتی ہیں

غالباً یہی وجہ ہے کہ خاندان کے تمام افراد ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ کبھی کسی کے منہ سے ان کے بارے میں شکایت کے الفاظ نہیں سننے گئے بلکہ اکثر لوگ ان کی حد سے بڑھی ہوئی تعریف کرنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ عام طور سے وہ بہت کم گو ہیں وہ کبھی کسی سے فضول بات منہ سے نکالنا پسند نہیں کرتیں۔ کسی محفل یا جلسہ وغیرہ میں انجان لوگوں کے سامنے وہ گھنٹوں خاموش بیٹھی رہتی ہیں۔

بعض وقت ان کی خاموشی کچھ ناجائز سی معلوم ہوتی ہے بلکہ وہ کچھ کبھی ہوتی اور بیزار سی نظر آتی ہیں جس کو سب ہی محسوس کرتے ہیں، اور وہ اپنی اس عادت سے کبھی کبھی بڑا خاصا نقصان اٹھاتی ہیں کیونکہ وہ عموماً قابو نہیں رکھتیں مگر وہ مجبور ہیں اپنی فطرت کو کس طرح بدل سکتی ہیں۔ انہیں خود اس بات کا احساس ہے اس کو بھی اپنی بڑی کمزوری سمجھتی ہیں۔

دیکھنے والے پہلی نظر میں انہیں کچھ مغرور، اور متکبر ضرور سمجھتے ہوں گے مگر جتنا زیادہ وقت وہ ان کے ساتھ گزارتے جائیں گے ان کی رائے قطعی طور پر بدل جاتی ہوگی کیونکہ طبعاً وہ منکسر المزاج ہیں۔

اکثر لوگ ان سے ملنے یا آٹو گراف وغیرہ کی قسم کی چیز ملنے کے لئے ان کے پاس آتے رہتے ہیں جن میں زیادہ تر طالب علم لڑکے لڑکیوں کا حصہ ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر گھر والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کچھ تکلف کر کے آنے والوں سے ملیں مگر ان کا جواب ہوتا ہے "نہیں میں جس حالت میں ہوں اسی طرح سب سے ملوں گی میرا یہی دستور ہے میں لوگوں پر بناوٹی رعب جمانا نہیں چاہتی"۔ اور وہ اسی حالت میں سب سے ملتی ہیں چاہے اس وقت وہ باورچی خانہ میں بیٹھی پسینہ میں شرابور ہی کیوں نہ ہو رہی ہوں یا ہاتھ میں کڑچھی لئے کسی کیاری وغیرہ میں پانی لگا رہی ہوں، گھر والے ان کی اس عادت سے جز بز ہو کر رہ جاتے ہیں مگر ان کو ایسی باتوں کی قطعی پروا نہیں ہوتی، وہ اپنے لئے کسی قسم کا اہتمام نہیں کرتیں بہت ہی سادہ قسم کا لباس پہنتی ہیں مگر دوسروں کے لئے بناؤ سنگار اور تکلفات کو ایک قسم کا ہنر اور سلیقہ خیال کرتی ہیں۔

وہ وقت اور موقع پر ہر قسم کی عادت ڈال لیتی ہیں اور زمانہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرتی ہیں مگر حد سے تجاوز نہیں کرتیں۔ بلکہ وقت کی بہتر اور آسان روش اختیار کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنے کوئی سخت اصول نہیں بنائے جو بدلے نہ جا سکتے ہوں وہ کہتی ہیں کہ بیحد سخت اصول بعض وقت انسان کو بڑی ذہنی الجھن میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ان کے پاس آنے والے لڑکے لڑکیاں انہیں جدید قسم کی انشاء پرداز سمجھ کر خاصی تیاری کر کے ملنے آتے ہیں اور ان کی سادگی اور گھریلو پن دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے ہیں، مگر جیسے جیسے وہ ان سے بات کرتے ہیں، ان کی شخصیت سب پر چھانے لگتی ہے اور ان سے مل کر کوئی مایوس نہیں ہوتا بلکہ لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں، وہ عمر اور شخصیت کو ملحوظ رکھ کر سب سے بات کرتی ہیں لڑکے لڑکیاں ان کی صحبت میں اپنائیت پاتے ہیں اور بڑی عمر والے انہیں خود سے زیادہ تجربہ کار اور ہوش مند سمجھتے ہیں۔ ان کی گفتگو سطح سے ابھری ہوئی، مکمل اور صاف ہوتی ہے۔

وہ اپنے آپ کو کسی سے بیحد بے تکلف نہیں ہونے دیتیں، ان کا خیال ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی بے تکلفی اکثر بدمزگی کا پیش خیمہ ہوتی ہے وہ کسی کی بات میں قطعی مداخلت نہیں کرتیں اگر ان کے سامنے دو شخص آپس میں لڑتے ہوں تو انہیں بالکل اعتراض نہیں ہوگا۔ ان کا

مشکل ہوتا ہے وہ چونکہ کبھی کسی خاص مدرسے کی طالبہ نہیں رہیں اس لئے [illegible]
[illegible] کہ وہ کچھ لکھ لیں کا موقع کم ملتا ہے۔ وہ ایک ہی نشست میں سب کچھ لکھ لیتی ہیں۔ وہ مختلف [illegible]
[illegible] کسی زمانے کے لوگوں کی نفسیات [illegible] اور واقعات قلمبند کرتی ہیں جیسے وہ دیکھتی ہیں جیسے [illegible]
صحت خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ اب بعض وقت زیادہ پریشان ہو جاتی ہیں اور اسی وجہ سے وہ لکھنے لکھانے سے بھی بچتی
رہتی ہیں اور اچھی اچھی ادبی محفلوں سے گریز کرتی ہیں۔ بڑے مجمعے کے ہنگاموں سے [illegible] بہت گھبراتی ہیں [illegible]
تقریر بہت کم ہے وہ اپنے آپ کو بر سر عام پیش نہیں کر سکتیں۔ وہ بحالت مجبوری کسی بڑے جلسے یا ادبی مجلس میں شرکت کرتی ہیں۔ ان کی
طبیعت میں نوک جھوک کافی سے زیادہ ہے وہ کبھی بے تکلف احباب سے [illegible] بات چیت نہیں کر سکتیں۔ وہ
بچار کی عادی ہیں۔

یہ تو تھیں ان کی ادبی سرگرمیاں مگر اب آخر میں ان کے مختصر خاندانی حالات بھی لکھنے ضروری ہیں تاکہ ان کی زندگی پر روشنی پڑ سکے
ان کا نام رحمت الرحمٰن ہے وہ ۱۹۱۸ء میں دہلی کے محلہ کوچہ چیلان میں خواجہ میر درد کی بارہ دری کے قریب اپنے دادا صاحب
کے مکان میں پیدا ہوئیں۔ ان کے دادا مولوی محمد یوسف صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے نواسے شاہ اسحاق صاحب
کی اولاد میں تھے۔ اور ان کی والدہ صاحبہ خواجہ میر درد صاحب کی اولاد میں تھیں۔ امی صاحب کی عمر مشکل سے سات سال کی ہوگی کہ ان کے
والد مولوی محمد سلیمان صاحب کا انتقال ہو گیا اور جب وہ چودہ سال کی ہوئیں تو والدہ کی شفقت سے بھی محروم ہو گئیں۔ ان کی شروع کی تعلیم
اور پرورش ریاست بھوپال میں ہوئی کیونکہ ان کے دادا صاحب بھوپال میں مجلس علماء کے رکن اور جاگیردار تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ اپنی
دادی صاحبہ کے ساتھ مکہ معظمہ چلی گئیں اور تین سال تک وہاں رہیں۔

انیس کی عمر میں ان کی شادی اپنے ماموں خان بہادر ڈپٹی سید بہاء الدین کے لڑکے سید ظہیر الدین سے ہو گئی۔

یہ ہیں ان کے مختصر سے خاندانی حالات، شادی کے بعد ہماری امی زیادہ تر دہلی سے باہر رہیں۔ کیونکہ ہمارے ابا پولیس میں ڈپٹی [illegible]
تھے۔ امی کو بچپن ہی سے تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ مگر خاندانی روایت کے مطابق اس زمانہ میں لڑکیوں کو سکولوں کی تعلیم دلانا
معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے انہوں نے جس قدر بھی سیکھا اور لکھا پڑھا سب اپنے شوق اور جستجو کا نتیجہ ہے۔ ان کے مضامین وقتاً
فوقتاً رسالہ عصمت میں شائع ہوتے رہے۔ جن میں "[illegible] کا چرچا" اور "شیخ کی شورش" خاص طور پر مقبول ہوئے۔ ان کا پہلا ناول "شمع"
۱۹۳۹ء ہی میں مکمل ہو گیا تھا مگر دوسری جنگ عظیم کا آغاز تھا اور اسی جنگ کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی میں بھی کشمکش اور انقلاب پیدا
ہونے لگا۔ ۱۹۴۰ء میں ہمارے ابا جو آسامی پی کیپٹن بھی تھے، لڑائی کے سلسلے میں ملایا بھیج دیئے گئے۔ امی اور ہم پانچوں بھائی بہن دہلی میں اپنے
ماما خان بہادر سید بہاء الدین صاحب کے پاس رہے اور ایک سال تک کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا اور پھر امی نے اپنے بچوں کی تعلیم کے
لئے علی گڑھ میں کوٹھی بنا کر وہاں کی سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۴۲ء میں سنگاپور انگریزوں کے قبضہ سے نکل کر جاپانیوں کے ہاتھ میں چلا گیا یعنی
انگریزی فوجوں نے شکست کھائی۔ تقریباً تین سال تک ہم لوگ اپنے ابا کی طرف سے ایک امید و بیم کی حالت میں وقت گزارتے رہے۔ اس
عرصہ میں "شمع" اور اس کے بعد "تصویر" شائع ہو چکی تھیں۔ تین سال بعد انگریز حکومت نے ابا کے لڑائی میں کام آنے کا اعلان کر دیا۔ اور
امید کی یکی سی آخری کرن بھی ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔

اب امی کی زندگی میں ہر طرف انقلاب اور مشکلات کا طوفان تھا۔ جو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے لئے بھی ایک انقلاب کا پیش خیمہ
ہو گیا یعنی ۱۹۴۷ء میں پاکستان وجود میں آگیا۔ وہ بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائی بہنوں کی طرح وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں اور لاہور میں

سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں آکر انہیں دوہری مشکلات اور پریشانیوں اور جدوجہد کا سامنا کرنا پڑا ہے [illegible]
کر کے رہنا ہوگا اور انہیں [illegible] کسی قسم کا ذہنی سکون میسر نہیں ہوا ہے انہی مشکلات اور الجھنوں کی وجہ سے اب [illegible]
ہو گئی ہے [illegible] کے اعصاب پر بہت خراب اثر پڑا ہے، اگرچہ وہ اپنی تکالیف کو چھپانے کی بہت کوشش کرتی ہیں۔ [illegible]
نہیں کیا جا سکتا کہ باوجود ہر قسم کے تفکرات اور پریشانیوں کے جو انہیں گھیرے رہتی ہیں انہوں نے کبھی [illegible]
دیا۔ بلکہ اپنی [illegible] کو اس کے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اور خود ہر مشکل بہت ہنس کھیل کر جھیل لیتی ہیں۔ درحقیقت [illegible]
کہ ان جیسی بلند حوصلہ باہمت اور وسیع النظر خاتون مشکل سے ملے گی۔

اس [illegible] اگرچہ ابھی بہت کچھ تشنگی باقی ہے پھر بھی اے۔ آر۔ خاتون کی [illegible]
کو دیکھنا چاہئے کہ گھٹنے پیٹ کی طرف جھکتے ہیں۔

(۳)

زشرر ستارہ جویم، زستارہ آفتابے

اقبال

ڈاکٹر سید اعجاز حسین

(سید احتشام حسین)

اکبر کو اپنے عہد کے الٰہ آباد میں اپنے اور امرودوں کے سوا بہبود کے لئے کوئی بھی سامان بالکل نظر نہ آئے۔ مجھے معلوم نہیں اکبر سے پہلے الٰہ آباد میں کسے ایسی شہرت اور اہمیت حاصل تھی جیسے وہاں کے امرودوں کے ساتھ یاد کیا جاتا رہا ہو، یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ الٰہ آباد کے امرودوں کو کسی زمانے میں وہ انفرادیت نصیب ہوئی جب ان کا ذکر دوسری جگہ کے امرودوں سے الگ کیا جانے لگا لیکن اپنے عہد کے اکبر کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کے جن لوگوں کو جانے بغیر الٰہ آباد کی معرفت ادھوری رہ جاتی ہے ان میں ایک ذات پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اعجاز حسین ایم اے ڈی لٹ، صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی کی بھی ہے۔ امرود اب بھی اپنی جگہ پر ہیں لیکن افسوس ایک دوسرے کے لئے جگہ خالی کرتے رہتے ہیں۔ اعجاز صاحب (اس سارے مضمون میں انہیں اسی نام سے یاد کیا جائے گا) شدت کے ساتھ اکبر کی اہمیت کے قائل تو ہوں لیکن وہاں کے امرودوں کی برائی نہیں سن سکتے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ پہلے اکبر کی ظرافت پسند تھے۔ اب اس افادیت کے نقطۂ نظر کی وجہ سے یہ بھی کرنا نہیں چاہتا، خیر! تو ذکر ہے اعجاز صاحب کا اور ان کی انفرادیت کے پیش نظر میں انہیں اکبر یا امرود کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہتا اگرچہ ان کا تعلق دونوں سے ہے۔ اکبر پر انہوں نے ہندی میں ایک کتاب لکھی ہے اور امرودوں کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں، اکبر کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، امرود کھاتے اور کھلاتے ہیں۔

اعجاز صاحب کو میں نے پہلی مرتبہ ۱۹۳۲ء میں دیکھا اور پہلی ہی ملاقات میں مجھے ان کی ان خصوصیات کا علم ہو گیا جنہیں میں اب بھی ان کی ذات اور شخصیت کا جزو سمجھتا ہوں، یہ خصوصیات شعر و ادب سے متعلق نہیں۔ انسان کی روزمرہ کی اخلاقی، سماجی اور عملی زندگی سے وابستہ ہیں۔ یہاں اپنے متعلق کچھ کہنا ناگوار ہو گا اور اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

اعظم گڑھ سے ۱۹۳۰ء میں ہائی اسکول کرنے کے بعد میں نے مزید تعلیم کے لئے الٰہ آباد کا رخ کیا، وہاں کچھ آسانیاں تھیں اور میری قدرے محدود زندگی کے لئے اس اہم علمی اور سیاسی مرکز میں ایک کشش، چنانچہ وہاں دو برس گورنمنٹ انٹر کالج میں پڑھتا رہا۔ اس دو سال میں اعجاز صاحب کا نام تو میں نے کبھی کبھی سنا لیکن ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ چوک میں کتابوں کی ایک چھوٹی سی دوکان تھی۔ آتے جاتے میں اس پر بھی ٹھہر جاتا تھا۔ کتابیں خرید تو مشکل سے سکتا تھا لیکن نگاہوں کی ضیافت ہو جاتی تھی۔ ایک دن ایک نئی کتاب نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ دیکھا تو ایک تازہ تصنیف

تھی، "تہذیب و معرفت" مصنف کا نام سید اعجاز حسین۔ وہاں پر پڑھنے والوں میں بیٹھے تھے انہوں نے ... کتاب کی تعریف میں کچھ مصنف کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا۔ میں نے ان کی آنکھیں پہلی بار ... جب ... بھی نہ تھے، اچھا آیا احساس کتاب کے پڑھنے کے لئے بہتر وقت کا انتظار کرنے لگا۔

انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ کا سوال تھا۔ معیار ختم ہو چکا تھا۔ جس کے بعد ... کرنا پڑی۔ اسی کشمکش میں تھا کہ میرے دو بھائی اور دوست سید محمد شفیع مرحوم اور سبط حسن آگئے اور انہوں نے مشورہ کیا کہ ... کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ یہ وہی سبط حسن ہیں جو پاکستان کی جیلوں میں کئی سال کی قید و بند جھیل کے اب لاہور میں ایک سال کی زندگی گذار رہے ہیں۔ شفیع بھائی مرحوم نے اسی سال بی اے پاس کیا تھا، سبط حسن بی اے میں پڑھ رہے تھے۔ جب یہ لوگ الہ آباد جانے لگے میں بھی ساتھ ہو لیا۔ یونیورسٹی پہنچ کر نام لکھا لیا۔ بورڈنگ ہاؤس کے اخراجات میرے امکان میں نہ تھے۔ چاہتا تھا کہ دوسرے طلبہ کے ساتھ کہیں قیام کروں اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھوں۔ شام کے وقت شفیع بھائی مرحوم مجھے ساتھ لے کر نکلے اور اپنے بعض جاننے والوں سے ملے کہ میرے قیام کی کوئی صورت نکل سکے۔ جب کئی دوستوں سے مل ملا کر واپس آنے لگے تو شفیع بھائی مرحوم نے کہا چلو تمہیں اعجاز صاحب سے بھی ملا دیں، بہت اچھے آدمی ہیں۔ اعجاز صاحب ان دنوں محلہ راجہ پور میں گنگا کے کنارے اپنے ننہالی مکان میں رہتے تھے۔ سادہ مکان بہت چھوٹا تھا لیکن باہر ایک کمرہ تھا جس میں کچھ زیادہ سامان نہ تھا۔ ایک میز اور چند کرسیاں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ لکھنے پڑھنے کا سامان تھا نہ کتابیں۔ سامنے صحن تھا جہاں سے دریائے گنگا اور اس کے گرد و پیش کا بہت سہانا منظر دکھائی دیتا تھا۔ اطلاع کرتے ہی اعجاز صاحب باہر تشریف لائے، اخلاق اور گرمجوشی سے ملے، ایسا اخلاق جو تصنع سے سراسر منزہ ہوتا ہے، صاف شفاف شیشے کی طرح، جس کے پار دیکھا جا سکتا ہے۔ کمرے کے بجائے ہم لوگ صحن میں بیٹھے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس دن کیا کیا باتیں ہوئیں لیکن یہ یاد ہے کہ جب میرے قیام کے لئے کسی جگہ کی تلاش کا سوال آیا تو کہا کہ جب تک کہیں انتظام نہیں ہو جاتا یہیں رہیں، یہ کمرہ خالی ہی تو رہتا ہے۔ کچھ تکلفات اور معذرت کے بعد یہی بات طے ہوگئی، اعجاز صاحب کا اصرار دوسرے خیالات اور تاملات پر غالب آیا۔ میں چند دنوں میں وہیں اٹھ آیا اور چند دن قیام کا ارادہ کم و بیش چھ سال کے قیام میں تبدیل ہوگیا۔

انہی دنوں ایک اور لطیفہ پیش آیا۔ گرمیوں کی تعطیل کے زمانے میں جب وطن میں قیام تھا اور کبھی دو چار دوست اکٹھا تھے کسی سلسلہ میں یہ طے پا گیا کہ چند مہینے تک بال نہ ترشوائے جائیں۔ بالوں پر تقریباً دو مہینے گذر چکے تھے جب میں اعجاز صاحب کے یہاں گیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو چھپی رہتی۔ چند دن تو اعجاز صاحب نے میرے بالوں کی بے ترتیب بڑھ کو غور سے دیکھا اور سوچا کہ شاید کوئی زبردست انقلابی اور آشفتہ سر اشتراکی ہے لیکن جب ان باتوں کی کوئی خاص علامت مجھ میں نظر نہ آئی تو انہوں نے بڑی نرمی اور احتیاط سے کہا، احتشام صاحب! آپ بال کیوں نہیں کٹواتے؟ میں جانتا تھا کہ کسی نہ کسی دن یہ سوال ضرور اٹھے گا۔ میں نے کہا فرصت نہیں ملی۔ انشاء اللہ کل کٹوا لوں گا۔ اور کل آ کر بھی گذر گیا۔ اب کچھ ایسا تھا کہ اعجاز صاحب سے دیر دیر تک باتیں ہوتی تھیں۔ گھر، خاندان، تعلیم، ادبی دلچسپی اور تفریحی مشاغل کا ذکر آتا تھا۔ تو انہوں نے ایک دن کسی قدر سختی سے کہا، آخر بات کیا ہے کہ آپ بال نہیں ترشواتے، کیا پیسے نہیں ہیں؟ میں نے سوچا اب اتنی مدت بعد کسی شرط کی پابندی اس طرح کرنا کہ دیکھنے والوں کو ناگوار گذرے، حماقت ہے۔ میں نے کہا، کل ضرور ترشوا لوں گا۔ اتفاقاً دوسرے دن دوستوں کے دستخط سے خط آگیا کہ بال کٹوا ڈالو کیونکہ ایک صاحب کو نقصان ہوگیا اور ڈاکٹر نے رسم "تراشی" ادا کرا دی، اب کسی پر پابندی نہیں۔ میں نے اعجاز صاحب کو وہ خط دکھایا اور بال ترشوانے چلا گیا۔ انہوں نے اس عجیب و غریب عہد و پیمان سے جو لطف لیا وہ مجھے اب تک یاد ہے۔

[illegible] سے
[illegible]
کی جب [illegible] اعجاز صاحب اپنی بات [illegible]
[illegible] زندگی میں [illegible] بہت بے تکلف [illegible]
[illegible] ان کے تمام [illegible] شاگردوں [illegible] کا تماشہ کیجیے۔

اب سے برسوں پہلے جو مضامین [illegible] میں اردو ادب کی [illegible] شاعری [illegible] لکھ لیا تھا جو کتاب [illegible] لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ [illegible] اعجاز صاحب کا اردو زبان و ادب ہی کے عشق میں سرشار رہا ہے [illegible] حیثیت سے پڑھتا رہا ہے [illegible] اس کے عشق میں مبتلا ہو جانا اور بات ہے۔ اعجاز صاحب نے کبھی [illegible] مجھے اس کی تلقین نہیں کی۔ مجھے خاص طور سے [illegible] کی طرف متوجہ نہیں کیا لیکن وہ جس طرح اپنی زبان سے دلچسپی لیتے تھے، اٹھتے بیٹھتے اس کا ذکر کرتے تھے، شعر سے [illegible] لیتے تھے [illegible] ایک صحبت ایسی کیفیت تھی۔ ان سے [illegible] چنانچہ مجھے ادب کے شوق کے [illegible] تجربہ ہو گئے۔

ان دنوں اعجاز صاحب "مختصر تاریخ ادب اردو" لکھ رہے تھے۔ یہ کتاب اس طرح لکھی جا رہی تھی کہ چند صفحے لکھ کر کاتب کو دے دیے جاتے تھے کتابت کی تصحیح ہو کر کاپیاں پریس کو بھیج دی جاتی تھیں۔ پروف پڑھے جاتے تھے اور کتاب چھپتی جاتی تھی۔ میں اکثر دیکھتا تھا کہ اعجاز صاحب سے بعض ایم اے کے طلباء ان کے پاس آ جاتے ہیں۔ کتاب کے بعض مباحث پر بحث ہوتی ہے۔ پھر ہنستے بولتے چلے جاتے ہیں۔ [illegible] ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی ہیں لیکن نام نہیں [illegible] ان شاگردوں میں ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی، رفعت عظیم، [illegible] جلیل قدوائی ہوتے اور میں دخل در معقولات کا مرتکب ہوئے بغیر ان دلچسپیوں میں شریک ہوتا۔ دو چار ہفتے بھی نہ گزرے ہوں گے کہ کاپیاں [illegible] چھوٹے موٹے مشوروں میں بھی شریک کیا جانے لگا اور کبھی کبھی لائبریری سے بعض کتابوں کے حوالے تلاش کرنے کا کام بھی میرے سپرد کر دیا گیا۔ مجھ سے کم تر ادبی ذوق رکھنے والا اور مطالعہ کرنے والا بھی ہوتا تو ان باتوں سے فائدہ اٹھاتا۔ میں نے جو کچھ ان سے سیکھا۔ اعجاز صاحب کا یہ عمل آج تک جاری ہے۔ وہ کتاب چھپا کر نہیں لکھتے، اس کا ڈھنڈورا بھی نہیں پیٹتے۔ بہت زیادہ اہتمام نہیں کرتے خاکہ بنانے سے لے کر آخر منزل تک دوستوں اور شاگردوں سے اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ مشورہ سے گریز نہیں کرتے، آسانی سے اپنی رائے نہیں بدلتے لیکن اپنی بات پر اڑتے بھی نہیں۔ جب وہ مشورہ کرتے ہیں تو ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ واقعی وہ کوئی کتاب یا مضمون لکھنے والے ہیں بلکہ یہی خیال ہوتا ہے کہ شاید کوئی خیال آ گیا ہے اور اس پر گفتگو کر رہے ہیں لیکن سارا [illegible] ان کے ذہن میں مکمل ہوتا رہتا ہے۔ اب کتابیں اور مضمون لکھنے کا ذکر آ گیا تو اس بات کو مکمل ہی کر دوں۔

اعجاز صاحب جو کچھ لکھتے ہیں اس کا خاکہ زیادہ تر صبح کی سیر میں مرتب ہوتا ہے اور کئی دن تک ذہن ہی میں اس کی ترتیب ہوتی رہتی ہے۔ اس کا زیادہ حصہ سورج نکلنے سے پہلے ہی لکھا بھی جاتا ہے۔ دن کی شورش میں وہ عموماً سنجیدہ اور غور و فکر سے لکھے جانے والے مضامین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، رات کے وقت بھی شاذ و نادر ہی لکھنے کا کام کرتے ہیں۔ چونکہ اپنے موضوع کے متعلق برابر سوچتے رہتے ہیں اس لیے جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو تیز لکھتے ہیں اور عام طور سے زیادہ کاٹ چھانٹ نہیں کرتے، مضامین کو دہراتے بھی کم ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اس بات کا تعلق کسی حد تک اعجاز صاحب کے مزاج سے بھی ہے جس میں ایک

غزل ہو نشست رسالے کے ساتھ ساتھ کلام کو خاتمہ تک پہنچانے کی اُن کی امتزاج ایک خاص انداز سے جو ہے ان کی شاعری، تحریر اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک تصنیف کا تعلق ہے اعجاز صاحب نے اس خاموشی سے اس کام کو انجام دیا ہے کہ شاید اُن کے بہت سے شناساؤں کو بھی خبر نہ ہوگی کہ اس وقت تک اُن کی ہندی اُردو ملا کر آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور دو ایک کتابیں زیرِ تصنیف ہیں جن میں سے ایک جلد ہی طباعت کی منزلوں سے گزرنے والی ہے۔ "آئینۂ معرفت" مختصر تاریخ ادب اُردو (جس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں اور برابر نئے ایڈیشن شائع ہوتے رہتے ہیں) نئے ادبی رجحانات کئی ایڈیشن، مذہب اور شاعری، صنف ادب کے شہزادے، کتاب آتش، مبارک، میری ہندی، اکیلا تھا، رہنمائی، یہ کتابیں ترکیب سے تنقید، مطالعہ کی دعوت دیتی ہیں لیکن مضمون کی نوعیت ان کے سرسری جائزے اور تعارف سے بھی روکتی ہے تاہم اتنا ثابت ضروری ہے اُردو ادب کے طالب علموں کو اعجاز صاحب سے اس سے زیادہ واقف ہونا چاہئے جتنا وہ اس وقت واقف ہیں۔ یہ تو تھا تصنیف کا ذکر جن میں ادبی مضامین شامل نہیں ہیں۔ جن کی تعداد کافی ہے۔ یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اعجاز صاحب ایک مدت سے شاعری کی دیوی کے قدموں میں بھی اپنے قیمتی افکار چڑھاتے رہتے ہیں۔ یہ عام طور پر ادبی مجالس میں نظر آتے ہیں۔ غزل، نظم اور سرود کی فضا بھی سرسبز ہے نسائی ہے اور کئی نظمیں بھی کہی ہیں۔ زیادہ تر غزلیں کہتے ہیں لیکن انہیں چھپا کر رکھتے ہیں ایسے لوگ کم ہیں جنہیں اُن کے اشعار سننے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی خاص مشاعرے کے لئے کبھی کوئی غزل کہہ دی تو ان کی غزل شعری تخلیق جدید تقاضے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اعجاز صاحب کو شاعری کا یہ ذوق اپنے نانا سید حسین صاحب فوق مرحوم سے ملا جن کا سلسلہ تلمذ تسلیم سے ملتا تھا۔ اپنی شاعری کے متعلق ایک دفعہ اعجاز صاحب نے میرے ایک استفسار کے جواب میں مجھے لکھا تھا "غالباً نویں درجے سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا لیکن نانا مرحوم کلام پر اصلاح دینے کے لئے راضی نہیں ہوتے تھے۔ کہتے تھے کہ ابھی کہتے رہو۔ ایک سال دو سال بعد دیکھا جائے گا۔ ایک اسے میں بھی نانا یعنی میری ماں کی بڑی بہن یعنی میری خالہ کے اصرار پر کبھی کبھی میری غزلیں دیکھ لیتے تھے۔ اس زمانے میں سید صدیق حسن ناصری مرحوم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ کالج کے علاوہ اُن سے گھر پر بھی ملتا تھا۔ اُن کی صحبت ایک درس گاہ تھی۔ عموماً گفتگو میں علمی مسائل، ادبی نکات، بزرگانِ ادب کے تذکرے برابر آتے رہتے۔ میں کلاس میں اُن سے عربی پڑھتا تھا۔ گھر پر اُردو کی باتیں ہوتیں۔ نانا کی آنکھیں جاتی رہیں تو انہوں نے میرے کلام کی اصلاح کا کام بھی باقاعدہ ناصری صاحب کے سپرد کر دیا چنانچہ میں نے دو سال تک اصلاحِ سخن میں بھی ناصری مرحوم ہی سے فیض اٹھایا۔"

یہ تو اعجاز صاحب کا بیان ہے میں نے خود انہیں ہمیشہ اپنے نانا مرحوم اور ناصری صاحب مرحوم کا ذکر بڑے ادب اور جذبے کے ساتھ کرتے ہوئے سنا ہے۔ ناصری صاحب کے انتقال پر انہوں نے ایک پُر درد مرثیہ حالی کے مرثیہ غالب کے تتبع میں لکھا تھا۔ یہ سب کچھ ہے لیکن شاعری سے اعجاز صاحب کی دلچسپی عملاً بہت گہری نہیں ہے۔ بہت کم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو کچھ لکھا ہے اس کا بہت تھوڑا حصہ اُن کے پاس محفوظ ہے۔

اعجاز صاحب کی شخصیت اور کردار کا مطالعہ کئی پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اُن کی تصویر کئی آئینوں میں دکھائی جا سکتی ہے جیسے ادب اور زبان کی خدمت اور ایک معلم کی زندگی کے مختلف پہلو یہ وہ کسوٹیاں ہیں جن پر انہیں پرکھا جا سکتا ہے جو شخص انہیں ایک انسان کی حیثیت سے نظر انداز کرے گا۔ اُن کے طرزِ زندگی اور تقاضے ذہن کا نفسیاتی مطالعہ نہیں کرے گا وہ انہیں سمجھ نہیں سکے گا۔ اس کے لئے مختصراً اُن کے حالاتِ زندگی سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

اعجاز صاحب اگست ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ نانہال محلہ ماہر پور شہر الہ آباد میں تھا اس کو اپنا گھر جانا۔ والد بزرگوار کی طرف سے مذہب اور کچھ

[illegible] ہو گئی [illegible]
کی حالت خراب ہو گئی [illegible]
ابتدا میں [illegible]
[illegible] حیثیت سے [illegible] تعلیم حاصل کرنے کے شوق نے
ساری مشکلیں آسان کر دیں۔ بی اے میں [illegible] تھا کہ شادی ہو گئی [illegible] ماجد صاحب کی
[illegible] اس [illegible] کے باوجود [illegible] تھی۔ لوگوں نے [illegible] اس بات پر [illegible] تھی کہ
[illegible] جائے لیکن جب [illegible] میں بی اے [illegible] یونیورسٹی میں
اردو ایم اے کی ابتدا ہوئی۔ اس نے شوق کو [illegible] میں [illegible] حاصل کی [illegible]
[illegible] سال [illegible] بعد [illegible] ضعیف [illegible] ۲۶
کی خدمت کی جائے لیکن [illegible] سال [illegible] کا انتقال ہو گیا [illegible] تھے [illegible]
تھے۔ وہ جس مکان میں رہتے تھے وہ [illegible] بنا [illegible] شروع میں [illegible] مکان کا
ذکر کیا ہے وہ اسی کا ایک حصہ تھا۔ یونیورسٹی کی ملازمت کے بعد [illegible] مکان [illegible] تھی۔
اس لئے ایک مکان بنانے کا خیال ہوا اپنے پرانے مکان سے کوئی ڈھائی تین سو گز کے فاصلے پر [illegible] ۱۹۳۲ء
میں مکان کی بنیاد پڑ گئی۔ [illegible] بعد کی بات ہے [illegible] ۱۹۳۲ء میں [illegible] نشین کی [illegible]
پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

[illegible] اعجاز صاحب کی زندگی اور کردار [illegible] اہمیت [illegible] بڑی خصوصیت ہے
کہ وہ [illegible] بے سروسامانی میں [illegible] دیکھتے ہیں [illegible] نہیں [illegible]
ساتھ شروع کرتے ہیں کہ اس کا ہونا [illegible] میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ وہ بہت سی کتابیں، کاغذ، ضرورت [illegible] اور [illegible] کتاب
کے لکھنے کا سلسلہ شروع کرتے ہوں۔ کتاب شروع ہو جاتی ہے اور سامان اکٹھا ہوتا رہتا ہے [illegible] نشین کے بننے [illegible] تین سال کی ملازمت
اور تقریباً دو سو روپیہ ماہانہ تنخواہ میں [illegible] نہ تھا۔ دوسرے ذرائع بھی محدود تھے۔ مکان بنانے کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ لیکن
[illegible] ایک خوبصورت عمارت کھڑی ہو گئی۔ گرچہ وہ بہت سی الجھنیں اپنے ساتھ لائی۔ میرا اندازہ
یہ ہے کہ اعجاز صاحب کے مزاج میں جو امید پرستی ہے وہ کبھی [illegible] نہیں [illegible] پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی
انہیں ان باتوں کی طرف متوجہ کرے تو وہ ان کی تاویل [illegible] ایسی خوبصورتی سے کریں گے کہ آپ ان کے خیالات کو ٹھیس لگانے کے بجائے
ان کے ہم خیال بن جائیں گے۔ [illegible] سال کے ساتھ [illegible] دشواریاں [illegible] اس وقت [illegible] شاگردی اور بعض
وجوہ سے کچھ زیادہ کہنا سننا آسان بھی [illegible] کا اندازہ اب بھی ہوتا ہے۔ [illegible] زیادہ [illegible] نہیں [illegible] تھے کہ اعجاز صاحب
کے ایک بہت ہی عزیز دوست سید ماجد علی صاحب وکیل ایک دن [illegible] آ گئے اور اعجاز صاحب کو اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر لے
گئے۔ انہوں نے تقریباً چالیس ہزار روپے قرض لئے تھے۔ مہاجنوں کو [illegible] کی ضرورت تھی [illegible] اعجاز صاحب کی قیمت [illegible] تھی۔ اعجاز
صاحب گئے اور ضمانت کے کاغذ پر دستخط کر کے چلے آئے۔ بعد میں لوگوں نے [illegible] کہا کہ یہ بڑی غلطی ہے لیکن اعجاز صاحب اس طرح سوچنے کے
عادی نہیں ہیں [illegible] انہیں کبھی اس کا خیال آیا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ۱۹۳۷ء میں اچانک سید ماجد علی صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا اور [illegible]

[illegible] صاحب ایک بہت بڑی [illegible] شاعر [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] بجا ہے وہ اب تک [illegible] رہے ہیں لیکن وہ نئے زمانے کے شاکی ہیں اور نہ ماضی کے مرثیہ خواں [illegible]
سے [illegible] ہمدردی سے خوش ہوتے ہیں نہ قسمت کے گلہ مند۔ انہیں مستقبل پر بھروسہ ہے۔ اور ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں
یہی مستقبل پرستی اُن کے سیاسی تصورات میں بھی جھلکتی ہے۔ وہ عملاً اور عقلاً اشتراکی نظام کے حامی ہیں۔ سیاسی [illegible]
[illegible] لیکن مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے ہر اُس سیاسی اسلام کو قبول کرتے اور لبیک کہتے ہیں جو ترقی پسند ہو، اگرچہ اس میں جذباتیت کا بھی
[illegible] عنصر داخل ہوتا ہے۔

اعجاز صاحب کی زندگی بہت سے قانون اور قاعدوں کی پابندی برداشت نہیں کر سکتی، سرکاری اور غیر سرکاری ہر کام ایک ضمیمہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی وہ جس کام کو بھی ہاتھ میں لیتے ہیں یا اُن کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے اُسے اس کے سارے غیر ضروری لوازم کے ساتھ انجام دینے کے بجائے اپنے ڈھنگ سے پورا کر دیتے ہیں اور اسی بات کی توقع دوسروں سے بھی رکھتے ہیں۔ اُن کے شاگرد بڑی [illegible] سے اُن کے ہر کام کے لئے تیار رہتے ہیں کیونکہ وہ بھی انہیں حتی الوسع مایوس نہیں کرتے۔ یونیورسٹی میں طلبا کی دشواریاں کیا ہیں؟ داخلہ کے شرائط میں کوئی نقص، فیس کی معافی، وظیفہ کے لئے سفارش، حاضری کی کمی اور امتحان میں شرکت کی اجازت، سعی سفارش، نوکری کی تلاش میں مشورہ اور کوشش وغیرہ اعجاز صاحب ان میں سے ہر کام کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، اُن کی طبیعت خراب ہو، کسی اور کام کا وقت ہو، تیز دھوپ اور گرمی ہو یا شدید بارش ہو رہی ہو، کڑکڑاتے جاڑے ہوں وہ دوسروں کے کام کے لئے نکل کھڑے ہوں گے، اپنی سی کوشش ضرور کریں گے چاہے سو فیصدی کامیابی نہ ہو۔ اپنے کام کے لئے وہ یہی اُمید دوسروں سے رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مقصد اپنی محنت کا معاوضہ نہیں ہوتا۔

ان تمام خصوصیات میں جس خصوصیت کی سب سے زیادہ جلوہ گری ہوتی ہے وہ ان کے مزاج کی سادگی ہے۔ اس کی جھلک ان کی زندہ گفتاری، طرز تحریر، لوگوں سے ملنے جلنے، طرز معاشرت میں ہر جگہ اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ یہ سادگی ہر ایک پر یکساں اپنا پرتو ڈالتی ہے۔ میں نے انہیں بڑے لوگوں، شاگردوں اور [illegible] سے بھی ملتے دیکھا ہے۔ اور راجہ پور کے ناخواندہ یا معمولی لوگوں سے بھی۔ اُن کا بنیادی انداز مشکل ہی سے بدلتا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے خود اُن کی ضرورتیں وابستہ ہوں یا انہیں کوئی کام اعجاز صاحب سے ہو، چھوٹے چھوٹے لوگ اپنی ضرورت سے ان کا گھریلو نام یا محلہ کا رشتہ ظاہر کر کے اُن کے پاس آئیں، وہ یکساں انہماک سے گفتگو کرتے ہوئے ملیں گے۔ اعجاز صاحب کی گفتگو کا انداز بھی مخصوص ہے۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں اور نکتہ سنجی، خوش طبعی اور بے تکلفی کا انداز پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ طبیعت پر مزاح غالب ہے لیکن گر بات چیت کو خوشگوار اور غیر سنجیدہ بنانے کی ضرورت پیش آ جائے تو وہ اس کام کو بڑی خوبی سے ادا کر سکتے ہیں مگر توقع نہیں ہے کہ ایسے لطیفے اور چٹکلے پیش کئے جائیں لیکن ایک واقعہ بے اختیار یاد آ گیا۔ الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ ہندی میں ایک مستند ہیں۔ ڈاکٹر رام کمار ورما، ہندی کے بڑے اچھے ادیب، شاعر اور ڈرامہ نگار۔ اعجاز صاحب کے خاص دوستوں میں سے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے [illegible] شناس ہیں۔ میں اس کا عادی تو نہیں لیکن کبھی کبھی ان کی صحبتوں میں بیٹھنے کا موقع ملتا تھا۔ ایک دن میں اعجاز صاحب کے ساتھ تھا، راستے میں ڈاکٹر رام کمار ورما کی کوٹھی پڑتی تھی، اُن کے یہاں پہنچ گئے۔ ایک صاحب پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی سرکاری افسر یا رئیس معلوم ہوتے تھے۔ ورما صاحب نے بے تکلف انداز میں اعجاز صاحب کا خیر مقدم کیا اور کہا بڑی [illegible] سے ملاقات نہیں ہوئی کیا کرتے رہتے ہو۔ اعجاز صاحب نے [illegible] سے کہا، اب تمہیں کیا بتاؤں، وہ جو تمہارے [illegible] صاحب بہادر [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible] سفارش [illegible] صاحب سے کی [illegible]

[illegible] اعجاز صاحب سے ان [illegible] پھر [illegible] نہیں [illegible] بہت دلچسپ [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] زبان [illegible] جہاں [illegible] کسی [illegible]

[illegible] سے [illegible] نماز میں [illegible] صاحب کے [illegible]

[illegible] میں ایک خاص قسم کی [illegible] ہے [illegible]

[illegible] اخلاقی زندگی [illegible] پر نگاہ رکھتے ہیں [illegible] جیسا بھی ہوتا ہے [illegible]

[illegible] نشین [illegible] نماز پڑھ لیتے ہیں۔ حضرت [illegible] خیالات پر [illegible]

اخلاقی پہلو ان کی زندگی میں نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔

جیسا کہا گیا اعجاز صاحب بہت سی پابندیوں سے گھبراتے ہیں اور جبلی اخلاق کی زبان میں "[illegible]" کے قائل نہیں ہیں اسی وجہ سے بڑی بڑی کانفرنسوں میں، شادی بیاہ میں، مجالس و محافل میں، جہاں دیر تک بے کار بیٹھنا پڑے اور دوسروں کے ہاتھ میں وقت کی لگام ہو شرکت سے گھبراتے ہیں۔ اگر شریک ہونا ہی پڑے تو کبھی وقت سے پہلے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور وقت کی لگام خود اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے مسلسل کسی کام میں لگے رہنا ان کے لیے بہت مشکل ہوگیا ہے اس وجہ سے ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں [illegible] سے دلچسپی نہیں ہے۔ مگر جنہیں ان سے ملتے رہنے کا اتفاق ہو، وہ ان کی اکتاہٹ کا سبب آسانی سے معلوم کرلیتے ہیں۔

اعجاز صاحب ایک استاد کی حیثیت سے غیر معمولی جذب و کشش کے مالک ہیں۔ انہیں اپنے شاگردوں پر بھروسہ رہتا ہے اور شاگردوں کو ان پر۔ ان کا بے تکلف، بے ریا اور تصنع سے خالی انداز ان کے طالب علموں کو ان کے قریب لاتا ہے اور یہ قرب بعض دفعہ ملاقات سے گذر کر عزیزدارانہ شکل اختیار کرلیتا ہے۔ ان کے شاگردوں کے ذہن میں ان کی ادبی اور انسانی حیثیت اس طرح گڈمڈ ہوجاتی ہے کہ وہ انہیں جدا نہیں کرسکتے۔ ان کی ایک خوبی کا تکملہ دوسری خوبی سے ہوتا ہے۔ نتیجہ میں ان کی شفیق اور ہمدرد شخصیت ذہن پر چھا جاتی ہے۔ انسانی ہمدردی کا ایک بڑا حصہ ان کو ودیعت ہوا ہے، وہی غلطیوں کا ارتکاب بھی کراتا ہے، مگر دوسروں کے روپ میں بھی ظاہر ہوتا ہے لیکن ان سے قریب رہنے والوں کو معلوم ہے کہ اس کے پیچھے کوئی اخلاقی نقص نہیں ہے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ کوئی شخص الہ آباد جائے اور اعجاز صاحب سے نہ ملے تو اس کی بدمذاقی اور لاعلمی پر مجھے افسوس ہوگا۔

احتشام صاحب

ڈاکٹر محمد حسن

کہا جاتا ہے حسن کی اُردو پتھر میں مجسمے کی شکل تیار کر لینے سے پہلے ہی بن کر موجود ہوتی ہے۔ وہ بس ایک [illegible] سنگتراش کے ہاتھوں میں آ جاتی ہے اور تصور کی دنیا [illegible] سکتی ہے اور جمادات کے خاموش وجود میں بھی کسی محبوب کی نرم و نازک سی انگڑائیاں لیتی ہے، پتھر میں ابھری ہوئی انگڑائیاں، نہ جانے حسن کے کتنے اَن گنت [illegible] رنگ کی شکل میں منجمد ہوتی ہیں۔ [illegible] ذوق کا مجسمہ [illegible] یہ حسن کار کا تصور [illegible] ہے [illegible] غالب کی غزل کا شعر ہے جس کی لذت [illegible] کی طرح پاکیزہ اور معصوم [illegible] ہے۔ احتشام صاحب کی شخصیت بھی شاید اسی قسم کے حسین مجسمہ کا نقاب ہے۔

احتشام صاحب کی شخصیت کے [illegible] کیا ہے — اس شخصیت کے نہ جانے کتنے پرت اور پہلو ہیں۔ اگر کسی وقت کو اہمیت دیجئے تو [illegible] ان ایک [illegible] متانت ہے، ایک متانت اور آہنگ ہے جیسے کوئی [illegible] برتی ہو۔ [illegible] کھلتی ہوئی مسکراہٹ میں دیکھئے چاہے تو ان کی باتوں کی شیرینی اور شخصیت میں رچے ہوئے خلوص سے پہچان لیجئے لیکن پچھلے بارہ سال کے عرصے میں جب سے میں ان سے واقف ہوں، مجھے بار بار ان کی صحبت میں اس بات کا احساس ہوا کہ افلاطون حقیقت کی طرح احتشام صاحب کی شخصیت دراصل کسی حقیقی شخصیت کا محض ایک روپ ہے وہ الفاظ جو میرے [illegible] میں آتے ہیں وہ [illegible] وہ [illegible] اور باقاعدہ زندگی — دراصل کسی عظیم تر حقیقت کا عکس ہے۔

وہ عظیم تر حقیقت اور وہ اصلی احتشام حسین کہاں ہے؟ کہنا چاہتا ہوں کہ ان معنوں میں شاید اس حقیقت کا وجود ہی نہیں جن معنوں میں احتشام صاحب کا وجود ہے وہ تو ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے، ہر لمحہ [illegible] کی نشاندہی کرتا رہتا ہے جو مختلف شخصیتوں کے درمیان ایک دائمی التقلب انسان کے سینے میں جاری ہے۔ کبھی ایک ہونے کی کسی [illegible] اور ساحل تک [illegible] کبھی دوسرا [illegible] ہے اور اس لہر کو کسی ضابطے میں گوندھا ہوا گلدستہ جاتا ہے پھر کوئی اور احتشام حسین آتا ہے [illegible] گذرے بکھرے ہوئے خزانوں کی باقیات چنتا ہے اور نئے رنگ محلوں کی تعمیر کے خواب دیکھتا ہے۔

شاید احتشام صاحب کا یہ بڑا [illegible] تصور ہوا لیکن اصل یہ ہے کہ جس نے احتشام صاحب کی شخصیت میں چھپے ہوئے اس فنکار کا کرب اور تخلیقی اضطراب نہیں دیکھا وہ انہیں صحیح طور پر نہیں جانتا۔ وہ انسان جس کے بارے میں صرف اس کی تنقید ہی سب کچھ کہتی ہیں دراصل

[illegible] احساس کے کتنے گوشوں کو چھونے والے حسرت سے اس طبیعت کا [illegible]
کہنے والے چند شعر [illegible]

کل [illegible] کی یاد آئی تھی [illegible]

جب [illegible] دل [illegible] تم کو [illegible]
جانے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] کیا [illegible]

میری طالب علمی کا [illegible] ہے جو [illegible] سے بنا ہے جو [illegible] کے [illegible] بھی [illegible] ہیں جن کی تعمیر [illegible] ہوتی ہے اور پھر جن کی شخصیت [illegible] [illegible] نہیں کرتی۔

[illegible] سال پہلے کی بات ہے جب میں نے [illegible] یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ [illegible] [illegible] بحث [illegible] شباب پر تھی۔ [illegible] اور [illegible] [illegible] مشغول تھے [illegible] کے اندر اور کلاس کے باہر [illegible] [illegible] پڑھی جاتی تھیں۔ احتشام صاحب کے [illegible] [illegible] مضامین پڑھ چکا تھا۔ [illegible] مضامین [illegible] [illegible] احتشام حسین صاحب [illegible] کا [illegible] نظر آتا تھا۔

بہرحال کلاس میں احتشام صاحب کو دور سے دیکھا۔ [illegible] سیدھی سادی شیروانی پہنے [illegible] دیکھ کر پہلا احساس ان کے شائستہ اور کافی خوش [illegible] ہونے کا ہوا تھا۔ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوا تو [illegible] [illegible] کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ احتشام صاحب [illegible] [illegible] تھی جیسے ادب کی تعلیم اس شخص کے لیے صرف روزی کمانے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہو۔

ان کے پڑھانے کی تعریف کرنا دشوار ہے اور ان کے کلاس کی منظر کشی کرنا ناممکن ہے [illegible] بھی بار بار اس کا احساس ہوتا تھا کہ طلباء اور استاد دونوں ایک [illegible] سفر پر ایک ساتھ روانہ ہوئے ہیں [illegible] احتشام صاحب ایک [illegible] کی طرح [illegible] کی تہوں میں گھل مل گیا ہے اور اپنے بیان سے خود بھی [illegible] اور جلوہ بار گلستانوں کو متعارف کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

ان کا پڑھایا ہوا شعر ایک جمالیاتی تجربہ ہوتا ہے صرف مشکل الفاظ کی تشریح [illegible] جانتے تھے۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ ایک بار پورا گھنٹہ اس مباحثے کی نذر ہو گیا تھا کہ پہلی نظر میں محبت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کے نفسیاتی، جذباتی یا جمالیاتی اسباب کیا ہیں پھر غالب کے اس شعر کے ساتھ ــــ

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

حسرت کے اس شعر کا تعارف ہوا ــــ

ایک ہی بار ہوئیں وجہِ گرفتاریِ دل التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

[illegible]

[illegible]

آہستہ آہستہ ہم لوگوں کو غالب کے کلام کے نئے ابعاد کا احساس ہونے لگا۔ [illegible] کی [illegible] AS A WORK ON LITERARY [illegible] "CONVENTION & REVOLT IN POETRY." [illegible] LOVE IN THE MACHINE AGE کے نام سننے لگے اور [illegible] سے ہی ہم لوگ کم از کم نفسیات، جنسیات [illegible] سے روشناس ہونے لگے۔

پھر ان کی ذاتی واقفیت کا یہ عالم تھا کہ سال میں چار چھ مرتبہ صورت صرف یادداشت سے حاضری [illegible] تھے۔ قبل تقسیم کے کلاسوں میں اردو طلباء کی تعداد کافی ہوتی تھی لیکن ہر طالب علم کے بارے میں احتشام صاحب کو نہ صرف پوری معلومات ہوتی تھیں بلکہ ہم میں سے زیادہ تر کو [illegible] طرح جانتے بھی تھے۔

"۱۹۴۵ء" میں میرا ایک چھوٹا سا افسانہ چھپا تھا۔ احتشام صاحب پہلے شخص تھے جنہوں نے وہ افسانہ پڑھا اور کلاس میں مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ احتشام صاحب ان دنوں ہوسٹل میں رہتے تھے [illegible] کے حامیوں میں تھے اور جب سرور صاحب [illegible] ملنے جاتے ہوتے تھے تو ہم لوگوں میں بڑی مختلف پارٹیاں بنتیں اور گرما گرم بحثیں ہوتی تھیں۔

ان دنوں ہم نے "حلقۂ احباب" کے نام سے ایک چھوٹی سی انجمن کی بنیاد ڈالی تھی۔ چند ہم جماعت طلباء اس کے رکن ہوتے تھے [illegible] افسانے پڑھا کرتے تھے اور ان پر بحثیں ہوتی تھیں۔ جوش کا یہ عالم کہ [illegible] کے نام سے رسالہ نکالا جو چند شماروں کے بعد بند ہو گیا۔ ان دنوں ہمارے حلقے کا سب سے کامیاب افسانہ نگار احمد حسن تھا اور مجھے آج بھی اس بات کا یقین ہے کہ وہ افسانے لکھتا رہتا اور عثمانی کو پاکستان اسٹینڈرڈ کی سب ایڈیٹری [illegible] نہ ہوتا تو یقیناً آج صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا۔

اس بے بضاعت حلقے کی صدارت کے لئے ہم لوگوں نے بہت ہی ڈرتے ڈرتے احتشام صاحب سے درخواست کی [illegible] اور چار چھ سال تک برابر احتشام صاحب ان جلسوں کی صدارت کرتے رہے۔

"حلقۂ احباب" کی سکریٹری شپ نے مجھے احتشام صاحب سے بہت قریب کر دیا۔ [illegible] احتشام صاحب اور ہم نے [illegible] کا جو سہ سالہ پروگرام تیار کیا تھا اس میں نہ صرف اردو ادب کی تمام تر اصناف کا جائزہ لینے کا ارادہ تھا بلکہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین سے [illegible] میں مقالات لکھانا بھی شامل تھا۔ مختلف ہندوستانی زبانوں کے ادب کا اجمالی خاکہ پیش کرنا اور فنون لطیفہ کی اصناف میں سے ہر ایک کا تفصیلی جائزہ بھی ہماری فہرست مقالات میں شامل تھا۔ اس سہ سالہ پروگرام کا افتتاح کرنا ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے منظور کر لیا تھا۔

اب یہاں احتشام صاحب کی شخصیت کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔ نہ جانے کتنی بار مجھے احساس ہوا ہے کہ احتشام صاحب جس [illegible] کو اپنے ہم نشینوں اور ملنے والوں کے دل میں جگا سکتے تھے اس کا عشر عشیر بھی خود ان میں بہت کم جاگتا ہے۔ خود اپنی بات کہتا ہوں اپنے رفیقوں کے عمل میں [illegible] کا ذوق پیدا کرنا اور جوش پیدا کرنا بہت آسان کام تھا۔ یہی نہیں اکثر مولوی عبدالحق اور خواجہ غلام السیدین جیسے بزرگوں کو دہلی اور بمبئی سے کھینچ بلانا اور "حلقہ" کے لئے جوش پیدا کر دینا بھی دشوار نہ تھا۔ لیکن خود احتشام صاحب کو اس کے لئے آمادہ کرنا جوئے شیر لانا تھا۔

ہم سب لوگ دن رات پروگرام بناتے، مقالے لکھتے، جلسوں کی نوعیت کے بارے میں سوچتے لیکن جب ہم یہ ساری تجاویز [illegible] خواب [illegible] کر احتشام صاحب کے پاس پہنچتے تو وہ اس کے بارے میں کچھ ایسی [illegible] نکال دیتے کہ ہمارے سارے ولولے پانی پانی ہو جاتے۔

ایک دلچسپ واقعہ ۱۹۴۹ء کی ایشیائی کانفرنس میں آئے ہوئے ایرانی مندوبین کو ہم نے [illegible] کی دعوت دی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ ... [illegible]

[illegible] دے گا!

[illegible] ایک جلسہ کرنے کا اہتمام کر لیا۔

ہم سب لوگ بہت خوش تھے کہ کبھی اب احتشام صاحب کا [illegible] ہیں؛ احتشام صاحب کے ان [illegible] [illegible] احتشام صاحب نے [illegible] جلسے [illegible] بھی کہا:

"یہ تو سب ٹھیک ہے [illegible] کے لئے حاضرین کہاں سے آئیں گے؟"

بات خود [illegible] کے مناسبت [illegible] دہلی سے [illegible] کر کے [illegible] کے بعد آمادہ کر لیا گیا احساس کے بعد ایمانی وفد کے استقبال کے لئے حاضرین کی کمی پڑے ــــــ یہ صرف احتشام صاحب کی افسردگی پسند طبیعت سے ممکن تھی۔

افسردگی پرست کی بجائے [illegible] ایک مستقل اور اثباتی کیفیت [illegible] یہی احساس ہے کہ [illegible] الفاظ میں ایک ایسے نظام کے بارے میں [illegible] جس نے [illegible] عراقی [illegible] نظر کر رہا ہے [illegible] نقطۂ نظر زندگی کے [illegible] احتشام صاحب کی تحریرات نہ پڑھی ہوتیں تو [illegible] دوبارہ جنم [illegible] نہیں کرتا یا پھر [illegible] تسلیم کر لیتا۔

غالب کا شعر ہے ـــ

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

[illegible] احساس ہی نے کم لوگوں میں دیکھا ہے [illegible] بار بار ایسا لگتا ہے کہ احتشام صاحب کے اندر ایک بہت ہی اچھا آدمی چھپا ہوا ہے [illegible] اور اس کی [illegible] ایک افسردگی کی شکل [illegible] جس کا ذکر کرشن چندر کے ناول شکست کے آخری صفحات میں ملتا ہے۔

اب ذرا اس بات کو [illegible] آدمی [illegible] دیکھئے:

[illegible]

اور کوئی حل حاصل نہیں کر سکتے۔ کوشش کرتے کیا اگر وہ دونوں ایک ہی سی مرتبہ بیٹھے باتیں کرتے [illegible]
سننے والے سامنے تماشائی کو ٹال دیں گے۔ تو اس وقت [illegible] پڑھنے کا وقت ہوگا تو [illegible] اور [illegible] سے
پوچھیں گے کہ آپ کسی اور وقت تشریف لائیے گا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن بات کا ایک [illegible] ہیں [illegible]۔

ان سے ملنے آنے والوں کا ایک سلسلہ [illegible] ہے [illegible] زیادہ تر ان لوگوں کی [illegible] جو اپنی کتابوں [illegible] لکھ [illegible] خود ایک سے زیادہ مرتبہ ان سے اس [illegible] بات کی شکایت کی ہے [illegible] دیر [illegible] ان پر [illegible] لکھتے [illegible] ہے کسی نے دی ہیں مجھے [illegible] کمال [illegible] احتشام صاحب [illegible] ہوں گے۔ میں نے اکثر ان سے [illegible]۔

کہنے لگے لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ احتشام سے [illegible] کوئی [illegible] احتشام [illegible] لوگ [illegible] کرتے ہیں سفارشیں کراتے ہیں تو میں کیا [illegible] کیا کر سکتا ہوں؟

اور اس کی گواہی خود میں دے سکتا ہوں کہ میں نے ایک [illegible] وقت [illegible] آباد [illegible] ایک [illegible] کے [illegible] دیکھے ہیں۔

امریکہ جانے سے پہلے ہر شام وہ امین آباد میں [illegible] کی دوکان [illegible] آ بیٹھتے۔ یہاں [illegible] کے دوست ادیب، شاعر اور طالب علم آ کر جمع ہوتے اور موضوعات کے دائرے میں کتابوں سے لے کر [illegible] کے نتائج تک سب کچھ شامل ہے۔ وہ گھنٹوں مقامی سیاست اور الیکشن کے نتائج پر بحث کرتے ہیں۔ یہ [illegible] بے تکلف تو نہیں کہی جا سکتی کیونکہ احتشام صاحب کی شخصیت کھل کھیلنے کی عادی نہیں۔ [illegible] وہ جگہ ضرور ہے جہاں دو گھڑی کے لئے دو چار خوشگوار لمحے گزر جاتے ہیں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ وہاں بیٹھنے والوں کے گرد [illegible] ہر ایک کے لئے احتشام صاحب کے دل میں گرمجوشی اور خلوص کے وہی سرچشمے ہیں جو شاید کسی پسندیدہ ادیب کے لئے ہوں گے۔

ایک اور مثال دیکھئے لکھنؤ یونیورسٹی میں [illegible] شپ کا مسئلہ درپیش تھا۔ امیدوار یوں تو بہت سے تھے لیکن خاص مقابلہ احتشام صاحب اور آل احمد سرور صاحب کے درمیان تھا۔ سرور صاحب [illegible] ہو گیا [illegible] آج تک اگر لکھنؤ یونیورسٹی میں سرور صاحب کسی کو [illegible] برداشت کر سکتے ہیں تو وہ احتشام صاحب ہیں [illegible] اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ نہ جانے کتنی بار میں نے سرور صاحب کی زبان سے یہ الفاظ سنے ہیں اور اس خلوص کا اندازہ کیا ہے جو احتشام صاحب کی رگ رگ میں پیوست ہے۔

یوں تو یہ معمولی سی بات ہے لیکن ایسے موقعوں پر جب انسان خود اپنی مسرتوں کی شکست کا منظر دیکھتا ہے اور اس کے سامنے اپنے مستقبل پر چھاتے محسوس کرتا ہے تو اچھے اچھے تصور پرستوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں [illegible] رشتوں کی [illegible] ہمارے ادب میں نمونہ نہیں پڑی لیکن اس وسعت قلب کی مثالیں کم ہی ملیں گی جب چند لمحوں کے حریف زندگی بھر کے رفیق ہو گئے ہوں۔

یہ چشم مروت احتشام صاحب کے کردار کی خوبی بھی ہے اور خامی بھی۔ وہ [illegible] سے شوق [illegible] ہیں لو تنقید نگاروں کی صف اول میں ہونے کے باوجود ان کا قلم [illegible] کو ذکر کرنے اور ہنگامی شہرتوں کے [illegible] توڑنے میں مزا نہیں لیتا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے دائرے [illegible] اور [illegible] کے ساتھ پکاسو کے آرٹ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ پکاسو ان کا [illegible] ہوتا تب وہ [illegible] اس کی کوئی نکتہ چینی کر پاتے — یہ البتہ بحث طلب ہے۔

چاہے ان کے قلم کے [illegible] نہ ہونے پر نکتہ چینی کر لیجئے لیکن ان کے ہمدردانہ لہجے پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ مروت میں وہ کہیں کہیں اس طرح ہو جاتے ہیں کہ شاید بہت سے لوگ اسے ہضم نہ کر پائیں اسی لئے انہوں نے ہم عصر ادیبوں پر بہت کم لکھا ہے۔ ان کا کام اردو کی تنقید کو ایک نئی نظریاتی بنیاد بخشنا تھا اور ہر چند کہ جو کچھ انہوں نے اب تک کیا ہے وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے جو وہ کر سکتے ہیں اور غالباً صرف وہی کر سکتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] کی بات ٹھیک لگی [illegible] اعتشام صاحب کی [illegible]

[illegible]

[illegible] وخواری ظاہر ہے ۔

اس طرح وہ ایک مسئلہ کا مرکز ہو گئے ہیں [illegible]

[illegible]

اس سے بات کریں گے [illegible] کریں گے ۔

گھریلو زندگی میں بھی اعتشام صاحب [illegible]
ان کے چھوٹے بھائی اقتدار ان کی شیروانی کا کپڑا [illegible]
بہت کم باہر نکلتے ہیں۔ جیسے جب تک ان کے [illegible]
کے جلسے ہیں [illegible]

احتشام صاحب یوں بہت گھریلو آدمی ہیں، ان کا کمرہ [illegible]
بیٹھنے کے [illegible] کوئی کتاب چھپنے کے لئے جاتی ہے [illegible]
کرچکا [illegible] آپ سے [illegible] فلسفۂ جمالیات پر بحث کرتے ہیں۔ [illegible]
منسوخ ہو جائیں گے۔ حالانکہ خود اپنی بیماری کو ہمیشہ ٹالتے ہی رہتے ہیں۔

یہ بیماری جسمانی ہے نہ صرف بقول بشیرہ [illegible] مشکل ہے [illegible]
ان کا مرض ہے لیکن اس کے علاوہ طبیعت کی گرانی، الجھن اور پریشانی [illegible] ایک شام [illegible]
وہاں جامعہ کی طرف سے [illegible] منایا جا رہا ہے۔ [illegible] ۹.۲۰ پر [illegible]
کام تھا۔ چنانچہ بھاگ [illegible] دوخانہ پہنچا۔

گھر کے سامنے رکشا کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر میں اقتدار میاں بستر [illegible] رکشا میں رکھ گیا۔ مجھے تعجب ہوا کہ [illegible] ابھی [illegible]

بہرحال اطلاع کرائی تو قمیص اور پاجامے ہی میں باہر چلے آئے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا:

"آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟"

بولے "طبیعت میں عجب طرح کا خلجان سا ہے۔ کچھ گرانی محسوس ہو رہی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ جاؤں یا نہ جاؤں۔"

اتنے میں اقتدار میاں اور رکشا والے دونوں نے جلدی مچانا شروع کی۔ کہنے لگے:

"میاں اقتدار کیا ۹.۲۰ کے بعد کوئی اور گاڑی نہیں جاتی؟"

اقتدار میاں نے کہا "غالباً ۱۲ بجے جاتی ہے" پھر بھی کوئی ۹.۱۵ منٹ سامان اسی طرح رکشا [illegible] فیصلہ ہوا کہ اس گاڑی سے جانا ضروری [illegible] بہتر ہے

[illegible] دیکھی جائے گی۔ مشترکہ یادگاریں رکھنا زحمت ہے اور ہم بعض باتوں کو [illegible]
وہاں نہیں سکے۔

اب یہ اگر روشنی میں شبہ ہوا کہ جان لینا مفید ہوگا کہ احتشام صاحب جو امریکہ، لندن اور پیرس کے نادر عجائب گھروں میں [illegible] آئے ہیں [illegible] اور شاہجہاں کے امام باڑے اور شاہان اودھ کی آرٹ گیلری دیکھنے کبھی نہیں گئے [illegible] سمجھا جائے یہ دیکھنے کے لئے آتے ہیں لیکن اس [illegible] نے تیر کے انداز میں [illegible] کے مطلب رکھا ہے [illegible] نقاشی سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

لکھنؤ کا کافی ہاؤس اور حضرت گنج یونیورسٹی اور شہر کے سارے جدید ذوق رکھنے والوں کا مرکز ہو گیا ہے۔ شام کو ایک کرنے ہی آل احمد سرور [illegible] پروفیسر [illegible]، پنڈت جواہر لال نہرو کے اخبار نیشنل ہیرالڈ کے ایڈیٹر چیلاپتی راؤ، کبھی کبھی ڈاکٹر رام منوہر لوہیا [illegible] کے سیاسی گروپ اکثر [illegible] تھا مگر احتشام صاحب برس دو برس میں صرف ایک آدھ بار اس محفل میں دکھائی دے جاتے تھے۔

شہر کے سب سے خوبصورت سینما ہال مے فیئر کی روشنیاں جگمگاتی رہتی ہیں [illegible] جانے کتنے [illegible] آرٹ کا ایک مربوط اور برجستہ تصور پیدا کیا ہے، خود میاں یا کسی اور سینما ہال میں کچھ فلم دیکھنے نہیں جاتے۔ یہ وہی احتشام صاحب ہیں جنہوں نے امریکہ [illegible] صرف انگریزی ہی نہیں فرانسیسی، سویڈش اور اطالوی فلمیں بھی تعداد میں دیکھی ہیں۔ یہ وہی احتشام صاحب ہیں جن سے اگر [illegible] موسیقی کا ذکر چھیڑ دیجئے تو گھنٹوں اس طرح بات کرتے رہیں گے کہ آدمی حیرت زدہ ہو جائے۔

امریکہ جانے کا واقعہ یہ ہے۔ انہی دنوں میں لکھنؤ یونیورسٹی میں ایک عارضی جگہ پر شعبۂ اردو میں لکچرار کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ تقرر ہونے ہی کم تھا۔ اتفاق سے جب اس جگہ کے مستقل ہونے کا سوال آیا تو صدر شعبہ اور فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین کی حمایت کے باوجود ایک دوسرے صاحب اس جگہ پر مقرر ہو گئے۔ جس روز اس نتیجے کا اعلان ہوا ہے احتشام صاحب اپنے وطن ماہل ضلع اعظم گڑھ گئے ہوئے تھے۔

تیسرے چوتھے دن واپس آئے۔ میری ملازمت کے آخری دن تھے، میں کمرۂ امتحان میں نگرانی کر رہا تھا۔ دیکھا کہ احتشام صاحب [illegible] سیدھے چلے آ رہے ہیں۔ اداس، خاموش اور رنجیدہ مجھے دو منٹ دیتے رہے۔ میں نے اس لمحے کے لئے محسوس کیا کہ ان کے دل میں میری ناکامی کا کتنا گہرا عکس [illegible] پھر کہنے لگے:

"شاید مجھے امریکہ جانے کے لئے سال بھر کی چھٹی لینا پڑے۔ اس صورت میں ایک عارضی جگہ اور نکلے گی۔"

مجھے اس شاید کی داستان معلوم تھی لیکن اس لمحے میں اس درد مندی سے اس درجہ مبہوت ہو گیا تھا کہ اس کے بارے میں کچھ اور پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ البتہ یہ جانتا تھا کہ امریکہ جانے والوں کے بلانے کے بارے میں طے کر چکے ہیں ہاں ان کو جانے کے بارے میں طے کرنا ہے۔ یہ داستان طویل ہے کہ کس کس طرح احتشام صاحب نے امریکہ کو ٹالنے کی کوشش کی، اپنے کو بار بار یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ جانا چاہتا ہی نہیں [illegible] درخواست بھیجنے میں کیا ہرج ہے۔

اور جب ایک نہ چلی تو یہی ان کو بھی خاصی ذہنی اذیت سے گزرنا پڑا ہوگا۔ انہوں نے امریکہ جانے کا فیصلہ محض [illegible] کے لئے ایک [illegible] کے طور پر کیا۔ جب کوئی ایسا نہ ملا جو اس اقدام کی مخالفت کرتا اور "گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے" دہراتا۔ جب یونیورسٹی نے چھٹی اور قرض دونوں دے دئے، جب راک فیلر والوں نے خاندان کا الاؤنس دینا بھی منظور کر لیا تب کوئی بہانہ ایسا نہ رہ گیا جو [illegible] مطمئن کر سکتا۔ [illegible] کی ایک [illegible] چہرہ مانوس نہیں رہا۔ وہ مسکرا ضرور رہے تھے اور اسٹیشن پر جب ان کو پہنچانے کے لئے ایک ہجوم [illegible] ہو گیا، ان کی گردن [illegible] اتار اتار کر اپنے بچوں کے گلوں میں ڈالتے جاتے تھے اور ایک مسکراہٹ کے ساتھ ان کے گال تھپتھپاتے جاتے تھے لیکن ان کا [illegible]

[illegible] ہیں ۔

[illegible]

[illegible]

جنہیں پہلی بار میں نے [illegible] میں دیکھا تھا ۔

امریکہ سے آنے کے سلسلے میں [illegible] کوئی ظاہری تبدیلی نہیں کی تفصیل ہے [illegible] تھا کہ وہ امریکہ کی [illegible] یونیورسٹی کا مدعو کرکے آئے تھے وہاں کی [illegible] بیان کر چکا ہے وہاں سنسکرت اور خاص طور پر فارسی اردو کے قلمی مسودات [illegible] کی تعداد [illegible] وہاں آئی۔ اے۔ رچرڈس جیسی [illegible] پولیٹیکل [illegible] ہم نے [illegible] ملتے ہیں [illegible] برٹش میوزیم [illegible] ڈاکٹر [illegible] کے مکان، شیکسپیئر کے وطن [illegible] انہیں کی [illegible] جیسے مستشرقین سے ملاقات کی ہے پیرس کے اردو کی زیارت کی ہے لکھنے والوں سے ملے [illegible] فنکاروں کی محفلوں میں شریک ہوئے ہیں۔

ان سب ملاقاتوں اور زیارت گاہوں نے احتشام صاحب کو متاثر ضرور کیا ہے ان کے ذہنی افق میں بڑی وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی ہے۔ [illegible] کا حال بھی صحبت میں ان کی زبانی سنئے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ خود ان دانشوروں سے باتیں کر رہے ہیں [illegible] اور [illegible] کی تمام گاہوں کی سیر کر رہے ہیں۔ چار چھ روز ہوئے ان کا سفرنامہ یادداشتیں چھپ کر آئی ہے اس کے کچھ حصے میں نے غیر مطبوعہ شکل میں سنے تھے میں نے ابھی اس تازہ کتاب ساحل اور سمندر کو ختم کیا ہے۔

اس میں باتوں کی وہ رنگینی کہیں کھو گئی ہے صاف سیدھی سپاٹ باتیں ہیں۔ جی چاہتا ہے یوں کہہ دیجئے کہ احتشام صاحب جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو اپنے اس وجود سے رخصت لے لیتے ہیں جو باتیں کرتے وقت رنگین لب و لہجہ [illegible] سا لب و لہجہ رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کی تقریروں [illegible] لکچر ہو۔ ریڈیو کے لئے بیساختہ لکھے ہوئے مضامین میں اکثر وہ رنگینی، تازگی اور شستہ [illegible] جو ان کی تنقید میں جھلک دکھا کر چھپ جاتا ہے [illegible] شاید اسی لئے کہا ہے کہ تحریر میں اگر وہ کوئی شگفتہ اور رنگین جملہ لکھ جاتے ہیں تو نظرثانی میں اسے کاٹ دیتے ہیں۔

قلم شخصیت کے اظہار میں بڑے پردے قائم کر دیتا ہے اور [illegible] جب احتشام صاحب کا فلسفیانہ قلم ہو اور احتشام صاحب کی شخصیت پردہ خود کو چھپانے میں ماہر ہے تو پھر [illegible] کتاب [illegible] کا ذریعہ ہو جاتی ہے یہ داخلی سفر ضرور ہے جو امریکہ سے زیادہ مصنف نے کبھی کتابوں کی مدد سے اور کبھی [illegible] خبروں کی مدد سے کیا ہے۔ یہاں خارجی تجربوں کی [illegible] امریکہ کے ساحل [illegible] کم ہی [illegible] کا کیف و رنگ نہیں [illegible] کوئی ترجمانی [illegible] ہو جائے گا۔ [illegible] یاد آگئیں

یہاں ساحل بھی ساحل ہی رہتا ہے اور سمندر بھی سمندر۔ اور اس کے امکانات نہیں کیونکہ ان موضوعات پر احتشام صاحب نے اس نکتہ سے بحث کی ہے کہ انھیں ایسا لگتا تھا۔
احتشام صاحب ہمارے ان نقاد شاعروں کے برعکس روایتی تجربوں سے فلسفہ تعمیر پر اصرار کیا ہے کہ نزدیک تنقید محض نظری تجزیہ نہیں [illegible]
بلکہ اس کا عرفانی عمل بھی ہے اور اسی بنا پر نقاد کا زاویۂ نظر بھی ضروری ٹھہرا اور رعب کا حکیمانہ مطالبہ بھی۔ شاید اسی لئے حکیمانہ مطالعہ کی یا [illegible]
اپنے تجربے کی طرف سے گئی ہے۔ "ساحل اور سمندر" ان سطور کے ساتھ ختم ہوتی ہے:

"غیر ارادی طور پر اور تنہا سفر میں میں نے اگر کچھ اور بھی سیکھا تو شاید یہی کہ میں نے احتشام حسین کو سمجھنے کی کوشش کی۔۔۔۔ عجیب انسان ہے۔ متضاد کیفیتوں کا حامل، حقیقتوں سے جد و جہد کرنے کا شائق، خوابوں کے پیچھے دوڑنا اور چھپنا اسے سمندر سے بھی محبت ہے، ساحل بھی عزیز ہے۔ وہ طوفانوں کی خواہش بھی کرتا ہے اور لنگروں کا متمنی بھی ہے۔ بیداری کا جنگاہ ہے مگر اس سے زندگی کے ساتھ بہہ جانا نہیں ہوتا۔ اس کی داستانوں میں سے صرف مطالعہ کرنا یا مطالعہ فقط ہی کافی ہو مشاہدہ اور زندگی کی جد و جہد میں شریک ہو کر تجربے حاصل کرنے کا بدل نہیں ہو سکتا۔ سماجی جانوروں کے لئے کبھی کبھی مجبوری یا محض بھیڑ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس نے اس راز کو نہیں سمجھا وہ خود تارے گن کر کوئی آسمان چھونا چاہتا ہے۔ ایک عجیب سی بوئی محدودیت کی نشانی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ حقیقت کو لوگوں کے بہت سے در کھلے ہوئے دیکھ کر اس سے کچھ کہتا ہو تو اس طرح جیسے اپنے گرد و پیش سے خوفزدہ ہو جائیں۔ جب لوگ دلچسپیوں میں مصروف ہوتے اور وہ پڑھتا، سمندر کی موجوں کو تکتا رہتا تو میرا جی چاہتا کہ یہ کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لوں اور کہوں کہ یہ کھیل کود، یہ تاش، یہ رقص کے ہنگامے، یہ قمار بازی، یہ محض ہنسی کے لئے ہنسی، یہ صرف بات کے لئے بات، محض حماقت تو نہیں کچھ لذت تو حاصل ہوتی ہی ہوگی ورنہ لوگ خوش کیوں ہیں۔ میں نے اس سے کہا بھی کہ یہ سنجیدگی بے محل ہے۔ اس نے خیال کے سمندر میں رہنا بہتر سمجھا۔ رقص کیسا ہوتا ہے؟ چیف کے بہانے دل ملتے ہیں، جسم ملتے ہیں، اگر یہ حاصل ہوتا ہے یہی باتیں سنا سنا کر کبھی کبھی میں اسے چھیڑتا، اس کی الجھی اسی کے فلسفیانہ فکر اور اس کے احساس تنہائی کو دور کرنا چاہتا لیکن مجھ نہ سکا کہ وہ چاہتا کیا ہے۔ غالباً اسے خود بھی اس کا علم نہیں ہے۔ شاید اس میں اتنی گہرائی اور پیچیدگی ہے جس کو وہ بتا نہیں سکتا۔ ایک دن جب میں نے اسے بہت مجبور کیا تو اس نے مسکرا کے مجھے شیکسپیئر کے ڈرامے 'ایز یو لائک اٹ' (As you like it) کا جو قا کیش میرے سامنے کر دیا۔"

"ساحل اور سمندر" صفحہ ۲۶۶

آپ انھیں کے بارے میں جیکس اور روزالنڈ کا یہ مکالمہ پڑھئے۔ مجھے احتشام صاحب کے بارے میں دو چار باتیں کرنے کی اور اجازت دیجئے۔
یہ آخری بات ان کی سیاست کے بارے میں ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ احتشام صاحب ذہنی کے دریچے بند کر کے نہ کبھی کانگریسی ہوئے ہیں نہ کمیونسٹ، ایسے موقع پر بھی جب کمیونسٹ پارٹی غلط قسم کی پالیسی پر کاربند تھی احتشام صاحب نے اپنے توازن اور اعتدال کو نہیں چھوڑا۔ شاید اس لئے کہ وہ ان کی فطرت کا دوسرا نام ہے۔ اس غلط پالیسی کے زمانے میں وہ علم و دانش کے اداروں میں رہے۔ مارکسی مصنفین کی کانفرنس میں شرکت کرتے رہے لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ مجھے ان کی سیاست سے الجھن ہوتی ہے۔ ادب بھی ایک محبوبہ ہے جو سوکن کو برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ احتشام صاحب کی شخصیت جو سیاست اور امریکہ اور روس کے مناقشوں، ہنگاموں اور اس کے دھندوں میں گم ہو جاتی ہے اپنے جمالیاتی شعور کے ساتھ ابھر کر سامنے آئے۔ اب "ساحل اور سمندر" کو لیجئے۔ یہاں بھی یہ سفر ایک حسن پرست ادیب سے زیادہ واضح اشتراکی رجحان رکھنے والے سیاست داں کا سفر [illegible] جیسی غیر ادبی کتاب کا تذکرہ کی فکر میں ہے۔ God that failed کبھی ایسا لگتا ہے جیسے وہ ادب کے

[illegible] کی انسانیت کے [illegible] سے [illegible]۔

[illegible] احتشام صاحب سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

احتشام صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

مگر کیا ان سب باتوں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]!

اختر حسین رائے پوری

دیویندر ستیارتھی

- حسن و عشق کے گیت تو بہت ہو لئے۔ بغاوت کے گیت ہوں تو نکالئے اپنے جھولے سے!

- تو آپ نے مجھے کوئی مداری سمجھ لیا؟ جب چاہوں اپنے جھولے سے بے موسم کا پھل نکال کر پیش کر دوں۔

- بہت خوب۔ لیکن بغاوت کے گیتوں سے میرا کیا مفہوم ہے، یہ شاید آپ نہیں سمجھے۔

- ارشاد۔

- میرا اشارہ کسانوں کے ان گیتوں کی طرف ہے جن میں انھوں نے قسمت کا رونا رونے کی بجائے اپنے قدموں پہ کھڑا ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہو، جن میں ہمیں اُن کے وہ تیور نظر آ سکیں جو اپنے اقتصادی حالات پر غور کرنے والے کسی شخص کے چہرے پر اکثر دیکھے گئے ہیں۔

- لوک گیتوں میں ایسے گیتوں کی بھی کمی نہیں۔

- تو فی الحال ایسے گیتوں کو منظرِ عام پر لائیے۔ اُن کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے۔ خالص شاعری کے نقطۂ نظر سے تو دوسرے گیتوں کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ لیکن جہاں تک ادب کی افادیت کا تعلق ہے، ہمیں کسانوں کے ایسے گیتوں کو ترجیح دینا ہوگی جن میں وہ اپنے کھیتوں کے بارے میں کچھ کہتے ہیں، اپنے قرض چکانے کی بات سوچتے ہیں، زمیندار کی غلامی سے آزاد ہونے کے لئے آواز بلند کرتے ہیں۔

گفتگو کے یہ نقوش آج تک دھندلے نہیں ہوئے۔ اگرچہ یہ گفتگو بیس برس پیشتر ہوئی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب اختر حسین رائے پوری کلکتے کے ہندی ماہنامہ "وشومتر" کے مدیرِ اعلیٰ تھے اور میں اس خیال سے دفتر وشومتر پہنچا تھا کہ کسی طرح ایک مضمون کی پیشگی مزدوری مل جائے اور اس سے دارجلنگ تک، نہیں تو بیچ رستے تک کا ٹکٹ لیا جا سکے۔

میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ادیب نے مجھے ادب کے اقتصادی پہلو سے اتنی شدت سے روشناس کرایا۔ اختر حسین نے وعدہ کیا کہ وہ وشومتر کے مالک مول چند سے کہہ کر میرے لئے دارجلنگ کے کرائے کا انتظام کر دیں گے۔ میرا مضمون انھوں نے وشومتر میں چھاپنا منظور کر لیا۔ لیکن بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ لوک گیتوں کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے ادب کے گہرے مطالعے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے مجھے گورکی کے افسانوں کا اچھی طرح جائزہ لینا چاہئے۔

[illegible] لکھے ہیں [illegible] تھے [illegible] لیکن [illegible] ساتھ [illegible]
[illegible]:

"[illegible] میں [illegible] پیدا [illegible] ہوئے [illegible] سے [illegible]
سکتا ہے [illegible] حال اُتنا ہی"

"یہ تو آپ نے [illegible] رکھے [illegible]"

"[illegible] میں [illegible] آتے [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] سے [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] شروع ہوئی [illegible] تھے [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کرتے [illegible]
[illegible] [illegible] آپ [illegible] [illegible] کے بول [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
اپنے دور سے [illegible] انھوں نے [illegible] [illegible] سے [illegible] تھے
[illegible] [illegible] [illegible] تھے۔ انھوں نے مسکرا کر
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کرتی ہے [illegible] ہوتی تھی۔ [illegible] سے [illegible]
اسی لگاتی تھی۔ جیسے [illegible] کمال سے آتی ہے۔"

"مگر! تو تیسرے اور چوتھے مکان کا حال بھی بتا دیجیے:"

تیسرے مکانوں کے بہت بڑے صحن میں روز مرہ کا منظر دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔ مالک مکان نے یہ قاعدہ بنا رکھا تھا کہ وہ جمعرات کی شام کو اپنے ہاں آنے والے بھکاریوں کو ایک ایک ادھیلا دے گا۔ میں اپنے برآمدے میں کھڑا ہو کر اُن لنگڑے لولے [illegible] بھکاریوں کے جمگھٹ کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ [illegible] یہ منظر دیکھنے کے بعد [illegible] میری طبیعت پریشان رہتی تھی۔ مجھے ان سرمایہ داروں سے نفرت ہو گئی۔ جو دان دینے کا ڈھونگ رچانے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اب سنیے چوتھے مکان کا حال۔ اس کے سامنے ایک پرولتاری ہوٹل تھا جہاں صبح سے لیکر آدھی رات تک تندور پر روٹیاں پکا کرتی تھیں۔ ہوٹل کا [illegible] تندور کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھا اپنے ہاتھوں سے تندور میں روٹیاں لگایا کرتا تھا۔ اُس کا اپنا حساب تھا۔ کٹھڑی سے گندھے ہوئے آٹے کی ایک خاص مقدار نوچ کر پیڑے پر رکھتا اور بیلن کی مدد سے گول شکل دیتے ہوئے اٹھا لیتا اور دونوں ہاتھوں میں [illegible] کے بعد تیزی سے تندور کے اندر تھاپ دیتا۔ دھماکے کے ساتھ تندور میں روٹی تھاپنے کے بعد [illegible] سینہ پر پونچھتا اور پاس رکھی گڑگڑی اٹھا کر ایک کش لگا لیتا۔ اس پرولتاری تندور والے کی ڈیوٹی دن بھر [illegible] رہتی تھی۔ [illegible] یہاں میرا یہ حال ہے کہ اُس کی ہر تھاپ کے ساتھ گویا میرے دماغ پر چوٹ پڑتی ہے۔ اُس کے آٹے کے گولے کی تھاپ میرے سر کے اندر [illegible] کی مانند گونج جاتی ہے۔ بیٹھنے کا نہیں [illegible] بات سن کر ابھی بس یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ روٹی پر [illegible] اس طرح گونج اٹھتی ہے جیسے کلاس [illegible] کی [illegible] دماغ کے [illegible]

کسانوں میں کالکی رہتی ہے:

اس پر ملقہ زور کا قہقہہ پڑا اور اختر حسین نے بات کا رخ کسی قدر بدل کر میرے اس مضمون کی تعریف شروع کر دی جو میں نے اعلیٰ حسب ہدایت وشورت کیلئے جمع کر دیا تھا۔ وہ یہ کہہ کر سمجھتے رہے کہ لوک گیتوں کے آئینے میں ہی ہم اس دور کے فلسفے کو دیکھنا چاہتے اور اپنے عوامی ادب میں عوام کی روح اور معنی چاہیئے جو ان کی اقتصادی کشمکش کی یاد دلاتی ہے۔ میرے مضمون کا وہ گیت انہیں خاص طور پر پسند تھا: جس میں بنگال کا کسان اپنے اللہ سے شکایت کرتا ہے کہ ندی میں سیلاب آگیا اور زیادہ بارش ہونے سے اس کی فصل تباہ ہو گیا اور اب وہ اپنی بیوی کیلئے زیور بنا کر دینے کا وعدہ پورا نہ کر سکے گا۔ اگرچہ اختر حسین ایک ہی سانس میں کہہ گئے تھے کہ محض اللہ سے شکایت کرنا تو کافی نہیں ہے کسان کو چاہئے کہ اپنے ہاتھوں اپنی قسمت بنانے کا کوئی نیا طریقہ کرے۔

باتوں باتوں میں اختر حسین نے اس واقعہ کا ذکر کیا جب وہ ایک بار اپنی پتلون کی کریز بچاتے ہوئے اپنے گھر کے سامنے والے ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے کہ راستے میں ایک بھکاری نے ان کا بازو پکڑ لیا۔

[illegible] میری پیٹھ پر تو واقعیت فوراً بیدار ہو گئی تھی۔ انھوں نے کسی قدر سنجیدہ ہو کر لکھنا شروع کیا۔ "میں اسے زور دار دھکا دے کر پرے کر دینا چاہتا تھا کہ ہاتھ روک لیے۔ بے وہ بیچارہ ہو گئے۔ اس کے ہاتھوں کو لقوہ مار گیا تھا اور وہ لگا تار تھرتھرا رہے تھے۔ اس کے بازو میں روٹی کے ٹکڑے دبے ہوئے تھے۔ اس میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ خود روٹی کھا سکے۔ تب سمجھ لیا کہ وہ صرف یہی چاہتا ہے کہ میں اس کی روٹی اُسے کھلا دوں۔ کلکتہ جیسے شہر میں جہاں بھکاریوں کی کوئی کمی نہ تھی، میرے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ میں اپنے ہاتھ سے اسی بھکاری کو اس کی روٹی کھلا سکوں۔ میں اس کے منہ میں لقمہ دیتا جارہا تھا اور وہ بیچارہ لقمے بنا چبائے نگل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ میرے لئے واقعی یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کا مجھ پر گہرا اثر ہوا اور میں جی جان سے اس نظام سے نفرت کرنے لگا جس کی بدولت سیکڑوں ہزاروں لوگ بھکاری بننے پر مجبور رہتے ہیں۔"

اسی روز مجھے اختر حسین کا ایک مضمون پڑھنے کا موقع ملا جو کچھ دن پہلے وشوبھارتی میں شائع ہوا تھا۔ اس ڈائری نما مضمون میں ایک جگہ انھوں نے لکھا تھا:

• چاند کسمت پھر ریل کا سفر۔ میری زندگی ڈرائیونگ ماسٹر کی پکار یا پٹواری کی جریب کی مانند ہو گئی ہے۔ میں تنگ کی سند باد جہازی ہو گیا ہوں۔ لیکن نہ کہیں سونے چاندی کی بارش ہوتی ہے اور میں ان کی تلاش میں اپنی بُری حالت کو بد سے بدتر بناتا جاتا ہوں۔"

اس مضمون میں آگے چل کر اختر حسین نے ملک کی سماجی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا۔

میرا جسم ہی بیمار نہیں، میری روح بھی بیمار ہے۔ یہ جگہ کوڑے کا ڈھیر ہے جس میں تعلیم کی روشنی سے کیڑوں کی طرح اچھے انسان کلبلا رہے ہیں۔ ان کے بیچ میں میری روح جگنو کی طرح کبھی جلتی ہے، کبھی بجھ جاتی ہے۔ میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن دنیا میرے لئے یا تو بہت تنگ ہے یا اتنی بڑی کہ اس کی کشمکش میں گھن کی طرح میں پسا جا رہا ہوں۔ کچھ دنوں سے پھر دل کی دھڑکن شروع ہو گئی ہے۔ کل پڑھتے پڑھتے یک دم میرے ہاتھ تھرتھرانے لگے، دل چکی کی طرح گھومنے لگا۔ کان بھائیں بھائیں کرنے لگے، چہرہ خون کے دباؤ کی تیزی سے سرخ ہو گیا۔ میں نے سانس روک لیا کہ کہیں اس دھڑکن میں رک ہی نہ جائے۔ ایسا دورہ کبھی نہ پڑا تھا۔ پھر ردِعمل سے ہاتھ پاؤں نڈھال ہو گئے۔ اندھیرا اور سناٹا۔"

اختر حسین ایک ضروری کام سے باہر چلے گئے تھے۔ میرے ہاتھ میں اُن کا مضمون تھا۔ انھوں نے لکھا تھا،

• کیا انسان روٹی کمانے اور کھانے والے حیوان کے سوا کچھ نہیں؟ کیا یہی زندگی کا مفہوم اور اختتام ہے، کیا یہی اس لفظ کا آخری مفہوم ہے؟ اگر کام کرنے اور جینے میں کوئی فرق نہیں تو میں ہرگز کام نہ کروں [illegible] بندوں کے پیچھے اور بھاگ دوڑ پکار کر سکتے ہوئے بنا لے مجھے

[illegible] ضرورت ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خوب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ادب اور انقلاب میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

مستقبل [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نے کہا: آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم کسانوں اور مزدوروں کے لئے لکھنا چاہتے ہیں تو [illegible]

معنی ہے؟

آپ نے میرا [illegible] کسانوں اور مزدوروں کو تو ہمیں یہ بتلانا ہے کہ یہ [illegible]

اس کے بعد بات کا رخ بدل کر [illegible] اپنی زندگی [illegible]

[illegible] چاہتے ہیں۔ میں نے ہنس کر کہا: تو مجھے بھی بتائیے نا!

آپ ٹھیک [illegible] رہے ہیں۔ انہوں نے ہنس کر کہا: آپ کو میں [illegible]

گیتوں [illegible] کی آواز سننے تک ہی اپنی پوری طاقت نہ لگا دیجئے۔ میرا مطلب ہے [illegible] اور میرا

تو خیال ہے کہ آپ کا کام اسی صورت میں مفید ثابت ہو سکتا ہے!

کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھتے کہ میں خواہ مخواہ مارا مارا پھرتا ہوں ان گیتوں کی تلاش میں!

ابھی لوک گیتوں کے سامنے تو میرا سر جھک جاتا ہے! اور جو شخص مختلف زبانوں کے لوک گیتوں کو ایک ساتھ ہمارے سامنے لاتا ہے اور ہمیں

اپنے ملک کے تمدن کی رنگا رنگی کے باوجود اپنے تمدن کی ہم آہنگی سے روشناس کراتا ہے اس کا ہمیں ممنون ہونا ہوگا!

اس ذرہ نوازی کے لئے شکریہ ادا کر کے میں چلا آیا۔

اس کے بعد کلکتے میں اختر حسین سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مجھے یہ پتہ چلتے دیر نہ لگی کہ اختر صاحب نے دشمنوں کی نظروں سے بچنے کے لیے اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں علی گڑھ یونیورسٹی میں جا چکے۔

میں بھی کلکتے سے کشمیر جا پہنچا۔ اور کشمیر میں تین مہینے گزارنے کے بعد میں نے پشتو لوک گیتوں کے سلسلے میں پشاور کا کام لیا۔ اس عرصے میں اختر حسین کی کوئی خبر نہ ملی۔ جب بھی کبھی کوئی "مڈل کلاس ٹریجڈی" کے موضوع والا گیت ملتا، اختر صاحب کی یاد ہو آتی۔ آخر میں نے "وشال بھارت" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر برج موہن ورما کو لکھا کہ اختر صاحب کے بارے میں پوچھ تاچھ کریں۔ ورما جی نے مجھے اس خط کی جو سطریں لکھ بھیجیں جو اختر صاحب نے ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء کو لکھا تھا: "پچھلے چار مہینے کیسے بیتے؟ اس کا حال سنئے۔ اکتوبر میں علی گڑھ یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر نے کہا کہ آپ خوشی سے بوریا بستر اٹھا لیجئے گا۔ تو ٹکے سے جواب دے گا؟ اچھا یہی سمجھا کہ ابھی اخباروں کی چیپ پبلسٹی سے بچا جائے۔ کانگریس کا سیشن لگنے والا تھا۔ ہم بھی خود اپنے گشتی نامہ نگار بنے وہاں جا پہنچے۔ اگر حضرتِ دل .... ہائے وہ دل جی! اس دل نے کہیں کا نہ رکھا! صحت کیسی ہے، یا نہیں یہی معلوم کرنا ہے؟ بس صاحب ہم وہاں قریب قریب مر چکے تھے کہ ڈاکٹر انصاری تک پہنچ ہوئی۔ نسخہ ملا مگر اس نے ایک فاقہ کر دو مہینے چپ چاپ پڑے رہے۔ ہر تیسرے روز انجکشن ... سے ... انجکشن دیئے گئے ہیں۔ دل سے شاید بہت دنوں کے لئے چھٹی ملی۔"

ورما جی کے خط سے مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ علی گڑھ یونیورسٹی سے نکالے جانے کے بعد اختر حسین کچھ دن دلّی میں فاقہ مستی میں گزارنے پڑے۔ اور پھر اسی پریشانی میں وہ لاہور جا پہنچے۔ لاہور سے انہوں نے ورما جی کو خط لکھا:

پیارے ورما جی!

آپ کو یاد ہو گا کہ ہندوستان میں اختر نامی ایک آوارہ بھی رہتا تھا۔ اب وہ مداری کی جریب کی مانند زمین ناپتا لاہور چلا آیا ہے۔ علی گڑھ، بمبئی، دلّی .... کہیں بھی اسے آرام نہ ملا۔ اس بیچ میں برابر بیمار رہا۔ یہاں تک کہ آگرہ مدّت سے نظر تو آ رہا ہے۔ ان دنوں "اردو" اور نگار کا کچھ کام کرنے لگا ہے۔ شاید دو چار ماہ کچھ صحت ہو جائے۔ کہیں ہوں جی۔ جی میں ہے بنارس واپس چلے جائیں تو میری بہنیں کہہ کر یہ شعر سنا دیجئے حالانکہ وہ دونوں بےچارے تو حسن یا عشق سے کوئی واسطہ نہیں۔

کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

اگر آپ اب بھی میرا مول اتنا سمجھتے ہیں کہ وشال بھارت مفت بھیج دیا کریں تو امیر منزل علی گڑھ کا پتہ بدل کر لاہور کا پتہ کر دیجئے۔ بہت دنوں تک یہیں رہنے کا ارادہ ہے۔

اُمید ہے آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے۔ جو یاد کرتے ہوں انکو دھنیہ باد، جو بھول گئے ہوں انکا بھی شکریہ۔

آپ کا

اختر حسین رائے پوری

اس کے بعد ایک عرصے تک کسی دوست کے خط سے بھی اختر حسین کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ مستقل طور سے انجمن ترقی اردو کے بلاوے پر حیدرآباد چلے گئے ہیں۔ ادھر میری بھی مسافرت قائم رہی۔ مئی ۱۹۳۶ء میں جب میں کلکتے میں تھا اور جنوبی ہندوستان اور لنکا کی جاترا میرے پیشِ نظر تھی، میں چاہتا تھا کہ حیدرآباد جا کر اختر حسین سے بھی ملاقات کروں گا۔ لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ اختر حسین تو نظام سرکار کا وظیفہ لے کر پیرس چلے گئے ہیں۔ اور اب وہاں سے ڈی لٹ لے کر ہی واپس آئیں گے تو جہاں مجھے یک گونہ خوشی ہوئی وہاں یہ سوچ کر افسوس بھی ہوا کہ اب نہ جانے کب اپنے اس دوست سے ملاقات ہو گی جس نے [illegible] "مڈل کلاس ٹریجڈی" کے نظریئے سے لوک گیتوں کے پس منظر کو سمجھنے

[illegible] کے نزدیک پسندیدہ شاعر ٹیگور [illegible] کی طرف راغب کیا تھا۔
[illegible] جب [illegible] ایک کتاب لکھنے [illegible]
[illegible] مجھے [illegible]
[illegible]

[illegible] افسانوں [illegible] مجھے [illegible]
[illegible] ۱۹۳۶ء میں [illegible]
بہت خوش نظر آتے تھے [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

تم نے [illegible]

ہمارے [illegible] اس کا بھی [illegible]
[illegible]
سیدی کو اس کی خبر بھی نہیں [illegible] میں جا بھی کیسے سکتا تھا [illegible] ساتھی شکیلہ [illegible]
[illegible] نہیں تو پہلے [illegible] کی شادی کر دی!

خیر وہ پہلی [illegible] ہم لوگ ریڈیو سنتے [illegible] مختلف علاقوں کا ذکر بار بار [illegible]
[illegible] درخواست کرتا۔ بیگم اختر حسین [illegible] ہم لوگ کیسی بھی جلی کٹی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ [illegible]
ہی وصیت تھی۔ ایک [illegible] حال [illegible] ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ایک بالوں والا ایک دبلا پتلا [illegible] اپنے میزبان سے [illegible]
شاید بیگم اختر حسین کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اختر صاحب نے بیگم اختر کو مرعوب کرنے کیلئے بتایا کہ جو شخص آج ان کے [illegible] مہمان کے طور پر موجود ہے اس نے
اپنے پیروں سے ہندوستان کی دھرتی ناپ رکھی ہے اور بھی بہت سے تعارفی جملے، وہ ایک ہی سانس میں کہہ گئے۔ [illegible] اپنی تعریف سن کر مجھے نہ خوشی
نہ ہوئی۔ اگرچہ [illegible] بہت پھٹے حال تو نہ تھا۔ لیکن اپنا [illegible] حال دوست کے [illegible] ڈرائنگ روم میں مجھے یہ لباس واقعی بہت بدزیب [illegible]
میلا نظر آنے لگا۔ کبھی میں اپنے دوست کی طرف دیکھتا اور کبھی اپنی طرف۔ کلاس [illegible] سے میرے سامنے اجاگر ہو گئی
تھی۔ بار بار میرے ذہن میں یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ کیا اختر صاحب اور میں ایک ہی کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے دوست سے یہ سوال پوچھنے کی ترغیب
نہ ہوئی کیونکہ وہ تو بہت دیر سے گورکی کی آپ بیتی کی تعریف کئے جا رہا تھا۔ جس کا ترجمہ اس نے بڑی خوبی سے اردو ادب کی نذر کیا تھا۔ میرے
دوست کی بات میں ایک طرح کا رئیسانہ تپاک موجود تھا۔ لیکن جب بھی میری نظر اپنے لباس کی طرف جاتی جب بھی مجھے اپنی بے آسودگی کا خیال آتا مجھے
یہ محسوس ہونے لگا کہ اختر صاحب تو وضعداری میں آج بہت کمال کر رہے ہیں۔ اس وضعداری میں اگر کسی چیز کی کمی کھٹک رہی تھی تو وہ تھی اپنائیت کی

کی معلوم ہوتا تھا کہ ان مسائل و افتخار [illegible] کا گھر ہے۔ وہاں آکر ایسے ہی کسی گھر میں اپنی دنیا بسانے کا آرزو میں جینا [illegible] دیکھ سکتا۔

یہ حضرت [illegible] سے کا سید [illegible] ہو گئے ہیں۔ شام کو چائے پر اختر صاحب نے بیگم اختر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: بادامی صاحب [illegible] کا اختر صاحب ہمارے اسی کسی کی ذکر نہیں ہوسکی۔ [illegible] تصورات۔ [illegible] کا واضح مقصد ہے ان کے سامنے۔ یہ واضح مقصد سامنے رہتا تھا کہ یہ شخص تھا کہ جو سیل سے [illegible] کی تلاش میں [illegible] بھاگتا پھرتا۔ گر ان کی طرح ہی ان کی زندگی بھی [illegible] ہے۔ ان کے مشاہدے اور [illegible] کی مجھ پر [illegible] سکتے ہیں۔ [illegible] کر جو لفظ مجھے ان کے مضامین میں نظر آتے ہیں ان سے بہر صورت [illegible] میں۔ [illegible] [illegible] نہ —

[illegible] مجھے [illegible] ایک دوست کی۔ ان سے کہی کہی لیکن اتنی تعریف مجھ سے برداشت کی جا سکتی ہے؟

اسی شام میں نے اپنا ایک [illegible] افسانہ [illegible] انہیں پڑھ کر سنایا۔ میں نے انہیں بتایا کہ [illegible] کی ایک [illegible] سے [illegible] تذکرہ [illegible] افسانہ لکھنے کا [illegible] ہوا تھا۔ یہ ایک اور افسانہ "[illegible]" جو میری اپنی زندگی سے تعلق رکھتا تھا۔ [illegible] [illegible]۔ [illegible] صاحب کی [illegible] معلوم [illegible] میں نے دونوں افسانے ایک ساتھ پڑھ کر سنا ڈالے تھے۔ میری حیرت کی حد نہ رہی جب انہوں نے مجھے [illegible] اور میری [illegible] افسانے سے [illegible] پڑھنے والے [illegible] لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب انہوں نے مجھے [illegible] دنیا میں [illegible] ہی [illegible] سید عابد [illegible] ذکر کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا "شاید آپ [illegible] [illegible] ہے [illegible]۔

"[illegible] سے [illegible] ہے۔ وہ [illegible] مولوی [illegible] لیکن میں [illegible] عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ [illegible] کے [illegible] نہ [illegible]:

میں نے عرض کیا [illegible] آپ [illegible] فرما رہے ہیں۔ مجھے اپنے [illegible] کام کر کے [illegible] چاہئے۔ جو بات [illegible] کرنے سے [illegible] [illegible] اور دوست [illegible] لکھ رہا [illegible] دنیا سے [illegible] کر جاؤں گا اور خدا کے دربار میں مجھے آواز پڑے گی [illegible] افسانوں والا [illegible] کہ [illegible] جائے گی۔

خیر اس وقت تو [illegible] بات آئی گئی ہو گئی اور میں لاہور لوٹ آیا۔ یہ کچھ عجیب بات ہوئی [illegible] کی طرف میرا رجحان زیادہ سے زیادہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ مجھے یہ [illegible] کہ [illegible] افسانے کہیں شائع ہو جائے اور پھر دوسرا افسانہ لکھا جاتے [illegible] اور [illegible] [illegible] افسانوں نے پیچھے دبا لیا۔

ایک دن دلی سے اختر صاحب کا خط آیا کہ وہ جہاں [illegible] ایک ماہنامہ شائع کر رہے ہیں۔ انہیں [illegible] اور [illegible] بھیج دو۔ چنانچہ وہ افسانہ میں نے انہیں بھیج دیا لیکن بدقسمتی سے نہ وہ یہ ماہنامہ شروع کر سکے اور نہ یہ افسانہ ہی واپس کر سکے۔ میں نے کئی بار لکھا بھی انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ ہمارے ڈاکٹر اختر حسین صاحب بھی اب بہت سے دوستوں کی طرح بڑے آدمی بن گئے ہیں وہ کلاس [illegible] والی [illegible] بھول گئے ہیں۔ خیریت ہوئی کہ میرے پاس میرے اس افسانہ کی ایک نقل موجود تھی۔ ایک مدت کے بعد وہ افسانہ کہیں جا کر ادب لطیف میں شائع ہوا۔ میرا دوسرا کوئی افسانہ بھی لکھے جانے کے اتنی دیر بعد شائع نہیں ہوا تھا۔ جب یہ افسانہ شائع ہوا تو میں نے ادب لطیف کے اس شمارے کی ایک کاپی خط کے ساتھ اختر حسین صاحب کو بھی بھجوائی۔ انہوں نے اب کے بھی کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے سوچا میں نے ایک دوست کھو دیا لیکن میں نے بھی ناراض نہ ہونے کا قصد کر لیا تھا۔

چار پانچ سال کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب میں لاہور سے دلی چلا آیا تو میں نے دیکھا کہ اختر صاحب ہند سرکار کی ایجوکیشن منسٹری میں ڈپٹی سیکرٹری

کے بعد سے پاکستان میں [illegible] ایک [illegible] تو [illegible] گیا تو [illegible]
[illegible] جا رہا ہے

[illegible]

[illegible] ہو گیا [illegible]

[illegible] سب سے [illegible]

[illegible] ہوتا؟

[illegible] تو آپ سے [illegible] کی ترکیب [illegible]

[illegible] سے تعلق [illegible] کے [illegible] سب [illegible]
زبان میں [illegible]

"آپ تو [illegible] جا رہے ہیں!"

[illegible] میں [illegible] تو [illegible] صرف [illegible]
[illegible] آپ [illegible] کے [illegible] سے [illegible]
[illegible] بات [illegible] سے [illegible]
[illegible] کے [illegible] جو [illegible]
[illegible] سے [illegible] کی [illegible] سے اپنے خیالات [illegible]
[illegible]

"ایسی کوئی چیز آپ کی نظر میں؟"

"[illegible] ہے [illegible] سے [illegible] جب کسی [illegible]
ہے تو طبیعت [illegible] جو کچھ لکھتا [illegible] پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں"

"[illegible] شخصیت [illegible] آپ [illegible]"

"[illegible] آپ [illegible] سے [illegible] آپ کی [illegible] سے [illegible]
[illegible] شخصیت [illegible] سے [illegible]
کے ساتھ [illegible] ہے"

[illegible] مجھے ان دنوں [illegible] کرنی پڑی [illegible] سے [illegible] بھی [illegible]
[illegible] اسی [illegible] سے [illegible] زندگی کی [illegible]
کا مقابلہ کرنے [illegible] مجبور [illegible] اس دفتر میں [illegible]

جب ملک کی تقسیم کا معاملہ [illegible] تو [illegible] ہندوستان ہی میں رہنے کو ترجیح دیں گے لیکن میری حیرت کی کوئی
حد نہ رہی جب مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے پاکستان میں جا کر رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ [illegible] میں تو ہم [illegible] کیا سکتے تھے۔ یہ ان کا اپنا انتخاب تھا، ان کا
اپنا فیصلہ تھا۔

ملک کی تقسیم ہوئی تو اختر حسین بھی پاکستان چلے گئے۔ بی۔ سی۔ بسر کیا اب شاید ان کا کوئی پتا ہی حاصل نہیں ہوگا۔
اختر حسین کے پاکستان چلے جانے پر مجھے بڑی حیرت نہ ہوئی کہ وہاں جا کر لکھنے کی رفتار تیز کر سکتے۔ لیکن اس کا مجھے قطعاً علم نہ تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔
پاکستان میں شائع ہونے والے رسائل میں اختر حسین کا کچھ کہیں نظر آ سکے۔ اس کے لئے میں بے طرح ترس گیا۔ ادارہ نقوش کے ... میں اپنے دوست کا پتہ اور اس کی تازہ ترین تحریر کا کوئی نمونہ ڈھونڈ نکالنے کا جتن کیا۔ لیکن جب کہیں اختر حسین کا ذکر تک نہ ملا تو شدید مایوسی ہوئی کہ اب اختر حسین نے لکھنے کی طرف سے بدرجہ منقطع ہو چکے ہیں سے زیادہ ... سوچ بیٹھا ہے کہ وہ پھر سے قلم اٹھانے لگیں گے کئی بار دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ انھوں نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا لیکن لاکھ سوچنے پر بھی اس کا جواب نہ مل سکا۔

کئی سال کا عرصہ بیت گیا۔ تب مزید پتہ چلا کہ اختر صاحب پاکستان کی انفارمیشن منسٹری میں کام کر رہے ہیں لیکن نہ کسی نے انہیں خط لکھ سکا۔ نہ کبھی ان کا خط آیا۔ میں انہیں یہی خط لکھ سکا کہ میں بھی ادھر کئی برسوں سے ہندوستان کی پبلیکیشنز ڈویژن میں۔ ہندی آج کل کی ادارت کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں اور میں قریب قریب قلم سے کام لئے جا رہا ہوں۔

۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کی بات ہے میں اپنے دفتر کے کمرے میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ اچانک میری نگاہیں اٹھی تو دیکھا کہ زینے سے ایک شخص میرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ شخص میری طرف بڑھ رہا تھا۔ جانی پہچانی صورت۔ میں کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص کی طرف بڑھا۔ ہم بغلگیر ہو گئے۔ یہ اختر حسین رائے پوری تھے۔

- کب تشریف لائے اختر صاحب؟ میں نے بے ساختہ پوچھا۔
- دیکھو بھئی جواب نہ دیا۔ وہ بیٹھ نہیں سکتا۔ شام کو انڈیا کافی ہاؤس میں آ جائیے گا۔
- لیکن ایسی کیا جلدی ہے؟ میں نے کہا
- بس ذرا اختر صاحب سے ملنے آیا تھا۔ انھوں نے کھڑے کھڑے جواب دیا۔ سوچا آپ کو اپنے آنے کی اطلاع کرتا چلوں۔ شام کو کافی ہاؤس میں رہوں گا آپ بھی آ جائیے گا۔

وہ جس طرح آئے تھے اسی طرح جلدی جلدی چلے گئے۔ مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہی اختر حسین تھے۔
شام کو نئی دہلی کے انڈیا کافی ہاؤس کی بالکنی میں پہنچا تو اختر حسین اور شمشیر سنگھ نرولا پہلے سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ نئی پرانی بہت سی باتیں ہوئیں۔ اختر صاحب کے چہرے پر ابھی وہی رنگ جھلک رہا تھا جو ہم ان کے چہرے پر آج سے برسوں پہلے دیکھا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنے عہد شباب کا رنگ ابھی تک بچا رکھا ہے۔ آواز میں وہی نکھار۔ آنکھوں میں وہی تبسم۔ چہرے پر وہی دلہن کی سی لاج کا احساس۔ لیکن ان کی باتوں میں بڑی گہرائی آ گئی تھی۔

اتفاق سے بالکونی کے ایک کونے میں مجھے اپنا ایک دوست نظر آ گیا۔ میں نے اسے پاس بلا کر اختر صاحب سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ یہ بھی آپ کے مداحوں میں سے ہیں۔
- بہت خوب! اختر صاحب نے قہقہہ لگایا۔
- میرے دوست نے اپنی بغل سے ایک کتاب نکال کر اختر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس پر اپنا آٹو گراف ہی دے دیجئے۔
یہ پیام شباب کی جلد تھی۔ جسے اتفاق سے میرا دوست اسی روز بازار سے خرید کر لایا تھا۔ اختر حسین نے پیام شباب پر چند الفاظ لکھ دئیے۔ کافی آ گئی تو اختر صاحب دیر تک گرم کافی کی تعریف کرتے رہے۔ جیسے ان میں بھی قاضی نذرالاسلام کی کسی بنگالی نظم کا ذائقہ گھلا ہوا ہو۔ پیام شباب میں نذرالاسلام کی شاعری آپ کو کیسی لگی؟ انھوں نے میرے دوست سے جھٹ پوچھ لیا۔ اس کے جواب میں میرا دوست صرف مسکرا کر رہ گیا۔

[illegible]

آخر مجھ سے رہا نہ گیا [illegible] آپ [illegible]

بہت خوب [illegible] صحیح [illegible] آپ [illegible]

[illegible]

[illegible]

لیکن [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کر دیا۔

[illegible] نقوش کا افسانہ نمبر [illegible] ۱۹۵۲ [illegible]

[illegible] روایت اور تجربے [illegible]

[illegible] ایک جگہ میری نظر رک گئی:

[illegible] کس دور سے تعلق رکھتے ہیں؟

وقار عظیم۔ وہ [illegible] دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

عبادت بریلوی: [illegible] ان کے جتنے افسانے [illegible] مغربی افسانوں سے ماخوذ ہیں —

زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے افسانوں میں [illegible] لیکن یہ کوئی [illegible] بات نہیں [illegible]

[illegible] انہوں نے [illegible] نہیں کی۔

پچھلے دنوں سہیل عظیم آبادی سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ [illegible] صحیح تھی [illegible]

[illegible] پاکستان واپس چلے گئے حالانکہ [illegible] لیکن [illegible]

وقت کم تھا اور انہیں ڈھونڈنا ناممکن تھا۔

اگر ان سے ملاقات ہو جاتی تو میں ان سے یہی عرض کرتا کہ [illegible] نقوش میں آپ کے بارے میں [illegible]

نہیں ہوں۔ میں ان سے کہتا کہ آپ نے ہمارے ادب کی بہت خدمت کی ہے لیکن پھر سے اپنا قلم نہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

اختر اور نیوی

شکیلہ اختر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں نے چاہا ایک شعر سناؤں ہوں تم سب ... کو اس کے معنی بتاؤ۔ دائیں طرف کو ذرا سے جھکے ہوئے ان کے گداز لبوں پہ ایک تھرتھراہٹ سی آ گئی۔

شیشۂ دل کے لئے ہے یہی معراج کمال
تیری غیبت میں بھی جانا تجھے دیکھا کرنا

اور اچانک ایک عجیب سی لطیف حقیقت بجلی کی طرح میرے دل و دماغ پر لہرائی اور اچانک میری نگاہیں آپ ہی آپ جھک گئیں۔ شکیلہ بھیا دنیا بھر کی قدر کرتے رہے اور میں رات بھر یہی سوچتی رہ گئی تھی کہ میری تین سال کی خاموش نگاہوں میں اتنی تاثیر کہاں سے بھر گئی تھی۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ ڈیرہ دون میں ان کی

طبیعت نہیں لگ سکی تھی [illegible] پر شدید گھٹن کی وجہ سے وہ جلد ہی پٹنہ واپس آ گئے تھے۔ [illegible] کا بھی مستقل شوق ہو چلا تھا
اچھا اسٹوڈنٹ کی حیثیت [illegible] کی تعلیم کو کسی طرح سے بھی مکمل کر لینا چاہ رہے تھے۔ علاوہ ازیں [illegible] پھر ان کے منہ سے [illegible]
وہ پٹنہ کے سب سے بڑے پروفیسر اور ڈاکٹر کی رائے۔ نہر ہی نے مکمل طور پر آرام کرنے کے لئے انگوسن کے کنارے [illegible]
ایک بیچارگی حیثیت سے تبدیلی آب و ہوا کی خاطر ہمارے یہاں رہتے تھے سون کے کنارے کچھ مہینے گزارنے کو آ گئے تھے۔ ان کے [illegible]
پانی پینے کو گلاس تک الگ تھا اور ان کے گھر والوں نے بڑی تاکید سے اس بات پر زور دیا تھا کہ ان کا آؤٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں الگ تھلگ رکھا جائے
سامان کے کھانے پینے کی چیزیں دوسروں سے بالکل علیحدہ رکھی جائیں۔ ٹی۔ بی کا کیڑا ابھی تک ملا تو نہیں تھا مگر پھر بھی احتیاط رکھنا ضروری ہے [illegible]
ہو سکے۔ اُن کے اپنے بچوں کا اتنا عزیز [illegible] کے انتقال پر اتنے لاڈ و پیار پر دنیا میں آیا تھا۔ آج ان کی خوش قسمتی ہے ان کے [illegible] مہمان [illegible]
قریہ "پام وہ" کی باتیں بڑی شاندار [illegible] ان کا آؤٹ ہاؤس میں جگہ دی گئی۔ ماموں جان کا چہرہ بھی بڑا افسردہ تھا انہوں نے بچپن میں کتنے پیار سے ان کو اپنی
گود میں کھلایا تھا۔ اور آج جب موت کا سایہ ان کے [illegible] پر منڈلا رہا تھا تو [illegible] کس طرح سے ان [illegible] چاہتے تھے [illegible]
نہیں ملے گا۔ اب جو بھی ہو ہم تو ایک ہی ساتھ رہ کر گزاریں گے۔ اور اماں ابا جان کے اس فیصلے پر بے حد خوش تھیں۔ یہ ستمبر کی شروعات جنوری کی [illegible]
آموں کے باغ۔ شیشم۔ نیم اور تاڑوں کے جھنڈ اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں ان کی نئی زندگی کو پیغام دیتے رہے۔ [illegible]
ہوتے۔ پیڑوں کے [illegible] اونچے سنہرے ٹیلوں میں اب ان کے قدموں کی گنگناہٹ کا پیغام ملتی تھی اور سون کے ساحل پر گھنٹوں اکیلے بیٹھے رہتے [illegible]
تصویروں میں رنگ بھرتے رہتے یا بڑی اچھی اچھی نظمیں لکھتے رہا کرتے تھے اور چاندنی راتوں میں "پام وہ" کے سامنے نہر کے کنارے چپ چاپ
بیٹھے ہوئے [illegible] شیشم کے پتوں میں سے چھن چھن کر چھلکتی ہوئی بے قرار چاندنی کو دیکھتے ہوئے اپنی تازہ کہی ہوئی نظموں کو گنگنایا کرتے تھے انہی دنوں کی
ہوئی نظم کا ایک ٹکڑا دیکھیں بھی تھا۔

دل کی کلی کھلی ہی تھی جو باد خزاں نے آ لیا
نغمے ابھی رسے تھے کہ ساز مرا بگڑ گیا
خندہ ابھی تھا زیر لب آنسو کا ابر چھا گیا
اپنی خوشی کا آفتاب وقت سحر غروب تھا

اور دل کی شاداب فضاؤں، ہرے بھرے باغوں اور لہلہاتے ہوئے دھان کے کھیتوں میں جہاں وہ حیات نو پا رہے تھے۔ تو اسی جگہ میں وہ ایک بڑے ادیب شاعر اور نقاد بھی بن رہے تھے۔ ان دنوں نیاز فتحپوری کا بڑا گہرا اثر ان پر چھایا ہوا تھا۔ بڑے بڑے الفاظ اور رنگین استعاروں کے ساتھ انہوں نے پہلی بار اردو ہی میں افسانے لکھنے شروع کئے تھے۔ جن میں سے کچھ تو بہارستان پٹنہ میں چھپتے رہے تھے۔ اور انہی دنوں ان کا ایک افسانہ "نیا شوالہ" نگار میں پہلی بار چھپ کر بہت مقبول بھی ہوا تھا۔ ان دنوں ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ اور دل کی اپنی بیماری کو اس حد تک بھول چکے تھے کہ گھنٹوں سون میں تیرتے رہتے اور اونچے ریت کے ٹیلوں پر لمبے لمبے قدموں کے ساتھ گھومتے رہتے اور نہر میں دیر دیر تک کشتی رانی کرتے رہتے تھے۔ اور جب اتنے کاموں کے بعد بھی وقت بچ جاتا تو "پام وہ" کے ہرے بھرے لان پر اوندھے منہ لیٹ کر وہ فطری مناظر کی تصویریں بناتے رہتے اور اس کے بعد [illegible] بھی پڑھایا کرتے تھے۔ صحیح معنوں میں انکو اتنا بڑا ادیب اور شاعر اردل ہی نے بنایا ہے، وہ اپنے دل و دماغ میں ادب کا بیج لے کر تو ضرور آئے تھے مگر سون کے ساحل پر ہی ان بیجوں میں سے کونپلیں پھوٹی تھیں اور ہرے بھرے پتے لگنے لگے تھے۔ چھ فٹ کا اونچا قد، دبلا جسم، لمبی گردن اور سیاہ بیک برش کئے ہوئے سیدھے سے بال، وہ سارے لوگوں میں نمایاں طور پر نظر آ جاتے اور لمبے لمبے قدموں والی چال سے وہ دوری سے پہچان لئے جاتے تھے۔ [illegible] کی چمک روشنی اور [illegible] کے بعد بھی جب تک ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی دل کھول کر باتیں کرنے کو جی چاہتا اور جہان

[illegible] ہو گئی تھی۔ ان سے نزدیک ہوتے ہوئے مجھے لگتا تھا میں نے ہمیشہ سے [illegible] محسوس کر رہی تھی ایک ترتیب تھی
[illegible] کے ساتھ ان کی حالت [illegible] عجیب [illegible] اور ادبی ذوق کا [illegible]
[illegible] کے خیالات کا تصادم۔ [illegible]
[illegible] دوسرے سال [illegible] دونوں کا انتقال ہو گیا تھا۔ ہم
سارے لوگ ایک ہی ساتھ ادھر آ گئے تھے وہی گھر ہمارا مسکن تھا۔ [illegible] سب [illegible] کی جتنی بھی
زمینداری اور کاشتکاری تھی سب کی سب [illegible] اختر صاحب [illegible]
زمیندار اور کاشتکار [illegible] کھیت ہی پھیلا ہوا تھا۔ [illegible]
وہ سالہا سال [illegible] آرام سے بیٹھے ہوئے [illegible] دیکھتی [illegible]
[illegible] نے دوسرا کمرہ بھی لیا تھا اور [illegible] شام میں جب [illegible]
میں گزرتے ہوئے [illegible] گھنٹیاں بجنے لگتیں تب ٹھیک اسی وقت [illegible]
گرتے ہوئے [illegible] دھان کی سنہری چمکیلی [illegible] بکھری ہوتیں [illegible] حیران نگاہوں سے دیکھتی [illegible]
کہ وہ [illegible] شعر و ادب کی تفسیر بیان کرنے والا انسان کہاں چلا گیا!

اب ان کی صحت ہر طرح سے اطمینان بخش تھی۔ چند مہینوں کی کاشتکاری کے بعد جولائی سے کالج کھلنے والا تھا۔ میڈیکل کالج میں [illegible] کرنے کے لئے انھوں نے بڑی کوشش کی مگر [illegible] بڑی سختی سے [illegible]
[illegible] اختر صاحب پٹنہ جا چکے تھے مگر جیسے ہی چھٹیاں ہوتیں سیدھے [illegible] چلے آتے اور [illegible] زندگی [illegible]
انہی دنوں [illegible] میڈیکل [illegible] کی تیز [illegible] اور ادب کو گویا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی وہ بڑی حسرت سے کہا کرتے کہ میں نے صرف غریبوں کی خدمت کے لئے ڈاکٹری پڑھنا چاہا تھا۔ مگر اب مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں ادب [illegible] کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ [illegible] کیٹس [illegible] کی تصنیفیں [illegible] سمجھتے تھے۔ [illegible] غالب [illegible] اقبال سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے [illegible] خصوصیت بتاتے اس وقت ان کے الفاظ اور خیالات کی روانی کو دیکھتے [illegible] ہمیشہ یہی محسوس ہوتا [illegible] سمندر کسی [illegible] ساحل سے ٹکرانے کو بے چین ہے۔ [illegible]! [illegible] سمندر کے [illegible] خود بخود [illegible] ایک ایسی [illegible] کسی سمندر کی [illegible] ایک دائرہ سا بنا کر تھوڑی دیر کے لئے اس میں ایک حسن پیدا کر دیتی ہیں۔ [illegible] کیٹس سے محبت تھی۔ اس کی شاعری [illegible] اپنے درد اور غم کی جھلک نظر آتی تھی اور اختر صاحب کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ کیٹس ہی کی طرح ٹھیک [illegible] سال کی عمر میں وہ بھی اس دنیا [illegible] گے۔ کیٹس کا نام اور اس کی [illegible] شاعری ہی ان کے دل میں اپنے مرض کا غم بھر دیا کرتی تھی ویسے اپنی بیماری کا احساس [illegible] کبھی بھول کر نہ ہوا کرتا تھا۔ انہی دنوں میں نے بھی اپنے بچپن سے لکھنے لکھانے کے شوق کو پورا کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور اختر صاحب جس تیزی سے [illegible] صحت یاب ہو رہے تھے اسی رفتار سے میں بھی چھوٹے چھوٹے انشائیے لکھنے کی مشق کر رہی تھی۔ گھر کی [illegible] ادب نواز تھا اور اس پر سے ایک ادیب [illegible] روشنی [illegible] میری امی اور ابا جان کو اختر صاحب سے بے حد محبت تھی گھر کے اندر چھوٹے چھوٹے بچے بھرے پڑے رہتے تھے مگر ایک دن بھی اس گھر میں یہ محسوس نہیں کیا گیا تھا کہ کوئی [illegible] مریض یہاں آیا ہے۔ ڈاکٹروں کا بھی خیال بہت کچھ بدل گیا تھا اسی لئے [illegible] میں ۲۴ مئی کی لکھی ہوئی تاریخ کو وہ میری زندگی میں آ گئے تھے۔ پٹنہ کالج گرمی کی چھٹیوں میں بند تھا اور [illegible] کے اونچے اونچے ٹیلوں کی وجہ سے "پام ولا" کی [illegible] عمارت ایک لٹکتا ہوا تنور بن کر رہ گئی تھی، سارا دن گرمی سے تڑپتے ہوئے گزرتا مگر سورج کے [illegible]

بات کا کھیل تو ابھی شروع [illegible] ہوتا تھا۔

اختر صاحب نے انگلش [illegible] کے پڑھنے کی شان بڑی نرالی تھی۔ انھوں نے جب بھی کتابیں دیکھیں، ایسی ہی صاف اور شفاف ہوتی تھیں، اور مانگنے بھی ہم کبھی نہ پڑھتے تھے۔ ان کو نیچے کلاس میں انگلش کا انگریز پروفیسر بال بہت پسند تھا۔ اکثر وہاں کے کمرے کا نوٹ ہم کو سنایا کرتے تھے اس کی [illegible] سادگی کے معترف اور مداح تھے۔

اکثر چھٹیوں سے پہلے ہی میرے گھر آ جاتے۔ [illegible] "پام ولا" میں آگیا تھا۔ گھر بار پشاور روڈ پر "پام ولا" کے قریب ہی اپنی کوٹھی خرید لی گئی تھی۔ اچانک [illegible] آ جانے والے [illegible] بڑے رنگین اور بہت ہی خوب تھے۔ ایک تو ہم بہنوں کی ہی خاصی تعداد تھی اس پر سے ایک ہی ساتھ چھ سات پانچ لڑکیاں آگئی تھیں۔ [illegible] ہم [illegible] پھر تو پام ولا میں صبح کو نکل جاتے تھے۔ چمن کے شرارتی [illegible] اختر صاحب کی کوئی نظموں [illegible] ان کے ہر مصرعہ پر قہقہے چھوٹ جاتے تھے [illegible] ہم اختر صاحب کے ان مصرعوں پر لہک لہک اٹھتے تھے۔

سبزہ زار شب [illegible] کا ہجوم — سرمئی وادی میں رقصاں ہے غزالوں کا ہجوم
شاعر [illegible] کے رنگین خیالوں کا ہجوم

اور اختر صاحب اکثر ان چھٹیوں میں [illegible] ایک دوسرے [illegible] ہوگئے۔ [illegible] یاد گار [illegible] سب کی سب اختر صاحب کے گرد ایک گھیرا بنائے بیٹھی رہتیں۔ کسی کے ہاتھ میں ڈھولک ہوتا اور کسی کے ہاتھ میں دیوان غالب۔ ہر طرف بس دیوان ہی دیوان نظر آتے تھے۔ [illegible] غالب کا انداز بیان سمجھ آتا اور اقبال کے نغموں میں معانی پر تبصرے ہوتے رہتے۔ اختر صاحب نے ایک خاص شاعرانہ ماحول پیدا کر کے ہمارے [illegible] سے بھر دیا تھا۔ شاعری اور احساس شعریت سے ہم اتنے ہم آہنگ ہوگئے تھے کہ اچانک طور پر [illegible] ایک ہی ساتھ شعر کہنا شروع کر دیا۔ اختر صاحب حیران رہ گئے۔ یہ صحبت کے میٹھے پانی کے کرامات تھے جو ایک ساتھ ایسی لڑکیاں جذباتی شعر کہنے لگ گئی تھیں جو تعلیمی لحاظ سے بے حد کم [illegible] تھیں۔ "پام ولا" پورے طور پر شعر و ادب کا گہوارہ بن کر رہ گیا تھا۔ آدھی آدھی رات تک بیت بازی ہوتی رہتی۔ مصرعہ طرح دیا جاتا شعر لکھے جاتے اور پھر مجلس مشاعرہ منعقد ہوتی۔ صدارت کی کرسی اختر صاحب کے لئے مخصوص تھی اور باری باری عائشہ، شمیم، شکیلہ اختر، عزیزہ، [illegible] رضیہ، [illegible] نفیسہ، [illegible] نسیمہ سب اپنا اپنا کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کرتیں۔ [illegible] مجلس بھی رہتی اور [illegible] پر استقامت رہتے۔ [illegible] رنگینیوں کے ساتھ ساتھ [illegible] پابندی بھی تھی۔ اسلامی خصوصیات [illegible] روشنی ڈالا کرتے اور جمعہ کی نماز پڑھاتے ہوئے بہت ہی شاندار خطبے دیا کرتے [illegible] میڈیکل کالج تک میں ان کی پڑھائی کا ایک اعلیٰ ریکارڈ تھا اور کوئی نہ کوئی وظیفہ ان کو ملتا ہی رہتا تھا۔ میڈیکل کالج میں اسکالرشپ کے [illegible] وہ تبلیغی سلسلے میں چندہ دے دیا کرتے تھے۔ پٹنہ یونیورسٹی میں میڈیکل کالج میں ہی تھے اور [illegible] کا کوچ سمجھا جاتا رہا ہے مگر اسی کالج کے ہوسٹل میں اختر صاحب کے بستر پر مہینوں اس لئے چادر نہ بچھی تھی کہ انھوں نے اپنے ناشتے کے پیسوں کے ساتھ چادر کی قیمت بھی غریب لڑکوں کی فیس میں دے ڈالی تھی اور ان کی غیرت نے صبح کے ناشتے میں چنا چھلا چبا کر کھانا زیادہ پسند کیا تھا مگر گھر والوں کو اس کی خبر تک نہ پہنچنے دی تھی۔ اسی طرح سے جب وہ اور ولی پہنچے تھے تو ہم لوگ ان کے بستر پر کسی بچے کا توشک دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ گھر میں ایک بزرگ ضعیفہ کے پاس توشک نہیں تھا۔ اختر صاحب نے خود قینچی سے کر اپنے توشک کے دو ٹکڑے کر دئے اور وہ توشک اب ایسی صورت اختیار کر چکا تھا۔ ایک دن "پام ولا" میں وہ سارا دن اپنے کوٹ کا گلا بند کئے ہوئے پھرتے رہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ باہر ایک سپاہی کے پاس کرتا نہیں تھا، اختر صاحب نے اپنی قمیص اتار کر اس کو دیدی ہے اور اب اپنا کرتا اس لئے پہنے پھر رہے ہیں کہ اس وقت کوئی دھلی ہوئی قمیص ان کے پاس نہیں تھی۔

اپنی طبیعت، مزاج اور آدرش کے لحاظ سے وہ عجیب و غریب انسان ہیں۔ ساری دنیا کا علم سمیٹ لینے کی تڑپ نے ان کو اچھا خاصا

[illegible] ہوا ہے۔ جب بی۔ اے کرنے کے لئے پٹنہ کالج کے مسلم ہوسٹل میں بھیجے گئے تو [illegible] بی کی [illegible] تھی۔
[illegible] دل کر کشادہ ہو گیا تھا۔ شہاب کی ساری دلچسپیاں انہی کے کمرے میں سمٹ [illegible] سے جا
[illegible] اسی [illegible] سٹیشن پر پہنچ [illegible] سال گزر گئے [illegible] جاتے [illegible]
[illegible] جاتا تو پھر لگا کر دوسرے کا سے پہلے [illegible] اکثر [illegible] جانے [illegible] کے ساتھ
[illegible] جاتے۔ پھر ان کے نام پر فاتحہ پڑھ کے [illegible] ہے [illegible] سے اکثر [illegible] ہوا کرتی تھی۔ [illegible] کر
ہوسٹل کے [illegible] سے اطمینان سے گزر جاتے تھے جیسے ان [illegible] شہاب کی [illegible] گئی تھی۔ [illegible] میں [illegible]
[illegible] سی [illegible] کا امتحان [illegible] تھا [illegible] صاحب کے [illegible] سے [illegible] تھے
[illegible] کا صرف ایک [illegible] تھا کہ [illegible] ان کے منہ سے خون [illegible] شروع ہو گیا۔ [illegible] خون [illegible] سے [illegible] تھا
اب وہ آخری [illegible] امتحان [illegible] ہوسٹل کے [illegible] تھے [illegible] کے [illegible] ہوتے ہوئے ان [illegible] تھا [illegible] اگر خون آنے کی بات [illegible]
[illegible] تو پھر امتحان [illegible] ہوسٹل کو بھی چھوڑ دینا پڑتا۔ مگر جیسے قدرت [illegible] ایک [illegible] انہوں نے شکیل بھیا کو [illegible]
ہوسٹل میں تھے [illegible] سے [illegible] ڈاکٹر [illegible] صاحب کے یہاں پہنچے اور [illegible] ہوسٹل سے [illegible] کو [illegible]
[illegible] ان کے [illegible] کا شریک رہ چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی ہمت افزائی کی [illegible] انجکشن [illegible] امتحان [illegible]
کی تاکید کر دی [illegible] اختر صاحب نے [illegible] انجکشن [illegible] کو [illegible] کر [illegible] کے [illegible] خون کے [illegible]
[illegible] کی [illegible] امتحان [illegible] گئے ان کے [illegible] ہوئے [illegible] چہرے پر [illegible] سب [illegible]
[illegible] پر بیٹھے ہوئے وہ امتحان کا پرچہ لکھتے رہے [illegible] خون کا [illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] میں [illegible] جیب میں [illegible]
[illegible] سے [illegible] شکیل بھیا [illegible] بیٹھے تھے اور [illegible] کے بعد [illegible] اختر صاحب [illegible]
حالت تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ امتحان کے کمرے میں [illegible] کسی نے نہیں دیکھی تھی اور [illegible] خون آنے کا
[illegible] امتحان کے بعد [illegible] اسی حالت میں [illegible] میل [illegible] چل کر [illegible] گئے۔ [illegible] جیسے ایک [illegible] گیا۔ [illegible]
کے سارے [illegible] کی ہمدرد [illegible] سے زیادہ [illegible] تھیں۔ [illegible] کے سامنے [illegible] ایک [illegible] اور [illegible]
کے الفاظ میرے [illegible] گئے تھے۔ [illegible] میں بھی جب کسی طرح سے خون آنا بند نہ ہوا تو [illegible]
[illegible] بھی ساتھ تھی پٹنہ کے ڈاکٹروں نے ڈھیروں ڈھیر دواؤں کی فہرست [illegible] افسردہ چہروں کے ساتھ تسکین دیتے رہے۔ [illegible] اختر صاحب [illegible]
[illegible] پٹنہ سے [illegible] پہنچ گئے تھے۔ اب [illegible] شکیل بھیا نے بڑی رفاقت کی تھی [illegible] کے والدین کا [illegible] ایک ڈاکٹر کے [illegible]
کی صورت نظر آتی تھی۔ [illegible] انجکشن دیتے ہی [illegible] مگر [illegible] جیسے [illegible] اختر صاحب کو بات [illegible] کرنے کی سخت ممانعت تھی [illegible]
وہ بڑی حسرت سے [illegible] کو تکتے رہتے تھے میرا دل [illegible] تھا لیکن کسی طرح سے ان کو بہلاتی اور تسکین دینے کی کوشش کرتی اور [illegible] باتوں کو چھیڑ
[illegible] کسی [illegible] وقت کاٹنا چاہتی تھی۔ میری شادی کو پورا ایک سال ہو رہا تھا [illegible] کے ساتھ میں نہیں جانتی تھی کہ اب میں کیا کروں! میرے جہیز کا
بستر بچھا ہوا تھا اور ان کے مرجھائے ہوئے زرد اور نحیف چہرے کے نیچے میرا [illegible] تکیہ کا غلاف [illegible] جس کو میں نے [illegible] تھا۔
کبھی کبھی ان کا [illegible] اور پیلا سا ہاتھ آہستہ سے اٹھتا اور وہ میرے شانے کو بڑے پیار سے تھپتھپانے لگتے۔ وہ کیا کہنا چاہتے تھے میں نہیں جانتی لیکن خاموش
زبان کا اتنا پیارا اشارہ دل میں نشتر لگا تا آنکھیں [illegible] بے اختیار ہو جاتیں لیکن میں بڑی مشکلوں سے ان [illegible] آنسوؤں کو پی جاتی اور کسی پاگل کی طرح
ان کو آئندہ کے خواب سنانے لگتی: ہمارا اپنا ایک اچھا سا گھر ہے گا جہاں ہم پھول کھلائیں گے۔ ہمارا گھر کیسا اچھا سجا ہوا ہے گا اور ہماری چیزوں پر [illegible]

[illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] ایک [illegible] کے [illegible]
[illegible] سے سوال کر کے آخر میں کچھ پریشان کر جاتی ہیں۔ [illegible]
[illegible] تھے انہوں نے میرے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تم مت گھبراؤ۔ یہ بھی خون رک جائے گا [illegible]
آنسو [illegible] گلشن کو [illegible] سانپ کے زہر [illegible] گیا ہے:

مگر جب رات [illegible] ہو گئی [illegible] اور [illegible] سو رہا [illegible] ہوش ہونے کی تو میں اور شکیل بھیا قریب ہی کرسی پر بیٹھے ہوئے [illegible] دیکھ کر [illegible] ان کے منہ اور ناک سے خون کی قے ہو رہی تھی۔ [illegible] پہلی خون سے بھری تھی پسلی بنے ہوئے غلاف قمیض اور سارا بستر خون سے تر بتر ہو رہا تھا۔ پاس ہی [illegible] خون تھا کہ [illegible] ہی نہ تھا [illegible] اختر صاحب کی نبض [illegible] ڈوبتی جا رہی [illegible] اور اختر صاحب ایک پتھر کے بت بنے خاموش سامنے کی دیوار کو دیکھ رہے [illegible] کیا ہو جائے گا [illegible] ہم سب [illegible] گلشن [illegible] برف کے ٹکڑے منہ میں ڈالے جاتے رہے۔ اس وقت [illegible] انہوں نے [illegible] ہاتھوں سے بڑی مضبوطی کے ساتھ [illegible] تھام رکھا تھا جیسے موت کے منہ [illegible] ہوئے [illegible] ایک بے بس [illegible] کے سامنے [illegible] زندگی [illegible] کر رہا [illegible] میری زبان پر [illegible] تھا۔ لیکن میری روح خدائے تعالیٰ کے آگے [illegible] ہستی کی [illegible] رہی تھی۔ [illegible] دعاؤں کے لئے بار بار [illegible] جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کی خدمت میں قادیان تار [illegible] رہے اور یہ دعاؤں کی قبولیت کا معجزہ اور خدائے تعالیٰ کا خاص فضل ہی تھا کہ وہ اندھیری رات [illegible] آخر کٹ ہی گئی۔ [illegible] وارڈ میں داخل کر لیا گیا۔ اختر صاحب [illegible] کھانسی [illegible] کمزوری بے حد بڑھ چکی تھی۔ [illegible] تھا۔ [illegible] ڈاکٹروں نے میڈیکل کالج میں ان کو ایک اچھے اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے [illegible] سب بڑی محبت سے دیکھنے اور علاج کے لئے [illegible] آتے رہے۔ میڈیکل کالج ہوسٹل کے ایک [illegible] ڈاکٹر [illegible] نے ان کے بیک برش کئے ہوئے بالوں کو اپنے [illegible] کام [illegible] کنگھی [illegible] ان کی شیو [illegible] اور کپڑے تبدیل کرانے [illegible] واپس جاتے جاتے [illegible] بیٹھا اور قریب آکر ہنستے ہوئے بولے "بالوں کی زیادہ فکر [illegible] بس جلدی سے اچھے ہو جاؤ پھر ہم تو [illegible] پروفیسر بنا دیں گے۔" ایک مردہ سی ہنسی ان کے لبوں پر آئی جیسے ان کا دل کہہ رہا تھا "پروفیسر! پروفیسر کون بن سکے گا!" [illegible] سارے بڑے ڈاکٹروں کی یہی کوشش تھی کہ جہاں تک جلد ہو سکے [illegible] کے پاس [illegible] ان کو داخل کر دیا جائے۔ مگر وہاں سے [illegible] جواب [illegible] تھا کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔ ادھر زیادہ خون آ جانے کی وجہ سے اختر صاحب کمزور بہت ہو گئے تھے [illegible] ایک مہینے کے بعد آخر اس صورت میں [illegible] آجانے کی اجازت مل سکی تھی کہ اپنا ایک [illegible] مریض کے [illegible] ساری چیزیں خرید کر بھیجو۔ [illegible] خرید کر بھیجنے پر بھی [illegible] میں صرف [illegible] کی ایک پلنگ بچھنے کی جگہ مل سکی تھی۔ میں یہاں بھی ساتھ ہی آئی تھی۔ [illegible] ایمبولینس پر [illegible] وارڈ میں لایا جا رہا تھا [illegible] سپرنٹنڈنٹ نے [illegible] مریض کر لینے سے صاف انکار کر دیا تھا [illegible] چہرے پر [illegible] کی ایک لہر دوڑ گئی "[illegible] اور آپ یہاں رہنے کی ہمیں اجازت دے چکے ہیں" ہڈیوں کے ڈھانچے [illegible] آواز نکل سکتی تھی۔ [illegible] کا ان کے لئے یہ پہلا موقع تھا۔ یہاں آتے ہی ان کے چہرے سے پژمردگی دور ہو گئی تھی۔ اس دنیا کے سارے ہی لوگ ایک دوسرے کے ہمدرد [illegible] پٹنہ ہی میں [illegible] ان کے لئے بڑی اذیت رساں تھی۔ اب تک وہ یہی سمجھتے [illegible] کہ کسی رگ کے پھٹ جانے سے خون آ جاتا ہے۔ [illegible] ایک ہی ہفتے میں زندگی [illegible] کے آثار نظر آنے لگے تھے [illegible] خوف [illegible] وارڈ کے [illegible] نرسوں کے [illegible] دلچسپیاں لینے لگے تھے۔ ایک دن جب میں [illegible] ریل [illegible] اسٹیشن سے پیدل چلتی ہوئی ان کے پاس پہنچی تو شاید وہ پہلے سے کسی بات پر ہنس رہے تھے اور اسی طرح ہنستے ہوئے انہوں نے ایک [illegible] نرس کو [illegible] ہوئے مجھ سے ملایا [illegible]

کا رویا تھا اور یہ شعر غور سے سنتے رہے۔ آخر گزشتہ ساعت کا [illegible] ایک ہی مہینے کے بعد ان کا
حال [illegible] ہو گیا تھا۔ صحت کے ساتھ ان کی [illegible] میں بھی فرق ہو گیا تھا۔ جب کبھی [illegible] بستر سے اٹھ جاتے
[illegible] صاحب کو اس بات سے خاطر جمع تھی۔ [illegible] ہونے تک [illegible] سے [illegible]
اس کے ایک [illegible] پالیٹکل [illegible] کی کوشش تھی۔ [illegible] سینی ٹوریم [illegible]
تک تمام [illegible] ٹھیک تھا مگر [illegible] کے بعد ان کے بدن کے [illegible] تفصیل کے
ساتھ [illegible] ایک [illegible] ہو گیا تھا۔ [illegible] بہت کم ہوتی تھی جس کی
[illegible] اختر صاحب کی بد حواسیوں کا عجیب [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible]
بس کی بات [illegible] احساس کے [illegible] سینی ٹوریم [illegible] ان کی صحت نہ [illegible] کے
شکنجے پر [illegible] جاتے۔ تو [illegible] اختر صاحب کے چہرے کی [illegible]
جاتی [illegible] ایک [illegible] کے بعد [illegible] اختر صاحب [illegible] ڈاکٹر [illegible]
کا مشورہ تھا [illegible] ٹی۔ بی کے [illegible] رہتے تھے [illegible] کے سامنے [illegible]
کے [illegible] کی طرف تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور جو [illegible] سے نکل جاتے تھے [illegible]
جسم میں [illegible] کا مقابلہ کر سکے۔ اسی [illegible]
سے [illegible] ہوتی تھیں۔ چند ہی مہینوں کے بعد اختر صاحب [illegible] گیا تھا۔ [illegible] انگلش [illegible]
میں ان کا [illegible] تھا۔ [illegible] اختر صاحب بڑی خاموشی سے سینی ٹوریم کے [illegible] پر [illegible] کی طرف سے [illegible]
[illegible] انگلش [illegible] کیفیت سے [illegible] سینی ٹوریم [illegible] کی طرف سے [illegible]
[illegible] کے [illegible] گئے تھے۔ انھوں نے یہاں بھی کئی افسانے لکھے۔ "سینی ٹوریم کا [illegible]" [illegible] پسند کیا گیا تھا۔ پیسے [illegible]
پہنچ [illegible] مہینوں میں [illegible] صحت یاب ہو گئے تھے۔ [illegible] چہرے کے سفید [illegible] سرخی جھلکنے لگی تھی۔ وہ ایک
میل سے زیادہ ٹہلنے لگے تھے۔ [illegible] اور جنگلوں کی [illegible] میں بیٹھے ہوئے [illegible] کی خوبیوں کو [illegible] سمجھاتے رہتے۔ [illegible] ان سے
دو میل دور [illegible] الگ مکان میں رہتی تھی [illegible] سے پیدل چل کر ان سے ملنے کو آتی تو کبھی وہ [illegible] ہوتے [illegible] کی
تیاریوں میں لگے رہتے۔ [illegible] کو یہاں بھی [illegible] گیا تھا [illegible] سینی ٹوریم [illegible] جب وہ [illegible] اختر صاحب نے
گرمی گزار کر ان کو واپس جانے کو کہہ دیا تھا اس وقت اچانک ان کے منہ سے پھر خون آ گیا تھا۔ [illegible] سنتے ہی میں [illegible] سے سیدھی ان کے پاس پہنچی۔ جب
[illegible] وہ اپنے پلنگ پر خاموش پڑے تھے [illegible] ان کی نظر [illegible] پڑی۔ دل کا [illegible]
[illegible] انھوں نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا ان کے چہرے پر بے حد گھبراہٹ تھی۔ [illegible]
[illegible] ان کی آنکھوں میں بھی آنسو [illegible] ہوئے تھے وہ مجھ سے [illegible] اب تو [illegible] بھابی۔ [illegible] اس نے تو [illegible]
دیا تھا۔ [illegible] بھابی [illegible] تو تیرے لیے [illegible] کر دی تھی۔ مگر وہ [illegible] نہ آئی یہاں — [illegible]
تھی [illegible] — [illegible] کہیں کی — اختر صاحب نے اس سے پہلے جس ہمت سے اپنی بیماریوں کا مقابلہ کیا تھا اب ان کی طرف دیکھتے
ہوئے یہ لگتا تھا جیسے وہ اپنی [illegible] ہار چکے ہیں۔ [illegible] خاموش رہنے کا [illegible] تھا اور [illegible] ایک طرح سے لیٹے ہوئے سامنے سینی ٹوریم کے اس
آفس کو دیکھتے رہتے جہاں اپنی بلند آواز میں وہ کئی تقریریں کر چکے تھے جہاں دھرے ہوئے فائلوں میں ان کے کئی اصلاحی نقشے موجود تھے اور جس [illegible]

[illegible] بچے ہی ان کی باتیں [illegible] بلکہ [illegible] حالات سے واقف رہتے تھے۔ ایک دن ان کے [illegible]
[illegible] بہت ہی نازک [illegible] دیکھتے رہتا اور ادھر [illegible] پڑھنے لگے [illegible] سسک رہے تھے اور ایک عورت ایک شاعر
ایک ادیب [illegible] انگلیاں [illegible] کانپتے ہوئے ہونٹوں پر دھری تھیں۔ ان کے مرجھائے چہرے میں اتنی حسین آنکھیں [illegible]
محسوس ہوتا تھا کہ وہ غلط [illegible] ہاتھ [illegible] اور اب [illegible] بی بی کی کانپتی ہوئی [illegible] سمجھنے لگی تھی۔ ڈولی بڑے خلوص سے ان کی خدمت کر رہی تھی
[illegible] لگے تب [illegible] ایک دن [illegible] کر سمجھاتی ہوئی کہنے لگی بھابی [illegible] سمجھا دے کہ وہ اتنے زور زور سے [illegible] کر کسی کو ڈانٹا [illegible]
بھائی [illegible] نے اپنی زندگی میں اتنی کڑی [illegible] ڈانٹ کبھی بڑے صاحب کی بھی نہ سنی تھی ۔۔۔ ان کبھی! بس چلانے سے منع کرتی رہنا۔ اختر صاحب [illegible]
[illegible] تب [illegible] ڈولی نے کبھی وارڈ سرونٹ کو کچھ زیادتی سے ڈانٹ دیا تھا جس پہ اختر صاحب کو غصہ آ گیا اور وہ انسانیت کی اس تضحیک کو برداشت
نہ کر سکے۔ پہلے تو انھوں نے ڈولی کو سمجھایا کہ [illegible] معافی مانگے مگر ڈولی نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ "ایسے ایسے نوکر اس کی جوتی کی نوک پر دھرے
رہتے ہیں" تو اتنی بات سن کر اختر صاحب اپنی [illegible] پر جو گرجنے لگے تو پھر سارا وارڈ اکٹھا ہو کر رہ گیا۔ اور اسی بات کو سوچتے سوچتے ہی ان کے منہ
سے خون آنا شروع ہو گیا تھا۔ ڈولی اپنے کمرے میں جا کر خوب روتی رہی تھی مگر جیسے ہی اس کو ان کی بیماری کی خبر ملی فوراً [illegible] آئی۔

[illegible] اختر صاحب واپس [illegible] آئے تھے [illegible] صاحب نے ایک بڑی [illegible] سرٹیفکیٹ دے کر ان کو [illegible]
[illegible] کر دیا تھا۔ [illegible] کافی بڑھ گیا تھا [illegible] بہتر [illegible] کی سخت تاکید کر دی گئی تھی۔ وہ [illegible] ہی چلے آئے تھے [illegible] ترش
مزاجی کے ساتھ [illegible] آتی تھی اور ان کو یہ [illegible] بھی یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ کبھی ان کو کسی سے بھی واسطہ پڑا تھا۔ ان کی نگاہوں میں [illegible] محبت
خلوص اور بہت سا پیار سب ہی کچھ تھا مگر اس کے ساتھ ہی ایک چڑچڑاہٹ اور بیزاری کی جھلک بھی صاف نظر آنے لگی تھی۔ معمولی سی معمولی باتوں پر وہ غصہ ہو
[illegible] جاتے اور ایسا لگتا جیسے اپنے راستے میں [illegible] ذرا سی ٹھوکر کو بھی [illegible] ان کو گوارا نہ تھا۔ اتنی لمبی بیماری نے بھی [illegible] دیا
تھا۔ دوسرے ہی سال اختر صاحب نے پرائیویٹ [illegible] ایم۔ اے کا امتحان دے دیا اور پھر فرسٹ کلاس فرسٹ آ کر ایک اور سونے کا میڈل
اور [illegible] کتابوں کا انعام پا لیا تھا۔ اب تک وہ صرف اپنی زندگی کو قائم رکھنے کی جدوجہد کرتے رہے تھے مگر اب ان کو زندگی گزارنے کا راستہ تلاش کرنا
تھا [illegible] میں زندگی گزارنے کا معیار بڑا ہی سیدھا سادہ تھا ان کو انسانیت سے بے حد محبت تھی اور انھوں نے [illegible] کو کبھی بھی [illegible]
[illegible] خود [illegible] رہتے ان کے [illegible] انسانی زندگی کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی۔ اور اختر صاحب شروع ہی سے ہر شخص [illegible] دوسروں کی [illegible] اپنا
ایمان سمجھتے تھے۔ شادی کے فوراً ہی بعد میں نے اپنا ایک جوڑا [illegible] جاتے وقت دے دیا تھا کہ میری [illegible] پہن کر [illegible] دیکھنے کو [illegible]
[illegible] جب یہ واپس پہنچے تو میں نے بڑے اشتیاق سے ان کی اٹیچی کھولی۔ کپڑے کے [illegible]
اٹیچی [illegible] کپڑے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ یہ تماشہ دیکھتے ہوئے بڑے سکون سے بولے "تمہارے کپڑے؟ وہ تو بڑے قیمتی کپڑے تھے [illegible]
میں بارہ بجے رات کو ایک لڑکی زبیدہ مر گئی تھی اس کا بھائی روتا ہوا ہوسٹل میں میرے پاس آیا اسپتال والے مردے کو [illegible] روم میں [illegible] رہے تھے
[illegible] وہ بے چارہ شریف لڑکا اس خیال سے کانپ رہا تھا کہ جو لڑکی غربت میں عزت [illegible] کے ساتھ مر گئی تھی اس کے بے جان جسم کا اب [illegible]
کے لئے [illegible] کے ہاتھ لگیں گے۔ ان لوگوں کے پاس ایک پیسہ تک نہ تھا میں نے ڈاکٹروں سے کہہ کر لاش کو صبح تک اسپتال میں رکوائے رکھا اور سوچا
[illegible] تمہارے کپڑے [illegible] اس بیچاری کو سپرد خاک کر دیا ہے"

اختر صاحب ایم۔ اے کے بعد تلاش روزگار میں پریشان ہی تھے کہ ان پر ریومیٹزم کا بڑا ہی سخت حملہ ہو گیا۔ جوڑ جوڑ میں درد کے ساتھ سارا جسم
[illegible] گیا تھا اور درد کے [illegible] کے ساتھ تیز بخار نے ان کو توڑ کر رکھ دیا۔ کسی طرح سے پھر وہ [illegible] ہوسٹل کے وارڈ میں داخل کئے گئے۔ [illegible] صاحب
[illegible] دیکھا دل پر حملے کا اثر ہو چکا تھا [illegible] مہینے تک ایک طرح سے بغیر ہلے جلے [illegible] چت لیٹے رہنے کی سخت تاکید کر دی گئی تھی۔ اس وقت جب ہم [illegible] سے

[illegible] تھے اس کی کمرے میں فرسٹ ڈویژن رہتا تھا اور کوئی کوشش [illegible] سے بہت جی لگ گیا تھا [illegible]
[illegible] رنگ رہتا تھا۔ وہ اصل میں کالج [illegible] سے بہت کچھ [illegible] کر چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ پہلے [illegible]
[illegible] ہی پڑھتے تھے۔ [illegible] وہ اپنے متعلق کوئی فیصلہ [illegible] سکتے تھے کہ ان کا مستقبل کیا [illegible]
گویا ایک ایسا حصہ [illegible] پانی کی تھاہ [illegible] سکتی تھیں۔ ڈاکٹر گوشال نے اسیری کی [illegible] ان کے مستقبل [illegible]
وقت [illegible] جب کہ ان کے سارے جسم کے جوڑوں پر [illegible] ڈاکٹر گوشال [illegible] کہتے۔
"اختر تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ پھر تم کو پروفیسر [illegible] دیکھنا چاہتے ہیں"۔ ڈاکٹر گوشال [illegible] کے
دسمبر میں [illegible] انٹرویو میں اختر صاحب کو [illegible] پبلک سروس کمیشن نے ان کو [illegible] کے
[illegible] دیکھ کر بہت [illegible] سے ایک [illegible] کمیشن نے [illegible] کے چند ہی [illegible] سے
سامنے [illegible] فرسٹ کر دیا تھا۔ [illegible] صاحب [illegible] ڈاکٹر
محمود صاحب تھے۔ اختر صاحب کے دوست علی اظہر صاحب [illegible] ڈاکٹر سید محمود صاحب کو انہوں نے اس بات پر [illegible] کیا تھا
کہ پٹنہ کالج میں [illegible] تینوں [illegible] امیدواروں سے [illegible] وزیر تعلیم خود ہی فیصلہ کریں کہ اس
جگہ کا اصل حق دار کون ہو سکتا ہے [illegible] یونیورسٹی اور کالج [illegible] وزیر تعلیم کے ساتھ [illegible] پارلیمنٹری سیکرٹری [illegible] بہت سے پروفیسر
بھی [illegible] طالبوں کے ساتھ [illegible] پہنچ چکے تھے۔ اختر صاحب کے [illegible] نے یہ خبر مشہور کر رکھی تھی کہ پروفیسر [illegible] صاحب نے اختر کو
پہلے سے سوالات بتا دیے ہیں اور پروفیسر صاحب [illegible] ڈاکٹر صاحب کو اختر سے پوچھ کر [illegible] کہ ان کے مقابلے کے امیدوار [illegible] نے
[illegible] مقابلے کے کمرہ میں [illegible] ڈاکٹر صاحب سے جا کر یہ شکایت کر دی۔ ڈاکٹر صاحب کو بہت [illegible] ہوئی اور انہوں نے صاف طور پر کہہ دیا [illegible]
آیا اور [illegible] پروفیسر [illegible] صاحب۔ اس کے بعد وزیر تعلیم نے پہلے امیدوار کے سامنے اسی وقت ایک [illegible] کلاس کے سامنے [illegible]
کرنے کو کہا۔ جب وہ تقریر کر چکے تو ڈاکٹر صاحب نے بال جبریل سے چند اشعار دیے کہ اس کی تشریح کریں۔ جب وہ تشریح کر چکے تو ڈاکٹر صاحب نے
فرمایا کہ اب آپ بال جبریل ہی سے جو اشعار چاہیں اختر صاحب کو تشریح کے لئے دے دیں۔ پہلے صاحب نے کتاب لے کر [illegible] سے ورق
شروع کر دی کہ کوئی ایسا شعر منتخب کریں جو اختر صاحب کے بس کا نہ ہو۔ جب کئی منٹ صرف ہو گئے تو [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible]
جلدی کرنے کی تاکید کی۔ آخر انہوں نے اشعار منتخب کر کے دے دیے۔ اب اختر صاحب کی باری تھی۔ اختر صاحب نے ان شعروں کی تشریح کر دی [illegible]
نے غالب اور ذوق کے متعلق خود ہی اختر صاحب سے سوالات کئے اور اسی موضوع پر [illegible] کہا۔ جب [illegible]
کے لئے بال جبریل سے اشعار منتخب کرانے کا اتفاق ہے وہ اشعار [illegible] کے تھے جس کو تیسرے صاحب غلط [illegible] پڑھ رہے تھے۔ کلاس کے [illegible] نے
اب [illegible] شروع کر دیا تھا اور ہمارے خلیل احمد خان [illegible] اور ظفر نقوی نے چن چن کر سوالات کرنے بھی شروع کر دئے تھے۔

تینوں امیدواروں کی تقریریں اپنے اپنے نمبر حاصل کر چکی تھیں [illegible] کانگریس کی پہلی منسٹری کا دور تھا۔ اختر صاحب کے ساتھ دونوں امیدوار کانگریسی تھے
محمود صاحب ابھی پٹنہ کالج کے احاطہ ہی میں تھے کہ کالج کے لڑکوں نے اپنی کامیابی میں ایک بڑا ہی پُرجوش نعرہ لگایا "مسلم لیگ زندہ باد" [illegible] کر محمود
صاحب نے متحیر ہو کر پوچھا یہ نعرہ کیسا تھا؟ علی اظہر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ لڑکے اختر زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں [illegible] انہوں
نے [illegible] کا اشارہ کر دیا۔ اختر صاحب کے دوستوں میں علی اظہر صاحب، شرف الدین احمد، شرف عظیم آبادی، [illegible] نقوی [illegible]
نقوی نے اختر صاحب کو ایک دولہا کی طرح سجا کر [illegible] کی صورت میں پٹنہ کالج [illegible] بکس کو کھولا گیا اس کے اندر کوئی [illegible] شیروانی نہیں تھی [illegible]
[illegible] تھا جس کو جھاڑ جھوڑ کر دوستوں نے ایک ساتھ مل کر پہنایا۔ اب جوتے کا سوال رہ گیا تھا [illegible] جوتے ایسے تھے کہ مرمت کے

کی طرح اپنے قرار ہے کہ ... ہندوستان کا دورہ ... آخر کس طرح سے لکھتے اور پھر تو ... صاحب ... [illegible]
ہوا کہ ... بہت سے ... ۔ اب سے اپنے ... سے پہلے وہاں تک ایک ... ان کی فہرست تھی ...
... ایک ... سات ... ایک ... کر ... کے ساتھ ... پہنچ گئے۔ ... اختر صاحب ...
... کے بعد ان کی ... تھی ... سے پھر ... اور بعض ... کے ہم ...
... رہی ... ساتھ ... بیماری کی حالت ... تھا۔ ...
اس اعلان کے کرنے کے سبب بے پناہ محبت تھی۔ اختر صاحب کے دوستوں کی مختلف پارٹیاں ہیں ... ان سے ... کبھی ...
ہو سکا کہ ... کے دوستوں میں شریک ہیں ... کہ ان کے ... سے بھی زیادہ عزیز ... اور اختر صاحب کو اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ وہ
دو تین سال سے صرف اپنے کلاس ہی کے نہیں بلکہ اکثر دوسرے کالجوں کے لڑکوں کے لئے بھی تابندہ مستقبل کی تعمیر کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ ... تعلق ...
شاگردوں سے جہاں اپنے عزیزوں کی طرح ہے وہاں ایک وفادار ... دوست کی طرح ہیں۔ ہمارے ... شاعر ... کے لئے اختر صاحب کی
... حوصلہ افزائی ... ساتھ ہی ... شاعری کی ذرا سی بھی صلاحیت دیکھ کر اپنی خوشیوں کا ... ہوئے ... آگے
بڑھانے ہی کی کوشش رہی ہے۔ ... اخلاق کے باوجود بھی اختر صاحب کے مخصوص دوستوں کا ایک بے تکلف گروپ بھی تھا جو اب پاکستان چلے جانے
سے ختم کر رہ گیا ہے۔ دوستوں نے ان کے ساتھ جہاں محبت اور وفاداری کا ثبوت دیا ہے وہاں اختر صاحب کو بھی اپنے دوستوں سے بے حد محبت
رہی ہے انہوں نے اپنے دوستوں کی خدمت کو ہمیشہ اپنی ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ ان کے ایک دوست کو اپنے والد کے ... مقدمے کی ... پیروی
کرنے کو روپے کی ضرورت تھی اختر صاحب نے جب اپنی جیب خالی دیکھی تو ... انہوں نے بڑے اطمینان سے اپنے بی اے اور ایم اے کے امتحانوں میں جیتے ہوئے
سونے کے میڈلوں کے ساتھ اپنے اور بھی جیتے ہوئے سونے اور چاندی کے میڈلوں اور کپوں کو ... بیچ کر روپے اپنے دوست کے حوالے کر دئے اور
جب اس فرض کو ادا کر کے وہ ... خوشخبری سنانے گئے تو ... میں ... آگئے۔ وہ یادگار ... گھر میں رہنے کی بجائے دوکانوں پر بک چکی تھیں۔ اور اسی
ذہنیت نے انگریزی ... اور اردو ... کتابوں کو جو انہیں انعام میں ملی تھیں ... اپنے کمرے کی الماری میں بند کر کے ... لگا دیا تھا۔

ایک تو تمناؤں کے بعد پیدا ہوئے ... اور ... لاڈ پیار ... سے اس پر سے بچپن میں ... اور ... بیماریوں نے ان کی طبیعت میں
لاڈ ... اور ... پیدا کر کے ... آرام طلب بنا دیا تھا ... خداداد ذہانت ہی تھی جو ہمیشہ کام آتی رہی۔ ان کا سارا بچپن بیماریوں میں کٹ گیا تھا اور وہ اپنی
... والدین ... جب ... اختر صاحب کے میٹرک پاس ہونے سے کچھ دن پہلے ہی خاموشی کے ساتھ قبر میں چھپ گئے تھے۔ نوجوانی
کے عالم میں تمناؤں کی رنگینیوں سے ... منہ سے خون کے ... آنے لگے تھے اور جب ... ٹھیک ہو کر واپس آئے تو ... کے سخت حملے
دل پر ... اثر ... تھا۔ ... کر قدم ڈالتے ہیں ... ملازمت کو نبھاتے آرہے ہیں عمدہ غذا ... مکان اور آرام ان کی زندگی کا
ایک ضروری جزو بن کر رہ گئے ہیں۔ کالج کے فرائض کے ساتھ نیا دور کے کاموں کا ایک جھنجھٹ ان کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ جلسوں
میں گھنٹوں تقریریں کرتے رہنے کا ثواب جیسے پیشہ ہی بن کر رہ گیا ہے۔ اور اختر صاحب کے ساتھ سارے لوگ یہ جانتے ہیں کہ حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا
بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کی مخلصانہ دعاؤں کی مقبولیت سے اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کو ... زندہ رکھ کر انسانیت اور قوم کی خدمت کا موقعہ
عطا کیا ہے۔ ۱۹۴۲ء کے ہنگاموں سے لیکر جنگ اور فتنہ و فساد تک کی ہر لڑائیوں میں روزانہ کی زندگی کتنی ... بن کر رہ گئی تھی اختر صاحب ... ان
سے ... آنے والے مہمانوں اور عزیزوں کی کثرت سے مجبور ہو کر ... کسی وقت ان سے ... کر لئے یا چینی کی پرمٹ کے لئے درخواست لکھانے ...
تو وہ صاف طور پر میٹھی چیزوں اور ... ہوئے کھانا کھانے سے ہی انکار کر دیتے ... اعلانیہ طور پر کہہ دیتے کہ وہ ایک ساتھ دو کام نہیں کر سکتے ہیں۔ یا تو وہ کھانا
کھائیں ... کی فکر کریں گے یا پھر ... ۔ ... قلم اور سادہ کاغذ ... ان کے کمرے سے نکل آتی۔ اختر صاحب کا گھر ان کی ... شروع ...

[illegible]

... اطمینان سے فرمائیں گے کہ تمہاری چار[illegible] ...

... بڑا عجیب ہے [illegible] ...

[illegible]

... کرنی ہے، چیزیں سب گھر کی پکی ہوں [illegible] ...

[illegible]

... اختر صاحب میں جو سب سے بڑا عیب ہے وہ یہی کہ معمولی سی معمولی بات [illegible] ...

[illegible]

... شام کی چائے ختم ہوتے ہی وہ میرے پاس آئے [illegible] ...

کہ ان کو کسی دوسرے ہوٹل میں منتقل کر دیں لیکن انکار ویسے کچھ نہیں ہو سکتا ہے اب میں جب لوگ صاحب کو اپنے ہی پاس رکھوں گا [illegible]
چلے تبادلہ خیال ہوگا مسائل ادبی اور افسانوی کیا کہیں گے کہ کچھ دیر تبدیلی میں رہیں گے اور وہ پڑھ کر سنتے ۔ جیسے دکن کی [illegible]
پر تبصرے کہیں گے یہ ایک کوئی ذوب کا ادبی حصہ ان میں ہوا اپنی شان ہمارا پیروں میں ہم جیسے ہیں دیکھے ہی دیکھے [illegible] اب اختر صاحب کا
گھروں میں مہمان [illegible] حفیظ، سلام، عبادت بریلوی، سرور، احتشام، فراق، اپندر ناتھ اشک، عرش ملسیانی، عبدالقادر سروری [illegible]
جگن ناتھ آزاد جیسے معزز مہمان آتے رہے تو اگر ان دنوں میں پٹنہ میں رہتی تو بس یہی جی چاہتا ہے کہ مہمانوں کے [illegible] اس گھر [illegible]
تاکہ اختر صاحب کے بھی شریک کا الزام مجھ پر نہ ہو ۔ بڑے سے بڑے محترم مہمانوں کو وہ بڑی فراخ دلی سے اپنے گھر میں ٹھہرا کر خوشی محسوس کرتے رہتے ۔
اور میں اتنے عرصے تک ان کی تہذیب [illegible] خدمت نہ کر سکنے کے احساس اور غم سے تڑپتی رہتی ہوں ۔ [illegible]
پھر میں مشہور ہے کہ اختر صاحب کا اصول [illegible] ہے کہ وہ زمین پر چٹائی بچھا کر مٹی کے برتنوں میں بھی اپنے مہمانوں کو کھلا کر خوشی محسوس کریں گے اور میں تو اپنے
مہمانوں کو [illegible] پر بٹھانے کی قائل ہوں ۔

گھر کے اندر جب ہم دو دو [illegible] کی حیثیت سے گفتگو کرنے لگتے ہیں تو گھر میں آنے والے عزیزوں کو ہمارا یہ کھیل بڑا اچھا لگتا ہے ۔ ادب، شاعری اور فلسفہ
پر باتیں کرتے کرتے ہم مذہب اور قرآن شریف کی تفسیر پر بحث کرنے لگ جاتے ہیں ۔ جب تک ہم دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں ۔ تب تک تو گفتگو میں اپنائیت
رہتی ہے مگر ایسا کچھ ہی دیر رہتا ہے پھر ہم الگ راستوں پر مڑ کر بحثیں شروع کر دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ کبھی یہ بھی نکلتا ہے کہ [illegible] دونوں تک [illegible]
سے بول چال بند کر دیتے ہیں ۔ اختر صاحب کا گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہا ان کے رشتہ داروں سے زیادہ میرے عزیزوں کی [illegible] بہت رہتی ہے [illegible]
میرے عزیز بھی تو میرے [illegible] بچے ہیں ۔ جب کبھی ان کو کہیں سے روپیہ ملتا ہے وہ تاش کے پتوں کی طرح پھینٹتے ہوئے روپے کو بانٹ دیتے ہیں ۔
روپے دینے کی عجیب عجیب صورتیں [illegible] روپیہ ملے گا ۔ [illegible] ایک شعر کا بھی معنی بتا دیا تو دس
پندرہ روپے [illegible] ۔ اور شہلا کی [illegible] سے ایک ہفتہ کے اندر پلستر آگیا اور اس نے بتایا روپیہ دے دیا [illegible] شہلا کے [illegible]
افسانے کا فن سیکھنے پر انعام دیا جاتا ہے تو کسی کو زیادہ شعر یاد رکھنے پر [illegible] کہ شادی سے پہلے پانچ سو روپے کا لالچ دے کر
مجھ سے پورا شکوہ یاد کرایا تھا اور آج تک میرے وہ پانچ سو روپے باقی ہی رہ گئے ہیں ۔ اختر صاحب [illegible] نہیں ہیں ۔ جوتے [illegible] قمیض وغیرہ
کی سخت ضرورت ہے کوٹ بھی [illegible] کبھی کبھی کالج جانے وقت کپڑوں کی تنگی کا رونا رویا ہوا ہے مگر پیسے جب [illegible] فاضل ہو گئے
گئے ۔ اختر صاحب [illegible] ان کا اپنا کوئی بچہ نہیں ہے مگر [illegible] ایک نسل پڑھ کر [illegible] کی نسل پڑھنے لگی ہے اور اس طرح سے [illegible]
[illegible] اختر صاحب کے بھائی فضل احمد آئی۔ پی۔ ایس اور میری اپنی تیسری بہن صوفیہ شہناز کے بچے بھی
اور چار سالوں کی عمر سے میرے پاس رہ کر کونونٹ میں تعلیم پا رہے ہیں ۔ میری منجھلی بہن [illegible] سینٹ [illegible] چوتھی بہن [illegible] بچی [illegible]
اور میرے بھائی [illegible] احمد کی بچی نسرین کونونٹ کے [illegible] کلاس میں ہیں ۔ اور [illegible] کی بہن شیریں اور میری سب سے چھوٹی بہن [illegible] اسکول میں ہیں ۔
اور اختر صاحب کے چچا زاد بھائی کا بچہ تاج مسلم اسکول میں ۔ گھر [illegible] اب گھر نہیں ہے وہ ایک بورڈنگ ہاؤس بن کر رہ گیا ہے جہاں قدم قدم پر ماسٹر، جگہ جگہ
پرنسپل، سلیٹ اور اسکولوں کی کتابیں بکھری پڑی رہتی ہیں ۔ صبح کو آٹھ بجے جب سارے بچے کونونٹ اور اسکول چلے جاتے ہیں تو [illegible] سا لگتا ہے
اور جب چار بجے رکشا، موٹریں اور گاڑیاں ان سب کو لا کر پہنچانے لگتی ہیں تو پھر گھر سے کہیں بھاگ جانے کو جی چاہتا رہتا ہے ۔ ادھر آتے ہوئے مہمان بچوں
کی اس فوج سے بری طرح گھبرا گھبرا کر بھی [illegible] سے باز نہیں رہتے ۔ اختر صاحب کا دسترخوان ہمیشہ سے بڑا لمبا چوڑا بچھتا رہا ہے گھر کے سارے لوگ ایک ہی
ساتھ کھانا کھایا کرتے ہیں اور کھانے کے درمیان ایسی ایسی مزیدار باتوں کا سلسلہ چلتا ہے کہ گیارہ، بارہ بجے رات تک یہ محفل جمی رہتی ہے جو تھکے
ہارے [illegible] ہیں پھر بھی کسی کا جی پلنگ پر جانے کو نہیں چاہتا ۔ —

اختر صاحب کو اصل شوق کتابیں پڑھنے کا ہے لیکن وہ کسی خاص چیز کے پڑھنے کے عادی نہیں۔ جو چیز بھی ان کے ہاتھ لگ جاتی ہے پڑھ ڈالتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ کسی ایک کتاب کو پڑھتے پڑھتے چھوڑ دیتے ہیں اور کسی دوسری کتاب کو اٹھا لیتے ہیں۔ ان کے لکھنے کی میز پر کتابیں بکھری رہتی ہیں۔ جب وہ کہیں باہر جاتے ہیں تو ان کے ساتھ کتابوں کا ایک بنڈل ضرور ہوتا ہے۔ اختر صاحب نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ پڑھنے ہی میں گزارا ہے اور ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ اپنی چیزوں کو بہت سنبھال کر رکھتے ہیں اور جب کوئی چیز گم ہو جاتی ہے تو بہت پریشان ہوتے ہیں۔ تب وہ افسانہ یا مضمون لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ شام کو وہ سیر کے لئے جاتے ہیں اور دیر تک گھومتے رہتے ہیں۔ جب تھک جاتے ہیں تو گھر واپس آ جاتے ہیں اور کھانا کھا کر سو جاتے ہیں۔ اختر صاحب کو چائے بہت پسند ہے اور وہ دن میں کئی بار چائے پیتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں جو شگفتگی اور تازگی ہے وہ ان کی اسی طبیعت کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے دوستوں سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان کی خاطر بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ جب کبھی کوئی دوست ان سے ملنے آتا ہے تو وہ اس کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ ہر ایک چیز اپنی جگہ پر ہونی چاہیے۔ اختر صاحب اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی بہت وقت صرف کرتے ہیں اور اپنے حالات میں خوش رہتے ہیں۔

اختر صاحب کی ایک خاص چیز ان کا بجٹ ہے۔ تنخواہ ملنے کے بعد وہ اپنا بجٹ بناتے ہیں۔ اس میں ایک رقم چندوں کے لئے بھی رکھی جاتی ہے۔ تبلیغ اسلام کے لئے چندہ دیکھ دینے کے بعد پہلے روزانہ کا حساب بتاتے ہیں۔ بجٹ کے حساب سے اصل پہلے مہینے ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔ اگر بجٹ سے کچھ پیسے بچ گئے تو پھر وہ چائے خرچ کرتے رہے۔ اختر صاحب بڑی عادت نہیں ہے۔ وہ سگریٹ پیتے ہیں اور دنیا کی ایک عادت ہے، غذا، دعا میں باقاعدہ کرتے رہنے کی ایسی ہے جو سب عادتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے ۔۔۔!

اختر صاحب کی اب تک دس کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں افسانے، ڈرامے، ناولٹ اور تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ انہوں نے ایک ناول بھی لکھا ہے جو کئی سالوں سے لکھا ہوا رکھا ہے۔ ہندوستان کے غریب اور پرانے ہیں جو اپنا سر نکالتے ہوئے ڈرتا ہے اور پاکستان ہونے کے بعد دوسرا ہی دیس ہو گیا۔ ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ اور ایک نظموں کا مجموعہ مسودوں کی صورت میں پڑا ہے۔ آنے والے اچھے دن کا انتظار ہے۔

اختر صاحب کو بہار کے آم اور چھوٹا ناگپور کے مناظر بہت پسند ہیں۔ جب وہ کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ اودنتی کی[1] پہاڑی پر حضرت بودھ کی طرح بیٹھ کر سکون اور نروان حاصل کریں گے۔

اختر صاحب موجیری زیدی سیدوں کے گھرانے سے ہیں۔ اورین میں ان کے بزرگ سید احمد جلال فیروز تغلق کے زمانے میں آکر بسے تھے اور فوجی کارناموں میں انہوں نے جاگیر پائی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اپنی شرافت اور چڑچڑاہٹ کے باوجود اپنی پرمذاق طبیعت، سادگی، علمی صلاحیت اور نرمی کے ساتھ وہ بہت ہی آئیڈیل آدمی ہوتے اگر چھوٹی چھوٹی باتوں میں مجھ سے وہ الجھتے نہ رہتے۔

---

[1] نوٹ: اورین کی بستی میں ایک پہاڑی ہے جس پر پالی زبان میں کتبے لکھے ہوئے ہیں اور بودھ کی مورتیاں بنی ہوئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مہاتما بودھ نے اس پہاڑی پر آکر وعظ کیا تھا۔!

حیات اللہ انصاری

مسیح الحسن رضوی

جب کسی شخص کی زندگی ہنگاموں سے خالی ہو اس میں گرمی گریز کی کیفیت نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس نرم رو دریا کی سی کیفیت ہو تو اس کے بارے میں کیا اور کیونکر لکھا جائے؟ حیات اللہ انصاری افسانہ نگار ہیں، صحافی ہیں اور اب لیڈر بھی بنتے جا رہے ہیں ان میں سے اگر کسی بھی حیات اللہ کو اٹھایا جائے گا تو دوسرے حیات اللہ کا ذکر ناگزیر ہو جائے گا۔ اس سے بچنے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے اس حیات اللہ کو پیش کیا جائے جو ان تینوں چیزوں کا مرکب ہے —— حیات اللہ جو انسان ہے اور سب کچھ بعد میں۔

اس حیات اللہ نے زمانہ کے بڑے سرد و گرم چکھے ہیں۔ عزیزوں کی خفگی، دوستوں کی بے زاری اور تمسخر۔ عزیزوں کی خفگی کے سبب ایک زمانہ میں فرنگی محل سے "بن باس" ملا اور دوستوں کی بے زاری کے سبب انجمن ترقی پسند مصنفین سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ اب جب کہ حیات اللہ انصاری اپنی راہ الگ بنا کر کامیاب ہو گئے ہیں تو دوست تو دوست عزیز بھی انہیں اپنا رہے ہیں۔ فرنگی محلیوں سے ملئے تو وہ آپ کو بتائیں گے کہ حیات اللہ کا تعلق فرنگی محل سے ہے۔ دوست کہیں گے کہ انجمن ترقی پسند مصنفین کے بنانے میں حیات اللہ انصاری کا ہم سے کم ہاتھ نہیں ہے۔ بلکہ سر کانفرنس میں تو ڈاکٹر علیم نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ایک زمانہ میں حیات اللہ ہم سے زیادہ گرم کمیونسٹ تھے اور ہمیں انہیں لگام دینے کے لئے کہنا پڑتا تھا کہ "ذرا سنبھل کے، آگے خندق ہے"۔ بہرکیف حیات اللہ انصاری خندق میں گرنے سے بچ گئے۔ اس میں ڈاکٹر علیم کا مشورہ شامل تھا یا خود حیات اللہ کی کوششوں اور سمجھ کا ہاتھ، یہ کہنا مشکل ہے۔ لیکن ان کی اس تبدیلی کا ان کے دوستوں پر بڑا ناگوار ردعمل ہوا جو بقول ان کے بزرگوں کے حیات اللہ انصاری کی صحبت میں پڑ کر خراب ہو چکے تھے۔ کمیونسٹ حیات اللہ گاندھیائی بن گئے تھے اور ہندستان (ہفتہ وار لکھنؤ) کی اڈیٹری کر کے بڑے زور شور سے گاندھیائی فلسفۂ حیات کی تبلیغ کر رہے تھے۔ دوست ان کی اس تبدیلی کا مذاق اڑاتے پھر رہے تھے۔ اس مذاق اڑانے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے چند سال ادھر اردو کو علاقائی زبان بنوانے کے لئے دستخطی مہم چلائی تب بھی ان کا مذاق اڑایا گیا۔ جب انہوں نے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں بیس لاکھ دستخط پیش کر دیئے تب بھی ان کا مذاق اڑایا

کہا جب جنگ [illegible] انسل کے [illegible] اور ہندی کے [illegible] نیپال کی سرحد [illegible] کے خوف نے [illegible] اخبار میں [illegible] کیا [illegible] مگر
[illegible] وقت [illegible] کا مذاق اڑایا گیا اور ایک بھرے جلسے میں [illegible] نے حیات اللہ کے مضامین [illegible] دیا۔ اور [illegible]
کتاب [illegible] جب [illegible] کے ایک انگریزی روزنامہ میں کسی نیپالی نے [illegible] اسلام کے [illegible] پر [illegible] کا [illegible]
انصاری نے اپنے اخبار [illegible] کے خلاف [illegible] بعض حلقوں کی طرف سے [illegible] کو بہت پسند
کیا گیا۔ جب [illegible] کے سلسلے میں ایک [illegible] کا [illegible] ۔ [illegible]
ہے کہ حیات اللہ انصاری کی زندگی میں مذاق [illegible] کے درمیان [illegible] ہے۔ [illegible]
ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کے بھی دوست ہیں۔ [illegible] وہ شخص کی زندگی میں [illegible] ہیں [illegible] اچھے [illegible]
کے [illegible] وہ اس [illegible] سے [illegible] کی حالت [illegible] کرتے ہیں [illegible] کامیاب [illegible] ہے کہ اب ان کے [illegible]
[illegible] کرنے کے [illegible] پاتے ہیں۔

اس سفر کو آگے بڑھانے سے قبل ہم آپ کے سامنے ۱۹۲۱ء کے حیات اللہ کا کچھ ذکر کریں گے۔

غالباً اس وقت حیات اللہ کی عمر تیرہ چودہ سال کی رہی ہوگی۔ فرنگی محل کے ایک حصے میں وہ اپنے والد مولانا وحید اللہ مرحوم کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک بے حد پیچ و خم کا اپنا کمرہ "حیات منزل" ایک عجیب و غریب قسم کا مکان تھا جس میں ہر طرح کی چیزیں تھیں۔ فرش سے خود بخود چلنے والا پنکھا، توپ، اسٹیمر کے پردے، بائیسکوپ کی مشین، عجیب و غریب میزیں اور کرسیاں، [illegible] یہ سب چیزیں خود حیات اللہ کی بنائی ہوئی تھیں۔ ان کے بچپن کی کیفیت [illegible] کہ اگر حیات کو انجینئری کی تعلیم دی جاتی تو وہ آج ملک کا ایک ماہر انجینئر ہوتا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ تھا جب تحریک خلافت دم توڑ چکی تھی۔ مسلمان اور خصوصاً اس کے علما کا طبقہ میدان سیاست سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ حیات اللہ کا تعلق چونکہ علما کے خاندان سے تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سیاسی [illegible] اور علما کی [illegible] کی وجہ سے فرنگی محل کی قیادت کا آفتاب بھی غروب ہو چکا تھا۔ ان حالات اور ماحول میں حیات اللہ فرنگی محل میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔ ان کی جدت پسندی، ذہانت اور روشن خیالی کا احساس اس وقت عام طور پر فرنگی محل میں کیا جانے لگا تھا۔ چنانچہ ان کے ہم عمر ساتھیوں کو ان کی صحبت میں بیٹھنے اور وقت برباد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن فرنگی محل کے بچے اس وقت اپنے بزرگوں کے [illegible] ہوتے تھے اس لئے وہ چھپا چھپی حیات منزل میں جمع ہوتے اور اس لڑکے کے کارنامے اور [illegible] جذبہ تجسس کو تسکین دیتے۔ اس زمانے کے دو واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک مولانا [illegible] فرنگی محل کے ایک مکان کے کمرے میں [illegible] اور حیات اللہ انصاری کا مسجد [illegible] کے متصل میں واقع ایک دوسری چھوٹی مسجد کے مینارے سے چھلانگ لگانا۔

پہلا واقعہ اس طرح ہے کہ حیات اللہ کہیں سے ایک تیز روشنی والا دھماکا لے آئے۔ اور جب مولانا تہجد ادا کرنے کے بعد سو گئے تو انہوں نے اس دھماکے کو داغ دیا۔ چاروں طرف روشنی ہو گئی اور مولانا چلائے کہ —— "نور الٰہی، نور الٰہی ——" کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مولانا ہمیشہ کے لئے مجذوب ہو گئے۔

دوسرا واقعہ راوی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک دن حیات منزل میں لڑکے جمع تھے۔ حیات اللہ نے ان سب سے اپنے مینارے سے چھلانگ لگانے اور بانسوں کے درختوں کے ایک جھنڈ کے بانس کی مدد سے، جو مینار کی اونچائی تک پہنچا تھا، اپنے نیچے تک بغیر خوف پہنچنے کی حیرت انگیز داستان بیان کی۔ لڑکوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس واقعہ کے بعد حیات اللہ اس ٹولی کے مسلم لیڈر بن گئے۔ [illegible] کی قیادت میں لڑکوں کی ٹولی [illegible] شہر کے دوسرے حصوں [illegible] کر جاتی۔ اگر کسی دن دیر ہو جاتی اور لڑکے اپنے والدین کے ڈر سے گھبراتے تو حیات اللہ ان کا [illegible]

سے تھے۔ پھر زندگی کی گاڑی جب پٹڑی پر داخل ہوئی تو حیات اللہ حلوائی کی دکان سے جلیبیاں منگا کر ہی تقسیم کی جاتیں اور کہتے کہ لڑکوں کا ایک میلاد
میلاد شریف سے آ رہے ہیں۔ میلاد کے لئے جلیبیاں خریدنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حیات اللہ اپنی کم عمری میں بھی ماحول سے الگ ہونے کی کوشش
سے کس طرح واقف تھے۔ لیکن یہ لڑکا جس کا نام حیات اللہ تھا کس قدر جدت پسند اور شریر بھی نہیں تھا وہ اس کم عمری میں بھی بلا کا حاضر دماغ بھی تھا۔
منزل میں ایک بار اس نے بھاپ سے چلنے والا پہیہ بنایا۔ جس ڈبے میں بھاپ بند تھی وہ اتفاقاً پھٹ گیا۔ حیات اللہ کا آدھا منہ بھاپ سے جھلس گیا
لیکن انہوں نے اس وقت شور نہیں مچایا۔ منہ پر پانی بھی نہیں ڈالا۔ وہ خاموشی سے اس جگہ سے ہٹے اور فرسٹ ایڈ بکس سے انہوں نے کوئی دوا
منہ پر مل لی۔ یہ فرسٹ ایڈ بکس ان کی عمر عیار کی زنبیل میں دوسری چیزوں کے ساتھ موجود رہتا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر حیات اللہ اس وقت حاضر دماغی سے کام نہ لیتے تو ان کا منہ ہمیشہ کیلئے آدھا سیاہ اور آدھا سفید ہو گیا ہوتا۔ ان کی یہ زندگی جس
طرح ختم ہو گئی کہ مولانا حمید اللہ کا انتقال ہو گیا۔ ماں پہلے ہی مر چکی تھیں۔ اب ان کے سر پر کوئی سرپرست نہیں تھا۔ اس عرصہ میں انہوں نے (عربی) کی تعلیم حاصل کر لی تھی
اس تعلیم سے وہ بالکل مطمئن نہیں تھے انہیں کوئی آگے کی راہ سجھانے والا بھی نہیں تھا۔ ایک محبت کرنے والا ماموں زاد بھائی ضرور تھا۔ لیکن وہ خود ... جو انہیں مفید
مشورہ دے سکتا تھا۔ ان مشوروں کے طفیل انہوں نے دو تین سال میں انٹرنس پاس کر لیا لیکن ان کے حوصلوں نے یہیں بس نہیں کی وہ کوشش
کر کے علی گڑھ پہنچ گئے جہاں وہ اس زمانہ کے سب سے غریب پرور ہوسٹل آفتاب ہال میں رہنے لگے۔ یہاں کے قیام کے دوران میں ان کی زندگی
کا اہم واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو میں تقریر کرنے کی مہم چلائی اور ساری یونیورسٹی میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اس سے قبل وہ لکھنؤ میں کچھ فرسٹ بن
چکے تھے۔ جہاں انہوں نے وجود باری کے مسئلہ پر مولانا عبدالباری مرحوم کی خفگی مول لی تھی۔ یہاں شاید یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ مولانا
عبدالماجد دریابادی کی دہریت سے متعلق تحریروں نے حیات اللہ کی زندگی میں بچپن ہی میں زہر گھول دیا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں انہوں نے اپنے
استاد اور بزرگ مولانا عبدالباری مرحوم سے وجود باری کے مسئلہ پر تلخ باتیں کیں تو مرحوم نے انہیں اپنی صحبت سے اٹھ جانے کا حکم دیا۔ حیات اللہ
خاموشی سے اس صحبت سے۔ جس میں سید جالب دہلوی مرحوم وغیرہ شریک تھے اٹھ کر چلے آئے۔ لیکن ابھی وہ اپنی حیات منزل تک کے راستہ
ہی میں تھے کہ مولانا عبدالباری نے انہیں واپس بلایا۔ شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میں طالبانہ سطح پر عقیدہ کے
اس خلوص کا احترام کرتا ہوں ــــ اس واقعہ کے بعد مولانا مرحوم حیات اللہ کا آخر وقت تک احترام کرتے رہے۔ عام مذہبی لوگوں کی کٹر پن
کے خلاف مولانا کا یہ رویہ حیات اللہ کے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ زندگی میں انہوں نے اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا۔

علی گڑھ سے بی اے کی ڈگری لینے کے بعد اب جو حیات اللہ لکھنؤ واپس آتے ہیں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ کمیونسٹ حیات اللہ بقول مولانا
مرحوم کمرہ اسکیل پر رہنے لگے تھے۔ یہاں سے دوستوں سے چھیڑ چھاڑ اور طعن و تشنیع کا دور شروع ہوا۔

ان کی زندگی کے اس دور (۱۹۳۲ء) میں میں ان سے متعارف ہوا۔ اس وقت ان کے افسانوں کا مجموعہ 'انوکھی مصیبت' شائع ہو چکا
تھا۔ "آخری کوشش" جیسا غیر فانی شاہکار انہوں نے ابھی تخلیق نہیں کیا تھا۔ کمیونزم کو وہ خیرباد کہہ چکے تھے۔ لیکن گاندھیائی ہوتے ہوئے بھی
وہ غیر طبقہ واری سماج کے علمبردار تھے۔ میری طرح ان کی نظریاتی زندگی کا یہ معمہ بہتوں کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آخر گاندھی ازم کو مارکزم کے غیر طبقہ واری
سماج سے کیا نسبت ہے۔ لیکن اب بہت دنوں ساتھ رہنے کے بعد کم از کم میں نے اس معمہ کو حل کر لیا ہے۔ حیات اللہ ناک کو سر کے پیچھے ہاتھ
گھما کر پکڑتے ہیں دوسرے اسے سامنے سے پکڑ لیتے ہیں۔ یہ طریق کار کا فرق ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ حیات اللہ سرمایہ داری
کے اس لئے مخالف ہیں کہ اس میں فرد کو معاشی مساوات اور ترقی کے مواقع حاصل نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ وہ کمیونزم کے اس لئے مخالف ہیں
کہ اس میں ریاست کی جبریت کو بڑا دخل ہے۔ پھر ان کے سامنے سماج کی نابرابری کو ختم کرنے کے لئے کون سا فلسفہ حیات ہے؟ یہ فلسفہ حیات

ان کی نظم یا ادبی کام کے حصہ کوئی مذہبی پہلو نکلتا۔ جن کی بنیاد معاشی مساوات کے اصول پہ ہے اور جہاں سیاست کی بہ نسبت کوئی سوال نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے خیال میں انسان دوستی کی تعلیمات میں بھرپور Human Lonah ہے۔

یہ ایک لمبی بحث ہے جس کی یہاں چھیڑنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم اب یہ سب جانتے ہیں کہ حیات اللہ کو اپنے طور پہ ادبی کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ ان کے دوست اور مخالف بھی انہیں رجعت پسند نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کسی زندگی اس سے بھی کامیاب ہو سکتی ہے؟

آج حیات اللہ جس مقام پہ کھڑے ہوئے ہیں وہاں تک پہنچنے کے لئے انہوں نے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا بڑی ہمت و جذبہ کے ساتھ کیا ہے۔ دنیا میں شاید سب سے بڑی ذلت فاقہ کشی کی ہے۔ اس فاقہ کا خزاں اور جب اس صورت میں بیاں کیا جا سکتا ہے جب اپنے بچے اور ضروریات کے لئے بھیک مانگنا گوارا کرے لیکن کسی کے سامنے سر نہ جھکائے۔ حیات اللہ ان دشوار گزار راہوں سے بھی بڑی خاموشی اور پامردی کے ساتھ گزرے ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں جب سامراجی جنگ ہٹلر نے روس پہ حملہ کے بعد قومی جنگ بن گئی تھی۔ اور حیات اللہ کے بیشتر ساتھی ریڈیو، مشاعروں اور پبلسٹی کے دوسرے ذرائع سے روپیہ بٹور رہے تھے تو اس وقت حیات اللہ لکھنؤ کی ٹھٹھرتی سردیوں میں مفلسی کی شیروانی پہنے اسی شان استغنا سے رہتے تھے اور پڑھنے کے کورس سے روزی حاصل کرتے تھے۔ دوسرے ادیب عشرت کدوں میں چائے پیتے جاتے تھے اور حیات اللہ اپنے گھر پہ سانپ پالتے تھے۔ ان سانپوں کے پالنے کا قصہ یہ ہے کہ پنڈت نہرو کے ایک عزیز مسٹر کمار جو مشہور سنگیت ہیں اس زمانہ میں لکھنؤ یونیورسٹی میں تھے۔ ان کی کسی طرح سے حیات اللہ سے دوستی ہو گئی۔ پھر کیا تھا دونوں نے مل کر سانپ پالنے شروع کئے۔ میں کمار صاحب کے بارے میں تو نہیں جانتا ہوں لیکن حیات اللہ کے بارے میں وثوق سے بتا سکتا ہوں کہ انہوں نے اس فن شریف کو سیکھنے میں اپنا کافی وقت برباد کیا۔ اس زمانہ میں سانپوں سے متعلق کچھ خیال بھی لکھیں اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس موضوع پہ جب ریڈیو پہ ان کی تقریر ہوئی تو ان کے اس اصرار پہ ریڈیو کے ذمہ داروں میں کافی کھلبلی مچ گئی کہ تقریر سے پہلے ڈنک پہ بین بجائی جائے۔ بہرکیف ان سانپوں کا قصہ یوں ختم ہوا کہ کمار صاحب انگلینڈ چلے گئے اور حیات اللہ کی زندگی کی تلاش کے لئے دوسری راہیں نکل آئیں۔ انہوں نے پرانے لکھنؤ میں زندگی کے ساتھ تعلیم بالغان کا کام شروع کر دیا۔ جو ایک عرصہ تک جاری رہا۔ اس کے ٹھیک پندرہ برس بعد انہوں نے بالغوں کی تعلیم کے لئے اور انہیں دس دنوں میں اردو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لئے "حیات اللہ قاعدہ" تیار کیا۔ ۱۹۴۵ء میں ہندوستان ہفتہ وار لکھنؤ بند ہو گیا جس کی تیس چالیس روپے ماہوار کی نوکری چھوٹ گئی اور وہ اس وسیع دنیا میں جہاں ان سے ہمدردی کرنے والوں کا شدید قحط تھا بالکل تنہا رہ گئے۔ تنہا اس معنی میں کہ حیات اللہ نے ہندوستان کے ذریعے ادب اور صحافت کی بڑی خدمت کی تھی۔ آج کے بیشتر ممتاز ادیبوں اور شاعروں میں کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے ان کے اخبار میں نہ لکھا ہو۔ اس وقت اس ہفتہ وار اخبار کو جاننے والوں کی تعداد بہت کم ہوگی (کیونکہ ترقی پسند تحریک کے سلسلہ میں نقادوں نے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے) لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حیات اللہ نے اس پرچہ کے ذریعہ اپنے ان متوازن خیالات کا ریہرسل کیا تھا جن کو بعد میں انہوں نے قومی آواز کے ذریعہ پیش کیا ——

قومی آواز کا ذکر کئے بغیر حیات اللہ کی زندگی بڑی ادھوری رہ جائے گی۔ لیکن ان کی زندگی کے اس پہلو پہ لکھنے سے قبل ان کی رضاکارانہ بے کاری کے زمانہ کا ایک قصہ اور تجربہ ان کے کردار پہ روشنی ڈالنے کے لئے یہاں لکھنا ضروری ہے۔ جب ہندوستان کے تمام ممتاز ادیبوں نے ایک ایک کر کے فلمی لائن کو اختیار کیا تو حیات اللہ نے بھی قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے چیتن آنند کے ہاتھ اپنی ایک فلمی کہانی "نیچا نگر" فروخت کی۔ اس سلسلہ میں وہ کئی ماہ بمبئی رہے۔ جب اس کہانی کا فلم تیار ہوا تو اس نے فرانس میں اکاڈمی انعام جیتا۔ لیکن اس عرصہ میں بمبئی کی فلمی دنیا نے حیات اللہ کو بدحواس کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی فلمی کہانی کے پیسے جیب میں ڈال کر بمبئی سے بھاگ نکلے اور لکھنؤ آ کر دم

تھا۔ یہیں رفیع احمد قدوائی مرحوم سے انھوں نے ملاقات کی اور انھیں ایک اردو روزنامہ نکالنے کا مشورہ دیا۔ قدوائی صاحب ان دنوں یو پی
کانگریس کا الیکشن لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ وہ اخبار نکالنے پر فوراً آمادہ ہو گئے۔ حیات اللہ نے کام سنبھال لیا۔ اس وقت حسن عسکری ایڈیٹر
تھے۔ جب پہلا پرچہ نکلا تو انہوں نے حیات اللہ کو جلا کر ایک تشکر کا سپاسنامہ لکھا۔ حیات اللہ حسن عسکری کا شکریہ لکھ گئے۔ پھر اس کے بعد
شاید دونوں میں کبھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ اس سلسلہ میں ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ایک الیکشن کے پرچہ کو اپنی کوششوں سے ایک
باوقار روزنامہ بنادیا اور آج یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ہندستان کے مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی خدمت جس صحت مندانہ طریقے
سے قومی آواز انجام دے رہا ہے۔ اس کی مثال آج ہندستان میں مشکل سے ملے گی۔ قومی آواز کی بقا کے لئے انہوں نے اپنے محدود ساتھیوں سے
بھی اس طرح جنگ کی جس طرح وہ باہر اپنے ترقی پسند ساتھیوں اور فرقہ پرست جماعتوں سے کرتے رہے تھے۔ انہوں نے خود پیٹ پر پتھر باندھ
کر اور اپنے ساتھیوں کے پیٹ پر پتھر بندھوا کر قومی آواز کو زندہ رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے ادارہ کے اراکین میں تلخیاں پیدا ہوئیں۔ شریف
پیدا ہوئے انیت کا سوال درمیان میں لایا گیا۔ دوستی اور تعلقات میں فرق آیا لیکن وہ اپنی بات پر جمے رہے۔ بات پر جمے رہنا حیات اللہ کا
بہت بڑا وصف اور کمزوری ہے۔ وہ جب سوچ سمجھ کر ایک بات کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر بڑی مشکل سے اسے بدلنے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ بدلتے
ہی نہیں ہیں۔ اس میں بعض اوقات کٹھ حجتی کو دخل ہوتا ہے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے کہ انہوں نے کسی مسئلہ کے بارے میں خلوص نیت سے اپنی
رائے نہ قائم کی ہو۔

لیکن خود ان کی بھی ایک کمزوری ہے۔ یہ کمزوری ان کے تخیل کی اڑان ہے۔ جس کو اگر آپ حیات اللہ کے ساتھ رعایت برتیں تو ان کی امید
پرستی کا نام دے سکتے ہیں۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ لیکن ان کے اس مایوس نہ ہونے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر آپ خدانخواستہ ان کی باتوں
میں آگئے تو یہ ممکن ہے کہ آپ امید کا دامن ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں۔ مثلاً مجھے یاد ہے کہ ایک زمانہ میں انہوں نے اپنے ایک کیپٹن دوست
کرنل چندر رستوگی کے ساتھ مل کر کوہ پیمائی کا بڑا عظیم الشان پروگرام بنایا تھا۔ اس کے لئے لکھنؤ کے نخاس سے سامان جمع کرنے کی ایک طول و طویل
فہرست بھی بنائی گئی تھی۔ دن بھر یہ دونوں دوست کوہ پیمائی کے امور پر دلچسپ گفتگو کیا کرتے۔ غریب رستوگی اس گپ میں اتنا منہمک ہو جاتا کہ اس
کی نوجوان آنکھوں میں ایورسٹ کی برفیلی چوٹیاں چمکنے لگتیں۔ لیکن کچھ دن کے بعد یہ ہوا کہ حیات اللہ کو اپنے تخیل کی اڑان کے لئے دوسرا شغل ہاتھ
آگیا۔ رستوگی غریب آج کل فارمنگ کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ شاید اسے اس بات کا علم نہیں ہے کہ تن سنگھ کے ایورسٹ کے سر کرنے سے قبل حیات اللہ
انصاری اپنے تخیل میں اسے کبھی کا سر کر چکے ہیں۔ تو یہ تخیل پرستی یا امید پرستی حیات اللہ کی فطرت کا خاصہ ہے۔ جس کے سہارے انھوں نے اپنی
زندگی کے کتنے ہی معرکے سر کر ڈالے ہیں۔ لیکن حیات اللہ کے اس اسکیچ کو پڑھنے والوں کو میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ رستوگی کی مثال کو سامنے رکھیں۔
اور زیادہ اڑان بھرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ بسا اوقات حیات اللہ کو اس اڑان کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک بار یوپی
اسمبلی میں کہیں وزیر مالیات حافظ محمد ابراہیم نے اپنی بدقسمتی سے بجٹ تقریر میں اندو کا ذکر خیر فرما دیا۔ دوسرے دن جب یہ تقریر اخبارات میں
چھپی تو حیات اللہ نے اپنی امید پرستی کے ہاتھوں اس کی بڑی مٹی پلید کی ——— اندو کی جیت اور ان کے تخیل نے سینکڑوں ہوائی قلعے بنا ڈالے۔
پھر ہوائی قلعے از خود ہی گر گئے اور بیچارے حیات اللہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اب یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ وہ اندو کے مقدمہ سے مایوس
ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس پر بھی انھوں نے صبر اور تخیل کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے اور اب وہ "سرد جنگ" کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ
جمہوریت کی فتح پر بھرپور اعتماد رکھتے ہیں۔

ان کے تخیل کی اڑان کی ایک دوسری مثال بھی سنتے چلئے۔

۱۹۴۲ء میں غیر منقسم ہندستان کی جو سیاسی صورت حال تھی اس سے کم و بیش سب ہی واقف ہیں۔ یہاں ان اشتراک ملاقات کا اعادہ

کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ [illegible] حیات اللہ ایسے نہیں تھے۔ ان کے تخیل کی اڑان کا وہی عالم تھا۔ چنانچہ ۔ ۔ جولائی [illegible] کو یہ لکھنا پڑا:-

"...... جو تحریک چلنے والی ہے اس پر مجھے پورا عقیدہ ہے۔ اب ہندوستان کو آزاد ہو جانے کو ختم کیجئے آخری مہینوں کی وہ بات ہے۔ یہاں قرآنیوں کی ضرورت ہے"

مجھے اس کا اقرار ہے کہ کشتی کی طرح اس بار بھی ان کے ساتھ پرسٹ کی چوٹی پر جا پہنچا۔ لیکن بعد کو جو واقعات پیش آئے ان سے مجھے صدمت کا احساس کیا۔ اگرچہ کشتی جتا کر شاید میں بھی خود مثل کے چکر پر پڑ گیا ہوتا۔ لیکن یہ نہ سمجھئے کہ کہ حیات اللہ انصاری کی اس تخیل پرستی پر حقیقت سے بالکل ناطہ توڑ لیا جاتا ہے۔ میں نے ان کو ان کے ایسے پر ترقی کے وقت اپنی ہر منصوبہ سے دور چلنے دیکھا ہے۔ سب اسی مطابق ہی یہ ہوا کہ وہ مجھے خط تحریر کر اپنے دوست اور انگریزی ناول "کنسٹ پیڈائے مصنف راجا راؤ کے ہمراہ اس کوشش میں تھے کہ اول طرح ہوئے کہ روحانی علمبرداروں کے مکالمہ کی داستان کو غیر ملکی اخباروں میں شائع کرایا جائے۔ یہ راجا راؤ بھی عجیب خوابی انسان تھے۔ اپنے تخیل کی اڑان میں حیات اللہ سے ہزاروں ہزار ہاتھ آگے۔ حیات اللہ وکٹوریہ اسٹریٹ کے ایک کمرہ میں بیٹھ کر پرسٹ کو سر کرنے کی بحث ۔ لکھتے تھے۔ یہ راجا راؤ تو ہوائی جہاز پر سفر کرتے تھے۔ اس لئے پرواز پر پہنچے ان کے تخیل کی اڑان۔ اس سر کرنے پر مباحثہ محض ان کی اڑان کی ذات تک جو اپنی حیثیت حقیقت پسندی سے دونوں کو ہم آہنگ رہتے تھے۔

اس وقت (۱۹۷۴ء) حیات اللہ انصاری قومی آواز اردو تحفظ مہم اور فرقہ پرستوں کے خلاف جہاد کرنے کا دوسرا نام ہے۔ دستخطی مہم کے سلسلہ میں اوپر کہیں ذکر آ چکا ہے۔ جب انہوں نے اس مہم کو شروع کیا تھا تو بہت کم لوگوں کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ بیس لاکھ دستخط جمع کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کا جو سیاسی مزاج تھا اس میں یہ بات ناممکن ہی نظر آتی تھی۔ لیکن انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم الشان تنظیم کھڑی کر دی۔ جس نے پوری قلم کے ساتھ بیس لاکھ دستخط جمع کر کے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ آج اگر ہندوستان کی کوششیں بار آور نہیں ہو رہی ہیں تو اس میں ان کا قصور نہیں ہے۔ ہندوستان کے جمہوری مزاج کا قصور ہے اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حیات اللہ کو ہندوستان کی جمہوریت پر اٹل بھروسہ ہے۔ اس لئے وہ اس سلسلہ میں اپنے بس بھر کام کئے جا رہے ہیں۔ اس مہم کے سلسلہ میں حیات اللہ نے ان دیکھے میدانوں کو سر کیا۔ بڑے بڑے بندوں سے ٹکر لی۔ یہاں تک کہ انجمن ترقی اردو کے معتمد قاضی عبد الغفار مرحوم تک کی مخالفت مول لی۔ اس سلسلہ میں انسانی فطرت کی کمزوری کے پیش نظر ممکن ہے کہ دونوں میں قیادت کے لئے بھی رسہ کشی ہوئی ہو۔ لیکن قاضی عبد الغفار کے انتقال کے بعد انہوں نے قومی آواز میں جو اداریہ لکھا اس میں اردو کی جد و جہد کا سہرا قاضی صاحب مرحوم کے سر باندھ دیا۔ جو لوگ حیات اللہ کے مزاج سے ناواقف تھے انھوں نے منہ میں انگلیاں دبا لیں۔ جب حیات اللہ کو اس حیرت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی مخصوص دلکش مسکراہٹ پر اکتفا کی۔

اسی طرح کا ایک ہنگامہ مجاز مرحوم کے انتقال کے موقع پر اس وقت پیش آیا جب انہوں نے "مجاز رخصت ہو گیا" کے عنوان سے ایک اداریہ سپرد قلم کیا۔ اس اداریہ میں حیات اللہ نے دل کھول کر مجاز کے فن کی تعریف کی۔ صحیح معنوں میں اس اداریہ میں انہوں نے خون کے آنسو بہائے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق کمیونسٹ پارٹی کی بھی خبر لے ڈالی اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ "مجاز اس لئے چاند بن کر نہ چمک سکے کہ وہ ایک ایسی جماعت سے وابستہ تھے جو ادب کو اپنے مفاد کے مسائل اور ایک خاص سیاسی نظریہ سے متعلق دیکھنا چاہتی ہے ......"

علی سردار جعفری جو ان دنوں ایک مشاعرہ کے سلسلہ میں لکھنؤ آئے ہوئے تھے انہوں نے اداریہ کو پڑھا۔ اپنے مخصوص انداز میں بالوں

کر دونوں ہاتھوں سے سر کے پیچھے پھیلا اور کہا کہ ”حیات نے سب ٹھیک لکھا ہے مگر ...... [illegible] کے ہاتھ سے
یہ الفاظ کر ڈالی آج تک کے بہاؤ کو لکھا؟ یہ غلط ہے اس موقع پر یہ نہ کہنا چاہئے تھا۔“

واقعی اگر حیات اللہ اس موقع پر اپنے مضمون کو نہ پڑھتے تو اچھا تھا۔ یہ ان کا بنیادی صاف گوئی کی ایک بات ہے ورنہ نہیں معلوم کتنے لوگوں میں ہے جو مجاز سے متاثر ہوئے بغیر بے باکی سے اپنے خیالات کو ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکیں۔ اس کے دوسرے دن لکھنؤ میں ایک جلسہ ہوا جس میں سب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس جلسہ میں حیات اللہ بھی بولے۔ لیکن انہوں نے یہاں کچھ احمد صاحب تک مجاز کی شاعری پر ایک نئے انداز سے روشنی ڈالی۔

حیات اللہ بڑے پیارے دوست ہیں۔ ان کی سنجیدگی کے پیچھے ایک بڑی زندہ دل، ہنستی اور چلبلی شخصیت چھپی ہوئی ہے۔ وہ ہنستے دوستوں کی کمزوریوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ انہیں تنگ کرتے ہیں۔ خود بھی دوستی پر زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن انہیں عمدہ پراٹھے، قورمہ کباب اور پلاؤ کھلاتے ہیں۔ دوستوں کی بیویوں کو شوہروں کے خلاف بغاوت کرنے پر اکساتے ہیں۔ چنانچہ جذبی کے ساتھ حال ہی میں ایک دلچسپ لطیفہ پیش آچکا ہے۔ حیات اللہ کسی کام سے علی گڑھ گئے ہوئے تھے۔ جذبی ان کے پرانے رفیق اور دوست ہیں۔ ان کی بیوی کا شکوہ تھا کہ جذبی بیوی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ یہاں تک کہ کبھی سینما تک ساتھ نہیں جاتے۔ حیات اللہ نے انہیں تسلی دی اور یقین دلایا کہ وہ ایسا انتظام کر کے جائیں گے کہ جذبی ہمیشہ آپ کے ساتھ سینما جائیں گے۔ وہ ٹھیرا شاعر اور یونیورسٹی کا لیکچرار شاید اسے خوف ہوگا کہ اس کے محبوب کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ بیوی کے ساتھ گھومتے ہیں۔ جب اس دن جذبی گھر واپس آئے تو حیات اللہ نے انہیں دوسرے شو میں بیوی کے ساتھ سینما جانے کا الٹی میٹم دے دیا۔ جذبی گھبرا گئے۔ مگر مجبور تھے وہ خود اتنے شریف واقع ہوئے ہیں کہ اس خواہش کی مدافعت کرنا ان کے بس سے باہر ہے اس واقعہ کے بعد حیات اللہ لکھنؤ واپس آگئے۔ معلوم نہیں جذبی کے طالب علموں کو اس بات کا علم ہوا یا نہیں کہ جذبی اپنی بیوی کے ساتھ سینما دیکھتے ہیں۔ اب ہم کو چاہئے معلوم ہو [illegible] ہماری دعا ہے کہ اس کی خبر مولانا عبدالماجد دریابادی کو نہ ہونا چاہئے کہ حیات اللہ عورتوں کی سرشت کو [illegible] ہے۔ کیونکہ اگر انہیں اس بات کا علم ہو گیا تو حیات اللہ کی خیریت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں یاد آیا کہ قومی آواز جب شروع شروع میں نکلا ہے تو حیات اللہ نے مولانا عبدالماجد دریابادی سے بھی مضمون لئے تھے۔ لیکن حیات اللہ شریر طبیعت ہیں مزاح کے [illegible] انہوں نے برنارڈ شا کے [illegible] اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ذکر حیات اللہ کے اچھے اور دلچسپ دوست ہونے کا تھا۔ ہر شخص کی طرح حیات اللہ کا بھی ایک مخصوص حلقۂ احباب ہے۔ ان کی روح کی گہرائیوں میں جھانکنے کے لئے اس حلقۂ احباب میں شامل ہونا ضروری ہے۔ یہاں حیات اللہ ایک بالکل مختلف انسان ہیں۔ جو آپ کو سستے پھلوں کے خریدنے کے گر سے لے کر جالی اور خس کے سستے مال کے ذریعہ گھر کو سجانے کی ترکیبیں بتلاتے نظر آئیں گے۔ حیات اللہ بچپن سے پیٹ کے مریض ہیں۔ شاید بچپن میں ماں کے قبل از وقت انتقال کی وجہ سے باپ نے بہت زیادہ لاڈ کیا ہوگا جس کی وجہ سے ان کا معدہ کمزور ہو گیا۔ بہرکیف وجہ کچھ بھی رہی ہو اس پیٹ کی بیماری کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔ اور اب وہ اس کا علاج غذاؤں اور دواؤں کے ذریعہ خود کر لیتے ہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن آگے چل کر یہ معاملہ نازک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب ان کا کوئی دوست درد سر، بے خوابی یا اسی قسم کی کسی دوسری شکایت کا ذکر کرتا ہے۔ حیات اللہ فوراً سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں ”اچھا تو آپ کو یہ شکایت ہے؟“ پھر اس شکایت کا شجرہ پیٹ سے ملا کر کہیں گے ”سب پیٹ کی خرابی ہے۔ کبھی آپ کو قبض تو نہیں ہوئی؟“ اب وہ بیچارہ دوست ذہن کو کھنگال کر کہتا ہے کہ ”جی نہیں قبض کبھی نہیں ہوئی۔ مجھے کیا میری سات پشتوں کو یہ موذی مرض کبھی نہیں ہوا“ لیکن حیات اللہ اس کی بات کا اعتبار نہیں کریں گے۔ (زیادہ کھانے اور کم کھانے کی ایک لمبی چوڑی فہرست گنا

ہی کے معاملے میں شیعوں کے [illegible] کا قائل ہو سکتا [illegible] ہو جائے گا۔ دوسرے دن جب دوست ملے گا تو اس سے مزاج پوچھیں گے۔ پھر حیات بھائی [illegible] آخر [illegible] سوال جواب سے [illegible] حیات اللہ [illegible] مرتب خوالی، مسائل [illegible] ختم ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ [illegible] نہیں [illegible] صحت [illegible] تشویش پیدا ہو گئی۔ پچھلے [illegible] انہوں نے فوراً آپ کو ان کی صحت کی [illegible] کی طرف متوجہ کیا [illegible] جب کسی نے [illegible] آپ کی صحت [illegible] آئی تو [illegible] ناموں والے سبھی [illegible] کی ایک فہرست [illegible] چنانچہ [illegible] کی کوشش کی [illegible] اس سلسلہ میں [illegible] تجربات [illegible] اس سلسلہ میں [illegible] پیش خواب [illegible] بیٹھیں۔

ایک صحبت میں حیات اللہ [illegible] خواجہ حسن [illegible] اور [illegible] ہے ایک زمانہ میں حیات اللہ [illegible] کے قائل نہیں تھے۔ لیکن اب [illegible] ہیں اور ایک [illegible] کی طرح [illegible] دیکھتے ہیں۔ [illegible] الہامی کتاب مانتے ہیں یا نہیں ——— حیات اللہ [illegible] ہوں۔ کس درجہ؟ کچھ دیر وہ [illegible] خاموش رہے [illegible] تو ان سے اصرار کیا گیا۔ کہنے لگے میں ایک چھوٹا موٹا ادیب ہوں مجھ سے میری انا [illegible] یا یوں [illegible] کہ کسی کی خودی مٹ جائے [illegible] ایک [illegible] اب آپ اسے جو کچھ نام دے دیجئے۔"

ان کے اس استدلال کو ہم جیسے انسان تخیل کی اڑان کا نام دیں گے۔ لیکن دل کی زبان کو سمجھنے والوں کے لئے اس میں بڑی صداقت پوشیدہ ہیں۔ حیات اللہ کا بچپن اور زندگی کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گزرا ہے۔ ان کا لکھنؤ کے علماء کے فرنگی محل کے قدیم خاندان سے تعلق ہے۔ [illegible] حاصل کئے ہیں ان کی خاندانی روایات کا اثر ہے یا ان کے گاندھیائی ہونے کا [illegible] اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن اگر اس سوال کا جواب دینے کے لئے حیات سے کہا جائے تو یقین ہے کہ وہ گاندھی جی کی تعلیمات کو اپنے خدا تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیں گے۔

نفاست کے اعتبار سے حیات اللہ پورے لکھنوی ہیں۔ وہی سب و لہجہ (لیکن تصنع سے پاک)، وہی لباس کا اہتمام، وہی تہذیب کا رکھ رکھاؤ۔ لکھنؤ میں ان کا قیام شہر کی نئی آبادی والے حصہ میں ہے۔ عید بقرعید کے موقع پر وہ صرف اپنے بزرگوں سے ملنے فرنگی محل جاتے ہیں اور اس بات پر شدت سے اصرار کرتے ہیں کہ ان کے چھوٹے ان سے ملنے کے لئے نہ آئیں۔ چنانچہ فرنگی محل جانے کا انہوں نے کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ محلہ والوں کے چھوٹوں کو ان سے عید ملنے کے لئے ان کے گھر جانا پڑتا ہے۔

لکھنؤ میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک تہذیبی برائی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے دو فرقے شیعہ اور سنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے بیٹھے ہیں۔ لیکن حیات اللہ نے بہت شعوری طور پر اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شیعہ سنی علماء اور عائدین شہر کا یکساں احترام کرتے ہیں۔ وہ دونوں فرقوں میں یکساں انتہا مقبول ہیں۔ شیعہ علماء اور شرفاء کے گھرانے کی کوئی ایسی تقریب نہیں ہوتی ہے جس میں حیات اللہ کو مدعو

دکیا جاتا ہو۔ مدیہ ہے کہ جب لکھنؤ میں مدح صحابہ اور تبرّہ کے سلسلے میں باہمی تعلقات بہت خراب ہو گئے تھے تو ان دنوں ہی ... سے شیعوں کو شبہ ہوا کہ یہ کس کی ... ان کے حقوق کے لئے ایک تحریک کی رہنمائی کی تھی۔ جس میں ... ایک ایسی ... تھی۔ لیکن کسی مرحلے پر بھی حیات اللہ کو اس سلسلے میں مورد الزام نہیں ٹھہرایا گیا کہ وہ شیعوں کی ... کی تخریب کر رہے ہیں۔ وہ ملت ... کے کچھ ایسے ... نہیں ہیں جیسے ... دار ... ہیں۔

اس سلسلے کے شروع میں آنجہانی کی ذات کے متعلق ایک دو اقرار اشتہار کا ذکر آ چکا ہے۔ اس سلسلے میں حیات اللہ نے شہر میں جو مجلس عمل بنائی تھی اس میں دونوں فرقوں کے نمائندوں کو شریک کیا تھا۔ پھر جب مجلس عمل کے ایک عالم نے جو ان کے مرید ہوتے ہیں مجلس عمل کے فیصلے سے انحراف کیا تو حیات اللہ نے بغیر کسی قسم کی رو رعایت کے اخبار کے ذریعہ ان کا پول کھولا۔ اس واقعہ کے سلسلے میں ان کی وہ غیر فرقہ پرست شخصیت بھی کافی مجروح ہوئی۔ لیکن اس کی انہوں نے فکر پروا نہیں کی۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ اس تحریک کے ساتھ بہت دور تک چلے گئے ہیں تو انہوں نے نہایت ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حیات اللہ اگر اپنے اخبار میں اس تحریک کے خلاف کچھ لکھ دیں گے تو معاملہ ختم ہو جائے گا وہ معاملہ کی نزاکت اور مسلمانوں کے جذبات سے واقف ہی نہیں ہیں۔ لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ لیکن اس دھن کے پکے شخص نے اس معاملہ سے نپٹنے کے بعد دوسرا مورچہ سنبھالا اور بالآخر مخالفین کو یہ سمجھانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی کہ انہوں نے اس معاملہ میں جو رویہ اختیار کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔

حالات نے اس وقت حیات اللہ کو سیاست میں حصہ لینے پر مجبور کر دیا ہے جس کے لئے وہ بالکل نادم اور شرمندہ نہیں ہیں۔ لیکن یہ ایک بہت افسوسناک بات ہے۔ دراصل وہ بنیادی طور پر ایک فن کار اور مفکر ہیں اور یہیں ان کی جگہ ہے۔ چند سال ادھر وہ ایک صحافتی وفد کے ساتھ مصر گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر وہ اپنے ساتھ قدیم مصر کی داستانیں، بادشاہوں اور شہزادیوں کے قصے اور وادیٔ نیل کے رومان کی کہانیاں لے کر آئے۔ مصر کی سماجی زندگی کے اور بہت سے پہلوؤں کا بھی جمالیاتی نقطۂ نظر سے مطالعہ کر کے لوٹے۔ لیکن انہیں وہاں شاہ فاروق کے خلاف ہونے والی سازشوں اور اس انقلاب کی کوئی بو باس نہیں ملی جو ان کی واپسی کے چند ماہ یا شاید چند ہفتوں کے بعد رونما ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص حالات کی وجہ سے وہ ایک سیاسی آدمی ہو گئے ہیں ورنہ اس سے انہیں فطری لگاؤ نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا اب سے چند سال قبل یہ خیال تھا کہ کانگریسی حیات اللہ بس چند دنوں کی بات ہے کہ وزیر نہیں تو نائب وزیر اور وہ بھی نہیں تو پارلیمنٹری سکریٹری ضرور ہو جائیں گے۔ لیکن حیات اللہ کی ذات سے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ انہوں نے اردو کی تحریک اور اقلیت کے حقوق کے لئے جس جان جوکھم کی منزل میں قدم رکھا ہے وہاں سے سرکاری کرسیاں بہت دور ہیں۔ واضح رہے کہ بعض دوسرے لوگوں کی طرح حیات اللہ منزل سے پلٹ پڑنے کے لئے کوئی چور دروازہ کھلا ہوا نہیں رکھتے ہیں۔ جب وہ اپنی منزل پر روانہ ہونے لگتے ہیں تو چور دروازہ وہ معمولی دشمنوں اور جھروکوں کو بھی بند کر دیتے ہیں۔ آج اپنی اس سچائی اور خلوص کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں اقلیت کی تاریخ ختم نہیں ہو گئی ہے تو آگے چل کر حیات اللہ کا نام یقینی ان چند گنے چنے لوگوں میں ہوگا۔ جنہوں نے ہندوستان کے جمہوری نظام میں اسے معزز جگہ دلوانے کے لئے کام کیا اور دوسروں کو ان کا کھویا ہوا اعتماد واپس دلوایا۔

حیات اللہ کو کسی نے غصہ آتے نہیں دیکھا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو ان کے سب جاننے والوں کو معلوم ہے۔ لیکن ان سے ان کے بارے میں استفسار کیجئے تو وہ مسکرا کے "سلطانہ نے یہ غصہ دیکھا ہے"۔۔۔ اس ظالمانہ سچائی نے استفسار کرنے والے کو فرط حیرت کر دیا۔ بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ حیات اللہ کو بھی غصہ آتا ہے وہ چائے بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ روٹھ بھی جاتے ہیں اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو ایک عام شوہر کرتا ہے۔ لیکن اس داستان کی تفصیل بیان کا یہ موقع نہیں۔ پھر کبھی یہ باتیں سلطانہ حیات کو بھی لکھنا چاہئیں جو حیات اللہ کے ساتھ دس بارہ برس سے بڑی خوشگوار زندگی گذار رہی ہیں۔

اوپندر ناتھ اشک

کوشلیا اشک

اشک جی نے اپنی ایک ہندی نظم میں کہا ہے :

اور میں دریا
چر کا بہا
تھکا اور ہارا
منتھر گتی سے میدانوں میں بہنے والا
مون اور گمبھیر، شانت اور پرشانت
یوون کی سب یاد بھلا کر
ٹوٹ پھوٹ کر
بہتا ہوں اور بھرانت[1]

---

[1] اور میں دریا
بہت دیر کا چلا ہوا
تھکا اور ہارا
آہستہ آہستہ میدانوں میں بہنے والا
خاموش، گمبھیر، شانت
جوانی کی سب یاد بھلا کر
لوٹ اور لٹا کر
بہتا ہوں کھویا کھویا سا

ٹیکسلا کی خاموشی کو یاد کرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ چپ چاپ اثر کرتے کے سبب حیا کی شاعری میں ایک بڑی خاموشی کی
تحصیل ہم آہنگ ہوا اور کی ایک کیفیت ۔ شاعر سے ہوا اور اس ہر کھلے اور بیا برسات کے موسم میں کنارے کر رہا ۔ تقسیمات ہوا چاند رات جگنا ہے
دیکھنے کی سی حالت ہے کہ ہر کی قریب ہوا گرنے کی سانپ سا آہستہ آہستہ ہی سرکتا ہوگا ۔

حیا کی شاعری کی یہی وہ صورت اشک جی کے شعر ادراک کی حدود ہیں ۔ ان کے مزاج کی ایک انتہا کو دیکھ کر اس کے بارے میں کسی طرح کا یقین ایسے طور
سے پالنے والا شخص جب اس کی دوسری انتہا دیکھے گا تو صرف اسے حیرت ہوگی بلکہ اس نے اس یقین کر بھی صدمہ پہنچے گا ۔

اشک جی سے اپنے تعارف اور اپنی شادی کے اولین دنوں بیری ہی حالت اسی شخص کی سی تھی جس نے دریا کی ہلکی سطح صرف ہوائی سے ہی دیکھ
ہو ——— پہلی مرتبہ اشک جی کی شادی ہوگئی تھی ۔ ایک بیری ہی نا خواندہ دیہاتی لڑکی کے ساتھ ۔ وہ کسی قابل ہوا تو وہ سے طویل اذیت کے
بعد اسے موت کی گود میں سلا دیا ۔ اس کی وفات سے اشک جی کو بڑا صدمہ پہنچا ۔ ان کے ساں پہلی بیوی کے بہنے کی رشتے آنے لگتے ہیں ۔ اشک جی کو
پہلی بیوی پسند تو نہ تھی لیکن چار برس کی رفاقت کے بعد اسے چاہنے لگے تھے ۔ انہوں نے جلدی دوسری شادی نہ کی ۔ سب جی کرنے کے لئے قانون
پاس کیا تھا لیکن مقابلے کے امتحان سے محض دو مہینے پہلے بیوی کے رحلت کر جانے کی وجہ سے افسردہ دل ہو کر انہوں نے سب جج بننے کا خیال چھوڑ
دیا اور اپنے فطری رجحان کے مطابق ادب کی خدمت میں محو ہو گئے ۔

لاہور کی زندگی ان دنوں کافی دلچسپ لیکن رسوا تھی ۔ کوئی نہ کوئی سکینڈل سے دن پھیلا کرتے ۔ وہاں سے سکون کی تلاش میں نکلے تو وسط پنجاب کے
ایک گاؤں پریت نگر میں جا پہنچے ۔ وہاں بھی رسوائی نے پیچھا نہ چھوڑا ۔ ایک لڑکی کے سلسلے میں خاصہ سکینڈل پھیل گیا ۔ اشک جی اتنے تنگ آ گئے کہ انہوں
نے اپنے بھائی کو لکھ دیا ——— "میری شادی کہیں کر دو ۔" بھائی صاحب نے دیکھتے بھالتے ایک جگہ سگائی پکی کر دی ۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے کچھ سوچ کر
محسوس کیا کہ خاصی جلد بازی ہو گئی ہے ۔ پہلے بھی شادی کچھ ایسے ہی ہوئی تھی ، تجربات کافی تلخ تھے ۔ انہوں نے بھائی صاحب سے کہا ۔ "سگائی چھوڑ
دیجئے ۔" بھائی صاحب نے انہیں دور کے رشتے کی ہی سگائی طے کر دی تھی ، وہ نہیں مانے ۔ مذبذب اور شش و پنج کی ایسی ہی حالت میں گھلے ہوئے
اداس اور گم گشتہ خاطر تھے ، جب ان سے میرا تعارف ہوا اور میں نے ان کے مزاج کا وہی روپ دیکھا جس کا ذکر انہوں نے اپنی مسند جوبالا نظم میں
کیا ہے ۔

میں دینا نگر ضلع گورداسپور میں ہیڈ مسٹرس تھی ۔ دو پہر آتی تو سٹیشن روڈ پر اپنے ماما جی کے ہاں ٹھہرتی ۔ اشک جی وہیں مجھ سے ملنے آیا کرتے ۔ آتے تو
خدا جانے کس رو میں ایسے چپ چاپ بیٹھ جاتے گویا منہ میں زبان ہی نہ ہو ۔ کوئی بات پوچھتی تو نہیں ویسی آوازیں جواب دیتے کہ قریب بیٹھا شخص بھی نہ سن
سکے ۔ ان دنوں میں سوچا کرتی تھی کہ ان کی اس فطرت اور اس زندگی کو کیسے نباہ سکوں گی ——— آپ میری حیرت کا اندازہ کر سکتے ہیں جب اپنی شادی کے
ایک ماہ بعد ہی میں نے انہیں کھل کھلا کر قہقہے لگاتے دیکھا اور مجھے سوچنا پڑا کہ میں بے حد سنجیدہ مزاج ہوں اور سنا ہے کہ جیسے ہنس مکھ ہلکے مزاج آدمی کے
ساتھ کیسے چل سکوں ۔

کبھی اس حد پر اور کبھی اس کے عین برعکس دوسری حد پر چلنے والے اشک جی کے مزاج کا محض ایک پہلو دیکھنے والا جب اچانک اس کا دوسرا پہلو
دیکھتا ہے تو وہ کچھ لمحے کے لئے حیران و مبہوت رہ جاتا ہے ——— اپنی ازدواجی زندگی کے گذشتہ سات برسوں میں ہماری شادی ہوئے صرف سات برس ہوئے
ہیں ، حیرت کے ساتھ دیکھا سا لگانے والے ایسے لمحے کم نہیں آئے ۔

شادی کے اولین دنوں کا ذکر ہے ۔ ایک بار ہم نے کچھ احباب کو مدعو کیا ۔ ان دوستوں میں کچھ اشک جی سے عقیدت بھی رکھتے تھے جنہوں نے

کھانا بھی ٹھیک سے ... کرسی نے سب سے دستر خوان پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو میں نے اشک جی کی طرف کرتے ہوئے بیٹھے ہوئے مہمان سے کھانا شروع کیجئے! انہوں نے پورا انعام اور محبت اور خوبصورتی کے سبب پہ بیٹھے ہوئے اشک جی سے کہا: جی آپ ہی شروع کیجئے ... اور پھر سے نوالہ اٹھا کے ان کی طرف بڑھا دیا۔

اشک جی اپنی عادت کے مطابق لگاتار باتیں کر رہے تھے ... کسی طرح ... اشک جی نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالا ... [illegible] ... یہ سالن ... وغیرہ اپنی پلیٹ میں ڈالتے گئے ... آپ نے کھانا شروع کر دیا۔

میں نے دبی زبان سے کہا: آپ نے کھانا شروع کر دیا؟ دوسرے ... رہے ہیں!

اشک جی نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا: ارے معاف کیجئے! تکلف نہ کیجئے اور شروع کیجئے۔

اور یہ پنجاب ... ہے۔

سب کچھ ... ہو کر میں نے نوالے آگے بڑھا دئے۔

اسی طرح ایک بار کا ذکر ہے۔ عید ... مہمان زیادہ آ گئے۔ میں نے انہیں ... کہا ... سب ٹھیک ہے لیکن ... کچھ کم ہے۔ ... بازار ... آپ ... رہ گئی ہیں ... [illegible]

بولے: فکر نہ کیجئے سب ٹھیک ہے اور کچھ ... ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔

میں نے کہا: تھوڑا تھوڑا خود ہی سب کی پلیٹوں میں ڈال دیجئے گا۔

بولے: تم ذرا بھی فکر نہ کرو میں سب دیکھ لوں گا۔

اور پھر جا کر بیٹھ دوستوں کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی مطمئن ہو گئی۔

جب وقت پر سب کھانے کے لئے بیٹھے تو میں نے ... کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے ... اور کافی مقدار میں اپنی پلیٹ میں ڈال کر بولے: دیکھو بھئی ... بس اتنی ہی ہے۔ لیتے وقت ذرا دوسروں کا خیال رکھئے گا۔

شرم کے مارے میرا منہ لال ہو گیا۔ میں نے کہا: آپ تو دوسروں کا خیال رکھئے!

ارے یار ...! یہ کہتے ہوئے انہوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔ اب تو جو تھا ہو گیا نہیں واپس ڈال دیتا ... اور پھر مجھ سے معافی مانگتے ہوئے بولے: غصے کیوں ہوتی ہو، یہ سب اپنے آدمی ہیں۔ یہاں کھانا کھانے تھوڑی آتے ہیں۔ اس بہانے کچھ دلچسپ گھڑیاں بسر ہو جاتی ہیں۔ اور دوستوں سے بولے: لو یار تھوڑا تھوڑا۔ یہ تو اور ... لگی تھیں میں نے روک دیا کہ سب اپنے آدمی ہیں تکلف کی کیا ضرورت ہے۔

اشک جی کے لئے سبھی اپنے آدمی ہیں۔ جامعہ ملیہ دہلی کے پروفیسر ... نے ان کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے:

"اشک کی طبیعت میں اجنبی پن نام کو نہیں۔ پہلی ہی ملاقات میں آپ کو سب کہہ دیں گے سب سے بے تکلف اور سب کے دوست۔"

اور مجھے ان کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کی یاد آ جاتی ہے۔

[illegible] مجھے پیار سے اور سپنے میں ہی یہ بھی لگی تھی کہ مجھ سے پہلے بیت گئے ہیں اور ہاں لگ گئے تھے۔ میں [illegible] [illegible]
کہ آپ کا بیٹا بھائی بہنو معلوم ہوا کہ اشک جی کو کئی ماہ سے گھٹنے پر چوٹیں، اسکا بہت خراب ہے اور اگر کی طبیعت سے ہاں کی [illegible]
پہ گہری چوٹ آگئی ہے اور اگر مجھے خاص تکلیف نہ ہو تو میں ہی اُدھر ہی چلوں۔

اشک جی کے بڑے بھائی لاہور میں دانتوں کے ڈاکٹر تھے۔ ماڈل ٹاؤن کے سامنے ان کی سرجری تھی۔ ان کے بھائی نے مجھے ان کا پتہ بتایا۔
میں نے کہا: "آپ ان سے کہہ دیں، دو گھنٹے میں خود ہی وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

میں نے اشک جی کو پہلے بھی دو ایک بار دیکھا تھا۔ سلک کا بنگالی کرتا اور بائیک کا سفید کی دھوتی پہنے۔ جنتی طرح لاہور کے جلسوں میں
ان کی نظمیں بھی سنی تھیں لیکن وہ مجھ سے واقف نہ تھے۔ چند خطوں ہی کا تعارف تھا۔ وہ کافی کمزور تھے اگر میں اندر داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اشک جی
اور کھلے گلے کی قمیص پہنے بیٹھے ہیں۔ ایک گھٹنے پر پٹی بندھی ہے جو نصف سرکاری پلیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ قمیص کے کف میں تو ہی سنہری بٹن
نہ سے پچھلے کی پٹی ہے تمیز نہیں تھی۔ میں حیرت کر چھپا کر میں نے نمسکار کیا۔ میرے نمسکار کا جواب دئے بغیر بولے: "آؤ!" میں چلنے ہی والی تھی کہ ایک
اٹھ کھڑے ہوئے۔ بولے: "یہاں مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ گھر میں پتا جی آئے ہوئے ہیں اور بچے ہوتے ہیں۔ چلو بیدی کے ہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔"
اس سے پہلے کہ میں کچھ جواب دیتی آپ نے باہر نکل کر تانگے والے کو آواز دی اور اگلی سیٹ پر جا بیٹھے۔

بیدی کا نام سن کر نہ جانے کیوں میں نے سمجھا کہ ہم کسی ڈاکٹر کے یہاں جا رہے ہیں ——— ڈاکٹر بیدی ——— اور میرے تخیل میں جب [illegible]
ایک مختصر سا [illegible] گھوم گیا لیکن جب گھوڑا ہسپتال کے سامنے سے ہو کر نو نگر کے باہری سڑک پر چلتے ہوئے تانگا ایک کچی گلی کے سامنے جا کر
رکا اور مکانوں کے سامنے بہتے ہوئے گندے پانی کی بدبو کے مارے دماغ پھٹا گیا (اس وقت تک نئی نگر میں نالیاں نہ بنی تھیں اور مکانوں کا گندا پانی
ان کے آگے بہتے ہوئے چوبچوں میں اکٹھا ہو جاتا تھا) تو میرا ماتھا ٹھنکا لیکن تانگے سے اتر کر میں چپ چاپ ان کے پیچھے پیچھے چلتی گئی۔

جس کمرے میں ہم داخل ہوئے وہ نہ جدید تھا، نہ میرے تصور کے مطابق سجا ہوا تھا اور نہ بیدی ہی ڈاکٹر تھے۔ کمرہ چھوٹا سا تھا اس میں ایک
پلنگ بھی بچھا تھا، ایک میز اور دو تین کرسیاں بھی تھیں اور "آؤ جی بیدی" کہہ کر اشک جی نے جس شخص سے ہاتھ ملایا وہ منجھلے قد کا ایک سیدھا سادا
سکھ نوجوان تھا۔ ننگے سر اور کچھا پہنے ہوئے۔

کمرے میں ایک نفیس سوٹ میں ملبوس ایک اور سکھ نوجوان بھی بیٹھا تھا۔ اشک جی اسے جانتے تھے یا نہیں، یہ تو میں نہیں کہہ سکتی لیکن اس پر ایک
اچٹتی سی نگاہ ڈال کر یہ اپنے دوست کو دھکیلتے ہوئے ساتھ والے صحن میں لے گئے اور اس سے بولے: "بھائی اپنے اس دوست کو جلدی چلتا کرو، خواتین
کتنا بھی چھپتی ہوں۔" میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے: "ان کو زرا ساتھ جا کر بٹھاؤ اور مجھے کوئی پاجامہ لا دو تا کہ اس دھوتی کی قید سے نجات حاصل کروں۔"
اور اپنے دوست کو جواب دینے کا موقع دئے بغیر وہ پردہ کر سو کھنے کی غرض سے ٹنگا ہوا ایک پاجامہ لے کر یہ کہتے "میں ابھی آتا ہوں"
کہہ کر ساتھ والے کمرے میں چلے گئے۔

میں حیرت زدہ سی بیدی صاحب کے ساتھ (کیونکہ یہ بیدی اردو کے مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کے علاوہ کوئی دوسرے نہ تھے) پہلے
اندر والے کمرے میں گئی اور جس کرسی کی طرف انہوں نے اشارہ کیا اس پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔

کچھ عقیدت کے مارے اور کچھ اس سبب سے کہ میں اتنی دور سے اشک جی سے ملاقات کرنے آئی تھی میں ان سب باتوں کے باوجود جو میرے نزدیک
نہایت غیر مہذبانہ تھیں، چپ چاپ بیٹھی رہی۔ یہ جان کر کہ الفاظ سے کھیلنے والے یہ کوئی حلوائی نہیں، میں نے اس وقت تک اشک جی کی کوئی تخلیق بھی
پڑھی تھیں، ان کے افسانوں سے میں روشناس نہ تھی، لیکن بھی اس انہماک سے کھیل سکتے ہیں کہ آنکھیں نظر نہیں۔ مجھے حیرت ہوئی تھی اور اگر چہ اب
کی اس قریب قریب انتیس سال کی بے تکلفی کو دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گئی تھی لیکن اس عجیب پن کے باعث انہیں کچھ اور جاننے کا تجسس بھی

[illegible] پیدا ہو گیا تھا۔

[illegible] صاحب کہنے لگے ... بدر سے گو میں نے بعد میں انہیں نہایت غصیلے موڈ میں بھی دیکھا ہے اور [illegible] ان کے بگڑنے کی [illegible] اپنے غصے کے معاملے میں میں نے انہیں نہایت [illegible] خلق پایا ہے۔ اشک جی کو کبھی [illegible] بیدی صاحب کو میں نے کبھی [illegible] غصے سے [illegible] سلوک کرتے نہیں دیکھا۔

مجھے خیال ہے کہ بیدی صاحب اپنے [illegible] کرنے کو جا رہے تھے [illegible] اور سوڈے کا گلاس [illegible] کے سامنے رکھتے ہوئے بولے ڈاکٹر صاحب! آپ دیر سے آ بیٹھے ہیں، کچھ کھا پی لیجئے نا!

ڈاکٹر صاحب (جو بعد میں معلوم ہوا کہ [illegible] بنانے والی کمپنی سے بہت [illegible] کی قسم سے ہوتے تھے) غالباً اپنے [illegible] تھے۔ مگر جب بیدی صاحب نے اتنی دیر [illegible] الفاظ کہے [illegible] انہوں نے بڑے [illegible] تپائی کو اپنی طرف کھینچ کر اس کے نیچے گھٹنے ٹکا دیے اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے [illegible] اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگے۔

بیدی صاحب کے چہرے پر [illegible] رنگ آنے اور [illegible] جانے لگا۔ [illegible] مجھے یہ باتیں [illegible] دوست کو کبھی نہ [illegible] سکتے لیکن اشک جی [illegible] سنبھل کر [illegible] اب [illegible] کانفرنس ختم [illegible] ہمارے [illegible] بھی [illegible] دو؟

کوئی احمق ہی ہوگا جو اتنا سیدھا اشارہ نہ سمجھے۔ [illegible] ڈاکٹر صاحب اچانک [illegible] کر اٹھے اور بیدی صاحب سے معافی [illegible] کرکے چلے گئے۔ اشک جی نے آگے بڑھ کر بیدی صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ بیدی صاحب [illegible] اور اشک جی جا کر پلنگ پر [illegible] ہوئے سے لیٹ گئے۔

وہیں لیٹے لیٹے انہوں نے آنکھ کی چوٹ سے جو بات شروع کی تو [illegible] کے وجود [illegible] زندگی کی [illegible] اور ان کہی باتیں کہہ گئے۔

لیکن سب سے بے تکلف اور سب کے دوست کی دوسری انتہا بھی ہے۔ یوں تو اشک جی دوسروں ہی سے نہیں [illegible] سے بھی اپنی [illegible] باتیں کہہ دیتے ہیں لیکن جنہیں وہ اپنا دشمن سمجھ لیں [illegible] ان کی توہین کر دے [illegible] دھوکہ کر [illegible] تو اس سے [illegible] ملنے پر بھی کبھی اس پر اپنا غصہ ظاہر نہیں ہونے دیتے اور دس برس بعد بھی اپنی ہتک کا بدلہ لینے سے نہیں چوکتے۔ یہ بات نہیں کہ وہ اپنے کردار کی اس خامی سے بے خبر ہیں۔ بات چل پڑے تو اشک جی اس کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ [illegible] جہالت کا نشان بتاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی اس عادت سے نجات پانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہوں نے ایسے خاندان میں جنم لیا ہے جہاں دادا کی توہین کا بدلہ پوتے چکاتے رہے ہیں اور جب بھی کبھی کوئی ان کی ہتک کر دیتا ہے تو یہ پیدائشی جذبے سے مجبور ہو کر [illegible] کا سارا فلسفہ بالائے طاق رکھ کر اپنی اس توہین کا انتقام لینے کے لئے تل جاتے ہیں۔ نہ اس توہین کو بھولتے ہیں اور نہ اس وقت تک سکون پاتے ہیں جب تک اس کا بدلہ نہ لے لیں یا دوسرا معافی نہ مانگ لے۔

ان کی معافی کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ کسی سے دھوکہ کھانے یا ہتک کی وجہ سے ناراض ہوتے ہیں، دل ہی دل میں کڑھتے اور [illegible] اس ہتک کا بدلہ لینے کی سکیمیں سوچتے رہتے ہیں کہ وہ اپنی اس حرکت پر اظہار افسوس کر دیتا ہے۔ بس یہ سب کچھ بھول کر اس کے گن گانے لگتے ہیں۔

ابھی تین چار برس پہلے ان کے ایک دوست نے [illegible] کے ساتھ [illegible] دلی والا مکان (جہاں اشک جی کے بمبئی چلے جانے پر [illegible] رہتا تھا) اسے کرایہ پر دے دیا بلکہ وہاں میرے بھائی کا جو سامان تھا وہ بھی [illegible] لا دیا۔ اشک جی نے سارے [illegible] جس کو اس نے

مکان ہوا ہمیں اور جب دوست سے انہوں نے ایک بات جانتے ہی کہہ کر افسوس ظاہر کیا۔ تب نہ صرف اشک جی نے مکان دلانے میں [illegible] شعور
نہیں کی بلکہ مالک مکان کو کہہ کر حتی الامکان انہیں وہاں جانے کی سعی کی۔ لیکن جس دوست نے وعدہ کر دیا تھا اس سے تمام [illegible]
پچھلے دنوں جب ڈاکٹروں سے صلاح مشورہ کرنے بمبئی گئے تو کہیں وہ بھی بمبئی ہی میں تھا۔ اسے ان کے وہاں ہونے کا پتہ چلا تو ملنے چلا آیا۔
نہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں لیکن وہ معافی مانگ گیا۔ واپس آئے تو بولے "شاید ۔ ۔ ۔ بخش آئے؟"
میں حیرت زدہ سی ان کا منہ تکنے لگی۔
تب بتانے لگے کہ کیسے وہ ملا۔ کیسے مسز بیدی کے ساتھ ملتان سے ملنے آیا۔ کیسے بحث ہوئی اور کیسے انہوں نے اسے لاجواب کر دیا۔ کیسے
پاکستان میں اس کا بڑا نقصان ہوا ہے اور کیسے اس نے اپنے کردار پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔
جب اس معافی پر بھی میرے چہرے سے حیرت اور غصے کے آثار نہ گئے تو بولے "جب اس نے معافی مانگ لی تو کیا میں اسے پھانسی
پر لٹکا دیتا۔ بیتی بیت گئی ہے، حال اس کا آج کل پتلا ہے۔ لاکھ برا سہی مگر آدمی دلچسپ ہے۔ میں نے اسے بخش دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اب
چھوڑو اس غصے کو۔"
اور یہ کہہ کر بے پروائی سے سر کو جھٹکا دے کر اپنے کام میں محو ہو گئے۔

اشک جی اپنے کپڑوں کے سلسلے میں بڑے بے پروا ہیں۔ لوگوں نے انہیں ہر طرح کا لباس پہنے دیکھا ہوگا لیکن سوٹ بوٹ، اچکن، تنگ
قمیص شلوار، دھوتی کرتہ وغیرہ ہر فیشن کے کپڑے پہننے کے باوجود انہیں تہ بند پہنے ننگے بدن رہنا بہت پسند ہے۔ پہلے پہل یہ سوٹ وغیرہ بھی
پہنتے تھے جب انہیں سرکاری دفتر میں، کسی سے ملنے جانا ہوتا ورنہ سارا دن گھر میں ننگے بدن تہ بند اور کبھی کبھی بنیان پہنے بیٹھے رہتے، قمیص یا
کرتا قریب ہی رکھتے، کوئی آتا تو جھٹ پہن لیتے۔ پھر جب خود سرکاری دفتر میں نوکر ہوئے تو اگرچہ ہمیشہ پینٹ وغیرہ کے رہنا پڑا لیکن تہ بند سے ان کا
موہ نہیں گیا۔ جب بھی گھر میں ہوتے تہ بند پہنتے۔
دلی میں یہ آل انڈیا ریڈیو میں نئے نئے ملازم ہوئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا لیکن شامیں نسبتاً ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ ایک شام کھانا کھانے کے
بعد بولے "چلو ذرا سیر کی جائے۔"
اپنی عادت کے مطابق صرف تہ بند پہنے ہوئے تھے۔ مجھے تو بڑی بدتمیزی معلوم ہوتی تھی لیکن نئی نئی آئی تھی زیادہ زور نہ دیتی تھی۔ آہستہ سے
میں نے کہا "کپڑے تو بدل لیجئے!"
کہنے لگے "پھر سیر کا مزا کیا خاک آئے گا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں ننگے بدن گھومنے کا جو لطف ہے وہ کپڑے ٹھونس کر جانے میں کہاں؟"
"میں تو نہیں جا سکتی۔"
بولے "اس وقت سڑک پر کون ہوگا؟"
"تو بھی" میں نے کہا "میں تو نہ جاؤں گی۔"
"تو میں ہو آتا ہوں، مہندر کو لے لوں گا۔"
مہندر، اردو کے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر کے چھوٹے بھائی ہیں اور خود بھی خوب لکھتے ہیں۔ ہمارے ان کے گھریلو تعلقات تھے۔ مہندر بھائی
کو ساتھ لے کر بنیان، صرف تہ بند پہنے، اس کی دائیں کو کر [illegible] کے خاص انداز میں ٹہلتے چلے جا رہے تھے کہ نظامی صاحب جو
آل انڈیا ریڈیو میں شعبہ موسیقی کے انچارج تھے اور خود بھی بہت اچھے موسیقار تھے، آتے دکھائی دئے۔ [illegible] پر بجلی کی روشنی تو ہے، لیکن

مثلاً مرغی کے گھٹیاپن کے باعث وہاں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے۔ اس وقت تو انہوں نے ذرا وقت نکالا کر سوالیہ نظروں سے صاحب آسمان کی طرف منہ کئے کوئی دعا سی مانگتے اور گنگناتے چلے آ رہے تھے۔

جھک کر اشک جی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا "کیوں بھئی کدھر؟"

غلامی صاحب کا خیال اپنی دھن میں تھا۔ سڑک پر خاصی تاریکی تھی۔ چند دن پہلے اس مقام کے نزدیک ہی ایک پیڈیا انجینئر ہوتا تو وہ کچلا جاتا تھا۔ شب جی کو اس حالت میں، جبکہ وہ قریب پہنچ نہ سکے۔ اس وقت گھبراہٹ ہوگئی اور خود جو ہے تھے وہ اور کر گزرتے رہے۔ پھر جب اشک جی نے دیا تھا غلامی نے [illegible] اور حسن رضائی نے جلد کر انہیں [illegible] تو وہ [illegible] حیرت سے۔ انہوں نے پوچھا: "کیا بات ہے ایسے کیوں گم سم ہو؟"

اشک جی کو اس میں حیرت کی کوئی بات نظر نہ آئی۔ وہ تو شروع ہی سے نکتہ طراز تھے۔ سر پر تیل کی مالش کئے جانے کے بعد بلا میں جاگتا پھرتا رہا ہو۔ جیسے کسی نے [illegible] اور جو اس بات کو [illegible] سے دلی کی زبان میں سرسری [illegible] مگر بات نہیں وہ بند لگانے گھر سے میں کیا برائی نظر آ سکتی ہے۔ "تم بھی نرے سر پھرے ہو" کہتے ہوئے اشک جی نے ان سے ہاتھ ملایا اور آگے بڑھ گئے۔

ادھر کچھ برسوں سے اشک جی نے تہبند پہننا اختیار کر لیا۔ گرمی کی وجہ سے اپنے قول کے مطابق زیادہ وقت کپڑوں کے قید خانے میں بند رہتے ہیں لیکن تنہائی میں تہبند کا سرا چھوڑا ہے نہ ننگے بدن بیٹھنے کا۔ بمبئی میں سب جب گھر پر کام کرتے رہتے ہیں۔ یہی ان کی عادت کے مطابق ہمیشہ ہوتی یا بنیان اور دھوتی میں کام کرتے رہتے ہیں۔ یوں بھی کپڑوں کے معاملے میں کچھ عجیب طرح کی بے نیازی ان کے مزاج میں ہے۔ اکیلے تھے تو جو بھی کپڑا باہر ہر جانے اشک کے اوپر ہوا دیں پہنتے تھے۔ [illegible] لیکن جب کبھی جی سے پہنتے ہیں تو تب نفاست پسندی کی حد کر دیتے ہیں۔ پہلے پہل مجھے یہ بے نیازی اور پھر نفاست عجیب سا لگا تھا لیکن اب میں ان کے مزاج کی اس انتہا پسندی کی عادی ہو گئی ہوں۔

دلی ہی کی بات ہے۔ یہ دیکھ کر کہ پاس میں پیسے ہوتے ہوتے بھی یہ بڑے بھدے کپڑے پہنتے ہیں۔ سبب کچھ بھی ہو، جب میں آئی تو آل انڈیا ریڈیو کی نوکری کے باوجود گرمیوں کے لئے ان کے پاس صرف تین پتلون اور تین قمیص تھیں ——— ادھر ادھر کر [illegible] اور یہ بدل کر چلے جاتے تھے اور سردیوں کے لئے محض ایک ذلیل سا سوٹ تھا۔ میں نے آتے ہی ان کے نہ نہ کرنے پر بھی دو بڑھیا گرم سوٹ سلوائے۔ ایک دن جب میں نے نیا سوٹ پہننے کو نکالا تو ٹائی حسبِ پسند نہ ہونے کے باعث چھوڑ دیا۔ میں اسی شام کچھ بہت اچھی ٹائیاں لے آئی۔ کسرت کرتے، حجامت بناتے اور غسل لیتے ہوئے انہیں کچھ دیر ہوگئی تو جلنے لگے۔ جلدی میں کبھی یہ قمیص پہنتے کبھی وہ۔ آخر جب سوٹ پہن چکے پھر قمیص بدلی تو ٹائی پر کافی دیر لگے۔ بوٹ پر پالش کیا گیا۔ آخر جب پوری طرح اطمینان ہو گیا تو ناشتے کا وقت نہ رہا۔ کسی نہ کسی طرح زور دینے پر ناشتہ کر کے بھاگے۔ ان کے جانے پر میں حیرت زدہ سی کھڑی سوچنے لگی کہ کہاں تو اتنی بے پرواہی کہ کیا پہنتے ہیں کیا نہیں پہنتے اس کا ہوش نہیں اور کہاں اتنی نفاست پسندی کہ کالج کے بچے بھی مات کھا جائیں۔ کام کرتے کرتے میں یہ سب سوچتی رہی۔

ان کو گئے پانچ چھ منٹ گزر گئے تھے اور میں منا رہی تھی کہ میٹنگ کے وقت پر پہنچ جائیں تاکہ اس دیر کا غصہ مجھ پر نہ اتریں۔ ابھی برآمدے میں پھر ان کے جوتوں کی آواز سنائی دی۔ میں میز کی طرف بھاگی کہ کوئی فائل رہ گئی ہو تو دیکھ کر جلدی سے دے دوں۔ دوسرے لمحے آپ داخل ہوئے اور سیدھے اندر کے کمرے میں چلے گئے۔ میں نے پوچھا: "کیا ہوا؟ کیا رہ گیا؟"

بولے: "کچھ نہیں۔"

بلکہ کہتے ہیں کہ [illegible] کے سامنے کو [illegible] ہیں۔

ان کو ملاقاتی سے ایک اور بات بھی کہنے لگیں۔ "دلچسپ ہے اس کی اپنی عادت ہے جب کبھی پہنتا تو انھیں پہنتا" [illegible] کرتا ہے۔ ایک بار [illegible] رچرڈ ریلی کی شادی پر اشیا سنگ کا ایک کوٹ دے دیا۔ مدتوں سے ان کی جیب کبھی [illegible] کوٹ سے تو اس میں کوئی نقص دکھتا تھا مگر اس نے وہ ایک بار پہن کر دیکھا اور پھر نہیں پہنا"۔

وہ دونوں اشک جی کی اکلوتی یا ذہین جماعت میں پڑھتے تھے۔

ان کے اس رومانی مزاج کا ایک اور ثبوت مجھے انہی دنوں پھر ملا۔ دلی ہی کی بات ہے۔ میں نے اندرپرستھ گرلز ہائی سکول میں لڑکیوں کی ہائی سکول کے امتحان ہو چکے تھے اور پیپروں کا ڈھیر کا ڈھیر آیا پڑا تھا۔ انہی دنوں نوکر بھاگ گیا۔ کسی طرح رات کا کھانا پکا کر، برتن اور کپڑے وغیرہ بھی چھوڑ کر میں پیپر دیکھنے لگی اور رات کے دو بجے تک دیکھتی رہی۔ یوں بھی میں صبح دیر سے اٹھنے کی عادی ہوں۔ اس دن کچھ اور دیر ہو گئی۔ اٹھتے ہی نظر جو [illegible] پر سوکھنے کے لئے ڈالے ہوئے دُھلے دھلائے کپڑے تھے۔ حیرت ہوئی کہ کس نے دھوئے۔ سوچا شاید [illegible] کوئی نوکر مل گیا ہے۔ خوشی خوشی سے بھاگی اندر گئی تو دیکھا باورچی خانے میں باپ بیٹا (اشک جی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے) بیٹھے برتن مل رہے ہیں اور اشک جی اپنے لڑکے کو برتن ملنے کے فن میں مشاق بنا رہے ہیں۔

میں بھونچکی سی چوکھٹ میں کھڑی رہ گئی۔ پھر بڑھ کر میں نے کہا: "بھئی یہ کیا کر رہے ہیں، کیا میں مر گئی ہوں جو برتن ملنے آ بیٹھے ہیں؟"

کہنے لگے "مرنے کا نام نہ لو۔ چوتھی بیوی اب مجھے کہاں سے ملے گی؟"

میں نے کہا "ہٹئے بھئے، یہ مذاق مجھے پسند نہیں۔"

لیکن انہوں نے مجھے برتنوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ کہنے لگے "میرے ہاتھ تو سنے ہوئے ہیں، تم کیوں فضول ہی انہیں خراب کرتی ہو۔ تم سے بڑے نہیں ملوں گا، اس بات کا یقین رکھو۔ سکول کے دنوں میں برسوں برتن ملے ہیں۔ جاؤ جلد تیار ہو جاؤ، سکول پہنچنے میں تمہیں دیر ہو جائے گی۔"

مجبور ہو کر مجھے ہٹنا پڑا۔ خوش قسمتی سے اسی دن نوکر مل گیا، نہیں تو جانے یہ کتنی دیر تک گھاٹی بنے رہتے۔

لیکن اس واقعہ کے چند دن بعد کا ذکر ہے، اتوار تھا۔ میں باہر صحن میں بیٹھی پیپر دیکھنے میں مصروف تھی اور اشک جی اندر کچھ لکھ رہے تھے کہ مجھے آواز پڑی۔ مجھے اٹھنے میں کچھ دیر ہوئی کہ پھر آواز پڑی۔ سو پیپر چھوڑ کر میں بھاگی۔ بولے "ذرا وہ ڈکشنری دینا۔"

ڈکشنری دو قدم کے فاصلے پر ایک میز پر پڑی تھی۔ میرے سامنے دو دن پہلے کپڑے دھونے اور برتن ملنے کا واقعہ گھوم گیا۔ ڈکشنری دیتے ہوئے [illegible] لگی کہ جو آدمی ایسی شاہانہ آرام طلبی کا مالک ہو سکتا ہے کہ دو قدم اٹھ کر چیز اٹھانے کی بجائے دوسرے کو بلائے، وہ کپڑے دھونے اور برتن ملنے جیسا مشکل کام کیسے کر سکتا ہے۔

لیکن یہی اتار چڑھاؤ اور انتہا پسندی اشک جی کے مزاج کا اہم جزو ہے۔ ان کا سبھاؤ ایسے سکون پسند آدمی کا سا نہیں جو پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر وہیں ڈیرا ڈال لے، بلکہ ایسا چنچل راہی ہے جس کو کبھی پہاڑوں کی چوٹیاں پسند ہیں کبھی گہری گھاٹیاں، جو کبھی گنجان شہروں کو پسند کرتا ہے کبھی سنسان ویرانوں کو، جسے کبھی یہ انتہا مرغوب ہے کبھی وہ۔ کوئی ایک حد یا میانہ روی جسے پسند نہیں۔ بچپن ہی سے اشک جی کی زندگی حوادث سے پُر رہی ہے۔ انھوں نے نہایت کڑوے جام بھی پئے ہیں اور بے حد میٹھے بھی، فراوانی بھی دیکھی ہے اور نقصان بھی۔ بے انتہا محبت بھی پائی ہے اور بے پناہ نفرت بھی اور نہ جانے کون کون سی کشمکشوں، ماں باپ کی کن خوبیوں اور خامیوں اور کن دوسری جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور اقتصادی پیچیدگیوں کے باعث ان کا سبھاؤ

[illegible] کچھ نہ کچھ گھٹتا رہتا ہے [illegible] ہی دکھائی دیتی ہے [illegible]
کو ارث [illegible] نہیں لکھی جا سکی۔ ایک بار میں [illegible] جا [illegible]
[illegible] کہ پڑھتے ہیں [illegible] نہیں کیونکہ میں [illegible] نہیں لیکن [illegible]
پہاتے نفاست پسند کیا اس کی [illegible] تفصیل کا خیال [illegible]
فراغ دل کر [illegible] کی نیند حرام کر لیں اور جب تک [illegible]
[illegible] سے بچ کر [illegible]
کبھی [illegible] ایسے [illegible] کر [illegible]
[illegible] کبھی [illegible] جانے والے [illegible] بڑے سے بڑے چالاک سے [illegible]
عام آدمی بھی ٹھگ کر چلا جاتے۔ انہی انتہاؤں کو [illegible] کے سلسلے میں [illegible] واقعات ہیں کہ [illegible]
سے مضمون میں ان پر پوری روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔

لیکن جس طرح کوئی عام اصول [illegible] سے خالی نہیں ہوتا اسی طرح اشک جی کی مختلف انتہاؤں پر چلنے والا مزاج بھی [illegible] سے خالی نہیں۔ ہم نے پچھلے برس میں ان کی طبیعت کے ایسے پہلو بھی دیکھے ہیں جو کسی ایک ہی انتہا سے [illegible] دوسری حد نہیں۔

ان کے لکھنے ہی کو لیجئے۔ لکھنے کو ان کو سنک ہی ہے اور یہ سنک انتہا ہی کا دوسرا نام ہے۔ [illegible] کے اپنے زرخیز اور بنجر اوقات ہوتے ہیں کبھی ایسا وقت آتا ہے جب ان کی تخیل بادِ سموم پر آئی ہوئی ندی کی طرح ایک سے بڑھ کر ایک شاہکار دھڑا دھڑ آتی جاتی ہے۔ پھر ایسا وقت بھی آتا ہے جب تخیل کی باڑھ اتر جاتی ہے اور اس کا دریا اترے ہوئے سمندر کے پیچھے ایک سنسان ساحل سا ہو جاتا ہے۔ وہ مہینوں، مہینوں اور بار ہا برسوں کچھ نہیں لکھ پاتے۔ اشک جی کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ لکھتے ہیں۔ سردی، گرمی، برسات، سب میں ہمارے پنجاب کی روانی ندی کی طرح ان کی تخیل ہمیشہ بھری رہتی ہے۔ یہ دکھی ہوں یا سکھی، نوکر ہوں یا بے کار، اکیلے ہوں یا دوکیلے ہمیشہ لکھنے کے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔ ان کے دوست ان کی اس عادت کو سنک کا نام دیتے ہیں۔ بہرحال سنک ہو، لیکن ان کی یہ سنک ایک ہی انتہا پر قائم رہتی ہے۔ اس کی دوسری انتہا یعنی سستی یا بے حسی میں نے ان کے ہاں کبھی نہیں دیکھی۔ لکھے بغیر یہ رہ ہی نہیں پاتے۔ ابھی ایک برس پہلے، جب ڈاکٹروں نے دق کا شبہ دیتے ہوئے ہدایت کی کہ انہیں پورا آرام لینا چاہئے تو میں کچھ سمجھتی تھی کہ اب یہ کچھ دن چین لیں گے۔ میں نے انہیں الگ کمرے میں ڈال دیا اور دروازہ لگا دیا کہ وہ کوئی ہرگز بات کر نہ سکے۔ انہوں نے نہ کھانا نہ چارہ باتیں کیں لیکن بیٹھے لیٹے یادداشت کے بل پر "دیپ جلے گا" کے نام سے ایک طویل نظم لکھ ڈالی۔ ایک مہینے بعد میں انہیں پنج گنی لے آئی اور چار مہینے تک انہیں کام کرنے کی اجازت نہ ملی۔ ان دنوں یہ لیٹے لیٹے ایک دوسری طویل نظم لکھتے رہے۔

عام طور پر اشک جی اپنے ملنے رشتہ داروں سے اسی حد تک محبت کرتے ہیں جس حد تک یہ ان سے پاتے ہیں۔ لیکن بڑے بھائی، ماں اور سب سے چھوٹا بھائی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ماں اور بڑے بھائی خواہ ان سے کیسا بھی روکھا سلوک کیوں نہ کریں، خواہ کتنی ہی ٹھیس کیوں نہ پہنچا دیں یہ ان کی رکھائی اور بے اعتنائی کا جواب ہمیشہ ادب اور محبت ہی سے دیتے ہیں۔ ان کے برے سلوک سے رنجیدہ خاطر نہ ہوتے ہوں، یہ بات نہیں کبھی کبھی کوئی چھوٹا سا واقعہ ان کی راتوں کی نیند حرام کر دیتا ہے یہ ان کی بدسلوکی پر جلتے بھنتے رہتے ہیں، لیکن جب ان سے ملتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ان کے دکھ سے دکھی اور ان کے تفکرات سے فکرمند ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح دوستوں کے سلسلے میں بھی ان کی محبت ایک ہی انتہا پر رہتی ہے۔ اشک جی کا قول ہے کہ جسے ہم پسند کرتے ہیں، پیار کرتے ہیں،

جس کی دوستی کے خواہشمند ہیں اس کی خامیوں کو دیکھنا بے معنی ہے۔ اس کی دوستی میں جو مسرت ہمیں حاصل ہوتی ہے وہ کسی [illegible] دوستی بگاڑنے کی بجائے ہے۔ جسے ہم چاہتے ہیں اسے دوست بنائے رکھنے کے لئے اس کی چھوٹی موٹی باتوں پر توجہ دے کر [illegible] انتقام کی قربانیاں ہی وہاں نہیں لگتی اور میں نے دیکھا ہے کہ اپنے عزیز ترین دوستوں کے سلسلے میں اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے اشک ہمیشہ اپنے اس قول پر عمل کرتے ہیں۔

اشک جی کی ایک اور سنک تھی جس کی دوسری مثال ابتدا مجھے نظر نہیں آئی۔ وہ تھی باقاعدہ صبح اٹھ کر ورزش کرنا۔ شادی کے بعد جب میں نئی نئی دلی آئی تو میں نے دیکھا کہ صبح اٹھ کر لنگوٹ لگائے تیل کی مالش کرکے ڈنڈ بیٹھک نکالتے اور فری ہینڈ کسرت کرتے۔ بیدی صاحب ان دنوں دلی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کبھی اشک جی کو فری ہینڈ کسرت کرتے نہ دیکھا تھا۔ اس اچھل کود کو دیکھ کر انہوں نے اشک جی کو "بندر" کے خطاب سے سرفراز کر دیا اور جتنے دن وہ رہے صبح صبح اشک جی کی کسرت ایک فلک شگاف قہقہے سے شروع ہوتی رہی۔ لیکن دھن کے ایسے پکے ہیں کہ کسی مذاق یا پھبتی کو سن کر اپنی دھن نہیں چھوڑتے۔ اس لئے "بندر" کہلائے جانے کے باوجود بلاناغہ ورزش کرتے رہے۔ مجھے تپش کی پرانی شکایت ہے۔ دورہ پڑتا ہے تو نڈھال ہو جاتی ہوں۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔ "تم ورزش نہیں کرتیں اسی لئے تمہاری نسیں کمزور ہو گئی ہیں۔ پرانے خیالات کی ہندوستانی عورتیں گھر کے کام کاج کی صورت میں اور مغربی عورتیں ناچ گانے کی صورت میں کافی کسرت کر لیتی ہیں اور تندرست رہتی ہیں۔" ان سب کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ورزش کی اہمیت پر چھوٹی موٹی تقریر کر ڈالی۔ سانس روک کر سینہ پھلا کر مجھے بتلانے لگے ــــ کس طرح کسرت کرنے سے کمر پتلی ہو جاتی ہے، سینہ چوڑا ہو جاتا ہے اور جسم کی ایک اچھی تکون سی بن جاتی ہے۔ مجھے انہوں نے صلاح دی کہ اگر میں فری ہینڈ ورزش نہیں کر سکتی تو کم سے کم سانس روک کر سینہ پھلا کر رسی ہی پھاندا کروں۔

ورزش کی اہمیت پر انہوں نے مجھے اتنے لیکچر دئیے اور بیدی صاحب کے قول کے مطابق بندروں کی طرح کود پھاند کر اتنی طرح کی ورزشیں بتائیں کہ میں بھی ورزش کے ذریعے اپنی بیماری دور کرنے اور کمر پتلی بنانے کی کوشش کر دیکھنے کو تیار ہو گئی۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ نہ اشک جی موٹے ہیں اور نہ میں، لیکن ان کی کمر تو سانس روکنے اور سینہ پھلانے پر الٹی تکون کے نچلے زاویے کی سی ہو جاتی تھی اور میری غالباً نہ بنتی تھی۔ کچھ دنوں تک میں نے بھی کود پھاند کی لیکن ایک تو مجھے صبح جلدی اٹھنے کی عادت نہیں اور پھر کسرت کرنا مجھے نہایت خشک اور اکتا دینے والا کام معلوم ہوتا ہے۔ پھر میری آنتوں کو بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ کچھ ہی دن بعد میں نے ہتھیار ڈال دئے اور نہایت عاجزی سے کہا کہ کمر کی تکون آپ ہی کو مبارک ہو۔ مجھے کسی خوبصورتی کے مقابلہ میں تو بیٹھنا نہیں۔ مجھے تو آپ معاف ہی رکھیں۔

اشک جی نے پھر مجھے مجبور نہیں کیا۔ لیکن خود متواتر اچھل کود کرتے رہے۔ وقت ہوتا تو مالش بھی کرتے ورنہ ڈنڈ بیٹھکیں خواہ چھوڑ دیں۔ فری ہینڈ کسرت ضرور کر لیتے۔ کئی بار میں ناشتہ رکھ دیتی۔ یہ قریب قریب ناشتے پر بیٹھ جاتے لیکن پھر کسرت کرنے کا خیال آ جاتا اور "بس چند منٹ کے لئے معاف کرو" کہہ کر بھاگ جاتے اور پیٹ دبا، سینہ پھلا، جسم کی تکون بنا کر اچھل کود کرنے لگتے۔ اگر اپنے ضبط اور باقاعدگی کی داد چاہتے کبھی کبھی آئینہ دیکھتے تو افسوس ہوتا کہ اتنی باقاعدگی سے ورزش کرنے کے باوجود کولھے پچکے جا رہے ہیں۔ تب بازو کڑا ہوا کر ابھرے ہوئے پٹھے کی سختی دیکھ کر مطمئن ہو جاتے کہ چربی خواہ نہیں گھٹی لیکن ورزش کرنے سے پٹھوں میں لوہے کی سی مضبوطی آ گئی ہے۔

میں جب سے آئی ہوں میں نے انہیں باقاعدگی سے بلاناغہ ورزش کرتے دیکھا ہے لیکن اتنی ورزش کے باوجود انہیں آنتوں میں تکلیف رہنے لگی۔ اپنی سنک میں انہوں نے ورزش کی مقدار کچھ اور بڑھا دی اور کسی شریف آدمی کے کہنے پر ابلی ہوئی ترکاریاں کھانا شروع کر دیں۔ اپنی عادت کے مطابق اس بات کو بھی انتہا تک لے گئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پچھلے سوا سال سے بیمار پڑے ہیں۔ وقت پر پتہ چل گیا کہ بیماری صحیح میں پھیپھڑے میں ہے ورنہ نہ جانے کیا ہوتا ــــ جب علی الصباح اٹھ کر اور سانس روک کر جسم کی تکون بنایا کرتے تھے اس وقت [illegible]

اس وقت کو گزار کر بھی بیماری سہتے ہیں کہ آرام کرسکے اور اسی بوریت اور تاریکی کی بجائے وقت دوستانہ کٹ جائے۔ یہ سب معلوم ہے لیکن ایک ہی
ایک طرف شکایت تو نہیں کرنا چاہتے ہیں لیکن اب احساس کو بھی اجازت نہیں کہ وہ اس سے طبیعت کو نقصان پہنچتا ہے۔
مجھے یہ یقین ہے کہ اگر یہ بیمار نہ پڑتے تو ان کی یہ شکست ہمیشہ رہتی۔ اس کی وجہ سے خلاف منشا پڑ چکا — یعنی مکمل آرام بیماری کے
بغیر ممکن نہ تھا۔

آپ وقت سے بیمار ہو کر اوپر دو برس پہلے گئی کے سینے پر درد بڑھا کر اور آباد آ گئے ہیں۔ وہاں وہ دو روز آکسفورڈ پہ مصروف رہتے ہیں لیکن
جسم سے آرام بیٹھنے کو مجبور ہیں۔ سوچتی ہوں اس مجبوری نے انہیں تھوڑا بہت فلسفی بنا دیا ہے اور ان کی طبیعت اپنی انتہا پسندی چھوڑ کر میانہ روی
سیکھ رہی ہے لیکن وہ یاد رہے گی کہ سیکھ پائیں گی اور مکمل طور پر صحت مند ہونے پر وہ سیکھتے رہیں گے۔ اس میں کرتے کسے مجھے شک ہے۔

حفیظ ہوشیار پوری

ناصر کاظمی

سنہ ۴۳ء کی بات ہے۔ خاصی سردیاں تھیں۔ رات کا وقت تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ایک انٹرکالجیئیٹ مشاعرہ تھا۔ رنگ رنگ کے طالب علم وہاں موجود تھے۔ بعض جانے پہچانے مقامی و غیر مقامی شاعر بھی تھے۔ سامعین اور ارباب ذوق سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تاثیر نجیب آبادی حسب معمول کرسیِ صدارت پر بیٹھے تھے۔ اُن کے ساتھ ہی سٹیج پر یوں تو دو تین اور بھی اصحاب تھے لیکن ایک بہت دلچسپ اور عجیب سی چیز بھی تھی۔ گورا سا فولادی رنگ، پچکے ہوئے گال، خشک ہونٹ، سرمئی برف سے بال، اکہرا جسم، چھوٹی چھوٹی کنچوں جیسی آنکھیں نکڑی پہ سے اُچکتی ہوئی ہڈیوں کی ایک مالا۔ شاعر مسند پر آکر اپنا کلام سناتا۔ صاحب صدر دل بڑھاتے اور داد دیتے لیکن یہ صاحب اپنی ہی کیفیت میں گم تھے۔ خود ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے۔ شاعر ان کی طرف دیکھتا تو ایک دم سنجیدہ ہو جاتے اور سرگوشی میں بلا کر داد دینے لگتے۔ مشاعرہ ختم ہوا۔ شاعروں کو داد ملی۔ طلبا کو انعام ملے۔ پہلا انعام جسے ملا اُس کا نام نہیں بتاؤں گا۔ دوسرا انعام اعجاز بٹالوی کو ملا۔ میں عبدالمجید بھٹی کے ساتھ عرب ہوٹل میں آ کے بیٹھ گیا۔ پھر وہاں کچھ اور لوگ جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے حفیظ ہوشیار پوری سے تعارف کرایا میں دنگ رہ گیا۔ خیر یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں۔

حفیظ نے کوئی ڈیڑھ درجن غزلیں سنائی ہوں گی۔ تاثیر صاحب نے آدھا دیوانِ غالب سنا دیا۔ ہاں یاد آیا اُن میں کچھ اُن کے اپنے شعر بھی تھے۔ ایک غزل داغ کے رنگ میں تھی باقی رنگِ غالب۔ حفیظ نے میری طرف دیکھا اور پھر دیکھا۔ میں نے بھی انہیں معنی خیز نظروں سے دیکھا اور ڈرتے ڈرتے دو ایک غزلیں سنائیں۔

اگلے دن میں سگریٹ لے کر کالج ہوسٹل کی طرف جا رہا تھا کہ وہی عجیب سی چیز ایک میلا خوردا گرم سا سوٹ پہنے ٹائی میں ٹھنی سی گرہ، دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالے دکانوں کے بورڈوں کی طرف دیکھتے ہوئے اور گرد کی چیزوں سے بےسبب بےخبر کسی کو ڈھونڈتی ہوئی نہ جانے کدھر سے کدھر کو جلدی جلدی چلتی دکھائی دی۔ جیسے کہہ رہی ہو

ہم سے دیوانے رہیں شہر میں سبحان اللہ

دشت میں قیس رہے کوہ میں فرہاد رہے

سنا ہے حفیظ خاصا پڑھا لکھا شاعر ہے۔ ہر گاہ اس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب ہے۔ [illegible] کسی کتب خانے سے دیکھا۔ جب اس نے ایک دن مجھے یہ بتایا کہ اس نے گورنمنٹ کالج لاہور سے نفسیات کا ایم۔ اے کر رکھا ہے تو میں حیران سا ہو گیا کہ اس وضع قطع کا طالب علم [illegible] نفسیات نہ جانے اس کے کیسے [illegible] تھی۔ [illegible] حفیظ کو وہ ایک [illegible] شفیق باپ اور [illegible] پر آتے جاتے نہیں [illegible] قاسمی کی تو [illegible] کا خیال دوسرے تھے ہی ان دنوں پریشان [illegible] کلیوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔ سوچتا ہوں بچارے حال میں حفیظ کو کیا سوجھی؟ اس حفیظ کو جس نے مجھے کبھی پہلے [illegible] دیکھا تھا۔ [illegible] ہی گھسے تھے۔ [illegible] کوئی [illegible] بجے ہوں گے۔ [illegible] شمع جلائے کلیات [illegible] پڑھ رہا تھا [illegible] نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ حفیظ کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا [illegible] میں نے کہا "جی ہاں" اور حفیظ بولا [illegible]

[illegible] کہاں تک چھپ کر [illegible]

حفیظ میرے ساتھ اٹھتے بیٹھتے پہلے پہل تو [illegible] پڑھنے لکھنے کا کوئی ذوق [illegible] ہے۔ پہلے میں اسے [illegible] سمجھتا تھا لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ تو ایک درد مند انسان ہے۔ وہ ہر آدمی سے اظہار ہمدردی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے اس انداز کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ جب میں صاحب حیثیت تھا تو وہ [illegible] ہوتا تھا جب [illegible] ہو کر یہیں آیا تو اس نے مجھ سے [illegible] ہمدردی جو نہیں کی اور نہ ہی کوئی امداد کی حالانکہ وہ کر سکتا تھا۔ اب سوچتا ہوں کہ [illegible] دوستی کا کتنا احترام کیا! بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوست ہو کر بھی کام نہ آئے یہ بات نہیں۔ حفیظ اصل تو کسی کو دوست نہیں بناتا اگر بنا لیتا ہے تو [illegible] دیتا ہے۔ وہ [illegible] پسند ہے دوستوں کو مصیبت میں دیکھتا ہے تو وہ بظاہر ہنستا رہتا ہے مگر اس کا دل رو رہا ہے۔ دراصل وہ اپنے ساتھ بھی یہی کرتا ہے۔ مجھے اس نے کبھی سہارا تو نہیں دیا لیکن گرنے بھی نہیں دیا۔ اور ایک ایسی [illegible] کی کہ میں آج تک اس کی بدولت چین سے [illegible] گزار رہا ہوں۔

تقسیم ملک سے پہلے جب میں اسلامیہ کالج [illegible] بی۔ اے میں پڑھتا تھا [illegible] ہوسٹل کے کمرہ نمبر [illegible] میں رہتا تھا۔ میرا کمرہ [illegible] کی طرح سجا ہوا تھا۔ [illegible] خاندانی [illegible] قائم تھی۔ خوشی برداشت کرنے کی بڑی ہمت تھی اور ہر وقت نئے نئے [illegible] کی جستجو رہتی۔ ان دنوں میں اکیلا رہتا تھا۔ ویسے میں [illegible] ادیب اور شاعر لوگ تو کیا ہم جماعتوں سے بھی بالکل الگ۔ ویسے سب مجھے جانتے تھے یہ مجھے اب معلوم ہوا ہے۔ کمرے میں بیٹھا [illegible] کسی شخص کا انتظار [illegible] تھا ان دنوں ایک ہی شخص کا انتظار تھا۔ وہی غالب والا شخص ———— اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے کئی بار کہا کون؟ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں پھر اپنے دھیان میں لگ گیا۔ دستک پھر ہوئی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا۔ وہی چیز میرے سامنے کھڑی تھی۔ مجھے کچھ ہنسی سی آگئی لیکن میں ضبط کر گیا۔ ان کے ساتھ پروفیسر عبدالمجید بھی تھے جن کے ذکر کے بغیر یہ سارا باب [illegible] مکمل نہیں ہو سکتا۔

"معاف کیجئے۔ آپ کو زحمت دی" حفیظ نے بڑے پیار سے کہا۔ میری آنکھیں بھر سی آئیں۔ خوشی بھی ہوئی کہ ایک معروف سا آدمی میرے پاس خود چل کر آیا اور پریشانی بھی کہ انتظار کسی اور کا تھا۔ حفیظ نے حسب معمول وقت کم ہونے کی معذرت کی اور فوراً جیب سے ریڈیو کا کنٹریکٹ نکال مجھے دستخط کرنے کو کہا۔۔۔۔ میری عمر اس وقت سولہ برس ہو گی اور میرے پاس صرف چار پانچ غزلیں ہی اس قابل تھیں کہ کسی ادبی مجلس میں سنائی جا سکیں۔ میں کچھ جھینپ سا ہو گیا۔ پھر خیال آیا کہ حفیظ سے میری کوئی دوستی بھی نہیں کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی دنیائے ادب میں مجھے کوئی جانتا ہے۔ یہی سوچ کر میں نے دعوت منظور کر لی۔ وہ دن اور آج کا دن ایسی سینکڑوں ہی دعوتیں مل چکی ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ایسی دعوتوں کا انتظار سا بھی رہتا ہے۔ کیونکہ [illegible] کا سوال ہوتا ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ وہ کتنی بڑی گھڑی تھی جب میں ریڈیو کے مشاعرے میں شریک ہوا۔ نہ میں غزل پڑھتا نہ لوگ مجھے جانتے اور نہ ہی میری زندگی عروس سخن کیلئے وقف ہوتی۔ پھر یہ خیال کہ اور بھی تو کچھ لوگ تھے جنہیں یہ دعوت نامہ ملا تھا۔ لیکن اب ان کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ کوئی کلرک بن گیا کوئی

افسر ہو گیا کوئی پاگل ہوگا وغیرہ وغیرہ ۔

آج ریڈیو میں حفیظ جیسا شخص پیدا ہوا ۔ اسسٹنٹ تھا تو بھی وہ سیدھی سادی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے افسر خود چل کر اس کے کمرے میں آتے تھے۔ اب ڈائرکٹر ہے۔ اب بھی وہی حال ہے۔ میں آج کے دفتر گیا۔ چپراسی کو پیٹ دی روانہ کر دیا۔ سگرٹ پیش کی اور پھر اپنے کام میں لگ گیا۔ کرسی پر دھل ہوتے ہیں مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ڈائرکٹر صاحب سے کوئی دیہاتی رشتہ دار انہیں ملنے آئے ہیں پھر فوراً خیال آیا کہ یہ تو وہی حفیظ ہے۔ واقعات سے میں سنے اُس سے اُس نے دفتر کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کی۔ کسی افسر کی تعریف اور نہ ہی برائی۔ وہ دوسروں کے متعلق بہت ہی کم باتیں کرتا ہے۔ علاوہ محنتی ہے۔ صبح دفتر سے چراغ جلے تک کام کرنا تو خیر اس کا معمول ہے۔ دیانتداری اور محنت سے کام کرنا یوں تو اس کی فطرت میں شامل ہے لیکن اس پر میاں بشیر احمد صاحب کا بھی ہاتھ ہے۔ وہ میاں صاحب کے ساتھ ۱۹۳۰ء میں انجمن اردو پنجاب میں بہ حیثیت اسسٹنٹ سیکرٹری کام کرتا رہا۔ اور میاں صاحب ان سے چھوٹے بڑے بھائیوں کی طرح پیش آتے ہیں جو دوست سمجھنے کے علاوہ ایک نہایت ہی نیک انسان بھی کہتا ہے ۔

حفیظ کو پرانی اور نایاب کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ یہ شوق اسے اپنے بڑے بھائی راحل مرحوم سے ورثہ میں ملا۔ اس کی کتابیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ یہ شخص کس طرح اتنی کتابیں لے آتا ہے۔ پڑھتا بھی ہوگا۔ ہر زبان فارسی، اردو کے تذکرے، پرانے شعراء کے دیوان، کچھ قلمی نسخے جن میں بعض نادر کتابیں ہیں۔ موسیقی، تصوف، عروض، نحو اور لسانیات اور بعض تاریخی کتابوں سے اس کی الماریاں اٹی پڑی ہیں۔ وہ اپنی کتابیں کسی کو نہیں دیتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ کسی کو قرض نہیں دیتا۔ مجھے اُس کی یہ بات بڑی بُری لگتی ہے۔ یہ ایک اچھا اصول سہی لیکن اس میں جذبات کا ایک پہلو بھی نکلتا ہے۔ کتابیں اسے بڑی عزیز ہیں۔ میرے خیال میں وہ صرف ان کی حفاظت ہی کرتا ہے۔ کبھی کے دن جب میں نے پوچھا کہ بھائی کہاں چلے ہو تو اکثر یہی جواب ملا پہلے میں کتابوں کو رشتہ داروں سے ملانے گیا تھا اب کشمیری بازار جا رہا ہوں۔ شاید کوئی کتاب ہاتھ لگے۔ ایک دفعہ میں اُس کے یہاں بیٹھا تھا کہ راحل مرحوم کے قلمی نسخے پر سے جرأت کا دیوان نکالا۔ یہ بڑا کمیاب اور بڑا نادر نسخہ تھا۔ اُس کی بڑی بیٹی صبیحہ نے بجلی کا پنکھا بند کر دیا۔ کہنے لگی "اس کتاب کے اوراق بہت بوسیدہ ہیں آپ پڑھیں پھر پنکھا چلا دوں گی" میں نے حفیظ کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ صبیحہ باکل ذہین ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر حفیظ کی شخصیت ادھوری سی رہ جاتی ہے۔ وہ دوسرے دوستوں حضرت بھائی حفیظ کو رفیق ہوشیارپوری کہتے تھے۔ ماں باپ نے تو نام عبدالحفیظ رکھا تھا۔ مہمل حفیظ نے خود ہٹا دیا۔ ... اور نکاح شادی میں نے صبیحہ سے پوچھا کہ رفیق کے کیا معنی ہیں وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی کہنے لگی "ایک" میں نے کہا "ایک چیز" وہ شرما کر بھاگ گئی۔ صبیحہ کی فارسی دانی کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ حفیظ نے مجھے فرید عالم انتخاب شیخ صلاح الدین کو چانے پڑھایا۔ حفیظ فرد عالم کو فرد قطب عالم کہتا ہے۔ صبیحہ فوراً بول اُٹھی یہ عالم ہیں یا عالم؟ اور یہ قطب ہے یا کتب؟ ہم سب حیران رہ گئے۔ حفیظ بھی لفظوں کا رسیا ہے لیکن یوں لگتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ اپنی بیٹی کا شاگرد رہے گا۔

حفیظ بڑی سرد مہری اور بے کیف اور بعض اوقات بے معنی باتیں بھی کر لیتا ہے۔ اس کے لطیفے اتنے خشک ہوتے ہیں کہ اُس کے بڑے بڑے عقیدت مند تنگ آ کر ادھر اُدھر جھانکنے لگتے ہیں۔ بعض تو روٹھ بھی جاتے ہیں۔ لیکن مجھے اکثر یہی شک گزرا ہے کہ یہ شخص بہروپیا ہے۔ اس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ لیکن یہ تو منافق کی تعریف ہے۔ وہ منافق نہیں۔

ملتے ہیں مگر دیکھ کے دلسوزی کا

یعنی سر بہ سر بزم فروزاں نہ ہوا

اُسے تاریخ گوئی پر بڑا عبور حاصل ہے۔ اور یہ فن بھی اُس نے راحل مرحوم سے سیکھا۔ ... دل کو دیکھ کر تاریخ نکال دیگا۔ آپ کی باتوں میں سے تاریخی فقرے نکال دیگا۔ میں تو ایک دفعہ اس کی تاریخ گوئی سے اتنا متاثر ہوا کہ میں نے شادی کر ... جس سے فوراً چند ایک تاریخیں کہیں۔

شاہد شد طرب شاداں شد

مرقیہ سے آزاد تھا ہر حیث ناصر کاظمی

شادی ہوئی تاریخ ہے پابند ناصر کاظمی

[illegible] ساتھی نہ تھا۔ ۱۹ جولائی ۱۹۵۲

[illegible] کے [illegible] شریک ہوتے ہیں۔

حفیظ [illegible] کی کاوش کرتا نہیں۔ وہ فن کو [illegible] سمجھتا ہے۔ مجھے بھی غزل سنا دی ہے کہ ایک شعر [illegible] [illegible] ہے جو [illegible] ہو۔ [illegible] ہے۔ [illegible] مستقل اس طرح کرے کہ [illegible] [illegible] کے باوجود [illegible] وہ دوستی تو کر سکتا ہے لیکن دشمنی نہیں کر سکتا۔ [illegible] شاعری [illegible] ہے۔ جب بھی [illegible] [illegible] باتوں کو بڑی اہمیت دے گا۔ [illegible] [illegible] کی شخصیت بڑی [illegible] ہے [illegible] [illegible] بیٹھ گیا [illegible] [illegible] [illegible]

حفیظ کی غزل [illegible] [illegible] [illegible] تیری ادا اس نے اپنے ایک مقطع میں استعمال بھی کیا ہے۔

نقش ہے قول میر دل پہ حفیظ
کیا عمارت غموں نے ڈھا دی ہے

مگر شیخ صلاح الدین نے اسے تاڑ لیا کہ اس پر میر کا بھی اثر ہے۔ شیخ صلاح الدین کا ذکر میں نے یہاں اس لئے کیا کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جس [illegible] نہیں [illegible] خواہ وہ کہیں بھی اس میں کوئی [illegible] ہو۔

جس زمانے میں حفیظ سے اپنی دوستی ہوئی وہ زمانہ غزل گو شعرا کے لئے بہت برا زمانہ تھا۔ [illegible] لیکن حفیظ اپنی روش [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کے جواب میں حفیظ کا یہ شعر کافی ہے۔

بہت بلند ہے اس سے مرا مقام غزل   اگرچہ میں نے محبت کے گیت ہی گائے

[illegible]

ن۔ م۔ راشد

عطاء اللہ سجاد

راشد اور میں زندگی میں ایک دوسرے کے اس قدر قریب رہے ہیں اور ہماری رفاقت اس قدر طویل رہی ہے کہ میرے لئے ایک خارجی مبصر کی حیثیت سے اُس کی ذات اور شخصیت کا تجزیہ کرنا بے حد مشکل ہے۔

راشد سے میری ملاقات آج سے قریباً ستائیس سال قبل دسمبر ۱۹۳۵ء کی ایک شام کو ہوئی تھی۔ غالباً وہ شام بھی دسمبر کی عام شاموں کی طرح بے حد خنک اور منجمد رہی ہوگی لیکن میرے ذہن کے تصور میں آسودگی اور راحت کے احساس کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

[illegible] کے ایک محلے سے متصل سکھوں کی منڈی میں ہمارے مرحوم دوست اشرف کا مکان تھا۔ اشرف نے ہمارا تعارف کرایا۔ عطاء اللہ۔ نذر محمد۔ میں نے دیکھا نذر محمد گندمی رنگ کا ایک خوب رو نوجوان ہے جس کی سیمیں پیشانی اس کے عینک کے شیشوں میں سے بھی نمایاں تھی۔ جن لوگوں نے گزشتہ پندرہ سال میں راشد سے ملاقات کی ہے وہ شاید میرے اس بیان کو [illegible] تصور کریں لیکن [illegible] راشد کے چہرے پر [illegible] ذہانت اور [illegible] کے ایک روشنی جھلکتی ہے جسے اُس کی ثانت نے [illegible] کر دیا ہے۔

اصل میں راشد نے بے حد حساس طبیعت پائی ہے۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں [illegible] وہ قدم قدم پر [illegible] اُس کے اندرونی خلفشار سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ اس کے اپنے قول کے مطابق [illegible] ایک بار اُس نے اپنے متعلق کہا BORN UN HAPPY یعنی پیدائشی ناخوش [illegible]۔ [illegible] اس کے باوجود [illegible] اس کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے [illegible] ترکم آمیزی کی [illegible] اخلاص کی روشنی اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

[illegible] ہماری ملاقات [illegible] نام کے ساتھ راشد [illegible] جب میں اُس سے [illegible] راشد [illegible] تجربات کا ذکر کرتے ہوئے جب اس نے [illegible] نظم [illegible]… [illegible]

[illegible] ہے کہ [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] راشد [illegible]
[illegible] اس شعر [illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible] آج بھی [illegible]
[illegible] اس وقت کی [illegible]
[illegible] راشد [illegible] اشرف [illegible]
[illegible]
[illegible] اشرف [illegible]
[illegible] راشد نے [illegible] چند مصرعے مجھے اب تک یاد ہیں۔

آؤ وہ تکمیل حنائی وہ مری یادوں کے ذخیر

. . . .

ہر سو وہ جیسے کپڑے سے لے کے ناف نہر پر
اور تعفن چھوڑ جا نہر کی ہر لہر پہ
وہ کرشیا کی جبیں، وہ جسم کا نام آتا نہیں
تیں کے قرے بیمہ جسم کی دانش بہتا رہا

راشد کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں اس کے آبائی وطن اکال گڑھ یا علی پور چٹھہ میں ہوئی۔ اکال گڑھ پنجاب کے ضلع گوجرانوالہ کا ایک تاریخی شہر ہے۔ لیکن [illegible] کا عشق انگیز اشعار راشد کو شاعر تو بنا سکا ہے لیکن اسے رانجھا یا مہینوال نہیں بنا سکا ہے۔ اس کی زندگی میں کوئی ہیر یا سوہنی داخل نہیں ہوئی۔ [illegible] حقیقی نظمیں لکھیں لیکن اس کی کتاب حیات میں معاشقہ کا کوئی باب نہیں۔ البتہ اس نے متوسط گھرانے کے ایک شریف مسلمان نوجوان کی طرح اپنی عم زاد کے لیے جو اس کی منگیتر تھی اور اب اس کی بیوی ہے "حیات جاوداں" ایک نظم لکھی تھی۔ ایک بند مجھے یاد رہ گیا ہے۔

حرم عفت و عصمت میں ہے قیام اُس کا
طوافِ خانۂ رحمت میں ہے خرام اُس کا
نجوم و ماہ سے بڑھ کر ہے احترام اُس کا
اُسی سے پیار مجھے ہے اُسی سے پیار مجھے

راشد افلاطونی عشق کا قائل نہیں۔ اختر شیرانی سے کسب فیض کرنے کے باوجود وہ اس کے اس نظریہ سے کبھی متفق نہیں ہوا کہ "[illegible] میں جوانی گزار لیا تھا"۔ اس کی نظم "حزن ناسپاس" افلاطونی نظریۂ عشق پر ایک طنز ہے۔ اس کے نزدیک جسم اور روح دونوں کے آہنگ کا نام محبت ہے۔ غالباً [illegible] پہلا شاعر ہے جس نے اس جسارت کے ساتھ محبت میں جسم کے آہنگ پر زور دیا ہے اور محبت کے افلاطونی نظریہ کی تضحیک کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ راشد کی زندگی بھی "ایپیکورین" کی زندگی رہی ہے بلکہ اس کے برخلاف وہ ان تمام "نفیسہ (۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۳۰، ۱۹۳۳) پر عمل پیرا رہا ہے جن کی تعلیم اس جیسے لوگوں کو اپنے گھروں میں ملتی رہی ہے۔ البتہ اس نے زندگی میں جنس کی اہم حیثیت پر ہمیشہ زور دیا ہے اور جنس کے متعلق اس کا یہ نظریہ [illegible] صدیوں کی [illegible] بحثوں کا موضوع بنا رہا ہے [illegible] راشد نے اپنی شعری اظہار [illegible] ایک عنصر تھا

میرے بوسوں نے تجھے پیدا کیا

میں نے کلاسیکل کہا ہے

میرے خوابوں نے تجھے پیدا کیا

ہونا چاہیئے۔ راشد نے کہا اگر میں بوسوں کی بجائے خوابوں کہہ دوں تو پورا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

ان دنوں ہم تقریباً تین سال قلعہ گوجر سنگھ میں مقیم رہے۔ میں اور چوہدری (اب مسٹر جسٹس) محمد یعقوب علی خاں اورینٹل کالج میں پڑھتے تھے اور راشد ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد مولانا تاجور کے نئے رسالہ شاہکار کی ادارت کرتا تھا۔ وہ زمانہ ہمارے لئے تنگدستی اور عسرت کا زمانہ تھا ان سیکڑوں بے مایہ نوجوانوں کی طرح لاہور جیسے غریب شہروں میں جو طلبا کے نئے وارد ہوتے ہیں ہم لوگ بھی اپنے لئے راستہ بنا رہے تھے اور تب ہی ساتھ زندہ رہنے کے لئے تگ و دو کر رہے تھے لیکن ان دنوں کی بے فکری۔ خود اعتمادی، صلاحیت کا اور دلچسپی کو تلاش کرتا ہوں تو کہیں نظر نہیں آتی۔ ہم نے اپنے مکان کا نام لانشیمن یعنی آشیانہ رکھا ہوا تھا یعنی کالج میں پڑھنے کے علاوہ ماہانوں کے علاوہ دن میں بھی منسلک تھا اور شام کو جب میں درس یا گھنٹوں مسلسل محنت کے بعد لانشیمن میں واپس آتا تو وہ فاقہ مستوں کی پھبتیاں میرا استقبال کرتیں، تین قہقہے بلند ہوتے اور اس کے بعد زندگی کی ہر چیز مسکراتی ہوئی نظر آتی۔

لانشیمن میں ہمارے نقل مکانی کرنے کا پہلا دن تھا کہ شام کے وقت پروفیسر احمد شاہ بخاری تشریف لائے۔ ہماری کتابیں ابھی چارپائیوں پر پڑی تھیں۔ اور بخاری صاحب کو بٹھانے کے لئے اس وقت ہمارے پاس کوئی کرسی نہیں تھی۔ بخاری صاحب نے کتابوں کو چارپائی پر دیکھا تو

چارپائے بر او کتابے چند

کی پھبتی کہی۔ راشد نے کرسی نہ ہونے پر معذرت کی اور چارپائی خالی کر دی۔ اب بخاری صاحب جو بیٹھے ہیں تو علم و ادب کے دفتر کھل گئے۔ اتفاقات کے ایک ایک مصرعہ پر داد دی۔ راشد کی تشبیہات کے سلسلہ میں میتھیو آرنلڈ کی تشبیہات کا ذکر کیا۔ اس وقت کی انگریزی شاعری کے رجحانات پر سیر حاصل تبصرہ ہوا۔ راشد نے امریکہ کا ایک رسالہ دکھایا جس میں "اتفاقات" کا انگریزی ترجمہ چھپا تھا۔ انگریزی میں فرمایا "راشد تم سے انصاف نہیں ہوا" غالباً یہ علمی صحبت دو ڈھائی گھنٹے جاری رہی۔ اور اس کے بعد صرف ایک بار پھر بخاری صاحب کی زیارت لانشیمن میں ہوئی۔

لانشیمن میں اختر شیرانی مرحوم، مولانا تاجور، راجہ مہدی علی خاں اور راشد کے دو ہم جماعت آغا عبدالحمید اور ظفر فاروق بھی آیا کرتے تھے کبھی کبھی مولانا چراغ حسن حسرت بھی تشریف لاتے کیونکہ وہ "احسان" میں میرے رفیق کار تھے اور میں انہیں کھینچ لایا کرتا تھا۔ مولانا تاجور کا ہر معاملے کے متعلق بات کرنے کا اپنا ڈھنگ تھا اور ان دنوں "جہانے چنیں کم اقتدار فانی" کے مصداق ان کی باتیں ہمارے لئے کئی ایک ایکٹ کے ڈراموں کا موضوع بن جاتیں۔ راشد کو مولانا ان دنوں غالباً پچیس روپے ماہوار تنخواہ دیا کرتے تھے۔ مولانا کا قیام کا اور بار ان کے برادر نسبتی سلیمان خاں صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ اور مولانا ایک مشکل صورت حال سے بچنے کے لئے ہمیشہ سلیمان خاں صاحب کو سپر کے طور پر استعمال کرتے۔ مثلاً اگر وہ راشد کے کسی اداریے یا نظم کی تعریف کرتے تو میں کہتا کہ مولانا بیچارے راشد کی تنخواہ میں بھی اضافہ فرمایئے تو کہتے "بھئی یہ تم نے بڑی مشکل بات کہی اگر راشد کو ترقی دوں تو پھر سلیمان خاں بھی مانگے گا۔ اب تم ہی بتاؤ میں اس سے کیسے انکار کر سکوں گا۔ وہ میری بیوی کا بھائی ہے۔ نہ بھئی ترقی کی بات اس وقت نہ چھیڑو میں چپکے سے راشد کی تنخواہ بڑھا دوں گا۔"

اگر کسی اخبار یا رسالہ میں مولانا یا "شاہکار" کے متعلق کوئی تنقید شائع ہوتی اور ہم لوگ مولانا سے اس کا تذکرہ کرتے تو مولانا بڑے سنجیدگی سے فرماتے "بھئی یہ تو خنزیروں کی ایک پارٹی ہے پارٹی۔ انہوں نے تو مجھے ختم کرنے کے لئے ہزاروں روپے چندہ جمع کر رکھا ہے"

قلعہ گوجر سنگھ کے قیام کا زمانہ راشد کی شاعری کا بہترین زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں اس نے "آنکھوں کے جال" "زوال" اور ... جیسی نظمیں لکھیں۔ کبھی کبھی اس کی کسی نظم پر بحث کے دوران میں میں اس کی نظم کی پیروڈی شروع کر دیتا۔ یہ اس کی دلکشی رنگ تھی اور ایک دن تو اس نے بڑی

جنوری کے ساتھ [illegible] وقتی اور قابل تحریک ہیں۔ کہ جو ہر ایک سال پہلے [illegible] تھا خود اسے [illegible] کہ اس وقت بھی یقین تھا کہ راشد نے اردو ادب پر شعر و سخن کی کئی نئی راہیں [illegible] کے دروازے کھول دیے ہیں۔

راشد ایک بے حد شاداب تخیل کا مالک ہے۔ اس تخیل اپنی تصویر DICTION اور ابھری تشبیہات کے ذریعے ایک محل تعمیر کرتا ہے [illegible] صورت میں پیش کرتا ہے۔ جیسے [illegible] کے ایک نیم روشن [illegible] ہے میں ایک شام کھڑا ہوا تھا [illegible] نے دیکھا کہ اس کے لمس [illegible] سفید پتھر کی میز کی سطح پر پڑ رہا تھا۔ چند دن کے بعد اس نے اپنی نظم [illegible] کے [illegible] شکل کیا [illegible] یہ مصرعے پڑھتا ہوں تو سب [illegible] شام [illegible] ہے۔

آہ! تیری مضطرب [illegible] سے جال
میز کی سطح درخشندہ کو دیکھ
کیسے پیالوں کا عکس [illegible]
اس کی بے اندازہ گہرائی میں بے قدر ہوا

"زوال" کا پس منظر ہمارے مکان [illegible] کا صحن ہے [illegible] ایک درخت کے پیچھے سے راشد نے [illegible] ڈوبتے دیکھا اور ہمیں ایک [illegible] جو اپنے تاثر میں "زوال" ہے۔

لاہور میں اسے کوئی ذریعۂ معاش بنانے کی سعی ناکام [illegible] کے بعد راشد نے کمشنر ملتان کے دفتر میں کلرکی پر قناعت کی۔ یہ اس کی زندگی کا تلخ ترین زمانہ تھا۔ تنگدستی، قلیل تنخواہ، [illegible] زندگی کی ذمہ داریاں [illegible] خاندان [illegible] اور ملازمت کے [illegible] اس کی طبیعت کی [illegible] ان سب چیزوں نے مل کر اس کی حساس طبیعت پر بے حد اثر کیا۔ اس کی اس زمانے کی نظموں سے بھی [illegible] ہے۔ [illegible] اسی قسم کی یادگار ہے اور [illegible] میں غالباً یہ پہلی عشقیہ نظم ہے جو سیاسی پس منظر کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

اس زمانے میں راشد خاکسار تحریک میں شامل ہو گیا اور سی۔ آئی۔ ڈی نے کمشنر ملتان کے خلاف رپورٹیں بھیجنی شروع کیں [illegible] پہلے ہی اس سے مخالف تھا کہ راشد اس کے سامنے [illegible] نہیں آتا تھا۔ اس نے بھی رنگ [illegible] لیکن خوش قسمتی سے کمشنر [illegible] دوست [illegible] تھے انہوں نے سی۔ آئی۔ ڈی والوں کو ڈانٹ بتا دی اور راشد سے ان کا رویہ ہمدردانہ ہو گیا۔ اس کے بعد راشد کو ریڈیو میں ملازمت مل گئی۔ ان دنوں آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر فیلڈن تھے۔ راشد نے جاتے ہی ان سے کہا

"میں خاکسار تحریک میں شامل ہوں، کیا اس بات کا میری ملازمت پر کوئی اثر پڑے گا"

فیلڈن صاحب نے مسکرا کر کہا "تمہارا ارادہ ہم پر یا کسی سٹوڈیو پر بم پھینکنے کا ہے؟"

راشد نے جواب دیا "نہیں"

"تو پھر جاؤ اپنا کام کرو"

دہلی کے دوران قیام میں بھی راشد کے لئے اس کا حد سے بڑھا ہوا احساس عزت نفس اور خودداری [illegible] باعث زحمت بنے رہے [illegible] سٹیشن ڈائریکٹر مسٹر ایڈمانی سے مسلسل [illegible] رہی۔ ایک دفعہ ریڈیو کے اعلیٰ افسران نے حکم دیا کہ پروگرام اسسٹنٹ پروگراموں کے نشر کے دوران میں کھانا نہ کھایا کریں۔ راشد نے یہ حکم سنا تو کہنے لگا کہ ہم کوئی رجمنٹ ہیں کہ ہم پر ایسے حکم نافذ کئے جاتے ہیں۔ ایڈمانی صاحب کہنے لگے [illegible] یہ بات افسران متعلقہ تک پہنچا دوں گا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور راشد کو [illegible] اس وجہ سے افسروں کے ذریعے

رہا۔ اسی طرح ایک دفعہ دہلی کے ریڈیو سٹیشن کے چیف انجینئر سے جھگڑا ہو گیا۔ راشد انتظار کے کمرے میں ایک کرسی پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہوا تھا کہ چیف انجینئر صاحب داخل ہوئے اور انہوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھئے۔ راشد نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ آپ تشریف لے جائیے اور اپنا کام کیجئے آپ کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ میں کس طرح بیٹھتا ہوں۔ چیف انجینئر صاحب نے رپورٹ کر دی اور معاملہ افسران بالا تک گیا لیکن راشد اپنی پوزیشن پر اڑا رہا۔

دہلی کے دوران قیام میں راشد نے اپنی نظم "دریچے کے قریب" لکھی جس میں سیاسی تلخی کا اظہار زیادہ شدت کے ساتھ کیا گیا ہے۔
راشد کی زیر بحث نظم ہے جو اس نے براڈ کاسٹ کی۔

جنگ عظیم کے دوران میں راشد فوج کے محکمہ نشر و اشاعت میں کپتان بھرتی ہو کر چلا گیا اور اس عرصہ ملازمت میں وہ قاہرہ، تہران اور عراق میں تعینات رہا۔ تہران کے دوران قیام میں اس نے وہ نظمیں لکھیں جو اب "ایران میں اجنبی" کے نام سے اس کے دوسرے مجموعہ کلام میں چھپ رہی ہیں۔

فوج کی ملازمت بھی راشد کو راس نہ آئی اور وہاں بھی اس نے افسروں کے جبر و تعدی کے خلاف احتجاج کے طور پر استعفا دے دیا اور ریڈیو کے محکمہ میں واپس آ گیا۔ آج کل وہ نیویارک میں یونائیٹڈ نیشنز (UNO) کے ریڈیو یونٹ میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدہ پر تعینات ہے۔ کام اسے بے حد پسند ہے اور وہ اپنی موجودہ ملازمت پر خوش معلوم ہوتا ہے۔

راشد ایک صاف گو انسان اور بے حد مخلص دوست ہے۔ اسے اپنی نفرت یا ناپسندیدگی چھپانے کے لئے ملائم الفاظ کا انتخاب کرنا نہیں آتا۔ وہ دوستوں کے وار بڑی خندہ پیشانی سے سینے پر سہہ لیتا ہے لیکن اگر اسے یہ شبہ ہو کہ فلاں گروہ سے خواہ مخواہ بات اسے ذلیل کرنے کے لئے اور محض عناد اور بغض کی وجہ سے کی گئی ہے تو پھر اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا ہے۔ دلی میں جب ہمارے ایک مرحوم و مغفور دوست سے (جن کے لئے میرے دل میں ہمیشہ بے حد محبت اور عزت رہی ہے) راشد کے تعلقات خراب ہو گئے اور جب انہوں نے ایک دوسرے کی طرف توپوں کے منہ پھیر دئیے تو راشد نے اپنی معرکہ آرا ہجو "اشتراکی سورمے" لکھی۔ یہ نظم ایک ہجو کی حیثیت سے اتنی کامیاب تھی کہ اس نے اپنے ہجو سے بھی داد وصول کی۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں دوستوں میں مصالحت ہو گئی اور محبت کے شفاف پانی نے تمام گرد و غبار دھو دئے۔

مرحوم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے راشد رخصت پر لاہور آیا ہوا تھا اور مرحوم نے کئی بار مجھ سے ذکر کیا کہ راشد اور بیگم راشد ان کی تیمارداری کے لئے ایک سے زیادہ بار آئے تھے۔

راشد ایک مخلص دوست، ایک شائستہ لیکن فاش گو انسان ہے۔ وہ اپنی رائے کے اظہار کے لئے مبہم اور نرم الفاظ تلاش نہیں کرتا بلکہ جس انداز میں وہ کوئی بات محسوس کرتا ہے اسی انداز میں کہہ دیتا ہے۔ شاید یہ اس کے کردار کی خامی ہو کیونکہ آج کل زندگی کی قدر بدل گئی ہے اور اب سانپ کے زہر کی بجائے اس کے حسن پر نمبر دیئے گئے ہیں۔

احمد علی

سید علی اکبر قاصد

میرے مضمون کا عنوان "احمد علی" بہت ادھورا اور نامکمل سا ہے ــــ کبھی پیر کٹنگ سیلون والے آپ کے سر کے بال زیادہ تراش دیں تو آپ کا چہرہ دو چار دن عجیب اجنبی اجنبی سا لگے گا۔ اسی طرح احمد علی کا نام بھی پروفیسر کے دُم چھلے کے بغیر عجیب عجیب سا لگتا ہے ــــ ان کا ذکر خیر ہے پروفیسر احمد علی کا ــــ "انگارے" والے احمد علی ــــ "ٹوئی لائٹ اِن ڈہلی" والے احمد علی ــــ لکھنؤ یونیورسٹی والے احمد علی اور حکومت پاکستان کے محکمۂ امور خارجہ والے احمد علی۔

آج سے کوئی پندرہ سال پہلے میرے استاد پروفیسر کلیم الدین احمد نے ایک بھری محفل میں کہا تھا کہ "احمد علی کے افسانوں میں زندگی کا سراغ ملتا ہے اور احمد علی نے تھوڑا ہی لکھ کر ادب میں اپنا ایک انفرادی مقام حاصل کر لیا ہے" ــــ اس وقت میرے دل میں احمد علی سے ملاقات کی تمنا ابھری تھی ــــ اور طالب علمی و کم عمری کا وہ جذبہ بھی دل میں پیدا ہوا تھا کہ کاش میں بھی احمد علی کی طرح لکھ سکتا! ــــ میں "احمد علی کی طرح" لکھ تو نہ سکا مگر آج اس کی بجائے "احمد علی پر" لکھ رہا ہوں۔

پانچ برس بیتے ــــ میرے دوست سلیم اللہ فہمی ایک شام مجھے احمد علی کے مکان پر لے گئے۔ وہاں پروفیسر احمد علی اور چراغ حسن حسرت مرحوم سے پہلی بار میری ملاقات ہوئی ــــ یہ ملاقات میرے لئے ایک ڈرامائی تاثر رکھتی تھی ــــ ایک عام پڑھنے والے کی حیثیت سے میرے ذہن نے بھی ان دونوں کی خیالی تصویریں بنا رکھی تھیں ــــ چراغ حسن حسرت، دُبلے پتلے سے نستعلیق آدمی ہوں گے۔ دھیمے دھیمے باتیں کرتے ہوں گے ــــ باتوں کا لہجہ ان کے اشعار کا سا ہوگا ؎

آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں　　　زلف کی رخسار کی باتیں

اور احمد علی پروفیسروں کی طرح ہوں گے ــــ خاصے بھاری بھرکم ــــ چندیا پر بال کم، چہرے پر فارغ البالی کے اثرات ــــ مگر یہ پہلی ملاقات ان ذہنی تصویروں کو لے ڈوبی۔ مجھے تھوڑی سی تکلیف ضرور ہوئی لیکن تھوڑی دیر بعد ذہن نے حقیقت سے مطابقت حاصل

کئی شاموں کے سائے گہرے ہوتے گئے۔ اور احمد علی کی شخصیت کے نقوش اُبھرتے گئے۔

احمد علی کو پہلی بار دیکھنے ہی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص انسانوں کے ہجوم میں شامل بھی ہے اور اُن سے الگ بھی ہے —— احمد علی [illegible] ہیں تو خوبصورت نہیں لیکن گوری گوری پلک اور دیپ کمار خوبصورت کہے جاتے ہیں لیکن اُن کے چہرے کے گرد ایک عزلتی فضا رہتی ہے مستقل ہے، اور آنکھوں کی چمک ان کی شخصیت کا بنیادی عنصر، مگر یہ چمک ویسی نہیں جیسی کسی ماہر مسمریزم کی آنکھوں میں ہوتی ہے بلکہ اس میں کچھ اُداسی اور خاکستری کیفیت بھی ملتی ہے —— شعلے پر راکھ کا غلاف —— احمد علی کی گوری دبلی لمبی انگلیاں بھی مرکز توجہ بن جاتی ہیں —— زندگی کے اس سفر میں کتنے ہی لوگوں سے ملا ہوں اور

قامت و چہرہ، وہ وہ دیکھا کبھی نہ بھولے، یاد رہے

لیکن کسی کی انگلیاں احمد علی کی انگلیوں کی طرح مرکز توجہ نہ بن سکیں —— ابھی پہلی ملاقات کی شام کی بات کر رہا ہوں —— جب چائے آئی اور سب پینے لگے تو احمد علی بڑی نفاست سے پیالی اُٹھاتے، اپنے ہونٹوں تک لے جاتے اور پھر طشتری میں رکھ دیتے —— ان کے اس عمل میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ مجھے محسوس ہوا جیسے احمد علی پیدائشی نہیں بلکہ صدوقی طور پر بت تراش ہیں —— احمد علی کے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے اور بے ترتیبی میں بھی ایک ترتیب تھی جیسے غزل کے اشعار میں یا سناٹے میں ہوتی ہے —— اُردو میں باتیں کرتے کرتے انگریزی بولنے لگتے اور لہجہ کا خیال رکھتے —— پہلی ملاقات نے احمد علی کی شخصیت کے یہ تاثرات پیدا کئے اور یہ آج تک قائم ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہاں قریب سے دیکھنے کے بعد اضافے ضرور ہوئے ہیں۔

لباس کے معاملے میں احمد علی ان لوگوں سے بہت الگ ہیں جو "جنٹلمین" کہلاتے ہیں۔ اگر کسی شام کسی ایسے آدمی سے آپ کی ملاقات کرائی جائے جو گہری ہری قمیص کے ساتھ گہری سرخ ٹائی لگائے ہوئے (BRUTE AMERICAN CONTRAST) اور کہا جائے کہ "ان سے ملئے، یہ ہیں پروفیسر احمد علی" تو یہ کسی پریشانی کی بات نہیں، اور اسی لئے یہ بات میں نے آپ سے احتیاطاً عرض کر دی ہے —— اس ذوقِ لباس کی نفسیاتی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ احمد علی کراچی کی بے رنگ زندگی سے انتقام لے رہے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے، نہ تو موسیقی کی محفلیں جمتی ہیں، نہ رقص کی لہریں اُٹھتی ہیں، نہ ہم مشرب کہیں مل کر چار بیٹھتے ہیں —— اس کی ایک اور نفسیاتی وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ غالباً احمد علی غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو جوان رکھنے اور جوان پیش کرنے کے لئے یہ اہتمام کرتے ہیں —— اُن کی عمر اب یہی کوئی چوالیس پینتالیس سال ہے، پہلی نظر میں یہ عمر جچتی بھی نہیں لیکن جب ملنے والا اُن سے قریب ہوتا جاتا ہے تو وہ کم عمر معلوم ہونے لگتے ہیں، شوخ کپڑے باتوں میں شوخی، حرکات و سکنات اور جنبشوں میں جوانوں بلکہ نوجوانوں کی سی بے چینی اور قوت کا اظہار، کچھ وارفتگی اور والہانہ پن، اور اسی ضمن میں گفتگو کرتے ہوئے چابیوں کے گچھے سے کھیلتے رہنا —— یوں گردشِ ایام پیچھے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

احمد علی دیکھنے میں خاصے لمبے آدمی ہیں مگر اس لمبائی سے بہت زیادہ ان کے اندر گہرائی ہے، علم کی اور مطالعے کی —— بلاشبہ وہ ایک بڑے فنکار ہیں، متوازن نقاد اور شگفتہ ادیب، ادب اور زندگی پر غائر نظر رکھنے والے —— خوشگوار اور دلکش مسکراہٹوں والے احمد علی ہمارے ادب اور کلچر کی تاریخ میں زندہ رہیں گے ——

احمد علی گفتگو کے فن کے بڑے ماہر ہیں —— جس طرح اچھے بندوقچی کا RANGE بہت وسیع ہوتا ہے اُسی طرح احمد علی کی باتوں کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے —— جولیس سیزر اپنے بارے میں کہتا تھا کہ —— "میں آیا —— میں نے دیکھا —— اور میں نے فتح کر لیا" —— احمد علی بھی بڑے فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ "میں آیا —— میں نے باتیں کیں —— اور میں نے فتح کر لیا"

ایک بڑی بین الاقوامی قسم کی محفل میں، میں بھی شریک تھا اور احمد علی بھی —— احمد علی کے سامنے پیمانہ و مینا تو نہیں تھے مگر چاروں طرف

خاتین مزاج تھیں جو بھرو کہنے اندازی کی اشتعال کننده ۔ احمد علی بیک وقت ایک متر اضد جیشی خاتون، ایک اسلامی جاپانی خاتون ایک نوجوان چینی خاتون اور ایک مسلمان چینی جاپانی خاتون سے باتیں کر رہے تھے اور کیسی باتیں! —— انڈونیشیا میں شادی کے نئے رجحانات، جاپان میں اقتصادی اداروں کے معاشی حالت، چین کا مستقبل —— پھر احمد علی کو جاپانی خاتون کی آنکھوں میں چینی فن تعمیر کی جھلک نظر آگئی۔ اب، اس وقت آپ دیکھئے کہ چینی فن تعمیر پر گفتگو کر رہے ہیں —— کبھی کبھی احمد علی کی گفتگو عجیب انداز کی ہوتی ہے —— بظاہر ان کے عام تعصبات و عقائد سے مختلف۔ ایسے موقعوں پر قاصرت کا دہ ... گے کہ حیرت ہو جائے گی —— کوئی صاحب تشنہ ذہن فتنہ کہیے۔ "اللہ! یہ اشارے کا مصنف بول رہا ہے!" —— میں سوچتا ہوں دراصل احمد علی کون ہے؟ —— یہ جیسے کہنے والا یا اشارے کا افسانہ نگار! بھائی جان (احسن فاروقی) اور ابرا فیر کشتی نے تو یہ کیا۔ صبر محمود کے بعد شعبے میں کسی کا یہ تو جواب دیا کہ —— "بندے کو خدا پر یہ فوقیت ہے کہ خدا لذتِ مرگ سے آشنا نہیں!" —— میں نے پچھنے کے بعد پڑھا۔ جملے و تب سے لفظ یہ شدید اعتراض تھا۔ بھائی جان اور کشتی کہتے کہ ہمیں کب اتفاق ہے؟ یہ تو کسی کا قول ہے، ہم نے جواب دیا "آپ جواب دیجئے" —— ایک دن شام کو احمد علی آگئے اور کشتی، اور بھائی جان سے اُلجھ پڑے —— "صاحب! آپ نے یہ کیا جواب دیا؟ ... کے لکھنے والے نے خدا کے چند دیر تر کے بارے میں ایک منٹ بھی نہیں سوچا —— خدا تو علیم و بصیر ہے۔ ... ہے۔ سب سے بڑا فنکار ہے وغیرہ وغیرہ" —— کشتی بڑی معصومیت سے بولے کہ —— "یہ احمد علی صاحب بول رہے ہیں یا مفتی شفیع" —— احمد علی ہنس پڑے اور بحث ختم ہو گئی۔ لیکن وہ لمحہ بہت قیمتی تھا۔ خدا اور مذہب کے بارے میں احمد علی کے صحیح جذبات سامنے آگئے۔ احمد علی نے دہلی کی معاشرت کی آغوش میں پرورش پائی ہے —— وہ روایت شکن ضرور ہیں لیکن ان کی زندگی اور ان کی تحریروں میں یہ روایات بہر کیف ... درآتی ہیں —— یہی نہیں وہ دلی والوں کی طرح کبوتر بھی اڑا لیتے ہیں۔

احمد علی صرف کبوتر ہی نہیں اڑاتے بلکہ انہیں کئی اور جانوروں سے بھی دلچسپی ہے گلشن سروش پر ایک مکان میں رہتے ہیں لیکن یہ مکان بھی ان کے مذاق کا کسی حد تک آئینہ دار ہے —— چھوٹا سا باغیچہ —— چھوٹے چھوٹے پتھروں سے قرینے کی پہاڑیاں سی بنی ہوئی —— پھر ایک حوض سا رستے میں پانی —— پانی میں رنگین مچھلیاں —— جالیاں لگی ہوئی —— جالیوں میں لال —— رنگ برنگی چڑیاں، مگسی پر خرگوش اور ایک عدد بلی —— دروازے پر دو عدد کتے —— سودا کے مصرعہ کی طرح، احمد علی شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پر پانی تو نہ پلا سکے، لیکن یہ صلاحیت ان میں ضرور ہے بلی اور کتے کو رشتۂ رفاقت میں منسلک کر دیا ہے، ایک زمانے میں تو وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ سوچا کرتے تھے کہ بلی اور کتے کو زنجیرِ مفاہمت میں باندھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ —— اس سلسلے میں اگر کوئی شکایت ہے تو بس اتنی کہ ہمیشہ کاٹ کھانے والے کتے ہیں

عجائبات سے احمد علی کو بہت شغف ہے۔ ان کا ملاقاتی کمرہ —— کمرہ کیا ہے کہ ایک بڑا ہال ہے اور داخلے کا دروازہ بیضوی ہے۔ آپ ملاقاتی کمرے میں پہنچیں گے تو قالین، مجسموں، تصویروں، ایک بہت بڑے چوبی صندوق اور ایسے ہی الم غلم سامان کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے احمد علی کو بھول جائیں گے —— جب آپ اپنے عالم میں آئیں گے تو احمد علی کی آنکھوں کو مسکراتا پائیں گے —— "یہ صندوق ... شاہی خاندان کا ہے" "یہ منقش جگ عہد چین چیانگ کائی شیک سے تعلق رکھتا ہے۔" وغیرہ وغیرہ —— احمد علی نے یہ سب سامان اپنے قیام چین کے زمانے میں جمع کیا تھا۔ جب وہ پاکستان کے سفارتی نمائندے کی حیثیت سے چین گئے تھے —— ویسے وہ پہلے بھی انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے قیام پاکستان سے پہلے بھی چین ہو آئے ہیں —— اور وہ یہ سب سامان اسی بڑے چوبی صندوق میں بھر کر لائے تھے۔ جو اب اس کمرے میں رکھا ہوا ہے، بھابی بلقیس (بیگم احمد علی) کا کہنا ہے کہ جب گھر میں زیادہ مہمان آ جاتے ہیں، تو احمد علی اسی صندوق پر سوتے ہیں مگر اس احترام و عقیدت سے کہ رات بھر سو نہیں پاتے —— یہ کمرہ عجائب خانہ بھی ہے اور نگار خانۂ چین بھی، اسی لئے یہاں ٹھہرنا مومن کے

ایسی کسی کے باعث مزاج میں ایک کیفیت جمال کی طرف ہر وقت مائل رہتی ہے۔

آج کل احمد علی کو ایک ہی دھن ہے — مکان بنوانے کی — یہ دھن اُن کی تخلیقی قوت سے جنگل کی طرح پھیلی ہے — اُنہوں نے ڈرائنگ بورڈ ہی اپنا لیا ہے۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے میرا تعلق پروفیشن سے ہے اور احمد علی اس کے علاوہ بھی وہ ماہر تعمیرات بھی بنتے ہیں، چنانچہ اب جب بھی ملتے ہیں اور اکثر ملتے ہیں تو مکان کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ کتابیں پڑھنے کی جگہ وہ جرمنی، انگلستان، فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے مکانوں کے نقشوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں — کسی مکان کی چھت پسند آ گئی ہے تو کسی کا برآمدہ — بال کی کھال نکالنے میں احمد علی اپنا جواب آپ ہیں۔ اُن کا تذکرۂ مکان اب تو طلسم ہوشربا بن گیا ہے، اور میں ہر چند ہونے کے باوجود احمد علی سے کہہ نہیں پاتا۔ بگڑتے ہوئے آئیں گے — "بھئی اکبر! — آخر یہ کیا ہے؟ تم ہمارے مکان کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے، کل کوئی پتھر اٹھا لے گیا — اور آج مٹی لے گیا — یہ سب کیا ہے؟"—

آج کل عقیس بھابی اور احمد علی کے درمیان بچوں کے علاوہ اگر کوئی موضوعِ گفتگو ہے، تو یہی مکان کا سلسلہ — فرصت کے اوقات میں دونوں میاں بیوی مکان کا نقشہ بناتے رہتے ہیں یا بحثتے رہتے ہیں — "باتھ روم یہاں ٹھیک رہے گا" — "بھئی میں اپنی لسٹری پائیں باغ کے مشرقی گوشے میں بناؤں گا" — "سامنے کی جالیاں ویسی ہی ہوں گی جیسی ..." یا پھر یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی کسی مکان کا نقشہ لے بیٹھے ہیں۔ چھت احمد علی کو پسند نہیں آئی اور دروازے عقیس بھابی کو ناپسند ہیں — یہ سلسلہ اب معمولات کا حصہ ہو گیا ہے۔

احمد علی کی ازدواجی اور گھریلو زندگی بہت خوشگوار ہے، بھابی عقیس اُن کے مزاج کی تلافی اور تکمیل ہیں، احمد علی کی طرح وہ بھی گفتگو کے فن کی ماہر ہیں۔ اس تسلسل سے بولتی ہیں جیسے کتاب پڑھ رہی ہوں — شادی شدہ خواتین احمد علی اور بیگم احمد علی سے مل کر اپنے شوہروں سے اور شاکی ہو جاتی ہیں: "میاں ہو تو ایسا — بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہے، ہر بات مان لیتا ہے، ایک تم ہو کہ میری سنتے ہی نہیں" — اور بچارے شوہر جل کر کہہ اٹھتے ہیں — "بیوی میاں پر حاوی ہے" — حالانکہ ایسا کہنا حقیقت سے خاصہ دور ہے — احمد علی کے دونوں بچے فروغ اور ارقم بہت پیارے اور ذہین ہیں — ان ناموں میں بھی احمد علی کی دو مصرعی قافیہ بندی چھپی ہوئی ہیں — ایک بات اور — احمد علی کو جب عقیس بھابی کے سامنے گھر سے باہر رہنے کا بہانہ تراشنا ہوتا ہے تو بہترین ذہانت کا ثبوت دیتے ہیں۔

زمانے کی طرح کراچی کا موسم بھی بدل گیا ہے اور اب کراچی میں آسمان پر بادل چھائے رہتے ہیں اور بارش ہوتی ہے تو برستی ہی چلی جاتی ہے، نتیجتاً ابر آلود ہوتے ہی لوگ سیر و تفریح اور پکنک کے لئے گھروں سے نکل پڑتے ہیں لیکن ایسے میں احمد علی کی مصروفیت دلچسپ اور مکمل طور پر انفرادیت لئے ہوئے ہوتی ہے، اپنی خاکستری "اوپل" میں اپنے دونوں بچوں کو بٹھا کر — بغیر نعرہ لگائے — ویرانے کی طرف نکل پڑتے ہیں، وہاں ان کے بچے مینڈکیاں پکڑتے ہیں اور احمد علی فورس ان ریزرو (FORCE IN RESERVE) بن کر اپنے بچوں کو مینڈکیوں کی گرفتاری میں کمک پہنچاتے ہیں۔ جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو واپسی ہوتی ہے اور ان کے ٹرنک میں شام کا حاصل یعنی قسم قسم کی چھوٹی بڑی مینڈکیاں، بڑی احتیاط سے رومال میں بندھی ان کے گھر آ جاتی ہیں، مینڈکیاں پکڑتے وقت ان کی لمبی مخروطی انگلیوں میں نفاست کے ساتھ نشانہ بھی ہوتا ہے اور پھرتی بلا کی بھی — احمد علی بلانٹنگ کے بھی بڑے ماہر ہیں۔ اس دلچسپ فنکارانہ کام میں بھابی عقیس ان کی مدد تو نہیں کرتیں مگر اظہار ناپسندیدگی بھی نہیں کرتیں — وجہ ظاہر ہے، ایسے سہانے موسم میں انہیں احمد علی کی دوسری مصروفیتیں پسند نہیں۔

عرصہ سے احمد علی نے کوئی تخلیقی چیز نہیں لکھی — اُن کی زندگی اور مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے جب میں اس مسئلے پر سوچتا ہوں تو کئی باتیں سمجھ میں آتی ہیں — ایک تو یہ کہ احمد علی اپنی گذشتہ تخلیقات سے مطمئن ہیں، دوسری بات یہ کہ انہیں کچھ یہ احساس ہے

نقادوں نے ان کے ادبی مرتبہ کا تعین نہیں کیا۔ اور اس احساس ہی سے وہ کچھ کنارہ کش ہیں — تیسری بات یہ کہ وہ موجودہ ادبی ماحول سے مطمئن نہیں جس میں گروہ بندیاں اور پروپیگنڈا کا کرشمہ زیادہ ہے۔ اور نقاد اس کی ذمہ داری لیتے رہتے ہیں — ویسے احمد علی بہت کم لکھتے ہیں اور ان کے ذاتی خیالات ابھی بہت کم ہے — کہتے ہیں افسانے تو مکمل پڑے ہیں — دوست انہیں لکھنے پر اکساتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ سنجیدگی سے لکھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ان کے دوست یا مستقبل میں ان سے جنگ کرنے والے ہیں — حسن صاحب نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ MERMAIDS IN LUCKNOW (لکھنؤ کی جل پریاں) کا انگریزی ترجمہ کیا جائیگا [illegible] شائع [illegible] اور تیسری دنیا کے افسانوں کا انتخاب ایک جلد میں شائع کیا جائے گا۔ ہر شام دو گھنٹے انتظار کیا جاتا کبھی تو وہ کہ ہندوستان چلے گئے اور وہاں چین سے بیٹھ گئے ہیں۔ اب اس کا کیا علاج؟ — ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ احمد علی خود ہی دن کے دو چار گھنٹے ادب کے لئے وقف کر دیں۔

احمد علی بہت اچھے مخلص اور سچے دوست ہیں لیکن وہ اچھے آدمی ہیں۔ دوستوں کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں — قرض سے کر بحث و تمحیص تک — بحث و تمحیص قربانی یوں ہے کہ اس کے لئے وقت کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

یہ ایک اوسط درجہ کی جھلک ہے۔ اس احمد علی کی جو باغی ہونے کے ساتھ ساتھ روایت پرست ہے — جسے پرانی شاعری بہت پسند ہے — اور کبیر کے ایک دوہے یا میر کے ایک شعر کے سہارے زندگی کے کتنے ہی دن کاٹ سکتا ہے — جو علی طور پر خاموش ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ خاموشی ایک بڑے ادبی طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

اختر انصاری

عزیز عرفی

اختر صاحب کی کیفیت ایک جھیل کی سی ہے۔ خاموش اور پرسکون۔ جس کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں ہوں جو بنتی ہوئی حلقوں میں ہی مدغم ہو جائیں۔ ساحل پہ کھڑا ہوا کوئی شخص پتھر پھینک دے تو تہ و سکون درہم برہم ہو جائے۔ ساری جھیل میں لہریں ہی لہریں رقص کرنے لگیں۔ یہ گوشہ متحرک ہو جائے ـــــ اور پھر اس کے بعد ساکن سطح پہ مسکراتا ہوا سکوت۔ وہاں ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر معدوم ہے جو اپنی قوی ہیکل دھاڑتی ہوئی موجوں سے ساحل پہ کھڑے ہونے والے خندہ زن تماشائیوں کو دور تک دھکیل دیتا ہے۔ وہاں پہاڑی ندی کا جوش و خروش اور عزم بھی نہیں جو سنگلاخ چٹانوں کو کاٹتی گنگناتی اور اچھلتی اپنی منزل کی طرف دوڑتی رہتی ہے ـــــ وہ تو محض ایک جھیل ہے پُرسکون اور ساکت جس کی سطح کے نیچے ننھی ننھی سرخ و سبز سنہری مچھلیاں تیرتی رہتی ہیں ـــــ حسرتوں کی طرح پلتی رہتی ہیں ـــــ اور پھر ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ مچھلیاں مر جاتی ہیں۔ جھیل کی سطح مرتعش ہو جاتی ہے۔ لہریں ساحل سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ جیسے وہ ساحل کو توڑ کر نکل جائیں گی۔ اور ایک پہاڑی ندی کی طرح سنگلاخ چٹانوں کا سینہ چیرتی ہوئی اپنی منزل کو پا لیں گی ـــــ یعنی پرانی حسرتیں دم توڑتے توڑتے بھی تڑپیں گی ـــــ لیکن پھر جھیل کی سطح اسی طرح ساکت ہو جاتی ہے۔ اور جھیل کا پانی دھیمے دھیمے سرگوشیاں کرنے لگتا ہے۔ کون اس برسوں پرانے سکون کو چھوڑ کر چٹانوں سے ٹکرائے ـــــ

اس طرح یہ کہنا قطعاً وقت طلب نہیں کہ اختر صاحب میں دنیا سے لڑنے اور جھگڑنے کی ہمت نہیں۔ انھوں نے زندگی بھر حسرتوں اور امیدوں کے مقبرے بنائے ہیں۔ مرحوم آرزوؤں کا ماتم کیا ہے۔ لیکن واویلا اور نہ گریبان کو چاک کیا اور نہ دامن کو تار تار ـــــ بلکہ ناکامی، مایوسی اور محرومی پہ مسکرانے کے لئے ایک چھوٹی سی رنگین لمحوں کی جنت تعمیر کی۔ جہاں اب وہ چاروں طرف سے دروازے بند کئے اپنے کمرے میں لیٹے آہستہ آہستہ پائپ پیتے رہتے ہیں۔ آتش دان پر شیلف میں رکھی ہوئی اپنی تصانیف کو دیکھتے ہوئے فخر محسوس کرتے، دیوار پر آویزاں شاہکار مرقعوں کو، اپنے گرد پھیلی ہوئی قیمتی اشیاء کو دیکھتے رہتے ہیں اور مسکراتے رہتے ہیں۔ انھوں نے دروازے کے شیشوں پر بھی رنگ کے غلاف چڑھا دیئے ہیں کہ مبادا ان کی ناکام حسرتیں جھانک کر رنگ میں بھنگ ملا دیں ـــــ لیکن یہ سب باتیں تعبیر طلب ہیں۔

اختر صاحب نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ جامع مسجد دہلی کے اطراف کی گلیوں میں گزارا۔ ان کے والد دہلی کے سول سرجن تھے۔ ایک شفیق باپ کی حیثیت سے ان کی خواہش تھی کہ اختر صاحب سول سروس میں جائیں۔ دوسرے نوجوانوں کی طرح اختر صاحب کی آرزوؤں کے بار آور ہونے کا وقت آیا ـــــ ان کے والد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اختر صاحب کا مستقبل رہ گیا۔ تصورات کا جھلملاتا ہوا قصر ڈگمگانے لگا۔ لیکن اختر صاحب نے حالات کے سامنے سپر نہ ڈالی۔ وہ اپنے اس قصر پائیداری کی تعمیر کے لئے لندن گئے۔ مگر قسمت کے دربان نے محل کے دروازے ہی سے ناکام

[illegible] ماں کی بیماری [illegible] پائی [illegible] سب بیکل میں ان کی [illegible] بھائی بہن

[illegible] اختر صاحب [illegible] دہلی کے [illegible] تھے۔ لیکن

[illegible] کوئی توجہ نہیں کی [illegible] خدا [illegible] پہلے [illegible]

[illegible] اختر صاحب [illegible] مستقل [illegible] ختم ہوگیا [illegible] یہ واقعہ [illegible]

[illegible] کردے [illegible] دیکھ سکتے تھے [illegible]

[illegible] ذکر ہی کیا ہے [illegible] شائع [illegible] ہیں۔

" [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کا سلسلہ [illegible]

[illegible] ہے۔

" FOR SHIA FE[illegible] MIND MUST BE [illegible]LESS. "

چنانچہ یہ حقیقت ہے [illegible] اختر صاحب نے [illegible] انہیں

[illegible] اس سلسلے میں [illegible] بات [illegible] کرتے ہیں [illegible]

[illegible] مہینے [illegible] میں [illegible] جب [illegible] بات

[illegible] کے لئے [illegible] لیکن یہ

[illegible] آج تک [illegible] نہیں ہے۔"

[illegible] باتیں [illegible] ہوگئیں۔ [illegible] اختر صاحب کی ابتدائی زندگی کا [illegible] صاحب نے ملازمت کے

لئے ہاتھ پیر مارے۔ لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ [illegible] ادا کرتے رہے۔ [illegible] کرکے [illegible] تو نہیں

ایک [illegible] جس کی [illegible] ادا کرتے رہے [illegible] ایک [illegible] تھا۔ لہٰذا انہوں

نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے [illegible] اسکول میں کام شروع کردیا۔ اس وقت تک ان کے عزائم جوان تھے اور ان کا یہ یقین تھا کہ وہ اسکول سے جلد ہی نجات

پاکر اپنی [illegible] کی تکمیل کرسکیں گے [illegible] کی ناسازگی کی بناء پر [illegible] سکیں۔ لیکن وہ [illegible] اسکول سے نکل سکے۔

ماحول اور اقتصادی حالات کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنا کچھ آسان بات نہیں۔ اختر صاحب کی آمدنی قلیل تھی اور اخراجات زیادہ [illegible]

[illegible] کی تعلیم اور پرورش ایک طرف [illegible] اپنی [illegible] کی تکمیل [illegible] ممکن تھیں [illegible] انہوں

نے اپنی [illegible] اور حسرتوں کا خون کیا۔ لیکن بہن بھائیوں کی تعلیم اور پرورش [illegible] اختر صاحب [illegible]

سے۔ لیکن ان میں RISK لینے کی ہمت نہ تھی [illegible] کیونکہ اختر صاحب [illegible] اور [illegible] نے جکڑ دیا تھا۔ [illegible]

بڑی فیملی [illegible] کی پرورش ان کا فرض بن چکی تھی۔ لہٰذا وہ [illegible] اور انہوں نے [illegible]

حالات کو اپنا نصیب سمجھ لیا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اختر صاحب نے اپنی [illegible] کے لئے جو [illegible] تعلیم [illegible] قائم

ہے کہ اسے ... بلند ... [illegible] ہے ۔۔۔ بچے اختر صاحب ... [illegible] ... انگریزی کی ... [illegible]
بہ نظر آتی ہے۔

اختر صاحب کو پہلی بار میں نے اس وقت دیکھا جب میں ہائی اسکول کی پانچویں جماعت میں داخل ہوا ۔۔۔ نویں دسویں جماعتوں کو انگریزی پڑھاتا تھا، کالی گھنی مونچھیں سکول کے کلاس روم اور باہر منہ میں دبائے ٹہلتے رہتا۔ یہی ان کا معمول تھا۔ ان کے علاوہ بھی پڑھانے والے بڑے عجیب قسم کے اساتذہ ہوتے تھے۔

طلبا کا ایک خاص مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف زاویوں سے تبصرہ کیا کرتے ہیں اور بالخصوص ان اساتذہ کا ذکر خیر ہوتا ہے جن سے براہ راست تعلق ہوتا ہے ۔۔۔ لہذا آٹھویں جماعت تک کے تمام طلبا ان کے متعلق بہت کم جانتے تھے لیکن اس کے برعکس ان جماعتوں کے طلبا میں اختر صاحب کو قریب سے دیکھنے کا شوق ہمیشہ رہا۔ اور وہ ہر جماعت میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے گئے۔

میں پانچویں یا چھٹی جماعت میں تھا کہ ایک روز کسی ہم جماعت نے پوری کلاس کو اطلاع دی ۔۔۔ "اختر صاحب بہت بڑے شاعر ہیں ۔ ۔ ۔" یقین جانئے ہم یہی سمجھے کہ اختر صاحب انگریزی میں شاعری کرتے ہیں اور مدت تک ہم ایک دوسرے سے کہتے رہے ۔۔۔ "اختر صاحب انگریزی میں شاعری کرتے ہیں اور ان کی نظمیں لندن کے رسالوں میں چھپتی ہیں ۔"

اس کی دو وجوہ تھیں ۔ پہلی تو یہ کہ اختر صاحب ہمیشہ سوٹڈ بوٹڈ رہتے۔ جوتے کی چمکتی پالش سے لے کر فرانسیسی طرز کے تراشیدہ بالوں تک ہر چیز نک سک سے درست! کیا مجال کہ جوتے پر گرد جم جائے یا بالوں کی ایک آدھ لٹ پریشان ہو جائے ۔۔۔ اور یہ عام مشہور تھا کہ اختر صاحب روز سوٹ تبدیل کر کے آتے ہیں۔ اگرچہ یہ سوٹ نہیں تو کوٹ پتلون میں سے ایک چیز تو ضرور اور اگر اتفاق سے دونوں میں سے کوئی چیز بھی تبدیل نہ کی گئی تو ٹائی تو یقینی طور پر وہ نہیں ہوگی جو وہ کل باندھ کر سکول آئے تھے ۔۔۔ پھر اس کی مناسبت سے سگریٹ کی بجائے پائپ منہ میں دبائے رہتے ۔۔۔ پھر ہم لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ اختر صاحب ولایت ہو آئے ہیں ۔۔۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم لوگ اختر صاحب کو مکمل "انگریز" تصور کرتے تھے ۔۔۔ یہ دوسری بات ہے کہ اختر صاحب کو رنگ کی بنا پر بھی انگریزوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اور ہم لوگوں کا مکمل یقین تھا کہ اختر صاحب گھر کے اندر بھی اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے ۔۔۔ حتیٰ کہ لیٹتے اور سوتے بھی مغربی انداز میں ہوں گے ۔۔۔ بلکہ بیوی اور بچوں سے بھی انگریزوں کی طرح ملتے ہوں گے۔ انہی باتوں کے پیش نظر اختر صاحب کے چھوٹے بھائی ارشد سے جب میری اور دوسرے ساتھیوں کی ملاقات آٹھویں جماعت میں ہوئی تو ہم لوگ اس سے اکثر اختر صاحب کی گھریلو زندگی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ۔۔۔ اور وہ اکثر چڑ کر کہتا

"آخر تم لوگ اختر صاحب کو سمجھتے کیا ہو ۔۔۔؟"

جب میں نویں جماعت میں پہنچا تو اختر صاحب کو قدرے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جب کہ اختر صاحب انگریزی کے استاد کی حیثیت سے کلاس میں تشریف لائے۔

اختر صاحب کا معمول تھا کہ وہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ لئے کلاس میں داخل ہوتے ۔۔۔ ایک ایسی مسکراہٹ جس میں سنجیدگی کا عنصر کچھ زیادہ ہی ہوتا۔ ہم لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے ۔۔۔ اختر صاحب گردن کے ایک موہوم سے جھٹکے کے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ جاتے ۔۔۔ اختر صاحب کوٹ کی اندر کی جیب سے رومال نکالتے ۔۔۔ چشمہ اتار کر چہرے کو اچھی طرح صاف کرتے اور پھر چشمہ کو صاف کر کے لگا لیتے ۔۔۔ رومال کی خوشنما تہہ کر کے اسے پھر کوٹ کے اوپر کی جیب میں لگا لیتے ۔۔۔ کبھی کبھی ٹائی کی ناٹ بھی

[illegible] — [illegible] کے بعد کتاب [illegible] خاص [illegible] ہے

[illegible] اختر صاحب [illegible] بیٹھے ہیں [illegible] میز پر [illegible] کا ایک [illegible]

[illegible] سے حق [illegible] [illegible] — [illegible] حقیقت ہے [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] اس کا اندازہ [illegible] ہے — [illegible] اختر صاحب کی [illegible] ایک [illegible]

[illegible] زندگی ہے — [illegible] اختر صاحب [illegible]

[illegible] گے — [illegible]

[illegible] — [illegible]

اختر صاحب کو بہت شدید [illegible] — [illegible] ہے — [illegible]

[illegible] کتاب میز پر [illegible] اور کافی دیر تک [illegible] — [illegible] —

جب اختر صاحب ہماری کلاس میں پڑھا رہے تھے تو انسپکٹر صاحبان گھستے ہوئے آگئے — [illegible] اختر صاحب [illegible]

اختر صاحب [illegible] پڑھا رہے — [illegible] اپنی پوری قوت سے ساتھ

پڑھانا شروع کر دیا — ہم لوگ متحیر کہ ماجرا کیا ہے اور اختر صاحب [illegible] بے تحاشہ [illegible]

[illegible] — تھوڑی دیر بعد جب انسپکٹر صاحبان چلے گئے — تو اختر صاحب کتاب میز پر پھینک کر [illegible]

[illegible] اور کافی دیر تک کانپتے رہے — جب کلاس ختم ہوئی تو [illegible] سب نے خیریت [illegible]

[illegible] — [illegible] سامنے آجاتی ہے — [illegible] لوگوں کے سامنے کلاس [illegible] —

[illegible] قدم رکھا تھا کلاس [illegible] — [illegible] میرے سامنے ایک [illegible]

اسکول نے اختر صاحب کی زندگی پر کافی گہرے نقوش چھوڑے ہیں — اس کے دو پہلو ہیں۔ [illegible] اسکول میں رہتے ہوئے اختر صاحب

کو فاضل وقت کافی ملا — چونکہ ایک اسکول ٹیچر کی مصروفیات بہ نسبت دوسرے شعبہ جات کے ملازمین کے کم ہوتی ہیں۔ سال میں چھٹیاں

بھی کافی ملتی ہیں اور مطالعہ کے اوقات میں بھی کافی فرق ہوتا ہے — دوسرا یہ کہ ہمارے معاشرے میں اسکول ٹیچر کی جو وقعت ہوتی ہے

وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دراصل یہ سارا نظام تعلیم نہ اساتذہ کو اچھی تنخواہیں دیتا ہے اور نہ ہی سوسائٹی ایک اسکول ٹیچر کو اس کی جائز عزت

دیتی ہے۔ گو ان حالات میں اول تو اس شعبہ کو اچھے دماغ ملتے نہیں — اور جو ذہین جوان [illegible] سے مجبور ہو کر آجاتے ہیں تو ان کی ساری صلاحیتیں کچل

کر رہ جاتی ہیں — لہٰذا اختر صاحب کی حساس طبیعت پر ایک اسکول ماسٹر کی حیثیت کا شدید احساس ہوا۔ ایک مرتبہ اختر صاحب

اپنے کسی عزیز کے یہاں بریلی گئے۔ ایک شام ان کے میزبان نے کسی کلب میں وہاں کے معزز شہریوں سے تعارف کرایا۔ ان لوگوں نے اختر صاحب

کا بہ حیثیت شاعر اور ادیب بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا لیکن جوں ہی ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک اسکول ماسٹر ہیں تو ان کے سارے تپاک

پر جیسے اوس پڑ گئی —

ایک خط میں اسکول کی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں: —

"یہ ۱۸ سال علیگڑھ میں جس ذلت، مصیبت اور پستی کی حالت میں گزارے ہیں ان کی یاد عمر بھر دل میں ناسور [illegible] رہے گی —"

اس قسم کی باتوں سے اختر صاحب گوشہ نشین ہو گئے۔ اسکول ماسٹری سے وہ کبھی مطمئن نہ ہو سکے۔ لیکن اس فضا سے نکلنے کے لئے انہوں نے

کبھی جدوجہد بھی نہ کی۔ حالانکہ اسکول چھوڑنے کی خواہش ہمیشہ رہی —

اس بنیادی وجہ کے علاوہ اختر صاحب کے گوشہ نشین ہو جانے کی چند اور وجوہات بھی ہیں — پہلی وجہ تو یہ کہ اختر صاحب ملازمت نہ کر سکے۔ لہٰذا جب انہیں اسکول میں ملازمت مل گئی اس سے قطع نظر کہ وہ اس سے مطمئن تھے یا نہیں — انہیں اچھی خاصی ملازمت مل گئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے مطالعہ اور تصنیف کے لئے اسکول کے فاضل وقت شام کے اوقات رکھ لیا — ان کی تقریباً تمام تصنیفات اسی دور کی ہیں۔ اختر صاحب کی زندگی میں ناکامی سے بھی اردو ادب کو فائدہ پہنچا — اگر بالفرض اختر صاحب دوسروں میں کامیاب ہو جاتے تو یقینی بات ہے کہ اختر صاحب کی حیثیت جو اس وقت اردو ادب میں ہے وہ نہ ہوتی — یا پھر شاید انہوں نے اردو ادب کو وہ کچھ نہ دے سکتے۔

دوسری بات یہ کہ اختر صاحب کی مالی حالت اس قدر اچھی نہ تھی کہ وہ دنیا کے ہنگاموں میں خرچ کر سکتے لہٰذا انہوں نے اپنی قلیل آمدنی کو اپنی گھریلو زندگی پر ہی خرچ کرنا بہتر سمجھا — چونکہ اختر صاحب نے اپنی زندگی کے نقشے کو مرتب کیا تھا۔ اس کے حصول میں انہیں فطری طور پر گھریلو زندگی ہی پسند تھی لہٰذا اس کی تکمیل اپنی خانگی زندگی میں کرنا تھی — اور انہوں نے رفتہ رفتہ اپنی ادبی تخلیقات کے ساتھ ساتھ ایک معیاری مکان بنوا کر اسے گھر کو FURNISH کیا۔ ایک خط میں اپنے گھر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"میری شاعری اور میرے ادبی کام کو مشہور ہونا چاہیے تھا۔ لیکن شہرت نصیب ہو رہی ہے میرے گھر کو۔ یہ شہرت دور دراز کے مشہور شہروں تک پہنچ گئی ہے۔ ماشاء اللہ!"

ادبی تخلیقات کے علاوہ یہی گھر ہے اختر صاحب کی زندگی کا ماحصل جو ان کی تعمیر کردہ اپنی جنت ہیں اور وہ اپنی اس "جنت" کے تخلیق خالق کی حیثیت سے ان گھروں میں رہتے ہیں اور باپ بیٹے رہتے ہیں۔

اختر صاحب کی گوشہ نشینی سے جہاں انہیں ادبی کام کرنے کے لئے وہ اپنی مسرتوں اور تمناؤں کی دائمی تکمیل کے مواقع ملے وہاں ایک سب سے بڑا یہ بھی نقصان ہوا کہ وہ اس گوشہ نشینی سے مکمل طور پر آرام طلب اور سست ہو گئے — ان کی تخلیقی صلاحیتیں گہری نیند سو گئیں — اختر صاحب کے لئے یہ کہنا کہ وہ فطری طور پر شروع ہی سے آرام طلب اور سست تھے میرے خیال میں غلط ہے — جو شخص اپنی تعلیم کے دوران ہمیشہ نمایاں طالب علم رہا ہو — باپ کی موت کے بعد نامساعد حالات کی پرواہ کئے بغیر اپنے مقصد کے حصول کے لئے لندن کا سفر کرے اسے بنیادی طور پر آرام طلب اور سست نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ وہ بعد کے واقعات اور حالات تھے جن کی وجہ سے اختر صاحب گوشہ نشین ہوئے اور گوشہ نشینی نے انہیں آرام طلب اور سست بنا دیا۔ ان کی جدوجہد کرنے کی قوت کو زنگ چاٹ گئی۔ ان کی حساس طبیعت مسلسل ناکامیوں اور محرومیوں کی وجہ سے سہم گئی اور مزید مصائب کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ کتراتی رہی — ان ہی وجوہات کی بنا پر وہ اپنی زندگی میں کسی انقلاب برپا کرنے کے بجائے انقلاب کے ہمیشہ منتظر رہے —

اختر صاحب جب تک اسکول میں رہے انہیں تعلیم کے علاوہ علمی دنیا اور آل انڈیا ریڈیو میں جانے کے مواقع ملے۔ لیکن وہ اسکول نہ چھوڑ سکے — ایک مرتبہ شاید ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا ریڈیو سے کچھ جگہیں مشتہر ہوئیں اختر صاحب نے بھی سوچا شروع کیا — احباب سے مشورہ کرتے رہے اور سوچتے رہے — حتیٰ کہ آخری تاریخ آگئی — لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ دہلی جا کر ہی درخواست دی جائے — چونکہ ڈاک سے درخواست کا پہنچنا ناممکن تھا۔ لہٰذا دوسرے دن ہی صبح پہلی گاڑی سے روانہ ہو گئے — اور دہلی بازار میں چند احباب سے پھر مشورہ کیا — ان لوگوں نے کہا — "ارے کس مصیبت میں پڑ رہے ہو — یہ نوکری تمہارے بس کی نہیں … " پھر ریڈیو کی ملازمت کے واقعات بھی سنائے — اور اختر صاحب بغیر درخواست دیئے بغیر ملازمت ہوئے واپس آگئے۔

اسکول میں رہتے ہوئے وہ کم از کم اس سے بلند کچھ نہ کر سکے۔ لیکن ان کی ہیئت نہیں ان کے لئے پرابلم بنا رہا — شاید پہلی بار ۱۹۵۰ء میں انہوں نے ایم۔ اے کرنے کا ارادہ کیا — ایک دو بار شامل امتحان بھی ہوئے لیکن علاوہ ایک دو پرچے پورے کر کے آگے مسلسل وہ دونوں میں …

[illegible] حبیب [illegible] صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج ڈھاکہ [illegible] اختر صاحب [illegible] صاحب کے پاس لے گئے [illegible] انہیں
[illegible] اس لئے [illegible] ایک خط میں [illegible] لکھا ہے —
[illegible] — آپ کو معلوم ہے کہ یہ محض حبیب صاحب کے تعلق [illegible] ڈیڑھ سال [illegible]
[illegible] اسکول میں [illegible] تھا — [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] مگر جب [illegible] وقت [illegible] ہو گئی — [illegible] بہت [illegible] جب [illegible] [illegible] آپ کو [illegible] کی ضرورت ہی نہیں [illegible] ہو جائیں گے — [illegible] اختر صاحب [illegible] [illegible] بات [illegible] چھوڑ دیتے — لیکن [illegible] صاحب [illegible] [illegible] کامیاب ہونے [illegible] کامیاب [illegible] یونیورسٹی کے [illegible]

جب اختر صاحب اسکول چھوڑ کر یونیورسٹی [illegible] معلوم ہوتا تھا [illegible] بیمار [illegible] [illegible] پروگرام مرتب کیا [illegible] — ایک [illegible] کرنے کے لئے [illegible] — [illegible] گئے۔ لیکن [illegible] کا خیال [illegible] —

[illegible] شعبہ [illegible] ٹریننگ کالج چلے گئے ہیں —

شعبۂ [illegible] ٹریننگ کا [illegible] داستان بھی بڑی عجیب [illegible] ہے — اختر صاحب جب [illegible] پہنچے تو انہیں [illegible] [illegible] لیکن [illegible] کی بدقسمتی [illegible] رہتی ہے [illegible] [illegible] کے بعد [illegible] کی وجہ سے [illegible] آ گئی۔ لہٰذا اختر صاحب [illegible] واپس [illegible] — [illegible]
[illegible] گئے —

"میرے معاملے میں ابھی تک کچھ نہیں ہوا — جو صورت حال تمہارے سامنے تھی وہی اب تک ہے [illegible] — [illegible] اسکول واپس نہیں جاؤں گا — اگر شعبہ [illegible] میں مستقل تقرر [illegible] — [illegible] آپ کو [illegible] [illegible] سال سے [illegible] میں پڑا [illegible] —"

[illegible] علی گڑھ سے فرار کا ثبوت ملتا ہے — وہ ڈاکٹر [illegible] شادانی کی ڈھاکہ یونیورسٹی [illegible] ہے — جن کے متعلق وہ [illegible] ہے اور [illegible] لیکن جب انہیں علی گڑھ سے [illegible] تو انہوں نے [illegible] شادانی کی طرف [illegible] کی تفصیل [illegible] پہنچے۔

"[illegible] کی تعطیل میں میں نے ارادہ کر لیا کہ ڈھاکہ چلا جاؤں گا اور شادانی صاحب سے خط و کتابت بھی کی۔ لیکن ایک ماہ سے زیادہ [illegible] رہ سکا۔ میرے دماغ پر اس کا بہت برا اثر ہوا۔ رات کی نیند اڑ گئی اور طبیعت ہر وقت بے [illegible] پریشان [illegible] وحشت زدہ رہنے لگی — [illegible] شادانی صاحب [illegible] آئے۔ میں نے سوچا کہ جب ڈھاکہ جا رہا ہوں تو ان سے [illegible] — چنانچہ [illegible] ہو گیا — [illegible] [illegible] میں نے محسوس کیا کہ میرا [illegible] جانا حماقت ہو گی — تفصیل ممکن نہیں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جب [illegible] پتہ چلا کہ وہاں زندگی [illegible] [illegible] اور مکان نایاب ہیں — مجھے بڑی کوشش کے بعد ایک کمرہ [illegible] — تو میں نے دل میں کہا کہ کیا میرے دماغ [illegible] کہ میں دہلی کی جائداد چھوڑ دوں۔ علی گڑھ کا [illegible] سامان [illegible] میں ملا دوں — [illegible] زندگی [illegible] [illegible] شروع کر دوں۔ اس وقت میں نے طے کر لیا کہ ہر حال میں یہیں رہوں گا — چاہے اسکول ہی [illegible] — چنانچہ [illegible]

مو سیدہ [illegible] حمید [illegible] بخاری کی [illegible] گئی اور میں نہایت خوش و خرم جی گئے دہلی آیا۔ سال [illegible] کا ہو گا کہ پرنسپل ٹریننگ کالج [illegible] صاحب میرے معاملے میں [illegible] رہے ہیں بعد مجھے اپنے یہاں بلانا چاہتے ہیں لیکن میں نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی کیونکہ [illegible] کراچی گئے ہوئے تھے اور خیال تھا کہ وہیں رہ جائیں گے اور شعبہ اردو میں ایک جگہ خالی ہوگی پھر کب تک میرا تقرر ملتوی کیا جائے گا۔ گزشتہ سالوں میں بار بار [illegible] کہ شعبہ اردو میں جگہ خالی ہوئی اور تخفیف میں نے آئی گئی۔ [illegible] چونکہ خورشید صاحب کے ذا [illegible] میرا [illegible] واپس آگئے [illegible] وہ وہیں نہ گئے تو میں دیوانہ وار حبیب صاحب کی طرف بھاگا۔ . . . بہرحال یکم نومبر [illegible] سے میرا تقرر مستقل کی حیثیت سے بغیر PROBATION کے ہو گیا۔ اور ابھی گذشتہ دو سال پہلے کے بعد میں نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ میں بھی ملازم ہو گیا۔

اب ٹریننگ کالج ہی میں گھر سے علاوہ کالج ہے جس سے تمام زندگی ہے — — — میں نے ایم اے میں داخلہ لے لیا ہے۔ چند دنوں میں ختم کر دوں گا۔ اس کے بعد پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ لوں گا۔ اور اب اردو کے بجائے ایجوکیشن میں ہی ڈگری کروں گا۔ . . .

(خط بنام اظہر حسین صاحب)

لیکن شاید آج تک نہ وہ ایم اے کر پائے ہیں اور نہ پی۔ ایچ۔ ڈی—

اختر صاحب کا روزانہ کا معمول ہے کہ وہ کالج سے آتے ہی غسل خانہ میں گھس جاتے ہیں—اس سے پیشتر کہ پسینہ خشک ہو وہ اپنے جسم پر پانی ڈال لیتے ہیں— غسل کرنے کے بعد کھانا کھاتے ہیں اور پھر پنکھے کے نیچے چارپائی پر دراز ہو جاتے ہیں —— دن کی نیند اختر صاحب کو رات کی نیند سے زیادہ عزیز ہے۔ رات کو دو ڈھائی بجے سونا تو معمول کی بات ہے مگر اختر صاحب کو رات جاگنا پڑے تو وہ ہر قیمت پر رات گزار دیتے ہیں۔ لیکن دن کی نیند پوری کرنے کے لئے دوپہر کا کھانا کھا کر سونا ضروری ہوتا ہے —— سردیوں میں جب اسکول کا وقت دس سے شام چار بجے تک ہوتا ہے اختر صاحب شام چار بجے اسکول سے واپس آکر سو جاتے ہیں —— دوپہر کو دو تین گھنٹے مصروف رہتے ہیں۔ مولانا صاحب کی صفائی۔ ہر چیز کو صاف کرنے کے بعد اس کی مخصوص جگہ پر رکھنا روزانہ کا فریضہ ہے —— کمروں کی صفائی اور چیزوں کی ترتیب کے معاملے میں اختر صاحب کو نوکر پر بھروسہ ہے اور نہ بیوی پر—— لہٰذا اس کام کو وہ بڑے انہماک، جوش اور شوق کے ساتھ خود کرتے ہیں۔ صفائی سے فارغ ہونے کے بعد پھر غسل کرتے ہیں اور بالوں وغیرہ کو سنوارنے کے بعد پنکھے کو چلا کر پائپ سے شغل شروع ہو جاتا ہے جب تک شام ہو جاتی ہے اور پھر احباب سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

اختر صاحب سے ملاقات کرنے کا یہ مخصوص وقت ہے۔ لہٰذا ہر شخص جو دن میں ملنے آتا ہے اگر کوئی شخص پیشتر کر جائے تو اس سے اختر صاحب کو تکلیف ہوتی ہے اور اس شخص کو بھی —— چونکہ ان کے معمول سے غافل ہو جاتا ہے وہ کسی سے ملنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ملنا پڑتا ہے —— یا تو واپس جانا پڑتا ہے کہ اختر صاحب سو رہے ہیں یا پھر برآمدے میں بیٹھ کر کافی دیر تک انتظار کرنا ہوتا ہے۔

احباب سے ملاقات کا سلسلہ رات کے دس گیارہ بجے تک رہتا ہے —— اس دوران میں ادبی محفلیں بھی ہوتی ہیں، مشاعرے بھی ہوتے ہیں، خوش گپیاں بھی ہوتی ہیں۔ اختر صاحب اپنی مرحوم حسرتوں اور شکستہ امیدوں کا ماتم بھی کرتے ہیں۔ قسمت کو گالیاں بھی دے لیتے ہیں اور کمرے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو دیکھ کر ایک فاتح کی طرح مسکراتے بھی ہیں۔

اختر صاحب کے ملاقاتیوں میں اسکول کے طلب علم بھی ہوتے ہیں نیز بی۔ اے اور ایم۔ اے کے بھی —— یونیورسٹی کے نوجوان لیکچرار بھی ہوتے ہیں اور پیر اور کہنہ سال بھی —— شاعر اور ادیب بھی ہوتے ہیں اور غفور صاحب (لیکچرار ٹریننگ کالج) جیسے فلسفی بھی جو اکثر بیٹھے بیٹھے فلسفے کی گتھیاں سلجھانے میں محو ہو جاتے ہیں اور اختر صاحب منہ میں پائپ دبائے دوسری سمت دیکھتے رہتے ہیں یا دیگر احباب سے باتیں کرتے ہیں۔

اختر صاحب اپنے احباب کے حلقے میں بہت زیادہ مقبول ہیں۔ وہ شروع کی چند ملاقاتوں میں بہت کم کھلتے ہیں بعد میں رفتہ رفتہ کھل کر سب سے کھل

[illegible] بہت [illegible] ہوگئے ہیں [illegible] اختر صاحب کے ساتھ [illegible] بچے کی طرح [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تصدیق کی۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] لگتے ہیں ——— ان چیزوں سے [illegible] ہونے کے بعد [illegible] باتیں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔
[illegible] اختر صاحب بری طرح ہانپتے ہیں ——— [illegible]
[illegible] پیٹ لیتے ہیں۔ اپنے شانے اور کوٹ کو اس طرح سہلانا شروع کر دیتے ہیں جیسے ماتم کر رہے ہوں ——— [illegible]
[illegible] چاروں طرف سے بہنے کے پسینہ میں تر [illegible] ایک یک دونوں کو اچھی طرح بند کر دیتے ہیں [illegible]
[illegible] آجائیں۔

اختر صاحب کی زندگی میں دو چیزیں نہایت واضح ہیں ——— مایوسی اور فردیت ——— مایوسی کی ابتدا ان کی عملی زندگی کے ساتھ ہوئی۔ میرے خیال میں ان کی زندگی میں کوئی ایسے غیر معمولی قسم کے واقعات تو ہوئے نہیں جن کا مداوا ہی نہ تھا ——— البتہ اختر صاحب کی نازک [illegible] طبیعت نے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو بھی ایک پہاڑ سمجھا اور ان میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اس چیز کا مقابلہ کرتے۔ کوشش کرتا تو [illegible]

خدائی کو پہلا کمر کہنا۔ سرسید نے قسمت کے گلے شکوے ہیں اور دنیا سے مایوس ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ انہیں یہ بھی گلہ ہے کہ ایک تنگ دل معاشرے میں، جس کی [illegible] طرف توجہ نہیں دیتا — لیکن انہیں یہ احساس کبھی نہیں ہوا کہ جلد ہی معاشی اس شخص کو ہمیشہ نہیں لگاتی جو کسی تنگ و محدود حلقے میں محصور ہو۔ ناخداؤں کے دربار وں کا طواف نہ کرے، خواہ وہ کتنا ہی قابل، عالم فاضل کیوں نہ ہو — یہی حال ادبی دنیا کا ہے — انہیں شکایت ہے اور سب والوں نے انہیں وہ جگہ نہیں دی جس کے وہ مستحق تھے اور انہیں اکثر و بیشتر نظر انداز کیا گیا۔ تو یہاں بھی ہر چیز کا سلسلہ ہے — اختر صاحب سے ملتے ہیں — [illegible] لیکن مشاعروں میں کبھی نہیں جاتے تو وہ شاعروں کے گروہ کے قریب ہی ہوتا ہے وہ گروہ بندی کے بھی قائل نہیں۔ بھی ایک گروہ یا حلقہ بنا لیتے تو آج انہیں شکایت نہ ہوتی۔

اختر صاحب کی زندگی میں مایوسی اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء ہی سے مایوس ہو کر کرنے لگتے ہیں۔ "چونکہ یہ کام میں کر رہا ہوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا" — مایوسی اور حسرت سے کلام اختر صاحب کی زندگی میں قدم قدم پر ملتا ہے۔

"دوسرے سفر میں بھی یہی خواہش شدت کے ساتھ چلنے لگی اور ہر بار بھی اسی طرح پیچھے تھا۔ سفر گھر سے نکلنے کا ملال کیا تھا —"

خط بنام ظفر حسین صاحب قادر

ایک خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں —

"... غالب نے اپنے خطوط میں لکھا ہے اپنی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے کہ میں نے جس سے عشق کیا اس کو مار رکھا اور جس فرمانروا کی شان میں قصیدہ لکھا اس کی سلطنت کا بیڑا غرق ہوا۔ تو بھئی غالب کی کوئی بھی خصوصیت تو مجھ میں جلد کا پتہ کر دیتی، مگر یہ ایک بد وصف جو ان میں تھا مجھ میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے — مختصر یہ کہ اول درجے کا منحوس ہوں — جہاں جاتا ہوں اس نحوست کا اثر ساتھ جاتا ہوں — آپ کو یاد ہوگا کہ آج سے تیرہ سال پہلے ۱۹۳۴ء میں جب میں نے اسکول میں نیچر ہوا تو اسکول کا پتا ہوتا ہوا رہا تھا، وہ سب کی وہ نوازش تھی کہ جب کسی طرح خسوع نہیں ہوتا، فاوند دو گریڈ INCREMENT دے دیئے جاتے تھے۔ میرے آتے ہی اس کی مالی حالت تنزل پذیر ہو گئی اور برسوں استادوں کی ساری ترقیاں بند رہیں — اور اس کے بعد جب تک میں وہاں رہا اسکول پنپ نہیں سکا۔ اس کی مالی حالت گرتی ہی چلی گئی پھر جب میں نے خدا خدا کر کے بی اے کیا اور شعبہ اردو میں لیکچرر ہو گیا تو میرے تقرر کے بعد ہی ۱۹۴۷ء اگست ۱۹۴۷ء کو جو میں آیا، چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ اردو کا یہ ملک — دیس نکالا مل گیا۔ اور شعبۂ اردو دم توڑنے لگا — گویا میں اردو میں ایم اے کرتا نہ ہندوستان میں اردو کا ستارہ گہناتا۔ اور صاحب! تکلف برطرف میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دوسری بڑی لڑائی بھی صرف اس لئے لڑی گئی کہ ۱۹۴۰ء تک میری تنخواہ کسی قدر معقول ہو گئی تھی اور سخت ضرورت اس بات کی تھی کہ مہنگائی زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ میں بدستور بھوکا ننگا بنا رہوں — پھر شاید آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ مجھے خاک دھول سے کس قدر وحشت ہوتی ہے — آسمان پر اندھی کا پہلا غبار نظر آتا ہے تو میرا چہرہ پیلا پڑ جاتا ہے اور غالباً آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ علی گڑھ تیزی کے ساتھ صحرا بنتا جا رہا ہے — آپ کے سر کی قسم اگر میں پہاڑ کی چوٹی پر سکونت اختیار کر لوں تو وہاں بھی خاک اڑنے لگے —"

اس سلسلے میں اختر صاحب نے مجھے اس طرح لکھا تھا۔

> ... میں جب ... آیا تھا۔ بہت خوش تھا ... [illegible] ... کے متعلق ... [illegible] ... ہے — [illegible] ... [illegible] ... ہے — [illegible] ... کی

مایوسی نے اختر صاحب کو زندگی میں محرومی کا شدید احساس پیدا کر دیا ہے۔ [illegible] ... سوچتے رہتے ہیں ... [illegible] ... ہیں۔

... جب اختر صاحب ... [illegible] ... [illegible] ... اختر صاحب کے پاس ... [illegible] ... لیکن ان کے بس کی بات نہیں ... [illegible]

... صاحب کے پاس ... [illegible] ... [illegible] ... اختر صاحب ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible]

... [illegible] ... PART TIME LECTURER ... [illegible] ... سائیکل ... [illegible] ... [illegible] ... سائیکل ... [illegible] ... رہے۔

ایک مرتبہ ... صاحب امراؤ سنگھ کی دوکان پر کھڑے تھے ... [illegible] ... پسند آگیا — صاحب نے قیمت دریافت کی۔ جواب ملا۔ "صاحب یہ تو ہم دوکان کی شو کے لئے لائے ہیں فروخت کرنے کے لئے نہیں — آج تک ... نے طلب نہیں کیا۔" لیکن اختر صاحب بضد اور ہر قیمت پر خریدنے کے لئے تیار — لہٰذا خرید لیا — اسی طرح اختر صاحب اپنے ... سامان آرائش میں اضافے کئے ہیں۔

اختر صاحب جب بھی کوئی چیز خریدتے ہیں تو سب سے اعلیٰ کوالٹی کی پسند کرتے ہیں۔ عمدہ اور مہنگی چیز خریدنا ایک طرح سے ان کی HOBBY ہے۔ ان کے سامنے ایک ہی قسم کی اگر دو چیزیں رکھ دی جائیں اور ایک کی قیمت کم اور ایک کی قیمت زیادہ بتائی جائے تو زیادہ قیمت کی چیز لینا پسند کریں گے — وہ جب کبھی کسی دوکان پر جاتے ہیں تو خاموشی کے ساتھ دوکان کی اشیاء کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ وہ عام ... دوکان والے سے چیزیں کم طلب کرتے ہیں بلکہ مطلوبہ اشیاء کی طرف اشارہ کرتے جاتے ہیں اور دوکان دار پیک کرتا جاتا ہے — قیمت ٹھہرانا ان کے بس کی بات نہیں۔

اختر صاحب تنگ دست رہتے ہیں لیکن دل ہمیشہ غنی رکھتے ہیں۔ قرض مانگنے والوں کو وہ شاذ و نادر ہی مایوس کرتے ہیں۔ پھر اس قرض کی

واپسی کا انتظار کرتے رہتے ہیں ـــــ ایک مرتبہ سکول کا چپراسی ایک خط بلکہ تار لے کر آیا کہ آپ کا اسکول میں تبادلہ ہو گیا ہے!
منسوخ ہو جائے ـــ ان دنوں اختر صاحب شعبہ اردو میں آ چکے تھے اور ان کی ملازمت ... تھا۔ سیشن کی آخری تاریخیں تھیں جب
ہی روپے تھے ... کر دیئے ـــ کیونکہ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ پھر اسی ایک ادارے کے بعد گھر واپس ... خان واپس ہو جائے

اختر صاحب اشتراکیت کے حامی ہیں ـــ انہیں دکھ ہے کہ انہوں نے اشتراکیت کو پڑھا ہے۔ بجا ہے اعلیٰ سے اپنی تفصیلات ...
لیکن اختر صاحب کی اشتراکیت ان کی ذات تک ہی محدود ہے وہ کبھی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر نہیں رہے اور نہ ان کے کسی جلسہ میں شریک ہوئے۔
میں کمیونسٹوں کی گرفتاریاں ... یونیورسٹی سے بھی چند طلباء اور ... گرفتار ہوئے۔ اختر صاحب کو پریشانی لاحق ہوگئی۔ چونکہ صورت ...
ہی تھیں جب وہ ادیب اور شاعر بھی گرفتار کئے جا رہے تھے جنہیں اشتراکیت سے ہمدردی تھی۔ ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگے ـــ
نظر بندی سے کوئی ڈر نہیں۔ لیکن مجھے ڈر ہے سارا سکون درہم برہم ہو جائے گا ـــ"

مذہب سے اختر صاحب کو کسی قسم کی دلچسپی نہیں۔ وہ عید اور بقرعید کی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ لیکن قربانی ضرور کرتے ہیں۔
وہ بچوں کی خاطر کرتے ہیں ... جواب کے لئے یہی مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہیں ـــ وہ دینی تشبیہوں ...
کیا ہو جانتے ہیں ـــ

گاندھی جی کے مرنے کی خبر سن کر انہیں ایک دھچکا سا لگا۔ کمرہ صاف کرتے کرتے وہ بوکر کرسی پر بیٹھ گئے ـــ لیکن اس لئے نہیں کہ وہ
ہندوستان کے بڑے لیڈر تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ایک "عظیم انسان" تھے

ایک مرتبہ اظہر حسین صاحب قادری نے دعوت افطار کی ـــ اختر صاحب کو بھی بلایا ـــ اختر صاحب افطار کا وقت ختم ہونے کے بعد ...
سب نے دریافت کیا "اتنی دیر کیوں ہوگئی ـــ" جواب دیا ـــ "یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں بے روزہ رہ کر آپ لوگوں کے ساتھ روزہ ...
ـــ افطار آپ لوگ افطار کر چکے ہیں۔ باقی کے پروگرام میں آپ کا شریک ہوں ـــ"

آپ اختر صاحب سے گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہیئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئے گی لیکن دبی دبی سی۔ بالعموم وہ دبی ہنسی ...
محفل میں کسی نشست میں زیادہ تعریفیں نہیں کر سکتے جس سے سامعین کے پیٹوں میں بل پڑ جائیں ـــ لیکن برخلاف ان کے ان کے سامنے کوئی
واقعہ یا لطیفہ بیان کیا جائے تو وہ انتہائی لطف لیتے ہیں۔ خوب ہنستے ہیں۔ بار بار بیان کراتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں ـــ

ایک مرتبہ اختر صاحب "پیڈ ٹوٹاک" کے سلسلے میں دہلی گئے ـــ میں بھی ہمراہ گیا۔ غازی آباد سے عطا محمد شعلہ نگار جو کہ اب قصبیلہ ...
میں وہ بھی ... گئے ہیں ہم ہمرکاب ہو گئے ـــ اس دن اختر صاحب بہت خوش تھے ـــ واپسی پر جامع مسجد سے ریلوے اسٹیشن تک ...
بج گئے۔ جب ہم لوگ اسٹیشن پر پہنچے تو دہلی پلیٹ فارم پر آ چکی تھی حالانکہ روانہ ہونے میں قریب دو گھنٹے باقی تھے ـــ عطا محمد ...
اور پینٹ کا ... کر کے ... سیدھے برتھ پر دراز ہو گئے ـــ اختر صاحب نے اسٹیشن کے باہر چٹخاروں کی دکانوں پر چاٹ کھانے کا ارادہ ظاہر کیا
میں نے کہا "اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں اور سنا ہے کہ یہاں رات میں مسلمانوں کے لئے نکلنا ٹھیک نہیں ـــ بہتر یہی ہے کہ اسٹیشن پر رہیئے
(یہ ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے جب کہ فسادات کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا) لیکن اختر صاحب نہیں مانے کہنے لگے ـــ "ہم لوگ سوٹ پہنے ہوئے ہیں
انگریزی میں بات کریں گے کون پہچانے گا ـــ" بہرحال ہم لوگ اسٹیشن کے باہر پہنچ گئے ـــ اختر صاحب نے خوب مزے لے لے کر چاٹ کھائی
ہم لوگوں نے اس دوران میں بہت کم بات کی لیکن جو بات کی وہ انگریزی میں کی۔ مجھے تو کسی حد تک ڈر بھی محسوس ہو رہا تھا لیکن اختر صاحب
بڑے اطمینان سے چاٹ کھاتے رہے ـــــ اختر صاحب نے جب دکاندار کو پیسے دیئے تو وہ کہنے لگا۔
"بابو جی آپ لوگوں نے بڑی ہمت کی ـــ ویسے تو کوئی بات نہیں۔ لیکن سالے بدمعاشوں کا کون ٹھکانا ہے ـــ آپ لوگ اب

[illegible] ہوا ہے

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اتنا لکھنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ اختر صاحب کی زندگی اور شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکا — اول تو ان کے ادبی کام کا ذکر بالکل نہیں آیا — [illegible] تیسری چیز تو میرے موضوع سے خارج تھی کیونکہ یہ ادبی تنقید کا منصب ہے میرا نہیں — دوسرے یہ کہ یہ حقیقت ہے کہ اردو کی دنیائے ادب میں اختر صاحب کی حیثیت معزز ترین ہے — "معزز ترین" کا لفظ میں نے سوچ کر استعمال کیا ہے اس لئے کہ اختر صاحب اردو ادب میں شاعر، افسانہ نگار اور نقاد کی حیثیت سے مستقل مقام رکھتے ہیں — ہمارے لکھنے والوں میں متعدد حضرات ایسے ہیں جو دو حیثیتوں سے اعلیٰ درجے کی شہرت رکھتے ہیں —

علاوہ ازیں اس مضمون میں میں اختر صاحب کی ان ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کا ذکر بالکل نہیں کر سکا جنہوں نے کم و بیش سات آٹھ سال سے انہیں مسلسل گھیر رکھا ہے اور جن کو بطور علامت کے اختر صاحب نے اپنی نظموں کے [illegible] یہ انسان کی زندگی کا نازک ترین پہلو ہوتا ہے اور نہایت گہرے اور تجزیاتی مطالعہ کے بغیر اس کے ذکر سے عہدہ برآ ہونا قطعی ناممکن ہے۔ میں اختر صاحب سے قریبی واقفیت ہونے کے باوجود اس گہرے نفسیاتی مطالعے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اسی لئے میں نے اس چیز کا ذکر چھیڑنے سے عمداً اجتناب کیا — ان دو چیزوں کے علاوہ — میرا خیال ہے کہ میں اختر صاحب کی غیر معمولی ذہانت اور ان کے حساس بیدار اور غیور ضمیر کو بھی پورے طور پر بے نقاب نہیں کر سکا۔ جس کا سبب تنگیٔ داماں کے سوا اور کچھ تھا تو یہ تھا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ پانچ سال پیشتر تک کی معلومات کی بنیاد پر لکھا ہے۔ اگر پچھلے چند سالوں میں اختر صاحب کی شخصیت کی نئی تہیں نظروں کے سامنے آئی ہوں اور یقیناً آئی ہوں گی تو ان سے میں بے خبر ہوں! . . .

شاد عارفی

طاہرہ اختر

ننّھن ماموں ـــــ اگر آپ ایسے ہیں نہ ڈھونڈیں تو عرض کروں کہ یہ نام دانش "سیّد احمد ریاض شاعر" دہ غزل ماہنامہ ادب لطیف لاہور سے جنھیں ادبی حلقے احمد علی خان شاد عارفی کے نام سے پہچانتے ہیں۔ اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان دو ناموں کے علاوہ موصوف کے دو نام اور بھی ہیں۔ ایک لطف علی خاں جو دوسرے بابا جی۔ پہلا نام حامد ہائی اسکول کے رجسٹر داخلہ کے ماسٹر کی غلطی کا ممنون ہے جو اسکول کی سالوں تک چلتا رہا اور پھر درخواست دے کر جسے انہوں نے احمد علی خاں میں تبدیل کرا دیا گیا۔ مگر اس زمانے کے ساتھی انہیں آج بھی اسی نام سے جانتے ہیں۔ دوسرا نام "بابا" ننّھن ماموں کے بھتیجوں سے ممنون ہے جو محلہ بھر میں مقبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔

وہ جو کہا گیا ہے کہ ہر نام اپنے مسمّی پر اثر پذیر ہوتا ہے اس لئے بالکل ٹھیک ہے کہ محلہ بھر کے بچوں اور جوانوں میں ننّھن ماموں یا کا کردار اس خوبصورتی سے ادا کرتے ہیں جیسے علی گڑھ کے اتالیق طلبا میں گھرے بیٹھے ہوں اور بچے یا جوان یہ محسوس نہ کر رہے ہوں کہ ان کے درمیان کوئی ان سے بڑی عمر کا آدمی بیٹھا ہے۔ نصیحت کرنے کا انداز بھی ان کا اپنا انداز ہے جس میں طنز اس طرح شامل ہوتا ہے کہ صاف نظر آتا ہے اور محسوس بھی۔ ـــــ مثلاً کوئی لڑکا بستہ بغل میں دبائے ہوئے پتنگ بازی دیکھنے لگے تو یہ اس سے ہنس کر کہیں گے کہ لاؤ بستہ مجھے دو اور یہ پتنگ اٹھا لو۔ لڑکا جب اس پر کچھ پشیمان ہونے لگے تو یہ کہیں گے ـــــ پھینکو بھی ان کتابوں کو ان میں کیا تفریح ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ پڑھنے لکھنے والوں نے ہمیشہ تیل بیچا ہے۔ جب لڑکا شرمندگی کی حد پر آ جاتا ہے تو یہ اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہیں ـــ کھیلو گے کودو گے ہو گے نواب ـــ اور وہ لڑکا اب اسی میں عافیت سمجھتا ہے کہ سیدھا سیدھا مدرسے پہنچ جائے۔ ہم لوگوں نے ننّھن ماموں کو تلخ سے تلخ حالات میں بھی مغموم اور اداس نہیں دیکھا گیا۔ ہنسی ہر وقت ان کے ہونٹوں پر کھیلتی رہتی ہے۔ ایک طرحی غزل کے مقطع میں انہوں نے اس طرف بہت واضح اشارہ کیا ہے اور یہی ان کا مزاج بھی ہے۔ فرماتے ہیں ـــ

تلخیِ وقت و گردشِ دوراں پہ قہقہے
کچھ شاد نے بھی رنج و محن کا دیا جواب

یہ نہیں بلکہ ... کا جواب دینا انھوں نے اپنے عقیدے میں شامل کر لیا ہے۔ چنانچہ جب ان کی جیب میں ... پیسے ہوتے ہیں وہ انھیں کسی فقیر کو دے کر اپنی جیب خالی کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے قرض سے ... کی وجہ سے اللہ میاں کو بری ... ہے جبکہ گھر میں مال نہیں ہے ... وہ مسبب الاسباب ہونے کے ناتے کوئی سبب پیدا کرے گا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کوئی سبب ... رہتا ہے اور ان کا کوئی کام رکا نہیں رہتا۔ کوئی غلط بات ... [illegible] ... ان کی بیماریوں کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ آپ ... [illegible] ... کہ اللہ میاں مجھے پریشان کرنے ... اپنے اطمینان کے لیے مجھے ایک آدھ ... [illegible] ... پریشان کرنے ... ہوں کہ ... مطلق ہو ... [illegible] ... جیسا کہ ... عقیدہ ہے وہ اپنے ... خلق ... وبال بنا ہے۔

... [illegible] ... ماموں ... [illegible] ... ای مذاق میں ... وہ ... یاد آ رہا ہے جس میں انھوں نے زندگی کی دشواریوں کو ... [illegible] ... ہے

... [illegible] ... کو ... [illegible]

ورنہ ظاہر میں ... [illegible]

یہاں میں لڈن ماموں کا ایک ... ایک ... شعر ... [illegible] ... جو ... سنا ... میں ... [illegible] ... رہے ہیں

صاحب شن کر جو ... [illegible]

شیخ صاحب ہیں میں ... مسلمان ... [illegible]

یہ شیخ صاحب کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کی بحث تو خواہ مخواہ بیچ میں آ گئی ورنہ ... یہ کہہ رہا تھا کہ ... شادی سے ... کا معاملہ ... واقعی طور پر لڈن ماموں نے گردش ... کا ... کر کیا اور ... حضرت ... ان کے ... کی ... صورت بھی رہ گئی ... لڈن ماموں نے اپنے اوپر وہ حملے کیے ہیں کہ ... ان حملوں کی تفصیل طولانی ہے اس لیے میں مختصر نویسی سے کام لے کر یہ بتاتا چلوں کہ ابھی آپ انٹرنس کا ششماہی امتحان ہی دینے پائے تھے کہ ان کے والد خان عارف اللہ خان کا انتقال ہو گیا۔ گھر کی تمام ذمہ داریاں ان پر آن پڑیں جنہیں موصوف نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ بھتیجا بھتیجی کے پڑھانے لکھانے، شادی کرنے اور والدہ کی خدمت کو اپنا فرض تسلیم کرتے ہوئے شادی کا خیال ترک کر دیا۔ مگر ۹۵ برس کی عمر میں ان کی والدہ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ بھتیجی کی شادی کر دی۔ بھتیجے کو بی۔ اے بی ٹی کرا کے اس کی شادی کر دی اور وہ سسرال میں رہنے لگا۔ والدہ کی خدمت کے سلسلے میں مجبوراً شادی نہ کرنے کا عہد توڑنا پڑا اور چالیس سال کی عمر میں شادی کر لی۔ ان کی نظم "نصف بہتر" اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لڈن ماموں کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ رہا ہے کہ ان کی اطاعت شعار بیوی ڈیڑھ سال زندہ رہ کر داغ مفارقت دے گئی۔

اگر یہ درست ہے کہ شخصیت کے سلسلے میں کسی شاعر کی جائے پیدائش اور خاندانی حالات سے اپنے تمام حدود اربعہ کے درج کیے جائیں تو مجھے یہ لازم آ جاتا ہے کہ اس بارے میں اختصار سے کام لے کر یہ بتاتی چلوں کہ لڈن ماموں کی وجہ ... یاغستان ہے اور آپ ڈوڈال اور ... قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مختار رام پور ہیں ہے۔ ان کی نانی رام پور ہی پیدا ہوئی تھیں مگر نانی کے والد اور والدہ خالص افغانی تھے اور نسلاً ... لڈن ماموں کے نانا مولوی سید علی جن کا ذکر "تذکرۂ کاملان رام پور" میں موجود ہے، نواب علاؤ الدین خاں والیٔ لوہارو کی خواہش پر ضیاء الدین ولی عہد لوہارو کے عربی معلم بن کر لوہارو چلے گئے جن کے ساتھ ان کے داماد مولوی محمد عارف اللہ خان یعنی لڈن ماموں کے والد بھی

رامپور آگئے اور یہاں تک بیداری سے ملازمت پر فائز ہوئے۔ قدیرن صاحب ۱۸۵۷ء میں دہلی دربار میں پیدا ہوئے۔ ابھی دو برس کے تھے کہ
نانا اور والد کو ریاست سے جاگیریں ملی تھیں اور یہ اپنے وطن رامپور آگئے۔ چنانچہ قدیرن صاحب بھی رامپور آگئے۔ عربی فارسی کی تعلیم اپنے نانا اور
دوسرے گھر پر حاصل کی۔ اردو انگریزی بھی یہیں سے پڑھی۔ علم حاصل کرنے کی لگن سے تنگ آکر خاندانی روایت سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے
ماموں کرامت علی خاں کے ذریعہ جو اس وقت رامپور میں صاحب اسسٹنٹ تھے ۱۲ برس کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا جس پر قدیرن صاحب کے
والد صاحب تک ناراض رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کرامت علی خاں نے میرے لڑکے کو کرسٹان بنانے میں مدد دی ہے جسے میں کسی طرح معاف نہیں
کرسکتا۔ مگر ایک دن ہوا یہ کہ دہلی سے قدیرن صاحب کے بڑے ماموں کا تار آگیا اور یہ دیکھ کر کہ قدیرن صاحب نے وہ تار حرف بحرف پڑھ دیا،
بہت خوش ہوئے اور ساری ناراضگی کے بجائے عمل میں بڑے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا میری غلطی تھی۔ زمانہ کا تقاضا یہی تھا جو تم نے کیا
اب تم شوق سے انگریزی پڑھ سکتے ہو۔ اچھے برے کا معیار اور مدرسے نہ جانے پائے۔ مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ قدیرن صاحب نے جواب دیا اور
اس بھروسہ کو آخر تک نباہا۔ چونکہ مدرسے سے نہیں علم حاصل کرنے کی دھن تھی اس لئے ان کے مطالعہ کا یہ عالم ہے کہ رات کے دو
بجے تک کتاب ہے اور قدیرن صاحب ہیں اور آپ تعجب کریں گے کہ یہ شوق مطالعہ آج بھی کم نہیں۔ حضرت شعر و ادب کی دلچسپی بچپن ہی سے
پیدا ہو گئی تھی۔ سبعہ معلقہ کا ایک ایک شعر حد اپنی خامہ تحریروں سے ان کا توضیح تشریح تفاصیل بہ مطالعہ ورق گردانی کے طور پر نہ تھا بلکہ ہمیشہ مفہوم و
معانی میں ڈوب کر پسند و ناپسند کا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی سبعہ معلقہ کے شاعروں میں عرب جسیہ کو ترجیح دیتے ہیں اور رکھتے ہیں اس میں متانت
خودداری اپنی تمام سنجیدگیوں کے ساتھ موجود ہے۔ یہ قدیرن صاحب کے ذوق مطالعہ کا ہی نتیجہ تو ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے دیوانوں کا انتخاب
ایک ایک شعر میں مرتب کیا ہے۔ مگر یہ وہ شاعر ہیں جو انہیں پسند نہیں پھر بھی ان کا گہرا مطالعہ کرکے یہ انتخاب تیار کیا ہے۔ حضرت [illegible]
یہ شعر جس کا مصرعہ ہے "یہ ستم [illegible]" کو انہوں نے قسر کیا۔ خاقانی ہند ذوق کے دیوان کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے ؎

منعم بزور کے گھر کر اہل حاجت لوٹ لیں
مانگتا ہے کب کوئی جب تک کہ مشکل نہ ہوئے

تاریخ اور اس قسم کے دوسرے خشک ستم ان کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنی عمر ضائع کی اور کاغذ بھی ——— زیادہ سے زیادہ
ان لوگوں کے کلام سے رسالہ تذکیر و تانیث تیار کیا جا سکتا ہے یا وہ اردو لغت جس میں اشعار کے ذریعہ مثالیں پیش کی گئی ہوں۔ حضرت [illegible]
کا یہ مطلع "سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا" الخ ——— رند کا یہ شعر جس کا آخری مصرعہ ہے "وگرنہ دام کہاں ہیں کہاں کہاں صیاد"
حد یہ ہے کہ اپنے استاد فصاحت جنگ حضرت جلیل کو اس ایک مطلع کا شاعر کہتے ہیں ؎

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اگر آپ حضرت غالب کے دیوان کا خلاصہ چاہیں گے تو صاف صاف کہہ دیں گے کہ وہ تو خود انتخاب ہے، انتخاب کا انتخاب حماقت ہے
ہاں اگر آپ یہ پوچھیں گے کہ ان کے نزدیک غالب کا سب سے اچھا شعر کونسا ہے تو کہیں گے ؎

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

دو چار دن کے بعد آپ اگر پھر یہی سوال کریں گے تو جواب ملے گا ؎

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب　　گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

[illegible] دیں گے تو ارشاد ہوگا۔ اس شعر میں غالب کی روح اپنے اخلاق و مذہب پر ہے۔ مجرب سے کہتے ہیں ہم [illegible]
نہیں کہ [illegible] تمہاری [illegible] کسی [illegible]۔ مگر رقیب نے گالیاں ہم۔ جانے سے ہم اندازہ [illegible] میں [illegible] کی شیرینی کی کوئی حد ہی
نہیں رکھی ۔۔۔ اس کے بعد اگر آپ یاد دلائیں [illegible] غالب کا وہ [illegible] تھا اور تق اس شعر کو سب سے
اچھا سمجھا ہے ہیں تو فوراً مسکرا دیں گے [illegible] ۔ [illegible] شعر کہہ گیا ہے۔ حضرت جامی کا یہ مقطع
بہت پسند ہے ؎

[illegible] سے [illegible] [illegible]

ایک دن کہنے لگے تو [illegible] بہت اچھا شاعر سمجھا [illegible] کر [illegible] کچھ [illegible] جانے میں [illegible]
[illegible] حضرت جامی نے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
تیر جامی نے کلام میں شامل ہو گیا ہے۔

بہر حال لڈن ماموں کی شاعری ایک [illegible] [illegible] کسی [illegible] کی گنجائش ہے۔
شاعر کا اظہار ہوتا ہے [illegible] میں سے لڈن ماموں [illegible] کبھی [illegible] وہ اپنے
جیسے [illegible] بہت مشکل ہے تو [illegible] کے
ہر اشعر بہت [illegible] کہ [illegible] سے [illegible] جو سکتی ہے [illegible]
[illegible] ۔ ایک چھوٹا سا [illegible] تھے [illegible] کر [illegible] ۔ یہ
[illegible] شاعر استاد عارف کا مکان جس میں وہ شعر کہتا تھا۔

لڈن ماموں روز غزلیں لکھا کرتے تھے [illegible] کے [illegible] کرتے تھے اور اب بھی یہی مشغلہ جاری ہے۔
جیسا میں نے پہلے لکھا لڈن ماموں انتہائی خوددار [illegible] اور [illegible] قسم کے آدمی ہیں [illegible] کی [illegible] کا اصول
ہے ۔ خوشامد کرنا نہیں جانتے۔ صاف دل اور صاف گو ہیں لگی لپٹی کے قائل نہیں۔ خدا اور رسول پر پکا ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگ
جو ان کو دور سے دیکھتے ہیں ان کے متعلق مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے وہ کمیونسٹ ہیں کسی کی رائے ہے دہریہ ہیں۔ مگر میری رائے
میں وہ ایک پکے مسلمان ہیں اور شاعری کے علاوہ کچھ نہیں۔ کسی کا احسان لینا گوارا نہیں کرتے۔ [illegible] کے اکثر رئیسوں نے ان کی امداد کرنا
چاہی مگر لڈن ماموں نے انکار کر دیا۔ وہ کہتے ہیں اگر رئیسوں سے روپیہ لوں گا تو ان کے خلاف پھر نظمیں کیسے لکھوں گا۔ میری شاعری کا مقصد فوت
ہو جائے گا۔

لڈن ماموں کی باتوں میں بلا کی کشش ہوتی ہے مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے جائیں گے مگر درمیان میں لطیفے اور قصے بھی جاری
رکھیں گے۔ لڈن ماموں کبھی اکیلے نہیں رہتے یار دوستوں اور شاگردوں کا مجمع لگا رہتا ہے۔ اگر شعر و شاعری سے فرصت ہے تو شطرنج۔ چوسر جاری
ہے۔ اس کام سے فرصت ملی تو پتنگ بازی اور کبوتر بازی۔ ان کے پرانے گھر میں بہت سے کبوتر پلے ہوئے تھے۔ کبوتروں، مرغیوں اور کتوں کے
بارے میں بہت کافی معلومات رکھتے ہیں۔ ایک دن میں نے پوچھا لڈن ماموں آپ نے اس قدر کبوتر کیوں پال رکھے ہیں کہنے لگے ان کے

ہم سے گھر کی تنہائی محسوس نہیں ہوتی ۔۔۔ زندگی چلتی پھرتی محسوس ہوتی ہے۔

ڈن ہاسن زندگی کی معمولی سی معمولی بات اور منظر میں دلچسپی لیتے ہیں اور اسی سے اپنی شاعری کا مواد تیار کرتے ہیں۔ خود اعتمادی کا بیچارہ دوست کسی کو شاعری کی حیثیت سے نہیں سمجھتے۔ جس میں کوئی چار سو بیس قسم کی بات دیکھتے ہیں اس کی شان میں قصیدہ کہہ ڈالتے ہیں اور بہت تیز کر جاتے ہیں۔ دسہرہ، گنگا اشنان، مہترانی، نمائش وغیرہ نظمیں اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

ڈن ہاسن نے کچھ دن ہوئے ایک غزل لکھی تھی جس کا مطلع تھا ۔

جب زچگی سے کما رہا ہوں شمار

وہاں ہستی ہے جیل خانہ میں

یہ شعر ان کی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ مگر خدا کو رازق ماننے کی وجہ سے دونوں وقت مزے سے کھاتے ہیں۔ کون دیکھتا ہے کہاں سے آتا ہے؟ وہ جانے جو دونوں جہان کا رازق ہے اور پتھر کے کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔

سیّد عبدالحمید عدمؔ

شاد امرتسری

۱۹۴۴ء کی سردیوں کی ایک شام ہو گی جب میں میکلوڈ روڈ پر ایک چھوٹے سے ٹی سٹال میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ تائب صاحب داخل ہوئے کہ ان سے ہر شام وہاں ملاقات ہوتی تھی۔ ان کے ساتھ ایک موٹا سا شخص تھا جس کی گردن اور دو انگلیوں میں جاموں کا رنگ جھلکتا تھا۔ گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، چوڑا چکلا جسم اور کچھ بڑھی ہوئی توند جیسے ڈھیلے کپڑے جیسے اس کے جسم پر لٹک گئے ہوں۔ وسیع کوٹ کے بٹن غائب، پاجامہ ٹخنوں تک لٹکی ہوئی جسے وہ بار بار اوپر سے پکڑ کر سنبھال رہا تھا۔ گردن بھی موٹی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کبھی دن سے نہیں ملا۔ چہرہ مسکراتا ہوا اور آنکھوں میں ایک معصوم چمک۔ میں ابھی سوچ رہا تھا کہ تائب صاحب اپنے ساتھ کیا شے لے آئے ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا۔ شاد صاحب! آپ ہیں عدمؔ صاحب یعنی سید عبدالحمید عدمؔ، اُردو کے مشہور شاعر۔ میں یہ سن کر بھونچکا سا رہ گیا کہ اس ڈیل ڈول کا شعر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے مگر اتنے میں عدمؔ صاحب نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا: "حضور آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔" اتنا کہا اور بیٹھ کر سگریٹ پینے لگے۔ میں نے چائے منگانا چاہی مگر عدمؔ صاحب نے پھر مسکراتے ہوئے کہا: "حضور یہ چائے کا وقت نہیں اب تو شام ہو رہی ہے۔" یہ کہا اور پھر نہایت بے تکلفی سے راز طلب انداز میں میری جانب دیکھا۔ تائب صاحب بھی مسکرا رہے تھے۔ کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ چائے ختم ہوئی تو ہم سب ٹی سٹال سے نکلے۔ باتیں کرتے کرتے اور چلتے چلتے میکلوڈ روڈ تک پہنچے تو عدمؔ صاحب حشمت قلعہ گوجر سنگھ کے باہر والی دیسی شراب کی دکان کی طرف چلے۔ میں اور تائب صاحب بھی ہچکچاتے ہوئے دکان کے اندر داخل ہوئے۔ عدمؔ صاحب بوتل کو ہاتھوں میں تھامے کھڑے تھے اور ان کے چہرے سے کچھ اس قسم کی معصوم مسرت ٹپک رہی تھی جو ایک بچے کو اس کی پسند کا کھلونا مل جانے پر ہوتی ہے۔ بوتل کو کاغذ میں لپیٹ بغل میں دبا عدمؔ صاحب بولے "حضور یہیں بیٹھ جاتے ہیں؟" میں ان دنوں دیال سنگھ کالج کا طالب علم تھا اور بعض وجوہ کی بنا پر رام کرشن بلڈنگ برسٹل چھوڑ کر دین محمد روڈ پر ایک دوست کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے دوست مسٹر حسن کسی دفتر میں ملازم تھے۔ امرتسر کے تھے اور میرے عزیز دوست۔ میں نے دیسی شراب خانے میں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور کہا: "عدمؔ صاحب گھر چلتے ہیں۔" عدمؔ صاحب کو جیسے کسی نے بہشت کی خوشخبری دے دی،

سبحان اللہ کہا اور ہم گھر کی جانب چل پڑے۔

بوتل کھولی گئی۔ اس سے پہلے میں نے دیسی شراب کبھی نہیں پی تھی مگر عدم صاحب نے اس خلوص اور بے تکلفی سے دعوت دی کہ مجھ پر محسوس ہوا کہ یہ عذر نہیں۔ چند ہی منٹ کے بعد شراب کا اثر ہوا اور عدم صاحب نے خود اپنا کلام سنانا شروع کر دیا۔ ٹھیک سے تو یہ یاد اور معلوم نہیں کتنی غزلیں سنا ڈالیں۔ دور چلتا رہا اور شعر ہوتے رہے۔ یہ محفل کافی رنگ رہی اور آخر عدم صاحب کی یہ حالت ہو گئی کہ مجھے اور ثاقب صاحب کو انہیں پکڑ کر ٹانگے میں بٹھانا پڑا۔

عدم صاحب سے بظاہر یہ میری پہلی ملاقات تھی مگر مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ میرے بہت پرانے دوست ہیں اور مجھے جانتے ہیں۔

دوسرے روز شام کے قریب میں گھر پہنچا تو عدم صاحب کو موجود پایا۔ میری غیر موجودگی میں وہ میرے دوست اور میرے کمرے کے ساتھی مسٹر حسن سے نہ صرف اپنا تعارف کرا چکے تھے بلکہ نہایت بے تکلفی سے گفتگو کر رہے تھے اور انہیں اپنی کئی غزلیں بھی سنا چکے تھے۔ مجھے تک بھی عدم صاحب نے اس طرح اکٹھا کر کے استقبال کیا جیسے وہ صاحب خانہ ہوں اور میں ایک مہمان کی حیثیت سے ان کے گھر آیا ہوں۔ تپائی پر بکس رم کی بوتل میز پر رکھی تھی اور اس کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ میرے دوست مسٹر حسن خود اب بھی بہت بڑے ساقی ہیں (شراب بالکل نہیں پیتے مگر پینے والوں کو نہ صرف برداشت کرتے ہیں بلکہ ان کے لئے سارا ساز و سامان فراہم کرنا سعادت تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بلیک میں کچھ کباب بھی پڑے ہوئے تھے۔ ان دنوں ہمارے اس کمرے میں جس کا نام ہم نے پاکستان ٹی ہاؤس رکھا ہوا تھا، شام کو روزانہ محفل آرا ہوتی تھی۔ مختلف قسم کے احباب جمع ہو جاتے تھے۔ ظہیر کاشمیری، سیف الدین سیف، مرزا ناصر علی ثاقب، لطیف انور اور ہمارے ساتھ مسٹر خلیل شام ہوتے ہی چلے آتے۔ خوش گپیاں ہوتیں، خلیل صاحب لطیفہ بازی اور بذلہ سنجی سے ہنسی خوشی رکھتے۔ سیف صاحب کلام سناتے اور بحث ہوتی۔ ظہیر کاشمیری سے کمیونزم پر گرما گرم گفتگو ہوتی۔ علم و ادب کی باتیں ہوتیں اور کبھی کبھار تاش کا دور بھی چلتا۔ میرے دوست مسٹر حسن تاش کے بہت شوقین ہیں۔ ان کے بھی کچھ دوست احباب آ جاتے۔ وہ لوگ تاش میں مصروف رہتے اور ہم اپنے کام میں مگن گویا یہ دو صحیح معنوں میں سعدی کے اس شعر کی تفسیر تھا ؂

بہشت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

عدم صاحب کے آنے سے اس دور کی محفل میں ایک عنوان فوق یہ چڑا کہ شراب۔ روز آنے لگی اور اکثر اوقات عدم صاحب اپنے ساتھ ہی بوتل لے آتے۔ وہ باقاعدہ شام ہوتے ہی دفتر سے سیدھے میرے ہاں چلے آتے۔ دوسرے احباب بھی جمع ہو جاتے۔ عدم صاحب شراب کے ساتھ ساتھ بیسیوں غزلیں بھی سناتے جاتے۔ ہمیں غزلوں سے اور خود کو شراب سے بے ہوش کرتے۔ عدم صاحب کا حافظہ بہت تیز ہے اور انہیں اپنی سینکڑوں غزلیں یاد رہتی ہیں اور خاص طور پر شراب پینے کے بعد تو انہیں تمام بھولے بسرے شعر بھی یاد آ جاتے ہیں۔

عدم صاحب کے سلسلے میں یہ کہنا بالکل بے جا نہ ہوگا کہ شراب کے بغیر ان کی شخصیت بالکل بے معنی ہے۔ اس کے بغیر وہ بجھے اور رکت بور دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی گفتگو بے جان، بے معنی اور عامیانہ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ کسی بھی حسین شے سے ایسی حالت میں متاثر نہیں ہوتے۔ ان کا ایک شعر اس سلسلے میں سنئے ؂

شراب پی کے مجھے آنکھ کھول لینے دے
ابھی چھلکتے ہوئے رخ کو بے نقاب نہ کر

یوں بھی عدم صاحب کا علم و ادب کا مطالعہ بہت محدود ہے۔ وہ کسی ادبی یا فنی نظریے یا کسی مکتب خیال کے اصولوں سے پوری طرح

[illegible] کسی طریقے یا کسی مکتبِ فکر کے اصولوں سے مطالعہ نہیں کیا اور نہ اس سلسلے کو [illegible] [illegible] اس قسم کا آزادی [illegible] مطالعہ کریں نہیں [illegible] [illegible] صاحب کے [illegible] دلچسپی [illegible] [illegible] امتحان میں [illegible] [illegible] [illegible] صاحب کی شخصیت کا [illegible] [illegible] اجازت [illegible] مدیر صاحب کی شخصیت [illegible] [illegible] سے متعلق ہو ان کی شخصیت [illegible] [illegible] معصومیت اور سادگی [illegible] [illegible] میں چاہتا ہوں کہ [illegible] معصومیت [illegible]

[illegible] کے شروع میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] غائب ہو گئے۔ [illegible] [illegible] کہنے لگے میں اس لئے تین چار دنوں سے نہیں آیا۔ حضور [illegible] [illegible] میاں غیرسے کوئی مانگنے والے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سپرنٹنڈنٹ پولیس کے استعفار پر [illegible] [illegible] [illegible] حضور شراب مفت میں حرام ہو جائے گی۔ [illegible] پاک ہوا۔

[illegible] قسم کے بیسیوں واقعات ہوں گے جہاں ان کی سادگی اور معصومیت نے کسی نہ کسی [illegible]

مدیر صاحب کا مزاج بالکل بچوں کا سا ہے۔ وہ بچوں کی طرح ضد بھی کرتے ہیں مگر جلد ہی مان بھی جاتے ہیں۔ انہیں جھوٹ بولنا آتا ہی نہیں۔ یہ میں بالکل مبالغہ نہیں کر رہا۔ وہ اگر کبھی کبھار جھوٹ بولنے کی کوشش بھی کریں تو ان کے چہرے سے اس طرح عیاں ہو جاتا ہے جس طرح ایک ڈرپوک بچے کو جھوٹ بولتے وقت چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ پر اختیار نہیں رہتا۔ میں اکثر سوچا ہوں کہ شاید انہی فطری خوبیوں کی وجہ سے ان کے شعروں میں صداقتِ احساس اور خلوصِ اظہار ہوتا ہے ورنہ ان کی زندگی کا تجرباتی میدان بہت محدود ہے۔ وہ زندگی میں فقط تین کام کرتے ہیں۔ دفتر جاتے ہیں، شعر کہتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ یہی ان کی زندگی اور کل کائنات ہے۔ زندگی کے بے شمار متنوع پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ان کے بس کا روگ نہیں۔ وہ ریاکاری، سیاست بازی اور گروہ بندی سے اس طرح ناآشنا ہیں جس طرح آج کا کوئی انسان نہیں ہوتا۔ وہ فریب کھا سکتے ہیں دے نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی خاص مکتبِ خیال کے مقلد نہیں۔ ان کی آزادیٔ طبع اور آزادیٔ فکر کسی ضابطے کی متحمل نہیں اور شاید کبھی ہو بھی نہیں سکتی۔ اس آزادی بلکہ آزادہ روی کی وجہ ان کا طبعی لاابالی پن ہے۔ میں نے اکثر غور کیا کہ

کوشش کی کہ انہوں نے شراب نوشی کو اس طرح اپنے آپ پر سوار کیوں کر رکھا ہے مگر کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہو سکی سوائے اس کے کہ ان کی زندگی کا طرز ان کے غیر سنجیدہ سلوک کی آئینہ دار ہے۔ وہ کسی معاملہ پر بھی سنجیدگی سے غور نہیں کرتے۔ ایک عجیب قسم کی بے راہ روی اور لاابالی پن ان کے ہر پہلو سے جھلکتا ہے۔ یہ بے راہ روی اور لاابالی پن اس طرح مستقل صورت اختیار کر چکا ہے کہ عدم صاحب اس کے اثر سے نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ مجھے کئی بار خیال آیا کہ عدم صاحب نے کہیں یہ ایک مصنوعی لبادہ تو نہیں اوڑھ رکھا، لیکن کیا یہ بے راہ روی ان کی زندگی اور فلسفے کا ناگزیر پہلو تو نہیں؟ مگر بار مجھے یہ گمان ہوا کہ ایسی بات نہیں۔ یہ لاابالی پن اور ایک خاص وارفتگی ان کی شخصیت کا ایک فطری جزو ہے۔ یہ محض سنا ہے اس پر بناوٹ نہیں۔ یہ کوئی تصنع نہیں بلکہ اصل ہے۔ مجھ پر یہ حقیقت کچھ اور بھی واضح ہوئی جب میں نے ان کے تصورِ عشق پر غور کیا۔ غور کرنے سے مجھے حیرت ہوئی کہ انہوں نے زندگی میں کبھی عشق نہیں کیا۔ عشق سے میری مراد بالکل وہی مجنوں اور فرہاد کا عشق نہیں بلکہ زندگی کا وہ ایک اور فقط ایک یادگار، جذباتی واقعہ ہے جو اکثر اوقات فنکار کے احساسات میں ایک دائمی گداز پیدا کرتا ہے۔ کسی سے شدید قسم کا عشق نہ کرنے کا سبب ان کی وہی فطری بے راہ روی اور طبعی لاابالی پن ہے۔ عدم صاحب نے کسی سے بھی عشق نہیں کیا مگر پھر بھی وہ ہر حسین چیز کے عاشق و پجاری ہیں اور یہ احساس اکثر اوقات ہنگامی ہوتا ہے۔ یہ حسن پرستی اگرچہ ایک طرح قسم کے حساس انسان کی حسن پرستی نہیں تاہم اس حسن پرستی میں وہ تڑپ اور وہ دائمی گداز بھی نہیں جو زندگی میں سچا عشق کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور جس سے ایک گہرا گمبھیر درد، اور ایک ابدی روحانی سوزش پیدا ہوتی ہے جس کی دھیمی دھیمی آنچ میں گوہر پارے آشکار ہوتے ہیں۔ مگر اس درد مندی اور گمبھیرتا کی غیر موجودگی نے عدم صاحب کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا۔ انہوں نے اپنے آپ کو آتش سیال کی بھٹی میں ڈال کر کندن بنانے کی کوشش کی ہے جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

عدم صاحب کی زندگی بھی منفرد نوعیت کی حامل ہے۔ منفرد میں نے اس لئے کہا ہے کہ بعض اوقات ان کی وارفتگی نے عجیب عجیب گل کھلائے۔ ۱۹۴۷ء ہی کا ذکر ہے۔ ان دنوں لاہور میں فسادات بہت ہی خطرناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ ایک رات ظہیر کاشمیری اور عدم صاحب میرے ہاں سو رہے۔ قریب قریب صبح ہونے والی ہوگی کہ کمرے میں شور ہوا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا تو کمرے میں بتی جل رہی تھی اور کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ ظہیر کاشمیری سہمے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ عدم صاحب کا تکیہ بالکل جل چکا ہے۔ بستر کی چادر جل رہی ہے۔ یہاں تک کہ عدم صاحب کے سر کے بال بھی جل رہے ہیں مگر انہیں قطعاً ہوش نہیں۔ آخر بصد مشکل میں نے اور ظہیر کاشمیری نے عدم صاحب کو جگایا۔ تکیے کو صحن کے دستی پمپ کے پانی سے بجھایا۔ عدم صاحب کو یہ معلوم کر کے بہت زیادہ حیرت نہ ہوئی کہ ان کی گردن جل رہی تھی۔ کہنے لگے "حضور ایسا اکثر ہوتا ہے۔" یہ کہا اور ایک سگرٹ جلا لیا۔ خیر کچھ دیر بعد سب کے سب پھر سو گئے۔ ابھی بمشکل دو گھنٹے ہی نہ ہوا ہوگا کہ ظہیر کاشمیری کی آواز پھر گونجی۔ پھر اٹھے تو دیکھا کہ عدم صاحب کی قمیص جل رہی ہے مگر وہ بالکل بے سدھ پڑے ہیں۔ پانی کا گلاس ان کی قمیص پر ڈالا گیا مگر انہیں ہوش نہ آیا۔ صبح ہو چکی تھی۔ ظہیر کاشمیری نے کہا کہ اگر میں رات کو نہ جاگتا تو صبح اخبار میں خبر چھپ جاتی کہ سکھوں نے تین شاعروں کو جلا ڈالا۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے۔ انہی دنوں کا ذکر ہے۔ ایک شام عدم صاحب تشریف لائے۔ ان کے ساتھ الطاف مشہدی بھی تھے۔ دور چلا۔ شراب ختم ہوئی تو الطاف مشہدی کے کہنے پر عدم صاحب ان کے ساتھ تلاشِ شراب میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد کچھ دیر تک تو میں نے انتظار کیا پھر میں سو گیا۔ صبح سویرے اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عدم صاحب نشے میں دھت چلے آ رہے ہیں۔ منہ سوجا ہوا، کپڑوں پر نیلے نیلے داغ، پتلون پھٹی ہوئی۔ میں نے پوچھا حضرت کیا معاملہ ہے؟ الطاف کہاں چلا گیا؟ لیکن چونکہ نشہ بہت تھا کوئی معقول جواب نہ دیا اور لیٹ گئے۔ میں نے ان دنوں سیکرٹریٹ میں عارضی طور پر ملازمت کر لی تھی۔ میں دفتر جانے کی تیاری کر چکا تو نائب صاحب آ گئے۔ اتنے میں عدم صاحب جاگے اور زور زور سے رونا شروع کر دیا "حضور میں مر گیا۔ حضور میں وفات پا جاؤں گا۔" نائب صاحب اور میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت کو بہت سی چوٹیں آئی ہیں۔ بخیر بڑی مشکل سے گھر پہنچایا گیا۔ چند روز بستر میں رہے۔ کوئی دوا وغیرہ استعمال کرنے کی بجائے پانچ روز مسلسل صبح و شام لٹھا پیا اور ٹھیک ہونے پر بتایا کہ حضور اس رات الطاف مشہدی کے ساتھ انارکلی میں ایک سکھوں کے ہوٹل میں

شراب کا [illegible] نے غزل کو بگل سے جان [illegible]
[illegible]

[illegible] کی طرح [illegible] کرتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ [illegible] کے لئے جیب میں [illegible] [illegible] ذاتی [illegible] اور [illegible] مشکل سے [illegible] اس طرح [illegible] واقعات ہیں۔ اس وارفتگی نے ان کے کلام میں کئی [illegible] پیدا کی ہیں۔ [illegible] شراب کی [illegible] انسانی [illegible] کو ختم کر دیا ہے اور انہیں خلوص کا [illegible] دوسروں سے خلوص سے ملتے ہیں۔ دوسروں کی [illegible] ہیں [illegible] وہ صحیح معنوں میں صاف گو اور صاف دل ہیں۔ ان کا ظاہر و باطن ایک سا ہے کوئی بغض یا عناد [illegible] ان کی فطرت میں داخل ہی نہیں [illegible] دل میں کسی سے میل نہیں رکھتے اور دل میں [illegible] رکھنے والوں سے ملتے بھی نہیں۔ شراب نے ان کو واقعی [illegible] بنا دیا ہے۔ ان کی [illegible] خوبیوں نے [illegible] خلوص [illegible] پیدا کئے ہیں۔ ان کا مشاہدہ [illegible] خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق ہو نہایت [illegible] صحت مند اور صحیح ہوتا ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ کی یہ سادگی اور صحت شعر [illegible] کے بعد بھی برقرار رہتی ہے اور جب وہ ان تجربات و مشاہدات کو شعری صورت [illegible] تو وہ عام سادگی، صحت اور خلوص شعر کے [illegible] اس طرح شعر [illegible] دیتے ہیں۔ ان کا [illegible] نکھرا ہے۔ [illegible] مضامین [illegible] کوئی الجھن نہیں [illegible] ان کی شاعری کا حسن [illegible] اور [illegible] کی بجائے سادگی بیان [illegible] خاص نظریاتی فکر کا فقدان [illegible] میں گھومنے سے باز رکھتا ہے۔ وہ زندگی کو جیسے دیکھتے ہیں اسی طرح اس کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے اشعار [illegible] تصنع اور بناوٹ سے پاک ہوتے ہیں۔ زندگی کے [illegible] اثرات اور اس کے رد عمل کے متعلق انہوں نے [illegible] کے شعر کہے ہیں جن میں [illegible] ایک انفرادی رنگ کی جھلک موجود ہے۔
زندگی کے متعلق چند شعر سنئے :-

پیتا ہوں حادثات کے عرفان کے لئے — ہے ایک تجربہ ہے تبسم روزگار کا
زمانے کی رفتار سے تنگ آ کر — ندیم کر لیا میکدے میں بسیرا
ہے کی حسین چیز مگر اور واقعی حرام — میں کثرتِ شکوک سے گھبرا کے پی گیا
سو بار لغزشوں کی قسم کھا کے چھوڑ دی — سو بار چھوڑنے کی قسم کھا کے پی گیا
بادہ کشی حرام ہے یا زندگی حرام — تصدیق کر رہا ہوں غمِ روزگار سے

ندیم کی شاعری، شراب، حسن اور عشق کی شاعری ہے۔ اس میں اگرچہ کوئی سنجیدہ اور واضح فلسفہ یا انداز فکر نہیں مگر اس کے باوجود ان کی تمام تلخیوں میں

[illegible]

ایک تو انسیاد کی آنکھ اور سوال ہے جس میں کبھی بھار رہتی ہیں اچھی ہیں۔ ان کے ان تصرفات کی بھی [illegible]
ترتیب کے اشارے موجود ہیں۔ چند شعر سنئے

کچھ ہر حجابات دیر و حرم میں — گر سب تکلف نظر آ رہے ہو
بہار و خزاں کم نگاہوں کے وہم — برے یا بھلے سب زمانے سے
ضمیر صدف میں کرن کا مقام — انوکھے انوکھے نشانے تیرے
جب بھی ہوتے ہیں ہم قدم تنہا — پاس ہے پر کسار ہوتے ہیں
مرنے یہ روایت ہے یا حقیقت ہے — شاعر ہے وہ جس کے یہ کہتے ہیں
ایک ہی بار تری شکل کا عرفان تھا محال — دوسری بار کوئی آئینہ حیران نہ ہوا

آج کے شاعروں نے جہاں کئی شعری لوازم کو نظر انداز کر دیا ہے وہاں تغزل کو بھی کہ شعر کی بنیادی خصوصیت ہے قابل توجہ نہیں سمجھا۔ قاسمی کے ہاں تغزل اور روانی مستقل طور پر موجود ہے۔ ان کی شاعری میں ایک ترنم فضا میں ہوتی ہے جسے ہم گاتے ہوئے الفاظ اور دلکش ترکیبیں ہی ان کے تاروپود ہیں۔ اشعار میں کہیں کہیں شوخی اور شرارت کے عناصر بھی ملتے ہیں مثلاً

بے خودی میں ہوا آغوش ہے لو سے آگے — ہم مست کعبے میں شامل آغوش نہیں
تخلیق کائنات کے دلچسپ جرم پر — ہنستا تو ہوگا حضرت یزداں کبھی کبھی

قاسمی صاحب میں ایک بہت بڑی خامی یہ ہے کہ وہ شعر بہت کثرت سے کہتے ہیں اور انہیں اس بات کا دھیان نہیں رہتا کہ کون سا شعر قابل ہے کہ رکھا جائے اور کون سا حذف کر دیا جائے۔ یوں تو ہر شاعر کو اپنا ہر شعر عزیز ہوتا ہے مگر اس کے باوجود شعرا میں اکثر اس قدر تنقیدی شعور ہوتا ہے کہ وہ کون سے اشعار کو رکھیں اور کن کو حذف کر دیں۔ اُردو کے سب سے بڑے شاعر غالب کے اسی تنقیدی شعور نے غالب کو عظیم اور آفاقی بنایا ہے۔

قاسمی صاحب شعر بہت کثرت سے کہتے ہیں اور بعض اوقات بغیر دیکھے بھالے کو بھی چھپانے سے گریز نہیں کرتے۔ قاسمی صاحب کی زود گوئی اور کثرت گوئی سے مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ [illegible] کی بات ہے۔ ایک رات وہ زیادہ دفتر میں تھے اس لئے میرے گھر ہی سو رہے۔ قریب آدھی رات کا وقت ہوگا کہ یکدم میری آنکھ کھلی دیکھا کہ بتی جل رہی ہے۔ قاسمی صاحب چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ ایک ہاتھ میں سگریٹ دوسرے میں قلم لئے کچھ سوچ رہے ہیں۔ نوٹ بک سامنے تکیے پر پڑی ہے۔ میں پھر سو گیا۔ صبح میں نے پوچھا مولانا رات کیا بات تھی۔ کہنے لگے بھئی نیند کھل گئی خیال آیا کہ کچھ شعر ہی کہہ ڈالوں مگر فقط سات غزلیں کہہ کر ہی نیند آ گئی۔ اب جو شاعر گھنٹہ دو گھنٹے میں سات غزلیں کہہ ڈالے اندازہ کیجئے کہ وہ کس کثرت سے شعر کہتا ہوگا۔ کثرت سے شعر کہنا برا نہیں مگر ان سب اشعار کو من وعن رکھ لینا یقیناً برا ہے۔ وہ جو کچھ کہہ دیں اس میں کانٹ چھانٹ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ شعر اچھا ہوا برا ہوا بس ہو گیا۔ اب اس میں مزید غور و فکر کرنا ان کا اصول ہی نہیں۔ اسی وجہ سے بعض اوقات غزلوں میں بہت سے کمزور شعر بھی ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ کاش یہ شعر غزل میں نہ ہوتے۔ مجھے یاد ہے میں نے کئی بار کہا کہ فلاں غزل میں سے فلاں شعر نکال دیجئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ہاں ضرور حذف کر دوں گا مگر جب غزل چھپی تو وہ اشعار موجود تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے آج تک جتنے شعر کہے ہیں وہ انہیں قریب قریب سب کے سب زبانی یاد رہیں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ حافظہ ان کا بلا کا ہے۔ اشعار کہنے کے بعد ان کو یاد ہو جاتے ہیں اس لئے بعد میں اگر وہ چاہیں بھی تو ان اشعار کو حذف نہیں کر سکتے۔ حافظے سے متعلق ایک واقعہ یاد آیا۔ اتوار کا دن تھا مجھے دفتر سے چھٹی تھی۔ قاسمی صاحب صبح ہی تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد سیف صاحب بھی آ گئے۔ قاسمی صاحب کہنے لگے یہ حضرت آج کل کوئی

[illegible] ترتیب دے [illegible] حاصل کروں [illegible] میں نے [illegible]
[illegible] کی ضرورت ہے [illegible] گئے [illegible] کے [illegible]
[illegible] ہے [illegible] کا کام [illegible] شاعری [illegible]
کے پاس [illegible] کی شاعری [illegible] بہت [illegible]

اور میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ [illegible] صاحب میرے دوست ہیں۔ میں نے ان کی شخصیت [illegible] کی کوشش
ہے [illegible] روایتی انداز اختیار نہیں کیا۔ [illegible] نقاد حضرات [illegible] سمجھتا ہوں [illegible]
[illegible] حاصل ہے۔ میں نے [illegible] تصویر [illegible]
[illegible] کر رہی ہے۔ [illegible] اس تصویر میں [illegible] صاحب کے [illegible] آپ [illegible] محسوس [illegible]

جذبی

از شمیم

— کیا جھک مار رہے ہو؟

— جذبی کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کر رہا ہوں۔

— ارے! جذبی سے متعلق! واقعی ... جذبی کے متعلق واقعی حد ہو گئی!

واقعی حد ہو گئی۔ ذرا اس شاعر پر ایک نظر ڈالئے۔ اس کی شخصیت میں کوئی بڑی بات نہیں جو اپنی پہلی جھلک میں لوگوں پر چھا جائے اور چھا جانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کی شکل و صورت ... اس کی باتوں کا انداز کوئی ایک ... کوئی نیا دلکش جلوہ نظر نہیں آتا۔ اگر اس کی ... میں کوئی چیز چمک دار یا جولان نظر آتی ہے تو وہ اس ... کا صفا چٹ میدان ہے۔ اس چٹیل میدان کے کنارے دونوں طرف ... بال ... ہوئے ہیں جو وسط میدان میں دونوں طرف سے آ کر مل گئے ہیں ... اس پہلو اور سطح مرتفع کا احاطہ ... ہے ... آنکھیں اتنی ہی چھوٹی ... چمک سے محروم ہیں۔ جذبی کو پہلی نظر میں دیکھئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک ایسے آدمی کے سامنے کھڑے ہیں جس میں ... بننے کی صلاحیت بالکل مفقود ہے ... شاعرانہ شخصیت میں ایک تکلیف دہ کیفیت سی پیدا کر دی ہے۔ لیکن جذبی ... باتیں کریں، گھل مل جائیں، پھر دیکھئے اس کے چہرے کی ... اور افسردگی ... کا ایک کونہ ... بدلتا ہے ... سب کچھ ... ملی وہاں بھی مایوسی ہوگی ... بڑے بڑے ... اور ... مصلحت کی ... اور ... کی ... کیا کرتے ہیں ... خیال ... کبھی ... نہیں ہوتے لیکن ... پہلی بار ... دیکھنے کے بعد مجھے ... پر بڑا رحم آیا تھا ... جذبات کے ساتھ ... سوچا تھا بے چارا اس جمعہ سے کس طرح بچا ہو گا۔ اگر میرا یہ خیال غلط ہے تو میرا یہ قیاس صحیح ہوگا ... جذبی کی ... اور ... کا تختۂ مشق بن گئے ہوں گے۔ اور ... نے اپنا سارا ... ایک تختۂ مشق پر نکال لیا ہوگا۔

واقعی جذبی میں ... جو اس کے فن پر پورے طور پر محیط ہونے میں ناکام رہی ہے؟ کیوں ہے۔ کیا ایک انسان جبلی طور ایسا ہوتا ہے؟ یا سماجی حالات اور زندگی کے تجربے اس کے مزاج اور اس کی مجموعی شخصیت کی تربیت اور ترتیب کرتے ہیں؟ کیا جذبی محض گھٹا خوابیدہ ... کے ... کلبیت کے اندھیرے میں بھٹکتا ہو، ایک افسردہ دل اور انجمن کو افسردہ کرنے والا انسان ہے؟ کیا اس خاکستر کے ڈھیر کے اندر چنگاریاں دبی ہوئی نہیں ہیں؟ کیا اس کی شخصیت میں اس کی ذہنی دنیا کی، جذبات کی، اس کے شعور اور تجربے کی آئینہ دار، اس کی شاعری میں ان چنگاریوں کے ...

[illegible] کی حیثیت سے ملک کے سامنے آتا ہے۔ میری شاعری کی پہلی کتاب [illegible] میری اپنی شخصیت کا [illegible] ہے۔ شاید بہت کم لوگ جانتے [illegible] ہیں۔

شاعری کا [illegible] شروع ہوتی شاعری [illegible] جب [illegible] میں [illegible] شاعری کی [illegible] کے سامنے [illegible] انسانی [illegible] اس کے [illegible] بھی [illegible] لیا جائے۔

جذبی آج ہمارے سامنے [illegible] اس دنیا میں موجود تھا [illegible] کی [illegible] زندگی میں ایک [illegible]

جذبی کا خاندان [illegible] جذبی کے بچپن ہی میں [illegible] ان کی [illegible] شاعری [illegible] جس کو [illegible]

[illegible] تو ہست [illegible]

[illegible] تھے [illegible]

سر [illegible] ماہتاب سے روشن [illegible]

نازک مزاج [illegible] چشم سربلند

وہ [illegible] وغیرہ کی ادبی دلچسپیوں اور غزلیں اور نظمیں یاد کرنے کا اس [illegible] شوق [illegible] کے ذہن پر [illegible] سال کی عمر ہی میں جناب نے تک بندی شروع کر دی۔ ان دنوں جھانسی میں قیام تھا۔ [illegible] ساتویں آٹھویں جماعت کی طالب علمی کا دور تھا۔ صادق [illegible] کا شمار ان دنوں استادوں میں ہوتا تھا۔ ان کے شاگرد تھے حامد شاہجہانپوری۔ وہ معین احسن کے گھر والوں کے پڑوسی تھے۔ ان کے یہاں اس ننھے شاعر کا آنا جانا تھا۔ ان سے تعلقات کا اثر تھا۔ عقیدت اتنی بڑھی کہ معین احسن نے ان کی پوری بیاض حفظ کر لی۔ ان ہی دنوں باقاعدہ شاعری کا آغاز ہوا۔ معین احسن نے اپنی ایک غزل دوسرے کے نام سے ان کو دکھائی۔ انہوں نے ایک آدھ شعر پسند کیا۔ اس طرح معین احسن نے جو اس وقت نویں جماعت میں پڑھتا تھا اور جس کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی اپنا تخلص جذبی رکھا۔ اس کی شاعرانہ زندگی کی پہلی منزل میں سب سے [illegible] داخل ہو گیا۔ ان دنوں دنیائے شاعری میں جگر اور فانی کے نام روشن تھے۔ ان کی غزلوں کا بڑا شہرہ تھا۔ ان دنوں نظموں کا رواج نہیں تھا۔ ایک ایسے زمانے میں یہ ہونہار شاعر نے اپنی فنی زندگی کے ابتدائی دور میں باقاعدہ اصلاح حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ غزلوں کا دور تھا۔ اور معین احسن فانی کے سامنے اپنی طبع آزمائی کے لئے وہی میدان تھا۔ حامد شاہجہانپوری نے فانی کی [illegible] کا [illegible] لگایا۔ [illegible] اپنے استاد

عاشق وہاں سے ہجرت کرنے کے لئے مجبور ہوا۔ [illegible] شعر پڑھا کرتے تھے [illegible]
کرتے تھے۔ وہ [illegible] پر بات چیت کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعر کو سمجھنا [illegible] پھلتے [illegible]
تجربہ کا شاعری سے کیا تعلق ہے [illegible] زندگی کے واقعات کی تشریح کیا کرتے تھے۔ [illegible] ان کے بعد
ان کے استادوں کا شمار اُسی طرح دوسرے درجے کے استادوں سے اچھی ہوتی ہیں۔ ملا دماغ خراب نہ ہو تو ــــ

آگرے میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو وہاں [illegible] ایک اور مشہور سے ملاقات ہوئی۔ وہ شاعر تھے مجاز۔ مجاز ان کے ہم جماعت تھے۔ وہ بھی سائنس کے طالب علم تھے۔ ان دنوں آگرے میں میکش اکبرآبادی وغیرہ کا دور تھا۔ کالج کا پہلا سال تھا۔ شاعری کا رجحان پیدا ہو چکا تھا اور نعت پڑھنے کے بڑے شوقین تھے۔ انہی دنوں فانی کو فانی سے ملنے کا موقع ملا

ایک دن حضرت ہمت کر کے فانی کے یہاں پہنچے تو وہ آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اجنبی کو دیکھ کر [illegible] ہوئے۔ ان کا رعب اور شہرت ایک طرف، دوسری طرف ایک نوخیز نوجوان تھا جو طالب علم تھا جس کی ابھی [illegible] بھی نہیں بھیگی تھیں۔ لیکن جیسے شاعری کا جنون اس دور کے ایک عظیم المرتبت شاعر کے یہاں کھینچ لایا تھا۔ وہ بڑی جرأت اور بے باکی سے پیش آئے۔

- کہئے کیا شغل ہے؟ فانی نے پوچھا
- سائنس پڑھتا ہوں [illegible] یہ وہ الفاظ تھے جو جلدی سے فر فر [illegible] ساتھ ہی [illegible] فانی کی زبان سے ادا ہو گئے۔
- شعر و شاعری کا شوق بھی ہے؟
- صاحب بس یوں ہی تک بندی کر لیتا ہوں [illegible] بڑی مشکل سے نکلی۔
- کچھ سنائیے۔

فانی نے اپنی آنکھیں اٹھائیں۔ ان کے سامنے بڑی متانت کے ساتھ ایک کشیدہ قامت [illegible] رنگ، اچھے لباس میں بیٹھے تھے۔ ان کے [illegible] ایک مربیانہ شان پیدا کر دی تھی۔

فانی نے اپنی غزل کا پہلا شعر پڑھا

دل کو روتا تھا جستجو میں خراب ــــ پاس تھی یہاں تو منزل مقصود

فانی نے شعر دہراتے ہوئے دوسرا مصرعہ یوں پڑھا

پاس تھی ورنہ منزل مقصود

نوجوان شاعر نے خاموشی سے اصلاح قبول کر لی اور نہایت سعادت مندی کے ساتھ دوبارہ اصلاح شدہ شعر پڑھا (فروزاں میں یہ غزل اصلاح شدہ شعر کے ساتھ شائع ہوئی ہے)۔

پھر جذبی نے فانی کو ایک اور غزل سنائی ــــ فروزاں کی پہلی غزل جس کا مقطع ہے

ضبط غم بے سبب نہیں جذبی

جو اس وقت تھا ــ

ضبط غم بے سبب نہیں ہے فانی ــــ خلش دل بڑھا رہا ہوں میں

فانی ایک دم [illegible] کر بیٹھ گئے۔ بہت داد دی۔ کہنے لگے

بہت سے طالب علم قسم کے شاعر آئے۔ آپ سے استدعا کروں گا... اس خلش کو زندہ و تابندہ رکھئے:

[illegible] پھر چمنا لگیں یہ سم ہے۔

[illegible] بعد میں [illegible] جب شاعری کا [illegible]

[illegible] جذبی [illegible] شعبے [illegible] دونوں [illegible]

[illegible] شاہ تھے۔ دونوں [illegible]

[illegible] کی [illegible]

آہ تمہید [illegible]   دیکھو [illegible] چلا

دونوں شاعروں کی دوستی زندگی کے ساتھ [illegible] جاتی تھی

دونوں کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ ہوسٹل میں ایک صاحب ہوتے تھے۔ [illegible]

[illegible] ایک دوست [illegible] ہمیشہ [illegible]

[illegible]   [illegible] صاحب ہے

[illegible]   [illegible]

[illegible] دونوں [illegible]

[illegible] تھے۔

[illegible] جذبی اور مجاز [illegible] جذبی [illegible] مجاز [illegible] دونوں [illegible]

[illegible] جذبی [illegible]

CAN ALON [illegible]

[illegible] کے بعد دونوں کو جدا جدا ہونا پڑا۔ جذبی [illegible] چلے گئے اور مجاز [illegible]

[illegible] ایک کام بھی ہو گیا۔ [illegible] جذبی [illegible] ہو گیا۔

یہاں بھی شاعری کا سلسلہ [illegible] جاری رہا۔ کتابیں خوب پڑھی جاتیں [illegible] لگے۔

[illegible] کی غیر شاعرانہ [illegible] کتابیں کون پڑھے؟ نتیجہ ظاہر تھا۔ یہاں بھی [illegible] گئے۔

جذبی پر اس کے بعد [illegible] وقت آیا۔ [illegible] صاحب [illegible] لینے لگے

"میاں، شعر و شاعری میں تمہاری ناؤ ڈوب گئی۔ اب چھوڑو، چپ چاپ پوسٹ آفس وغیرہ میں [illegible] کر لو۔"

جذبی جب ساڑھے تین سال کے تھے، ان کی والدہ فوت ہو چکی تھیں۔ سوتیلی ماں کی [illegible] ان کے نوجوان دل کو [illegible] تھیں۔

ابا بھی ان کے [illegible] سے متاثر تھے۔ اپنے فیل ہونے نے معاملہ اور بگاڑ دیا تھا۔ [illegible] شروع ہو گئے تھے۔

جذبی کا کہنا ہے "غم عشق [illegible] دونوں طرف سے ایک معصوم اور مبہم خلش [illegible] زہر کی طرح [illegible] ۱۹۳۳ء میں

[illegible] پڑا۔

"ایک شام جب [illegible] کی نظروں کے پھر جانے کا غم [illegible] ایک بوجھ بنا ہوا تھا۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تیر رہے تھے —— اگست یا ستمبر کا مہینہ تھا۔

تنہائی [illegible] کے عالم میں ایک مصرعہ ہو گیا

مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں جینے کی تمنا کون کرے

پیمانہ مئے میں غزل ہوگئی ۔

اسی غزل نے بعد میں جذبی کو مشہور کیا اور اس کو ایک قنوطیت پسند شاعر کا خطاب دلوایا۔ حالانکہ بقول جذبی "یہ غزل ان کے خاص لمحات موڈ کی بے ساختہ ترجمانی کرتی ہے۔"

اس غزل کی اشاعت میں کوئی نام و نمود نہیں تھی۔ دو سال تک پڑی رہی۔ ۱۹۳۵ء میں [illegible] کو بھیج دی گئی۔ جہاں سے وہی غزل [illegible] میں شائع ہوئی۔

اس غزل کا موضوع [illegible] ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن سوتیلی ماں سے سخت جھگڑا ہوا۔ اس جھگڑے نے اس غزل کے دل شکستہ شاعر کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اپنے ایک دوست کے بھائی کے ساتھ [illegible] کی سمت چلے گئے۔ ٹرین میں ایک صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ وہ [illegible] تھے ان سے معلوم ہوا کہ [illegible] نوکری ملتی ہے۔ [illegible] اس زمانے میں [illegible] ان میں زیادہ حصہ مسلمانوں کا [illegible] جذبی نے ان سے ایک خط لیا اور اس [illegible] میں آ دھمکے۔ وہاں مہینہ بھر خاک چھانتے رہے [illegible] ختم ہو گئی۔ بلکہ [illegible] تھے۔ جو بچے تھے کھانے گئے۔ [illegible] اس زمانے میں جذبی کے [illegible] نتیجہ نکل چکا تھا۔ [illegible] ساحل [illegible] ہو گیا تھا۔

ساحل کی تمنا اور تڑپ میں جذبی نے اپنے والد کو ایک خط لکھا [illegible] اگر آپ مجھ [illegible] تو میں [illegible] مسلمہ [illegible] مکھوں۔ پھر مسلسل مصیبت کا دور شروع ہوا۔ تعلیم دہلی میں شروع ہوئی۔ حالات ناقابل برداشت تھے۔ [illegible] کرتے تھے۔ اس دوران میں زبردست علالت کا حملہ ہوا۔ اور اس زمانے میں جذبی [illegible] پھر [illegible] گیا۔ جناب [illegible] تو محسن کو [illegible] قابل تھا۔

پھر وہی مسئلہ [illegible] لیکن ۱۹۳۰ء میں آخر کامیابی نصیب ہوئی۔ [illegible] ہوگئی۔ علی گڑھ میں انگریزی میں داخلہ لیا لیکن [illegible] سخت مخالفت کی اور پھر وہ دہلی واپس آ گئے۔ وہاں خانہ [illegible] اور مجاز ریڈیو میں ملازم تھے۔ [illegible] سے جذبی کا قیام [illegible] مصیبت وہاں بھی منتظر تھی۔ مجاز برطرف کر دیئے گئے۔ دونوں کا قیام [illegible] دہلی پر [illegible] اس زمانے میں جوش بھی دہلی آ گئے تھے۔ وہ [illegible] مقیم تھے اور کلیم [illegible] نکال رہے تھے۔ اس زمانے میں شعر و شاعری کے جنون کے [illegible] سے بڑا کام [illegible] جوش [illegible] کرنا تھا اور اس سے جو وقت بچتا وہ جوش کی صحبت میں گزرتا۔

ان ہی دنوں [illegible] قسمت کا ستارہ چمکا۔ بمبئی میں ایک جگہ [illegible] یہ جگہ [illegible] میں تھی۔ تین چار مہینے [illegible] گیا۔ پھر وہاں سے بھی [illegible] اور [illegible] بھوپال پہنچے۔ ۱۹۴۰ء میں سکول [illegible] اس اسکول کا نام ماڈل ہائی سکول تھا۔ جذبی نے [illegible] یہاں دس مہینے تک کام کیا لیکن تنخواہ کا مسئلہ طے نہ ہو سکا یعنی یہی طے نہ ہو سکا کہ تنخواہ ملے گی یا نہیں۔

آخر جی چھوٹ گیا اور یہ شاعر آوارہ لکھنؤ پہنچ گیا۔ وہاں سردار جعفری، سبط حسن وغیرہ نیا ادب نکال رہے تھے۔ اس عالم میں سب ہی ننگے تھے سب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سردار اور سبط حسن ساتھ رہتے تھے ۱۹۴۱ء تک جذبی [illegible] رہے۔ افلاس اور تنگی۔ دنیا کا آفتاب سوا نیزے پہ آ گیا تھا۔ یکایک اسکول میں دس مہینے کا بقایا ملنے کا سلسلہ مل گیا۔ دس مہینے کی تنخواہ شاعر کی [illegible] میں تھی ——— چھ سو روپے! شاعر کو اتنی خوشی ہوئی کہ بیمار پڑ گیا۔ دو سو تو [illegible] ڈاکٹروں کی نذر ہوگئے۔ باقی چار سو روپے سے [illegible] علی گڑھ وارد ہوئے۔ اس وقت ایم۔ اے کرنے کی دھن سوار ہوگئی۔ اس زمانے میں ترقی پسندی کی تحریک ابھر رہی تھی۔ اور جذبی کو بھی اس تحریک کا ایک [illegible] ترقی پسندی کا معیار جب جوش کی نظمیں تھیں اور اس وقت تک ترقی پسندی کی بنیاد ڈالنے والوں نے وضاحت بھی نہیں کی تھی۔

جذبی نے بھوپال کے دوران قیام میں نفرت ایک مفلس کی تعزیتیں لکھی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں ایک اور نظم [illegible] کاش لکھی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

... اس کے سحر میں [illegible] ...

[illegible]

علی گڑھ سے جمعیت [illegible] ہو گئی تھی۔ آج کل کی ملازمت مل گئی [illegible] جذبی دہلی آ گئے [illegible]
[illegible]
[illegible] میں اہل زندگی کے [illegible]
[illegible] بعض اوقات دلچسپ گزرے۔

لیکن اس نئی ملازمت کے کراچی پہنچنے کے بعد جلد ہی جذبی کو محسوس ہوا کہ [illegible] آج کل کا ایڈیٹر [illegible] ایک ایرانی الاصل [illegible] تھا۔ حکومت کا خاص [illegible] انگریز حکام سے زیادہ انگریزی حکومت کا وفادار تھا۔ جب اس [illegible] جذبی کے رجحانات اور میلانات کا احساس ہوا تو قدم قدم پر روڑے اٹکانے لگا۔ ایک بار [illegible] رنگ سرخ چھپا۔ وہ ہندوستانی انگریز [illegible] لگا جناب یہ تو سوویت رنگ ہے:

ایک انگریز پروڈکشن کا انچارج تھا اس نے بھی یہی بات کہی۔ جذبی کے دن [illegible] کے بعد ایک [illegible] ہو گیا۔ ایک [illegible] تبادلہ کر دیا جس میں کہا گیا تھا کہ [illegible] زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جذبی نے اس کے تبادلے سے انکار کیا۔ کرنل [illegible] دہلی سے جوڑ توڑ ہوئی۔ معاملہ بگڑتا گیا۔ جذبی نے آخر تنگ آکر اور اکتا کر تین مہینے کی چھٹی لی اور بمبئی چل دیئے۔ وہاں سبط حسن اور جعفری کے ساتھ رہے۔ جذبی کو یہ خیال تھا کہ وہاں فلم کمپنی وغیرہ میں [illegible]

[illegible] گئے جہاں ایک دو مکان ہوتے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین سے انٹرویو جو میں نے پوچھا "کیا آپ نباہ کر سکیں گے یا نہیں؟"

"جناب کیوں نہیں کر سکیں گے" جواب حاضر تھا۔

"مجھے پریم چند جی آئے یہاں لیکن نہیں چل سکے"۔

اس کے بعد جذبی کو وحشت سی رہنے لگی۔ سمجھتے کی ایک حد ہوتی ہے: جذبی کو جس کا سامنا کرنا تھا وہ خطرناک لگنے لگا بات تنہائی میسر نہیں آتی تھی۔ اسی وحشت کے زمانے میں مسعود صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے جذبی نے ایم اے کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے دلا دیا۔ وہاں سے جذبی سیدھے دہلی آئے۔ مستقل رہا۔ دہلی کالج میں کام کرنے لگے۔ اتفاق سے موقع مل گیا۔ یونیورسٹی میں ملازمت مل گئی۔ تب سے آج تک جذبی اسی علی گڑھ میں زندگی گزار رہے ہیں جس کے بارے میں ایک بار انہوں نے مجھ سے کہا تھا

"یہ ایک کنواں ہے جہاں ہم مینڈکوں کی طرح ایک محدود دائرے میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ جب کوئی مینڈک باہر سے آکر اس میں ٹپک جاتا ہے تو ذرا دیر میں کافی چہل پہل ہو جاتی ہے"۔

یہ بات انہوں نے میرے اچانک ٹپک پڑنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہی تھی۔

زندگی کا پیچیدہ سلسلہ جذبی کو یہاں تک لے آیا ہے۔ جذبی اور ان کو جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ ایک شاعر کی زندگی کا سلسلہ یہاں ختم نہیں ہو جاتا۔ صحیح ہے کہ ذاتی دوستی یونیورسٹی میں ایک لیکچرر کی حیثیت سے ایک خاموش زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کا ایک چھوٹا سا گھر ہے جس کی کھڑکیوں سے [illegible] سفری [illegible]۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک اچھے دوست، اور شوہر اور شفیق باپ کی زندگی خاموشی سے گزار رہے ہیں۔

صبح آٹھ بجے سے یونیورسٹی کی پڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت سے ان کے فرائض کا چکر شروع ہو جاتا ہے۔ یونیورسٹی سے واپس آکر پھر وہی بچے، وہی گھر اور وہی گھر کا تھا کھیل۔ اس چھوٹے سے کوارٹر میں ایک چھوٹا سا صحن باہر ہے یہی اس شاعر کا گھر ہے۔ یہاں جو شاعر آپ جب پہنچیں گے تو ایک ترتیب اور سلیقہ جیسی کی نظر آئے گی۔ ایک میز اس کے آگے ایک کرسی۔ ایک دو تین کرسیاں اس کے آگے ایک چھوٹی سی میز۔ اور اس چھوٹی میز پر کبھی کتابیں، کبھی چائے کا ٹرے اور کبھی سگار کا بکس نظر آئے گا۔

میں جب کبھی اچانک جذبی کے ہاں پہنچا ہوں تو میں نے اکثر ان کو تنہا پایا ہے۔ وہ میزوں اور کرسیوں سے پرے ایک گوشے میں چارپائی پر دراز یا بیٹھے ہوئے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں کمرے میں گھس پڑا ہوں اور اس کے بعد شاعر کو میرے آنے کا علم ہوا ہے۔ جی نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ابھی میں باہر ہی ہوں اور ابھی اس کا یقین بھی نہیں ہوا ہے کہ حضرت گھر پر موجود ہیں یا تیر کمان سے نکل چکا ہے کہ تحسین و آفرین کے بیچ چائے کے پیچھے خیر مقدم کے نعرے گونجنے لگے۔

میری عمر اور جذبی کی عمر میں ایک پوری ادبی نسل کا فرق ہے۔ لیکن جذبی نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی عمر کی برتری کا سہارا نہیں لیا۔ اور بعض مباحث ایسے بھی آئے جب میں نے تلخ باتیں کہیں، اور سختی سے کہیں۔ لیکن جذبی کے انداز گفتگو اور دوستانہ لب و لہجے اور برتاؤ میں فرق پیدا نہیں ہوا۔ میں جانتا ہوں اور جذبی بھی جانتے ہیں کہ ان کے بعض کٹر تصورات کو میں ان کے صد درجہ داخلی رد عمل کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔

جذبی میں بڑی زندگی ہے مجھے ان سے مل کر کبھی تھکن، اکتاہٹ اور بوریت کا احساس نہیں ہوا۔ میں جب بھی ان سے ملا ہوں، مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک مخلص اور ہمدرد دوست سے بات کر رہا ہوں۔ جب اختلاف کی بات ہوتی ہے اصولی ہوتی ہے۔ اور ہم دونوں نے کبھی بھی ایک دوسرے کو حلقہ بگوش اسلام کرنے والی ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا ہے۔ میں نے ان میں وہ لچک بھی محسوس کی ہے جو ایک سنجیدہ اور منطقی گفتگو کو کسی نتیجے تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔

جذبی کے متعلق یہ تمہیدی باتیں ہیں۔ یہ تمہید کی ہے باہر علی گڑھ میں اور علی گڑھ سے باہر آپ کو ملنے والی شخصیت کا اتفاق ہوگا۔

[illegible]

جذبی [illegible] ہے؟

جذبی [illegible] ہے؟

جذبی [illegible] ہے؟

جذبی کی [illegible] محبت ختم کر دی ہے۔

جذبی کی [illegible] پیدا کرو۔

بہت [illegible] — [illegible] جذبی [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] بہت [illegible] ہے [illegible] کرتے ہیں [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] بہت [illegible] — [illegible] جذبی [illegible] ہو گئے۔
جذبی [illegible] زندگی [illegible] ہے [illegible] جذبی [illegible]
[illegible] زندگی [illegible] جس سے مختلف
[illegible]
[illegible] جس [illegible] اور جس کے [illegible]
[illegible] — اس آدمی کے [illegible] مختلف [illegible] ہیں [illegible] بات [illegible]
[illegible] وقت [illegible] جب ان کی شاعری کا مطالعہ [illegible] زندگی کی [illegible]
[illegible] — [illegible] جب بہت [illegible]
[illegible] ان کی [illegible] شاعری [illegible]
[illegible] زندگی اور شاعری [illegible] اور خوبصورت آہنگ بہت [illegible] دکھائی دیتا ہے۔

اس وقت جبکہ جذبی کے [illegible] بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں [illegible] سکوں گا۔
وہ شام [illegible] — [illegible] رات کے
گیارہ بارہ بج رہے تھے اور ہم مسلسل زندگی کے مختلف مسائل پر بات کر رہے تھے۔ جذبی بہت جذباتی ہو گئے تھے۔ [illegible]
[illegible] کا درجہ حاصل نہیں کیا [illegible] حاصل کرنے کے لئے [illegible] ضرورت ہے۔ اس وقت جذبی کی آنکھیں
نم ہو گئی تھیں۔ [illegible] زندگی کے [illegible]
[illegible]

"وہ [illegible] محبت کریں [illegible] زندگی کی [illegible] ہے۔

[illegible] — دنیا [illegible] سے بھری ہوئی ہے"

اسی وقت [illegible] اس کی آنکھوں پر [illegible] آنکھوں کر
[illegible] ہے گی"

اس [illegible] جذبی کے جذبات زندگی کے [illegible]

[illegible] [illegible] ہے۔

جذبی کا اپنی محرومیوں [illegible] زندگی [illegible] کا سامنا [illegible] [illegible]

[illegible] اب [illegible] [illegible] زندگی [illegible] انتظار کب تک؟

جذبی، مرزا جعفر کی شاعری سے شاکی ہیں۔ وہ کہتے ہیں [illegible] وہ شاعر [illegible] بہت [illegible] اپنی ذاتی زندگی میں [illegible] [illegible] شاعر [illegible] [illegible] جعفری نہیں؟

کبھی ملتے ہیں سب دوستوں کو [illegible] شدت اور تیقن سے یاد کریں گے [illegible] اختلافات [illegible] [illegible] [illegible] ضرورت [illegible] یاد [illegible]

جب کبھی غمِ روزگار، غمِ دوستی، انسانیت، فرض، عمل اور مستقبل کا ذکر ہوتا ہے جذبی سے [illegible] انسانی دوستی کا [illegible] [illegible] تصویر [illegible] ہیں۔

جذبی سے ملنے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ وہ ایک بے حس آدمی ہیں لیکن [illegible] کا ذکر [illegible] [illegible] مستقل [illegible] [illegible] [illegible] وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔

کبھی کبھی جذبی جیسا ایک غیر منطقی [illegible] [illegible] بے حس [illegible] کیفیت ہوتی ہے۔

ان جذبی کو وقت کے [illegible] [illegible] مسائل سے متعلق ہوتی ہیں [illegible] دوسرے تجربوں کے متعلق۔

ایک رات [illegible] گیارہ بجے جذبی پرانا مکان [illegible] [illegible] نمائش میں گئے

علی گڑھ کی نمائش [illegible] زندگی میں [illegible] رات کا [illegible] [illegible] جگر مراد آبادی [illegible] جذبی کے نام پر لوگوں کو اپنی طرف کھینچ [illegible] [illegible] اس وقت [illegible] شاعر جگر مراد آبادی اور جذبی [illegible] [illegible] کے لیے [illegible] نمائش سے ایک بجے [illegible]

گھر پہنچ کر بھی دو گھنٹے تک گپ ہوتی رہی [illegible] بہت خوش تھے [illegible] جگر مراد آبادی [illegible]

جذبی جیسے لمحات کم ہی آتے ہیں [illegible] ایک خاموش انسان کی طرح [illegible] [illegible] ہیں [illegible] کتابیں پڑھتے ہیں [illegible] چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں [illegible] [illegible] خاموش [illegible] [illegible] زندگی [illegible] پشت ماضی کی طرف ہے اور نظر مستقبل کی طرف۔

ابھی ہمدم سے نالی کہاں [illegible] ابھی تو معرکہ ہائے چمن کچھ اور بھی ہیں۔

جذبی کو راکھ کا ڈھیر سمجھنے والوں سے صرف اتنا عرض کروں گا کہ راکھ کے ڈھیر کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانے سے پہلے ایک ذرا رک کے اور اس ڈھیر کو کرید کر دیکھیے —— کون جانے اس کے اندر چنگاریاں دبی ہوئی ہوں کہ اگر ہوا مل جائے تو جنگل کی آگ بن جائیں۔

شکیلہ اختر

صوفیہ فضل

بے حد گھنگھریالے سیاہ بال اور سنہرے رنگ والی آپا کو ہم نے ہوش سنبھالتے ہی دیکھا۔ جب بھی ان کی دوست نند ادھر آتیں تو بس دیکھتے ہی ڈرتے۔ سنا ہے کہ آپا کے آنے سے پہلے دو بھائی پیدا ہوتے ہی چپ سے اس دنیا سے جا چکے تھے، اب آپ جو آئیں تو ایک تو لاڈلی اس پر سے پیار سے دیکھی افسوس! لاڈ رہتے۔ بے آپا بس آپا ہی بن بیٹھیں۔

پانچ برس میں مجھے کچھ ادھر اُدھر کھاتے کھاتے بیمار پڑ گئی جب میں اچھی ہوئی تو آپا نے مجھ کو سزا دینے کے لئے یسرنا القرآن پڑھانا شروع کیا۔ جہاں تک نقطوں کی بات تھی ٹھیک، دو تین تک کی گنتی میں سنا یا کرتی مگر کرنے پڑے سادہ جیسے ہوئے الفاظ کسی طرح بھی میرے پلے نہ پڑتے تھے اور آپا کو ساتھ ہی ساتھ یہ دھن بھی لگی رہتی تھی کہ ایک ہی دفعہ ساری کی ساری کتاب وہ مجھے ختم ہی کرا دیں۔ جانے یسرنا القرآن کی لکھی ہوئی کیسی اشعاعت کی پیرہن جا رہی کی کوئی اوراد پچھو ریہرف کچھ بھی پلے نہ آتا تھا۔ ابھی ابھی دل و دماغ کو سنبھال کر پڑھ رہی ہوں کہ بیچ صاحب دوسری سطر کی موجودت، جیسے تیسے اس بلا سے ابھی نجات ملی ہی تھی کہ ایک اور تیسری زبان "کتاب شد" کی سر پر سوار۔ ابھی عربی، اردو حروف کی جھنجھٹ میں دماغ خراب ہی ہو رہا تھا کہ ادھر سر اور پیٹھ پر آپا کے دھموکے پڑنے شروع ہو گئے۔ مارتے مارتے جب ان کا دل نہ بھرا تو ایک دن بیچی سے مارتے مارتے آپا نے اونچی کرسی والے برآمدے سے مجھے نیچے دھکا دے دیا ——— پھر تو بس اسی دن سے ہمارے نصیب ہی کھل گئے۔ اماں جان نے صاف صاف طور پر کہہ دیا کہ ایسی پڑھائی سے باز رہی جس سے میری بچی کی جان ہی چلی جائے ——— شام تک جب آپا کا غصہ اتر گیا تب انہوں نے بھی یہ مان لیا کہ یہ کتاب ہے ہی فضول۔ آخر آپا نے کھیلتے ہی کھیلتے نو سال کی عمر میں اپنی ساری پڑھائی کیسے ختم کر دی تھی؟ پھر اس دن سے کبھی آپا نے کسی کو پڑھانے کی ہمت نہیں کی۔ اب بھی کسی کسی بچے کی پڑھائی پر بس ہلکی سی نظر ڈال لیتی ہیں۔

شاید آپا کے مزاج میں سب سے پہلی چڑچڑاہٹ ان کے گھنگھریالے بالوں نے ہی پیدا کی ہوگی جوان کو بے حد ناپسند ہیں اور اس کے بعد دائمی دمہ کی بیماری نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ہم سارے بہنوں بھائیوں میں آپا سب سے زیادہ خلیق، اعلیٰ اور حساس کچھ اور ڈٹ کر محبت کرنے والی ہیں مگر کبھی اچانک ویسے ہی ہنستے ہنستے آپا کو طوفانی غصہ آ جاتا ہے جیسے پہاڑی علاقہ ... ایک بلیاں ... اچھی اور بجلیاں چمکتی ہیں اور پھر

نہ مکمل [illegible] بالکل اسی طرح سے دیکھی [illegible]
مسکراہٹ سے [illegible] ہیں وہ ہم ہیں [illegible] جانتے ہیں کہ آپا کا غصہ نقل تھا [illegible] ۔ کیونکہ [illegible]
اور [illegible] اور آنکھیں [illegible] اسی وقت [illegible] کے [illegible] تو چہرے کی [illegible] آنکھوں میں [illegible]
[illegible] مسکراہٹ [illegible] اور ان کی آواز میں [illegible] ایک [illegible] نظر آئے گا ۔ وہ ایک [illegible] میں ہی [illegible]
جاتی ہیں [illegible] کھل کر ہنستی ہیں ۔

خاندان، گھر یا باہر جیسی بھی محفل ہو، آپا [illegible] ہو کر رہ جاتی ہیں گی۔ حیثیت سے [illegible] دیہاتی ماحول سے لے کر شہر کی [illegible] تک میں آپا کی قدر، محبت اور عزت یکساں طور پر ہوتی ہے۔ ابھی ابھی آپا اگر ایک دیہاتی کنبے [illegible] میں بڑے خلوص کے ساتھ دلچسپ باتوں [illegible] ہیں تو شام کو [illegible] ڈرائنگ روم میں نفیس صوفے پر اسی دلچسپی کے ساتھ مزے دار باتوں میں لگی نظر آئیں گی۔ ان کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ [illegible] گھر میں [illegible] نظر آتے ہیں۔ گیٹ پر [illegible] رنگی ہے اور ڈرائنگ روم میں سے بے تکلف اور چہکتی ہوئی آوازیں آ رہی ہیں۔ پھر اچانک [illegible] کمرے میں سے آپا کی آواز آنے لگتی ہے۔ فرق بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ آواز کی رفتار اور لہجے میں وہ پہلی سی روانی نہیں رہتی۔ دوسرے کمرے میں کئی مہمان خواتین [illegible] کے فرش پر [illegible] طریقے سے بیٹھی ہوئی ہیں، چہرے پر سنجیدگی چھائی ہے۔ [illegible] اور [illegible] سنبھل سنبھل کر باتیں کر رہی ہیں۔ [illegible] اسی وقت کچھ لوگ دروازے پر آپا سے [illegible] کی باتیں کرنے کو [illegible] جاتے ہیں اور [illegible] آپا کی اخلاقیات [illegible] سی آواز ان کی ہر طرح کی امداد کا یقین دلانے والی ہے۔ ڈرائنگ روم اور دوسرے کمرے کی مہمان دوستوں کی تنہائی کا خیال کر کے جب آپا دروازے سے [illegible] میں تو [illegible] کے پاس سے [illegible] ضرورت مند [illegible] ان کی [illegible] کہانی سنانے لگتی ہیں اور آپا کبھی ہسپتال اور کبھی کسی [illegible] کرایہ کے ساتھ [illegible] رشتہ داروں سے [illegible] احساس [illegible] میں اگر [illegible] ڈرائنگ روم کی مہمان بیبیاں [illegible] کر کمرے کے اندر [illegible] سیدھا آنچل [illegible] آتی ہیں۔

آپا کی مقبولیت کی کوئی انتہا نہیں۔ ان کو گھر صاف رکھنے کا جنون ہے اور اپنے مہمانوں کے ساتھ اخلاق برتنے کے ساتھ ان کو قسم قسم کی چیزیں کھلانے کی ان پر دھن سوار رہتی ہے۔ اکثر آپا کا گھر مہمانوں کی کثرت سے ایک چڑیا خانہ نظر آتا ہے۔ کئی [illegible] کھانے کھائے جاتے ہیں اور سب [illegible] اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ آپا اپنے گھر کو ربڑ کی طرح کھینچ کر نہ جانے کیسے بڑا کر لیتی ہیں اور سارے مہمان جن کی تعداد کبھی کبھی [illegible] اوپر ہو جاتی ہے، رات کو [illegible] اپنے اپنے بستروں پر سوتے نظر آتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آئے گئے لوگوں سے ان کا گھر خالی رہا ہو۔ اس گھر کی حالت بالکل ویٹنگ روم جیسی ہے۔ ایک بستر ابھی بندھ رہا ہے کہ گیٹ پر موٹر یا [illegible] لگی اور کئی بستر اور بکس اندر آ گئے۔ [illegible] مرکز ہے جس کی وجہ سے [illegible] کی ضرورت لگی رہتی ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو [illegible] اطمینان سے کہہ دیتے ہیں کہ "ان کا خرچ ہی کیا ہے، [illegible] دو میاں بیوی اور دو چار نوکر ہیں" [illegible] صاحب مستقل طور پر ان کے ساتھ [illegible] کی تعداد آٹھ ہے۔ اس پر [illegible] اور پھوپھی کے رشتہ داروں کا [illegible] آنا۔ پھر بھی گھر اکیلا کا اکیلا ہی ہے۔ اسی مہمان داری کے [illegible] آپا [illegible] کی طرح ہمیشہ خالی کا خالی ہی رہا۔ یہاں تک کہ [illegible] کے مضمون اور [illegible] کتابیں اور افسانوں کے جتنے بھی روپے ملتے ہیں وہ سب کے سب [illegible] ۲۰ تاریخ کے [illegible] رہتی ہیں۔

[illegible] کی ایک [illegible] آپا [illegible] زندگی کے اس کی [illegible] وقف ہو جائیں گی [illegible]

سنال میں [illegible] اور سب سنبھال کر سارا انتظام ان کے سپرد [illegible]
پر اس [illegible] کا پرچہ ہوتا ہے ۔

آپا کے [illegible] کے متعلق کوئی بات، اگر کچھ بھی ہو تو [illegible] میں ان کے [illegible] ہیں، ان کی [illegible] کوشش سے ایک [illegible] جب کے پاس [illegible] ہیں، [illegible] ہے، کوئی [illegible] ہو گئی ہو [illegible] تو ایک [illegible] سے بہت خوش [illegible] جس کے [illegible] جس کا [illegible] بے حد [illegible] ان کی محبت [illegible] جب تک [illegible] ایک [illegible] بیمار ہو تو آپا کی بے پایاں محبت بھری خدمت [illegible] سکون [illegible] ہے اور [illegible] جہاں [illegible] جب آپ کے پیٹ کا [illegible] ہوا تھا تو چند ہی دنوں کے بعد [illegible] کرتے ہیں [illegible] اپنے سارے خاندان کے ساتھ [illegible] اس کی [illegible] سارا [illegible] مسئلے [illegible] بستر پر [illegible] بیمار کا [illegible] اپنے [illegible]
و سارا بات انہوں نے نرس کی ڈیوٹی [illegible] کرتی تھیں ۔

آپا کی طبیعت میں بے حد سادگی ہے، [illegible] بڑی مجلس ہو، جہاں [illegible] اور [illegible] ہوتا ہے وہ [illegible] شریک ہوتی ہیں۔ کسی کی امارت کبھی بھی انہیں مرعوب نہیں کر سکتی ہے اور انسانیت [illegible] کسی چیز کو [illegible] اہمیت دیتی ہیں۔

جس طرح انجمن ترقی اردو کی میٹنگوں میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی ہے ویسے ہی [illegible] میں بھی، جہاں [illegible] کو ایک بہت ہی [illegible] چندہ جمع کرنا اور [illegible] کے مختلف کاموں کی ذمہ داری انہی پر ہوتی ہے۔ وہاں خاندان کے لئے رشتے کی تلاش اور شادی کا انتظام بھی ان کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔ آپا کے ہاتھوں کے پکے ہوئے [illegible] اور [illegible] بہترین سمجھے جاتے ہیں۔ [illegible] گھر میں [illegible] ماسٹر [illegible] آپا ہی ہیں۔ [illegible] کے ذریعے [illegible] تک پہنچتے ہیں۔ [illegible] سے جانتے ہیں آپا بڑے سکون سے ان کاموں میں لگی رہتی ہیں یہاں تک کہ [illegible] بیٹھی کبھی [illegible] باتیں اور [illegible] بنا کر انہیں دیتی رہتی ہیں۔

آپا کے دل میں محبت اور خدمت کا ایک [illegible] سمندر چھپا ہوا ہے۔ [illegible] طبیعت میں [illegible] چڑچڑاہٹ اور ضد کے [illegible] بھی۔ خاندان بھر میں ان کی جیسی بے لوث محبت اور اخلاص برتنے والی شخصیت نہیں ہے، لیکن وہ بے حد جذباتی ہیں اور بات بات پر ان کے آنسو [illegible] ہیں۔ ساری مجلسوں میں جہاں لوگ ان کو [illegible] سمجھتے ہیں اور ان کی ہنسنے ہنسانے والی پرلطف اور [illegible] باتوں میں ان کی طرف کھنچے چلے [illegible] وہاں [illegible] قہقہے لگانے والی آپا گھر کے اندر [illegible] غصے سے [illegible] ہیں۔ گھر کے سارے [illegible] کے لئے بس اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ [illegible] آپا آ رہی ہیں، [illegible] رعب اور ادب کے بعد بھی سارے لوگ ان پر جان دیتے ہیں۔

ادب اور شاعری سے آپا کو بہت ہی بچپن سے لگاؤ رہا ہے۔ اماں جان اور ابا جان دونوں کو ادب سے گہری دلچسپی رہی تھی اسی لئے آپا نے ہوش سنبھالتے ہی [illegible] [illegible] اور تہذیب [illegible] سب [illegible] تو اسی وقت انہوں نے پہلی بار شعر

[illegible] ہے [illegible] اپنے مطالعہ کو بہت وسیع کر رہا ہے اور اب وہ دنیا کے بہت سے [illegible] وقت [illegible] دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ اس پر ہے اور وہ کتابیں پڑھتی ہی رہتی ہیں لیکن ان کو [illegible] [illegible] کوئی ایک چیز مل جاتی ہے تو پھر وہ سیکڑوں ہم لوگوں کے پاس چلی آتی ہیں اور پھر گھنٹوں انہی باتوں پر [illegible] ہے۔ آپا کو پڑھنے کی لت اس حد تک لگی ہوئی ہے کہ ناشتہ کھانے کے وقت بھی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں رہے گی۔

آپا کا سب سے پہلا افسانہ "رحمت" [illegible] کے ادب لطیف میں چھپا تھا اور اس کو بہت پسند کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے آپ نے [illegible] کر کے افسانہ نگاری شروع کر دی تھی۔

اب تک ان کے جتنے بھی افسانے چھپتے رہے ہیں وہ سارے کردار ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر چکے ہیں۔ ایک آدھ افسانہ بھی ایسا ہے کہ لکھا ہی ہے تو اس طرح کہ نہ تو قلم ہی چلتا ہے اور نہ کہانی ختم ہی ہوتی ہے۔ "درپن" "آنکھ کا کانٹا" اور "مٹی" ان کے تین مجموعے چھپ چکے ہیں اور ان افسانوں کے کیریکٹر سبھی جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے انسان ہیں۔ آپا کے دو افسانے "مظلوم" اور "ٹوٹی" میں اتنی زندگی [illegible] گئی ہے کہ ان افسانوں کے چھپنے کے بعد "مظلوم" والی بڑھیا جن کے گھروں میں جاتی تھی لوگ وہ بھی سے اس کو دیکھ کر پہچان گئے کہ یہی "مظلوم" والی بڑھیا ہے اور اسی طرح سے ہسپتال میں کیس کی بھیدا [illegible] ایک ایک نشانی افسانے میں اس قدر نمایاں ہے کہ اس کو دیکھتے بے اختیار روی کر یاد کرنے لگے اور آج مرنے کے بعد بھی لوگ اسی زندہ نظر آتی ہے۔

آپا کی افسانہ نگاری کی عجیب عجیب خصوصیتیں ہیں۔ [illegible] کی طرح کبھی مسہری یا پلنگ پر پیٹ لیٹی ہوئی وہ تکیہ کے [illegible] لکھتی چلی جاتی ہیں۔ ایک افسانہ ختم ہوا دوسرا شروع ہوا تیسرے کی باری آئی۔ شور ہو رہا ہے، شادی کے ہنگامے ہیں، لڑکیاں جھگڑ رہی ہیں [illegible] ڈھولک بج رہی ہے، بلا کی گرمی پڑ رہی ہے، پسینے کے قطرے ٹپک رہے ہیں مگر آپا ہر چیز سے بے خبر اسی انداز میں جھکی ہوئی لکھتی چلی جا رہی ہیں۔ گھر بھر سنسان سا لگ رہا ہے، ہم لوگوں کی سلائی ادھوری پڑی ہوئی ہے۔ ایک ہفتہ دس دن اسی جنونی کیفیت میں جب گزر جاتے ہیں تب پتہ چلتا ہے کہ آپا نے ایک ساتھ چار افسانے لکھ ڈالے ہیں اور جیسے ہی انہوں نے اپنا قلم رکھا ہمارا یہ کام شروع ہو جاتا ہے کہ ان کے لکھے ہوئے افسانے سنتے چلے جائیں۔ افسانوں کو سنا کر اور ان کی پسندیدگی کے بعد آپا اطمینان کی ایک گہری سانس لے کر ان افسانوں کو اپنے فائل میں بند کر دیتی ہیں اور پھر [illegible] بھول جاتی ہیں کہ انہوں نے کبھی افسانہ بھی لکھا تھا ۔۔۔ جب مہمان داری، شادی، مارکیٹنگ، خدمت خلق اور شعبۂ نسواں سے فرصت ملتی ہے تو کبھی [illegible] ایک آدھ افسانہ صاف کر کے کہیں بھیج دیا۔ آپا نے ایک بہت ہی پیارا گھریلو ناول شروع کیا تھا "ساحل" اور ساحل اس کا نام بھار پر بیتی ہوئی [illegible] کی کہانی تھی۔ بہت سے حصے لکھے جا چکے ہیں۔ اس کا ایک حصہ نیا دور کے شمارات میں، ایک دن تک نام سے نکل بھی چکا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ باقی حصے اب کہیں شائع نہیں ہو سکتی ہیں۔ ان دنوں وہ ایک ناولٹ لکھ رہی ہیں جس کا نام [illegible] چھپ چکے ہیں۔ پہلا حصہ [illegible] اور آخری حصہ [illegible]

آپا کو فطرت نے بڑا ہی نرم دل اور دردمند دل عطا کیا ہے جس مرحلے پر لوگ آسانی سے گزر جاتے ہیں آپا ٹھٹک کر رہ جاتی ہیں اور ان کی نگاہ وہاں تک پہنچ جاتی ہے جس کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اگر روز مرہ کے اتنے سارے فضول کام آپا کے سپرد ہوتے تو آج وہ افسانوی دنیا پر چھا کر رہ گئی ہوتیں۔

"آنکھ مچولی" "اندھا گھر یا ویرانہ" آپا نے اپنے افسانے ہی اور ذاتی [illegible] انہوں نے جو سب بانسوں پر کہانی لکھی ہے۔ آپا بہت سے انیا کی مریض ہیں۔ مگر اب خون کی کمی نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ ڈاکٹروں نے ان کو مکمل طور پر ریسٹ کرنے کی تاکید کی ہے مگر باغ کی دیکھ بھال، تکاریوں کی ان کی کیاریاں اور پھولوں کی دیکھ ریکھ کون کرے گا؟ اسی لئے آپا ڈاکٹروں کی ساری تاکید کو سنی ان سنی کر کے اپنی اسی پرانی ڈگر پر چلتی چلی جا رہی ہیں۔

۴

نوا ہا زندہ شد در شاخساراں

مولینا محمد علی

ضیاء الدین احمد برنی

محمد علی [illegible] ... اعلیٰ قابلیت حاصل کی۔

محمد علی پہلے بریلی [illegible] اور آکسفورڈ سے بی۔ اے آنرز حاصل کی۔ آئی۔ سی۔ ایس [illegible] زیادہ لکھنؤ [illegible] ہزاروں [illegible] کی طرح کمائی کی حاجت [illegible]۔

[illegible] بڑودہ [illegible] ملازمت [illegible] ان کی درخواست پر انہوں نے ملک کی سیاسی حالت پر چند مضامین لکھے جو بعد کو [illegible] صورت میں بھی شائع ہو گئے۔

بعض باتوں کی وجہ سے وہ بڑودہ کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو گئے اور اس لئے انہوں نے دو سال کی چھٹی لے لی اور کلکتہ چلے گئے۔ پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر سر ڈینزل ابٹسن [illegible] کے دوست تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ محمد علی خالی ہیں تو انہوں نے [illegible] ملازمت کی پیش کش کی۔ اسی طرح ایک دو اور ریاستوں نے بھی انہیں اپنانے کی کوشش کی مگر محمد علی نے ان پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور کلکتہ سے ہفتہ وار اخبار کامریڈ نکالنے کے انتظامات میں لگ گئے۔ کامریڈ کا پہلا پرچہ ۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء کو نکلا۔ محمد علی کی پبلک لائف صحیح معنوں میں اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے ۲۰ سال تک ان کی ہنگامہ خیز شخصیت دنیا کے سامنے رہی اور بالآخر ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں جہاں وہ برطانیہ کے سامنے ہندوستان کا مطالبہ پیش کرنے کے لئے گئے تھے، انتقال کر گئے۔ ان کی تمنا تھی کہ وہ غلام ملک میں نہ مریں۔ سو یہ دعا قبول ہوئی اور انہوں نے ایک آزاد ملک میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

محمد علی طالب علمی کے زمانے ہی سے غیر معمولی ذہانت کے لئے مشہور تھے بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ سینکڑوں اشعار انہیں زبانی یاد تھے اور وہ زبانی سنا دیتے تھے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں کے بیسیوں صفحے انہیں ازبر تھے، کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا تھا کہ یار لوگ بیٹھ جاتے تھے اور وہ مختلف شعراء کا کلام سناتے تھے۔ مشاعرہ "[illegible]" کی بیسیوں طویل نظمیں بھی انہیں یاد تھیں۔

ابتدا ہی سے وہ بہت محنتی تھے۔ علی گڑھ میں طلباء عموماً محنت سے جی چرایا کرتے تھے۔ یہ عادت آخر وقت تک رہی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کم و بیش کئی ہزار کتابیں پڑھی ہوں گی۔ وہ حکومت اور کانگریس کی شائع کردہ رپورٹوں کا بھی گھنٹوں بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جانے کے حامی تھے۔ ۱۹۳۱ء میں انہوں نے لندن ٹائمز کے اشتعال انگیز مضمون "ترکوں کی پسند" کا جو دندان شکن جواب دیا تھا وہ ایک ہی نشست میں جو ۲۶ گھنٹوں پر مشتمل تھی، لکھا گیا تھا۔ اس اثنا میں انہوں نے اپنے اوپر خواب و خور حرام کر لیا تھا۔ صرف چائے، بسکٹ اور کافی پی کر وقت گزارا کرتے رہے۔ مجھے وہ سماں اب بھی اچھی طرح سے یاد ہے۔ وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے لکھ رہے ہیں، بیسیوں کتابیں ادھر ادھر پڑی ہیں، کبھی اس سے اقتباس لیتے ہیں اور کبھی اس سے۔ یہ مضمون نہ صرف انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے بلکہ معلومات اور دلائل کے اعتبار سے بھی وہ اس درجہ بلند ہے کہ تحفہ محمود ووینے کر دیا جاتا ہے۔ لندن کی گول میز کانفرنس کے دوران میں باوجود علالت کے وہ مطالعہ کرتے رہے۔ بیمار ہیں مگر ملک و ملت کے مسائل پر غور کر رہے ہیں، اسکیمیں تیار کر رہے ہیں، انٹرویو دے رہے ہیں، تقریریں کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان کا حافظہ اس درجہ قوی نہ ہوتا تو یقیناً ان کی تقریریں اور مضمون اتنے جامع نہ ہوتے۔ یہ سب ذہانت اور محنت کے کرشمے ہیں۔

علی برادران کی باہمی محبت :

محمد علی کو اپنے بڑے بھائی شوکت علی سے غیر معمولی محبت تھی۔ آج کل کے لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ شوکت علی ان سے بہت کام لیا کرتے تھے۔ محمد علی جز بز ہوتے تھے مگر انہیں احساس تھا کہ وہ چھوٹے بھائی ہیں اور اس لئے انہیں بڑے بھائی کا کہنا ماننا چاہئے۔ ایک مرتبہ انہیں "در سگ باش برادر خورد مباش۔ خر باش برادر بزرگ مباش" کی مثل بتائی گئی تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا "میں سگ بننا پسند کروں گا، لیکن یہ کبھی پسند نہ کروں گا کہ بڑے بھائی خر کہلائیں"۔ علی گڑھ میں دونوں بھائیوں کے برادرانہ تعلقات کے چرچے رہا کرتے تھے۔ شوکت علی انہیں چھیڑنے یا غصہ دلانے کی غرض سے یا کبھی کبھار دوسروں کے سامنے اپنی فضیلت کی دھونس جمانے کے لئے ان سے سب کے روبرو جھڑک جھڑک کر کام لیا کرتے تھے۔ مگر وہ اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبے کے ساتھ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

۱۹۲۲-۲۳ء میں جب دونوں بھائی بیجاپور جیل میں محبوس تھے، اس زمانہ کا ذکر ہے کہ شوکت علی کی بعض "حرکتوں" کی وجہ سے حکومت نے ان سے یہ رعایت چھین لی تھی کہ وہ بی اماں سے مل سکیں۔ اس وقت محمد علی نے نہایت ایثار سے کام لے کر اپنے ایک خط میں جو کہ لکھا گیا تھا اور میرے پاس سنسر شپ کے لئے آیا تھا) بی اماں کو یوں لکھا:

"...... میری جنت یا تلواروں کی چھاؤں میں ہے یا آپ کے قدموں کے نیچے ہے، تاہم مجھے یہ قبول ہے کہ آپ کو دیکھے بغیر آپ سے ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ مگر یہ ہرگز قبول نہیں کر میں تو آپ کے دیدار سے سعادت اندوز ہوا کروں اور شوکت کی آنکھیں اس نظارہ کو ترسا کریں۔ وہ ہر حالت میں مجھ سے کہیں زیادہ آپ کی محبت اور اس انعام کے مستحق ہیں۔"

مذکورہ بالا عبارت دنیا کے ہر ادب کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے اس لئے کہ اس میں نہ صرف ماں کا احترام کر نہایت خوبی سے ملحوظ رکھا گیا ہے بلکہ بڑے بھائی کی عزت کو بھی جس خوبصورتی سے نبھایا گیا ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے۔

انگریزوں سے دشمنی :- اسے اکسفورڈ کا اثر کہئے یا کسی اور سبب پر محمول کیجئے مگر حقیقت ہے کہ محمد علی شروع شروع میں انگریزوں کے

کی حمایت [illegible] حکومت [illegible] کے ساتھ تھے ہندوستان میں بھی
کے مسلمان [illegible] سب [illegible] تعلقات [illegible] ہے مگر تحریک خلافت کے زمانہ میں ان کی جمعیت نے چندہ کیا یہ چندہ
انگریزوں سے [illegible] کے خلاف [illegible] امانت رکھ دیا کہ اب انگریزوں کو نکال کر یہ واپس لیں گے [illegible] کی تحریر میں بھی [illegible]
رہا تھا۔ یہ خیال [illegible] سب سے پہلے [illegible] جنہوں نے کانفرنس میں [illegible] انگریزوں سے انکار کر دیا کہ [illegible] چکا ہے کہ [illegible]
وا [illegible] مستقل [illegible] رہے۔ [illegible] انہوں نے انگریزوں کا [illegible] لیکن [illegible] میں سے مختلف تھی [illegible]
[illegible] کی تھی۔

انگریز اس لیے مخالف ہو گئے تھے کہ انہوں نے ملی و قومی [illegible] [illegible] [illegible] کے [illegible] تھے۔
[illegible] کے خصوصی دوستوں میں تھے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ [illegible] کے [illegible] ہو کے [illegible] سے [illegible]
[illegible] ان کے خلاف ہو گئے۔ یہ مخالفت [illegible] زیادہ [illegible] جب محمد علی نے [illegible] اور دوسرے انگریز دوستوں کی مدد سے
[illegible] پر [illegible] کا [illegible] فیصلہ تھا [illegible] مسلمانوں کے حق میں [illegible] محمد علی کو [illegible] سے [illegible] تک۔ ایک
[illegible] مخالفت کی رنگین [illegible] ہے۔

[illegible] میں وہ حالات میں انگریزی [illegible] کی آمد پر [illegible] نہیں ہوتے تھے۔ [illegible] مسٹر [illegible] نے جن سے
محمد علی کی بے تکلف شناسائی تھی ایک دن پوچھ لیا کہ مسٹر محمد علی [illegible] دیکھتا ہوں [illegible] نہیں ہوتے [illegible] کہ آپ
[illegible] میں خود بخود کھڑا ہو جاتا ہوں۔ محمد علی نے جواب دیا کہ آپ کو [illegible] بات کی خبر نہیں ہے؟

اس معاملہ میں شوکت علی بھی محمد علی کے برابر تھے [illegible] کے [illegible] پر [illegible] کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: [illegible]
[illegible] سے [illegible] نکال [illegible] تھا لیکن [illegible] نہیں نکلتے وقت [illegible] نہیں [illegible] کے [illegible] جا رہا ہے۔ ایک مرتبہ انہوں
نے انگریزوں کے خلاف تشدد برتنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا: [illegible] جب بھی [illegible] کا خیال کرتا ہوں تو [illegible] اور [illegible] کی
[illegible] آنکھیں [illegible] میں حائل ہو جاتی ہیں اور [illegible] ہو جاتی ہے۔ [illegible] اصل الفاظ اس وقت میرے سامنے نہیں ہیں:

گول میز کانفرنس:

انگریز دشمنی کے باوجود محمد علی گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ان کی شرکت [illegible] کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ وہ اس وقت سخت
بیمار تھے اور جہاز میں اسٹریچر پر لٹا کر لیجائے گئے تھے۔ روانگی سے پیشتر جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ لندن کیوں جا رہے ہیں تو ان کی زبان سے
[illegible] کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ لیکن ایک بیان میں انہوں نے فرمایا تھا کہ حکومت نے [illegible] کا جو دروازہ کھولا ہے میں اسے بند
کرنا نہیں چاہتا۔ اس موقع پر کسی ایک اخبارات نے لکھا تھا کہ جب اس کانفرنس میں کانگریس شرکت نہیں کر رہی ہے تو محمد علی کو بھی شریک نہیں
ہونا چاہیے۔ اردو اخبارات میں مخالفت میں نظمیں بھی لکھی گئی تھیں، سنجیدہ و غیر سنجیدہ دونوں۔ غلام احمد خاں آرزو مدیر ہندوستان (دہلی) نے بھی ایک
سنجیدہ نظم لکھی تھی جس کے چند اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں:

اللہ کا سپاہی اور گول میز پنچایت

تیرا ساتھ [illegible] کی ہے ہندوستان [illegible] جس سے [illegible]
گمراہ ہو گیا خود [illegible] کے [illegible] وہ دلدادہ [illegible] ہو گیا [illegible]

اب دستِ طلب ان کی جانب بڑھا ہوا ہے — جو ماہِ مسلموں کے خون میں ڈوبا ہوا ہے
اغیار کی مدد پر کیسا تلا ہوا ہے — لیکن تو جانے تیری غیرت کو کیا ہوا ہے

آزادیِ وطن کیا یوں بے خطر ملے گی؟ — قربانیوں سے ہی بس فتح و ظفر ملے گی؟
لندن کے ہوٹلوں میں کھا کر ملے گی؟ — جیلوں ہی میں ملے گی وہ جب اگر ملے گی

محمد علی رہنما گاندھی اور تقریباً سارے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ محمد علی اسٹیج پر سے ... تماشا دیکھ رہے تھے اور گویا ہندوؤں کی طرف سے بیان نے اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

مگر محمد علی ان چیزوں سے قطعی متاثر نہیں ہوئے۔ وہ جس چیز کا ارادہ کر چکے تھے وہ اٹل تھی۔

جب محمد علی کانگریس سے علیحدہ ہوئے اس وقت وہ سارے ہندو پریس کے غصہ کا نشانہ ہو گئے تھے۔ لیکن مرنے سے چند گھنٹے قبل لندن میں جب انہوں نے گول میز کانفرنس میں تقریر کی تو ان کی مخالفت کے سارے تار و پود بکھر گئے۔ بمبئی کے سب سے ممتاز قوم پرست اخبار "بمبئی کرانیکل" نے ان کی وفات پر جو خراجِ تحسین پیش کیا اس کا آخری حصہ ملاحظہ کیجئے:

"مولانا محمد علی کی آخری تقریر سے اس توانائی بخش قوت و اسپرٹ کا اظہار ہوتا ہے جو زندگی بھر ان کا نمایاں جوہر رہی۔ ...... اگرچہ وہ کانگریس سے الگ ہو گئے تھے لیکن انہوں نے گول میز کانفرنس میں پکار کر جو الفاظ کہے کہ "ہندوستان اب غلامی کو برداشت نہیں کرے گا" ... اس جملہ سے کسی بامراد کانگریسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ان کی وفات سے دنیا ایک دلچسپ اور ہمارا ملک ایک پُرجوش شخصیت سے محروم ہو گئی ہے۔"

محمد علی کی بے باکی:-

محمد علی ہمیشہ سے بے باک تھے۔ انہوں نے کبھی نتائج و عواقب کی پروا نہیں کی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے برملا کہتے تھے۔ گول میز کانفرنس میں انہوں نے جو کھری کھری باتیں کہیں وہ ہندوستان کے کسی اور لیڈر نے نہیں کہیں۔ اسی طرح پہلی اسلامی موتمر میں جو حجاز میں منعقد ہوئی تھی انہوں نے گرجدار آواز میں سلطان ابن سعود مرحوم کو مخاطب کر کے صاف صاف کہہ دیا تھا:

"تو اپنے آپ کو اس مقدس سرزمین کا بادشاہ، ملک الحجاز کہتا ہے اور کہلواتا ہے جہاں رسولِ مقبول نے اپنی زندگی بسر کی تھی حالانکہ تیرے پیشرو ترکوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو خادم الحرمین کہا اور کہلوایا۔ تو بھی ان کی تقلید میں اپنے آپ کو خادم الحرمین کہہ اور ملوکیت پر جو حضرت معاویہؓ کی سنت ہے ہرگز ہرگز نہ چل۔"

یہ باتیں ایک سرپھرا ہی کہہ سکتا ہے اور محمد علی اپنے زمانے کا سب سے بڑا سرپھرا تھا۔ اعلائے کلمۃ الحق کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی؟

شانِ مذہبیت:-

محمد علی کی مذہبیت جنون کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بالفاظِ دیگر ان کا ہر کام "دشمنی و دوستی" اللہ کے لئے تھا۔ نظربندی کے زمانہ میں جب سپرنٹنڈنٹ پولیس عبدالمجید سی۔ آئی۔ ڈی کے افسر مسٹر سر چارلس کلیولینڈ کے ایما پر چھندواڑہ پہنچے تاکہ رہا کرنے سے پیشتر علی برادران سے ایک عہدنامہ پر دستخط کرا لیں جس میں یہ وعدہ درج ہو کہ وہ غیر آئینی طریقوں اور تشدد سے ہمیشہ محترز رہیں گے تو محمد علی نے اس عبارت میں یہ اضافہ کیا کہ سب سے پہلے مجھ پر اللہ کی اطاعت فرض ہے اور بادشاہِ وقت سے میری وفاداری اس شرط سے مشروط ہے کہ اگر دنیاوی قوانین خدائی احکام سے ٹکرائیں گے تو اس صورت میں میں صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کروں گا۔ حکومتِ وقت نے اسے قبول نہیں کیا اور اس سے دونوں بھائیوں کو مزید دو سال تک قید و بند میں رہنا پڑا۔

[illegible] میں [illegible] قرآن پاک میں [illegible] تھا:

[illegible] کے بارے میں [illegible]

ایک الہامی کتاب ہے ..... ہمارے مذہب کے [illegible] ہیں [illegible]

منبع کتاب ہے ..... آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے مذہب کا حقیقی سرچشمہ [illegible]

کا ایک اور منبع ہے جسے احادیث کہتے ہیں [illegible]

نہیں ہے کسی آیت کے بارے میں کوئی اختلاف [illegible] سب سے [illegible]

بنیاد ہے اور اس کے بارے میں [illegible]

اس کے بعد انہوں نے [illegible] میں [illegible] مذہب کی [illegible]

[illegible] تاریخ [illegible]۔

محمد علی کے لطیفے:-

دو باتوں کے باوجود ان میں [illegible]

[illegible]

ایک مرتبہ حکیم محمد اجمل خاں [illegible] گئے ہوئے تھے

[illegible] محمد علی نے [illegible]

[illegible] استعمال ہے۔ حکیم صاحب [illegible]

[illegible] ایک [illegible] کا [illegible] پہنے ہوئے [illegible] کا نشرپ بھی اسی رنگ کا تھا

[illegible] نے دیکھتے ہی [illegible] یہ [illegible] کہاں سے آگیا؟ [illegible]

[illegible] ایک زمانہ میں [illegible] محمد علی نے کہا

[illegible] کہتا ہے کہ اسمبلی میں گدھے نہیں ہوتے۔ [illegible] ایک گدھا ہے [illegible] نہیں سنا؟ یہ مذاق

[illegible] میں بھی نقل ہوا تھا۔

ان دنوں اینگلو انڈین اخبارات ریاست دہلی میں مہاراجہ بڑودہ کے طرزِ عمل پر نکتہ چینی کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں بڑودہ کا ریذیڈنٹ ایک [illegible] تھا جس کا [illegible] تھا۔ اس نے مہاراجہ کے خلاف زہر چکانی میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مہاراجہ کو بادشاہ کی شان میں بے ادبی کرنے کی سخت سے سخت سزا ملے۔ اینگلو انڈین اخبارات اور ریذیڈنٹ کی مہم کے جواب میں محمد علی نے اپنے سابق آقا کی حمایت میں کامریڈ میں COB AND HIS COBWEBS کے عنوان سے کئی ایک مضامین لکھے جن میں کاب کی سازشوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔ COBWEB مکڑی کے جالے تارِ عنکبوت کو کہتے ہیں۔ اس میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ کاب کے دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ محمد علی ابھی کچھ دن پہلے تک مہاراجہ کے ملازم ہی تھے لیکن سلسلہ مضامین شروع کرنے سے پیشتر انہوں نے استعفیٰ دے دیا تھا تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ وہ مہاراجہ کے ملازم ہیں۔

محمد علی سیاسیات میں "نو چینجر" تھے یعنی وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستانی نمائندے اسمبلیوں میں جائیں اور تضیع اوقات کریں۔ برخلاف اس کے ایک طبقہ ایسا تھا جو اسمبلیوں میں جا کر تحریک جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اسی زمانہ کا قصہ ہے کہ محمد علی اسمبلی کا تماشا دیکھنے کے لئے پریس گیلری میں جا کر بیٹھ گئے۔ پنڈت شام لال نہرو نے انہیں دیکھتے ہی کہا: "مسٹر محمد علی! جب آپ یہاں تک تشریف لے آئے ہیں تو پھر نیچے آ جائیے۔" محمد علی نے

برجستہ جواب دیا "میں یہاں انڈیا والوں کی حیثیت سے [illegible] — میرا کام [illegible]

I HAVE COME HERE TO LOOK DOWN. تھے

"ہمدرد" کے آخری دور میں محمد علی کو ایک آرٹسٹ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ عبدالسمیع خان جو بہرائچ کے ایک [illegible] قیام پذیر تھے، اس سلسلے میں ان سے ملنے کے لئے گئے۔ محمد علی نے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ سمیع صاحب [illegible] کا رہنے والا ہوں۔ محمد علی نے حیرت سے پوچھا کہ کیا سی پی میں بھی آرٹسٹ ہوتے ہیں؟ سمیع صاحب نے برجستہ کہا "آرٹسٹوں کو [illegible] میں سے ہی پیدا ہوتے ہیں"۔ محمد علی پھڑک گئے اور اس قدر خوش ہوئے کہ انہیں فوراً رکھ لیا۔ محمد علی کا ہمدرد اس [illegible] سے تعارف کراتے وقت پیش پیش رہے کے [illegible] ہیں۔

محمد علی جب جاتے تو کبھی کبھی سمیع صاحب کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ وہ مختلف لیڈروں کی نشست و برخاست کے انداز کو اسکیچ بنائیں۔ یہ اسکیچ اخبار میں [illegible] ان اسکیچوں کی سرخیاں محمد علی اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے جو بہت پر لطف اور معنی خیز ہوا کرتی تھیں۔ ایک [illegible] بنگالی مسلمانوں کے نمائندہ تھے۔ ان کے اسکیچ کے نیچے محمد علی نے لکھا "THE WIT AND WISDOM OF BENGAL" یعنی بنگال کی نکتہ سنجی اور دانشمندی۔ ان صاحب کی تقریریں بہت دلچسپ ہوتی تھیں اور دوران تقریر وہ [illegible] سر فریڈرک وائٹ کے اسکیچ کے نیچے انہوں نے نام کی رعایت سے لکھا "WHITE MAN'S BURDEN" اس لئے کہ انگریز سامراجی حکمران کہا کرتے تھے کہ خدا نے برطانیہ [illegible] ہندوستان کی حکومت کا بار ہمارے کندھوں پر رکھا ہے اور وہ [illegible] یہ دلیل [illegible] کے قیام کے جواز میں پیش کرتے تھے۔ انگریز (WHITEMEN) اس حکومت کو خدائی امانت سے ہی تعبیر کرتے تھے۔ [illegible] محمد علی [illegible] اسکیچ کے نیچے انہوں نے لکھا "THE BOMBAY DUCK RESTING". اس پر [illegible] کے لباس کی طرف اشارہ [illegible] اس بارے میں غیر معمولی طور پر محتاط رہا کرتے تھے۔ ڈک بطخ کو کہتے ہیں جو سفید براق پروں کا پرندہ ہے۔ [illegible] نے سادہ [illegible] لباس پہن رکھا تھا۔ اس ریمارک کی معنویت کس قدر برمحل ہے۔

محمد علی کی مخالفتیں:-

دارالسلطنت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ محمد علی بھی کلکتہ سے دہلی آگئے۔ کلکتہ سے "کامریڈ" کا آخری پرچہ ۴ ستمبر ۱۹۱۲ء کو نکلا تھا اور دہلی سے اس اخبار کا پہلا پرچہ تقریباً ایک مہینے کے بعد ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا۔ محمد علی کے آتے ہی دہلی کے [illegible] لیڈروں نے محسوس کر لیا کہ ایک نجم والا ثاقب دہلی پر طلوع ہوا ہے اور یہ کہ اب ان سب کی لیڈری ماند پڑ جائے گی۔ ان کی آمد سے پہلے خان بہادروں اور رائے بہادروں نے لیڈری پر قبضہ کر رکھا تھا مگر ان کے آتے ہی یہ بت گر کر پاش پاش ہو گئے۔ انہوں نے چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کے خوب ہی کان بھرے کہ اس رام پوریے کو یہاں سے خارج البلد کر دینا چاہئے مگر ان کی کوششیں ناکام رہیں۔ محمد علی نے آتے ہی دو معرکے سر کئے۔ ایک تو انہوں نے قصاب پورہ کی زبردست ہڑتال کو حسن خوبی سے نمٹایا، دوسرے انہوں نے جامع مسجد والوں سے ٹکر لی اور زبردست اور مسلسل جہاد کر کے انہیں مجبور کر دیا کہ نمازیوں کی آسائش کی خاطر مسجد میں قناتیں اور شامیانے لگائیں۔ محمد علی کا مطالبہ عوام کا مطالبہ تھا اور اس لئے جامع مسجد کمیٹی کے ممبروں کا دل [illegible] اور انہوں نے مطالبہ کے سامنے ہزیمت خوردگی کے جذبہ کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیا۔ محمد علی نے ایک بدعت یہ کی کہ آتے ہی جامع مسجد کو اپنی تقریروں کا پلیٹ فارم بنا لیا۔ ان کی آمد سے پہلے یہاں صرف مذہبی تقریریں کی جاتی تھیں۔ خود [illegible] مسجد کی واگزاری کے وقت [illegible] یہ شرط عائد کر دی گئی تھی کہ اس پر سیاسی تقریریں ہرگز نہ کی جائیں گی مگر محمد علی نے اس شرط کی مطلق پرواہ نہ کی اور برابر تقریریں کرتے رہے۔ اس کی وجہ سے ان کے مخالفین کو ایک اور موقع مل گیا کہ وہ حکام کو آمادہ کریں کہ وہ محمد علی کو جامع مسجد میں سیاسی تقریر کرنے سے روکیں۔ مگر اس دفعہ بھی حکام کچھ نہ کر سکے۔ محمد علی کا [illegible]

[illegible] بلقان کی جنگ کے وقت دہلی سے روزنامہ ہمدرد جاری کیا۔ ہمدرد [illegible]
[illegible] باقی رہی [illegible] کرتے ہوئے [illegible] سے [illegible]
[illegible] آج بھی [illegible] کے سامنے ہے۔

بعد کو بہت سے [illegible] اس کی وجہ سے ہندوستان کے لیڈر [illegible] ہو گئے۔ مثلاً [illegible] جنگ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] مخالف ہو گئے [illegible]
[illegible] تقریباً سب [illegible] ہو گئے۔

محمد علی کا ایک معرکہ [illegible] سے [illegible] جاری ہے [illegible]
[illegible] ذکر کروں گا۔ اس جنگ میں [illegible] محمد علی [illegible]
[illegible] محمد علی نے [illegible]
[illegible] کرتے تھے۔ مخالفت [illegible] لکھے [illegible]
[illegible] مضامین [illegible] محمد علی [illegible]
[illegible] کے خلاف
[illegible] تھا۔

مضامینِ محمد علی میں ڈاکٹر اقبال کے خلاف چند مضامین ملتے ہیں۔ [illegible] کانفرنس میں
دورانِ تقریر میں کہیں یہ کہہ دیا تھا کہ انہیں ہندوستانیوں پر اعتبار نہیں ہے اور اس لئے [illegible] انگریز افسروں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں تقرر
کیا جائے۔ محمد علی بگڑ گئے اور انہوں نے ان کی نظموں کے مختلف اقتباسات پیش کر کے پوچھا کہ اقبال [illegible] قول و عمل میں یہ تفاوت کیوں ہے؟
محمد علی کا اندازِ تحریر نہایت شستہ ہے اور پڑھتے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفت کے باوجود وہ ڈاکٹر اقبال کے [illegible] کو بھی ہاتھ سے جانے
دینا نہیں چاہتے۔ اقبال بھی محمد علی کا غیر معمولی احترام کرتے تھے۔ "اسیری" اور "وفات" پر اقبال نے جو لافانی نظمیں لکھی ہیں وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ
اقبال کو محمد علی کا کس قدر احترام منظور تھا۔

سرسید کے بعد شاید محمد علی ایسے لیڈر تھے جنہیں سب سے زیادہ گالیاں ملیں مگر وہ ع
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوئے

پُرآشوب دور:-

یہ حقیقت ہے کہ محمد علی نے بڑا پُرآشوب دور پایا تھا۔ جنگِ طرابلس، جنگِ بلقان اور پہلی جنگِ عظیم ان کے زمانہ میں ہوئیں۔ اس سے قبل روسیوں اور انگریزوں کے ہاتھوں ایران کا گلا گھونٹنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ مصر انگریزوں کی غلامی میں تھا۔ طرابلس پر اٹلی نے اپنا غاصبانہ قبضہ تسلیم کرا لیا تھا۔ افریقہ کی دیگر شمالی ریاستیں فرانس کے پنجۂ استبداد میں تھیں۔ الغرض سارا دنیائے اسلام ایسی ہیجانی کیفیت میں تھی کہ اس کی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ تھریس میں بلقانی ریاستیں ترکوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہی تھیں۔ محمد علی کو ایک ایک کا فکر تھا اور انہوں نے چندہ کر کے طبی مشن روانہ کر کے، ترکوں کی حمایت میں مضامینِ خلافت لکھ کر عالمِ اسلام کے مصائب کو ہلکا کرنے کی امکانی کوشش کی۔ ہندوستان کا

مسلمانوں کی جدوجہد اس وقت عروج پر تھی۔ ایک جان تھی جو دنیائے اسلام کے غم میں اپنے آپ کو گھلائے دے رہی تھی۔ اگر ہندوستان میں زندہ رہتی تو قدرت خدا جانے محمد علی سے کیا کیا کام لیتی۔

ذاتی خصوصیات:۔

پہلی جنگ بلقان میں جو دول عظمیٰ کی سازش کا نتیجہ تھی، ترکوں کی پے در پے ہزیمتوں نے محمد علی کے دل پر بہت چرکے لگائے تھے۔ دوسری جنگ بلقان میں جو لوٹ مار کی تقسیم پر بلقانی اتحادیوں میں برپا ہوئی تھی جب غازی انور پاشا نے دول عظمیٰ کے احتجاج کے باوجود ایڈریانوپل پر دوبارہ قبضہ کر لیا تو جتنی خوشی محمد علی کو ہوئی تھی کسی اور کو نہ ہوئی ہوگی۔ ایڈریانوپل کے قبضہ کا تار رات کو آیا تھا اور وہ سارے مسلمانوں کو اس مسرت میں شریک کرنے کے لئے سیدھے جامع مسجد پہنچے اور وہاں تقریر کی جس میں ترکوں کو اس کامیابی پر مبارکباد دی گئی تھی۔ دول عظمیٰ کی سازشوں کو بے نقاب کیا گیا تھا۔ یہ خبر دوسرے دن اخباروں میں نکلنی تھی لیکن محمد علی نے انتظار نہیں کیا اور راتوں رات سارے شہر دہلی میں یہ دل خوش کن خبر پہنچا دی۔ وہ رات بھی کیا ہیجانی رات تھی۔

جب مولانا شوکت علی پہلی جنگ کے دوران ... اس پر پولیس نے تحقیقات میں بہت کچھ سعی و عمل سے کام لیا۔ جسٹس احسان الحق جو محمد علی اور خواجہ حسن نظامی دونوں کے دوست ہیں، سیدھے محمد علی کے پاس پہنچے اور انہیں صورت حالات سے واقف کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خود خواجہ صاحب سے قلمی جنگ ہو رہی تھی لیکن ذاتی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے دہلی کے ڈپٹی کمشنر بیڈن سے ٹیلیفون پر ایک گھنٹہ تک گفتگو کی اور انہیں معاملے کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا اور زور دیا کہ اس قتل کی پوری پوری تحقیقات کی جانی چاہئے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جانی چاہئے۔ محمد علی کے کیریکٹر کی اس بلندی کا ذکر آج بھی جسٹس احسان بڑے فخر سے کیا کرتے ہیں۔

محمد علی ذیابیطس کے مرض میں مبتلا رہتے تھے۔ مرض کی شدت کا علاج اس لئے نہیں ہو سکا کہ وہ پرہیز نہ کر سکے۔ بدپرہیز واقع ہوئے تھے۔ وہ آموں کے عاشق تھے لیکن کسی طرح آموں کو چھوڑنے پر رضامند نہ تھے۔ ایک دن خود بھی آم کھا رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلا رہے تھے کہ دوران گفتگو میں میرے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: "خواہ جان چلی جائے مگر میں آم کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔" بعد کو ڈاکٹروں کے زور دینے سے روزانہ ایک آم پر قناعت کر لی تھی لیکن وہ ایک آم سائز میں کئی آموں کے برابر ہوا کرتا تھا۔

لباس کے معاملے میں کہتے ہیں کہ ابتدائی دور میں وہ دوسرے محمد علی جناح تھے۔ آخر میں جب انہوں نے اپنی وضع قطع بدل لی اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہننا شروع کر دیا اس وقت بھی وہ اچھی قسم کا کھدر استعمال کرتے تھے۔ مدت تک محمد علی کوٹ پتلون میں ملبوس رہے۔ ان کی ابتدائی فوٹو آپ کو اسی سوٹ بوٹ میں ملیں گے۔ وہ انگرکھا اور چوڑی دار پاجامہ بھی زیب تن کرتے تھے۔ ٹوپی سفید رنگ کی بالوں والی استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ان کی ٹوپی میلی ہو گئی۔ جبل پور کے ایک خلافتی کارکن تھے جن کا نام اس وقت میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔ وہ اس وقت نئے بالوں کی نئی ٹوپی پہنے پاس ہی بیٹھے تھے۔ محمد علی نے اپنی ٹوپی اتار کر ان کے سر پر رکھ دی اور ان کی ٹوپی خود پہن لی۔ خلافتی کارکن اس عزت افزائی پر بے حد خوش تھے۔ گرد و پیش کے لوگ ہنس دیے اور بات آئی گئی ہو گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ جو لباس بھی وہ زیب تن کرتے تھے وہ ان پر خوب سجتا تھا۔ کئی شکلوں میں وہ فوجی لباس میں نظر آتے ہیں۔ اپنے ڈیل ڈول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں کے کمانڈر انچیف ہیں۔ یہ فوجی لباس بھی انہیں خوب زیب دیتا تھا۔

غالباً ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء کا واقعہ ہے کہ تار گھر کا ہرکارہ ایک ضروری تار بہت تاخیر سے لایا اور جب اس سے پوچھا گیا تو خاطر خواہ جواب دینے کی بجائے اس نے اترانا شروع کر دیا۔ اس پر محمد علی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اسے خوب پیٹا اور پھر خود ہی تار گھر والوں کو ٹیلیفون پر اطلاع بھی کی۔ پوسٹ ماسٹر نے کہا کہ تار بہت دیر پہلے بھیجا گیا تھا، اس نے یقیناً راستہ میں وقت ضائع کیا ہوگا۔ پھر اس نے تار کے دیر سے پہنچنے کی معذرت چاہی اور کہا کہ آپ نے اچھا کیا کہ اسے سزا دے دی۔

ایک موقع پر [illegible] خلافت تحریک کے [illegible] محمد علی [illegible] نے [illegible] کہ انہوں نے [illegible] اپنے یہاں کیوں چھاپا [illegible] اس وقت [illegible] بعد میں [illegible] ان کی [illegible] کے [illegible] تعلق [illegible] خلافت کی [illegible] آباد میں [illegible] اس کے بعد [illegible] محمد علی کی [illegible] حیثیت رکھتے تھے

اپنی زندگی میں انہوں نے بہت سوں کو [illegible] اچھا [illegible] بلایا۔ [illegible] دوست [illegible] کے تعلقات [illegible] دوستانہ تھے۔

جب کبھی انہیں روپے کی ضرورت پڑتی تو وہ [illegible] نواب عبداللہ خاں [illegible] کرتے [illegible]

محمد علی بڑا اعتبار [illegible] تھے۔ ان کے [illegible] اوقات انہیں [illegible] مل [illegible]

وہ دوستوں کے جانی دوست تھے اور [illegible] حکیم اجمل خاں، عبدالماجد دریابادی، چودھری خلیق الزماں، پروفیسر نواب علی، ڈاکٹر انصاری، مولانا [illegible] سید [illegible] سید عبداللہ بریلوی ایڈیٹر بمبئی کرانیکل بھی اختلافات کے باوجود ان کے دوست اور مداح رہے۔

محمد علی کے ایک دوست نے جب ان سے غداری کی، اور گرین بیز کانفرنس میں انہوں نے [illegible] جاسوسی کی طرف اشارہ کیا ہے) تو [illegible] محمد علی نے ان کا قصور دربار دل سے معاف کر دیا مگر وہ [illegible] سے کبھی جڑے نہیں۔ کہا کرتے تھے کہ میں معاف کر سکتا ہوں مگر بھول نہیں سکتا۔ یہ عین بشریت ہے۔

ایک دفعہ محمد علی نے مولانا شبلی کی دعوت کی۔ [illegible] کا جو سایہ ابھی ختم ہوا تھا۔ اس دعوت میں راقم الحروف کے علاوہ اور بہت سے دوست شریک تھے جن میں پشاور کالج کے پروفیسر محمد شفیع بھی تھے۔ دعوت کے اختتام پر مولانا شبلی نے واقعہ کا نچوڑ اپنی رباعیات اور نظمیں سنائیں اور پھر ایک تقریر میں محمد علی کی خدمات کو سراہا اور انہیں خراج تحسین ادا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آپ جس کسی شخص کے نام میں محمد اور علی کا اجتماع دیکھیں تو سمجھ جائیے کہ وہ لازمی طور پر زمانہ کا بہت بڑا آدمی ہے' اور اس سلسلہ میں تاریخ اسلام سے اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت سے نام پیش کئے۔ محمد علی سر جھکائے اپنی تعریف سنا کئے اور پھر یکایک بولے "سوائے حاجی محمد علی خان ایران کا بھی تو ذکر کیجئے" مولانا شبلی نے فوراً فرمایا کہ "یہ کلیہ کی استثنا ہے" اس پر زور کا قہقہہ پڑا

بہر حال محمد علی کی شخصیت عجیب و غریب تھی۔ وہ بیک وقت لیڈر، افسانہ نگار، شاعر، صحافی، مقرر، مورخ اور زبردست انشا پرداز تھے

۱؎ چند ہمعصر از مولوی عبدالحق (بتغیر الفاظ)

محمد علی کے شائق رہے ہیں۔ انہیں پڑھتے اور ان کی تحریرات پر بڑھتے۔ انگریزی شاعری کے دیوانوں میں اقبال سے انگریزی میں ... ہمیشہ ... ہوتے اور کے ... رہے تھے۔

پچاس برس ہوئے جب محمد علی کو آخری بار ... میرے پاس ... ایک دیوان غالب کا ایک نسخہ ملی۔ محمد علی کی عادت تھی کہ وہ پڑھتے وقت اچھے اچھے شعروں پر ایک "واہ" میں نشانات دے دیا کرتے تھے۔ جو نسخہ مجھ کو ملا اس کے ... رہا وہ نظامی پریس کا مطبوعہ تھا۔ بعض بعض جگہ وہ ریمارک بھی لکھ دیتے تھے جو بہت پُرلطف اور ... ہوا کرتے تھے۔ ایک دو مثالیں درج ذیل کی جاتی ہیں۔

غالب کا ذیل کا قطعہ ملاحظہ ہو:

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

نظامی پریس والے ایڈیشن میں اس قطعہ پر جو شرح درج ہے اس پر محمد علی نے ذیل کے دلچسپ انداز میں نکتہ چینی کی تھی۔ فرماتے ہیں:

"اس لطیفہ کے آخری حصہ کا ستیاناس کر دیا۔ حکم ہوا کہ اسے چکھنا تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے دور ہو جاؤ ورنہ کچا چبا جائیں گے۔ سب سے زیادہ پُرلطف نہ دلا ہوا ہوتا ہے نہ پسا ہوا، نہ بھنا ہوا، نہ پکا ہوا بلکہ کچا برشت"

اسی طرح غالب کے اس غیر مطبوعہ شعر پر جو نظامی والے ایڈیشن میں درج ہے:

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

محمد علی نے ذیل کی عبارت تحریر فرمائی تھی:

"تیور تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔ مرزا ایسے ہرجائی نہ تھے کہ چند بتوں اور حسینوں کی یادگاریں ان کا ترکہ ہوتیں۔ مگر ممکن ہے کہ شعر مرزا ہی کا ہے۔ بہرحال کچھ اچھا شعر نہیں ہے۔"

افسوس ہے کہ غالب کا یہ ایڈیشن جامعہ ملیہ لائبریری میں محفوظ نہیں رہا۔
بہرحال امید نہیں کہ آئندہ محمد علی جیسا کوئی اور سرپھرا لیڈر ہند و پاکستان کی سرزمین سے اٹھے۔ خدا ان کی تربت پر اپنے انوار کی بارش نازل کرے

مولانا سید حسین احمد مدنی

رشید الوحیدی

مولانا حسین احمد مدنی ۱۲۹۶ھ ہجری میں یوپی کے ایک چھوٹے سے قصبے بانگرمؤ ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد مرحوم مولانا حبیب اللہ صاحب ایک اسکول میں مدرس تھے ابھی مولانا کی عمر بہت ہی کم تھی کہ ان کے والد بانگرمؤ سے اپنے آبائی وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد واپس آگئے مولانا مدنی نے ابتدائی پرورش اسی قصبے میں کی جہاں ان کے والد بانگرمؤ مڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے اس طرح آپ کی تعلیم کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم حسب دستور گھر ہی پر شروع ہوئی اس سلسلے میں کسی بیان کی ضرورت نہیں مولانا خود اپنی سوانح عمری "نقش حیات" میں تحریر فرماتے ہیں۔ ہمارے والد مرحوم کو بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال تھا ہر بچے کو چار برس کی عمر میں پڑھنے بٹھا دیتے تھے۔ مدرسہ کی کتابیں بھی بہ لحاظ عمر کافی محنت کرا دیتے تھے۔ اس طرح مولانا کو آزادی کے ساتھ کھیلنے کا صرف ۴ برس بچپن کا حصہ نصیب ہوا۔ آگے تحریر فرماتے ہیں۔ جب میں ۴ برس کا ہوا تو میری والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی اور سیپارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ صبح سات بجے سے ۹ بجے تک تو گھر ہی پڑھتا۔ بعد اس کے بعد کھانا کھا کر والد مرحوم کے ساتھ اسکول چلا جاتا۔ آپ کے والد مرحوم بچوں کی تربیت کے خیال سے بچوں کو زیادہ تر باہر کے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کو منع کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا اگر کبھی موقع مل جاتا تو اپنے ایک ماموں زاد بھائی کے یہاں جو ان کے گھر کے قریب رہتے تھے چلے جاتے اور گھر میں چھپ کر کھیلتے۔ اگر کبھی شامتِ اعمال سے اس کی اطلاع والد کو ہو جاتی تو خاصی مرمت ہو جاتی۔ اس طرح ماں باپ کے زیر تربیت اور سایۂ عاطفت میں آٹھ برس کی عمر تک وطن ہی میں قرآن شریف (ناظرہ) اور فارسی کی چند کتابیں مثلاً آمدنامہ، دستور الصبیان، گلستاں وغیرہ پڑھ لیں اور اسکول میں ساتویں درجے تک پڑھ لیا تھا اس زمانے کی تعلیم کا معیار نیز فنون کی کثرت کی وجہ سے اسی درجے میں اکثر اقسام ریاضی حساب اقلیدس تاریخ عمومی تاریخ خصوصی مساحت عملی تحریر۔ املا۔ خوشخط۔ اردو کورس وغیرہ شامل ہے نیز ان تمام فنون میں مولانا نے اپنی ذہنی جبلت اور والدہ مرحومہ کی تربیت سے بہت اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ مولانا ابھی تیرہ سال کے ہوئے تھے کہ ان کے ..... والد مرحوم نے جو کہ مذہبی اور دیندار آدمی تھے، مذہبی تعلیم کے لئے انہیں دارالعلوم دیوبند بھیج دیا جہاں انہوں نے رات دن کی محنتِ شاقہ سے اساتذہ

کی توجہ اور شفقت کا رخ اپنی طرف پھیر لیا۔ دیوبند میں غربت اور تنگی ناکامی کی سخت گرانی سے ہمیشہ پریشان رہے تاہم ان کو ایک دولت خداوندی سمجھا۔ حسب قاعدہ دیوبند کے اہل شہر طلباء دارالعلوم کی ... کے خیال سے اپنے گھروں سے کھانا کھلایا کرتے تھے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے جو کہ مردم شناسی کا جوہر رکھتے تھے۔ انہیں اپنے دامن میں پناہ دی اور ان کا کھانا اپنے گھر سے کر دیا تھا۔ ... سے صبح و شام مولانا کھانا لینے شہر تشریف لے جاتے اس بے نیاز اور سچے طالب علم کی ضروریات بہت محدود تھیں صرف چند کتابیں، چند کپڑے اور مٹی کا پیالہ جس میں مولانا اپنا اور اپنے بڑے بھائی کا کھانا لاتے تھے ان کا کل سامان تھا۔ ایک مرتبہ کسی طرح آپ کھانا لاتے وقت ٹوٹ گیا آپ وہیں کھڑے ہو کر رونے لگے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے والد محترم ادھر سے گزرے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے کہا کہ ایک ہی پیالہ تھا وہ ٹوٹ گیا اب کھانا کس چیز میں لاؤں اور اگر ... واپس جاتا ہوں تو بھائی ماریں گے۔ انہوں نے تسلی دی اور دوسرا پیالہ خرید کر دیا تو یہ نازک مرحلہ طے پایا آپ کی محنت کا یہ عالم تھا کہ ہفتے میں ۹ دن شب و روز کتابوں میں گھسے رہتے ... دن پورا دن رات سو کر گزارتے حتیٰ کہ کھانے پینے تک کا ہوش نہ رہتا صرف پانچوں وقت نماز پڑھنے کے لئے اٹھتے ... بہت تھا نیز وہ ترتیب سے پڑھنے کے شوقین سادی ... استعمال فرماتے تھے آپ کے نزدیک کتاب، درسگاہ، استاد کا ادب، احترام ... بات سچے علم کے حصول کے لئے ضروری تھی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ عبرت اور دلچسپی سے خالی نہ ہو گا ایک مرتبہ شہر میں بھنگیوں نے ہڑتال کر دی شہر میں پریشانی کا عالم قابل دید تھا گندگی کا زمانہ ... پاخانے کی سڑاند اور بدبو کسی سزا سے کم نہ تھی شیخ الہندؒ نے مولانا سے ... پاخانوں کی دو دن سے صفائی نہیں ہوئی ہے۔ ابھی شاید ان کو بھنگیوں کی اس تحریک کا علم نہ تھا۔ مولانا صورت حال سے واقف ہو کر تعمیل کرنے گئے اور واپس آ کر ... تمام گندگی صاف ... بالکل صاف کر دی ... اس واقعہ کی اطلاع ... ۱۳۱۶ھ میں مولانا کے والد محترم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے وہاں ... کرنا پڑا وہ مولانا کی کتاب نقش حیات میں بالتفصیل درج ہے بہر حال ذرائع آمدنی کا فقدان اور غربت کی ضرورت سے مجبور ہو کر ... دوکان کھولی مگر اس کی آمدنی زیادہ تر مکان اور دوکان کے کرائے پر صرف ہوتی۔ آخر مجبور ہو کر ... پر کتابت شروع کر دی اور ... کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنا بھی از حد ضروری تھا۔ چنانچہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا ... گھر کی ضرورت کے لئے مشک بھر کر پانی لاتے۔ دن بھر دوسری جگہ مصروفیات کے علاوہ درس دیتے تھے بعض وقت عسرت کا یہ عالم ... فاقوں کی نوبت آ جاتی ... ایک ہانڈی بھر کر پانی میں نمک ڈال کر ابال لیا اور تھوڑا تھوڑا سب نے مل کر پی لیا اللہ کا شکر ادا کر کے اپنے ... ہو گئے۔ کبھی تربوز کے چھلکے اٹھا کر نمک ملا کر کھاتے اور کبھی سبزی منڈی سے گری پڑی سبزی کو دھو کر ابال کر اس سے تار نفس کے قیام کا سہارا ڈھونڈا۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر حرم شریف میں درس دینے کے لئے تشریف لے گئے اس طرح مولانا گوناگوں تکلیفوں اور مصیبتوں سے گزرے اور امتحان میں پورے اترے۔ آخر جب اہل مدینہ سے متجاوز ہو کر حلقہ درس ترک و بخارا، سمرقند، قازان، قزاق، ترکستان، مصر اور کابل کے طلبہ تک پہنچا تو مولانا نے خدا کے بھروسے پر کسب معاش کے اور ذریعوں کو ترک فرما دیا اور یکسو ہو کر درس حدیث میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ پھر ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ گرفتار ہوئے اور مالٹا بھیج دیئے گئے۔ شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی جو عام طور سے ریشمی خطوط کی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ ہماری قومی زندگی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے شیخ الہندؒ کا کیا منصوبہ تھا اور ہندوستان کو انگریزوں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے انہوں نے کیا اسکیم بنائی تھی۔ برطانوی سامراج کے C.I.D سے دامن بچا کر وہ کس طرح حجاز پہنچے تھے اور وہاں شریف مکہ کی غداریوں کا کس طرح نشانہ بنے تھے۔ یہ بڑی جرأت انگیز مجاہدانہ داستان ہے اور تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گئی ہے۔ حجاز میں مولانا مدنی کو جب اپنے استاد محترم کے منصوبے کا علم ہوا تو وہ دل سے ان کے ساتھ ہو گئے۔ یہاں سے

[illegible] شیخ الہندؒ کے بعد مولانا نے ان کے منصب امیری کو پوری طرح نبھایا۔ مسلمانوں کی رہنمائی بڑی بڑی
[illegible] چنانچہ [illegible] حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق کار رہے اور انہی کے مشن [illegible] انگریز حکام کی تنقید
[illegible] ہی کرم [illegible] علماء کا مرکز [illegible] کی وجہ سے ہندوستان میں بہت وقت بسر کی [illegible] مولانا کا [illegible] کی تکمیل کا
[illegible] آپ ایک [illegible] حیثیت سے [illegible] کا سلسلہ [illegible] شرافت سے [illegible]
[illegible] مجھے بہت [illegible] انتظام [illegible]

[illegible] ایک حرکت عظیم

شیخ الہندؒ کا [illegible] ایک [illegible]
[illegible] حیثیت سے [illegible] معلوم [illegible]
[illegible] ثابت [illegible] میدان [illegible] علماء کی سیاست
[illegible] ثابت ہوئی [illegible] مولانا [illegible]
[illegible] کے بعد [illegible] خلافت کے [illegible]
[illegible] عوام [illegible] کی ضرورت [illegible] آپ سے پہلے [illegible]
[illegible] شروع کی تھی۔ چنانچہ مولانا سے شیخ [illegible] کے بعد [illegible] خوشگوار [illegible] کے
ہندوستان چھوڑنے کی صورت میں [illegible] ہندوستان [illegible] تعلق [illegible] کے
[illegible] ہندوستان [illegible]
[illegible] صورت [illegible] عقیدت [illegible]
[illegible] کسی [illegible] پوشیدہ [illegible] سامنے [illegible] کسی [illegible]
[illegible] پردہ پوشی [illegible] بشرطیکہ [illegible] انصاف [illegible]
[illegible] زندگی [illegible] حضرت آپ کا [illegible]
[illegible] حدیث شریف کا درس دیتے ہیں [illegible] تصنیف و تالیف کے
[illegible] ۱۲ بجے تک دارالعلوم [illegible] ۳۰ [illegible] مہمانوں کا ہجوم رہتا ہے جن
سلسلے میں کچھ [illegible] ہیں۔ پھر [illegible] جاتے ہیں [illegible] آپ نے [illegible] وقت کی کوئی قید نہیں۔
[illegible] خود مولانا وقت دیتے ہیں [illegible] کے [illegible] قیام [illegible] طعام [illegible]
ایک ایک ماہ بھی لوگ قیام کرتے ہیں جن میں پاکستان ہندوستان کے علاوہ [illegible] جگہ کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔
مولانا کی محفل میں [illegible] ادیب [illegible] عوام شہری دیہاتی امیر غریب ہر طرح کے لوگ شامل ہیں۔ [illegible] مولانا کی ذات میں اپنے جذبات و
[illegible] تسکین حاصل کرتے ہیں۔ کوئی مشکلات کا ذکر کرتا ہے [illegible] خانگی مسائل [illegible] ہر طرح کی مشکلیں شامل ہیں اور
مولانا ہر لمحہ نئے مسائل کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتے ہیں کہیں میرزا غالب کی شاعری زیر بحث ہے تو مولانا ایک ایک شعر پر پوری طرح تبصرہ
فرمادیں گے کسی وقت ڈاکٹر اقبال مرحوم کا ذکر آگیا تو ان کے جذبہ دینی اور خودی کے مسئلے پر سیر حاصل تشریح فرمادیں گے کہیں [illegible] اسلام کی نشر
[illegible] کسی وقت قسطنطنیہ، تیونس، مراکش کی موجودہ کشمکش [illegible] مستقل عنوان بحث بن گئے ہیں اور
[illegible] کسی وقت آپ کسی دیہاتی سے مصروف تکلم پائیں گے تو ربیع و خریف کی ہونے والی تمام فصلوں میں ہر قسم کے [illegible] مفصل اظہار خیال فرمائیں
گے اور اس قدر معلوماتی تبصرہ کریں گے [illegible] کسان اور زمیندار بھی زانوئے ادب تہہ کرکے [illegible] کا درس حاصل کرے [illegible]
میں بالخصوص آم اور خربوزہ پسند فرماتے ہیں لیکن ان کے انتخاب میں کسی کے محتاج نہیں [illegible] قسموں پر بخوبی تشریح فرمائیں گے [illegible]

خلق کے سلسلے میں ملئے تو آپ کو مشکل ہی سے وقت ایک نہ ایک ظریف الطبع ایسا مل جائے گا جو مولانا کی طبیعت کا اندازہ لگا چکے ہیں [illegible] اور پھر مولانا کو ایک اچھے رنگ میں دیکھ لیجئے کسی کو کتاب چاہیے کسی کو رہائی سے کہہ کر تو اس کو اسی طرح جواب دیتے رہیں گے [illegible] زبانی ہی نہیں بلکہ مثلاً کوئی آئے کہ لکھوا لیں گے اگر کسی نے سلوک اور تصوف کے مسائل چھیڑ دیئے ہیں تو اس قدر روحانی کیفیت پیدا ہو [illegible] کہ شہر میں ملکی علماء ایک مرتبہ اپنی عبادت اور طاعت پر شک ہونے لگے اور روحانیت کے ایسے ایسے مسائل کو سمجھوں سے [illegible] اس طرح حل ہونے لگے جائیں گے کہ صاحب ساتھ تصوف حیران تعجب کے ساتھ وہاں سے اٹھے گا۔ غرض کہ ہر قسم کے اذہان کو اپنی [illegible] مجلس اس محفل میں حاصل ہو جاتی ہے۔ مہمانوں کے سلسلے بعض اوقات تنہائی تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتے ہیں کوئی امروہہ سے [illegible] بسم اللہ ہے تشریف لے ہیں کبھی معتقد ہیں شادی وغیرہ [illegible] مولانا کے زحمت سفر کا اکثر باعث بنتے رہتے ہیں مولانا کچھ دیر تو [illegible] کھاتے ہوئے پھر خوش ہو کر [illegible] آخر ان کے اخلاق کے [illegible] تاب انکار نہیں رہتی اور ڈائری میں تاریخ لکھی جاتی ہے ایک [illegible] صاحب تشریف لائے اور آتے ہی پوچھا کہ حضرت موسیٰ کے والد کا کیا نام تھا مولانا نے اس کی طرز سوال کو جانپ لیا فرمایا مجھے نہیں معلوم بس پھر کیا تھا مہذب اور غیر مہذب گالیاں جس قدر [illegible] دہکتیں سنا ڈالیں گھر جانے کے وقت مولانا نے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھایا اور وہیں قیام کیا ایسے بھی مہمان آتے ہیں جو بقول مولانا میرے اصلاح نفس کے لئے آتے ہیں۔ مولانا کو ایک باپ کی حیثیت سے جہاں تک [illegible] سے شاید کوئی شفیق سے شفیق باپ باوجود کمال محبت و قدرت کے وہ درجہ حاصل نہ کر سکے۔

ابھی ابھی مولانا بمبئی کے طویل سفر سے واپس آئے ہیں اگر درس کا وقت ہے تو فوراً مدرسہ تشریف لے جائیں گے۔ وہاں سے سے نیچے بھی نہ تھے کہ چاروں طرف سے ابا جی ابا جی کا شور بلند ہوا دوسرے لمحے کوئی بچہ پیروں سے چمٹا جا رہا ہے کوئی گردن سے لپٹا جا رہا ہے کوئی پشت پر چڑھا جا رہا ہے گلے میں جھول رہا ہے مولانا غایت شفقت و محبت سے فرماتے ہیں اور بیٹا تو جا دیکھ تیرے لئے کیا لایا ہوں [illegible] بیزاری کا شائبہ تک نہیں حیرت ہے اس برداشت پر اور تعجب ہے اس عملی دنیا اس طبیعت پر اور اخلاق مصطفوی پر۔ بچوں کو چل [illegible] بہلاتے ہیں مگر بچوں کو تو مدت سے بچھڑے ہوئے ابا جی کی ضرورت ہے اور والد محترم تھکے و دیر سے [illegible] وقت سے بھرپور [illegible] ساتھ بچوں کی بھلائی کے لئے نکالتے ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے نے کوئی جلسہ منعقد کیا تو اس کی صدارت بھی ابا جی سے کرانا چاہتے ہیں۔ ابا جی پریشان ہو جاتے ہیں میرے پاس کہاں وقت [illegible] اس وقت ایک شفیق باپ اور چھوٹے لخت جگر کا منظر جہاں ضد اور ہٹ تمام [illegible] منوالیتی ہے وقت کا [illegible] فرصت کم ہوتا تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کا جلسہ ہو سکتا ہے۔

مولانا کے مکان پر مہمانوں کا ہجوم تو رہتا ہے اس کے علاوہ دارالعلوم کے طلبہ کی امداد کے سلسلے میں مولانا کی طرف سے کھانا جاری ہوتا ہے یہی نہیں کنبہ پروری آپ کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور پھر کنبے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو والد مرحوم کے زمانے کی بیوائیں ہیں عادت کے ساتھ رہنے والوں میں جس قدر حاجتمند تھے سبھی مولانا کی امداد سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا خرچ مولانا کے ذمے ہے۔ عید الفطر عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر آج بھی مولانا اپنے محلے کے ہر گھر میں تشریف لے جاتے ہیں اور بڑوں سے بچوں تک کو حسب مراتب عیدی تقسیم فرماتے ہیں۔ ... حضرت شیخ الہندؒ کے انتقال کو تقریباً ۴۰ سال کا عرصہ گزرا مگر ان کی صاحبزادیوں کے ساتھ وہ معاملہ ہے جو شاید ایک باپ اپنی بیٹی کے ساتھ نہ کر سکے عید کے مبارک موقع پر اس گھر کا [illegible] خرچ فرماتے ہیں اور خود نفس نفیس تشریف لے جاتے ہیں تمام احوال دریافت فرماتے ہیں صاحبزادیوں کے سامنے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنے کسی بہت بڑے سرپرست یا باپ کے سامنے ہیں گفتگو میں تابعداری انکساری کا طرز نمایاں رہتا ہے۔

مولانا کو مہمانوں کے علاوہ درخت اور پرندوں سے بھی بہت انس ہے دارالعلوم جیسے عظیم الشان ادارے میں کافی خوبصورت وسیع و عریض باغ صرف مولانا کے شوق اور طلب کا رہین کرم ہے جس میں بہت سے درخت بنگال۔ آسام۔ بمبئی۔ سورت۔ لکھنؤ سے مولانا کے اپنے جیب خاص

مکار ہونے یا ملنے میں احساس کی الجھن یا خلل کا ہم سے زیادہ خود مولانا ذکر کرتے ہیں۔ کسی کے حلقے پر حملے سے نفس پر طبع سے سخت بے حس زندگی بھی [illegible] اگر کسی نے مسند [illegible] اس وقت تو آپ سے برداشت نہ ہوا اور اگر کسی عزت سے یا اتفاقاً کسی کو [illegible] کا تذکرہ [illegible] فرماتے ایک بار آپ صاحب [illegible] تشریف لے گئے آئے مولانا انہیں شوق سے [illegible] سب سے اتفاق صاحب سے ملاقات ہوئی [illegible] گر کر [illegible] ہو گئے۔ برداشت اور [illegible] اس وقت دیکھنے میں [illegible] حیرت انگیز تھی۔ [illegible] اور [illegible] کمرے میں [illegible] ہو گئے اور پھر ان کے بعد کبھی [illegible] خیال نہ فرمایا۔ بہر طور پر مولانا کی زندگی بہت حسین [illegible] اور مہذب زندگی ہے۔ جس کی [illegible] کا سامنا کیا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

نعیم صدیقی

کہتے ہیں کہ پاکستان میں خوشحالی آئی ہے، تعلیم پھیلی ہے، اسلام پھیلا ہے ـــ اور دوسری طرف آدمیوں کی بہتات ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہاں سب سے خوفناک قحط آدمیوں ہی کا پڑا ہے۔ کوئی قوم اگر آدمیوں کے قحط سے دوچار نہ ہو تو دوسری ہر چیز کی کمی وہ پوری کر لے جاتی ہے۔ جانوروں، مردوں کا ایک بے پناہ ہجوم ہے، ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے جو پاک زمین کے حصے میں آیا ہے ـــ آٹھ کروڑ نفوس! ـــ ان میں علماء بھی ہیں، لیڈر بھی ہیں، ایم ایل اے بھی ہیں، صحافی بھی ہیں، ادیب اور اہل فن بھی ہیں، تاجر اور صناع بھی ہیں، سپاہی اور سپہ گر بھی ہیں، لیکن انسان بہت ہی کم ہیں۔ ٹوٹے آدمی ہماری قسمت میں بہت لکھے گئے ہیں، لیکن آدمی ہمارے پاس نہیں ہیں! آج بھی ہمارے شہر زندگی کے گرد پیر رومی کا شیخ چراغ ہاتھ میں لئے سرگرداں ہے اور الاپ رہا ہے کہ "انسانم آرزوست"۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہاں روایتی مردم شماری کا ریکارڈ کئی دفتروں کا بوجھ ہو، لیکن اگر ہم اپنے ان کے ہزاروں تعلق معاشی پیمانوں کو محض بطور مروت انسان کہنا چھوڑ دیں، تو پھر شاید مردم شماری کا سارا اندراج چاول کے ایک دانے پر ہو سکے گا! ـــ یہ آپ نے سنا ہی ہو گا کہ ماہرین خطاط چاول کے ایک دانے پر پوری سورہ یٰسین لکھ دکھاتے ہیں! ہمیں آدمی بننے کیلئے ابھی ارتقائی فاصلہ بہت لمبا اور کٹھن طے کرنا ہے۔

"آدمی گوشت اور ہڈی کے اس چلتے اور پھرتے ڈھانچے کو نہیں کہتے جس پر چند اندرونی خواہشات سواری کرتی ہیں۔ آدمی نام ہے شعور اور احساس کا، آدمی نام ہے اصول اور ایمان کا، آدمی نام ہے سیرت اور اخلاق کا ـــ اور یہ مخلوق ہمارے ہاں ایک ناقابل ذکر اقلیت کا مقام رکھتی ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی اسی اقلیت کا ایک فرد ہے ـــ "ایک آدمی"!

وہ اگرچہ ایک انقلابی مفکر بھی ہے، ایک سحر طراز ادیب اور خطیب بھی، لیکن اس کی بڑائی کا اصل راز یہ ہے کہ وہ ایک آدمی ہے۔ ایک ایسا آدمی جو پاکستان بھر میں نمایاں ہے۔ اگر ہم ہمالہ کی کسی چوٹی پر کھڑے ہو کر ارض پاک کے آدمیوں پر نگاہ ڈالیں تو شاید پہلی نگاہ اسی شخصیت کے حصے میں آئے گی۔ آخر کیوں؟ ـــ اس لئے کہ یہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ جس کی اہمیت کسی بادشاہی جاگیر، کسی سرکاری عہدے، کسی خاندانی منصب اور کسی مصنوعی شہرت اور نمائشی پروپیگنڈے کے سبب نہیں، بلکہ محض ایک نظریہ و مقصد، ایک سیرت و کردار اور ایک سرگرم عمل کے بل پر ہے۔ وہ بڑا آدمی ہے تو فقط اس بنیاد پر کہ وہ ایک آدمی ہے، وہ ایک انسان ہے!

... ہے ... [illegible] ... ایک ... [illegible]

... [illegible] ... مسائل ... [illegible]

... [illegible] ... ہوتا ہے ... [illegible]

... [illegible] ... معاملات کو معلوم کیا جائے ... [illegible]

... [illegible] ... طریقہ ... بتایا جاتا ہے ... [illegible]

... [illegible] ... پاکستان ... [illegible] ... عراق اور شام اور حجاز

... اس کا اصل ... کیا ہے۔

... [illegible] ... مولانا مودودی ... [illegible] ... جس طرح ...
... [illegible] ... اگر ... [illegible]
... [illegible] ... لیکن مودودی کی شخصیت ... [illegible]
... مودودی کی سوانح عمری اس کی پیشانی ... [illegible] ... سندھی ... [illegible]
... [illegible] ... مولانا مودودی ... ملاقات ... [illegible]
... [illegible] ... مولانا سندھی ... خاص طور پر ... [illegible] ... ملاقات ...
... [illegible] ... استفہامیہ انداز میں ... آپ مولانا مودودی ہیں ... [illegible]
... شخصیت کو پہچان لینے کی ... حیرت ... سندھی صاحب نے ... مودودی کا ظاہر اس کے باطن کا ... [illegible]
... ظاہر و باطن کے درمیان ... فاصلے نہیں ہیں ... تضاد ... نہیں ہے۔ وہ ...
... قریب ... اور زیادہ نکھر کر نگاہوں میں آ جاتا ہے۔

آج سے سترہ اٹھارہ برس پہلے کی بات ہے ———— اور اب اس برس کو گزرے ... [illegible]
میں ابھی اپنے گاؤں ہی میں مقیم تھا اور آئندہ زندگی کے ... [illegible]
... [illegible] ... دیہی آبادی کے برانچ پوسٹ آفس میں ... [illegible] ... رسالہ ...
... رسالے میں مولانا کے نام سے جب پہلا مضمون میری نظر سے گزرا تو مضمون نگار کا نام ابو الاعلیٰ مودودی بڑا ہی عجیب لگا۔ یہ مضمون بھی کسی
... کا متعلق نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں محض ایک اسلامی ... ———— دارالاسلام ———— کے عملی قیام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس تحریر
... طرز بیان کا حسن تو تھا ہی، مگر اس کا تمام تاثر (جہاں تک میری کتاب ذہن کے اوراق پر ثبت ہے) یہ تھا کہ لکھنے والا ان تمام لکھنے والوں
... مختلف ... جنہیں میں جانتا تھا اور اس کے اندر بڑا غیر معمولی پن ہے۔ ہمارے اس ... کا تقاضا یہ تھا کہ اس ترغیبی مضمون میں ایک
... [illegible] ... پیش کئے جاتے۔ لیکن نہیں، جذباتیت کے بجائے اس کا مزاج فکری تھا اور اس میں ...
... کے ساتھ مشکلات و موانع کو بھی قاری کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود ... صحافیانہ اور خطیبانہ تعلّی سے ... لکھنے والے نے اس

---

* ... [illegible] ... علامہ اقبال کے ... [illegible] ... اسی پس منظر کے ساتھ ... [illegible] ... دارالاسلام ...
... اقبال ... [illegible]

میں ماہنامہ ہادی ترجمان القرآن چھپا کرتا تھا۔ اس مضمون کے بین السطور کے مطالعے میں ایک نئی قسم کی شخصیت میرے سامنے تھی جس سے پہلے سے تو میں قاصر تھا۔ لیکن جس کی انفرادیت نے مجھے محسوس کرا دیا کہ انسانوں میں اپنی جگہ سے ہٹ کر ہے۔ یہ کون آدمی ہے؟ یہ انوکھا سا نام کس کا ہے؟ یہ کیا حکیم ہے، جس پر سر وقت سامنے تھے۔ وہ مضمون کئی بار پڑھا جاتا رہا تھا اور دوسروں سے ذکر کیا۔ ان کو پڑھ کر سنایا۔ اس رسالے کے مدیر نے اپنے نوٹ میں خود بھی مجوزہ سکیم سے دلچسپی کا اظہار کیا تھا، لہٰذا ان کو خط لکھا اور خط کے جواب میں سرسری سی ابتدائی معلومات مزید حاصل ہوئیں مگر ان معلومات نے مزید تشنگی پیدا کر دی۔ میرے دل میں اس سے قبل صرف ایک ہی بڑی شخصیت سے غیر معمولی دلچسپی کا رشتہ تھا ـــــ میرا اشارہ اقبال کی طرف ہے ـــــ لیکن اب ایک اور منفرد قسم کی شخصیت سے میری دلچسپی کا آغاز ہو چکا تھا ـــــ بعد میں غائبانہ تعارف کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

۱۹۳۸ء کے بالکل آغاز میں ہفتہ بھر کا پروگرام بنا کر لاہور آیا اور دعا نے سفر یہی تھا کہ اقبال اور مودودی، دونوں سے ملاقات کروں گا بلکہ اپنے اس دور کے ذہن کے مطابق کہنا چاہیئے "زیارت"۔ لیکن زیارت صرف علامہ اقبال ہی کی حاصل ہو سکی جو بدقسمتی سے پہلی ثابت ہوئی اور آخری بھی! چند ہفتے بعد اقبال اپنا نغمۂ حیات افروز چھیڑ کر ازلی و ابدی فضاؤں کی طرف پرواز کر گئے۔ ۱۹۳۸ء ہی کے وسطی حصے میں پروفیسر مودودی کو قریب سے دیکھنے کا اشتیاق لئے ہوئے پٹھانکوٹ کا عزم باندھ کر دوسرا سفر کیا۔ غائبانہ تعارف تو اب کافی آگے تک جا چکا تھا، کیونکہ ماہنامہ ترجمان القرآن کے متعدد شمارے نگاہ سے گزر چکے تھے۔ غالباً سیاسی کشمکش حصہ اول کے فکر انگیز مباحث دل و دماغ میں اپنی جگہ پیدا کر چکے تھے۔ اور مولانا کے ساتھ کام کرنے والے ایک کرم فرما سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یہاں اس امر کا ضمناً تذکرہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اگرچہ ایک غیر سیاسی علاقے کا دیہاتی نوجوان تھا اور عملاً پارٹی پالیٹکس سے الگ تھا، لیکن ملک میں مسلمانوں کو انگریزی استبداد اور متعصب ہندو اکثریت کی دو چکیوں سے جو ہمت آزما کشمکش درپیش تھی اس سے نظری حد تک گہرا ربط رکھتا تھا۔ اپنی پوری قوم کی طرح میں بھی اندھیرے میں تھا کہ اب کیا ہونا چاہیئے اور راہ نجات کیا ہے؟ مولانا مودودی کی تحریریں دیکھ کر امید کی ایک کرن ہاتھ آئی کہ شاید یہ شخص صحیح طرز پر سوچ رہا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے ذریعے الجھنوں کے اس جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ مل سکے جو واقعاتی تاریخ کی صورت میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میری ابتدائی دلچسپی مذہبی سے زیادہ سیاسی تھی۔ لیکن خود اس سیاست کے اندر مسلم قومیت کی روح ته نشین تھی۔ ہاں تو میں گھر سے چلا اور کچھ وقت دارالاسلام کی اسی نوآبادی میں رہ کر مولانا مودودی اور ان کے خیالات اور ان کی عملی سکیم کو سمجھنے کا ارادہ لے کر چلا۔ بس والوں نے اپر باری دوآب کی نہر کے کنارے اتارا۔ کچھ دیر کھڑا دیکھتا رہا کہ کوئی دیہاتی آئے اور مزدوری لے کر سامان پہنچا دے۔ آخر اس بستی کا خاکروب "فقیریا" ادھر سے گزرا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ مجھے دارالاسلام جانا ہے تو اس نے سوٹ کیس اور بستر سر پر رکھ لیا اور ہم چلے۔ میرا یہ راہنما مجھے بسوں کی سڑک کے بجائے ریل کے پل کے رستے لے گیا جو نیچے سے بند نہیں تھا۔ اور ایک ایک قدم اس کے (غالباً ستر) سلیپروں پر رکھ کر اسے پار کرنا پڑتا تھا۔ پہلے تو اتنے لمبے پل اور اس کے نیچے شور کرتے اور بپھرے ہوئے صاف شفاف پانی کو دیکھ کر دل دہل گیا۔ ارادہ کیا کہ واپس ہو کر عمومی سڑک کے راستے نہر کو پار کر لوں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ ایک خاکروب کے سامنے مجھے ایسی کمزوری نہیں دکھانی چاہیئے۔ چلا مگر دس پندرہ سلیپروں پر لمبے لمبے ڈگ بھرنے کے بعد سر چکرایا، بیٹھ گیا۔ لیکن ایک بار پھر اسی ہمت افزا خیال نے سہارا دیا اور پھر فقیریا کے نقوش قدم پر آگے بڑھنے لگا جو بغیر پیچھے مڑ کر دیکھے بے ساختگی سے چلا جا رہا تھا۔ پل پار کرنے کے بعد جھاڑیوں، درختوں اور سبز گھاس کے بنے ہوئے ماحول میں چند کوارٹر دکھائی دینے لگے اور ان کوارٹروں کے درمیان مسجد اپنے میناروں کی دونوں باہیں اوپر کو پھیلائے کھڑی تھی۔ پہلے سے اطلاع تھی اور ایک دوست منتظر تھے۔

نہایا دھویا اور پھر ملاقات کا بے چینی سے منتظر رہا۔ غالباً مغرب کی نماز کا وقت قریب ہوا تو بستی کی مختصر سی آبادی ـــــ تین چار افراد ـــــ مسجد کی طرف کھنچنے لگے۔ اذان ہوئی اور اس کی آواز پر قریب کے ایک بڑے کوارٹر سے ایک شخص برآمد ہوا۔ مائل کالا کرتہ، لٹھے کا غرارہ نما پاجامہ، سر پر

داڑھی، ایک ٹوپی (جو نماز کے لئے گویا خاص تھی) ہاتھوں میں علیگڑھ فیشن کا پاجامہ، سیاہ رنگ کے سلیپر —— یہ تھا ان کا نہایت سادہ جو بیسیوں نمازیوں میں عجیب شان سے نمایاں تھا —— اس سادہ لباس کے ساتھ ایک روشن چہرہ، جلد کی سپیدی کے ساتھ ہم رنگ سرخی کی ہلکی سی جھلک لئے ہوئے، جس پر سکتہ چہرہ ذہنی عمارت سے چھوٹی ترشی سیاہ رنگ کی داڑھی!! —— کسی تعارف کے بغیر میں نے پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے خیالات سے میں نے اتنا سا استفادہ کیا ہے۔ آنے والے نے مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک ایسے انداز سے 'السلام علیکم' کہی جو آج تک میں نے کسی اور میں نہیں پایا۔ قدرے جھجک کے ساتھ مصافحہ کیا، کھڑے کھڑے دوستوں نے مختصر تعارف کرایا اور چونکہ نماز کھڑی ہو گئی۔ نماز کا امام بھی وہی شخص تھا۔ دلچسپ یہ کہ نماز اور قرأت کا اسلوب بھی بے حد ندرت لئے ہوئے تھا اور اس میں بھی اس شخص کی سیرت کی جھلک موجود تھی۔

اپنے پروگرام کے مطابق دو مہینے کا عرصہ میں نے جمال پور، دارالاسلام پٹھان کوٹ میں آباد شدہ اسی مختصر سی بستی میں گزارا۔ مولانا مودودی کا بیشتر وقت ترجمان القرآن کی ادارت کی ذمہ داریاں، تصنیف کا موں اور خط و کتابت میں صرف ہوتا۔ مولانا سے ملاقات یا تو نمازوں کے اوقات پر مسجد کے شہ نشین میں ہوتی اور کبھی نماز سے قبل اور کبھی نماز کے بعد بات چیت رہتی۔ یا عصر کے بعد مولانا جب سیر کو نکلتے تو ترجمان القرآن کے منیجر اور کاتب، مولانا صدرالدین اصلاحی اور میں —— اور کوئی مہمان آ جاتا تو وہ بھی —— سب ساتھ جاتے۔ دین و سیاست کے اہم مسائل پر بحثیں بھی ہوتیں، لطائف بھی ہوتے۔ بستی اور اس کی مقصدی سکیم سے متعلق معاملات بھی چھڑتے، ترجمان القرآن اور مرکز کے مکتبہ کے امور کا تذکرہ بھی ہوتا اور اہم اور دلچسپ خطوط اور باہر سے آئے ہوئے سوالات اور اعتراضات پر بھی بات چیت ہو جاتی —— اس بزم متحرک کی دلچسپیاں اور ان کی یادیں تو اب دل و دماغ کا مستقل سرمایہ بن گئی ہیں۔ کبھی مغرب کے بعد کا کھانا یکجائی ہو جاتا اور سلسلۂ گفتگو عشاء تک جاری رہتا۔ اس بزم متحرک کا نشہ دو ہی چار دن میں اتنا تیز ہو گیا تھا کہ صبح ہی سے عصر کا انتظار رہتا اور اشتیاق کہتا کہ "سورج خدا کے واسطے جلد ڈھل جا تجھے تلے"!

ابتدائی رابطے کے اس دور کی واقعاتی تفصیلات اب کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہیں اور نہ گفتگوؤں ہی کا پورا مواد سینے میں رہ گیا ہے۔ البتہ وہ تاثرات میں بیان کر سکتا ہوں جن کو اپنے ساتھ لئے میں بعد کی اسلامی تحریک کے اس چھوٹے سے کیمپ سے رخصت ہوا۔

خیالات ہی کے مطالعہ سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ شخص مولوی نہیں ہے (یہ بات مولویت کے بارے میں ہر طرح کے تحقیر آمیز تاثر سے الگ ہو کر محض حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے کہہ رہا ہوں)۔ پہلی بار چہرہ سامنے آنے پر میری نگاہ نے میرے اندازے کی تصدیق کر دی۔ بعد کی ملاقاتوں، گفتگوؤں نے اس یقین کو قطعی بنا دیا۔ مگر حیرت مجھے اس بات پر تھی کہ یہ شخص مسٹر بھی نہیں تھا۔ وہ مومن اور مسلم اور دین کا مزاج شناس ضرور تھا، مگر اس کے گرد روائتی تقویٰ کی پرتکلف اور بوجھل فضا نام کو بھی موجود نہ تھی۔ وہ آزاد خیال اور وسیع النظر تھا، مگر اس میں وہ لاابالیانہ پن بالکل نہیں تھا جو اسلام تک کی حدود کو پامال کرتا کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک گفتگو مجھے نہیں بھولتی جب کہ ہماری بزم متحرک میں ڈاڑھی کی بات چھڑ گئی۔ مولانا مودودی کہہ رہے تھے کہ (الفاظ یاد نہیں صرف مفہوم ذہن میں ہے) ڈاڑھی کو آج جو غیر معمولی اہمیت دے دی گئی ہے اصولاً وہ نظام دین میں نہیں تھی۔ مجھ ایسا روزانہ بدستِ خود شیو بنانے والا اور ڈاڑھی کے متروک یا برگزیدہ سے ڈرنے والا نوجوان یہ الفاظ سن کر مطمئن بھی ہوا اور حیرت زدہ بھی! اسی حیرت زدگی میں بے اختیار میں نے سوال کیا کہ کیا ڈاڑھی نہیں رکھنی چاہیئے؟ جواب ملا کہ میرا مطلب یہ نہیں، رکھنی تو چاہیئے لیکن اس کو دینی حلقوں نے جو حد سے بڑھی ہوئی اہمیت دے دی ہے وہ خود دین میں نہیں پائی جاتی —— آج تو ایک مسلمان سے مذہبی حضرات کے ہاں جو اہم ترین اولین مطالبات کئے جاتے ہیں ان میں ڈاڑھی سب سے پیش پیش ہے[1]۔ اس گفتگو سے مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ شخص متوازن مزاج اور انصاف پسند ہے۔ انصاف پسندی اور توازن کی

---

[1] اس سلسلے میں یہ بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ لباس، تراش خراش اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق مسائل میں مولانا مودودی اعتدال پسندانہ مذہبی تصریحات اور ان کے خلاف علماء کے فیصلے سے تو کلی طور پر واقف تھے ... میں نے اس کا استعمال کر لینے کا موقعہ و جو مدتوں سے ... گفتگوؤں کے زیر اثر ... کا مجھے اس وقت بھی پورا شعور نہ تھا۔

ایک عام شہرت جو میرے سامنے آئی اس نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا ۔ اس وقت میرے دماغ میں جنگ کے سلسلے میں ۔۔۔ بھی موجود تھی ۔ اس کے ساتھ ۔۔۔
بحث نے خاکسار تحریک کے بارے میں جاننے اور سمجھنے کی تحریک پیدا کر دی تھی ۔ مودودی صاحب کی کتاب ۔۔۔ میں نے مشرقی صاحب ۔۔۔ کے
متعلق رائے قائم کی ۔ ۔۔۔ ایک مباحثہ ۔۔۔ جاری ۔۔۔ ۔ مولانا نے ۔۔۔ کی توضیح کر کے بتایا کہ حقیقت ۔۔۔ صاحب ۔۔۔
۔۔۔ سے ۔۔۔ اصطلاحات کا جامہ پہنا دیا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی مولانا نے مشورہ دیا کہ ۔۔۔ باتوں کی بجائے مجھے مودودی صاحب کے اصل
لٹریچر کو دیکھنا چاہیے اور ۔۔۔ کوئی رائے قائم کرنی چاہیے ۔ کتابیں مولانا کے پاس موجود تھیں جن میں تذکرہ اور تنقیحات کو میں نے پڑھا ۔ دونوں کتابوں پر صرف
۔۔۔ کے حاشیے موجود تھے اور ان کو میں نے بڑے ذوق و شوق اور دلچسپی سے پڑھ ڈالا ۔ ان حاشیوں میں کہیں ۔۔۔ اعتراض اور کہیں تحسین موجود ۔۔۔
اور اختلاف کا اظہار اور کہیں کہیں ۔۔۔ پر سخت ۔۔۔ گرفت پائی جاتی تھی ۔ ان حواشی کو پڑھ کر مجھے خاکسار تحریک کی ماہیت سمجھنے کے ساتھ ساتھ مودودی
صاحب کی سیرت کے ایک اہم گوشے کو بھی زیادہ اچھی طرح جاننے کا موقع ملا ۔ میرے سامنے اب تک زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو نظریاتی اور سیاسی میدان میں اپنے
مخالفوں ۔۔۔ سے مخالف ہوتے ہیں ۔۔۔ لیکن اس میدان میں مجھے پہلی بار ایک نئے کردار سے تعارف حاصل ہوا ۔

یہ بات بھی میں نے محسوس کی کہ یہ شخص بازار ساز قسم کا آدمی نہیں ہے ۔ نہ جامد اور بے عمل قسم کی فطرت پر اس کی شخصیت مبنی ہے ۔ بلکہ یہ ایک اصول و مقصد رکھنے
والے نایاب ۔۔۔ کی طرح ۔۔۔ رکھتا ہے ۔ ۔۔۔ کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اس نے اب تک سفر مقصد میں قربانیاں دی ہیں
۔۔۔ اس کے سامنے معاشی نقصانات اور سیاسی مخالفتوں کے سنگین تر مراحل ہیں لیکن یہ اپنی منزل سے منہ موڑنے والا نہیں ہے ۔

مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ اس کے سامنے جو پورا سکیم ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس کی مکمل صورت میرے ذہن میں منقش نہیں ہو سکی تھی وہ ایک ۔۔۔
۔۔۔ اخلاق ۔۔۔ کا سامان ۔۔۔ ہے ۔ یہ ۔۔۔ جا کر کام کے نتائج کی فصل جلد از جلد کاٹ لینے والوں میں سے نہیں ہے اور نہ ۔۔۔ کا مریض ہے
جو ہماری قوم کا موروثی روگ بن چکا ہے ۔

یہ رائے بھی میرے ذہن میں قائم ہو گئی کہ یہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے ، اپنے ارادوں میں مخلص ہے اور اس کی متاع فکر و عمل ۔۔۔ کی کامل ہیں ہے
سب سے زیادہ مجھے جس چیز نے متاثر کیا وہ میرے جیسے ایک دیہاتی نوجوان کو جس کا علمی یا دینی یا سیاسی کسی بھی لحاظ سے کوئی مقام نہ تھا ۔۔۔ کی
نگاہوں میں ایک اہمیت حاصل تھی ۔ میں نے کسی لمحے یہ محسوس نہیں کیا کہ ایک بڑا آدمی کسی اونچے مقام سے مجھے دیکھ رہا ہے ۔ اور بڑے آدمیوں کے بارے میں میرا جو کچھ تصور
۔۔۔ مودودی صاحب کے تو یہی قطعی طور پر بدل گیا ۔ وہاں بعد مراتب کے بجائے میں نے قرب اخوت محسوس کیا ۔ یہاں یہ حقیقت بھی ۔۔۔ واضح
تھی کہ مولانا پیران کہن سے ۔۔۔ ہیں ۔ اور ۔۔۔ کی دعا کے ساتھ قوم کی نئی نسل کی طرف روئے سخن رکھتے ہیں ۔

الغرض میرے لیے یہ ایک نیا کردار تھا جس کا عنوان تجویز کرنا مشکل تھا ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ ہمارے مستقبل کا کردار ہے ۔ اگلے وقتوں کے
لوگوں کے بالمقابل یہ آنے والے وقتوں کا کردار تھا ۔ یہ کردار مرعوب کن نہیں بلکہ جاذبیت دار تھا ۔ اس سے ڈر نہیں آتا تھا بلکہ اس کے لیے محبت و احترام
کے جذبات پیدا ہو گئے تھے ! ان سارے تاثرات کے ساتھ مودودی کی ذات اور اس کی فکر سے ایک گہرا رابطہ استوار کر کے میں نے "دارالاسلام" کو
الوداع کہی ۔

یہی ہے وہ ایک آدمی جس کی شخصیت کا مطالعہ کرنا پیش نظر ہے ۔ مطالعۂ شخصیت کا اصل مقصد اس جوہر سیرت کا سراغ لگانا ہے جس کا پرتو آدمی کی زندگی
کے بعید ترین گوشوں تک جا پڑتا ہے اور جس کے سرچشمے سے زندگی کی کیاری کا ایک ایک ذرۂ خاک سیراب ہوتا ہے ۔ کسی کے جوہر سیرت تک پہنچنے کے لیے جب ہم
ذہنی سفر کرتے ہیں تو سب سے پہلے سابقہ "مظاہر شخصیت" سے پیش آتا ہے ، اور آگے ۔۔۔ اخلاق و اطوار سے دوچار ہوتے ہیں ۔ اور سب سے آخر میں جا کر
نظریات و افکار اور اصول و مقاصد دیکھے جاتے ہیں ۔ مولانا مودودی کی شخصیت کے فکری پہلو کو تو میں نے ایک الگ مضمون میں پیش کر دیا ہے ۔ اخلاق و
اطوار پر یہاں براہ راست بحث کرنے کا ارادہ نہیں ، یہاں صرف مظاہر شخصیت کو پیش کرنا مطلوب ہے ۔ "مظاہر شخصیت" سے میری مراد آدمی کے ۔۔۔

[illegible] کی طرح کا چہرہ، نشست و برخاست اور عادات کے اندر پائے جاتے ہیں اور جن کے ذریعہ اس کے ذہن اور اس کی سیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی کس حال میں رہتا ہے، جس طرح بیٹھتا اور جس طرح قدم چلتا ہے، جو لباس وہ پہنتا اور جس طرح اپنے حلیہ میں رکھتا ہے ان سب پر اس کی شخصیت کی چھاپ پڑی ہوتی ہے۔ کوئی شخص خواہ وہ کسی سلیقے کی زیب و زینت سے [illegible] وہ خود [illegible] جو باتیں وہ [illegible] کرتا ہے اس کی شخصیت کی [illegible] ہوتی ہے۔ بہت سے مظاہر شخصیت ایسے ہیں اور ان کا مطالعہ کر کے کسی شخص کے اصل جوہر کی بابت [illegible] اس کا اصل مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ [illegible] کے اخلاق اور اوصاف کے متعلق [illegible] ہوتی ہے۔ مظاہر شخصیت کے مطالعہ کے [illegible] اس داستان کو پڑھتے کہیں [illegible] کیا ہے اور [illegible] کوئی قدر و قیمت [illegible] حاصل کرنے [illegible] اور وہ [illegible] کسی معقول آدمی کا مشغلہ نہیں ہو سکتا۔

آدمی کا سراپا اس کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے اور سراپا کو ایک نظر دیکھنے سے انسانی کردار کا ایک بڑا حصہ اس کے اندر چھپی ہوئی شخصیت کا منظر پا لیتا ہے۔ مولانا مودودی کا سراپا، بلکہ وجاہت دار چہرہ کسی بھی ماحول میں ہو —— گھر میں، مجلس میں، دفتر میں، راستے میں، جلسے میں، گاڑی کے کسی ڈبے میں بیٹھا ہو —— بالکل ممتاز اور نمایاں رہتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ جس شخصیت کا آئینہ دار ہے [illegible]۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے آغاز میں مولانا مودودی کی ایک قلمی تصویر پیش کر دی جائے۔ یہ تصویر میں نے [illegible] کھینچا جاتا تھا، مگر اس وقت [illegible]۔ وقت بچانے کے لئے میں اپنے صحافی دوست [illegible] کی مرتب تصویر مستعار لے لیتا ہوں:

• چھوٹے بالوں کے پٹے جو بیچ درمیان سے مانگ نکلی ہوئی، ہلکا ہلکا گندمی رنگ، چوڑا ماتھا، آنکھوں پر سفید یا ہلکے رنگ کے شیشوں کی عینک (ہیں —— مولانا سفید شیشے استعمال کرتے ہیں۔ ن۔ س)۔ درمیانہ جسم اور مسکراتی ہوئی آنکھیں، چہرہ بشاش، اور سفید سی ڈاڑھی پر جہاں تہاں سیاہی کی ترشح۔" (ابوالاعلیٰ مودودی)

مولانا مودودی ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کے قامت پر توجہ نہیں جاتی۔ یوں قد بہت چھوٹا نہیں ہے، دوہرے بدن کی وجہ سے ذرا کم معلوم ہوتا ہے لیکن موزونیت اس درجے کی ہے کہ مودودی صاحب کے سراپا میں کوئی بات کھٹکتی نہیں۔ وہ جب چلتے ہیں تو [illegible] چال [illegible] اور میل قسم کی نہیں ہوتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی خاص مشن پر جا رہا ہے۔ چال کے بارے میں [illegible] تفہیم القرآن کے حاشیے میں خود مودودی صاحب نے بڑے علم کی بات لکھی ہے، ملاحظہ ہو۔

• مگر غور طلب پہلو یہ ہے کہ آدمی کی چال میں آخر وہ کیا اہمیت ہے جس کی وجہ سے اللہ کے نیک بندوں کی خصوصیات گناتے ہوئے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا؟ اس سوال پر ذرا تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی چال محض اس کے انداز رفتار ہی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ درحقیقت وہ اس کے ذہن اور اس کی سیرت و کردار کی اولین ترجمان بھی ہوتی ہے۔ ایک عیار آدمی کی چال، ایک غنڈے بدمعاش کی چال، ایک

؎ کچھ لوگ ہمیشہ ایسے پائے گئے ہیں جو [illegible] آدمیوں کے مظاہر شخصیت کا [illegible] سکتے ہیں۔ [illegible] ہر آدمی کے اپنے مظاہر شخصیت ایک امتیازی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ کسی کی شخصیت کا [illegible] ہوں گر [illegible] نہیں ہو سکتے۔ [illegible] لباس کا سلیقہ

؎ آغا [illegible] صاحب [illegible] دیکھا [illegible] بالکل سیاہ تھی اور خوب چمکتی تھی۔ اس کے [illegible] کشادہ پیشانی [illegible] روشن چہرہ [illegible] عجیب بات ہے کہ [illegible] کی داڑھی کے بال [illegible] تیزرفتاری سے سفید ہوئے ہیں [illegible] اب تو کوئی [illegible] ہی سیاہ رہ گیا ہوگا۔

عام سیرت کی چال ایک عبرتناک چیز ہے۔ ایک بدتمیز متکبر کی چال، ایک غریب مسکین کی چال، اساس میں مختلف اقسام کے دوسرے آدمیوں کی چالیں ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہوتی ہیں کہ ہر ایک کو دیکھ کر بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس چال کے پیچھے کس طرح کی شخصیت جلوہ گر ہے۔ پس آیت کا منشا یہ ہے کہ رحمان کے بندوں کو تم عام آدمیوں کے درمیان چلتے پھرتے دیکھ کر ہی بغیر کسی سابقہ تعارف کے الگ پہچان لو گے کہ یہ کس طرز کے لوگ ہیں۔ اس بندگی نے ان کی ذہنیت اور ان کی سیرت کو جیسا کچھ بنا دیا ہے اس کا اثر ان کی چال تک میں نمایاں ہے۔ ایک آدمی انہیں دیکھ کر پہلی نظر میں جان سکتا ہے کہ یہ شریف اور حلیم اور ہمدرد لوگ ہیں، ان سے کسی شر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ (ترجمان القرآن۔ ج ۳۴۔ عدد ۵)

میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مولانا مودودی کی چال یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ شخص احساس ذمہ داری کے عالم میں کہیں جا رہا ہے۔ مگر گھبراہٹ کے انداز سے نہیں پروقار طریق سے۔ بلکہ چہرہ دیکھیں تو تاثر کچھ اور ہو، لیکن آتا ہے وقار ہر کوئی محسوس کرے گا۔ "یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا" کے معیار پر یہ چال پوری اترتی ہے۔

مودودی صاحب کے سراپا کا ایک جزو لباس ہے اور میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ وہ ملک اور قوم میں رہتے ہوئے کیسا لباس پہنتے ہیں۔ سردیوں میں کھلے پائنچے کے گیرے دھاری دار قمیض اور اونی سویٹر استعمال کرتے ہیں۔ سر پر گرم اونی ٹوپی پہن لیتے ہیں۔ پاؤں میں جرابوں کے علاوہ پرانے طرز کے موٹے جوتے پہنتے ہیں یا بند بانا گلیشوں کا بوٹ جوتا۔ گلے کا بہت سخت سردی ہو جائے پر سفید رنگ کی اونی قبا بھی اوڑھ لیتے ہیں جسے زیارت سے آتے ہوئے ساتھ لائے تھے۔ باہر جانا ہو تو تنگ مہری کا چوڑی دار پاجامہ، موسم کے مطابق گرم یا سرد شیروانی اور قراقلی کی بنی ہوئی اونچی باڑھ کی سیاہ رنگ ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ گرمیوں میں باہر جانے کا لباس کبھی کبھی شیروانی سمیت بالکل سفید ہوتا ہے اور غالباً اس لباس میں مودودی صاحب کی شخصیت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ وضو کیلئے لکڑی کی کھڑاویں موجود رہتی ہیں۔ لباس کے تنوع کا واسطہ محدود، ملکی شخصیت کی ترجمانی اور زیبائش کیلئے ہمیشہ موزوں رہتا ہے۔ مودودی کے لباس کے اصل اجزا ہیں ——— صفائی، سادگی اور حسن ذوق!!

آدمی جب تک ناطق ٹھہرا، نطق سے بڑھ کر اس کا کوئی ترجمان اور غماز نہیں ہو سکتا۔ نطق شخصیت کے بھاؤ کی درسگاہ ہے۔ آدمی جذبات کبھی احساس کی حقیقت مکمل کائنات باہر آ جانے جیسے رنگ بدلیں۔ "تا مرد سخن نگفتہ" والی بات پرانی نہیں ہوئی۔ موضوعات کی پسندیدگی، زبان کا معیار، الفاظ کا انتخاب، لہجہ کا اتار چڑھاؤ، بولنے کی رفتار، آواز کی پستی و بلندی، بات چیت میں جذبات کی آمیزش اور اس کا تناسب، وہ چیزیں ہیں جو پانچ منٹ میں ایک آدمی کی ساری مخفی حقیقتوں کا خود اسی کی زبان کے لاؤڈ سپیکر سے اعلان عام کر دیتی ہیں۔ کسی کا ذہنی و علمی معیار کیا ہے، کسی کا خون کتنا ہے، کسی کا ذوق کس نوعیت کا ہے، کسی میں سنجیدگی کس درجہ پائی جاتی ہے، کوئی کہاں تک بااصول ہے، یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب ایک شخص دو چار فقرے بول کر سامنے رکھ دیتا ہے۔ مگر بسا اوقات خود نہیں جانتا کہ اس نے اپنی کیسی کیسی حقیقتوں کو دوسروں کے سامنے رکھ دیا ہے۔

مولانا مودودی کی گفتگوؤں سے میں گزشتہ چودہ پندرہ برس کے زمانے سے بہرہ اندوز ہوتا رہا ہوں۔ مولانا کے انداز گفتگو پر چند باتیں جو مستقل تاثرات کی حیثیت میں میرے ذہن میں موجود ہیں، اس موقع پر بیان کرتا ہوں۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ تحریر یا تقریر کے آدمی کو ہم جتنا بلند پاتے ہیں، وہی آدمی مجلسی زندگی میں گفتگو کرتے ہوئے انتہائی پست ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس کی تحریر و تقریر میں اصول پسندی اور مقصدیت ہوتی ہے، لیکن باہمی گفتگوؤں میں اس کا بے اصولاپن اور اس کی لامقصدیت صاف صاف نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح تحریر و تقریر میں جو سنجیدگی اور معقولیت کسی کی شخصیت میں محسوس ہو رہی تھی وہ بے تکلفانہ گفتگو کے ماحول میں ملمع کی وہ ساری چمک دمک غائب ہو کر رہ گئی۔ تحریر و تقریر میں علمیت و ثقاہت کے کچھ آثار جھلک رہے تھے لیکن گفتگو کے دائرے میں سامنے ہوتے ہی یہ کھل جاتا ہے کہ وہ سب کچھ تصنع کی کرشمہ سازیاں تھیں۔ اسی طرح تحریر و تقریر میں زبان کے ٹھاٹھ موجود تھے لیکن بات چیت میں سب غائب! الغرض تحریر و تقریر کا آدمی ہمارے ہاں بالعموم اس آدمی سے بالکل الگ ہوتا ہے، جس سے ہم مصافحہ کرتے ہیں، جس کے ساتھ بیٹھتے اور جس سے بات چیت کرتے ہیں۔ لیکن مولانا مودودی اس معاملے میں اپنی مثال آپ ہیں کہ وہ نہ صرف تحریر و تقریر کے دوگونہ میدانوں میں ایک ہی سی حالت پر رہتے ہیں بلکہ وہ اظہار کے ان وسیع میدانوں سے اتر کر جب کبھی عام بات چیت کے نسبتاً محدود دائروں کی طرف پلٹتے ہیں تو بھی اپنی یکسانی کو برقرار

ملاقاتیں ... [illegible] ... ہوتی رہیں ... [illegible] ... مولانا کو ... [illegible] ... کی ... [illegible]
[illegible] ... اسلام کا ... [illegible] ... کی ... [illegible] ... کی تحریر و تقریر میں پایا جاتا ہے۔

تیسرا پہلو ان کی ایک خصوصیت ہے ... [illegible] ... جاذبیت پائی جاتی ہے اور جاذبیت کا انحصار ... [illegible] ... گفتگو میں ... [illegible] ہوتا ہے۔ جاذبیت کے لئے بہت ساری چیزیں بنیادی ثابت ہوتی ہیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کی شخصیت کا ... [illegible] ... جب متوجہ ہو جاتی ہے تو اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر ساتھ ساتھ ... [illegible] ... کی گفتگو اس کے ... [illegible] ... سے متاثر ہوتی ہے۔ اس عالم میں آدمی کی ... [illegible] بہت زیادہ ... [illegible] ... اپنے آپ کو نمایاں کرنا ... [illegible] ... پہلے آپ ... [illegible] ... اپنے آپ کی حیثیت ہے۔ پہلے آپ کو کچھ تسلیم کرایا جاتا ہے۔ لیکن ... [illegible] ... کی گفتگو سے ... [illegible] ... ہوتا ہے ... [illegible] ... سے بچت ... [illegible] ... جاتے ہیں۔ مولانا مودودی ... [illegible] ... ہے۔ اس ... [illegible] ... اپنے آپ کو منوانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ ... [illegible] ... پندرہ برس ... [illegible] ... مولانا مودودی کی گفتگوؤں ... [illegible] ... کسی گفتگو کے ... [illegible] ... یا دوسرے ساتھیوں کے ذہن ... [illegible] ... اور ... [illegible] ... مودودی ... [illegible] ... کوئی فرق ... [illegible] بھی نہیں آیا۔ ... [illegible] ... پہلے سے کچھ زیادہ ہی خطرناک۔ مودودی صاحب ... [illegible] ... ایک شخص کی مسلسل سننی پڑے اور خود ان کو اپنی ... [illegible] ... کا موقع نہ ملے۔ یہاں ہر شخص کو بات کرنے کا کھلا موقع ملتا ہے۔ جس میں نہ مودودی صاحب کی شخصیت رکاوٹ بنتی ہے۔ نہ جدید یا قدیم قسم کے مراسم و آداب!

ہمارے معاشرے کی ایک عام روایت بن چکی ہے کہ لوگ اختلافی گفتگوؤں میں ضرور ہی تلخ جھگڑنے پر اتر آتے ہیں۔ ... [illegible] ... صفت صرف ... [illegible] ... کے لوگوں میں نہیں اونچے درجے کے مصنفین، لیڈروں، مدیران، علماء، اخبار نویسوں اور ... [illegible] ... میں پائی جاتی ہے اور ... [illegible] ... اس میں یہ ... [illegible] اتنی ہی وافر پائی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں گفتگو کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اپنی بات دوسرے سے منوا کے چھوڑنے ... اس کے لئے دو ذریعے ... [illegible] ... اختیار کئے جاتے ہیں۔ ایک جو اکثر کم استعمال میں آتا ہے وہ لجاجت کا ... [illegible] ... ہے۔ یعنی ... [illegible] ... خوشامد کر کے اور اپنے ... [illegible] ... کے حق میں ... [illegible] ... کر کے مخاطب سے کوئی بات منوانا۔ دوسرا ذریعہ ... [illegible] ... کا استعمال ہے۔ قوت غضبیہ کو کام میں لانے کا ذریعہ ہے۔ یعنی آپ نے بات کہی، نہیں مانی گئی تو پھر ذرا زور دے کر اسے دہرایا، پھر نہیں مانی گئی تو آواز اونچی ہو گئی۔ پھر نتھنے پھولنے لگے۔ ہونٹوں پر جھاگ آنا شروع ہو۔ گردن کی رگوں کا ابھار بڑھ گیا ——— آخری حد نہ جانے کیا ہو!

مولانا مودودی اختلافی امور پر گفتگو کرتے ہوئے ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر ایک تیسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ... [illegible] ... افہام و تفہیم کا ... [illegible] ... ہے۔ یعنی مقصد کلام دوسرے کی بات کو سمجھ لینا اور اپنی بات سمجھا دینا ہوتا ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ مخاطب ... [illegible] ... نہیں ہوا۔ اسی پر قائم رہا۔ یا مولانا کے مقابلے میں کسی دوسرے عالم یا لیڈر کی رائے کو ترجیح دیتا رہا تو ایسے موقعوں پر مودودی صاحب ہمیشہ ٹھنڈے انداز سے یہ کہا کرتے ہیں کہ آپ چاہیں تو وہ رائے رکھ سکتے ہیں! ——— اس فقرے نے بارہا مناظرہ پسند لوگوں کی اسکیموں کو درہم برہم کر دیا ہے۔ مولانا مودودی کو مناظرانہ انداز کی گفتگو سے شدید درجہ کی نفرت ہے۔ وہ ایسی گفتگو کو اول تو اپنے خاص حکیمانہ اسلوب سے افہام و تفہیم کے ... [illegible] ... پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی طرح کامیابی نہ ہو تو پھر قَالُوا سَلَامًا کی قرآنی ہدایت کے مطابق ... [illegible] ... فرار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

معقول استدلال کو جب کوئی شخص محض ... [illegible] ... اور نامعقولیت یا ... [illegible] ... ضد کی وجہ سے رد کر رہا ہو، اور اندازہ ہو جائے کہ بار بار ایک ہی ... [illegible] ... دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تو ایسی صورت میں مودودی صاحب بالعموم صاف صاف اعترافِ شکست کر لیتے ... [illegible] ... کہا کرتے ہیں کہ "میرے پاس جو دلائل تھے وہ میں نے پیش کر دیئے۔ اگر آپ ان سے مطمئن نہیں ہیں تو اپنی رائے پر قائم رہیے۔ اور کوئی دلیل میرے پاس نہیں ہے" ——— کم لوگ اس طرح اعترافِ شکست کر

سکتے ہیں۔

ہر طبقہ اور عالم اور ہر ایک کی گفتگو سے سابقہ پیش آتا ہو۔ غلطیوں سے مولانا مودودی کے خیالات اور جذبات میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے ایسا بھی ہے خود آگاہی نہیں ہوتی۔ دوسروں کو اپنے عادات و افکار پر کڑا کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح کے جو لوگ ہوتے ہیں کہ لوگ طرح طرح کے مسائل، قسم قسم کی کہانیاں، رنگ رنگ کی باتیں لے کر مولانا مودودی کو بھی شرف ملاقات سے سرفراز فرماتے رہتے ہیں۔ کسی نفسانی کاوش سے اُلٹا آپ بحث کرنے لگیں، ان کے خیالات کو ختم کرنے کی کوشش کے درپے ہو جائیں یا ان کو کہہ دیں کہ ہم تو لاعلم ہیں گا۔ کسی نفسانی کاوش میں لگ جائیں تو بحران کی صبح اور زیادہ دھندلی ہوتی ہے۔ مہمان سے گھنٹوں اور بعض اوقات گفتگو کرتے رہیے، بلکہ برسوں ساتھ رہئے، تو پھر بھی یہ حالت پیدا نہیں ہو سکتی۔ مودودی صاحب ایسے آدمی کو دو چار باتوں میں بھی پہچان جاتے ہیں اور بڑے بھاری ایثار سے کام لیتے ہیں۔ بعض اوقات موقع دیتے ہیں کہ وہ بولتا چلا جائے اور خود چپ چاپ بیٹھے سنتے رہتے ہیں۔ کوئی اختلاف نہیں کرتے، کسی چیز کی تردید نہیں کرتے، کسی بات پر ٹوکتے نہیں۔ جلد سے جلد بات ختم کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں۔ بجائے خفگی کا تاثر ظاہر کریں، یہ مقابل سے کسی رد و کد کے بغیر گھنٹہ دو گھنٹہ مسلسل بولنے کے بعد آخر ہمت ہار دیتا ہے۔ چنانچہ ان تجربات سے مولانا مودودی کو ہم نے خود گزرتے دیکھا ہے، اور تبھی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ جو شخص اس شہادت کا اہل ہے وہ یوں گزر سکتا ہے، اسے جیل اور پھانسی تک لغزش نہیں دلا سکتے۔

ہم جو اتنی مدت سے مولانا مودودی کے ساتھ ہیں، دو باتوں کی شہادت ہم بڑے وثوق سے دے سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مودودی صاحب کو ہم نے ایک لمحے کے لئے بھی مغلوب الغضب نہیں دیکھا اور نہ آپ کو کبھی غضب آلود الفاظ میں بات کرتے سنا ہے۔ حد یہ کہ جن لوگوں کا اقتدار اور الزامات اور گالیوں زیادہ تر مولانا کو محرومیاں ان کے ردعمل کے طور پر بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مولانا کی زبان کا معیار پاکیزگی و سنجیدگی اپنی مقررہ حد سے نیچے گرا ہو۔ بہت سے گھٹیا الفاظ ہیں جن کو ادیب اور صحافی گفتگو میں ہی نہیں، اخباری کالموں میں بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مولانا مودودی کے حیطۂ تکلم میں ان کا خفیف سی کوئی جگہ نہیں۔ گفت اسالیب ہیں جو ادنیٰ قسم کی جذباتیت نے اپنے اظہار کے لئے وضع کر لئے ہیں اور جنہیں معزز اور شرفا ان بلا تامل استعمال میں لاتے ہیں، لیکن مولانا مودودی کے حیطۂ تعلق میں ان کی سمائی قطعاً نہیں! مولانا کے حسن ذوق کا شعور رکھنے والے کسی آدمی کے سامنے آپ کوئی فقرہ بول کے دریافت کریں تو وہ آپ کو بتا سکے گا کہ مولانا یہ فقرہ بول سکتے ہیں یا نہیں!

ایک شخص جس کی مادری زبان دلی کے شریف گھرانوں کی خاص بولی ہو، پھر اس بولی کو حیدرآباد کی علمی فضا نے سیراب کیا ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اسلام کے آداب اخلاق نے ایک خاص مزاج دیا ہو، اس سے آپ کو کس انداز گفتگو کی توقع کرنی چاہئیے؟ ———— حلقۂ یاراں ہو یا مجلس بیگانگاں، ہیجان زندگی کے کیسے ہی تند و تیز موڑ ہوں۔ یا گھر کی چار دیواری کے اندر کا حلقہ، بیوی بچوں سے ربط ہو یا نوکروں اور ملازموں سے، مولانا مودودی کی گفتگو نفاست، سنجیدگی اور پاکیزگی کے معین معیار سے کبھی بھولے سے بھی نیچے نہیں گرتی!

مولانا کے انداز گفتگو کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ بڑے جماؤ کے ساتھ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہیں۔ بقول ملک غلام علی صاحب (مولانا کے خاص معاون کار) اگر کوئی شخص چاہے تو پوری گفتگو معمولی رفتار سے بھی لفظ بہ لفظ قلمبند کر سکتا ہے۔ یہ انداز گفتگو وہی شخص رکھ سکتا ہے جو خفت، تندی، جلد بازی اور ذہنی اضطرابات سے مغلوب نہ ہو۔ مولانا مودودی جیسی شخصیت کا ایک مستقل ابتلاء یہ ہوتا ہے کہ طرح طرح کے لوگ آ آکر ذریعۂ امتحان بنتے ہیں۔ خبطی، ذہنی عارضہ کے مریض، خود پسند، تیز زبان، مناظرہ باز، جھگڑالو، متعصب، غرضیکہ قسم قسم کی مخلوق ایسے لوگوں کو تختۂ مشق بناتی ہے۔ ایسے لوگ بات کر کے مخاطب کا ذہنی سکون درہم برہم کر دیتے ہیں اور ان کے مقابلے میں انضباط کو قائم رکھنا معمولی آدمیوں کے بس کی بات نہیں ہوتا۔ لیکن مولانا مودودی ایسے لوگوں کی گفتگوؤں کے ریلوں کے درمیان سنجیدگی و وقار کی چٹان بنے اپنے مزاج کو قائم رکھتے ہیں۔ غالباً اس سلسلے کے چند کڑے امتحانات میں سے ایک وہ تھا جب ایک قادیانی پارٹی مولانا پر تبلیغ کرنے دارالاسلام پہنچی تھی۔ اس امتحان صبر و وقار کے موقع پر میں بھی شریک مجلس تھا۔ مگر چونکہ یہ واقعہ پہلے سے ملک غلام علی صاحب بیان کر چکے ہیں اس لئے انہیں سے الفاظ مستعار لیتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ [illegible] مولانا [illegible]

[illegible] بیمار ہو گئے [illegible]

[illegible]

[illegible] مولانا [illegible]

[illegible] بنا جاتی ہیں۔ [illegible]

[illegible] (مولانا مودودی ——— ایک اور [illegible])

مولانا [illegible] ہنسی مذاق [illegible]

[illegible] ——— ہاں یاد آیا ———

جیل کے زمانے میں تنہائی اور رفقائے جیل کی [illegible] کی وجہ سے مولانا [illegible] کرتے تھے۔ بعض لوگ مولانا کے طرز عمل کے اس ظاہری پہلو کو سرد مہری سمجھتے ہیں [illegible] خصوصیت سے پاکستان کے [illegible] محسوس کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ مولانا کے مزاج کا ایک جزو ہے جو علمی کاموں میں انہماک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس مزاج کی سیرت کے [illegible] کا یہ حال ہے کہ وہ رفقاء اور ملاقاتیوں سے ملے بغیر [illegible] مجلس میں کچھ وقت بیٹھے بغیر رہ ہی نہیں سکتے ——— چاہے کیسی ہی کثرت [illegible] کام اور [illegible] سے خوب باتیں کرتے ہیں مگر [illegible] زبان چلانے اور گپ ہانکنے کی صلاحیت ان میں نہیں ہے [illegible] ایسا آدمی [illegible] نہیں ہو سکتا ———

طبائع اپنے جوہر سیرت کے لحاظ سے اپنا ایک مستقل رنگ رکھتی ہیں۔ کسی میں حزن و یاس، کسی میں اضطراب، کسی میں غضب و تنفر، کسی میں شگفتگی و ظرافت اور کسی میں سنجیدگی کا بنیادی رنگ نمایاں دیکھتے ہیں۔ مولانا مودودی کا رنگ طبیعت وقار کے ساتھ شگفتگی کے امتزاج سے بنتا ہے۔ سنجیدہ شخصیتیں جو علمی تحقیقی اور فکری کاموں میں منہمک رہتی ہیں بالعموم شگفتگی کا جوہر کھو بیٹھتی ہیں اور نری سنجیدگی آخرکار خشونت بن کر رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف شگفتگی کا جوہر جن اشخاص میں اپنی حدود پھاند جاتا ہے وہ وقار کا رنگ کھو بیٹھتے ہیں۔ مودودی کی شخصیت دونوں جوہر صحیح تناسب کے ساتھ اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اس لئے حسن اعتدال ضائع نہیں ہوتا۔

مولانا مودودی پر مشقت اور مار کوٹ اور کڑی گھڑیوں سے سابقہ پڑتا [illegible] تفریح اور بے تکلفی کے خاص الخاص لمحات میں بھی دامن وقار ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ اسی طرح جب میں پچھلی تاریخ کو دیکھتا ہوں تو بے شمار واقعات ایسے سامنے آتے ہیں جو ایک پیکر خاکی کے لئے پوری طرح غارت کر سکتے تھے اور ان کا اثر لازماً مودودی کے دل و دماغ پر رہا ہوگا ——— بلکہ کبھی کبھی تو ہم قریبی ساتھیوں کو ان پر رحم بھی آتا ——— لیکن [illegible] میں وقتی اجتماعی معاملوں میں مجالس گفتگو میں اور سیر کے اوقات میں جب بھی سامنا ہوا تو ہمیشہ ایک ایسا چہرہ سامنے آیا جس پر گویا ایک غیر مرئی تبسم کی [illegible] چھڑکی ہوئی ہو۔ مضمون نگارانہ اور مصنفانہ کاوش کے لمحات ہوں، [illegible] تحریکی مسائل کی پیچیدگیوں کا معاملہ ہو، مخالفین کی شرارتوں اور اپنوں کی نادانیوں سے

بڑھتے ہو، کسی کی محفل میں اس پہیلی کا مطلب نہیں سمجھا۔ یہ شگفتہ لطیفے نہیں بلکہ مزاج کا رنگ پیدا کرتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس طرح کے چند شاہی بیان کرسکیں، جن سے مولانا کے مزاج میں اسلوبِ مزاح کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک دفعہ ایک مزاحیہ کہ مولانا اپنے اخبار میں کئی برس سے مولانا مودودی پر تنقید اور طنز کی عنایات فرماتے رہتے ہیں۔ ایک صاحب نے کسی مجلس میں مودودی صاحب سے کہا کہ ایک مرتبہ آپ اس کے بارے میں کچھ لکھتے تو مناسب ہوتا: "میں ان سے بالکل واقف ہوں۔ مودودی صاحب ویسے اخبار میں لکھ گئے "میں نے ان کی شخصیت کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ اس میں جرم ایسی نہیں ہے جس میں زیر مذمت زیر مذمت ہے۔"

مرکز کی گاڑی کی چھت پر سامان رکھنے کیلئے ایک مربع شکل کا جنگلہ لگایا گیا ہے۔ یاد نہیں کب کی بات ہے، ہم مولانا کے ساتھ گاڑی کے انتظار میں لاہور کی کسی سڑک پر کھڑے تھے، دور سے اسی رنگ اور ماڈل کی کوئی گاڑی آتی دکھائی دی۔ کسی نے کہا کہ "یہ گاڑی آگئی"۔ مولانا نے ایک نگاہ ڈالی اور کہا "نہیں ——— اس کے سر پر وہ ملاؤں کا سا تاج نہیں ہے۔"

قیامِ پاکستان کے ابتدائی دور میں پشاور جانے کے لئے مولانا مودودی گاڑی کے انتظار میں ہم کر ساتھ پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے۔ اور جماعتی اور سیاسی امور پر بڑی اہم گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحب میری توجہ کی زد میں آگئے جو ہمارے پیچھے پیچھے چلتے اور ہم جب ہم ایک سرے پر پہنچ کر مڑتے تو وہ پھر پیچھے ہو لیتے۔ گفتگو میں احتیاط کی ضرورت واضح تھی۔ مگر مولانا ساتھ لگے ہوئے صاحب سے بے خبر تھے۔ میں نے توجہ دلانے کی مختلف تدبیریں سوچیں، مگر بالآخر فاؤرگٹ "میعقدہ" ہی اختیار کرنا پڑا۔ انگریزی میں کہا: "There is a fifth person behind us." (واضح رہے کہ ہمارا گروپ چار افراد پر مشتمل تھا۔) مولانا نے برجستہ کہا: "نہیں۔ کہنا چاہیے۔ a fifth-columnist"۔

ماہرالقادری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں ایسا ہی ایک مزاح آمیز نکتہ لطیفہ درج کیا ہے، جس زمانے میں علمائے کرام دستوری مہم پر مشورت کرتے تھے، ایک صاحب نے پوچھا: "مولانا علما کی مجلسِ مشاورت کا کیا رنگ ہے؟" فرمایا: "صبغۃ اللہ!"[1]

(ماخوذ از "مودودی ——— اپنی اور دوسروں کی نظر میں")

۱۹۵۳ء میں پہلی گرفتاری سے کچھ ہی دن پہلے مولانا نے لائل پور اور جھنگ کا سفر کیا تھا۔ بہت سے لوگ ساتھ تھے۔ میں بھی تھا۔ ایک مقام پر کار کسی دیوار سے مصروف کی گئی۔ چودھری محمد اکبر صاحب قلعات کے بعد سر پر نتیجہ کہہ کر لوٹے تو مولانا نے پوچھا: "کیا پانی کہیں سے مل گیا ہے؟" چودھری صاحب نے کہا: "نہیں دوسری طرح کام چلانا پڑا۔" مولانا نے فرمایا: "اچھا تو یوں کہیے کہ ڈرائی کلیننگ کی ہے۔" (ماخوذ از "مودودی ——— اپنی اور دوسروں کی نظر میں")

مرکز کی کوٹھی منصورہ روڈ سے جہاں ملتی ہے، پہلے وہاں نشیب تھا۔ بعد میں مٹی ڈلوا کر راستہ اونچا کیا گیا جس کی چوڑائی بہت کم تھی۔ ایک دفعہ کہیں سے گاڑی پر آ رہے تھے۔ ڈرائیور نے جب گاڑی کو گھمایا، مولانا نے کہا: "دیکھنا بھئی! احتیاط سے، کہیں فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃ ہی نہ ہو جائے"[2] (حوالہ: ایضاً)

ایک لطیفہ ——— جو ہے تو پرائیویٹ قسم کا، لیکن شاہکار درجے کا ہے۔ اسے راز نہیں رکھا جا سکتا۔ ایک موقعہ پر مولانا کی طرف سے چائے دی گئی، بسکٹ اور پیسٹری ساتھ تھی۔ مولانا نے باقر خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "افسوس ہے کہ ہم باقر خانی کا انتظام نہ کر سکے!" ——— حسبِ قہقہہ ہوا۔ (حوالہ: ایضاً)۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس لطیفے کی موجد اصل بیگم ملک نذیر مرحومہ تھیں۔ ایک بار انہوں نے باقر خاں صاحب سے پوچھا تھا کہ "آپ کی باقر خانی کا کیا حال ہے؟"

زمانۂ جیل کے لطائف میں سے ایک اور شاہکار عرض ہے جو حسنِ تمثیل و تشبیہ کا بھی ایک نادر نمونہ ہے۔ مولانا اختر علی خاں اپنی بدزبانی کے لئے بدنام

---

[1] مسلم مسائل کے حل کے بارے میں آیتِ قرآنی ہے: صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (ترجمہ: "یہ اللہ کا رنگ ہے ——— اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے؟")

[2] آیت ہے: وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ۔

یہ چیز بہت شگفتہ تھے اور کبھی کبھی پردہ سے … تو نہایت دلچسپ انداز میں گفتگو سے پھر بڑی تسکین حاصل کرتے۔ جب … کتاب نیچے مودودی کی شخصیت کا تسلسل … بعض … احباب کی … میں … حقیقت کو مودودی صاحب نے ایک … میں … بات یہ ہے کہ … ایک … کے پیچھے … ہیں … ۔ … ٹیکنیک … جو

لطافت تمثیل و تشبیہ کے سلسلے میں دو تین چیزیں اور قابل ذکر ہیں

اصطلاحات مغرب … کی حقیقت … میں ایک تحریک … بیان … حکومت کی … کے مقابل واضح کرنے کیلئے اس مقصد کو یوں بیان کیا کہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص … سے … کر … جگہ میں … تو … نتیجے میں … آجاتی ہے۔

مولانا کو پتھری کی تکلیف ہے۔ کسی نے آپریشن کرانے کا مشورہ دیا تو کہنے لگے: "ایک بار آپریشن کرا چکا ہوں، گویا اب دوسرے گردے میں پتھر بنانے کی مستقل فیکٹری کام کر رہی ہے۔"

اصطلاحات … کے سلسلے میں مولانا … ایک … تھا کہ اسلامی حکومت میں … آدمی بھی … ایک … کی سطح سے بلند سطح پر … —— چار لفظوں میں شہری حقوق کی پامالی، جمہوری اصولوں سے بے نیازی، دھونس اور قوت کے بیجا استعمال اور سیاسی … اور … کا … بالاتر … اقدامات کرتے چلے جانے کی پوری تاریخ بیان ہو گئی جو پاکستان بننے کے بعد سے … ہماری … ہے … لطیف تمثیل استعمال کو دیکھئے!

"جماعت کی تاریخ اور … میں ایک مقام پر یہ واضح کرتے ہوئے کہ ہماری اصل کشمکش اشتراکیت، مغربی الحاد … کے خلاف ہے، جماعت کے خلاف مہم چلانے والے … حضرات کے بارے میں لکھا ہے کہ … ہوتے ہیں … کر دئیے گئے ہیں۔"

ایک خاص … کے اندر مولانا مودودی دستوری مہم کے سلسلے میں کام کرنے کا نقشہ مجلس شوریٰ کے مشورے سے تیار کر رہے تھے۔ رفقاء نے خطرات کی طرف اشارہ کیا۔ مسکرا کر فرمایا: "سانپوں سے کھیلنے جا رہا ہوں! —— … کامیابی … ڈسے جانے کا خطرہ واضح ہے۔"

ماہر القادری صاحب کا بیان کردہ ایک لطیفہ اور ہے۔ … مولانا نے اپنے صاحبزادے (غالباً فاروق)[1] کو کراچی میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے چھوڑ دیا تھا۔ ایک دن ہم … جا رہے تھے۔ مولانا کے صاحبزادے … کا بار بار ذکر کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ … کو اس … سے بہت دلچسپی ہے۔ مسکرا کر بولے: "باپ مودودی، بیٹا لوہار!" … —— "اپنی اور دوسروں کی …"

سود حصہ دوم میں اشتراکیت پر ناقدانہ بحث کرتے ہوئے … کمیونزم کے بارے میں … ایک نوٹ لکھا ہے۔ اس نوٹ میں ذکر ہے کہ جب کوئی کارکن اپنے گھر پر نہیں پہنچتا تو اس کی بیوی خود ہی سمجھ جاتی ہے کہ پکڑا گیا … ایک … ایسا … ہے کہ اس کا بھیجا ہوا … واپس آ گیا ہے۔ بس یہی اس امر کی اطلاع ہے کہ اس کا خاوند … کر دیا گیا … اس کا … ہے کہ ابھی … کی طرح اس معاملے کی بھاپ تک منہ سے نہ نکالے … —— … کر دیا گیا ہوا اور … کی لطافت اس موقع پر ہر صاحب ذوق کو محسوس ہو گی۔

ہاں، وہ بھی تو ایک دلچسپ چیز تھی۔ دارالاسلام کے دور میں ایک مرتبہ ترجمان القرآن کا فرنیچر لاہور سے … ریل … گیا تھا۔ … اسٹیشن سے … فرلانگ دور لے جانا تھا۔ بالمعاوضہ حمال کا کوئی قابل عمل انتظام تھا نہیں۔ اس لئے ہم سب مدیر ترجمان القرآن سمیت اس مہم کو نکلے۔ کرسیاں میزیں

---

[1] مولانا کے صاحبزادوں کے ناموں میں "فاروق" تو بطور ردیف آتا ہے: … احمد فاروق، عمر فاروق … وغیرہ

[2] پہلے یہ باتیں سرمایہ داروں کا افسانہ پروپیگنڈہ قرار دے کر مسترد کر دی جاتی تھیں۔ لیکن اب خود خروشچیف اور بلگانن (؟) کے بیانات نے ان کی صداقت ثابت کر دی ہے۔

اور دوسری چھوٹی چیزیں تو ایک ایک مصرعہ ایسی ہیں کہ ضرب المثل بن سکتی تھیں، اور جملے بھی ایسے ہوتے تھے جو اچانک ذہن میں آ جاتے تھے۔ سامنے کی بات کے بعد ہی
ہونے سے پہلے ہی میں اندرونی طور سے وہ شامل تھے۔ وہ بھی صرف ضمناً کبھی معروف سیدھا ایک۔ اس موقع پر غالب کا "عاشق کا جنازہ ہے ذرا
دھوم سے نکلے"

یہ شمار یادہ وہ جانے والے اور پھر جانے والے معارف و نکات ہیں جن سے چند چیزیں یہاں پیش خدمت کی جا سکیں۔ یہ صرف ایک بات ملحوظ ہے کہ مودودی کی شخصیت کے عناصر ترکیبی میں شگفتگی کا کیا مقام ہے۔ اور اس کی اصل تصویر ان اڑائی تصویروں کے مقابلے میں کیسی ہے جو کہ دوسری طرف چند کم فہم معترضوں نے مرتب کی ہے۔ ان کی اڑائی تصویروں کے ذریعے جن لوگوں نے مودودی کو دیکھا ہے ان کی نظر میں ایک ایسا کھردرا اور ایک ایسا خشک شخص بسا ہوا ہے کہ بسا اوقات وہ اسی وجہ سے ڈراؤنے بھوت کی طرح راتوں کو چونک چونک اٹھتے ہیں۔

ایک صاحب دعوت کی کم سے کم اس دور میں یہ بہت بڑی کمزوری ہوگی کہ وہ قلم سے جادو نہ کر سکتا ہو اور کاغذ کے میدان میں قلم کا تازہ دکھا سکے۔ وہ زمانہ جو محض زبانی کے چٹخاروں پر چل جاتی تھی اور کوہ و درکنیں کا گزر چکا۔ ایسے بہت سے اہل زبان آج دنیا میں زبان دانی کے لئے معروف ہیں۔ یہ لوگ کاغذ کے میدان میں ہر گئے۔ کیونکہ ہر قوم جس طرح فکر کی غذا کے لئے ترس رہی تھی وہ فراہم نہ کی۔ تقریر کی لیڈری آسان ہے، تحریر کی لیڈری مشکل ہے۔ مولانا مودودی جس وقت کوئے کے میدان میں اترے اس وقت زبان و قلم دونوں کو استعمال کئے بغیر اپنا راستہ نہیں نکال سکتی۔ خدا کی عطا ہے کہ مودودی کو اس نے قلم کی دولت سے بہرہ مند کیا۔
قلم سے آدمی جو کچھ لکھتا ہے، اس کے معانی و مطالب سے قطع نظر، محض لکھنے کا ظاہری اسٹائل اور اس کا رسم الخط بدل کر یہ دیکھیں کہ لکھنے والا کیا ہے کیا نہیں ہے۔ آدمی کی ہر تحریر میں، خواہ وہ ایک سطر بھر کی کیوں نہ ہو اس کا اپنا ہاتھ اور اس کا اپنا قلم اس کی شخصیت کے احوال پنہاں کا نقش کر جاتا ہے۔ ہماری تحریریں گویا ہماری خود نوشت سوانح عمریاں ہیں ـــــ معنویت کے اعتبار سے بھی اور ظاہری آرائش کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ نفسیاتی مطالعہ و تجزیہ کا فن اب یہاں تک ترقی کر چکا ہے کہ ماہرین ایک آدمی کے اپنے لکھے ہوئے نام، پتے یا دو چار سطروں کے مشاہدہ سے اس کے احوال اخلاقی کے تمام خصوصی پہلو سامنے لا سکتے ہیں اور ان کے اندازے بالعموم اسی پچاسی فیصد صحیح نکلتے ہیں۔

اسی نقطہ نظر سے مولانا مودودی کی تحریر کا ایک ہلکا سا جائزہ لینا مد نظر ہے۔ یعنی ہم ان کی تحریر کی ادبیت اور اس کی فصاحت و بلاغت پر نہیں، بلکہ اس کے ظاہر پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

مولانا مودودی کے لکھنے کا ہمیشہ ایک خاص ماحول ہوتا ہے۔ ان کا لکھنے کا کمرہ ـــــ جو دفتر بھی کہلاتا ہے ـــــ وہ دوہری دیواروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اینٹ گارے کی دیواروں کی اندرونی جانب ایک چار دیواری الماریوں کی ہوتی ہے جن میں دینی اور مغربی علوم کی کتابیں مولانا مودودی کی جائے نشست کے چاروں طرف صف بستہ حاضر رہتی ہیں۔ ایک طرف اگر مبسوط کی جلدوں کی قطار ہے تو دوسری انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی بٹالین کھڑی ہے۔ اس طرف بخاری اور اس کی شروح ہیں تو اس طرف دستوریات اور قانونیات پر اچھی اچھی انگریزی کتابیں ہیں۔ ادھر اگر اسلامی تاریخ پر بیش بہا قدیم عربی لٹریچر ہے تو ادھر یورپ کی مذہبی اور فکری تاریخ سے متعلق انگریزی زبان میں جدید لٹریچر آراستہ ہے۔ اس الماری میں قرآن کی بھاری بھرکم تفاسیر ہیں تو اس الماری میں بائبل سے متعلق سیریل وار جلدیں موجود ہیں۔ کہیں فقہ اسلامی کی مستند کتابیں بھی ہیں تو کسی دوسری جگہ انگریزی دور کے کامن لاء پر چیدہ چیدہ تصانیف موجود ہیں ـــــ وہاں ابن خلدون جلوہ فرما ہیں تو یہاں افلاطون۔ وہ ابن تیمیہ ہیں تو یہ کارل مارکس۔

لکڑی کے فریم میں مرتب کی ہوئی کتابوں کی اینٹوں سے جو چار دیواری بنتی ہے اس کے درمیان ایک جہازی میز پھیلی ہوئی ہے۔ اس جہازی میز پر بائیں جانب کاغذات رکھنے کا چھوٹا سا خانہ دار ریک پڑا ہے۔ ریک کے ساتھ چند کتابیں قطار میں کھڑی ہیں۔ دائیں جانب نئی آئی ہوئی کتابیں، مسودے، خطوط وغیرہ رکھے ہیں۔ سامنے ایک لمبا چوڑا گتہ بچھا ہے اور اس پر لکڑی کا زیر مشق نشست کے بالکل سامنے وسط میں رکھا ہے۔ اس تختہ نوشت کے

[illegible] نے ان کے تحت [illegible] بیٹھے ہوئے [illegible] ہیں۔ اس سے [illegible] ایک [illegible] ایک مکتب [illegible] ایک کشتی — مکمل سیٹ — ترتیب سے رکھا ہوا ہے۔ دو تین شیشے کے پیپر ویٹ [illegible] ہیں۔ ان چیزوں کو [illegible] ترتیب [illegible] اور ان میں سے ہر چیز ایک جگہ پر [illegible] رہے گی۔ [illegible] جانے کے بعد مولانا کا [illegible] سب سے پہلے [illegible] بیٹھ جاتا ہے۔ کسی چیز [illegible] کمرے میں کوئی کرسی [illegible] پڑے ہوئے کاغذات [illegible] ہوں [illegible] کریں گے۔ [illegible] والے کے ذہن کا [illegible] واضح ہو جاتا ہے۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مطالعہ شخصیت کی صلاحیت رکھنے والا کوئی شخص مودودی صاحب کی عدم موجودگی میں ان کے کمرے میں داخل ہو اور اس کمرے کا ماحول صرف پانچ منٹ دیکھنے کا موقع ملے تو وہ مودودی صاحب کی آدھی سیرت تو خود بخود مرتب کر دے گا۔ اس پر [illegible] مودودی صاحب سوچتے اور لکھتے ہیں۔ وہ صبح ناشتے کے بعد اپنے وقت مقررہ پر اس کرسی پر بیٹھ جائیں گے۔ [illegible] اور دماغ میں فکر و کاوش کا پورا کارخانہ متحرک ہو جائے گا۔ بالعموم ان کا چہرہ بتا دیتا ہے کہ اس وقت وہ کسی مضمون یا کسی مسئلے پر کاوش میں ہیں۔ جب پورا نقشہ ذہن میں مرتب ہو چکے گا تو وہ قلم اٹھائیں گے اور [illegible] انہوں نے کبھی کچھ نہیں لکھا — بلکہ پہلے سے سوچے بغیر کوئی بھی کام وہ نہیں کرتے۔ کیا عجب کہ وہ سونے اور کھانے کیلئے بھی پہلے سے سوچتے ہوں۔ پورا مواد اکٹھا کر لینے، حوالے جمع کر لینے اور مسئلہ بحث کی کڑیاں [illegible] دل میں جوڑ لینے کے بعد وہ قلم کو حرکت میں لاتے ہیں۔ یوں [illegible] مضمون [illegible] — پہلے وہ اسے اپنے دماغ کے اوراق پر لکھتے ہیں اور ان اوراق کو دیکھ دیکھ کر کاغذ پر منتقل کرتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لکھنے میں بڑی روانی ہوتی ہے اور زیادہ قطع و برید نہیں ہوتی۔

مولانا کا قلم اور کاغذ خوش ذوق واقع ہوا ہے۔ ذوق نفاست کی وجہ سے وہ ہمیشہ اچھے اور دبیز کاغذ پسند کرتے رہے ہیں [illegible] رہے ہیں۔ مگر اب کاغذ کی — اور خصوصاً اچھے کاغذ کی — نایابی کے سبب [illegible] ہیں۔ تاہم اب بھی [illegible] کاغذ موجود رہتا ہے۔ وہ فل سکیپ سائز کے پیڈ پر لکھنے کے عادی ہیں۔ کاغذ کی [illegible] پر کبھی نہیں لکھتے۔

لکھنے سے پہلے وہ شکن ڈال کر دائیں طرف کھلا حاشیہ چھوڑتے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت مولانا کے دو قلمی مسودے ہیں۔ ایک ۱۹۴۴ء کا (تقریر اجتماع شمالی ہند منعقدہ "دارالاسلام") دوسرا ماضی قریب کا (ترجمان القرآن کی ایک سابق اشاعت کے اشارات)۔ دونوں مسودوں کا حاشیہ [illegible] چھوڑا ہے۔ ہمیشہ تقریباً اتنا ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ۱۹۴۴ء والے مسودے کے ہر صفحے پر پوری انتالیس انتالیس سطریں ہیں اور بعد کے مسودے میں سینتالیس سینتالیس — یہ منظم سطر بندی سفید کاغذ پر بغیر زیر مسطر کے ذہن کی [illegible] اور اعصاب پر اس کے انضباط کی دلیل ہے۔ دونوں میں سے کسی مسودے کے اوراق کو ذرا فاصلے پر پھیلا دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک ہی تحریر کی مشینی نقلیں ہیں۔ قطع و برید بہت ہی کم ہے اور جو کچھ ہے بھی اس کا زیادہ تر حصہ ایسا ہے جو نظر ثانی کرتے ہوئے ضروری محسوس ہوا ہو۔ [illegible] اوراق میں تمام کی تمام سطریں بالکل سیدھی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بائیں جانب سے عبارت صفحہ کے آخر تک جا کر انچ کے دسویں حصے کی حد تک نیچے جھکاؤ رکھتی ہے۔ ہر پیراگراف واضح طور پر الگ سے شروع ہوتا ہے۔ حروف کی اشکال بالکل یکساں ہیں۔ نقطے، شوشے، علامات، اوقاف اور واوین اپنی اپنی جگہ پر لازماً موجود ہیں۔ بلکہ الفاظ ضروری حرکات کو بھی اپنے ساتھ لئے ہوتے ہیں۔ حلقہ دار حروف (مثلاً م، ہ، ف، و وغیرہ) کے حلقے اندر سے لازماً خالی ہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں۔ جہاں کسی لفظ کا [illegible] یا کوئی [illegible] بعد میں بڑھایا گیا ہے وہاں ضروری علامت اضافہ (^) دی گئی ہے۔ گنتی سطروں کے [illegible] بھی املا کی غلطیاں ہیں۔

اس طرز تحریر کو دیکھتے ہی جو رائے قائم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لکھنے والا بہت ہی متوازن مزاج آدمی ہے اور [illegible] احساس ذمہ داری رکھنے والا ہے۔

[illegible] کے متعلق [illegible] ہے۔ میری زندگی میں [illegible] ہے [illegible] یہ ہے [illegible] سکتا ہے۔ یہ مستقل [illegible] صاحب [illegible] ہے۔ اور ایسے ہی [illegible] اہم تاریخی انسانی شخصیت [illegible] کر سکتا ہے۔ یہاں [illegible] کہ تاریخ [illegible] استعمال کیا جا سکے جو ہمیشہ [illegible] شخصیت [illegible] پر گواہ ہو۔ بے ساختہ [illegible] کام کے سلسلے [illegible] رسم الخط دیکھا [illegible] خطوط اور [illegible] کام کرنے والی شخصیت کا اندازہ کیا جاتا ہے اور بسا اوقات خاص طور پر [illegible] ابتدائی تاثر قائم ہو جاتا ہے۔ وہ نجی اور صاف ستھری شخصیتوں کے رسم الخط کے چند اہم نمونے میری نگاہ میں ہیں۔ میری یہ شہادت ہے کہ مودودی صاحب کے طرزِ تحریر کے ہم پایہ کوئی دوسرا نمونہ میرے تجربے میں نہیں آیا۔

تحریری کے حلقے میں آدمی کے خطوط کا طرزِ انشا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مودودی صاحب کے لکھے ہوئے خطوط دیکھنے کا خاص موقع مجھے حاصل رہا ہے۔ ایک زمانے میں ترجمان القرآن اور مرکز جماعت کی ڈاک کا کام مولانا کی نگرانی میں میرے ذمے رہا ہے۔ ان کی مستقل عادت یہ ہے کہ وہ ڈاک خود دیکھتے ہیں اور پوری توجہ سے دیکھتے ہیں اور مختلف شعبوں کے ناظمین کی رہنمائی کیلئے اشارات لگا کر مختصراً ہدایات لکھ دیتے ہیں۔ جن خطوط میں خود ان کو مخاطب کیا گیا ہو یا اسلام یا جماعت کے متعلق اصولی مسائل دریافت کئے گئے ہوں، ان کے جواب وہ اپنے قلم سے لکھتے ہیں یا املا کراتے ہیں۔ ورنہ کم سے کم جوابی مضمون کا خلاصہ اور اس کی ترتیب زبانی بتا دیتے ہیں۔

اپنے قلم سے لکھے ہوئے خطوط میں مولانا مودودی کی چند مستقل روایات نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں۔ وہی حاشیہ چھوڑنے، اور پیرے بنانے اور علامات ڈالنے کی پابندی اور سطروں کی سیدھائی اور تحریر کی صفائی خطوط میں اور بھی زیادہ اچھا سماں پیش کرتی ہے۔ ہر خط کی پیشانی پر تاریخ ضرور درج ہوتی ہے۔ بلا استثنیٰ تمام خطوط کا سرنامہ "محترمی و مکرمی" (خواتین کے لئے محترمہ و مکرمہ) "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ہر جوابی خط کا آغاز "عنایت نامہ ملا" سے ہوتا ہے۔ خاتمہ ہمیشہ "خاکسار ابوالاعلیٰ" کے لفظوں پر ہوتا ہے جو خط کے نیچے بائیں کونے میں اوپر تلے لکھے ہوتے ہیں۔ خط کا پتہ ہمیشہ "بخدمت شریف جناب" کے مقررہ الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ تر تین سطروں میں مکمل ہوتا ہے۔ شہر یا مقام زیر خط کشیدہ ہوتا ہے۔ خط کے اس نقشے میں شاذ برسوں سے کبھی کوئی تغیر نہیں آیا۔ بے شمار خطوط کے سابق مطالعہ کے بل پر میں یہ کہتا ہوں کہ کسی خط میں مصنوعی ادبیت اور غیر ضروری طور پر مزاح کا استعمال نہیں ہوتا اور نہ غیر ضروری [illegible] نفسِ مضمون پر غیر ضروری فقروں کا اضافہ کہیں محسوس ہوتا ہے۔ خطوط میں مضمون نگاری کے بجائے زیادہ تر گفتگو کا رنگ پایا جاتا ہے۔ عامیانہ گفتگو کا نہیں، عالمانہ گفتگو کا۔

وہ لمبا عرصہ جس میں ڈاک میرے سپرد تھی، بالعموم بعدِ ظہر میں مولانا کے ہاں جاتا اور کبھی کبھی دفتر میں اور کبھی باہر احاطے کے توت پیڑ کے نیچے نشست رہتی۔ اہم علمی خطوط کے جوابات مولانا خود املا کراتے ـــــ کبھی آرام کرسی پر بیٹھے اور کبھی ٹہلتے ہوئے۔ کبھی کبھی تو مودودی صاحب مجھ سے خطوط پڑھوا کر پہلے سنتے بھی، لیکن اکثر محض یادداشت کی بنا پر بالکل اسی ترتیب سے جوابات لکھوا دیتے جس ترتیب سے خطوں میں سوالات درج ہوتے تھے ـــــ اور کمال یہ کہ سوالات آیات اور احادیث اور فقہ کے مباحث سے بھی متعلق ہوتے۔ پھر وہ املا ایسی روانی سے کراتے کہ کسی موقع پر جملے کا تسلسل اور بحث کا ربط نہ ٹوٹتا۔ بیچ میں اگر اٹھ کر جانا پڑتا یا کوئی صاحب آ جاتے تو بعد میں آتا پوچھتے کہ آخری فقرہ کہاں تک پہنچا۔ بعض اوقات کچھ خطوط میں اپنی میز پر ہی بھول آتا، لیکن مولانا اپنا کسی خاص خط کے بارے میں دریافت کرتے اور مجھے اٹھ کر وہ لانا پڑتا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی آئی ہوئی ڈاک کے ایک ایک خط کا ان کو متعین طور پر خیال رہتا اور اس کا نفسِ مضمون مستحضر رہتا۔ لیکن سارے خطوط املا ہی نہیں کرائے جاتے بلکہ بعض کے متعلق مولانا صرف اشارات دے دیتے اور ان کو لکھنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دیتے۔ اس احساسِ ذمہ داری کی وجہ سے میں بھی پوری کاوش اور محنت کرتا۔ یہ مولانا کا ایک مستقل طریقِ تربیت تھا۔

اکثر لوگ شرعی مسائل میں استفتاء بھیجا کرتے۔ ایسے ہر استفتاء کے جواب میں تمہیداً یا خاتمہ پر یہ ضرور لکھواتے کہ میں مفتی نہیں ہوں۔ فتویٰ نہیں دیا کرتا، صرف اپنی معلومات کے مطابق رائے عرض کرتا ہوں۔ فتویٰ مطلوب ہو تو کسی دارالافتاء کی طرف رجوع کیجئے۔ اور رائے مسئلے کی ٹیکنیکل صورت بتانے

کہ مولانا مودودی نے کبھی پیشہ ورانہ حیثیت کو قبول نہیں کیا۔ خاص بات یہ ہے کہ مولانا مودودی نے کبھی کسی ہیجان انگیز موقع سے فائدہ اٹھانے والی کیفیت اور تقریر و جذباتی خطیب سے خطاب نہیں کیا۔ بلکہ ایسی چیزوں سے ہمیشہ احتراز ہی مناسب سمجھتے تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ الفاظ اور انداز سخت بھی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ مقالات اور تحریر [illegible] انہوں نے کبھی غیر مقدم نہیں کیا۔ [illegible] حد تک نہ سکے۔ اختلافی معاملات میں بالعموم یہ لکھا کہ میرا منشا یہ ہے کہ آپ کو یہ قرآن کی رو سے درست معلوم ہو تو قبول کیجئے ورنہ جس کی بات آپ کو صحیح معلوم ہو اسی کو اختیار کیجئے۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں کے متعلق مولانا کبھی وہ خوش اندیش بنتے تھے۔ وہ ہمیشہ اشاعت فرماتے کہ ان جھگڑوں کے بجائے دین کی اصل حقیقت کی جانب کی ضرورت ہے۔ فقہی اور فروعی اختلافات کے لئے باہم دگر وسیع نظری سے معاملہ کیا جانا چاہئے۔ [illegible] کتابت میں مولانا نے کسی کی تحقیر کی ہو یا تضحیک ۔ ـــــــ بلکہ [illegible] نہیں لیا۔

چنانچہ ایک طرف اس خط و کتابت کے سلسلے میں مولانا کی سیرت کا [illegible] میری فکری تربیت ہوتی گئی اور نظام اسلامی سے متعلق علمی کاوش کے دروازے بھی کھلتے گئے۔ [illegible] ان ـــــــ ہر شخص کی طرح مولانا مودودی کی خطوط میں [illegible] تصنیف مودودی صاحب کے مزاج پر [illegible] علمی مسائل یا جماعتی معاملات سے متعلق ہوتی۔ خطوط کو محفوظ رکھنے کا اہتمام مودودی صاحب نے کبھی نہیں کیا ورنہ انبار جمع ہو جاتے۔ اہم خط و کتابت اب رسائل و مسائل نامی مجموعے کی صورت میں مطبوعہ ہے۔

ان اشارات سے میں خود نتائج اخذ کرنے کے بجائے یہ کام اس مقالے کے قارئین پر ہی چھوڑتا ہوں

ہر صاحب دعوت کو زبان کی طاقت کی ضرورت ہے۔ محض قلم کے بل پر ہی کام کئے جا سکتے ہیں مگر عوام کے قریب ہو کر ان کو سمیٹنے اور منظم کرنے اور کسی تحریک کو آگے لے چلنے کیلئے وہ آدمی موزوں نہیں ہو سکتا جو اسٹیج پر آ کر گنگ ہو جائے۔ مولانا مودودی گنگ نہیں ہیں، خطیب ہیں۔

میں نے ان کا اولین خطاب دارالاسلام کی مسجد میں جمعہ کے موقع پر سنا۔ ان پڑھے دیہاتیوں کی کثیر تعداد کے اندر متوسط سے تعلیم یافتہ لوگ پٹھانکوٹ اور سجان پور کے قصبوں اور قلعہ جمال پور کی مختصر آبادی سے آکر شامل تھے۔ مولانا نے ان دنوں اردو زبان میں خطبات جمعہ کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا تھا (اور اب وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے)۔ اذان ثانیہ پر وقار سے اٹھے منبر کے (غالباً) پہلے زینے پر کھڑے ہوئے۔ آہستگی اور سادگی سے خطاب شروع کیا۔ ـــــــ ایسے جیسے لوگوں سے باتیں کر رہے ہوں۔ یہ شخص کا ایک بڑا مقرر تھا۔ سیدھے سادے کلمات کا اثر اس خاموش فضا میں پوری طرح نمایاں تھا۔ بعد میں مودودی صاحب نے متعدد مواقع پر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ درجے کے علمی خطبے دیئے۔ ارکان جماعت کے مختصر اجتماعات میں باہا تقریریں کیں سوالات کے جوابات دیئے اور ہدایات دیں۔ آہستہ آہستہ ان کی خطابت آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے بہت سے بڑے بڑے جلسوں میں تقریریں کی ہیں۔ اور آئے دن یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اب وہ اپنی نوعیت کے بہت ممتاز مقرر ہیں۔

انہوں نے اپنی دعوت کی نوعیت کے لحاظ سے خطابت کے ایک نئے طرز کی بنیاد ڈالی ہے اور پرانے خلافتی مکتب خطابت سے الگ ہو کر ایک نیا مکتب خطابت استوار کیا ہے۔ مولانا خطابت کو ایک اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ضروری قرار دیتے ہیں کہ ایک ایک لفظ پہلے سے غور کرنے کے بعد زبان پر لایا جائے۔ کیونکہ ہزارہا بندگان خدا پر اس کا اچھا یا برا اثر پڑتا ہے۔ اور اس سلسلے میں آدمی کو آخرت کی عدالت میں جواب دہی کرنی ہے۔ بے سلسلہ اور بحث اور موضوع سے آزاد ہو کر پہاڑی نالوں کی طرح جھاگ اڑا اڑا کر بہنے والی تقریر کو وہ تعمیر و تربیت قوم کے لحاظ سے مضر سمجھتے ہیں۔ ان کا سوچا سمجھا ہوا نظریہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں سطحی جوشیلے پن کا مرض بڑھ گیا ہے۔ اور سامعین میں سنجیدہ اور تعمیری دعوت کو جذب کرنے کی صلاحیت کم ہو گئی ہے۔ نیز

مخالف صاحبوں نے اس کا مذاق بھی اڑایا ہے ۔ لہٰذا اب [illegible] تقریروں کی [illegible] ۔ مستقبل کے خطبات میں ایسی تقریروں کی کمی نہیں ہے جیسی [illegible] ۔ [illegible] اشتعال انگیزی [illegible] جلسوں میں مکتب خطابت کی تنقید [illegible] محض [illegible] وضاحت کی ہوتی ہیں ۔ ان کا انداز متانت ہوتا ہے ۔ مودودی صاحب سفر میں بھی کوئی ایسی بات [illegible] ہمیشہ [illegible] زندگی کی بہار [illegible] ـــــ ہر دو کا شعر پڑھنے کی بات کہی اور اسٹیج سے رخصت ہو گئے ۔

تقریر کے [illegible] مودودی صاحب پہلے سے کوئی گفتگو [illegible] تیاری کرتے ہیں ۔ سوچتے رہتے ہیں [illegible] اور پھر تقریر کے مطالب کی کڑیاں یادداشت کی شکل میں درج کر لیتے ہیں ۔ جب یہ ہو چکتا ہے تو تقریر کا [illegible] "موڈ" میں آ جاتے ہیں ۔ تقریر کرنے سے پہلے کے تھوڑے سے وقفے میں ان کے چہرے پر ایک خاص رنگ پایا جاتا ہے جس کو قریب سے جاننے والے ساتھی ہی پہچان سکتے ہیں ۔ پھر اپنی یادداشت کے ذریعے [illegible] تقریر [illegible] ترتیب سے ادا کر دیتے ہیں ۔ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی تقریر مختلف مقامات پر کرنی پڑی تو بالعموم [illegible] وہی تھی اور اس کی ترتیب میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا ۔

اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے ان کا جو کچھ مخصوص انداز ہوتا ہے اس کے امتیازی خد و خال کو میں نے ایک خاص موقع پر تحقیق سے سمجھا ۔ ہمارے ایک دوست [illegible] کا ڈرامائی [illegible] میں ماہر ہیں ۔ خصوصیت سے [illegible] ریکارڈ [illegible] ڈال دیتے ہیں ۔ انہوں نے ہمارے [illegible] ایک مرتبہ بڑی محنت کے ساتھ مودودی صاحب کی تقریر کا ریکارڈ سنایا ۔ اس ریکارڈ کو سننے کے بعد اب میں بآسانی بتا سکتا ہوں کہ مودودی صاحب کے امتیازات کیا ہیں ۔ وہ اسٹیج پر زیادہ تر ڈائس کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں اور کاغذات سامنے رکھ لیتے ہیں ۔ سینے تک کا بالائی حصہ کسی قدر آگے کی طرف جھکاؤ لیے ہوئے ہوتا ہے ۔ ایک ہاتھ ـــــ غالباً بایاں ـــــ کمر کے پیچھے رہتا ہے ۔ دوسرے ہاتھ سے وہ شیروانی کے تیسرے یا چوتھے بٹن کو ذرا ذرا چھیڑتے رہتے ہیں ۔ یہی ہاتھ کبھی کبھی بڑی آہستگی سے مختصر سی اشاراتی حرکت کرتا رہتا ہے ۔ لہجے کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ یہ حرکت تیز یا سست ہوتی ہے ۔ تقریر کی ابتدا دھیمی آواز اور انتہائی ٹھہراؤ سے ہوتی ہے اور الفاظ میں شخصیت کا وزن محسوس ہو رہا ہوتا ہے ۔ آہستہ آہستہ آواز اور لہجہ چڑھاؤ کی طرف جاتے ہیں، مگر بس ایک متعین حد تک ۔ اس حد سے آگے کوئی ایسا جملہ ہی جا سکتا ہے جس کے پیچھے شدت جذبات کام کر رہی ہو ۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور بہت کم وقفے کے لیے یہ رنگ آتا ہے ۔ تقریر پھر اپنی متوازن رفتار اعتدال پر آ جاتی ہے ۔ موضوع کے راستے پر مودودی صاحب کی تقریر مستقیم چلتی ہیں اور ادھر ادھر کی آوارہ گردی نہیں کرتے ۔ تقریر میں دردمندی کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے ۔ انہوں نے دستور، جمہوریت اور انتخابات اور دوسرے اہم اور پیچیدہ مسائل پر جب کبھی خطاب کیا ہے، اپنی بات کو عام فہم بنا کے پیش کیا ہے اور ہر پیچیدگی کا حسن و خوبی سے تجزیہ کر کے غیر تعلیم یافتہ سامعین تک کو مطمئن کیا ہے ۔ ان کا انداز تفہیم اپنی مثال آپ ہے ۔

اس طرح کی غیر رنگین "اور بے تفریح" تقریر جس میں مجمع کو اس کی دل پسند ذہنی رنگینی نہ کھلائی جاتی ہو، دو دو گھنٹے عوام کو بٹھا رکھنا آسان نہیں ۔ اس کے لیے مودودی صاحب نے جلسوں اور اجتماعات کی ایک نئی فضا برسوں کی محنت سے پیدا کی ہے ۔ پہلے اپنے رفقا کو اور پھر ان کے ذریعے عوام الناس کو ضبط و نظم اور سنجیدگی اور خاموشی کی تربیت دی ہے ۔ "کھیل تماشے" کا عنصر اجتماعات سے بالکل خارج کر دیا ہے ۔ خصوصاً پابندیٔ وقت کے معاملے میں ایک نئی روایت قائم کی ہے ۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ قابل ذکر ہے ۔ گزشتہ کل پاکستان اجتماع کے موقع پر جلسہ عام بھی رکھا گیا تھا ۔ لوگ آٹھ بجے سے جہانگیر پارک میں جمع ہو چکے تھے اور کچھ ابھی آ رہے تھے ۔ ساڑھے آٹھ بجے مودودی صاحب کی تقریر ہونی تھی ۔ اگلی صفوں میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے قریب کے دوسرے ساتھی سے پوچھا "وقت کیا ہوا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "ابھی آٹھ بج کر [illegible] منٹ نہیں ہوئے ورنہ مودودی صاحب کی تقریر شروع ہو چکی ہوتی ۔" بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی مخالف طاقت نے شرپسند عنصر کو تیار کر کے مودودی صاحب کی تقریر میں شرارت کرنے اور جلسہ خراب کرنے بھیجا لیکن

[illegible] کا سبب [illegible] مولانا مودودی صاحب کی شخصیت اور ان کے انداز تقریر نے ہمیشہ ہی مخالفوں کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ جس جلسے میں [illegible] ہو کہ مولانا مودودی (رحمۃ اللہ علیہ) [illegible] اس طرح کے حالات ہی کبھی پیدا نہیں ہونے دیتے۔ ان کی جرأت مندی اور اعتماد کے ساتھ ہجوم کی مخالفت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو کر جاتے ہیں اور خدا ان کو ان میں کامیابی دیتا ہے۔

جلسوں میں جہاں وہ صحت کی وجہ سے [illegible] چنانچہ جو پرچیاں آتی ہیں وہ امیر کا امیر [illegible] ہو جاتا ہے۔ بڑی خوش مندی سے [illegible] پرچیوں کو ایک ایک کر کے پڑھتے ہیں۔ اور ایک ایک [illegible] حاضر [illegible] ان کے [illegible] جواب دیتے چلے جاتے ہیں کہ سامعین [illegible] ہیں۔ [illegible] ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب [illegible] نے [illegible] اختیار کر لی ہے تو آپ نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ کیوں بنائی؟ مولانا نے فوراً جواب دیا "افسوس [illegible] ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجدیں [illegible] مسجد بنانا۔"

تقریر کے دوران میں [illegible] تکلیف کی وجہ سے [illegible] بار بار [illegible] پیتے ہیں۔ [illegible] بس [illegible] کرتے ہیں تقریر کرنے کے بعد چند [illegible] سستانے کے لئے کرسی پر بیٹھتے ہیں پھر جلدی روانہ ہو جانا چاہتے ہیں۔ لیکن لوگ آ آ کر مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ رفقاء راستہ بناتے ہیں [illegible] بھیڑ سے نکال لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں نے مولانا کی ریڈیائی تقریریں بھی سنی ہیں (اجلاس [illegible] میں ملتی ہیں) [illegible] مولانا مودودی کی آواز ریڈیائی ضروریات کے مطابق بہت ہی موزون ہے۔ آواز بہت صاف سنائی دیتی ہے، اچھی طرح پہچانی جاتی ہے اور [illegible] محسوس ہوتی ہے۔ ریڈیائی تقریروں میں بولنے کی رفتار اکثر اوقات تیز رہتی ہے کیونکہ [illegible] منٹ میں وہ موضوع سے متعلق اپنی پوری بات کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اب تو مولانا مودودی پر ریڈیو کے دروازے بند ہیں، کیونکہ سیاسی آدمی ہونے کا مقصد پاکستان میں ایسا مقصد ہے جس کے بعد آدمی سے خالص علمی اور فکری اور دینی استفادہ کرنا بھی ممکن نہیں رہتا۔

سالانہ اجتماع کی تقریر کا بنیادی نقشہ مطالب مجلس شوریٰ کے مشورے سے [illegible] امیر جماعت ــــــ خواہ وہ کوئی ہو ــــــ اسی نقشے کی پابندی کرتا ہے۔ مولانا مودودی اتنی اونچی شخصیت رکھنے کے باوجود اس پابندی سے کوئی استثنیٰ نہیں رکھتے۔ یوں بھی [illegible] کے سلسلے [illegible] اور خطابات [illegible] ہیں تو ان کے لئے بھی مجلس شوریٰ ہی کے اندر باقاعدہ منصوبہ بنتا ہے اور تقریر کے اساسی خطوط متعین ہو جاتے ہیں۔ البتہ فوری اور ہنگامی اور متفرق مواقع پر جبکہ جماعت کی پہلے سے بنی ہوئی پالیسی کے اندر کام کرنا ہوتا ہے۔ مولانا مودودی اور جو کوئی بھی امیر ہو [illegible] مشورے کے بغیر خطاب کرتے ہیں۔ جماعت کا موسس اور داعی اول بھی اپنی امتیازی شخصیت کے باوجود جماعت کے نظم کی پابندی سے بالاتر نہیں ہے۔

نماز کے بھی لطیف مسائل ہیں اور ہر نماز شخصیت کی ترجمان ہوتی ہے۔ [illegible] آدمی کی نماز اور خدا ترس کی نماز، بے [illegible] کی نماز اور شعوری نماز، زندگی سے ہم آہنگی رکھنے والی نماز اور اس سے تضاد رکھنے والی نماز [illegible] آدمی کی نماز اور مستقل مزاج شخص کی نماز، عادت کی نماز اور ارادے کی نماز، [illegible] شخصیت کی نماز اور کسی ممتاز شخصیت کی نماز ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ پہچانی جاتی ہیں۔

مودودی صاحب ہمیشہ پابندی سے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے رہے ہیں، لیکن اب جب سے [illegible] کی تکلیف اور نزلہ کے پے در پے حملوں نے [illegible] تیسرے مرحلے میں آ کر ان کے اعصاب کو [illegible] کر دیا ہے، وہ بیشتر نمازیں مرکز کے لان میں رفقائے مرکز اور ملاقاتیوں سے مل کر ادا کر لیتے ہیں، پھر بھی جمعہ کو [illegible] کی مسجد (مسجد [illegible]) میں جاتے ہیں۔ ہر قسم کے خطیبوں کے خطبے سنتے ہیں اور ہر سطح کے [illegible] کی اقتدا کرتے ہیں۔ اس شخص کو جس کے [illegible] دشمنوں کے حلقوں میں [illegible] ہیں اور جس کے ساتھ حامیانہ اور مخالفانہ دلچسپیاں رکھنے والے ہزاروں انسان بیرون پاکستان کے مختلف ممالک [illegible] ہوئے ہیں آپ [illegible] مسجد [illegible] کے کسی کونے میں ایک [illegible] درویش بے نیاز کے انداز سے بیٹھا پائیں گے۔ اس [illegible] اور وہ خطبہ [illegible] کے

ساتھ سن رہا ہوگا۔ فرض نماز کے بعد وہ [illegible] پڑھ جاتا۔

دارالاسلام کی مسجد کی امامت بالعموم مودودی صاحب کرتے تھے جب وہ مرکز میں جماعت کے اجتماعات کے موقع پر موجود ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ مختصر سورتیں پڑھتے ہیں۔ سنتیں کبھی گھر سے پڑھ کر آتے ہیں اور کبھی مسجد میں پڑھ لیتے ہیں۔ امامت کے لیے کھڑے ہوں تو بہت سکون سے ہوتے ہیں مگر مردانہ جذبات قیام کے دوران ہی صاف جھلکتے ہیں۔ نماز کے لیے استقبالِ قبلہ کرتے ہی ان کے اندر ایک خاص طرح کا احساس ذمہ داری پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کی نماز ہمیشہ معتدل ہوتی ہے ——— نہ غیر معمولی طور پر طویل، نہ جلد بازانہ ——— سکون اور وقار اور ان کے ارکان میں شروع سے آخر تک جھلکتا ہے۔ قرأت کا انداز بالکل ہی منفرد ہوتا ہے۔ ایک ایک آیت الگ الگ کر کے اور اس کے اجزائے مطالب کو واضح کرتے ہوئے قرآن پڑھتے ہیں۔ لہجے میں ٹھیک معانی مطالب کے مطابق اتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ نہ تو معنوی ربط سے گزر جاتے ہیں اور نہ بے تکے طریق سے عبارت کی طرح آیات پڑھتے ہیں۔ کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے اور وہ ساتھ نماز پڑھنے والوں پر اثر انداز ہوتی ہے کہ جیسے کائنات کے فرماں روا کی خدمت میں کھڑے ہیں اور اپنے جذبات پیش کر رہے ہیں جس میں اعلیٰ درجے کے لطف و حلاوت محسوس کر رہے ہیں۔ مودودی کی نماز میں وہی تاثر کی کیفیت پائی جاتی ہے جو ان کے کلام میں ہے۔ اس میں ولولوں کا کوئی سیلاب موجود نہیں۔ جو جاری نمازوں پر دور زوال سے یہ خلل ہے اسی کی وجہ سے اکثر نماز کی طلب ہی ختم ہو گئی ہے۔ اور اگر اپنے آپ کو گھسیٹ کر لے جائیے بھی تو لذت اور سرور پر حاوی ہو جاتی ہے۔ فرض پڑھنے کے بعد مختصر سی دعا ہوتی ہے اور امامت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سنتیں پڑھ کر مولانا مودودی بھی جلسہ گاہ سے الگ ہو جائیں گے اور دوسرے لوگ بھی منتشر ہونے لگیں گے۔ مودودی صاحب نوافل مسجد میں نہیں پڑھتے کیونکہ قرآن و حدیث کے مطابق ان کا نظریہ یہ ہے کہ فرائض اجتماعی طور پر اور نوافل اخفاء کے ساتھ ادا کرنے چاہئیں۔ مودودی صاحب کی نماز اور امامت سیدھے سادے طور پر عمل ہوتی ہے، نہ بے رونق اور بے کیف۔ بلامبالغہ عرض کروں گا کہ پہلی نماز جو میں نے مودودی صاحب کے ساتھ ادا کی اس کا ذائقہ پچھلی تمام نمازوں سے مختلف تھا۔ اس امامت میں نئی شخصیت جلوہ گر تھی۔ نماز اور قرأت کا یہ خاص اسلوب میں نے پہلے بھی اور بعد میں بھی کسی دوسرے میں نہیں پایا اگرچہ دوسرے حضرات کی نماز و امامت میں بھی طرح طرح کی خوبیاں اور اثر انگیزیاں محسوس کی ہیں۔ نماز کو اصل میں تصورِ خدا زندہ بناتا ہے اور تصورِ نماز تصورِ خدا پر مبنی ہوتا ہے۔ مودودی صاحب کی نماز میں ان کا انقلاب آموز تصورِ خدا طاری و ساری رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ چیز صرف نفسیاتی و روحانی تجربہ سے تعلق رکھتی ہے اور مقالاتی بحثیں اس کی متحمل نہیں ہیں۔

دارالاسلام میں میں نے دوسرے رفقاء کے ساتھ مولانا مودودی کے حلقۂ درس میں قرآن اور حدیث کا جو مطالعہ کیا ہے درحقیقت اس نے میرے ذہنی سانچے کو بڑی حد تک توڑ پھوڑ کر موجودہ شکل دی ہے۔ مسلسل پانچ برس یہ حلقہ درس ایک استثنائی سرگرمی کے انداز پر جاری ذہنی و اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ درس بہت جگہ ہوتے ہیں، بہت سے بزرگ درس دیتے ہیں، لیکن مجبوراً پھر وہی کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب کے درس کا انداز بھی بالکل مختلف پایا۔

طریقہ یہ تھا کہ نمازِ فجر یا نمازِ عصر کے بعد تمام لوگ حلقہ زن بیٹھ جاتے اور اپنے اپنے مصحف سامنے رکھ لیتے۔ اکثر اوقات ہم لوگ پہلے سے زیرِ درس آنے والے حصے کا مطالعہ کر لاتے اور اس کے بارے میں سوالات اور الجھنیں نوٹ کر لاتے۔ مولانا ہلکی آواز سے تعوذ اور تسمیہ کہہ کر آغاز کرتے۔ پھر گزشتہ سلسلۂ کلام کا خلاصہ ذہنوں میں مستحضر کر دیتے، پھر اگلی آیات کا معنوی ربط سامنے لاتے۔ اس کے بعد ایک ایک آیت پڑھتے، اس کا سادہ مگر جاندار اور اثر انگیز اور جدید اردو میں ترجمہ کرتے، پھر خاص خاص اصطلاحی کلمات کی وضاحت کرتے، جو مغالطے متعلقہ مضمون کے بارے میں عام طور پر پائے جاتے ہیں ان کو صاف کرتے اور آخر میں احکام اور تقاضے واضح کرتے۔ پھر اگلی آیت، پھر اس سے آگے ——— اور اسی طرح تقریباً ایک رکوع ہر نشست میں ہو جاتا۔ اس درس میں کبھی بھی صرف و نحو اور منطق اور بلاغت کی ٹیکنیکل بحثوں کا پرتو انہوں نے نہ پڑنے دیا۔ ان کا

مغرب مائل آزادی ——— محض تعصب پر مبنی ——— کو سمجھنے کا تھا اور اس کی ذہنی سطح پر پہنچ کر الجھن کا تجزیہ کرتے جو بحث صحیح ہوتا ہے مسائل کا اس پر تعلق ہو تا آزادانہ ماحول میں پر نظر کرتے ہیں مختلف فقہی نقطہ نظر کا انتخاب ہو سکے۔ کیونکہ صاحب درس کے سامنے مسلک و مشرب کے تعصب یہ ٹھیک تھا کہ اپنے اندر قرآن کا فہم اور مغرب پیدا کریں اور درس حدیث لے کر پھر اس کی تفصیل خود نمایاں کریں۔

درس کی ایک ایک آیت اور حدیث پر بحث کا سلسلہ سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی۔ سوالات ہر قسم کے ہوتے تھے۔ دو چار قسم کے سوالات تو ہم کو ہی پیدا کرنے ہوتے، جدید طبقوں کے اٹھائے ہوئے فتنے، زمانے کے جذباتی طرز کے ——— اور کبھی کبھی متعدد سوالات ملا کر کسی پیشانی کے ساتھ چاروں جانب سے پیش کر دیتے۔ حکیمانہ و فقیہانہ اسلوب سے بات کی وضاحت ہو جاتی۔ کسی موضوع کے منشے کے پیش نظر پر بحث کا سلسلہ چل نکلتا اور اس کی وجہ سے درس ایک ہی آیت یا حدیث پر رکا رہتا۔ بحث میں تو ہم میں تیزی بھی دکھاتے اور بڑے آزادانہ طریقے سے حصہ لیتے۔ مگر صاحب درس ٹھنڈے اور پر وقار انداز میں اصل حقیقت کو نمایاں کرنے کی سعی مسلسل کرتے چلے جاتے اور آخری بات انہی کی ہوتی۔ خصوصیت سے جہاں کہیں معاشی اور سیاسی بحثیں پیدا ہوتیں وہاں بڑی گرما گرمی پیدا ہو جاتی۔ کمیونسٹ پروپیگنڈے کے پھیلائے ہوئے تصورات کی بنیاد پر ہم لوگ خوب اپنے اپنے نظریات کے ساتھ اقرار کرتے کہ وہ ایک منطقی ہماری طرف سے زیادتی ہو رہی ہے۔ خود محترم استقلال کبھی برہم ہوتے، نہ کبھی کسی وجہ سے مایوس ہوتے۔ کوئی اور ہوتا تو شاید ہماری ملامت پر اتر آتا، حلقہ درس سے نکال باہر کرتا یا کم سے کم درس ہی کو برخاست کر کے بیٹھ رہتا۔ مگر کیا کہنے ان کے وہی مسکراتا چہرہ، وہی ٹھنڈا مزاج اور وہی تعلیمی انداز ہمارے سامنے ہوتا۔ بعض عقیدت مند صاحبان کو جو پیر مریدی کی روایات ذہن میں لئے ہوئے آتے اور ہماری بے تکلفانہ اور آزادانہ بحثوں کو غیر شرعی اور غیر مؤدبانہ سمجھ کر خفا ہوتے، کبھی تو حلقہ درس ہی چھوڑ دیتے۔ ہم جب بحث اور خود مولانا مودودی ہماری مدافعت کرتے اور ہماری آزادی اور ہمارے حقوق کی وکالت کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بحث فلسفہ و نظام کے سلسلے میں بہت طویل ہو گئی تھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ (حدیث) پر خوب خوب دماغ سوزی ہوئی۔ غالباً ایک یحییٰ صاحب تھے اور دوسرا ہی ان کا ہم خیال کسی علمی بنیاد کے بغیر اصرار تھا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور قابل استرداد۔ مولانا مودودی نے مخالف ہوں کے ہاں ایک ایسا مفہوم ہمارے سامنے رکھا جس پر کسی پہلو سے اعتراض وارد نہیں ہوتا تھا۔ ان کا مطالعہ یہ تھا کہ اَلسُّلْطَان کے معنی بادشاہ نہیں بلکہ حکومت و سلطنت یا حاکمیت ہیں اور حدیث کا منشا، انہوں نے یہ واضح کیا کہ بادشاہت یا حاکمیت یا اقتدار اللہ تعالیٰ کی ہے کہ اقتدار کا ایک پرتو ہے اور جو شخص اس خدائی امانت کی ذلیل کو پاک اس کی اہانت کرتا ہے خدا بھی اُسے ذلیل کرتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے علم خدا کا ایک عطیہ ہے اور جو عالم علم کو غلط نیت کے لئے استعمال کرے وہ مجرم ہے۔ اس مفہوم نے نئے دروازے کھول دیئے۔ مگر حدیث کا جو استعمال ہماری تاریخ میں ہو چکا تھا اور اسی وجہ سے جو اضطراب عام طور پر دلوں میں پیدا ہوا تھا اس کی وجہ سے ہم اصرار کرتے تھے کہ ایسی حدیث کو آخر بنائے استدلال بنانا ہی کیا ضرور ہے۔ یحییٰ صاحب تو بڑی صفائی سے یہ کہتے تھے کہ مولانا جب معلوم ہے کہ ہمارے بادشاہوں کے تحفظ اقتدار کیلئے دنیا پرست عالموں نے حدیثیں گھڑی اور استعمال کی ہیں تو یہ جانتے ہوئے ایسی حدیثوں کو کیوں لیا جائے۔ صاحب درس نے بڑی مغز ماریوں کے بعد یہ اصول ہمارے ذہن نشین کرایا کہ اگر کوئی حدیث روایت و سند کی صحت رکھتے ہوئے کوئی ایسی تاویل و تشریح قبول کرتی ہو جو دین کے اصولوں اور اس کے مجموعی تقاضوں کے مطابق بیٹھ سکے تو محض بلا وجہ اُسے رد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہو سکتا ———

بہرحال اس آزادانہ فضا میں ہم نے دین کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھا۔

درس ختم ہوتا تو ہم سب اپنے اپنے معمول کے مطابق منتشر ہو جاتے۔ کسی دن جاتے ہوئے اپنی کسی فکری غلطی اور کسی عملی کوتاہی کا شعور و احساس لے کے جاتے اور اس کی اصلاح کا جذبہ بہ موجزن محسوس ہوتا۔ کسی دن دین کی کوئی نئی حقیقت دل کے دامن میں لئے ایک عجیب سی مسرت کے ساتھ ——— جسے مسرت علم کہنا چاہیئے ——— مسجد سے نکلتے۔ کسی دن ذہن کی کوئی الجھن اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتی اور وہ اگلے روز سباق درس کے بارے میں از سر نو بحث چھیڑنے کا محرک بنتی۔ کسی دن مختلف الخیال رفقاء آپس میں بحث کرتے ہوئے نکلتے اور پچیس گھنٹے میں فرصت کے

مواقع پر دینی بحث ہو جاتی۔ جدید چیزیں یہاں تک کہ گھڑی اور ریڈیو سامنے آجاتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ درس کے بعد ہم لوگ مودودی صاحب کے ساتھ سیر کو جاتے گھومتے اور دماغ کی گرہیں کھلتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ یہ سب کچھ ہوتا مگر بے تمیزی کے رنگ سے ہم نے فضا کو پاک رکھا۔ ہر کوئی بنیادی طور پر مکمل طور پر طالب علم کا ذہن لیے ہوئے ہوتا اور سب طالب علم تھے مگر مناظرہ باز۔ خیالات ٹوٹتے اور بنتے، جار خیالات پھلتے اور نئی شکل اختیار کرتے۔ شخصیت مکمل طور پر ایک بدلی ہوا تارستا۔ ذہنوں میں ہر لمحہ ایک تموج سا طاری رہتا۔ اور ہم محسوس کرتے کہ ہمارے اندر تخریب و تعمیر کا متوازی عمل جاری ہے۔ ہمارے اندر کا پرانا انسان دم توڑ رہا ہے اور ایک نیا انسان ابھر رہا ہے۔ مذہب کے تنگ آلود مروجہ تصورات اکھڑ رہے ہیں اور تحریک اسلامی کا نیا تصور دل و دماغ کی سطح پر چمک رہا ہے۔ الغرض ہم نے مودودی صاحب سے ہر چیز بھی قبول کی مگر اپنی آزادی رائے کو برقرار رکھتے ہوئے اور اندھی عقیدت کی بنیاد پر نہیں کی۔ عقیدت سند کے ساتھ آمنا و صدقنا شاید کسی ایک امر میں بھی نہیں کہا۔ مودودی صاحب نے بھی اس طریق تعلیم و تربیت کو سوچ سمجھ کر اپنایا تھا۔ وہ اس قسم کے مرید (followers) نہیں چاہتے تھے کہ جن کو گلہ بنا کر وہ اپنی عقیدت کے سانچے میں ڈھالیں اور جن کی ذہنی کیفیات کی چراگاہ میں چرا کر ان کے گوشت اور دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائیں اور پھر دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے یہ گلہ اپنی اولاد کیلئے بطور ترکہ اور جائداد کے چھوڑ جائیں ——— وہ ایک سوچنے سمجھنے اور اپنے اندرونی جذبے سے حرکت کرنے والی جماعت پیدا کرنے کے اہتمام میں تھے جو اسلامی اصولوں پر ایک نئی دنیا بنانے کا پلٹ ادا کر سکے جس کو بھی مغالطہ نہیں ہونا چاہئے کہ واقعی اس گروہ نے یہ کام کے پوری طرح اہل بن گئے ہیں۔ احساس صرف یہ ہے کہ دارالاسلام کی تربیت نے ہمیں ایسے سوچنے سمجھنے والے پر دانش اسلام میں بدل دیا ہے جن کا سرچشمہ فکر قرآن و حدیث ہے اور جو اعتماد کے ساتھ مخالفانہ حالات کے مقابلہ میں ڈٹ کر وہ میں آگے بڑھنے کا راستہ ڈھونڈ سکتے ہیں۔

درس کا سلسلہ کبھی کبھی مرکز میں اب بھی جاری رہتا ہے اور اب بھی سوالات اور بحثیں چھڑتی ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہم دارالاسلام کے دور کے درس کو ترس گئے ہیں۔ کتنا اچھا تھا ہمارا وہ زمانہ نا آشنائی! کتنے ناقابل فراموش ہیں وہ اجنبیت کے مزے!

اب اس صاحب درس کی شخصیت کا نقشہ آپ خود اپنے ذہن میں کھینچ سکتے ہیں۔

آیئے اب ذوقیات کے دائرہ کی طرف!

مولانا مودودی کے ذوقیات کا غنچہ حقہ چائے اور پان سے سیراب ہوتا ہے۔ اور اس کی ٹہنیاں پان کے پتوں سے آراستہ ہیں۔ پان مولانا کے ہاں مسرت و تفریح کا ترجمان ہے اور یہی نازک سا برگ سبز پریشانیوں کے بار ہائے گراں اپنے کف حنائی پر سہارتا ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کاوش و تفکر کا گہرا رفیق ہے۔ دماغ میں جونہی سوچنے کی تحریک ہوتی ہے معاً مولانا مودودی کا ہاتھ ڈبیہ بٹوے کی طرف بڑھتا ہے۔ ادھر زندہ چھالیہ ڈالا جاتا ہے اور ادھر خیالات ترتیب پانے لگتے ہیں۔ پان چبانے کے لئے جبڑوں کی ہلکی ہلکی جنبش تلاطم افکار کی نرم خیز لہروں سے بالکل ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ مودودی کی تحریروں میں کوئی شک نہیں کہ پان کے پتے کی سبزی اس کے کرارے پن، چھالیے اور چونے کی تیزی اور زردے کی حرارت انگیز اور تحریک زا لطیف تلخی کے سارے پہلو شریک رہتے ہیں۔

کل ہی مولانا مودودی سے احباب کی مجلس میں (جو سفر حج سے واپسی پر فوراً ہی مرکزی دفتر میں منعقد ہوئی) دریافت کیا گیا کہ کیا پان اس لمبے سفر میں ملتا رہا۔ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص انتظام یہ کیا کہ مفتی محمد شفیع صاحب کو ہم سفر بنایا۔ ان کے ساتھ پان کا ذخیرہ تھا اور وہ اسے دیر تک محفوظ رکھنے کا کوئی خاص طریقہ جانتے تھے۔ چنانچہ پان ملتا رہا۔ کوئی چار دن کا فاقہ کیا ہوگا کہ مکہ پہنچ گئے اور مکہ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ضمانت ہے ہی کہ یہاں رزق ضرور ملے گا۔ ایک صاحب نے پوچھا: "کیا مولانا! پان بھی رزق کی تعریف میں آتا ہے؟" ——— "اجی واہ، تو کیا روٹی اور سالن ہی کا نام رزق ہے" ——— مودودی صاحب خندہ آمیز انداز سے فرمانے لگے: "اصل رزق تو پان ہے"!

ایک لطیفہ مقصود صاحب نے یوں بیان کیا ہے۔

"ایک بار پان کا ذکر چل نکلا۔ میں نے مولانا سے کہا کہ آپ تو بڑے شوق سے مزہ لے لے کر تمباکو کھاتے ہیں۔ مگر یہ عالم ہے کہ جیل میں تمباکو تک بھی جانے دوسی چھالیہ تک نہیں لی سکتا۔ اس کے جواب میں مولانا نے بتایا کہ یہ بھی ہی ہے۔ بلکہ میں تھا تو تھا ایک دن ایک صاحب نے تمباکو کا پان کھلا دیا (میرا خیال ہے کہ نیز اوّل نے غلطی سے تمباکو والا پان دے دیا تھا) اس دن بڑی کثرت سے مجھے گھومنی آئی۔ بس اس دن کے بعد مجھے تمباکو کھانے کی عادت پڑ گئی ——— مگر اس عادت پر اتنا قابو ہے کہ جیل میں جاتا ہوں تو وہاں یاد تک نہیں آتی۔"

(مولانا مقصودی ——— بنی اور دوستوں کی نظر میں)

جیسا جیسے کا واقعہ ہی سن لیجئے جسے میں پہلے قلم بند کر چکا ہوں۔ یہی مرتبہ گرفتاری (۲۸ اکتوبر ۱۹۵۳ء) کے موقع پر مولانا مسلم تھے۔ مولانا اور تیمار دار پوچھا کہ مولانا زائد تکلیف لینے نہ لگے۔ برآمدے میں رفقاء سے ملے اور ہمیں نے سارے کمرے دیکھے۔ بطور معمول پان طلب کیا۔ تو میں نے پوچھا کہ آخری پان کھا لیا جائے۔ پوچھا گیا کہ آخری کیوں؟ ہنستے ہوئے فرمانے لگے "بس اب طلاق دے دیا ہوں۔" پان جیسے رفیق کے ساتھ میں یہ فیصلہ سنکر چیل پہ چھا گیا کہ جیل کے بعد بھی یہ طلاق جاری رہے گی؟ تو فرمایا "نہیں یہ طلاق رجعی ہے مغلظہ نہیں۔" اس برجستہ فقرہ پر سب نے اور دوسرے لوگ قہقہہ لگا کر ہنسے۔ یوں یہ شخص ہنستے ہنستے مصافحہ کرکے نامعلوم مدت کی قید کیلئے مسلح پہرہ میں جیپ گاڑی کے اندر بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

(مولانا مودودی ——— اپنی اور دوسروں کی نظر میں)

مولانا کی نظر میں پان کی ترکیب دلفریب دیا ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خدا اس کے اجزاء کے تنوع اور ان کی باہمی مناسبت کو دیکھئے۔ کہاں کہاں سے اجزا لاکر جوڑے جاتے ہیں۔ انسانی ذائقہ محض عقل کی رہنمائی سے کہاں یہ ترکیب پیدا کر سکتا ہے۔

ایک بار جب کہ انگریزی دور حکومت تھا۔ کہنے لگے کہ ان انگریزوں نے یہ عادت ڈالی تو تمام حکومت مزید بے کہ گاؤں کے اور بچے رہتے کے ڈبل میں شراب کے پیگ۔ کھانے کے اسٹینڈ لگا کر رکھے ہوتا۔ راستے میں بھی ——— ضرورت ہو تو پیجئے ——— شراب کی چسکیاں لی جاتی رہیں۔ لیکن ان کمبختوں کو ہمارے پان کا لحاظ نہیں) کہ ان دونوں کو ادھیڑتے۔ اسلامی نظام حکومت میں یہ تو "پیک" سے ڈبوں میں "اگالدان" ضرور رکھیں گے۔

دارالاسلام کے دور میں مولانا مودودی کے پاس ایک بڑا سا پان دان تھا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ یہ بالعموم دفتری میز پہ دھرا دیکھا۔ جب مولانا مجلس شبانہ میں آ بیٹھتے تو پان دان بھی ساتھ آتا۔ اس حسن ذوق کا یہ نمونہ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ مگر ذرا دیر بعد لوگ باہر سے آتے تو ——— سامنے تو نہیں ——— ادھر ادھر دبی زبان سے کہتے کہ یہ پان دان خلاف شریعت ہے۔ ہم لوگ مسکرا کر رہ جاتے۔ بعض یہ رد کہ یہ حضرات اسے چاندی کا پاندان سمجھتے رہے تھے اور سونے چاندی کے برتنوں کو محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کیلئے حرام ٹھہرایا ہے۔ خود پان بھی بعض لوگوں کے فتووں کا ہدف بنے بغیر نہ رہتا۔ کچھ لوگ اسے ناجائز نہیں کہتے تھے مگر بڑی لاحاجت سے موا ہے۔ بخواست کر دیتے تھے کہ عام تصورات کا لحاظ کرتے ہوئے آپ اسے ترک کر دیں۔ مگر مولانا مودودی دوسروں کو دکھانے اور دوسروں کو خوش کرنے کیلئے نہ کوئی چیز اختیار کرتے ہیں نہ ترک کرتے ہیں۔ ایک پان ہی پر کیا موقوف، کوئی اگر میز کرسی کی نشست پر اعتراض کرتا، کوئی سفید اجلے لباس پر ہی اپنے ان کے نظریات کے دھبے ڈال دیتا، بلکہ ایک مرتبہ تو ایک مہذب قسم کے مہمان نے دوران گفتگو میں دیواروں کی سفیدی کو بھی خلاف اسلام قرار دیا۔ مودودی صاحب ان امور میں بحث کرنے کے بجائے ——— خوبصورتی سے طرح دے جاتے۔

ضمناً ایک ضروری بات یاد آئی۔ مولانا مودودی ذوقیات کے معاملے میں گھٹے ہوئے مذہبی ذہنوں کے برعکس بڑے فراخ دل اور عالی ظرف واقع ہوئے ہیں۔ جماعت تقشّف زدہ مذہب ہر چیز پر اعتراض کی انگلی رکھتا ہے۔ خصوصیت سے پان اور چائے اور سگریٹ تو بہت ہی بڑے مظلوم ہیں۔ جماعت میں اپنے حلقوں میں جو لوگ حقہ اور سگریٹ کے عادی تھے ان کی اکثر شامت آتی رہی ہے۔ خصوصاً مرکز میں جماعت کے والوں کو تو کبھی کبھی زندہ دلی کی

نفرت سے بہت سابقہ رہتا۔ میں خود اس تلخ تجربہ سے گزر رہا ہوں۔ اگر میری اور اس طرح کے دوسرے رفقا کی عقل و نگاہ ہو۔ مولانا مودودی جیسے وہ کسی مسئلہ کو شریعت کا جزو نہیں مانتے اور جن مباحات کے دائرے کو خواہ مخواہ سمیٹ کر تنگ کرتے چلے جانے کے قائل ہیں۔ جبکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اباحت اور رخصت سے فائدہ اٹھانے کا حق کوئی کسی سے سلب نہیں کر سکتا۔ ابتدا میں احتراماً میں مولانا مودودی کے ساتھ بیٹھ کر سگریٹ نہیں پیتا تھا اور غالباً اس سلسلہ میں جب مولانا کے قریب زیادہ دیر بیٹھنے سے اعصاب میں ہلچل ہونے لگتی تو چپکے سے ان کے پاندان سے زردہ کے چند ریزے لے کر منہ میں رکھ لیتا۔ مولانا میری کیفیت سے جب آگاہ ہو گئے تو کسی مجلس میں بسلسلۂ حدیث و فرقہ اشارۃً واضح کیا کہ سگریٹ جسے پینا ہو وہ پیئے، اس میں کیا برائی ہے۔ جب سے اب تک مولانا ہمارے سامنے پان کھاتے ہیں اور ہم ان کے سامنے سگریٹ پیتے ہیں۔ کسی طرف سے علاوہ تو نہیں، تاہم پناہ گاہ میں سٹ جاتے ہیں۔ یہاں اب کئی سال کی تربیت سے اس قسم کے جملہ معاملات میں جماعت کی مجموعی فضا انتہائی فراخدلانہ قسم کی ہو گئی ہے اور کوئی بھی اب ترد و نگہبانی نہیں کرتا۔

میں نے جیل کی ڈائری میں (جس کے چند ہی اوراق شائع ہوئے ہیں) لکھا ہے کہ اپنی دورِ نظر بندی کے دوران میں مولانا کے خلاف مقدمہ کی روداد سننے ہم فوجی عدالت میں گئے۔ کارروائی ختم ہونے پر ملاقات ہوئی۔ برسبیل تذکرہ میں نے بیان کیا کہ سگریٹ چھوڑ دیا ہے۔ مولانا ہنس کر فرمانے لگے: "ایسے نہیں جیل میں آئیے تو چھوڑ دیجئے۔ باہر جائیے تو پھر پیجئے۔ پھر جیل آئیے تو پھر چھوڑ دیجئے۔"

مولانا مودودی چائے سے بھی خاص رغبت رکھتے ہیں۔ لیکن مولانا آزاد کے ذوق سے آپ کا ذوق بالکل برعکس ہے۔ مودودی صاحب اس معاملے میں پنجابی نسخہ کے قائل ہیں، یعنی چائے کی پتی بھی بہت ہو، دودھ بھی بہت ہو، شکر بھی بہت ہو۔ چنانچہ شکر کے تین چمچے آپ کے لئے پیالے کو میٹھا کرتے ہیں۔ چائے کی گرمی کے ساتھ آپ کو برف کی ٹھنڈک سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ ٹھنڈا پانی مولانا مودودی کے دلپسند چیزوں میں سے ایک ہے۔ مگر ٹھنڈے پانی کا مفہوم ان کے ہاں یہ ہے کہ آدھی برف ہو اور آدھا پانی۔ حتیٰ کہ جاڑے میں بھی وہ ٹھنڈے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یاد ہے کہ جب دارالاسلام کے زمانہ میں ملتان میں ملاؤں کو پہرے کا انتظام ہوتا تھا اور ڈیوٹی دینے والے گروپوں میں مولانا مودودی کی باری بھی جس رات آتی تھی تو آپ برف کا خاص انتظام کر لیتے تھے ___ گھنٹے گھنٹے بعد برف کی سل کو ٹھونے سے توڑا جاتا اور مولانا خود بھی برفاب پیتے اور دوسرے ساتھی بھی!

کھانوں میں مولانا مودودی کے گھر کا ایک خاص مرغوب کھانا "شب دیگ" ہے۔ یہ شب دیگ مولانا کی والدہ مکرمہ کی ہدایت و نگرانی میں بالعموم عیدالاضحی کے موقعوں پر پکتی ہے اور سارے رفقا مولانا کے ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔ واقعی یہ چیز خوب رہتی تھی۔ تقسیم کے بعد شاید ایک بار اس قصۂ ماضی کی یاد تازہ کی جا سکی ہے۔

مودودی صاحب کے ذوقیات کے سلسلے میں کھانے کا ایک دلچسپ فلسفہ سنئے۔ ابھی گزشتہ رمضان میں ہمارے ایک پروفیسر دوست نے سمن آباد میں مودودی صاحب کو دعوتِ افطار دی۔ یہ دعوتِ افطار مکمل کھانے سے کسی قدر زیادہ ثقیل تھی۔ دسترخوان فرش پر بچھا، لیکن چھری کانٹا موجود! دو چار دوستوں نے چھری کانٹا اٹھایا، مگر مولانا مودودی نے مشرقی وضع نہ چھوڑی۔ میزبان نے پلاؤ کے قریب چمچہ رکھ کر اپنا مشورہ پیش کیا۔ ساتھ ہی کسی صاحب نے پوچھا "چھری کانٹے سے کھانا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟" فرمایا "جائز کیوں نہیں، مگر دست و دہن کے درمیان اگر کوئی تیسری چیز حائل ہو جائے تو کھانے کا مزہ غارت ہو جاتا ہے۔" اب ایک لطیف سلسلۂ گفتگو چھڑ کے سجلوں اور ہلکی مسکراہٹوں کے ساتھ چل نکلا۔ مودودی صاحب نے باتوں باتوں میں کھانے سے متعلق ایک مکمل فلسفہ پیش کر دیا۔ خلاصہ یہ تھا کہ کھانے کا مزہ محض اس تنہا تاثر کا نام نہیں جو ذائقہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے بلکہ اس میں مختلف حسّیات حصہ لیتے ہیں۔ کھانے کا ایک رنگ اور اس کی ایک شکل ہوتی ہے جس سے آنکھیں بہرہ اندوز ہوتی ہیں۔ ایک خوشبو ہوتی ہے جس سے مشام متاثر ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ مل کر ذائقہ کی حِسّ لطف اندوز ہوتی ہے۔ کھانے میں لمس کا بھی ایک حصہ ہے اور وہ ملتا جبھی ہے کہ انگلیاں براہِ راست مس کریں۔ چھری کانٹے اور چمچے سے کھائیے تو لمس کا یہ حصہ غارت ہو جاتا ہے۔

ذوقیات کے دائرے میں اور بہت سی چیزیں قابلِ ذکر ہیں لیکن اس مضمون کیلئے اتنا ہی حصہ کافی ہے۔

رکھتے ہیں۔ مولانا ٹھیک کہتے ہیں کہ آدمی کے ساتھ جیل کی اسیری گزار کر ہی جانا جا سکتا ہے۔ خصوصیت سے لیڈروں، دیندار علماء، مصنفین اور صحافیوں کو تو کبھی جانا ہی نہیں جا سکتا ہے۔ کتابوں اور مقالوں، تقریروں اور بیانوں میں بالکل دوسرا آدمی جلوہ گر ہوتا ہے جو تمام محاسن و کمالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اصل آدمی ان پردوں کے پیچھے بہت دور تاریکی میں چھپا بیٹھا رہتا ہے اور دنیا کس طرح بے وقوف بنتی ہے۔ شہرت شخصیت کا حجاب اکبر ہے۔ مولانا مودودی کے ساتھ ہم نے رہ کر دیکھا ہے۔ اس سلسلے میں یہی دیکھنا مطلوب ہے کہ وہ رفقا کے درمیان کس طرح رہتا سہتا اور گھلتا ملتا ہے۔ مطالعۂ شخصیت کا یہی بہترین طریقہ ہے۔

اولین بات یہ ہے کہ مولانا مودودی اپنے ملنے والوں اور کسی طرح کا تعلق رکھنے والوں میں سے ایک ایک فرد کو یکساں اہمیت دیتے ہیں۔ خصوصیت سے ساتھ کام کرنے والے رفقا، خواہ وہ عزم و منصب کے لحاظ سے اونچے اور دوسرے اوصاف کے لحاظ سے کسی بھی درجے کے ہوں، سب کے سب ان کی نگاہ میں ایک ہی طرح کی وقعت و اہمیت رکھتے ہیں اور ایک ہی طرح توجہ حاصل کرتے ہیں۔ اپنے ہر ملاقاتی اور اجتماعات میں شریک ہونے والے تمام ارکان جماعت پر وہ فرداً فرداً توجہ صرف کرتے رہتے ہیں (اب چونکہ تعداد زیادہ ہو چکی ہے اور شرکائے اجتماع بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے وہ دور اول والی بات نہیں رہی پھر بھی ہر ایک سے انفرادی ربط رکھنے کی کوشش مولانا ضرور کرتے ہیں)۔ وہ تقریباً تمام ارکان جماعت کو فرداً فرداً نام اور شکل سے جانتے ہیں، بیشتر صورتوں میں ان کے ذہنی ارتقا کے مراحل اور ان کے جماعتی احوال دیکھتے ہیں، خوبیوں اور کمزوریوں سے باخبر رہتے ہیں، مختلف جماعتوں کے حالات کی یاد تازہ رکھتے ہیں۔ کئی کئی سال پہلے جن لوگوں کو کبھی ایک بار دیکھا تھا ان کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں اور اسی طرح گزشتہ صحبتوں کو مستحضر کر لیتے ہیں۔ گردے کے آپریشن کے بعد ان کا حافظہ اگرچہ متاثر ہوا ہے اور اب کسی کسی موقع پر وہ کوئی چیز یاد لانے کے لئے ان کو ذرا سی کاوش کرنی پڑتی ہے، لیکن متعلقہ افراد کو اہمیت اور توجہ دینے کی خوبی جوں کی توں قائم ہے۔ ہر ایک کو اہمیت اور توجہ دینا خود پسندی، علیحدگی پسندی اور اپنی ذات میں سمٹے بیٹھنے کی عادت کے بالکل نقیض ہے اور مولانا مودودی کی شخصیت کی مستقل جاذبیت کا ایک سبب یہی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ وہ ہر ایک کو اعتماد میں لیتے ہیں، شریک مشورت کرتے ہیں اور ذمہ داریاں سونپتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے ساتھیوں سے بات چھپانے کی کوشش کی ہو یا ان کے خلاف بے اعتمادی کا اظہار کیا ہو۔ ہماری ہزار کوتاہیوں کے باوجود مودودی صاحب کی اس افتاد مزاج میں کبھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ انہوں نے رفقا کے درمیان کبھی اقرب اور ابعد کا امتیاز نہیں کیا۔ ایک کے خلاف دوسرے کے سامنے کسی طرح کا اظہار شکوہ اور اظہار نفرت نہیں کیا۔ دارالاسلام کے دور سے لے کر اب تک ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب کبھی کسی سفر سے آئے ہوں، کسی ملاقات اور گفتگو اور مشاورت سے فراغت ہوئی، کوئی اجلاس شوریٰ ختم ہوا تو مولانا مودودی کے گرد رفقا جمع ہو جاتے ہیں اور بے تکلفی سے باتیں پوچھتے ہیں اور باتیں سنتے ہیں۔

مولانا مودودی بہ حیثیت امیر اگرچہ کارکنان مرکز اور باہر کے ماتحت امرا کیلئے نیز خاص طور پر دفتر ترجمان القرآن کے کارکنوں کیلئے افسر کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن برسوں کا تجربہ گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی افسرانہ اور حاکمانہ انداز سے نہ کوئی کام کسی کو سونپا ہے نہ باز پرس کی ہے اور نہ بالادستی کے اظہار کے لئے اس طرح سے نگرانی کی ہے۔ سارا معاملہ دوستانہ انداز سے چلتا ہے۔ اسی دوستانہ انداز کی بات ہے کہ مولانا کے ساتھ رہ کر کام کرنے کا ہر کسی کو شوق رہتا ہے اور کوئی ان کا ساتھ چھوڑ کر جانے پر اس وقت تک آمادہ نہیں ہوتا جب تک جماعتی مصالح کا شدید تقاضا نہ ہو۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا مودودی کے ہاں ہر شخص کو بصراحت سے رفقا کو اختلاف اور تنقید کا پورا پورا حق حاصل رہتا ہے۔ علم اصطلاح کے اطلاق سے چھوٹے سے چھوٹا آدمی اٹھے گا اور علیحدگی میں ملنا ہے ملے گا اور رو در رو ہر بات کہہ دے گا جو اس کے ضمیر کی آواز ہو۔ تنہائی تک ہی محدود نہیں، عام مجالس گفتگو میں کوئی رفیق کسی بات پر کہہ دے گا کہ مجھے اس سے اختلاف ہے یا آپ کا یہ نقطۂ نظر فلاں جماعتی اصول سے یا آپ ہی کے فلاں قول سے ٹکراتا ہے۔ اور پھر اجتماع میں ——— رفقا اٹھ کر بے دھڑک سوالات کریں گے۔ اعتراضات سامنے لائیں گے اور اپنے اختلافات بیان کر دیں گے۔ جماعتی فیصلے تو نظری اختلاف کے باوجود ہر کوئی بلا تامل قبول کرتا ہے، لیکن مولانا کے علمی نظریات اور فقہی تعبیرات سے اختلافات کیے جاتے اور مسلسل برقرار رہتے

ہیں۔ ہمارے معاشرے میں علماء کی جمعیت کا پیچیدہ پیچیدگی اہمیت رکھتا ہے اور اسی کی وجہ سے کسی اونچے منصب پر آنے والا شخص ایک گونہ احترام سے گذر کر بھی
چو تناسب سے بنا منصب پر اپنی امارت کا ہے۔ ابتدا مرکزی امیر پر معاملات و مسائل اور تنازعات کے بھاری بوجھ کے ساتھ تنقید کی کٹی بوچھاڑ بھی ہوا کرتا
کا سامنا ہوتا ہے۔ جنہیں حق گوئی کے حقوق کے متعلق استعمال کرنے کی تربیت پاتے رہنے کے باوجود جماعت میں ہمیشہ ایسے لوگ موجود رہتے ہیں اور
بعض وہ جو صالح بھی اپنے مزاج کی وجہ سے اس معاملے میں ہمیشہ تیز رہتے ہیں (جیسے وہ سطح پر سے تنقید کرتے ہیں) مگر مولانا مودودی اس بوچھاڑ کا استقبال خندہ پیشانی
کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور ڈانٹ ڈپٹ یا ترش روئی کا کبھی مظاہرہ نہیں کرتے۔ انھوں نے اسلامی اصول کے مطابق اپنی پوری زندگی کو ایک کھلی کتاب کی طرح جماعت
کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کے کسی بھی صفحے کی کسی بھی عبارت پر ہر رفیق کو اظہار رائے اور تنقید بلکہ جب چاہیے کرید کرید کر پوچھنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ جماعتی
امور سے آگے نکل کر مولانا کے گھر اور ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت اور دوسرے شخصی معاملات تک پر متعدد بار لوگوں نے کھل کر گفتگو کی ہے۔ زندگی کو اس
طرح سب کے سامنے رکھ دینا اور تنقید و اعتراض کا عام حق دے دینا کوئی آسان کام نہیں۔ جسے آسان معلوم ہو وہ اسے ذرا کر کے دیکھے۔ اس مقام تک شاید
کوئی لیڈر اور عالم دین مشکل ہی سے رسائی رکھتا ہوگا۔ اور رفقاء نے جس شخص کو بار بار اعتراضات کی چھلنیوں میں چھان کر، تنقید کے چھاجوں میں پھٹک کر دیکھا ہے وہی اس کی صحیح
قدر پہچانتے ہیں۔ مولانا مودودی کو مصنوعی زندگی سے سخت گریز ہے۔ لباس، وضع قطع اور دوسرے پہلوؤں میں مختلف لوگوں نے ان ان کو طرح طرح کے مشورے دیئے
ہیں۔ لجاجت سے اصرار کیا ہے۔ لیکن مولانا نے کسی کو خوش کرنے کے لیے کبھی کوئی ایسی تبدیلی اپنے اندر نہیں کی جس کے لیے دین خود تقاضا نہ کرے اور ضمیر کے اندر سے کوئی
تحریک نہ ہو۔ بعض لوگ چاہتے تھے کہ آپ نوافل پڑھا کریں، بعض کا اصرار تھا کہ داڑھی زیادہ لمبی رکھیں، بعض کا مشورہ تھا کہ سر کے بالوں کی ہیئت بدل دیں، بعض
کا تقاضا تھا کہ اسلوب نگارش اور طرز گفتگو میں تبدیلیاں کریں اور کچھ یہ چاہتے تھے کہ لباس میں پیوند لگایا کریں۔ لیکن مولانا مودودی دوسروں پر اثر ڈالنے کے لیے
کسی ادنیٰ سی ترمیم پر بھی کبھی راضی نہیں ہوتے۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنی کسی عادت اور اپنے کسی معمول کو کبھی کسی سے اخفا میں رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ڈرامائی
کردار بننے پر کبھی ایک لمحہ بھی تیار نہیں ہوئے۔

رفقاء کی عزت نفس کا مولانا کو ہمیشہ خاص خیال رہتا ہے۔ وہ ان کا پورا پورا احترام کرتے ہیں اور اسلامی آداب کے ساتھ ان سے مساویانہ معاملہ کرتے ہیں
انھوں نے کبھی کسی رفیق کو ملامت نہیں کی، برا بھلا نہیں کہا، غضبناک ہو کر سخت گیرانہ معاملہ نہیں کیا۔

اس کے معنی یہ نہیں کہ ان کی تربیت سے تغافل برتا ہے۔ تربیت ہمیشہ مدنظر رہی۔ بس اس کا منصوبہ جداگانہ نوعیت کا تھا۔ مولانا مودودی کے طریق تربیت
کا ایک جز تو یہی اعتماد میں لینا، احترام ملحوظ رکھنا، ذمہ داریاں سونپنا اور دوستانہ سطح پر معاملہ کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کریم النفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے
چھوٹی چھوٹی چیزوں پر گرفت نہیں کرتے اور اہم ترکوتاہیوں پر وہ ایک خفیف سے اشارے یا بالواسطہ طنز کے ایک جملے کے ذریعے ہنستے مسکراتے احساس دلا
دیتے ہیں۔ اس سے آگے کا معاملہ ہو تو بغیر کسی گرمی کے پاس بٹھا کر تفصیل سے بات سمجھا دیتے ہیں۔ اظہار ندامت پر فراخدلی سے معاف کرتے رہتے ہیں۔ کسی
رفیق یا عادتاً کی اصلاح سے پہلے تجربے کے بعد وہ بالکل مایوس ہو جائیں —— اور ایسی صورتیں پورے گزشتہ دور میں شاید دو ہی چار پیش آئی ہیں ——
تو خوبصورتی سے معاملہ ختم کر دیتے ہیں۔ مولانا مودودی کا یہ طویل المیعاد طرز تربیت نتائج کے لحاظ سے بہت ہی کامیاب رہا ہے۔ خصوصاً انھوں نے اپنی
بیگم صاحبہ کی زندگی میں جو انقلاب پیدا کیا ہے وہ حیرت ناک ہے۔ ہماری یہ بہن ایک ایسے خاندان سے آئیں جس پر مغربیت تیزی سے چھا رہی تھی۔ مولانا مودودی
کی والدہ مکرمہ کے اصرار سے یہ رابطہ قائم ہوا۔ شادی کے بعد جب مولانا مودودی کے نظریات و عزائم زیادہ اچھی طرح واضح ہونے لگے اور پھر جب وہ ایک ایسے
راستے کی طرف مڑ گئے جو دنیوی کامرانیوں کے باغ و بہار سے نہیں، بلکہ فقر و فاقہ کے خارزار سے ہو کر گزرتا تھا اور وہ خارزار عملاً دارالاسلام کی بے رونق
اور سادہ دیہاتی زندگی کی صورت میں بالکل سامنے آ گیا تو ہماری ان محترم بہن کے سارے خواب درہم برہم ہونے لگے۔ وہ گویا عیش و مسرت کی ایک دنیا سے ایثار و امتحان
کی بالکل ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو گئیں۔ ذہن و دماغ میں جو کچھ ایسے انقلاب سے ہونی چاہیے تھی وہ ہوئی۔ لیکن مولانا مودودی ٹھنڈے دل سے ایک خاموش اسکیم
کے تحت ان کی دلجوئی کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ وہ کچھ دن ہنستے ہنستے، کچھ لڑ جھگڑ کے، اور ایک خاص ماحول میں رہتے رہتے آخرکار اپنی جگہ سے ہل

کہ پوری سوسائٹی پر اگر ایسی ہی تربیت نہیں پاتی جس سے کہ ایک نئی شخصیت پیدا ہوتی۔ بالکل اسی طرح مولانا مودودی اپنے کچھ لکھے ہوئے الفاظ بھی
کے صحیح بات پر تنقید اور شستہ انداز میں تربیت دیتے ہیں کہ سب کا سب نشانے کی طرف حرکت کریں تو ایک نئی زندگی " آئی —— آئیں ——
باخبر ہو جاتے ہیں" ! —— یہی ہیں مولانا مودودی کا سلسلۂ تربیت ہے جسے وہ مجلس پر استعمال کرتے ہیں

ہم نے ہمیشہ مولانا مودودی کی شخصیت سے صبر، جرأت و استقلال لیا ہے۔ مولانا ہر موقع پر نہ صرف اپنی ذات سے شخص کی ہمت بندھاتے ہیں۔ وہ اپنی کامیابی اور تحسین اپنی کارکنوں میں بھی چند سالوں میں بھی منتقل کر دیتی ہیں۔ اور اسی طرح جرأت و استقلال کے پیکر دوسروں پر بھی ... بڑی بڑی ذمہ داریاں ڈال دیتے ہیں۔ مارشل لاء کے دور میں جب مولانا مودودی اور ان کی جماعت کے بیشتر ارکان کو مقدمات کی مختلف سزائیں دینے کے فیصلے صادر کئے گئے تو ہم نے ان کو دیکھا کہ وہ کسی شخص کے چہرے پر اور ایک جاں نثار ساتھی کے دل پر جانے کیا کچھ گزر گیا۔ اسلامی کی وحدت دینی ہے۔ وہ ہر ہر دوسرے حصے کو اپنے گھر سے آتے۔ حالانکہ
ان کے حلقوں میں خاک نفرت و کدورت اور فتنہ و فساد کی آندھی اور آبادی کے نیچے کچھ ہو رہی ہے۔ جب وہ فساد شروع ہو گیا تو ہم نے مولانا مودودی سے
نفس نفیس بستی کی حفاظت کرنے فوجی نظام تجویز اور بہترین منصوبہ بنایا۔ خود وہ اس نظام کے ماتحت تھے اور ہر مقام پر منظم ہیں۔

حق و دزاں کشمیر کے نام پر جہاد کے خلاف جماعت کا جو اعلان ہوا وہ ایک دستاویز ہے (جسے جماعت اسلامی سے غدار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے) ایک بیرونی
دشمنی اور بغاوت کی آواز پر حکومت نے فتویٰ دیا کہ یہ لوگ غدار ہیں۔ میں تسنیم کے دفتر میں شریک تھا۔ مولانا سے مشورہ لینے گیا۔ مولانا مودودی نے ڈٹ کر کہا جیسے
مولانا مودودی مزاحاً کہنے لگے " تو دیکھیں کیوں —— صاف صاف کہیے کہ وہ انہیں مجرم ہیں —— پس اتنے سے فیصلے نے مجھے اور دوسرے
شرکائے مجلس کو ساتھ جوڑ دیا جس سے ملال کو ہٹا دیا اور اسی وقت میرے ذہن میں ایک مصرع نمودار ہوا —— " تم لوگ تو ہیں گناہ مجرم ہیں " ——
کئی مہینے تک نظم مکمل ہو گئی۔ پھر جب یہ ہنگامہ رفع ہوا اور جوانی کام کرنے کیلئے اخبارات کی طاقت بھی مہر سے چھین لی گئی تو مولانا نے کہ ہر حصے میں چھپے کرکے
اپنی بات واضح کی جائے۔ سوال یہ تھا کہ ابتدا کس حصے سے کی جائے۔ مودودی صاحب کہنے لگے کہ سب سے پہلے خطرناک ترین موقع کو لیجئے۔ وہ سادہ ہوچکا۔ وہ
تھا۔ ان کے اس مشورے نے جو خاص مدت کارکنوں کے اندر پھونک دی اس کا آج تک بھی اندازہ ہے

اور پھانسی کی کوٹھڑی میں! —— اعزہ و رفقا ملنے جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ جی ہاں! جیسک کے تھا
اور خلال کے چند تنکوں کی۔ یہ تھا اس شخص کا جواب جس کے لئے پھانسی کا پھندا تیار ہو رہا تھا۔ مولانا مودودی نے رحم کی اپیل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس
سلسلے میں دریافت کرنے پر جو تین وجوہ آپ نے بیان فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اگر میرے جیسے آدمی نے بھی جان بچانے کے لئے رحم کی اپیلیں کرنی شروع
کر دیں تو پھر اس ملک میں غیرت و حمیت کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا۔

اور جب فوجی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا —— مولانا نے وکیل نے ایک راہ یہ سجھائی کہ آپ تسنیم کے شائع کردہ بیان کو اپنانے سے انکار کر
دیں۔ لیکن مولانا مودودی کی سیرت نے اس مشورہ کو مسترد کر دیا اور جب عدالت میں پوچھا گیا تو آپ نے کسی تردد کے بغیر کہا کہ ہاں! یہ بیان میرا ہے"!

مولانا اپنے رفقا کے درمیان اس سادہ زندگی کی وجہ سے بھی محبوب ہیں جو ان کا تعلق دوسروں سے مساویانہ اخوت کی بنیاد پر جوڑتی ہے۔ ان کا لباس
ہمیشہ سادہ رہا اور بسا اوقات تو ان کے کرتے اور پاجامے پر خوبصورتی اور مہارت سے لگے ہوئے پیوند بھی ہم نے دیکھے ہیں۔ لیکن یہ نمائشی فقرے
ہمیشہ خالی پائے گئے۔ ان کے ہاں کے کھانے بارہا کھانے کا موقع ملا اور دعوتوں میں شرکت کی لیکن کھانا ہمیشہ سادہ پایا۔ دفتر میں میز کرسی ہمیشہ رہے لیکن صوفوں
اور قالینوں کو کبھی بار نہ مل سکا۔ کبھی کوئی ماما یا کوئی بچہ گھر میں ملازم رہتا ہے۔ لیکن تمام کاموں کے لئے نوکروں کا بڑہ کبھی بھرتی نہیں ہوا۔ اس سبب سے مولانا مودودی
کو دن میں کئی کئی بار خود ہی اٹھ کر گھر جانا پڑتا ہے اور نیچے دروازے پر دستک دے کر بلا وا دیتے رہتے ہیں۔ مولانا مودودی اپنے ہاتھ سے بہت سارے کام کر
لیتے ہیں اور ایسے کاموں کی فہرست بہت دلچسپ ہے مگر تفصیل کا موقع نہیں۔ یہ سادہ زندگی ان کے لئے رفقا سے مساویانہ رابطہ رکھنے کو آسان بناتی ہے ——
دارالاسلام میں ہر روز شام کو کبھی کرسیوں پر، کبھی چٹائیوں پر اور کبھی کتابوں پر، پتھروں اور گھاس پر بے تکلف ہر طرف کے برادرانہ محفل جمتی اور مولانا مودودی اس

میں یکساں رہتا ہے کہ بیٹھے سات کو اجتماعی کھانا ہوتا اور لنگر کھانے چاہیے جسقدر باہم دگر دست وہاں ہوتیں۔ اجتماعی کھانے کی ہر پابندی ہمیشہ مقصود صاحب تھے۔ وہ نہ ہوتے لنگر کا مچایا ہوا۔ اب لاہور میں صرف عید کے موقع پر اس اجتماعی کھانے کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔

اجتماعات کی صورت میں کئی برس تک مولانا ایک عام رکن کی طرح قیام و طعام کے عام انتظام میں حصہ دار ہوتے۔ فرش پر سوتے اور سب کے ساتھ مل کر بیٹھتے۔ اب ان کی صحت کی کمزوری کا لحاظ کرکے ان کے رفقاء نے پرہیزی کھانے کا انتظام شروع کیا ہے اور ان کو اجتماع گاہ میں قیام گاہ کا ایک گوشہ الگ کرکے دے دیا جاتا ہے تاکہ وہاں وہ ضروری امور کیلئے سوچ سکیں، تقریر کی تیاری کرسکیں اور آرام لے سکیں۔ مگر آرام کہاں! اسی طرح وہ سفر میں جب بھی رفقا کے ساتھ جاتے ہیں تو اسی درجے میں سفر کرتے ہیں جس میں سب کے لئے سفر کرنا ممکن ہو ——— اور یہ تیسرا درجہ بھی ہوسکتا ہے۔ دونوں پچھلے اجتماعات (۱۹۵۳ء، ۱۹۵۵ء) میں کراچی تشریف لے گئے تو اسی آخری درجے میں سفر کیا۔ کسی ایک موقع پر کہیں ان سے کسی ملاقاتی کی جانب سے سوال کیا گیا کہ "میں! آپ اور تھرڈ کلاس میں؟" فرمایا "اگر کوئی چوتھا درجہ ہوتا تو اسی میں سفر کرتا"۔

اندازہ کیجئے کہ یہ کیسی شخصیت ہے اور اس کے ساتھ اس کے رفقا کی وابستگی کس نوعیت کی ہوگی۔

ہاں ——— اس سادہ زندگی کے پس منظر میں وہ ایثار کام کر رہا ہے جو اس زمانے میں اپنی مثال آپ ہے۔ جب اپنا نصب العین متعین کرکے آپ ذہن کے راستے پر چل پڑے تو بار بار ایسے مواقع آئے کہ ترجمان القرآن سے کبھی ایک حلقے کے خریدار ٹوٹ جاتے، کبھی دوسرے حلقے کے لیکن مودودی کے ایمان نے اس ٹوٹ پھوٹ کی کبھی پروا نہیں کی۔ آخر میں مسلم لیگی حلقوں کے ناراض ہونے کا تو رسالہ کی خریداری پر نمایاں اثر پڑا۔ مگر حق کا یہ سپاہی اپنے موقف سے نہیں ہٹا۔ حالات کی اس گردش میں بار بار مولانا مودودی فقر و فاقہ کی بالکل سرحد پر جا پہنچے رہے ہیں۔ اور دوسری طرف تن تنہا بہت ساری ذمہ داریاں اٹھانے کی وجہ سے رات کو دو دو بجے تک بیٹھ کر کام کرنے کے عادی رہے ہیں۔ ترجمان کے مقالات کے مجموعے کتابی شکل میں آنے اور دوسری کتابیں شائع ہوئیں تو یہ لٹریچر حد درجہ مقبول ہوا اور کئی کئی ایڈیشن اب تک نکلے ہیں۔ آمدنی کا یہ ایک جائز اور وسیع ذریعہ تھا اور اس سے مولانا مودودی اپنے مالی حالات کو ہمیشہ کیلئے مضبوط بنا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ کتابیں تحریک کیلئے وقف کردیں۔ اس وقت دو چار کتابوں کے علاوہ باقی کتابیں جن کی تعداد پچاس ساٹھ کے قریب ہوگی سب جماعت اسلامی کی ملک ہیں۔ اس ایثار کے ساتھ دوسرا ایثار یہ تھا کہ جماعت اور تحریک کے عائد کردہ مختلف فرائض کا بار شروع سے بلا معاوضہ اٹھایا ——— حالانکہ یہ شرعاً اور اخلاقاً ناجائز نہیں تھا کہ مولانا اپنا پورا وقت دیتے ہوئے بقدر کفالت جماعت سے معاوضہ یا کم سے کم وظیفہ لیتے۔ اس کے لئے اصرار بھی کیا گیا۔ لیکن وہ قرض اٹھا اٹھا کر تو کام چلاتے رہے، یہ صورت بالکل قبول نہیں کی۔

سوچئے کہ ہمارے پاس کتنی ایک مثالیں ایسی موجود ہیں!

اس موضوع کے سلسلے میں ضروری ہے کہ مولانا مودودی کا پارٹ مجلس شوریٰ میں دکھایا جائے جو بیرونی دنیا کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے۔

مودودی صاحب ہمیشہ مقررہ وقت پر پہلے سے ایوان (جو بیشتر ان کا دفتر ہی ہوتا ہے) میں موجود ہوتے ہیں لوگ آتے اور بیٹھتے جاتے ہیں۔ ماحول بڑا سنجیدہ ہوجاتا ہے۔ سابق کاروائی پڑھی جاتی ہے، ایجنڈا پڑھا جاتا ہے، اور اکثر اوقات تمام ارکان شوریٰ باری باری اپنے اپنے علاقوں کے تحریکی حالات کے بارے میں معلومات پیش کرتے ہیں۔ پھر مسائل پر بحث شروع ہوتی ہے۔ مولانا مودودی بحث کے دوران میں نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کے موڈ میں پرسکون طریق سے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابتدائی عام بحث کے بعد آہستہ آہستہ دو یا زیادہ اختلافی آراء متعین شکل میں سامنے آجاتی ہیں اور ضرورت ہو تو ان کو مولانا مودودی اپنے مخصوص انداز تجزیہ کے ساتھ بیان کردیتے ہیں۔ اب ان آراء کے حق میں مختلف افراد (جو کبھی مستقل گروہ بندیوں کی شکل اختیار نہیں کرتے) انفرادی طور پر استدلال کرتے ہیں۔ بحث اگر انضباط سے ذرا ادھر ادھر ہو تو مولانا نہایت شستہ انداز سے از سر نو تجزیہ کرکے اسے پھر راہ راست پر ڈال دیتے ہیں۔ اگر لوگ زیادہ بولنے لگیں تو کسی کسی موقع پر یکایک مولانا اٹھیں گے اور مسکرا کر کہیں گے "اچھا حضرات! آپ بحث جاری رکھئے، میں ذرا ڈبیہ بھروا لے آؤں"۔ اس پر اکثر چہرے مسکرا اٹھتے ہیں اور لطیف تنبیہانہ انداز کی اس تنبیہ کو سمجھ کر بحث کا انداز خود ہی مناسب کرلیتے ہیں۔ مولانا مودودی نہ تو اس دوران میں اپنی رائے کو سامنے لاتے ہیں اور نہ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ پہلے

[illegible] چاہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] ہے کہ وہ دوسروں کی بحث سے بہت کم اختلاف کرتے ہیں کہ وہ [illegible]
شکل [illegible] تعصب کے [illegible] انہوں نے کبھی کسی بات کو پیش کیا ہے نہ [illegible] ہے۔ وہ [illegible] لکھتے ہیں تو وہ بحث کے [illegible]
[illegible] مثال [illegible] کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔ پھر وہ اپنے رفقاء سے شوریٰ میں [illegible] کے بعد [illegible] فیصلہ قبول کیا جاتا ہے۔ اس [illegible]
[illegible] فیصلے ہوتے ہیں۔ وہ باہمی اختلافی [illegible] کے درمیان جب بحث بہت طول پکڑ جاتی ہے تو مولانا مودودی ان کے [illegible]
رکھ کر اس طرح سوال [illegible] پیش کرتے ہیں کہ بحث کا [illegible] شوریٰ کی [illegible]
[illegible] روایت یہ ہے کہ باہمی افہام و تفہیم کے بعد اتفاق رائے [illegible] کے ساتھ [illegible] معاملات طے پاتے ہیں۔ مجلس شوریٰ کی
[illegible] مولانا مودودی کا ایک اہم پارٹ یہ رہتا ہے کہ جب بھی بحث کی فضا [illegible] ہونے لگتی ہے تو وہ [illegible] کر [illegible] دیتے ہیں۔ حقیقت
[illegible] لوگوں کو معلوم نہیں ہوگی کہ ہمارے [illegible] مسائل پر [illegible] شوریٰ [illegible] گفتگو کرتے ہیں [illegible] سے باہر
کی طرف سے یہ کوشش کی جاتی ہے [illegible] پہلے سے اپنے ہم خیال تیار کئے جائیں اور [illegible] شوریٰ میں [illegible] کی کوشش کرتے ہیں [illegible]
کا [illegible] کے اندر [illegible] ہوتا ہے۔ اس سبب سے گروہ بندی پیدا ہوتی ہے [illegible] نہیں! ——— اور [illegible] محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام [illegible] کی
[illegible] برابر کا حصہ دار ہے اور اس کی رائے ویسی ہی قیمتی اور اس کا استدلال ویسا ہی اہم ہے جیسے کسی [illegible]!

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص میرے اس مطالعۂ شخصیت میں اچھے ہی اچھے پہلو دیکھ کر مجھ پر قصیدہ گوئی کا الزام رکھے۔ میں کسی کو روک نہیں سکتا۔ مگر اتنا عرض ضرور کروں گا کہ اپنے آپ سے ضرور کہتا ہوں کہ قصیدہ گوئی کے لئے میرا مزاج بنایا ہی نہیں گیا۔ [illegible] میرا مزاج یہ بھی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ تکلف کر کے کیڑے [illegible] کے اندر نکالوں۔ مودودی صاحب کی شخصیت کا مجموعی ڈھانچہ بہت ہی صاف ستھرا اور نفیس ہے۔ اس میں کوئی بنیادی [illegible] اہم قسم کی کوتاہی یا فساد موجود نہیں ہے۔ یوں وہ انسان ہیں۔ رائے قائم کرنے، فیصلے دینے، معاملات کو سمجھانے، تدابیر اختیار کرنے میں غلطیاں کرتے ہیں۔ ہم سب ایسی غلطیوں پر ان سے بحث بھی کرتے ہیں اور اگر ہمارے دلائل مضبوط ہوں تو مولانا [illegible] قائل ہو کر تسلیم بھی قبول کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کے اخلاق اور کردار کی ساخت کا تعلق ہے اس میں کوئی رخنہ تلاش کرنے میں ناکامی ہوتی ہے۔ کمزوریاں ان میں ہوں گی مگر آخر تحریک کی چکی میں پڑ کر اپنے رفقاء کے ساتھ ساتھ خود مودودی صاحب بھی تو پسے ہیں۔ اور وہ تو ہم سب سے پہلے ([illegible] میں) اپنی اس [illegible] ہوئی چکی میں آ خود پڑے تھے اور اس میں پستے ہوئے ان کو آج ۲۵، ۲۶ سال ہو چکے ہیں —
——— میں اپنے ضمیر کے سامنے بہر حال مطمئن ہوں کہ میں نے عقیدت مندی کے رنگ سے نہیں بلکہ یہ تصویر واقعیت اور حقیقت کے رنگ سے مرتب کی ہے ———
اور اتنی اچھی تصویر سامنے ہونے کے باوجود میں کہتا ہوں کہ مودودی ہرگز کوئی فرشتہ نہیں، وہ معصوم نہیں، وہ انسان ہے، وہ غلطیاں اور کوتاہیاں اور کمزوریاں رکھنے والا انسان۔

مودودی کی شخصیت کا یہ مطالعہ و تجزیہ ختم کرتے ہوئے میں ملک سفیان آفاقی کے چار لفظوں کو دہراتا ہوں: "مولانا مودودی کی زندگی اس اعتبار سے دلچسپ ہے کہ وہ ایک انسان کی زندگی ہے" (ابو الاعلیٰ مودودی) اور ان الفاظ ہی کی روشنی میں تعصب کی ان دیواروں پر ماتم کرنا چاہتا ہوں جن کو لوگوں نے خود اپنے اور مودودی کے درمیان کھڑا کر رکھا ہے اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے والوں کو اذن دے رکھا ہے کہ ان دیواروں پر نت نیا پلستر لیپتے رہیں۔ مودودی صاحب سے جسے اختلاف ہو وہ اختلاف کرے، جو ان کے مذہبی تصور کو غلط سمجھتا ہو وہ اپنا کلامی اور فقہی نقطۂ نظر پورے زور سے سامنے لائے اور جسے ان کے سیاسی پروگرام سے بُعد ہو وہ سیاسی دائرے میں ان کا پورا مقابلہ کرے ——— مگر وہ اپنی نوعیت کے انسان اور ایک تاریخی شخصیت ہونے کے لحاظ سے ساری ملت کی ایک قیمتی متاع ہیں بلکہ انسانی دنیا کے بنیادی سرمایۂ شخصیت و کردار کا ایک جزو!
——— اور ان کی ذات میں علم اور عمل کے کچھ ایسے پہلو موجود ہیں جن میں سے ہر ایک کی ہمیں ضرورت ہے۔ انہی پہلوؤں تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ نکالنے کیلئے ان کا مطالعۂ شخصیت مفید ہے، ورنہ محض ایک شخص جس کا نام ابو الاعلیٰ مودودی ہے کسی دوسرے سے قابل ترجیح نہیں ہے۔

علامہ مشرقی

غلام جیلانی برق

یہ ۱۹۰۸ء کی بات ہے۔
کہ میرے گاؤں (بسال ضلع اٹک) میں میرے والد صاحب کے مرشد ذی کشف بزرگ حضرت (والد صاحب) عقیدت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں اور میرے ایک بھائی غلام ربانی (وزیر بھی) ہمراہ تھے۔ ہم نے بھی نذرانہ پیش کیا۔ مرشد نے پوچھا۔ کہ بچے کیا کرتے ہیں۔ حضرت والد نے بتایا کہ سرکاری سکولوں میں پڑھتے ہیں۔ بڑا چھٹی میں اور چھوٹا تیسری میں۔ یہ سنتے ہی مرشد کے تیور بدل گئے۔ جلال میں فرمایا "ان کو آج ہی سکول سے اٹھا لو۔" حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور ہم دونوں بھائی مسجد میں بٹھا دئیے گئے۔ جہاں ہم نے چند برس درسی کا نصاب ختم کیا۔ پھر دس برس عربی نحو۔ فقہ۔ منطق فلسفہ۔ حدیث۔ تفسیر اور تاریخ پر صرف کئے۔

مسجد کے یہ تیرہ برس میری زندگی میں بہت اہم تھے۔ اوّل اس لئے کہ یہاں مجھے عربی زبان پر قدرت حاصل کرنے کے مواقع میسر آئے۔ اور دوم اس لئے کہ مجھے ملا و پیر کی اندرونی زندگی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ چونکہ یونانی فلسفہ پڑھنے کے بعد تنقید کی عادت پختہ ہو چکی تھی۔ اور فکر آزاد ہو چکی تھی اس لئے میں نے اس مذہب کے ہر پہلو پر غور کرنا شروع کر دیا جو ملا پیش کر رہا تھا۔ بے شمار شبہات پیدا ہوئے۔ جن کا جواب ملا کے پاس موجود نہ تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شبہات بے چینی میں بدل گئے۔ اور بے چینی نے بغاوت و الحاد کی صورت اختیار کر لی۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء تک میں خدا، رسول اور اسلام و قرآن سے باغی رہا۔ میرا کام رسول خدا کی تضحیک اور کتاب اللہ کا مذاق اڑانا تھا۔ اور مذاق بھی ایسا کہ بڑے بڑے زندیق میرے سامنے کان پکڑتے تھے۔ اور ابلیس مجھ سے پناہ مانگتا تھا۔

میرا الحاد عین شباب پر تھا۔ کہ ایک دن (۱۹۲۶ء) ایک دوست علامہ مشرقی کی مشہور کتاب تذکرہ میرے پاس لائے۔ اور کہا۔ کہ اسے پڑھو۔ شاید تمہارے بعض شبہات کا حل اس میں موجود ہو۔ میں نے نفرت و حقارت سے کتاب کو اٹھایا لیکن چند ابتدائی جملوں ہی نے میری دنیائے دل میں ایک زلزلہ سا بپا کر دیا۔

"دنیا کی سب سے منظم اور مروّج اشیاء میں سب سے پیارا مذہب ہے۔ یہ پوجنا کیوں ہے۔ یہ جھکنا کیا ہے۔ یہ رسمی عقائد۔ یہ شرعی مراسم۔ یہ برہمن کے قشقے۔ یہ بت پرست کی مورتیاں۔ یہ مسلم کی قربانیاں اور ہندو کے

... ملک کی شدید فسادی اور جھگڑا کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایسے تبصرے ہیں۔ ملک کے حالات سے متعلق
... حالت۔ مسلمانات۔ قد۔ لمبی لمبی داڑھیاں منڈے ہوئے چہرے۔ تعریف۔ اصطلاح۔ جن کا شخص
.... کی اصلاح جاری ہیں .... کہ ہر شخص نہایت تقویت بالقوام سے کرتا ہے۔ ان کے کئی مجموعے
ہیں کے متعلق ایک حرف نہایت پر نہیں لکھا جا سکتا۔ اگر ابتدائی سب اس شخص کا مطالعہ کرتے سے سب ہی بعد
ہی کو نہایت رہنمائی کا منتخب کیا جا سکتا ہیں ....
تعجب ہے مذہب کی طرف بھی عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک ... مرضی کر کے سادہ
سچا ہے۔ کہ نساء شارع کائنات کی منشا کے مطابق ہے اور مذہب نے کہاں تک معیار کیا ہے! .... مگر
علم الطبیعیات کے حقائق پر سارا جہاں متحد ہے .... کسی کی مرکزی حرکت یا سورج کے اندرونی سکون کو
ساری دنیا متفق ہو چکی ہے .... لیکن ہندو اور بدھ۔ یہودی بھی عیسائی اور مسلمان نے دین کا اختلاف ہے
قائم ہے اور رہے گا۔ حماقت کی حد تک اس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی! ....
میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغمبر جہاں سے آئے تھے۔ ایک ہی پیغام دیتے تھے۔ انہوں نے اس کو خدا کا جلوہ ایک
ہی چشم تجربے دیکھا تھا۔ وہ انسان کو ایک ہی مقام پر اپنے دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔ تبلیغی اور تم تشبیہ سے تشفیا
اُن کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوتی تھیں .... جو کہا وہ سب ایک تھا۔ فرد نے صد ایک کو
جیسا کہ قانون ایک تھی۔ قانون ایک تھا۔ بس پیغام ایک تھا۔ جب تک یہ عمر ہزار لوگ اس دنیا میں رہے۔ اگر
اذکر ہو سکتے رہے۔ سُولی پر چڑھ چڑھ کر سرسوا ہو ہو کر خلق خدا کو آمادہ عمل کرتے رہے۔ سب کو ایک نصب
العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے۔ لیکن اُن کے بعد جب حقیقت شناس لوگوں نے اس کو سنبھالا
توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پیغام خدا غلط کر کے اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر لیں۔ آج سب نیت پر غلط کام کا متضاد
عذاب اکثر اس فساد اور بغاوت سے ہے .... یہ مذہب کی ضد فی الحقیقت جہالت اور ناشناسی کی ضد ہے
.... علم اور نبوت کی ضد قطعاً نہیں۔ علم جہاں ہوتا ہے اتحاد و اشتراک پیدا کرتا ہے۔ دین وسلام اور سعی و
عمل پیدا کرتا ہے .... اس کے ہوتے جھگڑے پیدا ناممکن ہے .... دو مخالف فریق آج تک اس
بات پر نہیں لڑے کہ پانی سیال نہیں۔ آگ ٹھنڈی ہے۔ یا بھاری چیز آسمان کی طرف جاتی ہے .... اسی طرح اگر روئے
زمین کے تمام مذاہب علم کی کسوٹی پر پرکھے جائیں .... تو آج ہی نسل انسانی متحد .... ہو سکتی ہے۔

(تذکرہ علامہ مشرقی۔ آغاز)

میں اس کتاب کو پڑھتا گیا۔ ان اذکار تشریحات کے متعلق میری دلچسپی بڑھتی گئی۔ یہ بات میرے کانوں میں پہلی مرتبہ پڑی۔
"دنیا کے مختلف پیغمبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے"
مجھے تو علماء نے یہ سمجھایا تھا۔ کہ پہلے انبیاء کے پیغام نامکمل و ناقص تھے۔ دوسروں میں زبردست تضاد و تباین تھا۔ میں حیران تھا۔ کہ ایک خدا
نے ایک نسل انسانی کی طرف سینکڑوں متضاد مذاہب کیوں بھیجے تھے۔ اور تمام دنیا کو ہم ملحد بنا کر ہم نے فتنہ و فساد کی آگ کیوں بھڑکائی تھی
علامہ مشرقی نے مجھے پہلی مرتبہ بتایا کہ
مذاہب نے انسان کو اس زمین پر رہنے کا ڈھنگ سکھایا .... اجتماعی بقا کی راہ دکھائی۔ اقوام کے عروج کے اصول

> [illegible] ستقلال سے [illegible] بات کرکے بنیادی سوال تشنہ کی۔ آخر میں مزید [illegible]
> [illegible] تک وہ وحشی دے سکے۔ نازمانی کی ان آنکھوں سے سرزاتی دکھا گئے۔ [illegible]
> [illegible] بے مثال بصیرت کے باعث ہوا...... کمال خدا سے ہوا۔ [illegible]
> [illegible] نقش کے بام تجسس [illegible] پڑھ کر رہا۔ زمین سے کئی منزلیں بلند ہو کر ستاروں [illegible]
> کرتا۔ نہیں نہیں۔ آسمان سے اور آسمان پہ بسنے والے خدا سے ہوا۔ وحی اور نبوت سے۔ ہوا اور عشق سے۔ تدلی اور تکلم سے ہوا........ دوسرے لفظوں میں ان انبیا کی بدولت اصل دین کی تجدید و تکمیل ہوتی۔ یہ کسی مخالف راہ عمل کوئی نیا دین یا مذہب دنیا کے کسی نبی نے قائم نہیں کیا (تذکرہ صفحہ ...)

مدیرانہ سے علاوہ بات کہنے کا طریقہ اس قدر دلنشیں، سرشار اور مدلل تھا۔ کہ بات دل میں اترتی گئی۔ دور الحاد میں انبیا کے متعلق میری یہ رائے تھی کہ یہ سب لیڈری کے چکر کے اور دنیوی وجاہت کے شوقین تھے۔ یہ اپنے جلوس نکلوا کر نعرے لگوا اور پیری مریدی کی دکان چمکا کر دنیا کو دھوکا دیتے تھے۔ علامہ نے میرے ان وساوس پہ بجلی آگ برسائی۔

> "یہ سوال کہ کیا سب رہنمایان خلق اور اصفیائے امت جو اپنی مدت العمر سعی و عمل کے بعد خلق خدا کو ایک راہ پر لگا گئے تھے جو اپنی دھن کے اس قدر پکے تھے کہ کٹ گئے مگر اپنی بات کو نہ چھوڑا۔ کیا یہ سب معاذ اللہ مجنون اور دیوانے تھے۔ کیا ان کا تمام ہنگامہ سب مکر و فریب کا جال تھا...... کیا ان سب کو نفس نے اس قدر دھوکہ دے رکھا تھا کہ دھوکے میں جیتے رہے۔ دھوکے میں کٹتے رہے۔ دھوکے میں قوموں کو امن و امان کے فلک الافلاک تک پہنچا گئے۔ اور دھوکے میں مر گئے........ کیا موسیٰ فی الحقیقت ایک بے علم۔ بدحواس۔ دھتکارا اور مختل الحواس مجنون تھا جو فرعون کی جابرانہ طاقت کے خلاف بے سود علانیہ برسر پیکار رہا۔ جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود اس کو علی الاعلان ہلاکت کا اٹل پیغام سناتا رہا۔ جس نے ڈنکے کی چوٹ اس کو اور اس کی قوم کو عذاب کی دھمکیاں دیں..... کیا عیسیٰ علیہ السلام محض ایک مرنجاں مرنج۔ سادہ لوح۔ خالی الذہن۔ دنیا و مافیہا سے ناجد اور بھیڑوں کو چرانے والا گڈریا تھا جس پر قیصر روم نے افترا باندھ کر اسے واجب القتل قرار دیا تھا........ جس کی سنجیدہ آنکھوں میں ایسے ہیبت و خوف نظر آتا تھا...... کیا بدھ علیہ الرحمۃ والسلام جیسا باکمال شخص جس کے پیروؤں کی تعداد آج دنیا کے سب نئے اور پرانے مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھ کر ہے... فی الحقیقت ایک بیراگی اور نفس کش۔ ایک خشک مغز اور یبوست آگیں زاہد ہی تھا جس نے تخت سلطنت کو لات ماردی اور باشندگان زمین کو راہ راست پر لانے کیلئے وہ اندوہناک مشقتیں جھیلیں کہ سطح زمین یکسر کپکپا اٹھی اور قرنوں تک اس لرزش کا اثر چار دانگ عالم میں باقی رہا.......... کیا وہ سالار انبیا اور ختم المرسل محمد علیہ السلام والصلوٰۃ جس کے آسمان شگاف علم و عمل کو دیکھ کر رحمت ایزدی کا موسلادھار مینہ روئے زمین پہ ابدالآباد تک برستا رہے گا۔ جس کے قانون بقا و فنا کی تبیین پہ بحر و بر اور شمس و قمر سلام بھیجتے رہیں گے۔ جس کی قوت تغیر و انقلاب کا اندازہ کرکے ہر قدم کو کارزار بننے کی دائمی آرزو رہے گی کیا وہ سرور عالم فی الحقیقت ایک کنج نشین۔ کملی پوش۔ بے نوا۔ نادان زاہد ایک خانہ گزار متوکل اور فاقہ کش متقی ہی تھا۔ جس نے اقل قلیل مدت میں عرب کی بے نام اور مجبور زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشیں فوارے اکناف عالم میں رواں کئے کہ تہذیب ہمیشہ ان کے کارناموں کو مڑ مڑ کر دیکھا کرے گی۔ کیا یہ سب کے سب لیڈر خلق اور

[illegible] ۔۔۔۔ [illegible] حقیقتاً [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

علامہ مشرقی نے ان [illegible] ثابت کیا ہے:

اوّل: یہ کہ [illegible] ایک نسل [illegible]

[illegible]

[illegible] آشفتہ [illegible] بار ہی ہے۔

دوم: [illegible] سے پیدا ہوتا ہے [illegible] اور حوادث کو مسخر کر سکتے ہیں [illegible] خوف خدا پیدا ہوتا ہے اور اسی سے الوہیت [illegible] و دانش کے [illegible] کائنات اللہ کا تخلیقی عمل ہے [illegible] کیسے بن گئی اور [illegible] حکمت اور فہم و فکر و دانش [illegible] نہیں پہنچ سکتی۔

علامہ نے اس سلسلہ [illegible] انتقاد اور چند نظریات پر وہ خرد افروز بحث کی ہے کہ دل لذتِ ایمان سے چھلکنے لگتا ہے۔

سوم: یہ مسئلہ مدتوں سے زیرِ بحث چلا آتا تھا کہ جب اللہ نے قرآن حکیم میں سینکڑوں مقامات پر صرف مسلمانوں سے خلافتِ ارضی کا وعدہ

[illegible] ہندوستان اور پاکستان کے بیشتر حصے پر کیوں حکمران ہیں۔ تذکرہ کا اسلوب خطیبانہ ہے۔ [illegible]
[illegible] فرماتے ہیں کہ الہامی صحائف کو [illegible] ذکر [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] اقوام [illegible] تعلیم، محنت، جذبہ [illegible]
[illegible] گمراہی ہوتے رہا ہے۔

جس امت میں زندگی [illegible] اقوال کا اصلاح [illegible] موجود ہو کہ جو قوم اس قانون خدا کا اتباع [illegible]
...... [illegible] طلب اور صبر آزما [illegible] کرتے رہے گی۔ [illegible]
[illegible] اور [illegible] گا .... اگر تعلیم خدا اور [illegible] اسلام [illegible] قرآن ہے۔ [illegible]
[illegible] اور صرف عمل سے ہو سکتا ہے [illegible] ہو سکتا ہے۔ [illegible]
قانون خداوندی آسانیاں [illegible] کرکے اس مقام جلیل کے برقرار رہنے کی امید رکھنا [illegible]
گلیوں اور قوموں پر [illegible] کرکے [illegible] اور باعزت [illegible] مسلمان [illegible]
[illegible] امت کا شیوہ ہے۔ اس [illegible] ہے۔ ایک
چھوڑنے سے [illegible] زبانی [illegible] اور لفظی عبادت کی کچھ پیدا نہیں کرتا۔ [illegible]
اسے [illegible] سے برطرف کر دیتا ہے۔ چراغ تلے [illegible] امید رکھنا پوری جہالت ہے
...... پس میری دانست میں اگر ایک شخص اپنے لفظی اور زبانی عقیدے پر جما رہتا ہے، تو اس کا عقیدہ خدا کی
نظروں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا .... [illegible] ...
قرآن کو [illegible] ہے ..... حقیقت کا منہ چڑاتا ہے ..... برخلاف اس کے جو شخص عمل کر رہا ہے ...... وہی
اس کے عملاً اعلیٰ ہونے پر سچا ایمان رکھتا ہے۔ وہی اس کو صحیح معنوں میں مان رہا ہے۔ وہی اس کو دل سے اعلیٰ تسلیم کرتا ہے
وہی مسلم اور مومن ہے .... مسلمانوں [illegible] قوم نے آج عمل کی تکلیف [illegible] کو خیرباد کہہ کر عقائد کی
آرام دہ مکاری پر تکیہ کر لیا ہے۔ اور اس مکر کے اندر ایک نیا مکر یہ پیدا کر لیا ہے۔ کہ نہایت عقلمندی سے اس بات کے درپے
رہتے ہیں کہ خدا کو خوش کرنے کے لئے عقائد کو درست کیا جائے۔ اعمال کے درست ہونے پر بحث قطعاً بند ہو چکی ہے۔
گویا ہم سے ملک اس لئے چھینے جا رہے ہیں کہ حاکم زمین و آسمان کو اس لاڈلی امت کے [illegible] پسند نہیں ہے .....
اسلام عمل اور صرف عمل ہے۔ جو عامل ہے۔ اس کا عقیدہ بھی درست ہے۔ نہیں بلکہ اسے زبانی عقیدے کی ضرورت ہی نہیں
خالی قول و عقیدہ بہر نوع کچھ نہیں۔ آج کچھ نہیں، کل کچھ نہیں اور ابدالاباد تک کچھ نہیں۔

(تذکرہ ص ۸۳-۸۶)

۲۰۰ صفحات دبلی تقطیع، [illegible] کی کتاب از اول تا آخر اسی طوفانی انداز کے ساتھ چلتی ہے۔ قدم قدم پہ جدتیں، ترجمہ و تشریح کی ندرتیں، رسوم
مناسک کی تنومند تفاصیل اور ضابطۂ عروج و زوال کی ایمان افروز تفاسیر۔ کتاب کو پڑھ کر

مع۔ غل پڑا دنیا میں ایک کافر مسلماں ہو گیا

اس زمانے میں میں اور میرے بڑے بھائی غلام ربانی عزیز (آج کل پروفیسر گورنمنٹ کالج ملتان) گورنمنٹ ہائی سکول کیمبل پور میں مدرس تھے۔ وہ بھی
تذکرہ پڑھنے سے پہلے [illegible] تھے۔ وہ بھی میری طرح اس کتاب سے متاثر ہو گئے۔

اور علامہ مشرقی سے ملاقات کرنے کی غرض سے ان کی کوٹھی پر پہنچے تھے۔ خوش ہوا کہ میں اور میرے بہت سے احباب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ ہر جمعہ کو یہاں آ جایا کریں۔ تو آپ کو بڑی تکلیف ہوگی۔ اس لئے آپ ہی یہاں مستقل تکلیف گوارا فرمائیں۔ علامہ نے جواب میں ایک سخت خط لکھا جس میں ... سلسلہ لکھا ہے۔ اور لکھا کہ تم تحریفات سے کام لیتے ہو۔ آخر علامہ نے یہ بات ختم کر دی۔ اور میں ابھی وہیں بیٹھا رہا۔ بعد میں ... علامہ کی وفات کی خبر ستمبر ۱۹۶۳ء کو آئی ... ساڑھے گیارہ بجے ... تھا۔ ... میں نے ... کو ایک ... ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ... بہت ... تھا۔ مقصد یہ تھا کہ جب ان کا ... ہو تو ... اطلاع ہو جائے۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہاں پہنچا۔ ... صاحب کے مکان کے سامنے ... اندر سے ایک ... خوش پوش ... گندمی رنگ ... داڑھی ... ملاقات ان سے ... سفید ریش ... اور سفید ... تھی۔ ... مجھے مشرقی کہتے ہیں۔ اور یہ سب ... الاصول ... بولی ... سب جنت ہے ... غیرہ ... ایسی گفتگو کے بعد علمی مسائل زیر بحث آ گئے۔ آپ نے جنت و دوزخ پر بھی روشنی ڈالی۔ اور فرمایا کہ جنت و جہنم دنیا میں بھی موجود ہیں۔ ... ایک جنت ہے جو صرف قرآنی ارشادات سے حاصل ہو سکتی ہے۔ سلطنت بھی جنت ہے۔ ... بھی جنت ہے۔ تو بل اور ... وہ بھی جنت ہے ... اور ... حقیقت میں جنت ہے۔ اسی طرح تکالیف، امراض، پریشانیاں، افلاس، جہالت، غفلت، ... سب جہنم ہیں۔ ... جنتوں اور جہنموں میں محصور ہے۔ قرآن ایک ایسی زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ جس سے آپ اپنی زندگی میں بے شمار جنتیں جمع کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں دنیوی آسائشوں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں جنات (جنت کی جمع) الفاظ استعمال کیا ہے۔ اور چونکہ اُخروی جنت صرف ایک ہے۔ اس لئے اسے ہر جگہ "جنت" کہا ہے "جنات" نہیں کہا۔ آپ نے اُخروی جنت کے متعلق فرمایا کہ وہاں داخل ہونے پر ہر جنتی کو ایک زبردست مسرت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے اس مسرت کو دائمی ... فرما دیں گے۔ دنیا کی تمام مسرتیں عارضی ہیں۔ ایک شخص کو زندگی کا ایک ... بہت خوشی ہوتی ہے۔ اصل مسرت چار پانچ دن کے بعد کم ہو جاتی ہے۔ لیکن جنت کی خوشیاں اور مسرتیں لازوال ہوں گی۔ اگر دنیا میں جنسی لذت کے بعض لمحات کو لازوال کر دیا جائے تو یہی جنت ... ہو سکتی ہے۔

گفتگو جاری[1] تھی۔ کہ ظہر کی اذان ہو گئی۔ بیٹھک ہی میں صفیں آراستہ ہو گئیں۔ ہم سب مسرور تھے۔ کہ آج ایک عظیم مفکر و مفسر کی قیادت میں نماز ادا کریں گے۔ لیکن علامہ نے یہاں بھی جدت کر کے چھوڑا۔ اور اپنے نابالغ بیٹے اکرام کو فرائض امامت سرانجام دینے کے لئے آگے کر دیا۔ بچہ بھی خود اعتمادی دیکھئے۔ کہ بے دھڑک آگے بڑھا۔ اور پوری صحت سے نماز پڑھائی۔ بعد نماز علامہ مشرقی سے اجازت چاہی اور واپس چلے گئے۔

۱۹۳۰ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں مجھے عربی ایم۔اے کے لئے جانا پڑا۔ اس سال دسمبر کے آخری ہفتے میں مجھے علامہ مشرقی کا ایک خط پشاور سے ملا۔ کہ میں مذاہب عالم کی کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے ہالینڈ جا رہا ہوں۔ فلاں تاریخ (غالباً ۲۰ دسمبر ۱۹۳۰ء) کو شام کے چار بجے مجھے ... خواجہ فیروز الدین بار ایٹ لاء کے مکان پر ملو۔ میں چند ہم جماعتوں کے ساتھ وہاں گیا۔ یہ صحبت رات کے ۱۰ بجے تک جاری رہی۔ ہم نے کھانا بھی وہیں کھایا[2]۔ دوران میں مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ میرے حافظے میں صرف چار محفوظ ہیں۔

(۱) اس مرتبہ علامہ نے داڑھی بڑھا رکھی تھی۔ میں نے اس "مُلّا پن" کی وجہ پوچھی۔ تو کہنے لگے۔ اس کی وجہ ایک فوری جذبہ ہوا ہے۔ بات یوں ہوئی کہ جسٹس سر سلیمان مجھے ملنے کے لئے آئے۔ تو آتے ہی بہ رنگ معذرت کہنے لگے۔

---

[1] وہ رمضان میں کھانے کا کوئی وقفہ نہ تھا۔ اس لئے کہ سب مہمان اکرام بھی روزہ دار تھے۔ (برق)

[2] یہ سطور لکھ رہا تھا کہ کسی نے "زمیندار" میرے ہاتھ میں تھما دیا جس میں خواجہ صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر درج تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (برق)

... شیو (SHAVE) نہیں ہوسکتا:

... ساتھ ... کیا داڑھی تو غیر ضروری چیز ہے۔ کہ ایک مسلمان ... جائے۔ ... !
... جب کے ساتھ ہوسکتا ہے تو ایک مسلمان یقیناً داڑھی کے ساتھ ... ہیں۔ ...

بات سن کر ... گیا۔

۲۔ فرمایا:-

"۴۰ء سال جب گرمیوں میں حسب معمول حکومت پنجاب و ہند کے دفاتر شملہ میں منتقل ہوئے۔ تو صوبائی و مرکزی دفاتر کے مسلمان ... سی۔ ... افسروں نے ایک ادبی جماعت بنائی۔ اور مجھ سے التماس کی کہ آپ "تذکرہ" کی باقی نو جلدیں جلد از جلد شائع فرمائیں۔ ... پانچ ہزار جلدیں خریدنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ بیس ہزار روپے پیشگی ادا کرنے کی پیش کش بھی کی"

"تو پھر آپ نے کیا جواب دیا۔" میں نے پوچھا

فرمایا: "میں نے انہیں لکھا ہے کہ کیا آپ لوگ "تذکرہ" کی پہلی جلد پر عمل کر چکے ہیں"

علامہ کے اس تیز سے جواب پر غصہ بھی آیا۔ اور مایوسی بھی ہوئی کہ اگر علامہ صاحب قوم کے عمل کا انتظار کرتے رہے۔ تو پھر ان ... جو "تذکرہ" کے صفحۂ عنوان پر یہ الفاظ درج ہے۔

" قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اس کے منشائے خداوندی ان شاء اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مبسوط عملی تبصرہ" کبھی شرمندۂ وفا نہیں ہوگا۔ تذکرہ کی پہلی جلد ۱۹۲۴ء میں نکلی تھی۔ آج پورے تیس برس گزر چکے ہیں۔ علامہ نے چھ جلدوں کے مسودے تیار بھی کئے۔ ان میں سے جلد دوم کا ایک مضمون "گاندھی اور چرخہ" غالباً یہی عنوان تھا میں نے بھی پڑھا۔ لیکن کوئی جلد قوم کے مشتاق ہاتھوں تک تا ہنوز نہیں پہنچ سکی۔

۳۔ فرمانے لگے

"ابوالکلام آزاد کی تفسیر جلد میدان میں آرہی ہے۔ سنا ہے کہ آزاد نے نظریۂ عمل "تذکرہ" سے چرا لیا ہے۔ اور علمی بددیانتی کی حد یہ کہ اعتراف تک نہیں کیا۔"

جب چند روز بعد تفسیر آزاد کی پہلی جلد مجھے ملی۔ اور "مالک یوم الدین" کے تحت علامہ کے مشہور نظریۂ عمل کی تفاصیل پڑھیں۔ تو مسرت بھی ہوئی۔ کہ امام الہند ملا کے اسلام سے نکل گئے ہیں۔ اور افسوس بھی۔ کہ "تذکرہ" کا احسان مان لیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ بہرحال میری مسرت بہت زیادہ تھی اور افسوس محض رسمی سا۔

۴۔ اللہ کے قول (الہامی صحائف) و عمل (کائنات) کا ذکر چل پڑا۔ تو ایک دلچسپ کہانی سنائی۔ جس کا تعلق انگلستان سے تھا۔

"۱۹۰۹ء کا ذکر ہے۔ کہ اتوار کا دن تھا۔ اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام کے لئے باہر نکلا۔ تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس (SIR JAMES JEANS) پر نظر پڑی۔ جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ سلام کیا۔ تو وہ متوجہ ہوئے۔ اور کہنے لگے "تم کیا چاہتے ہو" میں نے کہا۔ دو باتیں۔ اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے۔ اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے۔ اگر کوئی مصلحت مانع نہ ہو۔ تو تان لیجئے۔ سر جیمز اپنی بدحواسی پہ مسکرائے اور چھاتا تان لیا۔

دوم یہ کہ آپ جیسا شہرۂ آفاق شخص گرجا میں عبادت کے لیے جا رہا ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ کس زمانے میں سائنس کے انکشافات اور نئے حقائق نے مذہب کو نیچا دکھا دیا تھا اور تعلیم یافتہ طبقہ مذہب کے نام تک سے بیزار ہو چکا تھا۔ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کے لیے رک گئے۔ اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: "آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو۔" میں شام کے وقت ان کی رہائش گاہ پر پہنچا ٹھیک چار بجے لیڈی جیمز باہر آکر کہنے لگیں۔ "سر جیمز تمہارے منتظر ہیں۔" اندر گیا۔ تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ لیڈی جیمز نے چائے بنا کر ایک پیالی مجھے اور ایک پروفیسر صاحب کو دی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے۔ "تمہارا سوال کیا تھا؟" اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق۔ ان کے حیرت انگیز نظام۔ بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں۔ ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں۔ نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستان کبریا و جبروت سے دہلنے لگا۔ اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی۔ کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے۔ "عنایت اللہ خان! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے۔ اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں۔

"تو بہت عظیم ہے، تو بہت بڑا ہے"

تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد سکون و سرور نصیب ہوتا ہے اور ان سجدوں کے بعد میں جو مسرت محسوس کرتا ہوں۔ عام لوگوں کی صرف زبان عبادت کرتی ہے۔ اور میری ہستی کا ہر ذرہ محو تسبیح و تحمید ہو جاتا ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ خان! تمہاری سمجھ میں آیا۔ کہ میں گرجے میں کیوں جاتا ہوں؟"

پروفیسر جیمز کی ان تفصیلات نے عجیب کہرام سا میرے دماغ میں پیدا کر دیا۔ میری نگاہ میں قرآن کریم کے طول و عرض کا جو نقشہ تھا اس میں ایک دلچسپ آیت سامنے آ گئی۔ میں نے کہا

"جناب والا! میں آپ کی روح افروز تفاصیل سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یاد آ گئی ہے۔ اگر اجازت ہو تو پیش کر دوں؟" فرمایا "ضرور پیش کرو"۔ وہ آیت یہ تھی۔ ومن الجبال جدد بیض و حمر مختلف الوانها و غرابیب سود و [illegible]

(قرآن)

(وہ دیکھو پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ کی تہیں موجود ہیں۔ اسی طرح انسانوں، حیوانوں اور دیگر جانداروں کے مختلف رنگ ہماری حکمت کا تقاضا ہیں۔ اور مت بھولو کہ اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں)

"کیا کہا۔ اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔ حیرت انگیز۔ بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برس کے مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی۔ محمدؐ کو کس نے بتائی تھی؟ کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے۔ تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمدؐ ان پڑھ تھا۔ انہیں یہ عظیم حقیقت خود بخود کبھی معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ انہیں یقیناً اللہ نے بتائی تھی۔ بہت خوب۔ بہت عجیب..... " اور سر جیمز کئی منٹ تک اس آیت پر سر دھنتے رہے۔ اور محمد عربی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ اسی صحبت میں مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کو سائنس کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور اسی خیال نے مجھ سے "تذکرہ" لکھوایا۔

ذرا سلسلۂ اسباب پر غور فرمائیے۔ مشرقی کا بارش میں باہر آنا۔ سر جیمز سے اتفاقاً ملاقات۔ پھر شام کو پہنچے۔ وہاں وہ عجائبات تخلیق و تکوین پر حیرت انگیز بحث۔ وہ مشرقی کے قلب و دماغ کا تلاطم۔ اور وہ "تذکرہ" کا تخیل۔ یہاں شاید یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہو گا کہ میں نے "ایک اسلام مقالہ"

[illegible] ہے۔ علامہ مشرقی نے تذکرہ میں اسی کتاب کی بعض تفاصیل سے لیا تھا۔

اسی صحبت میں علامہ نے ملازمت ترک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا۔ "والدہ اکرام بار بار لکھنے دیتی ہے۔ کہ انگریز کی ملازمت اسلامی غیرت کی قربانی کا موجب ہے۔" یہ بات کچھ سمجھ نہیں۔ چنانچہ آپ نے کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر دی۔ اور جس کی ترغیب ہے، والدہ کی خواہش تھی وہ علامہ صاحب کو پہنچا گئیں۔

تیسری ملاقات

۱۹۳۷ء میں خاکسار تحریک پورے عروج پر تھی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں اندازاً چار لاکھ مسلح رضاکار "چپ راست" کرتے نظر آتے تھے۔ میں ان دنوں گورنمنٹ کالج ہوشیارپور میں معلم تھا کسی کام کو لاہور گیا۔ تو علامہ سے ملنے کی امنگ اٹھی۔ تانگے پر بیٹھ کر اچھرہ جا پہنچا۔ مجھے ایک خاکسار دفتر کی بالائی منزل میں لے گیا۔ یہ تھا علامہ کا خاص کمرہ۔ جس میں نہ کوئی کرسی تھی نہ میز۔ نہ قلم نہ کاغذ۔ فرش پر ایک پھٹی پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ ایک مقام پر دو مربع فٹ میں چٹائی اڑی ہوئی تھی۔ اور فرش میں یوں گڑھا پڑ گیا تھا۔ جیسے یہاں کوئی برسوں ایک ہی جگہ پڑا رہے۔ اور اس کے نیچے گڑھا ہو جائے۔ دس بارہ منٹ کے انتظار کے بعد زینے پر سے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ اور چند لمحات کے بعد علامہ مشرقی بایں ہیئت نمودار ہوئے۔ کہ سر کے بال بے طرح بکھرے ہوئے اور گریبان کے بٹن کھلے تھے۔ نسواری رنگ کا کرتہ جسم پر۔ اور ویسا ہی ڈھیلا سا پاجامہ کمر میں۔ پاؤں میں گھسی ہوئی چپل۔ میں تعظیماً اٹھا۔ آپ نے خشونت سے بھری ہوئی تیز نظروں سے دیکھا۔ ہیبت اور ریشمی ٹوپی پہ ڈالی ہے دور سے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ مصافحہ کے بعد اس گڑھے والے مقام پر جا بیٹھے۔ اور ڈاک پڑھنے لگے۔ کافی دیر کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے۔ "آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟" میں نے دیرینہ تعلقات بتاتے ہوئے کیمبرج میں آپ کی آمد کا ذکر کیا۔ تو جھٹ کہنے لگے۔ "وہ ریشمی سوٹ پہن کر جس ہزاروں کی موٹر میں مزے اڑانے والا مشرقی فوت ہو چکا ہے۔ آپ کے تعلقات اسی مشرقی سے ہوں گے۔ یہ مشرقی آپ کو بالکل نہیں پہچانتا۔" اور پھر ڈاک پڑھنے میں کھو گئے۔ علامہ کی یہ طرز میرے لئے ایک الٹی میٹم تھی کیا تو ملازمت چھوڑ کر خاکسار تحریک میں شامل ہو جاؤ۔ اور یا مجھ سے تعلقات منقطع کر لو۔ لیکن میں اتنی بڑی قربانی کے لئے تیار نہ تھا۔ چند لمحات کے بعد میں نے اجازت طلب کی۔ اور یہ تھی علامہ سے میری آخری ملاقات۔ اس کے بعد نہ ملاقات کا موقعہ ملا اور نہ سلسلۂ مکاتبت جاری رہ سکا۔

حالاتِ زندگی

عنایت اللہ خان ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عطا محمد خان ایک با اثر، ذہین اور صاحب علم بزرگ تھے۔ ایف۔ اے تک امرتسر میں تعلیم حاصل کی اور پھر فارمن کرسچین کالج لاہور سے ۱۹۰۶ء میں بی۔ اے حساب کی ڈگری لی۔ ۱۹۰۷ء میں ایم۔ اے ریاضی درجۂ اول میں پاس کیا۔ اور یونیورسٹی کا پچھلا ریکارڈ توڑ دیا۔ پھر کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں چلے گئے۔ جہاں ۱۹۰۹ء میں آپ ریاضی کے امتحان میں اول رہے اور فاؤنڈیشن سکالر کا خطاب حاصل کیا۔ ۱۹۱۰ء میں ریاضی کا ٹرائی پوس اس امتیاز سے پاس کیا کہ "سینئر رینگلر" کا خطاب پایا۔ ۱۹۱۱ء میں "ٹرائی پوس" کے دو اور امتحانات (عربی و فارسی) میں شامل ہو کر درجہ اول حاصل کیا۔ ہر ٹرائی پوس کی میعاد تین برس ہوتی ہے۔ لیکن آپ نے صرف چار برس میں تین "ٹرائی پوس" میں امتیازی کامیابی حاصل کی جس پر لندن کے اخبارات نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ۱۹۱۲ء میں آپ انجینئرنگ کے سب سے بڑے امتحان یعنی مکینیکل سائنس ٹرائی پوس میں شامل ہوئے۔ اور نہایت شان سے کامیاب ہوئے۔ اس پر آپ کو دنیا کے مختلف حصوں سے پیغاماتِ تہنیت موصول ہوئے۔ اور اخبارات نے جلی سرخیوں سے آپ پر شذرات لکھے۔

انگلستان سے واپس آئے۔ تو مندرجہ ذیل اسامیوں پر فائز رہے۔

۱۹۱۳ سے ۱۹۱۶ تک	اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل
۱۹۱۶ سے ۱۹۱۷ تک	" " " پرنسپل

۱۹۱۷ سے ۱۹۱۹ تک انڈر سیکرٹری تعلیم، حکومت ہند۔
۱۹۲۰ سے ۱۹۳۲ تک ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول پشاور، پرنسپل ... انسپکٹر مدارس ... سرحد میں [illegible]
آپ کا مشاہرہ ابتدا میں [illegible] تھا۔ جب آپ نے ۱۹۳۲ء میں استعفیٰ دیا تو اس وقت آپ کی تنخواہ دو ہزار کے قریب تھی۔
۱۹۳۱ء میں آپ نے خاکسار تحریک کا آغاز کیا۔ جسے ۱۹۴۰ء میں حکومت برطانیہ نے کچل دیا۔ مگر یہ تحریک ۱۹۴۷ء کے بعد بھی زندہ رہی
[illegible] علامہ کے ختم ہو گئی۔

تصانیف

علامہ کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ تذکرہ۔ جس کے متعلق [illegible] نے علامہ کو لکھا تھا۔
"ہماری کم [illegible] سب سے بڑی کتاب قرآن ہے اور [illegible] تذکرہ۔"
جہاں تک قوموں کے فلسفہ عروج و زوال کا تعلق ہے حقیقتاً تذکرہ دنیا کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ [illegible]
[illegible] تصنیف [illegible] ... موجودہ تذکرہ کے بعد دوسرے درجے پر آتی ہے۔

۲۔ خریطہ۔ جس کا موضوع یہ ہے کہ شعور عروج و زوال کی پہچان ہے۔ [illegible] تو شاعر مفقود ہو جاتا ہے۔ اور جب زوال شروع ہوتا ہے تو شعر عام ہو جاتا ہے۔ [illegible] کتاب بہت دلچسپ اور فکر انگیز ہے۔

۳۔ اشارات۔ جس میں [illegible] پروگرام اور کچھ ہدایات درج ہیں۔

۴۔ **قول فیصل**۔ تذکرہ کے رنگ میں لکھی ہوئی ایک ضخیم کتاب جس کا موضوع حرکت و عمل ہے اور اقتباس ملاحظہ ہو۔

"ہمارا مذہب، ہمارا دین، ہمارا اسلام، ہمارا ایمان سپاہیانہ ہے۔ دنیا کو زیر نگیں کرنے کے لئے [illegible] کی طرح
منصوبہ [illegible] ہے۔ [illegible] اور محمد رسول اللہ کے عمل کی پیروی کرنا ہے۔
اگر یہ نہ کریں تو تم مسلمان نہیں ہو سکتے ...... [illegible] تم ماں کے پیٹ سے بادشاہ
بن کر نکلے تھے۔ بادشاہت تمہارا [illegible] ہے۔ اور تم نے مذہب [illegible] کا [illegible] ہوا ہے۔ اس لئے ہم
اپنے مذہب پر چل رہے ہیں ...... تم اگر اس مذہب کو پسند نہیں کرتے تو [illegible] قرآن، حدیث اور [illegible]
[illegible] تاریخ کو دنیا سے مٹا دو۔ [illegible] اپنا مذہب چھوڑ دیں گے [illegible] ملا [illegible]
اور خود غرض رہنماؤں کا پیش کیا ہوا اسلام ہم نہیں مانتے ...... [illegible] بزدلی کا اسلام ہے۔ فریب و مکر
کا اسلام ہے۔ ہمارا مذہب وہ ہے جو ایک [illegible] ایک [illegible] کیا کرتا تھا۔ جس [illegible]
[illegible] کر دکھایا .... ہاں وہ مذہب ہے۔ جس کے ایک [illegible] انگریز دنیا کے بادشاہ
بنے بیٹھے ہوئے ہیں [illegible] اور [illegible] کیا خبر کہ اسلام کیا ہے؟"

[1] پوشیدہ ہیں بچا سے عمروں کی نظر سے
شہباز فلک سیر کے احوال و مقامات (اقبالؒ)

[illegible] رسول خدا صلعم نے [illegible] کی [illegible]

[illegible] سے [illegible] کیا کرتے تھے۔ اس لئے پانی ہوتے ہوئے [illegible]

...... [illegible] رسول خدا کے ہر [illegible] کر دیں [illegible] کا جزو [illegible] ہو۔ لیکن ......

[illegible] زندگی [illegible] کے ہر وقت تلوار اور تیر و کمان سے مسلح رہتے ...... [illegible]

[illegible] ...... اور ہر وقت نے عمل اور مستعدی کو شیر مادر کی طرح [illegible] کر جاتے ہو ...... اور [illegible]

[illegible] رسول کے [illegible] اعمال [illegible] موجود نہیں .... رسول خدا سے تمہاری [illegible] محبت کا ثبوت [illegible] ہے

[illegible] ہے۔ کہ جب کوئی شخص [illegible] پھر اسی [illegible] زندگی۔ اسی محبت [illegible] اسی حرکت و عمل اور اسی [illegible]

[illegible] ہو جاتا ہے .... تو تمہارے [illegible] پست [illegible] اور غفلت [illegible] پکارا [illegible] ہیں [illegible]

[illegible] ہے۔ تمہارے [illegible] ہیں۔ کہ تم [illegible] ہو [illegible] کے اپنا نام [illegible] ہو۔

اپنی [illegible] غفلت [illegible] ہو۔ اور رسول خدا کے [illegible] ہو ... کیا [illegible] تمہاری [illegible]

[illegible] ...... ایک [illegible] ایک [illegible] ہو کے [illegible]

جنت کا [illegible] ذکر قرآن کی آیت [illegible] ہے ..... تمہاری [illegible] کی طرح [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ...... [illegible]

[illegible] ...... [illegible] نبوت۔

یا للعجب

(صفحہ [illegible])

۵۔ مولوی کا غلط مذہب۔ یہ کتاب [illegible] رسائل پر مشتمل ہے [illegible] میں مولوی کے آسمان اسلام پر بُری طرح آتش باری کی ہے۔

لغزشیں

مذہبی مضمون کا تعلق علامہ کی ادبی و فنی زندگی سے ہے۔ سیاسی زندگی سے نہیں۔ لیکن یہ مقدمات کی سیاسی زندگی کو سمجھے بغیر نامکمل رہتا۔ اس لئے [illegible] چند صفحے لکھنا پڑا۔

عام دستور یہی ہے۔ کہ جب کوئی مہم کامیاب ہو جائے۔ تو [illegible] کو بہادر، باتدبیر اور ہوشمند بنا دیا جاتا ہے۔ اور ناکام ہو جائے تو مورخ اسباب ناکامی پر بحث کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ کمال اتاترک کامیاب ہو گیا۔ تو مشرق و مغرب کے مورخین نے اس کی جرات۔ شجاعت۔ تدبر اور جان بازی پر طویل مقالے لکھے۔ دوسری طرف [illegible] میں شکست ہوئی تو اس کی لغزشوں پر بیسیوں کتابیں نکل آئیں۔ یہی حال علامہ مشرقی کا ہے کہ آپ نے عین اس وقت جب خاکسار تحریک کی ہیبت سے برطانیہ کا ایوان تدبر کانپ رہا تھا۔ دو خطرناک قدم اٹھائے۔ پہلا ۱۹۳۹ء میں۔ جب علامہ شیعہ و سنی کے تصادم کو روکنے کے لئے کئی ہزار خاکساروں کے ہمراہ یوپی میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں مسلح پولیس سے مقابلہ شروع کر دیا۔ اس تصادم میں درجنوں خاکسار مجروح و شہید ہوئے۔ اور مشین گنوں نے خاکساروں کی ہمت و استقلال پر کاری ضرب لگائی۔ دوسرا تصادم حکومت پنجاب سے ۱۹۴۰ء میں ہوا۔ اس زمانے میں دوسری جنگ عالمگیر چھڑی ہوئی تھی۔ اور حکومت برطانیہ چار لاکھ خاکساروں کی فوج کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھتی تھی۔ جنگ میں بعض اوقات حکومتوں کے خزانے خالی ہو جاتے ہیں۔ اور ہر سپاہی محاذ پہ جا پہنچتا ہے ضعف و

[illegible] حکومت کو قرار دیا جاتا ہے۔ [illegible] حکومت نے خاکسار [illegible]
[illegible] مارچ [illegible] علامہ مشرقی [illegible]
[illegible] جس میں خاکساروں کو بڑا جانی نقصان ہوا۔ علامہ گرفتار
[illegible] اور خاکساروں کے گروہ [illegible] مسجدوں میں [illegible] جہاں [illegible] پولیس [illegible] آخر تنگ آ کر حکومت نے سب
کو [illegible] خلاف قانون قرار دے دیا [illegible] اس طرح [illegible] کی تحریک
[illegible] ہو گئیں [illegible] سے زندہ ہے [illegible]

[illegible]

ان کے اوقات میں قوم کے اتفاق [illegible] اصلاحات [illegible]
پاکستان کے لئے ایک مستقل خطرہ بن چکی ہیں۔ [illegible] آج [illegible] ضرورت [illegible]
سے گراں فروشی، چور بازاری، جھوٹ اور کھوٹ کی لعنت کو مٹانے کے لئے [illegible]
[illegible] حق کشی اور انصاف فروشی ہیں [illegible] تعمیر کی قوت سے محروم ہیں
اور جن کی دنیا سے دل بیزار ہو چکا ہے۔ وہ سب اپنی آزادی کے دشمن اور دولت خداداد پاکستان کے بدخواہ ہیں۔ اگر یہ لوگ باز نہ آئے۔ تو
وہ دن دور نہیں جب ان سے دولت آزادی چھین لی جائے گی۔

فرض کی آواز

میری یہ محکم رائے ہے کہ علامہ مشرقی میں اصلاح و تعمیر کی بے پناہ طاقت موجود ہے۔ ان کا قلم، [illegible] لاکھوں دلوں میں زندگی پیدا کر سکتا ہے۔ ان کی مہیب آواز کروڑوں غفلت زدہ نفوس کو خواب غفلت سے جگا سکتی ہے۔ ان کی آتشیں تقریریں برباد و ویران دلوں میں ایمان و یقین کی بجھتی ہوئی چنگاریاں بھر سکتی ہیں۔

کیا علامہ صاحب اپنے فرض کو پہچانیں گے؟

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے
(اقبال)

۱؎ میں نے اس تحریک سے پوری ذہنی وابستگی رکھتے ہوئے [illegible] کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ باتیں اگر خاطر پہ گراں ہوں تو معذرت خواہ بھی ہوں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

شورش کاشمیری

مولانا ابوالکلام آزاد کے پیرایۂ بیان کو ملحوظ رکھیں تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۳۱۰ھ مطابق ربیع الاول ۱۸۹۲ء میں بستی عدم سے عالم ہستی میں وارد ہوئے اور نعمت حیات سے متمتع۔ ددھیال کی طرف سے عطاء اللہ اور ننھیال کی جانب سے شرف الدین نام رکھا گیا۔ جوانی سے شعر کہنا شروع کیا۔ عقیدتمند صرف شاہ جی کہتے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ نوراللہ مرقدہ نے انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں امیر شریعت کا لقب تجویز کیا، خود بیعت فرمائی۔ ان کے علاوہ پانچ سو علماء نے بھی بیعت کی جن میں مولانا ظفر علی خان مدیر زمیندار بھی شامل تھے۔

اسلاف خاندان بخارا سے سری نگر وارد ہوئے۔ سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں انہیں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ ان کی رحلت پر خاندان کی شاخیں ہندوستان کے دوسرے مقامات میں بس گئیں۔ ایک شاخ نے گجرات میں اور دوسری نے پٹنہ میں قیام کیا۔ —— آپ کے والد بزرگوار کی شادی اسی شاخ کے ایک بزرگ حکیم سید احمد شاہ اندرابی کی دختر فرخندہ اختر سیدہ فاطمہ اندرابی سے ہوئی۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی رحلت پر والد پٹنہ سے گجرات چلے گئے اور دوسری شادی کر لی۔ شاہ جی ننھیال ہی میں رہے جہاں نانی مرحومہ نے بیٹی کی نشانی سمجھ کر بڑی شفقت سے پالا۔ آپ کے نانا کا مکان شعر و ادب کی محفلوں کا مرکز تھا۔ شاد عظیم آبادی آپ کی نانی صاحبہ سے محاورہ اور روزمرہ کی صحت کے لیے تشریف لاتے تھے۔ ان کی صحبتوں سے آپ نے بھی استفادہ کیا۔ رفتہ رفتہ شعر و شاعری اور زبان و کلام کا ذوق نکھر گیا ——

نانی صاحبہ کی وفات پر آپ نے پٹنہ سے گجرات کا قصد کیا۔ اثنائے سفر میں موانعات پیش آتے رہے۔ ایک آدھ جگہ ملازمت بھی کی۔ کچھ دنوں بنارس میں چاندنی کے صدقے گھومتے رہے حتیٰ کہ امرتسر پہنچ گئے۔ وہاں مختلف اساتذہ سے قرآن، حدیث اور فقہ پڑھی۔ لحن خوش الحان اور خوش الحانی کا یہ جوہر آپ کو نانا مرحوم سے ورثہ میں ملا تھا۔ وعظ شروع کیا تو سارا امرتسر گرویدہ ہو گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر جلیانوالہ امرتسر گوروں کا تختہ مشق ملک میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ مولانا داؤد غزنوی کی تحریک پر آپ نے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی —— دیکھتے ہی دیکھتے تمام ملک میں آپ کی خطابت کا شہرہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں یہ بات متفق علیہ ہو گئی کہ اردو زبان میں آپ سے بڑا کوئی عوامی خطیب نہیں۔

شاہ جی اور خطابت ہم نشیں ہیں۔ آپ نے تقریباً تیس یا تینتیس برس قید کا زمانہ چھوڑ کر اس دشت پیمائی میں بسر کئے ہیں۔ برصغیر کی تقریباً دو نسلیں

آپ کے ... بھی چکے ہیں۔ لاکھوں آدمیوں کو آپ کی سیاست سے اختلاف رہا۔ اب بھی اختلاف کرنے والوں کی کمی نہیں لیکن کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خطابت ان کی لونڈی ہے۔ وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں ——— ان کی برجستگی، ان کی حاضر جوابی، ان کی بذلہ سنجی، ان کی نکتہ آفرینی، ان کی زبان دانی، ان کی شعر گوئی سے دلچسپی، غرض ——— ع

ہزاروں خوبیاں ایسی کہ ہر خوبی پہ دم نکلے

خطابت کا ایک چھوٹا سا شعری افسانہ بن جاتا ہے۔ اردو، فارسی، پنجابی کئی زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ شاعرانہ حیثیت بلند نہیں۔ وہ ایک بڑے تاثر سے خالی نہیں ——— بلا شبہ ان کا مرتبہ استیشنری ... صاحبان ذوق ان کے اشعار سے ... سکتا ہے۔ انہوں نے خطابت اختیار نہیں کی بلکہ خطابت نے انہیں اختیار کیا ہے۔ ان کی تقریریں ان سے نکلتی ہیں۔ وہ ... بیان کا ایک ... جس میں رنگا رنگ تصویریں ہیں، ان کی خطابت کو نگار خانے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے ——— ع

جو رنگ بھی چاہے نکال لیجئے ...

ایک خوبصورت وجود میں عنفوانِ شباب کی جو رعنائیاں ہوتی ہیں، وہ ان کی خطابت میں ہیں۔ انہوں نے اپنی سیاسی ... بھی عشق ہے۔ انگریزوں سے بھی، اور مسلمانوں سے بھی۔ لیکن انگریزوں کی منزلیں ان کی تشریح ... مسلمانوں سے نہیں رکی ... ان کے نزدیک ... کی تاریخ کے مختلف صفحوں سے ملتے ہیں ——— اس وقت ان کی عمر پچپن برس کے لگ بھگ ہے۔ اس حساب سے انہوں نے جتنی ہیں سے زیادہ دن قید و بند میں بسر کیا ہے ——— ع

عمرے گذشت ...

——— ان کی مجلس باغ و بہار ہوتی ہیں ——— ع

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

عام رات بیت جاتی ہے لیکن وہ بولتے بولتے نہیں تھکتے اور آپ سنتے سنتے نہیں تھکیں گے۔ جب ... پو پھٹنے تک تقریر کرتے اور لوگ ... بیٹھے رہتے۔ ان کا مضمون زلفِ یار کی طرح پیچ در پیچ ... نہیں ہوتا۔

تنہائی سے انہیں سخت نفرت ہے۔ غالباً اس کا تصور بھی ان کے ہاں نہیں۔ وہ زندگی ... سمجھتے ... سب سے بڑا عوامی خطیب ہونے کے باوجود عوام کو کالانعام سمجھتے ہیں، غالباً ان کا خیال ہے کہ ... ان کے نزدیک ... نظم معری، بیگانہ راگ، مرزائی سیاست اور غلام احمد کی نبوت عجیب و غریب پہیلیاں ہیں۔

دوستوں پر غایت درجہ اعتماد رکھتے ہیں۔ دشمنوں کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے ... سیاسیات سے سخت متنفر ہیں، انہیں انتخاب کے نام سے چڑ ہے، غیبت کرنے نہ سنتے ہیں ... دوستی پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ اختلافِ فکر و عمل کے علی الرغم مولانا عبدالمجید سالک، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، سید احمد شاہ بخاری اور صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی دوستی کا دم بھرتے تھے مگر جس زمانہ میں مولانا ظفر علی خان، ڈاکٹر شیخ محمد عالم، ڈاکٹر سیف الدین کچلو وغیرہ سے اتحادِ فکر و عمل تھا، ان سے ملنے کی رسم و راہ کا کوئی معاملہ نہ تھا۔

جماعتِ احرار، سیاسیات میں ان کی "مساعیٔ شکست انجام" کا ثمرہ ہے۔ اب تو خیر حکومت ہی نے اسے خلافِ قانون قرار دے رکھا ہے لیکن ایک زمانہ میں احرار کا طوطی بولتا تھا۔ چودھری افضل حق مرحوم، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ایسے لوگ آپ کے دست و بازو تھے۔ اب وہ سبو ٹوٹ چکا، صہبا چھلک گئی، میکدہ اجڑ گیا، آبگینے کے ریزوں میں تلچھٹ باقی ہے اور بقول اقبال ؎

بیا یک لحظہ با عاماں در آمیز ... کہ خاصاں بادہ ہا خوردند و رفتند

[illegible]

"میں اب تو شعر بھی شریف نہیں رہا شریف شعر سننے میں لطف آتا تھا :"

چھوٹو خوش باور گاواز جوش ان کی [illegible] ہیں۔ گو صوفی مشرب ہیں لیکن مزامیر کے قائل نہیں۔ صرف گلے کے رس سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔ شعر و شاعری سے انہیں ایک گونہ دلبستگی ہے۔ تمام اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار ازبر ہیں۔ ان کے برمحل استعمال میں جو مہارت انہیں حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ مولانا آزاد کی طرح ان کے حافظے کی گرہیں بھی طبیعت شگفتہ ہو تو کھلتی اور بکھرتی چلی جاتی ہیں۔ بقول شاعر ؎

وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہیں

کبھی سر قامت [illegible] ان کا قد بھی ان کے دل کی طرح اللہ کے حضور میں جھک گیا ہے۔ چہرہ پر جھریوں کی [illegible] کی کائنات چاندنی سے محروم۔ آنکھیں ——— ایک زمانہ میں [illegible] شراب کی [illegible] ——— اب چپ چاپ گویا کچھ سوچ رہی ہیں۔ [illegible] شعر و سخن کا بانکپن۔ قرآن پڑھیں تو قرن اول کا [illegible] یاد آ جاتا ہے۔ شعر سنائیں تو گزرے ہوئے دنوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں

"دنیا کسی کے لیے کبھی نہیں بدل سکتی۔ تمام زندگی کی نصف افسانہ [illegible] اور نصف ماتم یاس ہے ———"

اور اب اس مرحلہ میں ؎

مختصر حال چشم و دل یہ ہے
اس کو آرام اس کو خواب نہیں

رحمان

اثر صہبائی

غربی پاکستان ہائی کورٹ [illegible] جون ۱۹ [illegible]
[illegible] قدرت نے ایک [illegible] شیخ فضل [illegible]
کا سایہ [illegible] سر سے اٹھ گیا۔ [illegible] صرف آپ کی والدہ ماجدہ [illegible] عظیم [illegible]
[illegible] دونوں بھائیوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا [illegible]
[illegible] نصیب انسانوں کی قسمت میں لکھی تھی۔ [illegible] شیخ عطا بخش [illegible] بیٹے ہیں لیکن شیخ [illegible]
شیخ رحمت اللہ صاحب اپنی محنت اور ہمت کا پھل دیکھنے کے لئے زندہ ہیں [illegible]
[illegible] ان کے احسانات کا آپ کو بڑا احساس ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی [illegible] دیکھنے کے لئے
سنہ ۱۹.. تک زندہ رہیں۔

آپ کی تعلیم وزیر آباد کے ایک مشن سکول میں ہوئی۔ بچپن سے نہایت ذہین [illegible]
آپ کو بہت قبل از وقت سنجیدہ بنا دیا تھا۔ رحمان صاحب نے سنہ ۱۹.. میں میٹرک کا امتحان [illegible] یہ بہت بڑا
امتیاز تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ آپ کے [illegible] بھائی [illegible] آپ کے ساتھ تھے
بھائی نہایت بھولے بھالے [illegible] اور سنجیدہ تھے [illegible] دونوں ذہین اور محنتی تھے۔ [illegible] شریف اور معصوم تھے۔ لیکن دونوں کے لبوں پر ایک
لطیف سا تبسم ہر وقت کھیلتا رہتا تھا۔ دونوں میں بڑی دلکشی اور محبوبیت تھی۔ رحمان صاحب [illegible] ذہانت اور قابلیت کے باعث بہت
ممتاز تھے۔ میں بھی ان ایام میں اسی کالج میں [illegible] کا طالب علم تھا۔ اگرچہ ہم [illegible] سے کچھ زیادہ متعارف نہ تھے تاہم میرے دل پر
رحمان صاحب کی قابلیت، ذہانت، سنجیدگی اور کردار کی معصومیت کا نہایت گہرا نقش تھا۔

ایف۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ گورنمنٹ کالج [illegible] چلے گئے [illegible] school of [illegible]

مشغلہ اور [illegible] رہے۔ دو سال کے بعد ریاضی میں ایم۔اے بھی کیا۔

گورنمنٹ کالج میں آپ نے شرح ہی سے فنا پڑھنی شروع کی۔ آپ کے انگریزی مضامین کالج کے میگزین "راوی" میں شائع ہوتے تھے۔ انگریزی کے مشہور پروفیسر مسٹر [illegible] رحمان صاحب کی انشا پردازی سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ رحمان صاحب کی توجہ اردو ادب کی طرف مبذول کرانے میں بھی پروفیسر صاحب پیش پیش تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء کے لگ بھگ جب آپ ایم۔اے میں تھے آپ نے اپنی سب سے پہلی نظم "انگمن" لکھی۔ ظاہر ہے کہ اس نظم کی ادبی حیثیت [illegible] ہو سکتی ہے لیکن یہ اپنی تاریخی اہمیت کے اعتبار سے زندہ رہے گی۔

افسوس کہ ہمارے ملک کے بہترین دل و دماغ حکومت کی مشین کے کل پرزے بننے پر مجبور ہیں۔ تعلیمی اداروں میں [illegible] نہیں۔ معلم کی قدر و منزلت کسی کے برابر بھی نہیں۔ کوئی ادیب آزادانہ طور پر محض اپنے ادب کے بل بوتے پر عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں ہر ذہین شخص فطرتی طور پر مقابلے کے امتحانات کی طرف لپکتا ہے۔ چنانچہ رحمان صاحب بھی آئی۔سی۔ایس کے امتحان میں شریک ہوئے اور ۱۹۲۳ء میں بڑے امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں میں اوّل اور ہندوستان میں [illegible] رہے۔ مزید تربیت کے لیے انگلستان چلے گئے۔ وہاں عربی اور فارسی بھی ان کے مضامین تھے۔ ۱۹۲۵ء میں اپنے جملہ امتحانات کے ساتھ اپنے وطن عزیز میں واپس تشریف لائے اور مختلف مراحل طے کرتے ہوئے ۱۹۴۶ء میں لاہور ہائی کورٹ کے اور اکتوبر ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔

کچھ جستجو مزاں ہوتی ہے کچھ ہمت یزداں ہوتی ہے

قطرے ہی سمندر بنتے ہیں، ذرّے ہی بیاباں ہوتے ہیں

ایف۔اے کے بعد رحمان صاحب سے پھر ایک مدت تک ملاقات نہ ہو سکی۔ کئی سال بعد غالباً ۱۹۴۲ء میں کشمیر میں اور ہمارے اتفاق ہوا۔ میں ان دنوں وہاں وکالت کیا کرتا تھا۔ ایک دعوت میں ہم دونوں اکٹھے تھے۔ سرسری سی ملاقات رہی۔ اس وقت تک بھی مجھے رحمان صاحب کی شعر گوئی کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان پر مجھے بھی کشمیر سے ہجرت کرنا پڑی۔ اس دور پر آشوب کا تذکرہ اب لاحاصل ہے۔ میں بھی انتہائی پریشانی کے عالم میں سیالکوٹ پہنچا۔ ناداری اور بیکاری زوروں پر تھی۔ آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ تمام کاروبار بند پڑے تھے اور احتیاجات پہلے کی نسبت زیادہ تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اپنے آبائی شہر میں بھی ایک اجنبی تھا۔ وکالت کا کام غالباً ۱۹۴۸ء میں شروع کیا۔ طبیعت میں بے کیفی تھی۔ آزردگی اور شکستہ دلی کے باعث کام کاج میں جی نہ لگتا تھا۔ انہی ایام میں رحمان صاحب کی ایک نظم "ناسپاس زندگی" جو میں نے دیکھی یہ نظم بہت پسند آئی۔ حیرت بھی کہ اتنی پختہ اور دلآویز نظم رحمان صاحب نے کیونکر لکھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ برسوں سے مشق سخن فرما رہے ہیں۔ ان دنوں آپ ہائی کورٹ کی ججی کے علاوہ کسٹوڈین کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ میں نے ایک مختصر سا خط لکھا جس میں ضمناً اس وقت کی ذاتی پریشانی کا بھی کچھ تذکرہ تھا۔ چند دنوں کے بعد آپ نے مجھے سیالکوٹ میں ہی اسسٹنٹ کسٹوڈین مقرر فرما دیا۔ رحمان صاحب کی اس عملی ہمدردی کا مجھ پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ شکریہ ادا کرنے کے لیے میں لاہور پہنچا۔ آپ نہایت تپاک اور محبت سے ملے اور دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ آپ نے اپنی افسریت کا مجھے مطلقاً احساس نہ ہونے دیا۔ شعر و ادب، سیاست اور زندگی کے دوسرے مسائل پر ایک ہمدرد اور مخلص دوست کی طرح باتیں کرتے رہے۔ آپ کی ہمدردی اور انسان دوستی کا میرا یہ پہلا تجربہ تھا۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است ۔۔۔ از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اس کے چند ماہ بعد مجھے سیالکوٹ کا پبلک پراسیکیوٹر مقرر کیا گیا۔ اس تقرر کے سلسلے میں مجھے آنریبل مسٹر جسٹس ایم۔آر کیانی با اتفاق

شہر سیالکوٹ میں ... حکومت پنجاب کے ... تھے۔ آپ کی ... [illegible]
... [illegible] ... رحمان صاحب کی ... [illegible]
... کے تعلق سے ... خوش ہوتا تھا۔ ان سے ایک عجیب ... [illegible]
... صحبت کی ملاقات ... کے باعث ... [illegible]
زیادہ قریب سے دیکھنے کے موقعے ملتے رہتے۔

بے پناہ دلکش اور محبوب شخصیت کے مالک ہیں ... [illegible] ... آپ ... [illegible]
... [illegible] ... محبت سے ... [illegible] ... رحمان صاحب ... [illegible]
... [illegible]
... رحمان صاحب کو کبھی ... [illegible]
سے بہت زیادہ طویل اور بیکار گفتگو ہی کرتے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

رحمان صاحب ہر شخص کی بات ... [illegible]

[illegible]

سیالکوٹ سے آنا تو علمی اور ادبی موضوعات پر بڑی دلچسپ گفتگو رہی ... [illegible] ... خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے نہایت گرمجوشی سے اس کی تائید فرمائی ... [illegible] ... مجھے ... چنانچہ آپ کی اس توجہ خاص کے باعث میرا تبادلہ لاہور میں ہو گیا۔

دوسروں کے ساتھ نیکی اور احسان کرتے ہوئے رحمان صاحب کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرا شخص ان کے احسان کے بوجھ کو محسوس نہ کرے۔ اس قسم کی لطیف خواہش بہت ... لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

لاہور آنے کے بعد مجھے رحمان صاحب کو اور زیادہ قریب سے دیکھنے کے موقعے ملتے رہے۔ رحمان صاحب کی سب سے نمایاں خصوصیت توازن یا اعتدال ہے۔ ان کے دماغ میں ٹھنڈک کے ساتھ ساتھ تیزی اور دل کے ساتھ ساتھ حرارت کے ساتھ ساتھ سلامتی طبع کا نہایت عمدہ امتزاج ہے۔ میں نے آج تک آپ کو خفگی یا برہمی کی حالت میں نہیں دیکھا۔ ان کی محبت اور گرمجوشی میں بھی رکھ رکھاؤ اور توازن پایا جاتا ہے۔ ان کے یہاں نہ خودی کا نشہ ہے نہ بے خودی کی لغزش۔ علم و حکمت ہے مگر پندار نہیں، خلوص و محبت ہے لیکن سرگوشی و وارفتگی نہیں، محنت و مشقت ہے لیکن یبوست اور تلخی نہیں، ہمدردی اور دستگیری ہے لیکن غرور و نمائش نہیں، رندانہ ادا مذہبیت ہے لیکن تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں جب بھی رحمان صاحب کے پاس جاتا عام طور پر ایک معمر اور مفلوک الحال شخص وہاں ضرور آ جاتا اور اپنے آلام و مصائب کی داستان دہراتا رہتا۔ اکثر اوقات وہ باتیں کرتے کرتے رونا بھی شروع کر دیتا۔ بے چارے کو کچھ ثقل سماعت کی بھی تکلیف تھی اس لیے خود بھی چیخ چیخ کر باتیں کرتا اور رحمان صاحب کو بھی اپنی طبیعت کے خلاف کچھ اونچی آواز میں جواب دینا پڑتا۔ میں خود بھی اس کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتا لیکن اس کا طول طویل اور ایک ہی بات کا بار بار اعادہ اور چیختا چلاتا مجھ پر کچھ گراں سا گزرتا تھا۔ البتہ رحمان صاحب اس کی رام کہانی بڑے صبر و سکون سے سنتے اور

ہانڈو سے [illegible] فنی تبرکات سے اس کا دل بہلاتے۔ اس شخص کے لئے آپ نے روزگار کا بندوبست کیا [illegible]
بات [illegible] میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جب میں نے [illegible] صاحب سے اس شخص کی کہانی یوں بیان فرمائی کہ یہ ایک نیک صورت
اور شریف نوجوان ہے۔ قصبے کا ایک متمدن اور خوشحال افسانہ نگار [illegible] ہے۔ ادارے [illegible] اس کا ایک [illegible]
کو میں نے ایک جگہ ملازمت [illegible] کی [illegible] وہ ایک حادثے کا شکار ہو گیا اور اب یہ شخص زندگی کے [illegible] آلام و مصائب
کا پہاڑ اٹھانے کو تنہا رہ گیا ہے۔"

یہ [illegible] سے بدوں کے [illegible] ہو گئے [illegible] وسعت قلب اور انسان دوستی کو [illegible] دل [illegible]
۲۴ اپریل [illegible] کا [illegible] پہلا دورہ [illegible] سے [illegible] گرمی کی شدت [illegible] کوئی [illegible] حالت [illegible]
وقت ہو گا جب باتوں میں مصروف [illegible] ہو [illegible] اور ساتھ [illegible]
آپ نے سپاہی کو آواز دی۔ [illegible] صاحب سے معافی لیا [illegible]
[illegible] سپاہی نادار [illegible] سے ہو گا [illegible] یہ مقررہ وقت سے پہلے [illegible] سکتا ہے"
[illegible] مرحوم [illegible] اس عظیم المرتبت شخص کی [illegible]

آنچہ [illegible] ہمہ دارند تو تنہا داری

[illegible] انسان [illegible] عالم [illegible]

[illegible]

آپ [illegible] کا [illegible] عقیدت کا حقدار [illegible]
[illegible] مجالس کی [illegible] کی [illegible]
بزم اقبال اور [illegible] وغیرہ وغیرہ

عام طور پر مختلف مجلسیں بڑے بڑے [illegible] کے [illegible] کیا جائے۔
[illegible] مجلس کے کار [illegible] کوئی دلچسپی ہوتی ہے [illegible] اپنے نام [illegible]
فرائض اپنے [illegible] صاحب کی [illegible] حق [illegible] کی کارروائی
میں آپ ایک حقیقی رکن اور [illegible] دلچسپی لیتے ہیں اور ان کے پروگراموں کو کامیاب بنانے میں وقت اور دماغ صرف کرتے ہیں۔ [illegible]
اپنے ذمے لیتے ہیں اس کو پوری دیانت داری سے [illegible] مجلس زبان دفتری [illegible] نے مجھ سے بیان کیا [illegible] صاحب
اصطلاحات کے ترجمے میں پوری پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ ترجمے کے الفاظ پر [illegible] غور فرماتے ہیں اور اکثر اوقات اپنی طرف سے [illegible]
فرماتے ہیں جو عام طور پر قابل قبول ہوتی ہیں۔ [illegible] کا کام [illegible] اور [illegible] ہے [illegible] کا احساس ہے کہ
اس کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔

"ادارہ [illegible]" پاکستان آرٹ کونسل [illegible] میں قائم ہوا۔ [illegible] صاحب اس کے [illegible] فنون لطیفہ کی ترویج [illegible]
کے سلسلے میں نہایت عمدہ کام کر رہا ہے۔ چغتائی اور زین العابدین وغیرہ کی تصاویر کی نمائش کر چکا ہے۔ شعر و نغمہ کی بڑی پاکیزہ اور [illegible] محفلیں
منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

[illegible] ایک [illegible] اردو میں بھی [illegible] شائع ہو رہا ہے [illegible] کتاب [illegible] ہے [illegible] کتاب [illegible] شائع ہو چکی ہے (اُردو ایڈیشن) [illegible] سب نے پسند کیا ہے [illegible] آپ کی طرف سے [illegible] شائع ہو چکے ہیں۔

[illegible] رحمان صاحب [illegible] جواب [illegible] رحمان صاحب اپنی تمام [illegible] خطوط کا جواب [illegible] اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں [illegible]

گو یہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی فقہ سے واقفیت حاصل کرے [illegible] افسوس کی حقیقت ہے کہ [illegible] اسلامی قانون کا مطالعہ بھی انگریزی زبان میں ہی کرتے ہیں۔ بہت [illegible] ایسے ہیں جو عربی زبان [illegible] اسلامی فقہ کے اصل ماخذ تک رسائی حاصل کر سکیں۔ رحمان صاحب عربی اور فارسی [illegible] واقف ہیں لیکن آپ [illegible] میں نے [illegible] انگریزی [illegible] ضرورت تھی [illegible] تحقیق و جستجو [illegible] میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ میں فقہ کی کتابوں کو انگریزی زبان میں پڑھ سکوں۔

آپ [illegible] بہت انسان ہیں اور آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ قانون، انگریزی ادب و فلسفہ [illegible] آپ [illegible] مطالعہ [illegible] میں نے اردو کی بہت سی کتابیں سب سے پہلے آپ کی میز پر دیکھیں۔ [illegible] کے لئے [illegible] بلکہ آپ ہر کتاب کو [illegible] غور سے دیکھتے ہیں اور [illegible] فائدہ [illegible] کرتے ہیں۔ [illegible] پوری کتاب پڑھنے کے بغیر [illegible] اس گروہ سے الگ ہیں۔ آپ رائے دینے سے قبل پوری کتاب [illegible] منصف [illegible] فیصلہ دیتے ہیں۔ آپ کی تنقید بے لاگ ہونے کے باوجود ہمدردانہ اور فیاضانہ ہوتی ہے۔

میں نے اپنی کتاب "بام رفعت" کا ایک نسخہ پیش کیا اور تبصرے کی خواہش کی۔ ایک دو ماہ بعد آپ سے ملاقات ہوئی تو خود ہی فرمانے لگے "ابھی میں نے "بام رفعت" ایک مرتبہ تو پڑھ لی ہے لیکن تبصرہ لکھنے سے پیشتر میں اس کو دوبارہ پڑھنا چاہتا ہوں۔" چنانچہ اس کے تقریباً ایک مہینہ بعد رحمان صاحب نے ایک سیر حاصل تبصرہ رقم فرمایا۔

در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوئیم ——— با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

آپ کو صرف اپنے کام سے کام ہے۔ آپ کی زندگی ایک پُر وقار، خاموش اور تیز دریا کی طرح ہے۔ نہایت خاموشی اور پوری دیانتداری سے اپنے فرائض ادا کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔ میں نے آج تک آپ کی زبان سے کسی کی تنقیص یا مذمت نہیں سنی۔ رحمان صاحب کو عیب جوئی کی نسبت عیب پوشی بہت زیادہ پسند ہے اور پھر آپ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خوبی کا پہلو ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ نمود و نمائش، لاف و گزاف، خود ستائی، خود نمائی اور غیبت کے دھبوں سے آپ کی تصویر حیات یکسر پاک ہے۔

[illegible] شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ آپ کی سب سے پہلی غزل ۱۹۱۵ء میں رسالہ "نیرنگ خیال" لاہور میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد کچھ عرصے لکھنا ترک (یعنی اشاعت کے لئے بھیجنا) [illegible] خود کہیں نہ بھیجی۔ پھر ایک مدت تک آپ کا کلام "[illegible]" کے [illegible] "فلسفۂ وقت" [illegible] جب (وہاں تھا) میں شائع ہوتا رہا۔ اس کا علم آپ کے بہت قریبی احباب کو تھا۔ علامہ اقبالؒ کی فارسی مثنوی "اسرار خودی" کا منظوم ترجمہ ۱۹۲۳ء کے لگ بھگ شروع کیا اور نہایت مستعدی اور جانفشانی کے ساتھ جو اور جو رسالہ [illegible] گیا۔ یہ ترجمہ [illegible] ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ مرحوم کے کلام کے ترجموں کا سب سے تذکرہ کیا جائے گا [illegible] ان کا ترجمہ بڑا بلند ہے۔ [illegible] تصنع، خود نمائی، تفاخر و تکبر، خود ستائی آپ کے خمیر میں نہیں ہے۔

آپ ۱۹۳۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ [illegible] بین الاقوامی مجلس THE ORIENTALISTS کے اجلاس میں شرکت کے لئے قاہرہ تشریف لے گئے۔ [illegible] یونیورسٹی [illegible] عربی فارسی [illegible] پہلی خدمت [illegible] کی ہے۔ [illegible] مجھے اس کا علم اس وقت ہوا جب اس مضمون کے سلسلہ میں آپ سے تفصیلی ملاقات کی۔ [illegible] اکثر احباب کو اس کا علم بھی نہیں ہوگا۔ آج تک آپ نے [illegible] کے ساتھ [illegible] البتہ [illegible] میں تو آپ نے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔ انکسار اور بے نیازی کی انتہا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی!

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند   در شہنشاہی فقیری کردہ اند

حکان صاحب کی روزمرہ زندگی میں [illegible] ہے۔ [illegible] لباس پہنتے ہیں لیکن [illegible] کا کرتہ اور [illegible] استعمال کرتے ہیں۔ [illegible] خواہ مخواہ [illegible] میں بھی کبھی پنجابی میں بھی گفتگو ہوتی ہے۔ کھانا [illegible] سادہ اور [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] کے پابند ہیں۔ تلاوت قرآن روزانہ [illegible] ماہ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن [illegible] ختم کرنے میں [illegible] کا شوق ہے اور [illegible] التزام سے کھیلتے ہیں۔ [illegible] یہی وجہ ہے کہ آپ کی صحت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔ جسم مضبوط اور [illegible] ہے۔ زندگی [illegible] نمایاں طور پر سادگی ہے [illegible] لیکن [illegible] نخوت نہیں، [illegible] لیکن بدمزاجی اور رعونت نہیں۔ حقیقت میں حکان ایک [illegible] مسلمان ہے۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم   از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

شرافت نفس اور خلوص و وفا آپ کے کردار کی نہایت ہی تابناک خصوصیت ہے۔ ۱۹۲۳ء میں آپ کی شادی آپ کے ماموں جناب شیخ [illegible] صاحب کی لڑکی سے ہوئی۔ [illegible] نہایت ہی [illegible] ثابت ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ کی رفیقۂ حیات ہمیشہ کے لئے آپ سے جدا ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس وقت آپ [illegible] ولایت کی تعلیم و تربیت تھی اور ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے لیکن اس جوان [illegible] نے [illegible] دور کر کے [illegible] اور حوصلے سے [illegible]

اس دور میں آپ نے صرف دو نظمیں لکھیں۔ [illegible] یہ نظمیں اگرچہ [illegible] اور معیاری نہیں تاہم آپ کی [illegible] کی [illegible] ان میں سنائی دیتی ہے۔ صرف ایک شعر اور وہ بھی فارسی کا [illegible] شعر ہے۔

اے تو ز بند زندگی و ستم رہیدۂ   از ما [illegible] کجا آرمیدۂ

پہلی شادی [illegible] ہو چکی تھی۔ [illegible] میں دوسری شادی کی۔ خدا کی قدرت اس بیوی سے بھی [illegible] اولاد نہ ہوئی۔ کوئی شخص یا اسباب [illegible] ایک اور شادی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ مگر آپ [illegible] تیسری شادی کر لی [illegible] اس میں [illegible] لیکن آپ اپنے [illegible] اور [illegible] سے بہت زیادہ [illegible] ہو گئے [illegible] سے بھی [illegible] جا سکتا ہے۔ خدا پرستی اور وفا پرستی کی کتنی روشن مثال ہے! آخر [illegible] پہلے [illegible] سال سے آپ کو [illegible] فرزند عطا فرمایا اور [illegible] بفضلہ آپ کے [illegible] فرزند [illegible] ہے۔

[illegible] میں ایسے وفا پرست شوہر کی مثال کم ہی ملے گی۔

رحمان صاحب کی شخصیت کا [illegible] کا تعلق [illegible] بچپن [illegible] پوری شدت کے ساتھ [illegible] ہے [illegible] رحمان [illegible] صورت اختیار کر لیا ہے۔

جب آپ [illegible] تو [illegible] کے مطالبات [illegible] جلسوں میں تقریریں کی تھیں۔ جلوس [illegible] بڑے بڑے زور دار نعرے لگائے گئے [illegible] رحمان صاحب [illegible] کے سامنے شدید قسم کے مظاہرے بھی کئے گئے لیکن [illegible] کی ہمدردی نہ تھی وہ تو [illegible] ایک [illegible] اصول کا تھا۔ [illegible] کا مطلب [illegible] مطالبات کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے [illegible] یونیورسٹی کو بہت سا مالی نقصان بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ اگر رحمان صاحب اس وقت [illegible] کے سامنے جھک جاتے تو یونیورسٹی کے امتحانات [illegible] اگر یہ ملتوی [illegible] آپ [illegible] شہرت اور [illegible] حاصل کر لیتے اور رحمان زندہ باد کے بھی چند نعرے بلند ہو جاتے۔

دیانت داری اور فرض شناسی رحمان صاحب کو اپنے والد مرحوم سے وراثت میں ملی ہے۔ آپ کے والد [illegible] ملازم تھے۔ تنخواہ کچھ زیادہ نہ تھی اور کوئی ذریعۂ آمدنی نہ تھا۔ بالائی آمدنی سے پرہیز کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ [illegible] بیوی بچوں کے لئے آسائش کے سامان مہیا نہ کئے جا سکتے تھے۔ آپ کی بیوی کبھی تنگدستی کا گلہ کرتیں تو آپ فرماتے: "کیا میں ان بچوں کے لئے حرام کا لقمہ مہیا کروں؟"

رحمان صاحب نے فرمایا: "ہماری والدہ ماجدہ ہمیں اکثر والد مرحوم کی اس قسم کی باتیں سنایا کرتی تھیں اور میں ان باتوں سے بچپن میں بہت متاثر ہوا کرتا تھا۔ ایک شریف، ایمان دار اور غریب باپ حقیقت میں رحمتِ الٰہی ہے! انسانی سیرت اور کردار کی تشکیل و تکمیل ایسے ہی ماحول میں ہوتی ہے۔"

یہ فقرے رحمان صاحب نے بڑے رقت انگیز لہجے میں ادا فرمائے۔

میں نے پوچھا: "آپ کا محبوب شاعر کون ہے؟" فرمایا: "میرا محبوب ترین شاعر اقبال ہے۔" علامہ مرحوم سے آپ کو بے پناہ عقیدت اور محبت ہے۔ مرحوم کے کلام پر آپ کی بڑی گہری نظر ہے۔ بچپن سے پڑھ رہے ہیں۔ خدا معلوم ایک ایک شعر کتنی کتنی مرتبہ پڑھ چکے ہیں۔ آپ کی اس والہانہ عقیدت کا زندۂ جاوید ثبوت "ترجمان اسرار" (اسرارِ خودی کا منظوم ترجمہ) ہے جو کئی برس کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اقبالؒ کے بعض شاہین بچے تو مرحوم کے لئے بدنامی کا باعث ہی ثابت ہوئے لیکن رحمان کی زندگی میں اقبالؒ کی تعلیم متشکل نظر آتی ہے۔ رحمان کے کردار کی تعمیر میں اقبال کے افکار کو بہت دخل ہے۔

"شاعری کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

فرمایا: "شاعری کے متعلق میرا نظریہ وہی ہے جو مقدمۂ شعر و شاعری میں حالی نے پیش کیا ہے۔ ادب میں اخلاق اور روحانی اقدار کی اہمیت کے متعلق تفصیل سے میں اپنا نظریہ بابِ رحمت کے تبصرے میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔"

"بابِ رحمت" کے تبصرے میں آپ یوں رقمطراز ہیں: "روایتی شاعری جدید قسم کی بھی ہو سکتی ہے اور قدیم طرح کی بھی۔ چنانچہ روایتی شاعری صرف یہ نہیں کہ روایتی شاعری کی مثالیں کہنہ مشق ترقی پسندی کے شعراء نے مہیا کر دی ہیں۔ میرے نزدیک ہر وہ شاعرانہ تصنیف جو خلوص اور احساس پر مبنی نہ ہو بلکہ کسی ایک مقبول طرز کی پیروی میں روا رکھی گئی ہو، روایتی ہے، خواہ اسے گل و بلبل کے افسانے کی شکل دی گئی ہو اور خواہ "مزدور" یا "بھوک" کے عنوان سے جدید رومانوی انداز میں اسے پیش کیا گیا ہو۔ ایسی شاعری درحقیقت شاعری نہیں ہوتی بلکہ قدما کی اصطلاح میں محض "تک بندی" یا "ادب برائے" فرد کی نظر کے پیشِ نظر "آہنگِ آزادی" کہلا سکتی ہے۔ تخلیقی شاعری وجود میں نہیں آتی جب تک کہ خارجی واردات جذبات کی بھٹی میں پگھل کر قلبی کیفیات میں تبدیل نہ ہو جائیں۔ دوسرے لفظوں میں اس قسم کی شاعری میں فنکار تجربہ کا ضمناً یا براہِ راست اظہار ہونا چاہئے۔"

حال ہی میں "حلقۂ اربابِ ذوق" کے سالانہ جلسے کے موقع پر رحمان صاحب نے ایک نہایت ہی مختصر مگر جامع، پر مغز اور بصیرت افروز خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا ہے۔ چند اقتباسات بلا تبصرہ پیش کرتا ہوں:۔

"ادب برائے ادب کا فرسودہ نظریہ اس حقیقت کی روشنی میں صریحاً باطل ٹھہر سکتا ہے۔"

"میری نظر میں تقلیدی اور بے روح ادب جسے مصنف کے ایقان و اخلاص نے جلا نہیں دی محض ہوائی ہے خواہ روایت پرانی ہو یا نئی۔"

"اس طبقے کے ادیبوں کا ایک گروہ تحت الشعور اور لاشعور کے گڑے مردے اکھاڑنے کو ہی اولیٰ مقصد سمجھتا ہے۔ اسی ذریعہ سے عریانی، فحاشی، جنسی کج روی اور رسوائیاں زبان نے جدید ادب میں راہ پائی ہے۔ افراط و تفریط سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض من چلوں نے بغاوتِ محض کو اپنا شعار بنا لیا۔ سماج سے بغاوت، قانون سے بغاوت، مذہب و اخلاق سے بغاوت، خدا سے بغاوت، ہر بلند آدرش سے بغاوت۔"

"عظیم ادب وہی ہے جس کے پس منظر میں ایک صحت مند نظریۂ حیات، ایک جیتا جاگتا نصب العین کارفرما ہوتا ہے۔"

روایتی ادب کے علمبرداروں کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ لوگ محض دیرینہ یا جدید روایت کی لکیر پیٹ رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی ذاتی سرمایۂ خیال نہیں۔ ان کا تصورِ ادب سراسر میکانکی ہے، ان کی جدت یا ندرت محض الفاظ کے الٹ پھیر کا نام ہے۔ ان کے ہاں صورت ہے معنی نہیں، جسم ہے جان نہیں، انہیں ایک طرح سے کاروانِ حیات کا پسماندہ غبار کہئے۔"

میں نے پوچھا: "آپ کے نزدیک زندگی کا بہترین نصب العین کیا ہے؟"

فرمانے لگے: "انسان کے لئے بہترین نصب العین وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اقبالؒ نے اسلام کی نہایت دلکش مگر حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ اسلام کی موجودگی میں ہمیں کسی دوسرے نظامِ حیات کی حاجت نہیں۔ اگر ہم لوگ تخلقوا باخلاق اللہ کو پیشِ نظر رکھیں اور سرورِ کائنات نے خدا کی اور ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم میں پھر صدیقؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ پیدا نہ ہوں۔ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی ہی زندگی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟ میں نے جواب دیا۔

قرآن پاک نے۔ میں نے اس مقدس صحیفے کو بار بار پڑھا ہے اور [illegible] زندگی کے [illegible] بہترین [illegible] ہے۔

[illegible]

اس ملاقات [illegible] ادیب [illegible] ایک شاعر [illegible]

[illegible] رحمان صاحب [illegible]

[illegible]

رحمان صاحب ایک اچھے ادیب، بہت اچھے جج اور نہایت ہی اچھے انسان ہیں۔ جب بھی رحمان صاحب کے [illegible] احباب کو ان کی تعریف میں رطب اللسان پاتا ہوں [illegible] اپنے حسن انتخاب پر خوش ہو کر زیر لب یہ شعر گنگناتا ہوں ؎

ہر کس کہ دید روئے تو بوسید چشم من
کارے کہ کرد دیدۂ من بے نظر نہ کرد

حمید نظامی

شورش کاشمیری

پہلی دفعہ حمید نظامی سے ملاقات آپ کے ہاں ہوئی۔ یاد کرنا محال ہے کہ یہی وہ شخص ہے جس کا وجود قصرِ حکومت کے شہزادوں سے لے کر کافی ہاؤس کے گمنام روشن تک میں زیرِ بحث رہتا ہے، جو اپنے اخبار میں واشگاف ہونے کے باوصف اپنے وجود میں چھپا رہا ہے، جس سے وزراء خوف کھاتے اور صحافی حسد کرتے ہیں، جس کی ذات پر پچھلے زیادہ دس برس میں اتنی بے تحاشا تنقید کی گئی ہے کہ اس تمام مواد کو جمع کر لیں تو روایتی ہتھیاروں کی بجائے وعقوق آوازوں کا ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے لیکن اس نے اپنے بے حوصلہ ناقدوں، کرم فرماؤں اور مقابل ہی نہیں مثلاً معاصرین کی تاثرات کو دو دو اقساط ہی نہیں سمجھا اور حتی الامکان اس بے پرواہی سے انہیں نظرانداز کیا ہے جیسے وہ کوئی وجود ہی نہیں رکھتے ہیں۔ جن حکمرانوں سے اس کی ٹھن گئی ان کا ہر جہت سے تعاقب کیا۔ بالآخر بیشتر جاہل شانے چت ہو گئے۔ کتنوں نے گھٹنے ٹیک دیے اور اکثر اپنا سے نظر آنے لگے۔ اس نے ہر معرکہ میں جم کر مقابلہ کیا، ہمیشہ تنہا لڑا، بار بار زخم بھی کھائے لیکن پیٹھ پر نہیں سینہ پر، کئی دفعہ موت و حیات میں ایک ہی قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ غنیم نے شادیانے بجائے لیکن وہ ایک ققنس کی طرح اپنی خاکستر سے زندہ ہو گیا۔ اس کی دوستی محدود ہے لیکن جس سے ہے چند اصولوں کے تحت ہے اور پکی ہے، دوست اس پر اعتبار کرتے اور اس کی رفاقت میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

—— دشمنی وہ سخت ہے بلکہ سنگدل، اس کا تیر ہمیشہ نشانہ پر بیٹھتا ہے۔ کوئی وار خطا ہو جائے تو وہ اس سے پژمردہ نہیں ہوتا بلکہ تازہ دم ہو کر دوسرا وار کرتا ہے۔ ایک وار، دو وار، تین وار —— وار ہی وار —— آخر وہ پالا مار ہی لیتا ہے۔ اس کی دوستی میں مروت ہے لیکن اس کی دشمنی میں نفرت۔ اس نے حریفوں کے لئے اپنی لغت سے عفو کا لفظ ہی نکال دیا ہے۔ کسی مرحلے میں بھی وہ دشمنوں سے رحم یا تلطف کا عادی نہیں۔ وہ قبولوں تک نہیں جاتا ہے، اس کے ہاں حریفوں کے کفن بھی ناپ لینے کی چیز ہیں۔

—— ہندوستان میں پاکستان کی جدوجہد کے دو بڑے صحافی سرخیل تھے۔ انگریزی صحافت میں الطاف حسین، اردو اخبار نویسی میں حمید نظامی —— حمید نظامی نے روایتی اصولِ جنگ کے تحت ہر حربہ استعمال کیا، نتیجہ معلوم کہ میدان اس کے ہاتھ رہا —— جس سے تاریخِ پاکستان کی صحافت میں اس کا نام علامت (Symbol) بن گیا۔ تاآنکہ اس نے اپنے گرد پاکستانی اذہان کی ایک بڑی کھیپ جمع کر لی جو سیاسی جنگ

میں تو تقسیم سے پہلے کا امرتسر ہی تھیں انقلاب کے بعد بعض لوگ خاصے فاصلے سے بھٹک گئے بعض نے ساتھ چلنا چاہا لیکن دشواری اٹھا کے ساتھ [illegible] اس تلاش میں خود فنا ہو گئے۔

اس حصہ میں مرحوم حیات علی، نواب شہاب الدین اور میاں ممتاز دولتانہ —— یہ تینوں حضرات تھے جن سے میری لڑائی کا آغاز ہوگیا۔ سب کچھ ایک اختلافی مضمون سے ہوئے نیلی مرکے خطاطی —

چھوٹی چھوٹی تنگیں اب حادثہ سا بن گئیں!

چھوٹی چھوٹی رنجشوں سے دوستی جاتی رہی

یہ صورتحال کہاں سے آیا؟ اس سے قطع نظر لڑائی یک طرفہ رہی۔ موگل نظامی نے جو بھی لڑی، انہیں بہت [illegible] اس کے بعد ہوتے گئے۔ کئی جھگڑوں میں وہ خود ہی شکست ہو گیا تھا۔ [illegible] وقت دور ہو گر [illegible] باقی ہم نے خود اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اب ان پر لڑائی مناسب نہیں لیکن خواجہ شہاب الدین کو اس حقیقت کے اقرار میں عار نہیں ہوگا کہ وزیر ہوتے ہوئے وہ دل میں کس کا کتنا خوف رکھتے —

خواجہ صاحب کا ایک خط حمید نظامی کے نام حال ہی میں چھپا ہے اس میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

"یہاں جس عہدہ پر بیٹھا ہوں وہاں [illegible] میری ملاقات سے طرح [illegible]

یہ کہ [illegible] کے سب میں [illegible] بری تکلیف دہ بات"

یا دو صحائف میں پڑھنے کی چیز ہے۔

میاں ممتاز دولتانہ سے لڑائی زیادہ خطرناک ہوتی۔ انہوں نے بدلہ لینے کی کوشش کی۔ دولتانہ بھی دو معاملوں میں سے گھٹ نہ تھا کر سکے

سانس بکھرتی ہے بسمل میں جو آتے جاتے

دو پہر کا دن پسند نہ آنے جاتے

لیکن یہاں بھی حمید نظامی ہی سرخرو نکلے۔ گو دولتانہ کی وزارت ان کے ہاتھ کٹوانے کا قصد تھا، ایک اخبار بند ہوا، دوسرا بند ہوا، تیسرا بند ہونے کو تھا علم شیخ منسوخ، پرچے چھاپنے سے انکاری، [illegible] حساب غائب، جعبت [illegible] لیکن حمید نظامی نے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ وقت پر اٹھنا، وقت پر لکھنا، وقت پر کھانا، وقت پر پڑھنا، وقت پر سونا — ہفتہ میں دو بار سینما، ایک آدھ دن ڈھلے پیدل پہنچ جانا، ساتھیوں میں گپ لڑانا، ہنسنا کھیلنا اور گھر چلے جانا — دوستوں سے صرف دوستی کی بات کرنا اور بس — اس سارے سفر صعوبت میں انہوں نے کبھی دوستوں کو اپنی افتاد صبح و شام سے آگاہ نہیں کیا۔ یہ چیز بار بار، دوسرے قارئین کے ساتھ ان کے تمام احباب کو بھی اخبار ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ روز نوائے وقت پر کیا گزری؟ "بھلا کیوں بند ہوا؟" اور "نوائے پاکستان کے ازمطبوعات نوائے وقت ہے —

پھر ان کا یہ رویہ اپنے احباب ہی سے نہیں بلکہ اپنے گھر والوں سے بھی ہے۔ گورنر راج کے زمانے میں ان پر مقدمہ دائر دیا گیا کہ بغیر لائسنس کے پستول رکھا ہے، وارنٹ نکلے، گرفتاری ہوئی، ضمانت لی گئی —— اگلے دن اخبار میں چھپا تو اہلیہ نے حیرت سے استفسار کیا۔ انہوں نے جو جواب دیا ملاحظہ ہو:

"اس کا گھریلو معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا اور اب آپ نے اخبار میں پڑھ ہی لیا ہے"

ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مصائب میں جب اپنی بیوی کو بھی حصہ دار نہیں بناتے جو حقیقتاً ان کی شریک حیات ہے تو پھر بھلا وہ ان لوگوں پر اپنے مصائب کا کوئی بوجھ کیونکر لاد سکتے ہیں جو محض ان کے شریک سخن ہی ہیں —— وہ استثنائی گر رہے ہیں۔ ان کے ہونٹوں سے کسی راز کا [illegible]

[illegible] ہے کہ [illegible] بات [illegible]
کو ان سے [illegible] نہیں چھپا کر کتاب میں کیا ہے۔ انہیں [illegible]
پالیں اور خیالات پر بھی اس وقت وہ [illegible] لگتے ہیں۔ ان کے ماتھے پر شکنیں ابھر جاتی ہیں۔ [illegible]

یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

اور عرفا "سخیروں" ہی کے گریبان اور کے دامنوں چاک ہوتے ہیں ۔۔۔۔ آج ہر گروہ کے ہاتھ میں ملکی سیاست کی باگ ڈور ہے اس کا خیر سعت کی خاک میں گندھا ہے۔ ان لوگوں نے انگریزی عہدِ حکومت میں نہ صرف اپنے ہی خاندانوں کو پھلنے پھولنے دیا بلکہ اپنے آپ کو [illegible] سمجھا۔ ان کی ساری تاریخ، جمہور المسلمین پر آنے کی تاریخ ہے۔ بالخصوص صوبہ پنجاب کے شرفا تو اگر انگریزوں کے خود کاشتہ پودے ہیں۔ حنیف رامے ان کے رستہ پر ایک زبردست چوٹ ہے۔ اس نے زندگی کی مراعات ورثہ میں حاصل نہیں کیں بلکہ جوڑ جوڑ کر بنائی ہیں، اس نے معاشرہ کے خلاف جدوجہد کر کے اپنی راہ پیدا کی اور موجودہ مقام حاصل کیا ہے۔

سلطان عبدالحمید نے جرمن خلافت کے فرماں روا سے کہا تھا۔ اگر خلافت کا تخت مجھے دوبارہ مل جائے تو میں سب سے پہلے ترکی کے اخبار نویسوں کو دار پر لٹکا دوں گا ۔۔۔۔ یہاں جن خاندانوں کے ہاتھ میں عنان اختیار ہے ان میں سے کچھ افراد کی ایک [illegible] اس کی دوستی بھی ہے اور وہ ہر حالی انہیں سے بے پروا ہو کر دوستانہ روابط نبھا رہا ہے لیکن ان کے اندرونی خیالات میں [illegible] ماشاءاللہ طبقاتی [illegible]

جہاں تک اس کے سیاسی خیالات کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے افق ہی سے طلوع ہوا ہے۔ اس میں اور اس کے تمام اجزا میں خیالات کا کوئی بنیادی ٹکراؤ نہیں، جو ٹکراؤ ہے وہ طبائع اور طبقات میں ہے اسی لئے ارباب اختیار کی انا اس سے جھگتی اور وہ بھی دل ہی دل میں کڑھتے ہیں لیکن نکالی ان کی طبقاتی فتح مندیوں کے خلاف ایک تنقیدی قہقہہ ہے۔ وہ غریب کے بیٹوں کا انتقام ہے، جو بڑی مدت کے بعد پنجاب کے با اقتدار خاندانوں سے بہ جبر لیا گیا ہے ۔۔

حفیظ اہلِ زباں کب مانتے تھے
بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

اس نے اپنے فکر و نظر کو ایک خاص سانچہ میں ڈھال لیا ہے اس کی بعض کاوشیں اونچے طبقے کے عادات کی طارٹ ہے۔ اس خصوصیت نے اس کے "گرد و پیش" بعض ایسے عناصر پیدا کر دئے ہیں جو محض تنومندی کی خاطر اس پر گالیوں کا جھاڑ باندھتے ہیں۔ اس وقت اس کی عمر ۳۹ اور ۴۰ سال کے درمیان ہے۔ اس نے زندگی کی عمارت اٹھانے میں ایک ایک اینٹ خود چنی ہے، وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنے خاندانوں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں بلکہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی وجہ سے ان کا خاندان پہچانا جاتا ہے۔

اس نے اپنے بل پر تعلیم حاصل کی، اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے اور ایف سی کالج لاہور سے ایم۔ اے (انگریزی) کیا۔ پڑھاتا رہا، کماتا رہا اور پڑھتا رہا ۔۔۔۔

اس کو جا بننے کا شوق شروع سے تھا، اس کی طبیعت کے دروازے ادب و سیاست دونوں کے لئے کھلے تھے، ابتداً ہر ادبی رسائل میں لکھتا رہا۔ "شیرازہ" "ہمایوں" اور "ادبی دنیا" میں طبعزاد افسانے، ہلکے پھلکے مضامین اور خاکے لکھے۔ کئی تراجم بھی چھپے آخر کار اس کی طبیعت کا ایک رخ ہو گیا، ادھر سیاسیات کا ایسا چسکا پڑا کہ جب طالب علمی ۱۹۴۳ء میں مسلمان طلبہ کی سٹوڈنٹس فیڈریشن کا سنگِ بنیاد رکھا اور صدر منتخب ہو گیا۔ ۱۹۴۵ء میں صدارت سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر ۱۹۴۶ء میں قائد اعظم کے ایما اور دوستوں کے اصرار پر صدر بن گیا۔ اسی اثنا میں کالج کے مباحثوں میں حصہ لینا شروع کر دیا، زبان پر قابو تھا، خیالات تقریباً منجھ چکے تھے، بیسیوں مباحثوں میں شرکت کی اور کوئی پندرہ کے قریب انعامی کپ جیتے

[illegible] سکیا زمیت کا سوال سامنے تھا۔ [illegible]
[illegible] کے لئے جو آئی سی ایس کا امتحان [illegible] ادبیات اردو کا
[illegible] ایک [illegible] اس منتخب فرمایا۔ اپنے نام سے چھاپا۔ چنانچہ اب تک اس سلسلے [illegible]
[illegible]

[illegible] وقت [illegible] ایک شخص جب [illegible] وہ [illegible] کاغذ [illegible] اور
[illegible] پاکستان کے لئے [illegible] نے [illegible] نہیں [illegible] اس کی شہرت [illegible]
[illegible] اس سے پہلے [illegible] کہ آج زیادہ [illegible] تھا مسلمانوں میں صحافی [illegible] حاضر تھے۔ ایک ایڈیٹر کے لئے شاعر و
[illegible] تھا [illegible] وقت [illegible] اس [illegible] لوگ اردو [illegible] انشا [illegible] تھے یا جنہیں [illegible]
[illegible] کے باعث اردو اخبار نویسی [illegible] اضافی [illegible] ہوا [illegible] مضامین کی [illegible] اخبار [illegible]
انگریزی کی بجائے انگریزی خوانوں کو اردو اخبارات سے [illegible] کر رکھا [illegible] چند انگریزی خواں بھی اردو اخبار
[illegible] اداریوں کی خاطر پڑھتے تھے۔ نوائے وقت نے اس [illegible] کو [illegible] غالب [illegible] پیدا [illegible] پاکستانی انگریزی
[illegible] خوف یا شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ [illegible] ملک کی سیاست [illegible] اس کے حامی و مخالف کا [illegible]
یا تو ہین کرنے کے لئے اس کو ضرور پڑھتے ہیں [illegible] خوبی یہ ہے [illegible] سیاسیات میں مسائل [illegible]
[illegible] پیدا کر لیتا ہے [illegible] اور [illegible] کی ایک عام بحث شروع ہو جاتی ہے [illegible] جس سے ایک خاص [illegible]
اور [illegible] پنجاب کے اضلاع میں اس [illegible] کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

نوائے وقت یا حمید نظامی لازم و ملزوم ہیں، دونوں کی شخصیت ایک دوسرے میں پیوست ہے [illegible] دوسرا [illegible]
اس کی اپنی پسند و ناپسند بھی شدید ہے بلکہ سنگین، اسی طرح اس کے مخالف و موافق بھی افراط و تفریط [illegible] اس کے مخالفوں کا
سب سے بڑی تعداد اسی کے طبقے میں ہے۔ اس کا واحد جرم یہ ہے کہ وہ ان کے طبقے کا ہو کر ان سے آگے نکل گیا ہے [illegible] اس کے اداریوں میں
[illegible] نام کو نہیں ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے فقرے اور [illegible] بات [illegible] کی ادبی حیثیت کمتر ہو سکتی ہے لیکن اس میں ایک
[illegible] ہوتی ہے جس سے ضارب و مضروب دونوں لطف لیتے ہیں۔

اکثر لوگوں میں اس کے متعلق یہ خیال عام ہے کہ وہ مغرور ہے لیکن وہ مغرور نہیں، مروت رکھ رکھاؤ کا عادی ہے [illegible] لوگوں میں [illegible]
ہونا۔ اس کا خیال ہے کہ ہر انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اس سے [illegible] پیدا ہو [illegible] جو لوگ کسی نہ کسی وجہ سے عام ہو جاتے [illegible]
کی طرح تقسیم ہو کر اپنی عزت کم کر بیٹھتے ہیں۔
[illegible] میں بیٹھنے کے بجائے ان کو گالی کھانے میں عزت کو زیادہ محفوظ سمجھتا ہے۔
اور حمید نظامی کی ساری تصویر الفاظ کے ساتھ نسخ یا نستعلیق ہو [illegible] ہے۔

آغا شورش کاشمیری

محمد وارث کامل (بی اے)

لاہور کی وہ تفریحی جگہ جو بیرون دروازہ ... جو اپنی ناک کی سیدھ ... کھاتی ہوئی چلی جاتی ہے آج سے کچھ برس پہلے کسی جوان رعنا کے خرام ناز کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ ... نوجوان سے میری آنکھیں صرف ایک دو بار ملیں ... چار ہوئیں تھیں کچھ تو اپنی مرادِ ... باعث اور کچھ اس وجہ سے کہ اس جوان رعنا کی شخصیت و عظمت ... ان سے خطاب تو درکنار کسی راہرو کو رسمی علیک سلیک کی اجازت بھی نہیں دیتی تھیں میرے اس جوان رعنا کے درمیان حیثیت کی دیوار ... حائل تھی۔ یہ عقدہ بھی نہ کھل سکا کہ آخر یہ نوجوان ہے کون؟ انقلاب آتے چلے اس نوجوان کے چہرے بشرے کے جو نقش ابھر آئے تھے میں تصور میں بھی انہی سے ہمکلام ... اس ہمکلامی کو بزعم خود تعارف سے تعبیر کرتا رہا حالانکہ اس ہمکلامی اور اس تعارف کی حیثیت ایک طلسم خیال کی سی تھی۔ اس نوجوان کی حیثیت ... ان خصوصیات کا حسین آمیزہ تھی جس کی زبان ... کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ کتابی چہرہ، غلافی آنکھیں، ستواں ناک، ڈھلکے ہوئے رخسار، شاداب ہونٹ، ... کان، ... پیشانی، گٹھے ہوئے دانت، گھمبیر آواز ... کمال ... گردن ... بلکہ عادتاً ... سانولا رنگ، کھلا ہوا قد ... لیکن نگاہیں ہر لحظہ گردش میں، چہرے پر متانت و ذہانت سے آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی ... تھا ... کہ ہر قدم پر فتنے جگاتے ... [illegible] (اس کا اندازہ بعد میں ہوا) کہ پری شیشے میں اتر آئے عزم و حوصلہ کی یہ شان (... تراش خراش ...) ... [illegible] شعر کا مفہوم کچھ یوں ہے ؎

ہر چند کوہ سے بھی گراں تر ہے بارِ عشق
ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ تنہا اٹھائیے

شاہی مسجد میں ایک جلسہ کا پروگرام تھا۔ لوگ شہر کے اطراف و اکناف سے اس کثیر تعداد میں جمع ہوئے تھے کہ ... کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس اجتماع میں میں بھی شریک تھا لیکن میری حیثیت ایک ایسے تماشائی کی سی تھی جس کو بیدلی نہ اسے درس عبرت دیتی ہے نہ اس کے لئے تسکین ذوق کا سامان فراہم کرتی ہے غالب نے بھی ایسے ہی تماشائی کی ذہنیت کا اس شعر میں ماتم کیا ہے ؎

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

[illegible] کے قریب ہی بیٹھا تھا [illegible] جاتا ہوں کہ اس قریب کی خاطر میں نے اپنے وقت کا کتنا قیمتی حصہ صرف کیا تھا۔ [illegible] سیاست [illegible] دیکھا ہے [illegible] زندہ [illegible] [illegible] دیکھنے کے [illegible] مولانا ظفر علی خان [illegible] حالات [illegible] زندگی کے [illegible] [illegible] مولانا ظفر علی خان زندہ [illegible] [illegible] تقریر [illegible] [illegible] [illegible] تقریر سے [illegible] [illegible] سے [illegible] ہوتی تھی

[illegible]

[illegible] صاحب

[illegible] ولی [illegible] نوجوان [illegible] [illegible] [illegible] جو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تقریر کی [illegible] تقریر سے [illegible] ہوں [illegible] مجھے یاد ہے [illegible] اخبار میں خوش [illegible] [illegible] کے بعد [illegible] تھا

مولانا آپ کی شخصیت [illegible]

[illegible] بھی [illegible] نہیں [illegible] آپ [illegible]

[illegible] خیال [illegible] آپ [illegible]

[illegible] نہیں [illegible]

[illegible] اس نوجوان کی تقریر کے دوران مجھے ایسا محسوس [illegible] [illegible] نوجوان کی تقریر کے خاتمہ پر لوگوں [illegible] [illegible] کوئی صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بات جیت ابھی ختم ہوئی تھی کہ پیچھے سے ایک [illegible] میں نے [illegible] دیکھا تو [illegible] [illegible] ہے۔ یہ [illegible] [illegible] میں [illegible] وارث صاحب [illegible] خانہ [illegible] تھے۔ (یہ صاحب کیپٹن شفیق احمد خان ایم اے پی سی ایس [illegible]) شورش کی تقریر! یہ ہے قابلیت۔ ایک مدت سے ہم دونوں [illegible] [illegible] شخصیت [illegible] [illegible] کہ ہم اس حوالے سے تقریر کر سکیں۔ وارث صاحب [illegible] اس تقریر کی ایک [illegible] [illegible] صاحب ایک نوجوان [illegible] [illegible] امتحان پاس کئے ہیں اور ہمارے پاس [illegible] [illegible] [illegible] نوجوان [illegible] [illegible] طرح جانتا ہوں کئی ماہ برابر میری اور اس نوجوان شورش کی [illegible] ہے [illegible] اندازہ تو مجھے پہلے بھی تھا کہ یہ نوجوان [illegible] [illegible] زیادہ قریب ہونے کی کوشش نہیں کی۔

اور جو [illegible] اس کی گدڑی میں لال چھپے ہوئے ہیں لیکن یہ میرا کہنا کہ میں نے اس سے کچھ [illegible] زندگی کا ایک ورق ہیں نے اوپر کی سطور میں پیش کیا ہے آج صرف شورش نہیں بلکہ آغا شورش یہ نوجوان شورش یہ جوان رعنا شورش جس کی کتاب زندگی کا ایک ورق [illegible] کاشمیری ہے۔ آغا شورش کاشمیری ابھی [illegible] کو نہیں پہنچے ایک سال کے بعد [illegible] انھیں عزت، وجاہت اور شہرت کی وہ معراج نصیب ہوگی جس پر ان کے [illegible] رشک کریں گے یہ کوئی منجمانہ پیش گوئی نہیں بلکہ ایک پیش قیاسی ہے جو میں نے ان کی عمر کی مناسبت سے کی ہے۔ آغا شورش کاشمیری

سے ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اس ملک [illegible] کی تمیں [illegible] صاحب سے [illegible] آپ [illegible]۔ ظفر علی خاں [illegible]
کی [illegible] ۵۰ سال بعد [illegible] اسلامی حکومت "پاکستان" کی [illegible] ثابت ہوئی۔ [illegible]
یا پھر ان خدمات کا [illegible] جو اس قوم [illegible] سیاسی زندگی کا اوڑھنا بچھونا رہا ہیں۔

آغا شورش کاشمیری نے عملی سیاست کے میدان میں ہال مجلس احرار کے ایک رکن کی حیثیت سے قدم رکھا یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال کے لگ بھگ تھی۔ شروع ہی سے زمیندار کا مطالعہ بڑی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ اور وہ اول [illegible] جو مولانا ظفر علی خاں کے قلم سے نکلتے تھے آغا جی بڑے شغف اور بڑے انہماک سے ان کے معانی و مطالب پر غور کرتے اور ان کے محاسن پر سر دھنتے تھے شعر گوئی اور نثر نگاری کی صلاحیتیں بھی [illegible] موجود تھیں الہلال و البلاغ کے مطالعے نے ان کے [illegible] پر کچھ اور صیقل کر دیا تھا۔ ایک طرف مولانا ظفر علی خاں کی جذباتیت اور دوسری طرف مولانا ابوالکلام آزاد کی [illegible] دونوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور آغا شورش کی شخصیت پر ادب و انشا، شعر و سخن، تقریر و خطابت اور فکر و نظر کے ایسے [illegible] برصغیر کے طول و عرض میں ان کی دھوم مچ گئی۔ برطانوی دور میں جب تحریک آزادی کی مہم زوروں پر تھی تو اس نوجوان خطیب نے ملک کے گوشے گوشے میں [illegible] شعلہ مقالی اور آتش بیانی کے جھنڈے گاڑ دیئے اس حقیقت سے [illegible] آغا شورش کاشمیری کے بدخواہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جہاں تک فن خطابت کا تعلق ہے آغا کا کوئی سہیم و عدیل نہیں ہے۔ اسی سال جب یوم اقبال کی تقریب پر آغا نے تقریر کی تو پورے ہال کی [illegible] آنکھوں میں [illegible] آغا کی تقریر [illegible] چیز میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آغا اپنے خیالات کا اظہار زبان سے نہیں بلکہ دل سے کرتے ہیں۔ زبان و دل کی [illegible] کے ساتھ اپنی آواز کی بلندی [illegible] سے جب آغا شورش کاشمیری تقریر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن پر معانی و مطالب کی بارش ہو رہی ہے ان کے مطالب الفاظ کے [illegible] ہوتے بلکہ الفاظ کو یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ مطالب کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ آغا شورش ایسی زبان بولتے اور ایسی زبان لکھتے ہیں جو عوام کے دل و دماغ کی گہرائیوں پر اثر کر جاتی ہے۔

آغا شورش کاشمیری کو تحریک آزادی میں شرکت کی یہ سزا ملی کہ برطانوی استعمار نے انہیں دس سال ۸ ماہ کی طویل مدت تک قید رکھا۔ آغا نے ایک سال دو ماہ قید تنہائی کی سختیاں سہیں۔ دو ماہ نو دن بھوک ہڑتال کی۔ یہ قید ۱۲۴ الف اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت عمل میں آئی تھی۔ اسی طویل المیعاد اسیری کے عالم میں آغا شورش کو غالباً اپنی زندگی میں پہلی بار یہ تجربہ ہوا کہ انسانیت کا معیار کتنا گر چکا ہے! انسان [illegible] ایسے درشت انسانوں کے ساتھ کتنا بیہودہ برتاؤ کرتے [illegible] عہدہ اور منصب کی ہوس میں لوگوں کا خون کتنا سفید ہو گیا ہے کہ وہ یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ جس شخص کے ساتھ ہم وحشت [illegible] کا سلوک کر رہے ہیں وہ خود انہی کی قوم کا ایک فرد ہے! بیڑی، ڈنڈا بیڑی، ہتھکڑی، تو بڑے [illegible] جیل کے صحن میں [illegible] ہوئے [illegible] یہی وہ [illegible] جو [illegible] جیل کے حکام نے آغا کے خلاف بڑی بے رحمی کے ساتھ استعمال کئے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۶ء تک آغا کی زندگی کے دس سال [illegible] سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہ کر بسر ہوئے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آغا کی سیرت کی تعمیر اسی دس سالہ مدت کا حاصل ہے۔ اگر آغا کی زندگی کے دامن پر قید و بند کی صعوبتوں کے داغ نہ ہوتے تو غالب قیاس یہ ہے کہ ان کی شخصیت کا نقش کبھی نہ ابھر سکتا اور وہ مدت العمر کس مپرسی کی زندگی بسر کرتے۔

آغا شورش کاشمیری کئی سال سے ہفت روزہ چٹان لاہور کے مالک و مدیر ہیں ۱۹۴۹ء میں مجلس احرار نے جب روزنامہ "آزاد" نکالا تھا تو کچھ عرصہ کے لئے اس کی ادارت کے فرائض بھی آغا نے سرانجام دیئے تھے اس وقت تک آپ کے قلم سے جو تصانیف نکل چکی ہیں ان کی فہرست یہ ہے۔

(۱) قیدی کا روزنامچہ (جسے جیل کے حکام نے پنجاب سی آئی ڈی کے مشورہ سے ضبط کر لیا تھا)

(۲) آزاد ہند کے زعیم خواہر (۳) اس بازار میں (۴) گفتنی و ناگفتنی (مجموعہ کلام) (۵) پس دیوار زنداں (زیر طبع) (۶) مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری (زیر ترتیب)

آغا شورش کاشمیری ایک خاص طرز نگارش کے مالک ہیں "چٹان" کے قارئین جو قریب پاکستان اور بھارت کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں [illegible]

[illegible] ہے اور اس سلسلہ [illegible]
[illegible] آشنا [illegible] ہے۔

"[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

دامان باغباں سے کف گل فروش تک
بکھرے پڑے ہیں سینکڑوں عنوان [illegible] "

آغا شورش کاشمیری کو واقعی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہیں ــ

بہت قریب سے دیکھا ہے رہنماؤں کو — بہت [illegible]
[illegible] — [illegible]

آغا شورش کاشمیری کی سیاسی اور ادبی زندگی کے چند پہلوؤں پر تو میں نے [illegible] کے بارے میں کچھ نہیں لکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس موضوع کو [illegible] نقش چھوڑ جاتی ہیں [illegible] حقیقت [illegible] نوجوان [illegible] کی زندگی انقلابات کے [illegible] ماحول میں بسر ہوئی ہے [illegible] اور [illegible] کا مالک ہے۔ طبیعت میں [illegible] کی خشونت [illegible] پڑ ڈالی ہوئی [illegible] چہرہ کی تراش خراش میں غیظ و غضب کے جذبات [illegible] آگ [illegible] ہوگا ــ

تیور بدل گئے تو زمیں کانپنے لگی
ابرو کے اک اشارہ سے محشر بپا ہوا

اگر یہ عیب ہیں تو آغا شورش کاشمیری کا دامن ان سے ضرور داغدار ہے۔ آغا کی [illegible] ان کے بہت سے معتارفین

اگر سے کبھی آغا بڑے تپاک سے ملتے ہیں اور کبھی اس بلا کی سرد مہری کا ثبوت دیتے ہیں کہ ملاقاتی اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ مجھے ان کے قریبی دوستوں سے معلوم ہوا ہے کہ آغا شورش کاشمیری نے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ آغا بیشتر پنجابی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن تقریر و تحریر میں ان کی زبان اہل صحبت کے سلیقے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ان کے لہجے پر جوش غالب آجاتا ہے لیکن یہ غلبہ صرف چند ساعت کے لئے ہوتا ہے۔ وہ فوراً اپنے جذبات پر قابو پا لیتے ہیں۔ آغا صاحب جب ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرتے ہیں تو طنز و ظرافت کا ایک دفتر کھل جاتا ہے۔ چٹان کے مالک و مدیر کی حیثیت سے [illegible] اور بہت بلند ہے۔ کاتب، ادارہ تحریر، منیجر اور چپراسی سبھی ان سے خوش اور مطمئن ہیں۔ ان کا مرتبہ ان سب سے برادرانہ ہے، وہ کمانے سے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انہوں نے زمانے کے نشیب و فراز دیکھے ہیں اور ہر رنگ کی زندگی بسر کی ہے۔

---

(۴)

چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

(غالب)

حیدرآباد کی چند شخصیتیں

تمکین کاظمی

بیس پچیس سال پہلے میں نے چند شخصی خاکے لکھے تھے جسے اہل علم نے بہت پسند کیا اور بعض لوگ بار بار تقاضا کرتے رہے کہ میں [illegible] لکھوں مگر میں اس طرف توجہ نہ کر سکا۔ البتہ بہت سال مجھے خیال ہوا کہ ان سب بزرگوں اور دوستوں کے شخصی خاکے لکھ [illegible] طور پر یاد آتے ہیں، چنانچہ بعضوں کے متعلق الگ الگ مضامین لکھنے کا شوق تھا۔ [illegible] "شخصیات نمبر" طبع ہوا اور مجھے اس کے [illegible] پاکستانی مطبوعات کا حصول مشکل ہو گیا ہے۔ [illegible] والے بھی بڑی مشکل سے منگوا سکتے ہیں۔ بالآخر [illegible] شخصیات نمبر [illegible] میں نے [illegible] کر لی اور ایک طویل خط طفیل صاحب کو لکھا مگر میرا یہ خط یا تو انہیں ملا نہیں یا وہ [illegible] ہو گئے۔

گزشتہ مہینے میں محبی [illegible] ہاشمی نے مجھ سے خواہش کی کہ شخصیات نمبر کے ضمیمہ کے لئے [illegible] حیدرآباد [illegible] کی فرمائش کی تعمیل کر دی اور انہوں نے [illegible] طفیل صاحب کو بھجوا دیا اور پھر طفیل صاحب نے فرمائش کی کہ حیدرآباد والوں کے خاکے لکھ دوں۔

میری ولادت [illegible] کی ہے اور میرا گھرانا علمی و ادبی رہا ہے جس کی وجہ سے بچپن ہی سے مجھے علماء، فضلاء اور شعراء سے واقفیت رہی ہے۔ [illegible] بیشتر شاعروں سے میرا بچپن ہی سے مانوس تھا، اس طرح میں سینکڑوں بزرگ [illegible] مگر میں نے چند بزرگوں کی ایک فہرست بنا لی ہے اور ان کے خاکے پیش کر رہا ہوں۔

شخصیات نمبر میں بعض لوگ مثلاً امجد، [illegible] اللہ بیگ، وحید وغیرہ پیش کئے گئے ہیں، اس لئے انہیں [illegible] مستقل طور پر [illegible] لکھے ہیں اور وہ [illegible] شائع ہو چکے ہیں اس لئے اس مضمون میں انہیں بھی نہیں لیا گیا ہے۔

[illegible] علم و ادب میں [illegible] بہت مجھے پسند نہیں [illegible] دونوں طبقے پیش [illegible] غیر حیدرآبادی کا بھی میں قائل نہیں ہوں۔ جو لوگ حیدرآباد آ کر بس گئے وہ [illegible] دو سو سال [illegible] حیدرآبادی [illegible]

شاید کہ سکا ہوں۔

مشکل یہ ہے کہ ہر شخص خاندان کے ساتھ مستقل متعہ، بار علم مستحق کے اقتباس ہی چاہتے ہیں اور ان حضرات کا ملا ہوا اکٹھا نہیں ہو سکتا، حالانکہ بالکل مستقل چیز ہے اس لئے تبصرہ اور اقتباس کی گنجائش نہیں۔ اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ لوگ کسی کے حسن کردار کی عبرت کے لئے قطعاً تیار نہیں جو اخلاقی یا مذہبی لحاظ سے ملحق ہو، زمانہ ظاہر، چنانچہ حال ہی میں ستمبر اور نگ آبادی پر میں نے ایک مضمون لکھا اس میں مسلکی کی منشیات اور پر ہی روشنی ڈالی تو میرے بزرگوں نے خوب لے دے کی۔ حیران ہوں کہ کیا کروں بقول توفیق حیدرآبادی ۔

حیران ہوں یا الٰہی ! آج میں توبہ کس کو زادوں

پیمانہ ہاتھ میں ہے پیمان سامنے ہے!

بہر حال میں یہ کوشش کروں گا کہ جو بھی لکھوں بے تکلف لکھوں اور کچھ لپٹی نہ رکھوں، واقعات ایمانداری اور دیانت کے ساتھ پیش کر دوں۔

آپ اس حصے میں ایسے بزرگوں کے خاکے ملاحظہ فرمائیں گے جو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور ایسے لوگوں کے خاکے بھی دیکھیں گے جو بفضل سے اب بھی زندہ ہیں۔ میں نے جو بھی ناثر دیا ہے اس پر سب کو ماننا چاہتا ہوں چاہے وہ مرحوم ہوں یا موجود۔ فقط!

علامہ عبداللہ یوسف علی

۱۹۴۲ء میں حلقہ گلبرگہ میں مجھے وکٹوریہ ریذیڈنسی کے سپروائزر کی حیثیت سے بھی کام کرنا پڑا ہے میرے تفویض شہر گلبرگہ کی وکٹوریہ ریذیڈنسی کی نگہداشت بھی تھی مہمانوں کا استقبال اور ان کا انتظام بھی بعض مرتبہ میرے تفویض رہتا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں بعض مشاہیر سے بھی ملنے کا موقع حاصل ہو گیا۔ ان میں عبداللہ یوسف علی بھی تھے۔

عبداللہ یوسف علی صدر المہام وزیر مال و صنعت و حرفت و تجارت کی حیثیت سے دورہ پر آنے والے تھے اور میں گورنمنٹ ہاؤس میں ان کا انتظار کر رہا تھا کہ دو تین موٹریں سرعت سے پورچ میں آ کر رکیں ان میں داخل ہوئیں جو موٹریں حیدرآباد سے آئی تھیں اور حیدرآباد کی نمبر پلیٹ سے ملاحظہ ہو رہی تھیں پہلی موٹر سے ایک کریہہ منظر معمولی شخص چیک کا سوٹ پہنے ہوئے اترا اور اپنے سوٹ کی گرد جھاڑتا ہوا ادھر ادھر دیکھ کر مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ میں نے خود اس سے سوال کیا "صدر المہام صاحب کہاں ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پیچھے کی موٹر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دوسری موٹر کی طرف رخ کیا تو اس میں باسط جنگ (عبدالباسط خان) نظر آئے۔ علیک سلیک کے بعد میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے سامنے کی موٹر کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں نے ان سے کہا اس موٹر میں صدر المہام تو نہیں ہیں ان کا شوفر ہے تو وہ ہنسنے لگے اور موٹر سے اتر کر مجھے ساتھ لے کر پہلی موٹر کی طرف بڑھے اور اس صدر المہام سے جسے میں شوفر سمجھ رہا تھا، میرا تعارف کرایا۔ اس طرح مجھے علامہ عبداللہ یوسف علی سے نیاز حاصل ہوا۔

عبداللہ یوسف علی حیدرآباد سے موٹر پر آئے تھے راستہ بھی ناہموار تھا اس لئے تکان کا اثر چہرے پر تھا، میں نے گورنمنٹ ہاؤس دکھایا۔ اتنی دیر میں ان کے ملازمین بھی آ گئے اور وہ غسل خانہ میں چلے گئے۔ غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کر کے چائے پینے کے لئے آ بیٹھے تو مجھے بلا لیا اور دیر تک باتیں کرتے رہے، باسط جنگ بہادر ان کے ساتھ بہ حیثیت ناظم انجمن امداد باہمی و رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز آئے تھے۔ چونکہ باسط جنگ سے میرے خاندانی مراسم تھے اور والد مرحوم سے انہیں بڑی محبت تھی۔ اس لئے وہ جب بھی گلبرگہ آتے تو ہمارے ہی مہمان رہتے یا گورنمنٹ ہاؤس میں بھی ٹھہرتے تو ایک دو دن ہمارے گھر پر ضرور رہتے تھے۔

پہلی ملاقات میں علامہ نے رسمی سی باتیں کیں مگر دوسری تیسری ملاقات سے وہ کھل گئے اور بڑی دلچسپ باتیں کرنے لگے مگر

[illegible] دیکھا اور بعض جگہ کے حالات معلوم کرتے رہے۔ [illegible]
[illegible] ایسے مشہور [illegible]
[illegible] باتیں [illegible] ہوگئے۔

[illegible] کی دعوت [illegible] احسان [illegible] پاس چل کر نہیں ہو سکتا۔
[illegible]
[illegible] دعوت [illegible]
[illegible] دعوت [illegible] بلا

[illegible]

[illegible] کے طریقۂ تبلیغ کی وضاحت فرمائی۔

سنٹرل جیل کا معائنہ کیا تو کارخانہ جہاں قالین شطرنجیاں [illegible] دریاں بنائی جاتی تھیں بڑی تفصیل سے ملاحظہ کیا اور بہت پسند فرمایا اور [illegible] معاشرہ میں جرائم اور ان کے ارتکاب، سزا اور اس کے اثرات پر ایسی جامع تقریر فرمائی کہ [illegible] ہو گیا۔ ایک [illegible] جو ہر جگہ [illegible] ہر مقام پر [illegible] کرتے تھے۔

[illegible] تم بتا سکتے ہو کہ کئی سو سال سے یہ قبریں [illegible] روحانیات پر ایک [illegible] تقریر فرمائی اور ثابت کیا کہ روحانی اثر [illegible] نہیں سکتا اور [illegible] رہے گی۔

لہ یہ مجاور تھا۔

گلگت کی ملاقاتوں کا بھی پر لطف داستان ہے۔ کہ گلگت میں ایک مہاراج کا راج ہے جس کی [illegible] نے وہاں

سازش کیا اور وہاں کے [illegible] کشمیر کے متعلق ہندو مسلم جھگڑے کا حال سنا کر ڈرانے لگے۔ بتایا کہ یہ علاقے جو مسلمانوں کی حکومت ہے اور

[illegible] ہے یہاں یہ حال ہے کہ مسلمان ہندو راج کو پسند نہیں کرتے جب کبھی ہندوستان آزاد ہو جائے گا اور ہماری

حکومت ہوگی تو پھر ہندوؤں کی خیر ہے۔ [illegible] کی یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کے خلاف [illegible] رہیں گے:

علامہ کا یہ خیال حرف بہ حرف پورا ہوا۔ شاید اسی کو وہ دیکھ نہ سکے اور ترک وطن کر کے مدینہ منورہ [illegible] رہے۔

میرے بعض دوستوں ڈاکٹر [illegible] ایل ایل بی [illegible] ایل ایل بی کر رہے تھے اور عبدالمنعم سیفی ایم اے [illegible]

جو [illegible] ایل ایل بی کر رہے تھے [illegible] کی کہ علامہ سے انہیں ملاؤں۔ [illegible] میں نے علامہ سے استدعا کی کہ میرے پاس [illegible]

تشریف لائیں [illegible] بخوشی [illegible] ہو گئے [illegible] شام کی چائے پر [illegible] آپ سے ملاقات کی [illegible] حالات سیاسیات

پر اور منعم سیفی سے مذہب [illegible] پر گفتگو کرتے رہے [illegible] طالب علمی کے [illegible] باتیں کیں۔ ایک طالب علم [illegible]

کے ایک غریب خاندان سے تھے میرے پاس رہتے تھے ان سے خصوصیت کے ساتھ بات چیت کی اور دوسرے روز انہیں [illegible]

کہا اور [illegible] کے سامنے اپنی طالب علمی کے حالات سنائے کہ کس طرح انہوں نے افلاس اور تنگ دستی میں طالب علمی کی [illegible]

ایک [illegible] شخص نے ان کی مدد کی۔ اپنے حالات بڑی بے تکلفی سے سنائے اور اپنی افلاس اور تنگ دستی کے اظہار میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔

[illegible] لوگ تھے کتنے حقیقت پسند اور کیسے سچے اور [illegible] میں نے کسی شخص کو اتنی صفائی سے اپنی سابقہ زندگی اور [illegible]

کہتے نہیں [illegible] لوگوں پر [illegible] وہ بھی ہمیشہ اس کے ذکر سے گریز کرتے رہے مگر علامہ نے فخر کے ساتھ سب کچھ سنا دیا

کہ [illegible] ابتدائی زندگی کے حالات سننے کے بعد ہم لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت اور زیادہ بڑھ گئی اور ہم انہیں ایک نمونہ سمجھنے لگے۔

یوں تو علامہ [illegible] نظر بہت گہری تھی [illegible] انہیں ایک [illegible]

اس ملاقات میں [illegible] معلومات کے بزرگ ہیں تاریخ [illegible] کی بڑی اچھی نظر تھی [illegible]

بیان کرتے تھے [illegible] گلبرگہ کی ایک مختصر تاریخ اور حضرت خواجہ بندہ نواز کی سوانح عمری مرتب کی تھی اس لئے یہی معلومات [illegible]

مجھ سے اس خصوص میں علامہ نے گفتگو فرمائی تو بہت خوش ہوئے اور [illegible] معلومات کی بڑی داد دی اور بڑے اچھے مشورے سے سرفراز فرمایا [illegible]

مذہب پر بھی بڑی گہری نظر تھی اور تصوف سے متعلق بڑی خاص معلومات تھیں اور ایک خصوصیت یہ تھی کہ عربی، فارسی، انگریزی، مرہٹی، گجراتی کے

علاوہ کنڑی بھی اچھی طرح جانتے اور روانی سے بولتے تھے۔ عربی، لاطینی اور سنسکرت کے قائل تھے کہ [illegible] بقیہ زبانوں کا [illegible]

[illegible] تھے، اردو بڑی صاف اور شستہ بولتے اور [illegible] سکتے تھے۔

عبدالمنعم سیفی [illegible] کے ایک ڈرامے کا ترجمہ کر رہے تھے، جیسے ذکر کیا تو فرمایا۔ یہ ڈراما جس کا ترجمہ کر

رہے ہو کوئی خاص [illegible] ہے [illegible] کا ترجمہ کرنا ہو تو اس کے [illegible] سے بہتر ترجمہ ہو سکے گا اگر

تم [illegible] کی مشق جاری رہے تو دس سال کے بعد اس ڈرامے کا ترجمہ کر سکتے ہو۔

علامہ [illegible] ادب پر بھی خاصا عبور تھا۔ البتہ شاعری سے زیادہ دلچسپی نہ تھی مگر اس سے بے بہرہ بھی نہ تھے۔ اساتذہ اردو

کے کلام سے واقف تھے۔ غالب اور اقبال کے اکثر شعر بھی یاد تھے اور میر کے شعر بھی سنایا کرتے تھے۔

بہر حال گلبرگہ میں ایک ہفتہ علامہ کا قیام رہا اور ان دنوں میں صبح سے شام تک میں ساتھ ہی ساتھ رہا۔ بعض دفعہ رات کے دس دس بجے

تک بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے۔ مجھ پر [illegible] عنایات رہیں، واپس جانے کے بعد بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ میں جب کبھی حیدرآباد

[illegible] ایک [illegible] تصویر [illegible] کہ اس کی فوٹو [illegible] کہ وہ میں نے وہ تصویر [illegible]
[illegible] ایک نقاشی [illegible] تصویر [illegible] کہ اس کی ایک نقل بھی کرائی۔
[illegible] کے بعد میں نے علامہ کو [illegible] نقل اور فوٹو کی [illegible] پیش کی [illegible] پھر میں نے وہی اصل تصویر [illegible]
[illegible] پیش کی [illegible] دونوں کو [illegible] دیکھ رہے تھے [illegible] تعریف کی [illegible]
[illegible] خوب نقل کی ہے۔ پھر فرمایا کہ میں [illegible]
[illegible] حیدرآباد سے تشریف لے گئے۔

[illegible] کی چیف [illegible] ملاقات [illegible]
[illegible] ملاقات [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ملاقات [illegible]
پیسے نکال کر مضامین کا مجموعہ [illegible] بہت پسند فرمایا [illegible] بہت پسند
[illegible] لکھا کر [illegible]
[illegible] تحریر فرمایا کہ کتاب مجھے پسند [illegible]
[illegible] عجیب اتفاق ہے کہ [illegible]
[illegible] علمی اور اخلاقی فضا پیدا کر [illegible]

علامہ کی سب سے زیادہ جو بات مجھے پسند تھی وہ ان کی علمی [illegible] سے [illegible] کو سیراب کرتے۔ خصوصاً نوآموزوں کی دل افزائی فرماتے اور بہت بلند ہمتے تھے۔ جن دنوں علامہ سے مجھے نیاز حاصل ہوا ہے میری [illegible] چار پانچ مضامین چھپ چکے تھے جنہیں دیکھ کر علامہ نے میری بڑی ہمت افزائی کی تھی اور بہت سے مفید [illegible] مشورے دئیے تھے جو میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے اور انہی کو پیش نظر رکھ کر میں نے مضمون نگاری کی۔

مطالعہ کا طریقہ اور اپنے مفید مطلب مضامین کے نوٹس لینے کے متعلق علامہ نے بڑی عمدہ ہدایات دی تھیں۔ علامہ نے بڑی تفصیل سے بتایا تھا کہ [illegible] پر مطالعہ نہ چھوڑو ہر ایک کتاب پڑھو [illegible] اس کے مضامین اپنے دماغ میں محفوظ رکھا کرو۔ ایک ہی موضوع پر مختلف مصنفین کی کتابیں یکے بعد دیگرے غور سے پڑھا کرو اور ایک دوسرے [illegible] سے موازنہ کیا کرو۔ کسی موضوع کو حقیر اور پامال نہ سمجھو، ہر موضوع کا مطالعہ کرو۔ اس طرح اور بھی بہت سی باتیں علامہ نے بتائی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے ابتدائی مضامین جو ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کی نومشقی کا نتیجہ تھے دیکھ کر اگر علامہ اظہار پسندیدگی نہ فرماتے [illegible] زبانی [illegible] دیکھ کر خاموش ہو جاتے تو میں اس شغل ہی کو ختم کر دیتا مگر علامہ نے میری بڑی ہمت افزائی کی اور مجھ میں خاصی تشویق اور ہمت پیدا کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں [illegible] لکھتا رہا اور آج تک لکھ رہا ہوں۔ معلوم نہیں میری طرح علامہ نے اور کتنوں کو انشاپرداز بنا دیا۔ خداوند عالم علامہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین!

عبداللہ العمادی

عرصۂ دراز سے علامہ عبداللہ العمادی کی تصانیف اور مضامین میرے مطالعہ میں رہتے تھے مگر کبھی ان سے مجھے نیاز حاصل نہیں تھا۔ والد مرحوم کے قیام کے بعد جب عمادی حیدرآباد تشریف لائے تو مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے مجھے ایسا گرویدہ کر لیا کہ میں ان کا حلقہ بگوش ہو کر رہ گیا۔ معلوم نہیں کس نے میرا تعارف کرایا تھا یا کسی اور نے بہرحال میرا نام سنتے ہی بے انتہا مسرور ہوئے اور میرے بعض مضامین کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ میں تمہارے مضامین پڑھ کر خوش ہوتا اور تمہارے لئے دعا کیا کرتا تھا تم میرے لئے اجنبی نہیں ہو، میں عرصے سے تم سے مانوس ہوں۔ ان کی اس شفقت و عنایت کا مجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میں نے بھی انہیں اپنا شفیق بزرگ اور مربی سمجھ لیا اور یہ شفقتیں وہ آخر وقت تک میرے حال پر مبذول رہیں۔

عمادی کم رو، کم گو، کم سم قسم کے بزرگ تھے۔ نیا شخص ان سے مل کر نہ تو انہیں عالم سمجھ سکتا اور نہ ہی معقول آدمی بلکہ اجنبی اگر ان سے ایک گھنٹہ بھی مل کر ان کے علمی کارناموں سے واقف نہ ہوتا تو انہیں خاطر ہی میں نہ لاتا، بظاہر کم گو تھے مگر مسائل علمیہ کے وقت ان کی زبان آمد کا دریا بن جاتی۔ جب کھل جاتے تو ان کی طلاقت لسانی ظاہر ہونے لگتی اور ایسے جواہر بکھیرتے کہ سننے والا مالامال ہو جاتا۔ سوا مطالعہ کے کسی بات کا شوق ہی نہ تھا۔ کپڑا بالکل معمولی پہن لیتے، کھانا بھی اسی طرح ہوتا، مزاج البتہ گرم ہوتا تھا کیونکہ معدہ جاتا رہا تھا۔ طبیعت میں اس قدر بے تکلفی و انکسار تھا کہ میں نے اس قسم کے کسی بزرگ میں نہیں دیکھا۔ کوئی اپنی کتاب لا کر ضد کرتا کہ براہ کرم تقریظ لکھ دیجئے، کتاب الٹ پلٹ کر دیکھی، سرسری طور پر پڑھ لیا اور برداشتہ تقریظ لکھ دی۔ لطف یہ کہ صاحب تصنیف کی تعریف اتنی کر دی کہ وہ پھولا نہ سماتا اور آخر میں ایک آدھ ایسا لکھ دیتے کہ جاننے والے جان جاتے کہ یہ سب ایک جنبری کی دل آزاری کے لئے لکھا ہے۔ معلومات کا یہ عالم تھا کہ کسی موضوع پر گفتگو کیجئے یہ معلوم ہوتا کہ وہ اس فن کے ماہر ہی ہیں۔ میں انہیں صرف عالم سمجھتا تھا فن تاریخ میں ان کی قابلیت مجھے معلوم ہی نہ تھی۔ ایک دفعہ پوچھا کیا کر رہے ہو تو میں نے عرض کیا "ارسطو جاہ" پر کام کر رہا ہوں، آپ نے ارسطو جاہ کا نام اور پورے خطابات بیان کر کے پوچھا۔ وہی ارسطو جاہ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہی! پس ارسطو جاہ کی کارگزاریاں گنگنانے لگے تو معلوم یہ ہوتا تھا کہ میں نے آٹھ دس سال کی محنت سے جو چیزیں جمع کیں وہ عمادی کی زبان کی نوک پر ہیں۔ میں نے حیرت ظاہر کی تو فرمایا چونکہ تم تحقیق کر رہے ہو اور مسلسل اس موضوع پر کام کر رہے ہو اس لئے تمہیں حیرت ہو رہی ہے، تاریخ کے پورے مقامات میری نظر میں ہیں چنانچہ میں نے جب اپنی یہ کتاب پیش کی تو ملاحظہ فرما کر بڑی داد دی اور جہاں جہاں میں نے تحقیق کی تھی اور جو باتیں میں نے غیر مطبوعہ مواد اور خارجی اسناد کی بنا پر لکھی تھیں ان کی داد دی کہ یہ کام تم نے بڑا اچھا کیا ہے یہ مواد دوسرا شخص فراہم نہ کر سکتا تھا۔

طبیعت میں استغنا اور درگذر کا مادہ بہت تھا، ہمیشہ اپنی حالت پر قانع رہے اور بڑے سے بڑے مخالف کو بھی کبھی مخالف نہیں سمجھا، ہر ایک کو دوست ہی سمجھتے تھے اسی وجہ سے ان کے مخالفین بھی بہت ہی کم تھے اور جو تھے بھی تو مخالفت کرتے ہوئے شرماتے تھے یا ان کے کسمارتے تھے جن کی وجہ سے دشمنی کا مونہہ پھیر رہتے۔

ارسطو جاہ پر کام کر کے میں نے نواب یوسف علی خان سالار جنگ کو دشمن بنا لیا تھا چونکہ ارسطو جاہ میر عالم کے آقا اور میر عالم کی زندگی بنانے والے تھے اس لئے ان کی سوانح حیات میں میر عالم کا چہرہ بے نقاب ہو رہا تھا، نواب صاحب نے ابتداءً چاہا کہ میر عالم کے خلاف جتنی باتیں ہیں انہیں قلم زد کر کے شائع کروں مگر میں اس کے لئے آمادہ نہ ہوا تو انہوں نے کوشش کی کہ یہ کتاب چھپنے نہ پائے چنانچہ اپنے تعلقات سے کام لے کر حکومت سے جو امداد اس کتاب کی اشاعت کے لئے مل رہی تھی اسے رکوا دیا، اس پر مجبور ہو کر میں نے "میر الفساد" کا قصہ لکھ کے

میرا ... ہے کہ میں نے اپنے دل کا غبار نکال لیا تھا میں نے اس کا ذکر کیا ...
بڑا اشتعال ... نکالا۔ میں نے غصہ میں کیا تو یہ کہہ کر ... کہ دیکھو دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ دو تین روز کے بعد جب میں نے ...
مسودہ کو ... کے بعد فرمایا اگر تم نے ... کی کوشش کی تو تمہیں ... کروں گا، میں نے عرض کیا ضرور۔ تو فرمایا اس مسودے کو ضائع کر دو
کتاب ہرگز شائع نہ کرنا۔ میں نے بحث شروع کی تو فرمایا فضول وقت کیوں ضائع کرتے ہو ... میں نے سارا مسودہ ...
چاک کر دیا اور پرزے ... ٹوکری میں ڈال دیے ... سے خوش ہو کر بہت دعائیں دیں اور فرمایا
... ایک بڑے شاعر ... کی عزت کا ... خاندان کو ...
... ہندوستان ... وقت کی بات ہے ...
... اچھا کیا جو تم نے مسودہ چاک کر دیا۔ خدا تمہیں اس کی جزا دے ...
یہ مسودہ چاک کروا کر مجھ پر بڑا احسان کیا۔ اگر یہ طبع ہو جاتا تو بڑی بری بات تھی ... اپنے ... کی زندگی ...

مومن خان مومن دہلوی پر میں نے کام شروع کیا تو ... سے مشورہ ... مومن کے فارسی کلیات کی نقل میں نے منگوائی تو بہت خوش ہوئے اور کتاب ... خود ... باوجود لکھنؤ اسکول کے مقلد ہونے کے مومن کے معترف و مداح تھے اور مومن کے قصے بڑی دلچسپی سے سناتے تھے۔

علمیت کا یہ عالم تھا کہ ... تمام شعبہائے علوم پر حاوی تھے اور ہر شعبہ پر گہری نظر تھی۔ عام طور پر پرانے علماء ... ہوتے تھے۔ ... حدیث ... صرف و نحو میں ... ہوتے ہیں ... مگر محوی کی نظر سب پر یکساں تھی۔ ادب ... تفسیر، حدیث، فقہ سے لے کر تاریخ، جغرافیہ، طب اور علوم جدیدہ پر یکساں حاوی تھے اور جس فن پر بھی گفتگو کرتے معلوم ہوتا تھا کہ اسی کے ماہر ہیں اور عمر اسی فن میں گزاری ہے۔ ایسے ہمہ گیر عالم کم از کم میری نظر سے ایک دو ہی گزرے ہیں ورنہ میں نے بیشتر علماء کو ایک آدھ فن کا ماہر پایا ہے۔

حیدرآباد میں ایک بزرگ حکیم ابراہیم جامعہ طبیہ کے پروفیسر تھے جو بڑے وضع دار اور زبان دان تھے۔ ہزاروں شعر نوک زبان تھے۔ شعراء جاہلیہ، شعراء اسلام، شعراء ایران اور شعراء ہند کے ہم معنی شعر ہزاروں یاد تھے جنہیں وہ گھنٹوں سنایا کرتے ... حافظہ کا کمال تھا ... بخلاف ان کے علامہ محوی باوجود علمیت کے ان سے اچھے حافظہ کے مالک تھے۔ قاضی تلمذ حسین نے ریاض خیرآبادی کی غزلیات کا انتخاب شروع کیا تھا۔ ایک روز معلوم نہیں قاضی صاحب نے محوی کو بلایا تھا یا وہ خود پہنچ گئے تھے کہ غزلیات کا دور ... تھا ... خوش نصیبی سے ... تو محوی نے کاغذ قلم ... آگے کھسکا دیا۔ اب یہ ہونے لگا کہ قاضی صاحب ریاض کا شعر پڑھتے جسے سنتے ہی محوی ... عرب کے شعراء اسی مضمون کا سنا دیتے اور پھر عرب کے دوسرے شعراء کے شعر یکے بعد دیگرے سنا کر اساتذۂ عجم کے شعر بھی سناتے، جنہیں ... کر دیا جاتا ... قاضی صاحب کا بہرہ پن اتنا بڑھ گیا تھا کہ ... پر بھی سنائی نہ دیتا تھا ... شعر قاضی صاحب کو بھی یاد تھے مگر دوسرے شعراء عرب اور ایران کے شعر محوی ... قاضی صاحب پیش کرتے جاتے تھے۔

صرف شعر ہی محوی کو یاد نہ تھے بلکہ وہ عروض پر بھی حاوی تھے اور عروض کی غلطیاں بیشتر اساتذہ کے اشعار سے نکالتے رہتے۔ قاضی تلمذ حسین نے ریاض کا کلیات چھپوانا شروع کیا تو سب سے پہلے محوی نے اس کی مخالفت کی ... روپیہ برباد کرنے کی بجائے ریاض کے کلام کا انتخاب شائع کر دو مگر قاضی صاحب بھی ضدی تھے اور انہیں کچھ ایسی عقیدت یا محبت ریاض سے تھی کہ انہوں نے ... کلیات ریاض ... چھپوا ہی ڈالا۔ اس سلسلہ میں محوی کے خیالات بڑے ترقی پسند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کے شاہکار ہی منظر عام پر آئیں۔

[illegible] کی جانب جو منافی کسی بھی جانب سے اسلام پہنچا یا مقام پیدا کر سکتی ہو، دلچسپ حوالہ بھی شامل کر کے [illegible] کر سکتا ہے۔ مرقوم صاحب تصنیف کی شکست کا کام کرتا ہے کیونکہ دنیا میں ایسے لوگ کم ہیں جو کاوش کر کے اصل تک پہنچ سکیں۔ بیشتر [illegible] [illegible] نہیں پاتے۔

عمادی صاحب خود بھی اچھا شعر کہہ لیتے تھے، جوش کے تغزل کے وہ حقیقی مداح تھے۔ جب وہ اور نیاز فتحپوری [illegible] ملتے تو عمادی صاحب ان خوبیوں کو سراہتے اور اس ہنگامہ آرائی پر مسکراتے تھے اور ہمیشہ نیاز کی انفرادیت اور ان کی مدح کیا کرتے تھے [illegible] کے ذوق شعر کے معترف تھے۔

جوش ملیح آبادی چونکہ عمادی کے معاصر اور ہم سن ساتھی تھے اس لئے جوش کا ساتھ بھی زیادہ رہا اور اسی قربت کی وجہ سے جوش کی چھوٹی بڑی اور سب [illegible] سے بھی زیادہ واقف تھے مگر انہوں نے کبھی بھی جوش سے نفرت نہیں کی اور نہ جوش کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ خوش قسمتی سے ان دنوں میں جوش کے ساتھ زیادہ رہتا تھا۔ جوش کی اکثر رباعیاں میں نے [illegible] کیونکہ جوش ان دنوں فی البدیہہ کہہ کر [illegible] بھی کر لیا کرتا تھا، یہ رباعیاں میں سناتا تو عمادی پھڑک پھڑک جاتے تھے۔

حیدرآباد کے مولوی اور مشائخ طبقے نے جوش کی شکایتیں شروع کیں تو جوش نے رباعی کہی۔

پہ دہل شکم [illegible] بھرنے والو — خون قوم و ملت کا پینے والو
تم دل خربوزے کیوں [illegible] — امداد پہ احمقوں کی جینے والو

یہ رباعی میں نے ایک پرچے میں چھپا دی۔ ایک عمامہ پوش بزرگ نے عمادی سے اس کی شکایت کی، میں حاضر خدمت ہوا تو عمادی نے فرمایا جوش کا تازہ کلام سناؤ۔ ایک دن پہلے ایک فقیر قرآن پڑھ کر بھیک مانگ رہا تھا اس پر جوش نے فی البدیہہ کہا تھا۔

اک گدا کی زباں پہ ہے قرآن — واہ کیا شان کبریائی ہے
کل جو زیب تخت شاہی تھا — آج وہ کاسۂ گدائی ہے

میں نے یہ قطعہ سنایا تو عمادی آبدیدہ ہو گئے۔ کہنے لگے اس ملحد کے دل میں کتنی روشنی ہے، پیٹ بھرے شکم والے قرآن کے الفاظ پڑھتے ہیں اور یہ ملحد اس کی روح تک پہنچ جاتا ہے۔

عمادی میں وسعت نظر خاص تھی وہ قطعاً تنگ نظر نہ تھے، بڑے ہی عالی ظرف اور وسیع النظر تھے۔ جوش انہیں اکثر چھیڑتے۔ کبھی جوش کے ساتھ ڈاکٹر [illegible] اشرف الحق بھی عمادی کے پاس پہنچ جاتے دونوں مل کر فقرے، پھبتیاں کستے۔ ان کے ساتھ عمادی بھی ہنستے، اشرف الحق کی [illegible] خوش خوش ان [illegible] کو چلتا کر دیتے اور ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی خفگی کا اظہار نہ کرتے تھے۔ کوئی ان کی اس سنجیدگی کا ذکر بھی کرتا تو مسکرا کر کہتے یہ بھی ایک رنگ ہے، یہ اسی حال میں خوش ہیں، اللہ انہیں نیک توفیق دے۔

جوش کے شہر بدر ہونے کا افسوس عمادی کو بھی اتنا ہی ہوا جتنا جوش کے چاہنے والوں کو ہوا۔ میں جب بھی ملتا جوش کی خیر و عافیت پوچھا کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ عمادی کو لوگ نہایت ہی مذہبی اور متعصب قسم کا ملا سمجھتے تھے وہ کسی طرح نہ تھے اور نہ ان میں [illegible] تھا جو مولویوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ عمادی ایک روشن خیال عالم اور اپنے شاگرد سید سلیمان ندوی سے زیادہ وسیع المشرب آدمی تھے، علم کے سچے قدردان، ادب کے پرستار اور طالب علموں اور ادیبوں کے سرپرست تھے۔ ذرا بھی کسی میں علمی صلاحیت یا ادبی لگاؤ پاتے اس کی دل افزائی کرتے۔ انہوں نے جانے کتنے ادیب، سینکڑوں عالم بنائے اور لاکھوں بستیوں کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں کارآمد بنایا۔ بے لوث خدمت علم و ادب کی عمادی نے کی ہے۔ اب ایسے لوگ کہاں!

تنکی نور محلی

علامہ محمد تنکی علی شاہ خلف تنکی [illegible] عجیب و غریب بزرگ تھے ابتدا [illegible] تخلص کرتے تھے پھر فرشتہ علی شاہ قلندر [illegible] مرید ہوگئے اور تنکی علی شاہ نام رکھ کر تنکی تخلص کرنے لگے۔ فردوسی کی باتیں اصطلاحات سے تھے [illegible] موافق ہوتی [illegible] ستان کی شاگردی [illegible] ہندوستان [illegible] سے تعلق۔

تنکی خود کہتے تھے کہ شاعر [illegible] شاعر بنایا تھا [illegible] استاد گرامی [illegible] شاعر [illegible] سے تھے اس سے تنکی نے شاعری کی پرورش [illegible] کہا پڑھا اور شاعر [illegible] صحبت نے [illegible] در سے [illegible] اس سے گرامی نے تنکی [illegible] ان کا [illegible] دیا اور [illegible] گئے تھے [illegible] جب [illegible] اور خود [illegible] پیچھے اور یہاں بھی [illegible] کرتے رہے۔

خوش نصیب [illegible] فارسی کلام ترکی [illegible] کرتے تھے اور [illegible] یہ سنتے [illegible] گویا کہ [illegible] ہے اور [illegible] ترکی [illegible] اعتراض کیا ترکی [illegible] کرتے [illegible] انتقال کے بعد سے پہلے [illegible] کا احترام بہت کرتے تھے اور [illegible] تھے [illegible] تنکی [illegible] شعر [illegible] مرزا ضیا سے غزل سنائی جس میں ایک شعر تھا ؎

اے مقدر [illegible] کرده [illegible]

جامہ [illegible] پوش بود

ترکی نے شعر سن کر ادھر ادھر دیکھا میں ان کے [illegible] ہوا تھا [illegible] مخاطب ہو کر کہا خود [illegible] ہوکر سب تنکی کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ضیا سے پوچھا کیا ہے تو ترکی نے اطمینان سے کہا [illegible] کہ آپ نے اس فارسی کے شعر [illegible] ہے

بعد [illegible] اغیار سے [illegible] ساقی

یکیک [illegible] شدہ جامہ [illegible] پوش۔ ؎

یہ سننا تھا کہ مرزا ضیا کے غصے کا پارہ چڑھ گیا اور انہوں نے [illegible] جیب میں [illegible] سے [illegible] چلے گئے۔ یہ قصہ اتنا جلد ہوا کہ [illegible] مرزا ضیا کو روک بھی نہ سکے [illegible] انہوں نے [illegible] جیب میں پڑ [illegible] ترکی صاحب نے بگڑ کر کہا [illegible] استاد ! آپ کو کچھ کہنا ہی تھا تو اپنی طرف سے کہتے [illegible] کی طرف سے اس قسم کی باتیں کر کے اسے برا [illegible] کیا بات ہے ؟ جب [illegible] سے اطمینان دلایا کہ میں نے کچھ نہیں کہا یہ استاد کی کرامت تھی تو [illegible] کم ہوا۔

یہ عادت استاد تنکی کی عمر بھر رہی۔ مشاعرے میں بھی کسی نہ کسی کے [illegible] اعتراض کر دیتے اور ہنگامہ برپا کرتے تھے [illegible] کتاب تنکی نے لکھی ہے [illegible] ترکی اس میں صرف اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ طریقہ اختیار کیا ہے کہ [illegible] کسی نہ کسی کے کلام پر اعتراض کیا ہے بعض اعتراضوں کا جواب بھی خود ہی دیا ہے اور بعضوں کی [illegible] کی ہے۔

جس سے خوش ہوتے اس کی داد دیتے اور جس سے خفا ہوتے اس پر کچھ نہ کچھ اعتراض جڑ دیتے تھے چنانچہ داغ کے حیدرآباد آنے کے بعد

نظیر وطن بھی آگئے تو مہاراجہ نے ... مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے پاس رکھوا دیا تو ترکی ناراض ہو کر ... اور غزل ... رخصت لے کر چلے گئے۔ مہاراجہ کے پاس تھے نظیر کی مخالفت کرنے لگے اور ان دونوں نے ترکی کو ہموار کر کے آگے کیا ... بھی شاہ ... نظیر پر فقرے کسے اور آغا پر پھبتیاں اڑائیں۔ آغا چونکہ اس مشاعرے میں شریک نہ تھے اور نظیر نے غزل پڑھ کر مشاعرے سے ... آغا کو سارا قصہ سنا دیا تھا اس لئے آغا نے مہاراجہ بہادر کو لکھا اور مہاراجہ نے ترکی کی خوب خبر لی۔ اس طرح ترکی کی تنگ نظام ہو گئے اور راجوں سے بھی۔ اور آخر کو مجبور ہو کر نظیر سے دوستی کر لی اور پھر ایسے دوست بن گئے کہ نظیر کے مرنے تک رفاقت کی بلکہ نظیر کے مرنے کے وقت رو رو کر بدحال ہو گئے۔ اس طرح ترکی کی دشمنی وقتی ہوتی تھی مگر دوستی کے معنی ترکی کے پاس اعتراض نہ کرنے کے نہ تھے وہ ہر پر اعتراض کرتے اور ہر ایک کی ہنسی اڑاتے تھے۔

مہاراجہ کشن پرشاد ان کے مربی تھے سو روپیہ ماہوار دیا کرتے اور عید بقرعید دیوالی دسہرے پر الگ سلوک کرتے پھر بھی ... اپنی ضرورت کا اظہار کر کے الگ لے لیا کرتے تھے مگر باوجود اس کے موقع پر نہ چوکتے بلکہ مہاراجہ کی ہنسی بھی اڑاتے تھے۔ مہاراجہ کے متعلق مربی تھے مگر طوبیٰ شوستری، صف شکن جنگ (نواب تابش)، ضیا یار جنگ طلسمی وکیل، وزیر الدولہ، عبدالجبار خان آصفی تجلی، محمد علی خان ناظم، صولت جنگ، عابد وغیرہ ہمیشہ ترکی کی مالی امداد کرتے تھے مگر یہ ان لوگوں کو بھی نہ بخشتے بلکہ موقع پر ٹوک ہی دیتے تھے۔

عبدالصمد خلیل آصفی بڑے اچھے شاعر اور اچھے عالم تھے ترکی پر بہت مہربان رہتے تھے اور ڈرتے بھی تھے۔ چنانچہ آصفی اکثر کہا کرتے تھے کہ برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق "کالیا داری" کا نام ترکی رکھا گیا ہے، یہ ترکی کالیا داری مگر بدفطرت اور تند ... اس سے آصفی ترکی کو انہی صفات سے متصف پاتے تھے۔

شمس الملک ... شوستری بڑے عالم تھے۔ ایرانی نژاد تھے مگر عربی زبان پر بڑا عبور تھا اور باوجود عجمی ہونے کے عربی پر اتنی قدرت تھی کہ عربی ان کی مادری زبان معلوم ہوتی تھی۔ یہ بھی ترکی کے مربی اور محسن تھے مگر ترکی انہیں خاطر ہی میں نہ لاتے تھے اور ہمیشہ ان پر اعتراض کیا کرتے تھے ایک روز آغا شوستری بیٹھے ہوئے ایرانیوں کی تعریف اور اہل ایران کی فضیلت بیان کر رہے تھے اور ڈینگ مار رہے تھے کہ ایرانی نہایت ہی فہیم ذہین اور ذکی ہوتے ہیں، ان کا دماغ نہایت رسا ہوتا ہے ہر چیز بڑی آسانی سے سیکھ جاتے ہیں چنانچہ ع

عقل و دانش ہمہ با مردم ایراں دادند!

بالکل صحیح کہا گیا ہے، یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حضور نظام (مرحوم) کا چوبدار آیا اور کہنے لگا کہ حضور نے یاد فرمایا ہے۔ آغا شوستری نے کہا "زہ چلو ہم آتا ہے" بس یہ جملہ منہ سے نکلا ہی تھا کہ ترکی بھاڑ کا سا منہ بنا کر پلٹ گئے۔ کہنے لگے استاد! آپ پندرہ بیس سال سے ہندوستان میں ہیں ... اُردو بولتے اور سنتے رہتے ہیں اب تک آپ کو اردو نہ آئی۔ ابھی آپ نے فرمایا "زہ چلو ہم آتا ہے" بخلاف آپ کے ہم ہندوستانیوں نے ایران کی صورت تک نہیں دیکھی نہ تو ایرانیوں سے صحبت رہتی ہے اور نہ ہمارا روزمرہ فارسی ہے۔ پھر بھی ہم صحیح فارسی بولتے لکھتے پڑھتے ہیں اور شعر بھی ایسے کہتے ہیں جنہیں سن کر آپ بھی رشک کرتے ہیں، ایسی نثر کہہ زبان تو ہم نہیں کہتے جیسی ابھی آپ نے کہی۔ اب فرمائیے ایرانی افضل ہیں یا ہندوستانی۔ اس طرح ترکی کسی کو نہ بخشتے تھے۔

امجد حیدرآبادی جو حیدرآباد کے مشہور اور ہندوستان کے واحد رباعی گو شاعر ہیں ترکی کے شاگرد تھے۔ شاید انہیں اپنی قابلیت کا زعم ہو مگر ترکی اسے برداشت نہ کر سکے بلکہ اپنی شاگردی سے نکال دیا اور اتنے خفا ہوئے کہ اپنے تذکرہ سخنوران چشم دیدہ میں لکھ مارا:

"امجد تخلص احمد حسین نام، حیدرآبادی، ... سال عمر ہے ... قدرے از عربی ..."

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست چند روز تا نہ دیدہ را برقلم نوشت
انا نکرہ ... ہو ... منع کرو

مرزا ... صاحب فاضل ... بوالعجبی ... عاشق ... قدوقامت میں ... معمولی انداز کا مجسم
بھی دو ... تھے۔ ایک مشاعرے میں ... صاحب کے چند شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں ؎

کبھی نظر ... سے ... ... کہے ... ...
اچھا ہوا کہ چھٹ ... گئے ... ...
... ...

ظاہر ہے کہ جو ... ... اور ... کی ... ... بات ہے ... کی نسبت ... کی ... اعتراض
کیا ... ... کی ... کی تعریف کیا کرتے ہے ... ... مگر
اپنے ... بھی ... اس ... ... تھی
اس میں ... ... اور ... عیب ... سے ... ہے۔

گو حقیقت یہ ہے کہ وہ ... ... تعلیم ... ... کی حالت سے
واقف ہو گئے ... ... اعانت کرنے ... ... اور ... بھی ...
... کام ... ... پیش کرتے ... ...
ہو سکتا ... ... گفت
... کوئی وجہ نہ تھی ... قابلیت ... ... اس کو اہمیت ... ... مشاعرے ...
اعتراض کرکے ... ... اور وہ ... ... شخص ... ... اعتراض ... ... ان کی ... ... کوئی ...
اعتراض کرتا تو خود ... ... معترض کے اعتراضوں کا ... ... جواب دیتے کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔ ہزاروں شعر ... ...
... ... شعر ... کرنے ... ... اسی لئے ہر شخص ... ... اس ...
میں ... ... کیا اور اپنی تائید میں ... ... شعر سنا دیے اور کسی نے ... اعتراض ... ... اعتراض
... ... کے خلاف بحث کرنے لگے اور اپنی تائید میں اساتذہ کے شعر بھی سناتے جاتے۔
اس طرح ... ... والد مرحوم ... کی ...
... ہمیشہ ... ... ایک ... ...۔

دوسرا ان پر اعتراض کرتا تو بھی خفا ہوتے بلکہ خوش ہو کر بحث کرتے اور معترض کو قائل کرکے دم لیتے تھے۔ ایک روز ... ...
میں بیٹھے ہوئے تازہ غزل سنا رہے تھے۔ مطلع کا دوسرا مصرع تھا ؎

رگِ لیلیٰ زند آں جا ز مجنوں خوں چکید ایں جا

مجھے ... ... اعتراض کرکے ... ... مشہور مصرع
کھلا ... فصد لیلیٰ نے تو رگ مجنوں سے خوں نکلا
... ... والد مرحوم نے بھی ... ... شاباشی ... ... خیال

رکھا ہوا تھا کسی پیوند [illegible] کر دیا کرد چاہو۔ استاد نے اس کے بعد مشاعروں میں [illegible]
اعتراض کرنا شروع کیا۔ اس طرح کہ کوئی شعر کہتا تو آپ کہتے یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے اعتراض کر دیتا تو اس پر خود صاد فرما دیتے۔ کوئی جواب دینا
چاہتا تو آپ بات کرنے لگتے اور اسی سند کے شعر پر اسی طرح کے بحث کرنے والے کو آپ ہی دم کر دیتے۔ [illegible]
[illegible] مشاعروں میں تشنگی کے پاس بیٹھا [illegible] دیا۔

تشنگی کی یہ شوخی بعض وقت تکلیف دہ بھی ہو جاتی تھی ایک صاحب غالباً غلام سرانی نام تھا کسی آغا شاعر کے تربیت یافتہ تھے اور
فارسی خوب کہتے تھے، غالباً شرکت تخلص کرتے تھے انہوں نے مشاعرے میں غزل [illegible] شروع کی ردیف اور قافیہ بھاری تھا۔ چونکہ
انہوں نے نسبتاً صاف [illegible] غزل شروع کی تھی اس لئے اگر غور سے سننے لگے۔ مطلع ختم ہوتے ہی تشنگی نے اس [illegible] اور ہائے ہائے
کا نعرہ بلند کیا۔ لوگوں کو حال کی سوجھی سارا مشاعرہ دہرانے لگا اور ساری ہال ہنسی سے گونج اٹھی۔ بیچارے شرکت غزل چھوڑ کر مشاعرے سے
چلے گئے اور پھر کسی مشاعرے میں نظر نہیں آئے۔

ایک بزرگ شرکت بلگرامی تھے ان کی ایک کتاب ترجمہ رباعیات عمر خیام بھی طبع ہو چکی ہے انہوں نے ایک دفعہ مشاعرے میں غزل
شروع کی مطلع کا دوسرا مصرع تھا ؎

شکست تری مقدر کیسا [illegible] ہوگی

تشنگی نے تجنیس لفظی سے فائدہ اٹھا کر [illegible] سے اور [illegible] سے بدل کر مصرع کو اعلیٰ حیثیت سے ادا کرتے ہوئے مصرع اٹھایا پھر
کیا تھا سارا مشاعرہ اسی طرح مصرع دہرانے لگا، بیچارے بھی خفیف ہو کر چلے گئے، اس قسم کی بھونڈی حرکتیں بھی تشنگی کر بیٹھتے تھے جو ان کے
شایان شان نہ ہوتی تھیں۔

ہزل سے بھی شوق فرماتے تھے اور فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں ہزل کہتے تھے ہر جمعرات کی شام میں ایک مجلس ہزل گویوں کی منعقد
ہوتی۔ اپنے گھر پر مجلس ہزل کرتے اور خود صدارت فرماتے ہر جمعرات وہاں [illegible] کی نذر ہوتی مگر بعض شریک ہونے والوں سے یہ کہہ دیتا ہے وہ نا
نہیں سکتا چونکہیں اور جعفر زٹلی کی روح بھی شرماتی ہوگی۔

غرض تشنگی عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے، بچوں میں بچے، بزرگوں میں بزرگ، جاہلوں میں جاہل، شاعروں میں شاعر، عالموں میں
عالم، چونکہ جانتے تھے اس لئے دروغ بافی بھی بہت فرماتے تھے۔ مگر یہ صرف تفنن اور خود ستائی کی حد تک ہوتی تھی، [illegible] غیبت کبھی
نہ کرتے تھے۔

شاگردوں کی غزل کیا بناتے اس کو ناس مار دیتے تھے نو مشقوں کو آزمائش پیدا ہو جاتی اس طرح سے الفاظ و معنی کا مطلب سب غت ربود، اپنی طرف
سے دوسری ہی غزل کہہ دیتے تھے اور پھر زبان سے کہہ بھی دیتے کہ تم سانپ نے بھی رباعیات غزل کہی تھی میں نے پہلی غزل کاٹ کر رکھ دی خود غزل
کہہ دی ہے، بعض ہی شاگرد ایسے تھے جن کی غزلوں میں لفظی ترمیم و اضافہ ہوتا تھا مگر وہ بھی کوئی خاص اضافہ اور ترمیم نہ ہوتی تھی البتہ معائب شعری
اور عروضی غلطیاں ضرور بتا دیتے تھے۔ اصلاح سخن میں وہ کامیاب نہ تھے چنانچہ ایک دو غزلیں ہاتھ میں نے بھی ان کو دکھائی ہیں۔

سفید سیاہی [illegible] سفید کرتہ ریشمی پیٹی کا ٹخنوں سے اونچا تنگ پاجامہ پہنا کرتے تھے۔ کرتے پر اکثر سیاہ رنگ کی صدری پہنتے تھے جو چکن اور دھیر رنگ
رنگ کی ہوتی تھی سر پر اکثر کلاہ پر پگڑی باندھتے یا کبھی ٹوپی بھی اور ٹوپی سے ہوتے تھے زمانہ میں [illegible] بھی ہاتھ میں لیتے، سر پر بال لمبے لمبے کا فور رنگ
تھے، داڑھی منڈواتے تھے مونچھیں بڑی بڑی تھیں جو سر کے بالوں کے ساتھ ساتھ سفید ہو گئی تھیں کانوں میں بندے پہنتے تھے صدری کی جیب
کے جیب میں ایک چاندی کی ڈبیا [illegible] جس کی ڈھک [illegible] سانی ہوتی تھی اور [illegible] کا شیشہ [illegible] کیا کرتے تھے،

[illegible] تھا۔ خدا ایسی خوب تھی، آخر میں بہرا عشق فرمانے لگے تھے تاہم انہیں [illegible] شاہد [illegible] ہوگی۔

[illegible] ترکی [illegible] اعتقاد تھا اس کا ایک [illegible] دو مسائل تھیں [illegible] ولادت سے پہلے [illegible] [illegible] پاس [illegible] [illegible] [illegible] مت نہیں [illegible] [illegible] کا قصہ تاریخ [illegible] والدہ [illegible] خاموش ہو گئے [illegible] کا چند روز ٹھہر جائیے ترکی صاحب [illegible] ولادت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ترکی [illegible] اور سب پر [illegible] ایک ہی [illegible] سے [illegible] کسی کی [illegible] [illegible] [illegible]

مشاعرے میں پڑھنے کا انداز خاص تھا [illegible] [illegible] اور [illegible] کے لوگوں کو قریب بلا کر بٹھا [illegible] انداز [illegible] اچھا تھا۔ آواز گرجدار تھی [illegible] فارسی [illegible] [illegible] وہ و عوام [illegible] سے غزل پڑھتے [illegible] ایک مشاعرے میں رباعی پڑھی ؎

دیکھو برتر کو جو غالب کو نہیں دیکھا ہے
ذوق کی گر ہے ہوس تو بسا کو دیکھو

اور علی برتر کی طرف اشارہ کیا پھر مرزا غلام مصطفیٰ [illegible] کی طرف بتایا۔

اور ناسخ کی جو صورت کی ہے خواہش دل میں
ترکی مست کے انداز و ادا کو دیکھو

تیسرا مصرعہ زمانہ سیدھے طریقے سے سنایا مگر پڑھتے ہوئے [illegible] ترکی مست کہہ کر [illegible] ہوئے اٹھے اور بائیں پاؤں کے انگوٹھے کے بل کھڑے ہو کر سیدھا پاؤں اٹھا کر ایک چکر لگایا جس کی وجہ سے لبادہ چرخ کی طرح پھیل گیا اور مجلس مشاعرہ دنگ ہو گئی۔ یہ

ترکی مست کے انداز و ادا

تھے۔ غرض ایسی ایسی حرکتیں مشاعرے میں کرتے کہ لوگ حیران ہو جاتے۔ تفضل نامی ایک صاحب ان کے بہ باخلاص [illegible] صاحب خاص

خود تھے جو ہزل شاعر بھی کہلاتے تھے۔ نہایت مجلسی طبیعت پائی تھی تاکہ اساتذۂ اردو کے کلام کو بہت اچھی طرح [illegible] کان کے [illegible] ترکی کے ساتھ رہتے تھے۔ چونکہ دونوں بیکار اور بے روزگار تھے اس لئے خوب گزرتی تھی مگر تفضل [illegible] تھے ہمیشہ ترکی کو چھیڑتے رہتے ہی تھے۔

ایک رات تمام رات کی ڈیوٹی سے ترکی گھر واپس ہو رہے تھے تفضل ساتھ تھے ہری باولی کے پاس پہنچ کر ترکی نے کہا، "اس گلی میں سید صاحب کا مزار ہے وہاں فاتحہ پڑھ لیں" تفضل نے کہا چلئے۔ مزار سڑک پر تھا مگر تاریکی میں تفضل نے ترکی کو ایک مکان میں داخل کر دیا جہاں چند عورتیں صحن میں سو رہی تھیں۔ ترکی نے زور زور سے فاتحہ پڑھنی شروع کی آواز سن کر عورتیں نیند سے جاگ کر غل مچانے لگیں، سارے محلے والے جمع ہو گئے۔ اتفاق سے مکان والے صاحب جو بہادر کے ایک متوسل کارندے کا تھا وہ اوپر بیٹھے پڑھتے تھے۔ انہوں نے نیچے آکر دیکھا تو ترکی نظر آئے پوچھا استاد کیا حال ہے تو کہا، "میں سید صاحب کی درگاہ پر فاتحہ پڑھنا چاہتا تھا مجھے رات کو سجھائی نہیں دیتا ہے اس کمبخت تفضل نے یہاں لا چھوڑا"۔ غرض صاحب خانہ نے قندیل ساتھ دے کر اپنے ملازم کو بھیجا اور ترکی گھر پہنچے۔ ایسی دل لگیاں تفضل بہت کرتے تھے۔ ترکی نے بہت جلد اُن سے سفارش کر کے محکمۂ نظر جمعیت میں تفضل کو نوکر کرا دیا تھا۔ نوکری معاف تھی مگر ہفتہ تنخواہ آ جاتی تھی۔ ایک مشاعرے میں فارسی طرح تھی "یادم کردہ اند" "اشارہ کردہ اند" تفضل نے نصف اردو نصف فارسی غزل پڑھی۔

وصل کے وعدے پہ اب بیقرار کردہ اند — ایک مدت سے تھے امیدوار کردہ اند
وہ آگئے تھے جو آئے تو رقیبات ساتھ لائے — دامن ساری سے گل تیغ مزار مُردہ اند

اپنی نوکری کے متعلق بھی ایک شعر کہا تھا پہلا مصرع مجھے یاد نہیں آ رہا ہے دوسرا مصرع تھا

نظم میں نوکر جناب پیشکارم کردہ اند

ایک اور مشاعرے میں طرح ہوئی تھی "جواں کن" "پیر کن" وغیرہ تفضل نے ترکی مرحوم کی غزل پڑھی تو مقطع تھا

تفضل جب کہ تو ہو جائے بڈھا
ذرا بیتے وقت میں جورو جواں کن

بہرحال ترکی اور تفضل کی خوب گھٹتی تھی۔

ماتم یہ ہے کہ ترکی فارسی کے بڑے اچھے شاعر اور فن شعر کے ماہر تھے مگر اردو میں انہیں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اصراراً انہیں اردو میں شعر نہ کہنا چاہئے تھا مگر اپنی بات دوں کے جم تیں اردو کی ٹانگ بھی توڑتے رہے اور ایک دیوان بھی اردو کا چھپوا ڈالا تھا۔

بحیثیت مجموعی نہایت دلچسپ اور قابل شاعر تھے۔ ان ساری کمزوریوں کے باوجود بہت غنیمت آدمی تھے اور اپنی وضع کے ایک ہی تھے۔ ترکی کو انتقال کئے ۴۰ سال ہونے کو آئے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل ہی مرے ہیں۔ آج کل میں سلطان شاہی میں مقیم ہوں۔ ان کے مکان کے سامنے سے اکثر گزرتا ہوں اور وہ مجھے بے تحاشا یاد آ جاتے ہیں اور شاید زندگی بھر یاد آتے رہیں گے۔

وجودی شاہ

میں نے نوکری سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کئی بار کی۔ تین چار دفعہ تو نوکریاں چھوڑیں مگر پھر آخر نوکری ہی کرنی پڑی۔ اسی طرح ۱۹۳۱ء میں بھی میں نے ملازمت سے [illegible] کی اور اپنے حساب میں نوکری چھوڑ کر ایک ٹائپ [illegible] قائم کیا جس کا نام "ادارۂ علمیہ" رکھا اور [illegible]

سے جانا [illegible] ایک ساتھ مستقیم [illegible] حضرت سید شاہ عبدالقادر صاحب [illegible] ایک [illegible]
[illegible] ایک [illegible] ہوئے کے بات پر کچھ لگی ہوتی
[illegible] شاہ [illegible] ایک [illegible] سید [illegible] شاہ صاحب نے [illegible]
صحبت سے [illegible] تصنیف کیا کہ پیر و مرشد [illegible] شاہ [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے حسن [illegible] بعض [illegible] کے [illegible] شعر [illegible]
[illegible] اور [illegible] شاہ صاحب نے [illegible] پہلے ہی سے [illegible] کر رکھی تھی [illegible] پیر و مرشد نے [illegible]
[illegible] شروع کیا [illegible] حضرت کے [illegible] تفصیل [illegible]
[illegible] کر [illegible] پانی [illegible] حضرت [illegible]
[illegible] فرمانے لگے [illegible] سے [illegible] واقف [illegible] ایک [illegible]
[illegible] کتب خانہ آصفیہ کی فہرست [illegible] دلچسپی نہ تھی [illegible]
[illegible] نے جب مجھے اپنی [illegible] سے واقف پایا تو اس کے فضائل [illegible] شروع کیا [illegible]
[illegible] پیر و مرشد نے مجھے خوب پکڑ لیا اور [illegible] کے ساتھ [illegible] دیکھنے کی خواہش کی
[illegible] صبح صبح شاہ صاحب نے [illegible] کر لیا اور میں اپنی کتاب [illegible] شاہ صاحب کی [illegible]
[illegible] قبلہ میرے منتظر بیٹھے تھے گرما گرم [illegible] اور [illegible] جانے [illegible] کتاب [illegible] کی [illegible]
[illegible] کی تصویر دیکھ کر چونک اٹھے "یہ پاشا بھائی [illegible] ہے کہاں سے [illegible] میرے والد کا نام پاشا میاں [illegible]
[illegible] پاشا بھائی کہا کرتے تھے اس لئے میں بھی حیران ہو گیا کہ حضرت میرے والد کو پاشا بھائی کیسے کہہ رہے ہیں [illegible] میں نے جب بتایا کہ
میں انہی پاشا میاں کا بیٹا ہوں تو حضرت نے کھڑے ہو کر مجھے سینے سے چمٹا لیا اور آب دیدہ ہو گئے [illegible] نے تذکرے کرتے رہے
[illegible] کی [illegible] ہوئی تو میں نے پوچھا آپ کب [illegible] کرتے تھے [illegible] فرمانے لگے تیرے [illegible] میں نے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] کہنے لگے ہاں ان کا کوئی بھائی بھی تھا [illegible] میں نے [illegible] ان کے
چھوٹے بھائی پاشا محی الدین تھے جو فوٹو گرافی کا شوق فرماتے تھے۔ کہنے لگے میں وہی پاشا محی الدین ہوں۔ پھر [illegible] کا حلیہ اور میرے خاندان
[illegible] فوٹو کا پتہ نام بنام بتایا اور فرمانے لگے تجھ سے پہلی ملاقات ہی میں مجھے خلوص پیدا ہو گیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ تو [illegible] ہے۔ اب مجھے
چچا پکارنا۔ پھر کیا تھا میں چچا پکارنے لگا۔ یہ تھے میرے شفیق بزرگ سید شاہ محی الدین پاشا قادری وجودی شمسی۔

وجودی تخلص فرماتے تھے اور چونکہ حضرت شمس الدین اورنگ آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے اس لئے اپنے آپ کو شمسی فرمایا کرتے تھے
[illegible] تک بھی یہ حضرت ہمارے پاس آتے جاتے تھے اس کے بعد سے یہ نظر ہی نہیں آئے۔ ان دنوں جب یہ غریب خانہ پر تشریف لایا کرتے
تھے جوان تھے، چہرے پر خشخشی سی داڑھی اور سر پر انگریزی تراش کے بال تھے، دوہرا جامہ، پاؤں میں شو یا پمپ شو ہوتا تھا سر پر ترکی ٹوپی
ہوتی اور نئی تراش کی رنگین شیروانی پہنا کرتے تھے گویا اس زمانے کے فیشن ایبل لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ ہر [illegible] اور [illegible] کے
ساتھ مشاعرے میں شریک ہوا کرتے تھے۔

اب جو پندرہ سال کے بعد نظر آئے تو اس شان سے کہ سر پر لمبے لمبے بال شانوں پر [illegible] لمبی داڑھی یک مشت و دو از انگشت
جسم خاصا بھاری بھر کم [illegible] نرم آواز اور بات کرنے کے طریقے کے سوا کوئی بات سابقہ نہ تھی۔ بہرحال

بزرگ نے مجھے قصہ بنایا اور ایسا بتایا کہ میری حالت دیوانہ ہو گئی بس لوگوں سے کہہ دیا [illegible] کیا کہ خواہش مند اور کس نے فقط بیان کیونکہ حضرت کے پاس بلا قبول کے لوگ زیادہ آیا کرتے تھے۔

کبھی شام کے وقت ایسا ہوتا کہ مریدین معتقدین اور ضرورت مندوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مریدین تو بیعت [illegible] دینے معتقدین خاص ضرورت کے تحت آتے مگر ایک جماعت خود سے بیٹھا کیا گھروں کی کبھی ہوتی جو طرح طرح کا [illegible] کیا جاتی بعض لوگ کامل عملیات تعویذ تحقیقی کے لئے بھی آ جاتے اور بعض محض روحانی بہتری کی خاطر قدم بوس ہوتے تھے۔

میں جب بھی پہنچتا حضرت سب کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو جاتے میرے لئے چائے بنا تھا یا ہمارے ساتھ گراتے اور شعر و شاعری، لطیفہ گوئی، ہیرا گوئی، فقرہ، پھبتی، ضلع جگت سے ایک چھوٹی سی محفل شروع ہو جاتا اور بعض دفعہ بے تکلف مقطعات بھی عطا ہو جاتیں۔

مریدین اور معتقدین حیران ہوتے کہ حضرت اس فرمان سے تمام مذہبی کیوں ہیں مگر وہ فطرت انسانی سے نا واقف تھے حضرت بھی انسان تھے، ہر حدیث، فقہ، مسائل اور وحدت الوجود بیان کرتے کرتے تھک جاتے تھے۔ مریدین اور معتقدین سے دل لگی نہیں کر سکتے تھے اور نہ اس طبقہ میں کوئی اس کا اہل ہی تھا اس لئے اس تفریح کے واسطے انہوں نے مجھے منتخب فرمایا تھا۔ چنانچہ میرے پہنچتے ہی ایک ایک کہہ کے سب کو چلتا کر دیتے۔ بعض بے تکلف جو رہ جاتے وہ بیٹھے رہتے اور پھر سید شاہ وجودی صاحب فقط وجودی رہ جاتے اور ایک شاعر کی طرح بے تکلف ہو جاتے۔

حضرت شمس الدین صاحب قبلہ نے حیدرآباد میں بڑی مقبولیت حاصل کی تھی چشتیہ گھرانے کے بزرگ تھے [illegible] علاوہ ان کے لوگوں کو حوصلے لگتے۔ جس کے جسم پر ملازل دیتے وہ بندہ بے دام ہو جاتا۔ بیشتر طوائفوں کو تائب کرا کر نکاح کرا دیا چنانچہ ترک [illegible] اور [illegible] وغیرہ جیسی مشہور رنڈیاں حضرت کے ہاتھ تائب ہوئیں اور لوگوں سے نکاح کر کے گھر بیٹھ گئیں۔ بیشتر ہندو خاندان بھی معتقد تھے چنانچہ شیوراج بہادر، شاہی پرشاد وغیرہ کا خاندان پورا معتقد تھا۔ جگن ناتھ پرشاد صاحب جو بعد کو جمیل الدین احمد بنے انہی شمس الدین کے دست گرفتہ تھے جنہیں بعد میں مولوی محمد حسین صاحب (ناظم ونیرتی) نے تیار کیا۔

میری ہی طرح وجودی شاہ صاحب کے بھی بڑی خدمت کی، خود مرید کرنے کی خواہش مند نہ تھے لوگ مرید ہونے آتے تو اپنے پیر بھائی ننھے میاں یا اپنے خلیفہ نظام الدین وغیرہ کے پاس بھجوا دیتے۔

نہایت ہی نڈر، بے باک اور فطرتاً باغی تھے، حبیبی صاحب صدر اعظم حیدرآباد جیسے پیر پرست فیض دوست اور بزرگ نواز تھے حیدرآباد کے پیروں یا صفا حیدری صاحب سے طرح طرح فائدے اٹھاتے تھے میں نے جب یہ دیکھا کہ وجودی صاحب کی کوئی معاش نہیں ہے اور ان کی گزر بسر بڑی تکلیف سے ہوتی ہے تو میں نے کہا حیدری صاحب کو آپ کے پاس پہنچا دیتا ہوں ان سے اپنے لئے تنخواہ کرا لیجئے اور خانقاہ کے لئے کچھ نقد رقم منظور کرا لیجئے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر برس پڑے، خوب صلواتیں سنائیں مگر میں نے بھی ان کا ناک میں دم کر دیا۔

مولوی محمد سجاد صاحب ہماری خاندان کے قدیم بزرگ تھے۔ مدرسہ دار العلوم میں والد مرحوم اور چچا مولوی سید غلام حسین صاحب مرحوم کے ساتھ پڑھ چکے تھے اور اتفاق سے میرے ہی دفتر کے مددگار رہتے، یہ حیدری صاحب کے روحانی سیکرٹری تھے بلکہ جتنے مولوی، مشائخ، مجذوب وغیرہ حیدری صاحب سے ملتے وہ انہی کے ذریعہ سے ملتے تھے اور یہ جہاں لیجانا چاہیں حیدری صاحب کو لے جاتے تھے، اس لئے میں نے ایک دفعہ مولوی سجاد صاحب کو ساتھ لے جا کر وجودی شاہ صاحب سے ملا دیا اور شاہ صاحب نے سجاد صاحب پر وہ رعب گانٹھا کہ سجاد صاحب بس گرویدہ ہی ہو گئے اور کہنے لگے "ارے! تمکین صاحب! یہ بزرگ تو بڑے صاحب کمال ہیں۔" میں نے کہا

[illegible] شاہ صاحب [illegible] چنانچہ [illegible] صاحب نے [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] آپ بھی شاہ صاحب کے [illegible]
[illegible] شاہ صاحب [illegible]
[illegible] صاحب تشریف [illegible]
[illegible]
[illegible] صاحب [illegible]
[illegible] شاہ صاحب نے حیدری صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible] تفصیل [illegible]
[illegible]
[illegible] حیدری صاحب کے [illegible] حیدری صاحب [illegible]
[illegible] تکلیف [illegible]
[illegible] چنانچہ میں نے [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] شاہ صاحب سے مل کے [illegible]
[illegible] تکلیف نہیں کی۔ اس کا سبب نہ تو وجودی صاحب نے بتایا۔ حیدری صاحب [illegible]
نے کمال [illegible] حیدری صاحب رُک گئے۔

بہرحال وجودی شاہ میں یہ عجیب صفت تھی کہ وہ [illegible] اپنی حاجت پر قانع رہا کرتے تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ انہیں سونا بنانا آتا تھا [illegible] سونا بنا لیتے [illegible] فروخت کر [illegible] مکان کا کرایہ ادا کر دیتے [illegible] اس کے بعد پھر قرض کا سلسلہ شروع ہوتا [illegible] تھا اور وہ [illegible] ایک [illegible] وہ کسی سے [illegible] سونا بنا لیتے اور [illegible] خاص خاص لوگوں سے [illegible] فروخت کرکے [illegible] کے ہاتھ سے سونا فروخت کرتے۔ [illegible] وقت شاہ عبدالقادر صاحب کے اور میرے [illegible] تولہ سونا دیا کہ فروخت کر دو [illegible] متوسط قسم کا ہوتا تھا۔ [illegible] کے ہاتھ سے فروخت کرایا گیا [illegible] اچھا سونا [illegible] روپیہ تولہ تھا اور ان کا بنایا ہوا سونا پچیس روپے تولہ فروخت ہوا۔ اس طرح زندگی بھر عمدگی سے گذارتے رہے۔

یہ سونا بنانا انہوں نے کس طرح سیکھا کبھی بھی ظاہر نہیں کیا۔ بیشتر بزرگ [illegible] کیمیا کا نسخہ معلوم کریں گے مگر انہوں نے کسی کو بھی نہیں بتایا [illegible] پھر [illegible] بھی بہت رہ چکے تھے نہ جانے کس سے سیکھا [illegible] تھا [illegible] کی ایک خاتون سے عقد کیا تھا جو ساتھ رہتی تھیں۔ کوئی اولاد نہ تھی اکثر مریدوں کے بچوں کو اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔
کبھی جی چاہتا تو [illegible] کا گانا بھی سن لیتے تھے [illegible] کے مریض تھے اور سلسلۃ البول بھی تھا اس لئے کہیں جانے [illegible] گھر ہی

بیٹھے رہتے۔ چونکہ یہ جانتے تھے حساب اور فلکیات وغیرہ سے۔ حیدرآباد میں مشہور ہو گیا تھا کہ ایک [illegible] سو سال [illegible]
یوسف شریف کے تعارف سے ہوا، اسی شہرت کے زمانے میں ایک مرزی صاحب جو دارالعلوم کے [illegible]
مدرس تھے حضرت سے ملنے کے لئے آئے اور یہی ذکر کیا اور پھر ایسی گفتگو کی کہ شاہ صاحب کو جلال آ گیا۔ جھٹ سے آپ نے [illegible]
آدمی کو پکڑ کر [illegible] دبا دیا اور کہنے لگے سامنے [illegible] یہ رنگ تو جیسے بندگی کے ہیں میں ایک ادنیٰ غلام ہوں [illegible]
بنا دیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے جو آنکھیں نکالیں اور چہرہ خوفناک بنایا تو مرزی صاحب کی شیخی کا بھرم کھل گیا، جوتیاں چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئے
اسے ہنسی کے میرا برا حال ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد حضرت بھی ہنسنے لگے۔ اس طرح بعض [illegible] لیتے تھے
نواب اسمٰعیل خان، رباگرا، جہانگیرآباد، بہو نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اکثر حیدرآباد آیا کرتے تھے کیونکہ جسٹس خلیل الزماں سے ان کی قرابت
تھی۔ ایک دفعہ وہ ملنے آئے تو میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ان سے میرا تعارف یہ کہہ کر کرایا کہ میرے بھتیجے ہیں۔ بعد میں کہیں ان سے پھر ملاقات ہوئی
تو انہوں نے فوراً پوچھا: جناب! آپ کے چچا صاحب کہیں [illegible] گئے ہیں اس لئے کہیں نہ کر سکے اور باتیں کرتے کرتے بہک جاتے ہیں
میں نے کہا: چچے ہی کب تھے جو کہیں [illegible] کر سکتے۔ اس پر وہ بہت مسرور ہوئے اور دیر تک شاہ صاحب کا ذکر کرتے رہے۔ وہ جب
کبھی آتے شاہ صاحب سے ضرور ملتے تھے۔

حضرت امجد سے وجودی شاہ کی بہت دوستی تھی۔ سید ابراہیم ادیب، جو عربی کے پروفیسر اور صاحب البابلیہ کے بڑے جید عالم تھے
بھی ان کے بڑے مخلص دوست تھے۔ وجودی شاہ کا اور صابر کا غالباً مدرسہ کا ساتھ تھا اس لئے دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی۔ صابری دنیا [illegible]
کو صرف [illegible] تھی مگر وجودی شاہ ہمیشہ ان سے یہی کہتے کہ امجد تو تھوڑا سا تصوف پڑھ لو اور وہ ہنس کر خاموش ہو جاتے اور سید ابراہیم صاحب تو
وجودی شاہ سے باقاعدہ مسائل تصوف پوچھا اور سمجھا کرتے تھے۔

مریدوں کی تعداد خاصی تھی۔ کوئی دو تین سو مرید ہوں گے۔ چند خلیفہ بھی تھے۔ نادر [illegible] جان نثار جنگ کو بھی خلافت دی تھی اور خالد میاں تو
چہیتے خلیفہ تھے۔ اپنا منصب خانہ بھی انہی کو دے دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ خالد میاں کے باغ میں دفنایا جائے چنانچہ خالد میاں نے انہیں اپنے
باغ ہی میں دفنایا اور مقبرہ بھی بنا دیا اور ہر سال بڑی دھوم سے عرس بھی کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں بزرگ [illegible] ہمیشہ آیا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بزرگ عوض علی شاہ تشریف لائے جو شاہ صاحب کے پاس بھی آنے
جانے لگے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے وہاں اکثر دیکھا اور حضرت سے بے تکلف پایا تو ایک دفعہ میرے سامنے ہی پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں
تو کہا: ایک سلسلہ میں یہ میرے پیر ہیں۔ انہوں نے پوچھا کون سا سلسلہ تو کہا: ابلیسیہ۔ وہ حیران ہوئے کہ ابلیسیہ سلسلہ کیسا تو کہا آپ کو
شاید معلوم نہیں کہ معلم الملکوت نے بھی اپنے خلفاء بنائے ہیں چنانچہ یہ انہی کے خلیفہ ہیں اور سلسلہ ابلیسیہ میں صاحب خرقہ و سجادہ ہیں میں نے
اس سلسلہ میں انہی سے بیعت کی ہے۔ عوض علی شاہ یہ سن کر اتنے پریشان ہوئے کہ پھر انہوں نے وہاں آنے کی ہمت نہیں کی۔

اپنے قدیم ملنے والوں اور پرانے دوستوں سے وجودی شاہ کو بڑی ہمدردی تھی چنانچہ ڈاکٹر احسن اللہ خان کیوریٹر آصفیہ لائبریری کو جو
ان کے قدیم ہم جماعت اور دوست کے فرزند تھے بہت چاہتے تھے اسی طرح بعض اپنے قدیم دوستوں سے بڑی وضعداری سے ملتے تھے۔

وجودی شاہ کا خاندان بہت بڑا تھا مدراس، اور گیر اور نیلور میں ان کے قرابت دار بہت تھے حیدرآباد کے مشہور صاحب قادری
کے گھرانے سے جو تاج محی الدین پاشا کا خاندان کہلاتا تھا قرابت تو یہ تھی۔ مشہور ہفتہ وار اخبار مخبر دکن مدراس کے ایڈیٹر و مالک سید
عبدالغفار صاحب [illegible] قریبی عزیز تھے۔ اس طرح خاندان بہت بڑا اور پھیلا ہوا تھا مگر وجودی شاہ سب سے دور دور اور [illegible] رہتے تھے
مجھے ان کی خصوصیت پسند تھی وہ یہ تھی کہ درویشوں کی طرح [illegible] اور روپیہ پیسہ کے عادی نہ تھے بہت ہی غیور اور وضعدار تھے

[illegible] کی کسی کو یاد کتابیں زبانی یاد تھیں [illegible] بیٹے حدیث بیان کر کے [illegible] بیان کر دیتے تھے۔
[illegible] گئے تھے وہاں مکمل کر لیا تھا۔ اس میں سے کچھ حصہ ان کے ایک [illegible] صاحب نے دو سال ہوئے چھپوا کر [illegible] کے نسخے بہت زیادہ ہوئے ہیں۔
مولوی [illegible] شاہ صاحب بہت [illegible] [illegible] ایک [illegible] ہی ہر [illegible] چند [illegible] سے
[illegible] نے زیادہ مقامات کی [illegible] نہ کر سکے۔
[illegible] کے ملک عبدالحق [illegible] صاحب کے [illegible] ہو گئے تھے اور [illegible] سے زیادہ [illegible]
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی!

مولوی سید محمد یوسف الدین

بعض لوگ اس نام کو پڑھ کر حیران ہوں گے کہ یوسف الدین صاحب کا شخصی خاکہ میں کس طرح لکھ سکتا ہوں کیونکہ ان کا انتقال ہوئے ۴۵ سال ہو گئے اور ان کی وفات کے وقت میری عمر ۱۰ سال کی تھی مگر واقعہ یہ ہے کہ مرحوم سے میری واقفیت کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب میری والدہ کے حقیقی ماموں تھے۔ میرے نانا سید عبدالکریم صاحب جو حکومت حیدرآباد کے اول تعلقدار (کلکٹر) اور غالباً [illegible] اسٹیٹ کے معتمد تھے، نے جس وقت انتقال کیا ہے میری والدہ کمسن تھیں انہیں مولوی صاحب نے اپنے پاس بلا لیا اور خود ہی نگرانی تعلیم و [illegible] سے۔ اس طرح شادی ہونے تک والدہ انہی کے پاس رہیں۔ شادی کے بعد اپنے گھر رہنے لگیں مگر مولوی صاحب ہر ہفتہ گلبرگہ سے آیا کرتے اور میں دو دن تک ان کے ساتھ ہی ساتھ رہتا تھا۔

یوسف الدین صاحب کی ولادت اور تعلیم حیدرآباد میں ہوئی تھی مگر عجیب و غریب مزاج انہوں نے پایا تھا، باوجود صلاحیت اور خاندانی وجاہت کے معمولی ملازمت قبول کی اور ترقی کرتے کرتے چند ہی سال میں اول تعلقدار (کلکٹر) ہو گئے۔ حضور پرنور [illegible] میر محبوب علی خان شاہ دکن کو آپ پر پورا اعتماد تھا، چنانچہ مرتعاس (ریاست [illegible] اسٹیٹ) کی معتمدی ملی تھی مگر آپ نے وہاں کے حالات دیکھ کر کچھ اصلاحیں کرنے اور پیش کرنے (بحث) مرتب کرنے کے بعد معذرت کر لی اور پھر تعلقداری پر چلے گئے۔

مولوی صاحب کی ایک بیٹی نفیس بانو تھی جس کے [illegible] ڈاکٹر [illegible] نواب عماد جنگ (مرحوم)، نواب رفعت یار جنگ (مرحوم)، حاکم الدولہ کاظم علی صاحب معتمد تعمیرات، محبوب علی صاحب کمشنر کروڑگیری و کسٹم، مولوی [illegible] علی صاحب، مولوی عبداللہ صاحب عرف کچھے والے شاہ صاحب، خواجہ عبدالقیوم وغیرہ تھے۔

حیدرآبادیوں میں یوسف الدین صاحب پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے شہر سے دور جنگل میں [illegible] کے قریب [illegible] گزشتہ کے [illegible] میں ایک اونچی پہاڑی پر بنگلہ بنوایا اس کا نام انہوں نے "جبل السلام" رکھا، یہ پرانی وضع کی خوشنما کوٹھی اب تک موجود ہے۔

ابتداً یوسف الدین صاحب نے ایک اینگلو انڈین گھرانے میں جو مسلمان ہو گیا تھا شادی کی، ان خاتون سے کئی لڑکے ہوئے مگر زندہ نہ رہے باقی [illegible] بہنوں یعنی میری نانی اور [illegible] کے مجبور کرنے سے [illegible] ایک امیر گھرانے میں شادی کی اور ان خاتون کے بطن سے کئی لڑکیاں اور لڑکے ہوئے جن میں سے بیشتر اب بھی موجود ہیں چنانچہ بیگم نواب ولی الدولہ (مرحوم) [illegible] مرحوم ہی کی [illegible] نظام الدین صاحب [illegible] زندہ ہیں۔

مراد ملیک بہت بڑا منصوبہ ریاست حیدرآباد میں تھا جس کو پوری تکمیل تک پہنچانے کی مہم مولوی صاحب ہی کی تھی۔ جس کے بعد مولوی صاحب نے
کا پورا منصوبہ ایک خاص کمیٹی کے ذریعہ ایک مفصل رپورٹ مرتب کی اور اس منصوبہ کو سینی ٹریم بنانے کی تحریک کی، رپورٹ میں منظوری
ہوئی تھی۔ جو قابل ہے، یہ کہ اس وقت حیدرآباد کے متعلق کوئی بات چھپی نہیں۔ وہاں کی پیداوار کی کیفیت آب و ہوا، جغرافیائی حالات، جنگلات
سے لے کر وہاں کی چھوٹی چھوٹی ندیوں کے نام اور ان کے خواص تک لکھے ہیں۔ اب پچاس سال کے بعد اسی رپورٹ پر عمل کیا گیا ہے اور حیدرآباد کو
سینی ٹریم بنایا گیا ہے۔

اسی طرح تنگبھدرا پراجیکٹ کا خیال بھی سب سے پہلے یوسف الدین صاحب ہی کو آیا اور انہی نے جس کی بنیادی رپورٹ لکھی تھی، جو
گم ہے، گم شدہ ہے اب تک، پڑی ہوئی ہے اور اب کہیں یہ منصوبہ پورا ہوا۔

مسلمانوں کے مستقبل پر ہمیشہ سازش کا گہوارہ بنی رہی۔ چنانچہ حیدرآباد بھی اس سے نکل نہ سکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آج سے ساٹھ سال پہلے علاقہ
میں ایک منظم سازش یہاں شروع کی گئی تھی۔ ایک محضر بنایا گیا تھا جس میں سلطنت کا روبارے حضور نظام کی بے رغبتی کا اظہار کر کے خواہش کی گئی
تھی کہ یہاں ریجنسی قائم کی جائے، اور اس محضر پر حیدرآباد کے بڑے بڑے لوگوں نے دستخط کئے تھے۔ یہ محضر وائسرائے کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔
مولوی صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے سب سے پہلے حضور نظام کو یہ اطلاع پہنچائی اور پھر اس کے انسداد کی فکر کرنے لگے۔
اس زمانے کا ریزیڈنٹ بھی سازشیوں سے ہمدردی رکھتا تھا۔ اس نے بھی شاید اس منصوبہ میں دلچسپی لی تھی اور حیدرآباد کے ریزیڈنٹ سے بھی
اسی قسم کی کوئی رپورٹ حاصل کی تھی۔ بہرحال وائسرائے نے اس محضر کو دوسری شہادتوں کے ساتھ منسلک کر کے اپنی ذاتی رپورٹ کے ساتھ
لندن بھجوانے کے لئے سربمہر لفافہ تیار کر لیا تھا اور یہ لفافہ وائسرائے کے میز کے خانے میں محفوظ تھا کہ مولوی صاحب نے وہاں پہنچ کر
کسی طرح یہ لفافہ حاصل کر لیا اور حیدرآباد واپس ہو گئے۔ مگر مولوی صاحب رستے ہی میں تھے کہ گڑبڑ شروع ہو گئی اور وائسرائے کو معلوم ہو
گیا کہ انہوں نے لفافہ حاصل کر لیا ہے۔ چنانچہ ٹیلی گرام دوڑنے لگے اور مولوی صاحب جب حیدرآباد اسٹیشن پر ٹرین سے اترے تو انہیں
گرفتار کر لیا گیا۔ مولوی صاحب نے راستے ہی سے بعض لوگوں کو اشارہ دے دیئے تھے اور رفقاء آباد و بیگم پیٹھ اسٹیشن پر بعض لوگ موجود
تھے جنہیں مولوی صاحب نے اپنا اٹیچی کیس دے دیا تھا جس میں وہ لفافہ تھا۔ اس طرح لفافہ حیدرآباد پہنچ کر محفوظ ہو گیا اور مولوی صاحب
نے گرفتار کنندگان سے جھگڑا شروع کیا کہ ریاست میں تحویل ملزمین کا قانون چونکہ نافذ نہیں ہے اس لئے ان کی گرفتاری غیر قانونی ہے۔ بہرحال
حکومت برطانیہ کو اسی سلسلہ میں تحویل ملزمین کا قانون نافذ کرنا پڑا اور مولوی صاحب کو ذرا زیرکی کے ضمانت پر چھوڑ دیا گیا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ مولوی
صاحب نے جو جرم کیا تھا اس کا اظہار کیا نہ جا سکتا تھا۔ اس لئے چند فرضی الزامات مثلاً وائسرائے کی لاج کے ملازمین کو رشوت دینا وغیرہ لگا کر
مقدمہ چلایا گیا۔ مگر پریوی کونسل نے مولوی صاحب کو عزت کے ساتھ بری کر دیا اور حکومت حیدرآباد نے دوران مقدمہ جو انہیں معطل رکھا تھا
پریوی کونسل کے فیصلے کو دیکھ کر بحال کر دیا اور ایام معطلی کی پوری تنخواہ بھی دلوادی اور پھر انہیں اول تعلقداری (کلکٹری) سے صوبہ داری (ڈویژنل کمشنری)
پر ترقی بھی دی گئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس محضر کو حضور نظام نے ملاحظہ نہیں فرمایا یا ملاحظہ فرمانا بھی چاہا تو مولوی صاحب نے عرض معروض کر کے روک دیا
اور پورا محضر بلکہ لفافہ اسی حالت میں جلا کر خاک کر دیا گیا۔ البتہ چند سرغنے جو اس سازش کے بانی تھے حیدرآباد سے نکال دیئے گئے تھے۔

گر یہ بلا بود بلائے بود بخیر گزشت

یہ تو تھے مولوی صاحب کے سیاسی اور انتظامی کارنامے مگر ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ "خدا النقاحی" ہے۔ قصہ یہ ہے کہ مولوی
صاحب کا اردو رسم الخط کی خرابیوں اور ٹائپ کے بھدے پن کا بہت احساس تھا، چنانچہ انہوں نے مدت تک غور و فکر کر کے ایک

بہر حال [illegible] سکے نہ رہ سکتا تھا اس سلسلہ میں [illegible] بڑی حیثیت [illegible] سے [illegible] کیا [illegible]
[illegible] کر [illegible] تھا [illegible] تھی [illegible] آپ [illegible]
[illegible] گزشت [illegible] ساتھ [illegible] خط [illegible] کے [illegible]
اور اس کا [illegible] گئے تھے [illegible] سکے [illegible] حکومت [illegible]
[illegible] مولوی صاحب نے خط انتظامی [illegible] ٹائپ [illegible]

اس [illegible] مولوی صاحب نے [illegible] صاحب کے ساتھ [illegible] تھا اس [illegible]
[illegible] گورنمنٹ [illegible] میں [illegible] صاحب
[illegible] تھے [illegible] حصوں میں تقسیم [illegible]
[illegible] مرحوم [illegible] مولوی صاحب [illegible] آئینہ رہی تھیں۔

خط اسلامی کی ترتیب حروف [illegible] مولوی صاحب نے علاوہ کر سامنے [illegible]
[illegible] کا [illegible] پر [illegible]
[illegible] خط انتظامی [illegible] سے [illegible] کی [illegible] کا پہلا [illegible]
[illegible] میں [illegible] ٹائپ پریس قائم [illegible]
[illegible] چھپائی [illegible] عبارت خط انتظامی میں چھاپی گئی۔ اس
[illegible] نے بہت پسند فرمایا اگرچہ [illegible] خط [illegible] میں [illegible]
اور یہ ٹائپ عام ہو جاتا [illegible] مولوی [illegible] صاحب کو
اتنا شدید ہوا کہ وہ چند ہی مہینوں کے بعد بیمار ہو گئے اور ان کے گلے میں [illegible] حیدرآباد [illegible] ڈاکٹر [illegible]
نہ کر سکے۔ بالآخر مولوی صاحب کو مدراس لے جانا پڑا مگر وہاں بھی علاج نہ ہو سکا۔ [illegible] واپس [illegible] کہ قیام [illegible] اسٹیشن
جانے کے لئے کرسی پر بٹھا کر [illegible] اٹھایا گیا اللہ کو پیارے ہو گئے اور مدراس [illegible] قبرستان میں آسودہ ہوئے۔

خط انتظامی مولوی صاحب کا کارنامہ ایسا کارنامہ ہے کہ اس پر ہندوستان [illegible] ناز کر سکتا ہے۔ آج جو ٹائپ کی ضرورت محسوس
کی جا رہی ہے اور [illegible] ٹائپ، لینو ٹائپ اور [illegible] ٹائپ [illegible] نہ ہونے سے اردو زبان کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا [illegible] محسوس [illegible]
یا لوگ اردو زبان کے لئے ہندی اور رومن ٹائپ قبول کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور اردو رسم الخط کی بے مائگی پر زور دے رہے ہیں
اس ضرورت کو آج سے پچاس سال پہلے مولوی صاحب نے محسوس کیا تھا اور [illegible] قبل از وقوع [illegible] کے تحت اس کا حل بھی انہوں
نے نکال لیا تھا۔

مولوی صاحب کے انتقال کے بعد والد مرحوم کو خط انتظامی سے بڑی دلچسپی تھی مگر یہ حضرت خود بھی مولوی [illegible] کے [illegible] تھے،
[illegible] تعلق کی وجہ سے اصلاح [illegible] اس [illegible] کچھ نہ کر سکے۔ مولوی صاحب کے تین فرزند تھے اور یہ تینوں بھی ان کے انتقال
کے وقت کم سن تھے، البتہ مرحوم کی صاحبزادی بیگم [illegible] نہایت قابل [illegible] اور بڑی ہی منتظم خاتون تھیں جو بفضلہ اب تک موجود ہیں مگر انہیں
اپنے اسٹیٹ کے انتظامی امور سے فرصت نہ مل سکی جو اس ٹائپ کی طرف توجہ کر سکتیں۔ بڑے فرزند مولوی سید فضل الدین نے [illegible]
کا [illegible] کر جوانی میں انتقال کیا، منجھلے فرزند مولوی سید نظام الدین گورنمنٹ [illegible] حیدرآباد کے نائب ناظم ہو گئے [illegible] انہیں [illegible]

[illegible] قسم کے اردو ٹائپ ایجاد کئے اور نسخ کا ٹائپ بھی جاری ہو [illegible]
مگر اس میں جو برائیاں ہیں وہ دور نہ ہو سکیں اور کرسی کی آفت ہے۔

میں نے اپنی اسی خط انتقالی سے ... [illegible] ... کا استعمال ہوتی اور دس بارہ سال کی محنت [illegible]
سکی ہے مگر اردو دنیا چونکہ نستعلیق ٹائپ کے چکر میں پھنسی ہوئی تھی اس لئے میں انتظار کر رہا تھا کہ نستعلیق ٹائپ کا دھوکا [illegible]
ہو اور اردو دنیا نستعلیق کی ناکامی کو اچھی طرح سمجھ لے تو میں اس خط کو پیش کروں، خدا کا شکر ہے کہ اب وقت آگیا ہے اور اردو زبان کے لئے
ایک ایسے ٹائپ کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جو مفرد حروف کا ہو، خوبصورت ہو، پڑھنے میں آسان ہو، جس کا ٹائپ رائٹر بھی
بن سکے اور ٹائپ رائٹر بھی چلے۔

ان سب خصوصیات کا حامل "خط انتقالی" ہے، چونکہ یہاں موقع نہیں ہے اس لئے میں اس خط کو پیش نہیں کر سکتا انشاءاللہ تعالیٰ
کے کسی آئندہ شمارہ میں خط انتقالی پیش کروں گا۔

معاف فرمایئے اس تفصیل میں زیادہ وقت ضائع ہو رہا ہے اور مولوی یوسف الدین کی شخصیت ابھی پردے ہی میں ہے۔ مولوی صاحب
سرخ و سپید بزرگ تھے انتقال کے وقت ساٹھ ایک سال کی عمر تھی، دراز قد، بھاری بھرکم جسم، گول چہرہ، بڑی بڑی روشن آنکھیں، بھرواں داڑھی جب
خضاب لگایا جاتا تھا، سر پر انگریزی وضع کے بال، ہمیشہ سیدھی مانگ نکالا کرتے تھے، سر پر صرف منصب والی پگڑی، دستار ہوتی، یا سفید
ٹوپی کبھی کبھار پہنتے تھے، طیلسانی رومی ٹوپی وسط ۱۹۰۷ء سے پہلے میں نے انہیں سوٹ پہنتے ہوئے بھی دیکھا ہے مگر تاحیات [illegible]
پسند کیا کرتے تھے۔ جس کپڑے کی شیروانی ہوتی اسی کپڑے کی پتلون بھی ہوتی تھی۔ صرف نماز کے لئے عیدین یا جمعہ کو مسجد جاتے تو ڈھیلا ڈھالا
پاجامہ پہنتے یا گھر پر پاجامہ رہتا ورنہ ہمیشہ پتلون اور شیروانی پہنا کرتے، گھر میں ململ کا کرتہ اور پاجامہ پہنتے گھر پر پلنگ پر ہوتے یا آرام دہ [illegible]
بیٹھے رہتے یا پھر اندر ہوتے تب ہی ہمیں اس لباس میں نظر آتے، ڈرائنگ روم میں بغیر شیروانی کے نہیں آتے تھے، متانت اور سنجیدگی کا یہ حال
تھا کہ انہیں کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا البتہ مسکراتے ضرور تھے، گفتگو نہایت مختصر کرتے بلکہ اشاروں سے مطلب ادا
کیا کرتے تھے، تحریر اور تقریر دونوں مختصر، تقریر تو ان کی کسی نے نہیں سنی کیونکہ دو چار جملوں ہی میں اپنا مطلب ادا کر دیتے تھے۔

میری والدہ کو بہت چاہتے تھے اور وہ ان کی خدمت میں گستاخ بھی بہت تھیں چونکہ باتیں بہت کرتی تھیں اس لئے مولوی صاحب
انہیں طوطی پکارا کرتے تھے، میری ولادت ہوئی تو مولوی صاحب نے میرا نام رکھا "ابو رضا سید مصباح الدین" یہ تاریخی نام تھا اور سنہ ولادت
۱۳۳۲ھ نکلتے تھے، ابو رضا پکارا کرتے تھے کبھی کبھی موڈ میں ہوتے تو "طوطا" بھی کہتے۔

میری تسمیہ خوانی (بسم اللہ) ہوئی تو مولوی صاحب نے مجھے سوٹ سلوا دیا اور اس کے بعد سے اپنے انتقال تک ہر مہینے مجھے ایک عدد
سوٹ سلوا دیا کرتے، اپنے بچوں کے لئے جب کپڑے بنواتے میرے لئے بھی بنوا دیتے اور اپنی لڑکیوں کے لئے جب کپڑے تیار کراتے
میری والدہ اور خالہ کے لئے بھی بنواتے تھے۔

میرے نانا سید رحیم الدین صاحب کی جائداد سے جو روپیہ ملا تھا اسے مولوی عبدالباقر خاں وکیل حیدرآباد کے پاس محفوظ کرا دیا تھا۔
جب ضرورت ہوتی میری نانی مجھے بھیج کر وکیل صاحب کے پاس سے روپیہ منگوا لیتیں۔ مولوی عبدالباقر خاں سے مولوی صاحب کی بڑی گہری دوستی
تھی کوئی کام بغیر ان کے مشورے کے نہ ہوتا تھا، اسی طرح مولوی عبدالغفور صاحب وکیل سے بھی ان کے پُرخلوص مراسم تھے انہی مراسم کی
[illegible] مولوی صاحب کی بڑی صاحبزادی مولوی عبدالغفور صاحب کے صاحبزادے سے بیاہی گئیں اور مولوی عبدالباقر خاں صاحب کے
فرزند مولوی عبدالباسط خاں (جو بعد کو باسط جنگ ہوئے) کو مولوی صاحب نے دم تعلقدار بنایا اور پھر صوبہ داری گلبرگہ کی مددگاری پر مقرر کیا تھا۔

مولوی صاحب کی طبیعت میں سنجیدگی اور متانت تھی کہ کسی سے بے تکلف نہ ہوتے تھے۔ صرف [illegible] سے بے تکلفی [illegible] کیا
جاتا ہے کہ [illegible] ایک لڑکا ہوا۔ والد مولوی صاحب ان کے بنگلہ پر تھے، انہوں نے شاید [illegible]
[illegible] کا شوق کیا [illegible] کر کے اس کو [illegible]۔ بچہ پیدا ہوا اور سب لوگ [illegible] دیکھنے گئے
[illegible] زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اسی روز مولوی صاحب سے [illegible] ہوئی۔ معلوم ہوا کہ کسی کے بچہ نے [illegible]
[illegible] دودھ کافی نہیں ہوتا [illegible] دودھ پلا جاتے جاتے [illegible] ہو گیا [illegible] دودھ کو آگ
[illegible] پرورش ہوئی۔

ایک روز مولوی صاحب جیسے ہی دورہ پر گئے ہوئے تھے واپسی پر [illegible] کوئی [illegible] اور سورج غروب ہو گیا
[illegible] صاحب تانگے سے اتر کر پیدل چلتے ہوئے گھر پہنچے [illegible] پیدا [illegible] اتفاق [illegible] شام میں
[illegible] حسب معمول غسل کر کے پہلی منزل [illegible] کے بجائے سونے کے [illegible] میں بیٹھ گئے [illegible] تھا اور جو
[illegible] کے کمرے میں [illegible] جاتا تھا اور وہ [illegible] سے [illegible]
[illegible] صاحب پلنگ پر بیٹھے اپنے پاؤں پر [illegible] اپنے پاؤں [illegible]
[illegible] پلنگ پر بیٹھے اپنے پاؤں [illegible] پاؤں [illegible]
[illegible] پاؤں [illegible] ہوں گے [illegible] سے پاؤں [illegible]
نہیں کیا اور اپنے پاؤں آپ دابتے رہے۔

میری نانی جو مولوی صاحب کی پھوپھی بہن اور اپنے بھائی [illegible] مولوی صاحب کے گھر [illegible] جب میں نے
بڑے ہو کر ان سے پوچھا "اماں! آپ ماموں [illegible] کے گھر میں کھانا کھاتی ہیں [illegible] کیوں؟" تو کہنے لگیں "بیٹا! [illegible]
مسلمان بنا لیا ہے اس لئے ان کے گھر کا کھانا پانی میرے لئے حرام ہے۔" [illegible] کیا چیز ہے [illegible]
نہیں بتایا۔ ایک روز جبکہ مولوی صاحب مجھے اپنے ساتھ سکندرآباد لئے جا رہے تھے [illegible]
[illegible] کیا ہے [illegible] سارا قصہ سنایا اور بتلایا کہ اماں [illegible] مولوی صاحب نے [illegible] لگایا اور کہا —
[illegible] ایک سوسائٹی ہے [illegible] یہ ایک اخلاقی سوسائٹی ہے جس کے رکن وہی ہو سکتے ہیں جو کسی مذہب کے پیرو اور
خدا کی وحدانیت کے قائل ہوں۔ میں بھی اسی طرح [illegible] اس سوسائٹی کو [illegible] مشہور کر
دیا۔ یہی بات تمہاری نانی نے بھی سنی ہوگی۔ چنانچہ سکندرآباد سے واپس آ کر مولوی صاحب نے اپنی بہن کو سمجھایا اور وہ اپنے بھائی کے گھر
[illegible] کھانے پینے لگیں۔

مولوی صاحب کی وضعداری اور خوش اخلاقی حیدرآباد بھر میں مشہور تھی۔ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مسٹر ڈنلپ [illegible] اور [illegible] تھے
اور [illegible] ان کے ماتحت تھے۔ جب کبھی ڈنلپ دورے پر آتے، مولوی صاحب صوبہ داری کی جوڑی کی گاڑی اسٹیشن بھجوا دیتے اور اس میں [illegible]
[illegible] استقبال کے لئے جاتے اور اسٹیشن سے ساتھ لاتے۔ مولوی صاحب اپنے ڈرائنگ روم میں آرام کرسی پر بیٹھے رہتے۔ جب ڈنلپ گاڑی سے
اتر کر [illegible] میں پہنچ جاتے [illegible] کرسی سے اٹھ کر دروازے تک جا کر ان کا استقبال کرتے اور ہاتھ ملا کر ڈرائنگ روم میں لا کر اپنی آرام کرسی
پر بٹھا لیتے اور جب ڈنلپ واپس ہونے لگتے تو بھی انہیں چھوڑنے اسٹیشن نہ جاتے بلکہ گورنمنٹ ہاؤس کے دروازے میں کھڑے کھڑے خدا حافظ
کہہ دیتے تھے۔

کہ جو کاغذات منشی مدام تصدق رسول ڈپٹی کلکٹر راجہ کے حضور کے تھے کسی سلسلہ میں ان سے خفا ہو کر طلب سے کار کر دیا تھا کہ اب نوکر مولوی صاحب نے اس کے جواب میں اطلاع کر دی کہ گو کہ یہ شخص ہمارا ہے اس نے اگر رشوت لی ہوتو اپنی حیثیت کے مطابق چالیس پچاس روپے لئے ہونگے یہ تو ہرگز نہیں کہی جاسکتی۔ علاوہ ازیں یہ غریب ہندوستانی غیر مذہب ہے اس لئے بہتر ہے کہ اخلاقی طور پر نہیں ہوسکتا۔ منصب ٹھاکر صاحب جس نے لاکھوں روپیہ قید کا ہضم کر لیا اور اس کا رنگ تک نہ لیا۔" آخری فقرہ آپ پر چست کیا گیا تھا کیونکہ اس وقت کے انتظامات میں خوب روپے بنا رہے تھے۔

تحریر اور احتیاط میں مولوی صاحب ضرب المثل تھے خانگی خط بھی سرکاری سیاہی سے نہیں لکھتے تھے۔ دفتری کاغذ سے خانگی کام نہ لیتے تھے انہوں نے کبھی سرکاری کاغذ خانگی تحریروں کے لئے استعمال نہیں کیا ایک دفعہ محبوب جنگ کے ہاں وہ پہنچے۔ والد صاحب نے انہیں خط لکھا تحریر ختم ہونے کے بعد جواب دیا اور شروع ہی میں لکھا کہ میں معذور ہوں تم از خود جانتے ہو کہ میرے ساتھ لفافہ کاغذ نہ تھے اور نہ بازار سے منگا سکتے تھے۔ تمہیں معلوم ہے کہ سرکاری لفافے کاغذ خانگی کاموں کے لئے استعمال نہیں کرتا اس لئے محبوب جنگ کے پاس جا کر جواب لکھ رہا ہوں۔

سلطان نواز جنگ حیدرآباد کے ایک بہت بڑے جاگیردار تھے انہوں نے محمد قلی سے بہت سا روپیہ لیا تھا اس کا مقدمہ چل رہا تھا بالآخر ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کے رکن مولوی صاحب بھی بنائے گئے۔ سلطان نواز جنگ کی بیوی میرے والد کی حقیقی خالہ تھیں۔ اس لئے والد نے خصوصیت سے مولوی صاحب سے سفارش کی مگر مولوی صاحب نے فوراً ہی ٹکا سا جواب دیا اور والد نے سلطان نواز جنگ کو سنا دیا۔ سلطان نواز جنگ نے اس خوف سے کہ یوسف الدین صاحب میرے خلاف تصفیہ نہ کر دیں حضور نظام سے عرض کیا۔ انہوں نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ سلطان نواز جنگ سے رعایت کریں تو مولوی صاحب نے عرض کیا کہ معاف فرمائیے سلطان نواز جنگ سے کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی بہتر ہے کہ کمیٹی میں میری شرکت نہ ہو اور میں غیر حاضر رہوں دوسرے اراکین تصفیہ کر دیں ورنہ میں تو ان سے کسی قسم کی رعایت کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مولوی صاحب کی غیر موجودگی میں مقدمہ کا تصفیہ ہوا اور قرضے کی اقساط مقرر ہوئیں۔

رعب داب کا یہ عالم تھا کہ اول تعلقدار و کلکٹر ان سے آنکھ نہ ملاتے تھے۔ کبھی کسی کو آپ کے سامنے بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ البتہ تم اور تو کہہ کر مخاطب کر دیتے مگر غیروں کو کبھی تم نہ کہتے تھے۔ ان کا بیٹا سید تاجی آپ ہی سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ حیدرآباد کے امراء سے برابر سے ملتے تھے اور کسی سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ نظام الدین حسن بی اے ایل ایل بی چیف جسٹس ہوئے تو نہ جانے کیا بات ہوئی کہ مولوی صاحب سے سخت مراسلت ہونے لگی۔ مولوی صاحب نے اس شدت سے حملہ کیا کہ نظام الدین پریشان ہو گئے اور معافی مانگ کر جان چھڑائی۔

چونکہ مولوی صاحب کے والد حکیم زین العابدین بڑے اچھے طبیب تھے اس لئے انہیں بھی طب سے خاصا لگاؤ تھا اور اس فن کے معلومات بھی خاصے تھے۔ خود ذیابیطس کے مریض تھے اور پرہیز بہت سخت کرتے تھے۔ صحت کے متعلق مشورے بڑے عمدہ دیتے تھے۔ والد مرحوم جگر کی خرابی سے علیل ہو گئے تو انہیں مسلسل ہدایات لکھتے رہے یہ خطوط میرے پاس محفوظ ہیں اور بڑے کارآمد ہیں۔ اردو بڑی بے تکلف لکھتے تھے۔ ان کی تحریر میں دکنیت کا شائبہ تک نہ تھا مگر بول چال بالکل دکنی تھی البتہ لہجہ دکنی نہ ہوتا تھا ہمیشہ دلی کے لہجے میں بات چیت کرتے تھے۔

مظفر جنگ

اعلیٰ حضرت غفران مکان میر محبوب علی خان شاہ دکن کی ہمشیرہ نواب مظفر جنگ سے بیاہی گئیں اور نواب موصوف کے بھائی نواب

[illegible] خاندان [illegible] نواب [illegible]
[illegible]
[illegible] خاندان کے لوگوں
[illegible] نواب مظفر جنگ کے [illegible] مظفر جنگ [illegible] تھے۔

سید [illegible] خاندان [illegible]
[illegible] جنگ [illegible]
[illegible] نواب [illegible] جنگ [illegible]
[illegible] مظفر جنگ کی ڈیوڑھی [illegible]
[illegible] بہادر جنگ موجود ہیں۔

مظفر جنگ بہادر عالم فاضل [illegible] سخی ادیب مرنجاں مرنج بزرگ تھے [illegible] بہت ہی [illegible] سے بڑے پرخلوص ہو کر ملتے تھے [illegible] مظفر جنگ [illegible] نواب [illegible] مظفر جنگ کی ڈیوڑھی [illegible] تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ادب، شعر [illegible] نواب صاحب [illegible] سرخ و سفید رنگ [illegible] بہت [illegible] دلچسپی [illegible] بہت مختصر [illegible] یہاں حاضری دیتے تھے۔

ڈیوڑھی کے [illegible] مسند بچھی ہوتی اس پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے نواب صاحب بیٹھتے اطراف حاضرین اپنی اپنی حیثیت کے مطابق بیٹھ جاتے [illegible] حسب مراتب بعض کو سرفراز ہوتی [illegible] سب لوگ بے تکلف پان کھاتے حقہ پیتے اور باتیں کرتے مگر اس بے تکلفی میں بے ادبی کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ ادب آداب ہمیشہ پیش نظر رہتا۔

خاندان کے کتابی ذخیرے کے علاوہ خود نواب صاحب نے بہت زیادہ کتابیں جمع کی تھیں دو کمرے کتب خانے کے تھے جس میں ہزاروں کتابیں تھیں اور بیشتر قلمی [illegible] خود نواب صاحب کو تصنیف و تالیف کا شوق تھا کم از کم پچاس کتابیں خود انھوں نے لکھی تھیں جو اپنے دوستوں کو سنایا کرتے [illegible] ان کی ڈیوڑھی میں کبھی کوئی بات بیکار نہیں تھی ہمیشہ علمی [illegible] گفتگو ہوتی رہتی تھی۔
علاوہ خاندانی جاگیر اور منصب کے عہدہ "صدر الصدور" سے بھی سرفراز تھے اور غالباً صدر المہامی (وزارت) امور مذہبی اسی عہدے کا ضمیمہ تھی۔
اس وجہ سے سارے علماء یہیں جمع ہوا کرتے تھے۔ طالب علموں سے نواب صاحب کو بڑی دلچسپی تھی ان کی بہت مدد کرتے تھے۔ مدرسہ منصب [illegible] میں ایک لڑکا جماعت منشی میں میرے ساتھ پڑھتا تھا یکایک اس نے مدرسہ چھوڑ دیا چونکہ تیز اور ذہین لڑکا تھا اور مجھ سے خاص دوستی ہو گئی تھی اس لئے میں نے اس کا پتہ چلایا اور اس کے مکان پر جا کر ملاقات کی اور مدرسہ نہ آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ اس کے والد نے یکایک انتقال کیا ہے اور چونکہ وہ ملازم تھے اور انہی کی تنخواہ پر خاندان کی گذر بسر تھی اس لئے اب کوئی ذریعہ معاش خاندان کا نہ رہا اور اس کی والدہ چاہتی ہیں کہ وہ اپنے باپ کی جگہ نوکری کرے اس لئے اس نے تعلیم چھوڑ دی ہے۔

یہ حال [illegible] حیثیت ... اور میں نے اسے ... کے ساتھ لے لیا اور نواب صاحب کے پاس لے جا کر پیش کیا میں نے حالات سنائے تو نواب صاحب بہت متاثر ہوئے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس لڑکے کی ماں کی طرف سے ایک درخواست ... کی طرف سے درخواستیں ... اور ... کہ ایک مرتبہ مشی ناظم تعلیمات کے نام لکھ دی کہ اس لڑکے کے نام وظیفہ ... جاری کر دیا جائے ... جب وہ رخصت ہونے لگا تو پچیس روپے نقد مرحمت فرمائے اور تسلی دلاسا دیا اور فرمایا کہ کل سے مدرسہ جایا کرو۔ تمہاری بہنوں کے نام اور تمہارے نام جو وظیفہ ہوگا ان سب کی مجموعی رقم تمہارے والد کی تنخواہ کے برابر ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس لڑکے نے ... کے ساتھ منشی فاضل کامیاب کر کے تعلیمات میں ملازمت کرلی اور جلد ہی صدر مدرس و ہیڈ ماسٹر بھی ہو گیا۔

مولوی عبدالجبار خاں آصفی امر پیٹ کے گھر کے سامنے ایک بوڑھا دھوبی رہتا تھا اس کی بڑھیا درزن آنکھوں سے معذور تھی وہ دھوبی مرگیا تو مولوی صاحب نے ... سامنے ہی نواب صاحب سے عرض کیا نواب صاحب نے درخواست پیش کرنے کے لئے فرمایا دوسرے روز مولوی صاحب نے بڑے ... سے درخواست لکھائی اور خود اس پر تصدیق کی اور پانچ روپیہ ماہوار تنخواہ کی سفارش بھی لکھی اور بھی کر دیا اور ... کر دو۔ میں نے پیش کیا تو درخواست پڑھ کر نواب صاحب نے دس روپیہ ماہوار کی اجرائی کی تجویز کی اور دوسرے مہینے ہی سے تنخواہ جاری ہو گئی۔

نواب صاحب کے انتقال کے وقت کئی صاحب زادے تھے، نواب محب اللہ خان جو علی رضائی کے نام سے مشہور ہوئے تھے علم دوست اور ادب نواز اور اچھے شاعر تھے مگر طبیعت میں لاابالی پن تھا ... رہتے تھے ... ایک ماہوار کی مجلس ... سے ایک ماہنامہ "تحفہ" بھی نکالتے رہے جو ایک آدھ سال سے زیادہ نہ چل سکا۔ آخر میں علی رضائی نے ترک ملازمت کر دیا تھا اور تقریباً گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

نواب صاحب کے دو اور صاحبزادے نواب سردار جنگ اور نواب قادر جنگ ان کے انتقال کے وقت کم سن تھے۔ بعد کو تحصیل تعلیم کی غرض سے یورپ گئے اور بیرسٹری کی سند لی، سردار جنگ بہادر اب مجسٹریٹ ہیں اور قادر جنگ بہادر نے ... کم ... رہ کر وظیفہ (پنشن) لے لیا ہے۔

مرحوم کی کتابیں نہ تو علی رضائی نے چھپوائیں اور نہ سردار جنگ اور قادر جنگ نے، معلوم نہیں مسودے باقی بھی ہیں یا تلف ہو گئے۔

حیدرآباد میں مرحوم ہی جو کام کرتے اور بحز ب اخلاق حرکات ہوتی تھیں ان کے سد باب کی طرف سب سے پہلے نواب صاحب ہی نے قدم اٹھایا اور مکہ مسجد میں شعبین کے خاص اور خاص خاص ایام میں نمازوں اور وعظوں کا بندوبست بھی شروع کیا، اصلاح میں واعظین مقرر کئے اور حیدرآباد کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانے کی طرف توجہ کی مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا شرک و بدعت کو ابھی عمر دی گئی تھی اس لئے نواب صاحب کی عمر کم ہو گئی اور انھوں نے ایسے وقت انتقال کیا جب کہ حیدرآباد کو ان کی شدید ضرورت تھی۔ اس خاندان کا علم و فضل انہی کے ساتھ ختم ہو گیا۔

فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

انواراللہ خان

مولانا انواراللہ خان المخاطب بہ فضیلت جنگ بہادر مرحوم حیدرآباد کے قدیم علماء میں سے تھے۔ آپ کا خاندان علمی دکنی تھا اور مشہور بزرگ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری قدس سرہٗ سے آپ کے خاندان کا تعلق تھا۔ بلحاظ فضیلت و علمیت حیدرآباد میں کوئی عالم آپ کا ہم پایہ کا

[illegible] آپ [illegible] اور جو اس کی [illegible] دیتا تھا۔ آپ کو [illegible] آپ [illegible] اور امانت آپ [illegible] ہی [illegible] آپ ہی [illegible]۔

آپ [illegible] نظامیہ [illegible] ہو رہا ہے "مجلس اشاعت العلوم" کی بنیاد آپ ہی نے [illegible] کی خاطر [illegible] نظامیہ کی قیام [illegible] اور اپنی ساری توانائیاں اس کے لئے صرف کر دیں۔ [illegible] نے بھی اس [illegible] کا آغاز [illegible] سمجھا۔

[illegible] ملے اور [illegible] میں [illegible] کرتے تھے۔ چنانچہ [illegible] بھی انہوں نے [illegible] اس لئے [illegible] ہے [illegible] تھے۔ [illegible] کہ [illegible] میں [illegible] جو [illegible] تھا اس کے ساتھ ہی [illegible] تعلیم بھی [illegible] ہے چنانچہ [illegible] نظامیہ [illegible] تھا اب خود [illegible] جہاں [illegible] ہو [illegible] ہیں [illegible] جامعہ [illegible] رکھا گیا [illegible] اس [illegible] نظامیہ [illegible] اور [illegible] العلوم [illegible] نظامیہ [illegible] ہو [illegible] سکا۔ اب بھی نظامیہ چل رہا ہے مگر اس کا معیار [illegible] جا رہا ہیں۔

مولانا [illegible] نے مجلس اشاعت العلوم کی بنیاد رکھی تھی۔ اس مجلس سے [illegible] کی کتابیں [illegible] کی کتابوں کی اشاعت بھی [illegible] اور یہ کام نسبتاً نظامیہ کے زیادہ [illegible] رہا۔ مولانا نے [illegible] سلسلہ بنایا [illegible] اس کے علاوہ فتنۂ قادیانیت کے خلاف بھی مولانا نے کئی کتابیں [illegible] برتی ہیں اور دوسرے علوم و فنون پر [illegible] ہے۔ بہرحال عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں بہترین کتابیں اس مجلس نے شائع کیں [illegible] مولانا کا رہا۔

ان علمی کاموں کے علاوہ مولانا نے امور مذہبی کے دفتر میں "مجلس المعارف" بھی قائم کروا دیا تھا اور اہل خدمات شرعیہ قاضی، خطیب، ملا وغیرہ [illegible] مساجد، موذنین وغیرہ کے لئے نصاب تعلیم مقرر کر کے امتحان بھی مقرر کرا دیا تھا جس سے [illegible] کے مذہبی لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے مگر بدنصیبی سے نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ مولانا کے بعد محکمہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جن کو ان باتوں سے دلچسپی ہی نہ تھی۔

میرے والد مرحوم سے مولانا کے مراسم بہت قدیم اور پرخلوص تھے جس کی وجہ سے مجھ پر بڑی شفقت و عنایت فرمایا کرتے۔ علاوہ ازیں جب بھی حاضر خدمت ہوتا مجھ سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ مخاطبت فرماتے چونکہ میں بچپن ہی سے شعر و سخن کا ذوق رکھتا تھا اور ان کا کلام مجھے بہت یاد تھا اس لئے مجھ سے فرمائش کر کے شعر سنتے اور اگر کوئی اچھا ہوتا تو اپنے شعر بھی مجھے سناتے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ عالم شاعر نہیں ہو سکتا، معاف کیجئے میں نے غلط لکھ دیا ہے "عالم شاعر نہیں ہوتا" اگر وہ شعر کہنے لگے تو شاعر ضرور ہو جاتا ہے مگر شاعری کی روح غائب ہو جاتی ہے اور صرف موزونیت باقی رہ جاتی ہے خصوصاً عربی ادب کا ماہر اور عربی شعر کا واقف کار ہو اور اردو زبان میں شاعری کرنے لگے تو پھر موزونیت کی بھی خیر نہیں ہوتی۔ موزوں اردو شعر بھی عربی شعر کی تقطیع اس طرح سناتا ہے کہ ناموزوں معلوم ہونے لگتا ہے، چنانچہ یہی کیفیت میں نے مولانا میں محسوس کی۔ مولانا کا پایہ علم میں بہت بڑا تھا۔ عربی ادب پر بھی خاصا عبور تھا اسی وجہ سے طبیعت میں ایک قسم کی [illegible] شاعری کے

منافی تھی اس میں شک نہیں کہ مولانا صاف صاف سب عیب شریک تھے مگر کلام موزوں ضرور ہوتا تھا [illegible] باوجود اس علم و فضل کے مولانا تقریر میں کوئی خاص بات پیدا نہ کر سکے اور نہ تازہ [illegible] ہو جاتے پر گفتگو ختم فرما دیتے۔ ایک دفعہ میرے سامنے ایک شخص نے کچھ پوچھا اور مولانا اس کا جواب دینے لگے تو اس نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے ایسا ہے تو مولانا نے خاموشی اختیار کی پھر اس نے بحث کا کر فرمایا مگر کوئی بات ہی نہیں کی اور [illegible] مخالف کو چپ کرانا، بحث و مباحثہ، مناظرہ کرنا ان کی طبیعت کے خلاف تھا۔ نہایت متین، خاموش اور نہایت سادہ [illegible] علم کو اس طرح سے تحریر فرماتے کہ پڑھ کر جی خوش ہو جاتا تھا، تحریر زیادہ شگفتہ نہ تھی مگر صاف اور مدلل تحریر ہوتی تھی۔

بدنصیبی سے ایک جماعت حیدرآباد میں ان کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی اس سلسلے کے خلاف خاصا پروپیگنڈا ہوا اور بعض [illegible] الزام لگائے گئے اور مشہور کیا گیا کہ مولانا نے ائمہ متقدمین کے خلاف فتوے دئے ہیں مگر یہ سب غلط تھا۔ مولانا نہایت محتاط اور [illegible] پابند بزرگ تھے۔

میں نے مولانا کی شاگردی باقاعدہ نہیں کی ہے مگر بیشتر فائدہ اٹھایا ہے چنانچہ جب کبھی حاضر خدمت ہوتا کوئی نہ کوئی بحث چھیڑ دیتا پوچھ بیٹھتا اور مولانا اس پر تفصیل سے بیان فرما دیتے اس طرح میرا سبق بن کر پڑھ جاتا۔

بدقسمتی سے ان کے بعد کوئی خاص ہستی نہ نکل سکی جو اس دارالعلوم کا نام روشن کرتی ورنہ جامعہ نظامیہ [illegible] تفصیل سے [illegible] محمد بادشاہ حسینی [illegible] سید بادشاہ قادری، سید رشید پاشاہ، قاضی مفتی اشرف علی وغیرہ نسبتاً مولوی رکن الدین اور دیگر معروف [illegible] نکلے مگر جس طرح دیوبند مولوی شبیر احمد، مولوی حبیب اور ندوہ مولانا سید سلیمان، مولوی معین الدین، مولوی عبدالسلام [illegible] پر ناز کر سکتا ہے نظامیہ کسی کو پیش کر کے اظہار افتخار نہیں کر سکتا۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ ملک کی بدنصیبی ہے ورنہ مولانا کی نیک نیتی میں کوئی کلام نہیں [illegible] تن من دھن سب نظامیہ کے لئے نثار کر دیا اور چونکہ وہ خود پرانے سلف کے بزرگ تھے اس لئے اسی طرح کا مدرسہ قائم کر دیا ان کے بعد نظامیہ کے کارپردازوں کو زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے روش بدلنی چاہئے تھی مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

عبدالجبار خاں آصفی

مولانا عبدالجبار خاں آصفی کا خاندان رام پوری تھا اور مولانا رام پور ہی سے حیدرآباد آئے تھے، پرانی وضع کے عالم اور متقی بزرگ تھے، مولانا حالی اور مولانا شبلی ان کے معتقد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جید عالم اور مستعد طالب علم تھے، کسی کو خاطر میں لاتے نہ کسی سے دبتے تھے علم و ادب میں بھی پہلوانی فرماتے تھے، مغلپورہ ہی میں میرے مکان کے قریب رہتے تھے۔ والد مرحوم سے بھی دوستی تھی اور میرے خاندان کے بیشتر افراد سے محبت و مروت تھی اس لئے مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔ ایک روز میں کتاب بغل میں دابے ان کے مکان کے سامنے سے جا رہا تھا۔ یہ گھر سے نکلے تو میں نے سلام کیا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا فلاں صاحب کے پاس۔ کہنے لگے کیا لے جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا ظہوری ہے۔ فرمانے لگے بے وقوف وہ صاحب تجھے ظہوری پڑھا سکیں گے؟ اب وہ خود پڑھ سکیں گے مجھ سے کس بے وقوف نے کہا کہ اس جاہل سے پڑھے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا فرمانے لگے کل سے میرے پاس آیا کرو۔ چنانچہ دوسرے روز سے میں نے باقاعدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ فارسی کا ایسا طیار عالم میری نظر سے نہیں گزرا۔ ایک دریا تھا جو رواں تھا۔ اس خوبی سے پڑھاتے کہ بغیر یاد کئے سبق ذہن نشین ہو جاتا اور لغات اس عمدگی سے حل کرتے کہ پھر ذہن سے نہ اترنے پاتے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آصفی صاحب ستر [illegible]

[illegible] ہمیں [illegible] ایسا معروف [illegible] وقت نکل [illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] مسلسل تین غزلیں لکھیں گے۔ [illegible]

[illegible] اگر نصیبی سے کوئی شاعر [illegible]

[illegible] کا بہت شوق تھا [illegible]

[illegible]

[illegible] حافظ نے اس [illegible]

[illegible] غزل کسی کی غزل [illegible]

[illegible] ایک ہزار صفحات مرتب فرمایا ہے جو شاعری اور [illegible]

[illegible] جو فارسی ہی کی طرح [illegible] تھی۔

[illegible] ایک [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے اس [illegible]

مولانا شبلی نے تاریخ دکن [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بہت [illegible]

[illegible] کی اصلاح [illegible]

[illegible] غزل کے پرچے اتار دیئے۔ جب یہ اصلاح شدہ غزل انہیں [illegible]

[illegible] کے پاس بھجوا دیں [illegible]

[illegible]

ہے عقیدت کی اور بڑی مشکل سے انہیں منایا۔

تمکین نے انہیں بہت [illegible] اور مقطع میں ان کی تعریف کر دیتے ہیں

[illegible] غزل کے سامنے آصفی کی غزل [illegible]

سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ [illegible] جب خفا ہونے [illegible]

[illegible] ہو جاتے اور جب غصہ رفع ہو جاتا تو صاف بھی ہو جاتے تھے۔ [illegible] طلباء کی امداد کرتے [illegible]

حاجت کی خدمت کرتے [illegible] کی خدمت بھی کرتے جاتے تھے۔

عبدالجبار خاں صوفی

مولانا عبدالحمید خاں حسرتی ملکاپوری براری ثم حیدرآبادی مدرسہ [illegible] کے ہیڈ مولوی تھے۔ [illegible] حیدرآباد کے شرفاء اور [illegible]

خاندان شاہی سے قرابت و تعلق رکھنے والوں کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب مرحوم نے بھی [illegible] میں تعلیم پائی تھی اور صوفی صاحب بھی وہیں تھے اس لئے جب کبھی وہ مطالعہ کی طرف جاتے صوفی صاحب سے ملتے رہتے تھے اور ان کے ملازم بھی ملاقات تھی۔ استاد تھے اس لئے مجھ کو مولوی صاحب کی نیاز حاصل تھا۔ مطالعے میں میرے احباب اکثر رہتے تھے جن کے ملنے میں جایا کرتا تھا اور جب مجھے ملنے فرماتے صوفی صاحب بلا لیا کرتے اور گھنٹوں گفتگو ہی کی مصروفیات کا حال سناتے تھے۔

تذکرۂ شعرائے دکن دو جلدوں میں، تذکرۂ اولیائے دکن دو جلدوں میں اور تاریخ دکن کئی جلدوں میں مرتب کی تھی۔ تذکرے تو کل چھپ گئے تاریخ دکن کی ایک ہی جلد طبع ہو سکی۔ مرحوم کو کام کرنے کا بے حد شوق تھا اور بڑا سستا کام کر کے کارسے وہ داد حاصل کرتے تھے۔ اس لئے وہ چند کتابوں کو سامنے رکھ کر اور چار چھ آدمیوں کے حالات حاصل کر کے تذکرے مرتب کر دیتے تھے اور انہیں سرکار میں پیش کر کے ہزاروں روپیہ ان کی چھپائی کے لئے بھی حاصل کر لیا تھا اس طرح خوب فائدہ اٹھایا۔

بڑے شوقین، پسندیدہ اور بڑے خوش فہم کے بزرگ تھے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے میاں! تصنیف و تالیف بڑی مشکل چیز ہے۔ خون جگر کھانا پڑتا ہے تب کہیں کتاب لکھی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا قبلہ ایسی کتاب جیسی کہ آپ نے شعرائے دکن لکھی ہے حکم ہو تو ایک ہفتے میں مکمل کر دوں۔ یہ سن کر بہت خفا ہوئے۔ میں تو بھاگ کھڑا ہوا مگر آپ نے فوراً مولوی خانی الدین احمد جو بعد کو خانی یار جنگ ہوئے ہیں سے شکایت کی۔ کیونکہ یہ بزرگ بھی ان کے شاگرد و شیدا معتقد کے اسکول فیلو تھے انہوں نے میری خوب خبر لی اور مجھے صوفی صاحب کے پاس بھیج کر باقاعدہ معافی منگوائی۔

نایاب کتابوں کے متعلق ہمیشہ فرماتے کہ میرے پاس موجود تھیں طغیانی میں تلف ہو گئیں۔ ۱۹۰۸ء میں حیدرآباد کی موسیٰ ندی میں ایک زبردست سیلاب آیا تھا جس میں اکثر مکانات برباد ہوئے اور صوفی صاحب کا مکان بھی شاید گر گیا تھا۔

الغرض مولوی صاحب کے قول و نظر آدمی قابل تھے عربی فارسی کے فارغ التحصیل تھے اردو کا مطالعہ بھی اچھا تھا۔ شعر گوئی کا شوق بھی تھا مطالعہ بھی اچھا تھا۔ معلومات نہایت اچھی تھیں۔ بڑھاپے کے باوجود حافظہ نہایت ہی اچھا تھا اور ہر بات بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے۔ حیدرآباد کے بڑے بڑے لوگ مثلاً نواب تلاوت جنگ صدر المہام مال، نواب عزیز جنگ ناظم کروڑگیری، نواب خانی یار جنگ، انسپکٹر جنرل تعلیمات وغیرہ ان کے شاگرد تھے جن کی شاگردی پر مولوی صاحب ناز فرمایا کرتے تھے۔

مولوی صاحب کا اصل کارنامہ تاریخ دکن ہے۔ دکن کی تاریخ کا مواد نہایت مبہم اور منتشر ہے مگر مولوی صاحب نے بڑی محنت سے اسے فراہم کیا اور بڑے ہی سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ چونکہ میں بھی تاریخ کا طالب علم ہوں اور تاریخ دکن میرا موضوع ہے اس لئے ان کی محنت کا اندازہ میں نے اچھی طرح کیا ہے۔

مختصر یہ کہ مولوی صاحب بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے اور اپنے زمانے کے قابل لوگوں میں سے تھے۔ بیس پچیس کتابوں کے مسودے مولوی صاحب نے چھوڑے ہیں مگر ان کے ورثاء نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

حکیم وحیدالدین حالی

حیدرآباد سے سینکڑوں صاحبانِ فضل نکلے جن میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر حکیم وحیدالدین حالی ہیں۔ اتفاقاً حکیم صاحب مرحوم اور ہم دونوں ہم وطن ہیں اس لئے ہمارے گھرانے سے دیرینہ مراسم تھے اور دوستی رہی تھی کہ میرے [illegible]

[illegible]

...ستول بھی حکیم صاحب کے ساتھی تھے اس سلسلے میں بھی نیاز حاصل رہا ہے۔

بعد میں حکیم صاحب نے بتایا کہ گاہے گاہے ملک بھی ان سے ملنے آتے تھے مگر وہ بہت زیادہ بڑے ہی غریب تھے یہی تعلق کا سبب تھا۔ ان کی اخلاقی حالت کا یہ عالم تھا کہ شاعر ہونے کے باوجود یہاں بھی صوفیانہ طبیعت ان کی قدرت تھی بڑے بڑے تاجر سے بات کرنے سے گھبراتے تھے ... ہمیشہ سے الجھے الجھے رہتے طبیعت کا یہ حال کر کے

وہ آپ پالی بھائی حسن شہ ری بھی ٹیڑھ بیٹ تھی

سر سید محمود کا جواب لکھتے ہوئے انہوں نے متنبی کی چند یاد رکھیے۔ بھی صاحب قصیدہ ہوئی۔ لیتے ہوئے ان کی طرف وہ حقیقی کر مجموعہ سے خوش ہو کے بارش اور ذہین تھے۔

مسعود الملک عربی شہرت کی ایک نہایت عالم اور قابل بزرگ تھے۔ عوام اور یادوں میں شرکت یہی تھی اور تعلیمات وغیرہ میں یکتا شمار ہوتے تھے۔ حضرت جعفری علی خان جلیل صاحب علی خان شاہ دکن نے استاد نے ان کو اعتماد ہے کہ عربی، فارسی میں بھی نظیر آپ نے شیخ حمید الدین حالی کے سامنے ان کا چراغ ہی نہ جلتا تھا۔ عربی شعر میں شعر و ادب میں عربی کو آگے اہل زبان سندھ سے آگے تھی۔ اور یہاں میں فارسی کی شمع کی تھی اور ... خاص یہ کہ مادری زبان فارسی تھی بخلاف ان کے حالی نے ہندوستان میں عرب سے تعلیم کی تھی اور نہ حالی عرب کی سرزمین پر گئے تھے طبعی مناسبت سے حالی کو کوشش اور ذہانت کی وجہ سے عربی ادب اور خصوصاً عربی شعر پر ایسے حاوی تھے کہ عربی شعر کی تک چھپ کے مرتب تھے۔

حالی کے فرزند حکیم نظام الدین صاحب نے بعض قصیدہ عربی شعروں کے چند خطوط شائع کئے ہیں۔ کاش حالی کے عربی اور فارسی دونوں اشاعت ہو جاتی تو بڑی خاتمی را نے یہ ہے کہ حالی کے جیسا عربی کا شاعر ہندوستان میں تب پیدا نہیں ہوا۔ یہ اصل تعلق خیز تھی کہ

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہ حال عربی کا تھا۔ فارسی میں بھی خوب شعر کہتے تھے خصوصاً نعت بہت کہی ہے مگر افسوس ہے کہ فارسی کلام بھی شائع نہ ہو سکا۔

طب میں بھی غیر معمولی مہارت تھی تشخیص بڑی باریکی کرتے تھے اور نسخہ نویسی میں بھی کمال تھا اور بہت سوچ سمجھ کر علاج کرتے تھے طبیب کی حیثیت سے ملازم تھے اور باقاعدہ مطب بھی کرتے تھے۔ عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو حالی کی پیدائش سے شعبۂ طب ہوا۔ ابھی یہ عہدہ بھی حاصل نہیں کیا تھا کہ انتقال ہو گیا۔ عمر بمشکل پچاس برس کی کہ دنیا سے منہ موڑ لیا۔

عجیب و غریب بزرگ تھے۔ فنا فی العلم تھے کھانے پینے اور پڑھنے کا شوق خلق تھا صرف مطالعہ ان کا مشغلہ تھا جو کتاب پڑھتے اس پر نوٹ ضرور کیا کرتے۔ چنانچہ والد کے کتب خانے میں بیشتر کتابیں ایسی تھیں جن پر حالی کے نوٹس تھے۔

ایک دفعہ والد کو درد گردہ ہو گیا اور بڑی تکلیف ہونے لگی حکیم محمود ہمدانی کا علاج ہو رہا تھا۔ مجھ سے راستے میں [illegible] شمس نے عرض کیا کہ والد عثمان آباد سے بیمار ہو کر آ گئے ہیں۔ درد گردہ ہے اور محمود ہمدانی کا علاج ہے۔ سن کر خاموش ہو گئے۔ دوسرے روز صبح تشریف لائے نسخہ ملاحظہ کیا نبض دیکھی۔ تارروا رکھنے کے لئے کہا اور جوشاندہ جو اچار کا تھا پھینکوا دیا خود گھر جا کر دوا بھجوائی۔ دوسرے ہی روز سے تکلیف کم ہونے لگی اور ایک ہفتے میں صحت ہو گئی۔

مشہور ہے کہ حالی مفت دوا نہ دیتے تھے مگر میں نے ہمیشہ ان سے دوا مفت لی ہے۔ کبھی مجھ سے دوا کی قیمت نہیں مانگی اور دوا دینے سے انکار کیا البتہ کتاب انہوں نے مجھے بھی نہ دی کئی دفعہ میں نے بعض کتابیں مانگیں مگر وہ ٹالتے رہے نہ تو صاف انکار کیا اور نہ کتاب دی۔

مولانا صاحب کی اصلاح سے آتے تو حالی سے ملتے ہوئے جاتے اور ان ہی حالی کے پاس گذرتا تھا اس کے بعد سیدھے روز حالی مطب سے چلے گھر جاتے اور شام تک یہیں ٹھہرتے۔ مولانا کو عربی سے شغف نہ تھا اس لئے فارسی شاعری ہی موضوع بحث ہوتی اور دونوں ایک دوسرے کو اپنا اپنا فارسی کلام سناتے تھے۔ مولانا فارسی بھی کہہ لیتے تھے مگر حالی کی شاعری سے ان کی شاعری کو کوئی نسبت نہ تھی۔ ان کا سرمایۂ فارسی بیس پچیس غزلوں سے زیادہ نہ تھا اور حالی کا یہ حال تھا کہ ایک ایک نشست میں تیس چالیس غزلیں سنا دیتے تھے مگر قصیدوں سے وحشت اور ایک دو مصرعے کے اشعار کی ملی کمال کر ڈالتے تھے۔

حالی کے انتقال سے دو ایک مہینے پہلے کا قصہ ہے کہ حالی صبح صبح تشریف لائے اور شام تک مطب ہی میں رہے … پھر مولانا سے فرمائش کی حالت نے ایک نئی غزل سنائی۔ اس شعر پر حالی پھڑک گئے اور بہت دیر تک داد دیتے رہے ۔

بردہ جفائے آسماں خوف بقیہ روز لحد

وائے بہشت آستاں چون چنان زمین زمین

ہندوستان میں عربی کا ایسا شاعر کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ پیدا ہوگا۔ کاش بھائی حکیم نظام الدین صاحب ان کا عربی کلام چھپوا دیں اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہندوستان نے بھی عربی شاعر پیدا کئے ہیں۔

قطب الدین فاضل

[illegible] مرحوم حیدرآباد صرف دو ہی آدمیوں کو پیش کر سکتا تھا جن کی لیاقت مسلم اور اس کا احسان حیدرآباد پر تھا: وہ دونوں حکیم حمید الدین صاحب اور حکیم قطب الدین محمد علی فاضل تھے۔

قطب الدین صاحب کا خاندان حیدرآباد کا قدیم خاندان تھا۔ ان کے دادا بھی قطب الدین ہی تھے جو بارگاہ کے خاص لوگوں میں سے تھے اور ان کے والد غیاث الدین بھی بڑے ہی پایہ کے بزرگ تھے جو ہمارے خاندان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ غیاث الدین صاحب کے تعلقات اور … بہت تھے مگر جب … محمود علی شاہ سے بیعت ہوئے تو تعلقداری سے اپنے بڑے بیٹے قطب الدین کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ اور پیری مریدی شروع کر دی۔ نواب غیاث الدین خاں سے غیاث الدین شاہ ہو گئے اور مرتے دم تک اسی وضع پر قائم رہے۔ غیاث الدین شاہ … میری پھوپھی بیاہی گئی تھیں اس لئے قطب الدین میرے پھوپھی زاد بھائی ہوتے تھے اور میرے والد ان کے ماموں تھے مگر عمر کی یہ تھی کہ بھانجے ماموں سے تین سال بڑی عمر کے تھے اور قطب ہم وطن رہے اس لئے قطب الدین میرے والد کو … کے بجائے … پکارتے تھے۔

قطب الدین حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کیا پھر طب اور انگریزی کے امتحان بھی دئے۔ ان دنوں حیدرآباد میں جتنے بھی امتحان ہوتے سب میں کامیابی حاصل کی۔ پڑھنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان دنوں طب عربی اور فارسی دو زبانوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ طب کا امتحان دیا تو ایک پرچہ ایسا نفیس حل کیا کہ ممتحن نے درجہ اول کے نمبر دیتے ہوئے اس پر لکھی کہ … تعلق تھا پرچہ اس قابل نہیں ہے جس کے پورے نمبر دئے ہیں مگر یہ کسی ایسے طالب علم نے حل کیا ہے جو عربی کا فاضل اور زبان پر دسترس اور انشا پر حاکمانہ عبور رکھتا ہے۔ عربی … باقاعدہ اور نفیس لکھی ہے کہ میں نے کسی ہندوستانی کو ایسی عربی لکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہ پرچہ قطب الدین کو سررشتہ طبابت نے اس رائے کی وجہ سے واپس دیا نقل …

زمانہ میں بہادر شاہ ظفر کی بیٹی تھا۔ میں نے موصوف سے ان کا بیان سنا ہے۔

تصنیف و تالیف کا شوق بہت تھا کتابیں لکھنے کا شوق تھا مگر کسی کتاب کی ترتیب مکمل ہونے سے پہلے ہی مصنف بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اب صاف اردو میں بیان کرتے تھے۔ آخر میں بادشاہ میں قطب الدین صاحب جیسے پر ستم ہو گئے تھے۔ انگریزی تعلیم پر سادہ زبان لکھنے لگے تھے۔

قصیدہ اور دیوان پر ایک دفعہ حضور کی توجہ ہوئی تو ہیں جب شعر پڑھتے تو بادشاہ حکم کرتے۔ یہ دفعہ یاد ہے۔ ذکر کر سکتا تھا تو بیگم وحید الدین حالی کا انتقال ہوا تو ان کی بہت محبت تھی اور جب وہ مرے تو بہت پسند کرتے تھے۔ یہ خاص شاعر کی تھی ایک دفعہ سنا کہ آپ شعر سے پوچھا کہ آپ جیسے بہت سے ذکر کرتے ہیں تو سعدی نے کہا ہے بہت سے عالم ہیں مگر قطب الدین سب سے زیادہ ہیں۔ یہ سن کر حضور نے یاد فرمایا اور یہ بات بہت مشہور ہو گئی ہے۔ حضور نے فرمایا قطب الدین ذکر میں عادت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں ان کا بیان سنا ہوں تو عرض کیا ہوا کہ بادشاہ کا حکم ہے قطب الدین خاص اس وقت تک صاف اردو نہیں پڑھتے تھے، بادشاہ نے پیر کر دیا ہے میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔ حضور نے دیا میں قطب الدین خاں سے کہہ دو کہ عرض کیا۔ وہ حکم کی تعمیل میں ان کی جانب توجہ دیں گے مگر نماز ادا نہیں کر سکیں گے۔ اس جواب سے حضور کچھ متاثر ہوئے مگر مسکرا کر فرمایا اچھا بادشاہ ہیں۔ چنانچہ قطب الدین نے بادشاہ سے [illegible] عمر پا کر ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

بیماری کی اطلاع جب ان کے والد کو دی گئی تو انہوں نے صبر و استقلال سے کیفیت سنی اور جنازہ ساتھ لے جانے کے لیے کہا کہ جنازہ میں ساتھ ہوں اور قطب الدین صاحب نے حکم دیا کہ ان کے مکان میں منتقل کیا تھا۔ جب جنازہ ساتھ لے کر چلے ایک جگہ لایا گیا اور غیاث الدین شاہ صاحب کو اطلاع دی گئی تو وہ اٹھ نہ سکے۔ بہت جب ضعیف ہیں تو کچھ عمر بھی تھی۔ جب وہ اٹھ سکے اور ہمیں ہی انہیں سہارا دے کر اٹھانا ممکن نہیں ہے مرد چودھری شہاب الدین اور عبدالکریم جیسے جانثار ان کو سنبھال نہیں کر سکے۔

بری اطلاع پا کر بیٹھ جانا بہت ضرور تھا لیکن نہ تھا مگر بیٹی اور آخر بار کر بیٹھتی ہوئی نظر آئی۔ غیاث الدین شاہ صاحب کی واقعی کمر بیٹھ گئی تھی مگر دل قوی وہ زندہ رہے مگر چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے۔

قطب الدین صاحب مجلسی حیثیت سے زیادہ دلچسپ نہ تھے باتیں اکثر و بیشتر کرتے۔ باتیں کرتے کرتے اپنی دھن میں کھو جاتے اور جھول جھول کر باتیں کرتے جس طرح کہ پرانے مکتبوں میں لڑکے جھول جھول کر پڑھا کرتے ہیں غالباً یہ جھولنے کی عادت انہیں مکتب ہی سے ہو گئی تھی۔

حافظہ غیر معمولی قوی تھا۔ بچپن کی پڑھی ہوئی کتابیں تک از بر تھیں اور بے تکلف سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے پوچھا کیا پڑھتے ہو؟ میں نے جواب دیا سکندر نامہ۔ پوچھا بحری یا بری؟ مجھے معلوم نہ تھا کہ سکندر نامے بحری اور بری الگ الگ ہیں۔ میں نے کہا جو نظم میں ہے۔ تو کہا میاں یہ دونوں ہی نظم میں ہیں۔ تم جس سکندر نامہ کو پڑھ رہے ہو اس کا کوئی شعر سناؤ۔ میں نے شعر سنایا ؎

شنیدم ز پیران دیرینہ سنج

کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج

شعر سن کر کہا یہ سکندر نامہ بری ہے۔ پھر آپ نے سکندر نامے کے شعر سنانے شروع کیے اور تقریباً ڈھائی تین سو شعر ایک سانس میں سنا دیے۔ چند شعر جو میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے میں نے بتائے تو انہیں سمجھا دیا۔

عربی قصائد، فارسی قصائد اور غزلیات اور اردو کلام کا خاصا ذخیرہ موجود ہے، بعض قصائد اور نظمیں چھپی بھی مگر اشاعت محدود ہوئی ہے
میر حامد علی خان ابوالمعانی، ڈاکٹر سیادت علی خان، ڈاکٹر ولی الدین خان ان کے فرزند ہیں۔

قطب الدین صاحب کی کتابوں میں سے شرح شرح المحمدی بہت مشہور اور مقبول ہوئی قانونی کتابوں کے علاوہ ان کی دوسری کتابیں جو نہیں چھپیں۔ مسودات غالباً ان کے بیٹی صاحب کے پاس ہیں جو شاید تلف ہو جائیں گے کیونکہ اب کوئی امید ان کی طباعت اور اشاعت کی نہیں ہے۔

محب حسین

مولوی محب حسین یو۔پی کے باشندے تھے۔ ابتداً حیدرآباد آکر افسر جنگ کے توسط سے فوج کے دفتر میں ملازم ہوئے اور زمانہ کی لڑکیوں کو پڑھاتے بھی رہے۔ آدمی معقول، تہجد پڑھنے والے اور وضع دار تھے حیدرآباد میں بہت جلد مقبول ہو گئے۔ پردے کے خلاف تھے اور شدت کے ساتھ پردے کی مخالفت کرتے تھے، چونکہ ان کی دونوں صاحبزادیاں میری والدہ مرحومہ کے ساتھ پڑھتی تھیں اس لئے ہم لوگوں سے خاصے مراسم تھے۔ مہینے میں ایک دو بار یہ لوگ ہمارے گھر آتے اور ہم بھی ان کے گھر جایا کرتے تھے اس آمد و رفت کی وجہ سے میں بھی محب حسین صاحب سے مانوس تھا اور ان سے خوب باتیں کیا کرتا تھا۔ والد مرحوم ان کے مخالف تھے کیونکہ وہ انہیں دہریہ سمجھتے اور نیچری کہتے تھے مگر انہوں نے مجھے کبھی ان سے ملنے کی ممانعت نہیں کی۔

حیدرآباد کی مشہور خاتون صغرا ہمایوں مرزا کو محب حسین نے بہت مشہور کیا۔ اپنے رسالوں "معلم نسواں" اور "مشیر نسواں" میں ان کا پروپیگنڈا کرتے رہتے۔ غالباً محب حسین کی بے پردگی کی اسکیم پر کاربند ہونے والی حیدرآباد میں سب سے پہلی خاتون یہی تھیں۔

محب حسین [illegible] کے اچھے تھے۔ [illegible] جو غالباً بعد کو سر بھی ہوئے، کی دو بہترین کتابیں "ایرین لنگ" اور "بیرا پولانور" اردو میں منتقل کیں۔ خصوصاً یہ [illegible] بڑا نفیس ترجمہ ہے۔ مدتوں تک دو ماہنامے نکالتے رہے اور ان میں اکثر ترجمے شائع کرتے رہتے۔ حیدرآباد میں علمی [illegible] محب حسین ہی نے پیدا کی اور یہاں کے نوجوانوں میں علمی کاموں اور ادبی ہنگاموں کا شوق پیدا کیا چنانچہ حیدرآباد کے نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت ان کی وجہ سے علم و ادب کی طرف مائل ہو گئی اور انہوں نے خوب کام کیا۔ نوجوانوں میں مباحثوں اور تقریروں کا شوق بھی محب حسین صاحب نے پیدا کیا۔ ان میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بالکل غیر سیاسی آدمی تھے اور ان کی طبیعت سازش کی طرف مائل نہ تھی اس لئے اطمینان سے ساتھ حیدرآباد میں کام کرتے رہے۔

عربی فارسی خاصی جانتے تھے اردو بھی اچھی تھی۔ انگریزی پر اتنا عبور تھا کہ اردو میں ترجمہ بڑی عمدگی سے کر لیتے تھے، باتونی بہت تھے بڑی اچھی باتیں کرتے تھے۔ عبدالحلیم شرر سے بڑا انس تھا اور دونوں میں خوب چھنتی تھی۔

اس زمانے کے فیشن کے مطابق داڑھی ضرور رکھی تھی اور مولوی صاحب مشہور تھے مگر بالکل غیر مذہبی آدمی تھے۔ کئی ایک کتابیں چھپوائی تھیں اب تو ان کے نام بھی مجھے یاد نہیں ہیں۔ آخر میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے اور مرتے تک اسی حال میں رہے۔ ۱۹۲۲ء میں جب حیدرآباد گئے تو مجھ سے ملاقات کی اور رقعات محب [illegible] کی بہت سی جلدیں فروخت کرانے کے لئے مجھے دیں مگر جب ۲۵ء کے اواخر یا ۲۶ء کے اوائل میں مجھ کو آئے تو اندھے ہو چکے تھے اور دماغ بھی متاثر ہو گیا تھا۔ گلبرگہ میں ایک وکیل تھے حلیم الدین جن سے محب حسین کی ایک صاحبزادی بیاہی گئی تھیں۔ حلیم الدین کے انتقال کے بعد کچھ جائداد، مکان اور زمینیں وغیرہ ان کی صاحبزادی کے حصہ میں آئی تھی۔

[illegible] کی شادی [illegible] لگا کرتے تھے۔ اتفاق سے کبھی [illegible] ہے۔ [illegible] ۔ میں نے کہا حضرت! یہاں قاہرہ میں ایک پیغمبر ہیں جن کا اسم ہے عبداللہ اور [illegible] چونکہ [illegible] میں ہے اس لئے [illegible] آپ [illegible] عبداللہ قادری سے [illegible] [illegible] ہے۔ میں نے کہا [illegible] ہی کرتے [illegible] خود آپ بھی [illegible] ہیں [illegible] کے لئے تیار ہو رہے تھے۔

اس طرح دو ایک سال گزرے کہ [illegible] حسین نے انتقال کیا [illegible] ہے۔ [illegible] ڈاکٹر مسعود حسین [illegible] ایک بیٹے ہیں [illegible] [illegible] حسین [illegible] [illegible] حسین صاحب کی علمی خدمات [illegible] اردو کی علمی ادبی [illegible] احسان ہے۔

عزیز جنگ وِلا

مولوی احمد عبد العزیز المخاطب بہ عزیز جنگ متخلص بہ وِلا بڑے قابل بزرگ تھے۔ مولوی یوسف الدین صاحب سے بڑے اچھے مراسم تھے، موصوف کے بڑے فرزند مولوی غازی الدین احمد المخاطب بہ غازی یار جنگ چونکہ والد مرحوم کے ہم مکتب تھے اس لئے بھی ہم لوگوں سے خاص مراسم ہو گئے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں اتفاق سے غازی یار جنگ [illegible] پولیٹیکل سیکشن [illegible] ہو کر آئے، مولوی علی الدین [illegible] ناظم عدالت و مجسٹریٹ بن کر آئے اور مولوی رکن الدین احمد وہاں پہلے ہی سے [illegible] تھے اس طرح تینوں بھائی ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ ان حضرات کے قیام تک تقریباً روزانہ ملاقاتیں ہوتی تھیں اس لئے بھی [illegible] بہت قریب ہو گئے۔

عزیز جنگ بہادر کی خدمت میں والد کے ساتھ اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا، پھر تنہا بھی جانا ہوا۔ [illegible] کے بعد وِلا نے اپنی زندگی تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ایسا منکسر، ایسا سلجھا ہوا، ایسا دور اندیش، ایسا نکتہ رس حیدرآباد بھر میں کسی کو نہیں پایا۔ وِلا مدراسی تھے اور مدراس کے شریف ترین گھرانے کا تعلق رکھتے تھے۔ خاندان اپنے رکھ رکھاؤ، بود و باش، [illegible] اور وضعداری میں اپنی نظیر آپ ہے۔ وِلا اس [illegible] تھے۔ ابتداً چھوٹی سی خدمت پر مامور ہو کر ترقی کرتے کرتے اول تعلقداری (کلکٹری) تک پہنچ کر وظیفہ لیا۔ مختلف محکموں میں مامور رہے اور جس کام کو بھی انجام دیا نہایت دیانت اور خوش سلیقگی سے انجام دیا۔

تعلیم باقاعدہ ہوئی تھی، عربی فارسی کی بڑی اچھی استعداد تھی، مطالعہ بھی بڑا اچھا تھا جوانی ہی سے تصنیف و تالیف کا ذوق تھا اور [illegible] تھے چنانچہ کھجور کی کاشت سے لے کر انگور کی کاشت تک ایک ایک کتاب لکھی ہے اور ہر کتاب اپنے موضوع پر مکمل اور [illegible]

خوبی کو تاریخ گلزار آصفیہ چونکہ ایک نفیس کتاب ہے لکھ دی اس کے مقدمہ میں تاریخ گزشتہ سے متعلق کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں تاریخی حالات جمع کر کے تلخیص تاریخ، آئینہ تاریخ وغیرہ ناموں سے لوگوں نے کتابیں شائع کیں مگر فہرست تاریخ گزشتہ ۔ اس کی تاریخ پر یادداشتیں اور تاریخ بلدیہ

اس کے ساتھ ولا نے قانون مال، قانون عدالت، مصطلحات عدلیات وغیرہ پر بیسیوں کتابیں شائع کیں۔ ان کی خوش قسمتی [illegible] نے کتاب پر صلہ تصنیف دیا اور سرکاری طور پر جلدیں خریدی جاتی رہیں چنانچہ تصنیف و تالیف سے خاصا نفع حاصل ہوتا تھا۔

آصف اللغات کے نام سے ایک لغات کی ترتیب شروع کی اور [illegible] کے ساتھ چھپواتے بھی رہے اور [illegible] جلد چھپ بھی چکیں۔ یہ بڑی اچھی اور جامع لغات تھی جو اب نایاب ہو گئی ہے۔ یہ تمام کتابیں ولا نے اپنے ذاتی پریس میں چھپوائی تھیں جس کے لیے انہوں نے اپنے مکان پر ہی ایک پریس قائم کر دیا تھا۔ کاتب اور سنگ ساز بھی ملازم رکھے تھے اور اپنی نگرانی میں چھپواتے رہتے تھے۔

طبیعت میں انتظامی صلاحیت اور نفاست بہت تھی۔ سلطان پورہ میں ایک مکان اور باغ بنایا تھا۔ مکان نہایت ہی [illegible] بڑا تو نہیں تھا پھر اپنے لڑکوں کے لیے الگ الگ حصے بھی بنوا رکھے تھے چنانچہ چاروں بیٹوں کے لیے چار قطعات الگ [illegible] یہ چاروں ایک ہی جگہ رہتے تھے "موتی محل" ایک نمونے کا مکان تھا اس گھر کے زینے تک باہر نہ جاتے تھے۔ اندر [illegible] تھا جو اندر ہی زینے سے ملا تھا اور چاروں بھائی ایک ساتھ ہنسی خوشی رہتے تھے۔

ولا بہت ہی خوش قسمت بزرگ تھے ان کے صاحبزادے سب کے سب قابل اور کارآمد نکلے۔ غازی یار جنگ نے [illegible] سے انسپکٹر آفیسر کی حیثیت سے وظیفہ لیا۔ محی الدین احمد صاحب ناظم [illegible] ہوئے۔ [illegible] یار جنگ بہادر [illegible] ناظم کوتوالی [illegible] پولیس ہوئے اور اب حضور نظام کے پرائیویٹ اسٹیٹ کی کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ رکن الدین احمد صاحب [illegible] اکاؤنٹنٹ جنرل [illegible] سبکدوش ہوئے اور اب بھی حضور نظام کے پرائیویٹ اسٹیٹ میں کارگزار ہیں۔

ولا کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ عربی، فارسی، اردو زبان میں خوب شعر کہتے تھے۔ اردو کا ایک ضخیم کلیات اور فارسی کا ایک [illegible] شائع کیا ہے [illegible] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپائے مبارک بڑا نفیس نظم کیا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔

ولا نے حیدرآباد کی معلومات جمع کر کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ واقع لندن کو تحفۃً [illegible] جس کے اہل علم نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور برٹش [illegible] "شمس العلماء" کا خطاب بھی پایا تھا۔

ولا نہایت ہی وضع دار اور بات کے بڑے [illegible] تھے۔ جن لوگوں سے جس طرح ایک دفعہ مل لیتے اسے آخر تک نباہتے [illegible] جاتا اگر کوئی [illegible] کا موسم ہوتا تو [illegible] اپنے باغ کے آم بھی کھلایا کرتے تھے ورنہ مٹھائی [illegible] نام بنام ہر ایک کی خیر و عافیت پوچھتے اور پھر عام گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اپنی تصانیف بھی سرفراز کیا کرتے اور اس کے متعلق گفتگو جاننے پر خوش ہوتے تھے۔

ایک زمانے میں [illegible] کتب خانہ آصفیہ جانے کی عادت ہو گئی تھی۔ کوئی خاص کتاب مطالعہ میں نہ ہوتی تو اساتذۂ فارسی کے دواوین کا مطالعہ کرتا اور ایسے شعر جن میں محاورات یا خاص خاص [illegible] وغیرہ ہوتیں نوٹ کرتا جاتا اور ان کو جمع کر کے جب بھی حاضر ہوتا پیش کر دیتا۔ میری اس حقیر کوشش سے بہت خوش ہوتے اور مجھے دعائیں دیا کرتے تھے۔ شاید ہی ان میں سے کچھ چیزیں ان کے لئے کارآمد ہوتی ہوں گی مگر چونکہ میں محنت کر کے جمع کرتا اور ان کا خیال رکھ کر بھیجا کرتا تھا اس لئے خوش ہوتے تھے۔

ولا کی اصولی زندگی اور باقاعدگی ضرب المثل تھی اور لوگ اس پر رشک کرتے تھے۔ یہی جھلک ان کے صاحبزادوں میں بھی ہے چنانچہ [illegible] یار جنگ نے [illegible] سے زیادہ اس [illegible] حصہ پایا ہے۔

کشن پرشاد شاد

ہز ایکسیلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنت کشن پرشاد بہادر شاد [illegible] شاعر و ادیب تھے [illegible] مہاراجہ بہادر نے دولت کی گود میں پرورش پائی اور تعلیم و تربیت بھی شاہانہ طرز پر ہوئی [illegible] سے حضور [illegible] [illegible] مصاحبت حاصل رہی [illegible] کے وصال تک [illegible] حاصل رہی۔

[illegible] شاعری اور ادب کا ذوق ورثے میں ملا [illegible] شاعر و ادیب [illegible] تھے [illegible] نے دکن کو [illegible] بنا رکھا تھا۔ شاد [illegible] شیخ حفیظ [illegible] [illegible] [illegible] رہے۔

[illegible] بہادر نے بھی [illegible] سینکڑوں [illegible] کی پرورش کی [illegible] اور ہر ایک کی پرورش کرتے اور ہر ایک کو [illegible] رہتے تھے۔

[illegible] سرشار [illegible] [illegible] [illegible] فانی بدایونی وغیرہ سینکڑوں شعرا [illegible] [illegible] [illegible] کی سرپرستی اور اعانت [illegible] حقیقت [illegible] [illegible] [illegible] برکت کھانا جاوید [illegible] [illegible] [illegible] ترکی [illegible] [illegible] کی حیثیت [illegible]

[illegible] تعلیم ان کی اچھی ہوئی تھی۔ فارسی اچھی طرح جانتے تھے [illegible] انگریزی [illegible] [illegible] مہاراجہ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں [illegible] [illegible] [illegible] سفرنامہ [illegible] تصنیف فرما دیتے۔ شعر بھی خوب کہتے تھے [illegible] مشورہ [illegible] [illegible] سے مشورہ کرنے لگے۔ [illegible] کے بعد [illegible] [illegible] خود بھی مشورہ کرنے لگے۔

مہاراجہ بحیثیت انسان بڑے مکمل تھے [illegible] شخصیت [illegible] مکمل تھی۔ غرور [illegible] [illegible] میں نے ہزاروں آدمی دیکھے مگر ایسا وسیع القلب کوئی نظر آیا۔ [illegible] معذرت [illegible] معاف کر دیتے تھے۔

میرے گھر کے سامنے میر پاشا رسیوث الملک [illegible] کی ڈیوڑھی کے [illegible] میں ایک [illegible] الدین نامی [illegible] رہتے تھے، بہت ہی معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ واجبی واجبی تعلیم یافتہ تھے۔ ترکی کو اپنا اردو کا [illegible] بنایا کرتے تھے۔ ایک روز مہاراجہ کے [illegible] ملازم نے میرے پاس آکر ان کا پتہ پوچھا میں نے پتہ بتا دیا تو دس پندرہ منٹ کے بعد انہیں ساتھ لئے ہوئے آیا اور میرے سامنے دو سو روپے انہیں دے کر رسید لکھوالی اور مجھ سے گواہی بھی لکھوالی کہ میرے سامنے یہ رقم کریم الدین کو دی گئی ہے۔ کریم الدین نے رقم لینے کے بعد کہا کہ انہوں نے چھ آٹھ مہینے پہلے مہاراجہ کی خدمت میں ایک منظوم درخواست بھجوائی تھی کہ میں اجمیر شریف جانا چاہتا ہوں، زادِ راہ سے سرفراز فرمایا جائے چنانچہ اب مہاراجہ نے سرفرازی فرمائی ہے۔

چونکہ مہاراجہ اس قسم کی داد و دہش کے عادی تھے اس لئے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ دو چار روز کے بعد میں حاضر ہوا تو مہاراجہ نے بلوایا اور انہوں نے پوچھا کیا مولوی جو تمہارے گھر کے پاس رہتا ہے کون شخص ہے۔ میں نے اس کے متعلق جو کچھ جانتا تھا عرض کر دیا اور یہ بھی عرض کر دیا کہ وہ استاد ترکی کو اردو غزلیں بنا تے ہیں۔ یہ سن کر مہاراجہ بہت محظوظ ہوئے فرمانے لگے کیا ترکی صاحب اردو زبان کے بھی استاد ہو گئے۔ میں نے عرض کیا وہ ہر زبان کے استاد ہیں۔ فارسی اور اردو دونوں پر انہیں یکساں عبور ہے اور اب تو شاعروں میں اردو غزل بھی پڑھنے لگے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد مہاراجہ بہادر نے کمرے میں جا کر ایک کوئی لپیٹا ہوا کاغذ لا کر مجھے عنایت فرمایا کہ اسے دیکھ کر غلط کر دو۔ یہ ایک دو ورقہ جوڑی سائز کا تھا اور اس پر موٹے قلم سے ایک نہایت بیہودہ شعر جو مہاراجہ کے متعلق لکھا ہوا تھا جس میں بڑی غلیظ گالی تھی۔ اس شعر کو پڑھ کر میں نے غصہ کے پرزے پرزے کر دئے اور میرا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔ میری یہ حالت دیکھ کر مہاراجہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: پانچ چھ مہینے ہوئے اس شخص نے ایک تحریر بھیجی تھی کہ اجمیر شریف جانا چاہتا ہوں آمد و رفت کے لئے اخراجات پانچ سو روپے دے دئے جائیں۔ میں نے اس وقت توجہ نہیں کی۔ ڈیڑھ دو مہینے کے بعد پھر اس شخص نے ایک تحریر بھجوائی مگر میں نے اس پر بھی کوئی توجہ نہیں کی۔ اب وہ مہینے کے بعد اس نے اس طریقے سے یاد دہانی کی ہے جیسا مصرع ہے

نشاد جو کر کیوں نہ خاطر شاد کی؟

یہی کافی تھا۔ دوسرے مصرعے میں اس نے گالی دے کر ہجو کی ہے۔ یہ عام طریقہ ہے شعراء پہلے قصیدہ پیش کرتے ہیں جب نقاضا کرتے ہیں اور تب ہجو کرتے ہیں۔ اس غریب نے بھی یہی کیا۔ میں نے عرض کیا بالکل صحیح ارشاد ہوا مگر کسی شاعر نے کسی امیر کی ایسی ہجو نہیں کی ہے۔ اتنی جو ہجو فردوسی سے منسوب کی جاتی ہے وہ بھی ایسی بیہودہ نہیں ہے۔ فرمانے لگے تم ٹھیک کہتے ہو مگر وہ فردوسی تھا اور یہ کربلائی ہیں ہے

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

بعد کو جب میں نے ترکی سے یہ واقعہ کہہ دیا تو انہوں نے کربلائی کو اپنے پاس آنے سے منع کر دیا تھا اور بیشتر شاگردوں کو یہ واقعہ سنا بھی دیا تھا۔

غور فرمائیے ایک حیثیت نہ بیہودہ شخص سے ایسی گالی سن کر دو سو روپے دینا مہاراجہ کے کردار کو کہاں پہنچا دیتا ہے؟

میرے خاندان کے کسی بزرگ کی شاگردی مہاراجہ کے کسی بزرگ نے کی تھی اس کا لحاظ وہ مرتے دم تک فرماتے رہے اور میں ہمیشہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ وزارت سے علیحدہ ہونے کے بعد مہاراجہ سے جن جن لوگوں نے بے اعتنائیاں کی تھیں اور جو لوگ انہیں سلام کرنے کے بعد ان کا سلام لینے تک کے روادار نہ تھے ان سے جو جو سلوک مہاراجہ نے کئے ہیں میں بخوبی جانتا ہوں۔ صدر اعظم ہوتے ہی ان سب لوگوں نے یورش کر دی۔ صدقے اتارے، پھول پہنائے، قصائد، تہنیت، تاریخیں پیش کیں اور طرح طرح سے آمد و رفت شروع کر دی اور مہاراجہ اسی طرح ملتے رہے جیسے مدار المہامی کے زمانے میں ملتے تھے۔ بیچ کے خلا کو انہوں نے بھلا ہی دیا۔ ایسا وسیع القلب اور درگزر کرنے والا شاید ہی پیدا ہو۔

مہاراجہ میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ کبھی کسی کا دل نہ توڑتے اور جو شخص جو بھی خواہش کرتا اس کی تکمیل کا وعدہ کر لیتے اور اپنی حد تک کوشش بھی کرتے تھے۔ اپنے آپ کو انہوں نے کبھی بھی بڑا آدمی نہیں سمجھا۔ ہمیشہ اپنے تئیں حقیر، فقیر، غریب ہی سمجھتے رہے۔ خود شریف الطبع تھے اس لئے ہر ایک پر اعتماد کرتے تھے۔ ابتداً ان کی پیشی میں مولوی محمد علی (نبیرہ مولوی کرامت علی محدث دہلوی) رہے ان پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ سارا کام انہی پر چھوڑ دیا تھا ان کے دستخط دیکھ کر خود دستخط کر دیا کرتے تھے اور محمد علی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور بہت ہی اعتماد بنے رہے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے چنانچہ لال خان کوتوال نے فرضی خطوط اور جعلی کاغذات بنوا کر محمد علی کو شہر بدر کرا دیا اور وہ حیدرآباد سے پونا چلے گئے اور بعد میں احمد نگر جا رہے جہاں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوئے۔ یہ مہاراجہ کی مدار المہامی کے ...

[illegible] کی صدارت [illegible] نواب مہدی یار جنگ [illegible] کے تقرر [illegible] تشریف آوری [illegible] مہاراجہ نے [illegible]
[illegible] اعتماد کیا جتنا کہ [illegible] کرتے تھے [illegible] سے الگ ہونے کی نوبت [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] جنگ کو خاصا پریشان کیا مگر مہدی یار جنگ بہادر بھی [illegible]
[illegible] ہے۔

مہاراجہ کے انتقال کے بعد ایک کتاب مہدی یار جنگ بہادر [illegible]
[illegible] مہاراجہ کی ایک ایسی خصوصیت [illegible] ہے۔
مہاراجہ علم و ادب کی [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible] ہے۔

مہاراجہ [illegible] اور جب وہ [illegible] دینے لے گئے۔
[illegible] ایک ساتھ جایا کرتے تھے
اور [illegible] کے کھانے پر روک لئے جاتے چنانچہ ایک [illegible] لفافے میں [illegible]
سے زیادہ پچاس روپے ہوا کرتے تھے۔

۱۹۳۲ء میں مجھے مالی خسارہ ہو گیا۔ میری علالت کی اطلاع ملی تو مکان پر تشریف لائے۔ جاتے جاتے سرہانے کے تکیے کے نیچے نوٹ ایک سو روپے کے رکھ کر تشریف لے گئے۔ اس طرح تین دفعہ تشریف لائے اور تینوں دفعہ ہی تکیہ کے نیچے نوٹ چھوڑ گئے۔ روزانہ آدمی کو بھیج کر خیریت دریافت کراتے اور یہ حبیب احمد صدیقی (جو اب [illegible] سے مددگار ہیں) کے ہاتھ الگ روپیہ بھجوا کر کہلواتے کہ علاج معقول کریں ضرورت ہو تو روپیہ منگوالیں۔

میں نے ادارہ علمیہ کے نام سے ایک بک ڈپو قائم کیا تھا جو عابد روڈ پر تھا۔ جب تشریف لاتے جاتے تشریف لاتے اور کتابیں لے جاتے۔ بل بھجوانے سے پہلے رقم آجاتی۔ میرا چھوٹا بھائی رشید اکثر چلا جاتا اور وہ جب بھی جاتا فرماتے "بھئی وہ کتابیں جو آئی تھیں ان کی قیمت لیتے جاؤ۔" چنانچہ ساٹھ ستر روپے اسی وقت دے دیتے۔ اس طرح کتابوں کی قیمت چار چار دفعہ ادا ہوتی۔ یہ دینے کے بہانے تھے۔ عید، بقرعید، ہولی، دیوالی کوئی تقریب ہو سرفرازی لازمی تھی۔ دیتے وقت اس کی حیثیت نہیں دیکھتے جسے دے رہے ہیں بلکہ اپنی حیثیت پیش نظر ہوتی۔ دل کھول کر دیتے اور پھر شرماتے کہ میں نے کم دیا ہے۔ یہ بات میں نے مہاراجہ کے علاوہ صرف مولانا خورشید علی ناظم دفتر دیوانی میں پائی ہے اور کوئی تیسرا

اس صفت سے متصف نظر نہیں آیا۔

مذہب کے معاملہ میں مہاراجہ مکمل تھے۔ صبح اللہ اکبر پر جا بجا کر نماز بھی پڑھ لیتے، رمضان کے روزے بھی رکھتے اور ذکر و شغل بھی جانے کیا جاتا تھا۔ محرم دھوم دھام سے کرنے لگے۔ حضور کی نیاز بھی تزک و احتشام سے ہوتی اور محرم بھی عقیدت سے منایا جاتا۔ ہندو بھی کے ماتھے پر اگر رہا بالے پاؤں چڑ کر دونوں طریقوں پر چلتے رہے۔

ایک مسلمان خاتون سے عقد کیا تھا اور مہاراجہ میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوا دیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ ہندو طریقے پر جنازہ اٹھے کیونکہ انہیں باور کرایا گیا تھا کہ اگر آپ مرتے وقت کوئی وصیت نہ کریں اور مسلمان طریقے پر دفن ہوں تو آپ کی موروثی جائیداد آپ کے بعد خواجہ پرشاد کو نہ ملے گی۔ حضور خواجہ پرشاد کی خاطر مہاراجہ نے چتا میں جلنا پسند کیا مگر بدنصیب خواجہ پرشاد کو بھی پھلنا نصیب نہ ہوا۔ دو سال میں ایک ہوٹل کی بالائی منزل پر سے گر کر بیچارہ کی جان گئی۔

جی تو نہیں چاہتا کہ مہاراجہ کا ذکر ختم کروں مگر لکھنا بہت ہے اور وقت کم ہے اس لئے مجبوراً ختم کر رہا ہوں۔

حیدرآباد کے دور ملکی کے بزرگوں میں سے میں نے چند کا انتخاب کیا ہے جو وہ ہیں جن سے میں ذاتی طور پر واقف رہا ہوں اور جن باتوں میں نے لکھی ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اور اپنے محسوسات کو ایمانداری سے پیش کیا ہے۔

لیجئے دوسرے دور کی چند شخصیتوں سے روشناس ہو جائیے۔ یہ دور بڑا لمبا ہے اس میں سینکڑوں بزرگ آسکتے ہیں مگر میں نے صرف چند کا انتخاب کیا ہے۔

ضیاء یار جنگ

مفتی نور ضیاء اللہ بن المخاطب بہ ضیاء یار جنگ دکن کے قدیم شرفا سے اور حیدرآباد کے عالم فاضل بزرگ تھے۔ اورنگ آباد کے مشائخ گھرانے سے تعلق تھا۔ حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی فارغ التحصیل اور نہایت ذہین بزرگ تھے۔ علم و ادب کے علاوہ قدیم مشاغل پتنگ بازی، شطرنج، شکار، شاعری، کبوتر بازی کا شوق تھا۔ تماش بینی میں بھی مشہور تھے۔ مختلف خوبیاں جمع تھیں۔

یہاں بھی میرے لئے وہی مصیبت ہے جس سے ڈرتا ہوں۔ ضیاء یار جنگ بہادر کی حیثیت حیدرآباد میں وہی تھی جو یو پی میں نواب صاحب جہانگیر آباد یا چودھری محمد علی ردولوی کی تھی۔ اس فن تماش بینی کو انہوں نے فن کی طرح استعمال کیا تھا اور اس میں ماہر کامل تھے مگر تفصیلات شاید صاحب چھاپنا پسند کریں گے اور نہ حیدرآبادی بزرگ پڑھنے کے بعد مجھے زندہ رہنے دیں گے اس لئے ؎

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم!

شطرنج دن دن بھر کھیلتے، پتنگ مسلسل اڑاتے مہینوں پتنگوں کے جلسے ہوتے جتنے لوگ شریک ہوتے انہیں کھلاتے پلاتے۔ ان کی عادات کے موافق ہر بات کا خیال رکھتے تھے۔ بڑے مزے دار، علمی حد تک ایک چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھے۔ مسائل علمیہ سے بھرے ہوئے ؎

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

بڑے سے بڑا فتویٰ چلتے چلتے لکھوا دیتے، اہم سے اہم مسئلہ شطرنج کھیلتے کھیلتے حل کر دیتے۔ اہم سے اہم مقدمہ کا سرگرداں کم ہو گئے

[illegible] اکثر [illegible] کی حیثیت سے بھی کام کیا اور ایسا اچھا ہوا کہ بڑے بڑے قانون داں [illegible]
سے یہ پیشہ کی مخصوص تھی اس سے تعارف اور [illegible] کرتے تھے [illegible] آباد [illegible]
[illegible] میں جب [illegible] سید یوسف [illegible] صاحب کے [illegible]
[illegible] تو ایک [illegible] کے والد [illegible] ساتھ ہوگیا [illegible]
[illegible] اس سے دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی۔ والد [illegible] لیتے تھے [illegible]
[illegible] شاہ [illegible] والد [illegible] اسلام [illegible] ملاقات [illegible]
[illegible] آباد میں [illegible] کا جلسہ ہوتا [illegible] یاد [illegible] سے [illegible]

تقریر بڑے اچھے تھے، ایسی اچھی تقریر فرماتے [illegible] خوش ہو جاتا تھا [illegible] تقریر کرتے [illegible]
[illegible] مگر [illegible] کا لحاظ کرنے سے [illegible]
[illegible] اور [illegible] کرتے تھے۔

[illegible] کے لوگ [illegible] فارسی غزل [illegible] بھی کہتے تھے [illegible]
[illegible] پڑھتے تھے [illegible] کو [illegible] عبد الرشید خاں [illegible]
[illegible] اسلامی [illegible] کے لئے [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] جنگ [illegible] کے خلاف [illegible] شروع کی [illegible] ہو کر رہ گئے
[illegible] ہر کام کرتیا ہر بات کرنے کے لئے آمادہ تھے

اگر [illegible] میں [illegible] نہ ہوتیں اور وہ صرف علمی ادبی کام میں [illegible] ہو سکتے تھے۔
[illegible] بھی انھوں نے ملک کی علمی، ادبی، سیاسی، مذہبی خدمت خاصی کی ہے۔ [illegible]
[illegible] پس ماندوں کو شعر و ادب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

غلام حسین واد

آج سے پچاس سال پہلے ایک بڑی اچھی جماعت نوجوانانِ دکن کی ابھر رہی تھی [illegible] ان میں سب سے [illegible] علمی [illegible]
[illegible] حسین [illegible] دیکھتے یہ حضرت علو اور شریف الخاندان تھے، گھر کے بھی خوش حال تھے، طبیعت میں جدت اور دل میں قوم کی خدمت کا جذبہ
تھا۔ ساتھ ہی ساتھ علمی، ادبی جدوجہد بھی کرتے تھے۔

چھوٹی چھوٹی نظمیں بڑی اچھی کہتے تھے، ان دنوں مرلی بازی اور سیٹی بجانے کا بڑا عام تھا، جس طرح ہندوستان میں دیوداسیاں ہوتی ہیں اسی طرح
حیدرآباد میں ایک طبقہ مرلیوں کا تھا یہ نیچ ذات کی ہوتی تھیں مگر ہوتی غضب کی تھیں۔ ان میں سے کچھ "گارڈن" کی حیثیت سے ڈیوڑھیوں
میں نوکر رہتی تھیں کچھ "کماشن" کی حیثیت سے گھر گھر میں نوکر رہتیں اور کچھ صرف "پیشہ" کرتی تھیں مگر یہ سب ہوتی تھیں مرلیاں۔ حیدرآباد کا
نوجوان طبقہ ان سے بہت متاثر تھا۔ بیشتر لوگوں نے ایک ایک مرلی بطور "داشتہ آید بکار" رکھ چھوڑی تھی۔ شرفا اور امراء کم مگر متوسط
اور ادنیٰ طبقہ بہت زیادہ اس سے متاثر تھا۔ ان دنوں یہ معیوب بھی نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ مرلی ہوتی بھی عجیب تھی۔ ایک دفعہ اس کے چکر میں

چھپنے کے [illegible] شائع ہوا تو اکثر لوگوں نے اپنی بیاضوں بیویوں کو گھر تحفہ دیا اور ان کے بڑے بڑے [illegible] [illegible] کام بھی [illegible] سب سے پہلے سلام حسین وآد نے ایک لمبی نظم کی اور کراؤن پلے سائز کے صفحوں کی صورت میں بیاض کی تعداد میں شائع کی جس کا نام رکھا "مرلی کی بہار" پھر سینڈھی خوری پر ایک نظم کی اور [illegible] تتا تا تھئی" اسے چھپوائی۔ اس کے بعد "مرلی [illegible] بھینس کی دوستی" وغیرہ قسم کی نظمیں جو [illegible] عمدہ کیں اور شائع کیں۔

یہ نظمیں وآد کی نہیں ہوتی تھیں۔ آپ کے علاوہ عبدالحی آتش، میر [illegible] رنجیل، کیفی، [illegible] وغیرہ بھی [illegible] جو نہ کبھی پڑھوں [illegible] کر اپنے نظریوں کرتے کبھی [illegible] کہتا اور [illegible] گھر چھپوا نے اسے بغیر [illegible] اور اس کے طابع [illegible] تھے۔ سالگرہ کی شادی میں [illegible] سہرے، قطعات وغیرہ لیے گئے تھے۔ تھیں بھی ایک بزرگ نے وآد نے کتابی صورت میں چھپوا دیا تھا [illegible] کی شادی پر سہروں کا مجموعہ وآد نے چھپوایا [illegible] دوستوں کی فرمائش پر بلکہ ملک کی خلافت [illegible] بھی اخبار دیتے تھے، حیدرآباد میں [illegible] وآد نے اپنی چھوٹی چھوٹی کتابیں کم قیمت رکھ کر لوگوں کو دینا شروع کیں اور وہ گھوم پھر کر بیچنے لگے اس طرح وآد ہی نے حیدرآباد میں پھیری والے کتب فروش بھی انہی کتابوں کی وجہ سے [illegible] کتابوں کے ساتھ لوگوں نے آمد [illegible] بغدادی قاعدہ وغیرہ بھی رکھ کر چلتے پھرتے بیچنا شروع کر دیا۔ وآد کی نظمیں اتنی مقبول ہوئیں کہ بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئیں۔ یہ سلسلہ وآد اور ان کے ساتھیوں نے سات آٹھ سال تک جاری رکھا میں نے ان تمام کتابوں کو اکٹھا کر کے جلدیں بنا لی تھیں مگر "میری زندگی" "دشت گردی اور صحرا نوردی" میں بسر ہوئی اور پھر تیس سال سے حیدرآباد میں بھی [illegible] محلہ [illegible] کبھی [illegible] میں تو کبھی سلطان پورہ میں کبھی عثمان پورہ میں تو کبھی سلطان شاہی میں اس طرح کرایہ کے مکانوں میں رہنے سے میری کتابیں دیمک کی نذر الگ ہوئیں اور ادھر سے اُدھر آنے جانے میں الگ ضائع ہوئیں اب ان میں سے ایک کتاب بھی میرے پاس نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے انہیں حقیر سمجھ کر ان کی حفاظت بھی نہیں کی، ہائے کتنے کام کی چیزیں میں نے برباد کیں۔

بچپن میں یہ نظمیں جیسے جیسے کہی جاتی تھیں میں یاد کر لیتا تھا کیونکہ ہمارے دیوان خانہ ہی میں یہ کہی جاتی تھیں۔ ایک نظم کے چند شعر آگے سن لیجئے شانِ نزول یہ ہے کہ ایک [illegible] صاحب بیوی بچوں گھر بار کو چھوڑ کر مرلی کے گھر پڑ گئے ہیں اور ان کے بیوی بچے یوں [illegible] گزار رہے ہیں:۔

ماں بے قرار ہے کہ پکانے کو کچھ نہیں — بچے بلک رہے ہیں کہ کھانے کو کچھ نہیں
بیٹی کے پاس جسم چھپانے کو کچھ نہیں — گھر کا یہ حال ہے کہ بچھانے کو کچھ نہیں
[illegible] بچے کو سدا میرے

. . . .

بہرحال وآد نے [illegible] کی بڑی خدمت کی، ایک پریس انہوں نے قائم کر لیا تھا، کتابت کبھی خود کرتے کبھی کسی سے لکھوا لیتے، نہایت مرنجاں مرنج اور وضع داری کے مالک تھے، مجھ پر بڑی عنایت فرماتے۔ جب کوئی کتاب چھپواتے سب سے پہلے مجھے عنایت فرماتے تھے رہتے کہاں تھے مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہم کبھی ان کے گھر جاتے ہی نہ تھے۔ یہی آتے اور بہت آتے بلکہ دو دو دن ہمارے پاس ہی رہتے تھے سعید بن علی مصلی ایک عرب جمعدار والد کے دوست تھے وہ بھی بہت آتے تھے۔ وآد سے ان کی بڑی بے تکلفی تھی۔ دونوں جب مل بیٹھتے تو آپس میں خوب چھیڑ چھاڑ ہوتی تھی۔ اب تو بہت کم لوگ وآد کو جانتے ہیں مگر ان کو حیدرآباد کبھی بھلا نہیں سکتا۔

عزیز یار جنگ

نواب مشرف جنگ کے فرزند تھے، حیدرآباد کے ممتاز [illegible] ایک اچھے شاعر اور مصور اور موسیقی [illegible] شاعر [illegible] حیدرآباد [illegible] تعلیم و تربیت پائی [illegible] [illegible] سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] انتقال [illegible] ایسے [illegible] [illegible] [illegible] نے [illegible] جو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس [illegible] مضمون [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سے حاصل کرنے کا شوق لیا ہے

[illegible] ظاہر کردی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بہت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بہت زیادہ لکھنے پڑھنے کے [illegible] بہت [illegible] تھے۔

[illegible] بھیجے [illegible] پریشان ہو گئے تھے آخر [illegible] کے گھر پر رہتے تھے اور عزیز کی ان کے کھانے اور پینے کے [illegible] رکھتے تھے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] گئے اور [illegible] گرے۔ لوگوں نے [illegible] [illegible] سنایا

[illegible] سے کرچہ [illegible] میں گرا

میں نے [illegible] [illegible] کیا ہے؟

ناداں کا کلام [illegible] میں تھا [illegible] ایک تکیہ میں بھر کے [illegible] عزیز یار جنگ کے پاس رہے [illegible] خیال ہے کہ عزیز یار جنگ کے دیوان "ارمغانِ عزیز" میں کچھ حصہ ناداں کا بھی ہے، [illegible] جاتا ہے کہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہ ہوگا کیونکہ عزیز [illegible] اور اچھے شاعر تھے۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بنا لیا تھا اور ڈاکٹر [illegible] سے بڑی دوستی تھی جس کی وجہ سے خود بھی بہت باقاعدہ زندگی بسر کرتے تھے [illegible] میں یورپ کا سفر بھی کیا تھا۔ شعر و سخن کا ذوق بہت تھا دن بھر اسی کا چرچا رہتا تھا۔ مرتے دم تک یہی کیفیت رہی۔ اچھے وضع دار اور شریف آدمی تھے۔

اکبر علی

مولوی اکبر علی مدیر صحیفہ کے متعلق ... صاحب نے ابتداً ... کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا تھا مگر وہ ایک سال بھی نہ چل سکا۔ پابندی سے نکالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ اس لئے رسالہ جلد ہی بند ہو گیا اور اسے اکبر علی صاحب نے لے لیا۔ چند برس چھاپ کر نکالتے رہے۔ پھر ۱۹۱۱ء میں میر عثمان علی خاں بہادر کی تخت نشینی کی تقریب میں صحیفہ کو روزنامہ بنا دیا اور اس اخبار کو بڑی عمدگی سے چلاتے رہے۔ آصف جاہی ... کے مخالف ... رہے۔ ... کامیاب ... صدر ... میں ملازمت کر لی تھی۔ پھر صحیفہ جاری کیا تو ... بڑی محنت سے صحیفہ کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ بڑے پابند وضع ... والد کے دوست تھے اس لئے مجھ پر بڑی عنایت فرماتے تھے۔

۱۹۱۶ء میں جب میں والد کے ساتھ عثمان آباد میں تھا اکبر علی صاحب نے مجھے نامہ نگار بنایا اور ہفتہ وار ... میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک عثمان آباد اور گلبرگہ سے صحیفہ کی نامہ نگاری کرتا رہا۔ ہر دو چار مہینے کے بعد دو چار روپے کے ٹکٹ اور چھپے ہوئے فارم اکبر علی صاحب میرے پاس بھجوا دیا کرتے تھے۔ یہی معاوضہ دیتے تھے وہ نامہ نگاروں کو۔ عام حالات لکھنے میں کام آتے اور ٹکٹ لفافے پر ... میں لگ جاتے۔

۱۹۲۶ء میں جب میں مستقل طور پر حیدرآباد آیا تو مجھ سے ترجمہ کی خواہش کی اور میں نے صحیفہ کے لئے ترجمہ کرنا بھی شروع کیا مگر ... نے اس کا معاوضہ نہیں دیا۔ عبدالرؤف صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی جو بعد میں حیدرآباد میں وزیر بھی ہو گئے تھے ... ترجمہ کرتے رہے ... انہیں بھی ... کوئی معاوضہ نہیں دیا۔ کاتب ... تنخواہ ... مولوی جی کے ... نہ ہوتی۔

صحیفہ ... شائع کر کے خاص ... اور ... کے سفر میں حضور نظام کے ساتھ جا کر سفر شاہانہ کا روزنامچہ مرتب کیا اور اس کی طباعت اور اشاعت کے لئے خاص ... اس طرح آمدنی کے ذرائع بہت ... کر سکتے تھے مگر نعتیہ مشاعرہ کرتے تو مجبوراً ... کھلاتے۔ اس سے زیادہ ہمت نہ کرتے تھے۔ اس طرح بخالت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ اس بخالت کے باعث ... سب تنگ تھے۔

اس سے قطع نظر آدمی بڑے ہی پابند اور دھن کے پکے تھے۔ جو بات ذہن میں آتی لکھتے اور بے روک ٹوک لکھتے تھے کسی طرح ... کا خوف بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ سر اکبر حیدری کو بہت سراہتے تھے۔ ریلوے کے سلسلے میں سر اکبر کی موافقت کے پرچے چھپوائے اور خود ... رات بھر حیدرآباد ... اپنے ہاتھ سے پوسٹر لگاتے اور سر حیدری سے روپے بھی پاتے۔

پرانی وضع کے آدمی تھے نئی باتیں نہایت ناپسند تھیں۔ اپنے اخبار میں ایک کالم "نسوانی" کے نام سے لکھا تھا جس میں عورتوں کی ... چھپتی تھیں اور بڑے مزے لے لے کر عورتوں کی بدکرداریاں چھاپتے تھے۔ آج کل جس طرح صدق جدید ... عورتوں کی باتیں کو مزے لے لے کر لکھتا ہے اسی طرح اکبر علی بھی لکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک خبر تھی کہ کوئی لڑکی اپنے موٹر ڈرائیور کے ساتھ فرار ہو گئی مولوی جی نے سرخی بنائی "موٹر سے شوہر" اس طرح بڑے مزے کی چیزیں چھاپتے رہتے تھے۔

بعض خرافات پر نیک دلی سے خفا ہوتے اور بڑی عمدگی سے اس کے خلاف لکھتے اور یہ قلمی جہاد مسلسل کرتے رہتے تھے غرض حیدرآباد کے قصر صحافت کے ایک ستون تھے۔ تقریباً چالیس سال تک صحیفہ چلاتے رہے اور بڑی عمدگی سے چلایا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے پرچہ نہ چلا سکے۔ پریس اب تک چل رہا ہے جو انہی کی یادگار ہے۔

[illegible] میں تعلق تھا [illegible] کا سلسلہ [illegible] احسان صاحب [illegible]
[illegible] کا بھی تعلق تھا [illegible] مشاعرہ [illegible] جلسے میں [illegible] تشریف لاتے تھے

راجیشور راؤ اصغر

حیدرآباد کے مشہور ہندستانی شاعروں میں سے تھے [illegible] ہندستان [illegible] زیادہ [illegible]
[illegible] اور علمی حلقوں میں معروف رہے تھے [illegible] رہتے تھے [illegible]
[illegible] کوئی کتاب چھپوائی ہو [illegible] چھپوائی تھی [illegible]
[illegible] انتخاب شعر [illegible] ہے۔

ابتدا مجھ سے واسطہ رہی [illegible] کے پاس آنے جانے [illegible] ہو [illegible]
[illegible] کرتے [illegible] زمین گھر کھلے [illegible] تھے [illegible]
نئی کو دکھاتے اور انہی کی معرفت چھپواتے بھی تھے [illegible] بیس سال [illegible] ہو گئے [illegible]
عنایت مجھے یاد ہیں [illegible] تقریباً [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] کتابوں کا مالک گھنٹے [illegible] کے مصنف تھے۔
چونکہ فرصت نہ تھی اور اپنا پروپیگنڈہ کرنا نہ آتا تھا اس لئے زیادہ مشہور نہ ہو سکے [illegible] بھی ایسے ہی تھے جو اچھا تے [illegible]
بیچارے تقریباً گمنام رہے۔

مختار احمد

محققِ اسلامی مولانا مختار احمد ٹونک کے باشندے تھے مدتوں پہلے حیدرآباد آگئے اور یہیں [illegible]
علمی خدمات کے سلسلے میں کچھ تنخواہ بھی مقرر تھی اور ٹونک خانہ عامرہ سے سال میں دو تین بار خاص رقم مل جاتی تھی جو یار لوگوں میں خرچ ہو
جاتی یا صرف ہوتی یا دعوت میں۔ تنخواہ آتی تو رشتہ داروں کی دعوت کرتے خود کھاتے دوستوں کو کھلاتے تنخواہ ختم ہو جاتی تو فاقہ کشی کے لئے
بھی تیار ہو جاتے، مگر اپنی فلاکت اور تنگ دستی زبان پر نہ لاتے۔ مجھ سے دوستی اس طرح ہوئی کہ ایک رسالے میں ان کا مضمون چھپا تھا
میں مکتبہ ابراہیمیہ میں بیٹھا تھا کہ تشریف لائے۔ بغیر کسی تعارف کے مجھ سے پوچھا آپ کیا پڑھتے ہیں میں نے رسالہ کا نام بتایا تو پوچھا مضمون کس کا ہے میں نے بتایا
تو پوچھا آپ جانتے ہیں یہ کون ہے میں نے لاعلمی ظاہر کی تو پوچھا مضمون کیسا ہے۔ میں نے تعریف کی تو کہا میرا مضمون ہے۔ اس کے
بعد گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک گپ اڑاتے رہے پھر تو یہ حال ہوا کہ جہاں ملتے روک لیتے۔ لمبی گفتگو ہوتی اور خوب باتیں ہوتیں۔ جغرافیہ
ان کا خاص موضوع تھا۔ اسلامی شہروں کے متعلق بڑی معلومات رکھتے تھے اور اس قسم کے مضامین خوب لکھتے تھے مگر صرف جغرافیہ
ہی کی حد تک معلومات محدود نہ تھیں تاریخ اور ادب پر بھی خاصا عبور تھا، عالم و فاضل بزرگ تھے۔
اپنے چھوٹے بھائی مولوی وقار احمد ایم اے، ایل ایل بی مدیر روزنامہ نظام گزٹ کی تعلیم و تربیت انہی کی محنت کا نتیجہ ہے اپنے

ایک پیشہ شاعر کی طرح کبھی شغل سخن اختیار کیا تھا مگر ذوق ادب نے دماغ سے مفارقت نہ کی۔ تھی جو اب نظام گزشتہ ہی کا ذکر کرتے ہیں انھوں نے ... منشی مولوی محمد مصطفیٰ زمانہ حیدرآبادی سے خوب دوستی تھی۔ اپنے ایک لڑکے کی شادی ان کی لڑکی سے کی تھی۔

صفات پر بھی تھا۔ مولوی صاحب کی طرز نشانی بھی تھی۔ آخر میں وہ تصنیف کی طرف بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ دکنی زبان کی ایک لغت بھی مرتب کر رہے تھے اپنے موضوع سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہیں کتابیں لکھے اور فروخت کر دیتے تھے بعض بڑی اچھی کتابیں فروخت کر دیں جو دوسروں کے نام سے چھپیں۔ ان کو بیشتر روزانہ اخبار بھی دوسرے اچھا سمجھ کر رکھتے تھے مگر ان سے شاعری ہی میں زندگی کا تکلیف رہی ... آدمی وضعدار اور ... تھے علمی مزاج دلی لحاظ اردو میں بہت خوش فکر شاعر بھی تھی، طبیعت میں حسن عمدہ تھا اب مطلق نہ تھی۔

مانک راؤ وٹھل راؤ

پائیگاہ کے جاگیردار اور وہیں ملازم بھی تھے۔ پرانی وضع کے عربی فارسی پڑھے ہوئے بزرگ تھے۔ تاریخ کا ذوق فطری تھا۔ تاریخ دکن پر شائع کی تھی۔ بستان آصفیہ کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کی کئی جلدیں چھپیں۔ وہ چونکہ جدید طرز تحقیق اور طریقہ ترتیب سے ناواقف تھے اس لئے اپنی کتابیں پرانے طریقے پر مرتب کیں اور چھپوائیں۔ مگر مواد نہایت ہی عمدہ جمع کیا ہے۔ آنے والی نسلیں اس مواد کو اپنے حسب منشا استعمال کر سکتی ہیں جو بڑا کارآمد ہوگا۔

ان میں خصوصیت یہ تھی کہ نہایت متدین قسم کے بزرگ تھے تعصب و تنگ نظری مطلق نہ تھی۔ تاریخ کو تاریخ ہی کی طرح مرتب کرنے کے ... واقعات سے تاریخ مرتب کرنے کے قائل نہ تھے۔ سو سال پہلے ایک مورخ غلام ... جو ریذیڈنسی کے میر منشی تھے۔ انھوں نے ایک ... ضخیم تاریخ یادگار ... مرتب کی تھی ... واقعات مرتب کئے تھے ان کے بعد مانک راؤ ہی کا نمبر ہے۔

مجھے یاد نہیں ہے کہ میری ملاقات راؤ صاحب سے کب ہوئی مگر دو سال سے ملاقات تھی۔ جب کبھی حسینی علم کی طرف جاتا ان سے ملتا اور وہ جب بھی ہمارے گھر کی طرف آتے مجھ سے ضرور ملتے۔ تاریخ کی ترتیب کے سلسلے میں مشورہ کرتے تھے مگر گزشتہ ... پر عمل نہ کرتے بلکہ پرانے ... ہی پر ترتیب دیتے تھے۔

کام کرنے کا ڈھنگ بڑا اچھا تھا۔ اخبارات کے کٹنگ بڑے سلیقے سے جوڑ رکھے تھے اور الگ الگ عنوانات ... الگ الگ کٹنگ ... کرتے تھے اس طرح انھوں نے تاریخ مسلسل مرتب کی تھی اور بڑی عمدہ چیز محفوظ کر دی تھی۔ مثلاً حیدرآباد کی طغیانیاں ایک جگہ کر دی تھیں بعض جلدیں مستقل بنا دی تھیں جو بڑی اہم تھیں۔ گزشتہ تیس چالیس سال میں ایسا اچھا اور کارآمد مواد کسی نے بھی فراہم نہیں کیا۔

ذات کے برہمن تھے اور پابند مذہب بھی تھے۔ کھانے پینے میں احتیاط کرتے تھے مگر علمی رواداری اور مذہبی بے تعصبی خاص تھی۔ طبیعت میں انکسار تھا اور بڑی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ مرنے سے پہلے ایک جلد تیار کر رکھی تھی اور چھپانے کی فکر ہی میں تھے کہ انتقال ہو گیا۔ بہرحال پانچ چھ جلدیں جو انھوں نے چھپوا دی ہیں یہی ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

سردار نواز جنگ

آج سے تیس پینتیس سال پہلے آپ نے انگریزی اخباروں میں "سید سردار علی کی کھلی چٹھی" پڑھی ہوگی۔ یہ کھلی چٹھیاں انہی نواب سید سردار علی خاں

[illegible]

یہ سب [illegible] بہت مشہور ہو گئے تھے۔
[illegible] میں جبکہ میں [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] کے پاس [illegible]
[illegible] صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] صاحب [illegible]
[illegible] کے پاس کام کرتا رہا [illegible]
[illegible] آخر تک رہے

[illegible] صاحب سے کبھی [illegible]
سے [illegible] انگریزی کے [illegible] واقف [illegible]
[illegible] اور شاعر [illegible]

میں نے [illegible] صاحب کی طرح کا انسان کہیں نہیں دیکھا [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] صفات [illegible] گفتگو [illegible]
ان سے بڑا [illegible] شاید ہی [illegible]
شخصیت کو [illegible] دیکھنے [illegible]
کے لیے ایک مسئلہ پیش کر دوں اور وہ اس پر غور کر سکیں [illegible]
کوئی مقالہ تجویز کریں تو بہتر ہوگا۔

مجھے ان کے پاس کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور چونکہ میں [illegible] ان کی خدمت میں [illegible] تھا اور وہ مجھ پر بزرگانہ شفقت فرمایا
کرتے تھے اس لیے میں ان سے [illegible] کہہ بھی دیتا تھا کہ آپ کی یہ حرکت [illegible] کی جا سکتی ہے [illegible] فرمایا کرتے
میاں! انسان فطرت میں بدی ہے [illegible] کسی سے مسلسل نیکیوں کا [illegible] جب اس کی مسلسل نیکیاں دیکھتے جاؤ تو اس کی نیکی کا
گمان کر سکتے ہو یقین پھر بھی نہ کرو۔

یہ تھا ان کا فلسفہ اور اسی پر وہ عمر بھر کاربند رہے مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی ان کا [illegible] نہ بن سکا اور دو چار بدنصیب جو [illegible] کی وجہ
سے دوستی نبھاتے رہے وہ بھی دل ہی دل میں ان سے متنفر تھے۔

عربی، فارسی تعلیم بڑی اچھی ہوئی تھی انگریزی [illegible] انگریزی کی [illegible] صاحب [illegible] تھا، بڑی صاف
سلیس اور بامحاورہ اردو بولتے اور لکھتے تھے۔ مطالعہ اتنا اچھا کہ تصوف، فلسفہ، [illegible] منطق [illegible] تاریخ، جغرافیہ، سائنس، معقولات، منقولات
سب پر یکساں نظر تھی۔ جس موضوع پر گفتگو کرتے یہ معلوم ہوتا کہ [illegible] اسی کا فن ہے اور اس کے ماہر ہیں۔ [illegible] کے علاوہ قانونی اور [illegible]
معلومات کا بھی یہی حال تھا۔ اجمیر شریف سے واپس ہوتے ہوئے [illegible] ایک روز [illegible] یہاں کے کالج اور فرینڈز [illegible]

اشیا سونگھ کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جا کر ان لوگوں کو اطلاع دی اور انہوں نے آنے کی اجازت دے دی تو ساتھ ساتھ کر پہنچا کر ان کو جیبوں
اور سونگھنے کے بعد ان کو ایسا لبھایا کہ سب ان کو پوجنے لگے۔ بعض تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ انہیں اگر خدا مان کر گئے۔ بعد میں انہوں
نے بڑی حیرت سے پوچھا کہ تمہارے حیدرآباد میں ایسے قابل لوگ کس طرح پیدا ہوئے یہ تو بڑی غیر معمولی قابلیت اور بلند اخلاق والے
ملک ہیں۔ جس نے جواب دیا "آپ لوگوں نے فقط ایک سول سروس کمشنر کو دیکھا ہے، ماتحتین اور صدر المہام وغیرہ ان سے زیادہ قابل ہیں۔" غرض
مصلحت تھی کی مگر حقیقت یہ ہے کہ پوچھنے والوں کو سردار صاحب نے متحیر کر دیا۔ یہ حال ان کی قابلیت کا تھا۔

انگریزوں کے زمانے میں حیدرآباد کے متعلق بڑی گڑبڑ ہو رہی تھی چونکہ حالات نازک صورت اختیار کر چکے تھے اس لئے حضور نظام کو
دہلی بلایا گیا تھا۔ سر جار نواز جنگ نے حسن نظامی کو فراہم کر کے دہلی میں حضور نظام کے استقبال کی تیاریاں کرائیں اور اس شان و شوکت سے استقبال
کرایا کہ انگریز بھی دنگ رہ گئے۔ یہ سارا کھیل سردار صاحب نے حیدرآباد میں بیٹھ کر کھیلا۔ پھر جب حضور دہلی سے واپس ہونے لگے تو حیدرآباد
میں جشن اور چراغاں کرنے کی تحریک کی اور سب سے زیادہ خود سردار صاحب نے حصہ لیا۔ ایسے کھیل وہ بیٹھے بیٹھے کھیل لیتے تھے۔ اس کا
خمیازہ انہیں یہ بھگتنا پڑا کہ انگریز سخت ناراض ہو گئے اور ریذیڈنسی ان کی علیحدگی کا مطالبہ کرتی رہی اور انہیں وظیفہ پر سبکدوش ہونا پڑا۔ اس سے
میری آمد و رفت اس زمانے میں بھی سردار صاحب کے پاس تھی اور بیشتر واقعات میرے سامنے ہوتے رہے اور بعض خود مجھ سے کہہ دیتے تھے
اس لئے میں اس واقعہ سے واقف ہوں۔

سردار صاحب کو عبدالقدیر صاحب بدایونی سے بیعت تھی اور ان کا بہت احترام کرتے اور باقاعدہ پاؤں چھوتے تھے۔ مگر جن کے
کے متعلق انہوں نے سفارش کی تو وعدہ کر لیا کہ ان کی سفارش نہیں کی گئی مگر ان کے جاتے ہی ان لوگوں کو ڈانٹ بتائی کہ پیر سے کہلوانے پر
گو تم نے روپیہ پیٹ کر پیسہ بنا لیا۔ میں نے ان کے کہنے سے وعدہ تو کر لیا ہے مگر یاد رکھو تمہیں اسی طرح سزا دوں گا۔

بعض لوگوں کو منصب تحصیلداری دے کر بھجواتے پھر بعض لوگوں سے کہہ کر ان کے خلاف درخواستیں دلواتے اور ان درخواستوں
کا مداوا کر کے انہیں تحصیلداری سے ہٹا دیتے۔ یہ لوگ روتے پیٹتے آتے تو ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور توبہ تلا کرا کر پھر کسی تحصیلداری پر بھجواتے۔
اس طرح کے کام بہت کرتے اور اس سے خوش ہوتے تھے۔

فصیح جنگ ان کے بڑے مرید، مربی اور ہمدرد تھے جنہیں وہ "حضرت محسنی" لکھتے اور کہتے تھے۔ ایک مرتبہ مشہور ہوا کہ سردار صاحب
کو زوال بلند ہو رہے ہیں تو فصیح جنگ نے نواب حسین دوست خاں سے میرے سامنے ہی کہا کہ "اے نواب! سردار صاحب کو زوال ہو رہا ہے
جی میں تو اپنا بستر باندھ رہا ہوں، تم بھی اپنی جاگیر کا رخ کرو اب حیدرآباد کی خیر نہیں ہے۔" سردار صاحب بیٹھے ہوئے ہنستے رہے۔
کمال یہ تھا کہ اپنے ماتحتین کو معطل، موقوف، برطرف کر کے یا تبادلہ کر کے سردار صاحب یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے بڑا نیک کام کیا ہے
اور خلق اللہ کو اس طرح فائدہ پہنچایا ہے۔

سردار صاحب کی دو خصوصیتوں کا میں قائل ہوں۔ ایک تو یہ کہ شاہ پرست تھے۔ مرتے دم تک شاہ پرست رہے اور دوسری یہ کہ چاہے
کسی شخص کے کتنے ہی دشمن ہوں وہ مر جاتا تو اس کے بیوی بچوں سے اخلاقی ہمدردی کرتے۔ بعض لوگوں کا سردار صاحب نے تبادلہ کیا پھر انہیں
معطل کیا اور پریشان کرتے رہے اسی پریشانی میں وہ مر گئے تو آپ نے ان کے بچوں کو جیب سے روپے دیے، بیوی کے وظیفے کی کارروائی کی
ذاتی طور پر سفارش کر کے وظیفہ منظور کرایا بعضوں کے لڑکوں کے تقررات کرائے مگر زندگی بھر وہ لوگ معتوب رہے۔

شیر دل ایسے تھے کہ کسی سے نہ ڈرتے تھے اور رعب سے اٹھنے کے بے اختیار ہو جاتے مگر پہل اپنی طرف سے نہ کرتے تھے۔ نہایت ہی
سلجھے ہوئے شریفانہ طریقے سے ہر شخص سے پیش آتے اور وہ ذرا بھی بے اعتدالی کرتا تو پھر مقابلہ شروع ہو جاتا اور ایسا نیچا دکھاتے کہ توبہ بھلی۔

[illegible] صاحب [illegible] کہ بعد میں [illegible] غزلیات [illegible]

[illegible] کہ ڈاکٹر صاحب سے کہہ کر تیار [illegible] بیاض میں [illegible] صاحب

[illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] کے [illegible] کی [illegible] صحبت

[illegible] کر دیا جائے [illegible] غزلیات [illegible] نے جواب دیا [illegible]

[illegible] سے کوئی اچھا [illegible] ڈاکٹر صاحب کو [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] مشکل تھا [illegible]

[illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible]

[illegible] کرکے [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible]

[illegible] کیا جاتا ہے [illegible] صاحب [illegible] کیا [illegible]

[illegible] غزلیات [illegible] ہو گئے

بہرحال [illegible] صاحب کی شخصیت [illegible] عجیب و غریب بزرگ تھے۔

توفیق

دکن میں شاعری کا چرچا مدت سے رہا اور بہت سے شاعر ہوئے اور ہیں مگر یہاں کی شاعری پر [illegible] ایک [illegible] رہی ہے کہ لوگوں نے اپنا تخلص مقرر کرنا لازمی سمجھ لیا تھا جس طرح [illegible] خواہ مخواہ اپنی کنیت رکھ لیتے ہیں اسی طرح بیکار [illegible] تخلص [illegible] کیا کرتے تھے اور تخلص کی لاج رکھنے کے لئے غزل بھی کہہ بیٹھتے اور اپنا نام خواہ مخواہ [illegible] سوانحوں میں لکھوا لیتے۔ ان کے علاوہ بعض بعض ایسے بھی تھے اور ہیں جنہوں نے عمر بھر [illegible] کہیں کہیں [illegible] اپنے آپ کو شاعر سمجھتے رہے اور اب تک سمجھ رہے ہیں [illegible] لوگ صرف دکن ہی میں تھے اور ہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان میں بھی ہر دور میں [illegible] مگر ان میں چند ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جو واقعی شاعر [illegible] کا شمار [illegible] میں کیا جا سکتا تھا۔ ایسے ہی لوگوں میں سید جلال الدین توفیق بھی تھے۔ یہ بزرگ سید [illegible] اور رسالہ [illegible] سے تھے۔ [illegible] وضع کے [illegible] یافتہ اور عالم [illegible] پڑھے لکھے تھے [illegible] شعریات [illegible] باخبر [illegible] عروض و قافیہ پر اچھی نظر تھی [illegible] محاسبی میں ملازمت تھی [illegible] بچپن سے شعر و سخن کا شوق تھا اور [illegible] کی مشق تھی۔

طبیعت میں سلیقہ [illegible] تھا [illegible] سمجھ کر شعر کہتے اور احتیاط سے کہتے تھے۔ ابتداً شعرائے لکھنؤ کی اتباع کی اور آتش و ناسخ کی پیروی کرتے رہے مگر جلد ہی اسے چھوڑ کر غالب و مومن کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان دونوں اساتذہ کا مطالعہ اتنا گہرا کیا کہ خود بھی ان ہی [illegible] کی صدائے بازگشت بن گئے اس سے فائدہ تو ہوا کہ وہ ان دونوں استادوں کے رنگ میں بے تکلف شعر کہنے لگے مگر نقصان یہ ہوا کہ اپنا کوئی رنگ پیدا نہ ہو سکا۔

توفیق نے زیادہ کوشش مومن کا رنگ اختیار کرنے کی کی ہے اور ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے مگر تصوف اور اخلاق کی طرف جو [illegible] مائل ہو گئے تو غالبیت آ گئی اور زیادہ تر غالب ہی کی پیروی کرتے رہے۔ توفیق فطرتاً شاعر پیدا ہوئے تھے ان کی طبیعت شاعری کے [illegible] تھی مگر مومن کا رنگ ان پر [illegible] نہ تھا اس لئے کہ مومن کے پاس تغزل اور صرف تغزل ہی تھا اور اس کے لئے "رندی" کی ضرورت [illegible] بالکل [illegible] اس لئے مومن کے رنگ [illegible] کہنے لگا [illegible] اپنے [illegible] تھا اس لئے

اسی زمانہ کا اسلوب ہے کہ قبول نخل سے پہلا ملتی ہے تا ہم کل کا انداز ہے عاشق و معشوق کے معاملات کا بیان ہوتا ہے۔ معشوق ہوت "تذکرہ" جانے کی وجہ سے بھی غزل بن نہ سکا جس طرح آج تک کسی نے مضمونات عشق کو ملتے ملتے غزل کی جو ہے سے ادا کیا چاہا ہے اسی طرح توقیق نے بھی مسئلے پر بیٹھ کر نرتن کا تنزل بنا لیا چاہا ہے یہی وجہ ان کی ناکامی کی ہوئی۔

ساغالب سا اس کا انداز بیان ہی اور نہ طرز بیدل ہی یہ تیزہ کہ توقیق سے کیا ہو سکتا اس لئے اس رنگ میں بھی وہ مسائل تصوف ہی بیان کر کے رہ گئے۔ آپ کی دماغ دار اور ذہین سے اگر اپنے دماغ سے نرتن و غالب کے تتبع کا خیال دور کر دیتے اور اپنے طرز پر فکر شعر کرتے تو اچھے شاعر بن جاتے مگر وہ اس طرف غور کر ہی نہ سکے۔

توقیق نے ابتدا مشاعروں میں بھی شرکت کی اور مرثیے، نظمیں، سہرے اور قصائد بھی کہے مگر میدان میں وہ بہت محتاط ہو گئے تھے ہی یا تو غزل کہتے ورنہ نہ کہتے بعض وعدہ کردہ مضمون شعر نہ کہتے اور پھر شعر کہنے لگتے تو مسلسل کہتے رہتے۔

والد مرحوم سے توقیق کی دوستی تھی صدر محاسبی میں توقیق کے علاوہ ایک اور شاعر صاحبزادہ حافظ مرزا اسد الدین ضیاء گورگانی دہلوی بھی تھے شہزادہ مرزا حیا دہلوی کے فرزند اور داغ کے شاگرد رشید تھے۔ یہ بھی بڑے قابل اور خوش فکر تھے۔ والد مرحوم سے ان سے خوب ربط تھی اور داغ کے انتقال کے بعد انہی سے مشورہ کرتے تھے۔ صدر محاسبی کا دفتر آفتاب شہر میں سالار جنگ کی ڈیوڑھی میں تھا آتے جاتے میں صدر محاسبی چلا جاتا اور پہلے ضیاء اور ان کے بعد توقیق سے ضرور ملتا تھا۔ مجھے توقیق سے مل کر خوشی ہوتی تھی کیونکہ نہایت منکسر بہت ہی متواضع اور بڑے ہی مخلص بزرگ تھے۔ ضیاء جتنے بددماغ اور رعونت مآب تھے یہ اتنے ہی نرم خلق اور خاکسار تھے۔ کبھی تیور دینے مجھے سر نہیں سنایا شعر نوشی پر سیدھے منہ بات کرنے کے بھی روادار نہ ہوتے تھے۔ سلام کا جواب دینا بھی ان کے لئے بار تھا۔ بخلاف ان کے انکا یہ عالم تھا کہ سلام کیجئے تو کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے بڑی محبت سے جواب دیتے مصافحہ کرنے اور جو ان توجہ ہو جانے چھوٹی چھوٹی سی بات چیت کرتے غزل کی فرمائش کی جائے تو کبھی سنا دیتے کبھی بڑی ہی لجاجت کے ساتھ معافی مانگ لیتے۔

میرے ایک عزیز ہاشم علی مرحوم سے توقیق کے بڑے ہی اخلاص تھے اور وہ ہاشم علی کے پاس بہت آتے جاتے تھے۔ وہاں گانے بجانے کا بھی چرچا رہتا تھا کبھی کبھار اپنی غزل گا کر بھی سناتے موسیقی سے بھی انہیں دلچسپی تھی اور واقف بھی تھے۔ اپنی غزلوں کی دھنیں خود ہی بناتے تھے اور کبھی کبھار ہارمونیم پر گاتے بھی تھے مگر مخصوص صحبت میں زیادہ لوگ ہوتے تو انجان ہو جاتے۔

اسی زمانے میں ایک دو طائفوں کو بھی اپنا کلام دینا شروع کیا تھا جس کی وجہ سے چند غزلیں خاصی مشہور ہو گئیں۔ رنڈیوں سے پبلسٹی کا کام شاید سب سے پہلے داغ نے لیا۔ پہلے غزل کی پبلسٹی کے دو ہی طریقے تھے مشاعرے یا رنڈیاں۔ لوگ مشاعرے میں غزل سن کر اکثر شعر یاد کر لیتے جو مشہور ہو جاتے تھے یا پھر رنڈیاں غزلیں گاتیں تو ان سے سن کر عوام بھی گانے لگتے۔ داغ نے تو ایک دو رنڈیاں ہمیشہ نوکر رکھیں اور ایک قوال ذاکر کو بھی ہمیشہ نوکر رکھا۔ عام میں رنڈیاں آتیں داغ اپنی تازہ غزل دے دیتے وہ یاد کر لیتیں دھن یا تو خود بتاتے یا وہ خود دھن نکال کر سناتیں تو شعر دیتے۔ اس طرح غزلیں گائی جاتیں یہ غزلیں داغ کے پاس سے واپس جاتے ہی رنڈیاں اپنی سہیلیوں کو سناتیں سکھاتیں اور دوسرے دن گاتیں ان کے چاہنے اور سننے والے ان غزلوں کو گلی گلی پہنچا دیتے اور غزل جس دن کہی جاتی اس کے دوسرے روز شہر بھر میں مشہور ہو جاتی۔

اسی طرح داغ کا قوال رحمت اللہ بھی ان کی غزلوں کی پبلسٹی کرتا۔

توقیق کو داغ کا یہ طریقہ معلوم تھا اس لئے انہوں نے بھی ایسی ہی کوشش کی مگر زمانہ بدل چکا تھا۔ داغ نے انیسویں صدی میں اپنی غزلوں سے پبلسٹی کا کام لیا تھا مگر بیسویں صدی میں رنڈیوں کا زور شور ختم ہو چکا تھا۔ رنڈیوں کی جگہ ناٹک نے لے لی تھی۔ اب جو غزلیں مشہور ہوتی تھیں وہ تھیٹر ہی گائی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں ویسی رنڈیاں بھی نہ تھیں اختر جان جیسی سماب وش، صاحب جان جیسی الغرض داغ کی غزلیں گائی تھیں۔

[illegible] تھا تاکہ [illegible]
[illegible] اس کے توفیق ترقی کی [illegible]
[illegible] کی یہ غزل [illegible] —

[illegible]

علامہ اقبال کی یہ غزل مشہور ہوئی —

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

[illegible] نے بھی اسی زمین میں ایک غزل کہی جو حیدرآباد میں خاصی مشہور ہوئی —

کبھی پردہ [illegible] راز میں — [illegible] حقیقت [illegible] ہے [illegible] اور مجاز میں
[illegible] جلوے [illegible] کہاں کی [illegible] — [illegible] نگاہ [illegible]
نہ کروں سلام جو کعبہ کو نہ کروں جو سجدہ [illegible] کروں — ہے خیال بت مرے سامنے [illegible] کھڑا ہوا [illegible] نماز میں

وہ بھی [illegible] اور پروپیگنڈے کے خواہشمند نہ تھے مگر اس کے اصول اور طریقے نہ جانتے تھے [illegible] انہیں اس کی خبر بھی [illegible] ان کا کلام [illegible] کل نہیں ہے اسی لئے وہ زیادہ مشہور نہ ہو سکے ہمارا عوام ان سے ناواقف ہی رہے —

شہرت سے [illegible] میں جل کے خاص کی
[illegible] بارود [illegible] ہستی ہے مرے [illegible] کی

یہ شعر بھلا عوام کو کیا پسند آتے اس لئے توفیق خاص خاص لوگوں ہی میں مقبول رہے۔

توفیق کے معاصرین میں کیفی اور امجد تھے امجد نے غزل نہیں سمجھی تھی اس لئے انہوں نے ابتدا چند نظمیں کہیں اور پھر رباعی پر اتر آئے اور اپنے آپ کو رباعی کے لئے وقف کر دیا یہ اچھا بھی ہوا کیونکہ غزل میں وہ توفیق اور کیفی کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ کیفی البتہ زمانہ شناس تھے اور عوام کے نزدیک رہنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے عام فہم اور دکنی روزمرہ کے شعر کہنے شروع کئے نتیجہ یہ ہوا کہ توفیق سے زیادہ شہرت حاصل رہی اور اب بھی جس قدر کیفی مقبول ہیں توفیق نہیں ہیں۔

شاگردوں کی کثرت بھی وجہِ شہرت ہوا کرتی ہے۔ توفیق اس سے بھی اجتناب کرتے تھے ان کے چند ہی شاگرد تھے جو محدود حلقۂ احباب سے نکل سکے اس لئے وہ بھی توفیق کو زیادہ اجاگر نہ کر سکے۔

بہرحال توفیق کو جتنا مشہور ہونا چاہئے تھا اتنی شہرت نہ ہو سکی حالانکہ ان کا ایک دیوان بہت پہلے چھپا تھا پھر اس کا دوسرا ایڈیشن اضافے کے ساتھ شائع ہوا مگر [illegible] کوئی بات [illegible] ہوئی۔ دوسرا دیوان جو ۱۹۵۰ء میں طبع ہوا ہے [illegible] نے بڑا اچھا مقدمہ لکھا تھا مگر

ترقی کے مدارج [illegible] ثروت صاحب نے ایک [illegible] ناشر متخلص [illegible] کے ساتھ چھپوا کر [illegible]
بہت [illegible] ناشر متخلص [illegible] کا [illegible] ہے، ثروت صاحب بیچارے [illegible] صد [illegible] [illegible]
بتاتا کہ ناشر کا تخلص [illegible] کرتے ہیں یہ معلوم نہیں کہ شاعر کا کلام ایسا [illegible] جس پر کلام کے مستحق ہوتے ہیں [illegible]
[illegible] کے نہیں۔

بہر حال باوجود اپنی کوشش اور اپنے بیٹے کی جدوجہد کے ثروت حیدرآباد میں زیادہ شہرت نہ پا سکے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے اچھے شاعر، بہت خاص شخصیت کے مالک اور بڑے ہی نیک دل بزرگ تھے۔

تجلی

سید نجیب الدین نام تجلی تخلص تھا، سید [illegible] جنگ کے پوتے اور [illegible] جنگ کے نواسے تھے والد کا نام سید [illegible] ولادت [illegible] جو [illegible] حیدرآباد تھے، اپنے والد کے انتقال کے تیسرے روز پیدا ہوئے اماں نے منحوس سمجھ کر پہلو سے جدا کر دیا، نانا [illegible] جنگ نے اپنے گھر لے جا کر پرورش کی آہستہ آہستہ ماں کو بھی صبر آیا تو بیٹے کو اپنے گھر بلا لیا اور بڑے چاؤ چونچلے سے [illegible] کی تھی کہ خود اللہ کو پیاری ہو گئیں، بڑی بہن [illegible] غیاث الدین علی شاہ اور خالہ نے پال پوس کر بڑا کیا، [illegible] غیاث الدین علی نے اپنی نگرانی میں اپنے بیٹے سید [illegible] الدین محمد علی فاضل کے ساتھ تعلیم و تربیت کی۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ اعزہ میں ہوئی۔ پھر دارالعلوم حیدرآباد میں شریک ہو گئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی، طبیعت [illegible] قابل تھا فوجداری [illegible] آغا حافظ کے [illegible] پر بیعت کی اور تصوف ہی کے ہو رہے۔ شعر و سخن کا ذوق بھی تھا [illegible] موسیقی ذوق تھا [illegible] والد اور نانا شاعر تھے اس لئے خود بھی شعر کہنے لگے پہلے [illegible] کو [illegible] پھر داغ حیدرآباد آ گئے تو داغ کو کلام دکھانے لگے۔ فارسی، اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے فارسی میں [illegible] ملک الشعراء آغا شوشتری کو دکھاتے رہے، ان کے انتقال کے بعد سے [illegible] پانی پتی کو دکھانے لگے [illegible] منصب سے سرفراز تھے، سید عبدالرحیم اول تعلقدار کی صاحبزادی سے (جو مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب [illegible] کی بھانجی [illegible]) [illegible] یوسف الدین صاحب کے [illegible] کر لی۔ ابتداً [illegible] گلبرگہ میں [illegible] ہوئے پھر ضلع [illegible] کے خزانہ دار [illegible] ہو گئے۔ [illegible] سے عثمان آباد تبادلہ ہوا اور وہاں سے گلبرگہ تبادلہ ہوا اور گلبرگہ ہی میں اللہ کو پیارے ہوئے اور خواجہ بندہ نواز کے پائیں میں آسودہ ہیں۔ [illegible] آٹھ دس لڑکے لڑکیاں ہوئے مگر تین لڑکے باقی رہے ۱۔ راقم الحروف ۲۔ سید رفیع الدین کاظمی ۳۔ سید رشید الدین کاظمی۔ رفیع الدین کا [illegible] ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی۔ راقم الحروف اور رشید الدین اہل و عیال میں مبتلا ہیں۔

تجلی کی نشوونما حیدرآباد میں ہوئی ۱۹۱۷ء تک وہ حیدرآباد ہی میں رہتے اور اس زمانے کی سوسائٹی میں خاصا رسوخ رکھتے تھے [illegible] ماہر، توفیق، کیفی، محفوظ، رسا، ناظم، جلیل، اختر، تنہا، ثاقب وغیرہ سے یارانہ اور دوستانہ مراسم تھے، دیوان خانہ [illegible] رہتا تھا، راتوں شعر و سخن، نظم و نثر کا چرچا رہتا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں گلبرگہ چلے گئے تو [illegible] تعطیلات میں [illegible] حیدرآباد آ جاتے [illegible] ۱۹۲۲ء میں عثمان آباد تبادلہ ہو گیا تو آمد و رفت کم ہو گئی اور دیر دیر سے حیدرآباد آنے لگے اس طرح حیدرآباد کی صحبتیں چھوٹ [illegible]
[illegible] عثمان آباد، گلبرگہ اور ان اضلاع کے تعلقات میں جہاں جہاں [illegible] شاعر [illegible]
[illegible]

[illegible] کے انتقال کے بعد جب [illegible]
[illegible] کو قتل کرنا چاہا [illegible] تھا اس طرح دوسرا [illegible]
[illegible] مستقل [illegible] تھی [illegible]
[illegible] ہوتے تھے اور ان کا جواب بھی [illegible] تھا سبب یہ تھا
[illegible] خود لکھتے تھے [illegible] سے [illegible]
[illegible] انشا پردازی [illegible] نہیں لکھ سکتے تھے [illegible] یہی حال اردو کا بھی تھا
[illegible] اور ہمیشہ [illegible] محاورے استعمال کرتے تھے البتہ شعر [illegible] کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے۔
[illegible] نواب مظفر حسین خاں [illegible] کے ساتھ [illegible] تھے [illegible]
[illegible] شکستہ [illegible] سے نہیں پڑھے جاتے [illegible]
[illegible] ایسا خط نہیں لکھتے"

[illegible] خاندان میں سب بزرگ حافظ ہوتے تھے مگر [illegible] اپنے حفظ کا [illegible] تھے والد مرحوم نے دس پارے حفظ کیے تھے اس کے بعد چھوڑ دیا [illegible] پڑھنے [illegible] تھے [illegible] مدت تک [illegible] دیکھتے اور پڑھتے جاتے تھے۔ انتقال سے ایک سال پہلے [illegible] حافظ ہونے کا [illegible] پیدا ہو گیا گھر پر [illegible] رہتے تھے اس کے پیچھے ایک مسجد افتادہ حالت میں پڑی ہوئی تھی آپ نے اسے درست کرایا اور خود وہاں نماز پڑھنے لگے [illegible] اسی مسجد میں پڑھتے تھے۔ رمضان آیا تو آپ نے اس مسجد میں تراویح کا انتظام کرنا چاہا۔ ایک حافظ جی کو [illegible] آپ سے اس مسجد میں تراویح پڑھانا طے کیا حافظ صاحب بعض وجوہ سے نہیں پڑھا سکتے آپ کوئی اور انتظام [illegible] دوسرا حافظ ملا نہیں۔ مجھ سے کہا تو میں نے کہا آپ خود پڑھ دیجئے۔ آپ کو تقریباً قرآن مجید حفظ ہے روزانہ دو [illegible] پارہ [illegible] اور رات میں پڑھا دیجئے۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی مجھے اور میرے ایک دوست کو بھی پابند کر دیا کہ تم دونوں بھی دوپہر میں ایک پارہ روزانہ سن لیا کرو اور مسجد میں جب میں پڑھاؤں تو سنتے جانا غلطی ہو جائے تو لقمہ دینا۔ اس طرح تراویح پڑھنے لگے اتفاق سے [illegible] شاگرد لقمہ دینے کا فرض [illegible] دینے لگے اور میں [illegible] گیا مگر مرحوم نے اس طرح تیس دن میں پورے ختم کر دیے اور انہیں اپنے حافظ ہونے کا جو قلق تھا جاتا رہا۔

جوانی میں طب کا امتحان بھی دیا تھا عملی تجربہ قطعاً نہ تھا اور خود دائم المریض تھے جب بھی کوئی حکیم نسخہ لکھتا اس میں کمی بیشی کر کے اور اپنی صحت خراب کر لیتے یہ مرض جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی بڑھتا ہی گیا۔

زود رنج، مجموعہ اضداد اور بچوں کی طرح تھے ہر ایک کی بات کا یقین کر لیتے، فوراً بگڑ جاتے اور جلد ہی من بھی جاتے تھے طبعی کیفیت ایسی تھی ذکر و اشغال میں منہمک رہتے تھے اور اوراد و وظائف کے پابند تھے۔ چونکہ مذہبی آدمی تھے اس لئے مجاذیب اور مزارات کے بڑے معتقد تھے [illegible] مل جاتا اسے پکڑ کر گھر لاتے، کھلاتے پلاتے، کپڑے بنواتے اور نذر دے کر رخصت کرتے تھے [illegible] ہمیشہ [illegible] بڑے اہتمام سے کرتے تھے [illegible] کے اس طریقہ کا مخالف تھا اس لئے مجھ سے خفا ہوتے تھے [illegible] اور [illegible] کہنے لگے تم مجھے [illegible] چلنا چاہتے ہو [illegible] مرنے والا ہوں [illegible] صاحب کے پاس [illegible] اگر [illegible] تو [illegible] انتظار کرو [illegible]

اس کی تکمیل کی صورت میں طبع ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیوں سنبھالتے ہو۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد خواجہ صاحب کے پاس میں مسودہ پہنچا تو کل سکشنز میں چاروں کا کتاب کر کے ایک دیوان بنایا جو بہت ضخیم ہوگا اس کی طباعت سے ایک مرتبہ اس حال کی اشاعت مسودہ پورا مسودہ بھجوایا گیا مگر مطبع کی برخاست ہوگیا اس زمانے میں دیوان کو تاکید کی ذرائع سے نکالی تھیں۔ مرید حقی نام رکھا اس دیوان کا انتخاب میں نے کیا ہے جس کی طباعت کی فکر کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ جلد ہی چھپ جائے گا۔

مرحوم کی شاعری کا یہ حال تھا کہ طبیعت بڑی رواں تھی، بڑی آمد سے شعر کہتے تھے۔ مشق سے محض نا بلد فرضی مضامین بجز فراق یا صحبت کے کہ کیا بات پیدا ہو سکے گی عشق بھی جاری رہتی ہی تھا۔ ادھر وہ غزلیں کہہ ڈالتے اور بعض شکستہ بستر گرگی کا طریقہ ان کا قافیہ ردیف دیکھ کر بیٹھتے ان کو مصرعوں میں بند کرتے پھر ان مصرعوں پر مصرعے لگ جاتے اس طرح غزل کہی جاتی۔ اس میں اگر اردو کی آورد بھی تھی آمد زور ایک آدھ شعر صاف نکلتا ہو بس سارا دیوان ایسا ہی ہے۔

آخر میں صحت بہت گر گئی ہے، عمرت میں شاید طبیعت زیادہ رواں تھی۔ ابتدائی غزلیں کچھ اچھی ہیں۔ تو آپ اپنے حسب حال شعر کہے تھے

دشمنوں سے بھی جھک کے ملا ہوں | یہ تخیل شعر ہے میرا
لگا آگ دل کو روز کی ہے یہ چلی تم | یہ کرنا ملی گئی پیدا کسی نا اہل انسان سے
با مروم اہل نسب خوب شکل | با مروم بدذات نکلی مشکل
با مروم بدزبان کرے صفت مشکل | گری مشکل و گری نہ گری مشکل

اپنی امارت اور خاندانی وجاہت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ دوستوں اور عزیزوں سے کبھی کوئی کام نہیں لیا۔ مرحوم عالی حسب تحصیلدار تھے اور فصیح جنگ کے نبی علی یار خان مگر کبھی فصیح جنگ سے اپنی مستقل تحصیلداری کے لئے نہیں کہا میں فصیح جنگ کے پاس بہت جاتا رہتا تھا مجھے ہمیشہ منع کرتے تھے کہ خبردار میرے لئے یا اپنے لئے فصیح الدین سے کچھ نہ کہنا۔

داغ سے عاشقانہ محبت تھی جب داغ کا ذکر کرتے آب دیدہ ہو جاتے اور اس احترام سے "استاد داغ" کا نام لیتے جیسے کسی کا نام لے رہے ہوں۔ اسی طرح مولوی سید یوسف الدین صاحب سے بھی انہیں عقیدت تھی۔

حساب میں بہت کمزور تھے اس لئے تاریخ بھی کہہ نہ سکتے تھے۔ ایک روز بیٹھے ہوئے تاریخ کہہ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کیا ہے؟ کہنے لگے جلال لکھنوی کے انتقال کی تاریخ نکال رہا تھا۔ ایک مصرعہ بڑا اچھا نکالا ہے۔ میں نے پوچھا کیا ہے تو کہا "جان کندنی" سے ضامن جلال میں نے کہا یہ تو وفات کی تاریخ نہیں۔ کہنے لگے پھر کیا ہے؟ میں نے کہا یہ نزع کی تاریخ ہے۔ جان کندنی ہی تو ہے وفات یا انتقال ابھی کہاں! کہنے لگے ٹھیک تو ہے مجھے خیال نہ رہا۔ ان کے استاد بھائی مولوی حسین الہ نے لغت تاریخ نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں تاریخی الفاظ، جملے وغیرہ تھے اس کی مدد سے بڑی محنت مشقت کے بعد تاریخ نکالتے تھے وہ بھی وفات جا کر جان کندنی ہو جاتی تھی۔

میری مضمون نگاری سے بہت خفا رہتے تھے، لاہور کے بعض رسائل میرے نام کے ساتھ "مولانا" لکھتے تھے کوئی مضمون مولانا تمکین کاظمی کے نام سے طبع ہوتا تو دیکھ کر بڑے خفا ہوتے کہتے میاں! ہم نے بڑی محنت کی ہے مگر اب بھی لوگ مولوی کہتے ہیں تو شرم آتی ہے کہ ہم اس لقب کے مستحق نہیں ہیں لوگ غلط اندازہ کر رہے ہیں اور تم ہو کر بائیس سال کی عمر میں مولانا بن گئے وہ لوگ جو تمہیں مولانا لکھتے ہیں صورت دیکھیں تو کیا کہیں گے؟

حضرت اشتغال دہلوی کی شاعری پر میں نے ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا جو رسالے میں چھپا تھا۔ یہ مضمون پڑھا تو بہت خفا ہوئے کہنے لگے کیا گیتے ہیں مت شاعری کہاں سے آئی۔ تم ہو کہ اسے شاعری ثابت کرنے چلے ہو شعر کی تم کو ہوا بھی نہیں لگی۔ استادوں کا کلام

[illegible]

عظمت اللہ خاں

[illegible] عظمت اللہ خاں سے پہلی ملاقات [illegible] عظمت اللہ خاں سے [illegible]

[illegible] عظمت مرحوم ان دنوں [illegible] بیٹھے ہوئے تھے [illegible] بحث ہو رہی ہے [illegible] تفصیل [illegible] اور عظمت خاموش ہو گئے [illegible] رنگ روپ [illegible] یا نہیں [illegible] بحث صرف یہ تھی کہ کالا رنگ [illegible] جواب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور سب لوگ [illegible] عظمت کا ہم خیال تھا [illegible] حسین نہیں کہا سکتی [illegible] بحث بڑی لمبی ہو گئی تھی بالآخر بغیر کسی تصفیے کے ختم ہو گئی [illegible] عظمت سے بے تکلفی کی [illegible] کھل گئے کہ اپنی ساری زندگی [illegible] بیان کر دی اور مجھ سے [illegible] بہت قریب ہو گئے تھے۔

عظمت نہایت شریف، باوقار، مخلص اور قابل آدمی تھے، محنتی اور کارگزار بھی بہت تھے [illegible] کام کرنے سے تھکتے نہ تھے [illegible] گھر پر کام کرنے کا وقت انہیں نہ ملتا تھا اس لئے کہ لوگ بہت آ جاتے تھے [illegible] انہماک سے کرتے تھے [illegible] دفتری کام [illegible] کمال تھا [illegible] ایک روز میں نے کہا اپنی نظمیں چھپوا دیجئے تو کہنے لگے ایک شرط پر [illegible] میں جب گھر گیا [illegible] بات آئی گئی ہو گئی [illegible] ایک مضمون میری نظموں کے متعلق [illegible] نظمیں جمع کرنا [illegible] ایک مضمون عظمت اللہ خاں [illegible] "اردو" اور "علیگڑھ میگزین" [illegible] نظمیں نقل کر [illegible] کے بعد مجھے خیال ہوا [illegible] علیگڑھ کے طلباء [illegible] عظمت کو عام لوگ نہ جانتے تھے [illegible] اور ان کی شاعری [illegible]

بالآخر اس مضمون کے ... [illegible] ... کو عظمت ... [illegible] ... کی ... کو ... [illegible]
بجائے ... عظمت صاحب نے ... ایک لمبا چوڑا خط لکھا کہ ... شاعر ثابت کر ... [illegible] ... شاعر ... کرتا تھا
اسے ... تمام ... کرتی ہے ... ہیں ... اس کے بعد ... [illegible] ... ہو گئے ہیں ... [illegible]
یہ ... عظمت ... ہونے لگی ... آپ ... پاس ... کتاب ... ڈاکٹر ... نے ... پڑھنے کی اجازت ... ہے ایک ... [illegible]
... اس مضمون کا ایک ... [illegible] ... اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اشتعال کی اطلاع بھی ہو۔

عظمت کی موت ناوقت ہوئی۔ ملک کو ان کی شدید ضرورت تھی ان کے جیسے ... [illegible] ... کرتے تھے ... [illegible]
عظمت کے مضامین ... کی نظموں کا مجموعہ دونوں طبع ہو گئے ہیں مگر ان کے ترجمے نہیں چھپ سکے۔ عظمت نے سیکڑوں کو شاعر، مضمون نگار، ایڈیٹر کیا کچھ بنا دیا۔ رفیق بیگ نے عظمت ہی کے مشورے سے ... کا ... کیا اور ... نمائش ... کیا۔ فرحت اللہ بیگ اپنے مضامین میں عظمت ہی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اپنے نام ... مضامین عظمت نے فرحت اللہ بیگ کو بھی دے دیے تھے۔ ... صاحب عظمت کو رباعیاں ... کے ... کر دیتے یا مجموعے میں چھپوا دیتے۔ اسی طرح ... کے ... عظمت کو دکھایا کرتے، مسعود بیگ ... عظمت سے لکھتے تھے، غرض عجیب و غریب آدمی تھے عظمت اللہ خاں:

بعض ایسے لوگ بھی ... ہیں ... بظاہر بہت قابل مشہور تھے

نام کیوں ... اللہ کے بندے ہوں گے

بہرحال عظمت ایک شخص تھے جو نظم، نثر، انگریزی، اردو سبھی کچھ لکھا کرتے تھے، ... ان کے حصے میں ... [illegible] ... کے ... میں ... تھے۔

نہایت زندہ دل، ... آدمی تھے، ململ کا کرتا پہنے ... آستین چڑھائے بیدی ... کر ... بیٹھے حقہ یا سگریٹ پیتے جاتے باتیں بھی کرتے، شعر بھی کہتے، مضمون بھی لکھتے، اصلاح بھی دیتے، مشورے بھی دیتے، ... ہنستے کھیلتے وقت گزار دیتے، خود خوش رہتے اور دوسروں کو خوش کرتے تھے۔

پہلوانی سے لے کر ... تک، ... سے لے کر تصوف تک، ... سے لے کر ... تک ہر موضوع پر ... گفتگو کرتے اور ہر بات کے تجربے سناتے جاتے تھے، ... ہی ... دوست تھے۔

حکیم شمس اللہ قادری

حیدرآباد کے سب سے پرانے مضمون نگار تھے غالباً حیدرآبادی مضمون نگاروں میں حکیم صاحب پہلے ہیں جو ہندوستان کے ... پرچوں میں تحقیقی مضامین لکھتے رہے ورنہ یہاں کے لوگ پہلے تو لکھنے پڑھنے ہی سے ڈرتے تھے اور لکھتے پڑھتے بھی تو حیدرآباد سے باہر کے رسالوں میں چھپوانے سے بھی ڈرتے تھے۔

حکیم صاحب کی تحقیق کے قائل بڑے بڑے لوگ تھے چنانچہ شبلی نعمانی وغیرہ ان کو بہت مانتے تھے۔ حکیم صاحب ... [illegible] ... اردو ... [illegible] ... کتابیں ... میں ... حیدرآباد میں ... کے لوگ " ... ایک ... [illegible] ... کتب خانہ ... [illegible]
تھا غالباً ... سے ... [illegible] ... اس کے کتاب ... [illegible] ... کتاب کا

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

دہلی [illegible] حکیم صاحب نے [illegible] صاحب سے [illegible]
[illegible] صاحب نے [illegible]
[illegible] کتابیات [illegible]
[illegible] کی خدمت کی۔
[illegible] شروع کر دیا [illegible]
[illegible] حکیم صاحب [illegible]
[illegible] ہیں۔
حکیم صاحب [illegible] ان کی ذات سے [illegible]
[illegible] کافی ہے۔

یہ وہ عہد تھا جس سے آپ روشناس ہو رہے تھے اس دور کے جن لاتعداد بزرگ
میں نے منتخب کئے ہیں وہ ذیل کی فہرست ہے۔
اب تیسرے دور کو ملاحظہ فرمایئے۔ اس دور سے بھی چند شخصیتیں میں نے منتخب
کی ہیں۔

نظامت جنگ

حیدرآباد میں ایک خاندان بڑا مشہور قابل اور با استعداد گزرا ہے جس کے اراکین [illegible] عماد جنگ اول و دوم رفعت یار جنگ وغیرہ تھے۔ نواب سر نظامت جنگ بہادر ایم۔ اے ایل ایل بی۔ بیرسٹر ایٹ لا بھی اسی خاندان کے ایک رکن تھے۔ ابتداً سررشتہ عدالت میں [illegible] پھر صدر المہام سیاسیات اور پولیٹیکل ممبر ہو گئے تھے۔ [illegible] تک پہنچ گئے تھے۔ [illegible] کا یہ حال کہ عزیز و اقارب سے [illegible] کوئی فائدہ نہیں پہنچایا [illegible]۔

شادی نہیں کی تنہا زندگی بسر ہوئی۔ چند روز مکانات بنانے کا شوق رہا۔ ہل فورٹ بنوایا اور پھر اسے فروخت کر دیا اسی طرح کئی مکانات [illegible] نہایت ہی خاموش [illegible] ابتداً [illegible] انگریزی ادب پر خاصا عبور تھا۔ نظم و نثر دونوں پر حاوی تھے حضور نظام دکن کی اکثر نظموں کو انگریزی میں منتقل کیا تھا۔ خود بھی انگریزی میں نظمیں کہتے تھے۔

حیدرآباد نے جہاں [illegible] شاعر پیدا کئے وہاں انگریزی کے شاعر بھی پیدا کئے ہیں جن میں پہلا نمبر [illegible] سروجنی نائیڈو کا [illegible]

اور سر [illegible] جنگ کے [illegible] سے [illegible]
کر دیا گیا تھا۔

نواب صاحب کے بھتیجے سید [illegible] ابتدا ضلع [illegible] تعلقہ [illegible] کے [illegible] ہوئے [illegible]
اس [illegible] بھی [illegible] ہو گئے تھے [illegible] بہت [illegible] اس سے [illegible] زیادہ تھا [illegible] اپنے [illegible] بھائی کی طرح [illegible]
[illegible] جنگ سے [illegible] کے [illegible] ہو گئے۔ ان دنوں نواب صاحب [illegible]
[illegible] پر رہتے تھے اور [illegible] صاحب بھی ساتھ رہتے تھے۔ میں اکثر صبح کے وقت ان سے ملنے جایا کرتا تھا۔ وہ ناشتے کے بعد
چبوترے پر آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھتے نظر آتے۔ سامنے گلی، گوالا بھینس کا دودھ دوہتا رہتا اور نواب صاحب اس طرح بیٹھے اس کی
نگرانی کرتے رہتے۔ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ گوالا دودھ دوہتا ہوا ایک چھوٹی (ڈبیا) بھر کر دودھ [illegible] اپنے گھر لے جاتا تھا۔ کسی [illegible]
یہ چوری پکڑی اور نواب صاحب کے سامنے چغلی پیش کی کہ اس طرح گوالا روزانہ چوری کرتا ہے۔ نواب صاحب نے ہنس کر غصے سے
فرمایا "ہم تو برسوں سے دیکھ رہے ہیں، تم نے کوئی نئی بات معلوم کی؟" چغلی گر [illegible] کر رہ گئی اور معاملہ بدستور چلتا رہا۔

اخبار [illegible] ہفتہ وار جاری ہوا تو میں [illegible] کام کیا کرتا تھا۔ نواب صاحب نے شاید کبھی پڑھ لیا [illegible] سمجھ گئے۔
مسلسل پڑھتے رہے اور پھر مجھے یاد فرمایا۔ میں نے دفتر میں [illegible] جنگ سے ملاقات [illegible] کے سلسلے [illegible] اور مجھے دوست
[illegible] ملنے کے لئے فرمایا۔ ایک روز [illegible] جو آئی تو میں نے [illegible] حاضری دی۔ صبح کا وقت تھا وہ ناشتے کے بعد آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے
میں نے اطلاع [illegible] بیٹھے بیٹھے گفتگو فرمانے لگے۔ میں [illegible] یہ [illegible] مجھے پسند نہ آئی [illegible]
[illegible] ایک اسٹول پر اخبارات رکھے تھے میں نے اخبارات اٹھا کر نیچے ڈال دئے اور اسٹول پر بیٹھ کر گفتگو شروع کی۔ نواب صاحب کو اس طرح
بلا اجازت میرا بیٹھ جانا بڑا ناگوار گذرا، باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کی اور دو چار منٹ کے انتظار کے بعد چلا
گیا۔ اس کے بعد مجھے کبھی ان سے ملنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

میرے [illegible] مولوی محمد محسن صاحب [illegible] نواب صاحب کے [illegible] میں ان کی لڑکی کی شادی میں اچانک سامنا ہو گیا تو صورت
دیکھتے ہی نام لے کر مخاطب کیا، دیر تک گفتگو کرتے رہے اور شکایت کی کہ آپ پھر نہیں آئے۔ میں نے اس دن کا واقعہ دہرایا تو مسکرا کر فرمایا
معلوم نہیں کیا بات تھی، مجھے یاد نہیں۔ مگر پھر بھی میں نے ان کے گھر جانے کی ہمت نہیں کی۔

وظیفہ (پنشن) لینے کے بعد بالکل مذہبی آدمی ہو گئے تھے قرآن کی تفسیر بھی لکھ رہے تھے بعض چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ایک
انجمن "علم و عمل" کے نام سے قائم کی تھی جس کے لئے ایک مکان اور نقد رقم وقف کی ہے۔

مرحوم میں جو صلاحیتیں تھیں وہ ان کی [illegible] اور بے جا وضعداری کی وجہ سے بروئے کار نہ آسکیں، برسر خدمت رہتے تک مذہبی خدمت
نہیں کی بلکہ مذہب سے دور دور ہی رہے، وظیفے کے بعد جو مذہبی خدمت شروع کی تھی وہ ان کے شایان شان نہ تھی، معمولی صلاحیتوں کے لوگ
بھی یہ کام کر سکتے تھے، ان سے جو توقعات تھیں پوری نہ ہو سکیں۔

بے شک نیک [illegible] اور وضعدار آدمی تھے بعض قرابتداروں کی مالی امداد بھی کرتے تھے مگر اپنے خاندان کی خوشحالی اور ترقی کی کبھی کوشش نہیں
کی، اتنا بڑا شخص سیکڑوں کو بنا سکتا تھا مگر وہ اپنے خاندان والوں کو بھی نہ بنا سکے اس [illegible] وضعداری سمجھتے تھے، سماجی حیثیت [illegible]
انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا [illegible] ایک انگریزی شاعر کی حیثیت سے حیدرآباد [illegible] فخر کر سکتا ہے [illegible] انگریزی نظموں کے چار پانچ مجموعے طبع ہو چکے ہیں
جو عام طور پر مقبول ہیں۔

بہادر یار جنگ

بہادر یار جنگ ایک مشہور صاحب ثروت جاگیردار خاندان سے تھے۔ بڑی غیر معمولی شخصیت تھی۔ بچپن ہی سے تقریر کا شوق تھا۔ جس وقت پندرہ سولہ برس کے تھے [illegible] تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ بہادر خاں تقریر کرتے ہیں چنانچہ لوگوں نے مجبور کیا کہ وہ آئے اور تقریر شروع کی [illegible] شروع کی تو کانپ رہا تھا [illegible] کے مقابل میں جب [illegible] آپ کے آگے تقریر کا [illegible] کرتے تھے [illegible] ضرب المثل [illegible] استعمال ہوتی تھی [illegible] جو کچھ پڑھتے یاد رکھتے، تقریروں میں ان کا استعمال بڑی خوش اسلوبی سے کرتے تھے۔

حیدرآباد تقریر کے معاملے میں ہمیشہ سے جنوبی ہند میں پیش پیش رہا ہے [illegible] بہادر یار جنگ حیدرآباد میں پہلے شخص ہیں جنہیں قدرت نے [illegible] سال سے [illegible] آواز [illegible] تقریر کے لئے [illegible] ظاہری شخصیت ایسی تھی کہ حاضرین کو مرعوب کر لیتے اور پھر جب [illegible] تھا [illegible] تو غضب ہی کر دیتے تھے۔

ابتدائی تعلیم کچھ زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ بہادر یار جنگ نے بعد میں ذاتی محنت سے پڑھیں [illegible] عربی اور فارسی [illegible] کا مطالعہ بڑا اچھا تھا [illegible] حیدرآباد [illegible] سے بہت [illegible] اور حصول [illegible] کی کوشش کرتے تھے [illegible] ابتداً [illegible] کو سن کر [illegible] تو حیدرآباد میں اپنے [illegible] تقریر [illegible] شروع ہوئی۔

تقسیم کے چند برسوں سے اتحاد المسلمین [illegible] ایک انجمن قائم کی تھی [illegible] خواجہ [illegible] تھے۔ انھوں نے یہ دیکھا کہ بہادر یار جنگ غیر معمولی طور پر ابھر رہے ہیں تو اتحاد المسلمین [illegible] اور نواب [illegible] اتحاد المسلمین سے وابستہ ہو گئے کہ انجمن میں [illegible] اور وہ انجمن میں جذب ہو گئے۔

سیاسی حیثیت سے ملک کا مفاد اور وطن کی محبت ان [illegible] تھی [illegible] اگرچہ [illegible] سال اور زندہ رہتے تو غیر معمولی لیڈر ہوتے۔ مختصر سے عرصے ہی میں نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان بھر میں شہرت حاصل کر لی تھی [illegible] بہت پسند کرتے تھے۔

علم و ادب سے بھی شغف تھا۔ ادبی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ بھی کرتے رہتے اور کبھی کبھار شعر بھی کہتے تھے۔ عین جوانی میں [illegible] کی وجہ سے اچانک موت واقع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ناوقت موت ہوئی ع

این ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد!

احمد محی الدین

حیدرآباد کے قدیم اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے [illegible] خاندان سے بھی قرابت [illegible] حیدرآباد میں ولادت، تعلیم و تربیت ہوئی۔ حیدرآباد سول سروس کے لئے کوشش کی مگر انتخاب نہ ہو سکا [illegible] ہو کر ملازمت کی کوشش کی [illegible] چند روز نہایت [illegible] ان دنوں [illegible] محی الدین صاحب [illegible]

[illegible] پینٹنگ کے شوقین تھے ان کے ہاں ہفتے جمعرات کی رات وہاں "یادبی محفل" [illegible]
[illegible] سیف الدین [illegible] اور محی الدین۔ "الوقت" وغیرہ [illegible]
[illegible] سیف الدین [illegible] جمعرات کی رات کو ایک [illegible]
[illegible] اخبار کی [illegible] "مصر" نام تجویز ہوتا تھا ذیلی عنوانات بنائے جاتے اور ایک مکمل خاکہ تیار ہو جاتا گویا کل سے اخبار
جاری ہو جائے گا۔ کسی جمعرات کی رات روزنامے کا ذکر رہتا۔ نام تجویز ہوتا تاکہ اس کے علاوہ "الوقت" ذیلی عنوانات تجویز ہوتے تمام کام زبانی
انجام پاتا، کبھی [illegible] اور پینٹنگ [illegible] کی تجویز ہوتی اس طرح رات دلچسپی سے گزرتی صبح معین الدین صاحب [illegible] کا تعین [illegible]
اور سب لوگ واپس ہو جاتے، چند روز تک یہی دلچسپی رہی اس کے بعد جب معین الدین صاحب [illegible] تو جمعرات پارٹی بھی
ختم ہو گئی [illegible] اور [illegible] تھیں اس لئے سب بھول گئے۔ [illegible] ہر ہفتے حیدرآباد آنے کی عادت تھی
اس [illegible] ایک دفعہ حیدرآباد [illegible] "خداداد" [illegible] عبدالرحمن نے سیف اللہ کا نام رکھا تھا اور ہم لوگ انہیں [illegible] کہتے تھے [illegible]
نے اخبار نکالنے کا [illegible] کر لیا ہے اور "الوقت" کی اجرائی کے انتظامات ہو رہے ہیں مجھ سے ملاقات ہوئی تو احمد میاں نے کہا اخبار نکالنے کا تو [illegible]
کرچکا ہوں مگر نام سوچ رہا ہوں "الوقت" مجھے پسند نہیں۔ مخبر دکن، مشیر دکن جیسا نام چاہتا ہوں۔ میں ترکیب نام کا مخالف تھا اسی لئے میں نے
اس [illegible] کی مخالفت کی مگر احمد میاں اسی طرف مائل تھے۔ آٹھ دس روز کے بعد پھر حیدرآباد آیا تو معلوم ہوا کہ "رہبر دکن" نام تجویز
ہوا ہے اور درخواست بھی دے دی گئی ہے چنانچہ منظوری ملی اور رہبر دکن "بڑی آب و تاب سے نکلا"۔ احمد میاں نے ایسی نیک نیتی سے اخبار
جاری کیا تھا کہ وہ ترقی کرتا ہی رہا اور جنوبی ہند کا سب سے کثیرالاشاعت اخبار ہو گیا [illegible] ملک کی خدمت کی اور حق یہ ہے کہ حق خدمت ادا
کیا۔ حیدرآباد میں اس وقت دو روزنامے [illegible] نکلتے تھے ایک "صحیفہ" دوسرا "مشیر دکن" یہ دونوں ہی [illegible] کے پرچے تھے۔ [illegible] کے
[illegible] دوسرے کے پنڈت جی۔ صحیفہ ایسا [illegible] اخبار تھا کہ اشتہار چھاپنا خلاف شرع سمجھتا تھا، کسی جاندار کی تصویر صحیفہ میں طبع ہو ہی نہ
سکتی تھی، مشیر کے پنڈت جی بھی اسی قسم کے کٹر تھے مولوی محبوب [illegible] مشیر کے [illegible] تھے مگر مضامین کی حد تک ان کا تعلق تھا [illegible]
سے بے تعلق تھے، ایسے زمانے میں ایک روشن خیال اخبار کی شدید ضرورت تھی۔ اجرائی کے چند سال بعد ہی سے خاص نمبر [illegible]
ولیعہد [illegible] جو معزز ہوتے تھے۔ شہزادگان والا شان کی تصویریں پہلی بار رہبر دکن ہی میں طبع ہوئیں، غرض جتنی جدت ہو سکتی تھی ہوتی رہی۔ کارکن
[illegible] مخلص ملے، احمد میاں کے بھائی یوسف الدین مہتمم تھے، عبداللہ خان [illegible] اور زیادہ تر [illegible]
دوسرے کارکن بھی [illegible] ہی مستعد اور مخلص ملے اور خوب کام ہوتا رہا، کسی شخص یا ادارے نے اپنے عملے کے لئے اتنی سہولتیں مہیا نہیں کی تھیں جتنی
احمد میاں نے کیں، اپنے عملے کا کوئی آدمی مر جاتا تو وہ تجہیز و تکفین کے مصارف برداشت کرتے اس کے متعلقین کو [illegible] وظیفہ مقرر کر دیتے [illegible]
خاص [illegible] سے مقرر کرتے اور وقت پر ادا کرتے، قرضے بھی [illegible] دیا کرتے اور دوسری سہولتیں بھی دیتے اس [illegible] کا [illegible]

رہبر دکن جاری کر کے [illegible] جب اقبال علی خاں مہتمم تعمیرات کے مکان ہوئے تو میں نے [illegible] اس سے بہت متاثر ہوئے [illegible]
پاس منتقل ہو گئے [illegible] اقبال علی خاں کے مکان [illegible] اس طرح دوستوں کا خیال رکھتے تھے، میں نے [illegible]
تھا، [illegible] اتفاق سے [illegible] روپے [illegible] اس کامیابی سے [illegible]
[illegible] فراہم کئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ان کے ایک بیٹے [illegible] ابتدائی تقرر [illegible] احمد محی الدین جس کو حیدرآباد میں [illegible]
[illegible] اور [illegible] کوشش [illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ بات کوہ کن کی تمہی کوہ کن کے ساتھ!

فانی

فانی بدایونی کو مدت سے پڑھ رہا تھا، ان کی تصویر بھی دیکھی تھی لیکن ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک روز [illegible] میں سے نکل ہی رہا تھا کہ ایک دبلے پتلے، متوسط قدوقامت کے شریف آدمی نے مجھ سے جوش ملیح آبادی کے گھر کا پتہ پوچھا۔ اتفاق سے میں جوش ہی کے پاس جا رہا تھا۔ جوش ان دنوں حیدرآباد میں تھے، میں نے کہا چلئے میں بتاتا ہوں، وہ ساتھ ہو لئے۔ مجھے سائیکل [illegible] ساتھ پیدل چلنا پڑا [illegible] راستے میں انہوں نے ایک دو معمولی باتیں کیں اور پھر خاموش جوش کے گھر تک پہنچ گئے۔ جوش [illegible] بیٹھے ہوئے تھے، [illegible] ان صاحب کی شاید کبھی ملاقات ہو چکی تھی مگر جوش نے بھی انہیں نہیں پہچانا [illegible] بدایونی [illegible] اس طرح معلوم ہوا کہ یہ دبلا پتلا کمزور سا شخص فانی ہے۔ جوش نے بہت مجبور کیا کہ وہ ان کے مہمان ہو جائیں مگر فانی نے انکار کیا اور [illegible] ہوٹل کے قیام ہی سے خوش [illegible] پہلی ملاقات فانی سے، اس کے بعد مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مہاراجہ بہادر کے پاس، جوش کے پاس، [illegible] چند روز رہ کر فانی چلے گئے۔ دوبارہ آئے تو [illegible] اسٹیشن کے پاس [illegible] میں قیام کیا [illegible] میں اس مکان میں منتقل ہو گئے جو [illegible] مکان تھا اور مہاراجہ بہادر نے ان کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ یہ قیام مستقل تھا، [illegible]

[illegible] شعراء میں سب سے زیادہ [illegible] شاعر تھے جس نے سوا شاعری کے کچھ نہیں کیا اور اگر شاعری کے علاوہ کچھ کیا [illegible] کی شاعری [illegible] ہے نفسیات کی اور غیر نفسیات والی شاعری شاعری نہیں کہلا سکتی۔ میر کے بعد کوئی غیر نفسیات والا شاعر اگر پیدا ہوا تو وہ فانی ہی تھا۔ فانی کی نفسیات [illegible] نفسیات کے پیچھے [illegible] انہیں دنیا اور دنیوی [illegible] سے کوئی سروکار نہ تھا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کا مطلب ہے [illegible]

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے

کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

کا حال ہے۔

اور کوئی شخص ہوتا تو دنیا بنا لیتا، حیدرآباد پہنچا جاتا مگر فانی [illegible] کرتے رہے [illegible] عہدہ [illegible] ملازمت [illegible] مگر [illegible] سے [illegible] ہو گئے تھے۔

واقع حیدرآباد آ کے [illegible] کو [illegible] نصیب تھی [illegible] شہر [illegible] کی [illegible] ملازمت [illegible] کر کے [illegible] کر [illegible] جو [illegible] خلاف [illegible] فانی [illegible] نصیب نہیں [illegible] رہے [illegible] تک [illegible]

فانی دکن میں آ کے یہ عقدہ کھلا کہ ہم

ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

مگر حیدرآبادیوں [illegible] صاحب [illegible] اپنے وطن [illegible] اور [illegible] شمالی ہند و ہندوستانی [illegible] داغ کے زمانے میں [illegible] سکتے تھے، فانی [illegible] کو [illegible] تھا، چنانچہ [illegible] اہل دہلی [illegible] تو [illegible] ہندوستانی [illegible] سمجھتے تھے، داغ اس [illegible] تھے [illegible] چنانچہ انہوں نے حیدرآباد میں حیدرآبادیوں کی سی زندگی [illegible] گزاری اور [illegible] کامیاب [illegible] مگر فانی [illegible] کے [illegible] صورت حال [illegible] تھے۔ یہ شعر [illegible] حالات [illegible] البتہ فانی [illegible] لوگ [illegible] ہو گئے اور [illegible] حیدرآبادی [illegible] سے نفرت کرنے لگے۔ بہرحال فانی [illegible] زندگی گزاری، آخری زمانے میں ان کے حالات بد سے بدتر ہو گئے تھے [illegible] بھائی [illegible] کے قریب ہی تھا۔ بیچارے ان سے بہت [illegible] اور ان کی حالت [illegible] تھا مگر ہم لوگ مدد کر کیا سکتے تھے اور روتے بھی کب تک؟

شام [illegible] کب تک روئیے!

مجھے فانی سے محبت تھی، ان کے لئے اکثر روتا ہوں اور شاید مرنے تک روتا رہوں گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ [illegible] غالب و داغ، اکبر و اقبال بنائے، میر و فانی نہ بنائے، آمین!

فصاحت جنگ

حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری المخاطب بہ نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل القدر امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ امیر رامپور ہی میں تھے کہ جلیل ان کے پاس پہنچ گئے اور امیر اللغات کا کام کرنے لگے۔ امیر چاہتے تھے کہ ان کی لغات [illegible] حیدرآباد سے [illegible] شائع [illegible] انہوں نے [illegible] کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اب جلیل [illegible] سکتا ہے [illegible]

جلیل صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جس کا ایک شعر تھا

جلیل [illegible]

غضب ہو شاہ سے [illegible] برپا ہوئی ہے

جب بھی جلیل تشریف [illegible]

[illegible] چلے گئے اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

کسی [illegible] غزل [illegible] تھے اور [illegible] تھا [illegible] کے ساتھ [illegible]

[illegible]

بے تکلفی سے [illegible] اور گھر میں [illegible] پھینک دو [illegible]
حافظ صاحب [illegible] عاشق [illegible]
[illegible] تھے۔ [illegible] محبت [illegible] جلیل [illegible] عاشق تھے
[illegible] محبت [illegible] تھی۔

حیدرآباد میں [illegible] شاگردوں میں [illegible] تک [illegible]
دیوان [illegible] اب تک نہیں چھپا [illegible] دیوان [illegible] ہے۔

جلیل کے بیٹوں اور شاگردوں [illegible] جلیل [illegible] کاش [illegible]
کی بجائے دیوان چھپوا دیں۔

واقعہ ہے کہ جلیل بہترین غزل گو تھے۔ لکھنؤ اسکول میں [illegible] اچھا غزل گو [illegible] نہیں ہوا۔

صفی اورنگ آبادی

بہبود علی صفی اورنگ آبادی اورنگ آباد [illegible] میں پیدا ہوئے تھے۔ بچپن ہی میں باپ [illegible] حیدرآباد آئے اور یہیں [illegible]
پائی۔ باپ [illegible] پیشے سے [illegible] خوش نویس [illegible] نوکری [illegible] کے پاس خوش نویس [illegible] ملازم ہو گئے
[illegible] خوش نویس [illegible] شاعر ہے اور صفی تخلص کرتا ہے [illegible] حیدرآباد کے
امیر نواب [illegible] نواب [illegible] یار جنگ [illegible] آخر میں خود انھوں نے اپنے
شاگردوں سے [illegible] گزر بسر کرتے تھے۔

ابتدا میں [illegible] کی شاگردی [illegible] حیدرآباد [illegible] آخر [illegible]
کے شاگرد ہو گئے تھے۔ [illegible] غزل [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

علی منظور

[illegible]

ہوش بلگرامی

کیفی حیدرآبادی کے ایک شاگرد تھے۔ [illegible] میری بھی دوستی ہو گئی تھی [illegible] اس طرح ہوش سے میری دوستی ہوئی [illegible]
وقت کی بات ہے جب ہوش [illegible] اور چادرگھاٹ کے [illegible] کے قریب رہتے تھے۔

[illegible] میں ہوش [illegible] ملاقاتیں ہی ختم ہو گئیں [illegible] میں پھر حیدرآباد گئے تو ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ [illegible]
میں ہوش [illegible] تجربہ ہوا۔ [illegible]

ہو گئے تھے [illegible] رہتا تھا [illegible] ہی [illegible]

سے [illegible] ہوا [illegible] کی [illegible] پر [illegible] شروع [illegible]

[illegible] کرنے لگے۔

[illegible] بڑھتی گئی [illegible] اس سلسلہ میں جوش [illegible]

[illegible] لگے [illegible] کر [illegible] سب [illegible]

[illegible] ہو گئے [illegible] شروع ہو گئے [illegible] ہو گیا اور [illegible] شروع ہو گئی [illegible]

[illegible] کی [illegible] کو [illegible] گئی [illegible]

ماحول کو [illegible] سب [illegible] اور جوش [illegible] لگے۔

[illegible] کے [illegible] ہوئے [illegible] ہو گئے [illegible]

اور [illegible] جوش [illegible] گئے [illegible] ہوئے [illegible]

[illegible] سے بھی [illegible] اور [illegible] تھی [illegible]

[illegible] جوش [illegible] میں [illegible]

[illegible] ہو گئے۔ [illegible] ہو گئی [illegible]

[illegible] دیکھ [illegible]

اور [illegible] ایک ایک کے [illegible] ہو گئے [illegible]

[illegible] شروع ہوئی [illegible] مکمل [illegible]

[illegible] جوش [illegible] گئے [illegible]

[illegible]

اس واقعہ [illegible] لکھنی چاہیئے تھیں مگر نہ لکھیں۔ [illegible] شروع کر دیا۔ خوب [illegible]

دیں اور انہیں خوش کرنے کے لئے ایک کتاب لکھنے لگے جس میں حضور نظام سے لے کر اپنے بیوی بچوں تک کی مخالفت کی۔ [illegible]

مسودہ سناتے تو لوگ داد دیتے اور یہ خوش ہوتے مگر سنجیدہ لوگوں نے باوجود حالات جاننے کے ان کی کتاب کو پسند نہیں کیا۔ جوش جیسا [illegible]

تو انہیں بھی مسودے کا کچھ حصہ سنایا اور جوش نے بھی منع کیا کہ اس کو نہ چھپوائیے۔ بعض احباب مجھ کو بھی سناتے تھے اور میں پہلے ہی سخت مخالفت

کی تھی مگر کسی کی پیش نہ گئی اور جوش نے کتاب چھپوا ڈالی "مشاہدات" نام رکھا پھر چند سنجیدہ لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی منع کیا اور بعض

قانونی خدشات بھی ظاہر کئے جس کی وجہ سے بعض صفحات نکال دیئے گئے بعض سطریں حذف کی گئیں اور [illegible] کتاب [illegible] بد تر ہو گئی۔

چند ہی نسخے فروخت ہوئے تھے کہ [illegible] شروع ہو گئی۔ تنقیدیں اور خلاف مضامین چھپنے لگے بعض لوگوں نے معافی کا [illegible]

[illegible] کے دورے پڑ چکے تھے [illegible] میں پھر [illegible]

ستمبر [illegible] میں خود بیمار تھا اکثر [illegible] کچھ [illegible] ڈاکٹر [illegible] صاحب فراش ہو گیا [illegible] تھا کہ جوش

کے خلاف [illegible] اور میں ان سے ملنے کی [illegible] کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ جوش بیمار [illegible]

ہیں [illegible] کی خبر [illegible] باوجود علالت کے میں [illegible] جوش سے ملاقات کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یہ دور بہت مختصر تھا۔ اس میں سے صرف چند شخصیتیں میں نے انتخاب کی ہیں ورنہ فہرست بہت طویل تھی۔

پچھلے باب ... دور کی چند شخصیتوں سے روشناس ہو جائیے اس دور کے حضرات وہ ہیں جو بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں اور بیشتر اہم خصوصیات کے مالک ہیں۔ یہ فہرست بھی طویل ہے، چونکہ مضمون بہت لمبا ہو گیا ہے اس لئے میں نے اس فہرست کو مختصر کر دیا ہے۔

مُردوں پر کچھ لکھ دینا آسان ہے مگر زندوں کے متعلق ایمانداری سے لکھنا بہت مشکل ہے اور پھر ان لوگوں کے متعلق لکھنا جو آئے دن ملتے جلتے رہتے ہوں مشکل تر ہے، میں نے کوشش کی ہے کہ اخلاق، مروّت اور ایمانداری سے کام لوں۔ مجھے اپنی کوشش میں کس قدر کامیابی ہوئی ہے اس کا اندازہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔

زین یار جنگ

[illegible] زین یار جنگ [illegible] سال [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] شروع سے آپ [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] آپ [illegible] [illegible]
آپ کے [illegible] گئے۔

[illegible] کی حیثیت سے [illegible] آپ [illegible]
[illegible] آپ ہر وقت [illegible] آپ [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] آپ [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] آپ [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] آپ [illegible] کی خدمت کئے جاتے ہیں۔

ستر سال کی عمر [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] آپ [illegible]
[illegible] ہے۔

سید خورشید علی

[illegible] جاتے [illegible]
[illegible] سید خورشید علی صاحب [illegible]
[illegible] خورشید علی [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible]

مولانا کی تصنیف ... [illegible] ... آپ ... [illegible]

... [illegible] ... ۔

پندرہ سال سے زیادہ ہوا کہ آپ نے ... [illegible] ... آپ نے ...
تاریخ ... چھپ چکی ہے اور ... [illegible] ... اب بھی آپ ... کی خدمت میں ... [illegible]
... تاریخ ... [illegible] ... ۔

مجھے ... [illegible] ... بزرگ کی ... [illegible] ...
خاندان میں ... [illegible] ... مولانا کی ذات ... [illegible] ... عنایت و نوازش ہے
وہ اب تک مسلسل جاری ہے ۔ ... [illegible] ... تصنیف و تالیف میں بھی مولانا ... [illegible]
سے ... فرماتے رہتے ہیں ۔

نہایت خاموش کارکن اور مخیر بزرگ ہیں ۔ سینکڑوں زندگیاں آپ نے بنا دیں ... خاندان ... [illegible] ... لوگوں کی ...
کی اس طرح کی کہ دوسروں کو خبر تک نہ ہونے پائی ۔ بیشتر ایسی ہستیاں آج نام ... حاصل کر چکی ہیں جو مولانا کی ... تعلیم و تربیت ... [illegible]
مولانا کی ... زندگی ... ایک صفت ایسی ہے جو انہیں ممتاز بناتی ہے ۔

میں نے ... [illegible] ... ایک ... دوسرے ... خورشید ...
ان دونوں کا ... طریقہ تھا کہ اپنی حیثیت سے زیادہ دیتے اور ... کرم ... ہے ۔

... [illegible] ... طبیعت ... [illegible] ... معاف بھی جلد کر دیتے

[illegible] سائنس [illegible] بہت سی باتیں پڑھائی جاتی ہیں [illegible] [illegible]
[illegible] نہیں [illegible] آ نکلا [illegible] نہایت [illegible]
[illegible] سکتے ہیں [illegible] زندگی گزار رہے ہیں۔

عبدالرحمٰن خاں

پہلے [illegible] پرنسپل رہے [illegible] پھر شیخ الجامعہ عثمانیہ [illegible] نہایت قابل اور نامور شخص [illegible] [illegible]
[illegible] سائنس ہوئے۔ پھر عثمانیہ یونیورسٹی کے پرنسپل بنے۔ نواب سعادت جنگ مرحوم [illegible]
کی صاحبزادی سے شادی کی [illegible] کے [illegible]
خان صاحب سے [illegible] شادی کے [illegible] جامعہ عثمانیہ کے [illegible]
[illegible] ڈاکٹر [illegible] ڈاکٹر سیادت علی خان [illegible] ڈاکٹر [illegible] وغیرہ آپ ہی کے [illegible]
آپ ہی کے [illegible] ہیں [illegible] طلباء کی سرپرستی [illegible] [illegible]
وجہ سے آپ خوش خلق [illegible] اور مشہور و معروف ہیں۔

[illegible] سے آپ کو ذاتی شغف ہے [illegible] آپ اب تک [illegible] [illegible]
[illegible] مضامین چھپاتے ہیں [illegible]
آپ [illegible] کرتے ہیں۔

چونکہ آپ [illegible] سیاسیات [illegible] اس لئے آپ کو [illegible]
[illegible] آپ [illegible]
[illegible] بہرحال خان صاحب [illegible] شہرت کے مالک اور حیدرآباد کی خاص شخصیت ہیں۔

علی یاور جنگ

آپ [illegible] نسل میں آپ کے والد بزرگوار ڈاکٹر [illegible] جنگ بہادر تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ [illegible] بیگم صاحبہ نواب عماد الملک بہادر
مرحوم کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ مرحومہ نے حیدرآباد کی نسوانی دنیا میں تعلیم کی روح پھونک دی تھی۔ آج حیدرآباد کی نسوانی ترقی اور تعلیم [illegible]
جو نظر آتی ہے [illegible] بیگم صاحبہ کی جد و جہد کا نتیجہ ہے۔ نواب علی یاور جنگ کی ولادت حیدرآباد ہی میں ہوئی ابتدائی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی [illegible]
آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے سیاسیات میں [illegible] اور حیدرآباد [illegible] کالج میں [illegible] ہوگئے مگر آپ کو قدرت نے سیاسی گتھیاں سلجھانے
کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے آپ [illegible] ناظم اطلاعات [illegible] ڈائرکٹر آف انفارمیشن بیورو بنائے گئے پھر سکریٹری آف پولیٹیکل [illegible] ہوئے اور
[illegible] تعلیمات [illegible]
حیدرآباد [illegible] آپ [illegible] حیدرآباد کی شخصیت [illegible] آپ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سجاد مرزا

[illegible]

[illegible]

اب پھر حیدرآباد واپس آ گئے ہیں۔

علمی خدمت کا جذبہ آپ میں اتنا ہے کہ حیدرآباد کی انجمن ترقی اردو کے [illegible] کے لئے آپ نے اپنے [illegible] کثیر رقم عنایت کی اور [illegible] بنا دیا۔ [illegible] ایک تعلیمی ماہنامہ نکالتے رہے۔ آپ کی [illegible] کاغذ استعمال کرتے تھے۔

بڑی سوجھ بوجھ کے مالک، نہایت [illegible]، دوست نواز، وضع دار [illegible] ایک خاص وضع رکھتے ہیں [illegible] ملاقات کی [illegible] سینکڑوں کتابیں لکھوا دیں مگر آپ نے کوئی کتاب اپنے نام سے نہیں چھپوائی۔ نام و نمود سے قطعاً متفق نہیں ہیں۔

کیقباد جنگ

کیقباد آپ کا اسم ہے، عرفیت آپ کا خاندانی نام ہے جسے پہلے لکھا کرتے ہیں۔ حیدرآباد کی پارسی خاندانوں میں سے ہیں۔ [illegible] ملازمت نہایت [illegible] سے کر رہے ہیں۔ آپ کا خاندان [illegible] ہے۔ آپ نے [illegible] نائب معتمد سیاسیات اور پرنسپل جائنٹ سیکریٹری [illegible] خدمت حاصل کی [illegible] صاحب [illegible] جنگ [illegible] کتب خانہ [illegible] مطبوعات [illegible] آپ کو شوق [illegible] نہایت قیمتی [illegible]۔ فارسی آپ [illegible] سے بھی واقف ہیں اور [illegible] لکھا کرتے ہیں۔

خواجہ [illegible] نے بڑی تحقیق [illegible] کی ہے۔ [illegible] آپ کو [illegible] سے پہلے [illegible] ایک [illegible] غلطیاں [illegible] آپ نے غلطیاں نوٹ کر کے مجھے دیں [illegible] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ [illegible] کتنا گہرا اور مستقل ہے۔

مجھے تقریباً ایک سال سے [illegible] آپ کے کتب خانے سے [illegible] اٹھا رہا ہوں۔ [illegible] میں [illegible] ہونے سے [illegible] گزشتہ مہینے میں [illegible] آپ کے فرزند [illegible] خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ خداوند عالم [illegible] وسلامت واپس لائے۔

مہدی نواز جنگ

حیدرآباد ہی کے شرفاء سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم حیدرآباد ہی میں ہوئی اور محکمۂ مال میں ملازم ہو گئے۔ غالباً [illegible] تعلقدار (ڈپٹی کلکٹر) تھے کہ مہاراجہ بہادر صدر اعظم ہوتے ہی آپ کو معتمد باب حکومت (رجسٹرار) بنا لیا اور مہاراجہ کے معتمد علیہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آپ نے جس دیانت، محنت، سلیقہ اور تجربے سے معتمدی کی ہے سارا ملک واقف ہے۔ اس اہم خدمت پر رہ کر سبھوں کو خوش رکھنا ناممکن تھا چنانچہ اکثر [illegible] آپ سے خفا ہو گئے اور جب صدارت عظمیٰ پر فائز ہوئے تو آپ کو بڑی آزمائش میں مبتلا کر دیا مگر مہدی نواز جنگ نے بڑی بہادری سے ان آزمائشوں کا مقابلہ کر کے دکھا دیا کہ وہ بڑے سے بڑے معرکے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جب تک معتمدی رہے ملک کی خدمت کی پھر [illegible] خدمت پر سبکدوش ہو کر ملکی خدمت کرتے رہے۔ گزشتہ انتخابات میں [illegible] کانگریس کی طرف سے آپ ہی کھڑے ہو گئے اور منتخب ہو کر [illegible] وزارت سے سرفراز ہوئے۔

[illegible] ایسے ہیں جنہوں نے انقلاب کے باوجود اپنے آپ کو کامیاب و کامران بنا لیا۔ پہلے نواب زین یار جنگ دوسرے نواب علی یاور جنگ تیسرے نواب مہدی نواز جنگ۔ اب وزارت طبابت سے سرفراز اور کارگزار ہیں۔ خدمت ملک بہرحال [illegible] جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نواب سالار جنگ بہادر کے اسٹیٹ کی کمیٹی کے صدر [illegible] سے اسٹیٹ [illegible] کو باقی رکھا ہے۔

[illegible]

ڈاکٹر سید عبداللطیف

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر سیادت علی خاں

آپ مولوی نصیب الدین خاں صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ [illegible] ایم اے، ایل ایل بی کرنے کے بعد [illegible] یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی اور بار ایٹ لا [illegible] کیا۔ حیدرآباد آ کر جامعہ عثمانیہ کے قانون کے پروفیسر ہو گئے۔ پھر سررشتۂ عدالت میں منتقل ہو گئے اب ہائی کورٹ کے جج ہیں۔

جسٹس ڈاکٹر میر سیادت علی خاں ملک کے ان بزرگوں میں ہیں جن پر ملک ناز کر سکتا ہے۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی پر یکساں عبور ہے۔ مذہب، ادب اور قانون پر یکساں نظر ہے مگر اپنے مخاطب کو اپنی قابلیت سے مرعوب کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ [illegible] وضع دار آدمی ہیں۔ [illegible] ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے۔ ان کے والد میرے والد کے [illegible] تھے مگر [illegible] چند سال بڑے تھے اور [illegible] میرے بھتیجے ہیں مگر ہم دونوں میں چند ہی مہینوں کا فرق ہے۔

آج کل قانون ہی کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ [illegible] قانون شہادت [illegible] بڑی نفیس لکھی ہے جو بہت مقبول ہے اور بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ مضامین خوب لکھتے ہیں مگر آج کل عدالتی مصروفیات کی وجہ سے کم لکھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر ولی الدین

آپ جسٹس ڈاکٹر میر سیادت علی خاں کے چھوٹے بھائی ہیں۔ حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ منشی فاضل، ایم اے، ایل ایل بی کرنے

کے ممبر [illegible]

کسرت کا شوق [illegible]

ایک ایسی جنس کی سی ہے جو بہت کمیاب ہوگئی۔

خاموش کام کرتے ہیں۔ ہنگاموں میں نہیں پڑتے۔ البتہ [illegible]
جو وقت بچ رہتا ہے وہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں صرف کرتے ہیں [illegible]

ڈاکٹر نظام الدین

حیدرآباد ہی کے ایک خاندان کے فرد ہیں۔ مولوی فاضل کامیاب کرنے کے بعد بی۔ اے کرنے کے لئے لندن چلے گئے اور وہاں تحقیق کر کے فارسی میں پی ایچ ڈی کیا۔ حیدرآباد واپس آکر جامعہ عثمانیہ کے فارسی کے پروفیسر ہو گئے۔ حال ہی میں وظیفہ پر سبکدوش ہو چکے ہیں۔

عماد الملک، قطب الدین فاضل، محمد یار جنگ نے ایک ادارہ اشاعت "دائرۃ المعارف" کے نام سے قائم کیا تھا جو اس وقت سے عربی کی نایاب اور کمیاب کتابیں شائع کر رہا ہے۔ جب اس کا تعلق جامعہ عثمانیہ سے ہوا تو ابتدا پروفیسر الیاس برنی اس ادارے کے ناظم رہے اور پھر ڈاکٹر نظام الدین کے سپرد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب عربی کے نہ صرف فارغ التحصیل ہیں بلکہ انہیں عربی زبان اور ادب سے دلچسپی بھی ہے اس لئے انہوں نے بڑی دلچسپی سے دائرۃ المعارف کو چلایا اور اب وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد بھی نہایت ہی مستعدی سے چلا رہے ہیں۔

ڈاکٹر نظام الدین بھی نہایت خاموش کام کرنے والے ہیں۔ لکچرس اور ادبی کام میں لگے رہتے ہیں۔ ایران والوں سے دوستی کی بنا پر یادگار [illegible] حیدرآباد سے بطور نمائندہ آپ ایران بھیجے گئے اور جشن ہزار سالہ فردوسی میں شرکت کی۔ بہرحال آپ ملک کے ایسے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔

ہم نے پچیس تیس سال سے [illegible] ہیں، دوسرے [illegible] کی طرح آپ بھی اپنا پروپیگنڈہ نہیں کر سکتے اور نہ خود ستائی سے [illegible] کر سکتے ہیں، خاموشی سے علمی ادبی خدمت کئے جا رہے ہیں گرچہ عربی کی نایاب اور کمیاب کتابیں آپ ایڈٹ کر کے چھپا رہے ہیں مگر [illegible] عام ان خدمات سے ناواقف ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان

مولوی فدا حسین خان وکیل حیدرآباد کے مشہور اور قابل وکلاء میں سے تھے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان انہی فدا حسین خان صاحب کے [illegible] فرزند اور ڈاکٹر ذاکر حسین خان کے بھائی ہیں۔ ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت حیدرآباد ہی میں ہوئی اور پھر [illegible] میں شریک ہوئے۔ ترک موالات کے زمانے میں جامعہ ملیہ قائم ہوئی تو آپ اس میں شریک ہو گئے اور وہاں سے لندن جا کر پی ایچ ڈی کیا۔ پھر حیدرآباد آکر شعبۂ تاریخ کے ریڈر ہو گئے۔ آج کل جامعہ عثمانیہ کے تاریخ کے پروفیسر ہیں۔

نہایت زندہ دل [illegible] قابل اور ذہین شخص ہیں۔ دفتر دیوانی کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے [illegible] تاریخ [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

علی گڑھ کی چند شخصیتیں

خلیل الرحمن اعظمی

شعر و ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ادب و شعر کے مطالعے کے ساتھ بہت بڑے بڑے فنکاروں کے ساتھ فنکاروں کی شخصیت سے دلچسپی لینا ایک فطری امر ہے۔ کوئی کتاب، کوئی شعر، کوئی نغمہ، کوئی ناول اور کوئی کہانی جب ہمیں اپنی تحسین کا جادو جگانے لگتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھنے ہیں اس فن پارے کے خالق کا چہرہ اور اس کی شخصیت کیسی ہے۔ ہم کتاب اور اس کے مصنف کی اولین تخلیق پڑھنے والے کے اندر ایک طرح سے تجسس کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہمارا ذہن اس فنکار کی شخصیت اور اس کے خد و خال کی ایک خیالی تصویر بنا لیتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی دلچسپ فنکار سے متاثر ہونے کے بعد ہم اپنے ذہن میں اس کے خالق کی جو تصویر بناتے ہیں وہ اتنی خوبصورت اور دلآویز ہوتی ہے کہ اس کی اصل تصویر دیکھ کر ہمیں کچھ مایوسی سی ہوتی ہے اور دل کو عجیب دھکا سا لگتا ہے۔ شاید اسی لیے رشید احمد صدیقی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ دنیا کی تمام تصانیف کو ہم صرف منافقت یا شرافت کا نمونہ ہی دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان تصانیف میں مصنف نے اپنا اصل چہرہ چھپانے کی کوشش کی ہے۔ اسی لیے جب ہم قدیم زمانے کے پیغمبروں، اور صوفیوں، اور بزرگوں اور رشیوں منیوں کی شخصیت کے گرد انسانی تخیل نے ایک ماورائی اور خوبصورت ہالہ بنا رکھا ہے اور مختلف صدیوں اور مختلف ادوار کے انسانوں نے ان کو اپنے زاویے سے دیکھ کر ان کی تصویریں بنائی ہیں۔ اسی طرح بعض شاعروں، ادیبوں یا مصنفوں کے ذاتی حالات اور ان کے کردار اور شخصیت کے بارے میں ہماری معلومات کا دائرہ محدود ہے ان کی تصویریں بھی صنم گری کی حدود میں آتی ہیں۔ گوتم بدھ، رام چندر، کرشن، مسیح، زرتشت اور دوسرے روحانی پیشواؤں کے مجسمے اور تصویریں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور ان سب تصویروں میں اصل شخصیت سے زیادہ روایات اور تصورات اور کسی قوم یا کسی فرد کے اپنے ذہن کی پرواز کا عنصر نمایاں ہے۔ قدیم فلسفیوں اور شاعروں کے بارے میں بھی ہم زیادہ تر اسی صنم گری کے شکار ہیں۔ ہومر، کالیداس، فردوسی، دانتے، اور شیکسپیئر وغیرہ کی تخلیقات پڑھ کر ہمارے ذہن میں ان فنکاروں کے جو خد و خال ابھرتے ہیں وہ اصل سے کہاں تک مطابق ہوں گے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو اکثر ذہنوں کو پریشان کرتا رہتا ہے۔ غالباً یہی جذبہ محرک بنا کہ دنیا میں جو لوگ قوم و ملک اور آنے والی نسلوں

[illegible] شخصیت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

چشم جاں [illegible] کے پار [illegible]

بسلسلہ [illegible] ایک قول [illegible] لکھتے ہیں۔

"حالی مرحوم کی [illegible] سب سے زیادہ [illegible] متاثر کرتی ہے [illegible] کی تحت نہیں کر سکتا [illegible] زندگی کی تمام جزئیات [illegible] صاحب [illegible] معاملات [illegible] دوسروں تک پہنچائیں [illegible]"

[illegible] شخصیت [illegible] وقت [illegible] تصنیف ہوئی ہیں [illegible] ایک [illegible] خوبصورت [illegible] [illegible] شکستہ [illegible] [illegible] نگاری [illegible] شخصیت [illegible] [illegible] نفسیات [illegible] Subject [illegible] مواد (Data) [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] اس شخص کا تماشا دیکھیں جس نے معاہدہ عمرانی [illegible] کی ہے۔

اردو زبان میں سیرت و سوانح کی تاریخ ابھی سو برس سے کچھ زیادہ کی نہیں ہے۔ "آب حیات" پہلی کتاب ہے جس میں محمد حسین آزاد نے گذشتہ کے مشہور شعراء کی تصویریں کچھ اس چابکدستی سے بنائی ہیں کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھ سکتے ہیں لیکن صاحب آب حیات کے پاس ماضی کے شعراء کے بارے میں جو مواد تھا اس کی حیثیت "کشکول" کی سی تھی۔ اس میں آزاد کی طباعی اور ذہانت سے اتنی رنگ آمیزی کی ہے کہ یہ نقوش دستاویز ہونے کے باوجود افسانہ طرازی کے نمونے بن کے رہ گئے ہیں۔ غالباً اسی لئے موجودہ دور کے ایک ذہین افسانہ نگار نے ایک بار لکھا تھا کہ اردو کے پہلے افسانہ نگار محمد حسین آزاد ہیں اور افسانہ لکھنے کا ڈھنگ میں نے "آب حیات" سے سیکھا ہے۔ خالص سیرت نگاری میں اولین حیثیت حالی کی ہے لیکن حالی نے "یادگار غالب" اور "حیات جاوید" دونوں کتابیں اس اعتقاد کے ساتھ لکھی ہیں کہ ابھی ہمارے ملک کی اخلاقی حالت اس قابل نہیں ہے کہ بڑے آدمیوں کی تصویر کا ہر رخ پیش کیا جائے یہی وجہ ہے کہ بعد میں [illegible]

غالب کے سوانح نگاروں نے ان کی شراب نوشی، قمار بازی اور ڈومنی سے محبت ... کو بیان کرنے سے احتراز
کیا تو "یادگار غالب" کو "صحیفۂ ولایت" سمجھنے والے چیخ اٹھے۔ شبلی نے مولانا روم کی حیات لکھی تو ... جب گلشن ...
... لیکن خوش فکری کے سوانح نگار سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کو جنید و شبلی بنا دیا ... اور حقیقت ...
کی کوشش کی اور جب دوسرے لوگوں نے عطیہ فیضی کے نام شبلی کے پرائیویٹ خطوط کو مرتب کر کے شائع کیا اور
حیات معاشقہ کے ... نفسیات دانوں کو ... پرستاران شبلی جیسے برہم ہو گئے ... صاحب ... مرتب نے
اس کی پہلی جلد کی اشاعت کیوں اس کے ... روک دی گئی کہ اس سے اقبال کے عقیدت مندوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی اور کتاب ...
کو ضائع کر دیا گیا جس سے اقبال کی شخصیت پر کوئی دھبہ آ سکتا ہو۔

اب ادھر کچھ دنوں سے ہمارے یہاں اخلاقیات کا یہ تصور تبدیل ہو رہا ہے۔ غالباً سعادت حسن منٹو پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کا تجزیہ کرنے کی جرأت کی ہے اور جس حیثیت سے "گنجے فرشتے" اس صنف ادب کا شاہکار ہے ... اب منٹو کے ... یہ خطرہ اپنے اوپر عائد کیا ہے کہ ہماری روایات کی ... علمی ادبی شخصیتیں جو ہمارے درمیان موجود ہیں ان کے پیچھے کچھ ... قسم کے انکشافات مرتب کریں اور وہ حضرات جو ہماری محفلوں سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کا کوئی ذکر ... اب بھی ... سینے میں دفن کئے ہوئے ساری بزم ... وہ کس ... خزانے کو باہر نکالے تاکہ وہ ... ہے قوم کے کام آئے۔ یہ کام جتنے جان جوکھوں کا ہے ... کس میں اتنی جرأت ہے جو اس بال سے باریک راستے پر چل سکے اور ... مشاہیر کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات ... ان کے کارناموں کا بھی ذکر ... ان کے ... حالات کو ... بیان کرتا اور اس طرح چالیس صفحے سیاہ کر دینا محض بے مضمون نگاری ... رسوائی کا سامان فراہم کر دے ... نفسیات دانوں کو خود شخص ... سامنے قائم کرنے کا موقع دے ... اس سے اصل مقصد کہاں تک پورا ہو گا۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ کم از کم مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ میں یہ کام ایمانداری سے کرنا چاہوں تو خون تھوک دینا پڑے گا۔ اول تو جو لوگوں کے بارے میں ... بہت ... ذہن پر جو ہیں ان کی حیثیت اس تصویر کی سی ہے جو ایک کیمرے سے کھینچی گئی ہو ... قریب قریب زاویۂ تصویر سے باہر (out of focus) ہو۔ دوسرے یہ کہ بعض باتیں ایسی ہیں جنہیں بیان کرنے میں "خوف فساد خلق" کا اندیشہ ہے۔ میں ایک معمولی دنیا دار آدمی ہوں حق کا نعرہ لگا کے منصور کی طرح دار پر چڑھنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں۔

خلیل صاحب کا اصرار ہے کہ میں علی گڑھ والوں پر قلم اٹھاؤں لیکن مجھے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ علی گڑھ کی علمی ادبی شخصیتوں اور یہاں کے مشاہیر سے میرا واسطہ اس طرح پڑا ہے کہ کسی کو صرف دور سے سڑک پر چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ کوئی صاحب نزدیک سے اپنی خوبصورت کار میں میرے پاس سے گزر گئے ہیں۔ کوئی صاحب اسٹیج پر تقریر کرنے یا تحقیقی و علمی مقالہ پڑھنے آئے ہیں اور علم و ادب کا دریا بہا کر چلے گئے ہیں۔ کسی صاحب کے کلاس میں ایک طالب علم کا بھیس بنا کر کہیں پچھلی صف میں بیٹھا ہوا دیکھتا رہا ہوں۔ کسی کو کسی ڈنر یا ایٹ ہوم میں بیٹھے ہوئے گل افشانیٔ گفتار کرتے اور اپنے احباب میں ہنستے بولتے دیکھ لیا ہے کسی سے بطور عقیدت ملنے گیا ہوں اور ان کے آراستہ ڈرائینگ روم میں ڈرا سہما بیٹھا رہا ہوں اور ہر وقت یہ اندیشہ لاحق ہو رہا ہے کہ کہیں کسی شیشے کی نازک شے سے نہ ٹکرا جاؤں اور مجھے خفت اٹھانی پڑے۔ کسی کے پاس اپنی نوکری کے لئے سفارش نامہ یا کسی دوسرے بڑے آدمی سے ملنے کے لئے تعارفی خط لکھوانے گیا ہوں اور چند منٹ باادب باملاحظہ بیٹھ کر واپس آ گیا ہوں۔ گیارہ سال کی زندگی میں علی گڑھ کے ان صاحبان جاہ و جلال کے گھروں کے اندر جھانکنے کا مجھے موقع نہیں ملا اور نہ میں استری کئے ہوئے صاف ستھرے کپڑوں سے ہٹ کر شب خوابی کے لباس یا لنگوٹ باندھ کر ورزش کرتے یا اپنے بیوی

[illegible]

تہذیب الاخلاق اور انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ترتیب و تدوین سید کے مبارک ناخنوں ہی سے ہوتی تھی۔ حالی نے [illegible] یہیں لکھی
[illegible] اسلام کے کھوئے ہوئے [illegible] سرسید کے بنگلے کے قریب [illegible] مرتب کیا تھا۔ نذیر احمد
ذکاء اللہ، محسن الملک، وقار الملک، وحید الدین سلیم اور عنایت اللہ انہی گلیوں اور انہی سڑکوں پر پھرتے تھے اور کیا عجب ہے [illegible] کے
پاؤں کی آہٹ ابھی تک یاد ہو۔ [illegible] کلاس روم میں [illegible] طالب علم [illegible] نظر آتے ہیں [illegible] عبد الحق، حمید الدین فراہی،
محمد علی، شوکت علی، محفوظ علی بدایونی، عبد الرحمن بجنوری، حسرت موہانی، فانی بدایونی، [illegible] ظفر علی خان، اقبال سہیل، سجاد حیدر اور [illegible]
طالب علم یہاں کبھی بیٹھ چکے ہیں۔ [illegible]
اشرف، مولانا ابوبکر محمد شیث اور مولانا احسن مارہروی [illegible]

شمسیہ کے ... کی محفلیں لگتی ہوں گی سب ہی اس حیثیت سے کوئی [illegible] ...
صحبت ... حسرت موہانی، شوکت اللہ خاں، خواجہ احمد عباس، مجاز، جاں نثار اختر ... [illegible] ... کے ساتھ ...
کردی ہیں۔ اب یہ سب کی آوازیں یہاں گونج رہی ہیں۔

اس تحریر کا لکھنے والا آج سے گیارہ سال قبل ۱۹۵۵ء میں ایک کم سواد طالب علم کی حیثیت سے علی گڑھ میں داخل ہوا اور پھر ... اس کو تعمیر کر سکنے کے بعد یہاں اسی بستی کا ہو رہا۔ اس کی نس نس میں علی گڑھ کی مٹی کچھ اس طرح سے گھل گئی ہے کہ اب مجھے اس کا خاص لگنے لگے۔ ... "خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں"۔ ان کو ... ان کے ... میں ملیں گے ... ان کے بارے میں مختصراً لکھتا ہے۔

نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم

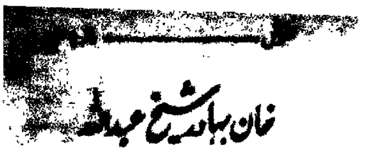
علی گڑھ اسٹیشن سے اترتے ہی سیدھی کی جگہ بستی کی طرف نے ... ہے ... دو ... جاتی ہیں۔ ایک یونیورسٹی روڈ ... اب اس سڑک کا نام تقسیم ہند کے بعد ... روڈ ہو گیا ہے لیکن ... نام صرف بورڈ پر لکھا ہوا ہے۔ سب ہی ... سڑک ... کہتے ہیں۔ سڑک پر چلئے تو ایک فرلانگ آگے جا کر نواب چھتاری کی کوٹھی سے متصل ... نواب ... مرحوم ... کوٹھی کے مقابل ایک شاندار اور خوبصورت عمارت ملے گی جس پر "حبیب منزل" لکھا ہوا ہے۔ یہ نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی ہے۔ علی گڑھ میں اتنی وسیع اور پر شکوہ عمارت شاید ہی دوسری ہو۔ نواب صدر یار جنگ بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے اور شروانیوں کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ... نام سے ہی ایک بستی بسائی جس کا نام "حبیب گنج" رکھا۔ ان کا کتب خانہ جو ہندوستان کے نادر ترین کتب خانوں میں سے ہے وہیں ہے۔ علی گڑھ کی اس کوٹھی کی تعمیر سے متعلق یہاں یہ روایت مشہور ہے کہ جس زمانے میں نواب صاحب مرحوم حیدرآباد میں صدر الصدور اور امور مذہبی کے مشیر اعلیٰ تھے اسی دوران میں ایک بار دربار سلطانی کی کسی وجہ سے آپ پر عتاب نازل ہوا۔ وہاں سے علی گڑھ "حبیب گنج" چلے آئے اور اپنے علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے لیکن نظام دکن کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ انہیں اپنے اس رویہ پر ندامت کی کرنی پڑی اور ... حال کے بعد دوبارہ نواب صدر یار جنگ کو ان کے عہدے پر بلا لیا اور اسی عرصے کی تمام ... عنایت فرمائی۔ اسی رقم سے نواب صاحب مرحوم نے "حبیب منزل" تعمیر کرائی اور وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کا مستقل قیام علی گڑھ میں رہنے لگا۔ اب یہ مکان ہندوستان کے تمام مشاہیر علم و ادب کی جولان گاہ تھا۔ نواب صاحب نہ صرف اس دور کے زبردست عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے بلکہ ان کی شخصیت ایک ادارہ کی تھی۔ وہ مشرقی تمدن کا آخری اور بے مثال نمونہ اور علم و فضل کا مجسمہ تھے۔ ہندوستان کی کوئی قومی و مذہبی تحریک ایسی نہ تھی جس کے وہ روح رواں نہ رہے ہوں۔ ندوۃ العلماء، ایجوکیشنل کانفرنس اور علی گڑھ یونیورسٹی تینوں آپ کی قیادت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ آخر عمر تک مسلم یونیورسٹی کی دینیات کی فیکلٹی کے ڈین بھی رہے۔ حسن اتفاق سے علی گڑھ آتے ہی مجھے مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع مل گیا۔ میں بچپن ہی میں نواب صاحب کے علم و فضل اور ان کی عظمت سے واقف ہو چکا تھا۔ میرے والد مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم نے علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی نے اپنا جیسویں صدی کے اوائل میں ایک عربی درسگاہ مدرسۃ الاصلاح کے نام سے سرائے میر (اعظم گڑھ) میں قائم کی تھی اور مسلمانوں کی معاشرتی و تمدنی اصلاح کے لئے ایک انجمن اصلاح المسلمین کی بنیاد بھی رکھی تھی اس درسگاہ سے نواب صاحب مرحوم کو بھی دلچسپی تھی یہی وجہ ہے کہ جب میں اعظم گڑھ سے علی گڑھ کے لئے روانہ ہونے لگا تو مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے مجھے نواب صاحب کے نام ایک تعارفی خط دیا اور یہ فرمایا کہ علی گڑھ جا کر سب سے پہلے نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا۔ اس زمانے میں نواب صاحب

[illegible] مشغولیت سے روکے رکھا [illegible]
[illegible] نواب صاحب کے یہاں صرف [illegible] سمجھے جاتے [illegible]
[illegible] صحبت [illegible] شیفتہ [illegible]
[illegible]
[illegible] نواب صاحب [illegible]
[illegible] ملاقات کے بعد [illegible] نواب صاحب کے یہاں [illegible]
[illegible] مستفید [illegible]
[illegible] نواب صاحب کی قرأت [illegible]
[illegible] نواب صاحب کے یہاں تمام [illegible] حضرت
[illegible] نواب صاحب [illegible]
[illegible] صاحب کے ساتھ [illegible] صاحب [illegible]
کے یہاں [illegible] حضرت نواب صاحب کے یہاں [illegible]
[illegible] کوئی فرق نہیں آیا۔

نواب صاحب کا جب بھی ذکر آتا تو علی گڑھ والے کسی بات پر [illegible] سمجھا نہیں آتا۔ مرحوم کے بڑے صاحبزادے مجذوب ہو گئے ہیں اور مستقل طور پر [illegible] حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی [illegible] حبیب الرحمن صاحب کے صاحبزادے [illegible] نواب صاحب [illegible] کامیاب ہوں۔

۱۳۶۹ھ میں علی گڑھ ہی میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے مرنے سے مشرقی علم و فضل اور وضعداری کا آخری چراغ گل ہو گیا۔

مرحوم جہاں مذہبی علوم، تاریخ و فلسفہ اور فقہ اسلامی کے زبردست عالم تھے وہاں شعر و ادب کا بھی اعلیٰ ذوق [illegible] تذکرہ [illegible] ترتیب [illegible] یادگار ہیں۔ شاعر بھی تھے اور حسرت تخلص کرتے تھے۔ "کلام حسرت" کے نام سے ان کے کلام کا مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔ مرحوم کی خط و کتابت حالی و شبلی سے لے کر پچھلے دور کے تمام مشاہیر [illegible] سے تھی اور ان کے کتب خانے میں یہ ذخیرہ محفوظ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی خلوت پسند طبیعت نے اپنے افکار و خیالات کے اظہار کے لئے مولانا شروانی کو اپنا مخاطب بنایا اور احمد نگر کے ایام نظربندی میں جو خطوط لکھے وہ "غبار خاطر" کے نام سے شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان خطوط کی اشاعت نے نواب صدر یار جنگ کی شخصیت کو ادبی دلکش بنا دیا اور ابوالکلام کا یہ حبیب سارے ملک کا حبیب بن گیا۔ کاش ہندوستان کے اہل علم مولانا شروانی کے نادر کتب خانے سے صحیح طور پر استفادہ کر سکیں کیونکہ اس مرحوم نے جس عرق ریزی سے یہ سرمایہ جمع کر رکھا ہے اس کی قدر و قیمت کا پہچاننا موجودہ نسل کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔



خان بہادر شیخ عبداللہ

میرس روڈ پر حبیب منزل سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ایک مکان ہے جس کا نام ہے عبداللہ ہال۔ یہ مسلم گرلس کالج کے ہوسٹل ہیں [illegible] سال کے ایک [illegible] صورت کے بنگلے میں [illegible] ہوگی۔ انہیں علی گڑھ والے "پاپا میاں" کہتے ہیں۔ یہ شیخ عبداللہ ہیں جو مسلمان قوم کی تعلیم نسواں کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ سرسید نے جس طرح مردوں کی تعلیم کو قائم کیا اور قوم کو صدیوں سے [illegible] کی قوم کو ابھارا [illegible] قدامت پرستوں نے [illegible] مخالفت کی [illegible] دنیا کو معلوم ہے۔ ظاہر ہے [illegible] تعلیم [illegible] ملک میں [illegible] کے لئے [illegible] تعلیم نسواں کے سلسلے میں [illegible] بلکہ کسی [illegible] بحث [illegible] سرسید نے [illegible] پردہ [illegible] قدامت [illegible] کی تعلیم کے لئے بنیاد ڈالنا [illegible] ایک [illegible] تھا بعد میں اس مشن کی تکمیل شیخ عبداللہ کے ہاتھوں ہوئی۔ شیخ عبداللہ [illegible] کے ایک کشمیری برہمن تھے [illegible] میں مشرف بہ اسلام ہو کر علی گڑھ کی درسگاہ میں داخل ہوئے تھے اور سرسید کی تربیت نے کچھ اس طرح [illegible] ہو رہے [illegible] گرلس کالج کی بنیاد ڈالی اور تعلیم نسواں کی حمایت میں علی گڑھ سے ماہنامہ "خاتون" شائع [illegible] کے اس کام میں ان کی رفیقۂ حیات بیگم [illegible] نے بڑا ہاتھ بٹایا۔ سب سے پہلے خود شیخ صاحب نے اپنی لڑکیوں کو تعلیم دلائی اور پردہ [illegible] مردوں سے دوش بدوش [illegible] کیا۔ ان کی صاحبزادی رشید جہاں نے [illegible] پہلی بار [illegible] افسانہ نگاری شروع کی۔ [illegible] کے [illegible] محمود الظفر نے اس طرز میں ان کا ساتھ دیا۔ "انگارے" جو [illegible] افسانوں کا [illegible] ترقی پسند [illegible] تحریک میں ایک اہم تاریخی حیثیت رکھتی ہے اس میں سجاد ظہیر اور احمد علی کے علاوہ ان دونوں میاں بیوی کی کہانیاں بھی ہیں جو قدامت پرستی کے خلاف بغاوت کا [illegible] ادبی [illegible] میں [illegible] دوسری صاحبزادی ممتاز جہاں بیگم تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد گرلس کالج کی پرنسپل ہو گئیں۔ انہیں [illegible] علی گڑھ [illegible] "آپا" کہتا ہے۔ خورشید جہاں بھی شیخ صاحب کی لڑکی ہیں جنہوں نے ایک زمانے میں "رینوکا دیوی" کے نام سے فلمی دنیا میں شہرت حاصل کی تھی۔ ان کے صاحبزادے محسن عبداللہ بھی ایک عرصے تک فلم سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ محسن عبداللہ کی بیوی یعنی شیخ صاحب کی بہو شاہدہ خاتون بھی فلمی دنیا میں چلی گئیں اور "نینا" کے نام سے اداکاری کے کمال دکھائے۔

مسلم گرلس کالج نے آہستہ آہستہ اپنے قدم بڑھائے اور ہزاروں مسلم خواتین اس کالج سے تعلیم پا چکی ہیں۔ عصمت چغتائی بھی اسی کی پروردہ ہیں۔ ان کے بیشتر افسانے اور ان کا مشہور ناول "ٹیڑھی لکیر" بھی [illegible] کے مشاہدات پر مبنی ہے۔

شیخ صاحب باوجود پیرانہ سالی کے ایک دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب طرح کی نرمی اور معصومیت ہے۔ چہرے پر داڑھی نہیں ہے لیکن مونچھیں موجود ہیں۔ اب جھک کر اور آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ لوگوں کی باتیں بڑے انہماک سے سنتے ہیں اور ضرورت مندوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں۔ وہ گرلس کالج کی تمام بچیوں سے باپ کا سا برتاؤ رکھتے ہیں اور اپنی بیٹی ممتاز جہاں کے کام میں اب تک ہاتھ بٹاتے ہیں۔ یونیورسٹی میں ہر سال سرسید کے یوم وفات کے موقع پر ایک جلسہ ہوتا ہے جس میں شیخ صاحب کا شریک ہونا ضروری ہے۔ اس موقع پر ہر سال وہ ایک تقریر کرتے ہیں اور سرسید کی باتیں کرکے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کی جوبلی منائی گئی۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی کے اسٹریچی ہال میں بھی ایک جلسہ ہوا۔ شیخ صاحب نے جو تقریر کی اس کا ایک فقرہ بہت ہی دلچسپ تھا۔ طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "جس جگہ آج تم بیٹھے ہوئے ہو انہی کرسیوں پر کبھی پیچھے میں بھی بیٹھا کرتا تھا اور میری طالب علمی کے زمانے میں جب کوئی بڑا آدمی آتا تھا تو سوچا کرتا تھا کہ کیا کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں یہاں کھڑے ہو کر تقریر

[illegible] سمجھا جاتا ہے۔

خان بہادر حبیب اللہ خاں

[illegible]

[illegible] اپنے سلام و پیرسٹی سے نام لکھ دیتے۔

[illegible]

ڈپٹی صاحب اب کافی ضعیف و ناتواں ہو گئے ہیں۔ [illegible] بہت کم فرصت ہے۔ [illegible] پیچھے بیٹے مولوی محمود الحسن صاحب کو بہت چاہتے ہیں۔ [illegible] صاحب بھی کہتے ہیں [illegible] بچوں کے اسکول میں ملازم ہیں اور ڈپٹی صاحب کے پرائیویٹ سیکریٹری بھی۔ [illegible] اس وقت ترکی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس ہوتے ہیں۔ نماز جمعہ کے بعد سرسید کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہیں [illegible] وقت تک مستند نہیں سمجھی جاتی جب تک ڈپٹی صاحب اس کی تصدیق نہ کر دیں۔ یونیورسٹی نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انھیں اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی دی ہے۔

مولوی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

یہ بھی اسی سال کے لگ بھگ ہوں گے۔ نورانی داڑھی اور مقدس چہرہ، سر پر چوگوشیہ ٹوپی اور ہاتھوں میں [illegible] کا ایک جوڑا۔

... کی اشاعت بہت ہوئی۔ یہ کام علی گڑھ کے ... میں۔ سرسید ... ان کا انتظام مسلم یونیورسٹی ... گزٹ کی ادارت ... کے ... سے ... کر لی تھی ... قائم کر چکی تھی۔ نواب اسحٰق خاں مرحوم نے ... میر ... کے کلیات ... کے اہتمام میں شائع کرتے تھے اور اس کام کے لئے ایک پریس ... قائم کی تھی۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب ... آبادی سے ... ان کی طباعت علی گڑھ میں محمد مقتدیٰ خاں شروانی کے اہتمام میں ہوتی تھی۔ رشید احمد صدیقی کا ... بھی ان کے اہتمام میں "رشید پریس" میں چھپا کرتا تھا۔

فارسی و اردو کتابوں کی تصحیح ... طباعت و اشاعت کے اہتمام کے علاوہ مقتدیٰ صاحب خود بھی ... ہیں اور متعدد علمی و تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں میں جو مخطوطات و نوادر ہیں وہ سب آپ کی نظر میں رہتے ہیں اور اس پیرانہ سالی میں بھی وہ ان کی اشاعت اور ترتیب و تدوین کے متعلق اسکیمیں بناتے رہتے ہیں۔ ... میں جب ایم اے کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی گزٹ کی ادارت کا کام میں نے سنبھالا تو اس کا پہلا پرچہ نکلتے ہی موصوف میرے دفتر میں تشریف لائے اور بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اس کی ترتیب و اشاعت سے متعلق اپنے تجربات مجھے بتاتے رہے۔ اس وقت سے تعلق ایسا قائم ہوا اب تک قائم ہے۔ اب بھی جب کبھی راستے میں نظر آ جائیں گے تو ایک گھنٹوں باتیں کریں گے، اپنے تھیلے سے کچھ کاغذات نکال کر دکھائیں گے اور اپنے اشاعتی پروگرام کی بابت اطلاع دیں گے۔ ان کے اس ذوق و شوق اور محنت کو دیکھ کر ہم نوجوانوں کو شرم آتی ہے۔

ایک زمانے میں علی گڑھ میں انجمن ترقی اردو کے اہتمام میں ایک اردو کانفرنس ہوئی تھی جس میں خطبہ دیتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی نے محمد مقتدیٰ خاں شروانی کی خدمات کو بہت سراہا تھا اور کہا تھا کہ یہ شخص واقعی اس قابل ہے کہ اردو زبان کی ایک اکیڈمی یا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے اور اس کی باگ ڈور ان کے سپرد کر دی جائے۔

محمد مقتدیٰ خاں شروانی یہاں کے اخبار "علی گڑھ" اور "مجید" میں بھی چھوٹے چھوٹے مزاحیہ اور ظریفانہ مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں جن کا اپنا اسلوب نگارش ہے۔ ان مضامین پر "گمنام" لکھا ہوتا تھا۔

وہ جب کسی سے باتیں کرتے ہیں تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کہے جائیں اور دوسرا ہمہ تن گوش ہو کر سنتا رہے۔ سننے والا اگر بے صبر ہے اور بیچ میں کوئی بات چھیڑ دیتا ہے یا انہیں کچھ بتانے لگتا ہے تو وہ فوراً ٹوک کر "معلوم معلوم" کہیں گے اور اگر اس پر بھی وہ بولتا رہے تو "معلوم معلوم معلوم" بہت تیزی سے کہنا شروع کر دیں گے۔ یہاں تک کہ وہ بے چارہ گھبرا کر خاموش ہو جائے گا اور پھر انہی کی سننے لگے گا۔

شروانی خاندان کے شجرہ اور اس کی تاریخ سے بھی آپ کو خاص دلچسپی ہے اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ نواب مزمل اللہ خاں شروانی کی سوانح حیات بھی مرتب کر رہے ہیں اور آج کل جب ملتے ہیں تو سر موضوع سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔

منشی نجم الدین

چھوٹے قد کے ایک خستہ حال معمر شخص جن کی ہیئت سے علی گڑھ کے پرانے لوگ واقف ہیں۔ یہ سرسید کے ملازم تھے۔ ان کی وفا شعاری اور خدمت گذاری کی وجہ سے سرسید انہیں بہت عزیز رکھتے تھے اور پیار سے "میاں ٹٹو" کہا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ نام ایسا چلا کہ اب تک انہیں "سرسید کا ٹٹو" کہا جاتا ہے۔ ان کے پاس سرسید، حالی، شبلی، محسن الملک، ذکاء اللہ، مولوی سمیع اللہ وغیرہ کی تصانیف ...

[illegible] تھیں۔ پیر اللہ ... کے بیت ... [illegible]
[illegible] صاحب ... شاہ ... صاحب سے متعلق ایک ... [illegible]
[illegible] کے ... میں ... ایک ... [illegible]
[illegible] ہو گئے ہیں ... کے ... سے ... [illegible]
[illegible] ... کے ... سے متعلق ... [illegible]
... ہیں۔

مولوی اکرام اللہ خاں ندوی مرحوم

بہت مہذب اور ... ندوہ کے ایک ... تھے ... کی ... بہت ... تھے۔ ... نے اکثر ... [illegible] ... جیسے ... ۔ ... معلوم ہوا ... کے مصنف ... صاحب ندوہ کے ... [illegible] ... زندگی ... کی ... ۔ ... [illegible] ... الغرض ... کی ... تصنیف و تالیف ... تحقیق ... تھے۔ دہلی شاہجہاں ... [illegible] ... میں انتقال ہوا اور ... سپرد خاک ہوئے۔

سلطان حیدر جوش

اردو افسانہ نگاری کے دور اولیں کی باقیات میں سے تھے۔ علی گڑھ کے گریجویٹ تھے ... [illegible] ... کے عہدے پر فائز ہے ... ریٹائر ہونے کے بعد علی گڑھ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جب ملنے میں نے ... دیکھا ہے ان کی عمر کافی ہو چکی تھی ... چہرے پر ... تھے اور ... میں ... معلوم ہوتے تھے۔ وہ ... مکمل سوٹ میں ملبوس رہتے تھے سر کے بال تقریباً غائب ہو چکے تھے اور داڑھی آخر عمر تک منڈاتے تھے۔ ... سے پہلے ... کے قریب کہیں رہتے تھے لیکن آخر عمر میں ... کی ایک کوٹھی "... منزل" میں فروکش تھے۔ ایک بار ... کے ساتھ ان سے ملنے گیا۔ ملنے کے بعد اندازہ ہوا کہ تقریباً بہرے ہو چکے ہیں۔ ... صاحب کانوں کے پاس چلا چلا کر ان سے کچھ باتیں کرتے رہے اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ کئی سال ہوئے علی گڑھ ہی میں انتقال ہو گیا۔ ان کے صاحبزادے حسان حیدر صاحب مسلم یونیورسٹی ... اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے بعد میں انگلستان چلے گئے ... کراچی میں ہیں۔ جوش صاحب کی صاحبزادی ... گرلز کالج میں ... رہیں۔

ظفر عمر

"نیلی چھتری" اور "بہرام کی گرفتاری" کے مصنف ظفر عمر علی گڑھ کے پرانے گریجویٹ تھے۔ وطن ... ضلع بلند شہر تھا۔ ان کے نام کے ... میں ایک روایت یہاں مشہور ہے کہ اصل نام عمر ... تھا۔ ان کے باپ کو کسی ... نے ... کہا کہ حضرت آپ ... ہیں ...

چھپا نہیں چھوڑتے۔ [illegible] کے باپ نے شعر و شاعری ترک کر دیا۔ علی گڑھ سے فارغ ہونے کے بعد پولیس کے محکمے میں ملازم ہو گئے اور یہیں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان کے جاسوسی ناول اسی زمانے کے تجربات پر مبنی ہیں۔ ان ناولوں نے اتنی مقبولیت حاصل کی اور ان سے اتنی آمدنی ہوئی کہ کئی ناولوں کے نام پر علی گڑھ میں انہوں نے ایک ایک مکان بنوایا "نیلی چھتری" [illegible] تینوں کوٹھیاں خوشنما [illegible] سے شہر کی طرف جانے والی سڑک پر ہیں۔ "نیلی چھتری" میں خود رہتے تھے۔ ایک بار دوسرے [illegible] دیکھنے کا موقع ملا جب وہ ریٹائر ہو کر مستقل طور پر یہیں مقیم تھے۔ وجیہہ آدمی تھے لیکن [illegible] رنگ کالا [illegible] ایک ٹانگ کاٹ دی پڑی۔ آخر عمر میں [illegible] ریڈیو [illegible] سے بہت دلچسپی لیتے تھے اور اس کے زبردست [illegible] تھے [illegible] دستے [illegible] علی گڑھ ہی میں شادی ہوئی۔ تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔

پروفیسر عبدالعزیز میمن

اس وقت [illegible] کے مسلم الثبوت ادیب و محقق ہیں۔ عربی [illegible] کے سلسلے میں آپ کا نام جس تعظیم [illegible] کے ساتھ لیا جاتا ہے [illegible] بے شمار [illegible] بیروت [illegible] مصر [illegible] شائع ہوتی ہیں اور وہاں کے اہل زبان سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ہندوستان میں [illegible] عربی زبان کے [illegible] اور [illegible] بہت [illegible] پیدا ہوئے ہوں گے میمن صاحب کاٹھیاواڑ کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم [illegible] مدرسہ [illegible] حاصل کی [illegible] کے نام [illegible] ان کے پاس ہے۔ مختلف [illegible] خدمت [illegible] محنت سے [illegible] چکے ہیں [illegible] ان کی [illegible] صاحب سے [illegible] ہے۔ انہوں نے [illegible] رکھے ہیں اور خود [illegible] معمولی [illegible] ہیں کہ باہر سے آنے والا شخص پہچان بھی نہیں سکتا۔ [illegible] عبدالعزیز میمن ہیں۔ شکل و صورت سے [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] چہرہ [illegible] ہاتھ [illegible] خشخشی داڑھی [illegible] پاجامہ [illegible] کے [illegible] ایک پرانی [illegible] سائیکل سے بازار کی طرف جاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ سائیکل پر [illegible] بھی [illegible] بازار سے [illegible] سارے تمام ضروریات کی چیزیں خود ہی خرید [illegible] اور [illegible] ایک ایک پیسے پر گھنٹوں تکرار کریں گے۔ ایک بڑا سا مکان بھی خرید رکھا ہے۔ اور اس کے مختلف حصے کرائے پر اٹھا رکھے ہیں۔ کرایہ اس سختی سے وصول کرتے ہیں کہ کوئی سود خوار پٹھان اپنا قرض بھی [illegible] وصول کرتا ہوگا۔ نہ صرف روپے پیسے کے معاملے میں بلکہ علم کے معاملے میں بھی ان کا بخل [illegible] ہے۔ ان سے کسی سلسلے میں استفادہ کرنا اور کچھ معلوم کر لینا یا اپنی ریسرچ کے سلسلے میں مدد لینا آسان کام نہیں۔ میرے علم کے مطابق اب تک اس مقصد میں محض ان کے شاگرد مختار الدین آرزو صاحب کامیاب ہوئے ہیں۔ مئی جون کی چلچلاتی دوپہر میں میمن صاحب ان کو ریسرچ میں مدد دینے کے لئے جاتے تھے لیکن آرزو صاحب کو بھی کام کرنے کی وہ دھن تھی کہ دو سال تک [illegible] حاضری دیتے رہے اور کام ختم کر کے چھوڑا۔

میمن صاحب ویسے کافی ظریف اور بذلہ سنج آدمی ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں خوب مزے لے لے کر کرتے ہیں جہاں کسی نے بیچ میں کوئی علمی مسئلہ چھیڑ دیا تو فوراً کہیں گے "ارے حضرت آپ کن دھندوں میں پڑ گئے چھوڑیئے اس کو بتایئے کشمیر کے سلسلے میں پاکستان نے اب کیا بیان دیا ہے۔" میمن صاحب کے مکان میں نہ تو کوئی آراستہ ڈرائنگ روم ہے۔ اور نہ ہی بیٹھنے کا کوئی کمرہ۔ کھری چارپائی پر بیٹھے ہوئے حقہ گڑگڑاتے رہتے ہیں۔ تمباکو بڑا اچھا پیتے ہیں اور طرح طرح کے تمباکوؤں کو ملا کر تجربہ کرتے رہتے ہیں۔ اپنے شاگردوں سے تمباکو اور امین آباد لکھنؤ میں تاجی کے یہاں کی بنی ہوئی خوبصورت چلموں کی فرمائش کرتے ہیں۔ شام کو ان کی نشست [illegible]

[illegible]

پنڈت [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

پنڈت حبیب الرحمٰن شاستری

سنسکرت کے عالم [illegible] پنڈت [illegible] [illegible]

[illegible] مولوی مشتاق حسین صاحب [illegible]

مولانا ضیاء احمد بدایونی

دیوان مومن کے شارح و مرتب مولانا ضیاء احمد بدایونی فارسی و عربی کے زبردست عالم، محقق اور اسلامی فقہ و تصوف، فلسفہ و منطق اور عروض و بیان کے مسلم الثبوت ماہرین میں سے ہیں۔ آپ کا شمار ہندوستان کے ان چند علماء میں ہوتا ہے جن سے نئے دور [illegible] محقق و تنقید نگار اور علمی و ادبی کام کرنے والے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ علی گڑھ میں جب کوئی علمی مسئلہ حل نہیں ہوتا تو مولانا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور وہ اسے باتوں باتوں میں پانی کر دیتے ہیں۔ یہاں کے ایک نوجوان اور ذہین ادیب مولانا کے تبحر علمی کے اس لیے قائل نہیں تھے کہ انہوں نے [illegible] کتابوں کی تصنیف نہیں کی ہے اور نہ ہی پیشہ ور مصنف کی طرح نام کمایا ہے۔ ایک بار یہی حضرت جو غالب پر ریسرچ کر رہے تھے۔ وہ فارسی کے

سن شعور کے ساتھ ساتھ ... کے سلسلے میں اپنی ذات کے ... کے شدید [illegible]
جب مولانا کے پاس تشریف لے گئے تو مولانا نے چند غلطیوں ... کی طرف توجہ دلائی ... کے بعد صاحب [illegible]
لکھتے تھے ... تو ... [illegible] ... اس تکبیر میں جہاں ان صاحب کی ذات اور مولانا کے [illegible]
نیچے اور چال ڈھال کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ پچاس سال سے زیادہ عمر ہو گی، تو ذہنی آئی ہے۔ خشخشی ڈاڑھی اور چھوٹی [illegible]
باتوں میں جھڑی، چلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ... رہے ہیں اور پہچانتے جا رہے ہیں۔
مولانا بدایوں کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ شرافت و ... اور ... آپ کا ...
جو ہمارے بیشتر علما کا شیوہ ہے ... کچھ بھی نہیں گیا ہے۔ مولانا ... کے طرز کی ... نظمیں بھی لکھتے ہیں ... اعانہ کی فرمائش پر
ان کی نظموں کا مجموعہ "تجلیات" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ... اکثر جلسوں میں ... صاحب کے ہمراہ اپنی نظمیں ترنم سے
پڑھتے ہیں۔ انہیں جب کبھی بیں ... سے پڑھتے سنتا ہوں تو بے ساختہ مرحوم حسرت موہانی کی یاد آ جاتی ہے۔
علی گڑھ میں اپنا ذاتی مکان ... باغ میں "بیت الحبیب" کے نام سے بنوایا ہے۔ ... ہیں اور ہر وقت مطالعے میں مشغول
رہتے ہیں۔ افسوس ہے ان کی اولاد میں بھی کوئی ان کا جانشین نظر نہیں آتا۔

خواجہ منظور حسین

علی گڑھ کے ان چند فرزندوں میں ہیں جن پر علی گڑھ نے ہمیشہ ناز کیا ہے۔ ان کے علمی وقار اور تنقیدی نظر کا نہ صرف ہندوستان کے بڑے
بڑے ادیب اعتراف کرتے ہیں بلکہ انگلستان اور فرانس وغیرہ میں ان کا قول سند مانا جاتا ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ اور ای ایم فارسٹر جیسے مشہور
آفاق ادیب ان کے ... معترف ہیں ... پروفیسر ... نے ... کتاب
Is Blind Ploughman of Dreams خواجہ صاحب کے نام معنون کی ہے۔ تاثیر نے چین کی بہترین کہانیوں کا ... اردو میں خواجہ صاحب کے ہی ایما سے منتقل کیا
اور انہی کے نام اپنی کتاب "نقش چین" کا انتساب کیا۔ آل احمد سرور جیسے فاضل نقاد خواجہ صاحب کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان کی کتاب "تنقید کیا
ہے" خواجہ صاحب کے نام معنون ہے۔ پروفیسر وقار عظیم نے "نیا افسانہ" کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں بہت کچھ خواجہ صاحب کی
رہنمائی کو دخل ہے جس کا انہوں نے اپنے دیباچے میں اعتراف کیا ہے۔

علی گڑھ میں خواجہ صاحب شعبۂ انگریزی کے صدر تھے۔ آکسفورڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے علی گڑھ کو اپنا مستقر بنایا
تھا اور یہیں اپنا ذاتی مکان بدر باغ میں بنوایا تھا۔ ان کی شادی یہیں کے پروفیسر ایم ایم شریف (سابق صدر شعبہ فلسفہ) کی صاحبزادی سے ہوئی
تھی اور اس طرح پر میاں افتخار الدین اور احمد شاہ بخاری پطرس کے ہم زلف ہوتے ہیں۔ دہلی کے شرفا میں سے ہیں۔ ان کے اسلاف میں سے
ایک باکمال شخص نزہم صاحب گزرے ہیں جن کا ذکر اشرف صبوحی نے اپنی کتاب "دلی کی چند عجیب ہستیاں" میں کیا ہے۔

خواجہ صاحب خوبصورت آدمی ہیں۔ گورا چٹا رنگ، میانہ قد، کلین شیوڈ، شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ عام طور پر پہنتے تھے۔ عام
گفتگو میں انگریزی کا ایک لفظ بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ ان کی زبان دہلی کی خالص ٹکسالی زبان ہوتی تھی۔ ان کو میں نے صرف ایک بار انگریزی
میں تقریر کرتے ہوئے سنا ہے۔ جب ای ایم فارسٹر علی گڑھ آئے تھے اور یونین ہال میں خواجہ صاحب نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ شعبہ
انگریزی کی "ریڈلے لٹریری سوسائٹی" میں خواجہ صاحب ہر سال کسی نہ کسی موضوع پر ایک دقیع مقالہ انگریزی میں پڑھتے تھے۔ اس مقالے
کو سننے کے لئے لوگوں کو کتنا اشتیاق ہوتا تھا اور کتنے مشاہیر اس مجلس میں موجود ہوتے تھے اس سے علی گڑھ والے خوب واقف ہیں۔

[illegible] جب [illegible] کے پانچ [illegible] ذکر [illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible] اس [illegible] ہے کہ جب [illegible] کہ ان [illegible]
[illegible] خواجہ صاحب [illegible] تھا [illegible] شروع میں [illegible] اور [illegible]
[illegible] کے سب [illegible] خواجہ صاحب سے [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] تھے۔ [illegible]
[illegible] خواجہ صاحب [illegible]

شروع میں خواجہ صاحب نے مستقل کتاب شائع نہیں کی لیکن بعد میں بھی خواجہ صاحب [illegible] ہیں۔ وہ [illegible] سے پہلے [illegible] ادبی [illegible] خواجہ صاحب کے [illegible] سکتے ہیں [illegible] ایک [illegible] شائع نہیں [illegible] خواجہ صاحب [illegible] نہیں ہو سکے۔ کہتے ہیں کہ کوئی [illegible] اشاعت کے لئے [illegible] یہی سبب ہے کہ [illegible] کتاب [illegible] اب اگر خواجہ صاحب کسی طرح چھپانے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو [illegible] خواجہ صاحب کی گپ شپ اور ان کی باتیں سن کر علی گڑھ کے بہت سے طالب علم اور [illegible] ادیب اور نقاد ہو گئے [illegible] خواجہ صاحب کا ضبط دیکھئے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔ شہرت کی خواہش کبھی [illegible] کے دل میں نہیں پیدا ہوئی۔

اپنی طالب علمی کے زمانے میں خواجہ صاحب علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر تھے۔ اس زمانے کے میگزین دیکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں خواجہ صاحب کے اس دور کے مضامین اب بھی اچھے طرزِ نگارش اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے غضب کی چیز ہیں۔ سجاد انصاری خواجہ صاحب کے عزیز ترین دوست تھے۔ اردو میں اپنی نوعیت کے اکیلے انشاپرداز اور فکر انگیز مضامین خواجہ صاحب کی تحریک سے لکھے گئے جنہیں خواجہ صاحب نے ان کی وفات کے بعد "محشرِ خیال" کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ کتاب ان کی مرتب ہو کر شائع نہ ہو گئی ہوتی تو آج اس جواں مرگ ادیب کو کوئی نہ جانتا۔

[illegible]ء میں خواجہ صاحب پاکستان چلے گئے اور آج کل گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ہیں۔ سنا ہے اقبال پر ایک کتاب لکھی ہے اور اسے شائع کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ کاش وہاں کے لوگ اس قیمتی متاع کو خواجہ صاحب سے ہتھیانے میں کامیاب ہو جائیں۔

قاضی عبدالغفار

"لیلیٰ کے خطوط" کے جواں طراز اور جواں نگار مصنف جب تقسیمِ ہند کے بعد انجمن ترقی اردو (ہند) کے سیکرٹری ہو کر علی گڑھ تشریف لائے تو اس وقت ان پر خزاں کا عالم تھا۔ صحت جواب دے چکی تھی اور طبیعت بجھ سی گئی تھی پھر بھی شائستگی و نفاست اور تہذیب و شرافت کا ایک پیکر تھے۔ ان کو دیکھ کر کسی ایسے [illegible] کا گمان ہوتا تھا جو ابھی ابھی [illegible]

مسلم یونیورسٹی کے عہد سے قاضی صاحب کا رابطہ مولانا ابو الکلام آزاد کی طرح ایک ماسٹر اور بیپ بیٹے کے [illegible] صحبت میں رہ کر ذوقِ صحافت پیدا ہوا اور ذہنی وابستگی کے اسیر ۔ اقبال اور [illegible] بزمِ قیصرت [illegible] ہند بادہ صنعت و فکر سے کام لینے والے آدمی تھے اور جھک کر ہر بات کہنا اسی پر ان کی تعجب کی کہ ان کی شخصیت کا ایک جاذب چلا جاتا ہے کی زندگی اور ملنسار ہت سے قلندرانہ نشست وہیں سے کام ضرورت ہی کی کہ ایک ایسی گفتگو میں بیٹھے تھے وہ قاضی صاحب کی افسوس ہے زندگی میں ، خلاف کی تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ صحافت کے دوست بھی بہتر پیش پیش رہتے انجمن کا کام کیا کرتے اور بہت سے خطوط کا جواب خود دیتے ۔ آخر میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کا اعتبار کیا گیا ۔ نوجوان ادیبوں کی بحث ۔ فرمائی اور ان کے لئے ہر طرح کی آسانی ۔ جب قاضی صاحب کا ایک جو بہت بڑا [illegible] کی سال کے قریب میں جبکہ کسی وہ میں تقریر نہیں کیا ۔ آج سے کئی سال پہلے اردو ادب میں "[illegible]" ایک مضمون بلند و عمدہ چھپا تو بہت پسند آیا ۔ تو کیا کہنے کا یا سبب ان کی تعریف کی اور کہا کہ جس فقط ان سے صرف چار دفعہ خطوط پر تنقید کی ہے وہ اصل کی پھر سے اور بہت بڑا ان کا فتح میرا تو جلوس ہے کہ اسی فقط نظریات غالب کے کلام کا ہی ۔ انتخاب مرتب کر دو میں ۔ میں انجمن سے شائع کروں گا ۔ اور انجمن کی طرف سے [illegible] ، [illegible] طرح سے طبع کراؤں گا ۔ میں نے یہ انتخاب مرتب کر کے دے دیا ۔ اتفاق کی بات ہے کہ قاضی صاحب پر محنت صحافت کا وعدہ پہنچ گیا اور کا زیادہ وقت حیدر آباد اور بمبئی میں علاج کے سلسلے میں صرف ہونے لگا اور میرا مسودہ انجمن کی الماری میں پڑا رہ گیا اور بعد [illegible] نوبت آ گئے ۔

جو ترقی پسند مصنفین کی طرف سے کوئی جلسہ ہوتا اور قاضی صاحب کو مدعو کیا جاتا تو اپنی ناسازیِ طبع کے باوجود تشریف لاتے ۔ پاکستان چند کی آمد کے موقع پر منعقدہ جلسہ ہو تو قاضی صاحب نے صدارت کی اور خطبۂ صدارت ۔ [illegible] ۔ جس زمانے میں سجاد ظہیر گرفتاری کی اطلاعات کا بازار گرم ہے تو میں نے حسرت موہانی کی وفات پر ان سے ایک مضمون کرشن کے لئے لکھنے کو کہا ۔ وہ مرحوم ہی تھے قاضی صاحب نے یہ فرمائش پوری کی اور اس کا اصل مسودہ عنایت کیا ۔ وہ کہا کہ یہ اب تک رسالے اخبار کے علاوہ کہیں اور نہیں چھپا گیا ۔ کے چند اساتذہ نے آج سے دو سال قبل ایک علمی و ادبی رسالہ "فکر و نظر" کے نام سے شائع کرنے کی اسکیم بنائی اور اشاعت کے لئے چندہ کیا ۔ اس رسالے کے لئے قاضی صاحب نے سب سے پہلے چندہ دیا اور انجمن کی طرف سے "فکر و نظر" کے لئے اشتہار بھی دے دیا ۔ اس کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا تو قاضی صاحب نے خود اپنے بیان کیا ۔ اس موقع پر انہوں نے ایک پر تکلف دعوت بھی کی ۔ میں ان کے قریب بیٹھا تھا اور جھجک محسوس کر رہا تھا ۔ قاضی صاحب نے فوراً بہت سی چیزیں میری طرف بڑھا دیں اور کہنے لگے میں تو اپنی ضعیفی اور علالت کی وجہ سے مرغن غذائیں ہضم نہیں کر سکتا لیکن میں نے آپ نوجوانوں کی دعوت اس لئے کی ہے کہ خود آپ کو کھاتے دیکھ کر مجھے ایک تسکین سی ہوتی ہے ۔ علی گڑھ میں ہر سال ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوتا ہے ۔ جس میں مشاہیر شعراء تشریف لاتے ہیں ۔ اس موقع پر قاضی صاحب کے یہاں ایک دعوت اور شعر و شاعری کی نشست ضرور ہوتی تھی ۔ اس میں علی گڑھ کے شعراء کو بھی بلاتے ۔ اتنی ستھری شعر و سخن کی بزم میں میں نے کہیں اور نہیں دیکھی ۔

قاضی صاحب کا وطن مراد آباد میں تھا ۔ علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ تھے اس کے بعد صحافتی دنیا میں داخل ہوئے اور مولانا محمد علی کے ساتھ ہمدرد و کامریڈ میں اور پھر مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ کلکتہ میں کام کیا ۔ خود بھی اعلیٰ درجے کے اخبار نکالے جس میں "جمہور" اور "صباح" کلکتہ سے اور "پیام" حیدر آباد سے نکلا اور صحافت نگاری کی تاریخ میں ایک نمایاں مثال قائم کی ۔ قاضی صاحب کے قلم سے ایک سطر بھی ایسی نہ نکلتی تھی جو ایک منفرد طرزِ نگارش کی حامل نہ ہو ۔ اس درجے کے صحافی اردو زبان میں کم ہی گزرے ہیں ۔

علی گڑھ میں ان کا قیام صاحبزادہ آفتاب احمد کی کوٹھی "آفتاب منزل" کے ایک حصے میں تھا ۔ ان کے ڈرائنگ روم اور خوابگاہ وغیرہ میں جانے کا بارہا اتفاق ہوا ۔ وہاں نادر ترین کتابوں کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کی جوانی کی تصویر ۔ سر [illegible] قاضی صاحب کے [illegible]

[illegible]

ڈاکٹر ذاکر حسین

[illegible] معمولی معاملات ہیں انہیں حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں جو شخص ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے کرنے کا سلیقہ اور جرأت نہیں رکھتا وہ بڑے بڑے کام بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی بڑی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور چیز سے میں بطور خاص متاثر ہوں اور وہ ان کا لکھنے کا طریقہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اگرچہ پیشہ ور ادیب نہیں تھے۔ مزید تاہم کبھی کبھی مضمون یا خطبہ لکھتے لیکن ان کی ایک ایک سطر میں ان کا طرز نگارش عجیب جادو جگاتا ہے۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر صاحب ایک صاحب طرز ادیب ہیں اور ان کی اس خصوصیت کو ہمارے بڑے بڑے پیشہ ور ادیب اور نقاد نہیں پہنچے جنہوں نے ادب ہی کے لئے عمریں گزاری ہیں۔ ان کا لکھنے کا انداز خالص تخلیقی ادب کا سا ہے۔ عموماً اس وقت لکھتے ہیں جب پانی سر سے گزرنے والا ہو لیکن اپنی تحریر میں اپنی

شخصیت کا مطالعہ [illegible] کرتے ہیں۔ [illegible]

خود کے [illegible] ہے۔ [illegible]

ہے [illegible]

[illegible] ضروری [illegible] ہے [illegible]

[illegible] خود [illegible] ان کے [illegible]

ڈاکٹر صاحب میں ذہانت اور سلیقہ دونوں [illegible] ہے [illegible] ضروری [illegible] شخصیت [illegible] کے [illegible]
پر بھی خاص [illegible] لکھتے ہیں جزئیات [illegible] ادب، شعر، تصوف، مذہب، فلسفہ [illegible]
منطق میں [illegible] ڈاکٹر صاحب کی [illegible] اس موضوع پر [illegible] تقریر [illegible]
باتیں کر سکے کہ اس کے [illegible] ماہرین [illegible] ہو سکے۔ [illegible] اس قسم کی معلومات [illegible] حاصل کرتے ہیں [illegible]
سے متعلق کسی کی باتیں سن کر یا کسی شخص سے گفتگو کے [illegible] پوچھنے کے بعد لیکن وہ اس طرح [illegible] جذب کر لیتے ہیں [illegible]
رہ جاتا ہے کہ کسی اور سے بھی نہیں ہو سکتا کہ ڈاکٹر صاحب ان سے متفق نہیں ہیں۔

علی گڑھ کے استاد [illegible] شکایت [illegible] ہے [illegible] نہیں جاتے [illegible] یہاں [illegible]
محمد حبیب، ڈاکٹر [illegible] جیسے تاریخ داں اور ماہر [illegible] موجود ہیں لیکن [illegible] نہیں [illegible]
نہیں ہیں اور اگر ہیں تو [illegible] ڈاکٹر صاحب نے [illegible] رشید [illegible] تقریر کرتے ہوئے کہا تھا [illegible]
[illegible] اور [illegible]
یہاں کے استاد ان کے [illegible] کچھ نہیں چھوڑنا چاہتے۔

رشید احمد صدیقی

رشید صاحب کے مضامین کا جادو تو مجھ پر اسی زمانے میں چل گیا تھا جب میں [illegible] کا طالب علم تھا اور [illegible]
کہ ان کے مضامین علی گڑھ کے بارے میں پڑھ پڑھ کر میں علی گڑھ کا گرویدہ ہو گیا تھا اور یہی مضامین مجھے یہاں کھینچ کر لائے۔ رشید صاحب کی تصویر
مضامین رشید میں دیکھ چکا تھا اور ان کی شخصیت کے بارے میں ذہن طرح طرح کے نقش بناتا رہتا۔ [illegible] سے پہلے [illegible]
پرنسپل بشیر احمد صدیقی صاحب نے جو رشید صاحب کے عزیز اور نسبتی بھائی تھے مجھے [illegible] خط دیا لیکن علی گڑھ میں اس تعارفی خط کا رشید صاحب
پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا سوائے اس کے کہ انھوں نے کہا کہ میرے پاس صرف اسی وقت آئیے گا جب آپ کو [illegible] سوسائٹی سے قرض کی ضرورت
ہو۔ اس قرض کی مجھے کئی بار ضرورت پڑی اور رشید صاحب کے یہاں جانا پڑا۔ گھر پر بار بار جاتا اور واپس آ جاتا کیونکہ اول تو مکان اس قدر
دور تھا [illegible] کہ دروازے سے گھر کے اندر باوجود چیخنے اور دروازہ کھٹکھٹانے کے آواز نہ پہنچتی، دوسرے یہ کہ اگر کوئی نوکر یا مالی برآمد بھی ہوا
تو اس نے فوراً جواب دیا کہ رشید صاحب گھر میں نہیں ہیں۔ ناچار پھر شعبۂ اردو کا چکر لگاتا اور وہاں بھی موجود نہ ہوتے تو شعبۂ اردو کے
چپراسی میاں خان کی ہدایت کے بموجب بشیر الدین صاحب لائبریری کے کمرے میں جاتا۔ [illegible] کہ رشید صاحب بغیر [illegible] مقصد کے
جاتے اور درخواست پر رقم مطلوبہ کی منظوری لکھ کر مجھے کہتے کہ اسے خان صاحب (عبدالمجید خاں آفس سپرنٹنڈنٹ ڈیلی سوسائٹی) سے کچھ
لے جائیے۔ چنانچہ اس کے بعد ڈیلی کے فارم کی خانہ پری اور رقم کی ادائیگی کا چیک حاصل کرنے میں خان صاحب کے [illegible]

[illegible] ملاقاتیں [illegible] دلچسپ [illegible] حالات [illegible]
[illegible] لاتا [illegible]
[illegible] کی اہمیت [illegible] صاحب کی
[illegible] اہمیت [illegible] ہے۔

رشید صاحب کی شخصیت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] رشید صاحب کے [illegible]

رشید صاحب سے صحیح معنوں میں [illegible] میرے متعلق بعض
[illegible] صاحب [illegible] رشید صاحب
[illegible]
پھر تو رشید صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو جائے۔

رشید صاحب سے قریب آنے کے بعد پتا چلا [illegible] ان کی شخصیت میں شگفتگی [illegible]
[illegible] فقروں میں مزہ آنے لگا۔ اور یہ اندازہ بھی ہوا کہ وہ فطری طور پر ایک مزاح نگار ہیں۔ [illegible] میرے پاس [illegible]
کی حیثیت سے نہیں تھا۔ میرا ارادہ فلسفہ یا معاشیات میں ایم اے کرنے کا تھا لیکن رشید صاحب کے مشورے سے میں نے اردو میں ایم اے
کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا فائدہ [illegible] ہو گیا۔ رشید صاحب [illegible]
ہیں لیکن ہم لوگوں کو اندازہ ہوتا کہ وہ انتہائی ذہین اور حساس آدمی ہیں [illegible]
معلومات چاہے امتحان کے لئے کام نہ آتیں لیکن زندگی میں [illegible] رشید صاحب [illegible]
[illegible] اساتذہ سے باتیں کرتے [illegible]
[illegible] رشید صاحب کی [illegible] دیکھنے کے
قابل ہوتی۔

رشید صاحب کی ایک خصوصیت کا میں نے اندازہ لگایا [illegible] ہر طرح ساتھ دیتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی غلطیاں کرے
اور غیر ذمہ داری کا مرتکب ہو۔ اس زمانے ڈیپارٹمنٹ کے چپراسی میاں خاں [illegible] صاحب [illegible] اساتذہ اور طالب علم
بھی شامل ہوتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دوست کے مقابلے میں اگر حضرت جبریل بھی آسمان سے اتر کر آئیں تو میں دوست ہی کی حمایت کروں گا۔
رشید صاحب صحیح معنوں میں ایک تخلیقی فنکار ہیں۔ کتابوں سے زیادہ ان کی توجہ زندگی کے مشاہدات پر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں [illegible]
[illegible] اکثر انسانی ذہن [illegible] احساس [illegible] اور قوت [illegible] کہ وہ ان [illegible] کچھ بہت زیادہ

[illegible] پاکستان کے [illegible] کی تحقیق [illegible] ہیں [illegible] جب [illegible] کی بہت سی [illegible] ایک [illegible] انسان کی [illegible] اور [illegible] کی شخصیت کی [illegible] وقت معلوم کر لیتا ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ [illegible] کوئی کتاب [illegible] نہیں [illegible] کے پاس [illegible] بلکہ وہ [illegible] اور دوستوں [illegible] رہتے ہیں۔ [illegible] بیٹھتے ہیں اور جب [illegible] کے [illegible] صاحب [illegible] جاتے ہیں۔

[illegible] صاحب [illegible] دیکھتے ہیں [illegible] مجلس [illegible] آپ کا [illegible] رکھتے ہیں۔ [illegible] اچھے [illegible] پسند [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] دوستی [illegible] ہیں۔ [illegible] چھوٹے [illegible] لکھتے [illegible]

ڈاکٹر عبد العلیم

ڈاکٹر عبد العلیم کو [illegible] بعض لوگ [illegible] شخصیت [illegible] سوچنے [illegible] کے جسم کا ایک [illegible] خوبصورت [illegible] پہنتے ہیں [illegible] کی [illegible] نہیں [illegible] وہ کسی مجلس میں بیٹھے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] باتیں کریں گے [illegible] مزاح کا پہلو نکال دیں گے [illegible] علیم [illegible] ہو کسی مسئلے پر [illegible] تنقید و بحث [illegible] اس کے بارے میں [illegible] واضح [illegible] اور [illegible]

ڈاکٹر علیم یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے صدر اور [illegible] علوم اسلامی کے نگران [illegible] یہ کہنا درست نہیں کہ وہ عربی کے ادیب یا محقق ہیں جیسے [illegible] علامہ عبد العزیز [illegible] وغیرہ۔ [illegible] صاحب نے جرمنی سے عربی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] دراصل وہ ایک ماہر تعلیم ہیں اور انہوں نے کسی ایک موضوع میں اختصاصی حیثیت حاصل کرنے کے بجائے اپنے علم کا دائرہ وسیع رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں فلسفہ و نفسیات، تاریخ و معاشیات، سیاسیات و علم مدن، [illegible] اور لسانیات پر یکساں عبور ہے اور ان پر [illegible] ایک پر بڑی [illegible] رکھتے ہیں۔ انہوں نے اردو میں بہت کم تنقیدی مضامین لکھے ہیں لیکن یہ مضامین اپنی گہرائی اور جامعیت کے اعتبار سے بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہیں۔ آج اردو [illegible] کوئی ایسا ادیب نہیں جو اتنے کم صفحات لکھنے کے باوجود ادبی دنیا میں اتنی وقعت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔

تنظیمی صلاحیت اور کسی ادارے کی نگرانی و رہنمائی کے لئے علیم صاحب بہت موزوں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے انہوں نے [illegible] میں شعبہ عربی کی باگ ڈور سنبھالی اس کے نصیب جاگ گئے اور اس وقت سارے شعبوں میں یہی شعبہ سب سے زیادہ ترقی کر رہا ہے اور

[illegible] کی ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

صاحب [illegible] حیثیت [illegible]

[illegible] شامل ہے۔

آل احمد سرور

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سرور صاحب میں ذہانت [illegible]

[illegible] ان کے ایک ایک فقرے میں [illegible]

شعر و شباہت کے اعتبار سے سرور صاحب خوش اندام [illegible]

[illegible] ان کے چہرے پر [illegible]

[illegible] بہت خوشگوار [illegible]

[illegible] انسٹی ٹیوٹ کی پروفیسر شپ کے علاوہ قاضی عبدالغفار مرحوم کے بعد انجمن ترقی [illegible] کے سپرد کی گئی ہے [illegible]

اس میں شک نہیں کہ جب سے سرور صاحب نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے [illegible] اس کا کام بڑی رفتار سے ہو رہا ہے۔

علمی تنقیدی مضامین کے علاوہ ادھر سرور صاحب نے پھر شاعری کی طرف توجہ کی ہے اور پچھلے سال اپنا مجموعۂ کلام "ذوقِ جنوں" شائع کر چکے ہیں۔ اب مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے ہیں اور اپنا کلام تحت اللفظ پڑھ کر سناتے ہیں۔

معین احسن جذبی

جذبی صاحب [illegible] میں آگرہ میں ایم اے کرنے کی غرض سے علی گڑھ تشریف لائے ایم اے کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لئے

[illegible] کی حیثیت سے کام کرنے سے پہلے [illegible] میں [illegible]
ہی دے دیا۔ [illegible] میں شعبہ اردو میں لیکچرر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا۔ میں اسی سال [illegible] جذبی صاحب
کی شہرت کا بہت دنوں سے چرچا سن رہا تھا اور انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کی خواہش رکھتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد [illegible]
کی [illegible] یوسف حسن کے توسط سے میں جذبی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جذبی صاحب سے ملنے کے بعد تھوڑی دیر
لگے یہ سمجھنے میں کہ کچھ دھیما سا [illegible] ذہن میں ان کی جو خیالی تصویر بنا رکھی تھی وہ اور کچھ تھی۔ ان کی شخصیت اور ان کے طرز گفتگو سے پتا
چلا کہ [illegible] چارہ ناکافی ہیں یہ احساس ہونے لگا کہ جذبی صاحب ایک سیدھے سادے بے تکلف اور مخلص آدمی ہیں وہ
اپنے حلقے میں اپنی شاعری یا اپنی قابلیت و ذہانت کا رعب نہیں جماتے اور نہ ہی اس پر اپنی شخصیت کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں
جو آدمی اچھا اور معتدل نظر آتا ہے خوردوں سے دوستانہ اور برابر کی سطح پر تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔ چاہے وہ طالب علم ہی کیوں نہ
ہوں ان کے لئے چائے منگاتے ہیں اور سگریٹ پینے پر اصرار کرتے ہیں اور بے دھڑک ہو کر بیٹھتے ہیں"۔ کچھ عرصہ تک کوئی [illegible]
اور [illegible] بہت جلد [illegible] کے نوجوانوں کو جو ادب کی دنیا کے [illegible] آہستہ آہستہ [illegible] کر لیا۔ اختر [illegible]
مرحوم، قاضی سلیم، ستیہ [illegible]، منہاج الدین، رحم بخش [illegible]، ریاض الدین قیصر، باقر مہدی، اقتدار حسین۔ ہم سب کی ایک ٹولی
سی بن گئی اور کچھ دنوں میں جذبی صاحب کے ایما سے اور ان کی رہنمائی میں ہم لوگوں نے یہاں انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد ڈالی [illegible]
صاحب اس کے پہلے سکریٹری منتخب ہوئے۔ وہ زمانہ واقعی عجیب زمانہ تھا۔ نئی نئی کتابوں اور [illegible] کی تلاش رہتی اور جلد [illegible] جذبی
صاحب کی ڈاک میں کوئی چیز آتی ہم سب اسے چاٹ جاتے۔ لکھنے کا جنون تھا اور [illegible] صفحے کے صفحے سیاہ کئے جاتے۔ انجمن کے
جلسے [illegible] میں ہوتے جو اس زمانے کا ایک خوبصورت ریستوران تھا۔ ہر جلسے میں حاضرین کی چائے، [illegible] اور [illegible] سے تواضع کی
جاتی۔ جذبی صاحب کی وجہ سے انجمن کے ہر جلسے میں خواجہ منظور حسین صاحب تشریف لاتے، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر مسعود حسین اور
ظفر انصاری وغیرہ بھی آنے لگے۔ باہر سے مولوی عبدالحق صاحب، قاضی عبدالغفار، حیات اللہ انصاری، اختر حسین رائے پوری یا کوئی
بھی ادیب آجاتا تو جذبی صاحب اسے انجمن کے جلسے میں کھینچ لاتے۔ اس موقع پر ہم سب یوسف صاحب کو فوری جلسہ کے لئے
[illegible] ممبروں کو اطلاع دینے کے لئے بڑے شوق سے سارا علی گڑھ چھان مارتے۔ اس زمانے میں یہاں کی انجمن ترقی پسند مصنفین
ہی سب سے بڑا ادبی مرکز اور شعر و سخن کی نشست بن گئی۔ اس میں جو مضامین پڑھے جاتے، جو تنقیدیں ہوتیں اور جو بحثیں آپس میں ہوتیں ان
[illegible] کئی دن تک یہ چرچا رہتا۔

جذبی صاحب ہم لوگوں کے یہاں بعض اوقات ہوسٹل میں پہنچ جاتے اور اس وقت جو بھی مل جاتا سب کو [illegible] کلب کے
کمرے میں جہاں ان کا قیام تھا آتے اور اپنے نوکر غفور کو چائے بنانے کے لئے آواز دیتے اور پھر گپ شپ، شعر و شاعری اور شخصیات پر گفتگو
چھڑتی۔ جذبی صاحب شعر و ادب سے متعلق اپنے نظریات اور تخلیقی عمل سے متعلق اپنے ذاتی تجربات بیان کیا کرتے اور ہم لوگوں کو اپنی
نظم و نثر کو زیادہ سے زیادہ موثر اور خوبصورت بنانے کے لئے مشورہ دیتے۔ ان کی گفتگو میں اکثر خواجہ منظور کے اقوال کا حوالہ ہوتا۔
کبھی کبھی مجاز، سردار جعفری، سبط حسن، مخدوم، اختر حسین رائے پوری، فیض، تاثیر، راشد، میراجی وغیرہ کا ذکر چھڑ جاتا اور پہلی
صحبتوں کا ذکر بڑے لطف سے کرتے۔ ان شاعروں اور ادیبوں کی پرائیویٹ زندگی، ان کی آپس کی چشمکیں، ان کا خلوص و محبت اور ان
کے ساتھ گزرے ہوئے لطیفے جذبی صاحب کا خاص موضوع ہوتے۔ اب یہ اندازہ ہوا کہ جذبی صاحب بہت ہی دلچسپ اور باغ و بہار
آدمی ہیں، ان کے پاس اتنے تجربات اور اتنی باتیں ہیں کہ تا زندگی ختم ہونے نہ آئیں۔ ان صحبتوں کے [illegible] ہم لوگوں کے

[illegible] ماحول [illegible] وہ نہیں [illegible]
[illegible] مقاصد [illegible] سلام [illegible]
[illegible] حامد علی خاں [illegible] ساتھ ہو گئے [illegible]
[illegible] حسن [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] آدمی [illegible]
[illegible] مجاز صاحب کی [illegible] محفل میں [illegible] صاحب کے [illegible]
صاحب [illegible] تو بھی کم مرتے تھے۔ [illegible] گرم ہوتی۔ [illegible] مشہور [illegible] دیکھ کر [illegible]
ہر جگہ صاحب کے ساتھ [illegible] ایسے شعر [illegible]
[illegible] شعر [illegible] بھی [illegible]
[illegible] صاحب [illegible]
[illegible] بیٹھے اور [illegible]
[illegible] ہو گئی ہے [illegible] شاعری اور [illegible] موضوع [illegible] گئے۔
[illegible] افسانے [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] کے ساتھ اس مکان میں [illegible] صاحب تقریباً آٹھ سال تک [illegible]
کی ہمیشہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر [illegible] ایک [illegible] مکان [illegible]
[illegible] ایک [illegible] مکان مل گیا ہے۔ [illegible] صاحب کی زندگی [illegible]
پرورش کا بوجھ ان کے کاندھوں پر ہے۔ ایک [illegible] لڑکیاں ہو چکی ہیں۔ [illegible]
بچوں سے بے انتہا پیار کرتے ہیں۔ [illegible] سال سے مسلسل [illegible]
[illegible] کی وجہ سے شعر کہنے کی رفتار [illegible] کم ہو گئی ہے پر ان کے عزیز دوست مجاز مرحوم نے [illegible] صرف دو [illegible]
[illegible] غم جاناں اور غم دوراں۔ جذبی نے ایک تیسرا غم ایجاد کیا ہے [illegible] تھیسس [illegible]
سے نجات حاصل کر لی ہے کیونکہ ان کا تھیسس مکمل ہو گیا ہے۔

اختر انصاری

جن لوگوں نے اختر انصاری کے رومانی قطعات اور "ندرد جبری" "نغمۂ تاب" کی غزلیں پڑھی ہیں۔ وہ اختر انصاری کو دیکھتے ہیں تو یقین نہیں آتا کہ یہی ہیں۔ بھاری بھرکم آدمی ہیں اور اعلیٰ درجے کا سوٹ پہنتے ہیں اس لئے بادی النظر میں گمان ہوتا ہے کہ کوئی آئی سی ایس قسم کے آدمی ہیں۔ جس زمانے میں پہلی بار ان کے مکان احاطہ بیٹھ ہاؤس میں ان سے ملنے کے لئے سید یوسف حسن کے ہمراہ گیا تو اختر صاحب مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول میں ٹیچر تھے لیکن ان کا آراستہ ڈرائنگ روم اس میں مجسمے، دو مصوروں کے شاہکار، رنگا رنگ شیشے کی بنی ہوئی [illegible] اور [illegible] کے فرنیچر۔ ایک قیمتی کتب خانہ جس میں ضخیم کتابیں اور تمام مشہور رسالوں کے مکمل فائل

میکہ کر چینگ رہ گیا۔ [illegible] یونیورسٹی کسی شعبہ سے بحیثیت [illegible] نے اس [illegible] کیات [illegible]
ایک [illegible] [illegible] ہو گئے تھے اور [illegible] میں۔ [illegible] کے [illegible]
ہیں۔ اختر صاحب پٹنہ یونیورسٹی میں اردو کے لکچرر ہو گئے اور تحقیق سے ایم اے میں [illegible] کا [illegible] ۔ اس [illegible]
بہت [illegible] ۔ [illegible] ایک یو شکیلہ [illegible] ہے۔ اختر صاحب [illegible]
کا شکار ہیں۔ [illegible] وہ واقعی آئی کی [illegible] کے خواب دیکھا کرتے تھے اور اس کی غرض سے [illegible]
حادثے کے انتقال سے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا اور [illegible] ایم اے بھی نہیں کیا تھا [illegible]
ذکر نہیں کیا سکتی تھی۔ [illegible] ۔ [illegible] اختر صاحب نے [illegible]
اسی طرح [illegible] کی [illegible] رہے۔ اسکول کی صدر [illegible] آہستہ آہستہ [illegible]
ان کی تخلیق ایک تقریباً ختم ہو گئی [illegible] افسانہ [illegible] اور تنقید [illegible] حاصل ادیب [illegible]
ادبی افق سے غائب ہونے [illegible] ۔ اختر صاحب [illegible] احساس تھا لیکن ان کے [illegible] وہ تسلیم [illegible] نہیں [illegible]
قادری کے بڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے [illegible] کلام [illegible] ادبی شاہکار [illegible]
کیا ہے۔ [illegible] کے متعلق [illegible] رائے رکھتا ہے [illegible] یونیورسٹی کے [illegible] پروفیسروں کے بس کی بات نہیں۔

یونیورسٹی میں آ جانے کے بعد اختر صاحب کی زندگی میں ایک گونہ تبدیلی ہوئی لیکن ابھی اس نئی عادت کی [illegible] بنیاد بھی [illegible]
اختر صاحب کی شعبہ اردو میں ملازمت ختم ہو گئی [illegible] ۔ آخر [illegible] کالج میں انہیں ایک [illegible] مل گئی۔
انہوں نے بڑی [illegible] سے کام کیا اور کالج میں مقبولیت حاصل کی اور ایک مدت تک اس بات کی کوشش کی کہ اپنے [illegible]
مجتمع کر کے [illegible] ادبی زندگی کو [illegible] واپس لائیں۔ [illegible] انہیں [illegible] بہت کامیابی ہوئی ہے اور [illegible] ایسی چیزیں لکھ [illegible]
میں [illegible] "یادوں کے چراغ" کے نام سے اپنی آپ بیتی بھی لکھ رہے ہیں جس کے بعض اجزا [illegible]
اس میں شک نہیں کہ مکمل ہونے پر یہ قابل قدر ادبی تحفہ ہوگا۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں

مسعود صاحب ذاکر صاحب کے بھتیجے اور قائم گنج کے پٹھان ہیں لیکن ان کے مزاج میں ایسی نرمی اور ٹھنڈک ہے جو بنگال کی زبان میں ملتی ہے۔ وہ ہندوستان میں لسانیات کے چند مسلم الثبوت ماہرین میں سے ہیں اور اس موضوع پر پیرس سے ڈی لٹ۔ کر کے آئے ہیں لیکن ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد بھی وہ اس نرمی پر کوئی پردہ نہ ڈال سکے۔ ان کا مزاج خالص ہندوستانی ہے۔ ادھر انہوں نے اپنی شعری تخلیقات کا مجموعہ "دو نیم" کے نام سے شائع کر دیا ہے اسے پڑھنے کے بعد میرا کچھ ایسا اندازہ ہے کہ ان کے کلام میں گیتوں کا حصہ سب سے زیادہ جاندار ہے اور "روپ بنگال" ان کی ایک کامیاب تخلیق ہے۔ مسعود صاحب نے ابتدا میں اپنی شاعری میں ہندی کے کچھ عناصر کو سمونا اور ایک رسیلی زبان کا تجربہ شروع کیا تھا اس سے ادھر وہ کچھ ہٹ سے گئے ہیں لیکن اس طرز کو اگر پورے طور پر پھلنے پھولنے کا موقع ملے تو مسعود صاحب کے ہاتھوں اردو شاعری میں زبردست اضافہ ہو سکتا ہے۔ مسعود صاحب نے ہندی اور سنسکرت ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور بنگالی زبان سے بھی واقف ہیں اور یہ سارے اثرات ان کی شخصیت میں رچ بس گئے ہیں اس لئے اس نوع کی شاعری کے لئے ان سے زیادہ کوئی موزوں نہیں۔

[illegible] شائع کی ہیں۔ ان میں قلمی نسخوں [illegible] مسعود صاحب [illegible]
[illegible] مسعود صاحب کے [illegible]
[illegible] شاید [illegible] نہیں ہے۔
[illegible] مسعود صاحب کی شخصیت [illegible] مسعود صاحب نے [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]

مسعود صاحب خوبصورت اور وجیہ آدمی ہیں اور قد و قامت [illegible] صاحب [illegible] بہت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] صاحب [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]

[illegible]

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

علی گڑھ میں آرزو صاحب کی شہرت پہلے پہل علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کی وجہ سے ہوئی [illegible] تحقیقی مضامین بہت پہلے سے رسالوں میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ [illegible] میں ان کا مضمون "مکاتیب سید سلیمان ندوی" [illegible] ادبی دنیا میں [illegible] کی تاریخ ادب اردو [illegible] تحقیق کا ذوق آرزو صاحب کو [illegible] صاحب کی صحبت میں ملا۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز [illegible] سے ہوتا ہے جب [illegible] پٹنہ کے [illegible] زمانے میں آرزو صاحب پٹنہ کے مشاعروں میں ایک ہونہار نوجوان شاعر کی حیثیت سے شریک ہوتے [illegible] غزلوں پر جمیل مظہری [illegible] کا اثر نمایاں تھا لیکن جلد ہی [illegible] صاحب سے سابقہ پڑا تو شاعری [illegible] تحقیق کی طرف آ گئے۔ قاضی صاحب کا آرزو صاحب پر گہرا اثر ہے۔ علی گڑھ کی تعلیم نے آرزو صاحب کو [illegible] ان کی شخصیت کی مکمل تشکیل علی گڑھ آنے سے قبل ہو چکی تھی یہی وجہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد آرزو صاحب کے طرز فکر اور طریق کار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ علی گڑھ میں انہیں اپنے کام کے لئے ایک وسیع میدان ملا اور اپنی تحقیق کے نتائج کو مناسب طور پر اشاعت دینے کا موقع بھی۔ ان کا قول ہے کہ ایک جگہ کم رہو لیکن گہرا کھودو۔

آرزو صاحب بقول [illegible] ہر وقت "گردش" میں ہیں۔ پرانی کتابوں اور قلمی نسخوں کی تلاش کا ایسا چسکا ہے جو کہیں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ ایک بار اورینٹل کانفرنس لکھنؤ میں مجھے ان کے ساتھ شریک ہونے کا موقع ملا، اس موقع پر مخطوطات و نوادر کی ایک نمائش بھی ہوئی تھی۔ اس وقت ان کا ذوق و شوق اور انہماک دیکھنے کے قابل تھا۔ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری کا ایک ایک ورق انہوں نے پڑھ ڈالا ہے اور جہاں کہیں کوئی قیمتی خزانہ دبا پڑا ہے اس کی ان کو اطلاع ہے۔ ابھی دو سال قبل راک فیلر فاؤنڈیشن کے اسکالرشپ پر عربی میں [illegible] یونیورسٹی گئے تو جرمنی، فرانس اور دوسرے ملکوں کا بھی [illegible] سے متعلق بہت سا مواد جمع کیا اور

آخر کار بہت کچھ ساتھ لے کر آئے۔ [illegible] آل انڈیا ریڈیو میں [illegible] ایک [illegible]
ہو اسی پہ پسری ہو۔ محقق کی حیثیت سے آسندو کا قیام ترین عرصہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ تو اصل ایک صفت ہے۔ [illegible]
ہیں اور کہا جا سکتا ہے۔

باوجود محقق ہونے کے آسندو صاحب خشک آدمی نہیں۔ ان کی شخصیت میں بڑی رنگا رنگی ہے اور زندگی سے لطف لینے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ محفلوں اور دعوتوں میں شریک ہونا، رقص، موسیقی اور کلاسیکل کا ذوق بھی رکھنا، چاندنی راتوں میں ٹہلنا اور ریستورانوں میں بیٹھ کر احباب کے ساتھ نفیس چائے اور سگریٹ پینے کا سلیقہ بھی آسندو صاحب کو آتا ہے۔ صاحب کے اندر مزاح کی حس بہت بڑھی ہوئی ہے، وقت پر ان کو فقرے خوب سوجھتے ہیں۔ ان کی گل افشانیٔ گفتار سے میں چند ہی واقف ہیں۔ جس زمانے میں مسلم یونیورسٹی گزٹ کا ایڈیٹر تھا اور میرا قیام ۵۔ حالی روڈ پر تھا اسی زمانے میں آسندو صاحب سے ملاقات بڑھی اور اتنی قربت ہوئی کہ آسندو صاحب مستقلاً میرے ساتھ قیام پذیر ہو گئے اور دو سال تک اسی طرح گزرے ہیں [illegible] کا ایک ایک لمحہ [illegible] ایک مدرسے کے پینے میں [illegible] ہے۔ ۵۔ حالی روڈ پر ہم دونوں مشتاق حسین صاحب [illegible] کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے اور Paying Guest کی حیثیت سے رہتے تھے۔ مشتاق [illegible] کی عجیب و غریب ہستیوں میں سے ہیں۔ ان کی شخصیت بذات خود کلاسیکی ایک ادارہ سے کم نہیں۔ اگرچہ انہوں نے [illegible] کام نہیں کیا لیکن ان کے علم، ان کی ذہانت اور ان کی سوجھ بوجھ کے سب قائل ہیں لیکن سب سے [illegible] ہے۔ وہ [illegible] خلوص، جاں نثاری اور دوست نوازی ہے۔ ۵۔ حالی روڈ پر شام کو محفل جمتی تھی۔ جس میں مشتاق صاحب [illegible] اور [illegible] میرے اور آسندو صاحب کے علاوہ تنویر احمد علوی، حشمت اللہ [illegible]، حنیف خاں ناشاد اور ستیہ [illegible] ایک [illegible] ہوتے۔ چائے کا دور چلتا اور دنیا بھر کے مسائل پر بحث مباحثہ ہوتا۔ ایسے موقعوں پر آسندو صاحب کے لطیفے اور فقرے [illegible] محفلیں اس قدر دلچسپ ہوتے تھے [illegible] دیر تک [illegible] باقی رہتا۔

آکسفورڈ سے واپسی پر آسندو صاحب نے ایک مسلمان راجپوت سے شادی کر لیا ہے اور اب دو [illegible] اہل و عیال کے [illegible] ہیں۔ طارق اقبال اور خالد اقبال جیسے پیارے بچے ہیں۔

آسندو صاحب معتدل مزاج کے آدمی ہیں اور زندگی بسر کرنے کا فن انہیں آتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں کا ایک شمہ بھی انہوں نے نہیں چھوڑا ہے اور ہر طرح سے کامیابیوں کا [illegible] ہے۔

مسعود علی ذوقی

اختر انصاری مارہروی کے آئی سی ایس [illegible] ہیں جو ایک زمانے میں اپنی فطرت نگاری اور رومانی نظموں اور گیتوں کے لئے مشہور تھے۔ ان کی تخلیقات "ہمایوں" اور "نیرنگ خیال" میں بڑے اہتمام سے شائع ہوتی تھیں۔ انہوں نے شاعری کی بساط بہت جلد الٹ دی۔ کوئی مجموعہ مرتب کر کے نہیں چھپوا سکے اس لئے آج ادب کے طالب علم ان کا نام تقریباً بھول چکے ہیں۔ ذوقی صاحب ایک شائستہ اور اسمارٹ آدمی ہیں اور آج کل مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ تھیٹر کے ڈائرکشن سے بھی شغف رکھتے ہیں چنانچہ ایک زمانے میں نیاز حیدر کے ساتھ مل کر ایک فلمی کمپنی کھولنے کی اسکیم بنائی تھی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ فلم کے سلسلے میں کئی سال تک بمبئی میں قیام رہ چکا ہے اور متعدد فلموں کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر رہ چکے ہیں [illegible] کی قوت [illegible] اور گزشتہ

[illegible] منظور صاحب [illegible] مضامین [illegible]
[illegible] بھی [illegible] کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عزیز

تاریخ صحت [illegible] کے مصنف ڈاکٹر محمد عزیز [illegible] [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] سے شائع ہو چکی ہے۔
عزیز صاحب ایک [illegible] [illegible] [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] نہیں سکتے۔ [illegible] نظر سے [illegible]
[illegible] [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] رہتے ہیں۔

اسلوب احمد انصاری

شعبۂ انگریزی میں استادوں میں اور خواجہ منظور حسین کے قریبی شاگرد اور دوست ہیں۔ خواجہ صاحب [illegible] اسلوب صاحب نے خاصے اثرات قبول کیے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ خواجہ صاحب کے [illegible] کے اعتبار سے اسلوب صاحب ہی ان کی [illegible] [illegible] اسلوب صاحب نے [illegible] کتابوں کے مطالعہ [illegible] تھا۔ دوسروں سے ملاقات [illegible] متاثر کرنے [illegible] طالب علمی کے زمانے میں [illegible] سے شروع سے آخر تک ہمیشہ [illegible] حاصل کیا [illegible] اپنی شخصیت اور زندگی کے بعض نقوش [illegible] کی تشکیل [illegible] اسلوب صاحب [illegible] کام نہیں [illegible] چند سالوں میں انہوں نے اپنے آپ [illegible] کا حلقہ بھی بڑھ گیا ہے۔ عمل کرنے اور تنقید [illegible] لگے ہیں [illegible] شکایت سے بھی [illegible] لگے ہیں۔ اپنی بات [illegible] کے لئے ذرا جلد [illegible] اپنی بات پر اڑ جانا بھی سیکھ لیا ہے۔ غرض اسلوب صاحب آہستہ آہستہ کتابوں کے اس بھاری بوجھ کے نیچے سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں جس نے ان کی قابلیت اور ذہانت میں تو بے انتہا اضافہ کر دیا تھا لیکن شخصیت کا سارا رس چوس لیا تھا۔ عنقریب انگریزی ادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے آکسفورڈ جا رہے ہیں۔ امید ہے وہاں یہ تراش خراش مکمل ہو جائے گی۔

اسلوب صاحب ادب کے معاملے میں کسی رو رعایت کے قائل نہیں۔ خواجہ منظور کی طرح وہ ہر تخلیق کا معیار اور اس کی سطح دیکھتے ہیں۔ اور اس کے تخلیقی عناصر اور رنگ و آہنگ سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کو خود بھی شہرت کی کوئی خواہش نہیں اور نہ ہی ان لوگوں سے بالکل مرعوب ہوتے ہیں جن کا ادبی دنیا میں ڈنکا بج رہا ہے۔ اسلوب صاحب کے نزدیک ایسے لوگ ادنیٰ درجے کے اشتہار باز ہیں۔ ایک نوجوان ادیب کا ذکر ہو رہا تھا [illegible] سے اپنی تصانیف کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو کسی ایک مرکز پر متعین کرنے کے

بلکہ اپنے ادبی کاوشوں کی ماں کی طرح بچوں کے دل سے عزیز ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین اور تبصروں کا مجموعہ اسلوب صاحب نے
کیا۔ صاحب جیسا ادیب یا مشاق نقاد کے حوالے ہو جائیں گے جو پیدا ہو رہے شک ہو بالکل مشتبہ رسالہ کی ہیئت میں اس کے اور
بلکہ اس کے ذریعہ اپنی پبلسٹی کرا سکیں۔ یہ لوگ ادیب یا آرٹسٹ نہیں ادبی کباڑیے اور دلال ہیں۔ اسلوب صاحب اپنے کیرکٹر اور
وضعداریت یا اس طرح کتابوں کا مصنف بننے کی کبھی ہوس نہیں ہوئی۔ میری خواہش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ زندگی میں چند ہی مضامین یا ایک
کتاب کیوں نہ چھوڑ جاؤں لیکن اپنے ضمیر کا خون نہ کروں۔

اسلوب صاحب نے بلاشبہ اپنے سارے مضامین میں محنت کا حق ادا کیا ہے اور اپنا معیار کبھی ہاتھ سے جانے نہیں
دیا لیکن گر ایک شاعر نے مجھ سے محض اس لئے بہت تعلقات بڑھائے کہ اس پر میں مضمون لکھ دوں اور اپنے مضمون میں
عظمت عطا کروں جو خود ان کے اپنے خیال کے مطابق انہیں ملنی چاہئے اس پر میں نے لب کر جس طرح کا ہم کام کرتا ہوں تو
ایسے ذی رتبہ لوگ بہت ہوئے ہیں جن کی تعریف اور قصیدہ خوانی کرا کے شمار جاروں تو مادی منفعت حاصل کر سکتا ہوں مگر دوست
آپ کا یہی انتخاب کیوں لوں گا۔

اسلوب صاحب ۱۹۴۲ء سے لکھ رہے ہیں۔ ان کا پہلا قابل ذکر مضمون رسالہ جامعہ میں "اقبال کا ذہنی ارتقا" کے عنوان
سے شائع ہوا تھا۔ اس عرصے میں کوئی اور پیشہ ور یا تجارتی ادیب و اشتہار باز ہوتا تو نہ جانے کتنی کتابیں اس کی بازار میں بکتیں لیکن اسلوب
صاحب کا یہ حال ہے کہ برسوں میں کہیں ایک مضمون لکھیں گے اور اسے بھی بہت غور و فکر اور فکر و تامل کے بعد چھپنے کے لئے دیں گے یہی وجہ
ہے کہ رسالوں میں ایک لمبے وقفے کے بعد ان کا کوئی مضمون شائع ہوتا ہے۔ تو چھپا ہوا نام دیکھ کر عام قاری منتظر نہیں کر دیتا ہے یہ
الگ بات ہے کہ جتنے بھی چھپتے ہیں ان کا کوئی مضمون ایسا نہیں جو سرسری یا صحافتی اور سطحی کا ہو۔ وہ اصل و جلیل ہوں جنہیں اہل علم نے سراہا
میرا خیال ہے اسلوب صاحب اپنی روش انہیں ادب میں دیرپا مرتبہ دلائے گی اور ان کی کتابیں چاہے ان کی چاشنی نہ ثابت ہوں گی۔

اسلوب صاحب کا وطن بہار نپور ہے۔ وہ آزاد انصاری کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک خوب صورت اور وفا شعار بیوی
کے شوہر اور دو معصوم بچوں کے باپ ہیں۔ گھریلو زندگی پُر سکون ہے۔

منیب الرحمٰن

آٹھ سال انگلستان میں رہنے اور وہاں سے فارسی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لینے کے بعد دو سال پہلے اپنی پرانی درسگاہ علیگڑھ
میں وارد ہوئے جہاں سے انہوں نے فارسی کے علاوہ تاریخ میں بھی ایم اے کیا تھا۔ منیب صاحب جب علیگڑھ سے انگلستان گئے تھے
تو اپنی شاعری کی وجہ سے مشہور تھے۔ انہوں نے اُردو شاعری میں جدید میلانات اور ہیئت کے نئے تجربوں کو آگے بڑھانے میں
بڑا سرگرم حصہ لیا تھا لیکن واپس آئے تو اسکالر بن کر۔ شاعری سے زیادہ ریسرچ پسند دینے لگے اور جب اسلامک ریسرچ انسٹی
ٹیوٹ میں ان کا تقرر ہو گیا تو وہ ادب بھی آہستہ آہستہ شاعری سے دور ہوتے گئے انہوں نے اپنے کلام کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا ہے۔
اپنی پچھلی نظموں کو ناقابل اشاعت سمجھتے ہیں اور نئی نظم لکھنے کی انہیں فرصت نہیں۔

منیب صاحب ایک دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ قد و قامت، جسم، رنگ اور چہرے کے نقوش ہر اعتبار سے علیگڑھ کی
اصطلاح میں انہیں "سویٹ" کہا جا سکتا ہے۔ اپنے والد اکرام حسین صاحب ریٹائرڈ آئی جی اور اپنے بڑے بھائی حبیب الرحمٰن صاحب
ہیڈ آف ... مسلم یونیورسٹی کے ساتھ اپنی خوب صورت اور شاندار کوٹھی "گل رعنا" میں رہتے ہیں اور ادیبوں کا ایک حلقہ بھی ان سے منسلک

[illegible] ہے۔ [illegible] ان کے [illegible] کے متعلق ہیں۔ [illegible]
[illegible] ان کا [illegible] ہے۔ [illegible] صاحب شاعر [illegible]
[illegible] ہے۔

ڈاکٹر عشرت حسین انور

فارسی اور فلسفہ میں ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ [illegible] اقبال کی مابعد الطبیعیات [illegible] فلسفہ میں [illegible] [illegible] [illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] ہوگئے [illegible] ہے [illegible] کتاب [illegible] حقیقت [illegible] ہے [illegible] سے [illegible] ہے [illegible] ان کی تصانیف [illegible] ہیں۔ [illegible] عشق [illegible] سے [illegible] ہے اور [illegible] کے [illegible] ہیں اور اقبال کی مثنوی [illegible] خودی کا جواب [illegible] کے نام سے [illegible]

عشرت صاحب ایک [illegible] ہیں [illegible] ہیں۔ [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] ہیں۔ [illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] زیادہ [illegible] کرتے ہیں اس لئے [illegible] انہیں [illegible] حسین کا [illegible] M. [illegible] کہتے تھے۔ [illegible] کے [illegible] خوش ہیں۔

ڈاکٹر محمد حسن

علی گڑھ میں [illegible] ہیں۔ [illegible] حاصل [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] یونیورسٹی [illegible] مثال [illegible] وقت لکھنؤ [illegible] کہتے ہیں۔ [illegible] ہے [illegible] خاندان سے تعلق ہے۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے [illegible] حاصل کی [illegible] حاصل [illegible] تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد [illegible] صحافت کے پیشے میں رہے۔ [illegible] ایک [illegible] کے بھی ایڈیٹر رہے [illegible] یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں استاد ہیں۔

محمد حسن صاحب ایک ہمہ جہت طباع آدمی ہیں۔ وہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کے ادب پر [illegible] لکھتے ہیں۔ [illegible] دوسرے فنون پر بھی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ ریڈیائی ڈرامے اور فیچر اکثر کتابوں پر تبصرے اور مختلف موضوعات پر تقریریں [illegible] لکھنؤ اور دوسرے ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہوتی رہتی ہیں۔ ہندی ادب کی تاریخ بھی لکھی ہے اور "ہندوستانی جمالیات" پر کام کرنے کا ارادہ ہے۔ علی گڑھ میں انہوں نے ایک [illegible] کی بھی بنیاد ڈالی [illegible] سال [illegible] میں [illegible] خود ہی لکھتے ہیں [illegible] کی حیثیت سے بھی آتے ہیں ــــ محمد حسن صاحب ایک مرنجاں مرنج اور با اخلاق آدمی ہیں۔ لکھنؤ میں ان کی صحبتیں مجاز [illegible] اور شوکت صدیقی وغیرہ کے ساتھ رہتی تھیں [illegible] اس زمانے کے [illegible] سے سناتے ہیں [illegible] کا آخری [illegible] ہے [illegible] علی گڑھ میں آنے کے بعد [illegible] لکھنؤ کی نسبت [illegible] ہے۔

بہار کی چند ادبی شخصیتیں

شاہ ولی الرحمن کاکوی

ماہنامہ نقوش کے ایڈیٹر نے فرمائش کی ہے کہ بہار کے ادیبوں سے متعلق ایک مضمون لکھوں۔ انہوں نے موضوع کی وضاحت نہیں کی کہ شاعر بھی ادیبوں میں شامل ہیں یا نہیں۔ تاہم میں نے شاعروں کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیا ہے کیونکہ ادبیت میں شاعری بھی شامل ہے۔

مخدوم شیخ شرف الدین احمد بہاری

آپ امام تاج فقیہ ... بیت المقدس اور فاتح منیر کے پوتے مخدوم شیخ یحییٰ صاحب ... کے صاحبزادے تھے۔ شیخ ... بہت مذکر کا شہرہ ... شیخ شہاب الدین سہروردی متوفی ۶۳۲ھ ... آپ کا مزار ... مخدوم بہاری ... میں پیدا ہوئے ... پانی ... شاہ آباد اور ... کے جنگلوں اور پہاڑوں میں ... ریاضت و مجاہدہ میں ... آپ کی پیدائش منیر میں ہوئی تھی جو پٹنہ سے ... میل پچھم ایک قصبہ ہے اور بہار شریف میں وفات پائی جہاں آپ کی درگاہ ... خلائق ہے۔ ہر سال عظیم الشان عرس ہوتا ہے۔ آپ سے کچھ اردو قول بھی منسوب ہیں مثلاً ... وغیرہ۔ لیکن آپ کے علم و فضل کا اصل تماشا آپ کے فارسی مکتوبات ہیں جن میں اسرار تصوف پر مدلل بحثیں ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کے عم زاد بھائی مخدوم شاہ شعیب (متوفی ...ھ) نے مناقب الاصفیا کے نام سے ایک کتاب فارسی میں لکھی۔ آپ کا مزار شیخپورہ (ضلع مونگیر) میں ہے۔

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری (سال پیدائش ...) فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک تھے۔ ملا غلام یحییٰ (متوفی ...ھ) ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اُن کی قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے میر زاہد پر حاشیہ لکھا۔ یہ مرزا مظہر جان جاناں (متوفی ...ھ) کے مرید تھے۔ ان جیسے سیکڑوں علماء و فضلا بہار میں تھے جن کا ذکر نظر انداز کرتا ہوں۔

مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی (۱۰۵۴ھ - ۱۱۳۳ھ)

مرزا بیدل ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ کوئی بخارا کہتا ہے، کوئی لاہور، کوئی دہلی، کوئی اکبرآباد

[illegible]

[illegible] بیدل کی اس [illegible] حصہ لیتے ہوئے۔

بیدل کا [illegible] شاعری [illegible] زبان [illegible] غالب نے بیدل کی پیروی [illegible] بیدل کے [illegible]

بیک [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

بیدل حیرت کے بیان میں منفرد ہیں [illegible] فلسفیوں نے [illegible] بیان کیا ہے [illegible] حیرت [illegible] بیدل کے کچھ شعر [illegible]

تہمت [illegible] لشکر [illegible] / ز [illegible] چمن [illegible]
[illegible] / [illegible]
[illegible] / جگر [illegible]
مگر از پیش ناز [illegible] حال بیدل / وگرنہ [illegible]
ز تماشای قدح مستی [illegible] رنگ می جوشد / [illegible] رنگ می جوشد
تہیہ ناز آشفتہ رنگ [illegible] / [illegible] عبرت نقاب [illegible]
ہر کجا [illegible] خود را بہ خود پوشیدہ / [illegible] پیراہنست
کعبہ [illegible] / [illegible]
بیدل آں شعلہ کہ او بزم چراغاں گرم است / یک حقیقت ز ہر ذرہ آئینہ تاباں شدہ است
ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنج خمار ما / چہ قیامتی کہ نمی رسی ز کنار ما بہ کنار ما

بیدل اُردو میں بھی شعر کہتے تھے لیکن صرف دو شعر مشہور ہیں جن کو میر نے نکات الشعرا میں درج کیا ہے —

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے کاسے میں چرخ نے کر پکا را　　　　پہلے سے دیوار باہتیا لیکر جلا جاں

مولوی محمد حسین آزاد مشتری ۔ بیدل کے ترتیب بعد فارسی میں شعر کہتے تھے ۔ محمد حسین قرشی کی منتخب [illegible] نے فارسی میں اردو شعرا کا ایک تذکرہ لکھا ۔ شاہ کمال علی کمال کی مثنوی [illegible] ہے (مطبوعہ)

[illegible] تھے ، دیوان اردو کے علاوہ فتح الفتاح ان کے مکاتیب کا مجموعہ ہے ۔ حضرت عشق عظیم آبادی [illegible] سے فارسی و دیوان کے علاوہ تصوف میں چند رسالے بھی تصنیف کئے ۔ یہ بزرگ مرزا محمد علی فدوی کے استاد تھے اور انتقال سے قبل میر تقی میر نے اصلاح لی تھی ۔ نواب میر ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی متوفی [illegible] ایک زبردست ادیب و مؤرخ اور شاعر بھی تھے گزرے ہیں ۔ ان کا تذکرہ گلزار ابراہیم [illegible] اردو شعرا کا ایک بلند پایہ اور مستند تذکرہ ہے جس کی تحقیق بہت اہمیت رکھتی ہے ۔ خلاصۃ الکلام اور صحف ابراہیم بھی ان کی تصنیفیں ہیں جو عیب شریف ہیں ۔

مصرع دیوان رد کی دیکھا کر زنجیر سی ہے　　　　یہاں نہ ہو کر ستے ہیں وہاں تصویر کی ہے

سید غلام حسین خان (۱۷۲۷ - ۱۸۰۶ ء) بڑے پایہ کے مؤرخ اور ادیب تھے ۔ انہوں نے سیر المتاخرین لکھی جس میں سیاست ، فارسی زبان میں ہندوستان کی تاریخ تین جلدوں میں ہے اور اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی کیا گیا ہے ۔ ان کا وطن حسین آباد جو عظیم آباد میں تھا ۔ یہ شاعر بھی تھے اور شیخ علی حزیں سے اصلاح لیتے تھے ۔ خود بھی عظیم آباد میں اردو و فارسی کے شاعر ہوئے ۔ ان کا انتقال [illegible] میں ہوا ۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

نیست غمے زہجر تو بیش تو گر تو ہم چشیدہ را　　　　دل بہ سوز تو بود ، کو سفر کشیدہ را

دل کو خفا و دیں است ناری میں کئی　　　　عمر کئے کوئی پر کیسا ہی غزالی میں کئی

بلبل کو باندھئے تو رگ گل سے باندھئے　　　　دل باندھئے تو زلف کی کاکل سے باندھئے

شیخ وجیہ الدین عشقی عظیم آبادی نے تیرہویں صدی ہجری کی ابتدا میں اردو شعرا کا ایک تذکرہ فارسی میں لکھا ۔ انہی کے شاگرد محمد حسین تجلی عاشق عظیم آبادی نے دو جلدوں میں فارسی شعرا کا تذکرہ لکھا جس کا نام نشتر عشق ہے ۔

شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی

راسخ اردو زبان کے اچھے غزل گو اور مثنوی نگار تھے ، شاد عظیم آبادی نے لکھا ہے کہ راسخ [illegible] میں پیدا ہوئے لیکن یہ صحیح نہیں ۔ قاضی عبد الودود صاحب کی تحقیق ہے کہ وہ [illegible] کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے ۔ عہد جوانی میں راسخ کا دیوان شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے ۔ انہوں نے فدوی سے اصلاح لی تھی مگر لکھنؤ جا کر میر سے مستفید ہوئے ۔ [illegible] میں وفات پائی ۔ انتقال سے چند سال قبل ایک رسالہ لکھا جس کا نام خلاصۃ الصرف ہے ، یہ رسالہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے ۔ راسخ کے چند اشعار یہ ہیں ۔

بس کہ سے بے حجابی کی گر آہ نہیں کچھ بھاتا ہے　　　　دیکھئے کیا ہو شامت کہ دل تو بہت گھبراتا ہے

عقل والوں کی صانت تو نہ آئی کچھ کام　　　　اب شیرا اپنا کریں گے کسی سودائی کو

تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زباں پر　　　　نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر

نہیں ہوش اوں پہ کچھ سید مجھے شکست تو اتنی ہے　　　　جنہیں یہ جلسے کے شنیدی اور اب بے خبری ہے

اشعار مثنوی

کیا کہوں آہ محبت کیا ہے　　　　کیا کہوں اس میں مصیبت کیا ہے

[illegible]

[illegible] مثلاً سید شاہ باقر علی باقر گیاوی، [illegible] غالب، شاہ [illegible] کی کتاب [illegible] شاہ امین احمد شوق بہاری مصنف مثنوی [illegible] وغیرہ۔

سید فرزند علی صفیر بلگرامی (۱۲۴۹ھ - ۱۳۰۶ھ)

آپ کی پیدائش مارہرہ میں ہوئی۔ بچپن ہی میں بلگرام آ گئے اور کچھ ہی دنوں کے بعد آرہ اپنے والد کے ساتھ پہنچ کر وہیں کے ہو رہے۔ [illegible] انہوں نے رشک و تنویر (تلامذۂ ناسخ)، غالب اور مرزا دبیر سے اصلاح لی تھی۔ [illegible] کلیات شائع نہ ہو سکا۔ بہت پرگو شاعر تھے اور نثر نگاری میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ رشحات صفیر، ترجمۂ بوستانِ خیال، چشمۂ کوثر، تحقیق [illegible]، مردم دیدہ، اور جلوۂ خضر (تذکرۂ شعرائے اردو) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کہنہ مشق استاد تھے اور شاگرد بنانے کا خاص شوق تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

خاک سے میری بگولہ پھر [illegible] ہونے کو ہے   یہ غبار اڑ کر بھی آسماں ہونے کو ہے
بادۂ عشرت [illegible] نے جام لیا   [illegible]
کسی حالت میں [illegible] نقصان رندوں کا   جو شیشہ ٹوٹ جاتا ہے تو پیمانہ ہوتا ہے

مولانا حکیم عبدالحمید پریشاں (۱۲۷۵ھ – ۱۳۳۳ھ)

آپ نہایت ذی علم بزرگ تھے طبابت میں خاص مہارت حاصل تھی۔ نامی چند ایک جید اساتذہ سے ... آپ کے ... بھی ... عربی کے جید ... فارسی اور اردو ... میں شعر کہتے تھے شاد عظیم آبادی سے ... آپ کے چند اشعار فارسی و اردو کے درج کیے جاتے ہیں۔

قامت اعجاز نہ برم بہ تمکیں سیہ تاب   بسکہ تنجر ناز بر جبیں ... سیہ تاب
دست بستہ گوہر ... سیدن کوتاہ   پائے بشکستہ ... سیدن ...
ہماری الجھنوں کو واقف محبوب جانے ہے   پریشاں کی پریشانی پریشاں عیب جانے ہے
مرگ مرگ ... زندگی ...   کون سی صورت میں ... چراغ کشتہ ہے

خان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی

آپ ... میں پیدا ہوئے اور ... میں وفات پائی۔ اردو فارسی اور عربی کی تحصیل کے بعد آپ نے ابتدائے شباب ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ صوبہ بہار میں شاد جیسا کوئی غزل گو نہیں پیدا ہوا۔ تقدم زمانی کے لحاظ سے آپ یقیناً قابل احترام ہیں۔ ... جذبات و احساسات کی شدت و صداقت ... آپ کی شاعری ... کی حیثیت رکھتی ہے ... آپ نے ... ترک کر کے ... اپنا رنگ تغزل اختیار کیا۔ آپ کا کلام ابتذال سے پاک ہے اور غزلوں میں انفرادی شان نمایاں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا   زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا
اسیر جسم ہوں میعاد قید لامعلوم   یہ کس گناہ کی پاداش ہے خدا معلوم
سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی   نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
چشم سیہ میں سرمہ دے زلف سیاہ میں شانہ کر   قتل جہاں کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر
اہل ہوس بھی ہو سکے تیرے حریف میکشاں!   پیر مغاں الٹ دے خم بند شراب خانہ کر
وہ عالمگیر جلوہ اور وہ حسن مشترک تیرا   خدا جانے انہی آنکھوں کو ہوا کس پر شک تیرا
جہاں سے ... تیرا ... چپ رہنا   ... گلستاں میں ہے الٹ ...
یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی   جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے
نہ آئینے کا قصہ اور نہ حال شانہ کہتے ہیں   حقیقت میں جمال یار کا افسانہ کہتے ہیں
ترے کمال کی حد کب کوئی بشر سمجھا   اسی قدر اسے حیرت ہے جس قدر سمجھا
یہی حباب ہیں ... اسے موج   انہی قطروں کی بدولت ... دریا تیرا
... مجھے ... ملا دیا   جس کی طلب تھی ساقیا اس سے کبھی ملا دیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] منتخبہ [illegible]

[illegible] ڈاکٹر [illegible] شاعری [illegible]

تنقیدی مضامین [illegible]

کتاب لکھی ہے جس کا نام [illegible]

[illegible] سے منتخبہ [illegible]

[illegible] آپ کے ساتھ [illegible] آپ [illegible]

نواب نصیر حسین خیال (۱۸۶۴-۱۹۲۴ء)

نواب خیالؔ شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ نے ابتدائے شباب ہی سے اردو [illegible] کی طرف توجہ کی۔ آپ سے ایک رسالہ [illegible] جاری ہوا تھا [illegible] آپ شاعری [illegible] آخری سال [illegible] بند ہو گیا۔ آپ [illegible] تصنیف [illegible] ادبی [illegible] لکھنؤ کی صحافت [illegible] ایک [illegible] آپ نے [illegible] اردو زبان کی خدمت [illegible] تحقیقات میں [illegible] داستان [illegible] شائع ہوئی [illegible] داستان [illegible] آپ [illegible] محمد حسین آزاد کا پرتو تھا اور آپ کی کتاب [illegible] ایک خاص درجہ [illegible] کے علاوہ آپ کے [illegible] مضامین [illegible] بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ضرورت ہے کہ آپ کا تمام ادبی سرمایہ شائع ہو کر [illegible] آپ [illegible]

سید عبدالغفور شہباز عظیم آبادی (متوفی ۱۹۰۸ء)[1]

[illegible] پٹنہ [illegible] شہباز [illegible] کلکتہ [illegible] اخبار جاری [illegible] چند دنوں کے بعد [illegible] اخبار [illegible] نواب [illegible] خان [illegible] کے پرنسپل [illegible] کچھ عرصے کے بعد حیدرآباد پہنچے [illegible] انجام دیے۔ [illegible] پروفیسر ہو گئے۔ علامہ شبلی نعمانی سے [illegible] مضامین [illegible] مقالات [illegible] شہباز [illegible] مضامین شائع ہوتے تھے [illegible] نواب [illegible] شائع ہو چکی ہے۔ [illegible] ان کے [illegible] مضامین [illegible] چھپتے تھے۔ [illegible] شہباز نے خیالاتِ آزاد کے نام سے شائع کیا [illegible] شہباز کی [illegible] مثلاً حیاتِ [illegible] خیالاتِ شہباز [illegible] رسائل [illegible] شہباز [illegible] پر ایک نظم لکھی۔

کہیں ذات [illegible] | کہیں [illegible] خوانیوں کا
غرض [illegible] | [illegible] کا
[illegible] آزادی [illegible]

شہباز کی یہ رباعی [illegible] سنیے

خربوزے کا [illegible] نقش [illegible] | [illegible]
اک کوزۂ [illegible] | ہے [illegible]

۱؎ مضمون سید شبیر الحق صاحب بحوالہ ندیم۔

[illegible] ۱۹۳۳ء

[illegible]

علامہ سید سلیمان ندوی ۱۳۰۲ھ – ۱۳۷۳ھ

[illegible] مضامین لکھتے تھے۔

علامہ ندوی کے سلسلے میں [illegible] آپ بھی ایک عالم و ادیب تھے [illegible] کے شعبہ دینیات کے صدر رہے۔ آپ نے مذہبی، علمی، ادبی موضوعوں پر [illegible] یادگار چھوڑے ہیں۔

مولوی مسعود عالم ندوی [illegible]

۱؎ آپ کے صاحبزادے سید [illegible] مضمون نگاری پر بھی قادر ہیں۔

سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد [illegible] ۱۹۳۰ء میں [illegible] ایک رسالہ جاری کیا جس کا نام [illegible] تھا [illegible] پبلک لائبریری پٹنہ میں شعبۂ عربی کے فہرست نگار مقرر ہوئے [illegible] عربی کے مختلف مخطوطات کی فہرست کی ایک جلد مرتب کی جو شائع ہو چکی ہے [illegible] ایک کتاب [illegible] شائع ہو چکی ہے [illegible] ساتھ قابل ذکر ہیں [illegible] شائع ہو چکی ہے [illegible] مضامین لکھے جو [illegible] شائع ہوئے [illegible] سال تک [illegible] بھی ہے [illegible] چند ہیں۔

افسانہ نگاری میں بھی [illegible] ممتاز [illegible] ہے۔ شاعری [illegible] شائع کیا جس کا نام [illegible] ہے [illegible] اشاعت کی [illegible] علی سجاد عظیم آبادی کا ذکر بہت اہم ہے [illegible] شاعر بھی تھے [illegible] کی شاعری [illegible] ہے۔

[illegible] ممتاز [illegible] پروفیسر [illegible] قابل ذکر ہیں [illegible] عظیم آبادی [illegible] بھی ان کے مختصر افسانے [illegible] رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں [illegible] حیثیت کے مالک ہیں [illegible] شائع ہو چکے ہیں [illegible] تنقید [illegible] قابل تحسین ہیں [illegible] خاص امتیاز رکھتے ہیں [illegible] لکھتے تھے [illegible] جاری کیا [illegible] افسانے بھی [illegible] شائع ہونے لگے [illegible] شائع ہو چکا ہے۔ ایک کا نام [illegible] ہے

ڈاکٹر عظیم الدین احمد پی ایچ ڈی مرحوم۔

ڈاکٹر عظیم [illegible] بی اے تک تعلیم پائی [illegible] لکھتے تھے۔ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں شعبۂ عربی کے فہرست نگار مقرر ہوئے [illegible] کے بعد حکومت سے وظیفہ حاصل کر کے جرمنی گئے اور [illegible] لسانیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر ہندوستان واپس آئے [illegible] پنجاب یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر [illegible] تقریباً ۵ سال کے بعد [illegible] پٹنہ واپس آئے اور پٹنہ کالج کے شعبۂ عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے [illegible] ڈاکٹر صاحب شاعر بھی تھے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے جس کا نام گل نغمہ ہے۔ اس میں آپ کے لائق صاحبزادے کلیم الدین احمد صاحب کا ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو قرآن پاک سے خاص تعلق تھا [illegible] انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ قرآنی آیات اس قدر یاد تھیں [illegible] تقریروں میں برجستہ پیش کر دیتے تھے۔ قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھ رہے تھے جو تمام نہ ہو سکی۔ آپ کی ادارت میں پٹنہ کالج سے ایک قابل قدر رسالہ [illegible] جس کا نام معاصر ہے۔ یہ رسالہ ابھی تک جاری ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب کے تین قابل قدر مضامین شائع ہوئے تھے۔ میر تقی میر کی شاعری پر ایک نظر، ناسخ عظیم آبادی اور فلسفۂ عشق مجازی۔

سید [illegible] بلگرامی

[illegible]

قاضی عبدالودود بار ایٹ لا عظیم آبادی

قاضی صاحب عظیم آباد کے ایک رئیس خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد گھر ہی میں [illegible] تعلیم پائی پھر [illegible]
[illegible] کالج کے [illegible] ہونے کے بعد [illegible] میٹرک اور آئی اے اول درجہ میں پاس کیا اور ۱۹۲۲ء میں [illegible] کے ساتھ بی اے
کی ڈگری لی ۱۹۲۳ء میں انگلینڈ جا کر بی اے کینٹب اور بیرسٹر ہوئے ۱۹۲۹ء میں [illegible] واپس آ کر علم و ادب کی خدمت میں مصروف
رہے۔ قاضی صاحب کو بچپن ہی سے کتب بینی کا شوق ہے۔ ذہانت [illegible] درجہ کا ہے۔ فارسی و اردو کا مطالعہ بڑا وسیع ہے اور وہ صحیح
معنوں میں ایک گراں پایہ مستشرق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معلومات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ انہیں فارسی و اردو ادبیات کا ایک [illegible] اور
دائرۃ المعارف کہنا چاہیے۔ انہیں تحقیقات کا ذوق فطرت سے عطا ہوا ہے اور بلاشبہ وہ موجودہ دور کے محقق اعظم ہیں۔ [illegible] تحقیقی مضامین کا انبار
سا ایک انبار لگا دیا ہے۔ یہ مضامین ملک کے مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر تمام مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو کئی
ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ قاضی صاحب کی تحقیقات کے کچھ نمونے درج ذیل ہیں۔ خان آرزو کا سال ولادت مصحفی کے تذکرہ "عقد ثریا" میں

[illegible] یہ بھی سنے قاضی صاحب سے روایت کیا [illegible] ہے۔ شاہ مبارک آبرو کا سالِ وفات پہلا شخص [illegible] تھا۔ قاضی صاحب [illegible] اور جرأت کی تاریخ وفات [illegible] قاضی صاحب [illegible] قاضی صاحب نے [illegible] ثابت کی ہے۔ غالب کا [illegible] تھا۔

قاضی صاحب [illegible] صاحب [illegible] تحصیل علم کی [illegible] حاصل [illegible] ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں ہیں۔ پھر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے [illegible] صاحب [illegible] مختلف رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ [illegible] غالب [illegible] احوالِ غالب کے نام سے چھپ گیا ہے۔

کلیم الدین احمد

کلیم الدین احمد [illegible] ڈاکٹر عظیم کے نامور فرزند ہیں۔ انگریزی میں بی اے [illegible] میں [illegible] یونیورسٹی سے [illegible] وطن واپس آئے اور پٹنہ کالج کے [illegible] ہوئے۔ آج کل [illegible] ہیں۔ کلیم الدین نے [illegible] صاحب کی [illegible] تنقیدی [illegible] سب سے پہلے ان کی معرکۃ الآرا کتاب "اردو شاعری پر ایک نظر" [illegible] اس کے بعد "اردو تنقید پر ایک نظر" اور [illegible] گوئی" یہ سب کتابیں اردو میں ہیں۔ انگریزی میں بھی [illegible] ایک [illegible] شائع ہو چکی ہے جس کا نام [illegible] ہے۔ کلیم الدین صاحب اردو شاعری [illegible] تسلیم نہیں کرتے۔ [illegible] شاعری کے سرمایہ کو مغربی عینک سے دیکھتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ وہ غزل گوئی کو نیم وحشی صنفِ سخن سمجھتے ہیں۔ غزل گوئی وہ صنف ہے جس نے فارسی میں حافظ اور اردو میں غالب کو بقائے دوام کا خلعت دیا ہے۔ اس لیے کلیم صاحب کا [illegible] ارشاد قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اردو تنقید کو بھی وہ اقلیدس کا خیالی نقطہ اور معشوق کی موہوم کمر قرار دیتے ہیں لیکن یہ ارشاد بھی قابلِ تسلیم نہیں۔ کلیم صاحب میں ایک عیب یہ بھی ہے کہ اپنے والد ماجد کے کلام پر تنقید کرنے میں انھوں نے غیر جانبداری سے کام نہیں لیا۔ "اردو شاعری پر ایک نظر" میں ان کی تیغ قلم سے تقریباً ہر شاعر کا کلام مجروح ہو گیا لیکن ڈاکٹر عظیم کا کلام ان کی زد سے محفوظ رہا۔ ایسی روش ایک نقاد کے دامنِ کمال کا بدترین داغ ہے۔

پروفیسر جمیل مظہری

جمیل مظہری ضلع سارن (صوبہ بہار) کے باشندے ہیں۔ [illegible] میں ایم اے کرنے کے بعد ان کی ادبی و صحافتی زندگی کا [illegible]

---

[1] مقدمہ نقشِ جمیل۔

[illegible]

[illegible] سے بھی۔

[illegible]

[illegible] ان کی شاعری [illegible] کے دو چار اشعار ملاحظہ ہوں۔

[illegible]

جمیل [illegible] حسین [illegible] شاعری [illegible]

[illegible] کی شاعرانہ [illegible] اس شعر کا مصداق ہے۔

[illegible] داری

جمیل کے ساتھ پروفیسر [illegible] حسین [illegible] کا ذکر بھی اہم ہے۔ ان کا مجموعہ [illegible] شائع ہو چکا ہے۔ [illegible] خیالات [illegible] شاعرانہ ہے۔ [illegible] خیالات کی [illegible] تبدیل کی [illegible] حیرت [illegible] ابھرتا ہے [illegible] خلوت و جلوت ہے۔ [illegible] اشعار سنیئے۔

اس انقلاب قدم قدم پہ حیات [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
ہم تو [illegible] | [illegible]

اس سلسلہ میں پرویز شاہدی اور قمر عظیم آبادی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں حضرات [illegible] عظیم آباد کے باشندے ہیں۔ پرویز شاہدی کا شمار ترقی پسند شعرا میں ہے۔ ان کے افکار میں رعنائی اور فنکاری کروٹ کروٹ ابھری ہے۔ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں سے [illegible] شاعری [illegible] ان کی شاعری کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی غزلیں اور نظمیں رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ان کا کلام موجود نہیں ہے۔ اس لئے نمونہ پیش کرنے سے مجبور ہوں۔

تو ضرور ہیں [illegible] لیکن ان کی [illegible] شاعری [illegible] بہت بلند
[illegible] اسلوب دلکش ہے۔

مرتب نے [illegible] کا ذکر نہیں کیا۔ وہ ایک ذی علم [illegible] اور [illegible] کلام نہیں۔ وہ نثر نگاری پر بھی قدرت رکھتے ہیں چنانچہ شوق نیموی کی مشہور کتاب "اصلاح" کے جواب میں انہوں نے "ایضاح" [illegible] ایک کتاب بھی [illegible] معاصرین پر تبصرہ کیا تھا۔

شوق نیموی کے شاگردوں میں ضیا عظیم آبادی مرحوم بھی [illegible] انہوں نے [illegible] گلدستہ [illegible] شائع ہوا تھا جو اب ناپید ہے۔ [illegible] ضیا عظیم آبادی اس شعر پر [illegible]

اک جنس بے گراں ہے مگر [illegible] بھاؤ ان کو [illegible] عالم ہو کے

صحافتی دنیا میں بھی [illegible] گمنام نہیں ہے۔ [illegible] "اخبار الاخیار" نام ایک [illegible] جاری ہوا تھا [illegible] اس کے اڈیٹر منشی [illegible] خان تھے۔ پٹنہ سے ایک [illegible] اخبار نکلا جس کا نام "پنچ" تھا [illegible] اس کے اڈیٹر منشی عبدالکریم تھے۔ نواب سید نصیر حسین خیال کی ادارت میں پٹنہ سے "ادیب" نکلتا تھا جس میں [illegible] مضامین شائع ہوتے تھے۔ چند اور اخبارات و رسائل کے نام یہ ہیں: "اتحاد"، [illegible] "تہذیب" [illegible] "معاصر" [illegible] جاری ہوا [illegible] ۱۰-۱۵ سال تک اردو کی خدمت [illegible] قاضی عبدالودود صاحب اس کے اڈیٹر تھے۔ [illegible] "معاصر" اب تک جاری ہے۔ اس میں زیادہ تر قاضی عبدالودود صاحب، کلیم الدین صاحب، اختر اورینوی صاحب، حسن عسکری صاحب کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ حسن عسکری صاحب پٹنہ کالج میں شعبۂ تاریخ کے پروفیسر ہیں [illegible] ان کا [illegible] تاریخی [illegible] انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ فارسی کتابوں کا بھی [illegible] زیرِ ادارت نظیر حیدر صاحب [illegible] اور [illegible] زیرِ ادارت غلام سرور [illegible] جاری ہے۔

یہ تذکرہ کچھ طویل ہو گیا ہے لیکن موضوع ہی اتنا وسیع تھا کہ اس سے زیادہ اختصار ممکن نہ تھا۔

سر گذشتِ عندلیب از نظیری ہم بشنو
عندلیب آشفتہ تر می گوید این افسانہ را

ضیا عظیم آبادی [illegible] ایک خوش فکر ترقی پسند شاعر ہیں [illegible] ضیا عظیم آبادی کہلاتے تھے۔

سرحد کی ادبی شخصیتیں

سید فارغ بخاری

صوبہ سرحد کی ادبی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ایسی بے شمار ادبی شخصیتیں نظر آتی ہیں جن کی حیثیت مسلّمہ ہے جنہوں نے اپنے دور میں نہ صرف نمایاں کام انجام دیئے اور اپنے ناموں کا ڈنکا بجایا بلکہ ان میں بڑی بڑی قد آور شخصیتیں بھی ہیں جو کسی طرح بھی کم پایہ نہیں شخصیتیں۔ انہوں نے ایک دور افتادہ اور پسماندہ ماحول میں رہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اجاگر کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لی۔

عنوان کے اعتبار سے میرا موضوع نہایت وسیع ہے اتنا وسیع کہ اگر صوبہ سرحد کے تعصبات بغیر اور دوسرا حصہ ... اس کے لئے وقت لکھا جائے جب بھی شاید اس عنوان کی وسعت کا حق ادا نہ ہو سکے کیونکہ اس طرح موضوع صرف اردو شعر و ادب ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس میں پشتو، فارسی اور ہندکو زبان کی ادبی شخصیتوں کا ذکر بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ چار صدیوں میں پھیلی ہوئی ادوار کی بے شمار شخصیتوں کے تفصیلی جائزے کا بھی یہ مختصر مضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔

اس صورت میں میں نے موضوع کو سمیٹنے کی غرض سے اپنے لئے ایک درمیانی راہ تجویز کی ہے وہ یہ کہ ان حضرات کا ذکر کروں جن حضرات سے آج تک محدود گھومتا رہا ہوں نہ صرف بالمشافہ مل چکا ہوں بلکہ ان سے نیازمندانہ مراسم کا شرف بھی حاصل رہا اور نہایت قریب سے ان کی شخصیت کے مطالعہ کا موقع بھی ملا

مضمون کو زیادہ جامع اور مکمل طور پر پیش کرنے کی غرض سے میں نے ایک تدبیر یہ سوچی ہے کہ پشتو، فارسی، ہندکو زبانوں اور خود اردو کے قدیم اساتذہ کی ادبی اور عوامی شخصیتوں کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے گزر جاؤں اور صرف اردو کے ادیبوں اور شاعروں ہی کا تذکرہ کروں۔

پشتو ادب کی تاریخ تقریباً دو ہزار سال پرانی ہے اس لمبے چوڑے عرصے میں اس نے بڑے بڑے شاعر اور ادیب پیدا کئے انہیں بہ نظر غائر دقت نظر سے دیکھا جائے جب بھی سینکڑوں ایسی ناقابل فراموش ادبی شخصیتیں نظر آتی ہیں جنہیں کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

بیرونی دنیا تو صرف خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا کے ناموں ہی سے واقف ہے اس میں شک نہیں کہ پشتو ادب کی تاریخ میں ان بزرگوں کا

اردو ادب کا آغاز سرحد میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح ہو چکا تھا۔ لیکن [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] نے پشتو ادب کو [illegible] میں ان کو اہم مقام حاصل ہے۔
اس کے علاوہ [illegible] پشتو کا ایک عظیم شاعر گزرا ہے۔
دوسرے دور میں [illegible] اور پشتو [illegible] شاہ [illegible]
برق [illegible] مسلمان [illegible] قابل [illegible] تصنیف کر دیا ہے۔

شائق سرحدی

خصوصاً شائق سرحدی کو [illegible] انقلابی شاعر [illegible] کی حیثیت سے بہت [illegible] مقام حاصل ہے۔ [illegible] کی طرح انہوں نے سب سے پہلے [illegible] قدروں سے بغاوت [illegible] ہندوستانی عوام کو [illegible] اور خاندانی زندگی کا [illegible] منسوب [illegible] لیکن [illegible] انقلابی تحریک [illegible] شائق نے [illegible] عوامی [illegible] شاعری کا موضوع بنایا انہوں نے [illegible] قدروں سے انحراف کر کے نئے رجحانات کو جنم دیا اور [illegible] ماحول کی کایا پلٹ کر دی۔
شائق ایک مکتبۂ فکر ایک تحریک ایک ادارہ تھا اس نے [illegible] ماحول میں ایسی انقلابی مشعل روشن کی ہے جسے [illegible] مخالفتوں کے جھکڑ بھی نہ بجھا سکے۔

مولانا عبدالرحیم پوپلزئی

مولانا عبدالرحیم پوپلزئی اسی مکتبۂ فکر کا ایک بے باک نمائندہ تھے۔ علم و فضل ترکے میں پایا۔ علوم عصریہ، حدیث، فقہ اور تفسیر کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں شیخ الہند علامہ محمود الحسن صاحب سے کسب علم کیا۔ ۱۹۱۲ء میں فارغ التحصیل ہو کر پشاور پہنچے تو اپنے استاد گرامی کے مشورے سے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔
ان کی شخصیت بڑی دلآویز، بڑی جاذب نظر اور بڑی ہمہ گیر تھی۔ وہ بیک وقت ایک عالم اجل، شعلہ نوا مقرر، نڈر صحافی، بے خوف رہنما، بلند پایہ ادیب اور ایک انقلابی شاعر تھے۔ آپ کی تمام عمر قید و بند میں گزری۔ دوران اسیری ہی میں [illegible] کا عارضہ ہو گیا۔ [illegible] میں رہا ہو کر آئے تو بستر علالت پر ایسے پڑے کہ پھر اٹھ نہ سکے اور آخر [illegible] ۱۹۴۳ء کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔
آپ سرحدی عوام کے محبوب رہنما تھے۔ اپنی عمر کا غالب حصہ انگریز سامراج کے خلاف جنگ آزادی میں گزارا۔ سرحد میں نوجوان بھارت سبھا اور کانگریس کے بانی مبانی تھے۔ صوبہ سرحد کا نوجوان طبقہ آپ کے خیالات سے بے حد متاثر تھا۔ میں نے طالب علمی کے زمانے میں انہیں کبھی منبر پر خطبہ دیتے دیکھا تو کبھی خاکروبوں کے جلوس کی قیادت کرتے پایا اور کبھی کسی عظیم الشان عوامی اجتماع کے سامنے دھواں دھار تقریر کرتے نظر آئے۔
سیاسی الجھنوں اور قید و بند کے مصائب نے آپ کو شعر و سخن کی طرف متوجہ ہونے کا کم موقع دیا تاہم انہوں نے جو کچھ کہا وہ [illegible] کی طرح

[illegible]

سائیں احمد علی

[illegible]

[illegible]

[illegible] بیش بہا خدمات انجام دیں۔ آپ عروض سے بھی واقف تھے اور فن شاعری پر بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ بڑے بڑے قادر [illegible] پسند شعراء آپ کی عظمت کے قائل تھے اور ان میں سے اکثر آپ سے مشورۂ سخن بھی لیتے تھے۔

آخر عمر میں طبیعت میں تلخی اور چڑچڑاپن آگیا تھا بہت کم بولتے تھے۔ دور دور سے لوگ شوق ملاقات لئے آتے لیکن ملاقات بیٹھ بیٹھ کر چلے جاتے کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ انہیں جانے یا سلسلۂ گفتگو چھیڑے ——— کبھی موڈ میں ہوتے اور شعر سنانے لگتے تو کبھی کسی کو داد دینے یا خود کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا ——— کوئی بھولے سے داد دے بیٹھتا تو فوراً سوال کرتے۔ بتاؤ کیا سمجھا ہے؟ ——— شعر سنانا بند کر دیتے اور اس کی وہ خبر لیتے کہ آئندہ کے لئے بیجا داد دینے سے وہ ہمیشہ کے لئے توبہ کر لیتا۔

انہیں نمود و نمائش سے نفرت تھی وہ ہمیشہ خاموشی سے سنانا اور سننا پسند کرتے ——— خود بھی بہت کم داد دیتے۔ چپ چاپ سر جھکائے سنتے جاتے ——— کہیں غلطی ہوتی تو سر اٹھا کر معنی خیز نظروں سے دیکھتے اور فوراً اصلاح کر دیتے ——— کبھی کوئی شعر پسند آتا تو سر ہلا دیتے بس یہی ان کی سب سے بڑی داد تھی۔

سائیں کا فکر سخن رات دن جاری رہتا وہ آخر عمر میں [illegible] پہنچ گئے تھے عمر کی زیادتی کے باعث قویٰ مضمحل ہو گئے اور عناصر میں اعتدال

زمانہ گرکشن کے پاس بیٹھ کر ایک شخص دوست حبیب نامی کے سامنے جو ہائی پوسٹ ... بیٹھا رہتا۔

اردو میں غالب اور انیس سے اور فارسی میں حافظ اور نظیری سے بہت متاثر تھے۔ اور فارسی کے بعض اشعار ان کو ازبر تھے... گفتگو نہایت سلیقے سے کیا کرتے۔ گو فارسی میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ بیدل اور نظیری کے وقت طلب اشعار آپ کے پاس آتے تو آپ سنتے ہی صرف چند اشاروں سے مشکل سے مشکل شعر کو صاف کر دیتے۔

لباس نہایت سادہ پہنتے۔ بعض اوقات کپڑے پھٹے ہوتے تھے۔ بالکل بچوں کی طرح ہنستے رہتے لیکن ایک وقار سا تھا۔

بظاہر معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا لیکن آخر وقت تک بڑی شان سے وقت گزارتے رہے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۶۸ء کو پچاسی برس کی عمر پا کر یہ آفتاب علم غروب ہوا اور شیخ حبیب صاحب کی نیابت کے چند دنوں بعد ہمارے سامنے سپرد خاک کیے گئے۔

بیدل پشاوری

مرزا محمد خان بیدل پشاوری مرحوم اپنے دور کے اردو اور فارسی کے استاد شاعر تھے۔ سرحد کے قدیم شعراء میں آپ خوش نصیب شاعر ہیں کہ ان کی زندگی میں ان کا مرتب کلام شائع ہو گیا تھا۔ مقدمے بھی دو چار مشہور شاعروں جیسے ہندوستان کے مشاہیر شعراء حضرت بیخود دہلوی، حضرت فصاحت جنگ جلیل، حضرت ریاض خیرآبادی اور حضرت نوح ناروی نے ان کے دیوان کی اشاعت پر خراج تحسین پیش کیا۔

اردو فارسی دونوں زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے فن شاعری میں بھی درک حاصل تھا۔ کلام پختہ ہے ان کی شاعری خالص داخلی شاعری ہے۔ کلام میں تعلّی اور خودستائی بہت ہے۔ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ چیز ان کی طبیعت میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اپنے ہمعصروں کو نظرانداز کیا وہ غالب اور اقبال کو خاطر میں نہ لاتے۔ ہر ایک کے سامنے برملا ان پر نکتہ چینی کرتے اور اپنے آپ کو ان سے بہتر اور بلند شاعر ظاہر کرتے ——— ممکن ہے اقتضائے عمر کے باعث آخر وقت میں یہ بات ان کی طبیعت میں پیدا ہو گئی ہو۔

بیدل نے طویل عمر پائی۔ آخر میں ان کا دماغ تقریباً ماؤف ہو چکا تھا بعض اوقات بڑبڑاتے اور بغیر کوئی بات کہتے ہوئے بازاروں میں گھومتے نظر آتے ——— راستے میں جو بھی ملتا اسے بآواز بلند اپنے اشعار سنانے لگتے۔ ہر شعر پر داد طلب کرتے اور دوسرے شعراء کا مضحکہ اڑاتے۔ یہ چیز اتنی بڑھ گئی کہ دوستوں نے ان سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ ہر جگہ کے ملنے والے انہیں دیکھتے تو کترا کر نکل جاتے ——— مشاعروں میں کھڑے ہو کر سنانے لگتے تو بس سناتے ہی چلے جاتے، لوگ اکتا جاتے، منتظمین تنگ آ جاتے لیکن آپ کو ذرا احساس نہ ہوتا۔ کوئی ٹوک دیتا تو ناراض ہو کر چلے جاتے۔ یہاں تک کہ انہیں مشاعروں میں مدعو کرنے سے گریز کیا جانے لگا۔ سادگی ان کے کلام کی بڑی خوبی اور سطحیت بڑا عیب تھا۔ آپ نے ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ء کو پشاور میں انتقال کیا اور وزیر باغ کے قریب دفن ہوئے۔ قاضی قضائے رومی نے قطعۂ تاریخ وفات کہا۔

ـــہ سالِ رحلت روحِ آشفتہ حال
گفت بیدل شاعرِ شیریں مقال

۱۳۵۸ھ

رعنا کاظمی

اگر انسانی طبائع میں ذہنی وراثت کو واقعی کوئی دخل حاصل ہے تو مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ شعر و ادب سے میری الفت کا رشتہ درحقیقت میرے ننھیال کا عطیہ ہے۔ یوں تو ددھیال میں علم و فضل کی کمی نہ تھی لیکن وہاں شعر و سخن کا رسیا کوئی نظر نہیں آیا۔ برخلاف اس کے ننھیال میں جہاں

[illegible]

[illegible] نظر آتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] فارسی [illegible] نہیں ہوتا۔

جگر کاظمی

[illegible] برس کی عمر میں [illegible] یہاں کے بیشتر مشہور شعرا آپ کے حلقۂ [illegible] ہیں۔ [illegible] حضرت ضیا جعفری اور رضا کاظمی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ [illegible] نہیں ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شعر و سخن کی طرف میرا رجحان انہی کی توجہ کا رہینِ منت ہے۔ [illegible] گھر میں [illegible] شاعری کو [illegible] اختیار کیا ہوتا۔ [illegible] جب [illegible] خوشی کے [illegible] ۔۔۔۔ یہ شاعر [illegible] ہو گئے [illegible]

جگر صاحب یہاں کے ادبی [illegible] بزم سخن کے [illegible] میں سے ہیں اور [illegible] کے ادبی [illegible] ہیں۔ اردو کے علاوہ فارسی کے بھی [illegible] شاعر [illegible] زمانے میں [illegible] آپ ہی کے دم قدم سے یہاں [illegible] ہے۔

جگر صاحب [illegible] میں پیدا ہوئے نو برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ [illegible] کے ہمراہ کلکتہ چلے گئے جہاں مدرسہ عالیہ میں پانچ سال تک پڑھتے رہے۔ [illegible] میں تعلیم چھوڑ کر [illegible] کا رخ کیا ۔۔۔۔ [illegible] ہونے کی وجہ سے [illegible] رہے۔ پشاور پہنچ کر چند دن قیام کیا اور پھر ایک عزیز کے ہمراہ کشمیر جا پہنچے جہاں فارسی عربی کی تعلیم مکمل کی۔

کلکتہ میں قیام کے دوران میں حضرت [illegible] سے اصلاح لینے اور مشاعروں میں شامل ہونے لگے۔ ان دنوں وہاں آغا حشر مرحوم کی وجہ سے ادبی ہنگامے [illegible] ہوتے تھے جگر نے ان صحبتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا ۔۔۔۔ دہلی پہنچے تو ایک دن پھرتے پھراتے ایک مشاعرے میں جا پہنچے یہ مشاعرہ حضرت داغ دہلوی کی صدارت میں ہو رہا تھا آپ نے اجازت لے کر غزل پڑھی ایک شعر پر داغ مرحوم نے چونک کر جگر کو دیکھا اور پوچھا "کہاں کے رہنے والے ہو" آپ نے بتایا "سرحدی ہوں" ۔۔۔۔ یہ سن کر انہیں بڑا تعجب ہوا ان کی بڑی تعریف کی اپنے برابر بٹھایا اور فرمایا ۔۔۔۔

ہم تو سمجھتے تھے سرحد پختونوں کا ملک ہے یہاں اُردو کون جانتا ہے وہ یہ بھول گئے ہیں کہ زبان ذوق، محنت، مطالعہ صحیح صحبت، نظر، تجربہ تکلف سے نہیں ملکہ وہبی ہوتا ہے ——— یہ ماحول کے آدمی طبیعت میں کا حصہ بنتی ہے —— بلند سطح زندگی میں ملکی طبیعت پیدا ہوتی ہے جس سے ان کا قرینہ اعتدال ہے —— شاعری سے زیادہ انہیں نثر سے شغف رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تحقیقی مضامین ہی ان کا سرمایہ ہیں۔

مجر صاحب حیدر آبادی ادیب ہیں۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تحقیقی مضامین لکھے ہیں۔ آپ نے سرحد میں اُردو کی ترقی کے سلسلے میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور ایسے وقت میں اپنی کوششیں کیں جب کہ یہاں کا ماحول تیرہ و تار تھا ——— آپ نے عظیم الشان ادبی مجالس کے ذریعے لوگوں میں ادبی ذوق پیدا کیا اور آج سرحد بلند مقام پر نظر آتا ہے اس میں آپ کی مساعی کا غالب حصہ ہے۔

قاضی محمد عمر قضا

قاضیوں کے مشہور گھرانے میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا ذوق گھٹی میں پڑا تھا کچھ عرصہ دفتر میں رہے مگر طبیعت کو راس نہ آیا۔ تمام عمر شعر کہتے اور حقہ پیتے گزر گئی۔ والد کی وفات کے بعد ایک معقول جائیداد ترکہ میں پائی۔ ساری عمر کوئی دھندا نہ کیا۔ اسی مشغلے میں تمام جائیداد پھونک ڈالی حتیٰ کہ رہائشی مکان تک نہ رہا۔ کتابیں جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک رہا ——— ان کی لائبریری میں فرانسیسی، انگریزی، عربی، فارسی، انگریزی، پشتو اور اُردو کتب کا ایک نہایت قیمتی ذخیرہ موجود ہے جس میں بڑے بڑے نادر نسخے بھی ملتے ہیں۔ ابتدا میں گھڑ سواری اور شطرنج کا بہت شوق تھا لیکن شاعری کے شوق نے باقی تمام شوق بھلا دیئے۔

قضا عالم فاضل شخص ہیں اور اہلِ علم کی قدر کرتے ہیں لیکن فقیرانہ طبیعت سے کوئی شخص بھی محفوظ نہیں رہتا۔ ان کی عمر اس وقت ۸۰ برس ہے سماعت جاتی رہی، بصارت کمزور ہو گئی، اعضا مضمحل ہو گئے لیکن دل و دماغ محفوظ ہیں۔ ہوش و حواس قائم ہیں ——— اب بھی باتوں میں وہی بانکپن، وہی شوخی، وہی لطف ——— مادری زبان ہندکو ہے لیکن ہمیشہ اُردو بولتے ہیں یہاں تک کہ گھر میں بھی اُردو ہی میں باتیں کرتے ہیں ——— صاف اور شستہ اُردو ——— کوثر میں دھلی ہوئی زبان ———

قضا نہایت مسلم اور ممتاز شاعر ہیں۔ انہیں ادبیات سرحد کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے ——— وہ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ اصنافِ سخن میں صرف غزل کو اپنایا اور اسے عروج پر پہنچایا۔

قضا کو ہم سرحد کا غالب کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ غالب کی طرح انہیں اپنے فارسی کلام پر ہمیشہ ناز رہا اور اُردو مجموعے کو بے رنگ سمجھتے رہے لیکن اُن کی شہرت و عظمت کا باعث یہی اُردو مجموعہ ثابت ہوا ——— غالب کی طرح بیدل اور نظیری سے بے حد متاثر ہیں اس لئے اوائل میں طبیعت نہایت دقت پسند تھی اور طرز بیدل میں ریختہ لکھنے کو اپنے فن کی معراج سمجھتے تھے چنانچہ ابتدائی غزلوں میں اُن کا یہی مرغوب انداز ملتا ہے۔

یک جہاں جلوہ محوِ اضطراب ضبطِ دل
عالمِ اظہار سے قضا ہر آئینہ سیماب تھا

لیکن رفتہ رفتہ سادہ اور سلیس زبان میں غزل کہنے لگے زبان اور محاورہ پر عبور حاصل تھا یہ اسلوب اتنا مقبول ہوا کہ انہوں نے اپنے لئے منفرد مقام حاصل کر لیا ؎

آؤ ہم بھی بیس بدل کر اُدھر چلیں ——— ہے ربط اُن کے ناز کو نا آشنا کے ساتھ

[illegible]

[illegible]

غلام محمد غوثی سرحدی

۱۹۲۲ء میں تعلیم ادھوری چھوڑ کر گھر سے نکلا اور تلاش معاش میں داخل ہوتا ہوا کلکتہ جا پہنچا۔ وہاں پشاور کے جواں سال شاعر احمد آسی کے ذریعے غلام محمد غوثی سے تعارف ہوا۔ آپ صحافی بھی ہیں شاعر بھی اور عروضی بھی ——

بیس برس کی عمر میں اپنے وطن مالوف پشاور کو چھوڑ کر کاروبار کے سلسلے میں کلکتہ جاتا ہوا اور وہیں کے ہو رہے۔ غزل کے شاعر ہیں۔ غزل قدیم رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ آغا حشر مرحوم اور وحشت کلکتوی کے جلیسوں میں سے ہیں۔ نہایت شستہ قسم کے رنگ میں نشست خیالات سکھتے ہیں۔ شروع ہی سے کانگرس کے ساتھ تھے اور آج بھی ان کی وضع داری اور اصول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں۔ تمام عمر بکھیڑوں میں گزری —— صوفی منش بھی ہیں اور رند مشرب بھی —— ان کی زندگی عجیب انداز سے گزری۔ کبھی سونے چاندی میں کھیلے ہیں تو کبھی فقر و فاقے ——

خوش پوش اور خوش ذوق انسان ہیں۔ ہر وقت فکر سخن میں کھوئے نظر آتے ہیں۔ میری ادبی تربیت میں غوثی صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ اگرچہ یہ مددگار ——

غزل

صرف چند اشعار غزلوں [illegible] سے [illegible] کلام [illegible] نقل کر رہا ہوں [illegible] سب سے پہلے [illegible] انہیں کے ہیں۔

[illegible] پشاور [illegible] ہمارے یہاں کی ادبی محفلوں میں شریک [illegible] اور [illegible] پشاور سے [illegible] تبادلہ [illegible] مشاعروں [illegible] حصہ لیتے تھا۔

اس وقت یہاں کی [illegible] جماعت [illegible] ہی تھی۔ [illegible] شعر [illegible] کے ساتھ [illegible] اور سے [illegible] کے لئے مہمان [illegible] تھی۔ اس کے صدر محمد شاہ برق تھے۔

محمد شاہ برق

برق صاحب نہایت پر گو اور حاضر دماغ واقع ہوئے ہیں۔ ہمیشہ شام سے دو بجے [illegible] غزل کہہ [illegible] دو [illegible] کر [illegible] گئے اور واپسی پر ایک [illegible] ——— تمام شہر [illegible] کے [illegible] جاتے [illegible] کے بالاخانے یا میر عباس مرحوم کے قہوہ خانے میں جا بیٹھتے جہاں احباب جمع ہونے لگے [illegible] کی جاتی [illegible] کے کلام پر [illegible] ملتی جاتی۔ یہاں تک کہ ایک [illegible] [illegible] اب گوشۂ عزلت اختیار کر لیا ہے اور ادبی [illegible] بالکل کنارہ کش ہو گئے ہیں۔

ہنس مکھ اور ملنسار [illegible] بے تحاشا چائے پینے اور بے تحاشا شعر کہنے کی وجہ سے بدنام تھے لیکن اب [illegible] کثرت چائے نوشی [illegible] رہے ہیں۔

خالص مکی

[illegible] میں ایک سفید ریش بزرگ کبھی کبھار تشریف لاتے تھے۔ ضعیف العمر، دائم المریض لیکن زندہ دل، [illegible] اور باذوق ——— معلوم ہوا وہ یہاں کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں اور انہیں خالص مکی کہتے ہیں۔

[illegible] مشرقی علوم پر [illegible] حاصل تھا [illegible] شعر فہمی میں [illegible] آپ تھے۔ طبیعت [illegible] تھی۔ بیدل، نظیری اور غالب سے [illegible] تھے اور انہی کی تقلید میں خود بھی فارسی اور [illegible] نہایت [illegible] شعر کہتے تھے لیکن [illegible] کے [illegible] تھے یہاں تک [illegible] غالب کی [illegible] سے بھی دریغ نہ کرتے۔

خالص کے اصل حریف ان کے ہمعصر جگر کاظمی تھے۔ ابتدا ہی سے ان میں ٹھن گئی اور یہ چشمک آخر تک قائم رہی۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ ایک دوسرے کی مخالفت کرنا تھا۔ خالص جہاں بیٹھتے جگر پر کڑی تنقید کرتے اور جگر ہر ملنے والے سے خالص کی شکایت کرتے ——— لیکن خالص فوت ہوئے تو سب سے زیادہ قلق جگر کو ہوا۔ وہ [illegible] کہتے تھے خالص کے اٹھ جانے سے ہماری شاعری ختم ہو گئی اور یہ حقیقت ہے کہ خالص کی وفات کے بعد جگر بالکل گوشہ نشین ہو کر رہ گئے۔

خالص آزاد مشرب اور وسیع النظر انسان تھے ان کے والد اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ہوش سنبھالا تو اہل حدیث بن گئے [illegible] اثنا عشری ہوئے۔ [illegible] سے [illegible] سے متاثر ہوئے۔ کچھ دن عیسائیت کی طرف رجحان رہا۔ پھر [illegible] صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آخر میں سب بندھن توڑ کر آزاد ہو گئے۔ نہایت خوش خلق اور [illegible] [illegible]

[illegible]
[illegible] بلکہ یہ سب ہی جزو ہے۔

[illegible] ہیں۔ لکھ دے تھی مگر شاعری پر وہ بھی [illegible]
[illegible] نہیں پڑھتے تھے۔ وہ بہت [illegible]
[illegible] کے لیے [illegible] ہو سکی۔

[illegible] شاعر [illegible] پشاور [illegible]
[illegible]
[illegible] ایک [illegible] جب ایک [illegible]
پہنچا ——

آخر عمر میں صحت جواب دے گئی۔ ذیابیطس کے مریض تھے اور بیمار ہو کر سماعت جاتی رہی۔ [illegible] —— [illegible]
[illegible] رہے۔ [illegible] کے [illegible]
[illegible] کے [illegible] وقت [illegible]
[illegible] آتا —— [illegible] ان کا [illegible] تھے۔

خاطر کی شاعری [illegible] سب سے بڑی خصوصیت تھی۔ ایک دفعہ [illegible] ایک غزل لکھی جو [illegible]
[illegible] غزل انھیں سنائی گئی انھوں نے بڑی تعریف کی لیکن جب [illegible] میں [illegible] معانی موجود ہیں۔ [illegible]
[illegible] شروع کئے تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے [illegible] غزل [illegible]
فروری ۱۹۷۷ء میں پشاور میں انتقال کیا اور یہیں دفن ہوئے۔

رضا حسین رضا ہمدانی

اسی دوران میں رضا ہمدانی سے میرا تعارف ہوا جس سے آگے چل کر ایسے گہرے تعلقات قائم ہوئے کہ ہماری رفاقت دوستوں کے حلقے میں ضرب المثل بن گئی اور ہم ایک دوسرے کے نام سے پہچانے جانے لگے۔

رضا ہمدانی سے میری پہلی ملاقات بزم سخن کے ایک مشاعرے میں ہوئی اور پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ سلسلہ بڑھتا ہی گیا —— میں نے اس ہمدانی کو [illegible] غزل چترالی [illegible] ایرانی اور ترکمانی [illegible] میں رضا ہمدانی شاعری [illegible] رنگ ہے [illegible] شعلہ و شعر [illegible] ہوئے بھی [illegible] میں نعطان دیکھا —— رضا کی دوکان پر ہر وقت شعراء کا جمگھٹا سا رہتا اور وہ اپنے شعر سناتے ہوئے روزی کے لئے [illegible] صورت۔
رضا بزم سخن کا جنرل سیکرٹری تھا۔ بزم کا تمام دفتر رضا کی دوکان ہی تھی معاشی دھندے کے بعد اس کا سارا وقت ادبی خدمت کی نذر ہو جاتا۔
ایک مدت تک رضا کی انگلیاں نوک سوزن سے چھلنی ہوتی رہیں —— وہ قالینوں اور شال دوشالوں کے سوراخ بند کرتا رہا اور معاشی آہنگ اس کے دل میں ناقابل رفو سوراخ بناتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ روزگاری سے تنگ آ کر [illegible] پہنچ گئے تو زندوں میں [illegible] دیکھا گیا۔ یہاں بھی ہم مشرب احباب کا جمگھٹا رہنے لگا۔ پرانی زندگی پر یہ سلسلہ کب تک چلتا۔ آخر اس نے اس ملازمت سے بھی جان چھڑائی اور [illegible] میں ایک چھوٹی سی تجارتی دوکان کرلی۔ تھوڑی سی آزاد سیاست —— جس میں شاعری زیادہ ہوتی اور دوکانداری کم ——

حلقہ ادب ، صدر بزم سخن کی باہمی چپقلش ، شاعروں ادیبوں کے جوڑ توڑ اور تخریبی کوششیں ، ان سے مرعوب ہو کر رضا ان تمام جھمیلوں سے الگ ہو گئے اور پھر عملاً ادب و سماج کی حیثیت کا یہ عالم تھا کہ جب ان سے ملئے تو یہی ان کا مشغلہ تھا —— حلقہ ارباب ذوق ادب کے ساتھ وابستہ تھا ، اور رضا اس میں بھی پیش پیش تھا —— ہم دونوں بزم و حلقہ کے مرحوم ہو جانے پر بڑی شدت سے ایک خلا محسوس کرنے لگے —— اس خلا کو پر کرنے کے لئے ہم نے ایک ملک گیر جماعت بنانے کا فیصلہ کیا اور شب ادب جس نے بزم سخن اور حلقہ ادب سے قطع تعلق کر کے دبستان کا سنگ بنیاد رکھا ۔ شب ادب رضا کی ادبی سرگرمیوں اور مشاعروں کے صحیح معنوں میں ترجمان تھی اور اشاعت کا سبب انتہائی گہری ماہنامہ ندا اور ہفت روزہ شب ادب اس کی یادگار ہیں۔

جب معاشی بحران نقطۂ عروج کو پہنچا تو رضا نے میری صحبت میں پشاور سے ہجرت کر کے راولپنڈی کو جا بسایا ۔ وہاں بھی اپنی ساتھیوں سے ساتھ مل کر ماہنامہ جمال ، ہفت روزہ شب ادب کا اجرا کیا اور جب شب ادب بند ہو گیا تو رضا بھی جمال صحافت کو خیرباد کہہ کر معاش بنانے کی کوشش کر کے وہاں بھی ہمراہ رہے ۔ چنانچہ انجمن ترقی اردو ریڈیو کی سو روپے کی مسند سے سرفراز کئے گئے ۔ تنخواہ و مشاہرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ وہ بھی سادہ ادبی ، پھر بھی رضا ہی کے تمام تر قلم کا نتیجہ تھی جو سامنے ہیں ۔ اردو کی ایک مجلس کا پہلا ہے

دوسری جنگ عظیم کا یہ بحران ملک کے ادبی و سماجی حلقوں پر سے گیا اور اس نے ہمیں وطن کی سرحد پر کھینچا اور جب ہم پشاور پہنچے تو پھر وہی معاش کا سوال اپنی بھیانک صورت میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا ۔ اسی زمانے میں ہم دونوں نے طبی دانش اختیار کی اور کچھ عرصہ بعد —— قرطاس و قلم کی بجائے جسم انسانی کے زخموں کو رفو کرنے لگا ۔

آج غیر شاعروں کا رضا ڈاکٹری حیثیت سے ہوتی ہے ۔ اب وہ ملازمت سے تو بے نیاز ہے لیکن شعر و ادب سے بے نیاز نہیں —— سنگ میل اجری انتواء بھی اس کے تخلیقی جذبے میں سنگ گراں نہ بن سکا ۔ چنانچہ اس وقت وہ بے شمار کتابوں کا مصنف ہے ۔

رضا کی شاعری پر مقصد بھی ہے اور فن بھی —— دل کی باتیں بھی ہیں اور دماغ کی بھی —— ادب کی چاشنی بھی ہے اور حسن کی حرارت بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں وہ خلوص ہے جو شعر کو تصنع اور تعقید سے پاک اور منزہ رکھنے میں مدد دیتا ہے ۔

رضا ادبیات سرحد کا ایک ناقابل فراموش باب ہے وہ تنہا ہفت روزہ شب ادب تھا اور ان تھک ادبی کارکن ہے —— وہ سادہ وضع ، سادہ دل اور سادہ نثر افسانہ ہے اس کی ادبی خدمات کا پلڑا بہت بھاری ہے اس نے یہاں اردو جدید میں نہایت اہم پارٹ ادا کیا —— وہ سب سے پہلا سرحدی ادیب ہے جس نے پشتو لٹریچر کو اردو دان طبقے سے متعارف کرایا یہی کارنامہ اس کا نام زندہ رکھنے کو کافی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اس نے بہت کام کیا اس کی نظم و نثر تخلیقات بے پایاں ہیں وہ گزشتہ پچیس برس سے خدمت ادب میں منہمک ہے وہ گلشن ادب کا ایک سدا بہار پھول ہے ایک مکتبۂ فکر ہے ، ایک تحریک ہے ——

جعفر علی جعفری

جعفری کو میں نے دیکھا تو وہ نابینا تھے لیکن کہتے ہیں کچھ عرصہ پہلے ان کی آنکھیں اچھی بھلی تھیں وہ کاغذ کی تجارت کرتے تھے اور ان کی دوکان پشاور کے شعراء کا سب سے بڑا مرکز تھی ۔ بینائی کے ساتھ دوکان بھی جاتی رہی لیکن اس حادثے نے ان کے شعری ذوق کو متاثر کرنے کی بجائے اور جلا دی اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر شعر و سخن میں دلچسپی لینے لگے ۔

جعفری بزم سخن کے فدائی تھے اور اس بزم کی تمام تر سرگرمیاں انہی کی مرہون منت تھیں ۔ مشاعروں کے لئے پنڈال سجانا ، شعراء کو دعوت نامے تقسیم کرنا —— غرض کہ سب کچھ جعفری ہی کو کرنا پڑتا ۔ اس کے علاوہ وہ تمام نوآموز شعراء کے کلام کی اصلاح بھی کرتے اور مشاعروں کو کامیاب بنانے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دراصل جعفری کی زندہ دلی کا جنازہ اسی دن نکلا جس دن ان کی جوان سال اکلوتی لڑکی اچانک فوت ہو گئی۔ اس زخم نے جعفری کی زندگی کو بدلہ [illegible] اور ان کا دل یک لخت دنیا اور دنیا کے ہنگاموں سے اچاٹ ہو گیا۔ ادبی محفلوں میں جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔
جعفری نے تقریباً دو برس کی طویل علالت کے بعد جون [illegible] کو وفات پائی۔

ضیا جعفری و عبدالودود قمر

حلقۂ ادبیہ میں یوں تو بہت سے نوجوان ادیب موجود تھے لیکن ضیا اور قمر اس ادارے کی روحِ رواں تھے۔ انہوں نے بزمِ [illegible] سے بغاوت کر کے دائرہ کی بنیاد رکھی اور اپنی ان تھک کوششوں سے اسے انتہائی عروج تک پہنچایا۔ میں دائرہ ادبیہ میں آیا تو ضیا اور قمر کا طوطی بول رہا تھا۔ اس وقت سرمد کے طول و عرض میں سنے اور پہچانے جانے والے اچھے لکھنے والے موجود تھے لیکن ان دو شخصیتوں کے سامنے سب کے سب [illegible]

دلچسپ معلوم ہوتے تھے۔

ضیا اور قری رفعت ادبیات سرحد کا ایک سنہری باب ہے۔ [illegible] شاید ان کی سرگرمیاں تھیں [illegible] نے بے تحریر کام کیا — یہاں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہے۔ [illegible] سے [illegible] کی زندہ دلی سے [illegible] صحبت [illegible] کے لیے ہموار کی اور نئے لکھنے والوں کی صحت مند تربیت سے ان کے اندر [illegible] خود اعتمادی اور بلند نگاہی کے جذبے کو ابھارا۔

ضیا اور قری کی ملاقات [illegible] کی [illegible] ضیا بھی [illegible] ایک دوسرے کو دیکھتے ہی [illegible] گھائل ہو گئے [illegible] دونوں [illegible] دونوں [illegible] دونوں کے شیدائی اور شعر و ادب کے رسیا تھے [illegible] ضیا نے قری [illegible] ایک ہی پرکاش [illegible] دونوں نے ایک ہی [illegible] دوسرے کے [illegible] تھے۔

ضیا اور قری [illegible] ایک دوسرے سے علیحدہ [illegible] دوستی [illegible] ہمیشہ [illegible] ادبی [illegible] ہے [illegible] تربیت [illegible] لکھنے لکھانے کی ترغیب [illegible] کی سلسلہ [illegible]۔

ضیا [illegible] حیثیت [illegible] سب سے پہلے [illegible] اور حیرت کا [illegible] ہے وہ پرانی [illegible] جیالوں [illegible] محنت [illegible] انہیں سمجھنے سے [illegible] یہ [illegible] بنایا ——

ضیا کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی [illegible] ہے۔ وہ صوفی منش بھی ہیں اور [illegible] مشرب بھی —— ان میں [illegible] بھی ہے [illegible] بھی —— ان کے [illegible] بھی ہے [illegible] زندگی کے [illegible] بھی —— ان کے [illegible] بھی ہیں اور مقصد کے شیدائی بھی ——

ضیا کی زندگی اور فن میں جتنی مطابقت پائی جاتی ہے وہ شاید ہی کسی اور فنکار کو نصیب ہوئی ہو —— صوفی منش ہونے کے باعث وہ روزمرہ زندگی میں ایک صلح کل انسان ہیں —— ہر مذہب ہر فرقے اور ہر مشرب کے لوگوں سے گھل مل کر [illegible] خلوص و محبت سے پیش آتے [illegible] —— اسی طرح ادب میں بھی وہ ایک [illegible] کی شخصیت رکھتے ہیں وہ [illegible] کسی مسلک [illegible] سے وابستہ نہیں ہوتے۔ کسی خاص عقیدے کے [illegible] نہیں رکھتے۔

ضیا کی ایک بڑی صفت ان کی وسیع النظری ہے وہ تنگ نظری [illegible] تعصب [illegible] جھوٹی وضع داری کے قائل نہیں۔ وہ [illegible] —— اس چیز نے ان کے فن کو بڑا فائدہ پہنچایا اور انہیں [illegible] بنا دیا۔ انہوں نے جو کچھ کہا سوچ سمجھ کر کہا۔ خلوص اور دیانت داری سے کہا ——

ضیا کی رعنائی، زندہ دلی اور بذلہ سنجی ضرب المثل ہو چکی ہے [illegible] سنجیدہ نہیں رہ سکتے [illegible] ان کی کمزوری بھی ہے اور خوبی بھی —— وہ علمی گفتگو میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ گھنٹوں بولتے ہیں لیکن سنجیدہ [illegible] سنجیدہ بحث کے دوران میں ایک آدھ فقرہ ایسا کہہ جاتے ہیں جس سے بحث کی ساری سنجیدگی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے۔ دراصل زیادہ سنجیدہ فضا میں اُن کی روح گھٹنے لگتی ہے ان کی طبیعت میں مزاح بہت ہے اور جب انہیں مزاح کا [illegible] یا کوئی [illegible] فقرہ ان کے ذہن میں [illegible] تو اسے روکنا ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔

ضیا محفل کی جان، مشاعروں کی رونق اور ادبیات سرحد کے دبستان کا لالۂ احمریں۔

[illegible]

[illegible] ایک [illegible] ہیں۔ [illegible] صاحب کے [illegible]
[illegible]
[illegible] مشہور [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] شاعری کے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ادبی تیاریوں میں منہمک ہیں۔

سردار عبدالرب نشتر

نشتر صاحب کو شاعر کے طور پر کم اور سیاسی رہنما کی حیثیت سے زیادہ لوگ جانتے ہیں [illegible] ایک قدآور شخصیت کے مالک ہیں۔ [illegible] کے زمانے میں بزم سخن سے [illegible] شعر و سخن میں دلچسپی لینے لگے [illegible] جب تک پشاور میں رہے [illegible] شعر بھی کہتے رہے اور ادبی محفلوں میں بھی شریک ہوتے رہے۔ [illegible] مشورہ کیا کرتے تھے۔

شروع میں نیشنلسٹ خیالات رکھتے تھے اور کانگریس کے سرگرم کارکن تھے۔ بعد میں [illegible] اور بعض دوسرے نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرح کانگریس کو متعصب ہندوؤں کی جماعت سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کے قیام کے لئے کوشش کرنے لگے۔

انہوں نے ایک وکیل کے طور پر اپنی زندگی کا آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ گئے۔ پاکستان کے چوٹی کے رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں ——— فارسی، انگریزی، اردو اور پشتو کے نہایت اعلیٰ مقرر ہیں۔
اب عمر ڈھل چکی ہے لیکن بانکپن نہیں جاتا۔ آنکھوں کی چمک اور چہرے کی شگفتگی برقرار ہے، انہیں دیکھ کر یہ بات بے حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ شاعر

کے لئے بڑی صحت بخش تفریح ہے۔

میر ولی اللہ

میر صاحب ضلع ہزارہ کی ممتاز ادبی شخصیت ہیں۔ وہ ادیب، محقق اور مستند افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ [illegible] سے انجام دے سکے۔ تمام عمر خدمت ادب ہی کو دی [illegible] اور علمی حیثیت سے لکھتے ہیں [illegible] بہت [illegible] رہے ہیں اور آج پینسٹھ برس کی عمر میں بھی ان کے پرانی [illegible] ہے۔ قوی بحال اور صحت برقرار ہے۔

[illegible] افسانہ نگاری میں [illegible] کے علاوہ [illegible] ہیں اور [illegible] سے انہوں نے [illegible] ہے۔ آپ انگریزی، فارسی، عربی اور [illegible] مطالعہ رکھتے ہیں۔ وہ پہلے [illegible] ادیب ہیں جنہوں نے ادبی حلقوں [illegible] اور متحدہ ہندوستان کے [illegible] کے [illegible] ملک [illegible] ادبی [illegible] ہے۔

میر صاحب کی شخصیت جامع [illegible] مثال ہے آپ بیک وقت [illegible] ایک مقبول شاعر کامیاب [illegible] اور [illegible] مزاح نگار بھی ہیں [illegible] لکھتے ہیں۔

میر صاحب [illegible] اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

میر صاحب [illegible] کے [illegible] ہیں جو تمام اصناف ادب پر حاوی [illegible] ہیں اور سب سے اعلیٰ [illegible] پر چھائے ہوئے ہیں۔

آپ [illegible] پنشن [illegible] کے [illegible] ہیں ان دنوں بھی زیست کے اوقات میں تصنیف و [illegible] کا محبوب مشغلہ ہے۔

وحید المؤرخین حاجی سرہدی

راولپنڈی کے قیام کے دوران میں [illegible] سے ملنے کا اتفاق ہوا جو بڑی [illegible] قسم کی شخصیت کے مالک تھے۔ جب [illegible] چند تاریخیں ارشاد فرمائیں اور ہمیں بغیر کسی تعارف کے یہ سمجھنے میں ذرا بھی وقت نہ ہوئی کہ آپ [illegible] وحید المؤرخین حضرت حاجی سرہدی [illegible] ابتدا میں گورنمنٹ [illegible] میں [illegible] سے پھر [illegible] کے [illegible] پر راولپنڈی جانا ہوا اور اسی سرزمین کو [illegible] وفات بھی وہیں پائی۔

نہایت پرگو واقع ہوئے تھے عمر بھی طویل پائی غزلوں نظموں کا بے پناہ ذخیرہ ترکے میں چھوڑا لیکن بدقسمتی سے ان کا مجموعہ چھپ نہ سکا۔

حاجی سرہدی مرحوم اپنے دور کے ممتاز شاعر تھے لیکن ان کی شہرت ایک تاریخ گو کے طور پر ہوئی تاریخ گوئی میں انہیں عبادت تامہ حاصل تھی۔ ملک پاک و ہند کی مشاہیر شخصیتوں نے انہیں بیسویں صدی کا سب سے بڑا تاریخ گو تسلیم کرتے ہوئے وحید المؤرخین کا خطاب دیا۔

جن حضرات کو حاجی مرحوم سے شرف نیاز حاصل ہوا ہے وہ اس امر کی تائید کریں گے کہ فی البدیہہ تاریخ کہنے میں آپ کس حد تک ماہر واقع ہوئے تھے۔ باتوں باتوں میں یوں بے تکلف تاریخ کہتے جیسے پہلے ہی سے مادے نکال رکھے ہوں جو کوئی سننے جاتا اس کی آمد پر برجستہ تین چار تاریخیں کہہ لیتے آپ نے دنیا کی مشاہیر شخصیتوں کے متعلق ایسی ہزاروں تاریخیں کہیں جو اردو ادب کے گراں بہا ذخیرے کے طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہیں آپ نے نثر کے طور پر بھی بے مثل تاریخیں یادگار چھوڑیں۔ آخر عمر میں فن تاریخ گوئی پر ایک بلند پایہ کتاب بھی لکھ رہے تھے جسے مکمل کرنے کی موت نے فرصت نہ دی۔

ذوالفقار بخاری

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک ہی نشست میں غزل کہتی ہیں [illegible] جب [illegible] ہیں اور خوب [illegible]
[illegible] اشعار کو [illegible] بٹھانے میں انہیں خاص کمال حاصل ہے۔

فہمیدہ اختر

بڑے گھرانے کی پروردہ [illegible] کی یہ نوجوان خاتون ادبی حیثیت سے بہت اونچی شخصیت رکھتی ہیں۔ [illegible] بہت بڑی افسانہ نگار ہیں۔
ادبی ذوق گھٹی میں پڑا تھا۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے علم و ادب میں دلچسپی لینے لگیں۔ [illegible] گرلز ہائی اسکول ہی سب سے پہلے ادبی انجمن بزم ادب کی بنیاد رکھی اور اس کی جنرل سیکرٹری مقرر ہوئیں۔
سرحد میں خواتین مسلم لیگ کی بنیاد پڑی تو آپ [illegible] سیاست میں حصہ لینے لگیں اور قیام پاکستان کے سلسلے میں [illegible] کام کیا
[illegible] میں ادارہ تعمیر نو میں شامل ہونے سے ادبی جذبہ پھر تازہ ہوا اور چند ایک اچھے افسانے پیش کرنے کے بعد پھر سیاست کی [illegible]
میں کھو گئیں۔ لیکن ایک عرصہ تک سیاست کے خارزار میں بھٹکنے کے بعد احساس ہوا کہ ان کی قربانیوں کا صرف ایک خاص طبقہ کی جاہ [illegible]

جاتا ہے۔ ان کے ورثہ کی سرپرستی کے بوجھ [illegible] جو انہوں نے تنہا [illegible] ہے [illegible]
[illegible] کی طاقت [illegible] چنانچہ انہوں نے نہایت محنت [illegible] اشکال [illegible] بہت [illegible]

[illegible] سوال [illegible] مضامین [illegible] ہیں [illegible]
کی [illegible] ہے [illegible] خصوصیت ہے [illegible] نہیں [illegible] بات [illegible]
[illegible] ہے۔

نثار عزیز

[illegible] شخصیت [illegible] محنت [illegible] شاعری کے [illegible]
[illegible] ہوئی۔

نثار عزیز نے [illegible] شہرت [illegible]
[illegible] قوت [illegible] ہے۔
[illegible]
[illegible] ہو [illegible] سیتہ [illegible] ہے [illegible]
سے پڑھنا شروع کر دیا [illegible]

قتیل شفائی

قتیل کو [illegible] وقت سے جانتا ہوں جب سے [illegible] کے [illegible] اور قتیل کے [illegible]
وہ اس وقت شعر [illegible] بند تھا۔ [illegible] جنہیں اپنے [illegible]
کی بات ہے۔ وہ [illegible] ہیں [illegible] کی ملازمت [illegible]
تھوڑے عرصہ بعد ہی قتیل کا نام اخبارات اور رسائل میں نظر آنے لگا۔ [illegible] دیکھتے ہی دیکھتے وہ [illegible] کے [illegible]
اس ابتدائی ملاقات [illegible] یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے مخلصانہ تعلقات جوں کے توں قائم ہیں۔

قتیل کی منفرد شخصیت میں اس کی خودداری کو بڑا دخل ہے۔ وہ بے حد غلط انسان نہیں اپنی [illegible] کا بھی سے احساس ہے لیکن اپنی [illegible]
بھی اس سے ڈھکی چھپی نہیں۔ وہ محنتی ہے، ذہین ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حوصلہ مند بھی ہے۔ اسے موجودہ مقام تک پہنچنے میں بڑی جگر [illegible]
سے کام لینا پڑا۔ قدم قدم پر ناکامیوں سے سابقہ پڑا لیکن وہ مایوس نہ ہوا اور ایک دفعہ جو قدم آگے بڑھایا اسے کسی قیمت پر بھی پیچھے نہ ہٹایا۔

قتیل دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہے وہ منافقت نہیں جانتا۔ صاف دلی اور صاف گوئی اس کی وہ خصوصیات ہیں جو بسا اوقات
اس کے لئے بڑی نقصان دہ بھی ثابت ہوئیں لیکن مقتضائے طبیعت کے باعث وہ ان چیزوں کو ترک نہ کر سکا۔

قتیل کی شاعری کی ابتداء بھی گیتوں سے ہوئی اور شاید اس کی انتہا بھی گیتوں ہی پر ہو وہ نغز نویس بھی ہے اور خوب نویس بھی۔ اس کا مزاج
گیتوں کے لئے بنا ہے وہ حسن اور رومان کا شاعر ہے گیتوں کا شاعر ہے اس کی غزلیں، نظمیں بھی گیت ہی بنتے بنتے نظر آتے ہیں۔

قتیل کے گیتوں کی نمایاں خصوصیت ان کی رفعت اور گہرائی ہے اس کے گیتوں میں جذبات کے اظہار، سادہ الفاظ کے باعث اور
خالص جذبات و احساسات کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں اور اس میں وہ مزاج ملتا ہے جو اردو شاعری کی دوسری اصناف کو فارسی کی تقلید کی وجہ سے نصیب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

موسےٰ خان کلیم

سب سے پہلے [illegible] میں ماہنامہ "[illegible]" کے سلسلہ میں ان کا نام سننے میں آیا۔ ابھی [illegible] نہ صرف ان کا نام سنا بلکہ انہیں دیکھنے کا اشتیاق بھی ہوا [illegible] ڈیرہ اسمٰعیل خان سے چل کر [illegible] سعادت حاصل کرنے کے لئے پشاور آئے۔ ڈیرہ جیسے دور افتادہ مقام سے ایک بلند پایہ ادبی پرچے کا اجراء کلیم ہی کا کام تھا [illegible] کامیاب بنانے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن [illegible] اور وہ بمشکل تمام سال بھر تک زندہ رہ سکا۔

نام موسیٰ خان تھا تخلص کلیم اختیار کیا، پرچہ نکالا تو وہ بھی [illegible] — ان تمام [illegible] سے ان کے کلاسیکل ذوق کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے

[illegible] پشاور سے ایم اے کا امتحان [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] ہے [illegible] ہے اور [illegible] ۔۔۔ قتیل اور غالب [illegible]
[illegible]
[illegible] مظہر [illegible] سے [illegible]

مظہر تاتاری

پشاور کے جدید شعراء میں سب سے پہلے میرا تعارف مظہر ہی سے ہوا لیکن یہ حقیقت مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئی کہ وہ بالکل اَن پڑھ ہے۔
اس انکشاف نے صرف مجھے ہی نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کو چونکا دیا۔ کیونکہ اس کی گفتگو، اس کے کلام اور اس کے [illegible] کسی چیز سے بھی یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ وہ سرے سے پڑھنا لکھنا جانتا ہی نہیں۔ چنانچہ جب ندیم قاسمی صاحب پر یہ راز کھلا تو انہوں نے کہا ۔۔۔ "یہ شخص اگر پڑھا لکھا ہوتا تو بہت سے پڑھے لکھے شاعروں کی کرسیاں خالی کرا دیتا۔"

مظہر ۔۔۔ ساغر صدیقی مرحوم کا شاگرد بھی ہے اور صحبت یافتہ بھی ۔۔۔ اس کی شاعری کی ابتدا چند کرم فرماؤں سے ہوئی ۔۔۔ جیسے جوش اور اقبال کے بارے میں [illegible] اور فیض جیسے شاعروں سے وہ متاثر بھی نظر آتا ہے ۔۔۔ سب سے پہلے مظہر نے [illegible] کے مشاعرے میں [illegible] اس نظم کا [illegible] اہلِ سخن سے داد حاصل کی۔

مظہر نظم کا شاعر ہے یہ کہہ کر [illegible] ابتدا غزل سے ہوتی ہے مظہر کے ان [illegible] کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے تمام عمر غزل نہیں کہی۔
مظہر ایک مخلص دوست اور سچا فنکار ہے۔ اس نے تمام عمر غربت میں گزاری وہ ایک [illegible] ہے۔ تاہم زندگی کو جوش سے [illegible] ۔۔۔ وہ روایات پرستی کے [illegible] کا خود [illegible] ہے۔ غزل مرتی ہے ایک گیت ہے۔

فارغ بخاری[1]

فارغ سے میرا تیس، بتیس برس کا ساتھ ہے۔ ہم دونوں اخبارات و رسائل میں مل کر کام کرتے رہے ادبی انجمنوں میں ایک ساتھ حصہ لیا۔ تصنیف و تالیف میں رفیقِ کار رہے۔ اور ہم دونوں کی زندگی میں اتنا قرب رہا کہ اب تو ایک دوسرے کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال نظر آتا ہے۔

اس عرصہ میں جہاں تک میں نے فارغ کا مطالعہ کیا وہ مجھے ایک بہت بڑا "شعبدہ باز" نظر آیا۔ وہ جو کچھ بظاہر دکھائی دیتا ہے درحقیقت ویسا نہیں بلکہ ذرا غور سے دیکھئے تو اسے بالکل اس کے برعکس پائیے گا۔ دراصل اسے لوگوں کو دھوکا دینے میں لطف آتا ہے اسی لئے اس نے اپنی شخصیت کو کتنے ہی مصنوعی خولوں میں چھپا رکھا ہے۔ مثال کے طور پر اس کا قد جتنا چھوٹا ہے شخصیت اتنی ہی بڑی ہے۔ وہ جتنا بڑا فنکار ہے اس سے کہیں زیادہ بڑا انسان ہے۔

فارغ کو پہلی نظر میں دیکھ کر انسان کو خاصی مایوسی ہوتی ہے۔ ٹھگنا سا قد، بے ڈھنگا سا ناک نقشہ، نہ گفتگو میں کوئی کشش اور نہ شکل وصورت میں جاذبیت، نہ میل جول میں رغبت ۔۔۔ کیا یہی وہ فارغ ہے جس کی نظمیں لوگ جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں جس کی تحریروں سے حکومت کو بغاوت کی بو آتی ہے، جو پوری ایک درجن کتابوں کا مصنف ہے وہ کتابیں جنہیں پڑھ کر اس کی عظمت کا [illegible] عظیم ذہنوں

---

[1] فارغ بخاری پر رضا ہمدانی نے لکھ کر اس سلسلے کو مکمل کر دیا۔ (مرتب)

[illegible] — [illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فارغ [illegible] ۔۔۔ [illegible]

[illegible] کام کرنے کی تمام قوت [illegible]

[illegible] ڈاکٹر [illegible] فارغ [illegible] ۔۔۔ پھر اخبارات و رسائل کا دورہ شروع ہوا [illegible] — اس کے بعد تصنیفات و تالیفات کا خیال ہوا تو نہایت قلیل عرصہ میں متعدد کتابیں لکھ ڈالیں۔

اگر آپ جلد باز واقع نہیں ہوئے اور پہلے ہی لمحے [illegible] کے متعلق کوئی غلط رائے نہیں قائم کر بیٹھے تو دوسرے ہی لمحے سے بے تکلف پائیے گا اور ہر لمحہ بہ لمحہ اس مصنوعی سنجیدگی کے چھلکے اترتے جائیں گے اور ان میں سے ایک سیدھی سادی اور دلآویز شخصیت ابھرنے لگی جسے آپ نظر انداز کرنا چاہیں بھی تو نہ کرسکیں۔ اس جادو کو توڑنے کے لئے جس [illegible] کی ضرورت ہے [illegible] کرتا ہوں، عام طور پر لوگ اپنی تعریف سے خوش ہوتے ہیں لیکن فارغ پر یہ حربہ [illegible] ورنہ اس کا موڈ اور زیادہ بگڑ جائے گا۔ کیونکہ اسے خوشامد سے بے حد چڑ ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ جلد از جلد کھل جائے اور کھل کر اصلی فارغ سامنے آ جائے تو چپکے سے کوئی ادبی بحث چھیڑ دیجئے یا پھر شام کے بعد اسے ملئے۔ کیونکہ رات کے چوبیس گھنٹوں میں یہی ایک ایسا وقت ہے جب وہ اس موڈ میں ہوتا ہے جس کے متعلق غالب نے کہا ہے۔ [illegible] پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار۔ ایک دفعہ اسے چھیڑ دیجئے اور چپ بیٹھئے وہ یوں بہکنے لگے گا جیسے محفل میں کوئی مٹھائی بانٹ رہا ہو۔

فارغ کو اپنی شخصیت بنانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ وہ بچپن ہی سے بڑا حساس واقع ہوا تھا اسی شدت احساس کے

باعث اس سفر اپنے والد مرحوم کی وفات کے بعد بھائیوں پر بوجھ بن گیا اور تعلیم ادھوری چھوڑ کر کافی عرصہ تک پشاور، دہلی، لکھنؤ، کلکتہ اور بہار کے شہروں میں گھومتا رہا۔ اس سفر میں جو سبب اس کی عزت سے اچھی زندگی کا آغاز تھا ——— پھر کبھی کباڑیوں کی دکانیں، کبھی ہوٹلوں میں ملازمت، کبھی ٹھیکہ، کبھی کلرک، کبھی ڈرائیور کا کام، یا کبھی کاروبار کی میزوں پر کتابوں کا مطالعہ چلایا۔ زندگی محنت کر کے ہی معاش بنایا۔ لیکن اس کی بیتاب طبیعت کو کہیں بھی سکون نہ ملا۔ آخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پھر سے حصول علم کے لئے جدوجہد شروع کر دی اور ادبیات اردو کی منشی فاضل کی سند حاصل کر لی۔

آج اس کی زندگی بہت حد تک سنور چکی ہے لیکن اب بھی یہ حال ہے کہ وہ ایک ذمہ دار حیثیت سے اپنے دفتر میں کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ تو دوپہر کو کسی اخبار کے دفتر میں ایک صحافی کے روپ میں نظر آتا ہے۔ اور رات کو محفلوں میں ایک ادیب، شاعر اور مصنف کے روپ میں نظر آتا ہے۔

فارغ زندگی کی تلخی سے کبھی نہیں گھبراتا۔ اسے کوئی بھی تنہائیاں اور تلخیاں ... آگے آئی تو اسے تب بھی خودکشی کا خیال نہ آیا۔

یہ اس کی فطرت ہے ... اور ... کہ وہ ایک لکھنے والا ہے ... خط لکھے ... قید کی صعوبتوں کا بھی ... تعجب سے ... جیسے اسیری کے ... وہ نہیں ... رہا ہوں۔

فارغ جیل میں بھی رہا۔ وہاں اس نے مصروفیت ... مختلف موضوعات ... فلسفے اور نفسیات کا مطالعہ کیا اور ... قیمتی کتابیں لکھیں ... نظموں، غزلوں کا مجموعہ ... جیل کی ...

فارغ ایک نظروں میں صبح کے جاگنے اور ... لیکن اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ در اصل وہ رات کی تاریکی کا دلدادہ ہے ——— دن کو تو وہ اپنی زندگی کا حصہ ہی نہیں سمجھتا۔ کیونکہ ان اوقات کو اس نے محض نان و نفقہ کے حصول کی غرض سے محنت و مزدوری کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ البتہ رات کو وہ صرف اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ ... رات کو اپنانے کے لئے اس نے تجربے بھی کئے۔ بڑی بڑی منفعت والی نوکریوں کو ٹھکرایا، نہایت معقول معاشی وسائل پر لات ماری اس لئے کہ وہ اس کی دولت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے تھے۔ رات ہوتے ہی وہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح اپنا سفر چلانا شروع کر دیتا ہے۔ بڑے اہتمام سے وہ رات کی دیوی کا استقبال کرتا ہے اس کے چرنوں میں عقیدت کے پھول چڑھاتا ہے۔ اور یہ پوری رات کی دیوی کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے تو کبھی اوقات صبح کے تڑکے تک یہ عبادت جاری رہتی ہے۔

فارغ کو دوستوں سے بڑا پیار ہے۔ لیکن تنہائی اسے دوستوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اسے سگریٹ، کاغذ، قلم اور کتابیں مہیا کر دی جائیں تو شاید تمام عمر بھی وہ تنہائی سے نہ اکتائے گا۔

حسن، شراب اور شعر ——— فارغ کی تین سب سے بڑی کمزوریاں ہیں۔ اس کی ان کمزوریوں سے بعض سیاسی دوستوں نے بڑے بڑے فائدے اٹھائے ہیں۔ وہ بت شکن کہلاتا ہے۔ اور واقعی اس نے بڑے بڑے بتوں کو توڑا بھی ہے۔ سب سے پہلے تو اس نے اپنے خاندان کے اس روایتی بت کو توڑا کہ مسندوں پر بیٹھ کر آباؤ کے نام کی سوداگری کرو اور سادہ لوح مریدوں سے روپیہ بٹور کر عیش کرو لیکن جہاں محنت کا نام آئے وہاں صاف انکار۔ اس کا خیال ہے کہ سیدوں نے اپنے آپ کو 'برہمن' کی طرح کی کوئی ہستی سمجھ رکھا ہے جو مزدوری کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ فارغ کو چونکہ شروع ہی سے روایتی باتوں سے چڑ تھی اس لئے اس نے محنت مزدوری کو کبھی عیب نہ سمجھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نظر آتی ہیں [illegible]

فارغ وضع طبیعت کے تلون کا خود بھی معترف ہے۔ وہ بھی کوئی ایک کام بھی [illegible] مستقل مزاجی کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ ذریعہ معاش ہی کو لیجئے [illegible] اسی طرح ادب میں بھی اس نے کسی ایک صنف پر قناعت نہیں کی۔ منظومات میں غزل، نظم، رباعی، قطعہ، مرثیہ، مسدس، منظوم فیچر، گیت اور نثر میں افسانہ، مضمون، تنقید، ڈرامہ، ناول وغیرہ ہر صنف پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اس کے تلون کا یہی عالم ہے۔ بلکہ جب ہم [illegible] نظریات سے تعلق سے اس کی مستقل مزاجی اور وفاداری و دوام کو دیکھتے ہیں تو اس کی شخصیت کے اس واضح تضاد پر سخت حیرت ہوتی ہے۔

دراصل فارغ دوہری شخصیت کا مالک ہے۔ ایک اس کی انفرادی شخصیت ہے دوسری اجتماعی ــــ لیکن ان دونوں متضاد شخصیتوں میں اس نے کچھ اس خوبصورتی سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ ان کے درمیان کسی قسم کے تصادم کا امکان نہیں رہا۔ اسی طرح جس طرح اس کے نام "سید میر احمد شاہ" اور اس کے تخلص "فارغ بخاری" میں۔ ـــ

انتظارية

سر سید احمد خاں

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

غالباً [illegible] تھا [illegible] مرحوم مولانا ذکاء اللہ [illegible] اس وقت میور کالج [illegible] پروفیسر تھے۔ گرمیوں کی تعطیلیں [illegible] میں ختم کر کے الٰہ آباد واپس جانے لگے۔ اس مرتبہ انھوں نے مجھے اور میرے بڑے بھائی کو [illegible] الٰہ آباد میں ہماری تعلیم کا کوئی بہتر بندوبست کریں۔ راستے میں [illegible] سرسید مرحوم سے ملنے کے لیے علی گڑھ میں قیام کرنے کا قصد کیا۔ [illegible]

اس وقت تک تو [illegible] کچھ [illegible] چار [illegible] کھانا [illegible] سے [illegible] باقاعدہ [illegible] ہوا۔ [illegible]
[illegible] پوچھ کر دم لی۔ [illegible] ہو گیا۔

[illegible] اسٹیشن [illegible] بیٹھ گئے [illegible]
[illegible]

[illegible]

جب کوئی اسٹیشن [illegible]
[illegible]

[illegible] بڑے بنگلے کے سامنے [illegible] آکر [illegible] ٹھہر گئی۔

[illegible] کرتے [illegible] ایک بڑے کمرے میں [illegible] بہت وسیع معلوم ہوا [illegible] کمرے کے سب سے بڑے دروازے میں خس کی ٹٹی لگی ہوئی تھی اور پنکھا چل رہا تھا [illegible] کھینچنے والا نظر نہ آتا تھا۔ کمرے میں بہت ہی خوبصورت کرسیاں نئی وضع کی رکھی ہوئی تھیں اور خس کی خوشبو کے ساتھ کوئی اور خوشبو بھی وہاں موجود تھی جو بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ [illegible] ایک میز پر جس کی پوشش سبز تھی بہت سے کاغذ اور کتابیں اور کچھ [illegible] رنگ سے [illegible] ہوئی تھیں۔ میز کے قریب ہی کرسی پر ایک بھاری بھرکم آدمی [illegible] سفید [illegible] سفید داڑھی [illegible] پاؤں [illegible] سلیپر [illegible] قالین کے [illegible] معلوم ہوتے تھے [illegible]

[illegible]

[illegible]

سید صاحب [illegible] ۔ شاید میاں [illegible] فضل [illegible] ہو ۔

یہ دونوں بزرگ باتیں بھی کرتے جاتے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد قہقہے بھی لگاتے تھے ۔ سید صاحب نے کچھ [illegible] والد کو دیئے [illegible] تو سید صاحب [illegible] میں مصروف ہو گئے ۔ تھوڑی دیر بعد سید صاحب نے لکھتے لکھتے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور ایک چھوٹے سے بکس کی طرف ہاتھ بڑھا کر [illegible] آواز میں کہا [illegible] بکس میں سے ایک چونٹ نکال کر [illegible] جلالی اور [illegible] چونٹ کے قریب [illegible] تو مجھ کو ان کا چہرہ [illegible] عظیم الشان اور خوفناک معلوم ہونے لگا ۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ خس کی خوشبو کے علاوہ جو خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی وہ چونٹ کی تھی ۔

اس آواز اور چہرے کا نقشہ دل پر ہوتے ہی میں سید صاحب سے ڈرنے لگا اور یہ اسی خوف کی ابتدا تھی جو ہمیشہ قائم رہا ۔ حاضر غائب کبھی دل سے نہ گیا ۔

ہم کرسیوں پر سید صاحب کی نشست تھی جس کے قریب ہی ایک کمرہ تھا کے سامنے کمرہ پایا تھا۔ یہ سب
اسباب ملا ہوا تھا۔ پھر ہم سید صاحب کے پاس ٹھہر کر جب والد صاحب اس کمرہ میں آئے تو ہم دونوں بھائی ان کے ساتھ
ہو لیے۔ سب چیزیں عجیب تھیں اور چینی کے برتن اور شیشہ کے سامان سے ... لگتا تھا کہ ہم یہاں ٹھہر سکتے ہیں۔
ذرا پیچھے ہٹ کے کمرہ میں جو آئینہ دار خوبصورت میز لگی تھی اس پر کچھ چیزیں شیشے کی رکھی تھیں۔ ان سب کو دیکھ کر
دشمنی سی ہو گئی کیونکہ جہاں میں نے شوق سے کسی چیز پر ہاتھ لگایا اور وہ آپ سے آپ ٹوٹ کر گر پڑی تھی۔

شام ہوئی تو سید صاحب باہر سے واپس آئے۔ کوٹھی کے سامنے ہی ایک طرف کو باغ تھا۔ اس کے بیچ میں ایک چبوترہ
تھا۔ اس پر بہت سی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کرسیوں پر بیٹھ کر سید صاحب اور میرے والد باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد
صاحب نے مجھے پاس بلایا اور ... سے کچھ پوچھا۔ جب میں نے منہ کھولا تو ہنسنے لگے۔ میرے دو دانت
منہ میں سے ٹوٹ گئے تھے۔ ... سے چوٹ لگ کر ٹوٹ گیا تھا۔ اس لیے دانت والی جگہ خالی ہو گئی تھی۔ میں نے شرم کے مارے
جلدی سے منہ بند کر لیا اور کچھ بول چال نہیں کی بات سے۔

جب کچھ رات ہو گئی تو آدمی نے آ کر کہا کہ کھانا میز پر ہے۔ سب لوگ اٹھے اور کھانے کے کمرہ میں آئے۔ یہاں بھی
آنکھوں کے لیے عجیب و غریب منظر تھے۔ میز پر نہایت سفید چادر۔ چینی کے برتن۔ شیشے کے گلاس۔ چاندی کے چمچے، ہاتھی دانت
کے دستے کی چھریاں میز پر رکھی تھیں۔ میز پر دو خوبصورت شمع دان تھے۔ پنکھا چل رہا تھا۔

اس سامان کو دیکھ کر مجھے اپنے گھر کا دسترخوان ... برتن اور ... یاد آیا۔ میری والدہ دسترخوان ہمیشہ اجلا بچھایا کرتی تھیں۔
مگر وہ گاڑھے کا ہوتا تھا۔ ... کی صفائی اور چمک سے اسے کیا نسبت تھی۔ برتن تانبے کے قلعی دار ہوتے تھے۔ چینی کے
برتن خاص خاص کھانوں کے لیے یا جب کوئی مہمان آتے تو رکھے جاتے تھے۔ شیشے کے گلاس صرف گرمیوں میں یا رمضان شریف میں افطار
کے وقت نکالے جاتے تھے۔ ... ان کو ہاتھ لگانے ... دیتی تھیں۔ پھر ان اور گلاس چاندی کے تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہ
دیکھے تھے۔ گھر کا تیل کا چراغ روزمرہ کے لیے جلایا جاتا تھا مگر اس کی بھی صورت شکل اور روشنی مٹی کے دیے کی تھی۔ ان لیمپوں کی صاف اور تیز روشنی کے
سامنے کیا حقیقت رکھتی تھی۔

باتیں کرتے اور قہقہوں پر قہقہے لگاتے سب لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تین چار سفید پوش ملازم اور ایک بہت بڑی
لمبی داڑھی کا ادھیڑ عمر کا مگر بے حد چست چالاک اور تیز خانساماں طرح طرح کے کھانے سامنے لاتا تھا۔ اور سب لوگ چمچوں سے حسب
ضرورت کھانا اپنی رکابی میں نکال کر کھاتے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں کی رکابیوں میں خانساماں نے خود ہاتھ سے کھانا نکال کر دیا۔
کھانے کے ذائقہ کی نسبت میں نے غور نہ کیا مگر یہ یقینی ہے کہ وہ گھر جیسا نہ تھا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ میں نئی نئی چیزوں کے دیکھنے میں
ایسا مصروف تھا کہ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا کھا رہا ہوں۔

جب ہم دونوں کھانا کھا چکے۔ تو سید صاحب نے ایک نوکر سے کہا کہ ان بچوں کو ان کے پلنگوں پر لے جا کر سلا دو۔
— صبح ہوتے ہی چڑیوں کی آواز پر آنکھ کھلی۔ میں بے انتہا خوش تھا۔ جتنی چیزیں اب تک دیکھی تھیں ان کی نسبت بیسیوں سوال والد
سے کرتا تھا۔ اور بار بار پوچھتا تھا کہ الٰہ آباد میں یہ سب چیزیں ہوں گی یا نہیں؟ والد کبھی تو جواب دے دیتے تھے۔ کبھی ہنس کر چپ ہو جاتے
تھے۔

والد نے علی گڑھ میں دو دن قیام کیا۔ پھر الٰہ آباد روانہ ہو گئے اور دوسرے دن صبح ابھی نہیں نکلا تھا کہ وہاں پہنچ گئے۔

[illegible]

[illegible] ان کی ذات میں بیک وقت بہت سے محاسن اور فضائل جمع ہو گئے تھے [illegible]

[illegible] جہاں انہوں نے [illegible] مدرسۃ العلوم مسلمانان قائم کیا۔ وہاں سائنٹفک سوسائٹی اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بھی بنیاد ڈالی۔ ایک طرف انہوں نے [illegible] کانگریس سے مسلمانوں کو [illegible] بڑا لیڈر بھی [illegible] سر سید کی [illegible] نہایت عاقبت اندیشی [illegible] کانگریس کبھی بھی مسلمانوں کی حقیقی ہمدرد نہیں ہو سکتی [illegible] حقیقت تھی جو ہمارے [illegible] بڑے بڑے تجربوں کے بعد آخر میں ظاہر ہوئی [illegible] ایک ایک کر کے کانگریس سے نکل گئے۔ ایسے ہی موقع پر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سر سید کتنا بلند نگاہ، عاقبت اندیش، اور صائب الرائے انسان تھا۔

ہمارے بہت سے سیاسی لیڈر مذہب سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔ اور ہمارے بیشتر مذہبی رہنما سیاست میں صفر محض کا درجہ رکھتے ہیں۔

ماشاءاللہ سر سید [illegible] وہ جب مسلمانوں کی تعلیم [illegible] ایک [illegible] رکھتے تھے [illegible] بہت [illegible] رکھتے تھے۔ [illegible] سید [illegible] تھے [illegible] ایک واقعہ [illegible] کتب احادیث سے [illegible] کا عجیب حال معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے [illegible]

"ایک [illegible] سید سے [illegible] [illegible] سید صاحب [illegible] [illegible] احادیث [illegible] احادیث [illegible] کتب احادیث [illegible] سید صاحب [illegible] [illegible] سید صاحب [illegible] [illegible] ہے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے [illegible] جیسے سر سید احمد خاں جب کسی قوم میں پیدا ہوتے ہیں [illegible] انقلاب برپا ہوتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ سے پہلے مسلمانوں کے [illegible] ہندوستان میں ان کی عظیم الشان سلطنت [illegible] اقتدار [illegible] تعلیم اور تہذیب [illegible] ادب [illegible] قدرت نے سر سید احمد خاں کو پیدا کیا۔

جب غدر کا زمانہ گزر گیا اور مسلمانوں پر جو گزرنا تھا وہ بھی گزر گیا تو سر سید احمد خاں [illegible] قوم کی ہمدردی کا جذبہ [illegible] اپنی بد قسمت قوم کو جھنجھوڑنے اور جگانے کے کام میں مصروف ہو گئے۔

انھوں نے سب سے اول مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ جس کے بغیر اس ملک میں ان کی حیثیت [illegible] کی ہو گئی تھی۔ [illegible] نے اپنے وطن کی حالت [illegible] قوم کو غیرت دلائی اور ان کے نونہالوں کے لئے علی گڑھ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ جو مدت [illegible] تبدیل ہو چکا ہے یہی وہ مدرسہ ہے جس سے سارے ہندوستان میں تعلیم و تہذیب کی روشنی پھیلی اور مسلمان بھی اپنے دیگر اہل وطن کے دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل ہو سکے۔

اس مدرسے کی ابتدائی ترقی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ۱۸۷۵ء میں [illegible] کی تعداد صرف ۳۰ تھی۔ مگر صرف دس [illegible] کے عرصہ میں چار سو تک پہنچ گئی۔

مدرسۃ العلوم مسلمانان کے قیام کے بعد سر سید نظم اردو کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ چونکہ خود شاعر نہ تھے [illegible] آہی تخلص کے ساتھ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مولانا حالی نے ۱۹۱۰ء میں بمقام [illegible] سرسید کی [illegible] برسی کے موقع پر ایک تقریر کرتے ہوئے [illegible]
[illegible] سوسائٹیاں سبھائیں اور [illegible] انجمنیں قائم ہوئی ہیں۔ جس قدر ہندو اور مسلمانوں نے ملک کے اطراف و جوانب میں [illegible]
[illegible] اردو، ہندی اور سنسکرت میں تالیفات، تصنیفات [illegible] ہر ملک میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ سب اسی ایک محسن [illegible] سرسید۔ اسی تحریک کے کرشمے ثابت ہوں گے۔

سر [illegible] شخصیت میں سب سے بڑا وصف ان کی دلیری اور بے خوفی تھا۔ وہ جرات و ہمت کے پیکر اور قومی خیر خواہی و ہمدردی کا مجسمہ تھے۔
[illegible] بات کے کہنے میں انہوں نے کبھی [illegible] جان و مال اور عزت و آبرو کے نقصان کی پروا نہ کی۔ ۱۸۵۷ء کا واقعہ مسلمانوں کے لئے ایک عذاب [illegible]
قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ جس کے بعد انگریزوں کی نظر میں مسلمان سے زیادہ کوئی قوم مجرم [illegible] نہ تھی۔ اس وقت انگریز کے خلاف

مسلمان [illegible] بالکل [illegible] تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے حق میں [illegible] تو [illegible]
[illegible] پیرزادہ [illegible] پڑھنے [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible] حیثیت [illegible]
[illegible] مسلمانوں [illegible] ثابت [illegible]
حقیقت [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

والسلام

خاکسار [illegible]

[illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible]
[illegible] انھوں نے [illegible]
[illegible] اہتمام سے چھپوائی تھی [illegible] قیمت رکھی تھی۔ [illegible]
[illegible] فروخت [illegible]
[illegible] بیٹھ کر نہایت قابلیت اور خوبی کے ساتھ کتاب کا جواب لکھا مگر اب اس کے چھپوانے کے لئے پیسہ نہ تھا مگر اس عاشق رسول نے
ہمت نہ ہاری مگر خود [illegible] جو کچھ سامان باقی رہ گیا ہے سب بیچ ڈالو۔ میرا کتب خانہ نیلام کر دو [illegible] ایک گھر باقی ہے اس کو بھی رہن رکھ دو اور مجھے
روپیہ بھیجو۔ پھر اپنے خاص خاص دوستوں کو لکھا [illegible] اپنے دوست نواب محسن الملک کو خود لکھا کہ میں نے مصمم
ارادہ کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں کتاب لکھی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے قابل ہو جاؤں تو بلا
سے۔ قیامت میں یہ کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایسا ہی بہت سوں نے [illegible] محنت و مشقت [illegible]

[illegible]

[illegible] لکھتے ہیں کہ مختلف آدمیوں اور مختلف کاموں کے ہجوم میں ان کے خیالات منتشر نہ ہوتے تھے [illegible]
صبح سے شام تک وہاں ہر قسم کے لوگ برابر آتے جاتے رہتے تھے ان ہر وقت دوستوں اور ملاقاتیوں اور محنت کام کرنے والوں کا مجمع رہتا تھا
اس ہجوم میں جہاں وہ اور سب کام کرتے تصنیف و تالیف کا دشوار کام بھی وہیں طے کیا جاتا تھا مشکل سے مشکل مضامین جو کہ اکثر جمہور کی
رائے اور مذہبی خیالات کے برخلاف ہوتے تھے اور جن میں قدیم علماء اور مصنفین پر نکتہ چینی کرنے کی ضرورت ہوتی [illegible] غور کرنے کی سخت حاجت
ہوتی تھی [illegible]

یہ ہمیشہ تھی کہ پاس بیٹھنے سے تنگ دل ہوتے ہوں [illegible] کے حاصل ہونے کے اشتیاق میں [illegible] سب ہی کے خدمت [illegible] ہیں۔ [illegible] کے اسباب جمع [illegible] بھی [illegible] خاص طور پر ایک کوئی آدمی [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] بستہ۔ [illegible] دوستوں کے حسن و حکایت سے متعلق [illegible]

[illegible] ہے [illegible] سے [illegible] دیکھتے ہیں کہ [illegible] خود [illegible] جواب [illegible] ان [illegible] ان کا [illegible] نام [illegible] ہے [illegible] دوستی [illegible] محبت [illegible] ہیں کہ ان پر ہزاروں [illegible] قربان کئے جا سکتے ہیں۔

[illegible] جواب [illegible] اپنے دوست [illegible] ایک خط [illegible] محبت و دوستی کا عجیب [illegible] ملاحظہ فرمائیے۔

مخدوم و مکرم من

[illegible] محبت [illegible] آپ سے [illegible] کی محبت [illegible] حقیقت [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible] آپ [illegible] دوستی [illegible] مولوی سمیع اللہ خاں کو میں اپنے حقیقی بھائی سے کم نہیں سمجھتا تھا [illegible] دوستی [illegible] ایسا ہی کہتا [illegible] آپ یقین کیجئے [illegible] اپنے بھائی سے [illegible] مولوی سمیع اللہ خاں [illegible] دوستی محبت کے [illegible] کسی [illegible] نہیں ہوئے [illegible] محبت [illegible] دوستی کا [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] دوستی [illegible] انسان [illegible] محبت [illegible] سمجھتے ہیں [illegible] تو اس شخص کو [illegible] بے ایمان سمجھتا ہوں جو دوست کی نسبت یہ خیال کرے [illegible] خلاف دوستی و محبت کے کوئی بات کی ہو [illegible] دوست کی کوئی [illegible] کرنے کو بھی دوستی پر حمل کرتا ہوں [illegible] حقیقت دوستی ہی کے سبب سے وہ بات ہوئی ہے۔ مگر جب کہ حقیقت میں خلاف محبت اور دوستی کے کوئی بات ہو تو پھر شیشہ محبت جو نہایت نازک ہے کسی طرح ثابت نہیں رہ سکتا۔ آپ خیال کیجئے کہ محبت اور دوستی ایسی سخت اور مضبوط چیز ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتی اور کوئی اس کو نہیں توڑ سکتا۔ مگر وہ نازک بھی ایسی ہے کہ باریک سے باریک شیشہ اور حباب کو بھی اس سے نسبت نہیں ہے۔ وہ ہتھوڑوں اور ہزاروں صدموں سے بھی نہیں ٹوٹتی اور ایک ادنیٰ سی خلاف محبت کے بات کہنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اور جوں جوں محبت زیادہ بڑھتی ہے اس کی نزاکت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مولوی سمیع اللہ خاں کو اب بھی میں اپنے بھائی سے کم نہیں سمجھتا مگر جو ملال میرے دل میں ہوا وہ اب تک کم نہیں ہوا۔ چھوٹ جاوے وہ انگلی جو کسی کی طرف اس نگاہ سے [illegible] جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ گل جاوے وہ زبان جو وہ کہے جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ ٹوٹ جاوے وہ ہاتھ جو وہ لکھے جو اس کے

[illegible]

ذلک فضل اللہ ... [illegible]

[illegible] آمین۔ ثم آمین۔ ثم آمین۔

آپ کا [illegible] غلام سید احمد ... روز جمعہ تاریخ [illegible]

سید صاحب نہایت ... [illegible] ... تھے ... [illegible] ...
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ... ۲۹ ... [illegible]

[illegible]

واہ جناب ... [illegible] ... ایک ہی وقت ... [illegible] ... اجلاس ... [illegible] ... ملاقات ... [illegible] ... اجلاس ... [illegible]

[illegible]

سید صاحب ... [illegible] ... ۵ جولائی ... [illegible]

مضمون بہت طویل ہو گیا ... [illegible] ... سید کی شخصیت کے متعلق بہت ... [illegible] ... بیان کیا ہے ... [illegible] ... گنجائش ہوتی ... [illegible] ... محبت و شفقت ... [illegible] ... عزیزوں کے ساتھ مہربانی ... دوستوں کے ساتھ برتاؤ ... نوکروں کے ساتھ تعلق ... [illegible] ... انتقام و خصومت سے پرہیز ... [illegible] ... عالی ظرفی ... [illegible] ... عادت ... [illegible]

خان بہادر مولوی بشیر الدین

محمد الدین بابری

[illegible]

[illegible] تھا مولوی محمد امین [illegible] بہت [illegible] ان سے پہلی ملاقات کا حال [illegible]
کرنے پر مولوی صاحب [illegible] مجھے [illegible]
میں [illegible] صاحب کہ انہوں نے [illegible] کرسی پر [illegible] چلے گئے [illegible] کی حالی [illegible] اور یہاں [illegible]
سے کر [illegible] صاحب [illegible] مجھے [illegible] بہت [illegible]
کما جاؤ [illegible] صاحب کو بلالاؤ [illegible] میں سمجھا کہ میرے [illegible] بہرے ہی [illegible]
گئے قریب منہ کرکے کہا کہ جاؤ [illegible] مولوی بشیر الدین کو [illegible] محمد [illegible] میں [illegible] ایک [illegible] مجھ سے [illegible] گئے بہت
زور سے [illegible] لئے [illegible] سے [illegible] اگر [illegible]
سے میرے [illegible] معاملات اور دوسروں کے متعلق [illegible] کرتے تھے۔

[illegible] مصنف [illegible] ایک [illegible] میں [illegible] داخل ہوا تو چونکہ [illegible] جانے کی اجازت نہ تھی
اس لئے لڑکے بیروں سے چیز [illegible] منگوایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ یہ بھی ملازم ہیں اور ان سے سگریٹ لانے کے لئے کہا۔
جب [illegible] ساعت کی وجہ سے سن نہ سکے تو میں نے دو پیسے ان کے ہاتھ پر رکھ کر سگریٹ کا اشارہ کیا جس کے جواب میں اس سلسلہ کا تفصیل
رسید کیا کہ [illegible] روشن ہو گئے۔ [illegible] رہ گیا۔ مولوی صاحب نے فوراً سپرنٹنڈنٹ کو بلا کر حکم دیا کہ یہ لڑکا سگریٹ پینے کا عادی ہے اب سے

[illegible]

بادل ناخواستہ کچھ کھا لیا یا کچھ نہ کھایا [illegible]

کرنے پر معلوم ہوا کہ [illegible]

تک کھانا نہیں کھایا۔

کھانے کے بارے میں ان کی یہ لاپرواہی آخر تک قائم رہی۔ شاذ و نادر ہی کبھی خود دسترخوان طلب کرتے تھے بلکہ بعض اوقات جب کہا جاتا کہ کھانا تیار ہے تو چونک سے پڑتے تھے۔ اچھا کھانا کھا کر خوش ضرور ہوتے تھے لیکن دسترخوان پر جو کچھ ہوتا وہ بے چون و چرا کھا لیتے۔ کبھی کبھی جب نمک بتایا جاتا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا کھا رہا ہوں۔ مسائل ہی ایسے پیچیدہ سمجھے جاتے ہیں کہ اس طرف خیال کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ لیکن چائے کے معاملے میں حالت بالکل جداگانہ تھی۔ اس کے لئے نہ کوئی وقت مقرر تھا نہ مقدار۔ جب جی چاہا چائے اور جتنی چاہی پی لی۔ آخر میں بہت کم کر دی تھی مگر پھر بھی کئی پیالیوں کا اوسط ہو جاتا تھا۔

باوجود اس اخلاک کے حضرت صاحب پاس تھا جب کبھی جلسہ تمام رشتہ داروں سے ملتے تھے ان کی اور ساتھ والوں کی خیریت دریافت کرتے۔ اگر کوئی رہ جاتا تو اس کی خیریت کرتا اور جو پیدا ہوا ہر ایک سے دعا کرنے کی ضرورت سمجھتے۔ یہ معمول باعث بنا کہ لوگ جانتے تھے اشتعالات سے زیادہ محبت ہوجاتی تھی۔ وہ بات سے بہت قریب ہوگئے تھے۔ اس سلسلے میں مستقل اور واقعات کا [illegible] کسی زمانہ میں بھی کم نہیں ہوئی۔ جس معاملہ پر کوئی حرج بھی ہوتا اور دوست بھی تو خیال ہوتا تھا کہ یہ دوست کے معاملات بعض اوقات دوست میں کامیاب ہوئی تھی ایسے موقعے پر ... کرتا اور دونوں کو باہم شیر و شکر کرنے کی کوشش کرتے اور اگر اس سے بہتر نہیں تو کوشش کرتے کہ تمام تعلقات پر منحصر ہو ... سے تعلقات پر جگہ پر۔

کانگریسی دوستوں کے ساتھ مسٹر لیک اور سرکار پرست پیشہ سے ساتھیوں سے تعلقات یکساں خوشگوار اور استوار تھے۔ بہرحال یہ بات کہ کبھی ذاتی دوستی میں حارج نہ ہوتے ... بلکہ جو لوگ اپنے معاملہ میں بحث ہوتے ان کی دل سے عزت کرتے تھے۔ اس زمانہ [illegible] سخت متنفر رہتے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ پیشہ ہیں ... ان میں کبر ہے۔ وقت کے حالات کا مقابلہ کریں اور [illegible] کو شکست کو ... سمجھ کر ... خود بھی ہیں اور خود دوسروں کو بھی۔

مولوی صاحب کی شادی ... جب ... صاحبہ وفات ... ان کو اس ... سے ... سب ... کو کاموں کے سلسلے اور گھر کی ضروریات کے حوالہ جات سے ... اور ... میں ... سے کوئی ... نہیں ... ہے کہ وہ بچوں پر کبھی نہیں بلکہ اولاد کی ... پر ... نظر رکھتے تھے ... تجویز کرنے ... اور ... نگرانی کرتے اور اگر کوئی ... ہو جاتا تو اس کے معاملہ میں ... سے کام لیتے تھے۔ مولوی صاحب کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں اور سب کا ... انہوں نے ان سب کو ... تعلیم دلائی ... لڑکیوں کو ... جدید تعلیم کی ... علی گڑھ کالج کے مغربی ماحول میں۔ ... اور ... کے ... سے دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ لڑکیوں کو بھی عملی پہناوے اور زیور کے استعمال کی اجازت نہ دیتے تھے۔ جب ان کی شادی ہوئی تو اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ... میں کوئی ... پا کر ... جائے۔

ان کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ... ان کی زندگی میں ... مفارقت دے گئی اور وہ بھی ... عالم شباب میں۔ مولوی صاحب ان تمام حادثات کو انتہائی صبر و سکون سے برداشت کرتے رہے۔ آخر میں بڑے صاحبزادے بشیر محمد مرحوم کے انتقال پر جب میں ... کی تو کہنے لگے یہ سب ... تو مجھے ادا کرنے تھے ... ہیں لیکن انسان کو ... پر بھی تو اختیار نہیں۔

مولوی صاحب کو اپنی تمام اولاد میں بشیر پاشا سے بہت محبت تھی۔ جب انہوں نے بی۔ اے پاس کر لیا تو ان کو بی۔ ٹی کرا کے اسکول میں سیکنڈ ماسٹر مقرر کر دیا۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ مولوی صاحب اقربا پروری سے بالاتر تھے۔ اپنے رشتہ داروں کو اسکول ... میں جگہ تو دیتے مگر ان پر کڑی نگرانی رکھتے اور سب سے زیادہ کام لیتے تھے۔ تاکہ وہ آزمودہ اور پختہ کار ہو کر اعلیٰ مدارج حاصل کر سکیں۔ جس زمانہ میں معاندین نے ان کے خلاف الزام تراشی کی مہم شروع کر رکھی تھی تو سررشتہ تعلیمات سے اس امر کی بھی شکایت کی گئی۔ جواب طلبی ہوئی تو مولوی صاحب نے لکھا کہ جس تنخواہ پر میرے عزیز کام کر رہے ہیں اگر اس مشاہرہ پر اسی قابلیت کے اساتذہ آپ مجھے دلا سکیں تو میں آج ہی سابقہ خدمات کا اعتراف کئے بغیر آپ کے حکم سے ان کو برخاست کر دوں گا۔ یوں بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسکول میں سب سے زیادہ کارگزار یہی اساتذہ ہیں۔ یہ دندان شکن جواب محکمہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا اور مخالفین کو بھی سانپ سونگھ گیا۔

مولوی صاحب کا خیال تھا کہ بشیر پاشا کو اپنا جانشین بنائیں اور مرتے وقت انجمن اور اسکول کو ان کے سپرد کر جائیں لیکن افسوس کہ یہ آرزو بھی ...

[illegible]

[illegible]

امیر مینائی

اسمٰعیل امیر مینائی

صاحب سجادہ نشین پیر صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ امیر مینائی کے یہاں عالم جوانی میں جس قدر [illegible] بزرگ محمد صدیق خود [illegible] نے تحریر کیا ہے

نام و نمود [illegible] کا آغاز ہوتے ہی [illegible] اور شعر کا ذوق پیدا ہے

مگر وہ بہ فقیری و غیر مشرع [illegible] گزری اور [illegible]

ابھی نوجوان ہی تھے کہ حضرت میاں امیر شاہ سے بیعت کی اور ان کی نظر کیمیا اثر کے فیض نے مس کو سونے میں تبدیل کر دیا۔ [illegible] کا واقعہ خاصا عجیب ہے۔ خاندانی تعلق کے باعث امیر مینائی اکثر حضرت شاہ مینا کے مزار [illegible] حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہاں [illegible] مشائخ وقت سے ملنے جلنے کا موقع ملتا تھا۔ امیر مینائی کی سعادت مندی کو دیکھ کر ان سب نے [illegible] کی کہ وہ [illegible] شامل ہو جائیں مگر امیر مینائی کو حضرت مخدوم صاحب کی جانب سے بشارت ہو چکی تھی کہ جن کی شکل و صورت اور وضع قطع کے [illegible] وابستہ ہونا ہے۔ [illegible] میں ان مشائخ کو تلاش کرتے ان کو ایک مدت لگی۔ [illegible] کے حال سے ان کو اپنی جانب کھینچا ہی۔ مخدوم صاحب کا [illegible] ایک روز بعد نماز مغرب امیر مینائی حسب معمول مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ منہ لپیٹے مزار مبارک کی جالی سے لگے بیٹھے ہیں ——— ان کو خلوت مطلوب تھی۔ [illegible] سے انتظار کیا کہ یہ فارغ ہو لیں تو خود بیٹھیں مگر وہ بزرگ [illegible] وہاں سے ہٹ کر [illegible] دیکھا کہ وہ حضرت مزاج [illegible] مستغرق بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا معمول تھا کہ مزار مبارک کے داہنی جانب سرہانے سے متصل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اس جگہ پر وہ بزرگ ڈٹے بیٹھے تھے۔ غرض ان کو بڑی الجھن ہوئی۔ چہل قدمی [illegible] کچھ دیر گزاری بالآخر مغرب کا وقت آگیا تو پھر مسجد چلے گئے۔ وہاں سے جب فراغت پاکے آئے تو دیکھا کہ وہ صاحب اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں ہیں۔ اب تو ان سے نہ رہا گیا۔ پاس جاکے کہا کہ حضرت کیا نماز مغرب کے لئے بھی مسجد نہ جائیے گا۔ انہوں نے منہ کھول کر ایک نظر امیر مینائی کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا اور فرمایا: "میاں امیر! اب بھی نہیں پہچانا"۔ یہ الفاظ سن کر ان کا عجب حال ہو گیا۔ اب جو غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہی شکل و صورت، وہی حلیہ، جو خواب میں ان کو دکھایا جا چکا تھا ——— بس پھر کیا تھا بیتاب

[illegible]

[illegible]

سنہ ... میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے [illegible]

[illegible]

لکھنؤ میں ... وقت سے ... [illegible] ... ہی طبیعت کی ذہانت و ذکاوت کے باعث ... خاندانِ اجتہاد ... محترم ہوئے ... شہزادہ نادر مرزا کی اتالیقی ... پر منصبِ افتا پر فائز ہوئے ... جہاں حضرت تسلیم سے یکجائی ہوئی اور ... [illegible] ... کے شاگرد عزیز یوسف علی خاں والیٔ ریاست رامپور ... اپنے مرشد کے وطن ریاست رامپور ... [illegible] ... حیدرآباد ... سفیرِ ریاست کی ... سے شادی ہوئی اور یہیں ... مفتیٔ عدالت ... اُستادِ شاہ و مقربِ خاص ... صدر نشین ... امیر اللغات ... [illegible] ... (۷۲) سال کی ضعیف العمری میں اُن کو کھینچ کر ... اگست ... حیدرآباد دکن لے گئی، وہیں سپردِ خاک کر دیا جہاں وہ درگاہ یوسف صاحب شریف صاحبؒ کے احاطہ میں قیامت کی نیند سو رہے ہیں۔ تعویذ پر سامنے انہی کے شاگرد جلیل کا قطعۂ تاریخ مرقوم ہے۔

امیرِ کشورِ معنی امیر مینائی — خدا کے عاشقِ صادق و ر نبی کے فقیر
گئے جو خلدِ بریں کو تو اُن کی تربت پر — لکھا جلیل نے ”روضۂ جنابِ امیر“

اس شعر پر ... [illegible] ... حضرت امیر کہتے تھے۔ لکھنے والے شاعر کو بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

ہم مزار پر حباب آ کر پڑھتے ہیں — پھر اس قدر کہ پہاڑ ... [illegible]

سید شبیر حسن صاحب نے بیان کیا تھا کہ جب حیدرآباد میں ... [illegible] ... تیر کے مرحوم ... [illegible] ... خاص ... [illegible] ... کی زیارت ... قبر مبارک کے سامنے ... [illegible] ... پڑھ کر ... غزل کا ... [illegible] ... کی کوشش کرتے ... [illegible] ... کی تلاش کرنے ... [illegible] ... آپ کے ... واپس جاؤ ——— میں واپس ... [illegible] ... شروع کی جب ... [illegible] ... بیت پر نظر پڑی ... بے اختیار ... [illegible] ... مزار پر پہنچ کر ... سے سبکدوش ہو۔

فی الحقیقت یہ ... [illegible] ... امیر مینائی کے ... [illegible] ... کی شخصیت ... [illegible] ... [illegible] ... ایک ... [illegible] ... ——— یہ ... [illegible] ... جب ... [illegible] ... ان میں ... [illegible] ... کے معاملات ... ایک بار کسی گلدستہ میں داغ کی غزل شائع ہوئی۔

تباہی وہ کشش ... منزل میں رہتے ہیں — جو جس کو جان ... اسی کے ... [illegible]

بیٹھے اور شاگرد ... کہ حضرت اس زمین میں غزل ہونی چاہئے۔ حضرت ... [illegible] ... جب ... پڑھ گیا تو ... [illegible] ——— مجھے دنیا داغ کا ہمعصر سمجھتی ہے اُن کی غزل پر غزل کہی جائے تو ... [illegible] ... یہاں حالت یہ ہے کہ ... غزل ... کہی ہے ... غزل تو غزل ایک شعر کا جواب ہونا مشکل ہے ——— میں اس زمین میں شعر کہہ کر ... [illegible] ——— یہ تو ایک واقعہ تھا جو شاید دو چار حضرات ہی کو معلوم ہوا جنہوں نے اس کے بعد ... [illegible] ... مقطع ہی لکھا۔

آہ ایک غزل ہے داغ کی جس کا یہ مصرع ہے — ... [illegible]

بعض رسائل میں کبھی کبھی ان کے خلاف مضامین شائع ہوتے تھے یا چند حضرات جا بے جا اعتراضات ان کے کلام پر وارد کرتے تھے اور جو شاگرد اس پر سخت برہم ہوتے اور جواب لکھنے کی تیاریاں زور شور سے شروع ہوتیں مگر خود ان کو جب اطلاع ہو جاتی تو یہ پڑھ کر ہر ایک کو ... دیتے۔

ہر کہ آزردہ ما خاطرے ... از دشمنی — گلے از باغ عمرش بشگفد بے خار باد

داغ جب دوسری بار حیدرآباد دکن جانے لگے تو امیر سے ملنے رام پور آئے۔ جلال کو خبر پہنچی تو وہ بھی لکھنؤ سے آ گئے۔ امیر ہی کے ہاں شب روانگی سے پہلے شام کو ایک مختصر سی صحبت شعر و سخن منعقد ہوئی۔ جلال کے بعد داغ نے غزل شروع کی۔ رسوائی کا شیدائی کا ——— جب یہ مصرع پڑھا — ہو گیا پرتو حسن سے کچھ اور ہی رنگ ——— تو جلال نے جھوم کر کہا واہ نواب مرزا خاں واہ کیا مصرع کہا ہے ———

— ہو گیا پرتوِ حسن سے کچھ اور ہی رنگ ——— پھر ارشاد ہو، واللہ اعجاز ہے اعجاز ——— تعریف نہیں ہو سکتی ———

[illegible] —— [illegible]

[illegible] —— [illegible]

[illegible]

[illegible] —— [illegible] —— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] —— [illegible] —— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] —— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی پابندی کرتے ہیں مگر امیر مینائی کے فیض صحبت سے خلد آشیاں کی زندگی پر شریعت کی پابندی کرنے کا میلان [illegible]

[illegible] صرف ایک پہلو پر مشتمل تھا [illegible] زمانے کو دیکھتے ہوئے صرف بھی ایک مرحوم خلد آشیاں کی [illegible]

صرف دو حضرات کے اثر سے تھا، امیر مینائی اور مولانا ارشاد حسین [illegible] جن سے خلد آشیاں بیعت بھی تھے —— [illegible]

سختی سے پابند تھے، پہلے پہلے مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرتے تھے پھر محل ہی کے اندر ادا کرنے لگے [illegible]

اکثر پینڈی پر بیٹھے بیٹھے پڑھتے تھے۔

چچا کے متوکلوں سے سلوک کرنا درویش صفت ضیا کی خاص پہچان ہے۔ خلد آشیاں کا نامۂ اعمال اس بارے میں بھی [illegible] اور یہاں بھی امیر مینائی کے ہاتھ کا عکس صاف جھلکتا ہے۔ حضرت ان کے استاد ہی نہیں مشیر و مقرب خاص تھے، [illegible] ان کی افتاد مزاج بالعموم منکسرانہ و مصالحانہ تھی، اور مولانا عبدالحق کی طرح شمشیر برہنہ کبھی نہ تھے تاہم حق گوئی کا محل آجائے تو پھر [illegible] کی نہ تھی، خلد آشیاں کے بعد جب عرش آشیاں بھی جلدی ہی اللہ کو پیارے ہو گئے، اور نواب حامد علی خاں کی کم سنی کے باعث ریجنسی کا دور [illegible]

پر بھی اگر ذہنی اسباب [illegible] امیر عنایت پر بھی آفت آئی۔ اس کی یہ بات [illegible] ہو گئی۔ علاوہ دفتر [illegible] گفتگو کی [illegible] کو معلوم تھا۔ [illegible] دفتر کے [illegible] جیسے [illegible] کاتب صحیح وغیرہ کی تو ہی تھے وہ نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ پہلے انھوں نے [illegible] سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی [illegible] سے پہلے [illegible] مگر [illegible] پر حضرت کا [illegible] امیر عنایت کے [illegible] کسی طرح [illegible] لیا۔ —— [illegible] بعد کے بادست چار سال [illegible] بھار و بنگال علیک سفر [illegible] کیا۔ [illegible] کے پاس [illegible] سے حاضر [illegible] پھر [illegible] وہاں [illegible] ذوق [illegible] آئی ہی [illegible] یہیں سے کسی کی [illegible] حضرت [illegible] کام [illegible] —— [illegible] پھر لوٹ آئے —— اور گو اس [illegible] سال [illegible] چاہتے تھے مگر امیر عنایت کی [illegible] نے [illegible] بھی [illegible] کر دیا۔ اس [illegible] مار [illegible] گئے [illegible] حضرت [illegible] جانے کی [illegible] اور ان [illegible] اجازت [illegible] ہیں۔ [illegible] دوستی [illegible] کی [illegible] جو [illegible] کی حیات [illegible] کوشش [illegible] —— [illegible] ریاست [illegible] امیر عنایت کی [illegible] کرنے [illegible] امیر مینائی [illegible] کسی [illegible] ایک [illegible] تھے —— [illegible] ایک دن [illegible] سے [illegible] کی [illegible] قائل ہو گئے —— [illegible] شرط یہ کی [illegible] حضرت [illegible] واپس [illegible] آپ جائیے —— انھوں نے [illegible] آپ [illegible] کی انتظام کس کے سپرد [illegible] کوئی سرپرست [illegible] ہوگا —— غرض ان کی یہ [illegible] امیر عنایت کے [illegible] پیدا ہو جائے۔ [illegible] یہ سمجھے کہ یہ انتظام سلطنت کے [illegible] رہے ہیں۔ انھوں نے کہا "حضرت آپ [illegible] سب انتظام [illegible] —— حضرت نے جواب دیا "نواب صاحب آپ کی [illegible] تھا جو اب آپ کی غیر موجودگی میں بہتر ہوگا —— [illegible] پھر بیٹھ گئے [illegible] کہا "حضرت [illegible] کرنے والے اور سرکار کے اقبال سے سب ٹھیک رہے گا [illegible] بات کہنے [illegible] آپ کے سوا کوئی نہیں۔ پہلے ہی یہ [illegible] تھا کہ آپ یہاں سے جائیں۔ اب تو کسی طرح آپ کو جانے نہ دوں گا بلکہ میرے واپس آنے پر امیر عنایت کے لئے کوئی مناسب انتظام بھی کر دیا جائے گا" —— اس ایک واقعے سے ان کی صاف گوئی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کتنا نازک وقت تھا، امیر عنایت کی ناؤ ڈگمگا رہی تھی، والیِ ریاست نہ ان کی جانب ملتفت تھا نہ ان کے کام کی جانب، بظاہر مصلحت اندیشی، تملق کی خواستگار تھی، مگر انھوں نے سچی بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کیا ——

[illegible] ایک [illegible] ہے جو [illegible] فارسی کے کم و بیش ہر شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ امیر مینائی کے کلام اور ان کے کلیات میں گو اس "جواب سرائی" کے بڑے نادر و دلپذیر نمونے ملتے ہیں۔ مرزا محمد تقی ہوس لکھنؤ کی بساطِ شاعری کا ایک بڑا مہرہ تھے۔ جناب امیرؑ کی منقبت میں ان کا ایک قصیدہ غلام شیان نے ان سے یا کسی اور سے سنا اور بہت پسند کیا اور بعد مغرب جو اجتماع ہوتا تھا اس میں بار بار مزے لے لے کر اس کی بیتیں دہرائیں، اور بالآخر یہاں تک کہہ دیا کہ "اب منقبت میں ایسا قصیدہ کہنا اور اس زمین میں کسی کے بس کی بات نہیں۔" امیر مینائی کو خدا جانے کس وجہ سے یہ بات بہت شاق گزری، اور دوسری شام کو جب سب جمع ہو چکے تو عرض کیا کہ ایک نیا قصیدہ لکھا ہے پیش کرنا چاہتا ہوں، غلام شیان نے پوچھا کہ قصیدے کا موضوع کیا ہے؟ کہا منقبت جناب امیرؑ —— اور زمین وہی ہے جو مرزا محمد تقی ہوس کے قصیدے کی ہے۔ غلام شیان اور سارے حاضرین ہمہ تن گوش ہو کے سننے بیٹھے۔ انھوں نے پڑھنا شروع کیا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
بیٹا جو ہُوا بعد میں ... [illegible]

اس شعر پر خلد آشیاں نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "حضرت جب میں نے دعویٰ کیا تھا کہ منقبت میں آپ ایک قصیدہ کہیں اور اسی زمین میں کسی کے بس کی بات نہیں تو آپ کو مشتعل کر دیا تھا ——— آپ تو سب کچھ کہہ سکتے ہیں"۔

ایک مرتبہ خلد آشیاں نے طرحی مشاعرہ کیا ——— دیباچہ حسن و عشق کو رنگ دگر ہوا۔ میر مینائی نے جو غزل کہی تھی وہ مشاعرہ سے پہلے خلد آشیاں کے ایما پر ان کو سنائی۔ اُن کو پسند نہ آئی تو کہا کہ حضرت معلوم ہوتا ہے اس غزل کے کہنے میں آپ کا جی نہیں لگا ——— مشاعرہ میں تقریباً مہینہ بھر باقی تھا۔ حضرت نے روزانہ ایک غزل اسی زمین میں کہہ کر نواب صاحب کو سنانے کا معمول کر لیا۔ گیارھویں غزل جب یہ مطلع پڑھا۔

جس غنچۂ لب کو میسر دیا خندہ زن ہُوا ———— جس گُل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہُوا

تو خلد آشیاں نے کہا "حضرت ہم غریبوں کے لئے بھی تو کچھ کہنے کو چھوڑ دیجئے" حضرت مسکرائے اور سلسلہ ترک کر دیا۔ مگر بعد کو ریاض کے استفسار پر کہا کہ ——— "بخدا اگر نواب نہ روک دیتے تو مشاعرے کے روز تک اسی طرح غزلیں کہتا رہتا"۔

اُن کی شاعری محض بتقاضائے زمانہ تھی۔ جو ہر کمال رکھتے تھے جس فن کو لیا پانی کر دیا۔ اس عہد میں شعر کہنا شرفا کا شعار اور وقار تھا۔

انہوں نے بھی اسی کو اختیار کیا اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اپنے معاصرین میں سے کسی سے سب کے [illegible] زبان و لغات کی [illegible] تحقیق و تلاش سے کام لیں ہے مگر امیر مینائی نہ صرف بیان میں کسی سے کمتر نہ تحقیق و تلاش میں کسی کے پیچھے رہے، اور پھر جس صنف سخن کو بھی اپنے عہد کے اعتبار سے اس کو ممتاز و منتخر کر دیا۔ ان کے سے قصائد نہ داغ کے دیوان میں ملتے ہیں، نہ جلال کے کلیات میں، اور نعت گوئی کا اختصاص ان کے سوا —— بے کوئی ان کا سا کامیاب و معتبر نہ تھا۔ یہ کلام ان کے حصہ میں —— جلال و داغ کے لئے صرف ان کی شاعری ان کی ناموری کا سرمایہ تھی، امیر مینائی سے شاعری کا طرۂ امتیاز بھی لیا جائے تو بھی وہ نامور رہیں گے۔

ان کے ذوق و استعداد و کتب نگاری سے ان کے دور میں [illegible] اور [illegible] کی صلاحیت [illegible] و محنت کے طفیل اہلِ ذوق [illegible]۔ مگر یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سرزمین لکھنؤ کا یہ نامور [illegible] کا بھی ایک تاریخ ساز [illegible] ہے، اور جیسے میر تقی میر کا تذکرہ نکات الشعراء فارسی زبان میں اردو شعراء کے متعلق پہلی مستند تصنیف ہے امیر مینائی کا تذکرہ انتخاب یادگار غالباً بزبان اردو شعراء کا ایک پہلا تذکرہ ہے جس کو [illegible] شعراء کے [illegible] ایک فرد نے خود مرتب کیا تھا۔ اس تذکرے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی، فارسی، اردو [illegible] چاروں زبانوں کے شاعروں کا حال [illegible]

انہوں نے ماہ اکتوبر [illegible] سال کی عمر میں وفات پائی، اس طرح سن کے [illegible] عمر طبعی کو پہنچ کر مرے، مگر [illegible] ہی بیمار ہو جانے [illegible] وجہ [illegible] ایک مہینے میں وفات پا جانے سے ان کے انتقال کے بارے میں بہت سے لوگ [illegible]

یہ غلط [illegible] اور ان کی موت [illegible] ہے، اردو زبان و ادب کے [illegible]، جہاں [illegible] کی رنگینیاں اور [illegible] زبانیں [illegible] سے آتے جاتے ہیں، [illegible] آسان ہے لیکن [illegible] آسان نہیں [illegible] سینچنے کے لئے خونِ دل صرف کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے [illegible] علم و فضل کی کسوٹی پر [illegible] کاوش سے شجر اردو کا پروان چڑھنا معلوم ——

امیر مینائی اپنے عہد کے افاضل میں تھے، زبان دانی ان کی میراث تھی، علم و فضل ان کا سرمایہ اور ان دونوں کے امتزاج صحیح نے ان کی پاکیزہ ہستی میں زبانِ اردو کی لغت تیار کرنے کے لئے سب سے موزوں اور مستند محقق کر پایا تھا۔ متقدمین کا لفظوں نے بالقصد استعمال کیا ہے امیر مینائی نے امیر اللغات میں اردو کے تمام مستند کلام سے سند میں شعر دئے، مگر اپنا ایک شعر بھی پیش نہیں کیا۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے ان سے ایک بار دریافت کیا کہ منشی صاحب! جب آپ نے داغ و جلال، منیر و تسلیم کے اشعار سے سند لی ہے تو اپنے اشعار سے استناد میں کیا قباحت تھی، استادی اور استناد میں تو آپ کا پایہ ان سب پر بھاری ہے، حضرت نے فرمایا کہ "ایسا کرنے میں کبر کا پہلو پیدا ہوتا تھا، اور میری اپنی دانست میں یہ بات تقاضائے دیانت کے بھی خلاف تھی اگر میں خود ہی ایک لفظ کے معنی و محلِ استعمال کی صراحت کروں اور خود اپنے ہی شعر یا مصرعے سے اس کا ثبوت بہم پہنچاؤں۔"

مجھ سا ہیچمرز و ہیچمداں، پھر ان کی اولاد، صدق طور پر مجھ کو یہ بات کہتے ہوئے تامل ہوتا ہے، لیکن دیانت کے ساتھ جو رائے قائم ہو اس کو بیباکی سے بیان نہ کرنا بھی حق گوئی کی توہین ہے، میری دانست میں ان کے بعد سے اب تک، زبانِ اردو کو ان سے اچھا کیا ان سا بھی کوئی مصر بھی، لغت کے کام کے لئے نہیں ملا اور یہی باعث ہے کہ میں ان کی وفات اعداد کے [illegible] معدن کو [illegible] ملتے ہوئے [illegible] ہی نہیں اہل نقد و نظر سے بھی اب تک ان کا ماتم گسار ہوں، لغت کے شعبے میں آصفیہ زبان، فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، اور انجمن ترقی اردو کی ڈکشنری کی موجودگی کے باعث تہی دامنی نہ سہی، مگر اس کی کم مائیگی میں کسی صاحب نظر کو کلام ہو سکتا ہے، گویا پوری آدھی صدی میں اردو زبان و ادب کا دامن مخلص

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میری رائے میں امیر اللغات اُن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ جس کی آب و تاب کو ناتمامی کا داغ اور نصف صدی کی ترقیاں بھی ماند نہیں کر سکیں۔ اسی لئے میں نے اس کے بیان کرنے کے لئے اسے میں زیادہ جگہ دی ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی

مولوی محمد اسلم سیفی

مولانا اسمٰعیل میرٹھی [illegible] ہجری [illegible] ان کی پیدائش شہر میرٹھ [illegible] میں ہوئی [illegible] گیا ہے۔ یہ نام کی تبدیلی شہری [illegible] سے عمل میں آئی ہے۔

جب مولانا کا خاندان [illegible] میرٹھ کی آبادی [illegible] ایک چوتھائی تھی۔ [illegible] میں سکونت رکھتے تھے۔ ایک معزز [illegible] خاندان [illegible] کے پاس کچھ زمینداری بھی تھی۔ اس زمانہ کے لوگ جب کہ انگریزوں کے تسلط [illegible] کر چکے تھے [illegible] اپنے دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوا کرتی تھی۔ اسمٰعیل کے بڑے بھائی تو ایک ریاست [illegible] میں ملازم تھے اور [illegible] ابتدائی کتابیں ان سے پڑھ کر [illegible] مکتب میں جا داخل ہوئے۔ ان کے والد [illegible] خاموش اور نرم آمیز [illegible] تھے اور اپنے [illegible] ماحول میں اجنبی تصور کرتے تھے ——— بچپن کے ماحول کا اور اس وقت کی زندگی کا پتہ نہیں تھا۔ عادتاً اسمٰعیل کی یہ مخصوص صفت دیکھنے میں آتی ہے کہ جو کام کرتے تھے اس پر پوری توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ فن خطاطی ایک استاد کامل سے سیکھا اور خود بھی [illegible] حاصل کیا۔ مرزا رحیم بیگ فارسی کے مشہور استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا کو بھی فارسی زبان میں [illegible] انہی کی صحبت میں حاصل ہوئی۔ ان کے فارسی کلام کی خوبی ان نظموں سے ظاہر ہوتی ہے جو کلیاتِ اسماعیل میں درج ہیں۔ مثلاً مثنوی [illegible] بہت سی فارسی نظمیں جو ہیں غزلیں قصائد اور قطعات ہیں۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو ناگہانی غدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی ابتدا میرٹھ ہی سے ہوئی۔ اس وقت اسماعیل کی عمر ۱۴ سال تھی۔ اس ہنگامہ کی اہمیت کو کچھ کچھ سمجھ سکتے تھے۔ بہرحال اس کے اثرات کا تذکرہ زبان زد خاص و عام رہا۔ اسی زمانہ میں نارمل اسکول میرٹھ میں قائم کیا گیا تھا۔ اس میں پرائیویٹ طالبعلم بن کر ایک سال تعلیم پائی۔ چند شفیق اساتذہ سے مستفید ہوئے۔ خاص کر [illegible] استاد سے۔

جو حالت میں نے مشاہدہ کی اس وقت مولانا کی عمر ۴۴ سال کی تھی۔ ایک نہایت متین اور خاموش بزرگ شخص معلوم ہوتے تھے۔ گھر میں کتنا ہی بچے شور و غل مچائیں، خواہ عزیز و اقارب مرد اور عورتیں جمع ہو جائیں اور پوری بلند آوازی سے بات چیت ہوتی ہو مگر وہ سر کے پیچھے ہاتھ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

غزل گوئی میں بعد [illegible] فلسفہ کے مضامین زیادہ پسند کرتے تھے۔ [illegible]
تھے۔ اپنی نظموں میں جابجا یہ مضمون بہت زور شور سے [illegible] انگریزی تعلیم ہے۔ یہ سب نظمیں [illegible] زندگی [illegible] تک [illegible]

کچھ پتہ نہ لگا کہ مرزا اسداللہ خاں غالب سے [illegible] حاصل ہو۔ مگر [illegible] صرف اقبال کیا تھا استاد کی [illegible] غزلیں
اور ان کا ذکر بھی کیا کرتے تھے۔

اہل و عیال اور دیرینہ احباب کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے تھے اور مالی امداد بھی در پردہ کیا کرتے تھے۔ غصہ کا اظہار یا تیز کلامی کبھی نہیں کرتے تھے۔ اگر بہت ناراض ہوئے تو کلام کرنا ترک کر دیتے تھے۔ بہت سے مسودے ان کے میرے پاس ہیں۔ جن میں ایک میر تقی میر کی کلیات کا انتخاب ہے۔ اور اسی طرح اپنے مشہور استاد کے کلام کا بھی

میں ان کے نقوش میں سب سے بڑا نقش یہی جانتا ہوں کہ وہ ہر وقت کام کرتے رہتے تھے اور کبھی دعویٰ استادی نہیں کیا۔

غزل گو شعرا کی صف میں بلند مقام رکھتے تھے تو شاعر کر بیٹھے۔ ایک مجموعہ چھپا گیا۔ مولانا محمد تقی ... میں مرقومات ... خاص کر صف میں لگ گئے۔ ایک بار مولانا کی خدمت میں آئے اور ان کی بیں شعر سنایا۔ انہوں نے شاگرد کی فہرست کے ... پیسے جنس کا ... تھے۔ بقصد مرحومہ نے خود لکھا شعر ... مسودہ لکھا گیا۔ کسی شعر کی ... خاطر میں کے قصیدہ ... حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ خود ... شانہ ہے ... ان کا تعلق بہت ... ہے ———
بھی کسی استاد کو پیش ... کی ... سے اتنی ... سال میں ... نہیں۔ ... وہ وقت ... ہو گئے تھے اسی وقت تک ... وضع نہیں بدلی

قدس سے قلی ہے ... حق ... | ... عشق ... کے ... حرف
... جیل ہے ... صحت | ... مطلع ...

اس قصیدہ ... کی ترغیب دی ہے۔ خود اس پر پابند تھے۔

... برسات کی ... | جو ان ... آسانی
... بڑا ... ہے خوب | ... ترے ... ماں

سنہ ۱۹۱۰ء ... پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ ... کے موقع پر ...
... کے واسطے اس موقع پر ... ایک ... میں ...
عمر ... سال ... ہوتے تھے ... داخل ہوئے۔ ... تعظیم کے واسطے کھڑے ہو گئے ... مرحوم ...
... تمام ... اس موقع پر ... مناسب نہیں خیال کرتے۔ اس پر ان ... جواب ...
تمام ... کی خواہش ہے کہ ... موقع ... ہے۔ اس پر ... حضرات خاموش رہ گئے اور ... رائے پسند ظاہر کی۔ یہ مولانا اسمٰعیل تھے۔

انہوں نے ... سال کی ... کے بعد جو نصاب اردو طلبہ کے واسطے مرتب کیا تھا وہ آج تک مقبول خاص و عام ہے۔ اسی کا نام ... تک ... ہے۔ یہ ادبی خدمت ان کی یادگار رہے گی۔

سر تیج بہادر سپرو

ڈاکٹر سید اعجاز حسین

[illegible]

[illegible] سپرو اسی شہر کے باشندے تھے جہاں [illegible] [illegible] اس کا چھوڑنا گوارا نہ ہوا یہاں تک کہ ۱۹۴۹ء میں یہیں انتقال ہوا۔

[illegible] کشمیری پنڈتوں میں بھی ترقی یافتہ تہذیب کے گرویدہ ہوتے ہیں لیکن تیج بہادر سپرو میں اس کا لگاؤ عشق کے درجے تک تھا۔ وہ مسلمانوں کی طرز معاشرت، نشست و برخاست، زبان و تاریخ سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ اسلامی تہذیب کا مرقع تھا۔ چنانچہ ان کے یہاں ایک باورچی مسلمان ضرور رہتا اور وہ مرغن چیزیں اپنے دسترخوان پر دیکھنا چاہتے تھے جو نوابوں یا مسلمان رؤسا کے یہاں ہوتی تھیں۔ غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ اردو زبان سے بے پایاں محبت کرتے تھے۔ یہ شغف اتنا زیادہ تھا کہ وہ اردو کی کسی غلطی کو سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ وہ اتنی شستہ اور پاکیزہ اردو بولتے تھے کہ میں نے کم لوگوں کو اس زمانہ میں اتنی اچھی اردو بولتے سنا ہے۔ شام کو روز مرہ ان کے یہاں دربار ہوتا تھا اس میں خاص خاص لوگ شریک ہوتے تھے اس جلسہ میں عموماً اردو الفاظ، محاورات، شعر و شاعری پر گفتگو ہوتی تھی ان کی رائے اور سوجھ بوجھ ہمیشہ قابل احترام ہوتی تھی۔

[illegible] وقت [illegible] ہے [illegible] سے کام [illegible] ہے [illegible] شاعر و شعر [illegible] کی کوشش کرتے تھے۔ کبھی کبھی شاعر [illegible] کرتے [illegible] کے ساتھ [illegible] مگر [illegible] ہے [illegible] رہتا۔

[illegible] ایک [illegible] شروع کی [illegible] زبان [illegible] صاحب [illegible] جاتا [illegible] زبان کی حیثیت [illegible] اردو سے [illegible] چنانچہ ایک [illegible] سے [illegible] گئی [illegible] رہتا تھی۔

[illegible] آدمی [illegible] ہوتے [illegible] بہادر سپرو کے [illegible] ہے [illegible] کی حیثیت [illegible] ہو جاتے [illegible] تعریف [illegible] رہا ہے۔

تیج بہادر سپرو میں جہاں قابلیت کے علاوہ دیانت داری کی وجہ سے بھی تھی۔ مثال کے لئے اس وقت کا یاد کرنا کافی ہے کہ جب وہ ہمیشہ بطور وکالت کے [illegible] کا کام تھا [illegible] سال تک مجھے [illegible] ہائیکورٹ میں کوئی مقدمہ نہیں ملا اس لئے کہ [illegible] سے کم [illegible] گیا۔ باوجود اس کے کہ [illegible] پڑھی جاتی تھیں مگر [illegible] نے کبھی [illegible] کی سطح نیچے نہیں ہونے دیا۔ ان کی [illegible] اور عملی زندگی میں ہر شخص کو یہ محسوس کرنے پر مجبور کرتی تھی کہ وہ نہایت ایماندار اور با اصول آدمی ہیں۔

تیج بہادر سپرو نہایت حساس اور نازک مزاج آدمی تھے۔ عام طور سے مشہور تھا کہ ان کا مزاج شاہانہ ہے وہ ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں۔ [illegible] رہتے ہیں اور ذرا سی بات پر خوش ہو جاتے تو ہر ممکن کوشش کے لئے ان کو آمادہ کرتے۔ باوجود احباب پرستی اور یار وداری کے وہ اپنے مطالعہ میں کبھی فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ ہمیشہ کوٹھی کے برآمدے میں سوتے تھے۔ وہیں چار بجے صبح بیدار ہو جاتا تھا اور پڑھنا شروع کر دیتے تھے پھر قانونی کتابیں اور کاغذات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہائیکورٹ کا وقت آجاتا تھا۔ وہاں کی بحث و مباحثہ سے فراغت کے بعد گھر آکر ناشتہ وغیرہ کر کے ادبی و علمی کتابوں سے دن بھر کی کوفت دور کرنے کی کوشش کرتے۔ لوگ آتے رہتے وہ ملتے رہتے باتیں کرتے رہتے اور موقع ملتا تو پھر کتاب زیر نظر کا مطالعہ شروع ہو جاتا اکثر ایسا ہوتا کہ وہ ملنے آنے والوں کو بھی کتابیں اٹھا کر دے دیتے کہ پڑھئے دیکھئے کتنی اچھی کتابیں ہیں۔ اس طرح صحبت کو بغیر بے لطف کئے ہوئے خود بھی مطالعہ کرتے اور بات کرنے والوں کو بھی چپ کرا دیتے۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی تھی صحت خراب ہوتی جاتی تھی مگر باوجود علالت کے بھی مزاج کی شگفتگی کبھی نہ گئی۔ کبھی کبھی دوست احباب ان کو مشورہ دیتے کہ حضور آپ کچھ ورزش کیا کیجئے تاکہ صحت قائم رہے تو ہنس کر جواب دیتے کہ "اللہ نے مجھے ہر طرح کی عافیت دی ہے میں اپنے پر ایک مفید ورزش کرنے کی کیوں بڑھا لوں۔ خواہ مخواہ کی بیہودہ حرکت اختیار کروں کہاں کی عقلمندی ہے۔ رہا صحت قائم رہنے کا سوال سو وہ خود ہی قائم رہے گی۔ خدا جو چاہے گا خود اس کی

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

لالہ سری رام دہلوی

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ

لالہ سری رام [illegible] زندہ [illegible] شہر [illegible] سے تھے۔
آپ [illegible] ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے [illegible] تعلیم دہلی [illegible]
[illegible] میں [illegible] انگریزی [illegible] کا امتحان پاس کیا اور [illegible] منصف کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ ۱۹۱۰ء [illegible]
اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ شعر و ادب کا شوق [illegible] مخزن میں ادبی مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا [illegible]
[illegible] میں شائع ہو چکے تھے۔ [illegible] دیوان [illegible] کے حقوق اشاعت بھی حاصل کئے [illegible]
[illegible] شائع کیا۔ مرزا محمد تقی بیگ مائل اور بہاری لال مشتاق شاگردان [illegible] کے دواوین [illegible]
[illegible] رکھتے تھے لیکن [illegible] کا بے حد شوق تھا۔ ان کے ذاتی کتب خانہ میں عربی [illegible]
[illegible] اور ہندی کی [illegible] اور بیش قیمت کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں مخطوطات، [illegible] تصاویر، اعلیٰ ترین خطاطی کے
نمونے [illegible] فرمان [illegible] دستاویزات ان کی وفات کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی کو [illegible] دے گئے ہیں۔ تعصب یا [illegible]
کی ہوا انہیں چھو تک نہ گئی تھی۔ نئے شاعروں کی [illegible] مدد کرنا اپنا فرض جانتے تھے۔ ان کی مایۂ ناز تصنیف خمخانۂ [illegible]
کی پہلی جلد ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء کو جب ان کی موت ہوئی، وہ اس کی چار جلدیں شائع کر چکے تھے [illegible]
جلد [illegible] نے ان کی وفات کے بعد شائع کی اور کہا جاتا ہے کہ چھٹی جلد ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ضائع ہو گئی۔

میرے مراسم لالہ سری رام سے نہایت دیرینہ تھے۔ [illegible] تیس سال تک میں ان کی صحبت سے فیض یاب رہا۔ ۱۹۲۳ء میں [illegible]
مہاراجہ ہز ہائنس سیاجی راؤ گائیکواڑ کے ہاں بطور پرائیویٹ سیکرٹری کے میری خدمات تفویض تھیں۔ مہاراجہ صاحب بنارس یونیورسٹی کے
سابقہ چانسلر تھے۔ جلسہ تقسیم اسناد کا خطبہ پیش کرنے کے لئے وہ بنارس گئے۔ گٹھیا ([illegible]) کا عارضہ انہیں پہلے سے تھا، وہاں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ... پیش کرتے اور پُرتاثیر ہوتے تھے۔

افسوس ہے کہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ یہ وضع داری مٹتی چلی جا رہی ہے ... [illegible] ... لالہ صاحب شستہ و شائستہ اردو میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اپنے احباب اور واقعات زندگی کی ... [illegible] ... تصویر پیش کرتے تھے ... [illegible] ... زبان پر حیرت ہوتی تھی۔ بات بات میں اردو کے بر موقع اشعار موتیوں کی طرح ... [illegible] ... اور ہزاروں اشعار ان کی نوک زبان پر تھے ... [illegible] ...

لالہ صاحب اپنے خاندان سے ... [illegible] ... جو پیارے لال آشوب کر باشندگانِ دہلی نے پیش کیا تھا۔ اس خطبہ میں غالب کی لکھی ہوئی چند سطریں بھی درج ہیں جن میں غالب نے پیارے لال آشوب کی خدمات کو سراہا ہے۔ جہاں ایسا موقع ہوتا لالہ صاحب بڑے جوش و خروش سے اپنے حسب نسب، اپنے خاندان کی شہرت اور معقول جائداد و املاک کا ذکر کرتے تھے اور اس قسم کے افتخار نے انہیں معمولی اور چھوٹی چیزوں سے بے نیاز کر دیا تھا لیکن اسی نے ان میں احساس برتری اور تنگ دلی بھی پیدا کر دی تھی۔ دہلی کی مشہور ہستی حکیم اجمل خاں اور ان کے عزیزوں، خاندان والوں اور ...

[illegible] شاعر اور ناول نگار کیفی سے اپنے مراسم اور تعلقات کا ذکر وہ بڑی مسرت سے کیا کرتے تھے۔ کیفی نے دہلی میں ان کی کوٹھی میں قیام کیا تھا۔ صاحب ذوق مہمانوں کی لالہ صاحب اکثر دعوت کرتے اور اس میں ملک بھر کے نامور ادیب و شعرا شریک ہوتے تھے جن کو کیفی لکھنے پڑھنے کا مہمان کیا کرتا تھا۔

لالہ سری رام شعر و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ملازمت ملک کی خدمت سے ان پر فراغت کا دور آیا تھا۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے مصروف کے لئے بیٹھے رہنے پر فارغ۔ باہر جانے سے معذور تھے اور شعر و ادب کے گوشہ ہی کے گوشہ نشین ہوگئے۔ مصروفیت کتب خانے اور قلمی نسخوں کا جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے یہ قیمتی ذخیرہ اب دہلی یونیورسٹی کی زینت بنے ہوئے ہیں جس پر لالہ صاحب سے ایک خاص نسبت ہے۔

لالہ صاحب اردو زبان و ادب کے دلدادہ تھے۔ ان کی تصنیف خمخانۂ جاوید ایک یادگار کارنامہ ہے اور اردو ادب میں اس کی حیثیت انسائیکلوپیڈیا کی ہے۔ اس تالیف کے سلسلہ میں لالہ صاحب نے کئی ادیبوں اور اہل قلم حضرات کی مدد لی تھی۔ پنڈت برج موہن کیفی ان کے یہاں مہمان رہے۔ انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور لالہ صاحب کی وفات کے بعد بھی دہلی کے ادبی حلقوں سے پنڈت کیفی لالہ صاحب کے ان ادھورے کاموں کی تکمیل کے لئے وہ یکہ و تنہا کوشش کرتے رہے لیکن وہ مسودے اس کام کو تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ اور یہ ادب کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ لالہ صاحب کی وفات کے بعد پنڈت کیفی نے خمخانۂ جاوید کی ایک جلد شائع کی لیکن پہلی جلدوں سے مختلف ہیں۔ اس کا رنگ جدا ہے اور نہ وہ اگلا سا معیار ہے نہ وہی چاشنی۔ خمخانۂ جاوید کی باقی جلدیں اب مکمل نہیں ہوسکتیں اور اس طرح لالہ صاحب کا وقف شرمندۂ تکمیل نہیں ہو سکا۔ کیفی صاحب مستقل طور پر لالہ صاحب کے ہاں رہتے تھے اور ان کے مشورہ سے خمخانۂ جاوید مرتب کرتے تھے۔ آخری زمانہ میں کیفی صاحب لالہ صاحب کے خاص معاون تھے لیکن افسوس کہ خانگی تنازعات اور وارثان کی عدم توجہی سے لالہ صاحب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور ان کے وقف کا صحیح مصرف نہیں کیا گیا۔

لالہ سری رام دریا دل تھے لیکن ان کی فطرت میں سخاوت کے ساتھ کفایت شعاری تھی۔ جو کچھ وہ دیتے تھے اس کا حساب بھی چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ لین دین کے حساب میں وہ بڑی احتیاط برتتے تھے۔

ان کی عمر کے آخری سال بیماری کے رنج و غم اور صدمہ و عذاب میں بسر ہوئے۔ خانگی تنازعوں نے ان کی خوشیوں کے سوتوں پر خاک ڈال دی تھی۔ اس دوران میں وہ ذیرہ دون سے مجھے نہایت درد بھرے خط لکھا کرتے۔ یہاں وہ تبدیل آب و ہوا اور علاج معالجہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

ان کی شخصیت بڑی دلچسپ تھی۔ تہذیب، شائستگی اور شرافت کا وہ خلاصہ تھے۔ ایک وضعدار ہندوستانی شریف کی تمام صفات ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ ان کا حلقۂ احباب وسیع تھا۔ بڑی بڑی ہستیوں سے اور ہندوستانی ریاستوں کے راجاؤں سے راہ و رسم پیدا کرنے اور ان سے تعلقات استوار کرنے کا بڑا شوق تھا۔ خوش سلیقہ، خوش اطوار اور خوش گفتار تھے لیکن مزاج نازک اور زود رنج تھا۔ جب غصہ آتا تو طبیعت قابو سے نکل جاتی۔ ضبط، میانہ روی اور اعتدال جو متوازی شخصیت یا اچھی سوسائٹی میں ہوتا ہے ان کے ہاں کم تھا۔ ان کے دوستوں کا دائرہ بھی محدود تھا اور ان کی دنیا میں صرف خواص کا گزر تھا۔

ان کی وفات پر مرزا فرحت اللہ بیگ نے ایک نہایت مؤثر مضمون لکھا تھا۔ پنڈت کیفی نے بھی اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں لالہ صاحب پر مضمون لکھ کر ان کی شخصیت کا عمدہ مطالعہ پیش کیا ہے۔

اپنی تمام خامیوں اور خوبیوں کے باوجود لالہ سری رام نہایت پسندیدہ نمایاں شخصیت تھے وہ اردو کے بے مثل مربی تھے اور اردو پر ان کے احسانات بھلائے جانے کی چیز نہیں۔ ان کی موت دہلی اور اردو کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے آہ! ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

سید علی بلگرامی

غلام پنجتن

[illegible] بہت سی گزر چکی ہیں [illegible] کے ساتھ علمی اور ادبی [illegible] ہو گیا ہے جتنی [illegible] معاشرے کے [illegible] زندگی [illegible] ایسے لوگ [illegible] ترتیب دینا چاہی کہ ان کے متعلق مفید اور سبق آموز مواد فراہم کرنے کی حیثیت [illegible] بھی معقول وسعت [illegible] کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے [illegible] زندگی میں کیا چیز کیا اہمیت رکھتی ہے۔ [illegible] بس میں نہیں رہتا اور یہ بھی ہوتا ہے کبھی معمولی سی بات [illegible] بھی عقیدت کی آنکھ ایک ہی رخ دیکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قوموں کی تاریخ سے [illegible] مشکل ہے۔ [illegible] لکھنے کے ریکارڈ بھی ہوتا ہے اور یادگاریں بھی۔ لیکن کسی ایک شخص کی سوانح حیات تو وہی لکھ سکتا ہے جو ذاتی طور [illegible] گزرتا جاتا ہے ایسے لوگ کم ہوتے جاتے ہیں اور وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی باقی ہی نہیں رہتا۔ دورِ گزشتہ کے مشاہیر کے حالات معلوم کرنے کا شوق [illegible] ہوتا ہے مگر ایسے مواقع نہیں تھے کہ وہ یہ شوق پورا کر سکیں۔ موجودہ دور میں کچھ ایسی ہوا چلی ہے اور ذہنیت کچھ ایسی مفلوج ہوئی ہے کہ پچاس برس پہلے ہم سے جو بزرگ جدا ہو چکے ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا۔ مظہر الحق۔ سر علی امام، میاں شاہ دین، سر محمد شفیع، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کو یاد نہیں کیا جاتا۔ ایسے میں کارپردازانِ نقوش کا پرانے مٹے ہوئے نقوش کو ابھارنا قابلِ ستائش ہے مگر مجھ ایسے نالائق محض سے کچھ اس سلسلے میں توقع رکھنا محض اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ

اسفل ہی سہی لیکن نسبت تو ہے اعلیٰ سے

سب جانتے ہیں کہ واجد علی شاہ کو مٹیا برج میں لے جانے کے دوسرے سال جب بہادر شاہ ظفر کو رنگون پہنچا دیا گیا تو اودھ وغیرہ

شمالی مغربی صوبہ [illegible] اثر پیدائش کچھ ہی عرصہ بعد ختم ہو گئے۔ وہ بہار یا اس کے قریبی علاقے میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں صدیوں سے
کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ ان میں سے ایک سادات عظام کا وہ گھرانا تھا جس میں سید علی ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ [illegible]
سید کرامت حسین صاحب کمپنی بہادر کی سرکار کے گورنر جنرل کے دربار میں نواب وزیر آف اودھ کے [illegible] تھے۔ کرامت حسین
صاحب نے اپنے صاحبزادوں سید حسین اور سید علی [illegible] کو کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں جو وارن ہیسٹنگز نے قائم کیا تھا تعلیم دلائی
یہ مدرسہ انگریزی زبان پڑھنے کے علاوہ علوم مشرقیہ کے لئے بھی تھا۔ آگے چل کر ان دونوں کو انگریزی سرکار میں ملازمت ملی [illegible]
گورنر جنرل کے مشرقی زبانوں کے ترجمان (Oriental Interpreter) کی حیثیت سے [illegible] بنے اور پھر [illegible]
ایجنٹ ہو گئے۔ [illegible] حکومت کی طرف سے [illegible] کا خطاب پایا۔ دوسرے صاحبزادے [illegible]
بہار و بنگال میں ۱۸۵۷ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر تھے۔ [illegible] ریاست حیدرآباد [illegible]
تھے۔ ان کے بڑے بھائی سید حسین [illegible] نے کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۸۶۶ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اسی سال سید علی
[illegible] میں تعلیم [illegible] کر کے پٹنہ کے [illegible] مدرسے میں داخل ہوئے۔ دو سال انہوں نے کینگ وارڈ انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم پائی تھی [illegible]
میں پٹنہ کالج سے [illegible] یونیورسٹی سے [illegible] بی اے میں ان کی اختیاری زبان سنسکرت تھی۔ دو سال [illegible]
کی تحصیل [illegible] سالار جنگ [illegible] تعلیم [illegible] داخل ہو گئے۔ نواب سر سالار جنگ
نے ۱۸۷۶ء میں یورپ کا سفر کیا۔ اس سفر میں ان کے بڑے بھائی مولوی سید حسین بلگرامی بھی ہمراہ تھے۔ اس سفر میں جو کچھ انہوں نے دیکھا
اس سے متاثر ہو کر انہوں نے [illegible] حیدرآباد سے چند ہونہار نوجوان [illegible] انگلستان تعلیم کے لئے روانہ کئے جائیں [illegible]
کے مختلف [illegible] ایک ایرانی نوجوان مرزا مہدی خان [illegible] اسسٹنٹ انجینئری کے امتحان میں کامیاب ہو چکے تھے ان کے
ہمراہ تھے۔ [illegible] رائل اسکول آف مائنز میں داخل کر دیا اور جب ہندوستان [illegible]
[illegible] اور پھر تکمیل تعلیم کے لئے جرمنی بھیج دیا جہاں انہوں نے ۱۸۷۹ء میں لندن یونیورسٹی کا امتحان [illegible] درجہ [illegible]
کیا۔ اس امتحان میں ان کی اختیاری زبان جرمن اور فرانسیسی تھی۔ انہوں نے کیمسٹری۔ طبیعیات۔ معدنیات اور ان کے متعلقہ مضامین کی تحصیل چند
سال میں ختم کر لی۔ ان کی ذہانت و قابلیت کے تحسینی [illegible] ہنڈل ایسے باکمال پروفیسروں سے لے کر انگلستان چھوڑا اور
فرانس اسپین ہوتے ہوئے کچھ ماہ مصر میں [illegible] عربی زبان سیکھنے کے لئے قیام کیا۔ سنسکرت اور بنگالی تو پہلے ہی سے جانتے تھے حیدرآباد میں
مرہٹی اور تلنگی بھی سیکھ لی۔ ان کا حافظہ بڑا زبردست تھا۔ جو ایک دفعہ پڑھ لیتے بھولتے نہ تھے۔ فرانسیسی زبان میں بے تکلف باتیں کرتے
تھے۔ اور قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ جس زبان کی کتاب پڑھتے پڑھتے ایک ہی نظر میں معنی و مفہوم سمجھ لیتے تھے۔ چودہ زبانیں ایسے لہجے میں بولتے
تھے کہ یہ سب گویا ان کی مادری زبانیں ہیں۔ بنارس کے پنڈتوں کو ان کے سنسکرت کے لہجے میں نندی شاستری کی جھلک نظر آتی تھی اور ان
کے تلفظ پر بیاس جی کا شبہ ہوتا تھا۔ یورپ سے واپسی پر وہ اسسٹنٹ جنرل معدنیات مقرر کر دیئے گئے۔ انہوں نے اور مرزا مہدی خاں
نے جو ان سے ایک دو سال پہلے واپس آ چکے تھے مل کر بالکمال ضلع ورنگل اور [illegible] میں معدنی تحقیقات شروع کی۔ جب ان کی رپورٹ
پر عمل کا وقت آیا تو وہی ہوا جو ہوتا چلا آ رہا ہے بقول اکبر الہ آبادی ؎

کچھ قدر نہیں اس کی پرسش ہی نہیں اس کی ——— نیٹو کی لیاقت بھی مفلس کی جوانی ہے

سر سالار جنگ نے جو ریاست کی خوش انتظامی اور مالی فلاح کے منصوبے باندھے تھے اس میں رکاوٹیں تو انہی کی زندگی میں پیدا ہو گئی
تھیں ان کے بعد یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ سید علی اور مرزا مہدی ایسے کثیر المعلومات نوجوانوں کو سرزمین دکن سے سونا اگلوانے کی اجازت

[illegible] ہو چکی۔ ناگہاں [illegible] محمد علی کا [illegible] ۔ ۔ [illegible] سادہ آدمی ۔ یہی خیال [illegible] وہاں بہت [illegible] ——— مطابق [illegible] خدمات سے محروم کر دیا گیا [illegible] تو [illegible] کے [illegible] ہی [illegible] کر لی گئی [illegible] ۔ تعلیمات [illegible] تھے [illegible] میں [illegible] ہو کر [illegible] میں [illegible] ہو گئے۔ [illegible] دونوں نے [illegible] خدمات [illegible] چھٹے [illegible] کے [illegible] کی قوت [illegible] ۔ [illegible] زبان [illegible] کی تیاری [illegible] ۔

جب [illegible] سید علی [illegible] تعلیم حاصل کر [illegible] تھے [illegible] کا زمانہ [illegible] سید احمد خاں [illegible] یونیورسٹی کے قیام کی تحریک [illegible] جس کا [illegible] گزشتہ سے [illegible] ۔ [illegible] تعلیم دینا چاہتی ہے جس سے [illegible] دیسی زبان [illegible] موجود ہیں [illegible] زبان ہی [illegible] تعلیم دینا [illegible] ۔ [illegible] سید علی [illegible] سید [illegible] کے [illegible] علی صاحب [illegible] سے [illegible] انہوں نے سنسکرت [illegible] فارسی [illegible] امتحانات کے [illegible] کے [illegible] زیادہ ہیں۔

[illegible] جنگ ثانی اور نواب سر آسمان جاہ کی وزارت [illegible] مجلس [illegible] حالات [illegible] خیال [illegible] مجلس [illegible] ممتحن [illegible] ثابت ہوا۔ [illegible] یونیورسٹی کے بی اے کے [illegible] کے انتخاب [illegible] تھے [illegible] انہوں نے [illegible] کر کے ممتحن [illegible] ۱۸۸۷ء یا ۱۸۸۸ء [illegible] چھوڑ چکے تھے [illegible] امتحان میں بیٹھے اور یونیورسٹی بھر میں اوّل آکر طلائی تمغہ اور یونیورسٹی کے اسکالرشپ کے [illegible] حیدرآباد کے معاملات پر مسٹر [illegible] نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ ایک گروہ کا خیال [illegible] پمفلٹ [illegible] جس کے [illegible] داستان [illegible] اور محمد [illegible] جانتے تھے شائع [illegible] ہے۔ [illegible] کا [illegible] تھا کہ فتح [illegible] جنگ کی [illegible] زندگی کے متعلق جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کو اس ریاست میں سوائے عماد الملک اور سرور الملک کے کوئی نہیں جانتا [illegible] عماد الملک آسمان جاہ کی وزارت کے حامیوں میں سے ہیں۔ اس لئے یہ مواد سرور الملک کے [illegible] کسی نے نہیں دیا۔ اس مقدمے کی پیروی کے لئے [illegible] کی طرف سے فوجداری کے مشہور بیرسٹر مسٹر [illegible] نارٹن جو اس زمانے میں مدراس میں وکالت کرتے تھے اور بمبئی کے مشہور سالیسٹر [illegible] بلائے گئے۔ یہ مقدمہ ایک کمیشن کے سامنے ۱۸۹۲ء میں بڑے زور شور سے چلا۔ یہی مقدمہ درحقیقت میں فتح نواز جنگ کو حیدرآباد سے نکالے جانے اور سر آسمان جاہ کی وزارت کے ٹوٹنے کا پیش خیمہ ہوا۔ ۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۰ء میں جب میں دہلی میں وکالت کرتا تھا ایک مقدمے میں میرا اور مسٹر نارٹن کا اورنگ آباد آنا ہوا۔ اس مقدمے میں میں مسٹر محمد [illegible] انصاری بیرسٹر کے (جو بعد کو ہائی کورٹ کے جج ہوئے) جونیئر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اکثر ہم تینوں کی تفریحی صحبتیں رہتی تھیں۔ مسٹر نارٹن بڑے بذلہ سنج اور ہنس مکھ تھے ان میں گورے کالے کی تفریق کا مادہ بہت کم تھا۔ وہ اکثر ان صحبتوں میں بڑی شخصیتوں کا بلا نسلی تفریق کے مذاق اڑاتے رہتے تھے۔ [illegible] اور اس زمانے کی "گندی سیاست" کا تذکرہ کرتے ہوئے نارٹن نے کہا کہ اگر سید علی بی اے ایل کا امتحان دے کر حیدرآباد واپس نہ آتے اور کلکتے ہی میں رہ جاتے تو وہ بہت

چونکہ باہمی تبادلۂ خیالات کا موقع حاصل کر لیتے۔ ان کا حافظہ قوی، ذہن تیز اور نظر وسیع تھی۔ انہیں [illegible] بھی تھی اور [illegible] بہت یاد تھیں [illegible] کے واقعات معلوم رہتے ہیں [illegible] خیال سے ان کا دل اچاٹ نہ ہوتا اور یہی وہ خوبیاں ہیں جو قانون پیشہ لوگوں [illegible]

وہ ریاست میں ترقی شعاب کے حق [illegible] سے گزر گئے [illegible] ان کی علمی خدمات کا حضرت عثمان اعلیٰ کا عہد [illegible] میں دیکھا [illegible] عثمانیہ یونیورسٹی نے ان کو [illegible] دارالترجمہ [illegible] وزارت کے عہد سے ایک دور [illegible] تھا۔ یہ [illegible] میں [illegible] نواب عماد الملک اور علامہ شوستری اور مولوی سید کرامت حسین صاحب سے [illegible] میں [illegible] کے بیچ مقرر ہو کر [illegible] شائع ہو رہے تھے۔ یہ [illegible] علامہ [illegible] انہوں نے [illegible] پندرہ نسل کا ترجمہ [illegible] اصول [illegible] متعلق [illegible] اس کاوش [illegible] حکومت [illegible] ہزار روپیہ ملا۔

[illegible] کے زمانے میں دو مرتبہ سید علی صاحب کو پریشانی رہنے کے لئے انہیں [illegible] بہت [illegible] علمی کاموں [illegible] سے مدد بھی کی۔ انہوں نے اس کی قدر کی [illegible] ایک رشتہ علوم و فنون قائم کر لیا [illegible] کی [illegible] بہت کی کتابیں [illegible] ترجمہ [illegible] انہوں نے مولانا شبلی کا تقرر بحیثیت ناظم رشتہ علوم و فنون [illegible] بیس [illegible] سے [illegible] روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ ان کی تالیفات [illegible] کے لئے انہوں نے خود کو [illegible] دو مرتبہ [illegible] ان کے حوالے کر دی۔

[illegible] انہوں نے ایک تحقیقاتی [illegible] پڑھا [illegible] کتاب [illegible] سے [illegible] کا ترجمہ [illegible] ہو گئے [illegible] پروفیسر ہو گئے تو [illegible] متعلق [illegible] کی تمام مختلف نسخے اور [illegible] یا اقتباسات تھے اور [illegible] کا ترجمہ [illegible] ہندوستان آتے ہی جب [illegible] میں مقیم ہو گئے تو ان کی [illegible] عثمانیہ یونیورسٹی کا نصاب تعلیم بنانے میں مشغول ہو گئے [illegible] نے اس کے مرتب کرنے کے لئے یورپ اور مصر کی یونیورسٹیوں کے طریق کار [illegible] اور تعلیمی نصاب کا مطالعہ کیا۔ [illegible] زیادہ [illegible] بہت علمی تھا [illegible] یونیورسٹی سے متعلق [illegible] بہت کم ہو جاتی اور یہ تو مانی ہوئی بات تھی کہ [illegible] چانسلر ہوتے۔ [illegible] اور [illegible] دونوں ان پر بھروسہ کرتے تھے۔

تمدن ہند اور تمدن عرب ان کے دو بڑے شاہکار ہیں جو ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ ان دونوں کتابوں کا مصنف [illegible] لیبان ہے۔ یورپ میں یہ دونوں کتابیں اس جید عالم [illegible] اور انتھک کاوشوں کی یادگار ہیں اور [illegible] مستند ہیں۔ ان کتابوں کا ترجمہ انہوں نے اس طرح سے کیا کہ پہلے پورا پیراگراف پڑھ لیتے تھے پھر قلم اٹھا کر اپنی زبان اردو میں لکھنا شروع کر دیتے تھے اور پھر مجال نہیں کہ مصنف کا منشا فوت ہو جائے۔ ان عظیم کتابوں کو پڑھتے وقت یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ دوسری زبان سے اردو میں ہے۔ انہیں ہند کے پرانے تمدن سے بڑی دلچسپی تھی۔ ایلورا کے مشہور غاروں کی جن میں بعض تو اس وقت مٹی میں دبے ہوئے تھے۔ بڑی چھان بین کی اور ان پر گائیڈ کے طور پر ایک کتابچہ لکھا جس سے آئندہ چل کر ان لوگوں کو جنہوں نے پرانی یادگاروں کی تحقیق کی بڑی رہنمائی ہوئی۔ انہوں نے فارسی اور سنسکرت کی تعلیمی فوائد کا تقابل کیا اور اس پر ایک پیارا رسالہ لکھا۔ حیدرآباد کی اقتصادی حالت اور پیداوار کے

[illegible] انہوں نے ملک مصر کی تاریخ [illegible]
[illegible] اس سلسلہ کا [illegible] نایاب [illegible]

[illegible] کتابوں کا [illegible] شوق [illegible] ترتیب [illegible]
[illegible] مستقل [illegible]
[illegible] کتاب شائع ہو [illegible]
[illegible] کا شوق [illegible] لکھتے ہیں [illegible] نہیں [illegible]
[illegible]
[illegible] ترجمہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کتاب [illegible] چھاپا نہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] پیش کرنے [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] قیمت [illegible] شروع [illegible]
[illegible]
اردو ادب میں لکھا گیا [illegible] مقصد اس کتاب کو چھاپنا نہیں تھا بلکہ [illegible] کتب خانے کا [illegible]
اور اس میں وہ کامیاب ہو چکا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں ان کی جو عظمت و توقیر تھی اور ان کی [illegible] کے ساتھ دلچسپی کی جو شہرت تھی اس کا اندازہ
اس سے ہو سکتا ہے کہ کیمبرج کی لائبریری میں ایک پرانی کتاب [illegible] تھی [illegible] نسخے [illegible]
[illegible] تھی کہ اس کا [illegible] مزید [illegible] ہوگیا [illegible] کے سب [illegible] تقسیم ہو چکے تھے۔ صرف ایک [illegible] پروفیسر صاحب کے پاس
رہ گیا تھا جن کا اس سبجکٹ سے تعلق تھا۔ سید [illegible] صاحب سے جب اس کتاب کا تذکرہ آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ آپ اس کے مجھ سے
زیادہ مستحق ہیں یہ کاپی ان کے نذر کردی۔ انہیں مصر کی پرانی تاریخ پر ایک نایاب کتاب ہاتھ آگئی۔ انہوں نے اس کے حصے [illegible] ایشیاٹک
سوسائٹی کے جرنل میں طبع کرانا شروع کر دیئے۔ انہوں نے کلام پاک کا ایک ایسا انڈکس بنوایا تھا جس کے ذریعہ سے ہر موضوع پر آیات
جس سورت میں ہو آیت اور سورت کے حوالے سے مل سکے۔ اسی طرح سے انہوں نے عربی مصنفین کا تمام [illegible] ایک انڈکس حیدرآباد ہی میں
بنوانا شروع کیا تھا۔ جس سے ہر مصنف کی تحقیقات کا پتہ چل سکے۔ ان دونوں کو ان کا ارادہ بیروت میں طبع کرانے کا تھا مگر یہ کام بھی [illegible]
کاغذوں ہی میں رہ گیا۔

شرافت کا یہ اثر ہی ہے کہ بچہ جس ماحول میں پرورش پاتا ہے۔ اس کا اثر غیر شعوری طور پر اس کی عادات و خصائل پر ضرور پڑتا ہے سید علی اپنے وطن [illegible] سے ... ایک نہایت عہدہ دار کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ [illegible] کی شکل [illegible] کے بعد جب [illegible] عمر چھ سات برس کی تھی [illegible] چچا کی [illegible] برقرار رہی [illegible] گھر [illegible] برس کا پیسہ [illegible] مطلب ہوتا ہے جس محلوں میں بیٹھے [illegible] سے صرف خوشحال خاندانوں کے [illegible] رہا کرتے تھے۔ [illegible] انہیں اپنی خاندانی وجاہت کا احساس [illegible] تھا پھر ان کے [illegible] پر ان کی [illegible] مستقل [illegible] صرف پر [illegible] کا [illegible] جوان [illegible] کے لڑکے بگڑ جاتے تھے [illegible] ہونے کے بعد [illegible] ان پر جب دولت [illegible] غالب تھی [illegible] پر بھی [illegible] مستحق ہوتے جو پیچھے پڑے [illegible] ان کی شہرت بھی [illegible] چونکہ انہیں [illegible] کا منہ دیکھنا پڑا تھا [illegible] ان کے پاس [illegible] کے بعد گھر سے [illegible] دے کر [illegible] انہوں نے مدد کی [illegible] علاوہ [illegible] ان دوستوں کو [illegible] کے محل [illegible] کی طرف ہوتے ہیں [illegible] ہوتے تو ان کے گھر [illegible] کی طرف [illegible] تھے اچھے پہنتے تھے [illegible] رہتے تھے۔ ان کا اخلاق وسیع تھا [illegible] کے یہاں آنا جانا [illegible] زبان میں گفتگو [illegible] کی بیگم صاحبہ غیر معمولی تھیں۔ [illegible] اپنے شوہر کے مہمانوں [illegible] کھانے اپنی نگرانی میں پکواتیں [illegible] ان کے ساتھ گئیں [illegible] ہندوستانی کھانا کھلا دیتیں [illegible] تھے آج تک ان کو محبت و احترام سے یاد کرتے ہیں۔ [illegible] ترک کیا [illegible] وہاں بھی پائیں۔ سید علی صاحب جب تک حیدرآباد میں برسر خدمت رہے۔ جہاں اہل غرض نے ان کو گھیرا وہ ان کی مدد کرتے تھے۔ سفارش کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ بعض وقت تو اس بارے میں وہ حد سے زیادہ بڑھ جاتے تھے۔ مولوی خدا بخش خاں جن کی پٹنہ کی لائبریری مشہور ہے۔ وہاں وکالت کرتے تھے درجہ دوم کی سند تھی۔ حیدرآباد میں ایک مقدمے کے سلسلے میں آئے سید علی صاحب کے والد دونوں سے ان کی واقفیت تھی اسی وجہ سے وہ مولوی صاحب کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے خواہش کی کہ اگر یہاں ان کو درجہ اول کی سند مل جائے تو اچھا ہے۔ سید علی صاحب نے کہا کہ یہ کیا بڑی بات ہے اور مولوی میر افضل حسین صاحب چیف جسٹس کے پاس گئے اور بڑے تعلقات جو ان کے خاندان کے مولوی خدا بخش سے تھے وہ بھی بیان کئے میر صاحب نے ان کو سوکھا جواب دے دیا جب مولوی خدا بخش خاں صاحب کو یہ علم ہوا تو ان کو افسوس ہوا اور سید علی صاحب سے معذرت چاہی کہ آپ کو میری وجہ سے ایسا جواب سننا پڑا۔ سید علی صاحب نے کہا نہیں مولوی صاحب میں آپ کو ایک نہ ایک دن یہاں کا میر مجلس کرا کر رہوں گا۔ چنانچہ جب وقار الامرا کا دور شروع ہوا تو مولوی خدا بخش میر مجلس ہو کر ہی رہے۔ نواب سر عقیل جنگ بہادر کہتے تھے کہ میں حیدرآباد سے بیزار ہو کر بمبئی جانے والا تھا۔ ملازمت کے وعدے تو بہت سے ہوتے مگر پورا ایک بھی نہیں۔ ایک دن میں اپنے چچا سید علی صاحب سے ملنے گیا اور ان کی دریافت پر کہا کہ کل بمبئی جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کیوں۔ سید عقیل نے کہا کہ میں بمبئی میں جا کر خود نوکری تلاش کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن اور ٹھہر جاؤ اگر تم کو ملازمت نہ ملے تو جہاں مرضی آئے چلے جانا۔ کل صبح بیگم پیٹھ میں مجھے وقار الامرا کی ڈیوڑھی پر ملو۔ چنانچہ صبح میں گیا۔ چچا بھی آئے

[illegible] صاحب [illegible] [illegible]
[illegible] صاحب [illegible]
[illegible] صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تھا۔

[illegible] مرحوم
[illegible]
[illegible] صاحب [illegible] مرحوم
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تھے [illegible]
بھائی کی طرح [illegible] والے نہ تھے۔

سید علی صاحب مرحوم اپنے [illegible] کی طرح مذہباً شیعہ تھے۔ ان کی [illegible] گفتگو [illegible]
[illegible] کرتے تھے [illegible] سے دور بھاگتے تھے۔ [illegible] اخلاق کی ایک [illegible]
وقت تک جس کا اظہار [illegible] کے خیال کے مطابق [illegible] جو کچھ جاتا ہے [illegible]
ان کے درمیان جو اعلیٰ ترین اتحاد پایا جاتا ہے [illegible] مذہب ہے۔ مذہب [illegible]
کے تابع کر دیا جائے۔ ان کو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ اسلام کی [illegible] تہذیب مسلمانوں کے [illegible] ہو رہی ہے۔ جب [illegible]
کی پروفیسری سے علیحدہ ہو کر واپس آئے تو اس کے کچھ دن پہلے ہی نواب وقار الملک اور مسٹر [illegible]
کے درمیان [illegible] کے علی گڑھ کالج میں اختیارات و اقتدار کے متعلق سخت جھگڑا چل رہا تھا اور حقیقت میں اسی کے باعث
شیعہ کالج بنانے کی تجویز پیدا کرائی گئی تھی۔ جب ان سے یہ تمام اندرونی باتیں بیان کی گئیں تو انہوں نے اس تحریک کو نہایت [illegible]
کہا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ علی گڑھ کالج میں صرف ایک ہی مسجد کیسے بنی۔ جب سر سید اقامت خانے کالج
کلاسوں اور دوسرے ہالوں کا نقشہ تیار کرا رہے تھے تو بورڈنگ کے احاطہ میں دو مسجدیں بنوانا چاہتے تھے میرے بھائی نے اس
کی سخت مخالفت کی اور سید صاحب سے کہا اگر آپ ہی شیعہ سنی طلباء سے ایک مسجد میں نماز نہ پڑھا سکے تو جب یہ یہاں سے
تعلیم پاکر نکلیں گے تو آپ کے مشن کا کیا حال ہوگا۔ سر سید نے فوراً ہی دو مسجدوں کا ارادہ ترک کر دیا۔ لکھنؤ کے ایک ان کے بہت
بارسوخ دوست نے انہیں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی صدارت کے لئے لکھا کہ آپ شیعہ ہیں، عالم ہیں، صاحب مال و جاہ ہیں اس

عہدے کو قبول کرکے شیعہ قوم کی پیشانی کیجئے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ میں شیعہ سنی بحث کو علم نہیں سمجھتا ہوں۔ علاوہ ازیں اور فرقہ وارانہ سے علیحدہ رہتا ہوں۔ میں اس قسم کی کانفرنسوں کو پسند نہیں کرتا۔ مسلمانوں کے لئے ایک آل انڈیا پولیٹیکل کانفرنس درست ان کی طبیعت روکھی پھیکی نہ تھی مزاح کی طرف مائل بھی تھا۔ اجمیری خواجہ صاحب کی درگاہ میں فاتحہ پڑھنے گئے۔ وہاں سے وہ دعا دیں۔ داخل ہوتے ہی مرزا [illegible] دیکھ کر جاور سے انہیں گھیر لیا انہوں نے کہا کیوں گھیرتے ہو میں تو والی ہوں۔ مولوی [illegible] صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ وہ مولانا شبلی۔ خواجہ حسن نظامی (اڈیٹر زمیندار) وغیرہ ان کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا شبلی نے سید [illegible] صاحب کو مخاطب کرکے کہا کہ عبدالقادر جیلانی نے کوئی کتاب شیعوں کے خلاف نہیں لکھی تو شیعوں کو حضرت سے اتنی عداوت کیوں ہے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کتاب لکھنے نہ لکھنے کا سوال نہیں ہے اصل میں جب لوگ آدمی کی صفت نہیں کی جاتی تو وہ کیسے۔ انہوں نے جواب دیا اگر وہ نہ ہوتے تو سب ہمارے [illegible] کی پرستش کرتے۔ اگر اس طرح آپ کی صفت نہیں جاتی تو آپ کیا کرتے۔ ایک مولوی صاحب نے آپ سے ایک کتاب نقل کرنے کی مدت کے واسطے مانگی تو کتاب نکال کر دی دیکھ کر کہا کتاب تو نایاب ہے مگر جلد سازی کی پرانی ہے۔ مولوی صاحب نے واپس دی تو کہا کہ [illegible] ہے۔ آپ [illegible] کر رہے تھے ایک دن کچھ دوستوں کو [illegible] قوم کا حال سنانے لگے ایک صاحب نے کہا الکلیہ قائم باقی ہے۔ اس صحبت میں ایک پنڈت [illegible] مولوی صاحب بھی اتفاق سے موجود تھے مسکرا کر ان کی طرف اشارہ کر دیا۔

آخری وقت ۳۰ مئی ۱۹۱۱ء کی رات میں کھانا کھانے کے بعد [illegible] پنجہ بہادری کے مکان میں [illegible] بیٹھے رہے بیگم صاحبہ [illegible] اپنی بہن رقیہ بیگم [illegible] ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے [illegible] کے الفاظ میں:

"آسمان سے [illegible] ایک تارہ [illegible] سب کی
آنکھیں [illegible] ہو گئیں مگر ان کے پلک جھپکاتے ہی ان کی حرکت قلب بند
ہو گئی۔ جو اعزا چند منٹ پہلے اپنے فرزند [illegible] سے ہنس بول رہے تھے
وہ چیخ چیخ کر رونے لگے جو گھر ابھی عشرت کدہ بنا ہوا تھا وہ ماتم کدہ بن گیا"

منشی سجاد حسین

اڈیٹر اودھ پنچ

ممتاز حسین جونپوری

منشی سجاد حسین ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی سنہ ہے جس میں اودھ کے نواب واجد علی شاہ معزول کر دیے گئے اور ان کے ساتھ ایک سنجیدہ مذاق کیا گیا۔ انگریزوں نے [illegible] کی تصویر کے [illegible] ہو کر [illegible] کے جانے کے بعد [illegible] کی بساط بھی الٹ گئی اور بڑے بڑے امیروں اور [illegible] رہ جانے لگے۔ [illegible] بغاوت کر دی گئی [illegible] اس کے [illegible] پوری کر دی۔

یہ تھا وہ سیاسی پس منظر جس میں اودھ پنچ کے پڑھنے والے، اڈیٹر منشی سجاد حسین نے آنکھ کھولی۔ جہاں تک ادبی فضا کا تعلق ہے، اس وقت اردو زبان نئے نئے خیالات کو اپنا چکی تھی اور اس پر انگریزی اثرات نمایاں ہو چکے تھے۔ انگریزی کتابوں اور [illegible] کی اشاعت نے ادبی حلقوں پر نظر ڈالی تھی۔ منشی سجاد حسین نے اسی فضا میں پرورش پائی، وہ بڑے ہوئے تو ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ان کے مورث اعلیٰ یوں تو بارہ بنکی کے مشہور اور مردم خیز قصبہ ردولی شریف سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں ان کی نسل بھی کاکوری شریف کھینچ لائی تھی۔ یہ دونوں بہت پرانی اسلامی بستیاں ہیں اور مسلمانان ہند کے لئے یکساں باعث عقیدت و احترام۔ منشی سجاد حسین ایک اونچے اور معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد شیخ منصور علی ڈپٹی کلکٹر اور ماموں نواب رضا حسین لکھنؤ کے مشہور نامی وکیل تھے جو بعد میں ریاست حیدرآباد کی عدالت العالیہ کے چیف جسٹس ہو گئے تھے۔ منشی صاحب نے ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں اپنے ماموں کے پاس ہی پائی اور اردو فارسی پر عبور کے علاوہ عربی میں بھی شد بد حاصل کی۔ اس زمانے میں لکھنؤ بزار (؟) طبقات لیکن متوسط خاندانوں میں بڑی ٹکسالی زبان بولی جاتی تھی۔ بیگمات کی زبان اور محاورات مستند تھے چنانچہ منشی سجاد حسین کو بچپن ہی سے اچھی زبان سیکھنے اور اچھی اردو پڑھنے کا موقع ملا اور یہی وجہ تھی کہ وہ جوانی ہی میں زبان کے زبردست مشّاق تسلیم کئے جانے لگے۔ جب کی طبیعت شروع

پلہ سے بڑی چلبلی تھی۔ پڑھانے زمانے کے مروری مصنفوں کی طرح اور شوخ طبعی کے سبب ہی کہا شبہ تھے۔ یہ اکثر طلبہ سے استادوں کو سبق پڑھنے نہ دیا کرنے میں تکلیف دے دیا کرتے تھے۔

۱۸۷۰ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے بریلی کالج میں ایف اے تک پڑھ کے بینک میں نوکر ہوئے اور نینی تال میں فوجیوں کو اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن جلد ہی گوروں شاہی کی اور فوجیوں کی صحبت سے دل اچاٹ ہو گیا۔ لکھنؤ کی یاد ستانے لگی تو ایک دن نوکری پر حرف بھیج کر گھر چلے آئے۔

مضمون نویسی کا شوق بچپن ہی سے تھا اور چلتے ہوئے دیہی اور بنسنے والے بذلہ سنج بھی تھے چنانچہ دوسری نوکری کا خیال ترک کر کے ماہوار کے منشی محمود علی رضوی کے ساتھ جیسے نقاد ادیب کے اصرار پر دوسرے دوستوں کے مشورے سے لندن پنچ کی طرز پر ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے ہفت روزہ اودھ پنچ نکالا اور اسے چھاپنے کے لئے شام اودھ کے نام سے ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کیا۔ اس زمانے میں ان کا آبائی گھر لکھنؤ کے محلہ بیرونی خندق میں تھا۔ پھر گولہ گنج منتقل ہو گئے۔

یہ وہ دور تھا جب کہ سودا کی ہجو، انشا کی ظرافت اور سید انشا کے چٹکلوں کی جگہ پھکڑپن کا مذاق لکھنؤ کی محفلوں میں رچا بسا تھا لیکن ابھی اس کا رنگ بالکل مختلف نہیں ہوا تھا۔ اردو محاورات اور ہنسنے ہنسانے والے ادب کا چرچا لکھنؤ کے بچے بچے سے ابل رہا تھا اور ہوا بلاغت بگڑنے والے گلی گلی تشبیہ اور استعارے سناتے پھرتے، جگت بازوں کو چاہنے کے لئے اب بھی لکڑیوں کی تھیلیاں اور بھنڈ کی پسلیاں بالکنیوں کو تھامے ہوئے ہنسی کی پھبتیاں کسی جاتی تھیں۔ چھوٹے قدوں کے بھی مزاح و ظرافت کی دکان لگائے کسی کونے میں بیٹھے رہتے تھے۔

یہ تھا اس زمانے کا لکھنؤ جب منشی سجاد حسین نے ظرافت کا نیا معیار پیش کیا اور نثر کی ادب میں ایک نئی طرح ڈالی۔ انہوں نے مزاح کے پردے میں زبان اور محاورات کی اصلاح پر سارا زور قلم صرف کر دیا اور اس کوشش میں اخلاقی اور سیاسی مقاصد کو بھی فروغ دیا۔ اس لحاظ سے انہیں ایک ایسے سپاہی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس نے اپنے قلم سے جہاد کیا اور ملک کی آزادی اور قوم کی فلاح کے لئے مذاق ہی مذاق میں وہ کچھ کر دکھایا جو بڑے بڑے سیاسی لیڈروں سے نہ ہو سکا تھا۔

منشی سجاد حسین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسی ادبی اقلیم میں ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا جہاں پھکڑپن اور ابتذال کا سکہ رائج تھا۔ منشی سجاد حسین نے مذاق اور ظرافت میں سنجیدگی اور توازن پیدا کیا اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ ملک کے گوشے گوشے سے پوشیدہ مزاح نگار شاعروں اور ادیبوں کو ڈھونڈ کر انہیں دنیا سے روشناس کرایا۔

"اودھ پنچ" نے سماجی، سیاسی، اقتصادی، علمی اور ادبی مضامین سے دیکھتے دیکھتے معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا اور ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل سی مچ گئی۔ یہاں تک کہ اکبر الہ آبادی بھی "اودھ پنچ" کے جادو سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ اس وقت تک قصبۂ کڑا کے مشہور استاد وحید مرحوم سے سنجیدہ غزلوں پر اصلاح لیتے تھے لیکن "اودھ پنچ" ہی کے زیر اثر پرانا طرز وجہ وداد پھیکا اور دقیانوسی رنگ تغزل چھوڑ کر دنیائے ظرافت میں قدم زن ہو گئے۔

اکبر مرحوم کا پہلا منظوم خط ۱۸۷۷ء ہی کے اودھ پنچ میں شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے بڑے پرجوش طریق پر "اودھ پنچ" کا خیر مقدم کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ظرافت کا چولا پہنا۔ اکبر مرحوم اودھ پنچ کے لئے نثری مضامین بھی لکھتے تھے۔ جو کبھی ان کے اپنے نام سے اور کبھی فرضی ناموں سے شائع ہوتے تھے۔ اودھ پنچ میں شائع ہونے والا اکبر کا منظوم خط بعد میں ان کے دیوان میں بھی شامل کیا گیا اور اسے کسی شک و شبہ کے بغیر اکبر کی ظریفانہ شاعری کا سنگ بنیاد کہا جا سکتا ہے۔

منشی سجاد حسین کے [illegible] ظرافت نگاروں [illegible] ہے۔ ان میں خاص [illegible] کا [illegible]
کے علاوہ [illegible] سید اکبر حسین اکبر، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، منشی احمد علی شوق، پنڈت [illegible] منشی احمد علی کسمنڈوی [illegible]
[illegible] مچھو بیگ ستم ظریف [illegible] جوالا پرشاد برق [illegible]
[illegible] اس پرچے میں شامل تھے۔

بہت عرصہ گزرا [illegible] اودھ پنچ [illegible]
[illegible] بھی [illegible] ہے۔

اودھ پنچ [illegible] منشی سجاد حسین نے [illegible]
[illegible] اکبر [illegible]
[illegible] منشی سجاد حسین نے [illegible]
[illegible] شامل تھے [illegible]
[illegible] ہے۔

اودھ پنچ [illegible] منشی سجاد حسین [illegible]
میں شائع ہوتا [illegible] میں [illegible]

[illegible] ظرافت نگاری [illegible]
[illegible] منشی سجاد حسین [illegible] اودھ پنچ [illegible]
وغیرہ میں [illegible] کے لئے تیار کیا۔

اردو صحافت میں کارٹونوں کے ذریعے اخبار خیال اور واقعات حاضرہ پر نکتہ چینی ڈالنے کی داغ بیل منشی سجاد حسین ہی نے ڈالی وہ "اودھ پنچ" پڑھنے [illegible] "اودھ پنچ" کی تصویریں [illegible]
[illegible]

منشی سجاد حسین کا جسم دوہرا، قد میانہ، رنگ گندمی اور چہرہ گول تھا۔ چہرے پر [illegible] داڑھی بھی موجود تھی۔ ان کے یہاں اکثر بے تکلف دوستوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ منشی سجاد حسین کا مزاج حالی کی نثر سے بھی زیادہ سادہ تھا۔ عام طور پر شیروانی اور [illegible] کی ٹوپی پہنتے تھے، پاجامہ کبھی چوڑے پائنچوں کا ہوتا تھا کبھی تنگ۔ چہرے سے شگفتگی برستی تھی۔ لہجے میں نرمی اور مٹھاس تھی۔ [illegible] تھے اور اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث ہر فرقے اور طبقے میں یکساں مقبول تھے۔

ایک بار ایک اخبار کے ایڈیٹر پر مقدمہ چلا۔ یہ صفائی کے گواہ تھے۔ استغاثہ کے وکیل نے پوچھا کل کی گواہی کے بعد جب آپ اپنے وکیل سے ملے تو کیا باتیں ہوئیں؟ انہوں نے کہا جانے دیجئے یہ نہ پوچھئے۔ وکیل صاحب نے جواب دینے پر اصرار کیا تو کہنے لگے "آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ ایسا بیوقوف بنایا ہے کہ باید و شاید" ساری عدالت ہنس پڑی اور وکیل صاحب شرما کے بیٹھ گئے۔

منشی سجاد حسین بڑے نڈر، مستقل مزاج اور قانع انسان تھے۔ روپے پیسے کی ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے۔ جو کچھ لکھتے بے باکی اور دلیری سے لکھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک ریاست کی بدنظمی کے متعلق پے در پے مضامین لکھے۔ اس ریاست میں ان کے کچھ عزیز بھی اچھے عہدوں پر فائز تھے۔ چنانچہ انہیں بھی ایک اعلیٰ عہدہ پیش کر دیا گیا لیکن وہ صاف انکار کر گئے اور اپنے مسلک سے ذرا بھی انحراف گوارا نہ کیا۔

منشی سجاد حسین بڑے پکے کانگریسی اور کانگریس کے بڑے جوشیلے رکن تھے۔ ۱۸۸۸ء میں نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے تھے اور ۱۹۱۵ء تک مستقل طور پر اس کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے۔ کانگریس کے ابتدائی دور میں جو لوگ اس میں پیش پیش تھے ان میں منشی سجاد حسین کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس کے علاوہ اودھ پنچ کے ذریعے بھی وہ کانگریس کی حمایت کرتے رہے۔ مراد آباد کے بڑے مخلص حامی تھے۔ منشی سجاد حسین اور اودھ پنچ نے ایسے نازک وقت میں کانگریس کی مدد کی اور اس کے مقاصد کی اشاعت میں ہر طرح کا حصہ لیا جبکہ بہت سے لوگ اپنی جگہ پر خاموش تھے۔ ورنہ کانگریس کا خواب پورا ہونا مشکل تھا۔ ان کی خدمات میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے کا ہر شخص قومی تاریخ سے واقف ہے کہ لکھنؤ میں کانگریس کی مخالفت میں ایک باقاعدہ انجمن "ینگ کانگریس" کے نام سے کام کر رہی تھی جس نے اس کے ساتھیوں نے ہم کر مخالفت جاری رکھا۔

۱۸۹۹ء میں لکھنؤ میں کانگریس کا جلسہ ہونے والا تھا۔ اس کے مقابلے میں ینگ کانگریس والوں نے بھی ایک جلسے کا اعلان کر دیا اور ایک اشتہار شائع کیا جس میں لوگوں سے شرکت کی اپیل کی گئی تھی۔ اس اشتہار میں یہ بھی ہے کہ مستقبل کا ذکر کیا تھا اس پر منشی سجاد حسین اور دوسرے اودھ پنچ والوں نے مزاح کے ساتھ ایک بہت بڑا مضمون لکھ کر ہمارے مخالفوں کو منہ کی کھانی پڑ گئی۔

ینگ کانگریس والوں نے لکھا تھا "اس جلسے میں گورنمنٹ کے خیر خواہ اپنے اعزا و اقربا، احباب اور متعلقین کے ساتھ شرکت فرمائیں۔"

جواب میں منشی سجاد حسین کے مضمون کی چند سطریں ملاحظہ ہوں ———

"اس بیان سے کہ ینگ کانگریس نے متعلقین کو جو تحمت دی گئی ہے اس کا مقصد یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ینگ صاحبوں سے کچھ بعید نہیں کہ جلسہ کی طرح متعلقین جلسے میں موجود ہوں۔

"شاید یہ جانتے ہوں گے کہ متعلقین میں گھر بھی، خاتون بی بی اور بیگم وغیرہ صاحب بیٹی بہو بیٹی اور صغیر طفل منہ پانچ برس تک کی اولاد وغیرہ یا لکھتے ہیں جس طرح شیر و ششدر گھوڑ دوڑ کے جلسوں میں اکثر اتفاق ہوتا ہے یہاں بھی یہ دیکھیں گے اور جب سارا گھر شریک ہوگا تو ضرورت کا سامان بھی ہمراہ ہوگا جو بسبب پیش خدمتیں، شیر خوار بچہ (جس کے ابھی ٹیکہ لگا ہوگا)، پھر اس کا گہوارہ، پان، حسینی، تو پھر چوکی بکری کا بچہ، چند خرگوش، بھینس بھی ہے اور شاید چیز (خاص اس مصلحت سے آئے گا کہ بولنے والے کی بولیاں یاد کرے) باورچی خانہ کا دیگ، آتا کے صاحبزادے، نطفہ نا تحقیق کا بچہ، لینڈی کتے کا پلا۔ چھوٹی صاحبزادی کی گڑیوں کا بچہ، کبوتروں کی کابک، مرغی کا ٹاپہ، تیتروں کے قفسے، بیگم صاحبہ کا پاندان، طشت، تسلہ، ڈسک، گیرے، پنکھے وغیرہ تمام یہ بھی ہونا چاہئیں۔"

اس مضمون سے نہ صرف منشی سجاد حسین کے نئے قلم، ظرافت نگاری کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس زمانے کے لکھنؤ کی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اودھ پنچ میں جب بھی اس طرح کا مضمون شائع ہوا تو بڑا ہنگامہ ہو گیا۔ منشی سجاد حسین کی اتنی دھاک بندھی تھی کہ ہر شخص ان سے ڈرتا تھا لیکن آخر عمر میں ایسا بانکا و بیمار آدمی بھی فالج سے لاچار ہو کر سورج مکھی کا پھول بنا رہ گیا۔ اور بالآخر دنیا سے بیزار ہو کر ایسا گیا کہ پھر لوٹ کر نہ آیا۔

آخری عمر میں انہوں نے کانگریس کے اجلاس کے لئے صدر استقبالیہ کی حیثیت سے ایک خطبہ لکھا جو ان کی بیماری کے سبب چکبست سے پڑھوایا گیا۔ مرنے سے پہلے یہ اعزاز بھی شاید انہیں آخرت کے خوف سے ملا کیا گیا۔ ورنہ زمانے نے ان کی ناقدری ہی کی۔

اگر وہ انگریزوں کی چاپلوسی کرتے تو کم از کم خان بہادری کا سو کھا سو کھا خطاب تو لے ہی مرتے۔ مگر ان کے کردار کی عظمت اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر اگرچہ عہدہ اور خطاب دکھاتے رہے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ انہیں قانون کی گرفت سے بچ کر رکھنے کا بھی بڑا سلیقہ تھا یہی وجہ تھی کہ وہ انگریز اور حکومت پر بڑی سے بڑی چوٹ کرنے کے باوجود کبھی قانون کی گرفت میں نہ آسکے۔ البتہ قدرت کے قانون کی گرفت سے وہ نہ بچ سکے اور قضا کا فرشتہ انہیں سب سے بڑی عدالت میں پیش کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

[illegible]

[illegible] ... نہایت محدود تھا، میرے مدرسے کے ... [illegible] ... دیکھتے ہی دیکھتے [illegible]

مرزا صاحب ... [illegible] ... آشفتہ مرحوم کے ذریعے سے ... [illegible] ... انگریزی پڑھتا تھا۔ آشفتہ مرحوم مجھ سے دو تین برس بڑے تھے ... [illegible] ... خود بھی لکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کوئی باقاعدہ استاد تو اس وقت ان کا تھا نہیں، مجھ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ مگر عزیز صاحب سے انہیں خاص عقیدت تھی۔

میں نے لکھنؤ چھوڑا اور اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کب آشفتہ صاحب نے عزیز صاحب کا تلمذ اختیار کیا۔ بہرحال انہوں نے اپنے استاد کے فیض سے خوب استفادہ کیا، حتیٰ کہ چند ہی برسوں میں شعرا میں شمار ہونے لگے اور خاصی شہرت حاصل کی۔

بہتیرے شعر عزیز صاحب کے میں نے ان سے سنے اور اس زمانے میں سنے جب عزیز صاحب ... [illegible] ... نہیں ایک قصیدے کے دو مطلع جو آشفتہ مرحوم نے سنائے تھے اب بھی یاد ہیں:

(۱) فراقِ یار میں ہمت کر لبوں پر اب تو جاں آئی — کہاں تک ... دل ... شکیبائی

(۲) میاں ... گزرے ہے دم پڑا ہے تیرا شیدائی — ... جانے والے آج اعجازِ مسیحائی

یونہی میری طالب علمی کے دو سال لکھنؤ میں گزر گئے لیکن میں اور جناب عزیز ایک دوسرے سے روشناس بھی نہ ہو سکے۔ یہ غائبانہ تعارف نومبر سنہ ۱۹۲۶ء ... [illegible] ... اس عرصے میں ہم بھی شاعر کی حیثیت سے جانے جا چکا تھا ... ان کا ایک مجموعہ ... [illegible] ... کے نام سے شائع ہو گیا جو انہوں نے سنہ ۱۹۱۹ء کے لگ بھگ مجھے بھوپال میں بھیجا۔ میں اس زمانے میں نوکری کے سلسلے سے بھوپال ہی میں مقیم تھا۔

اگر کسی اختلافی مسئلے کے وقت کچھ اور نہیں، صرف یہی ایک بات ضروری [illegible] کہ عزیز نے سب سے پہلے [illegible] کی دعوت [illegible] تصنیف مجھے مرحمت فرمائی، [illegible] ذاتی شناخت کا [illegible] کی بات بھی [illegible] کے دامن [illegible] ثابت ہو جاتی ہے — ہر چند اس ذیل میں اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ بڑی مدت تک میں ان سے [illegible] رہا [illegible] کے حالات [illegible] زندگی اور زمانہ [illegible] تاریخ کا استبداد [illegible] کی تفصیل سے قاصر ہوں [illegible] کے مشہور شعراء [illegible] چاہئے تھا مجھ پر [illegible] ملیح آبادی، [illegible] لکھنوی [illegible] جگر بریلوی [illegible] ادب شامل ہیں — [illegible] کی محبت، حسن خلق، انسانیت [illegible] مجھے [illegible] وہ کبھی فراموش نہ ہو سکے۔

غرض نومبر ۱۹۲۱ء آیا [illegible] لکھنؤ کے [illegible] مقیم ہیں جہاں [illegible] ہے۔ اور عزیز صاحب مرحوم سے [illegible] آگرے سے [illegible] تھا۔ ایک روز مجھے بھی جوش صاحب [illegible] لے گئے [illegible] عزیز صاحب [illegible] اور جوش صاحب نے میرا تعارف ان سے کرایا [illegible] مرحوم نے مجھے اور میں نے مرحوم کو [illegible] اپنے تپاک سے [illegible] ہے اور مجھے بھی دلی مسرت حاصل ہوئی۔ شعر و سخن [illegible] شعر خوانی [illegible] میں نے پڑھا پھر [illegible] ارشاد فرمایا [illegible] مختصر سی پُر لطف صحبت برہم ہوئی [illegible] اپنی قیام گاہ پر آیا۔

دوسرے دن [illegible] مکان پر [illegible] صاحب نے مجھے اور جوش اور جناب عزیز کو مدعو کیا، وہیں دن کا کھانا ہوا اور دیر تک شعر خوانی ہوتی رہی [illegible] مزے مزے [illegible] صحبت [illegible] رہی۔

میری رخصت ختم ہوئی۔ تیسرے دن میں آگرے [illegible] کے بعد [illegible] لکھنؤ کو اس قدر جلد چھوڑنا شاق گزر گیا، بہت شاق۔

اس کے بعد لکھنؤ کے بعض مشاعروں اور کبھی کبھی دوسرے مقامات [illegible] میں ملاقاتیں ہوئیں اور ہمیشہ، ہر دفعہ ان کی خوش کرداری کی عظمت دل میں بڑھتی گئی [illegible] محبت، مروت، محاسن اخلاق اور نیک نفسی کا سکہ زیادہ نمایاں ہو کر بیٹھتا گیا۔ تا آنکہ ۱۹۳۳ء میں میری طلبی ریاست محمود آباد سے ہوئی اور میں چند روز کے لئے وہاں چلا گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب جناب عزیز [illegible] صاحب محمود آباد کو ادبیات اردو و فارسی کی تعلیم دینے پر مامور تھے۔ اس عہد پر کبھی کبھی مجھے بھی ان سے ملنے کی مسرت حاصل ہوتی رہتی تھی۔

درمیان میں میں پھر آگرے چلا گیا اور ۱۹۳۵ء میں ریاست جہانگیر آباد [illegible] کے لئے پھر بلا لیا گیا۔ جہانگیر آباد جانے سے پہلے چند روز محمود آباد میں قیام رہا مگر عزیز صاحب مغفور وہاں سے جا چکے تھے۔ اور اپنے وطن میں علیل ہو رہے تھے۔

صاحب فراش نہ تھے مگر نقاہت بڑھ گئی تھی۔ اسی حال میں ایک روز ان سے ملے اور یہ میری ان کی آخری ملاقات تھی جس کے چند ہفتے کے بعد ۲۹ جنوری ۱۹۳۵ء کو یہ چراغ جس سے محفل شعر و ادب منور تھی ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم کے پسماندگان میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، لیکن ان میں باپ کا وارث شاعری سب سے چھوٹے فرزند مرزا احمد جعفر حیات لکھنوی

له عزیز صاحب مرحوم کو غالباً ۱۹۲۷ء میں مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں صاحب بہادر کے۔سی۔ایس۔آئی والی محمود آباد نے اس خدمت کے لئے منتخب فرمایا تھا، اس وقت سے آخر عمر تک یہی شغل رہا۔

[illegible]

[illegible]

عادات و اخلاق [illegible]

شاگردوں کے ساتھ خصوصی برتاؤ اور شفقت [illegible] جوش ملیح آبادی [illegible] صاحب حق لکھنوی [illegible] حضرت عزیز کے شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں [illegible] عزیز صاحب کے ممتاز شاگردوں کی صف میں آتے ہیں [illegible] کلام مدارس کی بعض نصاب کی کتابوں میں بھی داخل ہے [illegible]

بھی قائم ہے ملاقات ہے ان سے بارہا عزیز صاحب مغفور کا ذکر آیا۔ سب اسی محبت سے یاد کرتے ہیں جیسے کوئی اپنے شفیق باپ یا [illegible] کو یاد کرے۔ جوش صاحب قوم کے پٹھان ہیں اور ایسی باتوں میں یوں بھی کوئی مادی نفع یا منفعت نہیں۔ میں نے انہیں کبھی رنج و غصہ کے ساتھ استاد کو یاد کرتے نہیں دیکھا۔ باقی سب کو تو ان کی شفقت اور شاعرانہ کمالات کا ذکر کرتے ہوئے [illegible] دیکھا ہے

سعادت صاحب کا انتقال حضرت عزیز مرحوم کی حیات ہی میں ہو گیا۔ لیکن مسلم یونیورسٹی کے ایک مشاعرے میں ان کو میں نے کمال احترام و عقیدت اور خلوص و محبت سے عزیز صاحب کا ذکر کرتے ہوئے، ان کی استادی پر بیانات کرتے ہوئے اور ان کی اصلاحوں کی مدح سرائی کرتے ہوئے سنا ہے۔ معلوم نہیں عزیز صاحب کا ان کے سامنے انتقال ہوتا تو اس صدمے کو وہ کیونکر برداشت کر سکتے۔

خاندان عزیز صاحب لکھنؤ کے ایک عالی نسب مغل خاندان سے تھے، ان کے والد میرزا محمد علی صاحب کا شمار اس زمانے کے اکابر علماء

یہ قاضی صاحب تصانیف تھے۔ ایک کتاب بزم اسلاف ان کی بڑی مشہور تصنیف ہے۔ مشاعروں میں آرزو صاحب لکھنوی قاضی صاحب کے
تو غالب [illegible] کے جناب عزیز کے، جیسے جلال مرزا اور اصغر لکھنوی کے متعلق اور مشہور شعراء ہیں جو اس زمانے کے ساتھ شامل
تھے۔ میں نے بھی ان حضرات کی زیارت کی ہے۔ [illegible]

علم وفضل اور شاعری

شاعری کا [illegible] کہ [illegible] ہندوستان اور پاکستان کے گوشے گوشے میں شہرت تام حاصل ہے
اور مقالے [illegible] کے درجات حاصل ہیں البتہ علم وفضل کے [illegible] ہوں گے۔ [illegible] صاحب [illegible]
کے مستند عالم اور عربی کے متبحر [illegible] تھے۔ [illegible] تصنیف [illegible] کے لحاظ سے [illegible]
وہ فضیلت علمی کے ساتھ [illegible] علماء و فضلاء اور شعراء [illegible]
میں ممتاز رکھا۔

اس مضمون میں ان کی [illegible] خصوصیات کا ذکر کرنے کی جسارت [illegible] سے تجاوز کے مترادف [illegible]
[illegible] اس لیے حضرت [illegible] عزیز کا [illegible] صرف [illegible] جناب [illegible]
شاعری کے [illegible] حسن [illegible] تھے [illegible]
بھی [illegible] سے [illegible] نسبت سے [illegible] میں [illegible]
[illegible] کوشش [illegible] صاحب
نظر [illegible] ہو جائے گا۔

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

خواجہ شمس الدین

مانا کہ اب لکھنؤ کی سرزمین بھی پہلے جیسے باکمال اور زندہ دل لوگ پیدا کرنے [illegible] انقلاب زمانہ نے [illegible] بدل دی ہو۔ لیکن یہ شہر اپنے رنگ میں بے مثال تھا جس نے جو [illegible] اور جو طرز [illegible] حسن خلق، خوش [illegible] وضعداری آپس کے خلوص کی گھٹی میں پڑی تھی۔ شگفتہ طبع، مروت، رواداری [illegible] سات پیڑھیوں یا [illegible] لکھنؤ کہیے یہاں کے رنگ [illegible] شائستگی [illegible] کے شعور نے یہاں کے خصوصیات کا [illegible] بدل دیئے ہیں اور کیا عجب ہے [illegible] دور کے بعد لکھنؤ [illegible] چلا آتا ہے وہ ختم ہو جائے۔ لکھنوی خصوصیات کے حامل بزرگ جہاں نظر آتے تھے [illegible] دیکھتے دیکھتے [illegible] سے اٹھ گئے اور جو چند باقی ہیں اٹھتے جاتے ہیں لیکن یہ بے انصافی ہوگی اگر ہم ان مشاہیر [illegible] ان کا تذکرہ [illegible] لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت تھی اور جن کی جیسی ہستیوں پر لکھنؤ بجا طور سے فخر کر سکتا تھا ایسے ہی حضرات میں ایک نمایاں اور قابل قدر شخصیت مرحوم خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت کی بھی تھی۔ جن کے ادبی خدمات اور علمی و لسانی کمالات پر اس وقت مکمل روشنی ڈالنا نہیں چاہتا کہ یہ ایک مستقل کام ہے جس کے واسطے کافی وقت اور فرصت درکار ہے بلکہ میں ان کے ذاتی اور شخصی حالات اور ان کے اخلاق و عادات پر مختصر کچھ لکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا تھے اور کن صفات کے انسان تھے۔ اردو نثر و نظم کی انہوں نے جو گراں قدر اور عظیم الشان خدمتیں کی ہیں وہ ارباب ادب اور اہل زبان سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اردو کا وہ کون سا رسالہ یا اخبار تھا جس میں ان کے مضامین کثرت کے ساتھ شائع نہیں ہوئے اس کے علاوہ ان کے تصانیف کا ایک ذخیرہ [illegible] ہیں کہ مرحوم وہ کام کر گئے جو دوسرے نہ کر سکے۔ ان کی سیرت کے متعلق مجھے قلم اٹھانے میں [illegible] نہیں ہوتی وہ میرے پھوپھا تھے اور میری حقیقی پھوپھی ہیں (اللہ ان کا سایہ عاطفت دیر تک قائم رکھے) ان کے منسوب تھیں۔ والد مرحوم خواجہ قطب الدین [illegible] پالیسی لکھنؤ کے شاگرد بھی تھے اور ان کو مثل باپ کے سمجھتے تھے اسی سنہ جب سے آنکھیں کھولیں [illegible] ہوش سنبھالا ان کو دیکھتے رہتے۔

معلوم تھا کہ انسان ہی تھے اور بہ کثرت ملاقاتیں مرحوم صفا نے ڈالی ہیں کہ ان کی مطبوعہ کتابوں کی بڑی دکان کھلی تھی جس کے تمام تعلقات اور کام بھی وہ
دوسروں کے پیچھے بھائی خواجہ غلام محمد مرحوم کے زیر نگرانی کرتے تھے۔ دکان بڑی شاندار وسط چوک میں واقع تھی جہاں نیچے کی سمت چوک کے بیچ میں
تھوا بڑے رتبے کی عمارت تھی جس میں شام کو شہر کے اہل علم و ادب جمع ہوا کرتے تھے۔ خاص وجہ تھی، جہاں شام ہی سے کافی مجمع تمام چوک اور بازار
چوک سے ملتی تھی۔ تیسرے پہر سے دکانیں کھل جاتیں۔ چوک کی گرم بازاری کا وقت تھا۔ تیسرے پہر سے یہ پہنچنے کے بعد بھی انگریزی صدر سے
گولی صدر تک پانی کا چھڑکاؤ ہوتا تھا کہ زمین ٹھنڈی رہے اور گرد و غبار بیٹھ جائے۔ پھر سب سے شہر کے اشراف و رؤسا اور لکھنؤ کے
زندہ دل نوجوان سیر و تفریح کے لئے کافی تعداد میں ملاقات احباب یا خریداری کے لئے یہاں آتے تھے۔ مختلف دکانیں ان کی نشست گاہیں تھیں
مگر اس شہر کے اہل علم و ادب اور بعض حضرات کی سب سے بڑی نشست گاہ خواجہ صاحب کی دکان تھی۔ وقت گزرنے کا اندازہ رات گئے تک
سے دکان داری ترتیب ہو جاتی تھی۔ اور یہ محفل رات گئے تک جاری رہا کرتی تھی۔ مولانا شرر، مرزا تسلیم، آغا حشر کاشمیری، رشید
لکھنوی صاحب عروج، عارف، حسرت موہانی، نوبت رائے نظر، مرزا محمد عسکری، شاد، عزیز، اکبر الہ آبادی اور مولانا ابر صاحب ان لوگوں میں تھے جو شریک ہوا کرتے تھے
خواجہ صاحب مرحوم کہتے تھے کہ مولانا محمد حسین آزاد مصنف آب حیات بھی جب لکھنؤ آتے تھے تو کبھی کبھی تشریف لاتے تھے جن میں سے نہیں دیکھا
وہ نشست تھی تو تقریباً مولانا شبلی مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق بھی کہتے تھے کہ وہ بھی دوکان و حضرات کی نشست گاہ رہ چکی ہے یہاں
بیٹھ کر شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا۔ الفاظ و محاورات کی تحقیق ہوتی تھی اور زبان کے مشکل مسائل حل ہوتے تھے۔ عموماً یہ مجلس آدھی رات تک
تھی مگر محرم میں جب کہ چوک کی رونق ہے چاند چڑھتی، ماتم، جلوسوں کی کثرت، مرثیہ خوانی اور تعزیوں کے جلوس سے نکلنے سے بہت بڑھ جاتی تھی، خواجہ صاحب
کو ۱۰ ۔ ۱۲ بجے شب تک دکان کھلی رکھنی پڑتی تھی۔ وہ آنے والوں کی خاطر و مدارات بھی بہت کرتے تھے نیز میں میاں عزیز پان فروش کی دکان
تھی جس کی ذات کی سفید پانوں کی مشہور گلوریاں سفید ورق میں مشہور تھیں وہ خود تو پان بہت ہی کم کھاتے تھے مگر دوسروں کو ترغیب دیتے تھے کہ یہ گلوریاں
لے کر بہت کھاتے تھے میں ان کا چہیتا تھا اور وہ بیٹھک تھے مگر جب میں ان کی دکان پر جاتا اسی وقت منہ میں سے پان دے کر بیٹھ جاتے
تھے۔ خواجہ صاحب خوش دل تھے اور مجھ کو بہت چاہتے تھے میرا بچپن کا زمانہ تھا اکثر ضد کر بیٹھتا تھا اور جس بات کی ضد کر بیٹھتا تھا اس کو پورا
کر دیا کرتے تھے۔ ان کی والدہ مرحومہ جو شاہی زمانہ کی تھیں مجھ سے بے حد محبت کرتی تھیں جب کہ چھٹی میں اکثر بھی ان کے پاس جا کر رہتا تھا تو بہار
میری خاطر داری اور ناز برداری میں لگی رہتی تھیں۔ ماتوں کو شاہی دستوں کے قصے سنایا کرتی تھیں اور میں بہت شوق سے سنا کرتا تھا۔ میری
مرغوب چیزیں خود اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلاتی تھیں۔ خواجہ صاحب اور ان کے بھائی خواجہ غلام محمد بھی ماں کے بیحد مطیع اور فرماں بردار تھے اور
اس وصف میں میں نے آج تک کسی شخص کو ان کے برابر نہیں پایا ہر کام ماں سے پوچھ کر اور ان کے اشارہ پر کرتے تھے ان کی جدائی کے خیال
سے شہر کے باہر کہیں نہیں جاتے تھے۔ خواجہ صاحب مرحوم کو لکھنؤ سے باہر سفر کرنے کا بہت کم اتفاق ہوا۔ لکھنؤ کے لوگ یوں بھی سفر کرتے
بہت گھبراتے ہیں اور وہ تو پورے لکھنوی اور شرفائے لکھنؤ کے صفات کے زبردست حامل تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے پٹنہ میں ان پر کوئی جھوٹا دعویٰ
کر دیا اور ان کے نام سمن جاری کرا دیا جس کی جواب دہی کے لئے ان کو پٹنہ جانا پڑا۔ کیا بتاؤں کہ پٹنہ تک جانا ان کو کیسا کھلا ہے اور اس کے
لئے کتنے سامان کئے ہیں کہ شاید حج کے سفر کے لئے بھی کوئی اتنے سامان نہ کرتا۔ وہاں پہنچے تو پٹنہ کے قدر شناس لوگوں نے ان کی حد سے زیادہ
آؤ بھگت کی۔ آنریبل خواجہ محمد نور صاحب نے اپنا مہمان بنایا اور وہاں کے اکابر و امراء نے ان کی بہت عزت اور تکریم کی بڑے بڑے بیرسٹروں
اور وکیلوں نے ان کے مقدمہ کی مفت پیروی کی، ان کے اعزاز میں مشاعرے ہوئے اور دعوتیں ہوئیں۔ آخر مقدمہ میں کامیاب ہو کر گھر واپس آئے۔
اہل عظیم آباد کی اس قدر دانی اور ہمدردی کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے۔ لکھنؤ کے لوگوں کا جذبۂ حب وطن تو واقعی قابل تعریف ہے اور خدا معلوم
یہاں کی زمین میں کیسی مقناطیسی کشش ہے کہ یہاں کے قدیم باشندوں کا تو کیا ذکر باہر کے لوگ آ جاتے ہیں تو لکھنؤ سے جانے کو ان کا دل نہیں چاہتا

ذہن سے [illegible] شاعری بہت اچھی تھی۔ خواجہ صاحب بڑے کہنہ مشق [illegible] تھے۔ [illegible] [illegible] کہ سب معلومات رکھتے تھے جو [illegible] بہت کم [illegible] آخر وقت میں [illegible] [illegible] کے زمانے میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ [illegible] [illegible] سب سے [illegible] صاف گوئی [illegible] ان کے ساتھ [illegible] جو [illegible] اور وضع [illegible] اور [illegible] بہت [illegible] وضع قطع، لباس، [illegible] تبدیلی [illegible] اختیار کر لیتا تھا کسی کا ایسا [illegible] نہ تھا۔ [illegible] بہت [illegible] کرتے تھے۔ یہ نہایت تیز چلتے تھے اور پیدل چلنے سے کبھی تھکتے نہ تھے۔ [illegible] ترکی ٹوپی [illegible] سارے شہر کے [illegible] دیکھتے اور [illegible] کے خصوصیت اور تاریخ لکھنؤ سے واقف تھا۔ ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ [illegible] لکھنؤ کے تمدن، معاشرت اور تاریخ کے متعلق انہوں نے بے شمار مضامین لکھ ڈالے۔ ان کی [illegible] پر یہاں کے [illegible] رنگ [illegible] تھے۔ [illegible] پوچھتے اور یادداشت کے طور پر لکھ لیتے تھے پھر انہی یادداشتوں سے مضامین مرتب کرتے تھے۔ [illegible] کے اکثر چشم دید حالات بیان کیا کرتی تھیں۔ خواجہ صاحب لکھنؤ کے یہاں کی زبان کے، یہاں کی بول چال کے، یہاں کی وضع قطع کے، یہاں کے معاشرت اور تمدن کے اور یہاں کے باشندوں اور یہاں کی [illegible] سے بیحد شوق تھا۔ [illegible] حالات [illegible] افسوس یہ ہے کہ انہوں نے یہاں کے متعلق مختلف عنوانوں پر مضامین تو بے شمار لکھے جو تمام ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے مگر کوئی مستقل کتاب ترتیب نہ دی۔ اب ان مضامین کا کہیں پتہ نہیں۔ کتاب ہوتی تو [illegible] لوگ ان کے مضامین کے بیحد گرویدہ تھے اور رسائل و اخبارات کے ایڈیٹر [illegible] ملک بھر کے رسائل و اخبارات ان کے پاس ہمیشہ مفت آیا کرتے تھے کہ پڑھنے کا بھی ان کو موقع نہ تھا۔ اکثر ان میں سے بند کے بند [illegible] خواجہ صاحب مرحوم نے یوں تو ہر موضوع پر مضامین لکھے ہیں لیکن اودھ اور لکھنؤ پر انہوں نے جو مضامین تحریر کئے وہ بیحد مقبول ہوئے اور ان کو خود بھی اس موضوع پر زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ بڑے شوق و ذوق سے اس پر قلم اٹھاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ان کا ایک مضمون [illegible] بیگم [illegible] نصیر الدین حیدر [illegible] شائع ہوا اور غالباً زمانہ کانپور میں نکلا تھا تو تمام ملک میں اس کی دھوم مچ گئی اور بہت سے اخبارات و رسائل نے اس کو نقل کیا۔ اسی طرح غازی الدین حیدر بادشاہ کے جلوس [illegible] کا مضمون تھا۔ ایک مضمون بادشاہ نصیر الدین حیدر [illegible] جن کے عہد میں لکھنؤ کا [illegible] تھا۔ ان کی [illegible] کی سب سے بڑی نشست گاہ تھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو عہد شاہی کا تماشا تیس تیس چالیس چالیس برس کی عمر تک دیکھے ہوئے تھے۔ خود ان کی والدہ عہد شاہی کی تھیں۔ ان لوگوں سے تمام حالات پوچھ پوچھ کر قلم بند کرتے جاتے۔ اسی لئے ان کی معلومات بیحد وسیع تھے اور جب کسی عنوان پر قلم اٹھاتے تو اس کا حق پورا کر دیتے۔ مولانا شرر مرحوم نے بھی لکھنؤ کے تمدن پر بہت لکھا ہے مگر خواجہ صاحب کے معلومات اور مضامین ان سے بہت زیادہ تھے۔ شرر مرحوم کو لکھنؤ سے باہر رہنے کا بیشتر اتفاق رہا ہے اور جہاں تک ہمارا خیال ہے وہ مضافات لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ خواجہ صاحب چند روز کے سوا کبھی لکھنؤ سے باہر نہ نکلے اور ان کی ولادت لکھنؤ کے مشہور محلہ [illegible] میں ہوئی۔ خانگی تفکرات سے ہمیشہ آزاد رہے۔ اولاد کا جھگڑا نہ تھا۔ گھر کا سارا کام والدہ کے ذمہ تھا جو بڑی منتظم اور محنتی تھیں۔ انگریزی افسروں کو اردو پڑھانے کے چند ٹیوشن بیش قرار تنخواہوں پر جب مل گئے تھے۔

[illegible]

[illegible] تک کر دی تھی۔ وہ چلنے پھرنے سے بھی [illegible] [illegible] کے
[illegible] تصنیف و تالیف [illegible] کے شوق [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اٹھتے رہے، وہ بیماری کی تکلیف [illegible] آخر وقت تک وہ پڑھتے چلے گئے [illegible]
منتقل ہو چکا تھا [illegible]
[illegible]
[illegible] اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کا جسد
[illegible] آبائی قبرستان کے ایک گوشے میں ہمیشہ [illegible] قیامت
تک کے لیے محو خواب ہو گیا۔

اے میرے عزیز دوست! تیرے ایسے چاہنے والے، وہ تمام ملک میں تیری نیک نامی کو اس طرح پھیلانے والے اب کہاں پیدا ہوں گے
کیا لوگ تھے اور کیا صورتیں تھیں کہ دیکھتے دیکھتے غائب ہو گئیں ؎

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

(میرؔ)

مولانا صفی لکھنوی

ممتاز حسن جونپوری

مولانا سید علی نقی صفی ۲ جنوری [illegible] کو لکھنؤ کی شعر و ادب نواز سرزمین میں پیدا ہوئے۔ اس وقت وہاں [illegible] شاہان اودھ کے درباروں میں پرورش پاتے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور وہ [illegible] اور علمی [illegible] کی [illegible] بھی معمول تھی۔

مولانا صفی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے لکھنؤ کی شاعری میں، سماج اور ادب میں [illegible] پیدا کرنے کا وہ کام انجام دیا جو [illegible] میں اور پنجاب میں حالی اور آزاد نے انجام دیا۔ وہاں ان حضرات کو [illegible] جیسے ادب پرور حکام اور سرکار کی امداد میسر تھی۔ لیکن ان کی کوششوں کا اثر لکھنؤ پر نہیں پڑ سکا تھا۔ اس ضمن میں مولانا صفی نے جو کوششیں کیں ان میں وہ بہت بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ ان کے ثبوت میں ہم بعض دستاویزی شہادتوں کے علاوہ ان [illegible] پیش کریں گے۔

[illegible] جنھوں نے انیسویں صدی عیسوی میں دبستان لکھنؤ کی آخری بہار دیکھی اور جو آج بھی [illegible] کے ستارے [illegible] سمجھے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا صفی کے کارناموں سے اردو ادب کی تاریخ خالی ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کسی نے خود اپنے ساتھ دلچسپی کی ہے۔

مولانا صفی ایک خاموش اور عافیت پسند شاعر تھے۔ آپ ایک گمنام حاتم کی طرح اردو ادب کو بہت کچھ دے گئے لیکن بہت کم لوگ آپ سے واقف ہیں [illegible] مختلف اصناف میں آپ نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار کہے ہوں گے لیکن یہ سب [illegible] کی طرح [illegible] کے بعد آپ نے عمر خیام کی بارہ سو رباعیوں کی صحت کر کے ان کا منظوم ترجمہ کیا اور [illegible] آپ کی زندگی کا بڑا حصہ ایسی [illegible] لکھنؤ کے مشاعرے کے لئے غزل کہتے [illegible] اپنے نام سے [illegible]

عزیز لکھنوی

صفی نے شاعری کو بہت سے نئے پہلو دیے اور ان کے کلام میں تازگی کی ایک لہر دوڑا دی۔ آپ کے ایک ہم عصر شاعر مرحوم نے اس کا اعتراف اپنے ایک شعر میں یوں کیا ہے کہ

اس کاشت گہ پر جس کا خمیر ہستہ رکا

مولانا صفی نے سادہ اور علاوہ مراح کے پیش نہیں کیا۔ مشق سخن سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ ... کی خدمت کی اور چونکہ ... آپ کا دیوان آپ کی وفات کے بہت دنوں بعد چھپا اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ... ان کی حقیقی شخصیت ... کے سامنے لاتا۔ بات کہنی ہی افسوسناک ہے ... حقیقت ہے ... لکھنؤ میں بھی اصلاح زبان کے سلسلے میں مولانا صفی کے شاگردوں اور پھر ان شاگردوں کے شاگردوں کا ذکر ... صفی کا کہیں ذکر نہیں۔ ... مرزا ... کا ذکر بھی ہے۔ ... تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

لکھنؤ کی ... رشک اور اصلاحات کی داستان بہت طویل ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ناسخ نے الفاظ کی تراش خراش ... میں خدمت پیدا کرنے کے سلسلے میں جو کام کیا ہے اور ان کے ذی علم تلامذہ نے بھی ترتیب لغت میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لکھنؤ کے ... رشک کی ... کے لئے مولانا صفی نے بھی ناسخ اور ان کے تلامذہ سے کچھ کم خدمات انجام نہیں دی ہیں۔ ذیل میں ان ... کا شجرہ پیش کیا جاتا ہے۔

ناسخ (مصلح ... تدوین لغت)

- رشک (مرتب لغت اردو)
  - جلال لکھنوی (مصنف رسالہ تذکیر و تانیث و رسالہ عروض)
    - آرزو لکھنوی (مصنف نظام اردو)
- مہر
- خواجہ وزیر
- منیر شکوہ آبادی (مرتب ... وغیرہ)
  - شہید جونپوری (محقق)

صفی (مصلح مروجہ تخیل قدیم)

- مولانا عزیز
  - اثر لکھنوی
  - جوش ملیح آبادی
  - سعال
- ظریف لکھنوی (مبلغ و نشر زبان معترضہ رنگ)
- صفیر مرحوم (ایڈیٹر ...)
- حامد (بیرسٹر) (آپ انگریزی شاعری میں حامد اللہ افسر کے شاگرد تھے)

[illegible]

[illegible] صفی کی شخصیت [illegible] ایک [illegible] ہے اور [illegible] کی شخصیت میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کے علاوہ ادب کے تمام معیاری [illegible] مولانا صفی کی عظیم ترین شخصیت کے قائل ہیں۔

صفی کی شخصیت میں شاعری کے وسیلے سے ان کی دماغی صلاحیتوں کے راستے ملک و قوم کی اصلاح و ترقی کے ادبی گوشے ہیں۔ آپ نے لوگوں کے ذہنوں میں [illegible] جذبہ پیدا کیا۔ اپنی نظموں کے ذریعے کئی سماجی منصوبوں کی داغ بیل ڈالی۔ کالج اور اسکول کھلوائے، یتیم خانے قائم کرایا اور صنعتی ترقی کے لئے لوگوں کو عملی اقدام کی طرف مائل کیا اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے جو قومی نظمیں لکھی ہیں۔ عصری زبان کی تمام پابندیوں اور خوبیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ان کی شعری قدر و قیمت کے پیش نظر ہندوستان کے کسی بھی شاعر نے ان سے بہتر نظمیں نہیں لکھی ہیں۔ آپ کی نظموں کے مجموعے "لخت جگر" اور "صحیفۂ اقوام" ہمارے اس دعویٰ کا روشن ثبوت پیش کرتے ہیں۔

مولانا صفی نے ملک کے مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے لیڈروں اور رہنماؤں کی منظوم سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں اور ایک لحاظ سے اردو میں یہ کام سب سے پہلے آپ ہی نے شروع کیا۔ اس کے علاوہ مولانا نے قومی نظموں میں کارآمد تاریخی اور جغرافیائی معلومات کا ذکر بھی بندی کے عنوان سے شروع کیا۔ جیسا کہ آپ نے خود کہا ہے ؎

نظم میں تاریخی و جغرافیائی پٹریاں اس کی بندی کا موجد میں ہوں واقف ہے جہاں

مولانا صفی اردو کی طرح فارسی کے بھی بڑے زبردست ادیب اور شاعر تھے۔ [illegible] آپ کے [illegible] شاگردوں کو [illegible] لیکن آپ

کی شخصیت کا شکست کا کچھ اندازہ اس سے ہو جاتا ہے کہ ایک [illegible] شاعر [illegible] [illegible] ایک وقت [illegible] [illegible] ایک [illegible] تابندہ کا [illegible] اس وقت [illegible] گئے اور جب تک [illegible] رہے [illegible] اس ترانے کے چند شعر یہ ہیں:-

نغمے ہی اگر زندہ دیا کو جاری گے — مشرق کا سرا [illegible] مغرب سے ملا دیں گے
دھارے ہیں زمانے کے کہاں [illegible] ہے — بہتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دیں گے
ایمان ہو یا ترکی [illegible] دیکھیں — کیا سفر ہستی سے اسلام مٹا دیں گے
اسلام کی نصرت میں [illegible] ہے — دنیا ہی یا عرش کا [illegible] دیں گے

اس پرجوش نظم کے جواب میں کراچی سوسائٹی کی طرف سے یہ کہہ کر شاعری مت چھوڑنے کی خاطر ایک نظم شائع کی گئی اور [illegible] سے بھی [illegible] بت [illegible] آپ نے ایک اس سے بھی زیادہ [illegible] نظم کہی جسے [illegible] نے چھپنے نہ دیا۔ البتہ [illegible] مرحوم نے جواب میں "[illegible] کا [illegible] نامہ" کے عنوان سے ایک بڑی دلچسپ نظم لکھی جو آج بھی [illegible] "[illegible]" [illegible] اس [illegible] شعر پر ختم ہوتی ہے۔

ایک بلند پایہ ادیب، وسیع المطالعہ عالم [illegible] وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ اگر وہ تنہا [illegible] شاعر ہوتے [illegible] شاعری کو محسوس کرنے اور برتنے کی صلاحیت نہ رکھتے [illegible] شاعری کی کچھ [illegible] تاہم ان کی ذات [illegible] قابل ستائش ہوتی۔ دراصل ان کی شخصیت کئی جدا جدا شخصیتوں کا مجموعہ تھی۔

انہوں نے عربی اور فارسی پڑھنے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انٹرنس تک باقاعدہ انگریزی، حساب، جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ سرکاری ملازمت، صحافتی کام، شاعری، آرام اور دیگر مصروفیات سے جو وقت بچ رہتا تھا وہ اسے کسی نہ کسی علمی یا فنی کتاب کے مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔ کتب بینی میں آپ کی ہمہ وقت مصروفیت کی تصویر کشی مشہور [illegible] اور ادیب سید [illegible] صاحب نے اس طرح کی ہے:-

"کسی وقت بھی کوئی جاتے — وہ مولانا کو کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے پاتا تھا۔ اکثر وہ مطالعے میں اتنا مستغرق رہتے تھے کہ جب تک بالکل قریب نہ پہنچ جائے آنے والے کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے۔ مگر جونہی آنکھ پڑ جاتی ان کا شگفتہ چہرہ پھول کی طرح تبسم ہو جاتا اور چمکتی ہوئی پر بصیرت آنکھیں اس طرح تکتی لگا دیتیں گویا انہوں نے اس سے عمدہ منظر کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔"

مولانا صاحب ہمیشہ سیر و شکار، تفریح، دوستوں کی کثرت ملاقات، گپ بازی، میلوں، جلسوں اور کھیل تماشوں سے الگ تھلگ رہے۔ آپ سے میرے مراسم کم و بیش سات سال کے تھے اور اکثر مجھے ان کے یہاں منزل رہنے اور ساتھ زندگی بسر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ادبی ذوق اور [illegible] معاملات میں [illegible] ان کا ہم مشرب اور ساتھی رہا۔ بہت سے [illegible] علمی و ادبی مباحث میں بھی تبادلۂ خیال اور بڑی بے تکلفی سے گفتگو کا موقع ملا۔

اس طرح میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا کی زندگی کا کوئی گوشہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میرے نزدیک مولانا کی زندگی ایک پرسکون تالاب [illegible] کی مانند تھی جس کی سطح ہمیشہ ہموار اور دلکش رہتی ہے۔ اور جہاں تک میں جانتا ہوں وہ ایک انتہائی منکسر المزاج کردار کے مالک فرد تھے۔ یہاں تک کہ ان کے قدم جوانی کی عام [illegible] مستی کے عالم میں بھی نہیں بہکے، غالباً یہی وجہ تھی کہ [illegible] سال کی عمر میں بھی ان کے چہرے پر جھریوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ان کے چہرے کا نکھار آج کل کے بیشتر نوجوانوں کے [illegible] شگفتہ رخسار اور [illegible] چشم [illegible] ہوتا تھا۔ ان کے [illegible] تمام [illegible]

[illegible]

[illegible] اسلام و ملت کے نشان [illegible]

[illegible] تو [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو سکتی ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] مولانا کے پاس آئے۔ [illegible]

[illegible] نصاب [illegible]

[illegible] اس نظم کو نصاب میں داخل کر دیا۔ اس نظم کا عنوان [illegible] ہے اور پہلا شعر یہ ہے

جنتی ہے ساری دنیا [illegible] برباد ہو رہے [illegible] کشتی [illegible]

یہاں نظم کی خوبی اور پردہ میں پردہ میں اظہار خیال پر قدرت کا ذکر کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف مولانا کے کمال اخلاق اور منکسر المزاجی کا اظہار [illegible] کرنا چاہتا تھا۔

مولانا صفی نے طب، فلسفہ، اور حکمت غرض کہ سبھی کچھ پڑھا تھا اور اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو کسی اور شعبہ میں اپنی عظمت کا لوہا منوا کر چھوڑتے۔ لیکن یہ بھی ان کے کردار کی عظمت ہی کا ایک پہلو ہے کہ انہوں نے زندگی کو خاموشی کے ساتھ بسر کر دیا۔ وہ نور کا ایک ایسا سرچشمہ تھے جیسے آفتاب پھر بھی انہوں نے اپنے آپ کو تاریکی اور گمنامی میں رکھنا پسند کیا۔ مولانا صفی لکھنوی پرانے بزرگوں کے اخلاق اور دلپذیر شخصیت کا نمونہ تھے۔ آج کل ریڈیو اسٹیشن جا کر غزل یا نظم پڑھنا معیوب نہیں سمجھا جاتا لیکن مولانا صفی اس میں شاعری جیسی لطیف چیز کی اہانت تصور کرتے تھے اور بار بار کی ترغیب کے باوجود کبھی گھر سے نہ نکلے۔ [illegible] کا معاوضہ دے کر اشاعت کی اجازت حاصل کرنے کی بارہا خواہش ظاہر کی گئی لیکن وہ عزت اور احتیاط کے باوصف ہمیشہ ایک گوشہ نشین فقیر کی طرح ہاتھ سمیٹے بیٹھے رہے اور دست سوال دراز نہ کیا۔

مرزا جب پیدا ہوا تھا، اور ماتے میں کے متعدد [illegible] جیب [illegible] سے آپ نے [illegible] بچپن میں گھر ان کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور یہ وجہ تھی کہ ان کی وفات ہو [illegible] ان کے دشمنوں کے مرنے کے بعد [illegible] مشکل وقت سے ان کا ایمان شاعری سے کا شرف حاصل کر لیا۔

مولانا ذکی صاحب نے تو کہتے کہ دوسروں پر [illegible] سے گریز کرتے ہیں۔ ان کی وفات پر [illegible] مولانا کی طبیعت اور وضع داری کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

[illegible] ساعت اور سکون میسر آ جاتا تو ابھی شاید کچھ اور بھی جاتے [illegible]

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، [illegible] صحبتوں اور [illegible] کے جلسوں سے بہت زیادہ [illegible] باہر تھے۔ وہ لکھنؤ کے پاس [illegible] شعرا کی خاص خاص صحبتوں کا دور ہو چکا تھا۔ میرے ایک وضع دار ساتھی [illegible] ایک خاص محفل کا ذکر فرماتے تھے کہ اس میں [illegible] کے سوا [illegible] میں سے کوئی نہ ہوتا تھا۔ بے تکلف [illegible] صاحب [illegible] تھے کسی کے سامنے [illegible] ہوتا تھا کسی کے ہاتھ میں [illegible] کسی کے زانو پر سارنگی اور کسی کے [illegible] ستار [illegible] ادھر ساز بجنے لگے [illegible] لکھنؤ کی صحبتوں کا ایک نقشہ [illegible] جواب نظر نہیں آتا۔

صفی پوری تو موسیقی کے رموز سے [illegible] ایسی صحبتوں سے باخبر تھے لیکن انہوں نے تمام عمر کسی ساز کو ہاتھ نہ لگایا۔ اس کے باوجود وہ ایسی صحبتوں کا نقشہ تاریخ کے دامن پر [illegible] ایک اتفاقی یادگار [illegible] زندہ جاوید [illegible] گئے ہیں ؎

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا   ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

اس شعر کو میں نے [illegible] ضعیف العمر نواب صاحب کو بار بار اپنے عہد شباب کی [illegible] پڑھتے اور آنسو بہاتے دیکھا ہے۔

مولانا صفی ہمیشہ شیروانی، اونچی دیوار کی ایرانی ٹوپی، قمیص اور چھوٹی مہری کا پاجامہ اور بوٹ پہنتے تھے۔ پان بہت کم کھاتے تھے اور حقہ کے عادی تھے اور کبھی کبھی سگریٹ بھی پی لیتے تھے۔ تمام عمر مسکرات سے دور رہے۔ کبھی کبھی نماز پڑھتے اور [illegible] روزے رکھ لیتے تھے۔ مجالس اور میلاد کی محفلوں میں کم جاتے تھے۔ نہایت غیر متعصب، [illegible] طبیع اور آزاد خیال تھے۔ مذہب میں ریاکاری کو بہت برا سمجھتے تھے اور نکتہ چینی اور اظہار رائے میں بڑے بے باک تھے۔ بعض شاعروں کی طرح تملق، دوسروں کی جی حضوری یا منقبت کبھی ان کا شعار نہ تھا۔ [illegible] خلیق، وضع دار اور نرم دل تھے اور سب کے شریک درد رہتے تھے۔ مرزا جعفر علی خاں اثر نے آپ کی وفات پر ایک مسدس نظم صفی کے کردار اور شخصیت کے متعلق کہی تھی جس کے چند شعر یہ ہیں:-

وضع صفی نہ پوچھو اک رند پارسا تھا   بیگانہ بھی تھا سب سے پھر سب سے آشنا تھا
خلق خدا کی خدمت مقصد حیات کا تھا   اس کے سوا کوئی مطلب نہ چاہتا تھا
بد بدی کا نیکی دشمن کو دینے والا   اس منزلت کا شاید ہی کوئی دوسرا تھا
خلق حسن نے اس کے [illegible] سے   ہر کہ ومہ کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا
صدق و خلوص و ایثار اس کی سرشت میں تھے   جو قول یا عمل تھا بے عیب و بے ریا تھا
ظاہر سے تھی زیادہ باطن کی تاب ناکی   عارف تھا خود نگر تھا صالح تھا باخدا تھا
غیرت کی پاسداری شیوہ تھا اس جری کا   ایمان حیا کو سمجھا وہ صاحب حیا تھا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مولانا [illegible] کے [illegible] شعر [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

بہر حال اردو ادب کے لیے یہ بات [illegible] ہر صنف شعر [illegible]

[illegible] کی شخصیت [illegible]

سامنے معلوم ہوتے ہیں ؎

یہ صلہ ہے عمر بھر کی محبت برباد کا
سنتے بیٹھے ہیں وہ افسانہ دل ناشاد کا

تاجور نجیب آبادی

محمد وارث کامل

علی سائیں کی مسجد کے عقب میں جہاں اپنے آخری عمر پہ ملیشیا روڈ دم توڑتی ہوئی نظر آتی ہے کچھ نئی وضع کے مکانات بنے ہوئے ہیں انہی مکانات میں ایک دو مکان ہوئے جو ایک مدت تک شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی کی قیام گاہ بنا رہا ہے۔ علامہ سے میری پہلی ملاقات اسی مکان کے ایک کمرے کے برآمدے میں ہوئی تھی جب ۱۹۴۰ء کے موسم گرما کا شباب ڈھل چکا تھا لیکن پھر بھی اس کی تند و تیز دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا گمان تھا، اس ہوا کی گرمی اور اس قیامت کا حبس تھا کہ دم گھٹا جاتا تھا۔ علامہ نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے اپنے بھاری بھر کم جسم کی ایک ارتعاشی حرکت سے میرا خیر مقدم کیا اور کسی تمہید کے بغیر مجھ پر طنز و ظرافت سے بھلے الفاظ کے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

"اچھا تو آپ ہی میرے ہم وطن مولانا محمد وارث کامل ہیں۔ خوب، ماشاء اللہ! آپ تو پہلے سے تمیز دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا! آپ کافی عرصہ سے لاہور رہ رہے ہیں کبھی بھولے سے بھی آپ نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ میرے ڈیل ڈول کا آدمی جو دو تین منزلات پر بار گراں بنا ہوا ہو کہاں کہاں جائے اور کس کس سے ملے! یہ کچھ عمر کے تقاضے بھی تو ہوتے ہیں آپ بھرے عمر میں کہیں پھسلے ہیں آپ کا یہ اخلاقی فرض تھا کہ مجھ سے اولین فرصت میں ملتے۔ ایسا ہی سہی لیکن اتنا برا تو نہیں کہ مجھے اس کے پاس بھی نہ بیٹھیں۔ مولانا میں تو آپ کی یاد میں کا آرزو ہوں سال ہا سال پہلے میں نے دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی سند لی ہے۔ میں نے خود ہی بلایا تو آپ تشریف لائے۔ مولانا! یہ تو ہمارے بزرگ کی ملاقات پھر بھی شکریے کے مستحق ضرور ہیں۔"

میں نے علامہ کی گفتگو خاموشی کے ساتھ سنی اور آخر میں اپنے غلط رویہ پر معذرت طلب کی۔ علامہ سے میری ملاقات شاہکار کی ادارت کے سلسلے میں تھی۔ مگر یہ ابتدا بھی ... کی طرح علامہ کی ملکیت تھا اور کسی منتظم یا بیوہ کے ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور نہ ہوتی تو میں اس ادارت

[illegible] اسلامی [illegible] جو [illegible] عطا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کی شاعری پر مشتمل تھا [illegible] [illegible]

شب کی بات سے [illegible]
بدلے وقت ہیں کیسے کیسے جلتے ہیں
[illegible] ہیں [illegible] بیٹھے ہیں
بس جہاں میں وہ [illegible] جلتے ہیں

علامہ تاجور نجیب آبادی کے [illegible] جیسی [illegible] ایک صحبت [illegible] علامہ اقبال اور [illegible] روشنی پڑتی ہے [illegible] اس صحبت کا شرف [illegible] حضرت احسان دانش [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] احسان صاحب [illegible] احسان صاحب [illegible]

تو اب بھی اپنے آپ کو شاعر اور ادیب کہتا ہے۔ تجھے اس بات کا مطلق احساس نہیں کہ دنیائے ادب میں تیرا کیا مقام ہے۔ ایسی بھی کیا بد ذوقی کہ روز مرہ کے استعمال کی چیزیں بھی تیرے گھر میں نہیں۔ یہ چینی پیالیاں کیا اس قابل ہیں کہ ان میں کسی مہمان کو چائے پلائی جائے۔ بھونڈی اور بھدی پیالیاں ٹیڑھی ترچھی پلیٹیں، سب تیرے ذوق کی کائنات [illegible] دیکھتا چلا ہوں اور اس قاعدے کے ساتھ ترتیب [illegible] گھر میں ہر چیز سلیقے کی اور [illegible] قرینے کی ہو۔ جا ابھی نیا سیٹ لا۔

چائے کے سیٹ کا مسئلہ تو حل ہوگیا اور ہم سب نے چائے پی بھی لی لیکن اس دوران میں جو لطف [illegible] بیان سے باہر ہے۔ علامہ کی زبان سے جو فقرہ بھی نکلتا تھا کبھی طنز و ظرافت کی چاشنی لیے ہوتا اور کبھی قند و نبات کا مزہ دیتا۔ علامہ نے اس دور کی تہذیب میں معاشرتی زندگی کے نشیب و فراز پر اس بالغ نظری کے ساتھ اپنے خیال کا اظہار کیا کہ ہم عش عش کر اٹھے [illegible] جب کوئی بات [illegible]

کی پابندی کرتے تو علامہ نقطہ نظر پر نوٹ کرتے ... [illegible] ... کے ساتھ تعجب کرتے
کیا ہے کہ علامہ نے مولانا محمد علی ... [illegible] ... کا علم تھا۔

علامہ: یہ میری نا واقفیت ادبیّت ہے کہ ... [illegible] ... ہے۔

علامہ نے اشارہ فرمایا کہ مولانا ... [illegible] ... ترکیب ... [illegible]
مستقل ... [illegible] ... کے قابل ہوتا ... [illegible] ... سے ... [illegible] ...
کتاب ... [illegible] ... ہوتا ہے ... [illegible] ... کہ صفات ... [illegible] ... ہو گیا ہے ... [illegible]
حالت سے ... [illegible] ... ہونا چاہیے تھا ... [illegible] ... ہے ہیں۔

احسان صاحب نے ... [illegible] ... علامہ کے ... [illegible] ... ایک
مدت سے خطابت ... زبان کھلتی ہے تو پھر بے ساختہ ... [illegible] ... کوئی ... [illegible] ... نہیں ہوتا
کی نشست و برخاست اور ... [illegible] ... علامہ سے میری گفتگو ... [illegible]
اور میں ... [illegible] ... کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ علامہ ... [illegible] ... نہیں کر سکا۔ ... [illegible]
... [illegible] ... میری زبان سے ... [illegible] ... نکل گیا ... [illegible] ... فرمایا۔

شیاں: یہ کیا کہا آپ نے۔ یہ کس زبان کا لفظ ہے ہماری نظر سے تو آج تک یہ لفظ نہیں گزرا۔

میں: علامہ صاحب ... [illegible] ... تو آپ نے بھی شیاں کھائی ہوں گی۔

علامہ: مولانا، آپ نے غلط ... کیا ہے۔ یہ لفظ "شیاں" نہیں بلکہ "سویاں" ہے ... آپ۔ اہل زبان ہوتے ہوئے
ایسی ... غلطی، آپ تو پنجاب آنے سے ... [illegible] ... اپنی زبان کو ہر قسم کی ... [illegible]
سے محفوظ رکھا ہے۔ دوسروں پر اپنی زبان کے نقش بٹھانے ہیں کسی کی زبان ہم پر اثر انداز نہیں ہو سکی۔ ... [illegible]
مصحفی و انشا، آتش و ناسخ، غالب و ذوق، انیس و دبیر، داغ و امیر، جوش و جگر، ... [illegible] ... و احسان ... [illegible] ... کی
زبان ہے ... [illegible] ... کی زبان ... [illegible] ... زبان کے استاد ... [illegible] ... ہیں۔

اس صحبت کے چند نقوش میں نے اپنے حافظے کی مدد سے زیب قرطاس کئے ہیں ان سے علامہ کی معاشرتی، اخلاقی اور ادبی
زندگی کے بہت سے پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ تاریخ ادب میں ان کا جو مقام ہے اسے سمجھنے کے لئے ہمیں علامہ کی چند خصوصیات پر نظر
ڈالنی ہوگی اور وہ بھی ... [illegible] ... کے ساتھ تاکہ بعد میں کسی تذکرہ نویس کو زیادہ کاوش نہ کرنی پڑے۔

علامہ فارسی اور عربی علوم میں اتنی کامل دستگاہ رکھتے تھے کہ ان کے اساتذہ کو بھی ان کے تبحر علمی پر ناز تھا۔ ... [illegible] ... اقسام،
میں اس بالغ نظر فاضل دیوبند کے جو مضامین کسی دور میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں ان سے اگر کہیں وقت نظر کا ترشح ہوتا ہے تو کہیں ... [illegible]
فکر نمایاں کرتی ہے۔ علامہ کو ... [illegible] ... معلوم وہ اپنے علمی ذوق کی تسکین کا سامان کس ... [illegible] ... بہم پہنچاتے "میری
علمی اور ادبی زندگی" کے عنوان سے علامہ نے ۱۹۴۰ء میں جو سلسلۂ مضامین سپرد قلم فرمایا تھا۔ اس میں ایک جگہ یہ الفاظ بھی نظر آتے ہیں

"مدت مدید سے اس فکر میں ہوں کہ فرصت موجودہ افکار ... [illegible] ... تو ادب العرب
کے نام سے چند مجلدات میں ادب عربی (نظم و نثر) پر ایک ضخیم تصنیف سرانجام دے کر اسے زندگی
کی ... [illegible] ... منزل یادگار زندگی بنالوں۔ ..... دیوبند میں ... [illegible] ... مضامین شروع

[illegible]

[illegible]

اپنے [illegible] لکھتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] ایک [illegible] محسوس [illegible] یاد [illegible]

[illegible] تمہاری [illegible] یاد آتی ہیں۔ [illegible] یاد آتے ہیں۔

اپنے بعض معاصرین کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

علم و ادب کا [illegible] پانچ سال کے [illegible] ادب کی [illegible] میں [illegible]

اکثر معاصرین نے اپنے اپنے ظرف و حوصلہ کے مطابق [illegible] چاہا۔ مگر ان کی [illegible]

[illegible] اس طوفان سے بچانے [illegible]

[illegible]

[illegible] ادبی [illegible]

[illegible] ادبی دنیا کے [illegible] اس [illegible]

مستقل جب ... شاعر ... [illegible]

سکے۔ [illegible] اس ... [illegible]

[illegible] ... اس کی ... [illegible]

[illegible] ... ملک ... [illegible] ... تو ... [illegible]

[illegible] ... ساتھ ... [illegible]

[illegible] ... ساتھ ... بڑھاپے ... [illegible] ... تبدیل نہ کر سکا تھا

"جو آئے نہ جانے وہ بڑھاپا دیکھا"

کے مقطع کو مرحوم کے حق میں پیش گوئی ثابت کر دیا۔ جگر کے بعد علامہ تاجور نے ... کی امامت سنبھالی۔ پانچ سال اس سے ... اس مختصری مدت میں ان کی ادبی شہرت کے آفتاب کی شعاعیں ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی تھیں۔ علامہ نے اپنی زندگی کے تیسرے دور میں خود اپنے رسالے کا اجرا کیا۔ یہ رسالہ "ادبی دنیا" ... شعر و ادب کا ... میں ... شاہکار ... رسالہ نکالا۔ علامہ نے ہفتہ وار اخبار "پریم" بھی جاری کیا تھا جس کے ذریعہ آپ ملک کے کونے کونے ... مذہب، وطن اور نوع انسان کی محبت اور مذہبی اتحاد ... پیشواؤں کی عزت پیدا کرنی چاہتے تھے ... رسالہ نازنین، آفتاب، اردو (المعیار) اور رسالہ تاج ... نکالے ... چکے تھے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج پاکستان کے طول و عرض میں جو اردو روزنامے، ہفت روزہ اخبارات اور ماہنامے جاری ہیں ان اعلیٰ معیار کا سہرا علامہ تاجور نجیب آبادی کے سر ہے ... کے بارے میں ... نے جو نظریہ پیش کیا ہے کہ جو شخص بھی ... ایک ... اس کے اعمال پر اس کے مثبت اثرات کی چھاپ ضرور پڑتی ہے۔ اس کی رو سے ... مبالغہ نہ کیا جا سکتا۔ اخبارات و رسائل میں جو اچھوتی نثر، لطائف و ظرائف، پرشوکت الفاظ، زبان کے محاورے اور ادب و تنقید کے سلجھے ہوئے شستہ اشعار جہاں کہیں بھی دیکھنے میں آتے ہیں، زبان حال سے علامہ کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں اور علامہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

تیرے نازک لبوں سے سیکھا ہے
ہم نے انداز مسکرانے...... کا

علامہ کی شاعرانہ خصوصیت کو ہم نے اس لئے آخر میں جگہ دی ہے تاکہ ان حضرات سے جو میرے مخاطب ہیں یہ حقیقت مخفی نہ رہے کہ علامہ اپنی اس خصوصیت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ مدت العمر میں اپنے کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ بھی شائع نہ کر سکے۔ علامہ کا بیشتر غیر مطبوعہ کلام ان کے شاگردوں کی تحویل میں ہے۔ جو علامہ کے شاگرد ہیں ... عقیدت کیش ہیں۔ خدا کرے ... شعرا کو ... اور علامہ کا یہ غیر مطبوعہ کلام پوری دیانت و امانت کے ساتھ منظر عام پر آ سکے۔ علامہ اتنے خوش اعتقاد اور دانشمند ... تھے کہ کسی کو بھی ... کی جرأت نہ ہوتی۔ علامہ کا مزاج کچھ اس انداز کا تھا جس کی آئینہ داری نشاط کے اس شعر سے ہوتی ہے ؎

سلطنت بیچتے ہیں ذرہ گشتاں خاک کے مول
ہے یہاں سایۂ ہما کاغذ و خاشاک کے مول

علامہ تاجور نجیب آبادی کے نام و نسب کے بارے میں اس دور کے ادبا کو بہت کم معلومات ہیں اس شک میں انہی کی زبانی چند

[illegible]

[illegible]

علامہ کی ... [illegible]

مولوی صاحب ... [illegible] ... کے نمازی تھے ... [illegible] ... مجھے ... [illegible]

... ایک فاضل دیوبند کی حیثیت سے ... [illegible] ... علامہ ... [illegible] ... قدر و منزلت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے ... [illegible] ... وہاں سلکو کالج کی پروفیسری ان کے حق میں رحمت نہیں ... [illegible] ... ہوئی ایک تو اس لئے کہ انہوں نے ماحول کو غلط ... [illegible] ... کر لیا ... [illegible] ... ان کے تعلقات ... [illegible] ... شاگردوں سے شدید ... [illegible] ... تو علامہ کو ... اس اعلیٰ ترین مقام تک پہنچا سکتے تھے جس کی ... [illegible] ... ان کے ساتھ گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی۔

اگر ... [illegible] ... ذوق ... [illegible] ... مجھے یہ بات کہنے میں بھی کوئی تامل نہیں کہ اس عیب کا داغ بھی علامہ کے دامن پر تھا علامہ ... یہ ذوق اتنا ... [illegible] ... تھا کہ بعض ... [illegible] ... انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ان کے ایک ... [illegible] ... مولوی صاحب کسی ضرورت سے ان کے پاس آئے تھے بیچارے ... [illegible] ... نے دیکھا کہ جب تک وہ علامہ کے پاس بیٹھے رہے، علامہ کی تیوری چڑھی رہی ... [illegible] ... مولوی صاحب پر علامہ کی ... [illegible] ... کا نفسیاتی اثر پڑا اور انہوں نے بددل ہو کر رخصت چاہی علامہ نے ... [illegible] ... کے ساتھ انہیں رخصت ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہستے ہیں تم تو جیسے برے بھی کم ہوں گے
ہم زمانے سے ... کریں گے یاد !

دل شاہجہانپوری

شبنم رومانی

دل کی ایک خوبی ہے جو دل صاحب میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اعتبار الملک لکھتے ہیں۔

ان کی ایک خوبی [illegible] ہے جو دل صاحب میں نہیں ہے [illegible] انسان پیدا کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی [illegible] کا حسن پورا ہو جاتا [illegible] ٹھیک ہی کہا تھا:

وہ باتیں تیری [illegible] اب تک نہیں آئیں [illegible]
اتنے منسوب [illegible] اور دل صاحب [illegible]

دل صاحب کی نشو و نما ایسے ماحول میں ہوئی جہاں [illegible] شکار کے [illegible] آپ کو بھی دلچسپی رہی ہے۔ [illegible] شکار کا شوق [illegible] بندوق کی [illegible] سامان ساتھ رہتا تھا۔ [illegible] جماعت جنگل [illegible] گاؤں کے لوگ جمع ہو کر جنگل کا [illegible] بندوقوں کی [illegible] شام کے وقت جو شکار مارا جاتا اس کا گوشت مختلف طریقوں سے پکایا جاتا۔ کوئی بادامی کباب پکاتا۔

گولی لگی ...... میں سے ایک سال چھلے کی ایک ... جل ... آپ ... بہت ... آپ نے ایک ... شکار کیا ... میں کے ... زمانے ... پاس ... رہتے تھے۔

ایک شکار میں آپ نے ایک بہت بڑا ... مار گرایا۔ ... جانور بڑا ... کرنا مشکل ہوگا۔ آپ کے ساتھ ... خان صاحب بھی تھے۔ آپ نے ان سے کہا

"میں ... ہوں تم ذبح کر دو"

جب وہ چھری پھیرنے لگے تو ... ولی صاحب ... خان صاحب نے ... شاہجہاں پور کے پٹھانوں کا ... خان صاحب ... ولی صاحب نے کہا "میں چھری پھیرتا ہوں آپ ... بیٹھیے" خان صاحب ... جسم کا ... کر ... ولی صاحب نے ... چھری پھیری ... گردن ... زندہ ... کر خان صاحب ... چلے گئے۔

ولی صاحب ... کے ... بہت ... ہیں اور ... چھوڑ گئے ہیں۔ ... کسی شکاری نے ایک ... گولی سے ... ایک ... آپ کے پاس سے گزری آپ نے گولی چلا کر ... بہت خوش ... شکار ... مار لیا! شاہجہاں پور کے شکاری ... ہوتے ہیں ... کہ ... ولی صاحب کے پاس ... سکتا ہے ... کر ... شکاری صاحب ... مار کر ... رات کسی ... ولی ... شکاری صاحب نے ... ولی صاحب ... گئے ..... تو ولی صاحب ... ہاتھ ... جان پھیر تی۔

ایک مرتبہ شکار کے سلسلے میں آپ نیپال کی ترائی تشریف لے گئے۔ جاڑوں کا موسم تھا۔ ... جنگل میں ... ایک ... جلا ... آپ وہیں ... تھے ... صبح صبح آپ ... کے لئے ... جاتا تھا۔ جب ... صبح ... آتا تھا تو ... اس کے جسم پر ... تھی آپ نے اس سے پوچھا ..... "اس ... میں ... گزر ... ہے؟" اس نے جواب دیا "بڑے ... ہوں ... بدن ... ہوں" آپ نے گاڑی رکوا دی۔ وہ ... کھڑا ہو گیا۔ سمجھا اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ولی صاحب کی آنکھوں میں آنسو ... اونی ... اور گرم قمیص اتار کر ... دے دی اور کہا "... واپس چلے ... کپڑے پہن لوں ....."

میرے ایک ... نصیر الدین خان ... میں ... تھے اور تقریباً پندرہ سال وہاں رہے۔ جب ... ان کے یہاں ... ہر ... چاہتا تھا کہ ساری ... جائے۔ ... کہتے تھے ... شاہانہ ..... پانچ اور ... دس ..... یہی حال کچھ ولی صاحب کا ہے۔ وہ ... ہیں اور جب کوئی نیا ... نکلتا ہے تو ... ان کے پاس کام کرتے ہیں ان میں ہمیشہ جھگڑا ہوتا ہے ..... اور ہر مرتبہ ولی صاحب کو جھگڑا چکانے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔

ولی صاحب کا کلام سب سے پہلے "پیامِ یار" میں چھپا تھا۔ یہ پرچہ لکھنؤ سے نکلتا تھا اس میں اکثر ... داغ بھی شرکت فرماتے تھے اسی کے مطالعہ سے آپ کو شعر و سخن کا ذوق ہوا۔ رفتہ رفتہ اس ذوق نے یہاں تک زور مارا کہ آپ نے خود شعر کہنا شروع کر دیا۔ ایک بار "پیامِ یار" میں طرح نکلی ... "دیکھ لینا" ... اس میں آپ نے بھی غزل کہی تھی جس کا ایک شعر اب بھی محفوظ ہے۔ یہ شعر ... کا ہے

چلا ہے ابھی تیر مژگاں کسی کا
ذرا اپنا اپنا جگر دیکھ لینا

ولی صاحب کی ... کا زمانہ تھا کہ حکیم سید جعفر حسین صاحب ... شاہجہاں پور تشریف لائے۔ موصوف صاحب ... شاعر بھی تھے۔

[illegible] دل صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] دل صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] دل صاحب [illegible]

[illegible]

علاوہ ازیں [illegible] میں شاہجہانپور میں [illegible] کانفرنس ہوئی تھی جس میں سرسید احمد خاں، مسٹر محمود، [illegible] مشتاق حسین، مولانا شبلی نعمانی، [illegible] نواب محسن الملک وغیرہ تشریف لائے تھے۔ [illegible]

مدت تک کسی استاد کی اصلاح کے بغیر اساتذہ میں غزل پڑھتے رہے مگر بعد میں استاد کامل کی جستجو ہوئی۔ اس زمانے میں [illegible] مسلم الثبوت تھے۔ امیر مینائی، داغ دہلوی، جلال لکھنوی۔ حضرت امیر کا پایہ باعتبار علم و فن سب سے بلند تھا اس لئے آپ نے انہی کو استاد تسلیم کیا۔ منشی صاحب ان دنوں دربار رامپور سے وابستہ تھے۔ غزلیں ان کے پاس اصلاح کے لئے جاتی تھیں اور وہ [illegible] فرما کر واپس کر دیتے تھے۔ استاد اور شاگرد میں پہلی ملاقات [illegible] میں ہوئی جب دل صاحب اپنے ماموں کے ہمراہ بتقریب [illegible] گئے۔ وہاں سے واپسی پر منشی صاحب کی زیارت کے لئے رامپور روانہ ہوئے۔ چونکہ بغیر اطلاع گئے تھے لہٰذا براہ راست منشی صاحب کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔ [illegible] دی۔ صدر دروازہ کے اندر دو دروازے تھے ایک زنانخانے کا دوسرا نشست گاہ کا۔ نشست گاہ بالائی منزل پر تھی وہاں حضرت جلیل مانکپوری موجود تھے۔ جلیل صاحب نے آپ کی آمد کی اطلاع کر دی۔ حضرت فوراً تشریف لائے اور بہت محبت سے گلے لگایا۔ فرمایا "یہاں کیوں نہیں قیام کیا؟" مگر دل صاحب کے عذر معقول پر چپ ہو گئے اور پھر شعر و ادب اور علم و فن پر گفتگو شروع ہو گئی۔

دلؔ صاحب وہاں سے جائے قیام پر واپس آئے ہی تھے کہ معلوم ہوا جلیل صاحب تشریف لائے ہیں۔ باہر آ کر دیکھا تو جلیل صاحب تشریف فرما تھے۔ ایک ملازم بھی ساتھ تھا [illegible] کی ایک سینی اس کے سر پر تھی۔ جلیل صاحب نے فرمایا "قبلہ و کعبہ نے [illegible] بھیجے ہیں۔"

ملہ دلؔ صاحب کا اصلی نام حکیم ضمیر حسن خاں ہے۔

ولی صاحب نے شدید ہوا شاگردوں کی شکایت کی ... [illegible] ... بلبل صاحب نے کہا۔ منشی صاحب ... کا بجا ہے ... [illegible] ... آخر بحث کے بعد ولی صاحب نے ... واپس کر ... [illegible] ... استاد نے فرمایا ... میری تمام عمر کا تجربہ ہے کہ ... شاعروں میں تعداد مستقل بہت کم ہوگا۔

اس سلسلہ میں حضرت داغ کا ذکر آیا۔ منشی صاحب نے فرمایا "بزرگ کے خوش کرنے کے ... [illegible] ... بھی جاتا ہے کہ ان کا ... [illegible] ... داغ کا کوئی جواب نہیں رکھتا ہے۔ ... کوئی اس شان کا شعر کہہ کر آ سکتا ہے

خار حسرت بیاں سے نکلا

دل کا کانٹا زباں سے نکلا

ولی صاحب نے شیفتہ ... [illegible] ... کی تھا جس میں تاریخ کے مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی گئی تھی ... [illegible] ... صاحب ... شہزادے تھے ... ہندوستان تشریف لائے تھے ... [illegible] ... دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ لکھنؤ میں جمع ہو گئے تھے۔

ان دنوں ولی صاحب نے لکھنؤ پہنچ کر مختلف حلقوں سے ناول کی اشاعت کے بارے میں بات چیت شروع کی۔ ظہیر آباد ... [illegible] ... مالک ایک صاحب رہتے تھے وہ بھی کسی پریس کے ایجنٹ تھے۔ انہوں نے مطالعہ کے بہانے ایک دن کے لئے کتاب مانگی۔ ولی صاحب نے مروتاً کتاب ان کے حوالے کر دی۔ دوسرے دن واپسی چاہی تو حافظ صاحب غائب۔ تیسرے دن غائب چوتھے دن غائب ... دن غائب ---- اب تو ولی صاحب کو فکر لاحق ہوئی۔ اپنے ایک دوست رحمن حسین خاں سے تذکرہ کیا۔ رحمن صاحب زندہ دل اور خوش اخلاق تھے فوراً آپ کے ہمراہ حافظ صاحب کے مکان پر پہنچ کر دستک دی ... آپ خاموش رہیں۔ پھر دستک دی ... حافظ ... مگر جواب ندارد۔ دوسری بار پھر ... مگر کوئی نہ بولا تیسری بار ... دروازہ پر زور سے دستک دی مگر لاحاصل ---- آخر تنگ آکر رحمن خاں نے حافظ کو ایک فصیح و بلیغ گالی کے ساتھ خطاب کیا تو اندر سے حافظ صاحب کی آواز آئی "کون بدتہذیب ہے؟" رحمن خاں نے چیخ کر کہا ... [illegible] ... پٹھان کا ... ہو جاتا ہے" حافظ صاحب غصہ میں بھرے ہوئے باہر نکلے اور پھر جو خان صاحب ہیں اور ان میں خالص اردو ... [illegible] ... تو رحمن نے کان پر ہاتھ دھر لئے۔ قریب تھا کہ ہاتھا پائی ہو جائے رحمن صاحب نے کہا "لا ولی صاحب کی کتاب واپس کر۔"
حافظ صاحب بھلے ہوتے تو ... فوراً مکان میں گئے اور کتاب لاکر پھینک دی "یہ لو اپنی کتاب!"

ولی صاحب کو صوفیائے کرام سے گہری عقیدت رہی ہے۔ آپ کے نانا حافظ احمد حسین خاں صاحبؒ سلسلہ قادریہ چشتیہ کے بہت بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی بارگاہ میں اکثر باریابی حاصل رہتی تھی۔ ان کا مخصوص قوال گندھیا جو بعد کو ملک میں بہت مشہور ہوا اس کے ریاض نسبت میں ولی صاحب کا کافی وقت رہا اور اس کو بہت سا کلام کہہ کہہ کر حفظ کرایا۔ ایک مرتبہ اس نے نیزان پر کرم کے سجادہ نشین کو جبکہ وہ شریک محفل رہے تھے آپ کا یہ مطلع سنایا ؎

رنگ لایا ہے یہ ضبط الفت گیسوئے دوست

آخر اپنے پیرہن سے لپٹ نکلی بوئے دوست

قوال یہ گاتا گیا اثر ہوا کہ شریک کی بساط الٹ کر الٹ دی اور دیر تک عالم رقص و وجد میں رہے۔ جب ذرا ہوش آیا تو کہا یہ ضمیر مجھے لے لو ... [illegible] ... پوچھنے کا شعر

[illegible]

[illegible] ولی صاحب [illegible] ولی صاحب [illegible]

[illegible] حاشیے پر [illegible]

ولی صاحب [illegible] مشاعرہ [illegible]

[illegible]

سید التفات رسول صاحب [illegible] ولی صاحب [illegible] مشاعرہ [illegible] التفات رسول صاحب [illegible]

[illegible] مشاعرہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ولی صاحب کے [illegible] بہت اچھی [illegible] حضرات [illegible] ولی صاحب نے [illegible] ان لوگوں کا مقصد یہ تھا [illegible] جب [illegible] مشاعرہ شروع ہوگا تو آپ کی غزل کے [illegible] کے دلوں سے مٹ جائیں گے اور ان کی خواہش کامیاب ہو جائیں گی۔ مگر جب [illegible] لوگوں نے لکھنؤ جا کر ولی صاحب کے خلاف بہت پروپیگنڈہ کیا [illegible] تاکہ کسی طرح [illegible] میں لے سکیں۔

لکھنؤ میں سوائے دو ایک حضرات کے باقی سب ولی صاحب کے دوست تھے۔ مشاعرہ [illegible] ایک روز [illegible] محمد عسکری [illegible] مرحوم نے آپ کی دعوت کی۔ بعد طعام محفل شعر منعقد ہوئی۔ تمام حضرات نے ایک ایک غزل پڑھی اور ولی صاحب سے [illegible] سات غزلیں سنی گئیں۔ بعد ختم محفل پروفیسر [illegible] مرحوم نے فرمایا: یہ آپ کا امتحان تھا کہ آپ سے صرف ایک غزل بھی کہی ہے یا آپ واقعی اچھا کہتے ہیں۔ مگر خدا کے فضل سے آپ اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور مخالفین کو شکست نصیب ہوئی۔"

اس کے بعد آپ کو [illegible] ادب [illegible] کا رکن بنایا گیا اور ہر سال مشاعرے میں بلائے جانے لگے۔ مشاعرہ وسط سرما میں ہوتا تھا۔ ایک سال مشاعرہ [illegible] محل میں ہو رہا تھا، ولی صاحب بھی تشریف فرما تھے، حضرت صفی، عزیز، یگانہ، آرزو وغیرہ کے علاوہ حضرت شبیہ [illegible] شہری اور ساغر دہلوی بھی شریک تھے۔ غضب کی سردی پڑ رہی تھی، مشاعرہ اپنے شباب پر تھا کہ یکایک کسی نے بجلی کی روشنی بند کر دی اور [illegible] گل ہو گئے [illegible] وجہ کے

[illegible] ——— دلّی صاحب کے پاس کس کا شعر ہے [illegible] [illegible]
[illegible] آپ نے [illegible] کیوں نہیں [illegible] [illegible] کہنے [illegible] [illegible]
[illegible] دیکھ کے ——— عجب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] مشاعرہ [illegible] جائے [illegible]

[illegible] کے ایک مشاعرے میں بھی ایک [illegible] حاضر تھیں [illegible] مشاعرہ تھے۔ دلّی صاحب کے علاوہ اور مشاہیر شعراء شریک تھے۔ [illegible] صاحب نے [illegible] [illegible] پاس رہتے تھے اس لئے بہت سے [illegible] نہیں ملتے تھے [illegible] پہنچ گئے قریب۔ [illegible] مشاعرہ شروع ہوا۔ [illegible] [illegible] [illegible] جب انھوں نے یہ مصرع پڑھا [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] کے شیوں نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مگر جب بعد میں [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کلام پڑھتے ہیں اس کے [illegible] [illegible] شعر خوانی [illegible] ہے۔ اس مشاعرہ میں [illegible] صاحب [illegible] [illegible] تھے۔ [illegible] بیٹھے تھے۔ جب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صاحب نے نظر اٹھا کر [illegible] صاحب کو دیکھا جناب [illegible] صاحب کے قریب ہی بیٹھے تھے کہا: دلّی صاحب [illegible] [illegible] [illegible] بعد میں دلّی صاحب نے جب دلّی کا یہ شعر پڑھا ؎

پہنچے تک مجھے کیا کیا امید و بیم کے نقشے
تلاطم میں بھی کشتی سامنے نظروں کے ساحل تھا

تو [illegible] صاحب نے نظر اٹھا کر دلّی صاحب کو دیکھا۔ [illegible] صاحب نے فوراً کہا: دلّی صاحب سمجھے ——— آپکے شعر کی داد دی گئی ہے۔

حضرت بیباک شاہجہاں پوری [illegible] سے دلّی صاحب کی [illegible] تھی۔ اکثر مشاعروں میں ساتھ ساتھ جاتے اور ساتھ ہی ساتھ قیام کرتے تھے۔ بیباک صاحب شاعر ہونے کے علاوہ [illegible] [illegible] [illegible] شعر پڑھا [illegible] بلند پایہ سمجھا جاتا تھا مگر صاف گو اور منصوب المنصب بھی تھے اس لئے لوگ ان سے بہت ڈرتے تھے۔ [illegible] ایک مشاعرہ میں دلّی و بیباک کے علاوہ سیف شاہجہانپوری بھی شریک تھے۔ سیف صاحب بیباک میاں کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بعد مشاعرہ دلّی صاحب، بیباک میاں اور سیف صاحب سے نواب التفات رسول نے فرمایا کہ ڈپٹی کمشنر اور جج ضلع آپ لوگوں کا کلام سننا چاہتے ہیں۔ یہ حضرات انگریز ہیں۔ انھوں نے اردو نظم نہیں سنی لہذا آپ شام کو تشریف لاکر اپنا کلام سنائیں۔ جب روانگی کا وقت آیا تو سیف صاحب نے جانے سے انکار کر دیا اور برجستہ کہا: میں وہاں جا کر مسخرہ بننا نہیں چاہتا۔ دلّی صاحب اس وقت تو خاموش ہو گئے اور بیباک میاں کے ساتھ التفات رسول صاحب کی قیام گاہ پہنچے۔ ڈپٹی کمشنر اور جج ضلع کو اپنا کلام سنایا۔ چونکہ وہ اردو سے ناواقف تھے لہذا ایک مترجم نے انگریزی میں اشعار کے معنی ان کو سمجھائے۔

واپس آکر جب دلّی، بیباک اور سیف اکٹھے ہوئے تو دلّی صاحب نے چھیڑا ——— کیوں سیف صاحب! جب آپ ولایت ورزی کی دکان پر جا کر اس کو اپنی غزلیں سناتے ہیں جو بالکل جاہل ہے تو آپ کے لئے فخر کی بات ہوتی ہے مگر جب ایک ڈپٹی کمشنر جس کے اجلاس میں آپ دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں، آپ کو نہایت احترام سے اشعار سننے کے لئے مدعو کرتا ہے تو آپ انکار کر دیتے ہیں کہ میں مسخرہ بننا نہیں چاہتا۔
یہ سننا تھا کہ بیباک میاں آگ بگولا ہو گئے: کیوں بے سیف کے بچے! تو نے یہ کیا کہہ کر کہا کیا ہم مسخرے ہیں [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

شاہجہاں پور کے ایک آل انڈیا مشاعرے میں [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب نے [illegible]

دل صاحب نے برجستہ جواب دیا [illegible]

جب فیاض صاحب نے مطلع پڑھا ؎

فیض سے فیاض بنے ہیں جناب دل سے [illegible]

ترسیم تب صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور معافی مانگ لی۔

الہ آباد کی کسی تقریب میں دل صاحب شریک تھے۔ نجم الدین جعفری بائیں ہاتھ بیٹھے تھے۔ دل صاحب نے جعفری صاحب سے پوچھا: "آپ مجھ سے واقف ہیں؟"

جعفری صاحب نے فوراً جواب دیا: "کیوں نہیں، آپ تو ہر وقت میرے بائیں پہلو میں دھڑکتے رہتے ہیں۔"

کانپور کے ایک مشاعرے میں جب دل صاحب کا نمبر آیا تو ناظم مشاعرہ نے کہا: "آپ حضرت دل ہیں جو عاشق کے پہلو میں رہتے ہیں؟"

دل صاحب نے برجستہ کہا: "اب تو معشوقوں کی مٹھی میں رہتا ہوں۔"

مرادآباد کے ایک مشاعرے میں دل صاحب بھی مع ایک شاگرد کے مدعو تھے۔ آپ کو مشاعرے سے قبل ایک میزبان کی حویلی میں ٹھہرا دیا گیا۔ صبح سے دوپہر تک ملنے والوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ دل صاحب چونکہ لمبا سفر طے کر کے آئے تھے اس لئے بھوک نے بہت پریشان کیا۔

[illegible] انہوں نے [illegible] جب [illegible] گئے تو آپ سے [illegible] ہنستے ہنستے کہنے لگے [illegible] اور ایک ہی پیالے آؤ:

میزبان صاحب نے ساتھ بہت [illegible] ہوئے [illegible] تو ولی صاحب نے ہنستے ہنستے کہا: "اس حال [illegible] [illegible]"

اس پر میزبان بہت جھینپے اور فوراً دسترخوان بچھایا گیا۔

سہارنپور کے ایک مشاعرے میں ولی صاحب اور نوح صاحب ساتھ ساتھ شریک ہوئے۔ بعد مشاعرہ [illegible] ولی صاحب بیاض وہیں بھول گئے۔ قیام گاہ پہنچ کر دیکھا تو سخت پریشان ہوئے۔ بہت تلاش کی گئی مگر بیاض نہ ملی۔ [illegible] تمام شہر میں اطلاعات بھیج دئے گئے کہ بیاض نہ ملی تو سخت مصیبت نازل ہوگی اور جو بیاض واپس کر دے گا اسے معاوضہ دیا جائے گا۔
دوسرے دن حضر عباس ایڈووکیٹ کے یہاں مشاعرہ تھا ولی صاحب کی باری آئی تو انہوں نے مشکل چند شعر پڑھے [illegible] جب مشاعرہ ختم ہوا تو کسی نے کہا: "آپ کی بیاض مل گئی ہے"
ولی صاحب خوشی سے اچھل پڑے [illegible] "کہاں ہے؟"
جواب ملا —— "جی ہاں، مگر وہ ایک رقاصہ کے پاس ہے اور [illegible] شرط یہ ہے کہ ولی صاحب میرے مکان پر تشریف لائیں [illegible] بیاض ان کو پیش کی جائے گی۔" ولی صاحب شرط پر غور کرنے لگے تو نوح صاحب نے ان کے چٹکی لی اور کہا۔
"صاحب ہر گوشے خانے میں ہوتا ہے [illegible] میں بھی جاتا ہوں تو
ایک رقاصہ سے جان جانے سے کیا ڈرنا ——"

وقت مقررہ پر حضر عباس، نوح صاحب اور ولی صاحب وہاں پہنچے بڑے تکلف سے چائے چلائی گئی۔ اپنے ہاتھوں سے بنا کر [illegible] رقاصہ نے ولی صاحب کو چائے پیش کی۔ ولی صاحب تھے کہ شرم سے دوہرے ہوئے جا رہے تھے اور نوح صاحب آنکھوں کے کونے سے [illegible] شرارت پر مسکرا رہے تھے۔ چائے کے بعد تمہ خوانی ہوئی اور ماشاء اللہ بڑے اعزاز سے بیاض ولی صاحب کو پیش کی گئی —— بیاض کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آگئے اور بیاض رقاصہ کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیاض کسی لڑکے نے مشاعرہ گاہ سے اٹھا لی تھی اور بازار میں اسے بیچنے لے گیا تھا۔ اس کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ لکھی جا چکی تھی اور پولیس سرگرم تلاش تھی۔ اتفاق سے رقاصہ کا بھائی ادھر آنکلا اس نے لڑکے سے کہا: "میاں صاحبزادے یہ کتاب میرے حوالے کر دو ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے۔" لڑکا یہ سنتے ہی بیاض پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ولی صاحب انکساری و سادگی کے مجسم اور وضع کے اتنے پابند ہیں کہ خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے تا ختم مشاعرہ نہیں اٹھتے۔ جب کسی بیرونی مشاعرہ میں شریک ہوتے ہیں تو میزبان پیچھا نہیں چھوڑتے اور بہ اصرار اپنے یہاں ٹھہراتے ہیں۔ الہ آباد کے ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے آپ گئے تو پروفیسر ضامن علی کے مہمان ہوئے۔ پروفیسر صاحب کے اصرار پر ایک ہفتہ تک قیام رہا۔ اس دوران میں ایک اور شاعر آکر ضامن صاحب کے یہاں ٹھہرے۔ ولی صاحب اور وہ ایک ہی کمرے میں سوتے۔ نصف شب کے قریب انہوں نے ولی صاحب کو جگایا کہ "شمالی ہوا مجھے تکلیف دیتی ہے کسی نوکر کو بلا کر میرے پلنگ کا رخ تبدیل کرا دیا جائے۔" لہٰذا ضامن صاحب کو جگایا گیا۔ ملازم کو سوتے سے اٹھوایا گیا اور ان کے

[illegible]

ولی صاحب [illegible] آپ [illegible]
[illegible]
[illegible] ولی صاحب بھی شریک تھے۔

گزشتہ سال نواب [illegible] سالگرہ کے موقع پر [illegible] مشاعرہ ہوا تھا۔ ولی صاحب [illegible] شاعروں کا ذکر کر رہے تھے [illegible] نواب صاحب کے [illegible] شریک ہو گئے۔ اس تقریب میں [illegible] صاحب [illegible] مشاعرہ ہوا [illegible] شعرا [illegible] اب [illegible] شعرا باقی رہ گئے ہیں۔ [illegible] ولی شاہجہاں پوری [illegible] کے متعلق خود فیصلہ کریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ [illegible] ولی صاحب [illegible] صاحب ولی صاحب نے [illegible] صاحب [illegible] آپ [illegible] آپ [illegible] سے آپ [illegible] بن سکتے ہیں۔

ولی صاحب میں گھمنڈی اور مہربان دونوں موجود ہیں۔ یوں تو اہل [illegible] برہان پور [illegible] نسل سے مشہور ہیں مگر ولی صاحب نے اپنے [illegible] کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ بقول ضیا جالندھری آپ [illegible] زبان اردو [illegible] جاتا ہے۔ آپ دستر خوان کی تمام چیزیں چٹ کر جاتے ہیں۔ شاہجہاں پور میں جب بھی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے اکثر مہمان آپ ہی کے یہاں ٹھہرتے ہیں۔ نواب جعفر علی خاں اثر جب ڈپٹی کمشنر تھے تو سالانہ مشاعرے کے سلسلہ میں شاہجہاں پور آئے تھے۔ [illegible] ولی صاحب کے یہاں پہنچے اور بستر کھلوایا۔ فراق صاحب اکثر آپ کے مہمان رہے۔ جگر صاحب جب بھی شاہجہاں پور گئے سب سے پہلے ولی صاحب کے یہاں [illegible] جوش صاحب پچھلے دنوں کراچی آنے سے پہلے شاہجہاں پور محض اس لئے آئے کہ حضرت [illegible] لکھنوی نے [illegible] دعوت [illegible] مشہور استاد حضرت داغ کے شہر سے ان سے ملے بغیر [illegible] ولی صاحب نے شاہجہاں پور کو متعارف کرایا۔ شاہجہاں پور اسی لئے مشہور ہے کہ وہ ولی صاحب کا وطن ہے۔

اوائل ۱۹۴۳ء میں سردار جگت سنگھ اور سید ولی محمد ضیا جالندھری [illegible] شاہجہاں پور تشریف لے گئے اتفاق سے ان دنوں آموں کی فصل تھی۔ ولی صاحب نے ان دو حضرات کو اپنے باغات کے آم کھلائے۔ ضیا صاحب کا کہنا ہے کہ جن آموں کا ذکر جلیل صاحب اور داغ صاحب نے اپنے اشعار میں کیا ہے وہ سب حضرت ولی کے باغات میں موجود ہیں۔

ولی صاحب آموں کے عاشق صادق ہیں۔ فصل انبہ میں آپ اپنے احباب کو آم خوری کے لئے لے جاتے ہیں۔ دعوتیں ہوتی ہیں۔ ڈال اور پال کے آم کھائے جاتے ہیں۔ شکار کھیلا جاتا ہے اور شعر پڑھے جاتے ہیں۔

آپ کے ایک دوست آم کھانے باغات میں تشریف لے گئے۔ وہ بمبئی آم سے سخت نفرت کرتے تھے کہتے تھے "بمبئی تو ایسا برا آم ہے کہ اس کو چھیل کر پیشاب کر دینا چاہئے" ولی صاحب کے کانوں تک بھی ان کی یہ بات پہنچی آپ نے ایک خوب تیار بمبئی چھیل کر ان کو دیا۔ انھوں نے مزے لے لے کر کھایا اور بہت تعریف کی۔ نام پوچھا تو ولی صاحب نے کہا "نادرہ" بہت حیران ہوئے تو آپ نے فرمایا "صاحب!"

تنقیدی کے لئے ہیں تھا کہ جس وقت سے شعر بار کرکیا جائے تو یقیناً بعد ہوگا:

آپ کا شغل ادب صرف ذاتی ہے خاص خاص ہدایات آپ خود تیار کرکے مفت تقسیم کرتے ہیں۔ دوسروں کے مکانوں پر جا کر دیکھتے ہیں مگر کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ ایک بار ایک انگریز کو بخوشی ملایا گیا تھا آپ کے معمولے سے ہوگئی اس نے پانچ سو روپے بطور نذر پیش کیے مگر آپ نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ شرما گیا اور جب تک بیٹھا رہا سر نہ اٹھا سکا۔

جو ضلع کے سارے حکام آپ کے یہاں آتے اور آپ کو اپنے یہاں عزت سے بلاتے ہیں۔۔۔ مگر آپ سرکاری تقریبات میں بھی اس شان سے شریک ہوتے ہیں جس شان سے اپنے عزیزوں کے ساتھ اپنے گھر کے کھانے میں۔

مشاعروں کے سلسلے میں شعراء کو تین پیشہ رکھتے ہیں۔ ایک ایک آنہ کے لئے ڈھونڈتے ہیں۔ میں نے مشاہیر شعراء میں اکثر حضرات کے لئے ادا کیں مشاعرہ سے دست و گریباں دیکھا ہے۔ اکثر صف اول کے شعراء تو معاوضہ کے لئے بھی زیادہ طلب کر بیٹھتے ہیں۔ فرماتے ہیں مشاعرہ کیلئے تین شہوانی سلطانی و دو فرنچ برتنے۔ سوٹ کیس یا پانچ سو روپے دیئے۔ سکنڈ کلاس کے ٹکٹ دیئے جائیں تو بسا اوقات پانچ سو تک ہو جاتے ہیں۔ پیشہ ور شعراء ہی کو دوش نہیں دینا چاہئے سفید پوش شعراء بھی اس میں مبتلا ہیں مگر دل صاحب نے تو اس کو بیکار ہی کر دیا۔ آپ نے نواب کے مشاعرہ سے کبھی کچھ طلب نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بعض بعض جگہ آپ اپنی جیب سے کرایہ آمد و رفت صرف کرکے تشریف لے گئے۔ نواب التفات رسول صاحب نے ہر چند آپ کو زاد راہ دینا چاہا مگر آپ نے کبھی قبول نہیں کیا۔ ایک بار بہت مجبور کرنے پر آپ نے فرمایا۔۔۔ آپ مجبور کرتے ہیں تو لئے لیتا ہوں مگر آئندہ آؤں گا نہیں۔ یہ سن کر التفات رسول صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور لفافہ واپس لے لیا۔

دل صاحب آج بھی شاہجہانپور میں ہیں۔ زمینداری جو ان کا ذریعہ آمدنی تھی بحق سرکار ضبط کی جا چکی ہے۔ طبیب اب قریب قریب ختم ہو گئی ہے صبح کو مطب کے بعد اصلاح و تصحیح کا شغل بارشاد کو لوگوں سے ملنا جلنا اب بھی جاری ہے۔ اب بھی شاہجہانپور کی کسی شاہراہ پر ٹہلنے کی چھڑی ہاتھ میں پھنسائے ہاتھ پشت پر باندھے اور سر جھکائے بے نیازانہ گزرتے ہوئے لوگ انہیں دیکھتے ہیں تو ادب سے ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔ مگر کبھی سلام کا موقع نہیں پاتے۔ کتنوں ہی نے مجھ سے کہا "کاش ہم کبھی دل صاحب کو پہلے سلام کر سکتے"۔ دل صاحب خود سلام کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں شاید وہ سارا ثواب خود ہی لوٹنا چاہتے ہیں۔

انقلابات زمانہ نے انہیں بے جان کر دیا ہے مگر وضع کی پیشانی پر شکن نہیں آئی۔ ان کے بڑے صاحبزادے شبیر حسن خاں جن کی عمر تیس سال کے قریب ہے وکالت کرتے ہیں چھوٹے صاحبزادے شفیق حسن خاں وکیپیس کے گگ بھگ ہیں گھر کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں اور پچھلے چند برسوں سے شعر بھی کہنے لگے ہیں۔ کبھی کبھار ان کی غزلیں نگار اور ہندوستانی ادب میں نظر آجاتی ہیں۔

چلتے چلتے حق شاگردی بھی ادا کردوں۔ میں ان سے بہت قریب رہا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ وہ مکمل انسان ہیں اور مکمل استاد بھی۔ انہوں نے کبھی مصرعہ کاٹ کر مصرعہ اور شعر کاٹ کر شعر نہیں لکھا۔ ان کی اصلاح شاگرد کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے کبھی کسی مبتدی کا شعر آسمان پر نہیں پہنچاتے اس کو خود آگے بڑھنے کا سبق دیتے ہیں۔ شعر میں جتنی فنی اور اسلوبی احتیاطیں وہ برتتے ہیں کسی نے نہیں برتیں۔ اپنے تلامذہ کے خیال کی بلندی اور پستی، رنگ کلام اور انداز بیان پر وہ اپنے نظریات کو غلاف کبھی نہیں پہناتے، ان کے تلامذہ میں جہاں خالص کلاسیکی شعراء ملتے ہیں وہاں خالص انقلابی، رومانی اور ترقی پسند بھی۔ وہ ہر ایک کو اس کے اپنے انداز فکر کے مطابق راہ دکھاتے ہیں۔ ان کا اصول اصلاح یہ ہے کہ شعر میں فنی خامی یا زبان و بیان کا سقم نہیں رہنا چاہئے۔

ان کی اصلاح اتنی باریک اور اتنی نازک ہوتی ہے کہ سیکھنے اور دیکھنے رہ جائیے۔ بطور مثال ایک شعر پر ان کی اصلاح نقل کرتا ہوں شعر تھا۔

[illegible]
[illegible]

آپ نے [illegible]

[illegible]
[illegible]

مل صاحب نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مل صاحب اب [illegible]

[illegible]
[illegible]

فلک پیما

میاں بشیر احمد

مدیر نقوش نے چند روز ہوئے مجھے خط لکھا کہ اپنے عزیز ترین دوست میاں عبدالعزیز فلک پیما مرحوم پر چند خیالات کا اظہار کروں۔ پہلے تو کچھ عرصہ میں اس فرمائش پر گھبرایا۔ میں نے سوچا کہ فلک پیما پر لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ فلک پیما کے خیالات کو سمجھنے کے لئے بڑی فلسفیانہ ضمیر درکار ہے۔ ان کی گوناگوں شخصیت اور ان کے کردار کا نقشہ کھینچنے کے لئے بڑے تامل اور تدبر اور تفکر کی ضرورت ہے۔ میں مختلف وجوہ سے آج کل اس قابل نہیں کہ یہ دشوار کام اپنے ذمے لے سکوں۔ سو میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ [illegible] اتنے بڑے عالم اور پیارے ایسے دوست کی شان کے شایان کچھ لکھ سکوں تو لکھوں اور نہ لکھ سکوں تو محبت و عظمت کے حضور میں گستاخی اور بے ادبی ہوگی کہ لکھنے کا عزم بھی کروں۔ پھر ایک دو دن کے بعد دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی اور معلوم ہوا کہ فلک پیما پر میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں بلکہ جتنے سیلے کر سکتا ہوں اور جب کر سکتا ہوں تو حیف ہے کہ ایسا نہ کروں۔ انسانی محبت کا تقاضا ہے اور دوست کی مدح کا امر ہے کہ میں بیان کروں میں نے اپنے آپ سے وعدہ کر لیا کہ وقت نکالوں گا اور اطمینان سے لکھوں گا اور اس لکھنے سے اور اس محنت سے فائدہ بھی اٹھاؤں گا اور لطف بھی۔ ان کی کتاب "مضامین فلک پیما" جو اب نایاب ہے اسے پڑھوں گا سمجھوں گا سر دھنوں گا اور لکھوں گا۔ میری طرف ان کے سینکڑوں خطوط ہیں جیسے پرائیویٹ اور بے تکلف اور بے تحاشا! ان میں انسانی جذبات کی لہریں ہیں علمیت کے موتی ہیں فلسفے کے ہیرے ہیں۔ ان کو دیکھوں گا پرکھوں گا اور ان کو دکھاؤں گا۔ کس قدر شاندار کام ہوگا۔ اور پھر ان ہزاروں ملاقاتوں پر ایک نگاہ ڈالوں گا جو ہماری ان کی ہوئیں۔ انہیں یاد کروں گا دل کے کانوں سے سنوں گا اور شکریے کی زبان سے دوستوں اور ہم جلیسوں کو سناؤں گا اور مزے لوں گا واہ! کس قدر پر لطف کام ہوگا!

لیکن صد حیف کہ فرصت نہ ملی پر نہ ملی حالانکہ مجھ سے آدمی کی بابت یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ "فرصت ہی نہیں ملتی اشغال معیشت کے"! پھر کس قدر شرم کی بات ہے کہ میں نے کچھ نہ لکھا، ہزاروں کاموں کے اندر جیسیوں بے شمار مصروفیتوں اور بے معنی "مشغولیتوں" اور "فضول"

[illegible]

[illegible] DECENCY [illegible]

[illegible]

متنوّل اور خوبصورت تہذیبوں کا [illegible] کرتے ہیں اور [illegible] روحانی قربانی کا ذریعہ [illegible] چھوٹے چھوٹے معاشرتی حلقوں میں کائنات کی
ان کا حل تلاش کرتے [illegible] سے علیحدہ ہو کر [illegible] ایک تاریک پہلو کا
[illegible] بڑی خوبیوں اور خوشیوں کو ایک دوسرے میں دیکھو اور دکھاؤ [illegible] کا ایک ہی پہلو ہے اور وہ پہلو دلکش ہے
ضرور ہے لیکن وہ موت ہے زندگی نہیں!

ایک دفعہ مجھے اپنے ایک خط میں لکھا کہ بشیر! مجھے جتنا رنج زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی میں اور زیادہ ہنستا ہوں۔ میں نے ان کی زندگی کو اس خیال کی تصویر پایا جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویر۔ اکثر اپنی غم پسندی میں مجھے ان کا یہ فقرہ یاد آگیا اور اس سے نہ صرف میری ڈھارس بندھی بلکہ میں بے اختیار ہنس دیا اور اپنے افکار کو بھول گیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ملک پیا ایک حسن پسند اور حسن پرست آدمی تھے۔ جو ایک ایسے [illegible] کے [illegible] ایک [illegible] صاحب جو ہم لوگوں کے مدیر معروف اور مشتاق اور جانکار تھے سے پہلے پیرس یا ساؤتھ [illegible] کے [illegible] وہ [illegible] اور [illegible] کا اسلام ہے اور سلام سے معلومات فنون پر تھا ہے۔ لیکن وہ انگلیش کے ذریعہ ٹھوڑی تھے جو [illegible] تھے [illegible] کے [illegible] اور مولانا کھڑے کے مشتاق تھے۔ وہ اصلاح [illegible] کی باتوں سے نفرت [illegible] تھے لیکن وہ [illegible] اور [illegible] سمجھ والے اور [illegible] کاموں میں آزادی مگر ایک بڑی بات یہ تھی کہ وہ مدرسے پڑھے اور مشہور [illegible] کی طرح کام کرتے تھے کاموں میں مصروف تھے ان کے عام لوگوں کی سنجیدگی اور متانت سے کہیں ان کے دل و دماغ پر قبضہ نہیں کیا وہ کبھی سنجیدگی اور متانت اور عقلمندی کے [illegible] نے ان سے بھی زندگی کی خوشی کا کام لیا۔ خوشی جو ایک وقت سادہ اور [illegible] ہو گئی تھی:

دیباچہ جہان (...) میں سینکڑوں [illegible] وہ [illegible] کر کے اور انگریزی نے کائنات اور زندگی کے بھیدوں کی گتھیاں [illegible] بھی [illegible] ایسا فلسفہ کا شناس ان سے مائل فلسفہ سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے۔ وہ بھی اپنی مطالعہ کی ہوئی کتابوں کا خلاصہ [illegible] کے [illegible] کرتے رہیں۔ [illegible] میں [illegible]۔ مثلاً [illegible] کر دیا [illegible] کتابے [illegible]

چل رہی ہے یہ بھی چھوٹا بھی اس فلسفے کا!

بابا جی جاسی بچا تو میں نے ان سے کہا کہ کچھ لکھیے۔ کہنے لگے دیکھو میری مضمون نویسی کا زمانہ گزر چکا ہے اب [illegible] لیکن میں مضمون نگار نہیں بننا چاہتا۔ مصنف بننا یا مشہور ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے میری آزادی نہ چھینو لیکن بہت سے آزادی سے جو کچھ میں لکھوں گا وہ تمہارے لئے اور [illegible] سے لکھوں گا اور [illegible] کو لکھوں گا۔ میں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ برسوں کے بعد جب [illegible] وہ خوش [illegible] کی [illegible] کشائی ہوئی تو اور لوگوں کے تقاضے بھی بڑھے [illegible] سے ان کچھ لکھئے تو [illegible] مجھ سے اجازت طلب کی جیسے میں نے [illegible] اپنے لئے Patent (مخصوص) کر رکھا ہو۔ میں حیران ہوتا اور کہتا کہ جیسے [illegible] وہ کہتے کہ نہیں میں آزادی کی بات کا آدمی ہوں میں محبت کے لئے لکھتا ہوں کہ تم میری محبت کے لئے جیتا ہوں۔ [illegible] تم اور میں لکھیں میں کیا لکھوں اور کس طرح لکھوں۔ فرصت نہیں [illegible] نہیں۔ غنیمت ہے کہ اتنی دیر میں ملک پیا سے آزاد خیال [illegible] دل دوست کی بات کچھ لکھ دیا تو اس سے کئی بند شوں سے آزادی مل گئی اور زندگی کی ذرا سی جھلک دیکھ لی:

؎ اس مضمون میں میں نے ملک پیا کے ادبی کارنامے پر نظر ڈالی۔ لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اردو کے برنارڈ شا تھے جنہیں ابھی تک بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے اور جن کی قدر ابھی تک نہیں ہوئی:

مالک رام

مختار الدین احمد

یہ مہینہ قاہرہ میں [illegible]

[illegible] دوست [illegible] مباحثے [illegible] مصروف تھے [illegible] میں مالک رام صاحب سے [illegible] پر [illegible] کی ملاقات کراتا [illegible] ایک صاحب [illegible] مجھے [illegible] ان سے گفتگو [illegible] معلوم ہو [illegible] انہوں نے [illegible] ملاقات [illegible] قاہرہ میں ایک صاحب [illegible] مالک رام صاحب کے [illegible] صاحب [illegible] گفتگو کر رہے تھے [illegible] میں نے [illegible] اسکندریہ [illegible]

دوسرے دن میں نے قاہرہ سے اسکندریہ کا ٹکٹ لیا [illegible] ریل کے [illegible] میں بیٹھ گیا [illegible] اسکندریہ سے قریب [illegible] گفتگو [illegible] مالک رام صاحب کے خصائل و عادات کی بابت [illegible] اور تصویریں بناتا رہا۔

[illegible] اسکندریہ پہنچے تو [illegible] مالک رام تھے۔ مصافحے معانقے کے بعد ہم لوگ ان کے فلیٹ کی طرف چلے جو اسٹیشن کے پاس ہی تھا۔ اسی شام اسکندریہ کے [illegible] ایک جلسہ تھا [illegible] ان کے ایک دوست نے بہت سے لوگوں کو [illegible] مالک رام اپنے [illegible] مہمان [illegible] وہاں [illegible] شہر کی سیر کرتے [illegible] اسکندریہ [illegible] زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم [illegible] کے دفتر پہنچے۔ مباحثہ وغیرہ [illegible] انہوں نے [illegible] خاموش تماشائی کی طرح تقریریں سنتے رہے۔ لیکن [illegible] تقریروں کے بعد [illegible] پتہ چلا کہ وہ یہاں بہت ہر دلعزیز ہیں [illegible] مصری سوسائٹی میں انہوں نے اچھی خاصی جگہ بنالی ہے۔

[illegible] مسلمانوں کی تھی۔ [illegible]

[illegible] جب ہماری میز پر پہنچے تو ملک رام صاحب [illegible]
[illegible] انہیں پیا۔

میں نے رخصت کے بعد ان سے کہا [illegible] جائیں گے۔

مصر میں [illegible]

دعوت کے بعد ہم لوگ [illegible] پہنچے۔ یہاں پہلے [illegible]

[illegible]

ان میں آپ [illegible]
[illegible] آپ کی یہ روش مجھے آئندہ آپ
کو زحمت دینے میں مانع ہوگی۔

وہ اپنے دارالمطالعہ میں بیٹھے کر رات کے [illegible] کتابیں دکھاتے رہے اور اسی [illegible] باتیں کرتے۔ [illegible] دوسرے دن صبح کی چائے پی کر ایک [illegible] احباب سے ملاقات کرائی۔ [illegible] ہم لوگ تازہ مطبوعات دیکھتے رہے۔ [illegible] ایک پشتارہ ساتھ آیا۔ [illegible] کتابیں میں اپنے ساتھ [illegible] وہ میری طرف سے بعد میں بھیجتے رہیں گے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ دفتری جھمیلوں اور عجیب قسم کی غیر ادبی مصروفیات کے باوجود اتنا وقت ادبی و علمی مضامین لکھنے کے لئے کس طرح نکال لیتے ہیں۔ وہ ذکرِ غالب پر نظر ثانی و اضافہ کر رہے تھے۔ امام احمد بن حنبل پر ایک مفصل اور جامع کتاب لکھنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ بعض مضامین اور کتابوں کے خاکوں کا حال ان کا دماغ بنی رہا تھا۔ پھر مجھ جیسوں نے غالب کے سلسلے میں اپنے تیسرے مجموعے گنجینۂ غالب کے لئے کچھ ایسے موضوعات کا انتخاب ان کیلئے کیا [illegible] وہ بلا تکلف ان پر مضامین لکھنے کو تیار ہو گئے اور انہوں نے جلد ہی اپنا وعدہ پورا بھی کر دیا۔

چند روز گھنٹے ساتھ گزارنے کے بعد جب ان سے رخصت ہوا تو ایسا محسوس ہوا جیسے ہم کئی برسوں سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔

ملک رام صاحب سے میری یہ ملاقات [illegible] کو ہوئی لیکن ان سے میرے تعلقات پہلے سے تھے اور میں ان سے واقف تو بہت پہلے [illegible]

[illegible]

[illegible]

نے لکھا ہے وہ سب سے بہتر ہے۔

آدمی شستہ [illegible] اور قدیم روایات کے دل دادہ [illegible] مروت والے ہیں۔ علمی کام ہوں یا دوسرے جہاں تک ان سے ممکن ہو سکتا ہے وہ دوسروں کو مدد دینے پر تیار رہتے ہیں۔ جب بھی انہیں کسی کتاب یا کسی مخطوطے کے عکس کے لئے لکھا [illegible] بعض مرتبہ عکس کی بجائے اصل [illegible]۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کو جوالیقی کی المعرب کی ضرورت تھی۔ یہاں بہت تلاش کی [illegible] صاحب کو لکھا کتاب چھپ کر فوراً بازار سے ناپید ہو گئی تھی انہوں نے بڑی مشکل سے [illegible] کر ایک نسخہ [illegible] ڈاکٹر صدیقی کی نذر کیا [illegible] ان کے تعلقات کی ابتدا [illegible] کتابیں [illegible] اہمیت کا خیال کر کے کبھی کبھی [illegible] نہیں کرتے۔ ایک طالب علم کو [illegible] چاہے واپس بھیجئے یا چاہے نہ بھیجئے۔

یہی نرمی اور مروت کہیں کہیں ان کے تحقیقی مضامین میں بھی جھلکتی ہے۔ کبھی کبھی ان کی تحقیق پر ان کی فطری نرمی اور صلح مندی غالب آجاتی ہے۔ [illegible]

اپنے عہد کے مصنفین کی [illegible] کا جواب دیتے ہیں [illegible]
متعلق ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس کے متعلق ایک خط میں لکھتے ہیں:

> کاشف ... غالب پر [illegible] سے متعلق دو لکھے۔ آپ نے بھی مضمون لکھ کر [illegible]
> خصوصاً [illegible] بہت سے فائدہ [illegible]
> میں بہت سی باتیں ہیں کہ [illegible] ایک [illegible] خاندان کی صحت [illegible]
> و [illegible] کا تقاضا ہے:

غالب کی تحریروں کا ماخذ [illegible] سے پہلے بھی [illegible] مضامین لکھتے ہیں [illegible]
سے بہت ایسی باتوں سے واقف ہوتے ہیں۔ [illegible]
اپنی رائے میں تبدیلی بھی کر لی۔

ڈاکٹر صاحب کے دوسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ انہوں نے قاضی عبدالودود صاحب کو بھیجا [illegible]
ایک طویل تبصرہ معاصر میں شائع ہوا۔ تبصرہ [illegible] تحقیقات [illegible]
غالب کے [illegible] قاضی صاحب نے بعض [illegible] سے اختلاف کیا [illegible]
کے [illegible] بعض غلطیاں [illegible] تصحیح کر دی۔

[illegible] صاف ستھرے کپڑے پہنتے
صاف ستھرے مکان میں رہتے ہیں۔ [illegible] آپ [illegible] بہت اچھے کاغذ پر
اور خط لکھتے ہیں۔ [illegible] اپنی کتابیں اور مضامین صاف ستھرے [illegible] پر چھپواتے ہیں۔ [illegible] کی مطبوعات بھی
صاف ستھری دیکھنا چاہتے ہیں۔ [illegible] غالب نمبر کے مطالعے کے بعد انہوں نے مجھے لکھا:

> غالب نمبر کچھ [illegible] موصول ہوا [illegible] آپ نے [illegible]
> [illegible] ہو جاتی ہے۔ یہی بات
> نمبر پر صادق آتی ہے۔ اتنی محنت سے مضامین جمع کیے، اتنا خرچ کیا اور [illegible] کاغذ [illegible] کر دیا۔ مجھے
> یقین ہے کہ آپ نے کچھ نسخے نسبتاً اچھے کاغذ پر بھی شائع کیے ہوں گے۔ اگر میرا گمان صحیح ہو تو ایک نسخہ اس کا
> مرحمت ہو۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

> کتابت کی غلطیاں اتنی ہیں [illegible] کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے [illegible] حیرت ہوتی ہے۔ [illegible] کتابت میں یکسانی بھی
> نہیں رہ سکی۔ رنگدار بلاک [illegible] ماشاءاللہ سب [illegible] پڑھنا [illegible] محال ہے۔ یہ آپ کو سوجھی کیا!
> آخر انہیں سرخ رنگ میں چھاپنے سے فائدہ ہی کیا تھا۔ جتنے بلاک کالی روشنائی میں چھپے ہیں بالکل معقول [illegible]
> ہیں۔ ایسے ہی دوسرے بھی چھاپ دیے ہوتے۔

اپنا مضمون [illegible] غالب [illegible] رسالہ اردو ادب میں دیکھ کر لکھتے ہیں:

> اردو ادب کے دونوں پرچے اور میرے مضمون کی دوسری قسط کے دس نسخے موصول ہوئے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] لگائے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایک جگہ [illegible]

[illegible] میں نے اپنے پچھلے خط میں اپنے مقصد سے متعلق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ سے [illegible]

جو میری طرح آپ اسے کام میں لیں گے۔

جب [illegible]

[illegible]

[illegible]

خط و کتابت میں باضابطگی پر بہت زور دیتے ہیں۔ جواب میں تاخیر ہو تو غضب ہو جاتا ہے:

[illegible]

نہیں ہوتی کہ کسی خطوں کے جواب نہ دیں۔

ایک مرتبہ ان کے ایک خط کے جواب میں مجھ سے تاخیر ہوئی۔ انہوں نے فوراً لکھا:

میں نے اتنے دن آپ کو خط نہیں لکھا اس کی دو وجہیں تھیں۔ اول تو یہ کہ میں اپنے خط [illegible] کی رسید کے انتظار میں رہا۔ دوسرے یہ کہ میں نے خیال کیا کہ میرا خط کہیں بارِ خاطر نہ ہو۔ جب کوئی مجھے خط میں لکھتا یا میرے خط کا جواب نہیں دیتا تو غلط یا صحیح مجھے یہ خیال گزرتا ہے کہ میں خواہ مخواہ دخل در معقولات کر رہا ہوں۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

بھائی آج یہاں عید ہے اس لئے عید مبارک کہتا ہوں۔ آپ کے یہاں تو غالباً کل ہوگی۔ یار شاطر یوں بارِ خاطر نہیں بننا چاہتا۔ آپ سے اتنے [illegible] خط نہیں لکھا [illegible] محبت ہو ناپسند نہ کیا۔

خط وہ کثرت سے لکھتے ہیں اور بڑے شگفتہ انداز میں، چند ٹکڑے دیکھئے:

اب سنئے لطیفہ۔ آپ نے لفافے پر اپنے خط پر پتہ لکھا۔ عربی میں [illegible] اسکندریہ اور [illegible] تک۔ آپ کے یہاں ڈاک خانہ والے سمجھ نہ پائے کہ یہ کیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی افسرِ اعلیٰ سے استصواب

کیا گیا ہے جو انگلستان میں چھپا Toy Bazaar [illegible]
[illegible] ہندوستان پہنچا۔ وہاں ان کی تحریر [illegible] ان میں سے [illegible]
[illegible] بھی ہوئی۔ پھر بعد میں آپ ریسرچ کی اور حضرت اسی قدر سال کے عرصے میں
سے ہوں گے جنہوں نے قبول کیا [illegible] کو کتاب پر غالب کو [illegible] میں داخل کیا تھا ہیں
حیرت اس کی ہے کہ آئندہ بیشتر انگریزی میں لکھا جائے:
اس خط کا ایک حصہ [illegible] لیسٹ [illegible] ایک خط میں لکھتے ہیں

کاش کہ آپ میری موجودگی میں یہاں آتے تو چند روز ساتھ رہتے۔ لیکن آپ نے [illegible]
سبب کیا ہے کہ یہاں [illegible] سال ہو رہے ہیں۔ [illegible] کے بعد [illegible]
ہی ہے جیسے کسی نے [illegible] ہیں۔ قیام کے خرچ سے متعلق کیا عرض۔ میرے
خیال میں [illegible] ہیں اچھا خاصا چل سکتا ہے [illegible] قیمت [illegible]
[illegible] نہیں کرتے۔ اگر آپ فیصلہ کریں [illegible]
ممکن [illegible] آپ کی [illegible] میں کچھ مدد کر سکوں۔ یہاں [illegible] لیکن آپ کا یہاں آنے
سے مقصد کیا ہے۔ اگر [illegible] اور دوسرے کتب خانوں کی سیر مطلوب ہے تو یہ بالکل معقول بات ہے۔
لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہاں آ کے کچھ [illegible] تو مجھے اس کا یقین نہیں۔ [illegible]
لیکن کیسی عربی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کی [illegible] عربی [illegible] گے۔ [illegible]
[illegible] البتہ لکھنے [illegible]
ہیں۔۔۔۔ ہاں کتب خانوں کی بات دوسری ہے۔ ایسی ایسی نادر کتابوں کے قلمی نسخے پڑے ہیں کہ
دیکھنے سے دل [illegible] ہو جائیں۔ لیکن ہم افسوس ہے کہ ان سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں۔
اگر آپ کو سیر کا شوق ہو تو ضرور تشریف لائیے [illegible]

مرغ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
آ جا ئے جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

میری یورپ سے واپسی کے وقت وہ دہلی میں مقیم تھے۔ ان کا خط آیا کہ علی گڑھ جاتے وقت مجھ سے ملتے ہوئے جانا۔ میں نے انہیں راستے کی
[illegible] اور دہلی کی آمد کے وقت سے انہیں مطلع کیا ہے۔ میرے جہاز کے پہنچنے سے پہلے وہ دہلی کے ایروڈروم پر موجود تھے۔ جب تک کسٹم وغیرہ
کے [illegible] وہ انتظار میں کھڑے رہے۔ گھر پہنچ [illegible] میں بیٹھے۔ [illegible] تمام کتابیں اور رسالے [illegible] پڑے تھے۔ [illegible]
[illegible] کا [illegible] زیادہ تر وہ میرے علمی کاموں کے متعلق پوچھتے رہے۔ [illegible] اساتذہ کے متعلق [illegible] سے یورپ میں ملنے والے کے [illegible]
تھے۔ پھر ہندوستان سے بات دہلی تک پہنچی۔ شاعر انقلاب کی ہجرت، جوش صاحب کی خلافت کا ذکر ہوتا رہا۔ پھر ذاکر صاحب سے ملاقات کا
حال اور انجمن ترقی اردو کی داستان سناتے رہے۔

کھانے کے بعد ہم لوگ صرف غالب پر گفتگو کرنے بیٹھے اور ہم دونوں نے ایک وقت پوچھنا اور سنانا شروع کیا کہ غالب کے متعلق اب تک کیا
نئی اطلاعیں ہم لوگوں نے حاصل کی ہیں۔ کیا کیا نئے خطوط اور تحریریں ہم لوگوں نے دریافت کی ہیں اور کیا کیا نئی کتابیں مرتب کرنے اور شائع کرنے کے

[illegible] ہو گئی تھیں۔

[illegible] ایک صاحب [illegible]
[illegible] اقبال [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہونے سے قائل ہو گئے ہیں۔

[illegible] صاحب [illegible]
[illegible] اقبال۔ انہوں نے [illegible]
آپ نے بھی [illegible] مسلمانوں [illegible]

[illegible] دہلی میں شاہ [illegible]
[illegible]
اسی وقت [illegible] کا تعلق [illegible] ہے۔

اگر [illegible] مسلمانوں سے [illegible]
مولوی [illegible] مولوی [illegible] ہو جائیں گے۔

احسان دانش

محمد وارث کامل

علم و فن کی جلوہ گاہ روایت کے شہسواروں کی جولانگاہ رہی ہیں جو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر اس شان سے چلتے ہیں کہ ان کی انفرادیت نے منزل کے کسی موڑ پر بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا ـــــ یہ ہے وہ سوچ کا متوازی انداز جس پر شکستہ ... (۱۹۸۲ء) [illegible] نے ... دیا تھا۔ دوسری طرف منفرد انفرادیت ایک ایسا جوہر ہے جس کے آئینے میں کسی شخص کی عظمت کے خدوخال نظر آ سکتے ہیں۔ تاریخ کے صفحات پر ان شخصیتوں کے نقوش کچھ ابھرے ہوئے سے دکھائی دیتے ہیں یہ وہی منفرد شخصیتیں ہیں جو زندگی کی تیرہ و تار راہوں میں ہر قدم پر روشنی کے مینار نصب کرتی رہی ہیں۔ ہر دور میں ایسی شخصیتوں کا سراغ ملتا ہے۔ لیکن کچھ تو زمانے کی قدر ناشناسی کے باعث اور کچھ اس سبب سے کہ قدرت اپنے نگار خانے کی نمائش کے سلسلے میں کچھ زیادہ فیاض واقع نہیں ہوئی ہے، ایسی شخصیتیں جہاں کہیں اور جب کبھی منظر عام پر آئی ہیں تو اتنے پردوں میں لپٹی ہوئی آئی ہیں کہ عوام کی اچٹتی نگاہیں ان شخصیات کے ان خوبصورت گوشوں میں بار نہیں پا سکیں جہاں کمالات کے دفینے گڑے ہوئے ہیں۔

آج جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ احسان دانش کی تاریخ ساز شخصیت کا جوہر ہنگامہ خیز جلوتوں کے باوصف راز درون پردہ ہے تو میں کبھی کبھی ششدر رہ جاتا ہوں۔ میری حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے اس چیز سے کہ آسمان شہرت کے اس کوکب درخشاں کی تابانیوں پر ظلمتوں کے اتنے غلاف چڑھے ہوئے ہیں کہ اس کے حاشیہ نشین بھی کبھی اسے عریاں نہیں دیکھ سکے۔ احسان دانش کی پراسرار شخصیت دراصل نتیجہ ہے عوام کے ذوق تجسس میں کمی کا۔

احسان دانش کا مقدر کہ وہ اس دور کا انسان ہے جس دور میں منفرد و پست، عرض و جوہر، صورت و حقیقت، الفاظ، معنی اور روح و بدن ایک ہی پیمانے سے ناپے اور ایک ہی ترازو میں تولے جاتے ہیں۔ اس دور میں سطح پر تیرتے ہوئے خار و خس کی تو قدر و قیمت ہے لیکن اگر وقعت نہیں تو اس گوہر شب چراغ کی نہیں جس کے دامن میں دریا کا اضطراب بھی محو ہو جاتا ہے۔

احسان دانش کے بارے میں اتنا تو سب جانتے ہیں کہ یہ کاندھلہ (مظفر نگر، یوپی) کا ایک شاعر مزدور ہے، ایک ایسا شاعر جس نے افلاس کی گود میں آنکھیں کھولیں اور ۱۹۱۲ء کی اس جنگ عظیم کے پرآشوب ایام میں سفر حیات شروع کیا۔ جس کے شعلے مشرق سے مغرب تک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ادبی دنیا احسان دانش سے متعارف [illegible] ان کے شعر [illegible] نظم و نثر میں [illegible] مرحوم [illegible] مقامات [illegible] احسان کے وہ ادبی کارنامے ہیں [illegible] ترقی پسند شعرا [illegible] کا شاعر سمجھتے ہیں اور یہ اس لئے کہ احسان دانش نے اپنی [illegible] زندگی کے [illegible] ترقی پسند شعرا کے اشتراکی نظریات سے مل گئے ہیں [illegible] اور اخلاقی ادب کے علمبردار ادیب و شاعر بھی احسان کو اپنے زمرہ کا شاعر سمجھتے ہیں [illegible] احسان کے کلام کا غالب عنصر اصلاح، تعمیر، اخلاق اور انسانیت کے موضوعات ہیں۔

رجعت پسند شعرا جن کا اوڑھنا بچھونا ادب برائے ادب ہے، احسان دانش کے کلام پر [illegible] کہ انہوں نے اردو ادب کو ایسی اچھوتی بندشیں، ایسے نوکیلے استعارات اور ایسی نرالی تشبیہات دی ہیں کہ [illegible] شعرا اور بالخصوص مجتہد شاعر [illegible] تحسین ادا کریں تھوڑا ہے۔ عوام احسان دانش پر اس لئے جان چھڑکتے ہیں کہ ان کے اشعار میں خود ان کی زندگی بولتی ہے۔ ایسے ان پڑھ لوگ جو احسان دانش کے سیدھے سادے شعر بھی نہیں سمجھ سکتے ان پر احسان کے چہرۂ [illegible] کا جادو چل جاتا ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ احسان دانش کے پاس ہر مکتبۂ خیال اور ہر مدرسۂ فکر کے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، مفکروں اور فن کاروں کی نشست و برخاست رہتی ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی آتے جاتے رہتے ہیں، ملاقاتیوں کا تانتا صبح سویرے سے لگتا ہے اور کافی رات گئے تک یہ سیلاب کم نہیں ہو پاتا۔ پہلے پہل جب مجھے ملاقاتیوں کا یہ بے پناہ ہجوم دیکھنے کا اتفاق ہوا تو سوچا یہ خیال آیا کہ احسان صاحب کی [illegible] بڑے بڑے سر کے [illegible] ہوگی اور تھوڑے وقت میں اس طرح کے [illegible] اپنے سپہ سالار کے ساتھ ہر قسم کا تعاون بھی کرتے ہوں گے۔ لیکن چند ہی روز کے تجربہ نے مجھ پر یہ حقیقت منکشف کر دی کہ [illegible]

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ اس کی تہ کے بعض سیاسیوں کا ان تقدیر کی سب ساکت ذریعہ ہے، احسان صاحب کے ساتھ وہ رہتے ہیں تعلقات ان لوگوں کی بھلی ہے جو کسی نہ کسی مقصد یا کسی نہ کسی غرض سے آتے ہیں اور جب تک ان کی غرض پوری نہیں ہو جاتی احسان صاحب کے سر پر آسیب کی طرح سوار رہتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ احسان صاحب ہر ملاقاتی سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور پہلی ہی ملاقات میں کچھ اس بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنے لگتے ہیں کہ اجنبیت و غیریت کا احساس نہیں ہونے پاتا لیکن پہنچے ہوئے کی کوئی بات کھری کھری مگر بلا جھجک یہ بھی نہیں کہ احسان صاحب نہیں پہنچانتے۔ کسی کی محفل میں خود ہی کوئی بات آ جاتی تو پھر بہت سی باتیں ان سے متعلق کرنے میں انہیں تامل نہیں ہوتا۔ اگر کبھی جیسے جو بیوی پر ہوتی ہے تو اپنے ارادے کو ادھورا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ احسان صاحب ہی مرضی کے مالک اور اپنی دھن کے پکے ہیں [illegible]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کراچی سے ایک ڈھیر تو کے ساتھ جو خود بھی احسان صاحب سے ملنے آئے۔ احسان صاحب سے [illegible] کا عام قاعدہ یہ ہے کہ ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے [illegible] جب انہوں نے کسی غزل یا نظم کی تعریف کی تو احسان صاحب کے تیور بدل گئے [illegible] احسان صاحب کو سستی شہرت [illegible] صاحب نے اس جنس کی بلندی کی خاطر احسان صاحب پر [illegible] احسان صاحب ان سے خوش نہیں ہوئے۔ ٹھیک ہے [illegible]

[illegible]
[illegible]

احسان صاحب کو تین برسوں سے بہت قریب سے دیکھا ہے ان کی معلومات کا حاصل یہ ہے کہ احسان صاحب کسی درسگاہ کے تعلیم یافتہ نہیں۔ البتہ ۱۹۲۵ء میں انہوں نے پرائمری کا امتحان [illegible] دیہاتی مکتب میں احسان صاحب نے قرآن پڑھا اور ابتدائی تعلیم سید حافظ محمد مصطفیٰ سے پڑھی۔ پرائمری میں جب یہ زیر تعلیم تھے تو انہیں منشی عبدالرحیم صاحب [illegible] کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ خوش قسمتی سے استاد بھی اچھا خاصا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ قاضی محمود زین صاحب [illegible] کی توجہ سے احسان صاحب کے دل میں شعر گوئی کا ولولہ پیدا ہوا اور یہ ولولہ کچھ اس انداز کا تھا کہ اس کی بدولت ان کی آنکھوں کے آگے سے ذہنی تاریکیوں کے پردے سرکتے چلے گئے اور یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب ان جوہر قابل کی نکھار کے لئے قدرت نے ان کا دامن تہی، اساتذہ فن کی صحبتوں سے اور کہیں بزم سخن [illegible] زبان سے تعلق رکھا۔ احسان صاحب نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب کی نظمیں دیکھیں۔ یہ شاعر بھی تھے اور صاحب دل مجذوب سالک بھی۔ ان کے اشعار میں بلا کا تیکھا پن ہوتا تھا۔ احسان صاحب پر ان کی نظر پڑی تو آنکھوں آنکھوں میں حریف مئے مرد افگن عشق بنا دیا۔

اس عہد میں شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی نے ان کے اندر زبان و بیان کی شوخیاں سمو دیں۔ ان کی صحبت کا سب سے بڑا اثر احسان صاحب کی شاعری پر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ ان کے کلام کو شرف قبول کی سند مل گئی۔ لطف ادا، شوکت الفاظ، جودت فکر، معاملہ بندی اور طرز گفتاری کے جو محاسن احسان صاحب کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ ان پر بہت بڑی حد تک تاجور کے حسن نظر کی چھاپ ہے علامہ تاجور احسان صاحب سے کافی محبت کرتے تھے اور ان کے ہر قسم کے ناز نخرے بھی سہتے تھے۔ احسان صاحب علامہ تاجور سے کچھ اتنے بے تکلف ہو گئے تھے کہ بعض اوقات خود ان کے منہ پر انہیں کھری کھری سنا دیتے تھے لیکن اپنی اس آشفتہ طبعی کے باوصف احسان صاحب نے فرق مراتب کا لحاظ ہمیشہ رکھا۔ اگر کبھی کسی نے احسان صاحب کی موجودگی میں علامہ تاجور کے خلاف زبان کھولی تو پھر ان سے رہا نہیں گیا

[illegible]

[illegible] کسی کا یہ شعر پڑھا تھا ۔

[illegible]
[illegible]

احسان صاحب [illegible] کے عادی [illegible] بھی [illegible] ہیں۔

غرض ہم دونوں [illegible] پہنچے [illegible] ایک کمرہ میں داخل ہوگئے۔ جہاں کچھ ستاروں کی جھرمٹ میں چاند کی چاندنی دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ مولانا مودودی نے مسکراتے ہوئے [illegible] اور جھکی ہوئی آنکھوں سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ میں نے احسان صاحب کا تعارف کرایا تو مولانا بولے ان کے نام سے تو میں بہت پہلے سے واقف ہوں البتہ کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اچھا ہوا یہ خواہش آج پوری ہوگئی۔

باتوں باتوں میں جوش کا موضوع چھڑ گیا۔ احسان صاحب [illegible] کے [illegible] موضوع پر اتنا سیر حاصل تبصرہ کیا کہ سامعین (جن میں مولانا نصر اللہ خاں عزیز بھی شامل تھے) اور خود مولانا مودودی انگشت بدنداں رہ گئے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

علامہ سید سلیمان ندوی سے احسان صاحب کی ایک ملاقات بڑے عجیب عنوان سے ہوئی تھی۔ احسان صاحب اور علامہ دونوں ٹرین میں سفر کر رہے تھے اور بیٹھے بھی تھے پاس ہی پاس، لیکن نہ معلوم احسان صاحب کن خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہیں علامہ کی موجودگی کا احساس بھی نہ ہو سکا۔ علامہ نے خود ہی مہر سکوت توڑی اور بولے، احسان صاحب، آخر اس نیاز مند سے کیا خطا سرزد ہوگئی ہے کہ اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا جا رہا۔ احسان صاحب یہ [illegible] نقوش سلیمانی [illegible] اٹھا کر فوراً باادب ہو بیٹھے اور چلے معذرت

[illegible] —— تعارف

[illegible] ان کے اشعار میں بہت سے شعر کے ساتھ ساتھ عصریت بھی ہے ۔ مولانا قاری محمد طیب کے [illegible] [illegible] وہ رخصت ہونے لگے تو اس عالم میں کہ ان پر وجدانی حالت طاری ہو رہی تھی ۔ [illegible] [illegible] کی زبان پر بے ساختہ [illegible] جہاں [illegible] مولانا احسان کا پیام [illegible] شخصیت دنیا کو پیغام دے رہی تھی کہ

یہ بھی ہیں کچھ اپنے عہد میں مسافر
دنیا کے تو ہم کو جو خاطر میں نہ لائیں

مولانا عبدالماجد دریابادی کے احسان صاحب سے اچھے روابط و مراسم ہیں پچھلے دنوں جب مولانا بمبئی آئے تو ان کی ملاقات احسان صاحب سے نہ ہو سکی مولانا کو اس کا بڑا ملال رہا چنانچہ انھوں نے اپنی سرگزشت [illegible] میں خصوصیت کے ساتھ یہ لکھا کہ وہ دو شخصیتوں سے نہ مل سکنے کی حسرت ساتھ لیے ہیں ایک حضرت احسان دانش ہیں اور دوسرے ڈاکٹر سید عابد حسین [illegible] مولانا ماجد [illegible] کی [illegible] سے زیادہ فضا [illegible] ہیں اور شعر و ادب [illegible] لیکن یہ احسان صاحب کی خوش قسمتی ہے کہ مولانا انہیں اس دور کا شاعر تسلیم کرتے ہیں اور جب بھی ان سے ملے ہیں بڑی محبت و خلوص کے ساتھ ملے ہیں

مولانا شبیر احمد عثمانی بڑی صفات اور شخصیت کے مالک تھے علوم عربیہ میں جو کمال حاصل تھا اس کا اعتراف خود مصر کے علماء کو [illegible] صحیح مسلم کی شرح [illegible] مولانا تحریر و تقریر دونوں میں یکساں ملکہ رکھتے تھے احسان صاحب کی جب ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو مولانا نے کلام کی فرمائش کی۔ احسان صاحب نے "آتشستان" کے عنوان سے ایک تازہ نظم کہی تھی وہی سنانی شروع کر دی۔ ایک تو نظم بھی خود ایسی [illegible] اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ احسان صاحب کے گلے کا سوز بھی قیامت ڈھا دیتا ہے مولانا شبیر احمد عثمانی پر رقت طاری ہو گئی اور نظم کے ختم تک یہی کیفیت رہی۔

یہ تو یاد نہیں پڑتا کہ احسان صاحب کبھی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے بھی ملے ہیں یا نہیں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مولانا بھی احسان صاحب سے اچھی طرح متعارف ہیں، احسان کے کلام سے بھی۔ مولانا نے ایک دفعہ [illegible] کے موضوع پر مسنونات کے ایک جلسہ میں تقریر کی تو ان کی زبان پر احسان صاحب کا یہ شعر بار بار آیا ؎

اس قدر کر دے گا مائل کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

بہاول پور کے ایک عالم دین مولانا احمد یار بہاولپوری کسی بزم سماع میں شریک تھے قوالوں نے احسان صاحب کی ایک مشہور غزل شروع کر دی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے ؎

زخم پر زخم کھا کے جی اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں

تو مولانا پر اس بلا کی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ جان بحق تسلیم ہو گئے۔

ان چند سطروں میں جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے یہ احسان صاحب کی زندگی کا صرف ایک پہلو ہے اس پر تھوڑی بہت واقفیت کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ روشنی ڈال سکتا ہے لیکن ان کی وہ خصوصیات جن پر ابھی تک [illegible] ہوئی ہیں کہاں کسی کے علم میں آ سکتی ہیں۔ میں اس مضمون کے آخری حصے میں ہم نقاب کشائی کا یہ اہم فریضہ سر انجام دینے کی جسارت کرتا ہوں۔

[illegible] احسن الحق صاحب، بیان ہیں۔ بہل صاحب کہتے ہیں [illegible]

ہیں ... بہت کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ احسن صاحب کا اصل نام قاضی احسان الحق کاندھلوی ہے۔ [illegible]

[illegible] اور اس دور کی تشکیل کا ذریعہ خود احسان صاحب تھے۔ احسان صاحب [illegible]

[illegible] فسانۂ آزاد، فسانۂ عجائب، داستان گل، باغ و بہار وغیرہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں پڑھ کر [illegible]

تھے [illegible] ذوق سماعت کا ثبوت دیتے تھے۔ غالباً [illegible] کا شوق [illegible] ان کی شاعری کا سبب [illegible]

بہرحال احسان صاحب کے نام کے سلسلہ میں ایک عجیب لطیفہ جو حضرت کرتے پوری سے جو احسان صاحب کے [illegible] شاگرد ہیں، میرے احسان صاحب کی موجودگی میں کہ حضرت صاحب اگر غزل [illegible] تو قاضی احسان الحق کاندھلوی کے شاگرد ہو جائیں گے۔

حضرت صاحب [illegible] قاضی [illegible] نے بہت سے دیکھے ہیں، یہ جتنے قاضی قسم کے شاعر ہیں میں انہیں [illegible] تک شاعری کی تعلیم دے سکتا ہوں۔

میں نے نہایت متانت کے ساتھ کہا [illegible] احسن صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دو سیکنڈ کی دیر [illegible] جب حضرت صاحب پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ احسان دانش ہی قاضی احسان الحق کاندھلوی ہیں تو ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا

۲۔ احسان صاحب کا شجرۂ نسب شیخ حسن [illegible] ملتا ہے ان شیخ کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔ اس نسب کی نسبت سے احسان صاحب شیخ صدیقی ہوتے ہیں۔ خاندانی قصبہ [illegible] یو۔پی کے [illegible] سے ہندوستان کو اپنے علوم و فنون سے فیض یاب کر رہا ہے وہ خاندان ہے جس کے [illegible] خواجہ شہاب الدین سہروردی بانی سلسلہ سہروردیہ [illegible] وہ امام [illegible] ہیں جن کے [illegible] مشہور محدث خطیب بغدادی نے [illegible]۔

قاضی [illegible] سلسلہ چشتیہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے پیر [illegible] ہوئے ہیں [illegible] انہوں نے اکبر کے دین الٰہی کی شدید مخالفت کی تھی۔ [illegible] سلسلہ قضاۃ کے [illegible] میں سے تھے۔ قاضی شہاب الدین [illegible] علوم دینیات میں حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد اور مرید اور میر و سودا کے ہمعصر شاعر باکمال تھے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں تذکرۂ طبقات الشعراء میں قدرت اللہ شوق نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مولوی محمد حسین عرق جو شوق دہلوی کے شاگرد اور صاحب دیوان شاعر ہوئے ہیں، اپنے زمانے کے باکمال [illegible] تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم بھی اس باغ و بہار خاندان کے گل [illegible] ہیں ([illegible] پاک [illegible] اکاؤنٹس مرحوم ڈاکٹر بجنوری کے داماد ہیں) میر و سودا کے معاصر قائم چاندپوری بھی قاضیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یو۔پی کے وزیر [illegible] محمد ابراہیم اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی اسی خاندان کے [illegible] ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ احسان صاحب یعنی قاضی احسان الحق کاندھلوی جو آج کل شاعری کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں ایک ممتاز اور علم پرور خاندان کے فرد ہیں۔

۳۔ احسان صاحب کی شخصیت ایک چیستان بن کر رہ گئی ہے اور وہ اس لئے کہ یہ نہ صرف خلق بلکہ خلقی اعتبار سے بھی مجموعۂ اضداد واقع ہوئے ہیں۔ احسان صاحب شاعر بھی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ناشر بھی ہیں، ادیب بھی ہیں۔ لیکن ایسے ادیب کہ ان کے ادب پر نقد و نظر کا خول چڑھا ہوا ہے۔ کبوتر بازی کا چسکا بھی ہے اور حسن پرستی کی لت بھی۔ بذلہ سنج بھی ہیں اور [illegible] بھی، طب، تصوف، اسلامیات، فلسفہ، نفسیات، سائنس، انسانیت سے متعلق جو ذخیرۂ علم و ادب ہے اس پر بھی ان کی دسترس ہے۔ ان کی پوری زندگی کردار ہی کردار

[illegible] نہیں کبھی نہیں ملتے ان کا بیشتر وقت درویشوں کے ساتھ صرف ہوتا ہے [illegible]
[illegible] سکیں [illegible] خود [illegible] کئے [illegible]
[illegible] کی زندگی بسر کر رہے ہیں [illegible] ۔ احسان صاحب نے [illegible] ۔ گزشتہ سالوں میں احسان صاحب [illegible]
[illegible] احسان صاحب [illegible] ۔ [illegible] میں احسان صاحب نے [illegible]

احسان صاحب [illegible] ۔ [illegible]
ہو جائے [illegible] ۔ احسان صاحب [illegible] ۔ [illegible]
مسائل سے بھی [illegible] ۔ احسان صاحب [illegible] خیال [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
[illegible] احسان صاحب [illegible]
اور جس [illegible] ۔ جب
باتیں کرتے کرتے احسان صاحب [illegible] ۔ آہستہ آہستہ
رات کو جب ساری دنیا [illegible] احسان صاحب کے [illegible] ۔ [illegible]
نے بھی کچھ پایا ہے [illegible]
دماغی کام نہیں کر سکتا۔ [illegible] ۔ ۵

حسب [illegible] سنانا [illegible] ہے
اس وقت [illegible] ہے

احسان صاحب کی زندگی [illegible] سادہ [illegible] نہیں [illegible] ۔ [illegible] وجہ ہے کہ وہ آج
تک کسی تجارت میں کامیاب نہیں ہوئے۔ [illegible] وہ قرض کے بل [illegible] چھوٹے ہیں مکتبہ دانش
جس سے بعض بزرگوں کی معاشی زندگی وابستہ ہے۔ [illegible] ۔ [illegible] جہاں تک سمجھ سکا ہوں
یہ مکتبہ دانش دل کا بہلاوا ہے یا دوسرے لفظوں میں اسے چند احباب کی نشست گاہ کہہ لیجئے۔ مکتبہ دانش کی کتابیں عام طور پر وقف
ہیں۔ اس لئے کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر کتابیں اٹھائی جاتی ہیں اور ان کے کرایہ [illegible] دیے جاتے ہیں۔

۴۔ جیسا کہ میں نے کہیں وسط مضمون میں کہا ہے کہ احسان صاحب قادر شب زندہ دار ہیں ان کی مزید وضاحت اس سے ہو سکتی ہے
کہ جب سے ان کا باطنی رابطہ حضرت حافظ تفضل حسین گھیروی رحمۃ سے قائم ہوا ہے ان کی زندگی اصحاب صفہ کی سی زندگی بن گئی ہے۔ فرش یا
تخت پر سوتے ہیں۔ صرف ایک وقت کھانا کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی بہت سادہ۔ ہر جمعرات کی صبح کو گورستان میانی جاتے ہیں۔ اور گھنٹوں
مخصوص انداز میں فاتحہ خواں رہتے ہیں۔ شام کے وقت حضرت داتا گنج بخش رحمۃ کے مزار پر بلاناغہ حاضری دیتے ہیں۔ احسان صاحب کا عقیدہ
یہ ہے کہ "میں زندہ مزارات کی عظمت کا قائل ہوں۔ پختہ مزارات کے ہجوم سے مجھے نفرت ہے۔ عورتوں کے مزار بھی میرے نزدیک
وقعت نہیں رکھتے۔"

احسان صاحب [illegible] ہر قسم کے [illegible] لوگ [illegible] مشکل [illegible] ہیں بہت دوست کے [illegible]
بھی ہے [illegible] دوست [illegible] خود [illegible] بھی دوست نہیں کسی سے بھی دشمنی بھی نہیں ہے [illegible] سے بھی دشمنی نہیں رکھتے [illegible]
[illegible] کا جہاں تک تعلق ہے۔ احسان صاحب [illegible] سب سے بڑی [illegible] شاعری [illegible] ہے۔ بہت سے [illegible]
[illegible] صاحب کی [illegible] کے [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

احسان صاحب میں یہ بڑی کمزوری ہے [illegible]
جب کوئی شخص [illegible] ہے [illegible]
احسان صاحب [illegible] احسان صاحب
[illegible] کے باوجود [illegible] احسان
صاحب [illegible] ہے

ان کمزوریوں کے باوجود احسان صاحب بہت کچھ ہیں۔ [illegible] اور
آج بھی ان سے مشورہ لیتے ہیں ان کے شاگردوں کی فہرست حسبِ ذیل ہے

احسان صاحب کے تعلقات عام شاگردوں سے دوستانہ ہیں [illegible] احسان صاحب کبھی [illegible] شعرا کو اپنا شاگرد نہیں بتاتے
اور جب ان سے اس کا سبب پوچھا جاتا ہے تو نظیری کا یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ۔

طائرے نیست کہ [illegible] بر پا نیست
صید یک مرغ نہ کردم [illegible]

احسان صاحب اس قدر کی شاگردی اُستادی کے قائل نہیں اور وہ اس سے کہ اس دور کے شاگرد گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے ہر موڑ پر ایک نئے اُستاد سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ اس دور میں کالجوں اور سکولوں کی طرزِ تعلیم نے شاگردی کا معیار باقی رکھا ہے نہ اُستادی کا۔ جہاں وہ ہر سال کے بعد اُستاد بدلتے ہوں وہاں کیسی شاگردی اور کہاں کی اُستادی۔ شاگرد تو وہ ہوتے تھے جو عمر بھر کسی ایک اُستاد کے ہو رہتے اور نظر اٹھا کر بھی دوسری طرف نہ دیکھتے۔ تاریخ ہمیں ایسے شاگردوں اور ایسے استادوں کے واقعات سناتی ہے جن کے رشتے اتنے مستحکم ہوتے تھے

[illegible]

کہ صدق کے تمام حالات مرتب ہو جاتے تھے۔ حکیم صاحب بیمار بھی رہے، [illegible]
تھا دہلی سے دیوبند پہنچ کر [illegible] کی خدمت میں پہنچے اور علوم و معارف کے خزانے لوٹے [illegible]
[illegible] ان کا یہ خواب کیسے شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔

عبدالرزاق کانپوری

ابوالخیر مودودی

انیسویں صدی کے آخری تہائی کی یادگاروں میں تھے۔ ایسے ماحول میں پرورش پائی جس میں داستانیں، سرشار، [illegible] شاعر، تحفۃ [illegible] [illegible] کے دفتروں کی زندگی [illegible] ذوق وشوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ طبیعت میں [illegible] جس نے بیان میں داستانی رنگ پیدا کر دیا۔ شعر کی آنکھ ایسے ماحول میں کھلی [illegible] کے نئے تقاضے [illegible] تھے [illegible] کا ذوق [illegible] کے [illegible] میں منتقل ہو گیا۔ طبیعت [illegible] [illegible] عبدالرزاق سے [illegible] بنا دیا اور صرف [illegible] تک [illegible]

ان کے آباء واجداد فرخ آباد (صوبہ متحدہ) کے رہنے والے تھے۔ [illegible] ہندوستان کے ہنگامے کے سلسلے میں [illegible] نے [illegible] وطن بنایا۔ نسباً [illegible] تھے۔ بدلتے زمانے کا اثر [illegible] قبول کر کے [illegible] ہو گئے۔ انگریزی [illegible] اور اپنے زمانے کے [illegible] تھے۔ اس تقریب سے [illegible] ممکن تھا۔

عبدالرزاق صاحب [illegible] سید تھے۔ فتح پور [illegible] ان کی زمینداری تھی [illegible] فتح پور میں ہوئی۔ وہیں مکتب پڑھا [illegible] کہتے تھے، فتح پور میں ایک [illegible] حسن علی تھے۔ انہوں نے بسم اللہ پڑھائی، پھر انہی کے مکتب میں فارسی عربی پڑھی۔ یہ مکتب ان کے فرزند مولوی ظہور الاسلام نے قائم کیا تھا۔ [illegible] علاقے میں بڑے نامور اور [illegible] عالم تھے۔ جب ندوہ کی تحریک نے جنم لیا تو اس کے سربراہوں میں ان کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ تحصیلی اسکول میں فارسی کے ایک ادیب منشی [illegible] تھے۔ سکندر نامے تک ان سے فارسی درسیات پڑھیں۔ عربی متوسطات سے فراغت پائی تھی کہ مولوی [illegible] صاحب نے اپنے مدرسے میں فارسی، حساب اور ابتدائی درجے کی عربی پڑھانے کا کام سپرد کر دیا۔ والد نے یہ کہہ کر یہ تعلق منقطع کرا دیا کہ [illegible] نہیں چاہتا۔ اب [illegible] کانپور تک [illegible] سب [illegible] لگے پڑھنے۔ چھ سات برس یہ صحبت رہی، پھر [illegible] دس برس تک [illegible] رہی [illegible] منشی رحمت اللہ [illegible] کی ذات دل چسپی کا واحد سہارا تھی [illegible] طبیعت میں [illegible] پیدا کی۔ ندوۃ العلماء کے ناظم اول مولانا محمد علی صاحب مونگیری سے تھوڑی سی حدیث پڑھی، اور مدرسہ فیض عام

[illegible] مسلمانوں کی بہتری کے لیے قائم کی [illegible] میں [illegible]
[illegible] سے [illegible] کی [illegible] تھی۔ مصنف نے اس کی تکمیل کا موقع دیا [illegible]
حالی نے [illegible] مختصر تاریخ اسلام مرتب فرمایا۔ [illegible] نے قوم کے سامنے سفر شروع کیا تھا [illegible]
اقوام کی ترقی تھے۔

[illegible] پرانے وقتوں کے قصے [illegible] بیان کرتے۔ [illegible] ایک [illegible] شہید [illegible] پرانے معاشرے کا [illegible] آنکھوں کے سامنے [illegible] جو کچھ [illegible] موجود تھیں۔ جب کوئی پرانی بات چھڑ جاتی [illegible]

علی گڑھ تحریک سے بہت متاثر تھے۔ سید صاحب کے فرزند [illegible] اور ان کی [illegible] بڑے [illegible] سب لوگوں سے ان کی [illegible] تعلیم و ترقی کی وجہ سے [illegible] مولانا شبلی سے تھا۔ جب تک مولانا شبلی مدرسۃ العلوم میں پروفیسر رہے [illegible] علی گڑھ میں [illegible] ان کے ساتھ [illegible] مولانا شبلی سے ملاقات [illegible] سر سید کی خدمت میں [illegible] سید کی ذات گرامی تھی۔ [illegible] میں لکھنؤ میں ایجوکیشنل کانفرنس کا دوسرا اجلاس تھا [illegible] تاریخ اسلام کے مطالعے کا شوق ہوا۔ چند سال گزرے تھے کہ [illegible] حکیم [illegible] کا ناول [illegible] کے نام سے [illegible] میں آیا کہ اس کی تردید میں ایک مضمون لکھوں [illegible] میں نے [illegible] مولوی شبلی صاحب کو بھی [illegible] مولانا شبلی [illegible] رسائل [illegible]

عبدالرزاق صاحب دم بھر کو خاموش ہو گئے۔ ذہن نے کچھ ڈھونڈنا چاہا اور [illegible] مجھ کو [illegible] جلال الدین [illegible] یاد آ گئے [illegible] ہمارے [illegible] دوست [illegible] نے شروع زمانے میں خود اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ تاریخ کا ذخیرہ [illegible] سید صاحب کے کتب خانے میں دیکھا [illegible] اس بات کا [illegible] میاں تم لوگوں کا مشغلہ [illegible] سید صاحب کی یہ بات سن کر میں زمین میں گڑ گیا ——— عبدالرزاق صاحب نے کہا: یہ مولوی شبلی صاحب کے جوہر کی بات تھی۔ کوئلے کو تو کوئی بھی جوہری ہیرا نہیں بنا سکتا۔

میں نے بطور تفنن عرض کیا: [illegible] آپ نے بھی رسائل شبلی کے [illegible] سطور میں پڑھا ہوگا! ——— خوش خلقی ان کے چہرے پر پھیل گئی ——— مگر یہ فطری بات تھی" عبدالرزاق صاحب نے کہا: جب آدمی اندھیرے سے [illegible] تیز روشنی میں [illegible] آئے تو چکا چوند ہو ہی جاتا ہے!

اقبال کا [illegible] اپنے اصل قد و قامت سے زیادہ بلند [illegible] ہو گیا۔ [illegible] کے لئے ایک جگہ [illegible] ——— [illegible] ان جگہوں کی [illegible]

۱؎ عبدالرزاق صاحب مولانا شبلی کو اکثر اسی [illegible] کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ... نسخہ [illegible] ... شخص [illegible]

[illegible] ... نثر [illegible] ... حضرت [illegible] ... گیا

[illegible] ... پڑھتے [illegible]

[illegible] ... ایک [illegible] ... بلکہ [illegible]

[illegible] ... قدر [illegible] ... اسی [illegible] ... کے [illegible]

[illegible] ... زندگی کے [illegible] ... منزل [illegible]

[illegible] ... قدر افزائی کی [illegible] ... بڑے بڑے [illegible]

اس قدر افزائی پر بھی ان کو اتنا فخر نہ تھا [illegible] ... ذکر آتا تو [illegible] ... پیدا ہو جاتی۔

انہوں نے عمر بھر [illegible] ... آنکھیں [illegible] ... تاریخ اسلام اور تاریخ [illegible] ... اور سفرنامہ [illegible]

[illegible] ... نظام الملک طوسی [illegible] ... دو کتابیں ہیں۔ [illegible]

[illegible] ... افسانہ یا افسانہ، یہ بھی افسانہ یا افسانہ [illegible] ... ایک داستان [illegible]

[illegible] ... داستان میں افسانہ یا افسانہ ایک داستان ہے۔ نواب مرزا داغ کی صحبت میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مستقلم [illegible] طریق کردی ———

سب [illegible] منزل ہوئی۔

[illegible] حضرت [illegible] کی تھی اور کچھ جواہر، فیروزہ وغیرہ [illegible] سے مزین تھا۔ [illegible] تھیں۔ [illegible] ایک کمرے میں پولیس افسر جمع تھے۔ ملاقات کا مقام جس [illegible] تھا وہ ایک حرب تھا۔ جب میں نے [illegible] سے ملاقات کی خواہش کی تو اس نے وقت پر ملاقات کا وعدہ طلب کیا۔ چند [illegible] کے بعد مرزا صاحب کا چوبدار آیا اور ان کی ذاتی [illegible] کے اندر جانے کی اجازت ہوئی۔ [illegible] نظر آئے جو ایک سے بڑھ کر ایک شاندار تھے۔ ہر ایک کے دروازے پر سرخ و زرد رنگ کی [illegible] صاحب [illegible] کا نام کی تھا۔ [illegible] کے بعد نواب فصیح الملک مرزا داغ کا نام نظر آیا۔ [illegible] کے قریب ہی کوٹھی تھی جس میں حضور [illegible] نواب [illegible] آرام [illegible] آہستہ آہستہ [illegible] ہم کی [illegible] اس وقت مجھے صائب کا یہ شعر [illegible] کر کے پڑھا ۔

اے صبا بر برگِ ہائے غنچہ دستہ پا
پاسبانِ گلِ ما نا خوابیدہ است

الحمدللہ، منزل ختم ہوئی اور داغ کی بارگاہ تک پہنچ گئے۔ [illegible] دروازے پر ایک چوبدار نے جس کی زرد قلمی وردی [illegible] تھا چک [illegible] اور ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ پہلے گول کمرے میں بٹھائے گئے جس میں اعلیٰ قالین کا فرش تھا اور کرسیاں سیاہ رنگ کی تھیں [illegible] کے بعد ملی ہوئی۔ دوسرے [illegible] جب تیسرے میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک پلنگ [illegible] تمام کر [illegible] سے مستقبل کر رہا ہے۔ بیٹھے میں [illegible] تھے اور پنڈلیوں پر گرم اونی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ [illegible] میں [illegible] تھے۔ [illegible] گورا رنگ [illegible] اور چہرے پر ضعیف [illegible] کے داغ تھے۔ بارگاہ کا یہ حصہ نہایت آراستہ تھا۔ ایک جانب چاندی کا پلنگ بچھا ہوا تھا۔ وسط میں قیمتی [illegible] قالین تھا۔ [illegible] چاندی کی ایک بڑی انگیٹھی میں آگ دہک رہی تھی۔ مرزا صاحب نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، پھر ہمارے [illegible] فرش پر بیٹھ گئے۔ [illegible] نام تو پہلے ہی معلوم ہو چکے تھے۔ اب نام بنام تعارف ہوا۔ بیٹھتے ہی میری طرف [illegible] بڑھایا، شغل فرمائیے۔ میں نے عرض کیا: پیر و مرشد! خدا نے اس لت سے مجھے اب تک محفوظ رکھا ہے۔ فرمایا کہ اس کا [illegible] بھی [illegible] ہے [illegible] اجازت ہو تو ایک جام [illegible] کیا جائے [illegible] میری کتاب [illegible] ۱۸۹۶ء میں شائع ہو چکی تھی۔ [illegible] مرزا صاحب پڑھ چکے تھے۔ اس کتاب کے مضامین پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد سلطان [illegible] کے متعلق مجھ سے چند سوالات کیے۔ میں نے جواب عرض کیا۔ بہت خوش ہوئے اور [illegible] فرمایا کہ اپنی تصویر [illegible] بھیجنا۔ میرے بعد منشی رحمت اللہ رعد سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ جناب رعد! آپ تو [illegible] ہم سب [illegible] سنائیے۔ رعد نے [illegible] حال [illegible] کے بعد شاعری سے تائب ہو چکا ہوں تاہم [illegible] غزلیں سنائیں [illegible] منظور [illegible] ہوا۔ ڈیڑھ گھنٹے کی بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ [illegible] شاعری [illegible]

[illegible]

• یہ سہیل ... کہانی ... ایک ... :

• میرے مرحوم دوست شمس العلماء شبلی نعمانی نے خود یہ سہیل تذکرہ فرمایا کہ حیدرآباد میں عید کے دن میں داغ سے ملنے گیا ... [illegible] ... کی ملاقات کے کمرے میں ... ایک ... [illegible] ... اس میں بیٹھنے کی ... [illegible] ... عشق ... [illegible] ... شعر بدل گیا ... شعر سے ... تھا۔

رفتہ رفتہ ... من شکیبا ... من ... [illegible]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ داغ کے کلام میں شوخی اور عشق و محبت کی رنگینیاں اسی قسم کے لوازم اور خارجی اسباب سے پیدا ہوئی تھیں۔ مرحوم نے اپنے ... [illegible] ... بچپن سے جوانی تک ... ماحول میں ... یہ بات دوسروں کو کہاں ... سکتی ہے ... [illegible] ... داستان ... کتابوں سے ... صاحب ... [illegible] ... ملاقات۔

اصغر گونڈوی

صغیر احمد صدیقی

۱۹۳۳ء کا ذکر ہے میں الہ آباد یونیورسٹی میں ایم۔ اے کا طالب علم تھا۔ نیا نیا مضمون نویس و ادیب تھا۔ میں نے ایک بسیط مضمون بعنوان "چکبست پر ایک تنقیدی نظر" لکھا۔ [illegible] صاحب نے مشورہ دیا کہ یہ مضمون بھیج دوں [illegible] جو الہ آباد سے جو ایک ماہوار رسالہ ہندوستانی نکلتا ہے اس میں چھپوا دیا جائے۔ اصغر صاحب اس وقت اس رسالے کے ایڈیٹر تھے۔ میرے ایک دوست جو اصغر صاحب سے واقف تھے مجھے ان کے پاس لے گئے۔ اس زمانے میں وہ شہر میں رہتے تھے [illegible] مکان پر پہنچ کر [illegible] بالاخانہ [illegible] نشست گاہ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر میں اصغر صاحب تشریف لائے۔ دھیرے دھیرے بزرگ صورت انسان۔ لانبا قد۔ قد سے ملتا ہوا [illegible] پتلا [illegible] خوبصورت فرنچ کٹ داڑھی۔ آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک۔ لانبا کرتا اور چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے۔ روشن، صاف، صاف، نکھرے نکھرے، گندمی اور [illegible] میں ایک ضعیف سا [illegible] صدیقی معلوم ہوتا تھا کہ نیکی اور شرافت کے وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ متانت اور وقار کے ساتھ چہرہ پر ایک تبسم [illegible] پذیرائی لئے ہوئے۔ مختصر یہ کہ شخصیت میں وہ جذب اور کشش جو اجنبیت اور بیگانگی کے احساس کو ختم کر دے۔

معمولی رسم تعارف کے بعد میں نے وہ مضمون ان کی طرف بڑھا کر درخواست کی کہ اپنے رسالے میں اس کو جگہ دیں۔ مضمون کو جہاں جہاں سے دیکھ کر بولے کہ یہ زبان اور طرز بیان آپ کے شعبہ ادب کا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے عرض کیا "جی ہاں شعبے سے ابھی تک مستفید نہیں ہو سکا ہوں۔ جو کچھ آپ کے سامنے ہے اپنی کاوش کا نتیجہ ہے۔" کہنے لگے کہ "ہمارے یہاں تو بورڈ آف ایڈیٹرس ہے۔ وہ فیصلہ کرے گا کہ مضمون شائع کیا جائے یا نہیں۔ معاوضہ دیا جانا اب بند کر دیا گیا ہے۔ البتہ تجویز ہے جو ابھی منظور نہیں ہوئی ہے کہ پھر معاوضہ دیا جائے۔ آپ چند روز بعد تشریف لائیے تو میں بتا سکوں گا کہ فیصلہ کیا ہوا۔"

میں چند روز بعد گیا تو انہوں نے کہا کہ مضمون اگر آپ چاہتے ہیں تو چھپ سکتا ہے مگر معاوضے کا مسئلہ ہنوز طے نہیں ہوا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے مضمون میری طرف بڑھایا۔ میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایڈیٹوریل بورڈ کے ایک بزرگ نے جو مجھ سے بخوبی واقف تھے اور مجھ پر بڑی شفقت فرماتے تھے بعض حصوں کو حذف کرنے کے لئے نشانات لگا رکھے تھے۔ مجھے بہت ناگوار ہوا۔ میرے

[illegible] ہیں۔ بلکہ وہ جہاں [illegible] ہیں۔
[illegible] کے بیچ میں [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible]
[illegible] ان کا [illegible] سے [illegible]
[illegible] سے [illegible] بیٹھا [illegible] تک [illegible] ہوں۔

مولانا اصغر حسین اصغر گونڈہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تفضل حسین [illegible] ابتدائی تعلیم کی تکمیل نہیں ہو سکی تھی
کہ [illegible] تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ [illegible] گونڈہ میں ملازم ہو گئے [illegible]
۔ [illegible] جناب [illegible] سے دوستوں میں [illegible] کے [illegible] سے [illegible]
ہے [illegible] دوستوں سے [illegible] ایک [illegible]
[illegible] کے [illegible] کے پاس [illegible] کی [illegible]
[illegible] کی [illegible] کرتے اور [illegible]
اپنے [illegible] سے تھے۔

اصغر صاحب کی ابتدائی زندگی، تعلیم و تربیت سے ناآشنا رہی۔ جوانی میں وہ بے راہ رو ہو گئے اور [illegible] ہیں [illegible]
تھے۔ جو لوگ ہوتے ہیں وہ تو جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا نہیں کیا۔ ان کی زندگی کے آخری تین سالوں میں ان کا [illegible] دیکھ
چکا ہوں۔ آج بھی ان پر حیرت کرتا ہوں۔ وہ شگفتگی اور سنجیدگی کا بہترین امتزاج [illegible] وہ [illegible] کو اصل اپنے [illegible] عبادت و
بندگی کی ایک فضا سمجھتے ہیں۔ ——— کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنے سینے سے واقعی "حق" [illegible] ملتے
ہیں۔ ممکن ہے کہ جگر ان کے نقش قدم پر چلا ہو [illegible] ان کے مزاج میں [illegible] سبب [illegible] خود بخود
کسی سنبھل چکے ہیں۔

قصہ مختصر ایک دن آیا جب اصغر نے محسوس کیا کہ ان کی [illegible] کی تشنگی ناقابل برداشت حد تک تیز ہو چکی ہے اور
وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اصلاح شیخ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ یہ سراغ ملا تھا شیخ محمد عمر صاحبؒ کے پوتے قاضی عبدالغنی صاحبؒ
کے پیر بھائی تھے اور تھانہ بھون میں رہتے تھے۔ مراد آباد پہنچ کر انہوں نے لوگوں سے پتہ پوچھا تو انہوں نے قاضی صاحب کی طرف
اشارہ کیا کہ یہ شیخ محمد عمر کا صحیح پتہ بتا سکیں گے۔ قاضی صاحب اس وقت پلیٹ فارم کے ایک گوشے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ
ان سے پتہ پوچھ کر گاڑی کے ڈبے میں آکر بیٹھ گئے۔ کوئی چیز خرید کر پیسے گن رہے تھے کہ ہاتھ سے چھوٹ کر پلیٹ فارم پر گر پڑے
ٹھیک اسی وقت قاضی صاحب ادھر سے گزرے انہوں نے نہایت بے تکلفی سے کہا کہ ذرا میرے پیسے اٹھا دیجئے۔ قاضی صاحب
نے نہایت فراخ دلی سے یہ خدمت انجام دی۔ پیسے چن کر ان کے ہاتھ پر رکھے اور خود بھی اسی ڈبے میں بیٹھ گئے۔ گاڑی جب [illegible] پہنچی
تو قاضی صاحبؒ اتر پڑے اور ساتھ ہی ساتھ اصغر صاحب بھی۔ قاضی صاحب نے کہا بھی کہ آپ کو تو آگے جانا ہے مگر اصغر صاحب
نے جواب دیا کہ میں نے ارادہ بدل دیا ہے آپ کے ساتھ چلوں گا۔

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغر — کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

قاضی صاحبؒ نے اسی وقت اپنے ایک مرید تجمل علی صاحب تحصیلدار گونڈہ کو تار دیا کہ تفضل حسین صاحب کو مطلع کر دیں کہ
ان کا لڑکا میرے پاس آگیا ہے۔

[illegible] صاحب کے اکثر [illegible] بیعت کی [illegible] میں [illegible]
[illegible] کے لئے ۔

سب سے فنا میں خود وہ منکر ہیں اب [illegible]

تم نے جس سے [illegible] دیا آکے مری نگاہ میں

[illegible] کا جو اصغر صاحب کو حضرت کی انتہائی [illegible] دیکھنے سے کچھ [illegible] ان کا اندازہ [illegible] کے [illegible] سے کیا جا سکتا ہے [illegible] ایک شعر میں [illegible] تہذیب [illegible] کے [illegible] سے [illegible] اور [illegible] ادا کر [illegible] صاحب کی تاریخ میں [illegible] زندگی [illegible] ایک نیا [illegible] ہیں [illegible] ایک صاحب [illegible] ہے۔

[illegible] صاحب جس نے تو پھر ان کا دامن پکڑ لیا۔ وہ [illegible] پوری طاقت سے ان کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے تیار تھیں کشمکش شروع ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ [illegible] آخر [illegible] کی نئی زندگی کے شریک ہو گئے۔

اصغر صاحب کو اپنے پیر سے والہانہ شیفتگی تھی اور اکثر حاضری دیا کرتے۔ قاضی صاحب بھی ان کے ساتھ خصوصیت برتتے [illegible] کیا کرتے تھے۔ ایک دن ان سے کہا کہ تہجد کے وقت تمہاری آواز نہیں سنائی دیتی، تم بھی اٹھ کر ذکر کیا کرو۔ چنانچہ دوسرے دن سے انھوں نے بھی اسی طرح ذکر کرنا شروع کیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر [illegible] برداشت کرنے سے مجبور ہو کر [illegible] ہے۔ [illegible] کا نتیجہ ہوا تو ذکر کرنا ترک کر دیا۔ ایک دن قاضی صاحب نے پھر کہا کہ بابا اصغر تمہاری آواز نہیں سنائی دیتی تو جواب [illegible] حضرت [illegible] رقت طاری ہو جاتی ہے [illegible] سمجھتا ہوں۔ قاضی صاحب نے فرمایا اچھا تو ذکر نہ کیا کرو۔ میں مجبور ہوں [illegible] ترک کی اجازت نہیں دے سکتا لیکن ان کے علاوہ جملہ عبادات ترک کر دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے اصغر مرحوم کو کبھی اوراد و وظائف میں مستغرق نہیں پایا۔ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند ضرور تھے مگر اس میں کمال غلو نہیں تھا اور نہ دوسروں سے اس معاملے میں سخت گیری کرتے تھے۔ خود تنہائی میں عبادت کرتے [illegible] کی انتہائی گہرائیوں کے ساتھ۔

اپنی زندگی کے آخری زمانے میں جب [illegible] سے صاحب فراش تھے یہ آرزو تھی کہ [illegible] قاضی صاحب کے مزار پر حاضری دیں۔ طبیعت سنبھلی تو روانہ ہو گئے۔ مجھے ساتھ لے لیا۔ میری ناتوانی سے واقف تھے۔ راستے میں مسکرا کر [illegible] صوم و صلوٰۃ کی ہے آپ کیا کریں گے؟ میں نے کہا [illegible] پہنچ کر پڑھنے لگوں گا [illegible] مسکرا کر [illegible] ہے؟ میں نے [illegible] سے پوچھا فجر کی نماز وہاں کس وقت پڑھی جاتی ہے؟ بہت جلدی [illegible] کہنے لگے فجر کے وقت۔ میں نے عرض کیا ایک فجر کا وقت وہ کہا جاتا ہے جسے میں رات کا پچھلا پہر کہتا ہوں جب آسمان پر [illegible] تارے [illegible] ہیں [illegible] اندھیرا ہوتا ہے [illegible] آنکھیں [illegible] پاؤں کہیں ڈالنے پڑتا کہیں [illegible] دوسرا وقت وہ ہے جسے [illegible] کہتے ہیں [illegible] آفتاب سے کچھ قبل ہوتا ہے [illegible] رہتا ہے۔ ہنس کر بولے آپ جماعت میں شامل [illegible] آفتاب سے کچھ قبل [illegible] ہیں [illegible] بہر حال [illegible] پہنچ کر [illegible] خشک [illegible] تھی [illegible] گہری نیند سو گیا [illegible] تو دن کافی چڑھ گیا تھا۔ مولانا [illegible] بیٹھے تھے۔ [illegible] اپنا کمبل اوڑھے ہوئے تھا [illegible] احساس [illegible] کمبل [illegible] جو نماز کو جاتے وقت انہوں نے میرے اوپر ڈال دیا تھا۔ [illegible] کرتے تھے [illegible] آسانی سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ [illegible] اپنے پیر کا انتہائی ادب و احترام کرتے تھے اور [illegible] ذکر [illegible] کرتے تھے۔ [illegible]

[illegible]

اصغر صاحب کی عادات و خصوصیات آداب کے ساتھ ۔ [illegible] تھا۔ وہ زندگی کو ایک مخصوص حسن و خوبی سے برتنے کے عادی تھے [illegible] ۔ چیزیں [illegible] سلیقہ سے [illegible] ان کے یہاں [illegible] زندگی کے ہر معاملہ میں [illegible] ان کی شخصیت کا ثبوت ملتا ہے [illegible] ایک [illegible] انتقال [illegible] لکھا تھا۔ اصغر صاحب نے [illegible] آپ کی بیعت [illegible] واپس کیں [illegible] آپ کی [illegible] ہوئے تو [illegible] آپ [illegible] کی اقتصادیات کی [illegible] کے سبب [illegible] کرنی پڑے گی ۔ [illegible] پالیسی کے [illegible] میں [illegible] تھا [illegible] تحقیق کی جانے لگی تو خود پالیسی کے [illegible] آپ کے کلام سے خوش تھا آپ کی [illegible] ان صاحب کو [illegible] آپ [illegible] تھے [illegible] مدت تک [illegible] کے امیدوار تھے [illegible] انگریزی کی باقاعدہ تعلیم تو حاصل نہیں کی تھی [illegible] محمد سلیمان مرحوم [illegible] انگریزی کتاب [illegible] زندگی [illegible] ایک ہزار [illegible] اس [illegible] کا جو نتیجہ ہوا [illegible] ہے ۔

اصغر کی شخصیت کے جو خد و خال اوپر نمایاں کئے گئے ہیں وہی [illegible] ان کے کلام میں بھی ملتے ہیں ۔ [illegible] اصغر صاحب [illegible] نفاست اور پاکیزگی ، ہر موضوع اور معاملہ [illegible] منفرد طرز فکر [illegible] سے [illegible] نکلنے کی کوشش ۔ اصغر [illegible] تھے ۔ غزل گو شعرا [illegible] شاعرانہ [illegible] مثال ہے کہ جو سوچتے تھے اور محسوس کرتے تھے وہی ادا [illegible] کرتے تھے ۔ [illegible] کے مطابق [illegible] عشق [illegible] کے [illegible] کچھ نہ کہتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام سے ان کا فلسفۂ زندگی آسانی سے اخذ کیا جا سکتا ہو [illegible] تو صرف اپنے کو وابستہ رکھتے ۔

[illegible] کے کلام کے [illegible] موضوع اور مضامین کی [illegible] زندگی [illegible] ایک صاحب نے کہا کہ مولانا آپ کے یہاں تنوع نہیں بلکہ ایک [illegible] جب تک وہ چیز [illegible] کے مطابق [illegible] ہے ۔ میری [illegible] ایک ہی [illegible]

[illegible] حیدرآباد [illegible] بھی پڑھے۔ [illegible] کے [illegible]
[illegible] کثرت شعر کی شاہد ہیں۔

[illegible] کے دور پورا کرتے تھے اور شاعرانہ حیثیت سے اپنے لیے جگہ بنا سکتے تھے۔ مشاعروں [illegible] علاوہ
[illegible] بھی شرکت کرتے بھی تھے تو مصرعہ طرح پر شاعرانہ وقت و شان کے منافی سمجھتے تھے۔ مسلسل شاعری کی تحلیل
[illegible] طرح سے بد کتے تھے۔ مشاعروں سے ان کی گریز پائی کا ایک مذاق تجربہ ہوا ہے۔ [illegible] پر مشتمل
مشاعرہ منعقد ہونا تھا جس نے طرح پر چیونٹی اور اجتماعی نے غزل بھی کہی۔ [illegible] میری ضمانت سے اصغر صاحب کی مشاعرہ میں
شرکت منظور حاصل ہو جائے گی مگر جب وقت آیا۔ اور میں نے کہا چلیے تو اصغر صاحب نے صاف انکار کر دیا اور [illegible]
تھی شاعرانہ تکلف کا شاید یہ بھی نتیجہ ہیں اس انکار پر بہت متحیر ہوا۔ پھر میں نے کہا خود آپ نے غزل کہی ہے کہیں پڑھ دیا
بہتر نہیں۔ غزل پڑھنے والے کسی سے پڑھوا دیں گا۔ میں نے واپس آ کر احباب کو خوشخبری دی کہ اصغر صاحب نہیں آئیں گے تو لوگ [illegible]
[illegible] اور مجھ کو [illegible] دیئے گئے کہ یہ [illegible] مشاعرہ کی رونق اپنے ہمراہ کے پیچھے آئے۔ تب واپس جا کر دوسری نشست کا
میں پہنچ کر شیروانی کھونٹی پر ٹانگی اور کہا اب منزل سے جیسے گھر ہو کر پچھتانا پڑا کہ ارادہ ہے میں نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا اور پھر
جب اس مشاعرہ کا [illegible] حس [illegible] بری مہربانی ہے لوگوں کو فرمائش ہو جائے گی تب میں جو طلب ہیں واپس ہو گا جب تک
خدمت میں حاضر رہوں گا۔ اصغر مرحوم ادبی تواضع تیار ہو گئے۔ محفل میں آ کر ڈائس کے پیچھے ایک کونے پر بے پروائی سے بیٹھ گئے۔ جب ان
کی باری آئی تو غزل جناب حفیظ صاحب [illegible] کو پکڑا دی۔ انہوں نے ڈائس پر بلا کے ترنم سے پڑھا۔

دو عقل پریشاں دیکھیں ذرا اک بار ہو جائے
گلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے

اس شعر تحسین و آفرین محفل سے بلند ہوا تو حفیظ صاحب نے اس داد کو جو انہیں مخاطب کر کے دی جا رہی تھی دونوں ہاتھوں سے
سمیٹ کر اصغر صاحب کی طرف پھینکنا شروع کیا۔ پھر کیا تھا لوگوں کا اصرار بڑھا اور صدر مشاعرہ بیچ بچاؤ پر پہنچنے تک درخواست کی کہ اصغر
صاحب ڈائس پر تشریف لائیں۔ لیکن کشاں کشاں لائے گئے۔ بہت خاموشی اور وقار سے چہرے پر ایک خفیف سا تبسم لیے بیٹھے رہے۔
وہ شاعرانہ عالم کہ یہ شعر ملاحظہ کیجئے گا [illegible] ذرا غور کیجئے گا یہ شعر شاید کسی قابل ہو۔ ان میں کہاں۔ مرصع غزل تھی۔ ہر شعر پر محفل جھوم جاتی تھی۔
یہ کبھی کبھی تسلیم کر لیتے مگر داد طلب انداز سے نہیں۔

اصغر مرحوم وسیع المشرب اور کثیر الاحباب تھے۔ ان کی صحبت میں ہندو بھی شریک ہوتے اور مسلمان بھی۔ آزاد خیال حضرات بھی
اور مذہب پسند متشرع و متقشف قسم کے بزرگ بھی۔ سب کو ان کی ہم نوائی پر ناز تھا۔ اپنے احباب سے بہت خلوص و محبت سے پیش آتے
تھے۔ صحبتیں بہت دلچسپ اور مفید ہوتی تھیں۔ موضوعات گفتگو سنجیدہ اور وسیع ہوتے۔ مذہب و فلسفہ۔ شعر و ادب سبھی پر خیال آرائی ہوتی۔
اصغر مرحوم خوش مذاق کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ طبیعت بذلہ سنج پائی تھی اور گفتگو کا انداز بہت دل نشین تھا۔ خود ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے
ان کی صحبتوں کی فضا بہت شگفتہ و پرسکون ہوتی اور کوئی بے کیف نہ ہونے پاتا۔

ان کے احباب نے ان کو کبھی مایوس، پریشان، ملول یا افسردہ نہیں پایا۔ یہ بھی قاضی صاحبؒ کا فیض روحانی تھا کہ اصغر صاحب ہر حال
میں مسرور و مطمئن اور شگفتہ رہتے تھے۔ یہی نہیں ان کی طمانیت آسودگی اور سکون ان کے ہم نشینوں میں بھی منتقل ہو جاتا۔ آپ کسی الجھن یا پریشانی
میں ہوں اصغر صاحب کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آئے تو دل و دماغ کی فضا بدل گئی۔ حیرت تو اس پر ہے کہ اور جو اس کے کہ وہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

منشی محمد الدین فوق

محمد عبداللہ قریشی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب دلّی کے نامور ادب کے چند ترشے ہوئے ستارے دلّی سے لاہور کے افق پر چمکے ان میں مولانا
حالی۔ مولانا محمد حسین آزاد۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری وغیرہ ... قابل ذکر ہیں ... مرحوم کی بدولت پنجاب میں
سخن کی محفلیں جمیں اور اس طرح سرزمین پنجاب کے رنگ اور ادبی سعادت اور تہذیبی و ثقافتی قدروں سے پہلی مرتبہ واقف ہوئے جو اس سے پیشتر ہی
سے مکمل کر اودھ۔ مرشد آباد۔ عظیم آباد (پٹنہ)۔ حیدرآباد (دکن) میں دبستان بنا گئی تھیں۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ پنجاب میں پہلی نسل کے ذہن سے آ
حالی۔ آزاد۔ فیض اور ارشد وغیرہ کو ... ہوئے تھے اور دوسری پشت میں جو لوگ پیدا ہوئے ان میں محمد عبدالقادر۔ علامہ
اقبال۔ خان احمد حسین خان۔ مولوی ظفر علی خاں۔ چوہدری خوشی محمد ناظر۔ میر غلام بھیک نیرنگ۔ میاں شاہ دین ہمایوں۔ مولوی محبوب عالم۔ مولوی
انشاء اللہ خاں۔ مولوی محرم علی چشتی۔ پنڈت سیتا رام ... اور منشی محمد الدین فوق وغیرہ کا نام سرفہرست ہے۔ یہ ... ہر وقت کی کمال فن کے
اعتبار سے خداداد ... تھے۔ اور آج بھی اس میدان میں ان کا کوئی مدمقابل نظر نہیں آتا۔ مولانا ظفر الملک علوی مدیر الناظر لکھنؤ جو کئی بار
۱۹۱۲ء میں لاہور گئے پنجاب میں اردو کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب سے پچیس تیس سال قبل منشی محمد الدین فوق اور میر غلام بھیک نیرنگ کے سوا شاید کوئی تیسرا پنجابی شاعر یا ادیب تھا جس کا کلام پنجابی
کی معمولی غلطیوں سے پاک اور جس کی انشا صحیح اردو میں شمار ہونے کے قابل ہو۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب اس وقت اہل پنجاب
میں شمار نہیں کیے جا سکتے تھے۔ مگر نئی نسل نے بہت سے ایسے اہل قلم پیدا کر دیے ہیں جن کی نظم و نثر اہل زبان کے معیار پر اگر
نہیں تو زبان دانوں کے معیار پر ضرور پوری اترتی ہے اور آثار ظاہر بتاتے ہیں کہ ایسے اصحاب کی تعداد میں روز بروز اضافہ
ہوتا رہے گا۔"
(نیرنگ خیال، بابت اگست ۱۹۳۳ء)

منشی محمد الدین فوق فروری ۱۸۷۷ء میں موضع کوٹلی ہرنارائن (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے اور ستمبر ۱۹۴۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

[illegible] ایک شاعر کی حیثیت سے [illegible]
[illegible]
[illegible] ثابت ہوں گے اور منشی صاحب کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

منشی صاحب سے میری ملاقات [illegible] [illegible] [illegible] آسمانِ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] گئی [illegible] کے اندر ایک مکان میں اقامت گزیں تھے [illegible] ہفتہ وار اخبار کو خود شائع کیا کرتے تھے [illegible] [illegible] سادہ لباس، سر پر ترکی ٹوپی۔ یہ ایسی شخصیت تھی جس نے مجھے [illegible] متوجہ کر لیا [illegible] سے ان سے [illegible] پہچان کرائی: کیا آپ انہیں نہیں جانتے؟ یہ آپ کے [illegible] مشہور [illegible] اور مورخ منشی محمد دین فوق ہیں۔ یہ میری اور منشی صاحب کی پہلی ملاقات تھی۔

اس کے بعد میں نے [illegible] [illegible] [illegible] منشی محمد دین فوق بھی شریک تھے۔ [illegible] سب نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ اس پہلی ملاقات میں منشی محمد دین فوق کے متعلق میرے دل میں [illegible] پیدا ہوا تھا وہ [illegible] ہو گیا۔ اور یہی شوق خاطر مجھے آہستہ آہستہ ان کے قریب لے گیا۔

منشی صاحب شیر گڑھ دروازہ کے باہر رہتے تھے۔ جب تک اخبار کشمیری جاری رہا نیچے دفتر میں بیٹھتے تھے۔ اس کے بعد [illegible] میں اپنی نشست کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر لیا تھا جس کی بڑی بڑی الماریوں میں ہر قسم کی کتابیں بھری رہتی تھیں۔ ان میں ان کی ذاتی تصنیفات بھی تھیں اور دوسری کتابیں بھی۔ منشی صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا اتنا شوق تھا کہ [illegible] کے تمام اخبار نویسوں میں [illegible] اور [illegible] کے بعد آپ ہی کی ذاتی لائبریری قابل ذکر تھی۔ جس میں ہر سال سینکڑوں کتابوں کا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

میرا معمول تھا کہ ہفتہ میں ایک بار [illegible] کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ پریشان [illegible] ان کی صحبت سے ہشاش بشاش [illegible] وہاں جاتا اور ان کی پر لطف باتوں سے غم غلط ہو جاتا۔ خالی الذہن جاتا اور معلومات کے ایسے نادر و لطیف تحفوں سے [illegible] واپس آتا جو شاید [illegible] کے مطالعہ یا مشاہدہ سے حاصل نہ ہو سکتے۔ خوش ہوتا تو وہاں [illegible] جاتا اور جب کبھی [illegible] ہوتا تو وہاں جاتا۔ جب واپس آنے کی اجازت چاہتا تو [illegible] چائے، لسی، شربت [illegible] جو کچھ ہوتا اس سے تواضع کرتے اور اگر کسی وجہ سے میرے جانے میں [illegible] ہو جاتا تو دوسرے دن خود میرے ہاں تشریف لاتے اور نہ آنے کا سبب دریافت کرتے۔ ان کے اس معمول میں [illegible]

فوق صاحب کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے کشمیر کی محبت میری رگ رگ میں سما گئی اور میں حالات کشمیر کے خواب دیکھنے لگا [illegible] [illegible] اکثر میرے ساتھ ہوتے۔ کبھی [illegible] اور میں اکیلا ہوتا تو فوق صاحب مجھے [illegible] کا کھانا [illegible]

کے ساتھ کام ہو سکتا تھا کسی دوسری زبان کے الفاظ اور مصرعے ڈھونڈ کر لکھنا ان کا ایک خاص مشغلہ تھا۔ وہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ عربی، فارسی، انگریزی، ہندی، اردو، پنجابی وغیرہ بھی پڑھ لیتے۔ چونکہ نظام کے سلسلے میں اکثر نئی معلومات حاصل ہوتی تھی۔ انہوں نے اس عرصہ میں کچھ مضامین لکھے لیکن ان کی تعداد معمولی ہے جو چند ایک ہی دیکھے گئے ہیں۔ اس طرح جب وہ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو ان کی علمی اور ادبی خدمات کی مدت ان کی عمر کا ایک بڑا حصہ تھی۔

ذوقی صاحب اپنے گھر پر نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ کسی بھی قسم کی بندش یا تکلف کے قائل نہ تھے۔ ان کی زندگی کا ایک حصہ باقاعدہ نماز اور تلاوت میں گزرتا تھا۔ صبح سویرے اٹھتے تھے اور سیر کو جایا کرتے تھے۔ ان کی یہ عادت آخر عمر تک رہی۔

لکھنے پڑھنے کے سلسلے میں بھی وہ کوئی خاص اہتمام نہ کرتے تھے۔ کبھی میز کرسی پر بیٹھ کر، کبھی چارپائی پر لیٹ کر لکھتے پڑھتے رہتے تھے۔ البتہ یہ عادت قابل ذکر ہے کہ جب وہ کوئی کتاب پڑھتے تو اپنی ضرورت کی باتیں نوٹ کر لیتے تھے تاکہ بوقت ضرورت استعمال کر سکیں۔ کسی موضوع پر کوئی چیز جب استعمال ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں ان کی نظر بہت گہری تھی۔ انہوں نے الگ الگ لفافے بنا رکھے تھے جن میں الگ الگ مضامین کے نوٹ جمع کرتے رہتے تھے پھر جب کوئی کتاب لکھتے تو ان تراشوں اور یادداشتوں کی وجہ سے مواد تلاش کرنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوتی اور کتاب کا کام دنوں میں ختم ہو جاتا۔

گھر والوں سے ان کا سلوک بہت مشفقانہ تھا۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ پہلی دونوں بیویاں صاحب اولاد تھیں۔ تیسری سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جسے گھریلو جھگڑوں کے لئے معقول وجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ذوقی صاحب کی زندگی میں یہ جھگڑے نہایت تند و تیز سے سر اٹھاتے تھے لیکن ان کا ذہنی توازن ایسے حالات میں برقرار رہتا تھا اور وہ ہر ایک کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرتے تھے۔

ذوقی صاحب ہنگامہ خیزیوں سے الگ اپنے گوشۂ عافیت میں رہ کر خاموش کام کرنے کے علاوہ خلوص و محبت، استقلال و ہمت، ظرافت و شوخی اور جذبۂ ایثار و ذوق خدمت کی دولت سے مالا مال تھے ؎

وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے — بہت لگتا تھا جی صحبت میں ان کی

ان کی بذلہ سنجی، حاضر جوابی، خوش اخلاقی، خوش مذاقی اور خوش مزاجی کی وجہ سے ان کے پاس بیٹھنے اٹھنے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔

یہ باتیں کچھ میرے ساتھ ہی خاص نہیں تھیں۔ ان کے تمام دوست اور ملنے والے ان کی شگفتہ مزاجی سے متمتع ہوتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے ہنس مکھ تھے ایسی بات بناتے اور اس قسم کے برجستہ فقرے چست کرتے تھے کہ بس مزا آ جاتا تھا۔ خود سنایا کرتے تھے کہ جب وہ گھر کی پرائمری سکول پاس کرنے کے بعد انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے قصبہ جاگھے کے مڈل سکول میں داخل ہوئے تو بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔ بورڈروں کی زندگی عام طور پر شوقوں سے بھری ہوتی ہے۔ دن رات دل لگی تفریح اور ہنسی مذاق کے سینکڑوں پہلو نکلتے رہتے ہیں۔ لڑکے عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ استادوں سے مذاق کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

ایک رات بورڈنگ ہاؤس میں رہنے والے لڑکوں کو شرارت جو سوجھی تو انہوں نے ایک تماشا کیا۔ کوئی استاد بنا، کوئی شاگرد۔ ایک لڑکے نے سبق سنانا شروع کیا اور غلط پڑھا۔ ماسٹر نے ٹوکا اس نے پھر غلط پڑھا۔ استاد نے بنچ پر کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد ایک طالب علم نے دوسرے طالب علم کو چھیڑا۔ اس نے ماسٹر سے شکایت کی۔ ماسٹر نے ایک کو جرمانہ کیا اور دوسرے کو رجسٹر سے نام خارج کرنے کی دھمکی دی۔ پھر

[illegible]

ذوق صاحب محلہ کی چھت پر بیٹھے [illegible] لگ گئے [illegible] پڑھتے رہے [illegible] [illegible] ذوق صاحب [illegible] [illegible]

[illegible] ۔ ۔ آپ [illegible] میں پڑھا ہے ؎

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

مولوی صاحب [illegible] [illegible] ؎

بڑھاپے کی [illegible]	[illegible]

خلاصہ کا ذکر ہے ذوق صاحب پیسہ اخبار کے دفتر میں ملازم تھے۔ تنخواہ اس وقت دس روپیہ ماہوار تھی۔ بعد میں تو انہوں نے اس سے کئی گنا زیادہ مشاہرہ پر خود ملازم رکھے اور [illegible] بہرحال جیسا کہ عام پرائیویٹ فرموں کا دستور ہے آخری دسویں دن ہر ملازم کو روپیہ دو روپیہ پیشگی [illegible] جو مہینے کے آخر میں تنخواہ سے وضع ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ اکاؤنٹنٹ نے تمام ملازمین کے قرضہ کی فہرست بنائی۔ اس میں ذوق صاحب نے پانچ روپے [illegible] زیادہ روپے ہو جائیں گے۔ اکاؤنٹنٹ نے اعتراض کیا۔ ذوق صاحب نے کہا۔ آپ لکھ دیجئے۔ منیجر صاحب منظور فرمائیں گے تو سہی۔ مولوی محبوب عالم کے چھوٹے بھائی عبدالعزیز منیجر تھے۔ ان کے پاس فہرست پیش ہوئی۔ وہ ذوق صاحب کے نام پانچ روپے دیکھ کر چونک اٹھے۔ انہیں بلایا اور کہا آپ اس سے پہلے تین روپے لے چکے ہیں۔ اب یکمشت پانچ کس طرح مل سکتے ہیں۔ کیا کسی صورت میں پانچ روپے پر [illegible] اس وقت ایک روپیہ سے زیادہ نہیں ملے گا۔ ذوق صاحب نے کہا۔ ایک روپیہ کیا۔ میں تو آنہ تک قبول کرنے کو بھی تیار ہوں۔ لیکن خواہش صرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ زندگی میں پانچ روپے اکٹھے دیکھ لوں۔ منشی عبدالعزیز صاحب ہنس پڑے اور ایک کی بجائے دو روپے دے دیئے۔ اس واقعہ سے بھی یہ پتہ چل سکتا ہے کہ ابتدا میں ذوق صاحب کی مالی حالت کیا تھی اور کس جوش و عزم سے انہوں نے ترقی کی۔

لالہ دینا ناتھ حافظ آبادی جو ہندو اخبار نویسوں میں بڑے کامیاب اخبار نویس اور جرنلسٹ تھے۔ پیسہ اخبار کے دفتر میں ذوق صاحب کے ساتھ کام کرتے تھے۔ انہوں نے [illegible] میں اخبار ہندوستان جاری کیا جس سے ان کی بہت شہرت ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے جہاد اور ولیش وغیرہ اخبار بھی نکالے۔ ایک روز ذوق صاحب ان سے ملنے گئے۔ وہ ایک گول میز کے گرد چھ سات آدمیوں کے ساتھ بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ان میں دو وکیل بھی تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ذوق صاحب نے مزاج پرسی کے بعد پانی طلب کیا۔ لالہ دینا ناتھ نے کہا۔ ہاں تو ہم گر گئے کا [illegible] ہے۔ ذوق صاحب نے کہا۔ کوئی پروا نہیں۔ تمہارا [illegible] تو نہیں۔ لالہ دینا ناتھ نے جب آپ

[illegible] دیا۔ اب

[illegible]

[illegible] ذوق صاحب کے بڑے عمدہ [illegible] کی مدد دی۔

ذوق صاحب سیر و سیاحت کے بڑے شوقین تھے۔ [illegible] زندگی [illegible] سیاحت میں بسر کی۔ [illegible] ہر حال [illegible] وہاں رہتے۔ [illegible] کئی مقامات کی [illegible] وہاں کے [illegible] اپنے تجربات و مشاہدات [illegible] کرتے۔

کشمیر کے علاوہ انہوں نے [illegible] ریاستوں مثلاً [illegible] بیکانیر، بہاولپور [illegible] دہلی، بھوپال، بنگال اور [illegible] کی سیر [illegible] ان کے [illegible] کا حلقہ وسیع ہو گیا اور [illegible]

ذوق صاحب بڑے [illegible] شعر و شاعری کا شوق تو نہیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا جس کی وجہ سے [illegible] چنانچہ [illegible] میں مڈل کا امتحان دینے کے بعد جو اس وقت [illegible] کا استاد تھا [illegible] پھر وہاں سے [illegible] ملازمت کی [illegible] کے پاس ملازمت حاصل کی۔ [illegible] شعر و شاعری [illegible] جب [illegible] اپنے بڑے بھائی کے پاس [illegible] چلے گئے۔ یہاں پیسہ اخبار کے دفتر میں ملازمت مل گئی [illegible] چار سال تک رہے۔ اس عرصہ میں [illegible] اخبار عام اور خاص [illegible] مضامین [illegible] لکھتے رہے۔ ان کے [illegible] ذیل چار اخبار خود مرتب کرتے تھے:

(۱) کوہ نور جو پنجاب کا سب سے پہلا اردو ہفتہ وار اخبار تھا [illegible] آخری ایڈیٹر ذوق صاحب تھے۔

(۲) گلزار ہند جو اگست ۱۹۰۱ء میں جاری ہوا۔

(۳) آفتاب پنجاب جو ۱۹۰۴ء یا ۱۹۰۵ء میں بند ہوا۔

(۴) [illegible] جو منشی محمد جان قریشی نے [illegible] جاری کیا۔

اسی زمانے میں آپ نے شالامار باغ کی سیر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی۔ اس سے حوصلہ اتنا بڑھا کہ کتابوں کی تصنیف و تالیف کا [illegible] چسکا پڑنے لگا۔ چونکہ ان دنوں ناولوں کی گرم بازاری تھی۔ آپ نے بھی [illegible] شہرت [illegible] ہونے لگی۔ اور مالی حالت بھی اچھی ہو گئی۔

اکتوبر [illegible] میں آپ نے پیسہ اخبار کی ملازمت ترک کر کے [illegible] اپنا اخبار اور پریس جاری کیا۔ اس اخبار کا [illegible] پرچہ صرف [illegible] تیس کی تعداد میں چھاپا گیا جس کا افتتاحیہ یہ تھا:۔

• خدا کے گھر پر سرکار کا قبضہ۔

مضمون اس شاہجہانی مسجد کے متعلق تھا جو [illegible] کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اور [illegible] ریلوے اسٹیشن کے قریب ہونے کی وجہ سے اس وقت محکمہ ریلوے کے قبضے میں تھی۔ ریلوے والوں نے اس میں ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کا دفتر قائم کر رکھا تھا۔ اخبار [illegible] تمام اخبار نویس دنگ رہ گئے۔ آخر رفتہ رفتہ دیگر اخبارات بھی اس معاملے میں [illegible] ہوئے اور [illegible] نے [illegible] اس مسجد کو واگزار کر دیا۔ آج کل یہ مسجد آباد ہے اور اس پر [illegible] آثار قدیمہ کا بورڈ لگا ہوا ہے۔

[illegible] ۔ کاتب اور کاغذ چھپائی وغیرہ سب [illegible] تھے ۔ [illegible] کے نام [illegible]
[illegible] کر دیا کرتے تھے ۔ باقی وہ پر تقسیم ہو سکتے تھے [illegible]
[illegible] کر [illegible] ہو گیا ۔ [illegible]
[illegible] ۱۹۰۲ء میں ہفتہ وار ہو گیا ۔ [illegible] اشاعت [illegible]
[illegible] ۱۹۰۴ء [illegible] بند ہو گیا ۔ [illegible]
[illegible] اخبار [illegible] کی پالیسی [illegible] وقت [illegible]
[illegible] اس کی سرپرستی کرتے تھے ۔ [illegible] مسلمانوں [illegible]
[illegible] اقبال [illegible] تعلیم [illegible] کی [illegible] ہو گیا ۔

فوق صاحب کا اپنا بیان ہے :-

"ایک شخص جو بڑا چالاک [illegible] تھا ۔ چند روز [illegible] کے بعد [illegible] ہو گیا [illegible] ساتھ ہوتا تھا اور ایک [illegible] نام [illegible] اخبار نکال [illegible] سے اس کی [illegible] پر [illegible] کیا [illegible] کے چہرے [illegible] رہا حالانکہ وہ محض [illegible] تھا ۔ اس چال کی تفصیل یہ ہے کہ [illegible] لگانے [illegible] اور پھر اخبار [illegible] بھی اس کے [illegible] حالانکہ [illegible] تھا [illegible] اخبار [illegible] ہوتا جو دیکھتا کہ اس نے جتنی [illegible] اتنی [illegible] نہیں ۔ اس [illegible] سے [illegible] چھاپ [illegible] ختم کر دیا ۔ جس کا [illegible] اخبار پر اس قدر پڑا کہ [illegible] جان کے [illegible] پڑ گئے ۔ آخر [illegible] سے مجبور ہو کر مطبع پنجہ فولاد اور اخبار پنجہ فولاد دونوں بند کر دیئے گئے ۔ اسی زمانے کا ایک شعر ہے ۔

اخبار بند [illegible] سے لگتے ہیں [illegible]   اے فوق اب وہ پنجہ فولاد نہیں [illegible]

[illegible] : ۱۹۰۴ء میں [illegible] ایک اخبار [illegible] جاری کیا ۔ [illegible] فوق صاحب کے سپرد تھی ۔ چنانچہ [illegible] کے ساتھ اس اخبار کو بھی چار ماہ تک نہایت قابلیت سے چلاتے رہے ۔ [illegible] سے مجبور ہو کر اس سے الگ ہو گئے ۔

[illegible] میں میاں جان محمد گنائی نے کشمیری گزٹ کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا ۔ جسے تین سال تک فوق صاحب مدیر [illegible] کی حیثیت سے مرتب کرتے رہے ۔ آخر چوہدری جان محمد گنائی کی وفات کے ساتھ اس رسالے کا تو خاتمہ ہو گیا ۔ البتہ اس [illegible] رسالہ کشمیری [illegible] آیا جس کے ایڈیٹر خواجہ کمال الدین بی اے مسلم مشنری انگلستان اور اسسٹنٹ ایڈیٹر فوق صاحب تھے ۔ یہ رسالہ [illegible] تک جاری رہا اس کے بند ہوتے ہی ۱۹۰۶ء میں آپ نے ماہنامہ کشمیری میگزین جاری کیا جو [illegible] پنجاب [illegible] سے [illegible] جس نے [illegible] تصاویر چھاپنے کے علاوہ خاص نمبر نکالنے کی جدت شروع کی ۔ چنانچہ اس کا [illegible] نمبر [illegible] کے ایڈیٹروں کے حالات زندگی سے متعلق [illegible] ہوا تھا ۔ [illegible] ایک یادگار تاریخی پرچہ تصور کیا جاتا ہے ۔

[illegible] میں کشمیری میگزین نے ماہوار سے ہفتہ وار اخبار کشمیری کی شکل اختیار کی ۔ [illegible] اپنی مفید اور کارآمد تحریروں سے اہل خطہ میں [illegible] ۔ اس اخبار نے کشمیر میں بیگار کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی اور متواتر کئی سال تک [illegible]

لیے قلم بند ہوئے۔ بیشتر [illegible] اور بال کا قیام۔ زمیندار سرمایہ داروں کا [illegible] مسلمانوں [illegible] کی تحریریں کا نتیجہ ہے [illegible] ہے اور جو سب کے اخبار [illegible] ہوئے۔ [illegible] اخبار کشمیری [illegible] کرکے منشی [illegible] ہیں۔ سب چند [illegible] مسلمانوں کو [illegible] ہے۔ اس اخبار کی کوششوں سے مسلمانوں کی حالت کی طرف سے [illegible] مخالفت شروع ہوئی۔ کشمیری زبان [illegible] کی تعلیم [illegible] کے بعد اس اخبار نے بڑا کام [illegible] جب وہ [illegible] [illegible] کے اخبار پڑھتے تھے۔ اور یہ [illegible] رہتے تھے۔ اب ہر شخص [illegible] ہوتا ہے۔ بحث اور [illegible] ہے [illegible] کشمیری مسلمان [illegible] کشمیری کا فرض ہے۔ یہ بات کہ کشمیری انجمنوں کا قیام بھی فوق صاحب ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ [illegible] [illegible] اور [illegible] میں تھے۔ اور [illegible] سے پچاس ساٹھ سال پیشتر لوگوں کو اپنے قلم و نثر میں [illegible] کرتے تھے۔ وہ اب [illegible] اور روشن نظر آتا ہے۔

اخبار کشمیری کے ساتھ ساتھ فوق صاحب نے یکے بعد دیگرے طریقت اور [illegible] [illegible] جاری کئے [illegible] کی خدمت کر کے بند ہو گئے۔

فوق صاحب کو سیاست میں براہ راست نہیں پڑتے تھے۔ لیکن تاریخ صحافت کے سلسلے میں [illegible] احساس بہت گہرا تھا۔ وہ ملک کے لوگوں اور مسلمانوں کی زبوں حالی سے ہمیشہ پریشان رہتے تھے۔ بالخصوص کشمیری مسلمانوں کی پستی اور ذلت [illegible] شاہی غلامی [illegible] کرنے [illegible] تھی۔ وہ نسلاً کشمیری تھے۔ اس لئے بھی انہیں کشمیریت والہانہ عشق تھا۔ انہوں نے ساری عمر کشمیر اور کشمیریوں کی خدمت کی۔ کشمیری تعلیم [illegible] اخلاق میں پست اور تہذیب و تمدن میں دنیا کے دوسرے لوگوں سے پیچھے تھے۔ فوق صاحب نے انہیں تعلیم کا شوق دلایا۔ اور دنیا کی ترقیوں سے آگاہ کیا۔ ایک سوئی ہوئی قوم کو جگایا۔ اور ان کو ترقی یافتہ قوموں کے برابر کھڑا کرنے میں اپنی زندگی وقف کر دی۔

فوق صاحب استقلال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ انہوں نے تحریک کا مزاج میں الجھنے کو کبھی پسند نہ کیا۔ اختلاف عقائد کی بنا پر کسی فرقے کو برا بھلا نہ کہا۔ تمام عمر تعمیری اسکیموں کو سوچنے میں مشغول رہ کر اپنے آپ کو ایک ایسا نمونہ ثابت کیا جو عالم و عامل کو بجز [illegible] تجربہ شدہ ہو سکتا تھا۔ ان کا منشاء صرف یہ تھا کہ کشمیری واقفیت عامہ ترقی کرے۔ اہل خطہ روشن خیال ہو جائیں اور واقفیت عالم پر ان کی نظریں وسیع ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ توقعات ان کی زندگی ہی میں پوری ہو گئیں۔ اور کشمیر میں ایک وسیع ذہنی سیاسی اور عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔

فوق صاحب نے کشمیر کے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں جن میں تاریخ کشمیر، مشاہیر کشمیر، خواتین کشمیر، داستانے کشمیر، حکایات کشمیر، شباب کشمیر، تاریخ اقوام کشمیر، اور تاریخ بڈشاہی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان کتابوں کے نسخے سے انہوں نے کشمیر کے بھولے ہوئے افسانوں اور جوانوں کو سنائے۔ کشمیریوں کے شاندار کارناموں سے قوم کو روشناس کیا اور کشمیر کا نام ساری دنیا میں روشن کر دیا۔

اس ادبی اور تاریخی کام کے علاوہ فوق صاحب نے کشمیری مزدوروں کو منظم کرنے اور ان کی پریشانیاں [illegible] کرنے کے سلسلے میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ غالباً ان کی انہی بے لوث خدمات کا تاثر تھا کہ علامہ اقبال انہیں مجدد کشمیر کہا کرتے تھے۔

فوق صاحب کی دیانت فکر اور پابندی وضع کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اگر وہ کشمیر کے چکر سے نکل کر اپنے محدود دائرہ کو وسعت دیتے تو ہندوستان کے بہترین اخبار نویسوں اور مصنفوں کی صف میں شمار ہوتے۔ لیکن اس صورت میں وطنی تاریخ کی تدوین کا کام معرض التوا میں پڑ جاتا کیونکہ اس دائرے میں بھی ان کا نعم البدل دستیاب ہونا مشکل تھا۔ پھر بھی جب ہم ان کی تصانیف کا جائزہ لیتے ہیں تو تذکرہ [illegible] یادرفتگاں (تذکرہ صوفیائے کرام) حیات داتا گنج بخش، تاریخ سیالکوٹ، تذکرۃ العالمین، [illegible] [illegible] [illegible] وغیرہ [illegible] [illegible]

[illegible] کی تاریخ [illegible] میں کی گئی ہے۔
[illegible] ذوق صاحب [illegible] واقف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ [illegible]
خود فرماتے ہیں:

انگلش زباں پہ ہے جو دسترس تو   اے ذوق! [illegible]

اسلامیہ کالج میں چند مدت تک [illegible] جانتے تھے لیکن [illegible] اور مشق سے انہیں اخبار نویسی کا ڈھنگ خوب آ گیا تھا [illegible] میں [illegible] ادبی سالار تھا۔ تاریخ کے مختلف واقعات [illegible] پڑھ کر لوگ مزے لیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے انہیں تاریخ و صحافت کا [illegible] زیست [illegible]

ذوق کی مضمون نگاری میں کشش ہے جیسی   خود خدا جانے کہ ذوق ہے یا اخبار ہے

یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام ہمیشہ اخبار نویسی کے سلسلے میں لیا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں آپ کے [illegible] سے سینکڑوں مختلف [illegible] صحافت پر آفتاب و مہتاب ہو کر چمکے۔ لیکن [illegible] میں چند نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) چوہدری رحمت علی [illegible] جو بعد میں انگلستان چلے گئے اور جنہوں نے "پاکستان" کا [illegible]
(۲) تاثیر جالندھری (۳) ملک منظور احمد جو بعد میں [illegible] (۴) سید حبیب [illegible] (۵) ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی جنہوں نے بعد میں اخبار [illegible] (۶) [illegible] (۷) [illegible] (۸) [illegible] (۹) [illegible] (۱۰) [illegible] وغیرہ۔

ذوق صاحب صرف تخلص ہی کے لحاظ سے ذوق نہ تھے۔ بلکہ فطرتاً شاعر تھے اور غزل، نظم، قصیدہ، مرثیہ، رباعی وغیرہ تمام اصناف سخن پر حاوی۔ ان کے کلام کے دو مجموعے "کلام ذوق" اور "فخر گلزار" چھپ چکے ہیں۔ کلام ذوق کے محاسن پر اکبر الہ آبادی کی اس رائے کے بعد کچھ ایک لفظ کا اضافہ کرنا بھی مشکل ہے:

"کلام ذوق بلا شبہ قابل داد ہے۔ جب خیالات اچھے ہوں تو کلام کیوں نہ اچھا ہو۔ کلام ذوق میں فطری آمد [illegible] شوخی کا اظہار ہے۔ قافیے برجستہ ہیں۔ بغیر تکلف کے کلام کا لطف [illegible] اور اثر پیدا کرنا ایسے ہی کلام کا کام ہے۔ بعض اشعار سے دلچسپ رندانہ رنگ قطرہ [illegible] کی طرح ٹپک رہا ہے۔ کئی اشعار گنجینۂ معانی ہیں۔ اخلاق و محبت [illegible] کی بھی کمی نہیں۔ بعض اشعار پر تو جی چاہتا ہے کہ داد دوں اور دوں۔ بہت سے اشعار میرے حسب حال ہیں۔ [illegible] کیفیتوں کے اظہار اور کشمیر کے نظاروں میں خوب جوش دکھایا ہے اور [illegible] کے شان نزول نے تو آپ کی [illegible] کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔"

محسن الملک

ڈاکٹر سید محمود

نواب محسن الملک کی شخصیت کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لیے پہلے ان باتوں کا مختصر سا جائزہ ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں ان کی ذہنی نشوونما ہوئی اور جو ان کے کارناموں میں نمایاں طور پر مضمر ہے۔ اس سلسلے میں ان شخصیتوں کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے جن سے وہ متاثر ہوئے یا جن کو انہوں نے متاثر کیا اور جو غیر معمولی شخصیتوں کی حیثیت سے ان کے اوصاف اور خصوصیات کے علاوہ اس سیاسی فضا کا بھی درست اندازہ ہوتا ہے جن میں وہ سانس لیتے تھے جس میں وہ اصولِ زندگی اور لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں۔

نواب محسن الملک جن کا اصلی نام سید مہدی علی تھا ۹ دسمبر ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ کو اٹاوہ کے ایک مشہور سادات خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے نانا مولوی محمود علی ایک زبردست عالم اور صدر الصدور کے عہدے پر فائز تھے۔ وہ ایک مدت تک ریاست ٹونک میں منصب وزارت پر بھی سرفراز رہے تھے۔

ان کی ابتدائی تعلیم اس زمانے کے دستور کے مطابق نامی گرامی کتب کے علاوہ فضلاء کے حلقہ درس میں ہوئی جہاں انہوں نے عربی، فارسی اور حدیث و تفسیر میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی۔ انگریزی تعلیم انہوں نے باضابطہ نہیں حاصل کی تھی مگر اپنی غیر معمولی ذہانت اور مشق و مزاولت سے اچھی خاصی لیاقت پیدا کر لی تھی۔ یہاں تک کہ وہ انگریزی اخبار وغیرہ بے تکلف پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔

انہوں نے سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں دس روپیہ ماہوار سے ملازمت شروع کی اور ۱۸۶۷ء تک سررشتہ داری اور تحصیلداری کے منازل طے کرتے ہوئے ڈپٹی کلکٹری کے درجے تک پہنچ گئے جو اس وقت مسلمانوں کے لیے معراج ملازمت تھی۔ یہ ترقی اس قدر جلد ہوئی کہ گو معمولی ہی لیکن ان کے جیسے صاحب دماغ اور ماہر نظم و نسق کے لیے لائق فخر تھی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک وقت میں ہیوم صاحب ان کے بالادست افسر تھے جو بعد میں انڈین نیشنل کانگریس کے بانی ہوئے اور جنہوں نے ان کی قابلیت کے متعلق لکھا تھا کہ باوجود ایسی اعلیٰ درجہ کی لیاقت اور کارگزاری اور ضلع کیا صوبہ کے انتظام کی صلاحیت رکھنے کے ابھی تک وہ ڈپٹی کلکٹری کے عہدے سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔

لیکن انہیں ابھی اپنے اصلی جوہر کو دکھانے کا موقع کہاں ملا تھا؟ اس لیے ۱۸۷۴ء میں انگریزوں کی ملازمت سے مستعفی ہو کر انہوں نے نظام حیدرآباد کے یہاں ملازمت کر لی۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر انتظامی امور میں ایسا درک دکھلایا کہ سر سالار جنگ سے لے کر انگریز ریزیڈنٹ تک بھی ان کے معترف ہو

[illegible] سیاسیات اور [illegible] سے متاثر ہو گئے [illegible]

[illegible]

[illegible] سیاسیات سے متاثر ہونے کی وجہ سے [illegible] ہندوستان [illegible]

[illegible] ہندوستان [illegible]

[illegible] مسلمانوں کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] محسن الملک کو ایک [illegible]

[illegible]

[illegible] محسن الملک کو [illegible]

[illegible]

[illegible] کو پہنچایا تھا۔

غرضکہ وہ ملک کی سیاسی، تہذیبی اور سماجی زندگی سے ذاتی واقفیت [illegible] ثابت ہوئے۔

نظام حیدرآباد [illegible] محسن الملک اور [illegible] دونوں کو [illegible]

جب انھوں نے حیدرآباد چھوڑا تو خواص اور عوام دونوں کو [illegible] داغ [illegible] ملک الشعراء [illegible] دلی جذبات پر قابو نہ پا سکے اور بے اختیار کہہ اٹھے ؎

مہدی کو اگر خستہ زماں کہتے ہیں — یا محسن ملک [illegible] کہتے ہیں
زیبا ہے کہیں محسن عالم اسے داغ — جو چاہئے کہنا وہ کہاں کہتے ہیں

اس خیر کا انسان کوئی ہو تو سہی — ذی مرتبہ ذی شان کوئی ہو تو سہی
ہر شخص کو ملنا ہے خاطر [illegible] — یوں دل کا نگہباں کوئی ہو تو سہی

ایک طرف تو محسن الملک اپنی ملازمت کے سلسلے میں انتظامی امور میں دلچسپی اور حصہ لیتے رہے دوسری طرف سرسید احمد خان سے ان کے تعلقات

[illegible] نے سب سے شروع میں سرسید کے تعلیمی مقاصد [illegible]
[illegible] ہے۔

سرسید کی تعلیمی مہم [illegible] کہتے ہے کہ [illegible]
[illegible] تبلیغ [illegible] کے بعد نزول [illegible] کی [illegible]
[illegible] سے آگاہ ہے۔

محسن الملک کی کانفرنس میں ۱۸۸۶ء سے شرکت کرنی شروع کی اور [illegible] تعلیمی مقاصد [illegible]
میں ہندوستان [illegible] ہندو مسلمانوں کے سیاسی مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگی اور سرسید اور محسن الملک کی [illegible]
بیداری کا ایک سلسلہ کا آغاز ہوا۔

وہ حیدرآباد سے ۱۸۹۳ء میں مستعفی ہونے کے بعد علی گڑھ آ گئے، [illegible] سرسید کے تعلیمی اور اصلاحی مشن پر [illegible]
میں [illegible] سب سے بڑے رفیق بن گئے۔

سرسید کا انتقال ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ہوا۔ اس وقت [illegible] سرسید [illegible] کرکے اپنی [illegible]
سے نجات [illegible] کو یونیورسٹی بنانے کا مسئلہ قوم کے سامنے پیش کر دیا۔

سرسید کے بعد ان کے صاحبزادے جسٹس سید محمود سیکرٹری ہوئے لیکن خرابی صحت کے باعث اس عہدے سے علیحدہ ہو گئے اور ۱۸۹۹ء میں یہ عہدہ
محسن الملک کو سونپا گیا۔

اس کے بعد سے ان کی حیثیت علی گڑھ تحریک کے سربراہ کی ہو گئی اور ہر اعتبار سے وہ سرسید کے جانشین ہو گئے اور یونیورسٹی کی تحریک میں
جوش و خروش کے ساتھ لگ گئے۔

۱۹۰۰ء میں اردو ہندی کا قضیہ [illegible] نے یوپی میں [illegible] دیگر علاقوں میں ہندو مسلم تعلقات میں تلخی پیدا کر دی۔
انھوں نے ایک طرف تو حکومت سے [illegible] دوسری طرف مسلمانوں کو صاف اور کھلے لفظوں میں سمجھایا کہ [illegible]
کے فوائد اور اغراض کے خلاف [illegible] ہونے سے احتراز کریں۔ انھوں نے جو تاریخی میمورنڈم مسلمانوں کی طرف سے حکومت میں پیش کیا تھا وہ اس
عہد کی سیاسی بے چینی کی گویا عکسی تصویر ہے۔ نواب محسن الملک کی زندگی کا آخری دور ہندوستان کی تاریخ سیاست کا ایک اہم باب ہے اور ہندوستان
کی جنگ آزادی کا ایک ایسا موڑ ہے جسے سمجھے بغیر کوئی آنے والا سیاسی تحریکوں کا صحیح تجزیہ نہیں کر سکتا۔

یہی زمانہ تھا جب میں علی گڑھ [illegible] انگلش اسکول میں داخل لیا گیا۔ میں نے شروع ہی سے علی گڑھ کی سیاسی اور ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لینی شروع
کر دی۔ کیونکہ میرا مطالعہ عمر کے لحاظ سے وسیع تھا اور میں مولانا حالی، شبلی نعمانی اور مولوی نذیر احمد کی بیشتر تصانیف پڑھ چکا تھا۔ مسدس حالی کا ایک بڑا
حصہ اور بہت سی دوسری قومی نظمیں مجھے یاد تھیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ میں آتے ہی یونین کلب کے مباحثہ کی تقریبوں میں شامل ہونے لگا جہاں پہلے ہی
سال میں اسکول کے طلبا میں اول رہا اور کالج کلاسوں کو ملا کر پانچواں بہترین مقرر مانا گیا۔

یہی وجہ تھی کہ کالج کے لائق اور ممتاز طلبا ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی مجھے اپنی صحبتوں میں شرکت کا شرف بخشتے تھے اور جلد ہی میری رسائی نواب
محسن الملک تک بھی ہو گئی۔

جو لڑکے ان دنوں کالج کے ممتاز طلبا میں تھے اور جن کے ناموں سے آج بھی علی گڑھ کی تاریخ روشن ہے ان میں عبدالرحمٰن بجنوری (جو اس وقت
چوتھے درجے میں تھے)، تصدق احمد خان شیروانی (جو مجھ سے دو تین درجے آگے تھے) اور قاضی تلمذ حسین (جو اس وقت کالج میں تھے) خاص طور پر

[illegible]

[illegible] نکال دیا گیا۔

دوسری مشکل یہ تھی کہ نواب صاحب [illegible] کے بھی حامی تھے۔ [illegible]

کبھی ملتے ہوں گے [illegible] جو کچھ [illegible]

[illegible] سب [illegible]

[illegible] کبھی کبھی [illegible] گفتگو کرتے تھے اور انگریزوں کو [illegible]

[illegible] کبھی [illegible] کی حالات کو [illegible]

کرنے کی قیاس [illegible] ان حالات کے متعلق نہیں ہے۔ اس وقت جو لوگ [illegible] انگریزوں [illegible]

[illegible] نواب صاحب سے کبھی کبھی [illegible] گفتگو کرتے اور بعض وقت [illegible] کرتے [illegible] نواب [illegible]

[illegible] اس وقت [illegible] گفتگو [illegible]

[illegible] ہوں۔ [illegible]

ان ہی دنوں یعنی [illegible] میں نواب صاحب نے [illegible] یونیورسٹی [illegible]

[illegible] تعلیم اور قومی یونیورسٹی کا خیال مسلمانوں کے دل میں [illegible]

لیکن ایک جلسے میں [illegible] سلطنت [illegible]

اور وہ حاصل ہو سکتی ہے لیکن علمی سلطنت کی خواہش ہی ہے [illegible] علمی سلطنت کا [illegible]

خوب ہو گیا [illegible] علمی سلطنت کا [illegible]

[illegible] ایک [illegible] جملے سے ظاہر ہے [illegible]

سنہ ۱۹۰۳ء میں جب میں فرسٹ ایئر میں تھا علی گڑھ میں ایک خفیہ سوسائٹی قائم ہوئی جس کے ممبر میں بھی تھے۔ شیخ عبدالرحمن [illegible]

تصدق احمد خاں شیروانی، بدرالدین [illegible] مولانا ظفر علی خاں [illegible]

ان میں صرف عبدالرحمن اور میں زندہ ہوں [illegible] ان دنوں ضلع [illegible] میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس سوسائٹی کا مقصد

یعنی اسلام ازم اور ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا تھا۔ طلباء کی یہ جماعت بڑی خاموشی کے ساتھ [illegible] ایک [illegible]

[illegible] کوئی مقالہ پڑھتا کبھی اس پر سنجیدگی سے بحث ہوتی کہ دنیا کے مسلمانوں کو [illegible] ایک [illegible] جمع کیا جا سکتا ہے اور انگریزوں کو ہندوستان سے باہر

نکالنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ یہ جماعت [illegible] کالج کے طلبہ کے درمیان انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتی [illegible]

ایک موقع پر سرسید کی قبر پر جا کر اس بات کا حلف اٹھایا تھا کہ ہم لوگ جب تک انگریزوں کو ہندوستان سے نکال نہ دیں گے ہرگز دم نہ لیں گے اور ان

میں سے تقریباً ہر ممبر اپنی قسم پر قائم رہا۔

مسٹر [illegible] اس وقت ہیڈ ماسٹر تھے، یہ صاحب بہت بدزبان تھے اور ان کی بدزبانی کی وجہ سے طلباء ان سے بہت ناراض تھے۔ ایک روز طلباء کسی

کام سے ان کے پاس گئے تو انہوں نے طلباء کو ([illegible]) کہہ کر اپنے بنگلے سے نکلوا دیا۔ اس پر طلباء میں بڑی برہمی

پھیلی۔ نواب صاحب تک شکایت پہنچی لیکن اس وقت کے حالات کے لحاظ سے وہ انگلش اسٹاف کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

آپ [illegible]

[illegible] بہت [illegible]

[illegible] میں [illegible] مولانا [illegible] بہت [illegible] صاحب [illegible]

وہ کچھ پیارے اور کبھی غصہ میں [illegible] اگر مجھے سامنے بٹھا کر سمجھانا شروع کرتے تو سمجھتا تھا کہ میں ایک بھیڑیے کا آدمی ہوں، انگریزوں سے ڈرتا ہوں، [illegible] کا خوشامدی ہوں۔ وہ [illegible] یہ الفاظ زبان سے نہیں کہتا لیکن میرے دل میں یہ باتیں جاگزیں ہو رہی تھیں۔ پھر وہ اپنے مخصوص انداز میں سمجھانے کی کوشش میں [illegible] نہیں ہوں اور نہ انگریزوں کا خوشامدی ہوں مگر تیری قوم ابھی ان خیالات کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں [illegible] کیا تھا اس وقت اردو ڈیفنس کمیٹی کا میں صدر بنایا گیا تھا اور مسلمانوں کے بڑے بڑے جلسوں میں جو تقریریں [illegible] ان سے حکومت ڈر گئی۔ میرے خلاف [illegible] کے چیلوں اور بڑے بڑے مسلمانوں نے شکایتیں کیں [illegible] آئے تو [illegible] کے جلسے میں [illegible] نے مجھے اردو ڈیفنس کمیٹی سے استعفا دینے پر مجبور کیا۔ جب تیری قوم کا یہ حال ہے تو [illegible] خیالات کو ابھی پھلنے پھولنے کی گنجائش کہاں ہے؟ میں جانتا ہوں کہ [illegible] کے جھگڑے سے انگریز فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن مسلمانوں میں اب تک سیاسی شعور نہیں پیدا ہوا ہے کہ اس بات کو سمجھیں۔ جب یہ شعور پیدا ہو جائے گا تو دیکھنا وہ تیری کانگریس سے کبھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ پھر کہنے لگے کیا تو نہیں جانتا کہ گذشتہ [illegible] میں کیا ہوا۔ اس تحریک نے جسے انگریز وہابی تحریک کہتے تھے انگریزوں کے خلاف کیا کیا کام کئے۔ ابھی چند برس پہلے تک انگریز مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، سرسید اور ان کے ساتھیوں کی مسلسل کوششوں سے

[illegible] مسلمانان ہندوستان میں ہر جگہ کی مانند علی گڑھ میں بھی [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] ستاروں سے منور کیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مارین صاحب کے جانے کے بعد [illegible]

[illegible]

اگرچہ علی گڑھ میں [illegible] مصداق بن گیا

مافیت منقبوں کالج بایں عافیت رسید
رہبت گاہ عزیباں نشر گذرگاہ جہاں

جب جارج پنجم اپنی ولی عہدی کے زمانے میں ہندوستان میں بغرض سیر و سیاحت آئے تو ٹرسٹیان کالج کی کوششوں کے باوجود علیگڑھ آنا ان کے پروگرام میں شامل نہ کیا گیا لیکن نواب صاحب نے سر آغا خان کے ذاتی اثر و رسوخ سے فائدہ حاصل کر کے آخر کار [illegible] کو علی گڑھ بلوا ہی لیا۔ ان کی آمد کی یادگار میں سائنس اسکول کے قیام کا اعلان ہوا اور ولی عہد کی موجودگی میں سر آدم جی پیر بھائی (بمبئی) نے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ کا عطیہ بھی تار بھیجا۔ پرنس آف ویلز نے اسٹریچی ہال اور کالج کلاسز کا معائنہ کر کے یکی بارک اور بورڈنگ ہاؤس کے بعض کمرے بھی ملاحظہ فرمائے جس میں سے ایک کمرہ بھی تھا۔ اس میں شہنشاہ جرمنی اور کچھ ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کی تصویریں بھی تھیں۔ ولی عہد نے پوچھا کہ کیا تم جرمنی کے بادشاہ کو پسند کرتے ہو؟ میں نے

جب وہ [illegible]

[illegible] نواب صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] کیا [illegible] ہو گیا [illegible]

[illegible] نواب صاحب [illegible] جب نواب صاحب [illegible]

[illegible] کیا [illegible]

[illegible] سے دیکھ رہا ہوں۔

نواب محسن الملک نے یہ عربی کے یہ اشعار پڑھے ــ

قد رأى الاله ذو ولد   قيل إن الرسول قد هجانا

لوگوں نے خدا کو بھی صاحب اولاد کہا   اور رسول کو جادوگر ــ

ما نجى الله والرسول معًا   من لسان الورى فكيف أنا

جب خدا اور رسول لوگوں کی زبان سے نہ بچے تو میں کیسے بچ سکتا ہوں ـــ

امیر افغانستان نے فرمایا کہ [illegible] سکتا ہوں [illegible] نواب صاحب [illegible] کے متعلق سوالات کئے اور دریافت کیا [illegible] نواب صاحب نے [illegible] ظاہر [illegible]۔

جب ٹرسٹیوں نے امیر کو [illegible] کی دعوت دی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ جب تک میری تسلی نہ ہو جائے میں تم لوگوں کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا۔ اس جواب نے نواب صاحب کو انگشت بدنداں کر دیا۔

امیر افغانستان نے پھر [illegible] کیا [illegible] بورڈنگ ہاؤس [illegible] میں پہنچ کر بچوں کے سونے، کھانے، نماز، غسل اور مطالعہ کے کمرے دیکھے اور فرمایا کہ [illegible] مسلمان بچے [illegible] کس طرح رہتے سہتے [illegible] ہیں۔ [illegible] اسلامی عقائد سے واقف ہیں اور ارکان اسلام کے پابند ہیں [illegible] ہیں۔

آخر کو جب وہ الماری دکھائی گئی جس میں قرآن پاک اور سیپارے رکھے تھے تو کہنے لگے میں کلام پاک کو [illegible] طاق دیکھنے نہیں آیا بلکہ میں اس کا متلاشی ہوں کہ بچے انہیں پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اس بات پر چار لڑکے پیش کئے گئے تو کہنے لگے کہ میں آپ کے منتخب لڑکوں کا امتحان لینا نہیں چاہتا بلکہ میں خود لڑکوں کا انتخاب کروں گا۔ کالج کی مسجد میں انہوں نے نماز ظہر ادا کی اور اس کے بعد تمام [illegible] تشریف [illegible] ایک طالب علم [illegible] کو اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور فرمایا کہ قرآن مجید میں سے جو تمہیں یاد ہو سناؤ۔ خدا کو جو منظور تھا کہ وہ لڑکا اتفاق سے حافظ اور خوش الحان تھا۔ اس نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ بعد تعوذ و بسم اللہ سورۂ عمران کی یہ رکوع تلاوت کرنی شروع کی:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۔۔۔ الخ

دو چار ہی آیتوں کی تلاوت کے بعد ایک عجیب پر اثر سماں بندھ گیا اور ہر شخص پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ ادھر شاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور قطرے ڈھلک ڈھلک کر رخساروں اور داڑھی تک بہہ آئے۔ رکوع ختم ہونے تک ان کا رومال آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔

امیر افغانستان الحمد للہ کہ نہایت جوش میں اللہ کہتے ہوئے اور بار بار کبھی عربی کبھی فارسی اور کبھی انگریزی میں فرمانے لگے اس کا [illegible]

[illegible] They are kings [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پیشکش منظور کی۔

اس وقت سر [illegible] نے کہا:

[illegible]

اس میں کوئی شک نہیں کہ … جناب ایک ایسے … ہیں۔

اس کا امیر افغانستان نے برجستہ جواب دیا: [illegible]

[illegible] I am a soldier and I am a king

بے شک میں … ہوں … سپاہی … بادشاہ ہوں۔

مسٹر … ہال میں … پیش کیا گیا … ہال … سے … رہا تھا۔

شاہ کی تقریر بہت مختصر تھی … انہوں نے … کہ … دینی … تعلیم … کے حق میں … چند … بیان کئے۔ بات کی دعوت کے بعد … کا … اور مولانا حالی کا قصیدہ … جس کا … کیا جا چکا ہے وہیں انہوں نے بیس ہزار روپیہ گرانٹ دیئے اور … سالانہ وظیفہ … کے لئے … دوسرے لوگوں نے بھی … عطیات دیے۔

ابھی جوش و خروش ختم نہیں ہوا تھا کہ مسٹر گوکھلے علی گڑھ تشریف لائے۔ اس وقت علی گڑھ میں … موجود تھے۔ انہوں نے مسٹر گوکھلے کو فوراً طلباء کی طرف سے کالج میں آنے کی دعوت دے دی۔ پرنسپل … اس بات … مسٹر گوکھلے کو لکھا کہ آپ کو طلباء نے بغیر میری اجازت کے مدعو کر لیا ہے۔ اگر پھر بھی آپ تشریف لائیں تو مجھے امید ہے کہ آپ سیاست … گفتگو … کریں گے۔ جب طلباء کو معلوم ہوا تو انہیں بہت غصہ آیا۔ مسٹر گوکھلے نے پرنسپل کو جواب دیا کہ آپ کے کہنے کے مطابق میں صرف تعلیمی مسائل پر طلباء سے گفتگو کروں گا۔ آپ مطمئن رہیے۔

طلباء میں ایسا جوش و خروش تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ شہر جا کر جہاں مسٹر گوکھلے قیام پذیر تھے ان کی گاڑی خود کھینچ کر لائیں۔ بڑی مشکل سے انہیں اس بات سے روکا گیا۔ لیکن جب مسٹر گوکھلے کی گاڑی کالج کے صدر دروازے پر آئی تو طلباء نے ان کی گاڑی کھینچی اور جس جوش و خروش کا اظہار کیا … تھا۔ مسٹر گوکھلے کو مسلمان نوجوانوں کا سیاسی جوش دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آواز بھرا گئی۔ ان کے ہر ہر لفظ سے … جذبات کا اظہار ہو رہا تھا اور ہر ہر جملے پر تالیوں کی گونج اٹھتی تھی اور مشکل سے روکی جا سکتی تھی۔

مسٹر گوکھلے نے وعدے کے مطابق صرف تعلیمی مسائل پر گفتگو کی لیکن اس انداز سے گفتگو کی کہ ان کی ساری تقریر سیاست وقت کی تفسیر تھی۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ ملک کے ایک خادم کی جو عزت افزائی علی گڑھ میں ہوئی ہے اس سے مجھے امید ہو گئی ہے کہ آزادی میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان نوجوان بیدار ہو چکے ہیں اور کیسی آگ ان کے سینوں میں بھی ہوئی ہے۔

[illegible] ہندوستان [illegible] مسلمانوں [illegible]

[illegible]

پرنسپل اور انگلش اسٹاف کو طلباء کا یہ مظاہرہ جوش بہت ناگوار ہوا۔ اور انگلش اسٹاف اور طلباء کے تعلقات اور بھی زیادہ خراب ہو گئے۔

نواب محسن الملک نے بمبئی میں کانگریس کی [illegible] کے وقت اپنے متعلق [illegible] گیا۔ [illegible] نواب صاحب انگلش اسٹاف سے بہت مرعوب تھے اور انگریزوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے [illegible] شامل ہوں [illegible] آزادی [illegible] جاری رکھا۔

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ [illegible] میں [illegible] نے ایک خفیہ سوسائٹی قائم کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو کسی صورت سے ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سوسائٹی [illegible] کسی [illegible] کے لئے اساس [illegible] تھی۔

حکومت نے علیگڑھ [illegible] یہ تجویز پیش کی [illegible] گورنمنٹ کالج بنایا جائے [illegible] نواب محسن الملک کو جب یہ معلوم ہوا [illegible] انہوں نے اس تجویز کی نہایت شدید مخالفت کی اور [illegible] حکومت [illegible] انگریزی تعلیم [illegible] تاکہ مغربی علوم و فنون سے جو شورش ہندوستان میں پیدا ہوئی ہے اس کے اثرات [illegible]۔ پرنسپل مارسین نے [illegible] کی کوشش کی کہ حکومت کا منشا نہیں ہے بلکہ حکومت اس کو ایک مکمل مسلمانوں کا دارالعلوم بنانا چاہتی ہے لیکن محسن الملک کی شدید مخالفت کے باعث یہ تجویز [illegible]۔

ہم اپنے رفقاء کے ساتھ جب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل حاضرہ پر [illegible] بحث شروع کر دیتے تو وہ ہماری [illegible] کو [illegible] کرتے ہوئے فرماتے کہ گھبراتے کیوں ہو؟ بہت جلد ہی [illegible] خیالات کو ماننے والے پیدا ہو جائیں گے گو اس وقت شاید میں زندہ نہ رہوں گا۔ سر سید کا بھی دراصل یہی منشا تھا اور میرا بھی یہی ہے کہ یہاں ملک کے جانباز سپاہی پیدا ہوں لیکن آہستہ خرامی سے کام لینا ہی وقت اور مصلحت کا تقاضا ہے۔ ابھی تمہاری قوم میں تیز دوڑنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

عجیب اتفاق کہ مسٹر [illegible] کے جانے کے کچھ ہی دن بعد علیگڑھ کی تاریخ میں ۹ فروری ۱۹۰۷ء کو ایک ایسا واقعہ ہو گیا کہ اس نے طلباء کی صف میں ہیجان پیدا کر دیا۔ راجہ غلام حسین سے جو کالج کے ایک ممتاز طالب علم تھے ایک پولیس کانسٹیبل کا جھگڑا ہو گیا۔ ایسے جھگڑے ہمیشہ ہی ہوا کرتے تھے مگر مسٹر مارسین ہمیشہ طلباء کا ساتھ دیتے تھے اور ایسے معاملات رفع دفع کرا دیا کرتے تھے۔ یہ بات کالج کی تقریباً روایت بن چکی تھی لیکن جب راجہ غلام حسین کے معاملے میں سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پرنسپل آرچبولڈ سے شکایت کی تو انہوں نے بلا سوچے سمجھے راجہ غلام حسین کو کالج سے خارج کر دیا۔

انگلش اسٹاف اور طلباء میں کشیدگی تو پہلے ہی سے تھی۔ یہ واقعہ گویا کھلم کھلا جھگڑے کا شاخسانہ بن گیا۔ طلباء میں جوش اور غصہ کی لہر پھیل گئی اور انہوں نے بہت زور و شور کے ساتھ احتجاج کا نعرہ بلند کر دیا اور جلسے کرنے شروع کر دیے۔ اس پر کالج کے انگلش اسٹاف کا غصہ اور بھڑک اٹھا

[illegible]

[illegible] سکتے ہیں [illegible] انتقال [illegible] شیروانی [illegible] کہ ہم لوگوں [illegible] کے ساتھ [illegible] کر سکتے ہیں [illegible] کہ ہم لوگ [illegible] کہیں گے؟

اس ہنگامے [illegible] طلباء [illegible] پولیس کو اطلاع [illegible] کی [illegible] ہو گئی [illegible] طلباء [illegible] تھا۔ [illegible] طلباء [illegible]۔

طلباء کے وفد مختلف جماعتوں سے [illegible] ہو گئے اور نواب وقار الملک سے علاوہ [illegible] مولوی نذیر احمد [illegible] کے پاس بھی آئے [illegible] نہیں [illegible] سے [illegible]۔ نواب وقار الملک خود [illegible] مولوی نذیر احمد صاحب کے بیانات سے بہت متاثر ہوئے [illegible] نواب محسن الملک تو [illegible] شفقت برتتے ہیں میں ہرگز کوئی مصلحت نہیں برتوں گا۔ طلباء [illegible] نواب محسن الملک [illegible]۔

ابھی اس کارروائی پر طلباء بہت خوش تھے لیکن جب [illegible] مولوی نذیر احمد [illegible] کو مصلحت کا [illegible] لگے۔ طلباء نے [illegible] کہ آپ پر بھی نواب محسن الملک کا جادو چل گیا۔

ایک خفیف واقعے سے طلباء اور اسٹاف اور [illegible] میں [illegible] پیدا ہوا [illegible] اس نے نواب محسن الملک کو بے انتہا متردد اور بے چین کر دیا تھا۔ [illegible] شیروانی اور [illegible] بھی تھا۔

ابھی طلباء کی اسٹرائک جاری تھی کہ ایک دن نواب صاحب نے [illegible] طلباء [illegible] متاثر ہوئے اور ان سے وعدہ کیا کہ [illegible] کوشش کریں گے۔ [illegible] طلباء نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ طلباء کو سمجھانے کا ایک خط لکھ دیں۔ نواب صاحب [illegible] سامنے بیٹھ گئے اور ایک لمبا خط اپنے ہاتھ سے تحریر کیا جس کی ابتدا "میرے [illegible] فرزندو!" سے کی

اس فقرے نے اور اس خط کے پورے مضمون نے طلباء پر جادو کا اثر کیا۔ جب نواب صاحب نے وہ خط ختم کیا تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ طلباء اب تک دوران اسٹرائک میں نواب صاحب سے خفا تھے اور ان پر الزام [illegible] کہ انگلش اسٹاف کے ساتھ وہ کمزوری برت رہے ہیں اور ہمت کو راہ نہیں دے رہے ہیں لیکن ان کے دو [illegible] نے حیرت انگیز طریقے پر طلباء کی ناراضی [illegible] کر دی۔ ان کی تحریر کے [illegible] طلباء کے ساتھ ان کی محبت [illegible] تھی۔ اس خط سے [illegible] ظاہر ہوتا تھا کہ وہ علم نفسیات کے کتنے بڑے ماہر ہیں۔ [illegible] جو تمام [illegible] اور پرانے طالب علموں کی نصیحتیں نہ کر سکی تھیں......

ظاہراً تو یہ طلباء کالج کی ایک اسٹرائک تھی لیکن حقیقتاً علی گڑھ کے طلباء کی یہ اسٹرائک مسلمان قوم کی سیاست کی سنگ بنیاد تھی۔ اس اسٹرائک کے بعد ہی مسلم لیڈروں نے محسوس کر لیا کہ اب مسلمان نوجوان پرانی سیاسی پالیسی سے بیزار ہو چکے ہیں [illegible] ضروری ہو گیا ہے کہ ان کے لئے ایک سیاسی

[illegible] کی ایک سال [illegible] گئی۔

[illegible] صبح کے وقت ان کی کوٹھی پہنچے۔ اس وقت نواب صاحب [illegible] تھے۔ نواب صاحب نے [illegible] کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ تو سب خود ہی [illegible] اور یہ سب لڑکوں کو [illegible] ہے۔ [illegible] ان سے پوچھا گیا کہ حضور کیا بات ہے تو فرمانے لگے کہ آج رات میں [illegible] کل رات صرف [illegible] تھا جو [illegible] میں نے اس سے کہا کہ تو جا کر ذرا اس بہرے کو جو [illegible] کوٹھی میں رہتا ہے [illegible] اور اس [illegible] کو کہیں اس کو کچھ انعام دوں گا۔ میں نے اس بہرے کو [illegible] بلایا لیکن اس نے آنے سے صاف انکار کر دیا۔ تب مجھ کو غصہ آیا اور میں نے [illegible] کہ کل صبح میری کوٹھی سے نکل جائے۔ آج صبح کو بیرے لڑکوں نے جب اس کو مکان سے نکل جانے کو کہا تو [illegible] کہ جاؤ [illegible] کیا بات [illegible] اب تک یاد ہے؟ [illegible] کی طرح مجھ کو [illegible] ہیں۔ جب [illegible] نے پوچھا کہ پھر کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ [illegible] گیا میں [illegible] ہو گیا۔

اس ایک واقعے سے نواب صاحب کی مروت، نیکی اور شرافت کا پتہ چلتا ہے جس سے لوگ [illegible] کرتے تھے۔

[illegible] کالج کی [illegible] اور دیگر پیچیدگیوں سے [illegible] میں نواب صاحب کو کافی صدمے پہنچے [illegible] کرنے سے باز نہ آئے [illegible] قومی [illegible] کا واقعہ بھی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ انہوں نے خدمت قوم پر جان دے دی۔ آخر ستمبر ۱۹۰۷ء میں [illegible] سے اصلاحات کی اسکیم میں مسلمانوں کے حقوق کی [illegible] وغیرہ کے لئے ملاقات کرنے شملہ تشریف لے گئے تھے [illegible] وہ زبردست طور پر علیل ہو گئے [illegible] لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو ۹ بجے شام اس حقیقی محسن الملک اور خادم قوم نے [illegible] اپنی زندگی کا اجر حاصل کرنے کے لئے انتقال فرمایا کہ زبان وحی کا یہ قول [illegible] ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (خدا نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا)

حالی نے چند رباعیات میں نواب محسن الملک کی زندگی کی تصویر کھینچی ہے اس کو بھی سن لیجئے ؎

دم بھر نہ کبھی جسم و جاں کو آرام دیا — خدمت کے لئے قوم کی مر مر کے جیا
پیری بھی نہ [illegible] راہ اس کی نہ مرض — [illegible] کا تھا جو کام وہ برسوں میں کیا

پیری میں جوانوں کو کیا مات اس نے — آرام پہ اپنے ماری لات اس نے
[illegible] سے محنت سے دکھا دی سب کو — کالج کی ترقی میں کرامات اس نے

مدراس میں سوتوں کو جگایا جب کر — غل علم کا بمبا میں مچایا جا کر
بھائی بھائی مرتی جہاں قوم میں تھی — واں آب حیات ان کو پلایا جا کر

نئے ناول

قمر تسکین کا اسلامی تاریخی ناول

زینب

یہ تحریک سے ہی جدید یہاں کی اسلامی تاریخی
آزادی کی تحریک اور استقلال بے مثال کی داستان
عکاسی ہے جس کا سر سید احمد نے جو سیاسی تحریک
ناول میں شیخ آزادی کے جذبے کی سرگرمیاں اور
کامیابی کی جانفشانی میں محبت و نفرت کی کشمکش
دلچسپ اور کشش پیرائے میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ ناول
محض پیار ہے بلکہ عظمت ماضی کا افسانہ نہیں ہے
بھی اس سے سب اہل وطن کے پاکیزہ جذبات کو
جا سکتا ہے۔ ضخامت ساڑھے تین سو صفحات سے
زائد۔ سرورق چار رنگوں میں۔

قیمت صرف ساڑھے بارہ آنے

محمد علی پاشا

قمر تسکین کا ایک اور اسلامی تاریخی ناول

محمد علی پاشا، ان جہاں آموز، عبرت پرور اور
باطل شکن معرکہ آرائیوں کی خونابہ داستان ہے
جن کو عشق و عرفان کے چھینٹوں نے قوس قزح کا
رنگ دیا ہے۔ ضخامت چھ سو صفحات۔

قیمت سات روپے آٹھ آنے

رفعت سلطانہ کا المیہ ناول

اُستانی

ایک ناول دلچسپ داستان ہے جو کہ نامور افسانہ
ناول نگار رفعت سلطانہ نے اپنے مخصوص انداز
میں پیش کی ہے۔ یہ ناول ایک ایسی لڑکی کی کہانی
ہے جس میں ماحول کی کشمکش گھر گھر محسوس ہو
رہی ہے اور اسے دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک
ایسا ناول ہے جو سماج کے اس طبقے کی
ترجمانی کرتا ہے۔ ضخامت ساڑھے تین سو صفحات
کتابت و طباعت دیدہ زیب حسین سرورق۔

قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے

پھول چنتی رہی

ساحر لدھیانوی نے کہا تھا ؎

میں کہتا تجھ سے مگر تو میری راہوں کے تلے
پھول چنتی رہی، چنتی رہی، چنتی ہی رہی

ف۔ م سوز نے اس شعر کی اس قدر دلنشین
دلچسپ اور موثر انداز میں تشریح کی ہے کہ آپ چاہتے
بیساختہ کبھی رو دیں گے کبھی مسکرا دیں گے۔ یہ ایک اخلاقی
ناول ہے جسے ف۔ م سوز نے آنسوؤں کے سمندر میں ڈوب کر
لکھا ہے

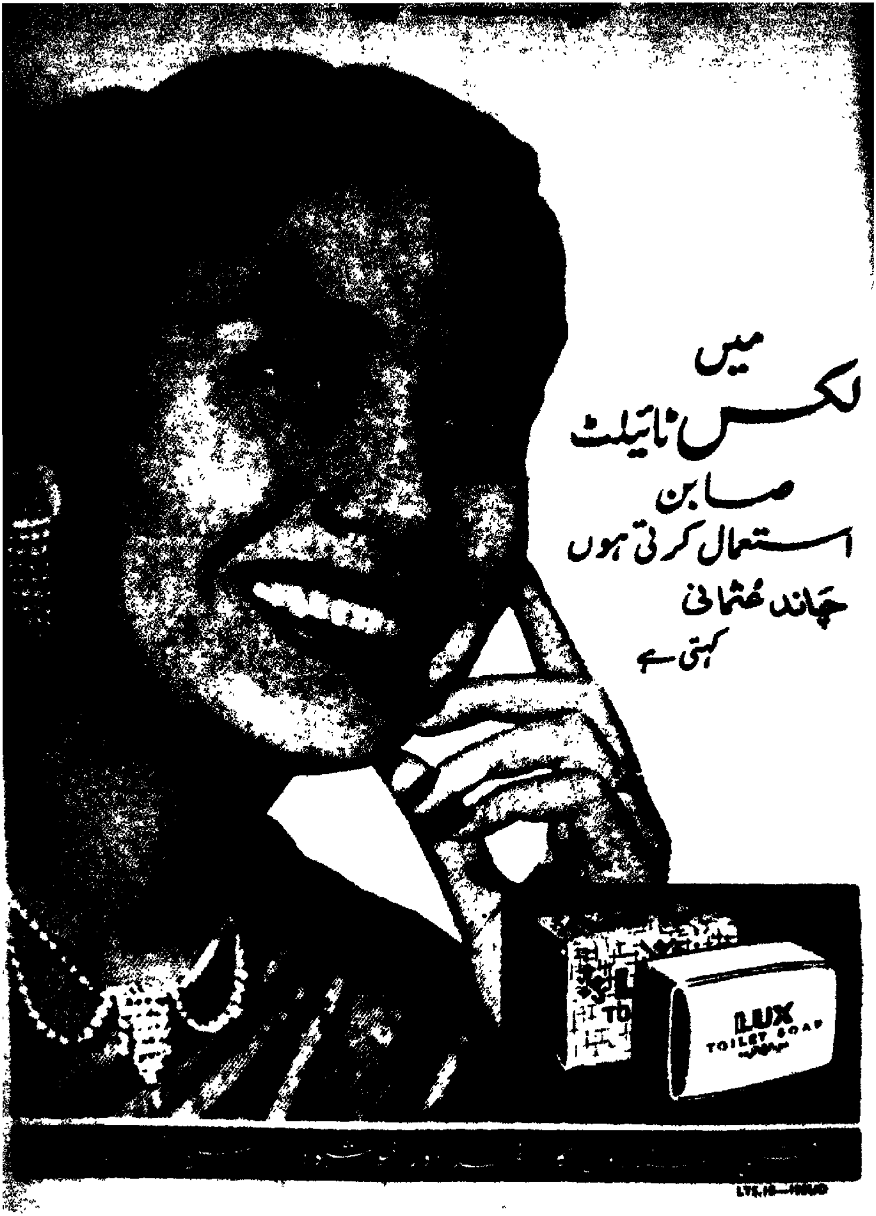
قیمت صرف تین روپے

ہر اچھے کتب فروش سے خریدیئے یا ہم سے منگوائیے

کتب مینار ۔۔۔۔ ١٠۔ اے مال روڈ ۔۔۔۔ لاہور



بے حد چمک دینے والا سن لائٹ
کپڑوں کو سفید اور اُجلا دھوتا ہے
SUNLIGHT
سن لائٹ
صابن



میں
لکس ٹائیلٹ
صابن
استعمال کرتی ہوں
چاند عثمانی
کہتی ہے
LUX
TOILET SOAP


سیدھی
اور مضبوط
اعضا
کے لئے
اپنے ننھے بچے کو
یہ خالص دودھ دیجئے
آسٹرملک


ان کی تندرستی اہم شے
اسی وجہ سے میں ہمیشہ ڈالڈا
سے کھانا تیار کرتی ہوں
ہمیشہ محفوظ اور پاک وصاف
ڈالڈا برانڈ وناسپتی
کھانوں کو بہتر بناتا ہے



(محمد طفیل پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے اشرف پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کیا)

پنجابی زبان دا
ادب تے تاریخ

● [illegible] زبان دی ورتھاں [illegible] کوشش نال پنجابی ادب تے شاعری دے [illegible] نال پنجاب اپنے دی [illegible] واضح ہو جاندا اے

● [illegible] ادب تے تبصرہ [illegible] کوئی کتاب [illegible] نہیں گئی۔

● [illegible] شاعراں دے حالات [illegible] نال اوہناں دی زندگی دے حالات دی [illegible]

● [illegible] پنجابی شاعراں دا [illegible] اوہناں دی زندگی دے [illegible] دی [illegible]

● [illegible] شاعری دی [illegible] دا [illegible] رنگ دے کے اوہدے [illegible] دکھایا گیا اے۔

● [illegible] قومی [illegible] انگریزی حکومتاں دے دور [illegible] رنگ [illegible] شاعری [illegible] نال [illegible] طریقے نال کیتے گئے نے۔

● [illegible] کلاسیکل زباناں دے [illegible] پنجابی وچ [illegible] کیتے گئے نے۔

● [illegible] عام [illegible] اوہدے [illegible] کیہ [illegible]

● [illegible] دیباچہ مولانا عبدالمجید سالک [illegible] لکھیا اے [illegible] جان [illegible] کر دتی اے۔

لکھائی چھپائی صاف ستھری تے دکھ بڑا سوہنا، کاغذ سفید !

[illegible] جلد [illegible] دوویں حصے [illegible] کل دس روپے

[illegible] بک ڈپو اردو بازار لاہور (پاکستان)


آپ کو مال کس جگہ چاہیے؟
طبقہ کے خریداروں
کی سہولت کے لئے برماشیل
نے ملک کے ۹۵ اہم مقامات پر
اپنے ڈپو کھول رکھے ہیں جہاں سے
ضرورت کے وقت فی الفور رسد
حاصل کی جا سکتی ہے۔ پٹرولیم کی مصنوعات
کے نقل و حمل اور ذخیرہ اندوزی کے سلسلہ میں برماشیل کا وسیع
تجربہ اور کامل انتظام ملک کے گوشہ گوشہ میں بہ کفایت تقسیم کاری
کا ضامن ہے
برماشیل
ترقی پاکستان کا ایک حصہ ہے

مکاتیب نمبر

زندہ اور مرحوم مشاہیر ادب کے ہزاروں
نادر و نایاب ــ علمی، ادبی اور سیاسی خطوط

★

ادبی دستاویزوں اور سیاسی نشیب و فراز کی یکجا تاریخ

چار جلدوں میں پیش کی جا رہی ہے

★ پہلی جلد میں مرحوم مشاہیر ادب کے خطوط ہوں گے۔ جس میں غالب، سر سید، حالی، محسن الملک، وقار الملک، [illegible] نذیر احمد، محمد حسین آزاد، اقبال، صدر یار جنگ، شبلی، سلیمان ندوی، پریم چند، مولانا محمد علی، گاندھی اور قائد اعظم ایسے عبقریوں کی تاریخی اہمیت کی دستاویزیں ہوں گی۔

★ دوسری جلد میں زندہ مشاہیر ادب کے خطوط ہوں گے۔ جس میں ابوالکلام، بابائے اردو، ظفر علی خان، نیاز فتحپوری، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، رشید احمد صدیقی، جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، فراق گورکھپوری، حفیظ جالندھری، فیض احمد فیض، عصمت چغتائی، کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی ایسے زندہ رہنے والے شاعر اور ادیبوں کے خطوط ہوں گے۔

★ تیسری جلد میں پھر مرحوم مشاہیر ادب ہی کے خطوط ہوں گے۔ ادارۂ نقوش کی خواہش ہے کہ تمام سرمایہ جو خطوط کی شکل میں ادھر ادھر بکھرا پڑا ہے۔ وہ تمام کا تمام یکجا کر دیا جائے۔

★ چوتھی جلد میں اردو کے تمام تاریخی نوعیت کے مطبوعہ خطوط کا انتخاب ہوگا۔ تاکہ خطوط کے سلسلہ میں نقوش کا یہ نمبر حرف آخر کا درجہ رکھے۔

★ یہ کام بڑی ذمہ داری کا ہے۔ جسے ادارہ نقوش تمام تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سر انجام دے گا۔

نمائش

ہمارے پاس تمام ہی بڑے بڑے زندہ اور مرحوم مشاہیر کے اصلی خطوط موجود ہیں۔ اس لئے ادارۂ نقوش کا ارادہ ہے کہ وہ لاہور میں اصلی خطوط کی نمائش بھی کرے۔

منیجر نقوش لاہور